جدید کمپیوٹر ایڈیشن

تفسیر
علامہ جلال الدین محلی و علامہ جلال الدین سیوطی

شرح
حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب
استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 021-32213768

تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

جلد ششم، ہفتم

پارہ ۲۵ تا پارہ ۳۰

بقیہ سورہ فُصِّلَتْ (حٰمٓ السجدہ)

تا

سورۃ النّاس

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب مدظلہم

استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

مکتبہ

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء
ضخامت : ۶ جلد صفحات ۳۲۲۴

تصدیق نامہ

میں نے "تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین" کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کر دی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
نمبر کارڈ R ROAUQ 2002/338
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ
23/08/06

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE U.K.

اجمالی فہرست

جلد ششم وہفتم پارہ نمبر ۲۵ تا ۳۰

پارہ نمبر ﴿۲۵﴾

اِلَیْهِ یُرَدُّ

فہرست پارہ ﴿الیہ یرد﴾

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتٰى تَكُوْنُ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ ثَمَرَاتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا اَوْعِيَتِهَا جَمْعُ كِمٍّ بِكَسْرِ الْكَافِ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۤءِيْ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ اَيْ اَعْلَمْنَاكَ الْاٰنَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ اَيْ شَاهِدٍ بِاَنَّ لَكَ شَرِيْكًا وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْاَصْنَامِ وَظَنُّوْا اَيْقَنُوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ مَهْرَبٍ مِنَ الْعَذَابِ وَالنَّفْيُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَقِيْلَ جُمْلَةُ النَّفْيِ سَدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۤءِ الْخَيْرِ اَيْ لَا يَزَالُ يَسْأَلُ رَبَّهُ الْمَالَ وَالصِّحَّةَ وَغَيْرَهُمَا وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ الْفَقْرُ وَالشِّدَّةُ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَهٰذَا وَمَا بَعْدَهُ فِي الْكَافِرِيْنَ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَذَقْنٰهُ اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً غِنًى وَصِحَّةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۤءَ شِدَّةٍ وَبَلَاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ اَيْ بِعَمَلِيْ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۤئِمَةً وَّلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى اَيِ الْجَنَّةُ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ شَدِيْدٍ وَاللَّامُ فِي الْفِعْلَيْنِ لَامُ قَسَمٍ وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الْجِنْسِ اَعْرَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ثَنٰى عِطْفَهُ مُتَبَخْتِرًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيْمِ الْهَمْزَةِ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاۤءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ كَثِيْرٍ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ اَيِ الْقُرْاٰنُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَيْ لَا اَحَدَ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ خِلَافٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ عَنِ الْحَقِّ اَوْقَعَ هٰذَا مَوْقِعَ مِنْكُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنَ النَّيِّرَاتِ وَالنَّبَاتِ وَالْاَشْجَارِ وَفِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مِنْ لَطِيْفِ الصَّنْعَةِ وَبَدِيْعِ الْحِكْمَةِ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ اَيِ الْقُرْاٰنُ الْحَقُّ الْمُنَزَّلُ مِنَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ فَيُعَاقَبُوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ بِهٖ وَبِالْجَائِيْ بِهٖ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ فَاعِلُ يَكْفِ اَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ بَدَلٌ مِنْهُ اَیْ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ فِیْ صِدْقِكَ اَنَّ رَبَّكَ لَا یَغِیْبُ عَنْهُ شَیْءٌ مَا **اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ** شَكٍّ **مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ** لِاِنْکَارِهِمُ الْبَعْثَ **اَلَآ اِنَّهٗ** تَعَالٰی **بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾** عِلْمًا وَّقُدْرَةً فَیُجَازِیْهِمْ بِکُفْرِهِمْ

ترجمہ:......... قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟) اور کوئی پھر (ایک قرأت میں ثمرات ہے) اپنے خول سے باہر نہیں آتا (اکمام۔ کم بکسرالکاف کی جمع ہے۔ بمعنی برتن۔ اللہ ہی کے علم سے نکلتا ہے) اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس دن ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، وہ کہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں (اب درخواست گزار ہیں) کہ ہم میں سے کوئی بھی دعویدار نہیں ہے (یعنی آپ کے شریک ہونے کا کوئی مدعی نہیں ہے) اور وہ سب غائب (لاپتہ) ہوجائیں گے جن جن کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ پہلے سے (دنیا میں رہتے ہوئے یعنی بت) اور یہ لوگ سمجھ لیں گے (جان جائیں گے) کہ ان کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت نہیں ہے (عذاب سے چھٹکارہ۔ بس مامنا اور مالھم میں دونوں جگہ نفی لفظوں میں عمل نہیں کررہی ہے اور بعض کے نزدیک جملہ نفی دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) انسان کا جی نہیں اکتا تا ترقی کی خواہش سے (یعنی ہمیشہ اللہ سے مال و دولت، صحت و تندرستی وغیرہ مانگتا ہی رہتا ہے) اور اگر اس کو کوئی تکلیف (فکر و تنگی) پہنچتی ہے تو نا امید اور ہراساں ہوجاتا ہے (اللہ کی رحمت سے مایوس، یہ اور اس کے بعد کی آیتیں کفار کے متعلق ہیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) ہم چکھادیں (عنایت کردیں) مزہ اپنی مہربانی (خوشحالی اور تندرستی) کا اس تکلیف (مصیبت اور تنگی) کے بعد جو اس پر واقع ہوئی تھی تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرے لئے (میرے کارناموں کی وجہ سے) ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا خیال نہیں کرتا۔ اور اگر (لام قسمیہ ہے) میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے وہاں سے بھی بہتری (جنت) ہے۔ سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کرتوت ضرور بتلادیں گے اور ان کو سخت عذاب ہوگا (دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے) اور جب ہم انسان کو (کوئی بھی آدمی ہو) نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے (شکر بجالانے سے) اور کروٹ لے لیتا ہے (اتراتے ہوئے پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ ایک قرأت میں تاء کی ہمزہ پہلے ہے) اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی (بکثرت) دعائیں کرنے لگتا ہے۔ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ یہ (قرآن) اللہ کے یہاں سے اگر آیا ہو (جیسا کہ آنحضرتؐ کا دعویٰ ہے) پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا۔ (یعنی کوئی نہیں) جو مخالفت (اختلاف) میں پڑا ہو دور دراز کی (حق سے بعید۔ ممن ھو الخ بجائے منکم کے ہے ان کی حالت کا بیان ہے) ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھلائیں گے جہاں بھر کی (آسمانوں اور زمین کے گرد و نواح کی، جیسے: چاند، سورج، ستارے، گھاس پھونس، درخت) اور خود ان کی ذات میں بھی (یعنی بہترین صنعت اور عمدہ حکمت) یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ وہ (یعنی قرآن) حق ہے (اللہ کی طرف سے قیامت، حساب، عذاب کا بیان لایا ہے۔ لہٰذا ان باتوں کے اور ان کو پیش کرنے والے کے انکار پر ان کو سزا ہوگی) کیا آپ کے پروردگار کی یہ بات کافی نہیں ہے (یکف کا فاعل بربک کا ہے) کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے (یہ جملہ بربک کا بدل ہے۔ یعنی کیا آپ کے سچا ماننے کے لئے یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ آپ کے رب سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے) یاد رکھو کہ وہ لوگ شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار کے روبرو جانے سے (قیامت کا انکار کرنے کی وجہ سے) یاد رکھو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہوئے (بلحاظ علم وقدرت کے، لہٰذا ان کو ان کی سزا یقیناً دے گا)۔

تحقیق وترکیب:.........من ثمرة اکثر قراء کے نزدیک ثمرة ہے، لیکن نافعؒ، ابن عامرؒ اور حفصؒ کے نزدیک ثمرات ہے۔

یوم ینادی ای اذکر اذناک۔ یعنی آپ کو ہمارے دلوں کی یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہم آپ کے لئے شریک نہیں مانتے اپنے دلوں کا حال جاننے کو اپنی طرف نسبت کردیا کہ گویا ہم نے آپ کو یہ بتلایا، اس توجیہہ کے بعد اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ اللہ تو پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ پھر ان کو بتلانا اعلام عالم ہے جو محال ہے اور الآن کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ انشاء مراد ہے اخبار مراد نہیں۔ گویا یہ جملہ لفظاً خبر ہے اور معناً انشائیہ۔

مـن شهيـد ۔ تفسیر میں عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہم اپنے شاہد ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ بت چونکہ غائب ہوگئے، اس لئے ہم ان کے شاہد نہیں رہے اور بعض نے ان کو خود شرکاء کا قول کہا ہے یعنی شرکاء کہیں گے کہ ہم ان کافروں کے برسرِ حق ہونے کی شہادت نہیں دے سکتے۔

مامنا من شهيد اور مالهم من محيص دونوں جگہ مانافیہ ہے اور یہ دونوں فعل آذنا اور ظنوا متعدی بدو مفعول ہیں۔ اس کے دونوں مفعول اور آذنا متعدی بسہ مفعول ہیں اور اس کے مفعول ثانی اور ثالث کے قائم مقام جملہ نفی ہے۔

لایسأم الانسان۔ انسان اگرچہ جنس ہے، لیکن اکثریت میں کفار مراد ہیں۔ کیونکہ رحمت الٰہی سے مایوسی کفر ہے۔

فیؤس قنوط۔ مایوسی بمعنی ناامیدی۔ یہ قلب کی صفت ہے اور چہرے وغیرہ پر اس کے آثار ظاہری کو قنوطیت کہا جاتا ہے۔

لیقولن۔ یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف کے قائم مقام ہے۔

هٰذالی۔ لام استحقاقیہ ہے جس کو مفسرؒ نے بعلمی سے ظاہر کیا ہے۔

واذا انعمنا الخ یہ انسان کی دوسری کوتاہی ہے کہ نعمت کی مستی میں منعم کو بھول جاتا ہے۔

ونا بجانبه۔ ناء بروزن قال ہے۔ لیکن ابن عامرؒ کی قرأت ابن ذکوانؒ کی روایت سے یہ لفظ بروزن رای ہے اور با تعدیہ کے لئے اس لئے بعد جانبه معنی ہوگئے۔

عریض۔ اہل عرب طویل وعریض بول کر کثیر کے معنی لیتے ہیں۔ اطال فلان واعرض فی الدعاء. پس استعارہ تخییلیہ ہوگیا کہ دعا کو مقداری چیز سے تشبیہ دی گئی اور چونکہ طول بہ نسبت عرض کے زیادہ ہوا کرتا ہے اس لئے کسی چیز کے عرض زیادہ ہونے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ طول کس قدر ہوگا۔

ارأیتم. استفہام انکاری ہے اس لئے مفسرؒ نے لا احد کہا ہے۔

مـمن هو فی شقاق۔ یہ عبارت بجائے منکم ہے۔ چنانچہ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ موصول کو صلہ کی جگہ گمراہی زیادہ ہونے کے لئے کہا گیا ہے۔

فی الأفاق. افق کی جمع آفاق ہے۔ جیسے: عنق کی جمع اعناق ہے۔ افق آفاق جیسے: علم اعلام یہاں آیات آفاقیہ سے مراد حسی واقعات ہیں۔ جیسے: فتوحات اسلامیہ خواہ وہ اس آیت سے پہلے ہوں یا بعد میں اور سـنـريهـم میں سین استقبالیہ اطلاع دینے کے اعتبار سے ہے نہ کہ بلحاظ وقوع اور عالم کبیر کی آیات کے بعد عالم صغیر یعنی آیاتِ انفسی کا ذکر ہے۔

اولم یکف۔ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے واؤ عاطفہ ہے ای تحزن علی انکارهم ومعارضتهم لک ولم یکف الخ اس میں استفہام انکاری ہے اور با فاعل ومفعول پر زائد ہوسکتا ہے۔

انه علی کل ۔ یہ بدل الکل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اتحـزن علی کفرهم ولم یکفک شهادة ربک

لک وعلیھم مفسرؒ کی رائے پر تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **الم یعتبروا اولم یکفھم شھادۃ ربک لک بالصدق وعلیھم بالتکذیب** لیکن دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں استفہام انکاری ہے اور دوسری صورت میں تاکیدی ہے اور پہلی صورت میں بدل الکل اور دوسری صورت میں بدل الاشتمال ہے۔

من لقاء ربھم۔یعنی انکارِ قیامت زبانی ہے اور چونکہ یہ انکار محض ان کے گمان میں ہے جو دلیل کے خلاف ہے اس لئے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ دل سے قیامت کے جب منکر تھے پھر کیسے ان کو مبتلاء شک کہا گیا۔

الا انہ. اس میں آپ ﷺ کو تسلی ہے۔

ربط آیات:........پہلی آیات میں توحید اور قرآن کے مخالفین کو یوم الوعید کی دھمکی دی گئی تھی۔

آگے آیت **الیہ یرد الخ** سے توحید ورسالت اور قرآن کے منکرین سے ملا جلا خطاب اور کلام ہورہا ہے۔

﴿تشریح﴾:......**اللہ کا علم ذاتی دلیلِ توحید ہونے کے ساتھ دلیل قیامت بھی ہے**۔........**الیہ یرد** بڑے سے بڑا پیغمبر یا فرشتہ بھی قیامت کی ٹھیک ٹھیک تعیین نہیں کرسکتا۔اس کا صحیح ناپ تول صرف اللہ کو معلوم ہے۔لیکن کسی چیز کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز موجود ہی نہیں۔اور ایک قیامت کے علم ہی کی تخصیص کیا۔اللہ کی وسعت علم کا حال تو یہ ہے کہ کوئی کھجور اپنے گابھے سے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جس کی خبر خدا کو نہ ہو،اسی طرح جو بچہ عورت اور جانور کے پیٹ سے ہوتا ہے یا جنا جاتا ہے سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔گویا اللہ کا علم ذاتی صفت کمال ہونے کی وجہ سے جہاں دلیل توحید ہے وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی اللہ ہی کو معلوم ہے۔گویا علم کی صفت ذاتیہ کی نسبت تمام متعلقات کے ساتھ مساوی ہونے کی وجہ سے یہ علم قیامت کی دلیل بھی ہوئی۔

چنانچہ آگے قیامت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی ہورہا ہے۔کفار سے پکار کے فرمایا جائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک، اب بلاؤ نا کہاں ہیں؟ وہ عرض کریں گے ہم میں سے کوئی بھی اس کا مدعی نہیں ہے کہ اقبال جرم ہونے کی حیثیت سے اس جرم کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہو، گویا نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کریں گے۔

یا کہا جائے گا کہ چونکہ وہ عالم حقائق ہوگا انہیں اپنے عقیدے کی غلطی منکشف ہوجائے گی اور غلطی کا یہ اقرار ایک طرح سے اضطراری اقرار ہوگیا جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا اس سے نجات کی کچھ توقع کریں گے مگر لا حاصل اور بعض نے شہید کو شاہد کے معنی میں لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ ہم سے کوئی اس وقت ان شرکاء کو نہیں دیکھ رہا ہے کہاں غائب ہوگئے اور سمجھ جائیں گے جنہیں دنیا میں خدا کے شریک کی حیثیت سے پکارتے تھے۔آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آئے۔بس جی اب خدا کی سزا سے بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔یہاں **وما منا من شھید** میں شرکاء کے حاضر ہونے کا انکار بظاہرہ آیت **وقیل ادعوا شرکاء کم** کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔مگر کہا جائے گا کہ وہ پکارنا فرطِ حیرت اور بدحواسی سے ہوگا، اعتقاد سے نہیں ہوگا اور یہ انکار حق واضح ہوجانے کے بعد ہوگا۔اب وہ اعتقاد زائل ہوجائے گا یا چونکہ شرکاء نفرت نہیں کرسکیں گے اس لئے اس اقرار پر مجبور ہوں گے۔

انسان کی حرص وطمع لامحدود ہے:..........آگے آیت **لایسئم الانسان** سے کفر وشرک کی نحوست کا اثر طبیعت انسانی پر بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص توحید وایمان سے بے بہرہ ہوجاتا ہے، اس کے عقائد، اخلاق، اعمال سب کا ستیاناس ہوجاتا ہے اور اس کی عجیب کیفیت ہوجاتی ہے۔دنیا کی ذراسی بھلائی پہنچتی ہے اور کچھ ذرا عیش وآرام نصیب ہوجاتا ہے تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ ساری

دنیا کی بٹورلوں، اس کی طمع کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنے گھر میں ڈال دے۔ لیکن پھر جہاں ذرا کوئی افتاد پڑی۔ تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی اور اللہ پر سے اعتماد اور بھروسہ یکسر اٹھ جاتا ہے اور ہمہ تن اسباب کی الٹ پلٹ میں کھو جاتا ہے۔ یہ اس کی انتہائی ناشکری اور اللہ کی بدگمانی اور مشیت الٰہی سے سخت ناگواری کا پہلو ہوتا ہے۔

پھر بالفرض اگر اس مایوسی کے بعد اللہ اپنی مہربانی سے اس کی مصیبت دور کر کے عیش وآرام سے ہمکنار کر دیتا ہے تو پھر اچانک اپنی لیاقت وقابلیت پر نظر چلی جاتی ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ میری تدبیر کا کرشمہ دیکھو کیسی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ اسی لائق ہوں۔ یہ میرے ہی ہنر کی دین ہے۔ اب نہ خدا کی مہربانی یاد آتی ہے اور نہ مایوسی کی وہ کیفیت رہتی ہے جو ابھی چند منٹ پہلے اس پر طاری تھی اور اس تازہ عیش میں یہاں تک پھولتا اور بھولتا ہے اور خوشی ومسرت کے اس نشہ میں اتنا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت کا خطرہ نہیں رہتا اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب تو ہمیشہ یہی حالت رہے گی اور ایسے میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو بدمستی میں کہہ اٹھتا ہے کہ یہ سب واہیات ڈھکوسلے ہیں۔ قیامت ویامت کہیں نہیں ہے۔

انسان کی خودفریبی:............ اور بالفرض اگر ایسا ہوا بھی تو یار لوگ وہاں بھی مزے اڑائیں گے، یہاں موج کی ہے، کیونکہ اگر اللہ کے نزدیک میں نالائق ہوتا تو یہیں کیوں آرام وعیش ملتی، اس لئے میرے تو وہاں بھی مزے ہی مزے ہوں گے۔ اس طرح قیامت کا انکار انتہائی کفر اور برتقدیر فرض وہاں بھی اپنے لئے بہترائی کی امید، پرلے درجہ کی خودفریبی ہوگی۔

غرضیکہ کفروشرک کے یہ نتائج وثمرات ہیں اور قلب ونظر کا کھوٹ ہے۔ سو یہ لوگ یہاں جتنا چاہیں خوش ہولیں، مگر وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ کس طرح عمر بھر کے کرتوت سامنے آتے ہیں اور کیسی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

یاس اور دعا میں کوئی منافات نہیں:............ آگے آیت واذا انعمنا الخ سے کفروشرک کے آثار کا تتمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس نالائق آدمی کی یہ کیفیت رہتی ہے کہ اللہ کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے وقت تو محسن حقیقی کی شکرگزاری سے کنارہ کش ہو کر خود نعمت میں کھو جاتا ہے اور پھر جب کوئی آفت آنے لگتی ہے تو پھر بےشرمی سے اس خدا کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتا ہے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگ جاتا ہے اور ذرا نہیں شرماتا کہ کس منہ سے اب اس کو پکاروں اور طرفہ یہ کہ اسباب سے مایوسی کے باوجود بھی ایسے میں بدحواسی اور پریشانی میں بےاختیار اسی کی طرف ہاتھ اٹھنے لگتے ہیں۔ گویا دل میں مایوسی مگر زبان پر اللہ کا نام ہوتا ہے۔

یاس و دعا میں جو بظاہر تعارض ہوتا ہے وہ اس تقریر سے صاف ہو گیا۔ کیونکہ یہ دعا التجاء الی اللہ کے طور پر نہیں ہوتی، بلکہ اضطراراً ہوتی ہے۔ جیسے: اکثر عشاق دنیا کو دیکھا کہ ناگوار باتوں کے پیش آنے پر ہائے ہلا مچاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں ہائے اللہ! اب کیا کروں۔ ہائے اللہ! اب کیا ہوگا۔ گویا یہ ایک تکیہ کلام ہوتا ہے کہ اللہ کا نام زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ ایسے موقعوں پر بےساختہ نکل ہی جاتا ہے۔ اس میں اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ یا جیسے بچہ کی زبان پر کسی بھی آفت کے وقت ابا اماں کے نام آجاتے ہیں، وہ اضطراراً آجاتے ہیں۔ تاہم اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کو پکارنا اور یاد کرنا فطرت انسانیت ہے، مگر افسوس! کہ ناشکرے اس پہلو پر بھی دھیان نہیں دیتے۔

فرماں بردار اور نافرمان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں:............ البتہ ایمان کے آثار، کفروشرک کے آثار سے بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً: حرص اور طمع کا نہ ہونا، اسی طرح ضرر ونقصان کی صورت میں مایوسی اور جزع فزع نہ ہونا، علیٰ ہذا امن وعیش کے حالات

میں کفر وکفران نہ ہونا۔

غرضیکہ انسان کی طبیعت کا عجیب وغریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت مؤثر انداز میں توجہ دلا کر آیت قل ارأیتم الخ میں قرآن اور پیغمبر قرآن کی طرف تلطف آمیز دعوت ہے کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں سے آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ خدا کی طرف سے ہے تم اس کو نہ مانو تو دیکھو کہ نقصان کس کا ہے؟ ایسی اعلیٰ نصیحتوں اور حکمتوں سے لبریز کتاب کا یا تمہارا اپنا؟ کم از کم تمہیں اس امکانی پہلو پر ہی غور کر کے اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے تھی۔ مگر تم ہو کہ حق سے ایک دم دور ہوتے چلے جارہے ہو اور نہیں دیکھتے کہ اس سے بڑھ کر نقصان اور خسارہ اور کیا ہوسکتا ہے اور مقدم قطعی کے محتمل ہونے کی صورت میں اگرچہ تالی بھی محتمل ہوتی ہے مگر تالی کا ترتب مقدم پر واجب ہے۔

ایک علمی اشکال کا جواب: .... پس عقلاً اضلال کے احتمال سے بچنا بھی واجب ہے اور وہ وقوف ہے قرآن کے تدبر پر۔ پس واجب کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے تدبر بھی واجب ہوا۔ اس لئے قرآن کا انکار جلدی سے نہ کر ڈالو بلکہ سوچ سمجھ سے کام لو، تاکہ تم پر حق واضح ہو جائے اور قرآن کی حقانیت پر دوسرے دلائل تو بجائے خود ہیں۔ ہم تو ان منکروں کو خود ان کی اپنی جانوں میں اور ان کے گردوپیش بلکہ سارے عالم میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلاتے ہیں، جن سے قرآن اور پیغمبر قرآن کی حقانیت وصداقت روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے اور اسباب ظاہری کے بالکل برخلاف قرآنی پیشگوئیاں واقعات کے مطابق ہو جائیں۔ پھر تو تم قرآن کو اللہ غیب دان کا کلام مانو گے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آیت سے مراد قدرت کی عام نشانیاں ہوں، خواہ وہ انفسی ہوں یا آفاقی۔ جب کہ وہ ان سنن الٰہیہ اور قوانین فطریہ کے موافق ہوں جو اس عالم تکوین میں کافرما ہیں اور چونکہ ان کا انکشاف دفعتاً نہیں ہوتا، بلکہ وقتاً فوقتاً تدریجاً ہوتا ہے۔ اس لئے سنریھم فرمادیا اور اگر قرآن کی صداقت کوئی نہ بھی مانے تو اکیلے خدا کی گواہی کیا کم ہے، جو ہر چیز پر گواہ ہے اور غور کرنے سے ہر چیز میں اس کی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ ابھی تک اسی مغالطہ اور غلط فہمی میں پھنسے ہوئے ہیں کہ خدا کے پاس انہیں حاضر نہیں ہونا ہے۔ حالانکہ اللہ ہر وقت، ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز بھی ہو، مکانیات یا مکان۔ زمانیات یا زمان سب احاطۂ وجود میں چونکہ داخل ہیں اور وجود حقیقی اللہ ہے۔ پس اللہ کے احاطہ سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ اور جس طرح زندہ رہتے ہوئے باہر نہیں ہیں اسی طرح فنا ہونے کے بعد بھی ممکنات اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں ہیں۔ محالات اور ممتنعات میں گفتگو نہیں ہے کہ وہ دائرہ سے باہر ہیں۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ اَلْاٰيَاتُ الْاَرْبَعُ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **كَذٰلِكَ** اَیْ مِثْلَ ذٰلِكَ الْاِيْحَاءِ **يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ** فَاعِلُ الْاِيْحَاءِ **الْعَزِيْزُ** فِیْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾** فِیْ صُنْعِهٖ **لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ** مِلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا **وَهُوَ الْعَلِيُّ** عَلٰى خَلْقِهٖ **الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾** الْكَبِيْرُ **تَكَادُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ** بِالنُّوْنِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ وَالتَّشْدِيْدِ **مِنْ فَوْقِهِنَّ** اَیْ تَنْشَقُّ كُلُّ وَاحِدَةٍ فَوْقَ الَّتِیْ تَلِيْهَا مِنْ عَظَمَتِهٖ تَعَالٰى **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** اَیْ مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ **وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ** لِاَوْلِيَائِهٖ **الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾** بِهِمْ **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَیِ الْاَصْنَامِ **اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ** مُحْصٍ **عَلَيْهِمْ** لِيُجَازِيَهُمْ **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶﴾** تُحَصِّلُ الْمَطْلُوْبَ مِنْهُمْ مَا عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ **وَكَذٰلِكَ** مِثْلَ ذٰلِكَ الْاِيْحَاءِ **اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ** تُخَوِّفَ **اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا** اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرِ النَّاسِ **وَتُنْذِرَ** النَّاسَ **يَوْمَ الْجَمْعِ** اَیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُجْمَعُ فِيْهِ الْخَلْقُ **لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ** مِّنْهُمْ **فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿۷﴾** النَّارِ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً** اَیْ عَلٰى دِيْنٍ وَّاحِدٍ وَهُوَ الْاِسْلَامُ **وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ** الْكَافِرُوْنَ **مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾** يَدْفَعُ عَنْهُمُ الْعَذَابَ **اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَیِ الْاَصْنَامِ **اَوْلِيَآءَ ۚ** اَمْ مُنْقَطِعَةٌ بِمَعْنٰى بَلِ الَّتِیْ لِلْاِنْتِقَالِ وَهَمْزَةُ الْاِنْكَارِ اَیْ لَيْسَ الْمُتَّخَذُوْنَ اَوْلِيَاءَ **فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ** اَیِ النَّاصِرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْفَاءُ لِمُجَرَّدِ الْعَطْفِ **وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ**

قَدِيرٌ ﴿۹﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مَعَ الْكُفَّارِ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الدِّيْنِ وَغَيْرِهِ فَحُكْمُهُ مَرْدُوْدٌ إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ قُلْ لَهُمْ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۱۰﴾ اَرْجِعُ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبْدِعُهُمَا جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا حَيْثُ خَلَقَ حَوَّاءَ مِنْ ضِلْعِ اٰدَمَ وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ذُكُوْرًا وَاِنَاثًا يَّذْرَؤُكُمْ بِالْمُعْجَمَةِ يَخْلُقُكُمْ فِيْهِ فِي الْجَعْلِ الْمَذْكُوْرِ اَيْ يُكَثِّرُكُمْ بِسَبَبِهِ بِالتَّوَالُدِ وَالضَّمِيْرُ لِلْاَنَاسِيِّ وَالْاَنْعَامِ بِالتَّغْلِيْبِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اَلْكَافُ زَائِدَةٌ لِاَنَّهُ تَعَالٰى لَا مِثْلَ لَهُ وَّهُوَ السَّمِيْعُ لِمَا يُقَالُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ بِمَا يُفْعَلُ لَهُ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهِ نُوْحًا هُوَ اَوَّلُ اَنْبِيَاءِ الشَّرِيْعَةِ وَّالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ هٰذَا هُوَ الْمَشْرُوْعُ الْمُوْصٰى بِهِ وَالْمُوْحٰى اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ كَبُرَ عَظُمَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيْدِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ اِلَى التَّوْحِيْدِ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ يُقْبِلُ عَلٰى طَاعَتِهِ وَمَا تَفَرَّقُوْا اَيْ اَهْلُ الْاَدْيَانِ فِي الدِّيْنِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيْدِ بَغْيًا مِنَ الْكَافِرِيْنَ بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاخِيْرِ الْجَزَاءِ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِتَعْذِيْبِ الْكَافِرِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ مُوْقِعِ الرِّيْبَةِ فَلِذٰلِكَ التَّوْحِيْدِ فَادْعُ يَا مُحَمَّدُ النَّاسَ وَاسْتَقِمْ عَلَيْهِ كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ فِيْ تَرْكِهِ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ اَيْ بِاَنْ اَعْدِلَ بَيْنَكُمْ فِي الْحُكْمِ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ فَكُلٌّ يُجَازٰى بِعَمَلِهِ لَا حُجَّةَ خُصُوْمَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ هٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْجِهَادِ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا فِي الْمَعَادِ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ اَلْمَرْجِعُ وَالَّذِيْنَ يُحَاجُّوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ نَبِيِّهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهُ بِالْاِيْمَانِ لِظُهُوْرِ مُعْجِزَتِهِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ بَاطِلَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ وَالْمِيْزَانَ اَلْعَدْلَ وَمَا يُدْرِيْكَ يُعْلِمُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ اَيْ اِتْيَانَهَا قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ وَلَعَلَّ مُعَلَّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ وَمَا بَعْدَهُ سَدَّ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ يَسْتَعْجِلُ

بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى تَاْتِيْ ظَنًّا مِنْهُمْ اَنَّهَا غَيْرُ اٰتِيَةٍ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ خَائِفُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ يُجَادِلُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ ۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ ۢ بِعِبَادِهٖ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْهُمْ جُوْعًا بِمَعَاصِيْهِمْ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمْ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ عَلٰى مُرَادِهٖ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ اَلْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ

ع ۲

ترجمہ: .... یہ سورۂ شوریٰ مکیہ ہے۔ بجز آیت قل لا اسئلکم چار آیات کے۔ اس میں ۵۳ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. حٰمٓ عٓسٓقٓ (اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) اسی طرح (جیسے یہ وحی ہے) آپ پر وحی بھیجتا ہے اور (وحی بھیجی ہے) جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اللہ نے (یہ فاعل ہے ایحاء کا) جو (اپنے ملک میں) زبردست (کاریگری میں) حکمت والا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب اسی کے قبضہ میں ہیں۔ سب اسی کی مخلوق ہے، سب اسی کے بندے ہیں) اور (اپنی مخلوق میں) وہی سب سے برتر اور عظیم الشان (لائق تعظیم) ہے۔ کچھ بعید نہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے) کہ آسمان پھٹ پڑیں (ینفطرن نون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں تا اور تشدید کے ساتھ ہے) اپنے اوپر سے (یعنی ہر آسمان اوپر والا نچلے آسمانوں پر اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ کر گر پڑے) اور فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد کرتے رہتے ہیں (یعنی اس کی تسبیح حمد پر مشتمل ہوتی ہے) اور اہل زمین (مسلمانوں) کے لئے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی (اپنے دوستوں کو) معاف کرنے والا (اور ان پر) مہربان ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے (بت) کارساز بنا رکھے ہیں، اللہ ان کی دیکھ بھال (نگرانی) کر رہا ہے (ان کو سزا دے گا) اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے (کہ آپ ان کو مطلوب تک پہنچادیں اور آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے) اور اسی طرح (جیسے کہ یہ وحی ہے) ہم نے آپ پر قرآن عربی وحی کے ذریعہ اتارا ہے، تاکہ آپ ﷺ مکہ کے باشندوں کو ڈرائیں (خوف دلائیں) اور آس پاس کے رہنے والوں کو (یعنی مکہ اور تمام دنیا) اور (لوگوں کو) جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں (یعنی قیامت کے دن سے جس میں ساری مخلوق جمع ہو جائے گی) جس میں ذرا تردد (شک) نہیں ہے (ان میں کا) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور وہ ایک گروہ دوزخ (کی آگ) میں ہوگا اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا (یعنی سب ایک ہی دین اسلام پر ہوتے) لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں (جو ان پر سے عذاب ہٹا سکے) کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے (بتوں کو) کارساز قرار دے رکھا ہے (ام منقطعہ بمعنی بل ہے انتقال کے لئے اور بمعنی ہمزہ انکاری ہے یعنی یہ بناوٹی چیزیں کارساز نہیں ہیں) سو اللہ ہی کارساز ہے (مسلمانوں کا مددگار، اور فاء محض عطف کے لئے ہے) وہی مردوں کو جلائے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جس جس بات (دین وغیرہ) میں اختلاف کرتے ہو (کافروں سے) اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد (حوالہ) ہوگا (قیامت کے روز وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماوے گا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے) یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع (توجہ) کرتا ہوں، وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (بنانے والا) ہے۔ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے (حواء کو آدم کی پسلی سے پیدا فرمایا) اور مویشیوں کے (نر و مادہ) جوڑے۔ تمہاری نسل چلاتا ہے (یذرء کم ذال کے ساتھ بمعنی یخلقکم) اس کے ذریعہ (مذکورہ طریقہ پر یعنی اسی سبب سے تمہیں پیدا کر کے تمہاری افزائش کر دی اور ضمیر جمع مذکر انسانوں اور چوپاؤں کی طرح تغلیباً راجع ہے) کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے (اس میں کاف زائد ہے کیونکہ خدا کا کوئی مثل ہی نہیں ہے) اور وہی (ہر بات کا) سننے والا (ہر کام کا) دیکھنے والا ہے اسی کے اختیار میں ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں

(یعنی بارش، پیداوار وغیرہ کے ذخیروں کی چابیاں) جس کو چاہتا ہے (آزمائشی طریقہ پر) زیادہ روزی دیتا ہے اور کم دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے بطور آزمائش کے کم دیتا ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہی دین مقرر کیا ہے۔ جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا (جو پہلی شریعت لانے والے پیغمبر تھے) اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور جس کا ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (یہی حکم شریعت، وصیت اور آنحضرت ﷺ کے وحی ہے یعنی توحید) مشرکین کو وہ بات بڑی گراں (ناگوار) گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں (یعنی توحید) اللہ اپنی (توحید کی) طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے (اس کی فرمانبرداری کرے) اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے اور وہ لوگ باہم متفرق ہوگئے (یعنی اہل مذہب کہ بعض نے توحید برقرار رکھی اور بعض نے کفر اختیار کرلیا) اس کے بعد کہ ان کے پاس علم (توحید) آچکا تھا۔ محض (کافروں کی) آپس کی ضدا ضدی سے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات (تاخیر عذاب کی) پہلے سے قرار پانہ چکی ہوتی ایک معین وقت (قیامت) تک کے لئے تو ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں کافروں کی سزا کا) ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ آپ (حضرت محمد ﷺ) کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد (شبہ) میں ڈالنے والا ہے۔ سو آپ اسی (توحید) کی طرف بلاتے جایئے (اے محمد! لوگوں کو) اور (اس پر) جمے رہئے جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے (ان کو چھوڑ دینے کے متعلق) اور آپ سنا دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان (فیصلہ کرنے میں) عدل (انصاف) رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے (ہر آدمی اپنے کئے کا پھل پائے گا) ہماری تمہاری کچھ بحث (لڑائی) نہیں ہے (یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے) اللہ ہم سب کو جمع کرے گا (قیامت کے روز فیصلہ کے لئے) اور اس کے پاس لوٹنا (واپس جانا) ہے اور جو لوگ اللہ کے (دین کے متعلق) جھگڑے نکالتے ہیں (اس کے پیغمبر کے ساتھ) اس کے بعد کہ اس کو قبول کرلیا گیا ہے (ایمان لاکر اس کے کھلے معجزہ کی وجہ سے اور جھگڑا ڈالنے والے یہود ہیں) ان لوگوں کی حجت ان کے پروردگار کے نزدیک (واہیات) ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے کتاب (قرآن) کو نازل کیا ہے برحق (اس کا تعلق انزل کے ساتھ ہے) اور ترازو (انصاف) کو اتارا ہے اور آپ کو کیا خبر (پتہ) عجب نہیں کہ قیامت (کا آنا) قریب ہے (لعل نے فعل کو ظاہر عمل سے روک دیا۔ یا کہا جائے کہ ان کے دونوں مفعول کے قائم مقام ہے) اس کا تقاضہ کرتے ہیں جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے (یہ گمان رکھتے ہوئے کہ قیامت نہیں آئے گی پوچھتے ہیں کہ کب آئے گی؟) اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے (خوف رکھتے ہیں) اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے متعلق جھگڑتے (لڑتے مرتے) ہیں وہ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے (نیک ہو یا بد۔ کسی کو بھی گناہ کی وجہ سے بھوکا نہیں مارتا) روزی دیتا ہے (ان میں سے ہر ایک کو) جس کو چاہتا ہے اور وہ (اپنے منصوبہ پر) قابو یافتہ زبردست ہے (اپنے کام میں غالب)۔

تحقیق وترکیب: .... حٰمٓ عٓسٓقٓ۔ یہ دونوں لفظ اگر سورت کے دو نام ہیں تو دو آیتیں شمار ہوں گی اور دونوں کا الگ الگ لکھنا بھی اسی وجہ سے ہوگا اور دونوں مل کر ایک ہی نام اگر ہے تو پھر الگ الگ لکھنا اس لئے ہوگا کہ دوسرے حوامیم کے ساتھ موافقت رہے۔

کذٰلک ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کاف منصوب ہے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے ای یوحی ایحاء مثل ذلک الایحاء اور مضارع حکایت حال ماضیہ کے طریقہ پر ہے۔

یتفطرن۔ایک قرأت یتفطرن اوردوسری قرأت ینفطرن بھی ہے۔

تکاد۔کی دوقرأتیں مل کر چار قرأتیں نہیں، بلکہ تین قرأتیں ہوتی ہیں۔کیونکہ تکاد کے ساتھ تو یتفطرن کی دوصورتیں ہیں اوریکاد کی صورت میں صرف یتفطرن پڑھا جائے گا۔

من فوقهن۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ضمیر سمٰوات کی طرف راجع ہے۔یعنی ہراوپر والا آسمان نچلے آسمان پر ٹوٹ کر گر جائے اورسب ٹوٹ کر زمین پر آرہیں۔اس صورت میں زیادہ ہیبت وعظمت معلوم ہوتی ہے،لیکن بعض کی رائے میں ضمیر کفار وارض کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے۔

یستغفرون۔استغفار سے مراد یہاں شفاعت ہے اورمن فی الارض سے مراد صرف مسلمان ہیں اوربعض کی رائے میں عام باشندگان سرزمین مراد ہیں۔چنانچہ بیضاویؒ کا خیال بھی یہی ہے۔

حفیظ. مکمل نگرانی اورچوکسی کرنے والا۔

ام القریٰ۔مکہ کوام القریٰ۔زمین کا وسط ہونے کی وجہ سے یا اول قطعہ یا اشرف بقعہ ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔مراد اہل مکہ ہیں اس معنی کر بھی ان کو اُمّی کہہ سکتے ہیں۔

ومن حولها۔مکہ کے اردگرداوراردگرد کے اردگرد، پھرآگے اسی طرح سلسلہ چلا جائے تو ساراعالم مراد ہوگا۔جس سے آپ کی عموم بعثت ثابت ہوئی اوریہاں چونکہ کفار مخاطب ہیں اس لئے صرف آپ کے وصف نذیر ہونے پراکتفا کیا گیا ورنہ آپ بشیر بھی ہیں۔

لاریب. متانفہ یایوم الجمع سے حال ہے۔

فریق۔مبتداء اورفی الجنۃ خبر ہے اورتفصیل کے موقعہ پر نکرہ مبتداء ہوسکتا ہے۔

یحیی الموتیٰ۔یعنی مردہ کوجلانا صرف اللہ کی شان ہے۔تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مردہ دلوں کوزندہ اورزندہ دلوں کو مردہ کردینا بھی اس میں داخل ہے۔اورواسطیؒ فرماتے ہیں کہ دل تجلّیٔ الٰہی سے زندہ اوراستتار سے مردہ ہوجاتے ہیں اورسہلؒ فرماتے ہیں کہ بغیر موت کے حیات حاصل نہیں ہوتی۔یعنی نفس کے اوصاف کو مارنے سے حیات حاصل ہوتی ہے۔

مااختلفتم ما شرطیہ یا موصولہ متبداء ہے من شئ بیان ہے اورفحکمه الخ خبر ہے۔

من انفسکم ای من جنسکم ازواجاً ای نساءً

یذرء کم فیه. اس میں فی اپنے ہی معنی پر ہے اورکم ضمیر انسان اورانعام دونوں کی طرف بطور تغلیب ہے۔بقول زمخشریؒ یہ احکام ذات العلتین میں سے ہے۔یعنی حاضروغائب میں حاضر کی تغلیب کرلی گئی ہے اورفیه کی بجائے به کہنا چاہئے تھا۔مگر اس تدبیر کوتکثیر نسل کا منبع قرار دیا گیا ہے۔جیسے ولکم فی القصاص حیاۃ میں فی لایا گیا ہے۔

اوردوسری صورت یہ ہے کہ فی کوبمعنی با لیا جائے بمعنی سبب اورضمیر فیه جعل یا مخلوق کی طرف راجع کی جائے اوربعض نے ضمیر فیه کوبطن یارحم کی طرف راجع کیا ہے حکماً مذکور ہونے کی وجہ سے۔

لیس کمثله اس میں لفظ مثل مبالغہ کے لئے ایسے ہی ہے جیسے: لایفعل مثلک اورلامثل له میں ہے۔یعنی کنایہ ذات سے ہے،گویا جب مثل سے نفی کردی گئی تو ذات سے نفی بدرجۂ اولیٰ ہوگئی اورکاف تاکید کے لئے زیادہ ہے۔اس لئے اب شبہ نہیں ہوسکتا کہ آیت میں تو اللہ کے مثل کے مثل کی نفی کی گئی ہے۔اس سے اللہ کے مثل کی نفی نہیں ہوئی بلکہ اس کا ثبوت ہورہا ہے۔حالانکہ اللہ کا مثل محال ہے،لیکن مفسرؒ نے جواب دے دیا کہ کاف زائد ہے،اس لئے مثل کی نفی ہوگئی۔یہ توجیہ سب سے آسان ہے۔ایک جواب یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ لفظ مثل زائد ہے۔ لیکن اس میں دو خرابیاں لازم آئیں گے۔ ایک تو اسم کو زائد ماننا، دوسرے کاف کا ضمیر پر داخل ہونا جو شعر کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک جواب یہ بھی ہے کہ مثل بمعنی صفت ہے۔ یعنی کوئی چیز اللہ کی صفت جیسی نہیں ہے۔ لیکن دقیق جواب یہ ہے کہ نہ کاف زائد مانا جائے اور نہ مثل بلکہ کلام بطور کنایہ ہو۔ اہل عرب مثل کو نفس کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے: **مثلک لاینجل یالیس لاخی زیداخ**۔ پس معنی یہ ہوں گے کہ جب اللہ کے مماثل کا مماثل بھی نہیں تو خود اس کا مماثل کس طرح ممکن ہے۔

نوحا۔ اکابر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا، جس کو مستقل دین اور شریعت دی گئی ہے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام چونکہ اول شارع ہیں، ان سے پہلے صرف توحید ورسالت اور معاشیات کی تعلیم تھی۔ حتیٰ کہ اختلاف بطن کے ساتھ حقیقی بہنوں سے شادی جائز تھی، کیونکہ ابھی تک دنیا ہی آباد نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ابتداءً آبادی سے متعلق احکام آئے اور جب آبادی بڑھ گئی تو پھر اللہ اور بندوں کے حقوق کا سوال کھڑا ہوا۔ اس لئے شرائع کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں حرام کردی گئیں اور دیانات ومعاملات کے ابواب کھلے اور یہ سلسلہ ترقی پذیر ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر شرائع مکمل ہوگئیں۔

ان اقیموا۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ان تفسیر یہ ہے اور بقول کرخیؒ ان مصدریہ بھی ہوسکتا ہے۔ محل رفع میں ہے، مبتداء محذوف کی خبر کی وجہ سے ای **ھو ان اقیموا** یا موصول سے بدل ہونے کی وجہ سے محل نصب میں اور **الذین** سے بدل مان کر محل جر میں بھی مانا جاسکتا ہے۔

اللہ یجتبی۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ایک سالک ہوتا ہے جو اپنی محنت ومجاہدہ سے عشق کی گھاٹیاں طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ ارشاد ہے **والذین جاھدوا الخ** اور ایک مجذوب ہوتا ہے جس میں منجانب اللہ جذب وکشش ہوتا ہے۔ وہ خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہے۔ اس میں چونکہ شان اصطفائیت ومحبوبیت ہوتی ہے اس لئے یہ پہلے سے زیادہ عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ **الیہ** میں **الی** بمعنی لام ہے۔

کما امرت۔ خواہ رخصت سے پہلے مرتبہ عزیمت مراد ہے۔ جیسے **اتقوا اللہ حق تقاتہ**۔ یا رخصت کے بعد تسہیلی احکام مراد ہوں۔ جیسی **فاتقوا اللہ مااستطعتم**

لاعدل۔ لام بمعنی با ہے اور لام تعلیلیہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں امر کا صلہ مقدر ہوگا۔ ای **امرت بالعدل لاعدل بینکم** اور لام زائد مانا جائے تو فا مقدر ہوگا۔

والذین یحاجون۔ مبتداء اول ہے اور **حجتھم** مبتداء ثانی ہے جس کی خبر **داحضۃ** ہے اور جملہ مل کر پہلے مبتداء کی خبر ہے۔

والمیزان، میزان انصاف کا ذریعہ ہے۔ اس لئے انصاف کے معنی ہیں۔ میزان اتارنے کا مطلب حکم انصاف نازل کرنا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میزان اتاری گئی اور اوزان کی درستگی پر زور دیا گیا۔

قریب۔ موصوف مؤنث ہو تو صفت بھی مؤنث ہونی چاہئے۔ مفسرؒ نے اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے اور یہ جواب کہ قریب بروزن فعیل ہے۔ جس میں سب مذکر مؤنث برابر ہوتے ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ فعیل بمعنی فاعل ہے جس میں دونوں برابر نہیں ہوتے اور خطیبؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ ساعت اگرچہ مؤنث ہے، لیکن بمعنی وقت اور بمعنی بعث ہے۔ اس لئے قریب لانا صحیح ہوگیا۔ یا کہ قریب میں نسبت کے معنی لئے جائیں یعنی ذات قرب۔ ان سب صورتوں میں یہ استعمال درست ہوجائے گا۔

مفسر علامؒ دوسری ترکیب یہ بتلا رہے ہیں کہ **یدریک** فعل متعدی ہے۔ جس کے تین مفعول ہیں۔ مفعول اول **کان** ہے اور **لعل الساعۃ** مفعول ثانی اور **قریب** مفعول ثالث ہے۔

لطیف۔ یہ صفت اگرچہ اللہ کے لئے عموم ثابت کررہی ہے اور آگے وزن کی تخصیص بظاہر اس کے منافی معلوم ہوتی ہے، لیکن

کہا جائے گا کہ رزق میں مرزوقین کی تخصیص مقصود نہیں، بلکہ حکمت کے مطابق توزیع وتقسیم کا اظہار پیش نظر ہے۔

ربط آیات:............سورة الشوریٰ. چونکہ وامرھم شوریٰ میں مشورہ کا استحسان معلوم ہوا۔اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوگئی۔اس کے مضامین حسب ذیل ہیں۔

۱۔توحید کا بیان اور شرک کا بطلان۔جس کے ذیل میں صفاتِ کمالیہ اور افعالِ حکمت کا تذکرہ بھی ہے۔

۲۔رسالت کی بحث اور اس کے ذیل میں مضامین تسلی بھی ہیں۔

۳۔بعث وجزا کا بیان اور عذاب میں جلدی مچانے کا جواب مذکور ہے۔

۴۔دنیا میں انہماک کرنے کی مذمت اور طلب آخرت کی ترغیب ہے۔

۵۔مسلمانوں کے حسن اعمال اور حسن مآل کا تذکرہ ہے۔اور اس کے بالمقابل کفار کی بداعمالی اور بدمآلی کا تذکرہ ہے اور یہ سب مضامین متداخل ہیں۔

اس سے پچھلی سورت کے ساتھ بھی ارتباط واضح ہوگیا ہے۔

روایات:............ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔لیس من نبی صاحب کتاب الاوقد اوحی حٰمٓ عٓسٓقٓ. یعنی توحید ورسالت و بعث یہ تینوں مضامین جو اس سورت کا نچوڑ ہیں وہی سب انبیاء کی مشترک دعوت ہے۔نیز ابن عباسؓ یتفطرن ای من الثقل فرماتے ہیں۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سب سے اول جبرئیل علیہ السلام سجدہ ریز ہوئے۔پھر میکائیل علیہ السلام واسرافیل علیہ السلام وعزرائیل علیہ السلام علی الترتیب اور ان کے بعد دوسرے فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ بجالائے اور من انفسکم ازواجا کے تحت بقول جمل۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ جمعہ کے روز زوال سے عصر تک ہوتا رہا۔پھر بحالت منام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا کی تخلیق ہوئی اور حوا کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ انہیں زندہ انسان سے پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا تو ان کی جانب کشش ہوئی، وہ ہاتھ بڑھانا ہی چاہتے تھے کہ فرشتوں نے روکا کہ پہلے ان کا مہر ادا کرو۔ پوچھا کہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ محمد ﷺ پر تین دفعہ صلوٰۃ وسلام۔

نیز مجاہدؒ سے یذرءکم نسلاً بعد نسل منقول ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے نبی کہنے کی تائید میں حدیث بخاری ہے کہ شفاعت کے سلسلہ میں مخلوق حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کرے گی کہ سرزمین پر آپ رسول بن کر آئے تھے۔

کما امرت. اگر تقویٰ اور عبادت کا اعلیٰ مرتبہ مراد لیا جائے تو حدیث شیبتنی ھود واخواتھا میں یہی معنی ہیں کہ آپ کو اس غم وفکر نے بوڑھا بنا دیا کہ میں حق ادا نہیں کرسکا۔

ولاتتبع اھوائھم. روایات میں ہے کہ کفار نے خواہش کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے، ایک سال ہم آپ کے خدا کی پرستش کریں گے۔

والذین یحاجون۔یہود کہا کرتے تھے کتابنا قبل کتابکم ونبینا قبل نبیکم فنحن خیر منکم۔

﴿تشریح﴾:............کذلک یوحی۔حاصل یہ ہے کہ جس طرح اس صورت میں اعلیٰ مضامین آپ پر وحی کئے جارہے ہیں، اسی طرح دوسری سورتوں اور دوسرے انبیاء کے لئے بھی اللہ کی عادت وحکمت یہی رہی ہے۔اللہ کی عظمت، شان کو اگر اہل زمین نہ

جائیں نہ مانیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آسمان پر فرشتے اس کثرت سے اس کو ماننے اور جاننے والے ہیں کہ آسمان ان کے بوجھ سے چڑ چڑاتا اور پھٹ پڑنے کے قریب ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آسمان میں چار انگشت جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو یا اللہ کے ذکر کی کثرت کی تاثیر سے یا خود اللہ کی عظمت وجلال سے آسمان کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار کے شرکیہ اور گستاخانہ کلمات سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی بالائی سطح پھٹ پڑے۔ مگر اللہ کی شانِ عفو ورحمت کے اثر سے آسمانوں کا یہ نظام تھما ہوا ہے۔ اہل زمین کی گستاخیوں کے اثرات کم کرنے کے لئے آسمانی فرشتے خود ان کے حق میں استغفار کرتے رہتے ہیں۔

فرشتوں میں جسم اور ثقل ہوتا ہے:......... فرشتوں کے بوجھ سے آسمانوں کا پھٹ پڑنا بتلا رہا ہے کہ فرشتوں میں ثقل ہوتا ہے اور یہ کچھ مستبعد نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتوں کے لئے جسم ہونا تو نصوص سے ثابت ہے اور اجسام میں ثقل ہونا قابل تعجب نہیں۔

رہا یہ شبہ کہ ثقل کی وجہ تو مرکز کی طرف ہوا کرتی ہے اور فرشتوں کا میلان اجسام لطیفہ ہونے کی وجہ سے محیط کی جانب ہونا چاہئے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ دونوں باتیں ہی مسلم نہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی جسم کو اس میلان کے خلاف پیدا کردے تو اس کی نفی کی کیا دلیل ہے۔ دوسرے لطیف اجسام کا میلان محیط کی جانب اس لئے ہے کہ وہ اس کا حیز ہے۔ پس اصل میلان تو حیز کی طرف ہے اور چونکہ ہر آسمان کے فرشتوں کا حیز وہی آسمان ہے جس پر وہ رہتے ہیں۔ اس لئے اس طبعی قاعدہ کی بناء پر ان کا میلان اسی آسمان کی طرف ہوگا اور فرشتے چونکہ آسمانوں کی بالائی سطح پر رہتے ہیں۔ پس اس میلان کا وزن اور اثر آسمانوں کے اوپر ہی ہوگا اور میلان مرکز کی اصطلاح کی رو سے گو اس کو ثقل نہ کہا جائے مگر لغت کے لحاظ سے اس کو ثقل کہا جائے گا۔

استغفار کی برکت سے نظام عالم قائم ہے:......... بہر حال فرشتوں کے استغفار کی برکت سے اللہ نافرمانوں کو ایک وقت تک مہلت دے رہا ہے۔ ورنہ دنیا کا یہ سارا نظام چشم زدن میں درہم برہم ہو جانا چاہئے تھا۔ ویسے معمولی واقعات میں سزاؤں کا ہونا یا آخرت میں اصلی عذاب کا ہونا اس استغفار کے مفہوم سے خارج ہے۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں رہتا۔ تاہم دنیا میں مخالفین کو مہلت دینے سے یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔

اللہ حفیظ علیھم. یعنی ان کے سب اعمال واحوال ہمارے یہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے۔ آپ اس فکر میں نہ پڑیئے کہ یہ مانتے کیوں نہیں، اور جب مانتے نہیں تو تباہ کیوں نہیں کر دیئے جاتے۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں، آپ تو پیغام پہنچادینے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ہمارا کام ہے، ہم ان کا حساب کتاب وقت پر ضرور چکا دیں گے۔

مکہ زمین کا نقطۂ آغاز ہے:......... مکہ کو ام القریٰ۔ بڑا گاؤں فرمایا۔ اللہ کا گھر وہیں ہے جس کی وجہ سے وہاں عرب کا اجتماع رہتا ہے اور وہی روئے زمین کی پہلی عبادت گاہ ٹھہری۔ بلکہ زمین کا نقطہ آغاز بھی یہی جگہ ہے جہاں سے زمین پھیلنی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی دعوت وہیں سے شروع ہوئی۔ پھر آس پاس عرب کے دوسرے خطوں میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اس سے آپ کی عموم بعثت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے پیغام کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز ساری زندگی کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ اس کا احساس ویقین پہلے سے ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ سارے انسان اپنے حالات کے لحاظ سے دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک حصہ جنتی ہوگا اور دوسرا دوزخی۔ اب تم خود سوچ لو کہ تمہیں کس طبقہ میں شامل ہونا ہے اور اس کے لئے کیا تیاری کرنی ہے۔ یوں تو اللہ سب کو ایک راستہ پر ڈال سکتا تھا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ شان جمال وجلال نمایاں ہو اور اس کی صفات وکمالات عیاں ہوں،

اس لئے اپنے بندوں کے حالات میں فرق رکھا کہ کسی کو مورد الطاف وعنایات قرار دیا اور کسی کو مستحق تعذیب وسزا گردانا۔

دین ومذہب کا بنیادی پتھر:............ وما اختلفتم میں عقائد واعمال، احکام ومعاملات میں جہاں کہیں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ ہی کرسکتا ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ بلا چوں وچرا اس کے آگے سر تسلیم خم کردے۔ توحید جو اس ساری تعمیر کا بنیادی پتھر ہے، اس کو کسی کے کہنے سننے سے کس طرح ہلایا جاسکتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر معاملہ میں میرا سہارا وہی ہے، مجھے اسی پر بھروسہ کرنا ہے، کیونکہ سارا جہان اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ انسان کا وجود اور اس کی نسل کا سلسلہ اور مختلف جانوروں کے گلے سب اسی کی رحمت کا پرتو ہیں۔ اللہ کی ذات، صفات، کمالات وافعال اور احکام وفیصلے سب بے مثل ہیں۔ وہ مخلوق کی مماثلت ومشابہت سے بالکلیہ پاک صاف ہے۔ پھر اس تک رسائی کیسے ہو؟ صرف ایک ہی راستہ معرفت کا ہے کہ اس کے کاموں سے اس کے کمالات وصفات کا اندازہ کیا جائے اور کمالات واوصاف ذات کی طرف رہنمائی کریں۔ چنانچہ تمام نعمتوں کے خزانے اور ان کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ کم وبیش روزی کی تقسیم اس کی حکمت ومصلحت کے سراسر تابع ہے۔

دین ومذہب اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے:............ بے شمار حسی نعمتوں کے ساتھ اللہ نے انسان پر ایک غیر معمولی انعام یہ بھی فرمایا کہ اس کی روحانی رہنمائی کے لئے سینکڑوں ہادی اور رہنماء وقتاً فوقتاً بھیجے۔ سب سے پہلے شارع حضرت نوح علیہ السلام سے آخری پیغمبر آنحضرت ﷺ تک انسانیت کی ارتقائی مدارج کی رعایت سے مختلف انبیاء شرائع وصحائف لے کر آتے رہے۔ جن میں سے پانچ تو اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ اور ان میں بھی تین تو ایسے رہے کہ ہر زمانہ میں ان کے نام لیوا بکثرت پائے گئے۔ حاصل یہ کہ دین سب کا قدرے مشترک ایک ہی رہا۔ صرف زمان ومکان کے لحاظ سے حسب مصالح کچھ فرق رہا اور دین کو قائم کرنے کے لئے کچھ طور طریق مختلف ہوئے۔ مگر اصل حقیقت سب جگہ محفوظ رہی اور سب انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو سختی سے یہی ہدایت رہی کہ دین میں کسی طرح کی تفریق نہ ہونے دیں۔ تاہم دین کی متحدہ دعوت جس کی طرف آنحضرت ﷺ مشرکین کو بلا رہے ہیں وران کے گلے نہیں اتر رہی ہے اور انہیں بالکل انوکھی دکھائی پڑ رہی ہے۔ حالانکہ اس سے پرانی اور متفق علیہ بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ مگر ان کی جہالت اور بدبختی کی حد ہوگئی۔

بات دراصل یہی ہے کہ ہدایت، دانائی اور سمجھ سب اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور محض اپنی عنایت سے مقام قرب پر فائز کردے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ اپنی صلاحیت واستعداد سے اللہ کی طرف جھکیں اور محنتیں کریں وہی ان کو کامیاب کرتا ہے اور اس طرح جذب وسلوک کی یہ دونوں منزلیں اپنی اپنی صلاحیت وقسمت کی رو سے خوش نصیب لوگ طے کرتے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں:............ وما تفرقوا۔ پھر بھی دین کی پختہ اور متفق علیہ بنیادوں میں جو لوگ رخنے ڈالتے رہے ہیں، وہ کسی غلط فہمی یا شبہ کی بنیاد پر نہیں، کیونکہ اصول دین سے بڑھ کر معقول اور سچی حقیقتیں اور کوئی نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ محض ضد وعناد، غرور نفس، مال ودولت کی محبت، رسم ورواج کی پابندی نے انہیں فریب نفس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ شروع میں یہ اختلاف فروعی رہے ہوں گے، مگر بڑھتے بڑھتے اصول تک نوبت جا پہنچی اور پھر جتھہ بندی ہوکر لوگوں نے اپنے اپنے مورچے بنالئے۔ پھر بعد کی آنے والی نسلیں خبط اور الجھنوں میں پھنس کر رہ گئیں اور شکوک وشبہات کی ایسی اونچی دیواریں کھڑی کرلیں کہ ان سے پھلانگنا دوبھر ہوگیا اور آخر کار یہ لوگ دین ہی کو خیرباد کہہ بیٹھے اور اسے ڈھکوسلہ سمجھنے لگے۔ اللہ چاہتا تو یہ سارے اختلاف رونما ہی نہ ہوتے یا ہوتے تو دم کے دم ختم

کردیئے جاتے، مگر مصلحت خداوندی اور مشیت ایزدی سے انہیں مہلت اور ڈھیل ملی اور عملی فیصلہ ایک معین وقت تک کے لئے ملتوی رکھنا طے کردیا گیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دوٹوک فیصلہ اب بھی ممکن تھا۔

غیر متزلزل عزم اور دنیا کی سب سے پرانی حقیقت:......... بہر حال آپ نہایت استقلال اور مضبوطی کے ساتھ اور غیر متزلزل عزم سے اس اجتماعی دین پر خود بھی جمے رہئے اور دوسروں کو بھی قول وعمل سے مسلسل دعوت دیتے رہیں۔ آپ معاندین کی بالکل پرواہ نہ کریں، بلکہ صاف اعلان کردیں کہ میں پچھلی کتابوں اور صداقتوں کو جھٹلانے کے لئے نہیں، بلکہ سب کو تسلیم کرنے اور جمانے کے لئے آیا ہوں اور مجھے حکم ملا ہے کہ جو اختلاف تم نے ڈال رکھے ہیں، ان کا منصفانہ فیصلہ کروں اور احکام کی تبلیغ اور مقدمات نمٹانے میں انصاف ومساوات کا اصول قائم رکھوں اور سچائی جہاں بھی ملے اس کو قبول کرلوں اور خدا کی فرمانبرداری خود بھی کروں اور اس کا اطاعت گزار بندہ ہونا ثابت کروں اور تمہیں بھی اسی طرف لے چلوں۔ سب کا رب جب ایک ہے تو ہم سب کو اس کی خوشنودی حاصل کرنی چاہئے۔ تم اگر اس بات کو نہیں مانتے تو میری تمہاری الگ الگ راہ ہے۔ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکا۔ آگے تم جانو، تمہارا کام جانے۔

ایک دوسرے کے عمل کے جوابدہ نہیں ہے۔ ہر ایک کو نتائج عمل کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس کے بعد لڑنے جھگڑنے کی اور بات بھی کیا رہ جاتی ہے۔ اللہ کے دربار میں سب کو حاضر ہونا ہے، وہاں ہر ایک کے سامنے آجائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کما کر لایا ہے۔

والذین یحاجون. یعنی دین کی سچائی اتنی کھلنے کے بعد بھی جو لوگ بدستور کٹ حجتی میں لگے رہیں اور وہی مرغے کی ایک ٹانگ ہانکتے رہیں، ان سے بحث ومباحثہ فضول ہے۔ انہیں خدا کے حوالہ کیجئے۔ وہ سخت غضب اور دردناک عذاب کے ساتھ خود نمٹ لے گا۔

اللہ کی میزان عدل وانصاف:......... اللہ الذی انزل. ایک ترازو تو وہ ہوتی ہے جس میں اجسام تلتے ہیں۔ اور ایک ترازو وہ ہوتی ہے جس میں اعراض کا وزن ہوتا ہے۔ حرارت وبرودت کی کمیت وکیفیت معلوم کرلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ محبت وعداوت پیما آلات بھی ایجاد ہوگئے ہیں۔ جن سے جرائم کی تحقیقات میں بڑی مدد مل رہی ہے۔ لیکن ایک علمی اور اخلاقی ترازو بھی قدرت نے اتاری ہے۔ علمی ترازو انسانی عقل سلیم ہے اور اخلاقی ترازو عدل وانصاف ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑی ایک ترازو دین حق کی ہے۔ جس میں خالق ومخلوق اور بندوں کے باہمی حقوق ٹھیک ٹھیک تلتے ہیں، قیامت قائم ہونے پر اس کی مکمل شکل سامنے آجائے گی۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے اعمال واحوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کی ترازو میں تول کر دیکھ لیں۔ کیا معلوم قیامت کی گھڑی قریب ہی آ لگی ہو۔ پہلے ہی کرلو جو کچھ کرنا ہے۔ پھر موقعہ نہیں رہے گا۔

حقوق العباد اگرچہ کتاب اللہ میں داخل ہیں۔ مگر میزان سے تعبیر کرکے ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اس لئے بھی ہے کہ اس کی تصدیق سے کتاب کی طرف رغبت زیادہ ہوگی۔ کہ اس کے ماننے سے تو ہماری دنیوی مصالح کی حفاظت بھی رہے گی۔ ہاں! جن کو قیامت کا یقین نہیں وہ ہنسی ہی اڑاتے رہیں گے۔ ان کا کہنا تو یہی ہے کہ قیامت کہاں ہے؟ کب آئے گی؟ کیا دیر ہے؟ جلدی کیوں نہیں آجاتی؟ البتہ جن کو اللہ نے ایمان وایقان سے بہرہ ور کیا ہے وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے بھی کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ اس لئے وہ اس کی تیاری میں بھی پورے طور پر لگے رہتے ہیں۔ مگر جس کو اس حقیقت کا یقین ہی نہیں وہ اس کی تیاری کیا خاک کرے گا۔ بلکہ جتنا مذاق اڑائے گا اتنا ہی گمراہی کی دلدل میں پھنستا چلا جائے گا۔

خوف اور شوق دو طرح کے ہوتے ہیں:............ خوف وشوق دو طرح کے ہوتے ہیں ایک خوف وشوق طبعی اضطراری دوسرے خوف وشوق اعتقادی اختیاری۔ یہ دونوں طرح جمع بھی ہوسکتے ہیں اور الگ الگ بھی پائے جاسکتے ہیں۔ یہاں آیت میں جس خوف کا ذکر ہے وہ اعتقادی خوف ہے جو دو اعتقادوں کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک قیامت قائم ہونے کا اعتقاد، دوسرے یہ اعتقاد کہ نہ معلوم میرے اعمال رد ہوتے ہیں یا قبول۔ لیکن اگر اس اعتقاد اور اختیاری خوف کی ساتھ کسی کو موت یا قیامت کا شوق بھی غلبہ حال کے درجہ میں پہنچ جائے تو وہ طبعی اضطراری شوق، اعتقادی اختیاری خوف کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اسی طرح قبر میں بھی مردہ کا رب اقم الساعة کی درخواست کرنا بھی باعث اشکال نہیں۔ کیونکہ برزخ میں زوال خوف کی یقینی بشارتیں سن کر اعمال کے رد ہو جانے کا کھٹکا نہیں رہتا۔ البتہ یہ خوف اور ڈر دنیا میں ہے اور یہ ہیبت امر عقلی ہے۔

الله لطيف. یعنی باوجود مخالفین کی تکذیب وانکار کے اللہ کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ بلکہ جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ دنیا میں دینا اصول مکافات ومجازات کی رو سے نہیں ہوتا۔ بلکہ قانون حکمت ومصلحت کے پیش نظر ہوتا ہے۔

لطائف سلوک:............ الله يجتبي. اس میں جذب وسلوک دو مرتبوں کی طرف اشارہ ہے اول لفظ سے اول کی طرف اور دوسرے لفظ سے دوسرے کی طرف۔

لنا اعمالنا. اس میں کسی کی اصلاح اور قبول حق سے مایوسی کے وقت کیا جواب ہونا چاہئے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ بِعَمَلِهٖ **حَرْثَ الْاٰخِرَةِ** اَیْ كَسْبَهَا وَهُوَ الثَّوَابُ **نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ** بِالتَّضْعِيْفِ فِيْهِ الْحَسَنَةُ اِلٰى عَشْرَةٍ وَاَكْثَرَ **وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا** بِلَا تَضْعِيْفٍ مَاقُسِّمَ لَهٗ **وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴿۲۰﴾ اَمْ** بَلْ **لَهُمْ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **شُرَكٰٓؤُا** هُمْ شَيَاطِيْنُهُمْ **شَرَعُوْا** اَیِ الشُّرَكَاءُ **لَهُمْ** لِلْكُفَّارِ **مِّنَ الدِّيْنِ** الْفَاسِدِ **مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ** كَالشِّرْكِ وَاِنْكَارِ الْبَعْثِ **وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ** اَیِ الْقَضَاءُ السَّابِقُ بِاَنَّ الْجَزَاءَ فِیْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **لَقُضِیَ بَيْنَهُمْ** وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالتَّعْذِيْبِ لَهُمْ فِی الدُّنْيَا **وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ **لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۲۱﴾** مُؤْلِمٌ **تَرَى الظّٰلِمِيْنَ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **مُشْفِقِيْنَ** خَائِفِيْنَ **مِمَّا كَسَبُوْا** فِی الدُّنْيَا مِنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يُّجَازُوْا عَلَيْهَا **وَهُوَ** اَیِ الْجَزَاءُ عَلَيْهَا **وَاقِعٌ بِهِمْ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَامُحَالَةَ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ** اَنْزَهُهَا بِالنِّسْبَةِ اِلٰى مَنْ دُوْنَهُمْ **لَهُمْ مَّايَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِیْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ** مِنَ الْبِشَارَةِ مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلًا بِهٖ **عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ** اَیْ عَلٰى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ **اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى** اِسْتِثْنَاءٌ مُّنْقَطِعٌ اَیْ لٰكِنْ اَسْاَلُكُمْ اَنْ تَوَدُّوْا قَرَابَتِیَ الَّتِیْ هِیَ قَرَابَتُكُمْ اَيْضًا فَاِنَّ لَهٗ فِیْ كُلِّ بَطْنٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَرَابَةً **وَمَنْ يَّقْتَرِفْ** يَكْتَسِبْ **حَسَنَةً** طَاعَةً **نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا** بِتَضْعِيْفِهَا **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ**

لِلذُّنُوبِ شَكُورٌ ﴿۲۳﴾ لِلْقَلِيلِ فَيُضَاعِفُهُ اَمْ بَلْ يَقُولُونَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِنِسْبَةِ الْقُرْاٰنِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ يَرْبِطْ عَلٰى قَلْبِكَ بِالصَّبْرِ عَلٰى اَذَاهُمْ بِهٰذَا الْقَوْلِ وَغَيْرِهٖ وَقَدْ فَعَلَ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ الَّذِيْ قَالُوْهُ وَيُحِقُّ الْحَقَّ يُثْبِتُهٗ بِكَلِمٰتِهٖ الْمُنَزَّلَةِ عَلٰى نَبِيِّهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ مِنْهُمْ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ الْمُتَابِ عَنْهَا وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يُجِيْبُهُمْ اِلٰى مَا يَسْأَلُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ جَمِيْعُهُمْ لَبَغَوْا جَمِيْعُهُمْ اَيْ طَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِالتَّخْفِيْفِ وَضِدِّهٖ مِنَ الْاَرْزَاقِ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ فَيَبْسُطُهَا لِبَعْضِ عِبَادِهٖ دُوْنَ بَعْضٍ وَيَنْشَأُ عَنِ الْبَسْطِ الْبَغْيُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْمَطَرَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا يَئِسُوْا مِنْ نُزُوْلِهٖ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ يَبْسُطُ مَطَرَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْمُحْسِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ الْمَحْمُوْدُ عِنْدَهُمْ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ خَلْقُ مَا بَثَّ فَرَّقَ وَنَشَرَ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ هِيَ مَا يَدِبُّ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ لِلْحَشْرِ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ فِي الضَّمِيْرِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ عَلٰى غَيْرِهٖ

ترجمہ: .... جو شخص (اپنے عمل سے) آخرت کا طلب گار ہو (یعنی آخرت کے پھل، ثواب کا) ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے (ایک نیکی کا دس گنا اور اس سے بڑھ کر صلہ) اور جو دنیا کی کھیتی کا جویا ہوگا تو ہم اس کو کچھ اس میں سے دے دیں گے (اس کا مقررہ حصہ بغیر بڑھائے ہوئے) اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ کیا (ام بمعنی بل) ان (کفار مکہ) کے کچھ شریک (یعنی شیاطین) ہیں جنہوں نے (یعنی شرکاء نے) ان (کفار) کے لئے ایسا (کھوٹا) مذہب مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی (جیسے شرک اور قیامت کا انکار) اور اگر ایک فیصلہ کن بات نہ ہو چکی ہوتی (یعنی یہ طے شدہ تقدیر کہ اصل صلہ قیامت میں ملے گا) تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا (کہ کفار کو دنیا ہی میں سزا دے کر ان کے اور مسلمانوں کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا) اور ان ظالموں (کافروں) کو ضرور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ آپ ان ظالموں کو (قیامت میں) دیکھیں گے کہ ڈر رہے (خوف زدہ) ہوں گے اپنے اعمال سے (دنیا میں جو برائیاں کیں ان پر کہیں سزا ہو جائے) اور وہ (بدلہ) ان پر پڑ کر رہے گا (قیامت میں لامحالہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے (جو اپنے سے کمتر لوگوں کے مقابلہ میں برتر ہوں گے) وہ جس چیز کو چاہیں گے ان کے پروردگار کی طرف سے ان کو ملے گی۔ یہی بڑا انعام ہے یہی ہے جس کی بشارت اللہ دے رہا ہے (یبشر بشارت سے ماخوذ ہے تخفیف وتشدید کے ساتھ) اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ آپ کہئے کہ میں تم سے (پیغام رسالت پہنچانے پر) اور کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کے تعلق کے (یہ استثناء منقطع ہے یعنی البتہ میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو ہمارے تمہارے درمیان باہمی قائم ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی رشتہ داری قریش کی تمام شاخوں تک پھیلی ہوئی تھی) اور جو شخص کوئی نیکی (طاعت) کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے (ثواب بڑھا کر) بلاشبہ اللہ (گناہوں کا) بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے

(تھوڑے عمل کو بڑھا دیتا ہے) کیا (ام بمعنی بل) یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے (قرآن کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) سو اللہ اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے (کفار کی اس گفتگو اور دوسری باتوں پر آپ کو صبر دے دے چنانچہ یہ ہو گیا) اور اللہ باطل کو (جو یہ بک رہے ہیں) مٹا دیا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے (جو اس نے اپنے پیغمبر پر اتارے) ثابت کیا کرتا ہے بلاشبہ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے (جو سینوں میں ہوتی ہیں) اور وہ ایسا ہے کہ (ان میں سے) اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ گناہوں کو (جن سے توبہ کر لی جائے) معاف فرما دیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم یہ کرتے ہو (یا اور تا کے ساتھ ہے) اور وہ ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (جو دعائیں مانگتا ہے ان کو پورا کرتا ہے) اور اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اگر اللہ اپنے (سب) بندوں کے لئے روزی فراخ کر دیتا ہے تو (سب) شرارت پر اتر آتے دنیا میں لیکن اتارتا ہے (ینزل تخفیف اور عدم تخفیف کے ساتھ ہے مراد روزیاں ہیں) اندازہ سے جتنا چاہتا ہے (چنانچہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور بعض کے لئے نہیں اور کشادہ کرنے سے شرارت پھیلتی ہے) اور وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے اور وہ ایسا ہے جو بارش (مینہ) برساتا ہے لوگوں کے (بارش سے ناامید) مایوس ہو جانے کے بعد اور اپنی رحمت (بارش) پھیلاتا ہے اور وہ کارساز (مومنین کا محسن) قابل حمد ہے (ان کے اعتقاد میں) اور منجملہ اس کی نشانیوں کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے (اور پیدا کرنا) ان جانداروں کا جو اس نے پھیلا رکھے (متفرق کر رکھے) ہیں آسمان و زمین میں (دابة، انسان وغیرہ جاندار چیزیں جو زمین پر چلتی پھرتی ہیں) اور وہ (محشر میں) ان کو جمع کر لینے پر بھی جب چاہے قادر ہے (جمعھم کی ضمیر میں ذی عقل مخلوق کو غیر ذی عقل پر غالب کر لیا ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... حرث. بقول بغوی بمعنی کسب اور بقول زمخشری بمعنی رفع۔ قاموس میں ہے کہ حرث کسب، مال کے جمع کرنے اور کھیتی پیداوار کو کہتے ہیں مجازاً ثواب مراد ہے۔

نؤته منها. اتیاء دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور من تبعیضیہ ہے۔

ام لهم. ام منقطعہ بمعنی بل ہے اور ہمزہ تقریر یا توبیخ کے لئے ہے۔

شرعوا. اس کی اسناد شیاطین وشرکاء کی طرف اسناد مجازی ہے سبب گمراہی ہونے کی وجہ سے۔

مما كسبوا. مفسرؒ نے ان یجازوا کہہ کر تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای من جزاء ما كسبوا.

وهو واقع. اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اشفاق اور خوف آئندہ خطرہ کی توقع کو کہا جاتا ہے۔ پھر واقع کیسے کہا گیا۔ جب کہ اول محتمل اور دوسرا یقینی ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خطرہ کے دور ہونے کی توقع پر انسان اس کے دفعیہ کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ناامیدی کی صورت میں محض ڈر ہی ڈر رہ جاتا ہے۔ خطرہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے اس لئے کوشش ترک کر دی جاتی ہے۔

في روضت الجنت. انزهها الخ. تفسیری عبارت سے اشارہ ہے کہ جنت میں مختلف مراتب ہوں گے۔ ایمان اور عمل صالح کے مجموعہ پر اعلیٰ مرتبہ اور ایمان بلا عمل پر ادنیٰ درجہ مرتب ہوگا۔

عند ربهم. عند مجازیہ ہے اور یشاؤن کا ظرف ہے۔

ذلك. یہ مبتداء ہے الذی الخ خبر ہے مفسرؒ نے بہ عائد محذوف نکال دیا ہے اور یہ موصولہ ہونے کی صورت میں ہے البتہ بقول یونسؒ ما مصدریہ کی صورت میں عائد کی ضرورت نہیں رہتی۔ ای ذلك تبشير الله عباده. ابن عمرؒ، ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ اور باقی قراءؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔

الا المودة فی القربیٰ:
مفسرینؒ کے تین قول ہیں:۔
ا۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قریش کے وسط خاندان سے تھے۔جس کی شاخیں سب طرف پھیلی ہوئی تھیں۔آیت میں صلہ رحمی اور قرابت داری کی رعایت کا واسطہ دیا گیا کہ اگر میری پیروی نہیں کر سکتے تو کم از کم خاندانی لحاظ ملاحظہ تو رکھو۔اپنے نفع کی خاطر میرا نقصان تو گوارا نہ کرو۔
۲۔ابن عباسؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو آپ ﷺ کا کوئی سہارا نہیں تھا۔حضرت انصارؓ نے جمع ہو کر آپ کے ساتھ کچھ حسن سلوک کیا اور کچھ رقم جمع کر کے پیش خدمت کی۔مگر آپ ﷺ نے اپنی حوصلگی کی وجہ سے اس کو واپسی کر دیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں انصارؓ کو خطاب ہے۔
۳۔حسنؒ سے اس جملہ کے یہ معنی منقول ہیں کہ قرابتداری اور تعلقات کا اصل اور صحیح مصرف اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔دنیاوی غرض میں اس کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔
الحاصل قربیٰ پہلی صورت میں قرابت بمعنی رحم سے ہے اور دوسری صورت میں بمعنی اقارب ہے اور تیسری صورت میں قرب و تقریب کے معنی میں ہے۔آنحضرت ﷺ کے اہل قرابت بعض کے نزدیک فاطمہ وعلی وحسنینؓ ہیں اور بعض کے نزدیک آل علیؓ، آل عقیلؓ، آل جعفرؓ، آل عباسؓ ہیں۔مفسر علامؒ **الا القربیٰ** کو استثناء منقطع کہہ رہے ہیں یعنی **قل لا اسئلکم** الگ ہے اور **الا** بمعنی لکن ہے اور قرابت صورۃً اجر ہے حقیقۃً اجر نہیں ہے۔
حسنة. بعض کے نزدیک قرابت رسول کی رعایت مراد ہے۔یہ تو قیر اگر چہ باعث فضیلت ہے۔لیکن ظاہر حسنہ کو عام لینا ہے۔
شکور قدردان، توبہ قبول کرنے والا، توبہ کی توفیق دینے والا اور بعض کے نزدیک اللہ کی صفت میں اس لفظ کے معنی طاعت کی ہمت، ثواب کی توفیق دینا لئے ہیں۔
یختم علیٰ قلبك. یعنی آپ ﷺ کے دل کو مضبوط کر دینا جس سے آپ ناگوار باتوں پر صبر کر سکیں۔چنانچہ بقول مجاہدؒ یہ وعدہ پورا ہو گیا۔
ویمح اللّٰہ. یہ مستقل جملہ ہے **یختم** پر عطف نہیں ہے۔کیونکہ باطل کو مٹا دینے کا وعدہ مطلق ہے مشروط نہیں ہے اس لئے لفظ اللہ مکرر لایا گیا ہے۔
ویحق پر رفع آیا ہے اور **یمح** میں **ید ع** کی طرح واؤ گر گیا ہے۔
عن عبادہ. یعنی **عن** بمعنی **من** ہے۔
یستجیب. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں سین زائد ہے تاکید فعل کے لئے ہے جیسے **تعظم استعظم.**
الغیث. قحط سالی کی وجہ سے چونکہ بارش کی طلب ہوتی ہے اس لئے بادل بارش کو غیث کہا جاتا ہے۔
فیھما من دابة. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں بھی تثنیہ سے مفرد مراد ہے۔جیسے **یخرج منھما اللؤلؤ** میں ہے۔ چنانچہ دواب صرف زمین میں ہوتے ہیں۔جیسے کہ موتی صرف دریائے شور سے برآمد ہوتے ہیں۔اگر چہ بعض نے معنی کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ کو قدرت ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں میں بھی دواب پیدا کر دے۔جیسے کہ موتی مونگا دریائے شیریں میں بھی نکلتے ہیں۔

ربط آیات: .... پہلی آیات میں منکرین قیامت کی گواہی کا ذکر تھا۔ آیت من کان یرید سے انکار قیامت کی وجہ کا بیان ہے کہ وہ لوگ دنیا پر فریفتہ ہیں اور پھر اس فریفتگی کی برائی اور ان کا جواب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آخرت کی ترغیب کا ذکر ہے۔

اور چونکہ آیت شرع لکم الخ میں دین حق یعنی توحید وغیرہ شریعت الٰہیہ ہونا بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے ام لھم شرکاء سے دین باطل کا غیر مشروع ہونا ارشاد فرمارہے ہیں۔

اسی طرح آیت والذین یحاجون میں منکرین کا مستحق عذاب ہونا اور مؤمنین کا مستحق ثواب ہونا بیان ہوا تھا اور آیت من کان یرید میں دنیا کے فریب میں مبتلا ہونے والوں کا ثواب سے محروم ہونا اور مؤمنین کا مستحق ثواب ہونا صراحۃً بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے آگے بھی اسی کی تفصیل ہے اور اس مجموعی مضمون کے درمیان وحی کی حقانیت آیت قل لا اسئلکم سے بطور جملہ معترضہ ارشاد ہے۔

اسی طرح آیت ام یقولون افتریٰ سے پھر وحی، توحید و رسالت تینوں مضامین کا اعادہ ہے۔

آیت الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سدیؒ سے منقول ہے کہ یہ آل رسول کے متعلق نازل ہوئی۔ چنانچہ صاحب کشافؒ نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا۔ من قرابتک ھو لاء الذین وجبت علینا مودتھم؟ فقال علیٌّ وفاطمۃ وابناء ھا. اس سے ان حضرات کی خصوصی تعظیم ثابت ہوئی۔ حتیٰ کہ جاہل تو حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ سے بھی افضل ماننے لگے جو صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ظاہر آیت سے اس کے مصداق میں عموم ہی معلوم ہوتا ہے۔

ھو الذی یقبل التوبۃ کے ذیل میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گنہگار حق تعالیٰ کی جناب میں دو بار ہاتھ اٹھا کر التجا کرے گا۔ مگر اس کی طرف التفات نہیں ہوگا۔ تیسری بار ارشاد ہوگا۔ قد استحییت من عبدی ولیس لہ رب غیری فقد غفرت لہ واستجیب.

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ ما من مسلم ینصب وجھہ للّٰہ فی مسئلۃ الا اعطاہ ایاھا اما ان یعجلھا لہ واما ان ید خرھالہ.

بغویؒ نے انسؓ سے روایت کی ہے۔ ان من عبادی من لا یصلحہ الا الغنی ولو افتقرتہ لا فسدت علیہ دینہ وان منھم من لا یصلحہ الا الفقر ولو اغنیتہ لا فسدت علیہ دینہ.

﴿ تشریح ﴾: .... من کان یرید. یعنی دنیاوی عیش دلیل مقبولیت نہیں ہے اور نہ آخرت کی کامرانی کا باعث ہے۔ بلکہ اصل ضابطہ اور دستور یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں رہ کر آخرت کی کھیتی کا طالب ہوگا۔ یعنی ہر عمل میں اس کی نظر وہاں کے نتائج وثمرات پر ہوگی۔ اس کے لئے آخرت کی نعمتیں ہوں گی اور بڑھ چڑھ کر ہوں گی۔ نیکیوں کا پھل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زائد ہوگا اور دنیا میں ایمان وعمل کی برکت سے جو انعامات ملیں گے وہ مزید برآں ہیں۔ البتہ جس کی ساری جدوجہد صرف دنیا کے لئے ہوگی۔ اس کے لئے آخرت میں تو یقینی محرومی ہے ہی۔ لیکن دنیا میں بھی اس کے لئے کوئی حتمی وعدہ نہیں ہے۔ قسمت میں ہوگا مل جائے گا ورنہ نہیں۔

یقینی وعدوں پر تو اطمینان نہیں مگر موہوم پر کامل اعتماد ہے: .... مگر لوگوں کا حال عجیب ہے کہ موہوم کے لئے تو جدوجہد یقینی اور یقین کے لئے محض تمنائیں اور خالی آرزوئیں۔ اللہ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا راستہ بتلا دیا۔ پھر آخر مشرکین نے اس

راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہیں کہاں سے نکالی ہیں۔ اللہ کے علاوہ اور کون ہے جس کو حلال حرام کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ دنیا میں کھول کھول کر حق ناحق کو بیان کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی یہ نہیں مانتے تو عملی فیصلہ تو مقررہ وقت پر ہوگا۔ اس کا انتظار کریں سب کرنی سامنے آ جائے گی۔ آج اگر نہیں ڈرتے تو اس وقت ڈریں گے مگر لا حاصل۔ اس سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

والذین امنوا. البتہ جو ایمان دار نیکوکار ہوں گے۔ جنہوں نے دنیا میں ہر قسم کی صعوبتیں دین کی خاطر برداشت کیں۔ وہ آخرت کی جسمانی اور روحانی ہر قسم کی نعمتوں سے لذت آشنا ہوں گے۔ ان کی ہر تمنا ہر آرزو پوری کی جائے گی۔

ذلك الذی. سے جو مضمون بشارت آ رہا ہے۔ چونکہ کفار پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلا دینے کے خوگر تھے۔ اس لئے بشارت کا مضمون درمیان میں روک کر بطور جملہ معترضہ ان کو ایک دل گداز بات سنائی جارہی ہے۔

انسانیت وقرابت کا لحاظ کر کے ہی ظلم سے باز آ جانا چاہئے: .... قل لا اسئلکم. یعنی جو کچھ آپ ان کی خاطر مشکلات اٹھا رہے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ بلکہ صرف لوجہ اللہ تمہیں فلاح کا راستہ بتلا رہا ہوں۔ تم سے اس پر کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کم از کم خاندانی تعلقات کا لحاظ کرتے ہوئے بالکل بے مروتی پر تو نہ اتر آؤ۔ تم میری بات نہیں مانتے نہ مانو۔ میرا دین قبول نہیں کرتے نہ کرو، میری تائید وحمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی۔ لیکن قرابتداری کا خیال کر کے ظلم پر تو کمر نہ باندھو۔ ہر وقت کی ایذاء رسانی سے باز آؤ۔ اتنی تو آزادی دو کہ اللہ کا پیغام پہنچاتا رہوں کیا میں اتنی دوستی اور اتنی محبت وانصاف کا بھی حق دار نہیں ہوں۔ میری دشمنی اور عداوت میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ بلکہ ٹھنڈے دل ودماغ سے میری پوری بات سن لو اور اس کو عقل ودلیل کی میزان میں تول لو۔ اگر معقول ہو قبول کر لو۔ کچھ شبہات ہوں تو صاف کر لو اور بالفرض اگر غلط ہو تو مجھے سمجھا دو، راہ پر لے آؤ۔ غرض جو بات ہو وہ خیر خواہی اور خیر اندیشی سے ہو۔ یہ نہیں کہ بے سمجھے فوراً ہی بھڑک اٹھو۔ بلکہ سمجھانے پر بھی خلاف سے باز نہ آؤ۔ آخر رشتہ داری کا کیا فائدہ، جب ایک دوسرے کے اتنا بھی کام نہ آئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خالی رشتہ داری پیش نظر ہے اور اس کے بعد ایمان مطلوب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لطیف طریقہ سے تدریجی طور پر یہ ایمان ہی کی طرف لے جانے کا راستہ ہے۔

محبت اہل بیت جزو ایمان ہے: .... بعض حضرات نے مودت قربیٰ کے یہ معنی لئے ہیں۔ کہ میں تم سے صرف اس صلہ کا خواہش مند ہوں کہ میرے خویش واقارب کا خیال رکھو۔ اہل بیت کی محبت یقیناً جزو ایمان اور محبت نبوی کا شاخسانہ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ تفسیر۔ آیت کے شان نزول سیاق وسباق کے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ کے شایان شان بھی ہے یا نہیں؟

اسی طرح بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی قرابت اور صلہ رحمی کا لحاظ اور خیال رکھو اور باہمی حقوق کی پاسداری کرو۔

اور بعض نے قربیٰ سے مراد قرب خداوندی لیا ہے یعنی ہر کام میں اصل دھیان قرب خداوندی کا ہونا چاہئے کیونکہ محبت الٰہی ہی اصل وظیفہ ہے۔ تاہم راجح تفسیر پہلی ہی ہے۔

ومن یقترف الخ سے پھر وہی قانت مومنین کی بشارت کا تتمہ ارشاد ہے کہ جو شخص بھلائی اور نیکی کا راستہ اپناتا ہے اللہ بھی اس کی بھلائی کو بڑھا دیتا ہے کہ آخرت میں اس کے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہے اور دنیا میں بھی اسے اچھی خصلت ملتی ہے اور اس کی لغزشیں معاف کر دی جاتی ہیں۔

چار مقدمات استدلال: ....ام یقولون. کفار آپ پر جھوٹا دعوائے نبوت کر دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ سو ان کی یہ بکواس خود افتراء ہے چار مقدمات کی بنیاد پر۔

اول یہ کہ کسی خارق عادت معجزہ کا آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونا نہ ہونا دونوں فی نفسہ ممکن ہوئے اور اللہ کی قدرت میں ہونے کے لحاظ سے اگرچہ برابر ہیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی عادت لوگوں کو تلبیس سے بچانے کے لئے یہ ہے کہ وہ سچے کے ہاتھ معجزہ ظاہر کر دیتا ہے اور جھوٹے کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کرتا۔ پس آپ کا جھوٹا ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ لازم کا نہ ہونا ملزوم کے نہ ہونے کو مستلزم ہے۔

چوتھے یہ کہ آپ کی زبان سے معجزانہ کلام قرآن ظاہر ہوا ہے۔ پس لازم یعنی معجزہ کے نہ ہونے کی نفی ہوئی۔ اس لئے ملزوم یعنی جھوٹ کی بھی نفی ہوگئی۔ اس طرح آپ کا سچا اور مخالفین کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ "اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگادے" اور فرشتہ آپ کے قلب پر یہ کلام معجزنہ اتار سکے۔ اور وحی کا سلسلہ بند ہو جائے۔

حاصل یہ ہے کہ پہلے مقدمہ کی رو سے اللہ کو یہ قدرت ہر وقت حاصل ہے کہ یہ معجزانہ کلام صادر نہ ہونے دے۔ اور دوسرے مقدمہ کی رو سے عادت الٰہیہ کے مطابق اللہ جھوٹے دعویٰ کو مٹا دیا کرتا ہے۔ جھوٹے کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ احکام تنزیلیہ اور تکوینیہ سے نبوت کے سچے دعویٰ کو ثابت اور غالب کر دیا کرتا ہے۔ اور تیسرا مقدمہ بدیہی اور چوتھا مقدمہ بالکل مشاہد ہے۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ آپ سچے اور مخالفین جھوٹے ہیں۔ اس لئے محض ان بدبختوں کی ناقدری اور طعن و تشنیع کی وجہ سے فیضان کا یہ سلسلہ منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کو جاری رکھے گا اور عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ دل پر اللہ نے مہر لگائی اور کون جھوٹا ہے اور اللہ سے ان کا کوئی حال قال مخفی نہیں۔ حتیٰ کہ وہ دلی منصوبوں سے بھی واقف ہے۔ اس لئے وہ خود ان سے نبٹ لے گا۔

تکوینی احکام سے مراد عادت الٰہیہ ہے اور تنزیلی احکام سے مراد انفسی اور آفاقی دلائل و براہین ہیں۔ آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔ چنانچہ مفسر علامؒ نے اس کو آنحضرت ﷺ کی تسلی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ میں صبر کا مادہ پیدا کر دے گا۔ جس سے آپ کا دل ایسا مضبوط ہو جائے کہ ان کی تکالیف کا اس پر اثر ظاہر نہ ہو۔ مگر سیاق و سباق کے مطابق وہی تقریر ہے جو عرض کی گئی ہے۔

توبہ وانابت پر بشارت: ....لیکن جو لوگ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں گے اور مخالفت کی بجائے توبہ وانابت کی راہ اپنائیں گے۔ آیت وھو الذی یقبل سے ان کو بشارت سنائی جارہی ہے کہ نبی تو اپنا کام کر چکے اب آگے تمہارا کام ہے۔ جیسا کرو گے تمہاری استعداد اور کام کے مطابق اللہ تعالیٰ آخرت میں معاملہ فرمائے گا۔ وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور کتنی غلطیوں کو جاننے کے باوجود معاف فرما دیتا ہے اور جو ایماندار نیک بندے اس کی سنتے ہیں وہ بھی ان کی سنتا ہے اور اطاعت وعبادت کو قبول کر کے اجر وثواب عام ضابطہ سے بڑھ چڑھ کر عنایت کرتا ہے۔ البتہ جو اپنے انکار و کفر پر مرتے دم تک ڈٹے رہیں ان کے لئے سخت ترین سزائیں بھی تیار ہیں۔

دنیا میں نہ سب امیر ہیں نہ سب غریب:.........ولو بسط اللہ الرزق. اللہ کے خزانوں میں اگر چہ کسی چیز کی کمی نہیں ۔ وہ چاہے تو سب کو بے اندازہ دولت دے کر غنی بنا دے ۔مگر دنیا کو جس نظام پر چلانا منظور ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ غنا عام نہ کی جائے ۔ بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو ناپ تول کر دیا جائے اور یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت بہتر اور اصلح ہے ۔ کیونکہ سب حالات اسی کے سامنے ہیں ۔

غنا کے عام نہ ہونے کی جس حکمت الٰہی کی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سرمایہ داری عام ہو جائے اور کہیں بھی فقر نہ رہے ۔ تو کسی کو کسی کی احتیاج نہ رہے گی ۔ اور ہر طرف بے نیازی ہی بے نیازی عام ہو جائے گی اور احتیاج ہی ایسی چیز ہے جو ہر ایک کو دوسرے سے جوڑے ہوئے ہے ۔ کیونکہ لزوم عادی کے طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہوتی ہے ۔ جو دوسرے کے پاس نہیں ہوتی ۔ پس لامحالہ جس کے پاس چیز نہ ہوگی وہ اس کا محتاج ہوگا ۔ جس کے پاس وہ چیز موجود ہے ۔ اس احتیاج ہی کی بدولت ایک دوسرے سے وابستگی کا علاقہ رہے گا ۔ لیکن اگر غنا اس طرح عام ہو جائے کہ کوئی کسی کا دستگیر نہ ہو تو کوئی کسی کی طرف جھکے گا نہیں ۔ بلکہ ہر ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر رہ جائے گا ۔ اور اجتماعیت کا سارا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا اور بغاوت عام ہو کر عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا ۔ لیکن بغاوت عامہ کی صورت غناء عام کے ساتھ مخصوص ہے ۔ کیونکہ اس کے برعکس اگر فقر عام ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کسی کے پاس کوئی چیز نہ رہے گی اس میں تکلیف تو سب کو ہو سکتی ہے مگر رغبت کسی کو نہ رہے گی جو جڑ ہے سارے فتنہ وفساد کی اور شاذ ونادر اگر کوئی چیز کسی کے پاس دوسرے کی رغبت کے لائق ہوگی بھی تو بہت کم ہوگی اس لئے بغاوت بھی کم ہوگی ۔

بہر حال فقر و حاجت عام ہونے کی صورت میں بغاوت عام نہ ہوگی ۔ اگر چہ دوسرے نقصانات ہو جائیں ۔ مثلاً : سب بجائے خود ہلاک ہو جائیں اور یہی حکمت ہے فقر کے عام نہ ہونے کی ۔ لیکن یہاں جس ضرر کا بیان ہے وہ مختص ہے غنائے عام اور بسط عام کے ساتھ اور ہر چند کہ عام بغاوت کا انجام بھی وہی ہے ۔ جو فقر عام کا نتیجہ ہے یعنی سب کا ہلاک ہو جانا ۔ مگر مر جانا ہلکا ہوتا ہے بہ نسبت مارے جانے کے ۔ اس لئے فقر عام کا نقصان بھی غناء عام کے نقصان سے کم ہوگا ۔ اور ممکن ہے یہاں اسی لئے غنائے عام نہ ہونے کی حکمت تو بیان کی گئی ہے اور فقر عام نہ ہونے کی حکمت سے تعرض نہیں کیا گیا ۔

حاصل یہ ہے کہ نہ سرتا سر سرمایہ داری اور غناء کو عام کیا گیا اور نہ فقر واحتیاج کو بلکہ ملی جلی حالت رکھی ۔ تاکہ ایک دوسرے کی وابستگی رہے اور صبر وشکر کا ذریعہ تعلق مع اللہ بھی رہے ۔ لیکن یہ تمام تر تقریر عام طبائع کی موجودہ فطرت وروش کے لحاظ سے ہے ۔ لیکن اگر طبائع تبدیل کر دی جائیں جیسے: امام مہدی کے زمانہ میں جب کہ برکت عام ہو جائے گی ۔ حدیث میں ہے کہ کوئی صدقہ قبول نہ کرے گا ۔ یا جنت میں سب کے پاس نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی ۔ مگر سلامتی طبع سے سب مگن رہیں گے ۔ کوئی ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہوگا ۔

اسی طرح اگر عام طبائع نہ ہوں بلکہ مخصوص طبائع کے حضرات ہوں جیسے انبیاء وصلحاء تو وہاں اگر چہ بسط عام کی صورت میں بغاوت کا سبب موجود ہوگا ۔ مگر ان کی سلامتی طبع مانع بھی ہوگی ۔ اس لئے بغاوت مرتب نہیں ہو سکے گی ۔ کیونکہ محض سبب کا ہونا ہی کافی نہیں ہے ۔ بلکہ مانع کا نہ ہونا بھی ضروری ہے ۔

انسان کی کوتاہ نظری کا حال تو یہ ہے کہ ذرا بارش میں دیر ہوئی تو بسا اوقات ایک دم مایوس ہو بیٹھتا ہے ۔ حالانکہ اللہ اپنی حکمت و مصلحت سے باران رحمت نازل فرما دیتا ہے اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے ۔ تاکہ بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کے اسباب جس کے قبضہ میں ہیں رزق بھی اسی کے قبضہ میں ہے اور جیسے وہ روزی ہر ایک کو ایک خاص اندازے سے

عنایت فرماتا ہے۔ بارش بھی خاص اندازے سے خاص اوقات میں برساتا ہے۔ کیونکہ سب کام اسی کے اختیار وحکمت سے ہوتے ہیں۔ سارے کمالات وخوبیوں کا سرچشمہ وہی ہے۔ رزق، اس کے اسباب اور ان اسباب کے اسباب خواہ وہ سماویہ ہوں یا زمینی اور اس کے آثار ونتائج سب اسی کی مخلوق ہیں۔ سرتاسر مایوسی تو شیوۂ کفار ہے۔ البتہ ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیز ہوسکتا ہے۔

وھو الذی. اس میں کلی حالت کا بیان نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی قرینہ کلیت کا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ مایوسی سے پہلے بھی بارش ہوجاتی ہے اور بعض دفعہ مایوسی ہوجانے کے بعد بھی نہیں ہوتی۔

وما بث فیھما. کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔ پس جس ذات نے مخلوق کو سارے عالم میں بکھیرا ہے وہی قیامت میں سب کو اکٹھا کرے گا اور جانوروں کے زمین وآسمان میں ہونے کی دوسری توجیہ وہ ہے جو مفسرؒ نے بیان کی ہے یعنی مجموعہ میں تحقیق کے لئے ایک جزو میں بھی تحقق کافی ہوتا ہے۔ ہر ہر جزو میں تحقق ضروری نہیں۔ یہ دونوں توجیہات تو دابہ کو حقیقی معنی لینے کی صورت میں تھیں۔ اگر مجازاً ذی روح مراد لی جائے تو ظاہر ہے کہ فرشتے بھی ذی روح ہوتے ہیں۔

لطائف سلوک:............**ام لھم شرکاء.** اس میں شرک اور بدعت دونوں پر رد ہے۔

قل لا اسئلکم. سے معلوم ہوا کہ شیخ ومرشد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے اعزاء وقرابتداروں سے محبت وتعلق ہو۔ کیونکہ جب شیخ سے محبت ہوگی تو اس کے اقارب سے قربت ہوگی۔

ترمذی میں حدیث مرفوع ہے۔ **احبوا اھل بیتی لحبی** اور فرمایا۔ کہ **ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی.**

فان یشاء اللہ یختم علیٰ قلبک. یعنی بالفرض آپ کی زبان مبارک سے ناحق بات نکلے تو ہم آپ کے دل پر مہر کردیں گے۔ شیخ شبلیؒ نے جب امام سے نماز میں یہ آیت سنی۔ تو غلبہ حال میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہنے لگے۔ اچھے لوگوں سے اس طرح خطاب ہورہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احوال سلب ہوجانے سے ہروقت ڈرتا رہے۔

ولو بسط اللہ اسی طرح بعض اوقات سالک کے لئے بسط مضر ہوتا ہے اور قبض مفید۔ تو اس کو مغموم نہیں ہونا چاہئے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **مِّنْ مُّصِيْبَةٍ** بَلِيَّةٍ وَشِدَّةٍ **فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ** اَیْ كَسَبْتُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَعَبَّرَ بِالْاَيْدِیْ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهَا **وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾** مِنْهَا فَلَا يُجَازِیْ عَلَيْهِ وَهُوَ تَعَالٰی اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يُّثْنِیَ الْجَزَاءَ فِی الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا غَيْرُ الْمُذْنِبِيْنَ فَمَا يُصِيْبُهُمْ فِی الدُّنْيَا لِرَفْعِ دَرَجَاتِهِمْ فِی الْاٰخِرَةِ **وَمَآ اَنْتُمْ** يَامُشْرِكِيْنَ **بِمُعْجِزِيْنَ** اللّٰهَ هَرَبًا **فِی الْاَرْضِ** فَتَفُوْتُوْنَهُ **وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهِ **مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾** يَدْفَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ **وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ** السُّفُنِ **فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾** كَالْجِبَالِ فِی الْعَظْمِ **اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ** يَصِرْنَ **رَوَاكِدَ** ثَوَابِتَ لَاتَجْرِیْ **عَلٰی ظَهْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾** هُوَ الْمُؤْمِنُ يَصْبِرُ فِی الشِّدَّةِ وَيَشْكُرُ فِی الرَّخَاءِ **اَوْ يُوْبِقْهُنَّ** عَطْفٌ عَلٰی يُسْكِنْ اَیْ يُغْرِقْهُنَّ بِعَصْفِ الرِّيْحِ بِاَهْلِهِنَّ **بِمَا كَسَبُوْا** اَیْ اَهْلُهُنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۴﴾ مِنْهَا فَلَا يُغْرِقُ اَهْلَهٗ **وَيَعْلَمُ** بِالرَّفْعِ مُسْتَانِفٌ وَبِالنَّصْبِ مَعْطُوْفٌ عَلٰى تَعْلِيْلٍ مُقَدَّرٍ اَىْ يُغْرِقُهُمْ لِيَنْتَقِمَ مِنْهُمْ وَيَعْلَمُ **الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ** ﴿۳۵﴾ مَهْرَبٍ مِنَ الْعَذَابِ وَجُمْلَةُ النَّفْيِ سُدَّتْ مَسَدَّ مَفْعُوْلَىْ يَعْلَمُ اَوِ النَّفْيُ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ **فَمَآ اُوْتِيْتُمْ** خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَغَيْرِهِمْ **مِّنْ شَيْءٍ** مِنْ اَثَاثِ الدُّنْيَا **فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يُتَمَتَّعُ بِهٖ فِيْهَا ثُمَّ يَزُوْلُ **وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ** مِنَ الثَّوَابِ **خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿۳۶﴾ وَيُعْطَفُ عَلَيْهِ **وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ** مُوْجِبَاتِ الْحُدُوْدِ مِنْ عَطْفِ الْبَعْضِ عَلَى الْكُلِّ **وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ** ﴿۳۷﴾ يَتَجَاوَزُوْنَ **وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ** اَجَابُوْهُ اِلٰى مَا دَعَاهُمْ اِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيْدِ وَالْعِبَادَةِ **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ** اَدَامُوْهَا **وَاَمْرُهُمْ** الَّذِىْ يَبْدُوْ لَهُمْ **شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** يُشَاوِرُوْنَ فِيْهِ وَلَا يُعْجِلُوْنَ **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اَعْطَيْنَاهُمْ **يُنْفِقُوْنَ** ﴿۳۸﴾ فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَمَنْ ذُكِرَ صِنْفٌ **وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ** الظُّلْمُ **هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ** ﴿۳۹﴾ صِنْفٌ اَىْ يَنْتَقِمُوْنَ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ بِمِثْلِ ظُلْمِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰى **وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** سُمِّيَتِ الثَّانِيَةُ سَيِّئَةً لِمُشَابَهَتِهَا لِلْاُوْلٰى فِى الصُّوْرَةِ وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِيْمَا يُقْتَصُّ فِيْهِ مِنَ الْجِرَاحَاتِ قَالَ بَعْضُهُمْ وَاِذَا قَالَ لَهٗ اَخْزَاكَ اللّٰهُ فَيُجِيْبُهٗ اَخْزَاكَ اللّٰهُ **فَمَنْ عَفَا** عَنْ ظَالِمِهٖ **وَاَصْلَحَ** الْوُدَّ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ بِالْعَفْوِ عَنْهُ **فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ** اَىْ اَنَّ اللّٰهَ يَاْجُرُهٗ لَا مُحَالَةَ **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۴۰﴾ اَىِ الْبَادِيْنَ بِالظُّلْمِ فَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهِمْ عِقَابُهٗ **وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ** اَىْ ظُلْمِ الظَّالِمِ اِيَّاهُ **فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ** ﴿۴۱﴾ مُؤَاخَذَةٍ **اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ** يَعْمَلُوْنَ **فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ** بِالْمَعَاصِىْ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۴۲﴾ مُؤْلِمٌ **وَلَمَنْ صَبَرَ** فَلَمْ يَنْتَصِرْ **وَغَفَرَ** تَجَاوَزَ **اِنَّ ذٰلِكَ** الصَّبْرَ وَالتَّجَاوُزَ **لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ** ﴿۴۳﴾ اَىْ مَعْزُوْمَاتِهَا بِمَعْنَى الْمَطْلُوْبَاتِ شَرْعًا

ترجمہ: ...... اور تمہیں (مسلمانو) جب مصیبت (بلا اور شدت) پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے (یعنی تم نے جو گناہ کئے ہوئے ہیں اور اکثر کام چونکہ ہاتھ سے کئے جاتے ہیں اس لئے ہاتھوں ہی کی طرف نسبت کر دی) اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر کر دیتا ہے (کہ ان پر دنیا میں سزا نہیں دیتا اور پھر آخرت میں ان پر سزا دینا اسکے کرم سے بعید ہوگا۔ البتہ بے قصور لوگوں کو دنیا میں جو مصیبتیں پیش آتی ہیں ان سے ان کے اخروی درجات بلند کرنے مقصود ہوتے ہیں) اور (اے مشرکین!) تم (اللہ کو) زمین میں ہرا نہیں سکتے (کہ اس سے بچ نکلو) اور اللہ کے سوا (علاوہ) تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں ہے (جو تمہیں اس کے عذاب سے بچا سکے) اور منجملہ اس کی نشانیوں کے جہاز (کشتیاں) ہیں سمندر میں پہاڑ جیسے (پہاڑ برابر بڑے وہ اگر چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ کھڑے کے کھڑے (ٹھہرے ہوئے) رہ جائیں سطح سمندر پر، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے (مومن

مراد ہیں جو مصیبت میں صبر اور عیش میں شکر ادا کرتے ہیں) یا ان جہازوں کو تباہ کردے (اس کا عطف یسکن پر ہے یعنی ہواؤں کے جھکولوں سے جہازوں کو سواروں سمیت غرق کردے) ان کے اعمال کی وجہ سے (سواروں کے گناہوں کے باعث) اور بہت سے لوگوں سے درگذر کردے (ان کو غرق نہ کرے) اور معلوم ہونا چاہئے (یعلم رفع کے ساتھ مستانفہ ہے اور نصب کی صورت میں علت مقدر پر معطوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی یغرقهم لينتقم منهم ويعلم) ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑا نکالتے رہتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ نہیں (عذاب سے چھٹکارا۔ اور جملہ نفی یعلم کے دونوں مفعولوں کے بجائے ہے یا حرف نفی کالفظوں میں عمل نہیں ہے) سو تمہیں (مسلمانوں اور دوسروں کو خطاب ہے) جو کچھ (دنیا کا ساز وسامان) دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیاوی زندگی میں برتنے کے لئے ہے (نفع اٹھانے کے بعد سب فنا ہو جائے گا) اور جو اللہ کے یہاں (ثواب) ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اگلے جملہ کا اس پر عطف ہے) اور جو کہ بچتے ہیں کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے (جن پر شرعی حد واجب ہو جاتی ہے یہ بعض کا کل پر عطف ہے) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف (درگذر) کر دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا (توحید وعبادت کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں) اور نماز کے پابند ہیں (مستقل نمازی ہیں) اور ان کا ہر کام (جو نہیں درپیش ہوتا ہے) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے (باہمی صالح مشورہ کرتے ہیں جلدی بازی سے کام نہیں لیتے) اور ہم نے جو کچھ عطا کیا (دیا) ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں۔ جن لوگوں کا ذکر ہوا یہ ایک قسم ہے) اور جو لوگ ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں (یہ دوسری قسم ہوئی۔ یعنی جو شخص ان پر ناانصافی کرتا ہے تو وہ اس سے اتنا ہی انتقام لیتے ہیں جیسا کہ آگے ارشاد ہے) اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے ہونا چاہئے (بدلہ کو برائی کہنا اس لئے ہے کہ صورت شکل میں پہلی برائی جیسا ہوتا ہے اور صورۃً یہ مشابہت ان زخموں میں ظاہر ہے جن میں قصاص کا حکم ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اگر کوئی اخزاک اللہ کہے تو اس کے جواب اخزاک اللہ کہنے کی اجازت ہے) پھر جو شخص معاف کردے (ظالم کو) اور اصلاح کرلے (معاف کرتے ہوئے باہمی محبت بحال کرلے) تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے (یعنی ضرور اللہ اس کو اجر عطا فرمائے گا) واقعی ظالموں سے اللہ کا تعلق نہیں ہے (یعنی ظلم کی ابتداء کرنے والے کہ وہ مستحق سزا ہو جاتے ہیں) اور جو اپنے اوپر (ظالم کا ظلم) ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے۔ سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام (اعتراض) نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور سرکشی پھیلاتے (کرتے) ہیں زمین میں ناحق (شرعاً غلط طریقہ پر) ایسوں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے اور جو شخص صبر کرلے (بدلہ نہ لے) اور معاف کردے (درگزر کرے) یہ (صبر اور معافی) البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی لائق عزیمت ہے اس معنی کر کہ شرعاً مطلوب ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... الجوار. بظاہر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہاں موصوف محذوف ہوگا۔ حالانکہ جری ان صفات میں سے نہیں ہے جو موصوف کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ اس لئے حذف محذوف جائز نہیں ہوگا۔ مفسر علامؒ نے اسی شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صفت پر اسمیت غالب آجانے کی وجہ سے صفت قائم مقام موصوف کے نہیں ہوا کرتی۔ جیسے: ابرق، ابطح، اجرع میں ہے ورنہ موصوف کا حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اس لئے جوار کی تفسیر سفن کے ساتھ ہے اور السفن الجاریہ نہیں کہا۔

فيظللن. اصل معنی تو يمضين النهار ہیں۔ لیکن يصرن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا دن رات میں کسی چیز کا ہونا مراد ہے۔

صبار شكور. ایمان کا نصف حصہ صبر ہے اور نصف شکر۔ دونوں مل کر ایمان کامل ہوتا ہے۔

يو بقهن. سکون ریح کی قید احترازی نہیں ہے اتفاقی ہے کیونکہ کشتی اور اسباب سے بھی غرق ہوسکتی ہے جیسے ٹوٹ جائے یا

پانی بھر جائے۔

مالھم من محیص. مالھم خبر مقدم اور من محیص مبتداء مؤخر ہے من زائد ہے دوسری صورت یہ ہے کہ افعال قلوب کی خاصیت کے اعتبار سے کہا جائے کہ ما نافیہ میں تعلیق ہے یعنی لفظاً عمل معطل ہوگیا ہے۔ جس کے لئے شرط یہ ہے کہ استفہام اور نفی اور لام ابتداء سے پہلے ما ہو اور یعلم میں یہ شرط پائی جارہی ہے۔

فما اوتیتم. اس میں ما شرطیہ محل نصب میں ہے اوتیتم کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے اور مفعول اول ضمیر ہے جو قائم مقام فاعل کے ہے اور مفعول ثانی صدارت کا کلام کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے اور من شئی بیان ہے ماء کا۔

فمتاع. جواب شرط ہے ای ھو متاع اور ماعنداللہ مبتداء ہے اور خیر خبر ہے اور للذین متعلق ہے ابقی کے۔

یتوکلون. توکل کا ایک درجہ تو واجبی اور ضروری ہے کہ نفع بخش اور ضرر رساں صرف اللہ کو مانا جائے اور ایک درجہ خصوصیت اور کمال ایمان کا ہے کہ تمام امور اللہ کے حوالہ کردیئے جائیں۔

والذین یجتنبون. اس کا عطف اگر للذین آمنوا پر ہے تب تو محل جر میں ہے ورنہ مدح کے اعتبار سے منصوب یا مرفوع بھی ہوسکتا ہے۔

کبائر الاثم والفواحش. کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شرعی وعید آئی ہو۔ اور فواحش جن پر حد شرعی قائم کی جائے یہ عطف خاص علی العام ہے۔

اذا ما غضبوا. یہ مبتداء خبر سے مل کر جزائے شرط ہے۔ ای ھم الاحقاء بالغفران عند الغضب.

استجابوا. اس میں سین، تا زائد ہیں۔

وامرھم شوریٰ. شوریٰ مصدر ہے جیسے بشریٰ شرکت فی الرای کو کہتے ہیں۔ اصل میں شہد کی مکھیوں کا شہد نکالنا اور شہد جمع کرنا شوریٰ کے معنی میں ہے۔

جزاء سیئۃ سیئۃ. برائی کا بدلہ اگرچہ فی الواقع برائی نہیں ہے مگر مشاکلت ومشابہت کی وجہ سے اس کو بطور استعارہ سیئہ کہہ دیا گیا۔ تمام وہ جنایات جن میں قصاص آتا ہے ان میں یہ آیت ظاہر ہے۔ البتہ مجاہدؒ اور سدیؒ برے بھلے الفاظ کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں۔

فمن عفی. یعنی چونکہ بدلہ میں پوری یکسانیت اور برابری ضروری ہے اور وہ نہایت مشکل ہے اس لئے عفو درگذر ہی بہتر ہے۔ چنانچہ فالا نے میں یہی نکتہ ہے اور اصلاح بھی چونکہ تتمہ عفو ہے اس لئے اس میں بھی ترغیب کا پہلو ہے۔

اجرہ علی اللہ. اس کو مبہم لانے میں مبالغہ ہے۔

الظالمین. حدیث میں ہے البادی اظلم چنانچہ بطور شرعی بدلہ کے ظلم نہیں ہوگا۔

لمن انتصر. لام ابتدائیہ اور من شرطیہ ہے اور اولئک جواب شرط ہے یا من مبتداء ہے اور اولئک خبر ہے۔

بغیر الحق. لیکن اگر شرعی اجازت سے ہو تو پھر ناحق نہیں ہوگا۔

یبغون. یعنی کہ اگر اپنے معنی پر رکھا جائے تب تو بغیر الحق قید احترازی نہیں ہے اور یبغون کی اگر یعلمون کے معنی میں تجرید کرلی جائے تو پھر بغیر الحق تاکید ہوگا۔ ابوسعید قرشی کہتے ہیں کہ ناگواریوں کو برداشت کرنا علامات اشتباہ میں سے ہے۔ جو شخص کسی حادثہ پر صبر کرے اور جزع نہ کرے اللہ اس سے راضی ہوگا۔ یہ بڑا عالی مقام ہے لیکن جو مصیبت پر شکوہ اور تنگی ظاہر کرے اللہ اس کو اس کے نفس کے حوالہ کردیتا ہے اور وہ ہمیشہ شکایت میں مبتلا رہتا ہے۔

ربط آیات:............ آیت وما اصابکم الخ کا وہی ربط ہے جو آیات ولو بسط اللہ الخ میں گزر چکا ہے۔ ان آیات میں نعمت ومصیبت کی حکمت ارشاد فرمائی جارہی ہے۔

آیت من کان یرید. میں دنیا کے فریب میں مبتلا ہونے کی برائی اور طلب آخرت کی ترغیب کا بیان تھا۔

آیات فما اوتیتم الخ میں اسی کی تائید کے لئے دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ذکر ہے اور عمدہ اعمال ذکر کر کے اس کی طلب کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور آیت "وبسط" میں کمی رزق کی حکمت اور وما اصابکم اور یعلم الذین میں گناہوں کی شامت اور نقصان کا بیان تھا۔ آگے یہی دنیا کا فانی ہونا اور اعمال وطاعت کی فضیلت وبرکت ارشاد فرمائی جارہی ہے اور ان میں باہمی مناسبت ظاہر ہے۔

شان نزول وروایات:............ آیت والذین استجابوا. انصار کے بارہ میں نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جب دعوت دی تو انہوں نے اس کو قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے بارہ نقیب مقرر فرمادیئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے ہوا۔

وامرھم شوری. آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار مدینہ دینی کام باہمی مشوروں سے کیا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ اسی کی توصیف فرمارہے ہیں۔ آپ اگرچہ مشورہ کے محتاج نہیں تھے۔ لیکن صحابہؓ کی تالیف قلب کے لئے آپ کو حکم دیا گیا۔ بعض کے نزدیک آپ کے لئے یہ حکم وجوبی تھا اور بعض کے نزدیک استحبابی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ برابر اجتہادی امور میں مشورہ پر کاربند رہے۔

فمن عفا. حدیث میں ارشاد ہے قیامت میں منادی ہوگی۔ **من کان له اجر علی اللہ فلیقم فلا یقوم الا من عفا.**

لمن عزم الامور. ابوسعید قرشیؒ فرماتے ہیں۔ **الصبر علی المکارہ من علامات الانتباہ فمن صبر علیٰ مکروہ یصیبه ولم یجزع اورثه اللہ حال الرضا وھو اجل الاحوال ومن جزع من المصیبات وشکی وکله اللہ تعالیٰ لرمی نفسه ثم لم تنفاہ شکواہ.**

﴿تشریح﴾:...... **نعمت ومصیبت دونوں حکمت الٰہی کے تحت ہیں:**............ وما اصابکم الخ اسی طرح آیت ظھر الفساد فی البر الخ میں یہ ظاہر فرمایا جارہا ہے کہ جس طرح نعمتیں ہماری خاص حکمت کی رو سے تقسیم ہوتی ہیں۔ اسی طرح مصائب بھی خاص اسباب اور ضوابط دونوں کے تحت آتی ہیں۔ کیف ما اتفق نہیں جیسے عام طور سے بیماریوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں کھوج لگائی جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر آفت کے پیچھے انسان کا اپنا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر مصیبت کے نیچے سے خود اس کا اپنا کوئی نہ کوئی عمل ابھرتا ہے۔ گو بادی النظر میں سرسری طور پر دکھائی نہ دے۔ بعض اوقات ماں کی بدپرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کردیتی ہے۔ کبھی ایک شخص کی حماقت اور بے تدبیری سے پورے محلہ بلکہ سارے شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک شخص کا قول وعمل بسا اوقات پورے ملک بلکہ پوری دنیا کو تہ وبالا کر کے رکھ دیتا ہے۔

اور جس طرح مادی طور پر سبب قریب خود آدمی کی اپنی حرکت ہوتی ہے۔ اسی طرح روحانی اور باطنی آفات کا حال بھی سمجھنا چاہئے۔ انسان کے لئے ماضی کی غلطیاں مستقبل کے لئے سامان عبرت ہیں اور گرفت ومصیبت کا سلسلہ بھی بعض کوتاہیوں پر ہوتا ہے۔ اکثر غلطیاں تو نظر انداز کردی جاتی ہیں ورنہ تو ہر غلطی پر اگر پکڑ ہونے لگے تو کوئی متنفس باقی نہیں رہ سکتا۔

انبیاء اور معصوم بچے اس میں داخل نہیں۔ یہ خطاب بالغ گنہگاروں کو ہے اور مصیبت سے مراد بھی حقیقۃً مصیبت ہے اور ان قیود کا مقصد ایک سوال کے دو جواب ہیں۔

ایک اور شبہ اور اس کے دو جواب:.........سوال یہ ہے کہ لفظ ما کے عموم سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت گناہوں کی وجہ سے آتی ہے عام نہیں بلکہ صرف گنہگاروں کو خطاب ہے۔ اس لئے انبیاءؑ وصلحاء کے متعلق شبہ نہیں رہا۔

دوسرا جواب یہ نکل آیا۔ کہ انبیاءؑ واولیاءؒ پر جو بلائیں آتی ہیں وہ صورۃً مصیبت ہوتی ہیں۔ مگر حقیقۃً مصیبت نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ ان کے حق میں نعمت ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان سے ان کے علوم و مدارج اور مراتب میں ترقی ہوتی ہے اور ان پر اسرار و حکم منکشف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ان میں مسرور رہتے ہیں۔ ان کی دلجمعی میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ وہ پریشان ہوتے ہیں۔

اور وہ معصوم بچوں کی تکالیف یا تو اسباب تکوینی کے تحت ہوتی ہیں۔ جیسے جانوروں وغیرہ میں اور یا ان کا سبب ان کے بڑے ہوتے ہیں اور وہی بالواسطہ مبتلائے مصیبت ہوتے ہیں۔

تمام ایجادات کا سرچشمہ اللہ کی قدرت ہے:.........ومن ایاتہ الجوار. نزول قرآن کے وقت بادبانی جہاز اور کشتیوں کا رواج تھا۔ جن کا سارا مدار ہواؤں کے رحم وکرم پر تھا۔ کہ ہوا کا رخ صحیح رہا تو منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ورنہ سارا سفر کالعدم ہو جاتا تھا۔ اس لئے آیت میں ہواؤں کو قدرت الٰہی کے تابع بتلایا گیا۔ لیکن اس سے موجودہ دور کے دخانی اسٹیمر اور جہاز، اسی طرح فضائی پرواز کے سلسلہ میں جہاز، راکٹ، میزائیل پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو ہوا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اللہ کے محتاج نہیں ہیں۔ کیونکہ جواب میں کہا جائے گا کہ گو وہ ہوا کے تابع نہیں مگر اسٹیم اور بھاپ کے تابع اور کل پرزوں کے تابع تو ہیں اور وہ پھر محتاج قدرت ہیں اس لئے نتیجہ وہی رہا۔

رہا یہ کہنا کہ یہ سب کچھ تو مشینوں کے بل بوتہ پر ہوتا ہے اور وہ انسان کی فٹ کی ہوئی ہے۔ اس میں قدرت کو کیا دخل؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خود انسان، اس کا دل و دماغ، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے بنائے ہوئے اور اس کے تابع ہیں۔ غرض کہ حاصل وہی رہا کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ سب مشینریاں اور کارخانے اللہ کے تابع ہیں۔ اور اگر ہوا کا مفہوم عام کر لیا جائے اسی طرح ہوا کے ٹھہرانے کے مفہوم کو بھی عام کر لیا جائے یعنی بخارات کا نہ چڑھنا تب بھی مشینری سے چلنے والی سب چیزیں بادبانی جہازوں کے حکم میں شامل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اسٹیم بننے میں جہاں پانی کو دخل ہے وہیں ہوا اور بھاپ کا بھی دخل ہے۔ غرض کہ پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔ دریائی اور فضائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا رہے وہ چاہے تو انسانی اعمال کی پاداش میں جہاز بھی تباہ کر سکتا ہے اور چاہے تو اسی تباہی کے وقت معاف بھی کر سکتا ہے۔ تاکہ بڑے بڑے جھگڑالو بھی دیکھ لیں کہ خدائی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

اخلاق فاضلہ:.........فما اوتیتم. میں اس فانی چند روزہ عیش پر انسان مغرور نہ ہو بلکہ یقین رکھے کہ ایمانداروں کو جو آخرت کا عیش ملے گا وہ دنیا کی چمک دمک سے بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ نہ اس میں کدورت ہو گی اور نہ زوال کا کھٹکا۔

والذین یجتنبون. ان آیات میں مختلف اعمال کا ذکر ہے عقائد، فرائض، غیر فرائض اور سب پر باختلاف درجات اجر و ثواب مرتب ہے۔

کبائر الاثم. بڑے گناہ مراد ہیں جو قوت نظریہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے عقائد بدعیہ۔ اور فواحش سے وہ گناہ

مراد ہیں جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالیوں کو دخل ہو اور قوت غضبیہ کی روک تھام" و اذا ما غضبوا " میں کی گئی ہے۔

مشورہ کے حدود:............ وامرهم شوریٰ. میں مہمات امور مراد ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کا معمول رہا۔ کہ دین کا کام ہوتا یا دنیا کا، باہمی مشورے سے انجام دیتے تھے۔ جنگی حالات اور مسائل و احکام میں بھی مشورے ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ خلافت راشدہ کی تو بنیاد ہی مشورے پر تھی۔ البتہ روزمرہ کے معمولی کاموں میں مشورہ کی حاجت نہیں۔ اسی طرح منصوص احکام میں مشورہ کی حاجت نہیں۔ امور خیر خواہ وہ فرائض ہوں یا واجبات وغیرہ ان میں مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' در کار خیر حاجت استخارہ نیست'' یا امور شرعیہ جن کی صراحۃً ممانعت ہے ان میں بھی مشورہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

نیز احادیث میں آتا ہے کہ زیرک اور دانش مند صالح سے مشورہ لینا چاہئے ورنہ بیوقوف اور بدنیت و بدطینت اور بددیانت کا مشورہ بربادی کا موجب ہوگا۔ غرض کہ مشورہ کی بڑی قیمت اور اہمیت ہے۔ مشہور ہے کہ کوئی نہ ہو تو اپنے گھٹنے سے مشورہ لینا چاہئے۔

بدلہ کی حدود:............ هم ينتصرون. انتقام کی اجازت ہے۔ لیکن انتقام میں صورۃ مشاکلۃ اس وقت جائز ہوگی جب کہ معصیت نہ ہو ورنہ جائز نہیں جیسے حرام کاری کے بدلہ میں حرام کاری کرنا، چوری کے بدلہ میں چوری کرنا اور الفاظ ينتصرون. جزاء سيئة سيئة. لمن انتصر میں بظاہر تکرار مضمون معلوم ہوتا ہے۔ لیکن منتصرين میں الفاظ کی حیثیت سے تعریف ہے اور جزاء سيئة میں انتقام کا جائز ہونا پیش نظر ہے اور لمن انتصر میں انتقام کے حرام ہونے کی نفی کی جارہی ہے ان تینوں میں اگرچہ باہمی یہ ربط ہے کہ ہر پہلی بات سے پچھلی بات لازم آرہی ہے۔ مگر مستقل طور پر تصریح کرنے سے بلاغت بھی آگئی اور تکرار بھی نہ رہا۔

معافی کے حدود:............ اسی طرح" هم يغفرون" میں ایسے لوگوں کی تعریف ہے اور" من عفا" میں اس کا ثواب پیش نظر ہے اور من صبر سے اس عمل کی تعریف کرنا ہے۔ اس لئے یہاں بھی تکرار نہیں ہے۔ معاف کرنے کے بھی کچھ اصول ہیں۔ مثلاً جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے۔ یہ معاف کرنا محمود ہے۔ ایک شخص کی غلطی پر غصہ آیا اس نے نہایت ندامت سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ معاف کیا جاسکتا ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو وہاں بدلہ لے سکتے ہیں۔ ایک شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا جائے اور ظلم و جبر سے دبانے کی کوشش کرے یا اس کو جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا اس کو ڈھیل دینے میں دین کی اہانت اور دینداروں کی تذلیل ہوتی ہے تو بدلہ لینا مناسب ہے۔ مگر بقدر جرم و قصور اس سے زائد تعدی ہوجائے گی اور زیادتی اللہ کے یہاں کسی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

بہترین خصلت یہ ہے کہ حتی الامکان درگزر کرے۔ بشرطیکہ درگزر کرنے سے بات سنورتی ہے۔ مظلوم ظالم سے بدلہ لے سکتا ہے مگر معاف کرنا افضل ہے۔ البتہ ابتداء زیادتی کرنا یا انتقام لینے میں حد سے بڑھنا یقیناً برا ہے۔ برائی کا بدلہ حقیقۃً تو برا نہیں اچھا ہے۔ مگر صورۃً برائی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے سیئة کہہ دیا۔ البتہ غصہ کو پی جانا اور تکلیفیں برداشت کر کے عفو و درگزر کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ عدل و انصاف صبر و عفو کی اعلیٰ خوبیاں صرف اللہ کی توفیق سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ اس کی دستگیری کے بغیر کون انسان اخلاقی پستی سے نکل سکتا ہے۔

لطائف سلوک:............ آیت اذا ما غضبوا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کے وقت معاف کر دینا قابل تعریف ہے اور والذين اذا اصابهم البغي الخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ظلم کا برابر بدلہ لے سکتے ہیں۔ گویا یہ دونوں حالتیں اپنے اپنے موقعہ اور محل کے لحاظ سے محمود و مستحسن ہیں اور اہل اللہ کی نظر اپنی مصلحت کی بجائے دونوں موقعوں پر صاحب جنایت کی مصلحت پر ہوتی ہے۔

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ وَّلِیٍّ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ای اَحدٍ یَلِیْ هِدایَتَهٗ بَعْدَ اِضْلال اللّٰہِ اِیّاہُ وَتَرَى الظّٰلِمِیْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ اِلَی الدُّنْیا مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۴﴾ طریقٍ وَتَرٰىهُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا ای النَّار خٰشِعِیْنَ خائفین مُتَواضعین مِنَ الذُّلِّ یَنْظُرُوْنَ اِلَیھا مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ ضَعیف النَّظر مُسارقة ومِن اِبتدائیۃٌ اَوْ بِمعنَی الباءِ وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بتخلیدھم فِی النَّارِ وَعدمِ وُصُولِھم اِلَی الحُورِ المُعدَّۃِ لَھُم فِی الجنَّۃِ لوٰامنُوا والمَوصُولُ خبرُانَّ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ الکافِرین فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ ﴿۴۵﴾ دائِمٍ ھُوَ مِنْ مَقُولِ اللّٰہِ تَعالٰی وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِیَآءَ یَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غَیرہٖ یَدفَعُ عَذابَهٗ عَنھُم وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۶﴾ طَرِیقٍ اِلَی الحقِ فِی الدُّنیا وَاِلَی الجنَّۃِ فِی الاٰخرۃِ اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّكُمْ اَجیبُوہُ بِالتَّوحیدِ والعِبادۃِ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ ھُوَ یَومُ القِیٰمۃِ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ای اَنَّہٗ اِذا اَتٰی بِہٖ لَایَرُدُّہٗ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ تَلجَئُونَ اِلَیہِ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِیْرٍ ﴿۴۷﴾ اِنکارٍ لِذُنُوبِکُم فَاِنْ اَعْرَضُوْا عَنِ الاِجابَۃِ فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا تَحفَظُ اَعمالَھُم بِاَنْ تُوافِقَ المَطلُوبَ مِنھُم اِنْ مَا عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ وَھٰذا قَبلَ الاَمرِ بِالجِھادِ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً نِعمَۃً کَالغِنٰی والصِّحۃِ فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ الضَّمیرُ لِلاِنسانِ بِاعتبارِ الجِنسِ سَیِّئَةٌ بَلاءٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ای قَدَّمُوہُ وعُبِّرَ بالاَیدِی لِاَنَّ اَکثرَ الاَفعالِ تُزاوَلُ بِھا فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلنِّعمۃِ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنَ الاَولادِ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ای یَجعَلُھُم ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا فَلا یَلِدُ وَلَا یُولَدُ لَہٗ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِما یَخلُقُ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾ عَلٰی مَایَشاءُ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ یُوحِیَ اِلَیہِ وَحْیًا فِی المَنامِ اَوْ بِالاِلھامِ اَوْ اِلَّا مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ بِاَنْ یُسمِعَ کَلامَہٗ وَلَا یَراہُ کَما وَقَعَ لِمُوسٰی عَلَیہِ السَّلامُ اَوْ اِلَّا اَنْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا مَلَکًا کَجِبرَئیلَ فَیُوْحِیَ الرَّسُولُ اِلَی المُرسَلِ اِلَیہِ ای یُکَلِّمَہٗ بِاِذْنِهٖ ای اللّٰہِ مَا یَشَآءُ اللّٰہُ اِنَّهٗ عَلِیٌّ عَنْ صِفاتِ المُحدَثِینَ حَكِیْمٌ ﴿۵۱﴾ فِی صُنعِہٖ وَكَذٰلِكَ ای مِثلَ اِیحائِنا اِلٰی غَیرِكَ مِنَ الرُّسُلِ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ یا مُحمَّدُ رُوْحًا ھُوَ القُراٰنُ بِہٖ تَحیَی القُلُوبُ مِّنْ اَمْرِنَا الَّذِی نُوحِیہِ اِلَیکَ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ تَعرِفُ قَبلَ الوَحیِ اِلَیكَ مَا الْكِتٰبُ القُراٰنُ وَلَا الْاِیْمَانُ ای شَرائِعُہٗ وَمَعالِمُہٗ وَالنَّفیُ مُعَلِّقٌ لِلفِعلِ عَنِ العَمَلِ اَوْ مَا بَعدَہٗ سَدَّ مَسَدَّ المَفعُولَینِ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ ای الرُّوحَ اَوِ الکِتابَ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ

مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِیْ تدعو بالموحٰی الیک اِلٰی صِرَاطٍ طریق مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ دین الاسلام صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ ملکا وخلقا وعبیدا اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ترجع

ع۵ ۶

ترجمہ:.........اور اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں ہے (یعنی اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد کوئی ایسا نہیں جس کی ہدایت اسے نصیب ہو سکے) اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہوگا۔ بول اٹھیں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی صورت ہے (دنیا میں) اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے وہ دوزخ (کی آگ) کے سامنے لائے جائیں گے جھکے ہوئے ہوں گے (خوفزدہ عاجزانہ) مارے ذلت کے دیکھتے ہوں گے (دوزخ کو) چپکے چپکے (چوری چھپے، اور من ابتدائیہ ہے۔ یا بمعنی با ہے) اور اہل ایمان کہیں گے کہ پورے گھاٹے میں وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے (ہمیشہ جہنم میں رہنے اور جنت کی موعودہ حور سے محرومی کی وجہ سے ایمان نہ لانے کی صورت میں الذین خسروا خبر ہے ان کی) یاد رکھو کہ ظالم لوگ (کافر) دائمی عذاب میں رہیں گے (یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے) اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو اللہ سے الگ ان کی مدد کریں (یعنی اللہ کے سوا کوئی ان کا عذاب رفع کر سکے) اور جس کو اللہ گمراہ کر ڈالے اس کے لئے کوئی رستہ ہی نہیں (دنیا میں تو حق کی راہ اور آخرت میں جنت کی راہ) تم اپنے پروردگار کا حکم مان لو (توحید و عبادت کو اختیار کر کے) اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے ٹلے گا نہیں (آنے کے بعد لوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی) نہ تم کو کوئی پناہ ملے گی (جس کی پناہ میں تم جا سکو) اس روز اور نہ تمہاری نسبت کوئی انکار کرنے والا ہوگا (یعنی تمہارے گناہوں کا انکار کرنے والا) پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں۔ (ماننے سے) تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا (کہ آپ ان کے اعمال کے اس طرح ذمہ دار ہوں کہ وہ حکم کے مطابق ہوں) آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور ہم جب آدمی کو کچھ اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں (جیسے خوشحالی اور تندرستی) تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے (ضمیر انسان کی طرف بلحاظ جنس کے راجع ہے) ان کے اعمال کے بدلہ میں جو اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں (پہلے۔ اور ہاتھوں سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر کام انہی سے ہوتے ہیں) تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے (خدا کی نعمت کی) اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (اولاد میں) بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے (یعنی ان کو پیدا کر دیتا ہے) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے (یعنی نہ عورت جن سکتی ہے اور نہ مرد جنوا سکتا ہے) وہ بڑا جاننے والا (کہ کیا پیدا کرنا ہے) بڑی قدرت والا ہے (اپنے چاہنے پر) اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو مگر یا تو (اس پر وحی اتارے) بطور وحی کے (خواب میں ہو یا بذریعہ الہام کے) یا پس پردہ (اس طرح کہ اس کا کلام سنے مگر اس کو دیکھے نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا) یا کسی فرشتہ کو بھیج دے (جیسے جبرائیل) کہ وہ پیغام پہنچا دے خدا کے حکم سے (فرشتہ پیغمبر کو پیغام پہنچا دے یعنی فرشتہ پیغمبر سے ہم کلام ہو) جو اللہ کو منظور ہو۔ بلا شبہ وہ بڑا عالی شان ہے (مخلوق کی صفات سے) بڑی حکمت والا ہے (اپنی کاریگری میں) اور اسی طرح (جیسے کہ ہم نے آپ کے علاوہ اور پیغمبروں کو وحی کی ہے) ہم نے آپ کے پاس (اے محمد!) زندگی بھیجی ہے (قرآن جس سے دل زندہ ہوتے ہیں) یعنی اپنا حکم (جو آپ پر ہم نے وحی کیا ہے) آپ کو تو یہ خبر نہیں تھی (وحی آنے سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے) کہ کتاب (قرآن) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے (یعنی اس کے احکام اور علامات۔ اور نفی نے فعل کو لفظاً عمل سے روک دیا ہے اور یا کہا جائے کہ فعل کے بعد کا جملہ دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) اور لیکن ہم نے اس کو بنایا ہے (یعنی روح یا قرآن کو) نور جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ (دین

اسلام) کی ہدایت کر رہے ہیں (اپنی وحی کے مطابق دعوت دے رہے ہیں) یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے (یعنی) کے مملوک مخلوق بندے ہیں) یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔

تحقیق وترکیب ...... تراهم. رویت بصریہ ہے اس لئے حال ہے اور خاشعین بھی حال ہے علیها کی ضمیر نار کی طرف راجع ہے جو عذاب سے مفہوم ہورہا ہے۔

من طرف. گوشہ چشم اور بعض نے طرف کے معنی آنکھ لئے ہیں اور بعض اسی سے مصدر مراد لیتے ہیں کہا جاتا ہے۔ طرفت عینه تطرف غرض کہ خائفانہ دیکھنا مراد ہے۔

یوم القیٰمة. اگر یہ خسروا کا ظرف ہے تب تو یہ قول دنیا میں واقع ہے اور اگر یقال کا ظرف ہے۔ تو اس کا وقوع آخرت میں ہوگا اور اہل سے مراد حوریں ہیں یا دنیاوی بیویاں۔

الا ان الظالمین. بعض کے نزدیک یہ جملہ بھی انہی کے کلام کا تتمہ ہے۔

استجیبوا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں سین طلب کا نہیں ہے۔

لا مرد. یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے۔

مالکم من نکیر. یا تو بقول مفسر گناہوں کے انکار کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں خود گواہی دیں گے۔ اور یا اہل جنت کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہونا مراد ہے کہ انہیں کامل آزادی ہوگی۔ نکیر بمعنی منکر ہے جیسے الیم بمعنی مولم۔

فما ارسلناك. یہ جملہ تعلیل ہے جواب محذوف کی ای فلا تحزن اولا عتاب لک اولا تکلف بشئی لا نا ما ارسلناك الخ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ ان کو شریعت کے مطابق چلنے پر مجبور کریں۔

ان علیك. مفسرؒ کا اس حکم کو منسوخ کہنا بلحاظ حصر ہے۔ ورنہ جہاد کی مشروعیت کے بعد بھی تبلیغ مامور بہ ہے۔

اذا اذقنا. نعمت کا آنا چونکہ یقینی ہے اور مصیبت آنا محض محتمل ہے۔ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے اول اذا پھر ان لایا گیا اور چونکہ تمام تر دنیاوی نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی مثل ہیں۔ اس لئے لفظ اذا استعمال فرمایا گیا۔

و ان تصبهم. ضمیر جمع انسان کی طرف بلحاظ معنی ہے۔

بما قدمت. یعنی مصیبت کا سبب معصیت ہوتی ہے اور نعمت کا سبب محض فضل الٰہی ہے۔

فان الانسان. اسم ظاہر بجائے ضمیر لایا گیا۔ دراصل "فانه کفور" ہونا چاہئے تھا اور ابوالبقاءؒ ضمیر مقدر مانتے ہیں۔ ای فان الا نسان منهم. اور بقول کرخیؒ بظاہر یہ جملہ جواب شرط ہے۔ مگر حقیقۃً جواب مقدر کی علت ہے۔ ای ان تصبهم سیئة نسی نعمة راساً وذکر البلیة یہ مخصوص حالت اگر چہ صرف مجرمین کی ہوتی ہے لیکن جنس کی طرف اسناد غلبہ کی وجہ سے بطور مجاز عقلی کے ہے الانسان میں الف لام جنس کے لئے ہے عہد کے لئے نہیں ہے۔

لمن یشاء اناثا. ان چاروں احتمالات میں اناث کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ صرف اللہ کی مشیت چلتی ہے بندوں کی مشیت اگر چلتی تو سب کی خواہش نرینہ اولاد کی ہوتی ہے اور اناثا کو نکرہ اور الذکور کو معرفہ لانے میں دونوں کے فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

او یزوجهم. یہاں واؤ کی بجائے او کے ذریعہ عطف لانے میں یہ نکتہ ہے کہ تقسیم اول کی دو قسموں کے بعد تقسیم ثانی کی یہ قسمیں ہیں۔ ای یهب الاناث منفردات وذکورا منفردات لمن یشاء او مجتمعین ای حال کو نهم ذکر او اناثا.

من یشاء عقیما. مرد وعورت دونوں میں یہ نقصان ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فلاں عورت کے بانجھ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور تذکیر لفظ من کے اعتبار سے ہے۔ اگر چہ ایک نسخہ میں لا تلد بھی ہے اور لا یولد له، مرد کے ناکارہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ مصباح میں ہے کہ عقیم کا اطلاق مرد وعورت دونوں پر ہوتا ہے جدید سائنسی نظریہ یہ ہے کہ مادہ منویہ میں نر و مادہ دونوں قسم کے جراثیم

ہوتے ہیں۔ اختلاط نطفہ کے وقت ان نر و مادہ جرثوموں کا اگر اختلاط ہو جاتا ہے تو تولید کی صورت ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ اور نر و مادہ نیز ایک یا زائد بچوں کی تولید کا تعلق بھی انہی جرثوموں کے اختلاط سے وابستہ ہے۔ چنانچہ مشینوں میں رکھ کر تولیدی تجربات اس کے شاہد ہیں۔ تاہم قرآن وحدیث کی نصوص ان نظریات کی نہ مدعی ہیں اور نہ مخالف، آیات کی تفسیر نہ ان پر موقوف ہے اور نہ ان کی معارض۔

وحیا کے معنی الہام ہیں۔ بقول بیضاوی کلام خفی یدریک بسرعة وحی کہلاتا ہے۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کلمہ الٰہیہ جو انبیاء واولیاء کی طرف القاء کیا جائے۔ جیسے حدیث میں ہے نفث فی روعی۔ یا خواب مراد ہیں۔ جیسے حدیث میں رؤیا الانبیاء وحی ہے۔

من وراء حجاب. جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی سنا اور یہ حجاب حسی نہیں ہے جو اجسام کے لئے ہوتا ہے۔ بلکہ عدم رویت مراد ہے جو بندہ کا وصف ہے اللہ کا وصف نہیں ہے۔ گویا ناظر کے لئے حجاب مراد ہے جو سامع تو ہوتا ہے مگر رائی نہیں ہوتا۔

او یرسل. میں وحی بواسطہ فرشتہ مراد ہے۔

روحا. جس طرح جسمانی روح، اجسام کے لئے منبع حیات ہوتی ہے۔ اسی طرح وحی وقرآن حیات روحانی ہیں، اور بعض نے اس کے معنی جبرائیل لئے ہیں۔

ما الکتاب. بتقدیر المضاف ای جواب مالکتاب ای جواب ھذا الا ستفھام.

ولا الا یمان. ایمان تفصیلی مراد ہے۔ کیونکہ اجمالی ایمان تو آپ کو نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔

نورا. تشبیہاً فرمایا ہے۔ لفظ جعلناہ سے بظاہر شبہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجعول ہے اور مجعول مخلوق ہوتا ہے حالانکہ حدیث میں ہے۔ القران کلام اللہ غیر مخلوق. جواب یہ ہے کہ جعل بمعنی خلق نہیں ہے بلکہ بمعنی صیر ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو کسی حالت پر کر دینا۔ چنانچہ یہاں قرآن کو نور کر دینا اور ہدایت بنا دینا یا اگلی آیت میں عربی زبان میں کر دینا مراد ہے کہ بجائے عجمی زبان کے عربی زبان میں قرآن اتارا ہے اس لئے قرآن کو حادث کہنے والوں کا استدلال غلط ہو گیا۔

امام رازیؒ نے اسی شبہ کا دوسرا جواب دیا ہے کہ اس سے کلام لفظی کا حادث ہونا معلوم ہوا۔ اس کو اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ کلام اللہ کلام نفسی کے مرتبہ میں قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

ربط آیات:........ پچھلی آیات میں طلب گاران آخرت کی خوش انجامی بیان ہوئی تھی۔ آیت ومن یضلل اللہ سے دنیا کے طلب گاروں کی بدانجامی بیان کی جارہی ہے۔ اس کے بعد ایمان نہ لانے پر عذاب قیامت کی وعید سنا کر آیت استجیبوا سے وعید آنے سے پہلے ہی ایمان کی تیاری کا حکم دیا جارہا ہے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے۔

آگے شرک کی تردید اور توحید کی تاکید کی جارہی ہے۔ آیت للہ ملک السمٰوات سے اللہ کا اختیار کلی ارشاد فرمایا جارہا ہے۔ توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے۔ اس سلسلہ میں کفار یہ شبہ کرتے تھے۔ کہ اللہ یا فرشتے ہم سے بالمشافہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ محمد ﷺ ہمارے پیغمبر ہیں۔

اس کے جواب میں وما کان لبشر آیات نازل ہوئیں۔

﴿ تشریح ﴾:........ وتری الظالمین. قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کفار وہی پرانی رٹ دہرائیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں واپس کر دیا جائے تو اس دفعہ پکے نیک بن کر آئیں گے اور ایک سہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف و دہشت کے مارے گردن نیچی ہوگی اور شرمساری اور ندامت کی وجہ سے آنکھ نہیں اٹھے گی۔ اس منظر کو دیکھ کر بے ساختہ اہل ایمان کی زبان پر ہوگا کہ واہ صاحب واہ تم تو ڈوبے ہی مگر اپنے ساتھ اور متعلقین کو بھی لے ڈوبے۔ فرماتے ہیں وہاں کا عذاب دنیا کی طرح نہیں کہ ٹل جائے۔ وہ آکر رہے گا، اللہ جس کی

راہ مار دے اسے سنبھالنے والا نہ دنیا میں کوئی ہے اور نہ عقبیٰ میں اس کی نجات ہے۔

وما لکم من نکیر. یعنی اللہ کے آگے مکرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہاں اوپر کے اور اجنبی سمجھ کر کوئی چھوڑ دے ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر موقع پر پہچان لئے جاؤ گے۔

پیغمبر کا کام سمجھانا ہے، منوادینا نہیں ہے:.......... **فان اعرضوا**. اتنے سمجھانے پر بھی اگر یہ راہ راست پر نہیں آتے۔ تو آپ پر یہ ذمہ داری نہیں کہ ضرور ہی ان کو منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا کام سمجھانا ہے وہ ہو رہا ہے اب نہ مانیں تو جائیں جہنم میں۔ آپ ان کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔ ان کی دو حالتیں ایسی ہیں جن سے خواہشات نفسانی کے ساتھ ان کا تعلق اور اللہ سے بے تعلقی کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا انعام ہونے کی صورت میں تو یہ اکڑنے اور اترانے لگتے ہیں۔ لیکن اپنے کرتوت سے کوئی آفت آتی ہے تو یک لخت ساری نعمتیں بھول کر ناشکرے بن جاتے ہیں۔ گویا کبھی ان پر اچھا وقت آیا ہی نہیں تھا۔ خلاصہ یہ کہ اچھی بری حالت میں اپنی حد پر نہیں رہتے۔ اس لئے نہ آپ اپنے ذمہ داری میں کوتاہی کا اندیشہ کیجئے اور نہ ان کی حالت سے توقع رکھئے۔ مسلمانوں کی حالت ان کے برعکس ہے کہ وہ نعمت پر شکر گزار اور مصیبت میں صبر دار رہتے ہیں۔ کسی حال میں اللہ سے بے تعلق نہیں ہوتے۔

اولاد کی تقسیم:.......... **للّٰہ ملک السمٰوات**. سارے عالم میں اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ جس کو جو چاہے دے جو چاہے نہ دے۔ کوئی سرے سے اولاد ہی سے محروم، کسی کو بیٹیاں ہی بیٹیاں، کسی کو بیٹے ہی بیٹے، کسی کو دونوں جڑواں یا الگ الگ۔ غرض سب طرح اپنی کمال قدرت وعطا ظاہر کرتا ہے اور حکمت ومصلحت اسی کی چلتی ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے۔ ہر شخص کے مناسب حالات سے واقف اور علم وحکمت کے موافق تدبیر کرنے والا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ اس کے حکمت وارادہ اور اس کی تقسیم پر حرف گیری کرے۔

حصر عقلی پر اشکال کا جواب:.......... یوں تو تصرفات الٰہی، کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری وساری ہیں۔ لیکن یہاں نر و مادہ کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ وہ ہمہ وقت نظروں کے سامنے ہے اور انسان کی قریبی حالت ہونے کی وجہ سے استدلال میں سہولت ہے۔ آیت میں چاروں قسمیں بطور حصر عقلی ہیں۔ حمل گر جانے کی صورت سے اس پر اشکال نہ کیا جائے۔ کیونکہ بچہ میں جان پڑنے سے پہلے اگر اسقاط ہوا ہے۔ تب تو **ومن یشاء عقیما** میں داخل ہے اور جان پڑ جانے کے بعد اگر بچہ گرا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اعضاء بن چکے ہیں یا نہیں۔ اگر بن گئے ہیں تو نر و مادہ کا فیصلہ انہی کے اعتبار سے کیا جائے گا۔ البتہ بعض اعضاء بنے ہیں یا دونوں طرح کے اعضاء بن گئے ہیں۔ تو پھر واقعہ کے لحاظ سے یا تو بچہ ہوگا یا بچی۔ اگرچہ حسی طور پر اس کی تعیین نہ کی جاسکے۔

وما کان لبشر میں کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے۔ **لو لا انزل علینا الملائکۃ او نریٰ ربنا** جواب کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی ساخت پرداخت اور موجودہ قویٰ کے لحاظ سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس دنیا میں براہ راست اللہ اس سے بالمشافہ کلام کرلے اور وہ اس کا تحمل بھی کرلے۔

اللہ سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں:.......... اس لئے اللہ نے کلام کرنے کی تین صورتیں رکھی ہیں۔ ایک یہ کہ براہ راست دل میں الہام کردے یا خواب میں کچھ بتلادے یا دکھلادے۔ انبیاءؑ کے لئے قطعی صورت میں اور دوسروں کے لئے غیر قطعی صورت میں۔ دوسری صورت میں کلام پس پردہ ہوتا ہے یعنی سامعہ کلام سے تو لذت اندوز ہوتی ہے۔ مگر آنکھیں جمال ومشاہدہ سے سرشار نہیں ہوتیں۔ جیسے: حضرت موسیٰ سے کوہ طور پر یا آنحضرت ﷺ سے شب معراج میں کلام ہوا۔ **فھم یختصم الا علیٰ**.

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری آیت میں وکلم اللہ موسیٰ تکلیما ہے اور حدیث میں ہے۔ قسم اللہ رویتہ وکلامہ بین موسیٰ ومحمد علیہما السلام ان دونوں نصوص سے کلام کرنے کی خصوصیت حضرت موسیٰ سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو اس قسم میں کیسے شریک کیا جا سکتا ہے؟

جواب یہ ہے ان دونوں نصوص میں کلام کی کسی خاص نوع کی تخصیص کی گئی ہے۔ جیسا کہ لفظ تکلیما اس کا قرینہ ہے وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن کلام وراء حجاب میں آنحضرت ﷺ بھی شریک ہیں۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اس حجاب کا مطلب کسی جسم کا حائل ہونا نہیں ہے اور نہ یہ پردہ اللہ کی ذات اور نور کو چھپا سکتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ضعف ادراک اللہ کی تجلی کے لئے رکاوٹ بنا ہوا ہے ورنہ اللہ کے نور کے کمال ظہور میں تو شمہ بھر خفا نہیں ہے۔ سورج کی کمال روشنی کا تحمل دیکھنے والے کی آنکھوں کی خیرگی نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی اور سورج نظر نہیں آتا۔ پس یہاں قصور سورج کا نہیں بلکہ دیکھنے والے کا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے لئے بھی یہی حجاب بشریت تھا جو دیدار الٰہی کا مانع بنا۔ لیکن آخرت میں یہ ضعف قوت سے بدل جائے گا اور مانع دور ہو جائے گا۔ اس لئے دولت دیدار میسر آسکے گی اور دیدار کا تحمل ہو جائے گا۔ فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید. کفار کی نگاہیں جب طاقت ور ہو جائیں گی تو اہل ایمان کا کیا پوچھنا۔

غرض کلام کا یہ سننا بھی عام ہے انبیاءؑ کے لئے قطعی اور اولیاء کے لئے غیر قطعی جیسے: علامہ شعرانیؒ فاروق اعظمؓ کے لئے کہتے ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کے واسطہ سے اللہ کلام فرمائے گو فرشتہ نظر نہ آئے۔ مگر فرشتہ یا اس کی آواز کا ادراک قلب ہی کرے۔ حواس ظاہرہ کا چنداں دخل نہ ہو۔ حدیث عائشہؓ یاتینی فی مثل صلصلۃ الجرس اور روایت بخاری کے الفاظ وھو اشدہ علی اور آیت نزل بہ الروح الامین. فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ میں اشارہ اسی قسم کی طرف ہے۔ یہ کیفیت چونکہ خود پیغمبر پر تمام تر گزرتی ہے اور اس کے وجود کے باہر کوئی ہستی علیحدہ نظر نہیں آتی اور نہ یہ کلام اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے: ایک آدمی دوسرے سے کلام کرتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے بھی سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے اس کو وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وحی میں اخفاء اور جلد اشارہ کے معنی ہیں۔

فرشتہ کے ذریعہ وحی کی ایک اور شق:...........فرشتہ کی معرفت وحی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجسم فرشتہ نبی کے سامنے آجائے اور روبرو پیغام الٰہی اس طرح پہنچائے۔ جیسے: کوئی ایک دوسرے سے بات کرتا ہے جیسا کہ جبرائیل امین دو مرتبہ اپنی اصل شکل میں اور اکثر دحیہ کلبیؓ کی شکل وصورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور کبھی غیر معروف صورت میں بھی حاضر ہوئے اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان آواز سنتے۔ بلکہ بعض اوقات پاس بیٹھنے والے بھی گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے ممکن ہے حدیث عائشہؓ میں جو دو صورتیں بیان ہوئی ہیں یہ ان میں سے دوسری صورت ہو اور اس آیت کے آخری حصہ او یرسل رسولا الخ میں یہی صورت مراد ہو۔ باقی حجاب والی صورت نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے حدیث عائشہؓ میں ذکر نہیں کی گئی ہوگی۔

اولیاء کا فرشتوں سے ہم کلام ہونا:...........انبیاءؑ کے علاوہ دوسروں کا فرشتوں سے ہم کلام ہونا جیسے حضرت مریمؑ کے ساتھ ہوا۔ اور شیخ اکبرؒ کی رائے یہی ہے کہ اس میں قطعی اور ظنی دونوں قسمیں ہوں گی۔ اگرچہ ایہام کی وجہ سے ظنی کو وحی کہنا جائز نہیں ہے۔ اور آیت میں ایک ہی قسم قطعی مراد ہے، دوسری قسم ظنی سے تینوں قسموں کا حصر متاثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ مقسم میں صرف قطعی مراد لے لی جائے گی اور ظنی قسمیں دوسرے مستقل دلائل سے ثابت ہو جائیں گی۔

حاصل یہ کہ اللہ سے ہم کلام کی صرف یہ تین صورتیں ہیں اور ان تینوں کو کلام کہنا بطور عموم مجاز ہے بالمشافہ اللہ سے کلام یہ انسانی طاقت

سے باہر ہے۔ پھر ان نالائقوں کو اس بے جا فرمائش کا کیسے حوصلہ ہوا۔ حالانکہ ان میں تو کفر کی وجہ سے ظنی طریقہ کلام کی بھی لیاقت نہیں ہے۔
ممکن ہے معترضین یہ کہیں کہ اچھا بالمشافہ نہ سہی۔ انہی مقررہ طریقوں میں کسی ایک طریقہ سے ہم سے بات کر لی جائے۔ اس کا جواب اس آیت میں ارشاد ہے۔ **قالوا لن نؤ من حتیٰ نؤ تی مثل ما اوتی رسل اللّٰہ. اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ.** اور کلام میں بشر کی تخصیص محض اس لئے ہے۔ کہ گفتگو بشر ہی کے بارے میں تھی۔ اور یہ ممکن ہے کہ فرشتوں کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہو کہ ان سے بالمشافہ کلام ہوسکتا ہوگا۔ اس پر اگرچہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

انہ علی حکیم. یہ جملہ پہلے مضمون کی علت ہے۔ علی تو مستثنیٰ منہ کی علت ہے۔ یعنی وہ اس قدر عالی شان ہے کہ بالمشافہ اس سے کلام کی طاقت کسی میں بحالت موجودہ نہیں ہے۔ تاوقتیکہ وہ طاقت نہ دے۔ اور حکیم مستثنیٰ کی علت ہے۔ یعنی اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ کلام کی بعض صورتیں تجویز کر دی جائیں۔ اور بحالت موجودہ کی قید اس لئے لگائی۔ کہ بعض اکابر معراج میں آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ کلام مانتے ہیں۔ اسی طرح حدیث جابرؓ میں **فکلمہ کفاحاً** کے الفاظ ہیں۔ یا جنت میں اہل جنت کو شرف ہم کلامی نصیب ہوگا۔ ان صورتوں میں حجاب ضعیف نہیں رہے گا۔

اور حدیث جابرؓ میں جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے کسی اور سے روبرو کلام نہیں فرمایا۔ تو مطلب یہ ہے کہ ایسے درجہ کے کسی اور شخص سے ہم کلامی نہیں ہوئی۔ اس سے ان سے بڑے درجہ کے لوگوں سے نفی نہیں ہوئی۔

وحی سے پہلے اور وحی کے بعد نبی کے ایمانی منازل:......... **وکذلک اوحینا.** یعنی ہم اسی قاعدہ کے مطابق آپ کے پاس بھی وحی بھیج رہے ہیں اور اس کے وحی ہونے پر دلائل قائم ہیں۔ جن سے آپ کی نبوت ثابت ہے۔ معترضین کی فرمائش کے مطابق نبوت اس پر موقوف نہیں کہ ہم لوگوں سے بالمشافہ کہیں۔ کیونکہ جب باوجود صلاحیت کے آپ سے بالمشافہ کلام الٰہی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مقررہ طریقوں سے ہوتا ہے تو پھر یہ کس شمار میں ہیں۔

بعض حضرات نے روح سے مراد فرشتہ یعنی جبرائیل امین لیا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو روح کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے اور جو قومیں روحانی اور اخلاقی موت مرچکی ہوتی ہیں۔ قرآن ان میں جان تازہ ڈال دیتا ہے۔

قرآن کا ہدایت کبریٰ ہونا اس سے واضح ہے کہ پیغمبر جو ایمان و عمل کا منبع اور مخزن ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ساری تفصیلی بہار قرآن ہی کی بدولت ہے۔ اس سے پہلے آپ ان تفصیلات سے بے خبر تھے۔ اب آپ جس طرح اس پر خود کاربند ہیں دوسروں کو بھی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں۔ خواہ کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔ سیدھی راہ وہی ہے جس پر چل کر آدمی خدا تک پہنچتا ہے جو اس راہ سے بھٹکا۔ وہ خدا سے الگ ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ شروع سے انجام پر نظر رکھے اور خدا تک پہنچنے کی راہ اختیار کرے۔

لطائف سلوک:......... **وما کان لبشر.** اس میں انبیاء کے علاوہ اوروں سے بھی اللہ کی ہم کلامی کی بعض خاص صورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ مفصل بیان گزر چکا ہے۔

وما کنت تدری سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر کامل اپنی ذات میں کمالات سے عاری ہے۔ سب کمالات عطیہ الٰہی ہیں۔ اور جس طرح اللہ کو عطا پر قدرت ہے۔ ان کے چھین لینے پر بھی قدرت ہے۔ اس لئے اپنے کسی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَقِيْلَ اِلَّا وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الْاٰيَةَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ **الْمُبِيْنِ** ﴿۲﴾ اَلْمُظْهِرِ طَرِيْقَ الْهُدٰى وَمَا يُحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنَ الشَّرِيْعَةِ **اِنَّا جَعَلْنٰهُ** اَوْجَدْنَا الْكِتَابَ **قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا** بِلُغَةِ الْعَرَبِ **لَعَلَّكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **تَعْقِلُوْنَ** ﴿۳﴾ تَفْهَمُوْنَ مَعَانِيْهِ **وَاِنَّهٗ** مُثْبَتٌ **فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ** اَصْلِ الْكُتُبِ اَيِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **لَدَيْنَا** بَدَلٌ عِنْدَنَا **لَعَلِيٌّ** عَلَى الْكُتُبِ قَبْلَهٗ **حَكِيْمٌ** ﴿۴﴾ ذُوْحِكْمَةٍ بَالِغَةٍ **اَفَنَضْرِبُ** نُمْسِكُ **عَنْكُمُ الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **صَفْحًا** اِمْسَاكًا فَلَا تُؤْمَرُوْنَ وَلَا تُنْهَوْنَ لِاَجْلِ **اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ** ﴿۵﴾ **وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۶﴾ **وَمَا** كَانَ **يَاْتِيْهِمْ** اَتَاهُمْ **مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿۷﴾ كَاسْتِهْزَاءِ قَوْمِكَ بِكَ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ** مِنْ قَوْمِكَ **بَطْشًا** قُوَّةً **وَّمَضٰى** سَبَقَ فِيْ اٰيَاتٍ **مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۸﴾ صِفَتُهُمْ فِي الْاِهْلَاكِ فَعَاقِبَةُ قَوْمِكَ كَذٰلِكَ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ لِاِلْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ** ﴿۹﴾ اٰخِرُ جَوَابِهِمْ اَيِ اللّٰهُ ذُوالْعِزَّةِ وَالْعِلْمِ زَادَ تَعَالٰى **الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا** فِرَاشًا كَالْمَهْدِ لِلصَّبِيِّ **وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا** طُرُقًا **لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ** ﴿۱۰﴾ اِلٰى مَقَاصِدِكُمْ فِيْ اَسْفَارِكُمْ **وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ** اَيْ بِقَدْرِ حَاجَتِكُمْ اِلَيْهِ وَلَمْ يُنْزِلْهُ طُوْفَانًا **فَاَنْشَرْنَا** اَحْيَيْنَا **بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلَ هٰذَا الْاِحْيَاءِ **تُخْرَجُوْنَ** ﴿۱۱﴾ مِنْ قُبُوْرِكُمْ اَحْيَاءً **وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ** الْاَصْنَافَ **كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ** السُّفُنِ **وَالْاَنْعَامِ** كَالْاِبِلِ **مَا تَرْكَبُوْنَ** ﴿۱۲﴾ حُذِفَ

العائدُ اختصار او هو مجرورٌ في الاوّل اي فيه منصوبٌ في الثاني **لِتَسْتَوُا** لتستقرُّوا **عَلٰى ظُهُوْرِهٖ** ذُكر الضميرُ وجمع الظَّهر نظرًا لِلفظِ ماومعناها **ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾** مُطيقين **وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾** لَمُنصرفون **وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا** حيثُ قالوا الملٰئكةُ بناتُ اللّٰهِ لِانّ الوَلَدَ جُزءُ الوالِدِ و الملٰئكةُ مِن عبادِ اللّٰهِ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** القائلَ ذٰلكَ **لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾** بيّنٌ ظاهرُ الكُفرِ **اَمِ** بمعنى همزةِ الاِنكارِ والقولُ مُقدّرٌ اي اتقولون **اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ** لِنفسِه **وَّاَصْفٰكُمْ** اخلصكم **بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾** اللّازِمُ مِن قولِكُم السّابقِ فهو مِن جُملةِ المُنكرِ **وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا** جعل لَهٗ شبهًا بِنسبةِ البناتِ اليه لِانّ الوَلَدَ يُشبهُ الوالِدَ المعنى اذا اُخبرَ احَدُهُم بِالبنتِ تُولّدُ لَهٗ **ظَلَّ** صار **وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا** مُتغيّرًا تغيُّرَ مُغتمٍّ **وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾** مُمتلئٌ غمًّا فكيفَ يُنسبُ البناتُ اليه تعالى عن ذٰلك **اَوَ** همزةُ الانكارِ وواوُ العطفِ لِجُملةٍ اي يجعلون لِلّٰهِ **مَنْ يُّنَشَّؤُا** اي يُربّٰى **فِي الْحِلْيَةِ** الزينةِ **وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾** مُظهرُ الحُجّةِ لِضُعفِه عنها بالاُنوثةِ **وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا** احضروا **خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ** بِانّهم اِناثٌ **وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾** عنها في الاٰخرةِ فيترتّبُ عليها العِقابُ **وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ** اي الملٰئكةَ فعبادتُنا اِيّاهُم بِمشيّتِه فهو راضٍ بها قال تعالى **مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ** المقولِ مِن الرِّضا بِعبادتِها **مِنْ عِلْمٍ اِنْ** ما **هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾** يكذبون فيه فيترتّبُ عليهم العِقابُ به **اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ** اي القرآن بِعبادةِ غيرِ اللّٰهِ **فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾** اي لم يقع ذٰلك **بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ** مِلّةٍ **وَّاِنَّا** ماشون **عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾** بهم وكانوا يعبدون غيرَ اللّٰهِ **وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ** مُتنعّموها مِثلَ قولِ قومِكَ **اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ** مِلّةٍ **وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾** مُتّبعون **قٰلَ** لهم **اَ** تتّبعون ذٰلك **وَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ** انت ومَن قبلكَ **كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾** قال تعالى تخويفًا لهم **فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ** اي مِن المُكذّبين لِلرُّسلِ قبلك **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾**

سورۂ زخرف مکی ہے اور ایک روایت میں واسئل من ارسلنا کے علاوہ۔ نواسی آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:............ حٰم (اس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے اس کتاب (قرآن) واضح کی (جو ہدایت کی راہوں اور ضروریات

شریعت کو ظاہر کر دینے والی ہے) کہ ہم نے اس کو کر دیا ہے (کتاب کو موجود) قرآن عربی زبان (لغت عرب) میں تا کہ تم (مکہ والو) سمجھ سکو (اس کی مرادات) اور وہ (ثابت ہے) بنیادی (اصل) کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس (یہ بدل ہے بمعنی عـنـدنا) بلندرتبہ ہے (پچھلی کتابوں پر) حکمت بھری (انتہائی حکمت والی) ہے۔ کیا ہم تم سے ہٹالیں گے (روک لیں گے) اس نصیحت (قرآن) کو (کہ نہ تمہیں کوئی حکم دیا جائے اور نہ تمہیں کسی چیز کی ممانعت کی جائے محض اس لئے) کہ تم حد سے گزرنے والے ہو اور کتنے پیغمبر ہم پچھلے لوگوں میں بھیجتے رہے اور کوئی نبی ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے ٹھٹھا نہ کیا ہو (جیسے: آپ کی قوم آپ کا ٹھٹھا کر رہی ہے۔ اس میں آنحضرت کو تسلی ہے) پھر ہم نے ان لوگوں کو غارت کر ڈالا جو ان (آپ کی قوم والوں) سے زیادہ زور آور (طاقت ور) تھے اور ہو چکی ہے (آیات میں گزر چکی ہے) پہلے لوگوں کی حالت (تباہی کی کیفیت، یہی انجام آپ کی قوم کا بھی ہوسکتا ہے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کی ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے (لیـقـولـن میں نون رفع تو تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے اور واؤ ضمیر دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے) کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے (یہاں تک ان کا جواب پورا ہو گیا۔ مراد اس سے اللہ ہے جو ذی عزت اور ذی علم ہے۔ آگے حق تعالیٰ اضافہ فرما رہے ہیں) جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا (جیسے: بچہ کے لئے جھولا اور پالنا ہوتا ہے) اور اس میں تمہارے لئے اس نے راستے بنا ڈالے۔ تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو (سفر میں جو تمہارے مقاصد ہوں) اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا (یعنی تمہاری ضرورتوں کے مطابق بارش ہوتی ہے۔ طوفانی صورت میں نہیں) پھر ہم نے اگایا (پیداواری کر دی) اس کے ذریعہ مردہ زمین کو اسی طرح (یعنی اس جلانے کی طرح) تم نکالے جاؤ گے (اپنی قبروں سے زندہ کر کے) اور جس نے تمام اقسام (صنفیں) بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے (جیسے اونٹ) بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو (اس میں اختصار کے طور پر عائد کو حذف کر دیا گیا ہے اور وہ پہلے لفظ میں مجرور یعنی فیـــہ ہے اور دوسرے لفظ میں منصوب ہے) تا کہ تم اس کی پیٹھ پر جم کر (مضبوطی سے) بیٹھو، (ضمیر کو مذکر اور لفظ ظہر کو جمع لایا گیا۔ مـا کے لفظ اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے) پھر جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے (طاقت ور) نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جز ٹھہرا دیا (چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہی ہے۔ حالانکہ فرشتے خدا کے بندے ہیں) واقعی انسان (جس کا عقیدہ یہ ہو) صریح ناشکرا ہے (جس کا کفر واضح ہے) کیا (ہمزہ انکار کے معنی میں ہے اور قول مقدر ہے یعنی اتـقـولـون) خدا نے پسند کیں (اپنے لئے) بیٹیاں اور تمہارے لئے خاص (انتخاب) کئے بیٹے (جو تمہارے پہلے قول سے لازم آ رہا ہے۔ اس لئے یہ بات بھی قابل رد ہے) حالانکہ جب تم میں سے کسی کو خوشخبری دی جاتی ہے اس چیز کے ہونے کی جس کو خدائے رحمان کے لئے نمونہ بنا رکھا ہے (اللہ کے لئے لڑکیوں کی تجویز کرنا نمونہ ماننا ہے کیونکہ اولاد باپ کا نمونہ ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے) تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق (غم کے مارے کالا) رہتا ہے اور دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے (غم سے گھٹتا ہے، پھر خدا کی طرف نسبت کرنا کیسے ہے جب کہ وہ نفس اولاد ہی سے پاک ہے) کیا (ہمزہ انکار ہے اور واؤ جملہ کے عطف کے لئے ہے یعنی یـجـعلـون لله) جو کہ پرورش پائے (پلے) آرائش (زیب وزینت) میں اور مباحثہ میں قوت بیانیہ نہ رکھے (صنف نازک ہونے کی وجہ سے دلیل کے اظہار میں کمزور ہو) اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔ کیا یہ لوگ موجود (حاضر) تھے فرشتوں کی پیدائش کے وقت ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا ہے (کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) اور ان سے باز پرس ہوگی (اس کے متعلق آخرت میں۔

چنانچہ اس پر سزا ہوگی) اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر چاہتا اللہ تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے (یعنی فرشتوں کی لہذا ہمارا فرشتوں کی بندگی کرنا اللہ کے ارادہ سے ہے تو اس کی مرضی سے بھی ہوا۔ فرماتے ہیں) اس کو اس کی (اپنے پرستش کرنے کو اللہ کی رضامندی کی دلیل کہنا) کچھ تحقیق نہیں ہے یہ محض بے تحقیق بات ہے (غلط بات کہہ رہے ہیں لہذا اس کی سزا پائیں گے) کیا ہم نے ان کو اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے (غیر اللہ کی پرستش کے متعلق) کہ یہ اس سے استدلال کرتے ہیں (یعنی ایسے نہیں ہوا) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ (دستور) پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر راستہ چل رہے ہیں (چنانچہ پہلے لوگ غیر اللہ کی پرستش کیا کرتے تھے) اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا (مالداروں نے جیسے آپ کی قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں) کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ (دستور پر) پایا ہے اور ہم بھی انہی کے پیچھے پیچھے (پیروی میں) چل رہے ہیں۔ ان کے پیغمبر ان سے بولے کہ کیا (پھر بھی تم پیروی کرتے رہو گے) اگر چہ میں اس سے بہتر طریقہ تمہارے پاس لے کر آیا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہو؟ وہ کہنے لگے کہ جس پیغام کو دے کر تمہیں (اور تم سے پچھلوں کو) بھیجا گیا ہے ہم اس کو مانتے ہی نہیں (حق تعالیٰ ان کو دھمکاتے ہوئے فرماتے ہیں) سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا (جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والے تھے) سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟

تحقیق وترکیب: .... **المبین.** قرآن کا واضح ہونا بلحاظ معانی اولیہ کے ہے اور اصول دینیہ کے ترغیبی ترہیبی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اسی حیثیت سے اس کو آسان اور سہل بھی کہا گیا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احکام ومسائل فرعیہ جزعیہ کا استنباط بھی سہل ہے۔ تاکہ ہر شخص کو اجتہاد کا حق اور اجازت ہوجائے۔

انا جعلناہ. جیسا کہ ابھی گزرا کہ ان جیسے الفاظ معتزلہ خلق قرآن کے نظریہ پر استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں **جعل** بمعنی خلق نہیں۔ بلکہ بمعنی صیر ہے۔ کیونکہ سیاق کلام قرآن کی مخلوقیت کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی عربیت بیان کرنے کے لئے ہے کہ اول مخاطب کی رعایت سے اس زبان کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ **لعلکم تعقلون** سے واضح ہے۔ اور بالفرض اگر مخلوق ہونے پر دلالت بھی ہو تب بھی کلام لفظی کے مرتبہ میں مخلوق ہونا معلوم ہوگا۔ جس کے اہل سنت منکر نہیں ہیں۔ البتہ حنابلہ کے خلاف ہوگا۔ بلکہ ام الکتاب کی تفسیر اگر علم الٰہی سے کی جائے تو آیت سے کلام نفسی کا قدیم ہونا ثابت ہوجائے گا۔

لدینا سے مراد مرتبہ صفات ہے جو ذات سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

لعلی کے معنی **کونہ عالیا عن الحدوث** اور حکیم کے معنی محکم کے ہیں اور قدیم ظاہر ہے کہ نا قابل تبدیل ہوتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں مسئلے اگر چہ عقلی ہیں مگر اس سے نقل کی بھی تائید ہورہی ہے۔

وانہ فی ام الکتاب. پہلے جواب قسم پر اس دوسرے جواب قسم کا عطف ہے اور مفسرؒ نے مثبت سے جار مجرور کے خبر ان ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور **لعلی** خبر ثانی ہوجائے گی اور **ام الکتاب** سے مراد لوح محفوظ ہے وہی تمام کتب الٰہیہ کی بنیاد ہے۔ اور **لدینا ام الکتاب** سے بدل ہے اور قرآن ہر لحاظ سے دوسری کتب پر فائق ہے اس لئے اس کو علی کہا گیا۔ یہ دونوں لفظ ان کی خبر ہیں۔

افنضرب. استفہام انکاری ہے اور فا مقدر کے لئے عاطفہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **انھملکم.**

فنضرب اور **ضرب** کے معنی **امسک** کے ہیں۔ **ضربت عنہ واضربت عنہ** کہہ کر چھوڑنے کے معنی لئے جاتے ہیں اور زمخشریؒ مجاز ابعید کردینے کے معنی لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ **ضرب الغرائب من الحرض.**

صفحاً. مفعول مطلق ہے معنا نضرب کا۔ کہا جاتا ہے۔ **ضرب عن کذا واضرب عنہ.** اعراض کرنے کے معنی ہیں اور

فاعل حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب مانا جاسکتا ہے بمعنی صافحین. تیسری صورت یہ ہے کہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو۔ مضمون جملہ کی اس صورت میں عامل محذوف ہوگا جیسے صنع اللّٰہ. چوتھی صورت یہ ہے کہ مفعول لہ کہا جائے مفسرؒ نے فلا تؤ مرون الخ سے قتادہؒ کی تفسیر نقل کی ہے۔لیکن مجاہدؒ وسدیؒ اس طرح تفسیر کررہے ہیں۔افتعرض انکم ونترککم فلا نعا قبکم علیٰ کفرکم.

وکم ارسلنا. کم خبریہ ہے ارسلنا کا مفعول مقدم ہے اور من نبی تمیز ہے اور فی الا ولین متعلق ہے۔

یاتیھم. مفسرؒ نے مضارع کو ماضی کے معنی میں ہونے کی طرف اشارہ ہے اور مضارع لانے میں اس صورت عجیبہ کا استحضار مقصود ہے۔

اشدمنھم. یہ صفت ہے محذوف کی جو فی الحقیقت مفعول ہے۔ای اھلکنا قوما ھم المستھزؤن برسلھم اشد منھم ای من قومک.

بطشا. اس کو تمیز ماننا بہ نسبت حال ماننے کے زیادہ اچھا ہے۔

مثل الا ولین. قرآن میں گذشتہ تاریخی حالات جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں۔اس جملہ میں وعدہ و وعید دونوں آ گئے۔

ولئن سالتھم. لام قسمیہ لیقولن جواب قسم ہے اور جواب شرط اس کی وجہ سے حذف کردیا گیا۔کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ آخری جواب حذف کردیا جاتا ہے۔

العزیز العلیم. یعنی کفار کا جواب اس پر ختم ہوگیا۔اس لئے ابوحاتمؒ اس پر وقف کرتے ہیں۔کیونکہ اگلے جملوں میں بعثت کا اظہار ہے اور کفار کی طرف سے اس کا انکار تھا۔اس لئے وہ جملے ان کے نہیں ہوسکتے۔

خلق الازواج. یعنی زوج کے مشہور معنی مراد نہیں بلکہ بمعنی صنف ہے۔

ما ترکبون. رکبت الدابۃ کہا جاتا ہے بقول زمخشریؒ ترکبونہ کے معنی ہیں۔یعنی متعدی بالواسطہ پر متعدی بلاواسطہ کی تغلیب کرلی گئی ہے اور عائد محذوف ہونے کا مطلب من الفلک سے ہے۔

علیٰ ظھورہ. لفظ ظھور جمع اور اس کے ساتھ ضمیر مفرد مذکر لائی گئی ہے۔لفظ ما کی لفظی و معنوی رعایت کرتے ہوئے۔

ثم تذکروا. یعنی سواریاں نقل مکانی کے لئے ہوتی ہیں۔لیکن اس سے نقل عظمیٰ کی طرف رہنمائی ہونی چاہئے۔یعنی انقلاب الی اللّٰہ۔چنانچہ طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان سوار ہونے کے وقت یہ الفاظ کہے اور یاد کرے کہ آخری وقت جنازہ پر سوار ہوکر اللہ کی طرف جانا ہوگا۔بعض حضرات کی رائے ہے کہ ہر قسم کی سواری پر یہ الفاظ پڑھنے چاہئیں اور بعض کے نزدیک یہ جانور کی سواری کے لئے مخصوص ہے۔جیسا کہ وما کنا لہ مقرنین اس کا قرینہ ہے۔کیونکہ سرکشی اور اطاعت جانوروں میں ہی ہوسکتی ہے نہ کہ کشتی، جہاز، موٹر، اسکوٹر، ٹرین، ہوائی جہاز وغیرہ میں۔اس پر سواری کے وقت بسم اللّٰہ مجرھا الخ پڑھنا چاہئے۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سواریوں کا قابو سے باہر ہوجانا جانور سے بھی زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوسکتا ہے۔اس لئے یہ الفاظ ہر طرح کی سواریوں میں پڑھنے چاہئیں۔

اور گو حدیث میں صرف جانور کی سواری میں اس کا پڑھنا منقول ہے۔لیکن اول تو اس زمانہ میں کشتی میں سوار ہونے کا کم اتفاق ہوتا ہوگا۔دوسرے کشتی میں پڑھنے کی نفی بھی کہیں نہیں ہے۔بلکہ سیاق وسباق سے متبادر یہی ہے کہ کشتی وغیرہ میں بھی پڑھے۔

وجعلوا لہ. اس کا عطف مضمون سابق پر ہوتا ہے۔ای اعترفوا بخالقیۃ اللّٰہ وجعلوا لہ الخ.

جزءاً. جعل کا مفعول اول ہے اور جعل سے مراد تصییر قولی ہے۔ای حکموا اور سموا او اعتقدوا کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔اور کفار سے اللہ کی جزئیت کا اعتقاد اگرچہ صراحۃً کہیں منقول نہیں۔مگر اس کے لئے اولاد ہونے کے قائل تھے اور وہ معنی

حقیقی کے لحاظ سے مستلزم جزئیت ہی ہے۔

واصفاکم. یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے سے بطور لازم یہ مفہوم لازم ہو رہا ہے کہ ان کے لئے صرف نرینہ اولاد مخصوص ہے۔

بما ضرب. **ما** موصولہ ہے **ضرب** بمعنی **جعل** ہے اس کا مفعول اول جو عائد بھی ہے محذوف ہے۔ **ای ضربه.** اور **مثلا** مفعول ثانی ہے **شِبہًا** کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ **مثل** یہاں کہاوت کے مشہور معنی میں نہیں ہے بلکہ مشابہ کے معنی میں ہے۔

او من ینشوء ا عام قراءت **ینشاء** فتح یا اور سکون نون کے ساتھ ہے اور ضمہ یا اور فتحہ نون اور تشدید شین کے ساتھ ہے بصیغہ مجہول لیکن قراءت شاذہ ضمہ یا کے ساتھ بحالت تخفیف ہے اور **ینا شاء** مثل **یقاتل** مجہول ہے۔

غیر مبین. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ **ابان** متعدی سے ماخوذ ہے۔

وجعلوا الملئکة. فرشتے جو اعلیٰ ترین بندے ہیں ان کے لئے انوثیت کی خسیس صفت ثابت کرنا غلط ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب ان سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے پتہ چلا ہے؟ تو کہنے لگے باپ دادا سے ایسے ہی سنتے چلے آ رہے ہیں اور ہم اس کے شاہد ہیں کہ انہوں نے غلط بیانی نہیں کی ہوگی۔ اس پر **ستکتب شهادتهم** الفاظ نازل ہوئے۔

ما لهم بذٰلك من علم. یعنی مشیت الٰہی چونکہ فرشتوں کی پرستش نہ کرنے کی نہیں ہوئی۔ اس لئے کفار اس کو دلیل رضامندی بنا رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ دلیل بنانا غلط ہے۔ کیونکہ مشیت نام ہے ممکن کی دونوں جانبوں میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کا خواہ وہ مامور ہو یا ممنوع، مستحسن ہو یا غیر مستحسن۔ پھر مشیت کو دلیل بنانا کیسے صحیح ہوگا۔ معتزلہ اور اہل سنت کے نقطۂ نظر میں بھی تقریباً یہی فرق ہے۔

ام اتینا هم. یعنی کسی چیز کا ثبوت یا مشاہدہ سے ہوا کرتا ہے اور یا نقل سے اور یہاں دونوں ہیں۔

من قبله. یعنی مرجع اس کا قرآن ہے یا رسول۔

بل قالوا. یعنی عقلی، نقلی اور عینی اور تینوں صورتیں ان کے پاس ثبوت کی نہیں لے دے کر صرف پرانی لکیر کے فقیر ہونا ہے۔ سو اس کا حال آگے آ رہا ہے۔

علیٰ امة. بمعنی مقصد طریقہ ہے جیسے **رحل** بمعنی **مرحول الیہ** آتا ہے ایسے ہی **امة** بمعنی **ملة** ہے۔

وانا علیٰ اثارهم. مفسرؒ نے متعلق کے محذوف ہونے اور اس کے خبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔

مهتدون. یہ خبر ثانی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ **علیٰ آثار هم** حال ہے فاعل **مهتدون** سے **کائنین علیٰ اثارهم.**

ما ارسلنا. یہ جملہ مستانفہ ہے۔

او لو جئتکم. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ہمزہ فعل مقدر پر داخل ہے اور واؤ حالیہ ہے۔

اهدی. بلا دلیل محض اندھی تقلید اگرچہ غلط اور گمراہی ہوتی ہے۔ مگر آیت میں اس کو ہدایت کہنا بطور ارخاء وعنان ہے۔ تاکہ یہ نرم روی مخاطب پر اثر انداز ہو جائے اور وہ نرما جائے۔ اس طرح نصیحت کارگر اور مفید ہو جاتی ہے۔

ربط آیات:............ اس سورت کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ توحید کا اثبات۔

۲۔ شرک کا بطلان۔

۳۔ اور بتوں کے جہنم رسید ہونے پر کفار کے اعتراض کی لغویت۔

۴۔ وحی و رسالت کا اثبات۔

۵۔اور رسالت سے متعلق بعض شبہات کا جواب۔
۶۔اور آنحضرت ﷺ کو تسلی اور درگزر کرنے کا حکم۔
۷۔دنیا کی تحقیر۔
۸۔اور نبوت کے استحقاق واہلیت میں مال کا دخیل نہ ہونا۔
۹۔منکرین کے لئے تہدید۔
۱۰۔حضرت ابراہیم وموسیٰ عیسیٰ علیہم السلام کے حالات جن سے توحید ورسالت کی تائید اور قائلین ومنکرین قیامت کے لئے وعدہ ووعید کا بیان، نیز پچھلی سورت کے خاتمہ اور اس سورت کے افتتاح میں رسالت کا مضمون مشترک ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.......... والکتٰب المبین. یہاں قسم کا استعمال عرب کی عادت کے مطابق تاکید کلام کے لئے تو ہے ہی۔لیکن خود جواب قسم کی دلیل بھی ہے۔کیونکہ قرآن میں غور کرنے سے اس کا اعجاز ظاہر ہے اور وہ دلیل ہے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی۔پس ایک ذات کی ایک صفت دوسری صفت کی دلیل ہے اور عربی زبان چونکہ اول مخاطبین کی مادری زبان ہے۔ان کے ذریعہ سے دنیا کی قومیں اس کتاب کو سیکھیں گی۔اس لئے اس سے قرآن کے خطاب عام پر اشکال نہ کیا جائے۔

اور لدینا. شرف وخصوصیت کے اعتبار سے فرمایا۔پس یہ قرب رتبی ہے قرب مکانی نہیں ہے۔

قرآن کی خوبیاں اور خصوصیات:.......... انه فی ام الکتاب الخ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم بھی دوسری کتب سماویہ کی طرح نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا تھا اور وجوہ اعجاز اور اسرار وحکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے وہ نہایت بلند مرتبہ ہے اور تبدیل وتحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے۔اس کے دلائل نہایت مضبوط اور احکام غیر منسوخ ہیں۔اس کا ہر حکم حکمت لئے ہوئے اور تمام مضامین اصلاح معاش ومعاد کے سلسلہ میں اعلیٰ ترین ہدایات اور حکیمانہ خوبیوں سے لبریز ہیں اور ان تمام محاسن پر خود قرآن ہی اپنا مشاہد ہے۔

افنضرب. یعنی باوجود تمہاری شرارتوں کے کتاب الٰہی کا نزول اور دعوت ونصیحت کا سلسلہ بند نہیں کیا جائے گا۔اول تو بہت سی سعید روحیں اس سے مستفید ہوں گی۔دوسرے منکرین پر کامل طور سے اتمام حجت بھی کرنا ہے اس لئے اللہ کی رحمت وحکمت کا یہ سلسلہ موقوف نہیں ہوگا۔چنانچہ پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا۔ان کی تعلیمات کو جھٹلایا گیا۔مگر اس کی وجہ سے پیغمبری کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اے منکرین! تم سے پہلے ان مکذبین کی مثالیں گزر چکی ہیں۔جو زور وقوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کس ہوا میں ہو؟

جو خالق ہے وہی معبود ہے:.......... ولئن سالتهم سے اللہ کی عظمت وقدرت اور کمال تصرف کا ذکر ہے اور تخلیق میں اس کا یگانہ ہونا اس کے الوہیت میں یگانہ ہونے کو مستلزم ہے۔پس گویا اللہ کی الوہیت خود ان کے اقرار سے ثابت ہوگئی۔

خدا کے ان گنت انعامات میں سے زمین کا قابل رہائش بنا دینا ہے۔اس میں اللہ نے راستے بنا دیئے کہ جہاں آبادیاں ہیں انسان چل پھر کر ایک دوسرے سے مل سکیں اور تمدن کے تقاضے پورے ہوسکیں۔وہ بارشیں برساتا ہے تو وہ بھی بے انداز نہیں۔بلکہ اپنے علم وحکمت کے مناسب اندازوں کے ساتھ۔اور جس طرح اللہ ہر فصل پر مردہ زمینوں میں باران رحمت کے ذریعے زندگی کی بہار دکھلاتا

رہتا ہے۔اسی طرح مردہ جسموں میں جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔

دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق ہیں جتنی قسمیں ہیں اور متماثل یا متقابل انواع واصناف ہیں سب اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ انسان سے زیادہ طاقت ور، قوی الجثہ جانوروں کواس کے قابو میں کرنا اور مختلف سواریوں اور ان کے کل پرزوں کی ایجادات کا سہرا انسان کے سر باندھنا یہ اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اللہ کی اس تسخیری نعمت کا اعتراف وشکر گزاری انسان پر لازم ہے اور یہ شکر گزاری اسی طرح انسان کو اللہ کے آگے جھکا دیتی ہے۔ جیسے مصیبتوں میں صبر خدا کی طرف مڑنے پر انسان کو مجبور کرتا ہے۔

غرض کہ دنیا کے اس سفر سے سفر آخرت کو یاد کرو۔ آنحضرت ﷺ سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور احادیث میں اور دعائیں اوراذ کار بھی آئے ہیں۔

اللہ کی شان میں حددرجہ گستاخی:............ وجعلوا لہ. یعنی افسوس کہ انسان اللہ کی صریح ناشکری پر اتر آیا۔اس سے بڑھ کر ناشکری اور گستاخی اور کیا ہوگی کہ اس کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھا جو عقلاً محال ہے۔ کیونکہ اولاد باپ کا جز ہوتی ہے۔ جس سے اللہ کا ذی اجزاء یعنی مرکب ہونا اور حادث ہونا لازم آتا ہے۔ دوسرے اولاد ماں باپ کی ہم جنس ہوتی ہے۔ اگر ہم جنس نہ ہو تو عیب ہے اور خالق و مخلوق میں جنسیت ہو تو کیسے؟ تیسرے یہ کہ اولاد میں یہ لوگ لڑکیوں کو کم درجہ سمجھتے ہیں اور یوں بھی قوائے جسمانیہ اور عقلیہ کے لحاظ سے عموماً لڑکیاں لڑکوں سے کم ہی ہوتی ہیں۔

پس گویا اللہ کے لئے اولاد بھی گھٹیا قسم کی تجویز کی۔ کیا تمہیں شرم نہیں آئی کہ اپنے لئے تو بڑھیا اولاد پسند اور خدا کے لئے گھٹیا اولاد۔ جو عقلاً عرفاً دونوں طرح غلط۔ جب کہ خود تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہیں بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی جائے تو مارے رنج اور غصہ کے پیشانی پر بل پڑ جائیں اور یوں شرماحضوری زبان سے کچھ نہ کہو۔ مگر دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتے رہو۔

مجموعی اعتبار سے عورت مرد سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے:............ یہاں تک الزامی رد تھا۔ آگے اومن ینشوء ا سے تحقیقی رد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ گولڑکی ہونا فی نفسہ عار و ذلت کا باعث نہیں۔ جیسا کہ تم جہالت سے سمجھتے ہو۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عوارض سے قطع نظر لڑکی اپنی اصل وضع کے اعتبار سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے۔ آخر یہ اس کی ناسمجھی ہی تو ہے کہ عادۃً وہ آرائش وزیبائش پسند ہوتی ہے۔ زیورات اور سجاوٹ ہی میں اس کی نشو ونما ہوتی ہے جو دلیل ہے کم عقلی اور ضعف رائے کی۔ اور مباحثہ کے وقت قوت بیانیہ نہیں رکھتی۔ جو دلیل ہے قوت فکریہ کے ضعف کی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ عورتیں ہمیشہ ادھوری بات کہتی ہیں یا گفتگو میں فضول اور زائد باتیں ملا دیتی ہیں۔ جن کا مطلب سے ادنیٰ تعلق نہیں ہوتا۔ اور مباحثہ کی تخصیص اس لئے کر دی کہ عادۃً اس میں زیادہ زور دکھلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ضرورت کے موقعہ پر عجز کلام ہے تو بدرجہ اولیٰ ضعیف ہوگا۔ غرض کہ ہر طویل گفتگو میں وہ مات کھا جاتی ہیں اور معمولی جملوں کا عمدہ طریقہ سے ادا کر دینا قوت گویائی کی دلیل نہیں ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فی زمانہ عورتیں ہر میدان میں ترقی کا ریکارڈ قائم کر رہی ہیں۔ لیکن قرآن کریم کا یہ بیان بحالہ ایک حقیقت ہے۔ کیونکہ اول تو عورتوں کی تمام تر ترقیات خود ان کے ماضی کے اعتبار سے ہیں۔ مردوں کے مقابلہ میں نہیں۔ بلکہ ان ترقیات کے باوجود مردوں کے مقابلہ میں اب بھی ان میں فاصلہ ماننا پڑے گا۔ اور بالفرض اگر کسی وقت یہ فاصلہ نہ بھی رہے یا معاملہ برعکس ہو جائے تب بھی کلام الٰہی کی سچائی پر شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ گفتگو عوارض سے قطع نظر محض اصل وضع کے اعتبار سے ہے۔ لیکن عوارض کی رو سے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اگر یہ نسبت متاثر ہو جائے تو وہ عوارض کی بات ہوگی۔

رہا عورت کی طرف سے فی الخصام کے جواب میں یہ کہنا کہ وہ عارض ملکیت ہے جو جابر نقصان ہے۔ سو اس عارض کا مؤثر ہونا ان کو ثابت کرنا ہوگا ورنہ مطلق عارض کافی نہیں ہے۔

فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت:......... وجعلوا الملئکة. اس میں تیسری خوبی کا بیان ہے کہ فرشتوں کو عورتوں میں داخل کر کے دیویاں کہنا یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ فرشتے ہونے کے وقت یہ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ جو انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ مرد نہیں عورت ہیں۔ بہت اچھا ان کی یہ گمراہی دفتر اعمال میں لکھی جا رہی ہے۔ اللہ کی عدالت عالیہ میں پیشی کے وقت ان سے جرح ہوگی۔ کہ تم نے یہ کیوں کہا تھا۔ اور کہاں سے کہا تھا؟

بہرحال یہ دعویٰ بلا دلیل غلط ہے جھوٹ ہے۔ خاص کر عقائد میں۔ اب پھر جب اس کے ساتھ اور بھی مفاسد ہوں تو کریلا اور نیم چڑھا ہے۔

مشرکین کی دلیل کا تارو پود:......... یہاں تک تو فرشتوں کے اولاد اور بیٹیاں ہونے کے بارہ میں گفتگو تھی۔ اب آگے وقالوا سے ان کی معبودیت کے متعلق کلام ہے کہ ملاحظہ ہو یہ لوگ اپنی مشرکانہ حرکتوں کے جواز میں کیا عمدہ دلیل عقلی پیش کرتے ہیں۔ کہ ہمارا فرشتوں کی پرستش کرنا اگر اللہ کو ناپسند ہوتا وہ کیوں ہمیں کرنا دیتا۔ مگر جب اس نے کرنے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ راضی ہے۔

یہ بھی خوب رہی۔ اسی لئے فرمایا وما لھم بذلک من علم ان ھم الا یخرصون یقیناً اس میں شبہ نہیں کہ کوئی کام اللہ کے چاہے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے اس کام کا پسندیدہ ہونا نہیں نکلتا۔ کیونکہ ایسا ہو تو پھر دنیا میں کوئی کام بھی برا نہیں رہے گا۔ ہر جھوٹا، خونخوار، ظالم، چور، اچکا، بدمعاش ہر ایک یہی کہہ دے گا کہ اگر خدا کو یہ کام ناپسند تھا تو مجھے نہ کرنے دیتا۔ لیکن جب کرنے دیا تو اس کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوا۔ اسی طرح عالم میں سب کچھ خیر محض ہی ہوگا۔ شر کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ پھر مخالفین شرک بھی اس دلیل کو اپنا کر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس سے ہمارے طریقہ کا برحق ہونا بھی معلوم ہوا۔ پس یہ دلیل گویا مستلزم نقیضین ہوگئی کہ شرک حق بھی ہے اور ناحق بھی۔ اسی طرح توحید حق بھی ہے اور ناحق بھی۔ یا یوں کہا جائے کہ توحید و شرک دونوں حق بھی ہیں اور ناحق بھی۔ بہرحال مشیت اور رضا میں کوئی لزوم عقلی علمی نہیں۔ بلکہ محض انکل پچو بات ہے۔

اندھی تقلید کے سوا مشرکین کے پاس کیا ہے:......... ام اتینا ھم. یعنی ان کی عقلی دلیل کا تانا بانا تو معلوم ہو گیا۔ اب کیا کوئی نقلی گل افشانی کریں گے۔ کسی آسمانی کتاب یا صحیفہ میں شرک کا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہونا لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نام کی کوئی بھی چیز ان کے پاس نہیں۔ اب لے دے کر سب سے بڑی دلیل پرانی ریت اور اپنے بڑوں کی اندھی تقلید رہ جاتی ہے۔ جو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کو دلیل تو کیا خلاف دلیل کہنا چاہئے۔

جس کے جواب میں پیغمبرانہ جواب یہی ہے کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے بھی اچھی راہ اگر تم کو بتلائی جا رہی ہے تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کو پیٹتے رہو گے؟ مگر برا ہو ہٹ دھرمی کا جب انسان کی مت ماری جاتی ہے تو کتنی ہی عمدہ بات کہی جائے مگر ایک مان کر نہیں دیتا۔ چنانچہ جواب الجواب میں بدبخت لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے اور پرانا آبائی طریقہ نہیں چھوڑ سکتے۔ (فوائد عثمانی)

و اذكر **اِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ** اى برئٌ **مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ** ﴿۲۶﴾ **اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ** خلقنى **فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ** ﴿۲۷﴾ يرشدنى لدينه **وَجَعَلَهَا** اى كلمة التوحيد المفهومة من قوله انى ذاهب الى ربى سيهدين **كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ** ذريته فلا يزال فيهم من يوحد الله **لَعَلَّهُمْ** اى اهل مكة **يَرْجِعُوْنَ** ﴿۲۸﴾ عما هم عليه الى دين ابراهيم ابيهم **بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ** المشركين **وَاٰبَآءَهُمْ** ولم اعاجلهم بالعقوبة **حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ** القران **وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۲۹﴾ مظهر لهم الاحكام الشرعية وهو محمد صلى الله عليه وسلم **وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ** القران **قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ** ﴿۳۰﴾ **وَقَالُوْا لَوْلَا** هلّا **نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ** من اية منهما **عَظِيْمٍ** ﴿۳۱﴾ اى الوليد بن المغيرة بمكة وعروة بن مسعود الثقفى بالطائف **اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ** النبوة **نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** فجعلنا بعضهم غنيا وبعضهم فقيرا **وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ** بالغنى **فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ** الغنى **بَعْضًا** الفقير **سُخْرِيًّا** مسخرا فى العمل له بالاجرة والياء للنسب وقرئ بكسر السين **وَرَحْمَتُ رَبِّكَ** اى الجنة **خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ** ﴿۳۲﴾ فى الدنيا **وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً** على الكفر **لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ** بدل من لمن **سُقُفًا** بفتح السين وسكون القاف وبضمهما جمعا **مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ** كالدرج من فضة **عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ** ﴿۳۳﴾ يعلون الى السطح **وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا** من فضة وجعلنا لهم **سُرُرًا** من فضة جمع سرير **عَلَيْهَا يَتَّكِــُٔوْنَ** ﴿۳۴﴾ **وَزُخْرُفًا** ذهبا المعنى لولا خوف الكفر على المؤمن من إعطاء الكافر ما ذكر لاعطيناه ذلك لقلة خطر الدنيا عندنا وعدم حظه فى الاخرة فى النعيم **وَاِنْ** مخففة من الثقيلة **كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا** بالتخفيف فما زائدة وبالتشديد بمعنى الا فان نافية **مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يتمتع به فيها ثم يزول **وَالْاٰخِرَةُ** الجنة **عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ** ﴿۳۵﴾ **وَمَنْ يَّعْشُ** يعرض **عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ** القران **نُقَيِّضْ** نسبب **لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ** ﴿۳۶﴾ لا يفارقه **وَاِنَّهُمْ** اى الشياطين **لَيَصُدُّوْنَهُمْ** اى العاشين **عَنِ السَّبِيْلِ** طريق الهدى **وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ** ﴿۳۷﴾ فى الجمع رعاية معنى من **حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا** العاشى بقرينه يوم القيامة **قَالَ** له **يٰلَيْتَ** للتنبيه **لَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ** اى مثل بعد ما بين المشرق والمغرب **فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ** ﴿۳۸﴾ انت لى قال تعالى **وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ** اى العاشين تمنيكم وندمكم **الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ** اى تبين لكم ظلمكم بالإشراك فى الدنيا **اَنَّكُمْ** مع قرنائكم **فِي الْعَذَابِ**

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ عِلَّةٌ بِتَقْدِيْرِ اللَّامِ لِعَدَمِ النَّفْعِ وَإِذْ بَدَلٌ مِنَ الْيَوْمِ **اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿٤٠﴾ بَيِّنٍ اَىْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ **فَاِمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِىْ مَا الزَّائِدَةِ **نَذْهَبَنَّ بِكَ** بِاَنْ نُمِيْتَكَ قَبْلَ تَعْذِيْبِهِمْ **فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ** ﴿٤١﴾ فِى الْاٰخِرَةِ **اَوْ نُرِيَنَّكَ** فِىْ حَيٰوتِكَ **الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ** بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ **فَاِنَّا عَلَيْهِمْ** عَلٰى عَذَابِهِمْ **مُّقْتَدِرُوْنَ** ﴿٤٢﴾ قَادِرُوْنَ **فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ** اَىِ الْقُرْاٰنُ **اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿٤٣﴾ **وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ** لَشَرَفٌ **لَّكَ وَلِقَوْمِكَ** لِنُزُوْلِهٖ بِلُغَتِهِمْ **وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ** ﴿٤٤﴾ عَنِ الْقِيَامِ بِحَقِّهٖ **وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ** اَىْ غَيْرِهٖ **اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ** ﴿٤٥﴾ قِيْلَ هُوَ عَلٰى ظَاهِرِهٖ بِاَنْ جُمِعَ لَهُ الرُّسُلُ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ اُمَمُ مَنْ اَىْ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَلَمْ يَسْاَلْ عَلٰى وَاحِدٍ مِنَ الْقَوْلَيْنِ لِاَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاَمْرِ بِالسُّوَالِ التَّقْرِيْرُ لِمُشْرِكِىْ قُرَيْشٍ اَنَّهٗ لَمْ يَاْتِ رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَا كِتَابٌ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ

ع ١٠

ترجمہ: .... اور (یاد کیجئے) جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں بیزار (بے تعلق) ہوں ان چیزوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا (بنایا) پھر وہی میری (دینی) رہنمائی کرتا ہے اور کر گئے ابراہیم اس کو (یعنی کلمہ توحید کو جو ان کے قول انی ذاهب الی ربی سیهدین سے سمجھ میں آ رہا ہے) ایک قائم رہنے والی بات اپنی اولاد (نسل) میں (چنانچہ کوئی نہ کوئی ان کی نسل میں پرستار توحید رہتا ہے) تاکہ یہ لوگ (مکہ والے) باز رہیں (اپنے موجودہ طریقہ سے اپنے آبائی دین ابراہیم کی طرف) بلکہ میں نے ان (مشرکین) کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا ہے (اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کی) یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا (جو شرعی احکام ان کو بتاتا ہے یعنی محمد ﷺ) اور جب ان کے پاس سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے (کسی ایک میں) کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا (یعنی ولید بن مغیرہ پر مکہ میں یا عروہ بن مسعود ثقفی پر طائف میں) کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت (نبوت) تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے تو ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے دنیاوی زندگی میں (کہ ان میں سے کسی کو ہم نے امیر بنا دیا اور کسی کو فقیر بنا دیا) اور ہم نے ایک کو (خوشحالی سے) دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔ تاکہ ایک (امیر) دوسرے (غریب) سے کام لیتا رہے (اجرت کے ذریعہ کام پر مجبور ہو سکے۔ سخری میں یا نسبت کے لئے ہے اور یہ لفظ کسرہ سین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور آپ پروردگار کی رحمت (جنت) بدرجہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ (دنیا میں) سمیٹتے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ (کفر) پر ہو جاویں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے ان کے گھر کی (لمن میں من سے بدل ہے) چھتیں (سقف فتحہ سکون قاف کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ) چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (سیڑھیاں بھی چاندی کی بنا دیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے (چھت پر جانے کے لئے) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی (چاندی کے) اور (ہم نے ان کے لئے بنائے) تخت بھی (چاندی کے سرر جمع سریر کی ہے) جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی (حاصل یہ ہے کہ اگر مذکورہ چیزوں

کے کافر کو دے دینے سے مؤمن کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ضرور کافر کو یہ ساری چیزیں دے ڈالتے۔ کیونکہ دنیا ہمارے نزدیک حقیر ہے اور آخرت میں اس کے لئے جنت کا حصہ نہیں ہے) اور یہ (ان مخففہ ہے جو اصل میں انہ تھا) سب کچھ بھی نہیں (لما تخفیف کے ساتھ آرہا ہے تو ما زائد ہوگا اور تشدید کی صورت میں بمعنی الا ہو کر ان نافیہ ہو جائے گا) صرف دنیوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہے (جس سے نفع اٹھانے کے بعد ختم ہو جائے گی) اور آخرت (جنت) آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ذکر (قرآن) سے اندھا بن جائے (منہ موڑ لے) ہم اس پر (اس وجہ سے) ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ سو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے (کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا) اور وہ (یعنی شیطان) ان (دنیاداروں) کو راہ (ہدایت) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں (ضمائر جمع لانے میں معنی مــن کی رعایت ہے) یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا (دنیادار اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت میں) تو کہے گا (اس ساتھی سے) کہ اے کاش! (یا تنبیہ کے لئے ہے) میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا (یعنی جس قدر دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہوتی ہے) سو برا ساتھی ہے (تو میرے لئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور ہرگز تمہارے کام نہ آئے گی یہ بات (دنیادار تمہاری تمنا اور ندامت) آج جب کہ تم ظلم کر چکے تھے (یعنی دنیا میں شرک کرنے کی وجہ سے آج تمہارا ظلم واضح ہو چکا ہے) یقیناً تم سب (مع اپنے ساتھیوں کے) عذاب میں شریک ہو (انکم الخ جملہ علت ہے عدم نفع کی بتقدیر اللام اور اذ بدل ہے الیوم کا) سو کیا آپ ان بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی پر ہیں راہ پر لا سکتے ہیں (یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے) پھر اگر (اما میں ان شرطیہ کے نون کا ما زائدہ میں ادغام ہو گیا) ہم آپ کو اٹھا لیں (کہ ان پر عذاب آنے سے پہلے آپ کی وفات ہو جائے) تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں (آخرت میں) یا اگر ہم آپ کو (آپ کی زندگی ہی میں) دکھلا دیں جس (عذاب) کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ تب بھی ہم کو ان (کے عذاب) پر ہر طرح کی قدرت (طاقت) ہے۔ سو آپ اس (قرآن) پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں اور یہ قرآن آپ کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور آپ کی قوم کے لئے (ان کی مادری زبان میں اترنے کی وجہ سے) اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے (اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں) اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا (علاوہ) دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے یعنی واقعہ معراج میں سب پیغمبر اسی لئے جمع کئے گئے اور بعض کی رائے میں ان پیغمبروں کے امتی یعنی اہل کتاب مراد ہیں۔ تاہم دونوں صورتوں میں آنحضرت ﷺ نے کسی پیغمبر سے دریافت نہیں فرمایا۔ کیونکہ یہاں سوال کرنے کا منشاء مشرکین قریش پر یہ ثابت کرنا ہے کہ کوئی رسول اور کوئی کتاب غیر اللہ کی پرستش کے لئے نہیں آئی۔)

تحقیق وترکیب: .... بــــراء. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ بمعنی بری مصدر ہے جو صفت میں استعمال کیا گیا۔ اس میں واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث یکساں ہوتے ہیں۔

الا الــذی. استثناء کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ منقطع ہو۔ کیونکہ ابراہیمؑ کی قوم مشرک نہیں بلکہ دہریہ تھی۔ صرف بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کو مشرک مانتے ہوئے استثناء متصل مانا جائے۔ کیونکہ شرک کی صورت میں اللہ کی عبادت کالعدم ہے۔

تیسرے کہ اللہ کی صفت کے لئے بمعنی غیر ہو اور ما نکرہ موصوفہ ہے جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے۔

وجعلها. ضمیر مستتر کا مرجع حضرت ابراہیمؑ ہیں اور **لعلهم یرجعون** اللہ کا ارشاد ہے اور اس کو مفسرؒ کے قول مقدر اذکر کی کہا جائے گا۔ اور ھا ضمیر کا مرجع کلمہ توحید ہے۔

لیکن خود قول مذکور بھی ہوسکتا ہے۔

بل متعت. یہ اضراب توبیخ کے لئے ہے قوم کے اتباع نہ کرنے پر۔ اور اسم اشارہ سے مراد آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے مشرکین ہیں۔

حتیٰ جاء هم. کشاف وغیرہ میں اس کے تمتع کی غایت پر یہ اشکال کیا گیا ہے ان دونوں میں کوئی تناسب نہیں۔ بلکہ مابعد اور ماقبل کی مخالفت کی اس میں رعایت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ دنیا کا وہ اشتغال مراد ہے جو شکر منعم سے اعتراض کا سبب ہو۔ گویا عبارت یوں ہوگی۔ اشغلوا به حتی جاء هم الحق اور نفس الامر میں یہ غایت صحیح ہے۔ کیونکہ یہ حالت قابل زجر ہے۔ لیکن ان لوگوں کی سرکشی کے سبب اس کو برعکس کر دیا گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت وما تفرق الذين اوتوا الكتاب الا من بعد ما جاء تهم البينة میں ہے۔

وقالوا. یہ لوگوں کی بہت پرانی گمراہی ہے۔ کہ نبوت و رسالت کو شریف ترین منصب سمجھتے ہوئے یہ خیال کیا کرتے ہیں۔ کہ اس کا مستحق ایسا شخص ہونا چاہئے جو دنیاوی لحاظ سے بس معزز اور مالدار ہو۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں دیکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ اس معیار پر پورے نہیں اترے۔ اس لئے لگے اعتراض کرنے حالانکہ اللہ کے یہاں دوسرا معیار ہوتا ہے۔

اهم يقسمون. استفہام انکار توبیخی کے لئے ہے۔ یعنی نبوت کے معاملہ میں تمہارے مشورہ اور رائے کا دخل نہیں۔ اللہ جس کے قلب کو زکی اور نفس کو پاکیزہ اور نسب کو اعلیٰ دیکھتا ہے۔ اس کو یہ خلعت پہنا دیتا ہے۔

نحن قسمنا. یعنی نبوت تو بڑی چیز ہے روزی رسانی جو اس سے کم درجہ ہے۔ ہم تو اس میں بھی ان کا عمل دخل نہیں رکھتے۔ جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں اور دنیا میں اونچ نیچ، مال و دولت کے اعتبار سے کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہ مقبولیت کی علامت ہے اور نہ مردودیت کی بلکہ نظام تکوین کے مصالح کے پیش نظر ایسا کیا جاتا ہے۔

سخريا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ سخرى منسوب الى السخرة کے معنی میں ہے۔ زبردستی کام پر لگانا سخريا بمعنی استہزا نہیں ہے۔

ولو لا ان. مضاف محذوف ہے۔ ای لو لا خوف ان يكون الناس الخ لیکن اللہ کے لئے خوف کا لفظ کچھ مناسب نہیں۔ اس لئے بیضاویؒ کی تقریر بہتر ہے۔ ای لو لا ان يرغبوا فى الكفر اراد الكفار فى سعة وتنعم لحبهم الدنيا فيجتمعوا عليه.

سقفا. ابن کثیرؒ اور ابوعمروؒ کے نزدیک فتحہ سین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک ضمتین کے ساتھ ہے۔

معارج. معرج کی جمع ہے۔ سیڑھی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ زینہ کی پٹریوں اور سیڑھی کے ڈنڈوں پر چڑھنا ایسا ہوتا ہے۔ جیسے لنگڑا کر چلنا۔

وزخرفا. جعل کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے اور بقول زمخشریؒ من فضة کے محل پر عطف کرتے ہوئے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔ ای سقفا من فضة وذهب. زخرف کے معنی سونے کے ہیں۔ لیکن مجازاً زینت کے لئے بھی آتا ہے۔

وان كل. اکثر قراءؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔ ان مخففہ ہے جس کا قرینہ لام ہے جو فارق ہوتا ہے مخففہ اور نافیہ میں اور عاصمؒ اور حمزہؒ کی قراءت تشدید کی ہے۔

ومن يعش. کہا جاتا ہے۔ عشوف الى النار اعشوا عشرا. جب کہ ٹھیک ٹھیک منزل مقصود کی طرف چلا جائے اور عشوف عنها کے معنی اعراض کرنے کے ہیں اور فتحہ شین کے ساتھ اس کے معنی اندھے ہونے کے آتے ہیں عشى يعشى عشاءً فهو عشى و امراة عشواء. (بغویؒ)

ذکر الرحمٰن. ذکر کی اضافت رحمٰن کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن سے اعراض کی وجہ سے اس ذات کی نعمتوں سے محروم ہوجاتا ہے جو سرتا پا رحمت ہے پس رحمٰن نے بھی جس کو ٹھکرادیا۔ اس کے لئے کہاں پناہ گاہ ہوسکتی ہے۔

نقیض له. ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ فهو معه فی الدنیا والاخرة ویحله علی المعاصی.

وانهم. جنس شیاطین چونکہ مراد ہے اس لئے ضمیریں جمع لائیں گئیں۔

ومن یعش. یہاں بھی تینوں ضمیریں ومن یعش کی طرف بلحاظ معنیٰ جمع کے طور پر راجع ہیں۔ لیکن قاضیؒ کی رائے میں پہلی ضمیر عاشی کی طرف اور باقی ضمیریں شیاطین کی طرف راجع ہیں۔ یعنی دنیا پرست یہ سمجھتا ہے کہ شیاطین حق کی رہنمائی کررہے ہیں۔

اذا جاء نا. کافر کے مع شیطان کے حاضر ہونے پر ابن کثیرؒ اور نافعؒ وابن عامرؒ وابوبکرؒ کی قراءت اذا جاء انا تثنیہ کے ساتھ بھی دلالت کررہی ہے۔

بعد المشرقین. قمرین، شمسین، عمرین کی طرف تغلیب کرلی گئی ہے۔

لن ینفعکم. مفسرؒ نے فاعل تنفع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اذ ظلمتم. اس پر یہ اشکال ہے کہ اذ ظرف ہے بلحاظ ماضی کے دنیا میں پھر الیوم جس سے مراد قیامت ہے بدل کیسے ہوسکتا ہے۔ لیکن مفسرؒ نے تبین لکم الخ تفسیری عبارت سے اس کا ازالہ کردیا کہ شرک تو دنیا میں کیا تھا۔ مگر اس کا ظلم ہونا قیامت میں واضح ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ خبر اپنی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اگرچہ وزن ماضی کا لایا گیا ہے۔ بلکہ مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یقین ہونے کی وجہ سے۔

انکم فی العذاب. بقول یہ علت لن ینفعکم کی فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں بھی ہوسکتا ہے ای لن ینفعکم اشترا ککم فی العذاب پہلی ترکیب کی تائید ابن عامرؒ کی قراءت سے ہوتی ہے۔ انکم کسرہ کے ساتھ ہے یعنی چونکہ کفر میں تم اور تمہارے قرین شریک رہے جو سبب عذاب ہے۔ لہٰذا عذاب میں بھی شریک رہو۔

افانت. ہمزہ استفہامیہ ہے اور فا کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ ای انت ترید ان یحصل ایمانهم فانت تسمع الصم ای انت لا تسمعهم.

فاما نذهبن. ای فان قبضناک قبل ان ینصرک عذابهم ونشفی بذلک صدرک وصدور المؤمنین فانا منهم منتقمون لا محالة فی الدنیا والا خرة. مفسرؒ نے اگرچہ زمخشریؒ کے اتباع میں محض عذاب آخرت پر اقتصار کیا ہے۔ جس کی تائید دوسری آیت او نتو فینک فالینا یرجعون سے بھی ہورہی ہے۔ اور بغویؒ نے صرف عذاب دنیا پر اکتفاء کیا ہے۔ ای ینتقمون بالقتل بعدک. لیکن بیضاویؒ نے دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب کے لئے عام رکھا ہے۔

مقتدرون. یعنی ہم بروقت انتقام پر قادر ہیں۔ جیسا کہ بدر میں ہوچکا۔

فاستمسك. ای دم علی التمسک یا آپ کی امت کو حکم ہے۔

وسئل. انبیاء علیہم السلام سے حقیقتاً سوال مقصود نہیں۔ بلکہ مجازاً ان کے مذاہب میں غور وخوض کرنا مراد ہے۔ کہ آیا کسی کے مذہب میں کبھی بھی بت پرستی اور شرک ہوا ہے یا نہیں؟ لیکن اس آیت میں اس کی تردید ہی اسکا واضح ثبوت ہے کہ کسی صحیح آسمانی مذہب میں کبھی شرک نہیں ہوا۔ اس لئے کتب سابقہ اور ادیان سابقہ کے مطالعہ کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک حقیقت دریافت کرنا مراد ہے۔ چنانچہ واقعہ معراج میں انبیاء سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے وقت سوال کرنے کی بات چیت چلی تھی۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں توحید کا بیان تھا۔ آیت **واذ قال ابراهيم الخ** سے اس کی تائید کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی زبانی توحید کی تقریب نقل کی گئی۔ جس سے تقلید آباء کے بہانہ کا جواب بھی ہو گیا۔ پھر ان کی اولاد میں اس کا نقل ہوتے چلا جانا اور آخر میں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا اس قدیم دعوت کو لے کر مبعوث ہونا اور ان کی نبوت سے متعلق مشرکین کے اعتراض کا جواب ارشاد ہے۔

اس کے بعد منکرین کے کفر و ضلالت کا بیان ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو رنج والم تھا۔ آیت **ومن يعش الخ** سے اس کا ازالہ اور آپ کی تسلی کے لئے اس گمراہی کی علت کا بیان ہے۔ اسی سلسلہ میں مخالفین کو قیامت میں ندامت و خسارت کا ہونا اور عقوبت سے نہ بچ سکنا اور یہ کہ ان کی ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ نیز قرآن، اسلام، توحید کا نعمت اور برحق ہونا مذکور ہے۔ جس کو تسلی میں بڑا دخل ہے۔

ربط روایات: .... **وقالوا لولا انزل الخ** مشرکین نے ولید اور عروہ کے دو نام پیش کئے تو ان کے نزدیک نبی کے لئے گویا شرافت ضروری ہوئی۔ یہاں تک تو صحیح بات تھی۔ مگر شرافت کو مالداری میں منحصر کرنے میں ان سے غلطی ہوئی۔ مال کو معیار بنانا اصولاً غلط ہے۔ اگلی آیات میں اسی کی وضاحت فرمائی۔

نقيض له شيطانا. ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ **نسلطه عليه فهو معه في الدنيا والاخرة ويحمله على المعاصي.**

اذ جاء نا. مراد عیش کنندہ ہے۔ چنانچہ ابن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوبکر کی قراءت **جاء انا** بصیغہ تثنیہ اس کی مؤید ہے۔ جس میں عیش کنندہ اور اس کا قرین شیطان مراد ہے۔

واسئل. ابن عباسؓ سے اور زہریؒ، سعد ابن جبیرؓ، ابن زیدؓ سے منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ انبیاء کا اجتماع بیت المقدس میں نماز کے وقت سات صفوں پر مشتمل ہوا۔ اور جس میں چار صفوف انبیاء کی اور تین صفوف رسولوں کی تھیں۔ اسی طرح کہ حضرت ابراہیمؑ آنحضرت ﷺ کے پیچھے اور حضرت اسماعیلؑ دائیں، حضرت اسحٰقؑ بائیں، پھر ان کے پیچھے حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاءؑ تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے فرمایا۔ **ان ربى اوحىٰ الى ان اسأ لكم هل ارسل احد منكم بدعوة الىٰ عبادة غير الله فقالوا يا محمد انا نشهدانا ارسلنا اجمعين بدعوة واحدة ان لا اله الا الله وان ما يعبدون من دونه باطل و انک خاتم النبيين وسيد المرسلين قد استبان ذلک باما متک ايا نا وانه لا نبى بعدک الى يوم القيامة الا عيسىٰ بن مريم فانه مامر ران يتبع اثرک.**

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا۔ **سل يا محمد من ارسلنا من قبلک.** آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ **لا اسأل فقد اكتفيت** اور بعض حضرات نے اہل کتاب سے پوچھنا مراد لیا ہے کہ وہی انبیاء سے سوال کے قائم مقام ہے۔

بغویؒ نے ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے چنانچہ ابن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ کی قراءت **واسال الذى ارسلنا اليهم قبلك من رسلنا** بھی اس کی مؤید ہے۔ مگر بہر صورت آپ نے کسی سے دریافت نہیں کیا۔ کیونکہ حقیقۃً سوال مراد نہیں تھا۔ بلکہ مشرکین کو یقین دلانا تھا۔ کہ کسی نبی کی تعلیم بھی شرک کی نہیں ہے۔ قرآنی بیانات ہی اس کے لئے کافی ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:.......... حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ نقل کر کے یہ تاثر دینا ہے کہ جو مشرکین تقلید آباء کو بہانہ بناتے ہیں۔ ان کو اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کی تقلید کرنی چاہئے جنہوں نے ناحق بات پر اپنے آباء کی تقلید چھوڑ دی اور دنیا میں حق وصداقت کا جھنڈا گاڑ کر اپنی اولاد کو وصیت کر دی۔ کہ میرے بعد اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ مجھے صرف ایک خدا سے علاقہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری منزل مقصود ہے جس پر مجھے وہ آخر تک لے چلے گا۔ میرے بعد یہی دلائل سن کر راہ حق کی طرف لوگ رجوع ہوتے رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وصیت کو لوگ بھول گئے اور ان کے مسلک کو چھوڑ بیٹھے۔ اللہ نے انہیں جو سامان عیش دیا۔ اسی کی مستی اور غفلت میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ انہیں کے سبق کو یاد دلاتے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اللہ نے انہیں کی اولاد میں ایسا لائق پیغمبر بھیجا۔ جس نے روشن دلائل کے ساتھ پیغام حق سنایا۔ اللہ کے احکام سے صاف طور پر آگاہ کیا۔

قرآن کو جادو بتلانے والے:.......... مگر ناہنجاروں نے قرآن کو جادو بتلایا اور پیغمبر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے شخص کے اوپر اترتا۔ یہ کیا کہ بڑے بڑے دولت مندوں کو چھوڑ کر ایک کنگال شخص کو نبوت کے لئے منتخب کیا؟

فرمایا کہ نبوت ورسالت کیا تمہارے گھر کی چیز ہے جو اس کے انتخاب پر بحث کر رہے ہو۔ نبوت ورسالت کا شرف تو بہت بڑی چیز ہے۔ ہم تو دنیاوی جاہ ومال بھی کسی کی تجویز سے نہیں بانٹتے۔ جسے چاہا ہم نے غنی کر دیا۔ جسے چاہا فقیر بنا دیا۔ ایک کو بے شمار دولت دے دی۔ ایک کو کنگال کر دیا۔ کسی کو تابع، کسی کو متبوع بنا دیا۔ پھر مال و دولت تو کوئی معیار کمال اور مدار شرافت نہیں۔ وہ تو نہایت حقیر چیز ہے۔ نہ تو اس کا دیا جانا اللہ سے قربت ونزدیکی کی دلیل ہے اور نہ اس سے محروم ہونا دوری کا سبب ہے۔ اگر تکوینی خاص مصالح نہ ہوتیں تو ہم کافروں کے مکانات کی چھتیں، دروازے، زینے، چوکھٹ اور تالے، تخت وچوکیاں سب ہی سونے چاندی کی بنا ڈالتے۔ لیکن اس صورت میں لوگ یہ سمجھ بیٹھتے کہ یہ چیزیں کفر کے سبب سے اور کافروں ہی کو ملتی ہیں۔ اس لئے عموماً لوگ کفر کا راستہ اختیار کر لیتے اور یہ بات مصلحت خداوندی کے خلاف ہوتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اگر دنیا کی قدر و قیمت ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیا جاتا۔ پس جو چیز اللہ کے نزدیک اس درجہ حقیر ہو اس کو نبوت کا معیار بنانا کہاں تک درست ہوگا۔

والاٰخرة عند ربك. یعنی دنیا کی بہار میں سب اچھے برے شریک ہیں۔ مگر آخرت کی نعمتیں متقیوں کے لئے مخصوص ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:.......... اور مشرکین کے لو لا انزل الخ کہنے سے شبہ نہ کیا جائے کہ ''بشریت اور نبوت'' میں منافات ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان کا ایک قول تو عقلی عقیدہ تھا اور ایک قول بر سبیل تنزل تھا۔ اور ''قریتین'' کی تخصیص اس لئے کی۔ کہ قرب وجوار میں اور کوئی شہر نہیں تھا۔ رہ گئے دیہات ان کو وہ اس قابل نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ سلیقہ میں کمی کے علاوہ مال وجاہ میں بھی شہریوں سے کم سمجھے جاتے تھے۔ اور اس آیت کے جوابی مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیاء کرامؑ میں دنیاوی وجاہت اور وقار کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ بقدر ضرورت انبیاءؑ میں وقعت وعزت کافی سمجھی جاتی ہے۔ یعنی عوام کی نظروں میں حقیر سمجھے نہ جائیں جو سبب بن جائے ان کی پیروی سے رکاوٹ کا۔

چنانچہ بخاریؒ کی روایت قصہ ہرقل کے یہ الفاظ ہیں۔ کذلک الرسل تبعث فی نسب قومها. اس سے زیادہ ترفع محض ہے اور جس جاہ کی مذمت آئی ہے اس سے یہی دوسرا مرتبہ ہے نہ کہ پہلا مرتبہ۔ کیونکہ ضروریات تو مطلوب ہوتی ہیں نہ کہ ممنوع۔

شبہ کا ازالہ:............ اورلولا ان یکون الناس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بہت سے لوگ تو بالیقین اب بھی یہی جانتے ہیں کہ کافر ہوجانے سے دنیا خوب مل سکتی ہے۔مگر پھر بھی ان کو اگر کوئی قتل بھی کردے تو تب بھی کسی قیمت پر کافر نہ ہوں گے۔

جواب یہ ہے کہ الناس سے تمام انسان مراد نہیں بلکہ اکثریت مراد ہے اور گو کفار عددی لحاظ سے اب بھی اکثر ہیں مگر مطلق اکثریت مراد نہیں۔ بلکہ قریب کل کے جو اکثریت ہو وہ مراد ہے۔یعنی اس طرح کہ مسلمان فی نفسہ بھی قلیل ہوتے۔سو الحمدللہ یہ بات نہیں ہے۔پس اس پر کوئی شبہ نہیں رہا۔

ومن یعش الخ جو شخص سچی نصیحت اور یاد الٰہی سے کنارہ کشی کرتا ہے۔اس پر شیطان خصوصی طور پر مسلط کردیا جاتا ہے۔جو اس کے دل میں ہروقت وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور دوزخ میں داخل کرا کے چھوڑتا ہے اور شیاطین اس کی راہ روکتے رہتے ہیں۔حتیٰ کہ ان کے پیروکاروں کی عقلیں ایسی مسخ ہوجاتی ہیں کہ بھٹکی ہوئی راہ ہی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں۔نیکی بدی کی تمیز بھی ان میں نہیں رہتی۔لیکن جب اللہ کے آگے پیشی ہوگی اس وقت حقیقت حال کھلے گی۔اس وقت حسرت وغصہ کی تصویر بن کر گمراہ انسان پکار اٹھے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا۔ایک لمحہ کے لئے بھی تیرا ساتھ نہ ہوتا۔کمبخت اب تو دور ہوجا۔انسان کا یہ برا ساتھی انسان بھی ہوسکتا ہے اور جن بھی۔

شبہات کا جواب:............ اور شیطان کی نسبت اگر یہ شبہ ہو کہ احادیث میں تو یہ ہے کہ ہر شخص پر ایک شیطان مسلط ہے۔پھر ومن یعش الخ کی کیا تخصیص؟ جواب یہ ہے۔کہ حدیث میں عام شیطان مراد ہے اور یہاں خاص قسم کا شیطان مراد ہے۔جس پر گمراہی ضرور مرتب ہوجائے۔نیز قرین سے مراد چونکہ ہروقت کا ساتھی ہے جو خاص ہے کفار کے ساتھ۔کیونکہ مومن کا شیطان ذکر اللہ کے وقت ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ومن یعش سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ حق و باطل دونوں جانتے تھے اور یحسبون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطل کو حق جانتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ اضطراراً تو حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتے تھے۔مگر جان بوجھ کر کچھ مصلحتوں کی خاطر باطل کو حق کہتے تھے اور باطل پر جمے ہوئے تھے اور من گھڑت مصلحتوں کو ضروری اور ان کی ضرورت کو حق جانتے تھے۔اور واقعی حق کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔جیسے: اہل غرض ضدی لوگوں کا طریق ہوتا ہے اور حتیٰ اذا جاء امرنا پر اگر یہ شبہ ہو کہ یہ پیشی قیامت کے روز ہوگی۔ حالانکہ حق و باطل مرتے ہی منکشف ہوجائے گا۔اور جواب یہ ہے کہ صرف آخرت کا مقدمہ مراد ہے۔اس لئے وہ بھی قیامت ہی میں شمار ہے۔قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ دونوں متحد ہیں۔

ولن ینفعکم الیوم. دنیا میں تو ایک دوسرے کو تکلیف میں دیکھ کر کچھ ڈھارس مل جاتی ہے اور کچھ مصیبت ہلکی ہوجاتی ہے۔ مگر دوزخ میں سب عذاب کے شریکوں کو دیکھ کر یہ فائدہ بھی نہیں ہوگا۔عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ ایسی معمولی باتوں سے کچھ کام نہیں چلے گا۔بلکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ اس نے مجھے عذاب میں ڈلوایا مگر خوب ہوا کہ خود بھی نہ بچا۔

ہدایت وگمراہی اللہ کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں:............ افانت تسمع الخ یعنی اندھوں کو حق کا راستہ دکھلا دینا۔ بہروں کو حق کی آواز سنوا دینا، گمراہی میں بھٹکے ہوؤں کو اندھیرے سے نکال کر سیدھی سچی راہ پر چلا دینا یقیناً آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔بلکہ خدا کے بس میں ہے۔وہ چاہے تو آپ کی آواز میں تاثیر پیدا کرسکتا ہے اس لئے آپ اس غم میں نہ رہیں کہ یہ سب حق کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کیجئے۔وہی ان کے کئے کی ان کو سزا دے گا۔خواہ آپ کے سامنے یا آپ کے بعد، کچھ بھی

ہو یہ ہمارے قابو سے نکل نہیں سکتے اور نہ ہم ان کو چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ کا کام تو وحی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور اپنا فریضہ بدستور انجام دیئے جانا ہے۔ دنیا کہیں جائے مگر آپ بفضل الٰہی سیدھے راستے پر ہیں۔ جس سے بال برابر ادھر ادھر ہونے کی ضرورت نہیں۔

وانہ لذکر لك الخ یعنی قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے خاص شرف و فضل کا موجب ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت وخوش نصیبی ہوگی۔ کہ اللہ کا آخری کلام اور انسانیت کی نجات وفلاح کا ابدی دستور العمل قومی زبان میں اترے اور تم اس کے اول مخاطب قرار پاؤ۔ آخرت میں اس نعمت کی پوچھ ہوگی۔ کہ اس نعمت کی کیا قدر ومنزلت کی گئی؟ اور اس فضیلت وشرف کا کیا شکر ادا کیا گیا ہے؟ پھر آپ کا راستہ کوئی نیا اور اجنبی نہیں ہے کہ لوگ بدکیں۔ بلکہ سابقہ انبیاء کی قدیم راہ ہے اور اس کی تحقیق واقعہ معراج میں انبیاء سے ملاقات کے وقت ہو چکی ہے۔ اسی طرح مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور دیگر ذرائع تحقیق وتفتیش سے بھی ہو سکتی ہے کہ شرک کی اجازت کسی بھی دین سماوی میں نہیں ہوئی۔

لطائف سلوک: .... وقالوا لولا انزل الخ منکرین اولیاء بھی اسی طرح ان کے نسبی شرف وجاہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ولایت کا انکار کر دیتے ہیں۔

ولولا ان یکون الناس الخ میں ترغیب ہے دنیا اور اس کی زینت وآرائش سے بچنے کی۔

ومن یعش الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر معصیت پر ظاہری سزا نہ بھی ہو تب بھی یہ ایک مستقل سزا ہے کہ برائیوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ گویا یہ قہر بصورت مہر ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ اَيِ الْقِبْطِ **فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۴۶﴾ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ** الدَّالَّةِ عَلٰى رِسَالَتِهٖ **اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ**﴿۴۷﴾ **وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ** مِنْ اٰيٰتِ الْعَذَابِ كَالطُّوْفَانِ وَهُوَ مَاءٌ دَخَلَ بُيُوْتَهُمْ وَوَصَلَ اِلٰى حُلُوْقِ الْجَالِسِيْنَ سَبْعَةَ اَيَّامٍ وَالْجَرَادُ **اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا** قَرِيْنَتِهَا الَّتِيْ قَبْلَهَا **وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ**﴿۴۸﴾ عَنْ كُفْرِهِمْ **وَقَالُوْا** لِمُوْسٰى لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ **يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ** اَيِ الْعَالِمُ الْكَامِلُ لِاَنَّ السِّحْرَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ عَظِيْمٌ **ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ** مِنْ كَشْفِ الْعَذَابِ عَنَّا اِنْ اٰمَنَّا **اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ**﴿۴۹﴾ اَيْ مُؤْمِنُوْنَ **فَلَمَّا كَشَفْنَا** بِدُعَاءِ مُوْسٰى **عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ**﴿۵۰﴾ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ وَيُصِرُّوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ **وَنَادٰى فِرْعَوْنُ** اِفْتِخَارًا **فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ** اَيْ مِنَ النِّيْلِ **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ** اَيْ تَحْتَ قُصُوْرِيْ **اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ**﴿۵۱﴾ عَظْمَتِيْ **اَمْ** تُبْصِرُوْنَ وَحِيْنَئِذٍ **اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا** اَيْ مُوْسٰى **الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ** ضَعِيْفٌ حَقِيْرٌ **وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ**﴿۵۲﴾ يُظْهِرُ كَلَامَهٗ لِلُثْغَتِهٖ بِالْجَمْرَةِ الَّتِيْ تَنَاوَلَهَا فِيْ صِغَرِهٖ **فَلَوْلَا** هَلَّا **اُلْقِيَ عَلَيْهِ** اِنْ كَانَ صَادِقًا **اَسَاوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ** جَمْعُ اَسْوِرَةٍ كَاَغْرِبَةٍ جَمْعُ سِوَارٍ كَعَادَتِهِمْ فِيْمَا يُسَوِّدُوْنَهٗ اَنْ يُّلْبِسُوْهُ اَسْوِرَةَ ذَهَبٍ وَيُطَوِّقُوْهُ طَوْقَ ذَهَبٍ **اَوْ جَآءَ مَعَهُ**

لہ نوٹ: مشہور قرأت میں لفظ "اَسَاوِرَۃٌ" کے بجائے "اَسْوِرَۃٌ" ہے لیکن تفسیر جلالین کا اعتبار کرتے ہوئے لفظ "اَسَاوِرَۃٌ" ہی برقرار رکھا گیا ہے ۱۲۔

الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ مُتَتَابِعِيْنَ يَشْهَدُوْنَ بِصِدْقِهٖ **فَاسْتَخَفَّ** اِسْتَفَزَّ فِرْعَوْنُ **قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ** فِيْمَا يُرِيْدُ مِنْ تَكْذِيْبِ مُوْسٰى **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ** ﴿۵۴﴾ **فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا** اَغْضَبُوْنَا **انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ** ﴿۵۵﴾ **فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا** جَمْعُ سَالِفٍ كَخَادِمٍ وَخَدَمٍ اَىْ سَابِقِيْنَ عِبْرَةً **وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ** ﴿۵۶﴾ بَعْدَهُمْ يَتَمَثَّلُوْنَ بِحَالِهِمْ فَلَا يُقْدِمُوْنَ عَلٰى مِثْلِ اَفْعَالِهِمْ **وَلَمَّا ضُرِبَ** جُعِلَ **ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا** حِيْنَ نَزَلَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ رَضِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ اٰلِهَتُنَا مَعَ عِيْسٰى لِاَنَّهٗ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ **اِذَا قَوْمُكَ** الْمُشْرِكُوْنَ **مِنْهُ** مِنَ الْمَثَلِ **يَصِدُّوْنَ** ﴿۵۷﴾ يَضِجُّوْنَ فَرَحًا بِمَا سَمِعُوْهُ **وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ** اَىْ عِيْسٰى فَنَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ اٰلِهَتُنَا مَعَهٗ **مَاضَرَبُوْهُ** اَىِ الْمَثَلَ **لَكَ اِلَّا جَدَلًا** خُصُوْمَةً بِالْبَاطِلِ لِعِلْمِهِمْ اَنَّ مَا لِغَيْرِ الْعَاقِلِ فَلَا يَتَنَاوَلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ **بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ** ﴿۵۸﴾ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ **اِنْ** مَا **هُوَ** عِيْسٰى **اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ** بِالنُّبُوَّةِ **وَجَعَلْنٰهُ** بِوُجُوْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَبٍ **مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** ﴿۵۹﴾ اَىْ كَالْمَثَلِ لِغَرَابَتِهٖ يُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا يَشَاءُ **وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ** بَدَلَكُمْ **مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ** ﴿۶۰﴾ بِاَنْ نُهْلِكَكُمْ **وَاِنَّهٗ** اَىْ عِيْسٰى **لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** تُعْلَمُ بِنُزُوْلِهٖ **فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا** اَىْ تَشُكُّنَّ فِيْهَا حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِلْجَزْمِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ وَقُلْ لَهُمْ **اتَّبِعُوْنِ** عَلَى التَّوْحِيْدِ **هٰذَا** الَّذِىْ اٰمُرُكُمْ بِهٖ **صِرَاطٌ** طَرِيْقٌ **مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۶۱﴾ **وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ** يَصْرِفَنَّكُمْ عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ **الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** ﴿۶۲﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ **وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ** بِالْمُعْجِزَاتِ وَالشَّرَائِعِ **قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ** بِالنُّبُوَّةِ وَشَرَائِعِ الْاِنْجِيْلِ **وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ** مِنْ اَحْكَامِ التَّوْرٰةِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَغَيْرِهٖ فَبَيَّنَ لَهُمْ اَمْرَ الدِّيْنِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** ﴿۶۳﴾ **اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۶۴﴾ **فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ** فِىْ عِيْسٰى هُوَ اللّٰهُ اَوِ ابْنُ اللّٰهِ اَوْ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ **فَوَيْلٌ** كَلِمَةُ عَذَابٍ **لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا بِمَا قَالُوْهُ فِىْ عِيْسٰى **مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ** ﴿۶۵﴾ مُؤْلِمٍ **هَلْ يَنْظُرُوْنَ** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ اَىْ مَا يَنْتَظِرُوْنَ **اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ** بَدَلٌ مِنَ السَّاعَةِ **بَغْتَةً** فَجْاَةً **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۶۶﴾ بِوَقْتِ مَجِيْئِهَا قَبْلَهٗ **اَلْاَخِلَّآءُ** عَلَى الْمَعْصِيَةِ فِى الدُّنْيَا **يَوْمَئِذٍۢ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ **بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۶۷﴾ الْمُتَحَابِّيْنَ فِى اللّٰهِ عَلٰى طَاعَتِهٖ فَاِنَّهُمْ اَصْدِقَاءُ

ترجمہ:..........اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء (قبطیوں) کے پاس بھیجا تھا۔ سو انہوں نے فرمایا کہ

میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے (جو ان کے رسول ہونے پر دلالت کرنے والی تھیں) تو وہ یکا یک ان پر لگے ہنسنے اور ہم ان کو جو نشانی دکھلاتے تھے (عذاب کی نشانیوں میں سے مثلاً: طوفان کا پانی ان کے گھروں میں داخل ہوا اور ایک ہفتہ تک بیٹھنے والوں کے گلے گلے آتا رہا۔ اسی طرح ٹڈیوں کا عذاب) تو وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی (جو اس سے پہلے آچکی ہوتی) اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آجائیں (اپنے کفر سے) اور وہ لوگ بولے (عذاب آنے پر حضرت موسیٰ سے) اے جادوگر! (ماہر کامل کیونکہ جادو ان کی نظر میں سب سے بڑا علم تھا) اپنے پروردگار سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو ہم سے عذاب اٹھالیا جائے گا) ہم ضرور راہ پر آجائیں گے (ایمان لے آئیں گے) پھر جب ہم نے (موسیٰ کی دعا سے) ان سے وہ عذاب ہٹالیا تب بھی انہوں نے عہد توڑ دیا (اپنے کفر پر بدستور جمے رہے) اور فرعون نے (فخریہ) اپنی قوم میں منادی کرائی، کہا اے میری قوم! کیا سلطنت مصر میری نہیں؟ اور یہ (دریائے نیل کی) نہریں (میرے محل کے) پائیں میں بہہ رہی ہیں۔ کیا تم (میری عظمت کو) دیکھتے نہیں ہو (یاد لیے رہے ہو) (اس صورت میں تو) میں بہتر ہوں اس (موسیٰ) سے جو گھٹیا درجہ کا ہے (کمزور حقیر ہے) اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا (قادر الکلام۔ اس لکنت کی وجہ سے جو بچپن میں ان کی زبان میں چنگاری رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی) سو اس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے (اگر وہ سچا تھا۔ اساور جمع اسورة کی جیسے اغربة اور اسورة جمع ہے سوار کی۔ امراء اپنی عادت کے مطابق سونے کے کنگن اور ہار پہنا کرتے تھے) یا فرشتے اس کے جلو میں پرے باندھ کر آئے ہوتے (اس کی سچائی کی تصدیق کرنے کے لئے) غرض (فرعون نے) اپنی قوم کو دبالیا (مغلوب کرلیا) سو وہ اس کے آگے جھک گئے (موسیٰ کی تکذیب کے سلسلہ میں) وہ لوگ تھے ہی شرارت کے بھرے ہوئے۔ پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ (برہم کر دیا) تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے ان کو افسانہ (سلف جمع سالف کی ہے جیسے خادم کی جمع خدمة آتی ہے۔ یعنی مقدمہ عبرت) اور نمونہ بنادیا آئندہ آنے والوں کے لئے (بعد کے لوگ ان کے حالات سے سبق لے کر ایسے کام نہیں کریں گے) اور جب ابن مریم کے لئے ایک مضمون بیان کیا گیا (جب یہ آیت نازل ہوئی۔ وما تعبدون من دون الله حصب جهنم تو مشرکین بولے کہ ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ کے ساتھ رکھے جائیں۔ کیونکہ ان کی بھی تو پرستش کی گئی ہے) تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ (مشرکین) چلانے لگے (اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ اس لئے ہم راضی ہیں کہ ہمارے معبود ان کے ساتھ رہیں) ان لوگوں نے (یہ بات) جو آپ سے بیان کی ہے تو محض جھگڑے کی غرض سے ہے (غلط بکواس ہے ورنہ یہ خوب جانتے ہیں کہ مـا غیر عاقل کے لئے آتا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ اس میں آتے ہی نہیں) بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو (بات کا تبنگڑ بنانے والے) عیسیٰ تو محض ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے (نبوت دے کر) فضل کیا تھا۔ اور ان کو (بلا باپ پیدا کر کے) بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا تھا (عجیب غریب مثال جس سے اللہ کی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوجاتا ہے) اور اگر ہم چاہتے تو (تمہاری بجائے) تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے کہ زمین پر وہ یکے بعد دیگرے رہا کرتے (ہم تمہیں ہلاک کر دیتے) اور وہ (عیسیٰ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں (ان کے نازل ہونے کے بعد قیامت آئے گی) تو تم لوگ اس میں تردد نہ کرو (تمترن اصل میں تمترون تھا نون رفع جزم کی وجہ سے اور واؤ التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے اس میں سکون کیا جاتا ہے) اور (ان سے فرمایئے) کہ تم میری پیروی کرو (توحید کے متعلق) یہ (جو میں تمہیں بتلا رہا ہوں) سیدھا راستہ (طریق) ہے اور تمہیں شیطان روکنے نہ پائے (اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کر دے) بلاشبہ وہ تمہارا صریح (کھلا) دشمن ہے۔ اور عیسیٰ جب معجزات لے کر آئے (نشانات واحکام) کہنے لگے تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں (نبوت اور احکام انجیل) اور تا کہ بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں (یعنی تورات کے دین وغیرہ کے احکام بیان کر دوں) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مان لو۔ بلاشبہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ سو اسی کی عبادت کرو یہی ہے سیدھی راہ۔ سو مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا (حضرت عیسیٰ کے متعلق کہ آیا وہ اللہ ہیں یا اس کے بیٹے ہیں یا منجملہ تین خداؤں کے ایک ہیں) سو ان ظالموں کے لئے (جو عیسیٰ کے متعلق کفریہ کلمات کہتے

ہیں) بڑی خرابی ہے ایک پر درد، دن کے عذاب سے، یہ لوگ (کفار مکہ) نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر قیامت کا کہ وہ دفعۃً ان پر آپڑے (ان تاتیھم الساعۃ سے بدل ہے) اوران کو (اس کے آنے کا پہلے سے) احساس بھی نہ ہو تمام دوست (دنیا میں گناہ کے ساتھی) اس روز (قیامت میں، اس کا تعلق اگلے جملہ سے ہے) ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، بجز اللہ سے ڈرنے والوں کے (جو اللہ کی اطاعت میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ وہ آپس میں سچے دوست ہوں گے۔)

تحقیق وترکیب: .... اذا ھم منھا. اذا مفاجاتیہ ہے۔

من ایۃ. تونشانیاں قوم موسیٰ کی مراد ہیں۔

الا ھی اکبر. اضافی بڑائی بھی مراد ہوسکتی ہے اور فی نفسہ نشانیوں کا بڑا ہونا بھی ہوسکتا ہے۔

من اختھا. جب دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں۔

یا ایھا الساحر. یہ ندا تعظیم کے لئے ہے۔ ساحر سے مراد عالم ماہر ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ یہ مذمت کے لئے نہیں کہا۔ اور یا خود کو بڑا سمجھتے ہوئے اس طرز سے گفتگو کی بہ نیت تحقیر۔

بما عھد. ما موصولہ ہے لیکن بیضاویؒ نے ما مصدریہ مانا ہے اور عہد سے مراد نبوت ہے اور مستجاب الدعوات ہونا یا عذاب کا موقوف ہو جانا مراد ہے۔

وھذہ الا نھار. واؤ عاطفہ ہے یا حالیہ ہے اور تجری حال ہے یا خبر۔

ام انا خیر. ام متصلہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس سے مقصود کسی چیز کی تعیین ہوتی ہے۔

یکادیبین. لثغہ کہتے ہیں کہ زبان سے سین کی بجائے ثاء اور راء کی بجائے غین نکلے یا لام یا یا نکلے یا کسی اور حرف کی بجائے اور حرف نکلے یا زبان حرف کی ادائیگی میں نہ اٹھ سکے اس میں ثقل ہو۔

اساور. سوار بروزن کتاب یا غراب ہے جمع اسورۃ اساور، اساورۃ آتی ہے۔

اسفرنا. اسف سے منقول ہے غضب ناک ہو جانا۔

فاغرقنا ھم. جس نیل پر فرعون فخر کرتا تھا آخر کار وہی اس کو لے ڈوبا۔ اور حضرت موسیٰ کو حقیر سمجھا مگر وہی غالب رہے۔

مثلا. یعنی جو خدا بے باپ پیدا کر سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اذا قومک. عبداللہ بن زبعری مراد ہے اور نام کی تصریح شاید اس لئے مناسب نہ سمجھی کہ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔

یصدون. شور مچانا۔

ءالھتنا. تحقیق ہمزتین اور بغیر الف درمیان میں لائے۔ ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کے ساتھ دونوں قراءتیں مشہور ہیں اور قرأت شاذہ صرف ایک ہمزہ کے ساتھ اور اس کے بعد الف ہے اس صورت میں خبر ہوگی۔

الاعبد. جواب کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ پر تو اللہ کا انعام ہے ان کو عذاب کیسے ہوگا۔

لجعلنا منکم. من بدلیہ ہے۔ جیسے ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ.

یخلفون. انسانوں کی بجائے فرشتے زمین میں خلیفہ ہوں یا فرشتے باہم ایک دوسرے کے خلیفہ ہوں یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ اسی طرح انسانوں سے فرشتے بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ فرشتے اللہ کی اولاد نہیں ہیں۔

لعلم للساعۃ. علم سے مجازاً علامۃ مراد ہے اور ابن عباسؓ نے علم مبالغہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔

ولا بین لکم. یہ عطف جملہ سے ہے۔ ای جئتکم بالحکمۃ لا بین لکم اور عام محذوف پر بھی عطف ہوسکتا ہے۔

ای جئتکم لا ذکر کم ولا بین کذا الیٰ کفار مکۃ.

تختلفون فیہ. یعنی دنیاودین کے مجموعی امور میں تم اختلاف کرتے ہو ان میں سے دین کو بتلانے کے لئے آیا ہوں۔

من بینھم. مفسرؒ نے فرقہ یعقوبیہ، مرقوسیہ، ملکانیہ کے عقائد کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے اور ایک فرقہ عیسائیوں کا صحیح العقیدہ بھی تھا اور یہودی حضرت عیسیٰؑ کو ولد الزنا کہتے تھے۔

الا خلاء. مفسرؒ کے مطابق اگر معصیت کی قید لگائی جائے تو پھر الا المتقون میں استثناء منقطع ہوگا اور مطلقاً دوستی مراد ہو تو پھر استثناء متصل ہو جائے گا۔

ربط آیات:......... گذشتہ آیات میں کفار کے اس خیال کی بھی تردید تھی۔ کہ انبیاء کے لئے دنیاوی عرفی وجاہت و دولت ضروری ہے۔ چنانچہ آیات ولقد ارسلنا موسیٰ الخ اور ولما ضرب ابن مریم الخ میں اس کی تائید کی جارہی ہے کہ یہ دونوں حضرات ہر چند کہ ان کے معیار کے مطابق نہیں تھے۔ مگر خدا کے فرستادہ تھے۔

شان نزول:......... توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں خصوصیت سے پیش نظر ہے۔ کفار کے ایک معاندانہ شبہ کا جواب ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے قریش سے شرک کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر. اس پر بعض لوگ بولے کہ اس عموم میں تو عیسیٰؑ بھی آتے ہیں کہ ان میں بھی خیریت نہیں۔ آخر عیسائی ان کی پرستش تو کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ ان کو نیک بندہ اور نبی مانتے ہیں۔ پس آپ کی ان دونوں باتوں میں تعارض ہو گیا۔ اس شبہ کے جواب میں بقول ابن عباسؓ یہ آیات ولما ضرب ابن مریم نازل ہوئیں۔

حاصل اعتراض یہ ہوا کہ ہمارے معبودوں میں اگر خیر نہیں تو حضرت عیسیٰؑ میں بھی خیر نہیں ہوگی۔ حالانکہ آپ ان کو خیر پر مانتے ہیں۔ پس ہمارے معبودوں کو بھی خیر پر ماننا پڑے گا؟ اور مشرکین کا مقصد اس معارضہ سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک آنحضرت ﷺ کے ابطال شرک کا جواب اور دوسرے حضرت عیسیٰؑ کی معبودیت سے شرک کی صحت ثابت کرنا ہے۔

مشہور شان نزول یعنی ابن زبعری کا اعتراض جیسا کہ مفسرؒ نے ذکر کیا اس لئے باعث اشکال ہے۔ کہ اس صورت میں آیت انکم وما تعبدون کا نزول مقدم ماننا پڑے گا۔ اور ولما ضرب ابن مریم کا نزول مؤخر۔ حالانکہ تفسیر اتقان میں سورۂ زخرف کو سورۂ انبیاء سے پہلے نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن پہلی تقریر پر اشکال لازم نہیں آتا۔

تاہم مشہور شان نزول کی یہ توجیہ روایات ذیل قال ابن الزبعری اھذا لنا ولا لھتنا ام لجمیع الا مم فقال رسول اللہ ھو لکم ولا لھتکم ولجمیع الا مم فقال قد خصمتک ورب الکعبۃ الیست النصاریٰ المسیح والیھود یعبدون عزیزا. وبنو ملیح یعبدون الملئکۃ فان کان ھؤلاء فی النار فقد رضینا ان نکون نحن والھتنا معھم فسکت انتظار اللوحی فظنوا انہ الزمہ الحجۃ فضحکوا وارتفعت اصواتھم فظنوا ان محمد اصار مغلوبا بھذا الجدال کی بناء پر کی جاسکتی ہے کہ سورۂ زخرف اکثر آیات کے اعتبار سے سورۂ انبیاء سے پہلے نازل ہوئی ہوگی۔ اور اگر انکم وما تعبدون کا نزول پہلے مان لیا جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ما کا استعمال غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے بت مراد ہیں۔ فرشتے اور حضرت عیسیٰؑ اس میں داخل نہیں ہیں۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ کیونکہ آپ نے جواب ارشاد فرمایا تھا کہ بل ھم عبدو الشیاطین التی امرتھم بذلک.

﴿تشریح﴾: .... فلما جاءھم بآیاتنا. یعنی دوسرے دلائل برنگ عقوبت ہم نے ظاہر کئے۔ جن کا بیان آیت و لقد اخذنا اٰل فرعون میں گزر چکا ہے۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر پھر بھی ان کا مذاق اڑایا کہ یہ تو محض معمولی واقعات ہیں۔ قحط وغیرہ حوادث دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ مقامی قرائن سے ان کا عجیب اور خارق عادت ہونا معلوم تھا۔ مگر پھر بھی ایک سے ایک بڑھ کر نشانات کا مذاق اڑاتے رہے، یہ بطور محاورہ کے فرمادیا۔ ورنہ سب نشانیاں بڑی تھیں۔ اور اگر تفاصیل جزئی کا خیال کیا جائے تو عرفی صحت کی بجائے صحت عقلی کے اعتبار سے بھی کہنا صحیح ہوگا۔ وہ نشانات جن کا ذکر فارسلنا علیھم الطوفان و الجراد میں آچکا ہے۔ ایک طرف وہ دلائل نبوت تھے اور دوسری طرف نہ ماننے والوں کے لئے عقوبت وسزا بھی۔

وقالوا یا ایھا الساحر. ممکن ہے بعض نشانیاں جو صورۃً چھوٹی تھیں ان کو دیکھ کر ہنسی کی ہو اور بڑی نشانیاں دیکھ کر گڑ گڑانے لگے ہوں یا شروع میں سب کا مذاق اڑایا ہو اور بعد میں ان کے شدید و مدید ہونے پر منت خوشامد کرنے لگے ہوں۔ اور حضرت موسیٰ کو ساحر کہنا یا تو ماہر کے معنی میں ہو اور یا بدحواسی میں زبان پر چڑھا ہوا لفظ منہ سے نکل گیا ہو۔

فرعون کی ڈینگیں: .... ونادیٰ فرعون. اپنی کوتاہ نظری سے فرعون دنیاوی طمطراق کو لازمہ نبوت سمجھ بیٹھا اور حضرت موسیٰ کو بھی اس پیمانہ سے ناپنا چاہا اور اپنے خوشامدیوں کے آگے ڈینگیں ماریں۔ کہ یہ دیکھو مصر کی ساری باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہے اور یہ نہریں میری بنائی ہوئی ہیں۔ جو دریائے نیل سے نکالی گئی تھیں اور موسیٰ کے پاس کیا دھرا ہے کہ تم لوگ اس کے آگے گردنیں جھکاؤ، نہ اس کے پاس روپیہ پیسہ، نہ حکومت وعزت اور نہ دوسرا کوئی ظاہری کمال حتیٰ کہ زبان بھی صاف نہیں کہ سلیقہ سے گفتگو کر سکے لیکن ہم خود بھی سونے کے کنگن پہنتے ہیں اور جس امیر، وزیر پر مہربان ہو جائیں اس کو بھی سونے کے کنگن پہنا دیتے ہیں اور فوج فرا بھی ہمارے اعزاز دیئے ہوئے امیر کبیر کے آگے صف بستہ کھڑی رہتی ہے۔ ایک یہ موسیٰ ہیں کہ ان کو یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں۔ پھر کس برتے پر نبوت کا دعویدار ہے۔ غرض کہ اس طرح کی پُرفریب باتوں سے فرعون نے سب کو الّو بنا دیا۔ اس کی قوم کے لوگ پہلے ہی سے نافرمان تھے۔ اب اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوگیا۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو خدائی انتقام حرکت میں آ گیا اور اسی نیل میں غرقاب کر دیا گیا جس پر اس کو ناز تھا۔ اب دنیا کے لئے یہ عظیم قوم محض ایک افسانہ عبرت بن کر رہ گئی۔

سلفاً. یعنی خاص طور سے متقدین کے لئے۔ یعنی ان کا قصہ بیان کر کے لوگ عبرت دلاتے ہیں کہ دیکھو متقدمین میں ایسے ایسے مجرمین ہوئے ہیں جن کا یہ حال ہوا ہے۔ اور فرعون کا لا یکاد یبین کہنا یا تو نری غلط بیانی ہے اور اگر کچھ روانی میں کمی ہوگئی یا زبان میں کچھ بستگی کا کچھ اثر رہ گیا ہو تو وہ منافی کمال نہیں۔ جس کو اس نے بڑھا چڑھا کر رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے۔

بھانت بھانت کی بولیاں: .... ولما ضرب ابن مریم. حضرت عیسیٰ کا جب ذکر آتا۔ تو مشرکین عرب قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے۔ شان نزول کے ذیل میں ان کے جن دو مقصودوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں ان دونوں کا جواب ہے۔ پہلی بات کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ خیریت کی نفی میں جس سے شرک کا باطل کرنا مقصود ہے مقتضی ہے غیر اللہ کے معبود ہونے کو، لیکن مانع کی ماجودگی میں مقتضی کا اثر نہیں رہا تھا اور حضرت عیسیٰ میں مانع موجود ہے۔

اور اعتراض کے دوسرے حصہ کا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی معبودیت اس لئے حجت ہے۔ کہ اس کا کوئی صحیح منشاء نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خود حضرت عیسیٰ کے خلاف ہیں اور جن باتوں سے پرستش کرنے والوں کو اشتباہ یا مغالطہ ہو سکتا تھا ان کا جواب دے دیا۔

بہر حال حضور ﷺ کا منشاء انکم وما تعبدون سے وہ چیزیں تھیں جن کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔ مگر وہ خود اس پرستش سے

لوگوں کو نہ روکتے ہیں اور نہ اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ مگر کٹ حجتی کرنے والوں کا مقصد ہی حق کو رلانا اور جھگڑے نکالنا ہوتا ہے۔

کچھ اسی ایک مسئلہ میں نہیں بلکہ ہر سیدھی بات کو بھی جھگڑالو، اینچ پینچ میں ڈال دیتے ہیں اور دور از کار مہمل بحثیں لا کھڑی کر دیتے ہیں۔ بھلا کہاں شیاطین جو لوگوں سے پرستش کرا کر خوش ہوتے ہیں یا پتھر وغیرہ کی بے جان مورتیاں جو کفر وشرک سے کسی کو باز رکھنے پر اصلاً قادر نہیں اور کہاں حضرت عیسیٰؑ یا حضرت عزیرؑ جیسے پاک طینت جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا۔ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا۔ جنہیں خود بھی اپنی بندگی کا اقرار تھا۔ اور دوسروں کو بھی ہمیشہ اسی کی دعوت دیتے رہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

قران کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا۔ اس کا تمام تر زور ہی اس کے خلاف ہے اور نہ یہ کہ محض چند بیوقوفوں کے کسی کو معبود بنا لینے سے خدا کے ایک برگزیدہ مقبول بندے کو پتھروں یا شریروں کے برابر کر دے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے: .... رہا حضرت عیسیٰؑ کا بن باپ پیدا کرنا۔ سو اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔ اللہ چاہے تو تمہاری نسل سے فرشتے پیدا کر دے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں فرشتوں کے سے آثار تھے لیکن اتنی سی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں کو لا کر اللہ زمین پر بسا دے، آباد کر دے۔ اسے سب کچھ قدرت ہے۔ ان ھو الا عبد سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا۔ پہلی بات کا تو اس طرح کہ حضرت عیسیٰؑ پر چونکہ اللہ کا انعام ہے اس لئے وہ خیریت سے خالی نہیں ہو سکتے۔ اس مانع کے ہوتے ہوئے وہ مقتضی یعنی غیر اللہ کا معبود ہونا مؤثر نہیں ہوا۔ خیرت کی نفی میں۔ برخلاف شیاطین اور بتوں کے وہاں غیر مانع کے مقتضی موجود ہے۔ بلکہ شیاطین میں خیرت نہ ہونے کا ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے یعنی ان کا کفر۔

خلاصہ یہ کہ ان کے فرضی خداؤں کا خیریت پر نہ ہونا حضرت عیسیٰؑ کے خیرت پر نہ ہونے کو مستلزم نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خیریت پر ہونا ان کے معبودوں کے خیریت پر ہونے کو مستلزم نہیں۔

اسی طرح دوسری بات کا جواب بھی اس طرح نکل آیا کہ مطلق خیریت الوہیت کو مستلزم نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ باوجود منعم علیہ اور باخبر ہونے کے خدا کے بندے تھے۔ بلکہ ان کی خیریت کی بناء پر ہی ان پر اللہ کا انعام تھا۔ رہ گیا لوگوں کا ان کی پرستش کرنا، اس سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال اس لئے غلط ہے۔ کہ اس کا کوئی صحیح منشاء نہیں تھا۔ محض جہلاء کو ان کے بلا باپ پیدا ہونے سے اشتباہ ہو گیا۔ ورنہ صحیح الفکر لوگ اس وقت بھی کسی مغالطہ میں نہیں پڑے تھے۔ سو فی نفسہ بغیر باپ پیدا کرنا بھی اس بدعقیدگی کا صحیح منشاء نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی حکمتیں: .... ایسی پیدائش مختلف حکمتوں کے پیش نظر ہوئی۔ مثلاً: خدائی قدرت مطلقہ پر استدلال کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والے کی الوہیت پر استدلال کرنا انتہائی عنادت و بلادت کی بات ہے۔ وہ تو انسانوں سے فرشتے بھی پیدا کر سکتا ہے اور پھر ان فرشتوں کی موت بھی انسانوں کی طرح ہو سکتی ہے اور یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے۔ کیونکہ آدمؑ وحواؑ کی پیدائش تو ان سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن فرشتوں کی پیدائش ووفات انسانوں کی طرح کبھی بھی نہیں ہوئی۔ مگر اللہ اس پر بھی قادر ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی یہ پیدائش منشاء عبادت نہیں ہو سکتی۔ علیٰ ہذا حضرت عیسیٰؑ کی اس طرح پیدائش میں دوسری حکمت یہ ہے کہ وہ قیامت کے یقینی ہونے کا ایک ذریعہ ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش خاص طور پر بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت تھی۔ کہ اللہ نے عجیب وغریب خوارق دکھلائے اور دوسری مرتبہ ان کا نزول قیامت کا نشان ہوگا۔ وہ قریبی علامات قیامت ہیں۔ لوگ سمجھ جائیں گے کہ قیامت اب بالکل قریب آ لگی ہے۔ نیز قیامت کو لوگ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ہی تو بعید سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ دنیا میں آنا ہی تو خلاف عادت ہوگا۔ اس سے قیامت کا پکا یقین ہو جائے گا۔

مشرکین توحید کی طرح چونکہ قیامت کے بھی منکر تھے۔اس لئے اس دوسری حکمت میں جملہ معترضہ کے طور پر اس کی فہمائش اور تائید بھی ہوگئی۔غرض کہ ان دونوں عقائد میں بلکہ جملہ عقائد واعمال میں آنحضرت ﷺ کی پیروی کا حکم ہے کہ یہی سیدھی راہ ہے اس کے خلاف شیطانی راہ ہے جو انسان کا کھلا دشمن ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے یہود کی اصلاح فرمائی:.......... ولما جاء عیسیٰ. یہود میں چونکہ سرکشی زیادہ تھی۔ممکن ہے انہوں نے بعض حلال چیزوں کو حرام اور بعض حرام چیزوں کو حلال کرلیا ہو اور بعض احکام بحالہ رہنے دیئے ہوں۔اس لئے حضرت عیسیٰؑ نے تشریف لا کر انہی محرف احکام کو بیان فرمایا ہو یا بقول حافظ ابن کثیرؒ دنیاوی اور دینی احکام میں سے صرف دینی احکام کو بیان فرمایا ہو۔جیسا کہ انبیاء کا عام طریقہ ہوتا ہے دنیاوی احکام سے تعرض نہیں کیا۔

هذا صراط مستقيم. یہ تھا حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کا خلاصہ جس میں توحید واطاعت پر زور دیا گیا ہے۔اس لئے ان کے نام لیواؤں میں سے بعض نادانوں کے مشرکانہ طرز عمل سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال کرنا ''مدعی سست گواہ چست'' کا مضمون ہوگا۔

عیسائیوں کی چار جماعتیں:.......... فاختلف الاحزاب. حضرت عیسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں اختلاف ہوگیا۔یہود ان کے منکر اور عیسائی ان کے قائل ہوگئے۔پھر آگے چل کر عیسائیوں میں بھی پھوٹ پڑگئی۔تین فرقوں میں بٹ گئے۔ایک حضرت عیسیٰؑ کو تین خداؤں میں سے ایک کہتا ہے۔اور کوئی خدا کا بیٹا مانتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے۔غرض کہ ان میں سے ایک بھی عیسوی تعلیم پر برقرار نہیں رہا۔اتنی واضح تعلیم کے بعد جب یہ راہ راست پر نہیں آئے۔تو بس معلوم ہوتا ہے کہ آپ قیامت کے بگل کا انتظار کر رہے ہیں۔جب کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔اس روز کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔سب دوستیاں اور محبتیں ختم ہوجائیں گی۔کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔بلکہ بری دوستی پر انسان پچھتائے گا۔البتہ اللہ کے لئے دوستی یقیناً کام آئے گی۔

وَيُقَالُ لَهُمْ **يٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** نَعْتٌ لِعِبَادِىْ **بِاٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ** مُبْتَدَأٌ **وَاَزْوَاجُكُمْ** زَوْجَاتُكُمْ **تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾** تُسَرُّوْنَ وَتُكْرَمُوْنَ خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ **يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ** بِقِصَاعٍ **مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ** جَمْعُ كُوْبٍ وَهُوَ اِنَاءٌ لَاعُرْوَةَ لَهٗ لِيَشْرَبَ الشَّارِبُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ **وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ** تَلَذُّذًا **وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ** نَظَرًا **وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِىْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا** اَىْ بَعْضَهَا **تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾** وَمَا يُوْكَلُ يُخْلَفُ بَدَلَهٗ **اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ** يُخَفَّفُ **عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾** سَاكِتُوْنَ سُكُوْتَ يَاْسٍ **وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ** هُوَ خَازِنُ النَّارِ **لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ** لِيُمِتْنَا **قَالَ** بَعْدَ اَلْفِ سَنَةٍ **اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾** مُقِيْمُوْنَ فِى الْعَذَابِ دَائِمًا قَالَ تَعَالٰى **لَقَدْ جِئْنٰكُمْ** اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ **بِالْحَقِّ** عَلٰى لِسَانِ الرُّسُلِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ

اَحۡکَمُوۡا **اَمۡرًا** فِیۡ کَیۡدِ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ **فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ** ﴿۷۹﴾ مُحۡکِمُوۡنَ کَیۡدَنَا فِیۡ اِهۡلَاکِهِمۡ **اَمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰهُمۡ** مَا یُسِرُّوۡنَ اِلٰی غَیۡرِهِمۡ وَمَا یَجۡهَرُوۡنَ بِهٖ بَیۡنَهُمۡ **بَلٰی** نَسۡمَعُ ذٰلِكَ **وَرُسُلُنَا** الۡحَفَظَةُ **لَدَیۡهِمۡ** عِنۡدَهُمۡ **یَکۡتُبُوۡنَ** ﴿۸۰﴾ ذٰلِكَ **قُلۡ اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ** فَرۡضًا **فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ** ﴿۸۱﴾ لِلۡوَلَدِ لٰکِنۡ ثَبَتَ اَنۡ لَا وَلَدَ لَهٗ تَعَالٰی فَانۡتَفَتۡ عِبَادَتُهٗ **سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ** الۡکُرۡسِیِّ **عَمَّا یَصِفُوۡنَ** ﴿۸۲﴾ یَقُوۡلُوۡنَ مِنَ الۡکِذۡبِ بِنِسۡبَةِ الۡوَلَدِ اِلَیۡهِ **فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا** فِیۡ بَاطِلِهِمۡ **وَیَلۡعَبُوۡا** فِیۡ دُنۡیَاهُمۡ **حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ** ﴿۸۳﴾ فِیۡهِ الۡعَذَابَ وَهُوَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَةِ **وَهُوَ الَّذِیۡ** هُوَ **فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ** بِتَحۡقِیۡقِ الۡهَمۡزَتَیۡنِ وَاِسۡقَاطِ الۡاُوۡلٰی وَتَسۡهِیۡلِهَا کَالۡیَاءِ اَیۡ مَعۡبُوۡدٌ **وَّفِی الۡاَرۡضِ اِلٰهٌ** وَکُلٌّ مِنَ الظَّرۡفَیۡنِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعۡدَهٗ **وَهُوَ الۡحَکِیۡمُ** فِیۡ تَدۡبِیۡرِ خَلۡقِهٖ **الۡعَلِیۡمُ** ﴿۸۴﴾ بِمَصَالِحِهِمۡ **وَتَبٰرَكَ** تَعَظَّمَ **الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا وَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ** مَتٰی تَقُوۡمُ **وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ** ﴿۸۵﴾ بِالتَّاءِ وَالۡیَاءِ **وَلَا یَمۡلِكُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ** یَعۡبُدُوۡنَ اَیِ الۡکُفَّارُ **مِنۡ دُوۡنِهِ** اَیِ اللّٰهِ **الشَّفَاعَةَ** لِاَحَدٍ **اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ** اَیۡ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ** ﴿۸۶﴾ بِقُلُوۡبِهِمۡ مَا شَهِدُوۡا بِهٖ بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَهُمۡ عِیۡسٰی وَعُزَیۡرٌ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ فَاِنَّهُمۡ یَشۡفَعُوۡنَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ **وَلَئِنۡ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ** حُذِفَ مِنۡهُ نُوۡنُ الرَّفۡعِ وَوَاوُ الضَّمِیۡرِ **فَاَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ** ﴿۸۷﴾ یُصۡرَفُوۡنَ عَنۡ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی **وَقِیۡلِهٖ** اَیۡ قَوۡلِ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَنَصۡبُهٗ عَلَی الۡمَصۡدَرِ بِفِعۡلِهِ الۡمُقَدَّرِ اَیۡ وَقَالَ **یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ** ﴿۸۸﴾ قَالَ تَعَالٰی **فَاصۡفَحۡ** اَعۡرِضۡ **عَنۡهُمۡ وَقُلۡ سَلٰمٌ** مِنۡکُمۡ وَهٰذَا قَبۡلَ اَنۡ یُؤۡمَرَ بِقِتَالِهِمۡ **فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ** ﴿۸۹﴾ بِالۡیَاءِ وَالتَّاءِ تَهۡدِیۡدٌ لَهُمۡ

ترجمہ: .... (اوران متقیوں سے فرمایا جائے گا کہ) اے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے۔ وہ بندے جو ایمان لائے (عبادی کی صفت ہے) ہماری آیات (قرآن) پر اور وہ فرمانبردار تھے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ (انتم مبتداء ہے) اور تمہاری بیویاں خوش بخوش ہوں گی (مسرت اور اکرام کے ساتھ یہ خبر ہے مبتداء کی) پیش کئے جائیں گے ان کے پاس سونے کے پیالے (بادیئے) اور گلاس (اکواب کوب کی جمع ہے ایسا برتن جس میں پکڑنے کا حصہ نہ ہو۔ تاکہ پانی پینے میں آزادی رہے) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا (مزے کے لئے) اور جن سے آنکھوں (نظر) کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ جنت ہے جس کے مالک تم بنا دیئے گئے اپنے اعمال کے عوض۔ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے (بعض کو) تم کھا رہے ہو (اور جو پھل کھاتے ہو اس کی جگہ دوسرا پھل پیدا ہو جاتا ہے) بے شک نافرمان ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔ ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس (چپ یاس میں ڈوبے ہوئے پڑے رہیں گے) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ مگر یہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے اے مالک! (داروغہ جہنم) تمہارا پروردگار ہمارا قصہ ہی ختم کر دے (ہمیں موت دے دے) وہ (ہزار سال بعد جواب دے گا) کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (دائما عذاب میں رہو گے حق تعالیٰ فرمائیں گے) ہم نے تمہارے پاس (مکہ والو) سچا دین پہنچایا (انبیاء

کے ذریعہ) مگر تم میں اکثر لوگ سچے دین سے نفرت رکھتے رہے۔ ہاں! کیا (مکہ کے کافروں نے) کوئی انتظام درست کیا (محمد ﷺ کے لئے سازش کے سلسلہ میں) سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کر رکھا ہے (ان کی تباہی کا فیصلہ کر دیا ہے) ہاں کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگرمیوں کو (جو دوسروں سے چپکے چپکے اور آپس میں کھلم کھلا مشورے کرتے ہیں) سنتے نہیں، کیوں نہیں! (ہم ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے جو فرشتے (محافظ) ان کے پاس ہیں وہ بھی لکھتے ہیں (یہ سب باتیں) آپ کہئے کہ اگر خدائے رحمٰن کے اولاد ہو (بالفرض) تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں (مگر چونکہ یہ ثابت ہے کہ اس کی اولاد نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت کا بھی کوئی سوال نہیں) آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش (کرسی) کا بھی مالک ہے۔ ان باتوں سے منزہ ہے جو لوگ بیان کر رہے ہیں (اولاد کی جھوٹی نسبت اس کی طرف کر رہے ہیں) تو آپ ان کو اسی شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں رہنے دیجئے۔ یہاں تک کہ ان کو اس دن سے سابقہ پڑے، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (کہ اس میں عذاب ہوگا یعنی روز قیامت) اور وہی ذات ہے (وہ) جو آسمانوں میں بھی قابل عبادت ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور پہلی ہمزہ گرا کر اور اس کی تسہیل کرتے ہوئے مثل یا کے یعنی معبود ہے) اور زمین بھی قابل عبادت ہے (فی السماء اور فی الارض دونوں ظرف الله سے متعلق ہیں) اور وہی بڑی حکمت والا ہے (مخلوق کی تدبیر میں) بڑا جاننے والا ہے (ان کی مصالح کو) اور وہ ذات بڑی عالی شان ہے (باعظمت) ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے سلطنت ثابت ہے اور اس کو قیامت کی خبر ہے (کہ کب آئے گی؟) اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (تا اور یا کے ساتھ ہے) اور جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں (کفار بندگی کرتے ہیں) اسی (اللہ) کے سوا وہ (کسی کے لئے) سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے۔ ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا تھا (یعنی لا الہ الا اللہ کا) اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے (دل سے اگرچہ زبان سے نہ کہا ہو۔ جن سے حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ اور فرشتے مراد ہیں۔ کیونکہ یہ سب مومنین کی سفارش کریں گے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو یہی جواب دیں گے۔ کہ اللہ نے (لیقولن سے نون رفع حذف کر دیا گیا ہے اور واؤ ضمیر حذف کر دیا گیا ہے) سو یہ لوگ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں (اللہ کی عبادت سے روگردانی کر رہے ہیں) اور اس کے رسول کے کہنے کی (یعنی آنحضرت ﷺ کے فرمانے کی اور قیل مصدر منصوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے یعنی قال کے سبب) کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) تو آپ ان سے بے رخ (بے توجہ) رہئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تمہیں سلام ہو (یہ جہاد کی اجازت سے پہلے کا حکم ہے) سو ان کو بھی معلوم ہو جائے گا (یاء اور تاء کے ساتھ ان کے لئے تہدید ہے۔)

تحقیق و ترکیب: ....یا عباد. یہ ندا جنتیوں کی تشریف و تکریم کے لئے ہوگی۔ جس میں چار باتیں ہوں گی خوف کی نفی، حزن کی نفی، جنت میں داخلہ، سرور کی بشارت، عاصمؒ کی قرأت میں یا عبادی فتحہ یا کے ساتھ اور ابن کثیرؒ و حفصؒ وصل و وقف دونوں حالتوں میں حذف یا کرتے ہیں اور باقی قراء یائے ساکنہ پڑھتے ہیں۔ اور لا خوف میں عام قراءت رفع اور تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ابن محیصنؒ بغیر تنوین کے حذف مضاف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

الذین آمنوا. عبادی کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہے، کیونکہ عبادی منادی مضاف ہے اور یا مدح کی وجہ سے منصوب ہے۔

تحبرون. یہ خبر ہے انتم مبتداء کی۔ اور ازواجکم اگر معطوف ہے ضمیر ادخلوا پر اور فصل کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے تو پھر تحبرون حال ہو جائے گا۔

بصحاف. کسائیؒ کہتے ہیں کہ سب سے بڑے بادیہ کو جفنہ کہتے ہیں۔ اس سے کم کو قصعہ کہتے ہیں۔ جس میں دس آدمی شکم سیر ہو جائے اور اس سے چھوٹے کو صحفہ کہتے ہیں جس میں پانچ آدمی سیر ہو جائیں۔ پھر اس سے چھوٹا میکلہ ہوتا ہے جس میں دو تین آدمی پیٹ بھر لیں۔

اکواب. کوب کہتے ہیں پیالہ کو جس میں پکڑنے کا حصہ نہ لگا ہو۔

تلك الجنة. یہ مبتداء خبر ہے۔ اور یا جنت کو صفت اور ''التی اور تتموھا'' کو خبر کہا جائے اور ''بما کنتم'' میں باسببیہ ہے۔ حدیث میں جو لن یدخل احدکم الجنة بعمله بل برحمة الله فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد مستقل سبب کی نفی ہے اور یہاں فی الجملہ عمل کو سبب کہا جا رہا ہے اور بعض نے با ملابستہ یا مقابلہ کے لئے مانی ہے اور بعض کے نزدیک دخول جنت تو فضل الٰہی سے ہوگا اور مراتب و درجات اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔ یا کہا جائے کہ عمل کا سبب ہونا بھی تو اللہ کی رحمت سے ہے۔

منها تاکلون. من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ تمام پھل کھائے جاتے ہیں۔ جنت کے پھل بارہ ماسی ہوں گے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

مبلسون. ابلاس کے معنی سکوت اور انقطاع حجت کے ہیں۔ شروع میں مایوس ہو کر جہنمی خاموش ہوں گے۔ لیکن بعد میں مجبور ہو کر پھر داروغہ جہنم کو پکاریں گے۔ ونادوا یا مالك. بہر حال قیامت کے طویل وقفہ میں مختلف حالات میں پیش آئیں گے۔

لقد جئنا کم. یہ مالک جہنم کے جواب کی وجہ سے بیان فرمائی گئی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلام بھی مالک ہی کا ہو۔

اکثر کم بمعنی کلکم لان للاکثر حکم الکل.

ابرموا. ابرام کہتے ہیں ڈورا بنانا، بٹنا لیکن مراد تدبیر اور مضبوطی ہے۔ ابرم الحبل. ڈبل کرنا۔

ان کان. یعنی بالفرض اگر اللہ کے اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کو مانتا اور لازم نہیں اس لئے ملزوم بھی نہیں۔ یہ قیاس استثنائی ہے۔ جس میں نقیض مقدم کا استثناء کیا گیا۔ جس کا نتیجہ نقیض تالی ہوتا ہے۔ یعنی چونکہ اس کے اولاد نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت کا بھی سوال نہیں۔ اس طرح ابلغ طریقہ پر اولاد کی نفی ہوگئی۔

رب السمٰوات. یعنی اللہ خالق عالم ہے اس لئے جسم نہیں۔ اگر جسم ہوتا تو عالم کی تخلیق نہ کر سکتا اور جب جسم نہیں تو اس کے لئے اولاد کا بھی سوال نہیں ہوتا۔ کیونکہ توالد و تناسل جسم کی شان ہے۔

فی السماء اورفی الارض کا مطلب ہے کہ عالم علوی، عالم سفلی سب کا معبود ہے۔ یہ دونوں لفظ ترکیب میں حال نہیں۔ بلکہ اللہ کے متعلق ہیں۔

ترجعون. نافعؒ، ابن عمرؒ، ابن عاصمؒ، ابن عامرؒ کی قراءت تا کے ساتھ بطور التفات کے اور باقی قراءؒ کے نزدیک یا کے ساتھ ہے۔

الا من شهد. یعنی فرشتے، حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ صرف شفاعت کریں گے۔ اور وہ بھی صرف مومنین کی گویا شافعین بھی خاص ہیں۔ اور مشفوع لہ بھی مخصوص نہ بت سفارشی ہوں گے اور نہ کفار کے حق میں سفارش ہوگی۔

الذین یدعون. سے مراد اگر عام ہے تو ''الا من شهد'' استثناء متصل ہے۔ اور اگر صرف بت مراد ہوں تو پھر استثناء منفصل ہوگا۔ مفسرؒ کا رجحان پہلے احتمال کی طرف ہے۔ یدعون صلہ ہے جس کا عائد محذوف ہے۔

وهم یعلمون. ضمیر ھم کا مرجع من ہے اور جمع کالانا بلحاظ معنی من ہے۔ تفسیری عبارت ھم عیسیٰ الخ میں بھی یہی توجیہ ہوگی۔

ولئن سالتهم. ضمیر جمع سے مراد عابدین اور معبودین سب ہیں۔

لیقولن الله. جواب قسم ہے اور حسب قاعدہ جواب شرط محذوف ہے لفظ اللہ فاعل ہے۔ جیسے دوسری آیت لیقولن خلقهن العزیز میں ہے۔ اس لئے مبتداء کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

فانی یؤفکون. یعنی تنہا خالق مان کر تنہا معبود ماننے سے انکار باعث تعجب ہے۔

وقیله. قیل بمعنی قول منصوب بناء بر مصدر ہے قول، قیل، قال، مقالة سب مصادر ہیں باہم مرادف۔ نداء اور اس کے بعد قیل کا معمول ہے۔

قیل سرهم ونجوٰهم پر عطف کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔ یا ''محل الساعة'' پر عطف کیا جائے۔ حمزہؒ اور عاصمؒ اس کو جر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں ''الساعة'' پر عطف ہو جائے گا۔ دوسری ترکیب اس وقت واؤ قسمیہ کی بھی ہو سکتی ہے اور جواب قسم یا محذوف ہے۔ ای لا فعلن بهم ما اریدیا ان هؤلاء قوم لا یؤمنون کو جواب قسم مانا جائے۔ (زمخشریؒ)

اعرج، ابوقلابہ، مجاہد، حسن اس کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ "علم الساعة" پر عطف کرتے ہوئے مضاف مقدر مان کر ای وعنده علم قیله۔ پھر حذف کر کے اس کو قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ یا کہا جائے کہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور جملہ "یارب ان هو لاء الخ" اس کی خبر ہے۔ یا خبر کو محذوف مانا جائے" ای وقیله وکیت وکیت مسموع اومتقبل" مفسر علامؒ "قول محمد" کہہ کر مضاف مضاف الیہ دونوں کی تفسیر کر دی اور " نصبه" کا مطلب نصب لام لام قبل ہے اور ضمیر پر رفع ہوگا۔

سلام. یہ سلام مشارکت ہے سلام تحیہ نہیں ہے۔ ترکیب میں یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی۔ ای امری سلام منکم. اگر اس سے مراد کفار سے نزاعی گفتگو سے روکنا ہو تو پھر آیت کو منسوخ کر کے ماننے کی ضرورت نہیں۔

ربط آیات:......... آیت الا خلاء یومئذ میں قیامت کے روز کفار کی باہمی دشمنی سے متقین کے استثناء کا ذکر تھا آیت یاعبادی الخ سے انہی کی بشارت کا بیان ہے۔

پھر آگے آیت لقد جئنا کم بالحق سے کفار کے جرائم کا تفصیلی اور سزا کا اجمالاً ذکر ہو رہا ہے۔ جرائم کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ شرک اور رسول کی نافرمانی۔ جرم شرک کے سلسلہ میں اور عذاب کی تائید کے لئے توحید کے مضامین بھی آ گئے اور رسول کی نافرمانی بلکہ دونوں مضامین کے تعلق سے بطور تسلی کفار سے بے تعلقی اور ان کے لئے شفاعت کا نہ ہونا تاکید عذاب کے لئے آ گیا۔

روایات:......... مقاتل کا بیان ہے کہ قیامت میں جب حق تعالیٰ یا عبادی الخ فرمائیں گے تو تمام اہل محشر سر اٹھا کر اوپر دیکھیں گے۔ فرمایا جائے گا" الذین آمنوا الخ" تو یہ سن کر دوسرے مذاہب والے گردنیں نیچی کر لیں گے۔

ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت نقل کی ہے دو قریشی اور ایک ثقفی یا ایک قریشی اور دو ثقفی کافر کعبہ اور غلاف کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ زور سے باتیں کرنے سے اللہ سن لیتا ہے آہستہ باتیں کرو کہ وہ نہیں سن سکتا۔ اس پر آیت ام تحسبون انا لا نسمع الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:......... الذین اٰمنوا باٰیتنا و کانوا مسلمین سے ایمان اور اسلام کا فرق معلوم ہوتا ہے اور اہل ایمان کے خوف وحزن نہ ہونے اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت، نافرمان مسلمانوں کو عذاب وسزا ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اور یہ چیزیں کلیات مشککہ ہیں۔ ایمان اکمل کی صورت میں فوراً جنت میں داخلہ ہو جائے گا اور مطلق ایمان کی صورت میں مطلقاً جنت میں داخلہ کا استحقاق ہوگا جو اہل سنت کا مسلک ہے۔

اور ثتموها. یعنی جنت تمہارے باپ کی میراث تمہیں واپس مل گئی۔ جو تمہارے اعمال کا نتیجہ اور ثمرہ ہے جس کا حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے۔ اعمال کی ظاہری سببیت بھی فضل الٰہی اور توفیق الٰہی کی محتاج ہے۔

منها تاکلون. جنت کے پھلوں کو چن چن کر کھاتے رہو۔ لیکن جنتیوں کے برخلاف دوزخیوں کو دائمی عذاب بھگتنا پڑے گا۔ جو نہ ہلکا ہوگا اور نہ ملتوی۔ دوزخی مایوس ہو جائیں گے۔ کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔

وما ظلمناهم. دنیا میں ہر طرح نرم گرم کر کے سمجھا دیا اور انبیاءؑ کے ذریعہ اتمام حجت کر دیا۔ کوئی معقول عذر نہیں چھوڑا۔ پھر بھی کوئی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے تو اس صورت میں سزا کو کون ناانصافی کہہ سکتا ہے۔

ونادوا. دوزخی چھٹکارہ پانے سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کریں گے۔ ہزار سال چلانے پر صرف یہ جواب ملے گا۔ کہ چلانے سے کوئی فائدہ نہیں چپ رہو۔ تمہاری اکثریت کا یہ حال تھا کہ تمہیں سچائی سے چڑھ تھی اور اندھوں کی طرح ناحق لوگوں کے پیچھے ہو لیتے تھے۔ اکثریت اس لئے کہا کہ بعض لوگ علم الٰہی کے مطابق ایمان لانے والے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض لوگ محض لوگوں کی دیکھا دیکھی ان کے پیچھے ہو لئے۔ پہلی صورت میں اعتقادی نفرت مراد ہوگی اور دوسری صورت میں طبعی کراہت۔ بہر صورت اس حق

سے روگردانی میں شرک اور معصیت رسول دونوں آ گئے۔ جس کی تفصیل ام ابرموا سے بیان ہو رہی ہے۔ کہ ہر چند انہوں نے پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں، تدبیریں کیں۔ مگر اللہ کی مخفی تدبیر نے سب کا تاروپود بکھیر دیا اور سارے منصوبے دھرے رہ گئے۔ جیسا کہ سورۂ انفال کی آیت اذیمکربك الذین میں گزر چکا ہے اللہ سب کے دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اور ان کے خفیہ مشورے بھی معلوم ہیں، اور انتظامی ضابطہ کے لحاظ سے ان کی مسل کی تیاری پر بھی فرشتوں کا عملہ لگا رہتا ہے۔ یہ ساری مسل قیامت میں پیش ہو جائے گی۔ اللہ کے بارے میں ان کا یہ گمان یا تو حقیقۃً ہوگا۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ یا کہا جائے کہ ان کی جرأت آمیز حرکتوں سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا سمجھتے ہیں۔ گویا حسبان سے مراد مجازی معنی ہیں۔ دو آدمیوں کے درمیان سرگوشی کو ''سر'' اور دو سے زائد کے درمیان سرگوشی کو ''نجویٰ'' کہا جاتا ہے۔

اللہ کے لئے اولاد کا عقیدہ:......... پیغمبر کی خلاف ورزی کے بعد آیت قل ان کان الخ سے شرک کا رد ہے۔ یعنی جس طرح تم فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ اسی طرح اگر بالفرض اللہ کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا۔ مگر سرے سے یہ بات ہی بے اصل و بے بنیاد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھے تمہاری طرح حق بات ماننے سے انکار نہیں۔ لیکن اولاد کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم ثابت کر دو تو پھر میری عبادت کا سوال بھی ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے لئے اولاد محال ہے۔ اس لئے غیر اللہ کی پرستش بھی محال۔ پس اس میں شرک کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ چونکہ معبودیت وجود کے واجب ہونے کے خواص میں سے ہے۔ اس لئے اللہ کی اولاد کے لئے واجب الوجود ہونا بھی لازم ہوتا۔ جس کی وجہ سے اولاد مستحق عبادت ہوتی۔ لیکن اولاد کا واجب الوجود ہونا محال ہے۔ اس لئے استحقاق عبادت بھی ناممکن اور شرک محال۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ فرشتوں یا حضرت عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کی پرستش واجب الوجود نہ ہونے کے باوجود نری حماقت و جہالت ہے۔

اور بعض حضرات نے عابد کے معنی جاحد کے لئے ہیں۔ یعنی میں سب سے پہلے اس فاسد عقیدہ کا منکر ہوں۔ اور بعض کے نزدیک ان نافیہ ہے۔ یعنی رحمٰن کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ مگر یہ کچھ زیادہ مضبوط توجیہ نہیں ہے اور بھی کچھ احتمالات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

فذرھم۔ غفلت وحماقت کے نشہ میں جو کچھ یہ بک رہے ہیں اس پر توجہ نہ کیجئے۔ چند روزہ عیش پر اترالیں۔ آخر وہ دن بھی آنے والا ہے۔ جس میں ان کی یہ سب خرمستیاں نکل جائیں گی اور ایک ایک گستاخی اور شرارت کا مزہ چکھایا جائے گا۔ چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو نصیحت وفہمائش بھی نہ کی جائے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ان کی مخالفت سے رنجیدہ نہ ہوجیے اور ایمان نہ لانے پر غمگین نہ ہوجیے۔ اسی کے ساتھ وظیفہ تبلیغ بدستور رکھئے اور ہر چند کہ نظر انداز کرنا موت تک ہوتا ہے۔ لیکن موت مقدمہ آخرت ہے اس لئے یوم موعود کہہ دیا۔

وھو الذی۔ زمین، آسمان، ساری کائنات کا اکیلا مالک اور اس عالم کون وفساد میں باختیار متصرف تنہا اللہ ہے۔ اس سے شرک کے جرم کو شدید بتلانا ہے اور یہ کہ اس کی سزا بھی انتہائی سخت ہوگی۔ کہ اللہ سے اوپر کوئی طاقت نہیں جو اس کے مجرم کو چھڑا سکے۔

الا من شھد۔ یعنی سفارش کرنے والے بھی اہل علم صالح ہوں گے اور جن کی سفارش ہوگی۔ وہ بھی اہل ایمان ہوں گے۔ نہ بت سفارش کے اہل اور نہ مشرک اس کے مستحق۔

فانٰی یؤ فکون۔ یعنی جب اللہ صرف خالق و مالک ہے۔ پھر دوسروں کی عبادت کیسی؟ گویا سارے مقدمات تسلیم مگر نتیجہ کا انکار۔

فاصفح۔ یعنی نہ ان کے زیادہ پیچھے پڑیے اور نہ غم کھائیے، فریضہ تبلیغ انجام دیتے رہیے اور ان کو اللہ کے حوالہ کیجئے۔ اور کہہ دیجئے کہ نہیں مانتے تو ہمارا اسلام۔

سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّقِيلَ اِلَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ الْآيَةُ وَهِيَ سِتٌّ اَوْسَبْعٌ اَوْ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ **الْمُبِيْنِ**﴿۲﴾ اَلْمُظْهِرِ لِلْحَلَالِ مِنَ الْحَرَامِ **اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ** هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ اَوْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَزَلَ فِيْهَا مِنْ اُمِّ الْكِتٰبِ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا **اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ**﴿۳﴾ مُخَوِّفِيْنَ بِهٖ **فِيْهَا** اَيْ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اَوْ لَيْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ **يُفْرَقُ** يُفْصَلُ **كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ**﴿۴﴾ مُحْكَمٍ مِنَ الْاَرْزَاقِ وَالْاٰجَالِ وَغَيْرِهِمَا الَّتِيْ تَكُوْنُ فِي السَّنَةِ اِلٰى مِثْلِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ **اَمْرًا** فَرْقًا **مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ**﴿۵﴾ الرُّسُلَ مُحَمَّدًا وَمَنْ قَبْلَهٗ **رَحْمَةً** رَاْفَةً بِالْمُرْسَلِ اِلَيْهِمْ **مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ** لِاَقْوَالِهِمْ **الْعَلِيْمُ**﴿۶﴾ بِاَفْعَالِهِمْ **رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا** بِرَفْعِ رَبُّ خَبَرٌ ثَالِثٌ وَبِجَرِّهٖ بَدَلٌ مِّنْ رَّبِّكَ **اِنْ كُنْتُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **مُّوْقِنِيْنَ**﴿۷﴾ بِاَنَّهٗ تَعَالٰى رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَيْقِنُوْا بِاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُهٗ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ**﴿۸﴾ **بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ** مِنَ الْبَعْثِ **يَّلْعَبُوْنَ**﴿۹﴾ اِسْتِهْزَاءً بِكَ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ قَالَ تَعَالٰى **فَارْتَقِبْ** لَهُمْ **يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ**﴿۱۰﴾ فَاَجْدَبَتِ الْاَرْضُ وَاشْتَدَّبِهِمُ الْجُوْعُ اِلٰى اَنْ رَاَوْا مِنْ شِدَّتِهٖ كَهَيْاَةِ الدُّخَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ **يَّغْشَى النَّاسَ** فَقَالُوْا **هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ**﴿۱۱﴾ **رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ**﴿۱۲﴾ مُصَدِّقُوْنَ بِنَبِيِّكَ قَالَ تَعَالٰى **اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى** اَيْ لَا يَنْفَعُهُمُ الْاِيْمَانُ عِنْدَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ **وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ**﴿۱۳﴾ بَيِّنُ الرِّسَالَةِ **ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ** اَيْ يُعَلِّمُهُ الْقُرْاٰنَ بَشَرٌ **مَّجْنُوْنٌ**﴿۱۴﴾ **اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ** اَيِ الْجُوْعِ عَنْكُمْ زَمَنًا **قَلِيْلًا** فَكَشَفَ عَنْهُمْ

اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِلٰی کُفْرِکُمْ فَعَادُوْا اِلَیْهِ اُذْکُرْ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰی هُوَ یَوْمُ بَدْرٍ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ مِنْهُمْ وَالْبَطْشُ الْاَخْذُ بِقُوَّةٍ وَلَقَدْ فَتَنَّا بَلَوْنَا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ مَعَهٗ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ هُوَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ كَرِیْمٌ ﴿۱۷﴾ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اَنْ اَیْ بِاَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ مَا اَدْعُوْکُمْ اِلَیْهِ مِنَ الْاِیْمَانِ اَیْ اَظْهِرُوْا اِیْمَانَکُمْ بِالطَّاعَةِ لِیْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ عَلٰی مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا تَتَجَبَّرُوْا عَلَی اللّٰهِ بِتَرْکِ طَاعَتِهٖ اِنِّیْٓ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ بُرْهَانٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ بَیِّنٍ عَلٰی رِسَالَتِیْ فَتَوَعَّدُوْهُ بِالرَّجْمِ فَقَالَ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ بِالْحِجَارَةِ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ تُصَدِّقُوْنِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَاتْرُکُوْا اَذَی اَیْ فَلَمْ یَتْرُکُوْهُ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ اَیْ بِاَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ مُشْرِکُوْنَ فَقَالَ تَعَالٰی فَاَسْرِ بِقَطْعِ الْهَمْزَةِ وَوَصْلِهَا بِعِبَادِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ یَتْبَعُکُمْ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ اِذَا قَطَعْتَهٗ اَنْتَ وَاَصْحَابُكَ رَهْوًا سَاكِنًا مُتَفَرِّجًا حَتّٰی تَدْخُلَهُ الْقِبْطُ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَاطْمَاَنَّ بِذٰلِكَ فَاُغْرِقُوْا كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ بَسَاتِیْنَ وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ تَجْرِیْ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ مَجْلِسٍ حَسَنٍ وَّنَعْمَةٍ مُتْعَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ نَاعِمِیْنَ كَذٰلِكَ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ اَیِ الْاَمْرُ وَاَوْرَثْنٰهَا اَیْ اَمْوَالَهُمْ قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَبْکِیْ عَلَیْهِمْ بِمَوْتِهِمْ مُصَلَّاهُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَمَصْعَدُ عَمَلِهِمْ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾ مُؤَخَّرِیْنَ لِلتَّوْبَةِ

ترجمہ: ....سورۂ دخان مکیہ ہے اور بعض کے نزدیک آیت کاشفوا العذاب مکیہ نہیں۔ کل آیات ۵۶ یا ۵۷ یا ۵۹ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حٰمٓ (اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے اس کتاب (قران) واضح کی (جو حلال وحرام بتلانے والی ہے) کہ ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے (شب قدر مراد ہے یا شب برأت جس میں قرآن پاک ساتویں آسمان دنیا پر نازل ہوا ہے) ہم آگاہ کرنے والے (ڈرانے والے) ہیں اس (شب قدر یا شب برات) میں ہر حکمت والا معاملہ طے (فیصلہ) کیا جاتا ہے (روزی، موت وغیرہ کے۔ حالات جو اگلے سال کی اسی شب تک طے کیجئے جاتے ہیں) ہماری پیشی سے حکم ہوکر۔ ہم پیغمبر بنانے والے ہیں (محمد ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء کو) اپنی رحمت کی وجہ سے (جو پیغمبر کی قوموں پر ہوئی ہے) جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے وہ (ان کی باتوں کو) بڑا سننے والا (ان کے کاموں کو) بڑا جاننے والا ہے جو کہ مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان میں ہے۔ (رب اگر مرفوع ہے تو تیسری خبر ہوگی اور مجرور ہونے کی صورت میں ربک کا بدل ہوگا) اگر تم (مکہ والو) یقین لانا چاہو (کہ اللہ آسمان وزمین کا رب ہے تو یہ بھی یقین رکھو کہ محمد اس کے رسول ہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی۔ بلکہ یہ (قیامت کے معاملہ میں) شک میں ہیں، بیکار باتوں میں پڑے ہوئے ہیں (آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے قوم یوسف کی طرح قحط سالی کی بددعا فرمائی۔

جس کو حق تعالیٰ نے منظور فرمالیا) سو آپ (ان کے لئے) انتظار کیجئے اس روز کا کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو (چنانچہ زمین میں سوکھا پڑا اور فقر وفاقہ زیادہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ اس کی شدت سے زمین وآسمان کے درمیان دھوئیں کی طرح ترمرے نظر آنے لگے) جو سب لوگوں کو گھیر لے (تو کہنے لگے) یہ ایک دردناک سزا ہے اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے (آپ کے پیغمبر کی تصدیق کریں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) ان کو نصیحت کب ہوتی ہے؟ یعنی عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا) حالانکہ ان کے پاس کھلے طور پر رسول آیا (جن کی رسالت واضح ہے) پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ یہ پڑھایا ہوا ہے (قرآن کسی انسان نے ان کو سکھلایا ہے) دیوانہ ہے، ہم (بھوک کے) عذاب کو ہٹائیں گے کچھ روز (چنانچہ یہ عذاب ہٹ گیا) تم پھر اسی حالت پر (سابقہ کفر کی طرف) آجاؤ گے (یاد کیجئے) جب ہم بڑی سخت پکڑ کریں گے (مراد جنگ بدر ہے) ہم بدلہ لے لیں گے (ان سے۔ اور بطش کہتے ہیں سخت پکڑ کو) اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو (فرعون سمیت) آزمایا اور ان کے پاس ایک پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) تشریف لائے۔ جو (اللہ کے نزدیک) معزز تھے کہ میرے کہنے پر چلو (جس ایمان کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں، امانت دار ہوں اس کو پورا کرو میری فرمانبرداری کر کے) اے اللہ کے بندو! میں تمہارے پاس رسول ہو کر آیا ہوں، امانت دار ہوں (پیغام پہنچانے میں) اور تم سرکشی (ظلم) نہ کرو اللہ پر (اس کی نافرمانی کر کے) میں تمہارے سامنے ایک واضح (کھلی) دلیل پیش کرتا ہوں (اپنی رسالت پر۔ اس پر مشرکین نے آپ پر پتھراؤ کرنے کی دھمکی دی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) میں اپنے آپ کو اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے (میری تصدیق نہیں کرتے) تو تم مجھ سے الگ ہی رہو (میرے درپئے آزار نہ ہو لیکن وہ بدستور درپئے آزار رہے) تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں (مشرک ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ) تو اب لے کر چلئے (لفظ اسر ہمزہ قطعی کے ساتھ اور ہمزہ وصلی کے ساتھ ہے) میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو راتوں رات، بلاشبہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا (فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے) اور تم اس دریا کو چھوڑ دینا (جب آپ اور آپ کے ساتھی پار ہو جائیں گے) سکون کی حالت میں (کہ پانی میں راستے بنے رہیں تاکہ قبطی اس میں داخل ہو سکیں) ان کا سارا لشکر ڈبویا جائے گا (حضرت موسیٰ اس پر مطمئن ہو گئے اور لشکر فرعون غرقاب ہو گیا) ان لوگوں نے کتنے باغات چھوڑے اور چشمے (رواں) اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات (آراستہ مجلسیں) اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش (مگن) رہا کرتے تھے، اسی طرح ہوا (یہ خبر ہے مبتداء محذوف الامر کی) اور ہم نے (ان کے اموال کا) وارث بنا دیا دوسری قوم (بنی اسرائیل) کو سو نہ ان پر آسمان و زمین کو رونا آیا (برخلاف مسلمانوں کے ان کی موت پر ان کے نماز پڑھنے کی جگہ زمین میں اور اعمال چڑھنے کی جگہ آسمان میں روتی ہے) اور نہ ان کو مہلت (توبہ کے لئے ڈھیل) دی گئی۔

تحقیق وترکیب: .... **لیلۃ القدر**۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ لیلہ مبارکہ اور لیلۃ القدر کے درمیان اکتالیس راتیں ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ آیت **انا انزلناہ فی لیلۃ القدر** اور آیت **شھر رمضان الذی الخ** کی وجہ سے، کیونکہ اکثریت کے مطابق لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔ گویا اولی نزول پورے قرآن کا شب قدر میں ہوا اور پھر بقدر ضرورت نزول کا سلسلہ تیئس سال رہا۔ یا نزول وحی کی شروعات شب قدر سے ہوئی اور اختتام آخر عمر تک ہوا۔ اس رات کی دوسری بے شمار برکتوں میں سب سے بڑی برکت قرآن کا نزول ہے۔ لیلہ مبارکہ کا مصداق شب برأت کو ماننا بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا رمضان میں نزول منصوص ہے اور وہ حدیث جس میں شب شعبان کو فیصلوں کی رات فرمایا گیا ہے مرسل ہے۔ جو نص قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ عکرمہؓ اور ایک جماعت کی رائے شب برأت کے متعلق ہے۔ کیونکہ اس کو لیلہ مبارکہ، لیلہ برأت، لیلہ رحمۃ، لیلۃ الصک فرمایا گیا

ہے۔اوراس میں عبادت کی فضیلت آئی ہے۔

فیھا یفرق. یہ جملہ مستانفہ ہے یا لیلۃ کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔حسنؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں پورے سال کا چارٹر تیار کردیا جاتا ہے۔

امرا من عند نا. انزلناه کے فاعل سے حال ہے یا مفعول سے حال ہے۔ای انزلناه امرین او ما مورا به اورمفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔انزلناه یا منذرین یایفرق سے اوریفرق کا معنی مصدر بھی ہوسکتا ہے۔اور" من عندنا "صفت ہوجائے گی" لا مرا" کی۔

رحمة من ربك. یہ مفعول لہٗ ہے انزلناه یاامرا یایفرق یامنذرین کا اورفعل مقدر کا مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے ای رحمنا رحمة اور مرسلین کا مفعول بھی ہوسکتا ہے اور حال بھی اور امرا کا بدل بھی بن سکتا ہے اور من ربک رحمة کے متعلق بتایا جائے یا محذوف کے متعلق کر کے صفت بنادی جائے اور" رحمة من ربک" میں التفات ہے رحمة منا ہونا چاہئے تھا۔

موقنین. تفسیری عبارت میں" فایقنوا " جواب شرط کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے یہ جملہ معترضہ ہوجائے گا اور لا اله الا الله چوتھی خبر ہے۔

ربکم. عام قراءت رفع کی ہے رب السموات سے بدل یا عطف بیان یا صفت ہونے کی وجہ سے اور ابن محیصنؒ ،ابن ابی اسحٰقؒ ،ابوحیوۃؒ، حسنؒ" رب السموات" سے بدل یا بیان یا صفت مان کر مجرور پڑھتے ہیں اور انطاکیؒ بطور مدح منصوب پڑھتے ہیں۔

بل هم فی شك. یہ محذوف سے اضراب ہے۔ای موقنین بل هم فی شك.

یلعبون. حال ہے لعب سے مراد فانی چیزوں میں مشغول ہوکر باقی رہنے والی نعمتوں سے روگردانی کرنا۔

دخان مبین. بعض کی رائے میں یہ قحط سالی آنحضرت ﷺ کے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ہوئی۔لیکن راجح یہ ہے کہ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد ہوئی ہے۔ابن مسعودؓ کے نزدیک قریش کی قحط سالی مراد ہے لیکن ابن عباسؓ ،ابن عمرؓ حسنؒ وغیرہ کے نزدیک اس دخان سے مراد وہ دخان ہے جو علامات قیامت میں سے ہے۔

اسی طرح واقعہ قحط سالی میں حقیقت دخان مراد نہیں۔ بلکہ ابن عباسؓ، مقاتل، مجاہد، ابن مسعودؓ کی رائے ہے کہ بھوک کی وجہ سے ضعف نظر مراد ہے۔بھوک میں آنکھوں کے آگے ترمرے نظر آنے لگتے ہیں۔لیکن ابن عمرؓ ابو ہریرہؓ، زید بن علی، حسن کے نزدیک حقیقت دخان مراد ہے۔لیکن اخیر زمانہ میں اس کا ظہور ہوگا۔ چالیس روز سارا عالم دھوئیں سے لبریز رہے گا۔مومن تو صرف زکام کی سی کیفیت محسوس کرے گا۔لیکن کافر مدہوش ہوں گے۔یہ دھواں ان کے پیٹ میں گھس کر آنکھ، ناک، کان سے نکلے گا۔اور ساری زمین بھٹی کی طرح ہوجائے گی۔

انی لهم الذکرٰی. حقیقی استفہام مراد نہیں بلکہ استبعاد مراد ہے۔تفسیری عبارت لا ینفعهم الا یمان. اس وقت تو صحیح ہے۔جب عذاب مہلک ہو۔جیسا کہ تباہ شدہ قوموں کا حال ہوا۔البتہ اس دھوئیں سے ہلاکت نہیں ہوگی۔اس لئے ایمان کا غیر مانع یا نا مقبول ہونا محل تامل ہے۔الا یہ کہ کہا جائے کہ اس وقت باب توبہ بند ہوجائے گا۔

وقالوا معلم. قبیلہ ثقیف کے عجمی غلام عداس کے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو قرآن سکھلاتا تھا اور دوسرے سانس میں حضور ﷺ کو دیوانہ مجنون بھی کہتے تھے کیا یہ دیوانگی نہیں ہے کہ ایسے عجیب وغریب کلام پیش کرنے والے کو مجنون کہا جائے۔

انا کاشفوا العذاب. یہ جواب ہے ان کی درخواست ربنا اکشف الخ کا بطور التفات کے ہے۔مقصود تہدید وتوبیخ ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔اور قلیلاً کا مطلب مختصر مہلت ہے خواہ غزوۂ بدر کے بعد یا بقیہ عمر تک۔

ولقد فتنا. آزمائش کبھی نعمت دے کر ہوتی ہے۔ جیسے: قوم فرعون کی آزمائش ہوئی اور کبھی مصیبت دے کر آزمائش ہوا کرتی ہے اور اس آزمائش میں فرعون بھی شریک رہا۔ بلکہ بدرجہ اولیٰ حضرت موسیٰ کو کریم فرمایا گیا۔ حق تعالیٰ کے لحاظ سے بمعنی عزت و وجاہت ہے اور مومنین کے اعتبار سے بمعنی شفیق و مہربان یا دونوں لحاظ سے بمعنی مکرم و مشرف ہے۔ کیونکہ شرف نسبی ان کو حاصل تھا اور بمعنی خصلت محمودہ بھی ہوسکتا ہے۔

ان ادوا. مفسرؒ نے ان مصدریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور " ادوا" بمعنی طاعت وقبول دعوت ہے۔ بشرطیکہ ان مصدریہ کا امر پر داخل ہونا جائز ہو۔ ورنہ تفسیر یہ ہوگا۔ یعنی اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو۔ گویا ان کی آزادی کا مطالبہ تھا۔ کیونکہ فرعون نے ان کو غلام اور بیگار بنا رکھا تھا۔ اس صورت میں " عباد اللّٰہ" سے مراد بنی اسرائیل ہوں گے۔ اور پہلی صورت میں عام مراد ہوں گے۔ اور منادی مضاف ماننا ہوگا۔

ترجمون. یائے زائد کے ساتھ۔ جو رسم الخط میں لکھی نہیں جاتی۔ البتہ بلحاظ تلفظ بحالت وصل حذف اثبات دونوں جائز ہیں اور بحالت وقف صرف حذف ہے۔

فاسر. نافعؒ، ابن کثیرؒ کے نزدیک ہمزہ وصل کے ساتھ " سری" سے ہے۔ اسراء اور سری دونوں لازم ہیں۔ با کے ذریعہ متعدی ہوتے ہیں۔

واترك البحر. یعنی پار ہو جانے کے بعد دوبارہ دریا کے عصانہ ماریئے۔ تاکہ پانی مل نہ جائے۔ بلکہ دریا کو بدستور رہنے دیجئے۔

رھوا. نہایت کشادہ، مبالغہ کے لئے کہا گیا۔ اس کے دو معنی ہیں ساکن اور کشادہ۔ مفسرؒ نے دونوں کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور یہ کہ یہ اسم فاعل ہے۔ تاکہ اس کو دریا کا وصف قرار دیا جاسکے۔ جو مقتضی حالیہ ہے۔

ربط آیات:............ جس طرح پچھلی سورت رسالت وتوحید کے مضمون سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوئی تھی۔ اس طرح سورۂ دخان کی ابتداء انتہا بھی اسی مضمون سے ہے۔ درمیان منکرین کے لئے عذاب کی وعید ہے اور سابقہ تباہ شدہ اقوام کی حالت بطور نظیر کے پیش فرمائی گئی ہے۔

پھر آیت ان ھٰؤلاء لیقولون سے منکرین قیامت کے خیالات نقل کر کے بعض قوموں کی ہلاکت سے دھمکایا گیا اور قیامت کی صحت وقوع وحکمت پر کلام فرمایا اور اس ذیل کے واقعات ذکر فرمائے گئے ہیں۔

روایات:......... یوم تاتی السماء بد خان کے ذیل میں منقول ہے کہ فاقہ اور بھوک زیادہ بڑھی تو ابوسفیانؓ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔ یا محمدجئت تامر بصلة الرحم وان قومک قد ھلکوا فادع اللّٰہ ان یکشف عنھم. چنانچہ آپ نے دعا فرمائی۔ اس پر ایک ہفتہ مسلسل بارش ہوئی۔ جب وہ تکلیف کی حد تک پہنچ گئی تو ابوسفیانؓ نے پھر دوبارہ حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ دعا کرنے پر بارش رک گئی۔

فما بکت علیھم السماء. حضرت انسؓ سے مرفوع روایت ہے۔ مامن عبد الا ولہ فی السماء بابان باب یدخل فیہ عملہ وکلامہ وباب یخرج منہ رزقہ فاذا مات فقداہ وبکیا علیہ. پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ ان المومن اذا مات بکی علیہ مصلاہ من الارض ومصعد عملہ من السماء.

شریح بن عبد حضرمی کا ارشاد ہے۔ مامات مومن فی غربة غابت عنہ فیھا بواکیہ الا بکت علیہ السماء والارض.

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں۔ بکا السماء حمرة اطرافھا.

سدیؒ فرماتے ہیں کہ جب امام حسینؓ شہید ہوئے تو آسمان رویا یعنی حزین وغمگین ہوا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ آسمان زمین کے رونے سے مراد مخلوق کا رونا اور رنجیدہ ہونا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...........قرآن پاک اور حق تعالیٰ کی تعظیم توان آیات سے ظاہر ہے پیغمبر کی عظمت انا کنا مرسلین سے مفہوم ہو رہی ہے۔ اور مرسلین کے مفعول "رسولاً" کو حذف کرنے سے اور رحمة من ربك میں اسم ظاہر لانے سے اس تعظیم کی اور تاکید ہوگئی اور قرآن کی قسم کی تحقیق سورۂ زخرف میں گزر چکی ہے۔ البتہ یہ قسم محض تنزیل کے اعتبار سے ہے۔ ظرف یعنی لیلہ مبارکہ کی قید کے لحاظ سے نہیں۔ لیلہ مبارکہ کی تفسیر اکثر حضرات نے شب قدر کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ کا ارشاد ہے کہ پورا قرآن آسمان دنیا پر شب قدر میں نازل ہوگیا۔ اور پھر تھوڑا تھوڑا آپ ﷺ پر اترتا رہا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سال بھر کے حالات لوح محفوظ سے شب قدر میں نقل کر لئے جاتے ہیں۔ البتہ قرآن کی دوسری صفت تنزیل ہے۔ یعنی تھوڑا تھوڑا ۲۳ سال میں پورا ہوا۔ اور بعض نے شب برات مراد لی ہے۔ کیونکہ روایات میں سالانہ کارروائی کا اس رات میں فیصلہ ہوتا آیا ہے۔

قرآن شب قدر میں نازل ہوا یا شب برأت میں؟:...........لیکن خود قرآن میں چونکہ انا انزلناه فی لیلة القدر آچکا ہے اور کسی روایت میں قرآن کا نازل ہونا شب برات میں نہیں آیا۔ اس لئے دوسری تفسیر صحیح نہیں ہے اور شب برأت میں واقعات کے فیصلہ سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ قرآن بھی اس میں نازل ہوا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ دونوں راتوں میں فیصلے ہوتے ہوں۔ یا ان فیصلوں کی تجویز تو شب برأت میں ہو جاتی ہو۔ مگر ان کی تنفیذ شب قدر میں ہوتی ہو۔ چنانچہ روح المعانی میں ابن عباسؓ کا ایک قول بلاسند کے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور احتمال کے لئے باقاعدہ ثبوت کی حاجت نہیں۔

بہر حال فرشتے مناسب کاموں پر مامور ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام کے شایان شان وحی اور قرآن کا لانا رکھا گیا اللہ چونکہ سارے عالم کے حالات سے باخبر ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔ اس لئے سارا عالم جب گمراہی سے لبریز ہوگیا۔ تو رحمۃ للعالمین کی شکل میں رحمت کبریٰ کا مظاہرہ فرمایا۔

ان کنتم موقنین. یعنی تم میں اگر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلے یقین رکھنے کی چیز اللہ کی ربوبیت عام ہے جس کے آثار ذرہ ذرہ میں ہویدا ہیں۔ جس کے قبضہ میں مارنا جلانا، زندگی موت کی باگ ڈور ہے اور سب اس کے زیر فرمان ہیں۔ کیا اس کے سوا بھی کسی کی بندگی اور طاعت ہو سکتی ہے؟ ان واضح نشانات اور روشن دلائل کا تقاضہ تو یہ تھا۔ کہ یہ لوگ فوراً اس حقیقت کو مان لیتے۔ مگر حیرت ہے کہ وہ توحید وغیرہ جسے بنیادی اور سچے عقائد کے متعلق بھی شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور دنیا میں اتنے غرق ہیں کہ کبھی انہیں آخرت کا دھیان بھی نہیں آتا۔

قحط کا عذاب:...........اس کے بعد "یوم تاتی السماء" سے منکرین کے لئے وعید کا بیان ہے۔ روح المعانی کے مطابق قحط سالی دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مکہ میں، دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ جس کا حقیقی سبب تو آنحضرت ﷺ کی بددعا تھی اور ظاہری سبب یہ ہوا کہ مکہ میں غلہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ مگر ثمامہ رئیس یمامہ کے مسلمان ہو جانے پر مشرکین نے ان کو ملامت کی۔ تو انہوں نے یمامہ سے غلہ آنا بند کر دیا۔ آسمان سے تو بارش بند ہوئی تھی اب زمین سے غلہ بھی بند ہوگیا اور مکہ والے دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے اور بھوک کے مارے آنکھوں کے سامنے تپے مرے آنے لگے۔ ابوسفیانؓ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو خط لکھا اور حاضر ہو کر

دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا بھی فرمائی اور یمامہ سے دس ہزار کا غلہ منگوا کر مفت غریبوں کو تقسیم کر دیا۔

ابن مسعودؓ بڑے زور سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اس سے مراد قریش مکہ کو قحط سالی کی پیشگوئی ہے۔ جو مصری قحط کی طرح سات سال ان پر مسلط رہا۔ جس میں مردار، چمڑے، ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ اس صورت میں الناس سے مراد اہل مکہ ہوں گے۔

اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ یہ دھواں تو بھوک میں خیالی ہوتا ہے۔ پھر اس کو مبین کیسے فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ دھواں واقعی تھا خیالی نہیں تھا۔ کیونکہ سوکھے میں گرد وغبار اور بخارات فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ اور روح میں بعض عرب سے نقل کیا ہے کہ "شر غالب" کو وہ دخان کہتے ہیں۔ کیونکہ موذی چیز دھوئیں کی طرح تکلیف دہ ہوا کرتی ہے اس لئے تشبیہاً قحط مراد لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

اور سماء سے مراد اوپر کی سمت ہے اور بخارات بلکہ بارش بھی اول اوپر ہوتی ہے پھر نیچے آتی ہے اس طرح بارش اور بخارات دونوں کا محل اول اوپر کی سمت ہوتی ہے۔

دھوئیں کا عذاب:............ اور اس واقعہ کے پیشن گوئی ہونے کا قرینہ " فارتقب " ہے۔ کیونکہ یہ آیات ان واقعات کے ہونے سے پہلے نازل ہوئیں یوم تاتی السماء تو دخان کے واقعہ سے پہلے اور انا کاشفوا العذاب اس عذاب کے دور ہونے سے پہلے۔ اور بعض روایات میں جو آیت فارتقب کا دخان واقع ہونے کے بعد نازل ہونا آیا ہے تو ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے اس وقت یہ آیت تلاوت فرمائی ہو گی مگر نازل پہلے ہو چکی ہو گی۔ راوی یہ سمجھے کہ اب تلاوت کے وقت نازل ہوئی ہے۔ یا کہا جائے۔ کہ " فانزل اللّٰہ" کے معنی یہ ہیں۔ کہ " فظھر ما انزل اللّٰہ" اور چونکہ یہ دھوئیں کا عذاب ہجرت کے بعد دور ہوا۔ اس لئے " انا کاشفوا العذاب" کا مدنی ہونا بقول بیضاویؒ صحیح ہے۔ اور فی نفسہٖ مکی ہونا بھی باعث اشکال نہیں۔ کیونکہ یہ بھی پیشگوئی ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے خواہ کتنے ہی پہلے ہو۔ البتہ درمنثور کی اس روایت سے کہ " انا کاشفوا العذاب" دخان دور ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی مدنیت راجح معلوم ہوتی ہے۔

ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ دخان سے مراد قیامت کے قریب ایک عالمگیر دھواں اٹھے گا۔ نیک آدمی کے لئے تو زکام کی سی کیفیت ہو گی۔ مگر کافر ومنافق کے دماغ میں گھس کر برا حال بنا دے گا۔ ممکن ہے اس تقدیر پر یہ دھواں آسمانوں کے اسی مادہ سے ہو گا۔ جس کا ذکر آیت ثم استویٰ الی السماء وھی دخان میں آیا ہے۔ گویا آسمان دھوئیں کی صورت میں تحلیل ہو کر پہلی حالت کی طرف لوٹنے لگیں گے اور یہ اس کی ابتداء ہو گی۔

سزا کے وقت توبہ بے فائدہ ہے:............ انی لھم التناوش. یعنی ہر چند کہ یہ لوگ توبہ تلا کر رہے ہیں کہ اب اس آفت سے نجات دے دیجئے۔ ہماری توبہ کہ پھر شرارت نہ کریں گے۔ پکے مسلمان بن کر رہیں گے۔ لیکن عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد یہ سارا رونا دھونا ہے۔ اب سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ کہاں رہا۔ پیغمبروں کی کھلی نشانیوں اور واضح ہدایتوں کے وقت تو مانے نہیں۔ اس وقت تو کہہ رہے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ کسی سے پڑھ پڑھا کر آیا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔

لیکن ابن مسعودؓ کی تفسیر پر دھوئیں کے دفعیہ کے لئے دعا کی درخواست مراد ہے۔ اس صورت میں بھی حاصل آیات یہ ہو گا۔ کہ یہ لوگ ان باتوں سے کہاں ماننے والے ہیں؟ آفتاب سے روشن آپ کی نبوت کو نہیں مانا۔ ایسے ضدی اور عنادی لوگوں سے سمجھنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب بھی ہٹا لیں۔ پھر وہی حرکتیں کرنے لگیں گے یا بقول ابن مسعودؓ ہم کچھ عرصہ کے لئے عذاب ہٹائے لیتے ہیں۔ مگر وہی کریں گے جو کرتے آئے ہیں۔

یوم نبطش. بقول ابن عباسؓ قیامت کی پکڑ دھکڑ مراد ہے اور بقول ابن مسعودؓ غزوۂ بدر میں جوان کی درگت بنی ہے وہ مراد ہے۔

حضرت موسیٰ کا نعرہ آزادی:............ان لا تعلوا. یعنی اللہ کے بندوں کو اے فرعونیو! اپنا بندہ نہ بناؤ۔ بلکہ ان کو غلامی سے آزادی دے کر میرے حوالہ کردو۔ حضرت موسیٰ نے عصاء اور ید بیضا کے کھلے نشانات دکھلائے۔ مگر طاقت کے نشہ میں جو لوگ ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ حجت سے کہاں سمجھتے ہیں۔ وہ تو بس طاقت ہی کی زبان سمجھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ادھر لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت ڈرایا دھمکایا۔ مگر اہل حق طاقت کے آگے کہاں جھکتے ہیں۔ فرمایا: اللہ کی پناہ مجھے حاصل ہے۔ اس کی طاقت وحفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔ تاہم اگر تم میری بات نہیں مانتے تو کم از کم ستانے سے تو باز آؤ۔ اپنے جرم کو خواہ مخواہ سنگین کیوں بنارہے ہو۔ مجھے اپنی قوم کو لے جانے دو، میری راہ نہ روکو۔ آخر کار پھر اللہ سے دعا کی۔ کہ یہ باز آنے والے معلوم نہیں ہوتے۔ میرے ان کے درمیان بس فیصلہ فرمادیجئے۔ وہاں کیا دیر تھی حکم ہوا کہ چپکے سے راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چلے جاؤ۔ لیکن یاد رکھنا صبح تمہاری تلاش میں پیچھا کیا جائے گا۔ سمندر سے پایاب ہونے کی صورت یہ کہ دریا پر عصاء ماردینا۔ اس طرح پانی ادھر ادھر ہٹ کر تمہیں گزرنے کے لئے خشکی کا راستہ دے دے گا اور جب تم بخیریت پار ہو جاؤ تو دریا کو یوں ہی رہنے دینا، دوبارہ عصامت مارنا۔ اس کی فکر نہ کرنا کہ راستہ باقی نہ رہے۔ بلکہ پانی کو بدستور رہنے دینا تا کہ فرعون اور اس کی قوم کی ڈوبنے کی تدبیر کامیاب ہو جائے۔ وہی ہوا کہ دشمن کا سارا لشکر ڈوب کر قصہ پاک ہو گیا۔

کذلک و اورثنا ها. اس سے متعلق کچھ ضروری تفصیل سورۂ اعراف وسورۂ شعراء میں گزر چکی ہے۔ تاہم حضرت حسنؒ کی رائے ہے بنی اسرائیل دوبارہ پھر مصر واپس آ کر آباد ہوئے جیسا کہ ظاہر آیت سے مفہوم ہورہا ہے۔ لیکن حضرت قتادہؒ اس واپسی کے منکر ہیں۔ جیسا کہ مشہور تاریخوں سے ثابت ہے۔ پہلی صورت میں تو وارث بنانے کے معنی ظاہر ہیں۔ لیکن دوسری صورت میں قدرت تصرف کے معنی ہوں گے جو واپسی پر موقوف نہیں۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ فرعونیوں جیسا سامان وقوت بنی اسرائیل کو بھی مل گئی۔

زمین وآسمان کا رونا:............ فما بکت. بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مومن کے مرنے پر چالیس روز تک زمین روتی ہے کہ افسوس یہ سعادت ہم سے چھن گئی۔ کافر کے پاس ایمان اور نیک عمل نہیں۔ پھر اس پر زمین وآسمان کیوں روئیں۔ بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلو اچھا ہوا پاپ کٹا۔

آیت میں جب رونے کے حقیقی معنی ہو سکتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی مانع بھی نہیں۔ کیونکہ بقدر ضرورت ہر چیز میں ادراک وشعور وان من شیئ الا یسبح بحمدہ نص سے ثابت ہے۔ بلکہ مذکورہ بالا روایات سے حقیقی معنی کی تصریح اور ترجیح ثابت ہو رہی ہے۔ پس اب رونے کے مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً: یوں کہا جائے کہ بطور استعارہ تمثیلیہ کسی کی عظمت وشدت موت کو اس شخص کی موت سے تشبیہ دینی ہے۔ جس پر آسمان زمین کا رونا فرض کیا جائے۔ اس طرح نہ رونے کے مجازی معنی بھی نہیں لئے جائیں گے۔ کہ مثلاً: اس کا وجود قابل لحاظ نہیں۔ بلکہ بے کار محض ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب معنی حقیقی رونے نہ رونے دونوں کے بن سکتے ہیں۔ پھر مجاز اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

لطائف سلوک:............انی عذت بربی و ربکم الخ. میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع والتجا کرنا اور مدعیان تصرف کی طرح اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا اظہار عبدیت کے لئے ہے۔

وان لم تؤ منوا لی فاعتزلون میں جس شخص کی اصلاح کی امید نہ ہو اس سے قطع تعلق کر لینے پر دلالت ہو رہی ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ قَتْلِ الْاَبْنَاءِ وَاسْتِخْدَامِ النِّسَاءِ **مِنْ فِرْعَوْنَ** قِيْلَ بَدَلٌ مِنَ الْعَذَابِ بِتَقْدِيْرِ مُضَافٍ اَیْ عَذَابِ وَقِيْلَ حَالٌ مِنَ الْعَذَابِ **اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ** اَیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ **عَلٰى عِلْمٍ** مِنَّا بِحَالِهِمْ **عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾** اَیْ عَالِمِیْ زَمَانِهِمْ اَیِ الْعُقَلَاءِ **وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾** نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ فَلْقِ الْبَحْرِ وَالْمَنِّ وَالسَّلْوٰی وَغَيْرِهَا **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ اِنْ هِيَ** مَا الْمَوْتَةُ الَّتِیْ بَعْدَهَا الْحَيٰوةُ **اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى** اَیْ وَهُمْ نُطَفٌ **وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿٣٥﴾** بِمَبْعُوْثِیْنَ اَحْيَاءً بَعْدَ الثَّانِيَةِ **فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ** اَحْيَاءً **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾** اِنَّا نُبْعَثُ بَعْدَ مَوْتِنَا اَیْ نُحْيَا قَالَ تَعَالٰی **اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ** هُوَ نَبِیٌّ اَوْ رَجُلٌ صَالِحٌ **وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** مِنَ الْاُمَمِ **اَهْلَكْنٰهُمْ** لِكُفْرِهِمْ وَالْمَعْنٰی لَيْسُوْا اَقْوٰی مِنْهُمْ فَاُهْلِكُوْا **اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾** بِخَلْقِ ذٰلِكَ حَالٌ **مَا خَلَقْنٰهُمَآ** وَمَا بَيْنَهُمَا **اِلَّا بِالْحَقِّ** اَیْ مُحِقِّیْنَ فِیْ ذٰلِكَ لِيُسْتَدَلَّ بِهٖ عَلٰی قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اَیْ كُفَّارَ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ اللّٰهُ فِيْهِ بَيْنَ الْعِبَادِ **مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾** لِلْعَذَابِ الدَّائِمِ **يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى** بِقَرَابَةٍ اَوْ صَدَاقَةٍ اَیْ لَا يَدْفَعُ عَنْهُ **شَيْئًا** مِنَ الْعَذَابِ **وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾** يُمْنَعُوْنَ مِنْهُ وَيَوْمَ بَدَلٌ مِنْ يَوْمِ الْفَصْلِ **اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَاِنَّهٗ يَشْفَعُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ بِاِذْنِ اللّٰهِ **اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ فِیْ اِنْتِقَامِهٖ مِنَ الْكُفَّارِ **الرَّحِيْمُ ﴿٤٢﴾** بِالْمُؤْمِنِيْنَ **اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾** هِیَ مِنْ اَخْبَثِ الشَّجَرِ الْمُرِّ بِتِهَامَةَ يُنْبِتُهَا اللّٰهُ فِی الْجَحِيْمِ **طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾** اَیْ اَبِیْ جَهْلٍ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِی الْاِثْمِ الْكَثِيْرِ **كَالْمُهْلِ** اَیْ كَدُرْدِیِّ الزَّيْتِ الْاَسْوَدِ خَبَرٌ ثَانٍ **يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿٤٥﴾** بِالْفَوْقَانِيَّةِ خَبَرٌ ثَالِثٌ وَبِالتَّحْتَانِيَّةِ حَالٌ مِنَ الْمُهْلِ **كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾** اَلْمَاءِ الشَّدِيْدِ الْحَرَارَةِ **خُذُوْهُ** يُقَالُ لِلزَّبَانِيَةِ خُذُوا الْاَثِيْمَ **فَاعْتِلُوْهُ** بِكَسْرِ التَّاءِ وَضَمِّهَا جُرُّوْهُ بِغِلْظَةٍ وَشِدَّةٍ **اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٤٧﴾** وَسْطِ النَّارِ **ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٨﴾** اَیْ مِنَ الْحَمِيْمِ الَّذِیْ لَا يُفَارِقُهُ الْعَذَابُ فَهُوَ اَبْلَغُ مِمَّا فِیْ اٰيَةٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ وَيُقَالُ لَهٗ **ذُقْ** اَیِ الْعَذَابَ **اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٤٩﴾** بِزَعْمِكَ وَقَوْلِكَ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا اَعَزُّ وَاَكْرَمُ مِنِّیْ وَيُقَالُ لَهُمْ **اِنَّ هٰذَا** الَّذِیْ تَرَوْنَ مِنَ الْعَذَابِ **مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾** فِيْهِ تَشُكُّوْنَ **اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ** مَجْلِسٍ **اَمِيْنٍ ﴿٥١﴾** يُؤْمَنُ فِيْهِ الْخَوْفُ **فِيْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٢﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ** اَیْ مَارَقَّ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَمَا غَلُظَ مِنْهُ **مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٥٣﴾** حَالٌ اَیْ لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰی

قَفَا بَعْضٍ لِدَوَرَانِ الْاَسِرَّةِ بِهِمْ **كَذٰلِكَ** قف يُقَدَّرُ قَبْلَهُ الْاَمْرُ **وَزَوَّجْنٰهُمْ** مِنَ التَّزْوِيْجِ اَوْ قَرَنَّاهُمْ **بِحُوْرٍ عِيْنٍ** ﴿۵۴﴾ ط بِنِسَاءٍ بِيْضٍ وَاسِعَاتِ الْاَعْيُنِ حِسَانُهَا **يَدْعُوْنَ** يَطْلُبُوْنَ الْخَدَمَ **فِيْهَا** اَيِ الْجَنَّةِ اَنْ يَاتُوْا **بِكُلِّ فَاكِهَةٍ** مِنْهَا **اٰمِنِيْنَ** ﴿۵۵﴾ مِنْ اِنْقِطَاعِهَا وَمُضَرَّتِهَا وَمِنْ كُلِّ مُخَوِّفٍ حَالٌ **لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى** ج اَيِ الَّتِىْ فِى الدُّنْيَا بَعْدَ حَيٰوتِهِمْ فِيْهَا قَالَ بَعْضُهُمْ اِلَّا بِمَعْنٰى بَعْدَ **وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ** ﴿۵۶﴾ **فَضْلًا** مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى تَفَضُّلًا مَنْصُوْبٌ بِتَفَضُّلٍ مُقَدَّرًا **مِّنْ رَّبِّكَ** ط **ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۵۷﴾ **فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ** سَهَّلْنَا الْقُرْاٰنَ **بِلِسَانِكَ** بِلُغَتِكَ لِتَفْهَمَهُ الْعَرَبُ مِنْكَ **لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** ﴿۵۸﴾ يَتَّعِظُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ لٰكِنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ **فَارْتَقِبْ** اِنْتَظِرْ اِهْلَاكَهُمْ **اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ** ﴿۵۹﴾ ع هِلَاكَكَ وَهٰذَا قَبْلَ نُزُوْلِ الْاَمْرِ بِجِهَادِهِمْ

ترجمہ: .... اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب (لڑکوں کے قتل اور لڑکیوں سے خدمت لینے) یعنی فرعون سے نجات دے دی (بعض نے من فرعون کو مضاف مقدر مان کر من العذاب سے بدل مانا ہے اور بعض نے حال کہا ہے) واقعی وہ بڑا سخت سرکش، حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے (بنی اسرائیل کو) برتری بخشی (ان کے حالات سے) اپنی واقفیت کی بناء پر دنیا جہان والوں پر (یعنی اپنے زمانہ کے دانشوروں پر) اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلم کھلا انعام تھا (یعنی دریائے نیل کا پھٹ جانا من وسلویٰ کا اترنا، اسی طرح کی اور کھلی نعمتیں) یہ لوگ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی (یعنی دوبارہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے) پہلی دفعہ کی موت تھی (یعنی وجود سے پہلے نطفہ کی حالت تھی) اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے (دوسری موت کے بعد پھر زندہ ہو کر نہیں اٹھیں گے) سو ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) لا موجود کرو اگر تم سچے ہو (اس بارہ میں کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے زندہ کئے جائیں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) یہ لوگ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع (پیغمبر یا ولی) کی قوم اور جو (قومیں) ان سے پہلے ہو گزری ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا (ان کے کفر کی وجہ سے۔ حاصل یہ ہے کہ اہل مکہ پہلے لوگوں سے زیادہ مضبوط نہیں۔ پھر بھی وہ ہلاک ہوگئے) واقعۃً یہ لوگ مجرم تھے اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے فضول پیدا نہیں کیا (**لاعبین** حال ہے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین (اور ان کے درمیان کی چیزوں) کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے (اس حقیقت کے پیش نظر کہ ان سے ہماری قدرت وحدانیت وغیرہ پر استدلال کیا جا سکے) لیکن (مکہ کے کافروں میں) اکثر سمجھتے نہیں۔ بلاشبہ فیصلہ کا دن (قیامت کا روز جس میں اللہ بندوں کا فیصلہ فرمائے گا) ان سب (کے دائمی عذاب) کا مقررہ وقت ہے جس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے (تعلق یا دوستی کی وجہ سے۔ یعنی کوئی مدافعت نہیں کر سکے گا) ذرا بھی کام نہیں آئے گا (عذاب سے بچاؤ کے لئے) اور نہ ان کی کچھ حمایت کی جائے گی (مدد ہوگی، یوم بدل ہے **یوم الفصل** کا) ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے (مومنین اللہ کی اجازت سے ایک دوسرے کی سفارش کریں گے) یقیناً وہ زبردست ہے (کفار سے انتقام لینے میں غالب) مہربان ہے (مومنین کے لئے) بلاشبہ زقوم کا درخت (جو بدترین کڑوا درخت تہامہ میں ہوتا ہے۔ دوزخ میں اللہ پیدا فرمائے گا) بڑے مجرم کا کھانا ہوگا (ابوجہل اور اس کے یار دوستوں کے لئے جو بڑے پاپی تھے) جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا (سیاہ تیل کی گادی کی طرح، یہ خبر ثانی ہے) وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا (**تغلی** خبر ثالث ہے اور **یغلی** حال ہے **من المهل** سے) جیسے گرم پانی (انتہائی تیز) کھولتا ہے، اس کو پکڑو (دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان مجرموں کو گرفتار کر لو) پھر ان کو گھسیٹتے ہوئے (کسرۂ تا اور ضمہ کے ساتھ۔ نہایت سختی سے کھینچنا) دوزخ کے بیچوں بیچ (درمیان) تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا تکلیف دہ پانی انڈیل دو۔ (یعنی ایسا گرم پانی جو تکلیف دہ ہو۔ یہ الفاظ دوسری آیت **یصب من فوق رؤ سهم الحميم** سے زیادہ بڑھے ہوئے

ہیں اور اس سے کہہ دیا جائے گا) لے (عذاب) چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے (اپنے خیال میں اور تیرا کہنا یہ تھا کہ مکہ میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور دوزخیوں سے کہا جائے گا۔ کہ) یہ (عذاب جو تم دیکھ رہے ہو) وہی چیز ہے جس میں تم شک (شبہ) کیا کرتے تھے۔ یقیناً اللہ سے ڈرنے والے ایسی جگہ ہوں گے جہاں امن ہوگا (خوف نہیں ہوگا) یعنی باغات اور نہریں ہوں گی، وہ باریک اور دبیز لباس پہنیں گے (ریشم کا باریک اور دبیز لباس) آمنے سامنے بیٹھے ہوئے (یہ حال ہے مطلب اسپر نگ دار کرسیوں کی وجہ سے آپس میں منہ پھیرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی) یہ بات اسی طرح ہے (**کذلک** سے پہلے **الامر** مقدر ہے) اور ہم ان کی شادی کر دیں گے (یہ لفظ **تزویج** سے ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم ان کو باہم جوڑے ملا دیں گے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتوں سے (گورے رنگ کی بڑی آنکھوں والی حسین عورتوں سے) منگواتے ہوں گے (خدمت گاروں سے فرمائش کرتے ہوں گے) وہاں (جنت میں) ہر قسم کے پھل پھلاری اطمینان کے ساتھ (نہ ان کے ختم ہو جانے کا کھٹکا ہوگا اور نہ نقصان کا اندیشہ اور نہ کسی اور طرح کا ڈر۔ یہ حال ہے) وہاں اس موت کے سوا جو دنیا میں آ چکی تھی اور موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے (یعنی دنیاوی زندگانی میں جو موت پیش آ چکی ہے اور بعض نے **الا** بمعنی **بعد** کہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچا لے گا یہ سب کچھ مہربانی (**فضل** مصدر بمعنی **تفضل** منصوب ہے **تفضل** مقدر کی وجہ سے) آپ کے پروردگار کی ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ سو اس قرآن کو ہم نے آسان (سہل) کر دیا ہے آپ کی زبان میں (عربی لغت میں تاکہ عرب آپ کی بات سمجھ سکیں) اس امید پر کہ یہ نصیحت قبول کریں (راہ راست پر آ کر ایمان لے آئیں لیکن یہ ایمان نہیں لا رہے ہیں) سو آپ منتظر رہئے۔ (ان کی تباہی کا انتظار کیجئے) یہ لوگ بھی منتظر ہیں (آپ کی وفات کے۔ یہ حکم جہاد کے حکم آنے سے پہلے کا ہے۔)

تحقیق وترکیب:

علی العالمین. عالمین سے مراد ساری دنیا یا قیامت تک کا زمانہ نہیں ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کی افضلیت کے متعلق شبہ ہو۔ بلکہ خاص ان کا دور مراد ہے۔ مفسرؒ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

بلاء مبین. بلا آزمائش کو کہتے ہیں۔ نعمت ونقمت پر بھی مجازاً بول دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ذرائع آزمائش ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ تفسیری عبارت میں جن چیزوں کا ذکر ہے وہ تو خود انعامات ہیں۔ پھر آیت میں "**مافیہ بلاء**" کیوں فرمایا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں **لهم فیها دار الخلد** کی طرح **فی** تجرید کے لئے ہے۔

ان هٰؤلاء. مشرکین مکہ کے لئے اسم اشارہ قریب تحقیر کے لئے ہے۔

ان هی الا موتتنا الاولیٰ. یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے تھے۔ اس لحاظ سے عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ **ان هی الا حیاتنا الدنیا** حالانکہ آیت اس طرح نہیں ہے، مفسر علامؒ اس کی توجیہ فرما رہے ہیں کہ اس موت سے دنیاوی زندگانی کے بعد کی موت مراد نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں آنے سے پہلے کی حالت کو موت اولیٰ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ یعنی ایسی موت کہ جس کے بعد زندگی ہو وہ ایک مرتبہ ہو چکی دوسری موت ایسی نہیں ہوگی کہ جس کے بعد زندگی مل سکے۔ حاصل وہی نکل آیا کہ دوبارہ زندگی کا انکار ہے۔ اور جس طرح عدم لاحق کو موت کہتے ہیں عدم سابق کو بھی موت کہہ سکتے ہیں۔ **وقالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین** کیونکہ اماتت کے معنی اعدام کے ہیں۔ خواہ ابتداء ہو یا بعد میں جیسے تصغیر اور تکبیر الفاظ دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں شروع سے چھوٹی بڑی چیز ہو اور اس میں یہ دونوں تبدیلیاں ہو جائیں۔ یا پہلے ایک چیز چھوٹی تھی بعد میں بڑی ہوگئی۔ یا اس کا برعکس ہو۔ چنانچہ کہا گیا۔ **سبحان من صغرا لبعوض و کبرا لفیل.**

فاتوا باباءنا. یہ کفار کا کہنا اس تقدیر پر ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ جب یہ عقیدہ رکھتے ہیں تو اس کا ثبوت عملاً پیش کریں۔ گویا ایک طرح مسلمانوں پر الزام دینا تھا۔

قوم تبع. یہ حمیری تھے جو حیرہ اور بنی سمرقند پر لشکر کشی کر کے اس کو برباد کر چکے تھے۔ خود مومن تھے لیکن ان کی قوم نالائق تھی۔ اس لئے قرآن نے قوم کی مذمت کی۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔ **ما ادری اکان تبع نبیا او غیر نبی** اور یہود کی کتابوں سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضور ﷺ سے نو سو سال پہلے ایمان لے آئے تھے۔ یہ تبع الاکبر ابو کریب کہلاتے ہیں۔ ان کا نام اسعد تھا۔ حضرات انصارؓ اپنی نسبت ان کی طرف کرتے تھے۔ بیت اللہ پر غلاف سب سے اول انہوں نے ہی ڈالا تھا۔ مدینہ پر بھی انہوں نے چڑھائی کی تھی۔ مگر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ آخری پیغمبر کی ہجرت گاہ ہوگی، تو واپس ہو گئے اور یہ شعر کہا۔

شهدت علی احمد انه	رسول من الله بادی النسم

فلو مد عمری الی عمره	لكنت وزيرا له وابن عم

ابن عباسؓ تو ان کو نبی مانتے ہیں اور کعبؒ کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے۔ ان کی قوم میں کاہن اور اہل کتاب دونوں تھے۔ انہوں نے دونوں کو قربانی پیش کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ اہل کتاب کی قربانی قبول ہوگئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تبع کو برا نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک صالح شخص تھے۔

سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر غلاف انہوں نے ڈالا ہے۔ کعبؒ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کی قوم کی برائی نہیں فرمائی۔ قریش چونکہ ان کے قریب تھے اور ان کو بڑا سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی عبرت کے لئے قرآن نے یہ مثال تجویز کی۔ اہل یمن اس آیت پر فخر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں ان کو قریش سے بہتر کہا ہے اور ان کو تبع اس لئے کہا کہ انہوں نے اپنے لشکر سمیت آفتاب طلوع ہونے کی سمت سفر کر کے مشرقی کنارہ کے قریب پہنچے یا بعد کے لوگوں نے بکثرت ان کا اتباع کیا۔

والذین من قبلهم. قوم تبع پر اس کا عطف ہے یا یہ مبتداء ہے اور "**اهلكنهم**" خبر ہے پہلی صورت میں **اهلكنهم** مستانفہ یا صلہ کی ضمیر سے حال ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فعل مقدر کی وجہ سے حال ہے جس کی تفسیر **اهلكنهم** ہے۔ اس وقت **اهلكنهم** محل اعراب میں نہیں ہوگا۔

الا بالحق. با ملابست کے لئے۔ جار مجرور فاعل سے حال ہے اور مفسرؒ نے اس کو باسببیہ مانا ہے سببیۃ غائیۃ۔

یوم الفصل. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اضافت بمعنی فی ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اضافت بواسطہ لام ہے کیونکہ پہلی صورت میں ثانی اول کا ظرف ہونا چاہئے جیسے **مكر الیل**۔

لا یغنی. اس میں پہلا مولیٰ فاعلیہ کی بناء مرفوع ہے اور دوسرا مولیٰ مجرور ہے عطف کی وجہ سے اور **شیئا** مفعول بہ ہے **ولا هم** ضمیر جمع مولیٰ ثانی کی طرف ہے جو معنیٰ جمع ہے اس سے کافر مراد ہے اور پہلے مولیٰ سے مومن مراد ہے۔ یعنی کوئی مومن کسی کافر کے کام نہیں آئے گا۔ **واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا** کی طرح یہ مضمون ہے "**ولا هم ینصرون**" اس کی تاکید ہے کہ رشتہ داری اور دوستی دونوں کارگر نہیں ہوں گی۔

مولیٰ. کے معنی آقا، غلام، چچازاد بھائی، مددگار، تجار، حلیف کے آئے ہیں۔

شجرۃ الزقوم. اس کا تیل نہایت مفید ہے۔ ریاح باردہ، وجع المفاصل، بلغمی امراض، عرق النساء کے لئے عجیب وغریب ہے۔ اس کی جڑ کو ہلیلج کابلی کہتے ہیں۔

المهل. تیل کے نیچے جو خراب تلچھٹ ہوتا ہے۔

خذوه. تفسیری عبارت میں عطف کے لئے اشارہ کردیا۔

فاعتلوه. قاموس میں ہے **عتله، یعتله، فانعتل** سختی سے گھسیٹنا۔

من عذاب الحمیم. اگرچہ عذاب بہنے والی چیز نہیں کہ اس کو انڈیلا جائے مگر مبالغہ مقصود ہے۔

مقام امین. فعیل بمعنی مفعول مکان کی صفت بلحاظ مکین لائی گئی ہے۔

کذلک. ای الامر **کذلک** یہ جملہ معترضہ ہے۔

زوجناهم. جنت احکام کی جگہ نہیں۔ اس لئے تزویج شرعی مراد نہیں۔ بلکہ بمعنی قرین مراد ہے۔ چنانچہ تزویج بمعنی عقد، با کے

ذریعہ متعدی نہیں ہوتا، بلکہ بنفسہ متعدی ہوا کرتا ہے۔ البتہ جو حضرات تزویج بمعنی عقد لیتے ہیں وہ باز ائد کہتے ہیں یا بقول اخفشؒ لغت ازد شنوءۃ میں باکے ذریعہ بھی تعدیہ ہوسکتا ہے۔

بحور عین. حور، حوراء کی اور عین عیناء کی جمع ہے۔

الا الموتة الا ولی. جنت میں موت کا ذائقہ نہیں ہوگا۔ پھر یہ کیسے فرمادیا؟ اس لئے بقول طبریؒ کہا جائے گا کہ الا بمعنی بعد ہے۔ اس توجیہ سے اگرچہ اشکال صاف ہو جائے گا۔ لیکن الا بمعنی بعد آنا باعث تامل ہے۔ اس لئے بعض نے توجیہ کی کہ الا استثناء منقطع کے لئے ہے۔

فضلا. مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔

فارتقب. اس کا اور مرتقبون کا مفعول محذوف ہے۔ اس ہدایت کے حکم جہاد سے پہلے ہونے کا مطلب نسخ اصطلاحی نہیں ہے۔ کیونکہ سابق حکم کو دوسرے حکم سے بدلنے کو نسخ کہا جاتا ہے۔

ربط آیات:......... منکرین کی وعید کی تاکید کے لئے فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔

آیت ان ھٰؤلاء سے منکرین قیامت کا انکار اور اس کا جرم اور مستحق عذاب ہونا اور بطور نظیر قوم تبع کا واقعہ اور قیامت کے، امکان وصحت اور وقوع اور قیامت کی حکمت وترجیح اور اجمالی واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر واقعات قیامت کی قدرے تفصیل ہے۔

روایات:......... محمد بن اسحاقؒ وغیرہ نے تبع کی کتاب کا یہ اقتباس پیش کیا ہے۔ **اما بعد فانی امنت بنزل علیک وانا علیٰ دینک وسنتک وامنت بربک ورب کل شئی وامنت بکل ماجاء من ربک من شرائع الا سلام فان ادرکت فبھا ونعمت وان لم ادرکک فاشفع لی ولا تنسنی یوم القیامة فانی من امتک الا ولین وبایعتک قبل مجیئک وانا علی ملتک وملة ابیک ابراھیم علیه السلام** پھر اس تحریر کے آخر میں **لله الا مر من قبل ومن بعد** کی مہر ہے اور خط کے شروع میں **الی محمد بن عبدالله نبی الله ورسوله خاتم النبین ورسول رب العالمین صلی الله علیه وسلم** ہے۔ **والله اعلم بحقیقة الحال.**

﴿تشریح﴾:......... **علیٰ علم** کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں اور کوتاہیاں ہمیں معلوم تھیں۔ مگر ہم نے اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس دور کے اور بعد کے لوگوں پر ان کو ایک خاص برتری بھی بخشی۔ مثلاً: یہی کہ اتنے انبیاء اور بادشاہ کسی دوسری قوم کو میسر نہیں آسکے۔ من وسلویٰ کا اترنا، بادل کا سایہ فگن رہنا وغیرہ۔

ان ھٰؤلاء. یہاں سے پھر روئے سخن قریش کی طرف ہوگیا جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کو کسی طرح نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہاں کا حشر، کیسا حساب؟ وہ پیغمبر اور مسلمانوں سے کہتے کہ اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو ذرا زندہ کر کے دکھادو۔ تب ہم جانیں...... فرماتے ہیں بھلا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور دوسری پچھلی قومیں، جب ہم نے ان مجرموں کو معاف نہیں کیا تو ان کی گستاخیاں کیسے برداشت کی جائیں گی۔ یہ بھی اپنے جرموں کی پاداش کو پہنچ کر رہیں گے۔

تبع کون تھے؟:......... یمن کے اس بادشاہ کی قلمرو سبا اور حضرموت علاقوں تک تھی۔ تبع بہت گزرے ہیں۔ یہ وہاں کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔ اللہ جانے یہاں کون سا تبع مراد ہے۔ بہرحال اتنا ظاہر ہے کہ اس کی قوم صاحب قوت وجبروت تھی۔ ابن کثیرؒ نے قوم سبا مراد لی ہے جس کا ذکر سورۂ سبا میں گزرا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ اس کا نام اسعد تھا اور وہ اسلام لے آیا تھا اور اپنی قوم کو جو بت پرست تھی اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے سرکشی کی۔ ان پر ایک آگ آئی جس نے ان کا کام تمام کر دیا۔ بعض مسلمان ہوئے بعض ذمی بنے اور بعض کی رائے میں یہ تبع اول تھا۔ جو قبل مسیح گزرا ہے۔ کثرت اتباع کی وجہ سے یہ لقب پڑا۔ اس کے

بعد یمن کے بادشاہوں کا یہی لقب رہا ہے۔

قیامت کا ہونا عقلی ہے یا نقلی: .... وما خلقنا. یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشہ نہیں۔ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے، ایک دن اس کا نتیجہ نکل کر رہے گا اور وہی نتیجہ آخرت ہے۔ لیکن دنیا کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ یعنی ان بڑے بڑے کروں کو دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے کہ جو اتنے بڑے جہان بنا سکتا ہے وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ یہ تو قیامت کے امکان وصحت پر استدلال عقلی ہوا۔

اسی طرح دلائل نقلیہ یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جہان ہمارے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تاکہ نعمتوں سے متمتع ہو کر طاعت و شکر بجالائیں۔ جن پر کامل ثمرات ملیں۔ ورنہ ناسپاسی اور نافرمانی کی صورت میں خسران کامل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ ہوئی آخرت کی حکمت اور یہی حکمت مقتضی ہے آخرت کے رجحان وجود کی۔ کیونکہ اگر مشیت الٰہی قیامت نہ ہونے کے لئے ہوتی تو پھر وہی حکمت ہوتی اور اسی کو ترجیح ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا وجود عقلی نہیں ہے پس مجازات کے واجب ہونے کا شبہ ساقط ہو گیا۔

ان یوم الفصل سے قیامت کے واقع ہونے کا پہلے اجمالی بیان ہے کہ سارے عالم کا حساب کتاب بیک وقت ہو جائے گا۔ اللہ کی رحمت ہی کام آئے گی۔ کوئی کسی کی دستگیری نہیں کر سکے گا۔

زقوم کی تحقیق: .... ان شجرة الزقوم. یہ قیامت کا تفصیلی بیان ہے۔ زقوم سینڈھ کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کسی ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے اس کو سینڈھ کہتے ہیں۔ ورنہ دوزخ کے سینڈھ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جنت وجہنم کی چیزوں کے ناموں میں محض اشتراک ہے۔ ورنہ کیفیت اور حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔

آج کل عرب میں زقوم کا پھل برشومی کہلاتا ہے۔ جو کھایا جاتا ہے۔ سو اول تو ممکن ہے کہ یہ برشومی دوسری نوع کا پھل ہوتا ہو زقوم کے علاوہ۔ کیونکہ ہر زمانہ میں اصطلاحات بدلتی رہتی ہیں۔ اگر وہی نوع ہو تب بھی آیت میں چونکہ درخت کھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے پھل کو نہیں فرمایا گیا۔ اس لئے آیت میں اشکال نہیں رہا۔ پھر زقوم کا کھلانا دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ واقعہ کی آیت ھذا نزلھم سے مفہوم ہوتا ہے اور فاعتلوہ کی فا کے ظاہر سے بھی یہی سمجھ میں آ رہا ہے۔ لیکن اگر دوزخ میں داخل ہونے کے بعد بھی یہ کھلانا ہو۔ تو پھر فا کی رعایت کرتے ہوئے اس کا پہلے ہونا بلحاظ سواء الجحیم کے ہوگا۔ یعنی زقوم کھانے کے وقت دوزخ میں تو ہو گا۔ مگر وسط دوزخ میں نہیں ہوگا۔ زقوم کھلا کر پھر وسط دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۂ صافات کی آیت ثم ان مرجعھم لا الی الجحیم سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ زقوم کھلانے دوزخ سے باہر لے جانا ہوگا۔ پھر دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس کا کچھ بیان سورۂ مومن میں بھی ہو چکا ہے۔

انک انت العزیز الکریم. یعنی دنیا میں بڑا بنتا تھا اب کہاں گئی وہ بڑائی۔ پہلے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہی سمجھتا رہا کہ یوں ہی کھیلتے کودتے گزر جائے گی۔ آخر مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے، اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سچی نکلیں جو پیغمبروں نے بتلائی تھیں۔

ان المتقین. مضرت کے بعد منفعت کا بیان ہے کہ جنت ہر قسم کے دائمی عیش وعشرت کی جگہ ہو گی۔ وہاں کبھی موت نہیں آئے گی۔ نہ عیش فانی نہ عیش اٹھانے والے فانی، اس سے بڑھ کر اور کامیابی کیا کہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی عنایات والطاف میں مگن رہیں گے۔

فانتظر. یعنی یہ تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے۔ لیکن آپ دیکھتے جایئے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔ آپ تبلیغ کے علاوہ فکرات میں نہ پڑیئے۔ اور نہ ان کی مخالفت پر رنجیدہ ہوجیئے۔ صبر کیجئے اور انہیں خدا کے حوالے کیجئے وہ خود سمجھ لے گا۔

لطائف سلوک: .... ولقد اخترناھم علی علم سے معلوم ہوا کہ جو اولیاء مرتبہ مرادیت پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کو ان کے نفس کے حوالہ نہیں کرتا۔ وہ خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

ان شجرة الزقوم. روح المعانی میں بعض کا قول منقول ہے کہ دنیا کی حرص وطمع قیامت میں زقوم کی صورت میں متشکل ہو گی۔ مسئلہ تمثیل کی یہ بھی ایک فرع ہے۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا الْاٰيَةَ وَهِيَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

حٰمٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ **مِنَ اللهِ** خَبَرُهٗ **الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمِ** ﴿۲﴾ فِيْ صُنْعِهٖ **اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اَيْ فِيْ خَلْقِهِمَا **لَاٰيٰتٍ** دَالَّةٍ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ وَوَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى **لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۳﴾ **وَفِيْ خَلْقِكُمْ** اَيْ خَلْقِ كُلٍّ مِنْكُمْ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ عَلَقَةٍ ثُمَّ مُضْغَةٍ اِلٰى اَنْ صَارَ اِنْسَانًا وَخَلْقِ **مَا يَبُثُّ** يُفَرِّقُ فِي الْاَرْضِ **مِنْ دَآبَّةٍ** هِيَ مَا يَدُبُّ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ **اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ** ﴿۴﴾ بِالْبَعْثِ **وَ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** ذِهَابِهِمَا وَمَجِيْئِهِمَا **وَمَآ اَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ** مَطَرٍ لِاَنَّهٗ سَبَبُ الرِّزْقِ **فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ** تَقْلِيْبِهَا مَرَّةً جَنُوْبًا وَمَرَّةً شِمَالًا وَبَارِدَةً وَّحَارَةً **اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۵﴾ الدَّلِيْلَ فَيُؤْمِنُوْنَ **تِلْكَ** الْاٰيٰتُ الْمَذْكُوْرَةُ **اٰيٰتُ اللهِ** حُجَجُهُ الدَّالَّةُ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ **نَتْلُوْهَا** نَقُصُّهَا **عَلَيْكَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِنَتْلُوْ **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللهِ** اَيْ حَدِيْثِهٖ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ **وَاٰيٰتِهٖ** حُجَجِهٖ **يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۶﴾ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ اَيْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ **وَيْلٌ** كَلِمَةُ عَذَابٍ **لِّكُلِّ اَفَّاكٍ** كَذَّابٍ **اَثِيْمٍ** ﴿۷﴾ كَثِيْرِ الْاِثْمِ **يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللهِ** الْقُرْاٰنِ **تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ** عَلٰى كُفْرِهٖ **مُسْتَكْبِرًا** مُتَكَبِّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ **كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** ﴿۸﴾ مُؤْلِمٍ **وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا** اَيِ الْقُرْاٰنِ **شَيْئَا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا** اَيْ مَهْزُوًّا بِهَا **اُولٰٓئِكَ** اَيِ الْاَفَّاكُوْنَ **لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ** ﴿۹﴾ ذُوْ اِهَانَةٍ **مِنْ وَّرَآئِهِمْ** اَيْ اَمَامِهِمْ لِاَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا **جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا** مِنَ الْمَالِ وَالْفِعَالِ **شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ** اَيِ الْاَصْنَامِ **اَوْلِيَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۰﴾ **هٰذَا** اَيِ الْقُرْاٰنُ **هُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ** حَظٌّ **مِّنْ رِّجْزٍ** اَيْ عَذَابٍ **اَلِيْمٌ** ﴿۱۱﴾ ع ۱۷

مُوجِعٌ اللّٰهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ السُّفُنُ فِيهِ بِأَمْرِهِ بِإِذْنِهِ وَلِتَبْتَغُوا تَطْلُبُوا بِالتِّجَارَةِ مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ مِنْ شَمْسٍ وَّقَمَرٍ وَّنَجْمٍ وَّمَاءٍ وَّغَيْرِهِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَشَجَرٍ وَنَبَاتٍ وَأَنْهَارٍ وَغَيْرِهِ أَيْ خَلَقَ ذٰلِكَ لِمَنَافِعِهِمْ جَمِيعًا تَاكِيدٌ مِّنْهُ حَالٌ أَيْ سَخَّرَهَا كَائِنَةً مِنْهُ تَعَالٰى إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ ﴿١٣﴾ فِيهَا فَيُؤْمِنُونَ قُلْ لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ يَخَافُونَ أَيَّامَ اللّٰهِ وَقَائِعَهُ أَيْ اِغْفِرُوا لِلْكُفَّارِ مَا وَقَعَ مِنْهُمْ مِنَ الْأَذٰى لَكُمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِجِهَادِهِمْ لِيَجْزِيَ أَيِ اللّٰهُ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالنُّونِ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ مِنَ الْغَفْرِ لِلْكُفَّارِ أَذَاهُمْ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ عَمِلَ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا أَسَاءَ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾ تَصِيرُونَ فَيُجَازِي الْمُصْلِحَ وَالْمُسِيءَ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْكِتٰبَ التَّوْرَاةَ وَالْحُكْمَ بِهِ بَيْنَ النَّاسِ وَالنُّبُوَّةَ لِمُوسٰى وَهَارُونَ مِنْهُمْ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ الْحَلَالَاتِ كَالْمَنِّ وَالسَّلْوٰى وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿١٦﴾ عَالَمِي زَمَانِهِمُ الْعُقَلَاءِ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْأَمْرِ أَمْرِ الدِّينِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَبَعْثَةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ فَمَا اخْتَلَفُوٓا فِي بَعْثَتِهِ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ أَيْ لِبَغْيٍ حَدَثَ بَيْنَهُمْ حَسَدًا لَهُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ يَا مُحَمَّدُ عَلٰى شَرِيعَةٍ طَرِيقَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ أَمْرِ الدِّينِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾ فِي عِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ إِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوا يَدْفَعُوا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظّٰلِمِينَ الْكَافِرِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ الْمُؤْمِنِينَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ مَعَالِمُ يَتَبَصَّرُونَ بِهَا فِي الْأَحْكَامِ وَالْحُدُودِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ﴿٢٠﴾ بِالْبَعْثِ أَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا اكْتَسَبُوا السَّيِّاٰتِ الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِيَ أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً خَبَرٌ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ مُبْتَدَأٌ وَمَعْطُوفٌ وَالْجُمْلَةُ بَدَلٌ مِنَ الْكَافِ وَالضَّمِيرُ انِ لِلْكُفَّارِ الْمَعْنٰى أَحَسِبُوا أَنْ نَّجْعَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ فِي خَيْرٍ كَالْمُؤْمِنِينَ أَيْ فِي رَغَدٍ مِنَ الْعَيْشِ مُسَاوٍ لِعَيْشِهِمْ فِي الدُّنْيَا حَيْثُ قَالُوا لِلْمُؤْمِنِينَ لَئِنْ بُعِثْنَا لَنُعْطٰى مِنَ الْخَيْرِ مِثْلَ مَا تُعْطَوْنَ قَالَ تَعَالٰى عَلٰى وَفْقِ إِنْكَارِهِ بِالْهَمْزَةِ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ أَيْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذٰلِكَ فَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ عَلٰى خِلَافِ عَيْشِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْمُؤْمِنُونَ فِي الْاٰخِرَةِ فِي الثَّوَابِ بِعَمَلِهِمُ الصَّالِحَاتِ فِي الدُّنْيَا مِنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصِّيَامِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ أَيْ بِئْسَ

ع ۱۸

حُكْمًا حُكْمُهُمْ هٰذَا

ترجمہ:.........سورۂ جاثیہ مکیہ ہے بجز آیت قل للذین اٰمنوا الخ کے اس میں کل آیات ۳۶ یا ۳۷ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. حٰمٓ (اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے) یہ نازل کی ہوئی کتاب (قرآن مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے (خبر) ہے جو (اپنے ملک میں) غالب (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین (کے بنانے) میں بہت سے دلائل ہیں (جو اللہ کی قدرت ووحدانیت پر رہنمائی کرنے والے ہیں) اہل ایمان کے لئے اور خود تمہارے پیدا کرنے میں (یعنی ہر انسان کو عام طور سے نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ بنا کر مکمل انسان بنا ڈالا) اور ان جانوروں کے پیدا کرنے میں (جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے) جو چلتے پھرتے ہیں (زمین پر خواہ وہ انسان ہوں یا اور مخلوق) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (قیامت کا یقین رکھتے ہیں اور یکے بعد دیگرے دن رات کے اختلاف (جانے آنے) میں اور اس روزی میں (مراد بارش ہے کیونکہ وہ رزق پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے) جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا زمین سوکھنے کے بعد اور ہواؤں کے لوٹ پھیر میں (کبھی جنوبی ہوا چلتی ہے کبھی شمالی، کبھی ٹھنڈی کبھی گرم) دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں (دلیل کو اور ایمان قبول کر لیتے ہیں) یہ (مذکورہ نشانیاں) اللہ کی آیتیں ہیں (اس کی وحدانیت پر رہنمائی کرنے والی حجتیں) جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں (بتلاتے ہیں) صحیح صحیح طریقہ پر (تتلوا کے متعلق ہے) پھر کون سی بات پر اللہ کے بعد (یعنی اس کی بات قران کے بعد) اور اس کی آیتوں (حجتوں) کے بعد یہ لوگ ایمان لائیں گے (مراد کفار مکہ ہیں۔ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور ایک قراءت میں تؤمنون تا کے ساتھ ہے) بڑی خرابی ہوگی (ویل کلمہ عذاب ہے) ہر ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا نافرمان ہو (بڑا گنہگار) جو اللہ کی آیتیں (قرآن) سنتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے تکبر (ایمان سے روگردانی) کرتے ہوئے اس طرح جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ سو ایسے شخص کو دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور جب وہ ہماری (قرآن کی) آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے (اس کو مذاق بنالیتا ہے) ایسے (جھوٹے لپاٹیوں) کے لئے ذلت آمیز (آبروریز) عذاب ہے۔ ان کے آگے (یعنی سامنے کیوں کہ یہ لوگ دنیا میں تھے) دوزخ ہے اور نہ ان کے وہ چیزیں کام آئیں گی۔ جو (مال واعمال) کمائے ذرا بھی اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا (بتوں کو) کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ (قرآن) سرتاسر (گمراہی سے) ہدایت ہے اور جو لوگ اس کی آیتوں کو نہیں مانتے۔ ان کے لئے سختی (عذاب) کا دردناک (تکلیف دہ) عذاب کا حصہ ہوگا، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا، تا کہ اس کے حکم (اجازت) سے اس میں کشتیاں (جہاز) چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی (کاروبار کے ذریعہ) تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں (سورج، چاند، ستارے، پانی وغیرہ) اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں (چوپائے، درخت، گھاس، نہریں وغیرہ۔ حاصل یہ کہ یہ سب کچھ لوگوں کے فائدہ کی خاطر پیدا کیا۔) ان سب کو (تاکید ہے) اپنی طرف سے مسخر بنایا (حال ہے یعنی اللہ ہی کی طرف سے یہ سب چیزیں انسان کے لئے مسخر ہوئی ہیں) بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں (پھر ایمان لے آتے ہیں) آپ ایمان لانے والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو یقین (خوف) نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے معاملات کا (واقعات کا۔ یعنی کفار سے کچھ تمہیں تکالیف پہنچیں ان کو جانے دو۔ یہ جہاد سے پہلے کی بات ہے) تا کہ صلہ دے (اللہ۔ ایک قراءت میں نجزی نون کے ساتھ ہے) ایک قوم کو عمل کا (کفار کی اذیتوں پر چشم پوشی کرنے کا) جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لئے (کرتا ہے) اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے (جہاں

نیک و بد کو بدلہ ملے گا) اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) اور حکومت (لوگوں کے درمیان فیصلے) اور نبوت دی تھی (حضرت موسیٰ ہارون علیہما السلام بھی انہی میں ہوئے ہیں) اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں (حلال جیسے من وسلویٰ) کھانے کو دی تھیں اور ہم نے ان کو جہان والوں (اس دور کے دانشوروں) پر فوقیت بخش دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دی تھیں (حلال وحرام کے احکام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت) سو انہوں نے (آنحضرت ﷺ کی بعثت کے متعلق) علم آنے کے بعد ہی باہم اختلاف کیا آپس کی ضدا ضدی کی وجہ سے (حسد کے سبب جوان میں عناد بڑھا) آپ کا رب قیامت کے روز ان کے درمیان ان باتوں کے متعلق فیصلہ کردے گا جن میں باہم یہ اختلاف کیا کرتے تھے، پھر ہم نے (اے محمد!) آپ کو ایک خاص طریقہ پر دین کے کردیا۔ سو آپ اسی پر چلتے رہئے اور ان لوگوں کی خواہش پر دھیان نہ دیجئے جو جہلا ہیں (غیر اللہ کی پرستش کے سلسلہ میں) یہ لوگ آپ کے کام نہ آئیں گے (بچاؤ نہیں کرسکیں گے) اللہ کے مقابلہ میں ذرا بھی اور ظالم (کافر) ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ متقیوں (مومنوں) کا دوست ہے یہ (قرآن) عام لوگوں کے لئے دانش مندیوں کا ذریعہ ہے (ایسے اصول کا مجموعہ ہے جن سے احکام وحدود میں بصیرت ملتی ہے) اور ہدایت ورحمت ہے یقین دلانے والوں کے لئے (قیامت پر) کیا (ہمزہ انکاری ہے) یہ خیال کرتے ہیں جو برے برے کام (کفر ومعاصی) کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا۔ ان سب کا مرنا جینا یکساں ہو جائے (سواء خبر ہے اور احیاء هم مبتداء ہے اور مماتهم معطوف ہے اور یہ جملہ کاف سے بدل ہے اور محیا هم ومماتهم دونوں ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان شریروں کو آخرت میں مومنین کے برابر بھلائی میں یکساں کردیں گے یعنی دنیا میں جیسی عیش وعشرت کرتے تھے۔ یہاں بھی وہی حالت برقرار رہے گی۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے لئے قیامت ہوئی تو ہمیں بھی مسلمانوں کی طرح بھلائی نصیب ہوگی۔ حق تعالیٰ بذریعہ ہمزہ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یہ برا فیصلہ کرتے ہیں (یعنی واقعہ اس طرح نہیں ہوگا۔ بلکہ کفار دنیاوی عیش وعشرت کے برخلاف آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور مسلمانوں کو آخرت میں ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا جو انہوں نے دنیا میں رہ کر نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ادا کی تھی۔ اس میں ما مصدریہ ہے۔ یعنی ان کا یہ حکم لگانا غلط فیصلہ ہے۔)

تحقیق وترکیب:.........حم. اگر یہ سورت کا نام ہو تو مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور تنزیل الکتاب خبر ہوگی۔ لیکن اگر حروف کی تعداد مراد ہے تو پھر تنزیل الکتاب مبتداء اور من اللہ خبر ہوگی۔

ان فی السمٰوات. ان تین آیات میں چھ دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت کو لفظ مؤمنین پر دوسری کو یوقنون پر تیسری کو یعقلون پر ختم کیا گیا ہے۔ کیونکہ آسمان وزمین پر نظر کرنے سے صانع عالم پر ایمان پیدا ہوتا ہے اور خود اپنی ذات اور زمینی چیزوں پر نظر ڈالنے سے یقین پیدا ہوتا ہے، اور حوادث عالم پر نظر کرنے سے عقل میں کمال اور علم میں استحکام پیدا ہوتا ہے یا تفنن کلام کے لئے مختلف الفاظ لائے گئے ہیں۔

لاٰیات للمؤمنین. تمام قراءؒ کے نزدیک حالت نصبی میں کسرہ ہے ان کا اسم ہونے کی وجہ سے۔ لیکن آیات "لقوم یوقنون" اور آیات "لقوم یعقلون" دونوں میں قراءت سبعہ میں نصب اور رفع دونوں ہیں۔ رفع تو مبتداء ہونے کی وجہ سے اور فی خلقکم خبر ہے اور جملہ کا عطف ان فی السمٰوات پر ہے۔ اگرچہ معطوف بغیر تاکید کے اور معطوف علیہ تاکید یہ ہے۔

دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ لفظ آیات کا اول آیات پر محلاً عطف کیا جائے بغیر ان کے۔ اسی طرح نصب کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ آیات کا پہلی آیات پر اسم ان کی حیثیت سے عطف کیا جائے۔ اور فی خلقکم کا خبر ان پر ہو۔ ای وان فی

لقکم وما یبث من دابۃ ایات.

دوسری صورت یہ ہو کہ لفظ آیات کو صرف پہلی آیات کی تاکید مانا جائے اور فی خلقکم کا فی السموات پر عطف کیا ئے۔حرف جر کا اعادہ تاکید کے لئے ہو۔علیٰ ھذا ما یبث من دابۃ میں بھی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں جن میں بہتر صورت یہ ہے کہ ں کو فی خلقکم مجرور پر عطف کیا جائے۔بتقدیر مضاف جیسا کہ مفسرؒ نے کیا ہے۔دوسرے یہ کہ ضمیر مجرور اعادہ جار کے عطف کیا ئے۔جیسا کہ بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے۔

واختلاف الیل. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے فی کے مقدر ہونے کی طرف۔چنانچہ قراءۃ شاذہ میں فی موجود ہے۔مفسرؒ نے وبی شمالی ہواؤں کا ذکر کیا ہے۔حالانکہ پروا، پچھواہوائیں بھی ہوتی ہیں۔اسی طرح چوطرفی ہوا ہوتی ہے۔

بعد اللّٰہ. ای بعد اٰیات اللہ جیسا کہ اعجبنی زید و کرمہ میں اعجبنی کرم زید ہے۔

یؤ منون. ابوعمرؒ، حفصؒ، نافعؒ، ابن کثیرؒ کے نزدیک یا کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک تا کے ساتھ ہے۔

ویل. کلمہ عذاب ہے اور جہنم کی وادی کا نام بھی ہے۔

یسمع اٰیات اللّٰہ. جملہ مستانفہ ہے اور اثیم کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے اور صفت بھی۔

تتلیٰ علیہ. اٰیات اللہ سے حال ہے۔

ثم یصر. یہاں تراخی رتبی مراد ہے۔یعنی دلائل کے بعد پھر اصرار عقلاً بعید ہے اور "کان لم یسمعھا" جملہ مستانفہ یا ل ہے کان مخففہ ہے ضمیر شان محذوف ہے۔

فبشرہ. بشارت کا تہکما فرمایا ہے۔

اتخذھا ھزواً. ضمیر مؤنث ایاتنا کی طرف راجع ہے اور لفظ شئی کی طرف بھی مذکر ہونے کے باوجود راجع ہو سکتی ہے یٰنی آیت لے کر ای اتخذ ذلک الشئی ھزواً مگر اس تعبیر میں نکتہ یہ ہے کہ منکرین کا مذاق محض ایک آیت تک نہیں رہتا۔بلکہ وہ رے کلام کو نشانہ ہدف و مذاق بنا لیتے ہیں۔جو خبث باطن کی دلیل ہے۔قرآن کی نوری بلاغت کے جواب میں مخالفین نے ڈھونڈ ھ ھانڈ کر دو لفظ پکڑے اور کہا کہ قرآن میں لفظ ھزواً اور کبار فصاحت سے گرے ہوئے ہیں۔صحابہؓ اور مخالفین میں یہ بحث جاری تھی۔ ہ سامنے سے ایک پیر مرد آتا ہوا دکھائی دیا۔سب مخالفین نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہمیں ان نو وارد کا فیصلہ منظور ہوگا۔چنانچہ مخالفین نے ل کرتے ہوئے پیر مرد سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ایک متنازعہ معاملہ میں فیصلہ کیجئے۔یہ سنتے ہی پیر مرد کی زبان سے جو پہلا لہ نکلا وہ یہ تھا۔اتتخذونی ھزواً وانا شیخ کبار. مخالفین سن کر ہکا بکا رہ گئے۔اب آگے بولیں تو کیا بولیں۔مسلمان اس بے ساختہ ئید غیبی پر نہایت مسرور و مطمئن ہوئے اور مخالفین لاجواب و نامراد" جادو وہ ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے۔"

من ورائھم. لفظ وراء اضداد میں سے ہے آگے اور پیچھے دونوں معنی میں آتا ہے۔آخرت کو دونوں اعتبار سے وراء کہتے ہیں۔

ھٰذا ھدیً. قرآن کی دونوں شانیں ہیں۔مومنین کے لئے ہدایت اور کفار کے لئے گمراہی اور خسران کا باعث ہے۔یضل کثیرا ویھدی بہ کثیرا. شفاء و رحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خسارا.

سخر لکم البحر. یعنی وزنی چیزیں بھی سمندر سے گزر جاتی ہیں اور ڈوبتی نہیں۔

یغفروا. مفسرؒ نے بمعنی اغفروا لیا ہے جواب امر حذف مفعول پر دلالت کر رہا ہے بمعنی غفران جیسے: آیت اذن للذین اتلون بانھم ظلموا کی تقدیر اذن فی القتال تھی۔لیکن الذین یقاتلون کے قرینہ سے فی القتال کو حذف کر دیا۔مفسرؒ اس آیت

کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔لیکن اگر ضدی لوگوں سے تعرض نہ کرنا مراد ہو تو پر منسوخ کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔

من عمل صالحاً. جملہ مستانفہ ہے پہلے اجمال کی تفصیل ہے۔

والحکم. حکمت، فقہ، فیصلہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔

فضلناھم. فضیلت کلی مراد نہیں۔ بلکہ فضیلت جزئی ہے۔اس لئے ان کے زمانہ کے ساتھ تخصیص کی حاجت نہیں رہتی۔

عالمین. کی تفسیر عقلاء کی بجائے ثقلین کے ساتھ زیادہ انسب ہے۔

من الامر. بعض نے دین اور بعض نے آنحضرت ﷺ کی بعثت مراد لی ہے۔مگر مفسرؒ نے دونوں کو جمع کردیا ہے۔

جعلناک. کاف مفعول اول اور **علی شریعۃ** مفعول ثانی ہے۔شریعت کے معنی گھاٹ، ملت اور مذہب کے آتے ہیں دین الٰہی مراد ہے۔

ھذا بصائر. مبتداء خبر ہے اور خبر کو جمع لانا اس لئے ہے کہ مبتداء متضمن آیات ہے۔

ام حسب الذین. ام بمعنی ہمزہ منقطعہ ہے اور منقطعہ میں کبھی **بل** اور ہمزہ دونوں مقدر ہوتے ہیں اور کبھی حرف **بل** مقدر ہوتا ہے اور کبھی صرف ہمزہ۔

سواء. رفع کی قراءت پر **محیا ھم ومما تھم** کی خبر ہے۔لیکن حمزہؒ، علیؒ، حفصؒ کی قراءت نصب کی ہے۔بمعنی مسویا کاف سے بدل کل یا بدل اشتمال ہے یا حال ہے اور اس کے بعد فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہے اور **جعل** کا مفعول ثانی "**کالذی آمنوا**" ہے۔**ای احسبوا ان نجعلھم مثلھم فی حال استراء محیا ھم و مما تھم لیس الا مر کذلک۔محیا ھم و مماتھم** کی ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔لیکن اگر مومنین کی طرف راجع ہوں تو پھر جملہ ضمیر مفعول ثانی سے حال ہو جائے گا۔**ای احسبوا ان نجعل فی الاخرۃ فی خیر کالمومنین.** حاصل یہ ہے کہ کفار نے دنیا میں تو مزے اڑائے ہیں۔لیکن کیا یہ چاہتے ہیں کہ مومنین کی طرح آخرت میں بھی یہ مزے کریں۔جیسا کہ یہ کہا کرتے تھے۔

ساء مایحکمون. بقول ابن عطیہؒ **ما** مصدریہ ہے اور **ساء** افعال ذم میں سے ہے۔ضمیر مبہم فاعل ہے تمیز محذوف ہے جیسا کہ رضی کی رائے آیت **بئس مثل القوم الذین** میں تمیز محذوف ہونے کے متعلق ہے۔**ای بئس مثلہ مثل القوم** یہاں مخصوص بالمذمت "**ما یحکمون**" بتاویل مصدر ہے۔ **ای ساء حکمھم ھذا**۔لیکن قاضیؒ **ما** موصوفہ مانتے ہیں۔**ای ساء شیئ حکموا بذلک.** اول صورت میں **ساء** خبریہ ہے اور دوسری صورت میں انشائیہ ہوگا۔لیکن فاعل مذکور ہونے کی صورت میں تمیز کی ضرورت نہیں رہتی۔اور اگر تمیز مانی جائے۔تو پھر فاعل کو مستتر ماننا پڑے گا۔جو مصدریہ ہونے کے منافی ہے۔اس لئے مفسرؒ کی تقدیر عبارت اشکال سے خالی نہیں ہے۔

ربط آیات:............ پچھلی سورت کے آخر میں قرآن کریم کا ذکر تھا۔اسی مضمون سے اس سورت کو شروع کیا جارہا ہے۔اس سورت میں توحید و نبوت و معاد تین مضامین تو اصل ہیں۔باقی مضامین انہی کی مناسبت سے آگئے ہیں۔

شان نزول:............ یہ پوری سورت مکی ہے یا بقول ابن عباسؓ و قتادہؒ علاوہ آیت **قل للذین** الخ کے مکی ہے اور صرف یہ آیت مدنی ہے۔

فاروق اعظمؓ سے ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی الجھ پڑا۔غزوۂ بنی المصطلق کے موقعہ پر مریسیع کے کنویں پر ابن ابی نے اپنے غلام پانی لینے بھیجا۔وہ دیر میں واپس آیا تو ابن ابی نے دیر کی وجہ پوچھی۔اس نے کہا کنویں پر حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔انہوں نے جب تک

حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی مشکیں بھری نہیں گئیں کسی کو پانی نہیں لینے دیا اس پر ابن ابی بولا ۔ کہ ان لوگوں کی مثال تو سمن کلبک کلک ہے ۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو آپ نے اس کو مار ڈالنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر اس آیت میں روک دیا گیا ہے۔

لیکن مامون ابن خیرانؒ نے نقل کیا ہے کہ جب آیت من ذاالذی یقرض اللہ نازل ہوئی ۔ تو فنحاص یہودی بولا ۔ کہ محمد ﷺ کا رب مفلس ہو گیا۔ حضرت عمرؓ اس کو مارنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ۔ مگر آنحضرتؐ نے روک دیا۔ اور ابوالسعودؒ اور قاضیؒ کہتے ہیں کہ ایک غفاری نے گالی دی۔ جس پر فاروق اعظمؓ جھپٹ پڑے ۔ پہلی صورت میں بھی کسی مشرک نے مکہ مکرمہ میں فاروق اعظمؓ کو گالیاں دیں۔ جس پر انہوں نے اس کو مار ڈالنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تلک ایات اللہ. نضر بن الحارث نے کچھ عجمی تاریخی کتابیں خرید کر لوگوں کو پرچانا چاہا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ لیکن الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جائے گا۔

ام حسب الذین. بقول کلبیؒ اس سے عتبہ، شیبہ دونوں ربیعہ کے بیٹے ۔ ولید بن عتبہ مراد ہیں ۔ اور الذین آمنوا سے حضرت علی، حمزہ، عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم مراد ہیں ۔ جب کہ انہوں نے بدر میں مشرکین کو قتل کر دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین جب قتل ہوئے تو کہنے لگے ۔ کہ ہمیں آخرت میں مسلمانوں سے بہتر نعمتیں ملیں گی۔

﴿تشریح﴾:.......... حم تنزیل. پہلی آیات سے قرآن عزیز کے کلام الٰہی ہونے کا بیان ہے۔ پھر آیت ان فی خلق السمٰوات سے یعقلون تک توحید کا مضمون ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش اور ان کے محکم نظام میں غور کرنے سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ضرور کوئی ہے جس نے کمال خوبی اور حکمت سے ان کو پیدا کیا اور لا محدود قدرت سے ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

ایک بدوی نے کیا خوب کہا تھا۔ البعرة تدل علی البعیر والا قدام علی المسیر فکیف السماء ذات الابراج والارض ذات الا خراج لا تد لان علی اللطیف الخبیر۔

ان آیات کے فواصل میں مومنین، یوقنون، یعقلون فرمانا تفنن کلام کے لئے ہے۔ یہ دلائل اگرچہ عقلی ہیں جیسا کہ لقوم یعقلون سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اہل ایمان ویقین سے مراد عام ہے خواہ بالقوۃ ہو یا بالفعل، طلب کے ذریعہ ہو یا حصول کے طریقہ پر عقلی دلیل میں بھی تو آخر طلب ونظر ہوتی ہے۔ توحید کے بعد آگے نبوت سے بحث ہے۔

قرآن سے زیادہ سچی بات کون سی ہے:.......... تلک ایٰت اللہ. اللہ کے سوا دوسرا کون ہے جس کی بات ماننے کے قابل ہو۔ جب اس سچے اور بڑے مالک کی سیدھی صاف بات بھی کوئی بدنصیب نہ مانے تو آخر کس چیز کو قبول کرنے کا منتظر ہے وہ اپنی ضد اور غرور کی وجہ سے بات نہیں سنتا۔ حق بات سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں ۔ پس جب وہ اللہ کی آیات سے یہ اہانت آمیز برتاؤ کرتا ہے تو اسے سخت اہانت آمیز سزا بھگتنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے جو آگے آ رہی ہے۔ اس وقت مال واولاد کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اللہ کے سوا جن کو مددگار کارساز بنا رکھا تھا وہ کام آئیں گے۔ فی الحقیقت قرآن کریم ایک عظیم الشان صحیفہ ہدایت ہے جو ہر قسم کی برائی بھلائی سمجھانے کے لئے آیا ہے جو اس کو نہ مانے وہ ہولناک عذاب کے لئے آمادہ رہے۔ اللہ کی قدرت وطاقت کا کیا پوچھنا اس نے تو سمندر جیسی مخلوق کو مسخر کر دیا۔ جس میں انسان بے تکلفی سے جہاز اور کشتیاں لئے لئے پھرتا ہے۔ ملکوں کی سیر وسیاحت، کاروبار، آبدار، قیمتی موتیوں کا نکالنا، مچھلیوں کا شکار، غرض ہر طرح کے منافع وفوائد حاصل کرتا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تم منعم حقیقی کو نہ

بھولو اور زبان و دل سے اس کے شکرگزار بنو اور یہی نہیں بلکہ اللہ نے اپنی قدرت وحکمت سے ساری کائنات کو تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ یہ اسی کی عنایت ہے کہ بڑی سے بڑی مخلوق کو انسان کے لئے بیگاری بنا دیا۔ آدمی اگر دھیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اللہ ہی نے اپنے فضل وکرم سے سب کچھ ہمارے لئے وقف کر دیا ہے پس ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے خالق و مالک کی طاعت وعبادت میں لگیں۔ نعمتوں میں گم ہوکر منعم کو نہ بھول جائیں۔

آگے معاد کی جزاء وسزا کا ذکر ہے۔

پچھلی آیت ویل لکل افاك میں کفار کی شرارت وخباثت کا ذکر تھا۔ ممکن ہے ان شرارتوں پر مسلمانوں کو غصہ آ جائے اس لئے آیت قل للذین اٰمنوا سے تسامح اور چشم پوشی کا حکم ہے۔

ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے:............ ایام اللہ سے قیامت مراد ہے۔ جس میں اچھے بروں کو ان کے کئے کا بدلہ ملے گا۔ آپ اور مسلمان ان کے بدلہ کی فکر نہ کریں۔ اللہ پر چھوڑ دیں۔ وہ ان کی شرارتوں کا بھی مزہ چکھا دے گا اور تمہارے صبر وتحمل کا بھی صلہ دے گا۔ جو اچھائی کرتا ہے اس کا فائدہ خود اسی کو ہوتا ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اسی طرح جو برائی کرتا ہے وہ اپنے حق میں کانٹے اور بیج بوتا ہے، کسی کی برائی کسی پر نہیں پڑتی۔ ہر شخص اپنے نتائج عمل سے بندھا ہوا ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

جو کام کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا نفع نقصان خود اسی کو پہنچ کر رہے گا۔ اور یہاں نہیں تو وہاں پہنچ کر سب بھلائی برائی مع نتائج کے سامنے آ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس فرمانے سے جہاد کی نفی نہیں ہو رہی ہے کہ اس کو منسوخ کہا جائے۔ بلکہ مقصود ایسے انتقام سے روکنا ہے۔ جس کا منشاء محض تسکین جذبات ہو۔ اعلاء کلمۃ اللہ پیش نظر نہ ہو لیکن جہاد جس کا اصلی سبب اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہے اس کو روکنا نہیں ہے۔ گو اس کے ضمن میں طبعاً تسکین غیظ بھی ہو جائے۔ آگے پھر نبوت ورسالت کی تائید ہے۔

نازبرداری سے انسان بگڑ جاتا ہے:............ ولقد اٰتینا بنی اسرائیل. حکومت وسلطنت قوت وطاقت اسی طرح ولایت، نبوت ورسالت غرض کہ ہر قسم کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بنی اسرائیل کو نوازا۔ مگر اتنی نازبرداریوں سے بھی وہ راہ راست پر نہیں آئے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ بگڑتے چلے گئے۔ آپس کی پھوٹ کی وجہ سے بے شمار فرقوں میں بٹ گئے۔ جس سے ان کی قوت پارہ پارہ ہوتی چلی گئی۔ اگر دلیل و برہان کی روشنی میں حق وناحق کا فیصلہ دنیا میں بھی ہوتا رہا۔ مگر بہت طبائع جو علم جو نہیں ہوتی۔ ان کے لئے ایسا فیصلہ تسلی بخش نہیں ہوتا۔ ان کے لئے عملی فیصلہ کی ضرورت رہتی ہے اس لئے وہ قیامت میں کر دیا جائے گا۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ فرقہ بندیوں میں پڑنا ہواپرستی اور نفس پروری کے سوا کچھ نہ تھا۔

ثم جعلناك. یعنی ان اختلافات کی کشمکش میں آپ کو راہ مستقیم پر قائم کر دیا۔ اسی پر آپ اور آپ کی امت گامزن رہے۔ کبھی بھول کر بھی نادانوں کی بات نہ مانے اور جاہلوں کی خواہشات پر نہ چلے کہ آپ ان کے رویہ سے تنگ آ کر دعوت وتبلیغ چھوڑ بیٹھیں یا مسلمان بھی اختلافات کے سلسلہ میں ان کے نقش قدم پر چل پڑیں ضرورت اس کی ہے کہ ان کی یہ خواہشیں یکسر پامال کر دی جائیں۔

ھذا بصائر. قرآن کریم حقیقت آمیز، بصیرت افروز کتاب ہے یوں تو سب کے لئے یہ دسترخوان نعمت چنا ہوا ہے۔ مگر جو نصیبہ ور اس کی نعمتوں کو چکھے اور کھائے۔ وہی صحیح معنوں میں لذت اندوز ہو سکتا ہے۔

نیک معاش اور بدمعاش کا انجام:............ ام حسب الذین. اللہ کی حکمت پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ ایک بدمعاش اور نیک معاش دونوں کو اللہ برابر کر دے گا، دونوں کا انجام یکساں بنا دے گا؟ نہ یہ دونوں اس زندگی میں برابر ہو سکتے

ہیں اور نہ اس زندگی میں، دنیا میں مومن فرمانبرداری کی زندگی گزارتا ہے۔ جس سے اللہ راضی رہتا ہے وہ کافر ومنافق کو کہاں نصیب۔ اسی طرح آخرت کی تمام نعمتیں مومن کے لئے مخصوص اور کافر ومنافق کے لئے نکبت وخسران کے سوا کیا ہے؟

غرض کہ یہ خیال بالکل مہمل اور یہ کہنا سراسر غلط کہ اللہ نیکوں بدوں کا مرنا جینا برابر کردے گا۔ اس کے انصاف کا تقاضا ہے کہ دونوں کا نتیجہ الگ الگ ظاہر ہو، دنیا میں کسی مصلحت وحکمت سے وہ نتائج اگر فی الجملہ ظاہر ہوئے ہوں تو ان کا پوری طرح معائنہ اور مشاہدہ آخرت میں ہو جائے۔

اور اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ مؤمنین کا مرنا جینا بایں معنی نہیں ہو سکتا کہ جس طرح دنیا میں یہ لذات سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی یہ محروم رہیں۔ اسی طرح کافروں کا مرنا جینا بھی بایں معنی یکساں نہیں ہو سکتا۔ کہ دنیا میں جیسے سزا سے بچے رہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی سزا سے مامون رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے انکار سے تو یہ لازم آتا ہے کہ فرمانبرداروں کو کہیں بھی ثمرہ نہ ملے اطاعت کا۔ اور مخالفین پر کہیں بھی مخالفت کا وبال نہ آئے۔ یہ بات اگرچہ عقلاً فی نفسہ ممکن ہے مگر حکمت کی رو سے ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملنا ضروری ہے اور دنیا میں اس کا وقوع نہیں ہوا۔ اس لئے آخرت کا ہونا ناگزیر اور ضروری ہے..... پس قیامت کا انکار کر کے جو یہ لوگ برابری کا حکم لگا رہے ہیں وہ سرتاسر غلط اور بے ہودہ ہے۔

لطائف سلوک:.......... آیت قل للذین اٰمنوا۔ میں بعض مکارم اخلاق کی تعلیم ہے۔

آیت ثم جعلنا علیٰ شریعة. سے اتباع شریعت کی اہمیت ظاہر ہے جب صاحب شریعت کو شریعت کی پابندی کا حکم ہے تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔ اس لئے خلاف شریعت ہوتے ہوئے دعوائے کمال کرنا کس قدر غلطی ہے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ لِيَدُلَّ عَلٰى قُدْرَتِهٖ وَوَحْدَانِيَّتِهٖ **وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ** مِنَ الْمَعَاصِيْ وَالطَّاعَاتِ فَلَا يُسَاوِى الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ**﴿۲۲﴾ **اَفَرَءَيْتَ** اَخْبِرْنِىْ **مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ** مَا يَهْوَاهُ مِنْ حَجَرٍ بَعْدَ حَجَرٍ يَرَاهُ اَحْسَنَ **وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ** مِنْهُ تَعَالٰى اَىْ عَالِمًا بِاَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الضَّلَالَةِ قَبْلَ خَلْقِهٖ **وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ** فَلَمْ يَسْمَعِ الْهُدٰى وَلَمْ يَعْقِلْهُ **وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً** ظُلْمَةً فَلَمْ يَبْصُرِ الْهُدٰى وَيُقَدَّرُ هُنَا الْمَفْعُوْلُ الثَّانِىْ لِرَاَيْتَ اَىْ اَيَهْتَدِىْ **فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ** اَىْ بَعْدِ اِضْلَالِهٖ اِيَّاهُ اَىْ لَا يَهْتَدِىْ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ**﴿۲۳﴾ تَتَّعِظُوْنَ فِيْهِ اِدْغَامُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِى الذَّالِ **وَقَالُوْا** اَىْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ **مَا هِىَ** اَىِ الْحَيٰوةُ **اِلَّا حَيَاتُنَا** الَّتِىْ فِى **الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا** اَىْ يَمُوْتُ بَعْضٌ وَيَحْيٰى بَعْضٌ بِاَنْ يُّوْلَدُوْا **وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ** اَىْ مُرُوْرُ الزَّمَانِ قَالَ تَعَالٰى **وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ** الْمَقُوْلِ **مِنْ عِلْمٍ اِنْ** مَا **هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ**﴿۲۴﴾ **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ الدَّالَّةُ عَلٰى قُدْرَتِنَا عَلَى الْبَعْثِ **بَيِّنٰتٍ** وَاضِحَاتٍ حَالٌ **مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ** اَحْيَاءً **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**﴿۲۵﴾ اَنَّا نُبْعَثُ **قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ** حِيْنَ كُنْتُمْ نُطَفًا **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ** اَحْيَاءً **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْقَائِلُوْنَ مَا ذُكِرَ **لَا يَعْلَمُوْنَ**﴿۲۶﴾ ع ۱۵

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبَدَّلُ مِنْهُ **يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾** الْكَافِرُوْنَ اَیْ يَظْهَرُ خُسْرَانُهُمْ بِاَنْ يَّصِيْرُوْا اِلَى النَّارِ **وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ** اَیْ اَهْلَ دِيْنٍ **جَاثِيَةً** عَلَى الرُّكَبِ اَوْ مُجْتَمِعَةً **كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا** كِتَابِ اَعْمَالِهَا وَيُقَالُ لَهُمْ **اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾** اَیْ جَزَاءَهٗ **هٰذَا كِتٰبُنَا** دِيْوَانُ الْحَفَظَةِ **يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ** نُثْبِتُ وَنَحْفَظُ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ** جَنَّتِهٖ **ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾** اَلْبَيِّنُ الظَّاهِرُ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** فَيُقَالُ لَهُمْ **اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ** الْقُرْاٰنُ **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ** تَكَبَّرْتُمْ **وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾** كَافِرِيْنَ **وَاِذَا قِيْلَ** لَكُمْ اَيُّهَا الْكُفَّارُ **اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِالْبَعْثِ **حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ** بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ **لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ** مَا **نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا** قَالَ الْمُبَرَّدُ اَصْلُهٗ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا **وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾** اِنَّهَا اٰتِيَةٌ **وَبَدَا** ظَهَرَ **لَهُمْ** فِي الْاٰخِرَةِ **سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا** فِي الدُّنْيَا اَیْ جَزَاءُهَا **وَحَاقَ** نَزَلَ **بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾** اَیِ الْعَذَابُ **وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ** نَتْرُكُكُمْ فِي النَّارِ **كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا** اَیْ تَرَكْتُمُ الْعَمَلَ لِلِقَائِهٖ **وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾** مَانِعِيْنَ مِنْهَا **ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنَ **هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا** حَتّٰى قُلْتُمْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ **فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ **مِنْهَا** مِنَ النَّارِ **وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾** اَیْ لَا يُطْلَبُ مِنْهُمْ اَنْ يُّرْضُوْا رَبَّهُمْ بِالتَّوْبَةِ وَالطَّاعَةِ لِاَنَّهَا لَا تَنْفَعُ يَوْمَئِذٍ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ** الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ عَلٰى وَفَاءِ وَعْدِهٖ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ **رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾** خَالِقِ مَا ذُكِرَ وَالْعَالَمُ مَا سِوَى اللّٰهِ وَجُمِعَ لِاخْتِلَافِ اَنْوَاعِهٖ وَرَبِّ بَدَلٌ **وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ** الْعَظَمَةُ **فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** حَالٌ اَیْ كَائِنَةٌ فِيْهِمَا **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾** تَقَدَّمَ

ع ۱۱ ۲۰

ترجمہ: ....اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا (بالحق کا تعلق خلق سے ہے تاکہ اللہ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرے) اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جا سکے (جو اس نے نافرمانی اور فرمانبرداری کے کام کئے۔ جس سے یہی نکلا کہ کافر و مومن برابر نہیں ہیں) اور ان پر ذرا ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔ سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی (مجھے بتلائیے) جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے (ایک پتھر کے بعد دوسرا پتھر اس سے اچھا ملتا ہے تو اسی کو خدا بنا لیتا ہے) اور اللہ نے اس کو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے (یعنی اللہ کو اس کی پیدائش سے قبل پہلے ہی اس کا گمراہ ہونا معلوم تھا) اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے (اس لئے نہ وہ ہدایت کو سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے) اور اس کی نگاہ پر پردہ ڈال دیا ہے (ظلمت کا اس لئے اس کو ہدایت نظر نہیں

آتی۔ اور یہاں رایت کا مفعول ثانی مقدر ہے یعنی یھتدی) سوایسے شخص کو اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ (کوئی ہدایت نہیں دے سکتا) کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے اور یہ لوگ (منکرین قیامت) یوں کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگانی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے ہم مرتے جیتے ہیں (یعنی بعض مرتے ہیں اور بعض کو پیدا ہو کر زندگی ملتی ہے) اور ہمیں صرف زمانہ (کے گزرنے) سے موت آتی ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) حالانکہ ان کے پاس اس (بات) پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں (قرآن کریم کی جن سے قیامت کی نسبت ہماری قدرت معلوم ہوتی ہے) کھلی کھلی (واضح یہ حال ہے) تو ان کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) سامنے لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ ہم قیامت میں اٹھائے جائیں گے) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے تمہیں زندگی بخشی (نطفہ ہونے کی حالت میں) پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں (جلا کر) جمع کرے گا قیامت کے روز جس کے آنے میں شک (شبہ) نہیں لیکن اکثر لوگ (جو ان باتوں کے قائل ہیں) نہیں سمجھتے۔ اور اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت ہوگی (آگے بدل ہے) اس روز غلط کار لوگ ٹوٹے میں ہوں گے (مراد کافر) یعنی ان کا خسارہ کھل کر سامنے آجائے گا جب وہ جہنم رسید ہوں گے) اور آپ ہر فرقہ (مذہبی جماعت) کو دیکھیں گے اوندھے منہ گر پڑیں گے (زانو کے بل یا اوندھے منہ) ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہارے کئے کا بدلہ (صلہ) تمہیں ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر (محافظ خانہ) ہے۔ جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے ہم تمہارے اعمال لکھواتے (محفوظ کرتے) جاتے تھے۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت (جنت) میں کر دے گا اور یہ کھلی (روشن واضح) کامیابی ہے اور جو لوگ کافر رہے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات (قرآن) تمہیں پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھی، سو تم نے تکبر کیا اور تم بڑے مجرم (کافر) رہے اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ (قیامت) برحق ہے اور قیامت میں (رفع اور نصب کے ساتھ ہے) کوئی شک (شبہ) نہیں۔ تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے (مبردؒ کی رائے ہے کہ اصل عبارت ان نحن الا نظن ظناً ہے) اور ہمیں یقین نہیں ہے (کہ قیامت آئے گی) اور ان کو (آخرت میں) ظاہر ہو جائیں گے تمام برے اعمال (جو دنیا میں کئے تھے یعنی ان کی سزا) اور آگھیرے گا (پکڑ لے گا) ان کو جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہہ دیا جائے گا آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں (دوزخ میں ڈال کر) جب کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا (یعنی قیامت کی تیاری نہیں کی تھی) اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار (اس سے بچاؤ کا راستہ) نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات (قرآن) کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیاوی زندگانی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا (حتیٰ کہ تم یہاں تک کہا اٹھے کہ نہ قیامت ہوگی نہ حساب کتاب) سو آج نہ یہ دوزخ (جہنم) سے نکالے جائیں گے (لا یخرجون معروف مجہول دونوں طرح ہے) اور نہ ان سے اللہ کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا (یعنی ان سے خواہش نہیں کی جائے گی۔ کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری اور توبہ کر کے اس کو راضی کر لیں۔ کیونکہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا) سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں (مکذبین کے متعلق اس کے وعدہ پورا کرنے پر، اس کی تعریف ہے) جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین اور سارے عالم کا (مذکورہ چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، عالم سے مراد اللہ کے علاوہ کائنات ہے۔ اور جمع، اختلاف نوع کی وجہ سے لائی گئی ہے۔ اور رب بدل ہے) اور اسی کی بڑائی (عظمت) ہے آسمانوں اور زمین میں (حال ہے ای کائنة فی السموات والارض) اور وہی زبردست حکمت والا ہے (پہلے اس پر کلام ہو چکا ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... ولتجزی. مفسرؒ نے اس سے پہلے لیدل نکال کر اشارہ کیا ہے کہ لیجزی کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ لیکن اس کا عطف بالحق کے معنی پر بھی ہوسکتا ہے۔ ای خلقها للبدل والصواب لا للبعث.

افرأیت. مفسرؒ نے اخبرنی سے تفسیر کر کے اس میں دو مجاز مانے ہیں۔ ایک رویت سے خبر مراد لی ہے اور دوسرے سبب سے مسبب مراد لیا ہے۔ نیز استفہام سے امر مراد لیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں طلب ہوتی ہے۔ رأیت کا مفعول اول من اتخذ ہے۔

علی علم. مفسرؒ نے اس کو فاعل سے حال مانا ہے اور مفعول بھی حال ہوسکتا ہے۔ فما اختلفوا الامن بعد ما جاء هم العلم کی طرح ہوجائے گا۔ ای اضله وهو عالم بالحق. یعنی اللہ نے اس کو اس کی سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کردیا ہے۔ اس صورت میں اس کی برائی اور زیادہ ہوگئی۔ رأیت کا مفعول ثانی محذوف ہے کیونکہ من یهدیه اس پر دلالت کر رہا ہے۔

من بعد اللّٰه. مفسرؒ نے بعد اضلاله سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پہلی عبارت جس کا قرینہ ہے۔

نموت ونحیا. اس پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اس میں تو موت کے بعد حیات کا اعتراف موجود ہے۔ پھر ان کو منکر بعث کیسے کہا گیا؟ مفسرؒ نے اسی کے جواب کے لئے تفسیر کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ موت وحیات کا محل ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہے۔

بذلك. مفسرؒ نے اس کا مشار الیہ ظاہر کردیا۔

ما کان حجتهم. کان کی خبر حجت ہے اور الا ان قالوا اسم ہے الا قولهم اور کفار کی بات کو ان کے گمان کے اعتبار سے بطور تہکم حجۃ کہا گیا ہے۔

یوم تقوم الساعة. یہ ظرف ہے یخسر کا اور یومئذ پہلے یوم کا بدل ہے تاکید کے لئے اور جملہ مقدرہ کے عوض میں یومئذ پر تنوین ہے۔ ای یومئذ تقوم الساعة.

یخسر المبطلون. کفار کا خسران روز ازل میں طے ہوچکا پھر یومئذ کی قید کیوں لگائی گئی۔ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ خسران کا اظہار مراد ہے جو فی الوقت ہوا ہے۔

کل امة. مبتداء ہے تدعی خبر ہے لیکن یعقوبؒ نے کل امة کو منصوب پڑھا ہے پہلے کل امة سے بدل بناتے ہوئے نکرہ موصوفہ ہونے کی وجہ سے۔

جاثیة. گھٹنوں کے بل بیٹھنا یا مجتمع ہو کر بیٹھنا۔

الیٰ کتابها. ادنیٰ مناسبت وتلبس کی وجہ سے اعمالنامہ کی اسناد بندوں کی طرف ہے اور اللہ کی طرف مالک ہونے کی وجہ سے ہے۔

ینطق علیکم. معلوم ہوا کہ اعمال نامے سب پڑھ سکیں گے کتاب بولنے سے یہی مراد ہے لیکن آج ریڈیو بولنے اور ریکارڈ بولنے سے تو اعمال ناموں کے بولنے کا استبعاد بھی دور ہوگیا ہے۔ اس لئے مجاز کی بجائے حقیقی معنی لینے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔

یقولون یا ویلتنا ما لهذا الکتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصاها.

نستنسخ. بمعنی نکتب ونثبت ونحفظ نسخ اور استنساخ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس کے معنی نقل کتاب اور ابطال شئی کے نہیں ہیں۔

فاما الذین. یہاں سے اعمال نامہ کے بولنے کی تفصیل ہے۔

فیدخلهم جنت کا دخول اولیٰ مراد ہے ورنہ نفس دخول جنت تو محض ایمان سے بغیر عمل صالح کے بھی ممکن ہے۔

رحمت. کی تفسیر جنت کے ساتھ تو یا عام خاص سے تفسیر ہے۔

والساعة. رفع اور نصب دونوں طرح ہے اول صورت میں مبتدا اور لا ریب فیہ اس کی خبر ہے اور نصب اسم ان یعنی وعداللہ پر عطف کرتے ہوئے حمزہؒ کے نزدیک۔

ان نظن. چونکہ مصدر مؤکد استثناء مفرغ نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ ما ضربت الا ضربا کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے ماضربت الا ضربت کہا جائے جو بے فائدہ ہے۔ چنانچہ نحو کی کتابوں میں لکھا ہے عامل کو بعد کے تمام معمولات کے لئے فارغ کرنا جائز ہے بجز مفعول مطلق کے اسی لئے ماظننت الا ظنا کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نفی اور اثبات دونوں کا محل ایک ہی ہو جاتا ہے یعنی ظن۔ حالانکہ حصر اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ دونوں میں مغایرت ہو۔ اسی اشکال کے ازالہ کے لئے مفسر علامؒ قال المبرد الخ سے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

حاصل تاویل یہ ہے کہ یہاں نفی کا مورد محذوف ہے۔ یعنی متکلم کا کسی فعل پر ہونا، اور اثبات کا مورد متکلم کا ظن کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ اس جملہ میں لفظ الا اگر چہ لفظاً مؤخر ہے لیکن تقدیراً مقدم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اثبات ظن کا حصر تو متکلم کے لئے ہے اور اپنے علاوہ سے ظن کی نفی ہے اور یقین بھی علاوہ میں داخل ہے۔ اگر چہ یقین کی نفی مقصود ہے۔ لیکن بطور مبالغہ مطلقاً ظن کے علاوہ کی نفی کر دی گئی ہے۔ جس میں یقین کی نفی بھی آ گئی۔ اسی کی تائید کے لئے آیت کا اگلا حصر وما نحن بمستیقنین ارشاد فرمایا گیا۔

سیئات. مفسرؒ نے لفظ جزاء بڑھا کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا۔

ننسا کم. مسبب بول کر سبب یعنی ترک مراد لیا ہے اور لقاء کی اضافت یوم کی طرف مکرا للیل و النھار کی طرح ہے۔

لا یخرجون. اس میں التفات ہے خطاب سے غائب کی طرف جس میں نکتہ یہ ہے کہ کفار کو نا قابل التفات سمجھا گیا۔

یستعتبون. سین تا طلب کے لئے ہے۔

رب السمٰوات. تینوں جگہ رب، اللہ کا بدل ہے۔

فی السمٰوات. یہ کبریا سے حال ہے۔

ربط آیات:......... آیت وخلق اللہ السمٰوات آیت ام حسب الذین کا تتمہ ہے جس میں اللہ کی قدرت وحکمت کا بیان ہے۔

پھر آیت افرأیت سے قیامت کا بیان ہے جو آخر سورت تک ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾:......... آیت ام حسب الذین اور آیت وخلق اللہ میں ایک ہی حکمت کا بیان ہے۔ یعنی فرمانبرداروں کو ان کی فرمانبرداری کا صلہ ملنا اور مخالفین کو مخالفت کی سزا ہونا۔ البتہ دوسری آیت میں فی نفسہ عمل کا مقتضی جزا ہونا اور نیکی بدی دونوں کا برابر نہ ہونا مقصود ہے۔ لیکن پہلی آیت میں نفس عمل کے مقتضی جزاء ہونے کے علاوہ اس خاص لحاظ سے بھی مقتضی جزا ہونا مقصود ہے کہ بدلہ نہ ہونے کی صورت میں نیک و بد کی برابری لازم آتی ہے۔ اور یہ خود طبعی طور پر ایک مستقل خرابی ہے۔ کیونکہ عادۃً دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی نوکر ہو اور وہ ہر طرح اپنے آقا کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہو۔ مگر اس کو کوئی انعام واکرام نہ ملے تو اسے شکایت ہوتی ہے۔ مگر اتنی نہیں جتنی کہ اس صورت میں ہوتی ہے۔ کہ ایک شریر نوکر آ جائے اور وہ ہر طرح کی شرارت کر کے بھی سزا سے بچا رہے۔ اس وقت فرمانبردار نوکر کو اپنی اطاعت کے رائیگاں جانے کا زیادہ قلق اور افسوس ہوگا۔ کیونکہ شریر ملازم کو اگر سزا مل جاتی تو اسے یہ تسلی رہتی کہ خیر اطاعت میں اگر انعام نہیں ملا تو یہی غنیمت ہے کہ نافرمانی کی سزا سے بچ گیا۔ لیکن جب شریر ملازم کو سزا بھی نہ ملے تو رنج وملال زیادہ

ہوگا کہ میری اطاعت بیکار گئی۔

مومن وکافر کی دنیا وآخرت یکساں نہیں ہوسکتی:............پہلی آیت کی اگرچہ مشہور تفسیر وہی ہے جو پہلے شروع میں گزر چکی کہ مؤمن وکافر دونوں کی زندگی اور موت میں برابری نہیں ہوسکتی گویا مجموعہ کا انکار ہے یعنی جس طرح مومن وکافر دنیاوی اکثر امور تندرستی، بیماری، رزق وغیرہ میں شریک اور برابر رہتے ہیں۔ اگرچہ ان کی کمیت کیفیت میں کچھ فرق ہو تو کیا مرنے کے بعد بھی ان دونوں کو برابر رکھیں گے۔ ایک کی طاعت اور دوسرے کی معصیت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔

خازن میں بلا سند لکھا ہے کہ کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آخرت کوئی چیز ہے تب بھی ہم وہاں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر رہیں گے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

تو اس وقت پہلی تقریر اس طرح ہوگی کہ کیا ہم مسلمانوں کی زندگی اور موت برابر کردیں گے کہ جس طرح دنیاوی عیش وآرام میں مسلمانوں کی اکثریت کفار سے کم رہی اسی طرح آخرت میں بھی کم رہیں۔

علیٰ ہذا کیا کافروں کی زندگی موت برابر کردیں گے۔ کہ جس طرح دنیا میں کفار کی اکثریت مسلمانوں سے بڑھی۔ اسی طرح آخرت میں بھی یہی رہے۔

اور دوسری تقریر اس طرح ہوگی کہ آخرت میں کفار کا مسلمانوں سے بڑھا ہوا ہونا کیا معنی؟ عزت افزائی یا پکڑ دھکڑ میں برابری بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ مرنے کے بعد دونوں میں سزا ہونے نہ ہونے کا فرق ہوگا، اگرچہ دنیا میں سزا نہ ملنے میں دونوں برابر رہے ہوں۔

غرض کہ دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ زمین وآسمان اللہ نے یوں ہی بیکار پیدا نہیں کئے۔ بلکہ انتہائی حکمت سے کسی خاص مقصد کے لئے بنائے ہیں اور وہ یہ کہ لوگ اندازہ کرسکیں کہ بلاشبہ ہر چیز ٹھیک موقعہ سے بنائی گئی ہے اور یہ کہ ضرور ایک دن اس عظیم الشان کارخانۂ ہستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلے گا۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں جہاں ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملے گا اور جو بویا تھا وہی کاٹنا پڑے گا۔

عقل، معاش، معاد کے لئے کافی نہیں ہے:............ افرأیت من اتخذ. یعنی اللہ کو معلوم تھا کہ اس کی استعداد خراب ہے اور یہ اسی لائق ہے کہ سیدھی راہ سے ادھر ادھر بھٹکتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بدبخت سمجھ بوجھ اور دانش بینش کے باوجود یہ خود راہ سے بھٹکا۔ کیونکہ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود بنالے اور حق وناحق کا معیار اس کی یہ خواہش نفس ہی رہ جائے تو اللہ بھی اس کو اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ نہ اس کے کان نصیحت کی بات سنتے ہیں اور نہ دل سچی بات قبول کرتا ہے اور نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ جس کو اس کے کرتوت کی بدولت اس حالت پر پہنچادے۔ پھر کون سی طاقت ہے جو اس کے بعد اس کو سیدھی راہ پر لے آئے۔

وقالوا ماھی. کفار کی ذہنیت یہی ہوتی ہے کہ اس دنیاوی زندگانی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے بس مرنا جینا جو کچھ ہے یہیں ہولیتا ہے اس کے بعد کوئی جہان نہیں ہے۔ چنانچہ بارش ہونے پر سبزہ اُگتا ہے جو خشکی ہونے پر سوکھ کر ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو سمجھو کہ ایک وقت پیدا ہوتا ہے۔ پھر ایک مقررہ وقت تک جیتا ہے۔ آخر کار زمانہ کا چکر اسے ختم کرڈالتا ہے۔ موت وحیات کا یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ یہ سب کچھ زمانہ کی کارگزاری ہے۔ حالانکہ یہ کافرانہ نقطۂ نظر سراسر مہمل ہے۔ کیونکہ زمانہ اور دہر میں نہ حس ہے نہ ادراک وشعور، نہ ارادہ ہے اور نہ قدرت۔ پھر کیوں نہ اللہ کو مان لیا جائے جو مومنانہ نقطۂ فکر ہے اور جس کا وجود اور علی الاطلاق متصرف ہونا فطری دلائل اور عقلی نقلی براہین قاطعہ سے ثابت ہوچکا ہے اور زمانہ کا الٹ پھیر اور دن رات کی گردش اسی

کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

زمانہ کو برا کہنے سے حدیث میں اسی لئے منع فرمایا گیا ہے کہ زمانہ خود کوئی چیز نہیں ہے اس میں اللہ ہی کا تصرف ہے اس کو برا کہنے سے اللہ پر برائی آتی ہے اور یہ نہایت گستاخی ہے۔

انکار آخرت کی دلیل نہیں بلکہ وجود آخرت کی دلیل ہے: .... کفار نے اپنے قول وما یھلکنا الا الدھر کو اپنے قول ان ھی الا حیاتنا کی دلیل میں پیش کیا ہے یعنی موت اسباب طبعیہ سے ہوتی ہے کہ زمانہ گزرنے سے قوائے بدنیہ تحلیل ہو کر موت آجاتی ہے بس اسی طرح وہ سمجھتے تھے کہ حیات بھی اسباب طبعیہ سے ہوتی ہے یعنی اسباب طبعیہ کا اگر تقاضہ نہیں ہوگا تو موت کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہوگی۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدا کے منکر اور دہریہ ہوں۔ بلکہ ممکن ہے فلاسفہ یونان کی طرح وہ بھی قدرت نوعیہ کو فاعل اور ہیولیٰ کو قابل مانتے ہیں۔

تاہم ان کے پاس آخرت کے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے اور جو دلیل انہوں نے یہ ذکر کی ہے وہ خود بے دلیل ہے اور اس کا بدیہی نہ ہونا ظاہر بلکہ خلاف دلیل ہے۔ کیونکہ علم کلام میں ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ کوئی چیز بھی اسباب طبعیہ پر موقوف نہیں ہے۔ پس نہ خود ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ وہ اہل حق کی دلیل کا پکا جواب دے سکتے ہیں۔

واذا تتلیٰ. یعنی قرآن پاک کی آیات یا قیامت کے دلائل اگر منکر کو سنائے جاتے ہیں تو ایک دم کہہ اٹھتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ تم اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو بس مختصر یہ ہے کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو۔ تب ہم جانیں گے کہ دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔

اس جواب کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ مثلاً: یہی کہ عقلی دلیل سے دوبارہ زندہ ہونے کو محال ثابت کر دیتے تو اس صورت میں اگر نقلی صحیح دلیل اس عقلی دلیل کے معارض ہوتی تو اس کی تاویل کی جاتی۔ اور نقلی صحیح دلیل اگر صحیح نہ ہوتی تو پھر عقلی دلیل کے معارض ہونے کی وجہ سے اسی کو چھوڑ دیا جاتا۔ یا قرآن کی طرح کا معجزانہ کلام پیش کر دیتے تاکہ وہی حجت ہو سکتا۔ مگر ایسی کوئی بات بن نہ پڑسکی اور جو جواب دیا وہ محض نامعقول ہے کیونکہ خاص اشخاص کے زندہ نہ کرنے سے عام زندہ کرنے کی نفی کیسے لازم آئی؟ آگے جواب الجواب ارشاد فرماتے ہیں۔

آپ فرما دیجئے کہ مارنے جلانے کا مجھ سے کیا تعلق، اس کا تعلق اللہ سے ہے۔ جس نے ایک دفعہ زندہ کیا پھر مارا۔ اب اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر دے اور سب کو یکجا کر دے۔ اس روز ذلت وخواری کے ساتھ پتہ لگے گا کہ کس دھوکا میں پڑے ہوئے تھے۔

اشکال کا جواب: .... وتریٰ کل امۃ جاثیۃ. اس میں اگر لفظ کل کو عام مانا جائے تو مقبولین کے لئے بھی خوف وہراس لازم آتا ہے۔ حالانکہ نصوص میں اس کا انکار کیا گیا ہے جواب میں کہا جائے گا کہ ممکن ہے بہت خفیف اور برائے نام ہو جو غیر معتد بہ ہونے کی وجہ سے نصوص کے معارض ومنافی نہیں۔ جیسا کہ آیت وان منکم الا واردھا میں مقبولین اور جنتیوں کے لئے بھی توجیہ کی گئی ہے اور اگر عام مخصوص البعض ہو تو سوال ہی متوجہ نہیں ہوتا۔

نیز اگر بعض مفسرینؒ کے مطابق ''جاثیۃ'' کے معنی دوزانو ادب سے بیٹھ کر حساب دینے کے لئے جائیں تو پھر بھی کوئی اشکال نہیں رہتا۔ قیامت میں لوگوں کو اعمال نامے پیش کرنے کا حکم ہوگا کہ اس کے موافق آکر حساب دو دنیا میں جو کچھ کمایا تھا آج اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔ یہ اعمال نامہ ٹھیک ٹھیک حساب بتلائے گا۔ ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوگی۔

آج کے سائنسی دور میں ایسے ایسے کمپیوٹر ایجاد ہو گئے ہیں کہ قرآن کی ان خبروں میں صداقت کا پلہ غالب آ گیا اور حیرت و تعجب کی کوئی وجہ نہیں رہی۔ اللہ کے علم میں ہر چیز اگرچہ ازل سے تھی۔ لیکن فرماتے ہیں کہ ضابطہ کے مطابق ہمارے رپورٹر لکھنے پر مامور تھے۔ آج ان کی رپورٹ اور ڈائریاں جوں کی توں مکمل تمہارے سامنے ہیں۔

افلم تکن اٰیاتی. ہماری طرف سے نصیحت وفہمائش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر تمہارے غرور کی گردن پھر بھی نیچی نہ ہوئی۔ آخر تم پکے مجرم رہے۔ یا کہا جائے کہ جرم تمہارے ضمیر میں پہلے ہی سے داخل تھا۔

واذا قیل. یعنی قیامت کے ذکر پر تمہارا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیسی ہوتی ہے یوں ہی تمہاری سنی سنائی باتوں سے کچھ کبھی دھیان اور خیال آ جاتا ہے۔ جیسے: قضائے کاذبہ میں مناطقہ کے یہاں تصور موضوع ہو جایا کرتا ہے لیکن قضایائے یقینیہ یا ظنیہ کی طرح منطقی تصدیق ہمیں حاصل نہیں ہے۔

وبدالھم. لیکن جب قیامت سر پر آ موجود ہو گی تو ان کی تمام کارگزاری اور ان کے نتائج سامنے آ جائیں گے اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کے سر پر آ پڑے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح دنیا میں تم نے اس دن کو بھلائے رکھا۔ آج تم بھی اسی طرح نظر انداز کئے جا رہے ہو۔ تم نے دنیا کے مزوں میں خود کو پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔ آج عذاب میں پھنس کر چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی تم نے خیال ہی نہیں کیا کہ یہاں سے جانا بھی ہے اور اللہ کے حضور پیش ہونا بھی ہے اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یہ خیال کر کے تسلی کر لی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے زور آور ہیں، وہاں بھی زوردار رہیں گے۔ فرماتے ہیں کہ نہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور نہ اس کا انتظار ہوگا کہ یہ منت خوشامد کر کے اللہ کو خوش کر لیں۔

فللّٰہ الحمد. حدیث قدسی ہے۔ الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدا منھما قذفته فی النار.

لطائف سلوک:.......... افرأیت من اتخذ. اس میں نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی کھلی برائی ہے۔ بالخصوص دوسرے جملہ میں "اضله اللّٰہ" اس کی برائی ہے جو حق واضح ہو جانے کے باوجود نفسانیت کا پیروکار رہے۔

یہ وبا روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کہ علم سے کورے مگر خود کو عالم سمجھنے والے مشائخ کی رسوم پر محض تعصباً جمے رہتے ہیں۔

وله الکبریاء. کبرائی اللہ کی صفت ہے جو اس کی ذات سے الگ نہیں ہو سکتی اور اس صفت کبریائی کا عالم کے لئے محیط ہونا اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس کی ذات ہی محیط عالم ہے۔

﴿الحمدللہ کہ پارہ الیہ یرد "۲۵" کی تفسیر مکمل ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۲۶﴾
حٰمٓ
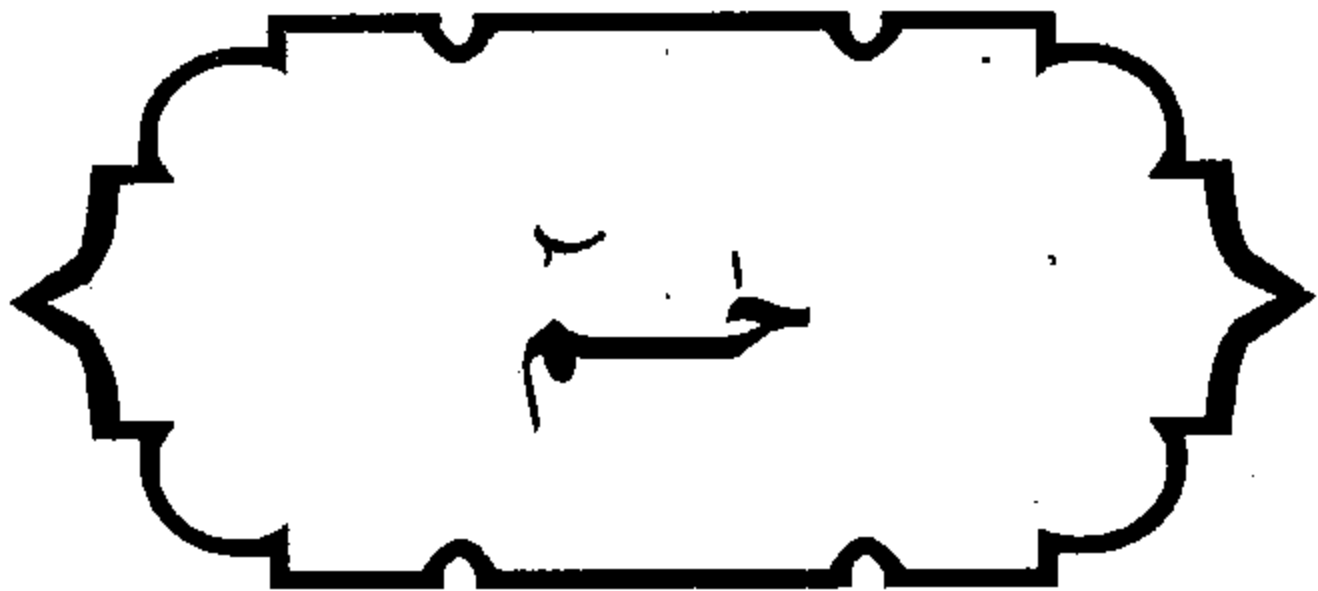
فہرست عنوانات کمالین ترجمہ وشرح اردو جلالین پارہ ۲۶

سُــــورَةُ الْاَحْقَافِ

سورة الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْاٰيَةُ وَاِلَّا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَاُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ الْاٰيَةَ وَاِلَّا وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الثَّلَاثُ اٰيَاتٍ وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً ـ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

حٰمٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَاٌ مِنَ اللّٰهِ خَبَرُهٗ الْعَزِيْزِ فِي مُلْكِهٖ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ فِي صُنْعِهٖ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا خَلْقًا بِالْحَقِّ لِيَدُلَّ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اِلٰى فَنَائِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا خُوِّفُوْا بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِيْ مَّا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيِ الْاَصْنَامَ مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ اَرُوْنِيْ اَخْبِرُوْنِيْ تَاكِيْدٌ مَاذَا خَلَقُوْا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ مِنَ الْاَرْضِ بَيَانُ مَا اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مُشَارَكَةٌ فِي الْخَلْقِ السَّمٰوٰتِ مَعَ اللّٰهِ وَاَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مُنَزَّلٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَثٰرَةٍ بَقِيَّةٍ مِّنْ عِلْمٍ يُؤْثَرُ عَنِ الْاَوَّلِيْنَ بِصِحَّةِ دَعْوَاكُمْ فِي عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اِنَّهَا تُقَرِّبُكُمْ اِلَى اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ فِي دَعْوَاكُمْ وَمَنْ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ لَا اَحَدَ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا يَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمُ الْاَصْنَامُ لَا يُجِيْبُوْنَ عَابِدِيْهِمْ اِلٰى شَيْءٍ يَسْاَلُوْنَهٗ اَبَدًا وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ عِبَادَتِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ لِاَنَّهُمْ جَمَادٌ لَا يَعْقِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا اَيِ الْاَصْنَامُ لَهُمْ لِعَابِدِيْهِمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ بِعِبَادَةِ عَابِدِيْهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾ جَاحِدِيْنَ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اَيْ اَهْلِ مَكَّةَ اٰيٰتُنَا الْقُرْاٰنُ بَيِّنٰتٍ ظَاهِرَاتٍ حَالٌ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ لِلْحَقِّ اَيِ الْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ اَمْ بِمَعْنٰى بَلْ هَمْزَةُ الْاِنْكَارِ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اَيِ الْقُرْاٰنَ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَرْضًا فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ شَيْئًا اَيْ لَا يَقْدِرُوْنَ

عَلٰى دَفْعِهٖ عَنِّیْ اِذَا عَذَّبَنِیَ اللّٰهُ **هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ** ؕ تَقُوْلُوْنَ **كَفٰى بِهٖ** تَعَالٰى **شَهِيْدًا ۢ بَيْنِیْ وَ بَيْنَكُمْ** ؕ **وَهُوَ الْغَفُوْرُ** لِمَنْ تَابَ **الرَّحِيْمُ** ﴿۸﴾ بِهٖ فَلَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ **قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا** بَدِيْعًا **مِّنَ الرُّسُلِ** اَیْ اَوَّلَ مُرْسَلٍ قَدْ سَبَقَ مِثْلِیْ قَبْلِیْ كَثِيْرٌ فَكَيْفَ تُكَذِّبُوْنَنِیْ **وَمَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ** ؕ فِی الدُّنْيَا اَاُخْرَجُ مِنْ بَلَدِیْ اَمْ اُقْتَلُ كَمَا فُعِلَ بِالْاَنْبِيَاءِ قَبْلِیْ اَوْ تُرْمَوْنَ بِالْحِجَارَةِ اَمْ يُخْسَفُ بِكُمْ كَالْمُكَذِّبِيْنَ قَبْلَكُمْ **اِنْ مَا اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ** اَیِ الْقُرْاٰنُ وَلَا اَبْتَدِعُ مِنْ عِنْدِیْ شَيْئًا **وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۹﴾ بَيِّنُ الْاِنْذَارِ **قُلْ اَرَءَيْتُمْ** اَخْبِرُوْنِیْ مَا ذَا حَالُكُمْ **اِنْ كَانَ** اَیِ الْقُرْاٰنُ **مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ** بِهٖ جُمْلَةٌ حَالِيَةٌ **وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ** هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ **عَلٰى مِثْلِهٖ** اَیْ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ **فَاٰمَنَ** الشَّاهِدُ **وَاسْتَكْبَرْتُمْ** ؕ تَكَبَّرْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ بِمَا عَطَفَ عَلَيْهِ اَلَسْتُمْ ظَالِمِيْنَ دَلَّ عَلَيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۱۰﴾ ع

ترجمہ: سورۂ احقاف مکیہ ہے۔ بجز آیات " قل ارئیتم " الخ اور آیت " فاصبر کما صبر " الخ اور آیت ووصینا الانسان تین آیات کے اس میں کل ۳۴ یا ۳۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حٰمٓ (اس کی یقینی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) یہ کتاب (قرآن مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کاریگری میں) حکمت والے ہیں۔ ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں حکمت کے ساتھ پیدا کیا (تاکہ ان میں سے ہر ایک ہماری قدرت ووحدانیت پر دلالت کرے) اور ایک معیادِ معین کے لئے (قیامت میں ان کے فنا ہونے) تک اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے (عذاب سے خوف زدہ کیا جاتا ہے) وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ (مجھ سے کہو کہ جن چیزوں کی تم عبادت (بندگی) کرتے ہو اللہ کے علاوہ بتوں کی یہ مفعول اول ہے) مجھ کو یہ دکھلاؤ (بتلاؤ یہ تاکید ہے) کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے (معقول ثانی ہے) زمین یہ بیان ہے ما کا) یا ان آسمانوں (کے پیدا کرنے میں ساجھا شرکت ہے۔ خدا کے ساتھ ام بمعنی ہمزۂ انکار ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس کتاب سے پہلے کی ہو یا کوئی اور علمی مضمون منقول لاؤ جو پہلے لوگوں سے نقل ہوا ہو جس سے تمہارے اس دعوے کی تصدیق ہو کہ بت پرستی اللہ سے تم کو قریب کر دیتی ہے) اگر تم سچے ہو (اپنے دعویٰ میں) اور اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا (استفہام نفی کے معنے میں ہے یعنی کوئی نہیں) جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود غیر اللہ کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے یعنی جو اپنے عبادت گزاروں کی کسی بات کا جواب بھی قیامت تک نہیں دے سکتے) اور ان کو ان کے پکارنے (پوجا پاٹ کرنے) کی بھی خبر نہ ہو (کیونکہ وہ محض بے جان ہیں سمجھتے نہیں) اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ (بت) ان کے پجاریوں کی بندگی ہی کا انکار کر بیٹھیں اور جب لوگوں (مکہ والوں) کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں (قرآن کی) کھلی کھلی واضح یہ حال ہے) تو ان میں سے منکر لوگ کہنے لگتے ہیں اس سچی بات (قرآن) کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے کہ یہ صریح (کھلم کھلا) جادو ہے۔ کیا (بل اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اس کو اپنی طرف بنا لیا ہوگا (بالفرض) تو پھر تم لوگ مجھے اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے (یعنی اللہ اگر مجھے عذاب دینے لگے تو کون بچا سکتا ہے) وہ خوب جانتا ہے تم اس کی نسبت جو جو باتیں بنا رہے ہو (یعنی قرآن کے متعلق جو کچھ کر رہے ہو) میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور بڑی مغفرت والا (توبہ کرنے والوں کے لئے) بڑی رحمت والا ہے (ان پر اس لئے

تمہیں جلد سزا نہیں دیتا) آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں (یعنی نیا، پہلا پہل بلکہ مجھ سے پہلے بہت کچھ آچکے ہیں پھر میری تکذیب تم کیسے کررہے ہو اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ جانتا ہوں (دنیا میں رہتے ہوئے کہ آیا مجھے دیس سے نکالا دیا جائے گا یا مارا جاؤں گا جیسے مجھ سے پہلے انبیاء شہید کئے گئے، اسی طرح تم پر پتھراؤ کیا جائے گا یا زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے اپنے پچھلوں کی طرح) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے (یعنی قرآن کی پیروی میں اپنی طرف سے میں کچھ بھی بناوٹ نہیں کررہا ہوں اور میں تو صرف (واضح طور پر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھے بتلاؤ (تمہاری کیا حالت ہوگی) اگر یہ (قرآن) منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر (جملہ حالیہ ہے) اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ (یعنی عبداللہ بن سلام) اس جیسی کتاب پر (یعنی اس کتاب کے متعلق کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے کہ یہ ایمان لے آئے (وہ گواہ) اور تم تکبر ہی میں رہو ایمان سے روگردانی کرو اور جواب شرط اس پر معطوف ہے یعنی الستم ظالمین چنانچہ اگلا جملہ اس پر دلالت کررہا ہے) اللہ بلاشبہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

تحقیق وترکیب: **الاحقاف**۔ احقاف جمع ہے حقف کی ریت کا ٹیلہ، یمن کی ریتلی وادی کو کہتے ہیں جہاں قوم عاد آباد تھی۔

قل ار ئیتم ۔ اس آیت میں شاہد سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں اور وہ قرآن کے مصداق ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ اس لئے آیت مدنی ہے لیکن اگر شاہد سے مراد حضرت موسیٰ ہوں تو پھر آیت مدنی نہیں ہوگی۔

وھی اربع: تعداد آیات میں اس لئے اختلاف ہے کہ حم کو مستقل آیت شمار کیا جائے یا نہیں؟ متشبہات کے سلسلہ میں سلف کا مسلک ہی اسلم ہے کہ ان کا حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے جو مختلف تفسیریں ہیں وہ ظنی ہیں ورنہ اس میں باہمی اختلاف کیسا؟

الابالحق :۔ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ مفسرؒ نے خلقاً نکال کر اشارہ کیا ہے اور یا ملابست کے لئے ہے۔

واجل مسمی: اس کا عطف بالحق پر ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی **والابتقدیر اجل مسمی** اس میں فلاسفہ پر رد ہے جو قدم عالم کے قائل ہیں۔

عما انذروا ۔ ما موصولہ یا مصدریہ ہے۔

ارونی ۔ مفسر کی رائے پر اس صورت میں ارئیتم کا مفعول ثانی جملہ **ما ذا خلقوا** ہے اور مفعول اول **ما تدعون** ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تاکید نہ مانا جائے بلکہ تنازع فعلین کے طرز پر حل کیا جائے۔ دونوں فعل مفعول کے خواہاں ہیں اور وہ "**ما ذا خلقوا**" ہے۔ دوسرے کا مفعول بنا کر پہلے کا محذوف مان لیا جائے اور ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ ارایتم استفہام کے لئے ہے کہ متعدی نہیں ہے کہ مفعول کی حاجت ہو بلکہ استفہام توبیخی ہے اور تدعون بمعنی **تعبدون** ہے اخفشؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

ایتونی :۔ یہ بھی منجملہ مقولہ کے ہے اور یہ امر تبکیتی ہے یعنی دلیل عقلی تو ہے ہی نہیں نقلی دلیل بھی نہیں ہے۔

اثارۃ: غوایۃ وضلالۃ کی طرح اثارۃ بھی مصدر ہے کہا جاتا ہے۔ **سمنت الناقۃ علی اثارۃ من لحم** اور بعض نے اس کے معنی روایت اور بعض نے علامت لئے ہیں۔ اور ابن عباسؓ اثر بمعنی خط لیتے ہیں۔

من لا یستجیب: من نکرہ موصوفہ یا اسم موصول ہے اور بعد کا جملہ صفت یا صلہ ہے **یدعوا** کا معمول ہے اور مفعول **ای لا احد اضل من شخص یعبد شیئا لا یجیبہ او الشئی الذی لا یجیبہ ولا ینفعہ فی الدنیا والاخرۃ** ۔

الی یوم القیامۃ۔ غایۃ مغیا میں داخل ہے یعنی دنیا وآخرت میں دعا قبول نہ ہو۔ یہ تابید ایسے ہی ہے جیسے **ان علیک لعنتی الی یوم الدین** میں ہے اور بتوں کو من اور ہم کے الفاظ سے تعبیر کرنا پجاریوں کے اعتبار سے ہے کہ ان کے اعتقاد میں بت ذی ہوش ہوتے تھے گویا یہ الفاظ قرآن

نے مجاراتِ خصم کے طریقہ پر استعمال کئے ہیں۔

تفیضون: یعنی قرآن میں طعن وتشنیع کرتے ہیں افاضہ بمعنی اندفاع ہے

ما کنت بدعا۔ اس میں دوصورتیں ہیں حذف مضاف کہا جائے ای ما کنت ذا بدع۔ اور بدع مصدر ہے دوسرے یہ کہ بدع صفت بمعنی بدیع جیسے خف اور خفیف۔ بدیع بمعنی نظیر۔

ابتداع بمعنی اختراق ہے۔ اور عکرمہؒ، ابوحیوۃؒ، ابن ابی، ابن ابی عملۃؒ تینوں لفظ بدعا فتحہ دال کے ساتھ پڑھتے ہیں بدعۃ کی جمع ہے اور ابوحیوۃ اور مجاہدؒ بدعا فتحہ با اور کسر دال کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں حذر کی طرح وصف ہوجائے گا۔

ما ادری یعنی میں اپنے اور تمہارے متعلق از خود آئندہ کا کیا حال بتلاسکتا ہوں جو کچھ تقدیر ہوگی پیش آکر رہے گا پھر قرآن اپنی طرف سے کس طرح گھڑ کے پیش کرسکتا ہوں۔

ارئیتم: مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں، دوسری تقدیر عبارت اس طرح ہوسکتی ہے۔ **ارائیتم حالکم ان کان کذا الستم ظالمین** اور جواب شرط بھی محذوف ہے۔ **ای فقد ظلمتم** اسی لئے فعل شرط ماضی ہے۔

شاھد: ترمذیؒ نے خود عبداللہ کی روایت پیش کی ہے اور شیخین نے عامر بن سعید عن ابیہؒ سے تخریج کی ہے۔ اس وقت یہ آیت مدنی ہوجائے گی اور **ونادیٰ اصحاب الاعراف** کی طرح **ویشھد شاھد** کی تاویل بھی ہوسکتی ہے۔

علیٰ مثله: مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ مثل صلہ ہے مراد قرآن کے من اللہ ہونے کی شہادت دینا ہے۔

الستم ظالمین: جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے اور بعض نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ جملہ استفہامیہ جواب بنانے کی صورت میں فا کے ساتھ لانا ضروری ہے۔ **ای فقد ظلمتم۔**

ربط آیات: ......پچھلی سورت کے آخر اور اس سورت کے شروع میں توحید ومعاد کا بیان وجہ ارتباط ہے۔ لیکن پہلے معاد مفصل اور توحید مجمل تھی اور یہاں اس کے برعکس ہے۔

آیت **واذا تتلیٰ علیھم** سے نبوت ورسالت کا مضمون ہے۔

تشریح: ......**واجل مسمی:** یعنی یہ دنیا جہاں ہم نے یوں بے کار وبے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ ایک مقصد اور خاص غرض کے لئے پیدا کیا ہے جو ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو جس کو آخرت کہتے ہیں اس لئے فلاسفہ کا دعویٰ قدم عالم غلط ہے۔

قل ا رائیتم: یعنی تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کل کائنات تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے پھر کیا تم سچے دل سے کہہ سکتے ہوں کہ کسی نے زمین کا ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ بنایا ہو پھر ان کو خدا کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ خالق ماننا ہی استحقاق الوہیت کی دلیل ہوسکتی ہے اس لئے عقلی دلیل دوسروں کے معبود ہونے پر تو قائم نہ ہوسکی، بلکہ نہ ہوسکنے پر قائم ہوگئی۔ ہاں اگر کوئی دلیل نقلی تمہارے پاس ہو تو بسم اللہ شوق سے باقاعدہ آسمانی کتاب ہو یا کوئی معتبر مضمون ہو مستند طور پر نقل ہوتا چلا آیا ہو اسی کو پیش کرو لیکن اگر ایسا نہیں کرسکتے تو پھر بتلاؤ کہ عقلی نقلی دلیل کے بغیر یوں ہی آنکھ بند کرکے کس طرح تمہاری بات مان لی جائے۔

مشرکین کی حماقت ......اس سے بڑھ کر حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ اللہ کو چھوڑ کر اپنی حاجت براری کے لئے بے جان وبے اختیار چیز کو پکارا جائے پتھر کی مورتیوں کا تو کہنا ہی کیا فرشتے اور پیغمبر بھی اگر کچھ سن سکتے ہیں یا کچھ کرسکتے ہیں تو وہی جس کی اجازت وقوت منجانب اللہ عطا ہوگی۔ تمہارے اعتقاد کے مطابق نہ ان کا سننا لازمی اور دائمی ہے اور نہ فائدہ مند بلکہ قیامت کے روز جہاں ایک تنکہ کے سہارے کو بھی غنیمت سمجھا

جائے گا مگر بے چارے ان کے فرضی معبود اپنے عابدوں کی مدد تو کیا کر سکتے اور الٹے دشمن بن کر سامنے آجائیں گے اور اظہار بیزاری کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیں گے کہ انہوں نے ہماری بندگی نہیں کی یہ جھوٹے ہیں پس جب ان کی پرستش کا ایک بھی مقتضی نہیں بلکہ پرستش نہ کرنے کے مقتضیات بکثرت ہیں پھر کیوں ان کو پکڑے بیٹھے ہیں۔

قرآن اور جادو میں فرق:.......... واذا تتلی یعنی حال ان کا ملاحظہ ہو کہ انہیں اپنے انجام کی ذرہ برابر پرواہ اور فکر نہیں اگر کوئی ان کے لئے دل سوزی کرنا بھی چاہے اور قرآن بطور نصیحت پڑھ کر سنائے تو اس کو جادو کہہ کر ٹال جاتے ہیں حالانکہ جادو کی کاٹ ممکن ہے مگر قرآن کا معارضہ ممکن نہیں ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے ان کی بات کے جھوٹا ہونے کی۔ چنانچہ بینات کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے اور جادو کہنے سے بھی بڑھ کر خباثت لئے ہوئے ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآن شریف آپ خود بنا لائے ہیں اور اللہ میاں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کیونکہ جادو کی برائی تو سب کے نزدیک مسلم نہیں کچھ لوگ اس کے معتقد بھی ہوئے بلکہ اس کو کمال سمجھتے ہیں مگر جھوٹ بولنا اور وہ بھی خدا پر وہ تو متفقہ طور پر سب ہی کے نزدیک برائی ہے۔

اگر بالفرض میں ایسی جسارت بھی کروں تو گویا جان بوجھ کر خود کو اللہ کے غضب کے حوالے اور اس کی بدترین سزا کے آگے پیش کر رہا ہوں میری عمر تم میں گزری ہے مگر کبھی کسی نے ادنیٰ جھوٹ کی تہمت بھی لگائی ہے۔ پس بندوں کے معاملات میں تو میری سچائی کی قسمیں کھاتے ہو اور محمد الامین کہہ کر نام لیتے ہو لیکن کوئی باور کر سکتا ہے کہ جب خدا کا معاملہ آئے تو ایک دم خدا پر جھوٹ باندھ کر خواہ مخواہ خود کو عظیم ترین مصیبت میں پھنسا دوں گا جس سے بچانے والا بھی روئے زمین پر کوئی نہیں ہے۔

مان لو کہ میں تمہیں اس طرح اپنا گرویدہ اور پیروکار بنالوں مگر جھوٹے نبی پر جو خدائی وبال اور زوال آئے گا اس سے کیا تم اس کو بچا سکتے ہو؟ پھر بتلاؤ میں یہ دردسری کیوں لیتا کیونکہ جھوٹے نبی پر ادبار کا آنا تو ایسا لازم ہے جسے اس کا حامی بھی دفع نہیں کر سکتا مگر یہاں لازم کی نفی ہے پس ملزوم کی نفی بھی ہوگئی۔

نکتہ نادرہ اور تحقیق لطیف:.......... اوران افتریتہ میں ان سے استقبال کی خصوصیت مقصود نہیں ہے بلکہ مقدم اور تالی میں مطلقاً اتصال بتلانا ہے چنانچہ آیت لو تقول میں لو ماضی کے لئے آیا ہے۔ اس لئے یہ شبہ اب نہیں رہتا ہے کہ بولتے وقت تو لازم کی نفی کا حکم نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا پڑے گا لیکن اگر ان کو مستقبل ہی کے لئے لیا جائے تب بھی تھوڑا انتظار کافی ہو جائے گا۔ یعنی کچھ دیر بعد پتہ چل جائے گا کہ انتفاء لازم ہو گیا ہے کہ عذاب سے بچے رہے اور اگر اتنے دنوں عذاب نازل نہ ہونے سے کسی کو لزوم پر شبہ ہونے لگے تو اس کے جواب کے لئے کہا جائے گا کہ محض دعوائے نبوت کر دینا ملزوم نہیں ہے بلکہ اس پر برقرار رہنا ملزوم ہے۔

البتہ تحقیق بقاء کی مدت کے اعتبار سے اگر تلبیس کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ دعوائے نبوے کے وقت معجزہ کا ظاہر کرنا یا نہ کرنا تلبیس دور کرنے کے لئے کافی ہے البتہ جھوٹ بولنے کی صورت میں جب کہ معجزہ بھی ظاہر نہ ہو عذاب کا ہونا اس تلبیس کے دور کرنے کے لئے ہے بس اس معرکہ یعنی عذاب نہ ہونے سے خود تلبیس کا نہ ہونا جو موجب اعتراض ہے لازم نہیں آتا۔

یہ ساری گفتگو تو قرآن کے من گھڑت ہونے کی صورت میں تھی لیکن قرآن کو اگر تم من گھڑت نہیں مانتے تو پھر میں بہتان تراش نہ ہوا پس جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے اس لئے بس تو اپنے انجام کی فکر رکھو اور ایک سچے پیغمبر کو جھوٹا مفتری کہنے کا انجام بھی سوچ لو کہ وہی میرے تمہارے درمیان سچ جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کے لئے گواہ ہے وہ اب بھی اور آئندہ بھی اپنے قول وفعل سے یہی بتلائے گا کہ کون سچا ہے، کون جھوٹا مفتری ہے۔

یہ واضح رہے کہ نبوت کے اثبات کا اصل مدار تو معجزہ کے اظہار پر ہوتا ہے جو ہو چکا ہے اس آخری مضمون پر مدار نہیں ہے بلکہ یہ مضمون تو صرف ہٹ دھرمی کرنے والوں کے لئے آخری جواب کے طور پر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر میں دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہوں تو مجھے فوراً پکڑ لیا جائے گا اور تم اس کے انکار میں اگر جھوٹے نکلے تو یاد رکھو کہ تم پکڑے جاؤ گے خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔

ایک دقیق اشکال کا حل:...........اور آگے **وھو الغفور الرحیم** میں ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ کفار اگر کہنے لگیں کہ **ھو اعلم بما تفیضون فیه** جب فرمادیا یعنی ہماری حرکتوں کا علم اللہ کو ہے مگر پھر بھی ہم پر عذاب نہیں آیا بس جس طرح مدعی نبوت پر عذاب نہ آنا اسکی سچائی کی دلیل ہوسکتی ہے۔ اسی طرح ہم انکار کرنے والوں پر عذاب نہ آنا بھی ہمارے سچے ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے گویا ایک قسم کا یہ معارضہ ہوا۔

اس کا جواب یہ دیا جارہا ہے کہ اللہ بڑی مغفرت ورحمت والا ہے وہ دنیاوی عذاب سے کافروں کو اگر بچالے تو یہ اس کی ایک خاص قسم کی مغفرت ورحمت ہوگی جس میں کفار بھی شریک ہوسکتے ہیں لیکن مدعی نبوت میں یہ اشکال نہیں ہے کیونکہ جھوٹے دعویٰ نبوت کرنے اور عذاب نازل ہوجانے میں طزوم عادی ثابت ہے اور یہاں انکار حق اور نزول عذاب میں لزوم ثابت نہیں ہے پس نبوت کے سلسلہ میں عذاب نازل نہ ہونے کو انتفاً لازم کہا جائے گا اور منکرین کے حق میں نہیں کہا جائے گا خوب سمجھ لینا چاہیے۔

ایک علمی تحقیق انیق:...........اور ان دونوں میں فرق کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق وباطل کی تحقیق کا آخری مرجع چونکہ نبوت ہے اس لئے فکر ونظر کا اخیر مرجع بھی ہدایت ہونی چاہیے۔ اور مقصود جس طرح مہتم بالشان ہوا کرتا ہے اس کی ہدایت بھی اتنی ہی کھلی اور روشن ہونی چاہیے یعنی تلبیس کا شائبہ بھی اگر ہوگا تو ہدایت کے خلاف سمجھا جائے گا۔ اسی لئے تلبیس کا شائبہ تک نبوت کے معاملہ میں گوارا نہیں کیا گیا برخلاف معارضہ کرنے والوں کے کہ نبوت سے تلبیس اُٹھ جانے کے بعد پھر اس تلبیس کا احتمال نہیں ہوسکتا کیونکہ دونقیضوں میں ایک نقیض کا صدق دوسری نقیض کے کذب کو مستلزم ہوا کرتا ہے پس جب صدق میں التباس نہ ہوگا تو کذب میں بھی التباس نہ ہوگا۔ اس لئے حق کے انکار اور عذاب کے نازل ہونے میں لزوم نہ ہوا بلکہ انکار حق پر اکثر بطور استدراج کے عذاب نہ آنا تجویز کیا گیا ہے۔ (**ماخوذ من بیان القرآن لکنه صعب**)

نہ نبی انوکھا اور نہ دعوت انوکھی ہے:...........آگے **وما کنت بدعا** سے اسی مضمون کی تاکید کے لئے ارشاد ہے یعنی میری باتوں سے بدکتے کیوں ہو میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا میں وہی کہہ رہا ہوں جو مجھ سے پہلے ہزار ہا نبی کہہ چکے پھر میری بشارت پہلے انبیاء دے چکے اس لئے میں بھی انوکھا اجنبی نبی نہیں ہوں بلکہ تمہیں مطمئن اور خوش ہونا چاہیے کہ اتنی پرانی بشارت کا آج ظہور ہورہا ہے یوں تو انوکھا اور نیا نبی ہونا بھی فی نفسہٖ باعث انکار نہیں ہونا چاہیے۔ آخر جو سب سے پہلے پیغمبر ہوئے ہوں گے، وہ انوکھا ہونے کے باوجود بھی پیغمبر تھے۔ البتہ انوکھا ہونا باعث تعجب ضرور ہوسکتا ہے گو یاوہ تعجب دور ہی کیا جاسکتا ہے مگر یہاں تو انوکھا ہونا بھی نہیں ہے کیوں کہ مجھ سے پہلے بہت انبیاء آچکے ہیں جن کی خبر تواتر کے ساتھ تم نے بھی سن رکھی ہے۔

اسی طرح میرا دعویٰ بھی کوئی انوکھا نہیں ہے کہ میں سب سے ہٹ کر کوئی انوکھی بات کہہ رہا ہوں مثلاً یہ کہ میں غیب داں ہوں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ معلومات وحی کے علاوہ مجھے کچھ پتہ نہیں حتیٰ کہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور خود تمہارے ساتھ کیا کرے گا پس جب اپنے اور تمہارے قریبی احوال جاننے کا مجھے دعویٰ نہیں ہے تو اور دور کی غیبی باتوں کا میں کیا مدعی ہوسکتا ہوں۔ پس اس لحاظ سے بھی میرا کوئی انوکھا نعرہ نہیں ہے جو تمہارے لئے وجہ انکار بنے۔ البتہ جوں جوں مجھے وحی کے ذریعہ علم ہوتا رہے گا خواہ اپنے متعلق یا دوسروں کے متعلق اور خواہ دنیاوی احوال ہوں یا اخروی حالات بلاشبہ وہ علم کامل ہوگا لیکن نہ از خود

جاننے کا دعویٰ ہے اور نہ سب تفصیلات سے فی الحال آگاہ ہونے کا، اس بحث میں پڑنا ہی لا حاصل ہے میرا کام صرف وحی کا اتباع ہے اور احکام الٰہی کا امتثال ہے اور کفر وطغیان کے خطرناک نتائج سے کھول کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دنیا وآخرت میں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اس کی پوری تفصیلات فی الحال نہیں جانتا بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

پیغمبر آخر کی اطلاع پہلے سے چلی آرہی ہے: .... پہلے آیت ھو اعلم بما تفیضون میں قرآن کو بہتان تراشی نہ ہونے کی تقریر جو جواب کی اجمالی تقریر تھی۔ آیت قل ارایتم سے اس کی تفصیل ارشاد فرمائی جارہی ہے پس یہ اجمال وتفصیل ملکر دوسری شق ہوئی۔ اور پہلی شق ان افتریت الخ تھی۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ تم مجھ کو مفتری کہتے ہو۔ تو دو حال سے خالی نہیں یا میں مفتری نہیں پہلی شق تو اس لئے صحیح نہیں کہ اس کے لوازم سے فوری تباہی ہے جو ہوئی نہیں۔ البتہ دوسری شق صحیح ہے سو اب تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔

چونکہ عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل یہود کے علم وفضل سے مرعوب تھے اس لئے حضور ﷺ کے دعویٰ نبوت پر مشرکین نے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا تا کہ ان کی تکذیب سے ہمارے لئے ایک بہانہ ہاتھ آجائے مگر اس مقصد میں وہ ہمیشہ ناکام رہے۔ کیونکہ کھلم کھلا علماء یہود نے اعتراف کیا کہ بلاشبہ ہماری کتابوں میں اس ملک کے لئے ایک نبی کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ رسول اسی طرح کے اور یہ کتاب بھی اسی طرح کی معلوم ہوتی ہے حالانکہ تورات وغیرہ کتب محرف ہو چکی تھیں مگر پھر بھی باقی ماندہ حصہ میں آج تک یہ پیش گوئیاں چلی آتی ہیں جن کا نمونہ مقدمہ تفسیر حقانی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اس باب میں ایک معتبر دستاویز ہے۔

پس ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے گواہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے گواہی دے چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے برادر بنی اسماعیل میں ایک رسول آنے والا ہے یہی وجہ تھی کہ بعض حق پرست عبداللہ بن سلام جیسے حضرات آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور دیکھنے کے ساتھ پکار اٹھے ان ھذا الوجہ لیس بوجہ کاذب اور ایمان لے آئے۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے ایک چیز پر ایمان رکھیں اور ان کو ماننے والے انصاف پسند، حق پرست یہودی علماء اس کے صدق کی گواہی دیں بلکہ بعض مشرف با اسلام بھی ہو جائیں مگر تم اپنی ہٹ اور ضد سے باز نہ آؤ تو تم سے زیادہ عقل وہوش کا دشمن اور کون ہوگا آخر شیخی اور غرور کی کوئی حد بھی! ایسوں کی فلاح ونجات کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔

شاہد سے کیا مراد ہے: وشھد شاھد فرمانا ایسا ہی ہے جیسے سورۂ شعراء میں اولم یکن لھم ایۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل فرمایا گیا ہے۔ جس سے مقصود اس شہادت میں ترجیح نبوت کا انحصار نہیں ہے بلکہ شاہد پر تنوین جنس یا تفخیم کے لئے ہے جو کہ تمام منصف مزاج اور باایمان علماء یہود کو شامل ہے خواہ وہ اس آیت سے پہلے ایمان لا چکے ہوں یا بعد میں لائے ہوں گویا منشور یہ ہے کہ اس آیت کے کلی مفہوم میں یہ حضرات بھی داخل ہیں اور وہ بھی اسی کی جزئی ہیں۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ کا قول درمنثور میں ہے کہ اس آیت کا نزول میمون بن یامین کے بارہ میں ہوا ہے جو یہود کے رئیس العلماء تھے، اس سے بھی تخصیص نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ عام اس سے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کے بعد آئی ہو جیسا کہ مفسرینؒ اس آیت کو مدنی کہتے ہیں یا پہلے نازل ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض مفسرینؒ پوری سورت کی طرح اس آیت کو بھی مکی کہتے ہیں۔

اور قرآن میں قرآن کو مثل القرآن سے تعبیر کرنے میں مبالغہ کے علاوہ یہ بھی نکتہ ہوسکتا ہے کہ علماء بنی اسرائیل کو قرآن کا علم پچھلی کتابوں سے اجمالی طور پر ہوا تھا لیکن قرآن سے اس کی تفصیل معلوم ہوگئی اور اجمال وتفصیل میں ظاہر ہے کہ من وجہ اتحاد اور من وجہ تغایر ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو مثل سے تعبیر کرنا انتہائی حسن بلاغت ہے اور کفرتم اور استکبرتم کو تکرار نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ کفرتم کا تعلق علماء کی

شہادت دینے سے پہلے ہے اور استکبرتم کا تحقق بعد میں ہوا۔ بیان القرآن۔

لطائف سلوک: ایتونی بکتاب الخ، میں اس پر دلالت ہے کہ دین میں کوئی دعویٰ بغیر معتبر دلیل کے لائق قبول نہیں، چنانچہ کشف یا الہام بھی اس بارہ میں حجت نہیں ہوگا۔

ما ادری ما یفعل اس میں دو شخصوں پر رد ہو رہا ہے ایک تو اس بات پر جو ہر کلی جزئی علم کی نسبت اولیاء کی طرف کرتا ہو دوسرے اس پر جو اپنی اور اپنے متبعین کی نجات کا پکا یقین کئے ہو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَیْ فِیْ حَقِّهِمْ **لَوْ كَانَ** الْاِیْمَانُ **خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا** اَیِ الْقَائِلُوْنَ **بِهٖ** اَیْ بِالْقُرْاٰنِ **فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ** اَیِ الْقُرْاٰنُ **اِفْكٌ** كِذْبٌ **قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ** اَیِ الْقُرْاٰنِ **كِتٰبُ مُوْسٰۤى** اَیِ التَّوْرٰةُ **اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ** وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ بِهٖ حَالَانِ **وَهٰذَا** اَیِ الْقُرْاٰنُ **كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ** لِلْكُتُبِ قَبْلَهٗ **لِّسَانًا عَرَبِيًّا** حَالٌ مِنَ الضَّمِیْرِ فِیْ مُصَدِّقٌ **لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ** مُشْرِكِیْ مَكَّةَ **وَهُوَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾** لِلْمُؤْمِنِیْنَ **اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا** عَلَی الطَّاعَةِ **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ** حَالٌ **جَزَآءً ۢ** مَنْصُوْبٌ عَلَی الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَیْ یُجْزَوْنَ **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ اِحْسَانًا اَیْ اَمَرْنَاهُ اَنْ یُّحْسِنَ اِلَیْهِمَا فَنُصِبَ اِحْسَانًا عَلَی الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ وَمِثْلُهٗ حُسْنًا **حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ** اَیْ عَلٰی مَشَقَّةٍ **وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ** مِنَ الرِّضَاعِ **ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ** سِتَّةُ اَشْهُرٍ اَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَالْبَاقِیْ اَكْثَرُ مُدَّةِ الرِّضَاعِ وَقِیْلَ اِنْ حَمَلَتْ بِهٖ سِتَّةً اَوْ تِسْعَةً اَرْضَعَتْهُ الْبَاقِیْ **حَتّٰۤى** غَایَةٌ لِجُمْلَةٍ مُقَدَّرَةٍ اَیْ وَعَاشَ حَتّٰی **اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ** هُوَ كَمَالُ قُوَّتِهٖ وَعَقْلِهٖ وَرَأْیِهٖ اَقَلُّهٗ ثَلَاثٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَنَةً **وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ** اَیْ تَمَامَهَا وَهُوَ اَكْثَرُ الْاَشُدِّ **قَالَ رَبِّ** اِلَی الْاٰخِرَةِ نَزَلَ فِیْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّیْقِ لَمَّا بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً بَعْدَ سَنَتَیْنِ مِنْ مَّبْعَثِ النَّبِیِّ ﷺ اٰمَنَ بِهٖ ثُمَّ اٰمَنَ اَبَوَاهُ ثُمَّ ابْنُهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَبُوْ عَتِیْقٍ **اَوْزِعْنِيْۤ** اَلْهِمْنِیْ **اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ** بِهَا **عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ** وَهِیَ التَّوْحِیْدُ **وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ** فَاَعْتَقَ تِسْعَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یُعَذَّبُوْنَ فِی اللّٰهِ **وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ** فَكُلُّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ **اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ** اَیْ قَائِلُوْا هٰذَا الْقَوْلِ اَبُوْ بَكْرٍ وَّغَیْرُهٗ **الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ** بِمَعْنٰی حَسَنَ **مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ** حَالٌ اَیْ كَائِنِیْنَ فِیْ جُمْلَتِهِمْ **وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾** فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ **وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْاِفْرَادِ اُرِیْدَ بِهِ الْجِنْسُ **اُفٍّ** بِكَسْرِ الْفَاءِ وَفَتْحِهَا بِمَعْنٰی مَصْدَرٍ اَیْ نَتْنًا وَّقُبْحًا **لَّكُمَاۤ** اَتَضَجَّرُ مِنْكُمَا **اَتَعِدٰنِنِيْۤ**

وَفِیْ قِرَءَ ۃٍ بِالْاِدْغَامِ اَنْ اُخْرَجَ مِنَ الْقَبْرِ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ الْاُمَمُ مِنْ قَبْلِیْ وَلَمْ تَخْرُجْ مِنَ الْقُبُوْرِ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ یَسْئَلَانِہٖ الْغَوْثَ بِرُجُوْعِہٖ وَیَقُوْلَانِ اِنْ لَمْ تَرْجِعْ وَیْلَكَ اَیْ هَلَاکَكَ بِمَعْنٰی هَلَکْتَ اٰمِنْ بِالْبَعْثِ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِہٖ حَقٌّ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اَیِ الْقَوْلُ بِالْبَعْثِ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اَکَاذِیْبُھُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ وَجَبَ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِکُلٍّ مِنْ جِنْسِ الْمُؤْمِنِ وَالْکَافِرِ دَرَجٰتٌ فَدَرَجَاتُ الْمُؤْمِنِ فِی الْجَنَّۃِ عَالِیَۃٌ وَدَرَجَاتُ الْکَافِرِ فِی النَّارِ سَافِلَۃٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالْکَافِرُوْنَ مِنَ الْمَعَاصِیْ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَیِ اللّٰهُ وَفِیْ قِرَءَ ۃٍ بِالنُّوْنِ اَعْمَالَهُمْ اَیْ جَزَاءَ هَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ شَیْئًا یُنْقَصُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیُزَادُ لِلْکُفَّارِ وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ بِاَنْ تُکْشَفَ لَهُمْ وَیُقَالُ لَهُمْ اَذْهَبْتُمْ بِهَمْزَۃٍ وَبِهَمْزَتَیْنِ وَبِهَمْزَۃٍ وَمَدَّۃٍ وَبِهِمَاوَ تَسْهِیْلِ الثَّانِیَۃِ طَیِّبٰتِکُمْ بِاشْتِغَالِکُمْ بِلَذَّاتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ تَمَتَّعْتُمْ بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ اَیِ الْهَوَانِ بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ تَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ بِہٖ وَتُعَذَّبُوْنَ بِهَا۔

ترجمہ: ....اور یہ کافر ایمان کی نسبت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت نہ کرتے اور جب ان کہنے والوں کو اس قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ (قرآن) پرانا جھوٹ ہے اور اس قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) آئی جو رہنما اور رحمت تھی (اہل ایمان کے لئے یہ دونوں حال ہیں) اور یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جو (پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی، عربی زبان میں (مصدق کی ضمیر سے یہ حال ہے) ظالموں (مکہ کے مشرکوں) کو ڈرانے کیلئے اور (یہ) بشارت دینے کے لئے ہے (نیک لوگوں مومنین) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر فرمانبرداری پر جمے رہے سو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ لوگ اہل جنت ہیں جو ہمیشہ رہیں گے اس میں (یہ حال ہے) ان کاموں کا صلہ (فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منسوب ہے یعنی یجزون جو وہ کیا کرتے تھے اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (ایک قرأت میں احسانا ہے یعنی ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کرے۔ پس اس ترکیب میں احسان کا نصب فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بناء پر ہوگا اور یہی ترکیب لفظ حسنا کی ہے اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جنا (کرھا بمعنی مشقت) اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے (چھ مہینے کم از کم مدت حمل اور باقی دو سال دودھ چھڑانے کی اکثر مدت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چھ یا نو مہینے اگر حمل رہے تو باقی وقت دودھ پلائے) یہاں تک کہ (یہ جملہ مقدرہ کی غایت ہے یعنی وعاش حتی) جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے (جو قوت وعقل ورائے کے کمال کا زمانہ ہے وہ کم از کم ۳۳ سال ہے) اور جب چالیس برس کو پہنچتا ہے (یعنی چالیس سال مکمل کر لیتا ہے جو بھرپور جوانی کی انتہا ہے) تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار (یہ آیات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں آئیں جب کہ وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ پھر ان کے والدین اور صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور پوتے ابوعتیق سب مشرف باسلام ہوئے) مجھے توفیق بخشئے (دل میں بٹھا دیجئے) کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (یعنی توحید کی دولت) اور یہ کہ میں اچھے

کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں (چنانچہ صدیق اکبرؓ نے ان نو مسلمانوں کو آزاد کیا جنہیں اللہ کے راستہ میں بری طرح ستایا جارہا تھا) اور میری اولاد میں میرے لیے حلاوت پیدا کر دیجئے (چنانچہ سب اہل ایمان ہوگئے) میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ یہ یعنی دعائیں کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے کاموں کو قبول کرلیں گے (احسن بمعنی حسن ہے) اور ان کے گناہوں سے درگزر کردیں گے کہ جنتیوں میں سے ہوجائیں گے (یہ حال یعنی منجملہ اہل جنت کے) اس سچے وعدہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (آیت وعد اللہ المومنین والمومنات جنات ہے) اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا (ایک قراءت میں والد مفرد ہے مراد جنس ہوجائے گی) تف ہے (لفظ اف کسر فا اور فتحہ فا کی مصدر کے معنی میں ہے۔ بمعنی قابل نفرت اور گندگی تم پر تمہاری طرف سے بے قراری ہے) کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو کہ (کوئی ابھی تک قبر سے برآمد نہیں ہوا) اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کررہے ہیں (اللہ سے کسی سہارے کو مانگ رہے ہیں جو بیٹے کو پھیر دے) اور جب بیٹا نہ پھرے تو کہتے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو (بربادی تباہی آجائے) ایمان لے آؤ (قیامت کو مان لے) بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو یہ کہتا ہے کہ یہ باتیں (قیامت کے چرچے) اگلے وقتوں سے بے سند نقل ہوتی چلی آرہی ہیں (جو جھوٹی ہیں) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ (کے عذاب) کا قول پورا ثابت ہو کررہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہوگزرے ہیں۔ بلاشبہ یہ خسارے میں رہے۔ اور ہر ایک مومن و کافر کی جنس کے لئے الگ الگ درجے ہیں (چنانچہ مومن کے لئے جنت میں بالائی منزلیں ہیں اور کافر کے لئے جہنم میں نچلے خانے ہیں) ان کے اعمال کی وجہ سے اور تاکہ اللہ سب کو پورے کردے (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہ ہوگا (ذرہ بھر اس طرح کہ مومن کے کٹوتی اور کافر کے زیادتی کردی جائے) اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (جہنم ان کو نظر آجائے گی ان سے کہا جائے گا) کہ تم حاصل کرچکے ہو (یہ لفظ ایک ہمزہ اور دو ہمزاؤں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور حرف مد کے ساتھ، اور دونوں ہمزاؤں کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے) اپنی لذت کی چیزیں (خواہشات میں لگے رہنے کی وجہ سے) دنیاوی زندگی میں حاصل کرچکے اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے (اللہ کی۔ جس کی بناء پر تمہیں عذاب دیا جارہا ہے)

تحقیق وترکیب: ......لو کان خیرا . کفار مکہ عمار بن یاسرؓ صہیبؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ غرباء کو دیکھ کر یہ نقرے چست کیا کرتے تھے۔

اذلم یھتدوا زمخشریؒ کہتے ہیں کہ یہ محذوف کا ظرف ہے ای ظھر عنادھم اور "فسیقولون" کا ظرف نہیں ہے۔ کیونکہ "اذ" ماضی کے لئے اور سیقولون استقبال کے لئے آتا ہے البتہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ مضارع استمرار کے لئے ہے اور سین محض تاکید کے لئے ہے اور فا ماقبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا۔

روح المعانی میں ہے کہ بعض نے "اذ" کو "سیقولون" کی تعلیل مانا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اس کی علت تو کفر ہے تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ابتداء نہ ہونا اور کفر دونوں ایک ہی ہیں۔

من قبلہ: یہ خبر مقدم اور کتاب مبتداء موخر ہے۔ اور جملہ حالیہ یا مستانفہ ہے۔ یہ کفار کے "افک قدیم" کہنے کا جواب ہے یعنی تورات میں بھی تو یہی قرآنی مضامین ہیں جو تمہارے نزدیک مسلمہ ہے۔

عربیا: یعنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے تمہارے لئے آسان مگر پھر بھی معجزہ ہے۔

ثم استقاموا: استقامت علم وعمل کا نام ہے اور "ثم" اس لئے ہے کہ توحید کے بعد ہی علم وعمل کا درجہ ہے اور استمرار استقامت بیان کرنے کے لئے ہے۔

حسنا: حسن واحسان دونوں مرادف ہیں۔ قول وفعل کی خوبی مراد ہے۔ مفسرؒ دونوں قراءتوں کے اختلاف اعراب کولف ونشر غیر مرتب بیان کر رہے ہیں۔

امه کرھا: چونکہ باپ کی نسبت ماں زیادہ تکالیف عام طور پر جھیلتی ہے اسلئے اس کی زیادہ خدمت کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اسی وجہ سے یہاں اس کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔

کرھا: بمعنی ثقل ومشقت ای ذات کرہ۔ نافع وابن کثیرؒ ابوعمرو کی قراءت میں فتحہ کاف کے ساتھ ہے۔ باقی قراءؒ کے نزدیک ضمہ کاف کے ساتھ ہے۔ اس میں یہ دونوں لغت ہیں اور بعض نے اول کو مصدر اور دوسرے کو اسم کہا ہے اور مفسرؒ نے ''علی مشقۃ'' کہہ کر منصوب بنزع الخافض ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک حال یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

وحمله: یہاں عبارت میں حذف ہے ای **مدة حمله و مدة فصاله ثلثون شهرا**۔ ورنہ پھر ثلثین ظرفیت کی وجہ سے منصوب ماننا پڑے گا اور معنی بدل جائیں گے۔ مدارک میں ہے اس میں ۶ ماہ حمل کے اقل مدت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جب دو سال رضاعت کی مدت ہوئی۔ حولین کاملین کی وجہ سے تو باقی مدت حمل رہ گئی۔ جیسا کہ صاحبین فرماتے ہیں اور روح البیان میں ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے۔

اشده: **ای وقت اشده** مضاف محذوف ہے۔

والدی: حضرت ابوبکرؓ کے والد کا نام عثمانؓ بن عامر بن عمرو ہے اور ابوقحافہ کنیت اور والدہ کا نام ام الخیرؓ بنت صخر بن عمرو ہے اور پوتے کا نام محمدؓ تھا۔ ان سب کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہوا۔

نتقبل یہ اور **نتجاوز** دونوں یا اور نون کے ساتھ ہیں معروف صیغہ سے ہیں اور احسن مفعول کی وجہ سے منصوب ہے۔

فی اصحاب الجنة۔ یہ حال ہے ضمیر سیئاتھم سے اس میں کئی توجیہات ہوسکتی ہے۔ ایک یہ کہ محل حال میں ہو **ای کائنین فی جملة اصحاب الجنة** جیسے کہا جائے **اکرمنی الامیر فی اصحابه** دوسری صورت یہ کہ فی بمعنی مع لیا جائے اور تیسرے یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر کہا جائے۔ **ای ھم فی اصحاب الجنة**۔

وعد الصدق: فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ **ای وعدھم الله وعدالصدق**۔

اف: یہ مصدر ہے بمعنی ہلاکت وبربادی یا ایسی آواز کو کہتے ہیں کہ جس سے ڈانٹنا معلوم ہو یا اسم فعل بمعنی ڈانٹ ہو۔ مفسرؒ نے ان تین میں سے دو احتمال کا ذکر کیا ہے یعنی مصدر یا اسم فعل۔

لکما۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ لام بمعنی من ہے۔

وقد خلت القرون۔ حالانکہ قبور سے نکلنے کا مطلب قیامت سے پہلے ہرگز نہیں ہے مگر وہ یہی سمجھا۔

ویلك۔ حقیقۃً بددعا مراد نہیں بلکہ ایمان کی ترغیب مقصود ہے۔ بطور محاورہ کے یہ منصوب ہے مفعول مطلق کی بناء پر اس جیسے الفاظ اور بھی ہیں جیسے ویحہ، ویلہ، ویبہ اور مفعول بہ کے طور پر بھی منصوب ہوسکتا ہے ای الزمک اللہ ویلک ان دونوں صورتوں میں یہ جملہ قول مقدر کا معمول ہوگا۔ ای **یقولان ویلك** اور **یقولان** منصوب علی الحال ہے **ای یستغیثان الله قائلین ذلك**.

درجات: یہاں طبقات جہنم کو بھی تغلیباً درجات کہا گیا ہے ورنہ ان کو درکات کہا جاتا ہے یا درجات سے مراد مطلقا منازل لے لئے جائیں عالیہ ہوں جیسے جنت میں یا سافلہ جیسے جہنم میں۔

ولیوفیھم: عاصمؒ ابن کثیرؒ، نافعؒ کی قراءۃ یا کے ساتھ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **قدر لھم درجات وجازھم**.

یوم: منصوب ہے قول مقدر سے **ای یقال لھم اذھبتم فی یوم عرضھم**۔ اور زمخشریؒ کے نزدیک عرضت الناقۃ علی الحوض کی طرح قلب ہے

لیکن جرجانی قلب کرنے کو بلا ضرورت نہیں مانتے نیز کہتے ہیں کہ عرض امر نسبی ہے جس کی نسبت ناقہ اور حوض دونوں طرف ہو سکتی ہے۔

اذھبتم: اکثر قراءؒ کے نزدیک ایک ہمزہ کے ساتھ بغیر استفہام کے ہے اور ابن ذکوانؒ، ابن عامر سے دو محقق ہمزہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور ہشامؒ کے نزدیک ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ اور ابن کثیرؒ کے نزدیک ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کرتے ہوئے بغیر مد کے ہے۔

بغیر الحق: تکبر کی صفت کاشفہ ہے احتراز یہ نہیں۔

شانِ نزول: ....'' قال رب'' ابن مردویہؒ، ابن عباس سے تخریج کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی یہ امتیازی خصوصیت یعنی اصول وفروع کا مسلمان اور صحابی ہونا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔

والذی قال لوالدیہ۔ لفظ والد سے مراد کوئی خاص نہیں بلکہ جنس مراد ہے اور ابن جریرؒ، ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں اور مقاتلؒ کے نزدیک بھی کہ اس سے مراد عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ ہیں۔ اور ابن ابی حاتمؒ مجاہد سے ناقل ہیں کہ عبداللہ بن ابو بکرؓ ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کا انکار کیا ہے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ مروان نے عداوت میں کہا تھا اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو اصح الاسناد کہا ہے اور بالفرض کہیں سبب مان بھی لیا جائے تو سبب کے خاص ہونے سے مسبب خاص نہیں ہو جاتا حکم عام ہی رہے گا۔

﴿تشریح﴾: ....**وقال الذین کفروا۔** غلام باندیوں، غریبوں کو مسلمان ہوتا دیکھ کر کافر یہ تبصرہ کرتے تھے اور خود کو عقلمند شمار کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ حق بات کو عقل مند ہی پہلے قبول کیا کرتا ہے۔ اگر اسلام حق ہوتا تو ہم اول قبول کرتے لیکن جب ہم نے نہیں مانا تو معلوم ہوا کہ حق نہیں ہے۔ یہ کچھ بے عقل لوگ ہیں جو ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط اور تکبر آمیز گفتگو ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، عقل سے ان کی مراد یا تو عقل معاش و دنیاوی ہوگی تو کلیہ یہ کہنا حق بات اول عقلمند قبول کیا کرتا ہے، غلط ہے اور اگر عقل سے مراد عقل معاد (اخروی) لی جائے تو پہلا مقدمہ کہ ہم عقلمند ہیں غلط ہے پھر نتیجہ صحیح کیسے سمجھ رہے ہیں پس یہ کہنا کہ اگر حق ہوتا تو ہم لوگ پہلے مانتے غلط بر غلط ہوا۔

پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے: ......**ھذا افک قدیم**، قرآن کو پرانا جھوٹ کہنا غالباً **ما کنت بدعا** الخ اور **وشھد شاھد** کے جواب کے طور پر ہوگا **ومن قبلہ** سے حق تعالیٰ اس کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے تمام سابقہ کتب سماویہ کا یہی پیغام رہا ہے جس پر سارے انبیاء واولیاء چلتے رہے ہیں۔ مگر کافر **الناس اعداء لما جھلوا** کا مصداق ہیں انہیں سچ بھی جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔

لینذر الذین ظلموا۔ آیت **ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین** سے جو وعید مفہوم ہو رہی ہے۔ اسی کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اور چونکہ وعید میں بالاتفاق مفہوم مخالف کا اعتبار ہوا کرتا ہے اس لئے **ان اللہ لا یھدی** کی وعید سے وعدہ بھی اشارۃً مفہوم ہو گیا تھا۔ **بشری للمحسنین** میں اسی وعدہ کی صراحت ہو گئی۔

ان الذین قالوا:۔ اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ اسی شان کے مومن کو دوسرے کسی گناہ کی وجہ سے خوف وحزن میں مبتلا رکھا جاتا ہے پھر وعدہ فرمانا کیسے صحیح رہا؟

جواب یہ ہے کہ آیت میں ایمان واستقامت کا یہ تقاضا بیان کیا جا رہا ہے لیکن اگر کسی مانع کی وجہ سے مقتضی پر مقتضیٰ مرتب نہ ہو تب بھی وہ مقتضی رہے گا اس کے مقتضی ہونے میں فرق نہیں آئے گا۔ مثلاً دوا مقتضی ہے اور شفا مقتضیٰ ہے لیکن کسی بد پرہیزی سے دوا پر شفا مرتب نہ ہوئی تو دوا کے مقتضی ہونے میں کیا فرق آئے گا اگرچہ یہاں مقتضیٰ یعنی شفا مرتب نہیں ہوئی۔

ووصینا الانسان۔ بلاشبہ والدین کی یہ ساری جدوجہد اور احسانات فطرت کے تقاضہ سے ہوتے ہیں مگر آیت کا منشاء اسی فطرت کا یہ تقاضا بتلاتا ہے کہ اولاد کو بھی ماں باپ کی شفقت ومحبت کا احساس کر کے احسان مند اور قدر دان ہونا چاہیے اور بالفرض والدین مشقت نہ بھی اٹھائیں تب بھی

والدین کا حق اولاد کے ذمے ہے یورپ اور مغرب کے طور طریق دوسرے ہیں۔ لیکن روشنی تو مشرق سے نکلتی ہے نہ کہ مغرب سے گویا پرورش میں ماں اور باپ دونوں ہی شریک رہتے ہیں لیکن ماں کا حصہ زیادہ ہے۔ اسی لئے جب ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے من ابو؟ کہہ کر تین دفعہ سوال کیا تو آپ نے تینوں دفعہ ماں ہی کا ذکر فرمایا۔ صرف ایک مرتبہ چوتھی بار والد کی نسبت فرمایا۔ لطف یہ ہے کہ ان آیات میں کچھ ایسا بھی ہے والد کا ذکر تو صرف ایک بار اور وہ بھی لفظ والدیہ کے ذیل میں ہے۔ لیکن والدہ کا ذکر تین مرتبہ کیا۔ ایک والدیہ کے ذیل میں، دوسرے وحملته امه میں تیسرے وضعته میں۔

دودھ پلانے کی مدت:......... ثلثون شهرا۔ بچہ اگر تندرست قوی ہے تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑ دیتا ہے اور نو مہینے حمل کے اس طرح تیس مہینے ہوگئے یا جمہور کے طرز پر یوں کہہ لیا جائے کہ چھ مہینے حمل کا کم از کم وقت اور عموماً بچوں کا دودھ دو برس میں چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس طرح تیس مہینے ہوجاتے ہیں اس سے زیادہ رضاعت کا زمانہ بہت شاذ و نادر ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ایک کی کم اور دوسرے کی زیادہ مدت کیوں لی؟ سو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ دو مدتیں تو منضبط ہوسکتی ہیں لیکن حمل کی اکثر مدت یا دودھ کی کم سے کم مدت دونوں کسی قطعی دلیل سے منضبط نہیں ہیں۔ حمل کی کم مدت چھ ماہ ہوتے ہیں صاحب روح المعانی نے جالینوس اور ابن سینا کا تجرباتی مشاہدہ لکھا ہے۔ دو چار دن کا فرق الگ بات ہے اور سہل بات یہ ہے کہ مجموعی ۳۰ ماہ مدت کو غالب اور اکثری عادت پر محمول کیا جائے۔ اور مدارک میں امام اعظمؒ سے "حمله بالا كف" تفسیر نقل کی ہے۔ یعنی بچہ گود میں لئے پھرنا ہاتھوں میں اٹھائے رکھنا۔ پس امام صاحب کے نزدیک شیر خوارگی ڈھائی سال ہوگی۔ اور آیت حولین کاملین کا جواب یہ ہوگا کہ وہ مطلقاً شیر خوارگی کی مدت نہیں ہے۔ بلکہ بطور اجرت شیر خواری کی مدت مراد ہے کہ والد پر اتنی مدت کی اجرت ہے تاہم ان دونوں قولوں کا لحاظ کرتے ہوئے دودھ پلانے میں تو احتیاط یہ ہے کہ دو سال سے زائد نہ پلائے۔ اور اگر کسی وجہ سے پلا دیا تو پھر اس بچہ کے نکاح میں رضاعت کی احتیاط برتی جائے۔

چالیس سال پختہ کاری کا زمانہ ہوتا ہے:......... اربعین سنة چالیس سال کی عمر میں عموماً انسان کی عقل اور اخلاقی قوتیں پختہ ہوجاتی ہیں چنانچہ اکثر انبیاء کی بعثت بھی اسی عمر میں ہوئی ہے ان الفاظ سے حلم کی تقیید مقصود نہیں ہے کہ چالیس سال سے پہلے رجوع الی اللہ نہ کرے۔ بلکہ چالیس سال کے بعد غفلت نہیں رہنی چاہیے اب قوائے طبعیہ مضمحل اور قوائے عقلیہ غالب ہیں اب تو اللہ کا دھیان بہت ضروری ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اگرچہ اس عمر میں آیت کا مصداق ہوگئے تھے مگر بقول محققین عموم مراد ہے اگرچہ وہ بھی اس میں داخل ہیں

قال رب اوزعنی ۔ انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ جو احسانات اللہ نے اس پر اور اس کے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار ہوتے ہوئے اپنی اولاد کے لئے اور آئندہ کے لئے اپنے واسطے بھی توفیق الٰہی کی دعا کرے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کمی کی تلافی کرتے ہوئے راہ تواضع اختیار کرے ایسے ہی سعید لوگ وہ ہیں جن کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں اور جنت ان کا مقام بن جاتا ہے۔

نادان اولاد کا رویہ:......... آگے والذی قال میں نالائق و نااہل اولاد کا ذکر ہے جو ماں باپ کی نصیحت تو کیا مانتا اور الٹا انہیں تکلیفیں پہنچاتا ہے نہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے خوف سے ڈرتا ہے بلکہ الٹا منہ زوری دکھلاتے ہوئے کہتا ہے کہ آج تو کسی کو اٹھتے نہیں دیکھا ہے بس لوگوں سے سنتے ہی چلے آرہے ہیں۔ بھلا ایسی بات کا کیا اعتبار؟ ماں باپ ایسی ناہنجار اولاد کی گستاخیوں پر سوائے اللہ سے فریاد وزاری کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ کبھی غصہ و شفقت کے ملے جلے جذبات میں سمجھاتے ہیں کہ کم بخت تیرا ستیاناس اب بھی باز آجا، اللہ کا وعدہ اٹل ہے اور وہ آ کر رہے گا۔ اس وقت تیرا انکار و اصرار رنگ لائے گا مگر اس کی بدبختی زور پکڑتی ہے اور وہ باپ کے جواب میں کہتا ہے کہ پرانے وقتوں کے جھوٹے قصے یوں ہی مشہور ہوجاتے ہیں ان کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی ایسی بہت سی کہانیاں افسانے سن رکھے ہیں اللہ نے اپنے فضل سے ہر آدمی

کے دل میں جو ایمان وسعادت کا فطری بیج بکھیر اتھا وہ بھی افسوس کہ نصیبوں نے ضائع کر دیا۔ جو تاجر تجارت میں منافع کی بجائے اپنا راس المال بھی گنوا بیٹھے اس کی بدبختی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اس آیت کا مصداق ماننا یوں بھی غلط ہے کہ اس آیت میں "حق علیهم القول" فرمایا گیا۔ حالانکہ وہ ایمان لا چکے ہیں پس ان کا ایمان لانا بھی اس کا مقتضی ہے کہ وہ "حق علیهم القول" میں داخل نہیں ہے۔ صرف مروان نے دشمنی میں آکر ان پر اتہام لگایا تھا جس کی حضرت عائشہؓ نے تردید فرمائی۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

ولکل درجات: یعنی نیکی بدی اور ان کے مراتب مختلف ہیں۔ اس لئے جنت وجہنم میں ان کے نتائج وثمرات بھی لازمی طور پر مختلف ہونے چاہییں اور کافر کے نیک عمل میں چونکہ روح نہیں ہوتی۔ محض نیکی کا ڈھانچہ ہوتا ہے جو فانی ہوتا ہے اور فانی عمل کا بدلہ بھی فانی ہی ہونا چاہیے۔ دوامی کیسے ہوسکتا ہے پس دنیا میں کامیابی وکامرانی کی مختلف شکلیں یہ اس کے نیک اعمال کی پاداش سمجھنی چاہیے یہاں کا عمل یہیں رہ جائے گا آخرت میں تو جھوٹی سچی، نافرمانیوں کی سزا میں بدترین عذاب رہ جائے گا جو ان کے حصہ میں آئے گا۔ ان دونوں مضمونوں میں تمام تخصیص کے لئے نہیں بلکہ تمثیل ہیں۔ چنانچہ جزاء اور سزا مجموعہ پر موقوف نہیں ہے اور دنیا سے مطلق لذت اندوزی منع نہیں اور نہ مذموم ہے بلکہ جو فسق وکفر تک پہنچا دے اس کو برا کہا جائے گا۔

لطائف سلوک:......... اذهبتم طيباتكم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی عیش وعشرت میں توسع باعث خطر ہوسکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ معاصی بھی ہوں مطلقاً توسع مذموم نہیں۔ چنانچہ بما كنتم تفسقون اس کا قرینہ ہے پس آیت میں زہد پر روشنی پڑ رہی ہے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ هُوَ هُوْدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ **اِذْ** اِلٰى اٰخِرِهٖ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ **اَنْذَرَ قَوْمَهٗ** خَوَّفَهُمْ **بِالْاَحْقَافِ** وَادٍ بِالْيَمَنِ بِهٖ مَنَازِلُهُمْ **وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ** مَضَتِ الرُّسُلُ **مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ** اَیْ مِنْ قَبْلِ هُوْدٍ وَمِنْ بَعْدِهٖ اِلٰى اَقْوَامِهِمْ **اَ** اَیْ بِاَنْ قَالَ **لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ** وَجُمْلَةُ وَقَدْ خَلَتْ مُعْتَرِضَةٌ **اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ** اِنْ عَبَدْتُّمْ غَيْرَ اللّٰهِ **عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا** لِتَصْرِفَنَا عَنْ عِبَادَتِهَا **فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ** مِنَ الْعَذَابِ عَلٰى عِبَادَتِهَا **اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾** فِيْ اَنَّهٗ يَاْتِيْنَا **قَالَ** هُوْدُ **اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ** الَّذِيْ يَعْلَمُ مَتٰى يَاْتِيْكُمُ الْعَذَابُ **وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ** اِلَيْكُمْ **وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾** بِاسْتِعْجَالِكُمُ الْعَذَابَ **فَلَمَّا رَاَوْهُ** اَیْ مَا هُوَ الْعَذَابُ **عَارِضًا** سَحَابًا عَرَضَ فِيْ اُفُقِ السَّمَآءِ **مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا** اَیْ مُمْطِرٌ اِيَّانَا قَالَ تَعَالٰى **بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ **رِيْحٌ** بَدَلٌ مِنْ مَا **فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾** مُؤْلِمٌ **تُدَمِّرُ** تُهْلِكُ **كُلَّ شَيْءٍ** مَرَّتْ عَلَيْهِ **بِاَمْرِ رَبِّهَا** بِاِرَادَتِهٖ اَیْ كُلَّ شَيْءٍ اَرَادَ اِهْلَاكَهٗ بِهَا فَاَهْلَكَتْ رِجَالَهُمْ وَنِسَاءَهُمْ وَصِغَارَهُمْ وَكِبَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ طَارَتْ بِذٰلِكَ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَمَزَّقَتْهُ وَبَقِيَ هُوْدُ وَمَنْ اٰمَنَ مَعَهٗ **فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَاهُمْ **نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾** غَيْرَهُمْ **وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ** فِي الَّذِيْ **اِنْ** نَافِيَةٌ اَوْ زَائِدَةٌ **مَّكَّنّٰكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **فِيْهِ** مِنَ الْقُوَّةِ

وَالْمَالِ **وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا** بِمَعْنَى إِسْمَاعًا **وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً** قُلُوبًا **فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ** اَىْ شَيْئًا مِنَ الْاِغْنَاءِ وَمِنْ زَائِدَةٌ **اِذْ** مَعْلُوْلَةٌ لِاَغْنٰى وَاُشْرِبَتْ مَعْنَى التَّعْلِيْلِ **كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** حُجَجِهِ الْبَيِّنَةِ **وَحَاقَ** نَزَلَ **بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿۲۶﴾ اَىِ الْعَذَابَ **وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى** اَىْ اَهْلَهَا كَثَمُوْدَ وَ عَادٍ قَوْمِ لُوْطٍ **وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ** كَرَّرْنَا الْحُجَجَ الْبَيِّنَاتِ **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ** ﴿۲۷﴾ **فَلَوْلَا** هَلَّا **نَصَرَهُمْ** بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ **الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غَيْرِهٖ **قُرْبَانًا** مُتَقَرِّبًا بِهِمْ اِلَى اللّٰهِ **اٰلِهَةً** مَعَهُ وَهُمُ الْاَصْنَامُ وَمَفْعُوْلُ اِتَّخَذُوْا الْاَوَّلُ ضَمِيْرٌ مَحْذُوْفٌ يَعُوْدُ اِلَى الْمَوْصُوْلِ اَىْ هُمْ وَ قُرْبَانًا الثَّانِىْ وَآلِهَةً بَدَلٌ مِنْهُ **بَلْ ضَلُّوْا** غَابُوْا **عَنْهُمْ** عِنْدَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ **وَذٰلِكَ** اَىْ اِتِّخَاذُهُمُ الْاَصْنَامَ اٰلِهَةً قُرْبَانًا **اِفْكُهُمْ** كِذْبُهُمْ **وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۲۸﴾ يَكْذِبُوْنَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ وَالْعَائِدُ مَحْذُوْفٌ اَىْ فِيْهِ وَ اذْكُرْ **اِذْ صَرَفْنَآ** اَمَلْنَا **اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ** جِنَّ نَصِيْبِيْنَ الْيَمَنِ اَوْجِنَّ نِيْنَوٰى وَكَانُوْا سَبْعَةً اَوْ تِسْعَةً وَكَانَ ﷺ بِبَطْنِ نَخْلٍ يُصَلِّىْ بِاَصْحَابِهِ الْفَجْرَرَوَاهُ الشَّيْخَانِ **يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا** اَىْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ **اَنْصِتُوْا** اَصْغُوْا الْاِسْتِمَاعَ عَنْهُ **فَلَمَّا قُضِىَ** فُرِغَ قِرَاءَتُهٗ **وَلَّوْا** رَجَعُوْا **اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ** ﴿۲۹﴾ مُخَوِّفِيْنَ قَوْمَهُمْ بِالْعَذَابِ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا وَكَانُوْا يَهُوْدًا **قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا** هُوَ الْقُرْآنُ **اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** اَىْ تَقَدَّمَهُ كَالتَّوْرٰةِ **يَهْدِىْٓ اِلَى الْحَقِّ** الْاِسْلَامِ **وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۳۰﴾ اَىْ طَرِيْقِهٖ **يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِىَ اللّٰهِ** مُحَمَّدًا ﷺ اِلَى الْاِيْمَانِ **وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ** اللّٰهُ **مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ** اَىْ بَعْضَهَا لِاَنَّ مِنْهَا الْمَظَالِمَ وَ لَا تُغْفَرُ اِلَّا بِرِضَى اَرْبَابِهَا **وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ** ﴿۳۱﴾ مُؤْلِمٍ **وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِىَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ** اَىْ لَا يُعْجِزُ اللّٰهَ بِالْهَرَبِ مِنْهُ فَيَفُوْتَهٗ **وَلَيْسَ لَهٗ** لِمَنْ لَا يُجِبْ **مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَىِ اللّٰهِ **اَوْلِيَآءُ** اَنْصَارٌ يَدْفَعُوْنَ عَنْهُ الْعَذَابَ **اُولٰٓئِكَ** الَّذِيْنَ لَمْ يُجِيْبُوْا **فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۳۲﴾ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوْا اَىْ مُنْكِرُوْا الْبَعْثِ **اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ** لَمْ يَعْجِزْ عَنْهُ **بِقٰدِرٍ** خَبَرُ اِنَّ وَ زِيْدَتِ الْبَاءُ فِيْهِ لِاَنَّ الْكَلَامَ فِىْ قُوَّةِ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ **عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى** هُوَقَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى **اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۳۳﴾ **وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ** بِاَنْ يُعَذَّبُوْا بِهَا يُقَالُ لَهُمْ **اَلَيْسَ هٰذَا** التَّعْذِيْبُ **بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** ﴿۳۴﴾ **فَاصْبِرْ** عَلٰى اَذٰى قَوْمِكَ **كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ** ذُوالثَّبَاتِ وَالصَّبْرِ عَلَى الشَّدَائِدِ **مِنَ الرُّسُلِ** قَبْلَكَ فَتَكُوْنَ ذَا عَزْمٍ وَمِنْ لِلْبَيَانِ فَكُلُّهُمْ ذُوْ عَزْمٍ وَقِيْلَ لِلتَّبْعِيْضِ

فَلَيْسَ مِنْهُمْ اٰدَمُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا وَلَا يُوْنُسُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ **وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ**ؕ لِقَوْمِكَ نُزُوْلَ الْعَذَابِ بِهِمْ قِيْلَ كَاَنَّهٗ ضَجِرَ مِنْهُمْ فَاَحَبَّ نُزُوْلَ الْعَذَابِ بِهِمْ فَاَمَرَ بِالصَّبْرِ وَتَرْكِ الْاِسْتِعْجَالِ لِلْعَذَابِ فَاِنَّهٗ نَازِلٌ بِهِمْ لَا مَحَالَةَ **كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ**ۙ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْاٰخِرَةِ لِطُوْلِهٖ **لَمْ يَلْبَثُوْٓا** فِي الدُّنْيَا فِيْ ظَنِّهِمْ **اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ**ؕ هٰذَا الْقُرْاٰنُ **بَلٰغٌ**ۚ تَبْلِيْغٌ مِنَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ **فَهَلْ** اَيْ لَا **يُهْلَكُ** عِنْدَ رُؤْيَةِ الْعَذَابِ **اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ** ﴿۳۵﴾ اَيِ الْكَافِرُوْنَ۔

ترجمہ:..........آپ قوم عاد کے (بھائی ہود علیہ السلام) کا ذکر کیجئے (جب کہ آخر تک بدل اشتمال ہے) انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا (خوف دلایا) ریت کے خمدار تودوں کے مقام پر (یمن کی وادی میں ان کے مکانات تھے) اور ان سے پہلے اور پیچھے ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے ہیں (یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور بعد میں اپنی اپنی قوموں کی طرف جاچکے) یہ کہ (یعنی یہ فرمایا) تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (اور جملہ "قد خلت" معترضہ تھا) مجھے تم پر اندیشہ ہے (اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) ایک بڑے دن کے عذاب کا۔ وہ کہنے لگے تم ہمارے پاس سے اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہمیں اپنے معبودوں سے ہٹادو (ان کی پرستش سے پھیر دو) سو لے آؤ) ہمارے پاس جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو (ان کی پرستش کرنے پر عذاب سے) اگر تم سچے ہو (کہ تم اس کو لے آؤ گے) فرمایا (ہود علیہ السلام نے) کہ پوری بات تو اللہ کو معلوم ہے (وہی جانتا ہے کہ کب تم پر عذاب آئے گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے وہ تم کو پہنچا رہا ہوں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نری جہالت کی باتیں کر رہے ہو (جلد عذاب آنے کے بارے میں) سو ان لوگوں نے جب اس کو آتے دیکھا (جو کچھ عذاب تھا بادل کی شکل میں (آسمان کے کنارے) اپنی وادیوں کے مقابل تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (ہمیں بارش دے گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا) کہ نہیں نہیں بلکہ یہ تو عذاب ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ایک آندھی ہے (ما کا بدل) جس میں دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے وہ ہر چیز کو (جس پر گزرے گی) ہلاک (تباہ) کردے گی اپنے پروردگار کے حکم سے (اس کے ارادہ سے یعنی ہر وہ چیز جس کی ہلاکت منظور ہوگی۔ چنانچہ ان کے مرد، عورتیں، چھوٹے بڑے سب برباد ہوگئے۔ آسمان وزمین کے درمیان پھرے۔ آندھی نے سب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بچے رہے چنانچہ وہ ایسے ہوگئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یوں ہی (جیسے ان کو سزا دی) سزا دیا کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو ان باتوں میں (ما بمعنی الذی ہے) قدرت دی تھی کہ تم کو (مکہ والو) ان میں قدرت نہیں دی (یعنی طاقت اور مال) اور ہم نے ان کو کان (سمع بمعنی اسماع ہے) اور آنکھیں اور دل دیئے تھے۔ مگر نہ ان کے کان کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل ذرا بھی (یعنی کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا اس میں من زائد ہے) کیونکہ (اذ معمول ہے اغنی کا اس میں سببیت کے معنی آگئے ہیں) وہ لوگ آیات الٰہیہ (کھلے دلائل) کا انکار کرتے رہے اور انہیں آگھیرا۔ ان پر نازل ہوگیا وہ عذاب) جس کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں بھی غارت کر ڈالی ہیں (یعنی ان بستیوں والوں کو جیسے ثمود وعاد اور قوم لوط) اور ہم نے بار بار نشانیاں (کھلی دلیلیں) بتلادی تھیں تاکہ وہ باز آجائیں۔ سو ان کی مدد کیوں نہ کی (ان کا عذاب دور کر کے) ان چیزوں نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے (ان کی پرستش کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے) معبود بنا رکھا تھا (اللہ کے ساتھ شریک کر کے یعنی بتوں کو اور اتخذوا کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے یعنی ہم اور مفعول ثانی قربانا ہے اور آلہۃ اس کا بدل ہے) بلکہ وہ تو سب کے سب غائب (گم) ہوگئے (عذاب آنے کے وقت) اور وہ یعنی بتوں کو خدائی قرب حاصل کرنے کے لئے معبود بنالینا) محض ان کی تراشی ہوئی (جھوٹ) اور گھڑی ہوئی بات ہے (یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور ما مصدریہ ہے یا موصولہ

ہے اور عائد محذوف ہے یعنی فیہ) اور (یاد کیجئے) جب کہ ہم لے آئے (مائل کردیا) آپ کے پاس جنات کی ایک جماعت (نصیبین یمن یا نینوی کے جنات جو سات یا نو تھے اور آنحضرت ﷺ بطن نخلہ میں اپنے احباب کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے شیخین کی روایت کے مطابق) جو قرآن سننے لگے تھے۔ غرض وہ جب قران کے پاس پہنچے تو (آپس) میں کہنے لگے کہ خاموش رہو (غور سے سنو) پھر جب قرآن پڑھا جا چکا (قراءت سے فراغت ہوگئی) تو وہ جنات اپنی قوم کے پاس ان کو خبردار کرنے کے لئے واپس پہنچ (لوٹ) گئے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب آجائے گا۔ اس بات سے ڈرانے کے لئے اور یہ جنات یہودی تھے) کہنے لگے اے بھائیو! ہم ایک کتاب (قرآن) سن کر آ رہے ہیں جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے۔ جو پہلی کتابوں کی (جیسے تورات ہے) تصدیق کرنے والی ہے حق (اسلام) اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے (محمد ﷺ جو ایمان کی طرف دعوت دینے والے ہیں) کا کہنا مانو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ یعنی بعض گناہوں کو کیونکہ جو مظالم ہیں وہ مظلوموں کی مرضی کے بغیر معاف نہ ہوں گے) اور تمہیں دردناک (سخت) عذاب سے بچالے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہیں مانے گا تو وہ دنیا میں ہرا نہیں سکتا (یعنی کہیں بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتا کہ بچ جائے) اور (کہنا نہ ماننے والے کے لئے) اللہ کے سوا اس کا حامی نہیں ہوگا۔ (مددگار جو اللہ کے عذاب سے بچالے) یہ لوگ (جو کہنا نہیں مانتے)۔ صریح گمراہی میں ہیں (جو بالکل واضح ہے) کیا ان لوگوں (منکرین قیامت) نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھکا (عاجز نہیں ہوا) وہ اس پر قدرت رکھتا ہے (ان کی خبر ہے جس پر باز ائد ہے۔ کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح تھی "الیس اللہ بقادر" کہ مردوں کو زندہ کردے۔ کیوں نہیں (وہ مردوں کو جلانے پر قادر ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (عذاب بھگتنے کے لئے تو ان سے کہا جائے گا) کیا یہ (دوزخ کا عذاب) امر واقعی نہیں ہے۔ بولیں گے ہمارے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے۔ ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کی پاداش میں اس کا عذاب چکھو۔ پس آپ (اپنی قوم کی تکالیف پر) صبر کیجئے۔ جیسا کہ اور ہمت والے (مصیبتوں کو جھیل کر برداشت کرنے والے) پیغمبروں نے کیا ہے (جو آپ سے پہلے ہوگزرے ہیں۔ لہذا آپ بھی باہمت بن جائیں گے۔ اور من بیانیہ ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء باہمت ہی ہوتے ہیں۔ اور بعض کی رائے میں من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ آدمؑ ان میں شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ آیت ولم نجد له عزما سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت یونسؑ بھی ان میں نہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ولا تکن کصاحب الحوت الخ) اور آپ ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے (اپنی قوم پر جلد عذاب نازل ہونے کے لئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قوم سے تنگ دل ہوکر ان پر عذاب چاہ رہے تھے۔ اس لئے صبر کرنے اور عذاب میں جلدی نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ آخر کار عذاب تو آئے گا ہی جس روز یہ لوگ دیکھیں گے اس کو جس کے بارہ میں ان کو دھمکایا جارہا ہے (عذاب آخرت کو اس کا سلسلہ طویل کی وجہ سے) تو گویا یہ لوگ دن بھر میں (دنیا کے لحاظ سے ان کے گمان میں) ایک گھڑی رہے ہوں گے۔ (یہ قرآن) پہنچا دیتا ہے (اللہ کا پیغام تمہیں دے دیتا ہے) سو وہی برباد ہوں گے (عذاب آنے پر) جو نافرمانی کریں گے۔

تحقیق وترکیب: .... اذ انذر۔ لفظ اذ بدل اشتمال ہے اخا عاد کا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اذ ہمیشہ محل نصب میں ہوتا ہے ظرفیت کی بناء پر۔

الاحقاف: حقف کی جمع ہے۔ لمبا خمدار ریت کا ٹیلہ حقف الرمح نیزہ ٹیڑھا ہوگیا۔ بقول ابن عباسؓ عمان ومہرہ کے درمیان ایک وادی ہے۔

من بین یدیه: چار پیغمبر ہودؑ سے پہلے ہوئے۔ آدمؑ، شیثؑ، ادریسؑ، نوحؑ، اور بعد میں صالحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ وغیرہ ہوئے۔

ان لا تعبدوا: مفسر نے اشارہ کیا کہ ان مخففہ ہے یا مصدریہ اور با مقدر ہے۔

انما العلم ۔یعنی عذاب کا وقت اور بقول کرخیؒ مجھے قطعاً نہ معلوم اور نہ اس میں کوئی دخل ہے کہ میری طرف سے جلدی ہوئی۔ پس گویا یہ " **فاتنا بما تعدنا** " کا جواب ہے۔لہذا زمخشریؒ کے اس کہنے کی اب حاجت نہیں رہ جاتی کہ اس سے باب دعا بند ہو گیا۔

فلما راوہ:یعنی ضمیر ماقبل یعنی عذاب کی طرف راجع ہے اور زمخشریؒ کی رائے میں یہ مبہم ہے جس کی تفسیر عارضا ہے جو تمیز یا حال ہے لیکن زمخشریؒ کی اس رائے پر تنقید کی گئی ہے کہ یہ صورت تو باب رب ونعم کے ساتھ مخصوص ہے۔نیز نحوی حضرات اس کو تفسیر نہیں کہتے۔

عارضا . ای معترضا فی افق السماء۔

مستقبل اودیتھم:اس میں اضافت لفظی ہے۔اسی لئے نکرہ کی صفت بن رہی ہے اور ممطرنا میں بھی یہی صورت ہے

بل ھو:یہ کلام باری ہے یا کلام ہودؑ؟ بہتر دوسری صورت ہی ہے۔

فاصبحوا :ہودؑ اور ان کے رفقا چار ہزار ہوں گے اور بستی میں صرف مکان یا نشان رہ گئے۔مکیں کا کہیں پتہ نشان نہ رہا یہ روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے یا ہر سننے والے کو خطاب ہے۔

ان مکناکم:ان نافیہ بمعنی ما ہے تکرار سے بچنے کے لئے خود ما نہیں لایا گیا۔اور شرطیہ مانا جائے تو جواب محذوف ہوگا۔ **ای ولقد مکناھم فی الذی ان مکناکم فیہ** ۔

اذ کانوا:میں فما اغنٰی کی وجہ سے اذ منصوب ہے اور گویا علت ہے بقول زمخشریؒ کیونکہ ظرف اور علت کا ماحصل قریب قریب ایک ہی ہوتا ہے۔ البتہ تمام ظروف میں نہیں۔بلکہ اذ اور حیث کی حد تک ہے۔

قربانا :تقرب اگرچہ لازم ہے تاہم با کے ذریعے متعدی ہو گیا اور " **اتخذوا** " کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف راجع ہے اور قربانا مفعول ثانی ہے اور آلہتہ بدل ہے۔یہ رائے ابن عطیہ،حوفیؒ اور ابوالبقاؒ کی ہے۔لیکن بعض کی رائے ہے کہ آلہتہ مفعول ثانی ہے یا حال مقدم یا مفعول ہے۔جیسا کہ ابھی ذکر آرہا ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ضمیر حسب سابق مفعول محذوف اور قربانا حال اور آلہتہ مفعول ثانی ہو۔ای **فھلا نصرھم الذین اتخذوھم متقربا بابھم آلھۃ**،تیسری صورت یہ ہے کہ قربانا مفعول لہ ہے۔اس صورت میں مفعول محذوف رہے گا اور آلہتہ مفعول ثانی ہے۔

نفرا۔تین سے دس افراد تک بولا جا سکتا ہے۔

نینویٰ۔موصل میں حضرت یونس علیہ السلام کی بستی کا نام ہے۔

جنات نصیبین کے نام یہ ہیں۔۱۔منشی،۲۔ناشی،۳۔مناصین،۴۔ماضر،۵۔الاحقب (مواہب میں ابن درید سے نقل کیا ہے اور بقیہ نام نہیں لکھے ہیں۔

مفسرؒ نے بطن نخلہ مقام کا نام بتلایا ہے۔حالانکہ یہ جگہ مدینہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے اور آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔بلکہ صحیح نام بطن نخلہ ہے۔جو مکہ سے ایک رات کے فاصلہ سے طائف کے راستہ پر ہے۔نیز آپ کے ہمراہ زید بن حارثہؓ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔اس میں بھی تسامح ہوا۔نیز وقت فجر کہنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔کیونکہ یہ واقعہ نماز کی فرضیت سے پہلے ہوا ہے۔اس لئے بعض نے ان دو رکعتوں کو اس دوگانہ پہ محمول کیا ہے۔جو پنجگانہ فرائض سے پہلے آپ ادا فرماتے تھے۔

مواہب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ابو طالب کی وفات کے بعد باہر نکلے۔زید بن حارثہ ہمراہ تھے۔چنانچہ ایک ماہ آپ نے قیام فرمایا اور اشراف ثقیف کو اسلام کی دعوت دی۔لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔بلکہ غنڈوں کو آنحضرت ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔جنہوں نے بہت کچھ ستایا۔ طائف سے جب آپ کی واپسی ہوئی تو نخلہ میں فروکش ہوئے۔یہاں جنات کی حاضری ہوئی جب کہ آپ نماز تہجد میں مصروف تھے۔

اور تفسیر کبیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اہل مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔وہاں سے واپسی پر بطن نخلہ میں فروکش ہو کر

نماز فجر پڑھ رہے تھے کہ اشراف جن حاضر خدمت ہوئے۔ سورہ جن کی آیات اسی سلسلہ کی ہیں۔

یستمعون: لفظ نفر کی رعائت سے تو یسمع مفرد آنا چاہیے تھا۔ مگر معنی کی رعایت سے جمع لائی گی۔ بعض نے ان کی تعداد ستر بتلائی ہے جن میں یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست سب قسم کے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم کے پر ہوتے ہیں۔ دوسری قسم سانپ اور کتوں کی شکل میں ہوتی ہے۔ اور تیسری قسم ہوائی ہوتی ہے۔ مومن جنات کے متعلق اقوال ہیں۔ امام اعظم اور ابواللیث کے نزدیک جہنم سے رہائی دے کر ان کو نابود کر دیا جائے گا۔ جنات جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ علامہ نسفی کہتے ہیں کہ امام اعظم ان کو ثواب ملنے میں توقف فرماتے ہیں۔ اور نفی بھی یقین سے نہیں کرتے تینوں ائمہ اور صاحبین کے نزدیک انسانوں کی طرح یہ بھی اہل جنت ہوں گے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جنت کے آس پاس رہیں گے۔

من بعد موسیٰ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا حال جنات کو معلوم نہیں ہوا ہوگا۔

من ذنوبکم۔ حقوق العباد کی معافی متعلقہ اشخاص کی مرضی سے ہوگی، البتہ آگ میں جل جانے والا شخص مستثنیٰ ہے اس کو نہ قصاص میں قتل کیا جائیگا اور نہ اُخروی عذاب ہوگا۔

ولم یعی بخلقھن۔ مفسرؒ ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ با نفی کے بعد آیا کرتی ہے۔ اور یہاں ان کے بعد مثبت ہے۔ پھر بخلقھن پر با کیسے داخل ہوگئی۔ جواب یہ ہے کہ نفی ابتداء آیت میں آچکی ہے یعنی اولم یروا۔ اس لئے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ الیس اللہ بقادر اسی لئے آگے بلیٰ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

یوم یعرض: مفسرؒ نے یقال سے اشارہ کر دیا کہ یوم محذوف کا ظرف ہے اور الیس ھذا بالحق قول محذوف کا مقولہ ہے۔

وربنا: واؤ قسمیہ ہے ان کے جواب کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے۔ گویا ان کو یہ امید ہوگی۔ کہ شاید اعتراف جرم ہی سے چھٹکارا مل جائے۔

: کاف بمعنی مثل ہے اور ما مصدریہ ہے مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای اصبر صبرا مثل صبر اولی العزم یوں تو اولوالعزم سارے ہی انبیاء ہیں۔ جمہور مفسرین کا قول یہی ہے مفسرؒ بھی من بیانیہ کہہ کر اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر خاص درجہ عزم مراد لیا جائے تو بقول ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ اور حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، اس کا مصداق ہیں۔

ابن عساکر قتادہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نوحؑ ہودؑ، ابراہیمؑ، شعیب و موسیٰؑ ہیں اور ابن المنذر ابن جریجؒ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ اسماعیلؑ، یعقوبؑ اور ایوب ہیں۔ حضرت آدمؑ، یونسؑ، سلیمانؑ، ان میں داخل نہیں ہیں۔ اور مردویہؒ، ابن عباس سے ناقل ہیں کہ حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، اور سلیمان مراد ہیں۔ اور جابر سے منقول ہے کہ تین سو تیرہ رسول ہیں اور مقاتلؒ کے نزدیک چھ ہیں۔ نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، ایوبؑ، ہیں۔ اور صاحب قاموسؒ نے حضرت موسیٰؑ، داؤدؑ، عیسیٰؑ تین کا اضافہ کر کے نو کہا ہے۔ بہر حال تلک الرسل فضلنا الخ کی رو سے تمام انبیاء یکساں نہیں ہیں۔ ان میں فرق مراتب ہے۔

بلاغ: عام قراءت میں مرفوع ہے۔ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ تلک الساعة بلاغ۔

الا ساعة: قرینہ کی وجہ سے یا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ھذا القران او الشرع بلاغ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مبتدء، اور اس کی خبر لھم ہو جو لا تستعجل کے بعد ہے۔ مگر اس صورت میں لا تستعجل پر وقف کرنا پڑے گا۔ اور جملہ تشبیہ کے فصل کی وجہ سے یہ ترکیب نہایت ضعیف ہے۔ نیز لھم کا بظاہر تعلق لا تستعجل سے ہے۔ البتہ زید بن علیؓ، حسنؒ، عیسیٰؒ نے بلاغا نصب کے ساتھ پڑھا ہے بنا پر مصدریت کے۔ ابومجلزؒ کی قراءت ''بلغ امرا'' سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے۔ اور مکی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ساعۃ کی صفت کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ چنانچہ نصب کی قراءت ابھی گزری ہے۔ مگر غالباً ان کو یہ قراءت نہیں پہنچی ہوگی۔ اور حسن نے بلاغ جر کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ حذف مضاف کے ساتھ یہ نہار کی صفت ہو جائے گا۔ ای من نھار ذی بلاغ یا زمانہ کو بطور بلاغ کے ساتھ متصف کیا۔

فهل یهلک ۔اس کے حصر سے یہ مفہوم ہورہا ہے کہ مومن فاسق اگر ایمان پر انتقال کرے تو اس کے لئے نجات ہے۔اے اللہ کریم اس عبد اثیم کو بھی اس امید سے ناامید نہ کیجئے۔علامہ قرطبیؒ نے ابن عباسؓ سے عورت کے دردزہ کے لئے یہ تعویذ نقل کیا ہے کہ پیالہ پر لکھ دیتے تھے۔جو عورت کو دھوکر پلانے سے بسہولت جلد ولادت ہوجاتی ہے۔**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم الکریم سبحان اللہ رب السمٰوات ورب الا رض ورب العرش العظیم کانهم یوم یرونها لم یلبثوا لا عشیة او ضحاها کانهم یوم یرون ما یو عدون لم یلبثوا الا ساعة من نهار بلٰغ فهل یهلک الا القوم الفاسقون.**

ربط:.........سابقہ مضمون رسالت کی تائید کے لئے عرب اور آس پاس کی گذشتہ قوموں عاد وثمود ولوط وغیرہ کے واقعات ذکر کئے جارہے ہیں تاکہ ان کے لئے درس عبرت ہوں۔

اولم یروا ۔پچھلی آیت **یوم یعرض الذین** میں اسی طرح بعد کی آیات میں قیامت کی جزاء وسزا کا بیان تھا۔لیکن چونکہ بعض مخاطب خود امکان قیامت ہی کے منکر تھے۔اس لئے اس آیت میں پہلے قیامت کا امکان پھر اس کا اور عذاب کا وقوع پھر اس پر پیغمبر کی صبر وتسلی بطور تفریع فرمائی جا رہی ہے اور اس کی تاکید کے لئے کفار کی تفریع بعنوان کلی ارشاد ہے۔

شان نزول وروایات:

.........**فلما راوہ**۔روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب قوم عاد پر آثار عذاب آتے دیکھے تو اپنی مختصر سی مومن جماعت کو لے کر حظیرۃ القدس تشریف لے گئے۔چنانچہ آندھی آئی اور لوگ ریت کے تودوں کے نیچے دب گئے۔ایک ہفتہ کے بعد پھر آندھی چلی اور ریت کو دوسری طرف منتقل کردیا اور تمام نعشوں کو سمندر میں اٹھا کر پھینک دیا۔برخلاف حضرت ہودؑ اور ان کے رفقاء کے شروع میں جب ان کو عذاب کی آندھی کا احساس ہوا تو انہوں نے ایک حصار کھینچ دیا جس میں وہ سب محفوظ رہے ہوا ان پر گزرتی نہایت جانفزا بن جاتی۔

ولقد صرفنا:آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے کاہنوں اور نجومیوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہوجایا کرتی تھیں۔مگر آپ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ سلسلہ تقریباً بند ہوگیا۔جنات کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی بات ہوئی کہ آسمانی خبروں پر اس قدر پہرے بٹھادیئے گئے۔اس کی جستجو کے لئے ان کی ٹکڑیاں مختلف سمتوں میں پھیل گئیں۔اتفاق سے ایک جماعت کا گزر بطن نخلہ پر ہوا۔وہاں آنحضرت ﷺ مع چند رفقا کے نماز فجر ادا فرمارہے تھے۔قرآن کی آواز جب ان کے کانوں میں پہنچی اور وہ بھی خود صاحب وحی کے لب ولہجہ اور کیفیات کے ساتھ،تو عجیب سماں بندھا،اور وہ اس کی عظمت وہیبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور سرگوشیاں کرتے رہے جب قرآن کی دلکشی اور تاثیر نے ان کے دلوں میں گھر کرلیا۔تو سمجھے کہ ہو نہ ہو یہی سبب ہے۔جس سے آسمانی خبریں آنی بند ہوگئیں۔حضور ﷺ نماز وقرآن سے فارغ ہوئے اور یہ جنات اثر میں ڈوبے ہوتے اپنی قوم میں واپس ہوئے اور جاکر انہیں نصیحت وفہمائش کی۔

﴿ **تشریح** ﴾:.........حضرت ہود علیہ السلام عاد کے بھائی تھے۔احقاف میں قیام پذیر تھے،جو'ارض القرآن' کے بیان کے مطابق یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے درمیان جو صحرائے اعظم ہے وہ اگرچہ ناقابل رہائش ہے تاہم آس پاس کہیں کہیں کچھ زمین کے ٹکڑے ہیں۔بالخصوص حضرموت سے نجران تک عہد قدیم میں آباد تھا۔عاد ارم کا مشہور قبیلہ رہتا تھا۔جو خدا کی نافرمانی کی پاداش میں نیست ونابود ہوگیا۔

وقد خلت النذر۔یا تو حق تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ تائید کے لئے ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود حضرت ہودؑ نے سب پیغمبروں کا اتفاق مسئلہ توحید میں بطور تائید بیان فرمایا ہو اور وہ نذیر ممکن ہے دوسری بستیوں کے مراد ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسی بستی میں آئے ہوں بہرحال قوم پر کہاں جونگ لگنے والی تھی انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اس پرانی ڈگر سے ہٹنے والے نہیں۔جو تم زبانی دھمکیاں دے رہے ہو۔ذرا دھمکیاں پوری کرکے دکھاؤ۔فرمایا کہ عذاب تو آئے گا،پر آئے گا لیکن کب؟ یہ اللہ ہی جانے مجھے جتنا بتلایا گیا ہے۔میں نے تمہیں بتلادیا ہے۔اس سے زائد کا نہ مجھے علم اور اختیار اللہ ہی جانتا

ہے کہ مہلت کب تک ہے اور ساعت عذاب کب آئے گی؟ تعجب ہے کہ تم اپنی بربادی کی فرمائش کررہے ہو کوئی حد ہے اس جسارت اور گستاخی کی۔

قوم عاد وہود پر عذاب کا بادل:......... فلما رواہ۔ چنانچہ عذاب کا بادل سامنے اٹھتا دکھائی دیا۔ نادان بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ اب ندی نالے بھر جائیں گے اور خشک سالی سے مارے ہوؤں کا کام بن جائے گا مگر وہ برسنے والا بادل کب تھا وہ تو ان کی کم بختی کا بادل اور تباہی کی آندھی تھی۔ جس کے وہ خواہاں ہورہے تھے۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے شدید طوفان نے ان کے سارے مکانات مٹا کر رکھ دیئے۔ آدمی جانور، درخت تنکوں کی طرح اُڑے پھر رہے تھے۔ مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہوکر رہ گئے۔ اے مکہ کے باسیو! دیکھ لیا تم نے اللہ کے مجرموں کا کیا حال ہوا اب بھی سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی یہی ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور آسانی سے۔ کیوں کہ وہ ہر چیز میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ مگر عذاب کے آگے کوئی چیز کام نہ دے سکی۔ آخر تم کس بات پر مغرور ہو۔ انہیں نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دیئے تھے۔ پر وہ اندھے، بہرے، پاگل بن کر پیغمبروں کا مقابلہ کرتے رہے اور کسی قوت سے کام نہ لیا۔ آخر کار یہ قوتیں دیکھنے میں سب موجود رہیں مگر عذاب الٰہی نے آگھیرا، تو کچھ کام نہ آسکا۔ وہ جس کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے، وہ قدرت اب گویا ان سب پر مسکرا رہی تھی اور قوم عاد ہی نہیں بلکہ قوم ہود ولوط کی بستیاں بھی اسی طرح الٹ کر رکھ دی گئی۔ جو اہل مکہ کے آس پاس اور ان کی گذرگاہیں تھیں۔ انہیں کتنا سمجھایا، کتنی ڈھیل دی پر وہ اتنے سمجھانے پر بھی باز نہ آئے اور جن بتوں کی پرستش وہ اس لئے کرتے تھے کہ وقت پر کام آئیں گے ہمیں اللہ کے نزدیک کردیں گے۔ آخر وقت پڑا تو وہ کیا ہوئے، کہاں گئے ذرا ان کو بلایا تو ہوتا، اب کام نہ آئے تو پھر کب کام آئیں گے، مگر آج کا کہیں پتہ نہیں۔ جس سے ظاہر ہوا ہے یہ سب من گھڑت، جھوٹی، واہیات باتیں تھیں، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے تو کیسے؟

انسان سے تو جنات ہی غنیمت نکلے:......... واذ صرفنا الخ یعنی اشرف المخلوق انسان کی سرکشی اور نافرمانی تو دیکھ لی۔ اب ذرا جنات کی اطاعت کوشی اور فرمابرداری کا موازنہ کرلو حالانکہ ان میں تکبر کا مادہ زیادہ ہوا کرتا ہے۔ مگر ایمان کے آگے کفر سے بالکلیہ دست بردار ہوگئے بطن نخلہ کی پہلی حاضری میں جب کہ آپ ﷺ نماز فجر میں مشغول تھے۔ جنات کی حاضری اور متاثر ہوکر واپسی اس وقت تو حضور ﷺ کو تفصیل سے معلوم نہ ہوسکی۔ صرف ایک درخت نے اللہ کے حکم سے اس کی اجمالی اطلاع آپ کو دی۔ مگر حسب بیان خفاجی چھ مرتبہ جنات کی آپ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد میں اس کی تفصیلات کا آپ کو پتہ چل سکا۔ چنانچہ سورہ جن نازل ہوئی اس میں اس کا ذکر ہے۔ جنات کی تعداد بہت سی باتوں میں جو روایات مختلف آئیں ہیں ان کو متعدد واقعات پر محمول کرکے منطبق کیا جاسکتا ہے۔

جنات کی نظر میں قرآن:......... من بعد موسی۔ اس جملہ سے بعض نے یہ سمجھا کہ وہ جن یہودی تھے۔ حالانکہ اس کی کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور یہ استنباط ناکافی ہے۔ البتہ چونکہ کوئی آسمانی کتاب تورات کے برابر احکام پر مشتمل نہیں تھی۔ اس لئے انبیاء اسرائیل اس پر عامل رہے۔ حتی کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی فرمانا پڑا کہ میں تورات بدلنے کے لئے نہیں بلکہ اس کو مکمل کرنے کیلئے آیا ہوں۔ ادھر حضرت سلیمانؑ کے وقت سے ہی جنات میں تورات مشہور چلی آرہی تھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس اہمیت کے پیش نظر یہ اشارہ کیا ہو کہ جیسی مستقل اور عظیم کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے۔ اسی کے مشابہ اور اسی عظمت وشان کا یہ قرآن معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو یہ پیش گوئی ہوئی تھی کہ اے موسیٰؑ تیری مانند ایک نبی اُٹھاؤں گا

رہا یہ کہ انہوں نے تھوڑا سا قرآن سن کر یہ کیسے سمجھ لیا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس وقت حضور ﷺ نے جو قرآن کا حصہ تلاوت فرمایا اس میں یہ مضمون ہو یا کسی قرینہ اور طرز بیان، جلالت شان سے انہیں یہ گمان ہوا ہو جو واقعہ کے مطابق نکلا۔

یهدی الی الحق۔ حق اور طریق مستقیم میں یا اصول وفروع کا فرق مانا جائے اور یا ایک صفت کا عطف دوسری صفت پر ہورہا ہے۔

اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں:......... یقومنا ۔ جو گناہ اسلام لانے سے پہلے حالت کفر میں ہو چکے وہ اسلام کی برکت سے سب معاف ہو گئے ۔ **الاسلام یهدم ما کان قبله** اب آئندہ نیا کھاتہ کھلے گا۔ بعض حضرات نے **من ذنوبکم** میں **من** تبعیضیہ لیا ہے کیونکہ اسلام لانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لیکن بعض علماء نے من کو زائد مانا ہے۔ یعنی اسلام لانے سے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ رہ گئے حقوق العباد تو ان کی دو قسمیں ہیں۔ بعض گناہ بھی ہیں جیسے قتل وغیرہ ان کا معاف ہونا تو متفق علیہ ہے اور جو حقوق محض حقوق ہیں گناہ نہیں جیسے قرض وغیرہ وہ چونکہ گناہ میں داخل ہی نہیں کہ اشکال ہو۔ اس لئے من تبعیضیہ لینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں:......... اور جنات کو کفر ومعصیت پر عذاب ہونا تو متفق علیہ ہے۔ لیکن ایمان وطاعت پر جنت وثواب ملنا مختلف فیہ ہے۔ جمہور تو عمومات شرعیہ کی وجہ سے اور خاص طور پر آیت رحمٰن **لم یطمثهن انس قبلهم ولا جان** کی بناء پر اور نیز سورہ انعام کی آیت **ولکل درجات مما عملوا** کے سبب جنت وثواب کا عطا ہونا انسانوں کی طرح مانتے ہیں۔ لیکن امام اعظمؒ کسی خاص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص نہ پائے جانے کی وجہ سے غایت احتیاط کے سبب توقف فرماتے ہیں نہ اقرار نہ انکار جیسا کہ علامہ ابو البرکات نسفی نے "التیسیر" میں یہ مسلک نقل کیا ہے۔ لیکن امام صاحب کی نسبت جو مشہور ہو گیا کہ وہ جنات کے جنتی ہونے کے قائل نہیں۔ غالباً نقل مذہب میں غلطی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

ولم یعی بخلقهن: میں یہود کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ یوم السبت (سنیچر) کو زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا۔ پس جو اتنا بڑا کام کر کے نہیں تھکا اسے تمہیں دوبارہ پیدا کرنے میں کیا تھکن ہو گی۔ لہٰذا اس دھوکہ میں نہ رہنا کہ مر کر کون زندہ ہوتا ہے اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔

الیس هذا جہنم اور اس کے عذاب کا مشاہدہ کرا کر اور اس کا مزہ چکھا کر اقرار کرالیا جائے گا۔ جادو وہی ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ ارشاد ہو گا کہ اب خالی اقرار سے کیا۔ ذرا انکار کا مزہ تو چکھو اور چکھتے ہی رہو۔

فاصبر: یعنی جب معلوم ہو گیا کہ منکرین کو سزا ضرور ملے گی دنیا میں ملے یا آخرت میں۔ بس اس معاملہ میں اب آپ جلدی نہ کریں اور صبر سے کام لیں جو اولوالعزم انبیاء کا شیوہ رہا ہے۔

اولوالعزم پیغمبر کون ہوئے ہیں:......... محققین کی رائے ہے کہ سب پیغمبر اولوالعزم ہیں۔ اس لئے "**من الرسل**" میں من بیانیہ ہے۔ البتہ آیت **تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** کی رو سے بعض انبیاء اس وصف میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ اس لقب سے مشہور ہو گئے جیسا کہ اعلام غالبہ میں ہوا کرتا ہے پھر ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ آیت احزاب **واذ اخذنا من النبین میثاقهم و منک ومن نوح و ابراهیم و موسیٰ وعیسی ابن مریم** کی رو سے اولوالعزم بالمعنی الثانی یہ پانچ انبیاء ہیں۔ واللہ اعلم

لم یلبثوا ۔ یعنی اب تو دنیا میں عذاب آنے میں دیر سمجھتے اور کہتے ہیں جلد کیوں نہیں آجاتا۔ مگر اس دن جانیں گے۔ کہ بہت جلد آگیا دنیا میں تو گھڑی بھر ہی ٹھہرے تھے یا برزخ کا رہنا گھڑی بھر معلوم ہو گا۔ گزری ہوئی مدت تو یوں بھی کم معلوم ہوا کرتی ہے اور مصیبت وسختی کے وقت عیش و آرام کا سارا زمانہ کافور نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے نصیحت کی حد تک حجت پوری کر دی اور سب نیک وبد سمجھا دیا۔ اب کوئی نہ مانے دو جانے۔ ہم کسی کو بے قصور نہیں پکڑا کرتے۔ اسی کو غارت کرتے ہیں جو غارت ہونے پر کمر باندھ لے۔

لطائف سلوک:......... آیت **امنوا به یغفر لکم الخ** ثواب ذکر نہ فرمانے میں شاید اسی طرف اشارہ ہو کہ بندہ کا نجات پا جانا ہی کیا کم انعام ہے اس کے استحقاق سے یقیناً زائد ہے۔ پھر اپنے کو خاص درجات کا مستحق اور اہل کیوں سمجھے یہی تواضع قلندرانہ مذاق ہے۔

سُــــوْرَةُ الْقِتَالِ

سُوْرَةُ الْقِتَالِ مَدَنِيَّةٌ اِلَّا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ الآية اَوْ مَكِّيَّة وَهِيَ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **وَ صَدُّوْا** غَيْرَهُمْ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَيِ الْاِيْمَانِ **اَضَلَّ** اَحْبَطَ **اَعْمَالَهُمْ** ﴿۱﴾ كَاِطْعَامِ الطَّعَامِ وَصِلَةِ الْاَرْحَامِ فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِي الْاٰخِرَةِ ثَوَابًا وَ يُجْزَوْنَ بِهَا فِي الدُّنْيَا مِنْ فَضْلِهٖ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** اَيِ الْاَنْصَارُ وَ غَيْرُهُمْ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ** اَيِ الْقُرْاٰنِ **وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ** غَفَرَ لَهُمْ **سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ** ﴿۲﴾ اَيْ حَالَهُمْ فَلَا يَعْصُوْنَهٗ **ذٰلِكَ** اَيْ اِضْلَالُ الْاَعْمَالِ تَكْفِيْرُ السَّيِّئَاتِ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اَنَّ **الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ** الشَّيْطَانَ **وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ** الْقُرْاٰنَ **مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلُ ذٰلِكَ الْبَيَانِ **يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ** ﴿۳﴾ يُبَيِّنُ اَحْوَالَهُمْ اَيْ فَالْكَافِرُ يُحْبِطُ عَمَلَهٗ وَالْمُوْمِنُ يَغْفِرُ اللّٰهُ **فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ** مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهٖ اَيْ فَاضْرِبُوْا رِقَابَهُمْ اَيْ قْتُلُوْهُمْ وَ عَبَّرَ بِضَرْبِ الرِّقَابِ لِاَنَّ الْغَالِبَ فِي الْقَتْلِ اَنْ يَكُوْنَ بِضَرْبِ الرَّقَبَةِ **حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ** اَيْ اَكْثَرْتُمْ فِيْهِمُ الْقَتْلَ **فَشُدُّوْا** اَيْ فَاَمْسِكُوْا عَنْهُ وَاَسِرُوْهُمْ وَشُدُّوْا **الْوَثَاقَ** مَا يُوْثَقُ بِهِ الْاَسْرٰى **فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ** مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهٖ اَيْ تَمُنُّوْنَ عَلَيْهِمْ بِاِطْلَاقِهِمْ مِنْ غَيْرِ شَيْئٍ **وَاِمَّا فِدَآءً** اَيْ تُفَادُوْهُمْ بِمَالٍ اَوْ اَسْرٰى مُسْلِمِيْنَ **حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ** اَيْ اَهْلُهَا **اَوْزَارَهَا** اَثْقَالَهَا مِنَ السِّلَاحِ وَغَيْرِهٖ بِاَنْ يُسْلِمَ الْكُفَّارُ اَوْ يَدْخُلُوْا فِي الْعَهْدِ وَهٰذِهٖ غَايَةٌ لِّلْقَتْلِ وَالْاَسْرِ **ذٰلِكَ** خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الْاَمْرُ فِيْهِمْ مَا ذُكِرَ **وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ** بِغَيْرِ قِتَالٍ **وَلٰكِنْ** اَمَرَكُمْ بِهٖ **لِيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ** مِنْهُمْ فِي الْقِتَالِ فَيَصِيْرُ مَنْ قُتِلَ مِنْكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمِنْهُمْ اِلَى النَّارِ **وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ قَاتَلُوْا اَلْاٰيَةُ نَزَلَتْ يَوْمَ اُحُدٍ وَقَدْ فَشَا فِي الْمُسْلِمِيْنَ الْقَتْلُ وَالْجِرَاحَاتُ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَنْ يُّضِلَّ** يُحْبِطَ **اَعْمَالَهُمْ** ﴿۴﴾ **سَيَهْدِيْهِمْ** فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلٰى مَا يَنْفَعُهُمْ **وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ** ﴿۵﴾ حَالَهُمْ فِيْهِمَا وَمَا فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَمْ يُقْتَلْ وَ اُدْرِجُوْا فِيْ قُتِلُوْا تَغْلِيْبًا

وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا بَيَّنَهَا لَهُمْ ﴿۶﴾ فَيَهْتَدُوْنَ اِلٰى مَسَاكِنِهِمْ مِنْهَا وَ اَزْوَاجِهِمْ وَخَدَمِهِمْ مِنْ غَيْرِ اِسْتِدْلَالٍ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ اَىْ دِيْنَهٗ وَ رَسُوْلَهٗ يَنْصُرْكُمْ عَلٰى عَدُوِّكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾ يُثَبِّتْكُمْ فِى الْمُعْتَرَكِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهٗ تَعِسُوْا يَدُلُّ عَلَيْهِ فَتَعْسًا لَّهُمْ اَىْ هَلَاكًا وَّ خَيْبَةً مِنَ اللّٰهِ وَاَ ضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾ عَطْفٌ عَلٰى تَعِسُوْا ذٰلِكَ اَىِ التَّعْسُ وَالْاِضْلَالُ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّكَالِيْفِ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۹﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَهْلَكَ اَنْفُسَهُمْ وَاَوْلَادَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ اَمْثَالُ عَاقِبَةِ مَنْ قَبْلِهِمْ ذٰلِكَ اَىْ نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَهْرُ الْكَافِرِيْنَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى وَلِيُّ نَاصِرُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: سورۃ القتال مدنیہ ہے بجز آیت و كاين من قرية کے یا یہ سورت مکیہ ہے۔ اس میں ۳۸ یا ۳۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم (مکہ کے) جو لوگ کافر ہوئے (اوروں کو) اللہ کے رستہ (ایمان) سے روکا خدا نے ضائع (کافر) کر دیئے ان کے اعمال (مثلاً کھانا کھلانا، صلہ رحمی کرنا۔ لہٰذا ان کاموں کا ثواب) انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ بلکہ اللہ اپنی مہربانی سے دنیا میں اس کو چکا دیتا ہے اور جو لوگ انصار وغیرہ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایمان لائے اس سارے (قرآن) پر جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار کے پاس سے امر واقعی ہے اللہ اتار دے گا (معاف کر دے گا) ان کے گناہ اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ (لہٰذا وہ ان کی نافرمانی نہیں کریں گے) یہ (نیک کاموں کو ناکارہ اور برے کاموں کا کفارہ کرنا) اس لئے ہے۔ (بوجہ اس کے) کافر تو غلط (شیطان) کے راستے پر چلے اور ایمان دار صحیح رستہ (قرآن پر) چلے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اسی طرح (جیسے یہ بیان ہوا) اللہ لوگوں کے لئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے (ان کے احوال کھول دیتا ہے۔ چنانچہ کافر کا عمل ضبط اور مومن کے خطا قصور معاف) سو کفار سے جب تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑا ڈالو (ضرب مفعول مطلق ہے مگر لفظوں میں فعل کا بدل ہے ای فاضربوا رقابهم یعنی کافروں کو قتل کر ڈالو لیکن گردن مارنے سے اس کو تعبیر کر دیا کیونکہ قتل میں عموماً گردن ہی اڑائی جاتی ہے) یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو (بکثرت قتل کر دو) تو باندھ ڈالو (قتل روک دو ان کو گرفتار کر کے جنگی قیدی بنالو، مضبوط باندھے رکھو) خوب مضبوط (بیڑی وغیرہ جس سے قیدی باندھے جاتے ہیں) پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا مصدر ہے مگر بلحاظ لفظ فعل کا بدل ہے۔ ای تمنون منا یعنی مفت چھوڑ کر ان پر احسان کر ڈالو)۔ اور یا معاوضہ لے کر چھوڑنا) (یعنی ان سے مالی فدیہ کے بدلے یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا) جب تک لڑائی والے اپنے (ہتھیار نہ رکھ دیں ہتھیار وغیرہ کا بوجھ، کفار مسلمان ہو جائیں یا ذمی ہو جائیں۔ یہ قتل اور قید کرنے کی نہایت ہے یہ) خبر ہے مبتدا محذوف کی تقدیر عبارت اس طرح ہے الامر فيهم ما ذكر حکم بجا لانا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا (بغیر قتل ہی) لیکن (تمہیں قتل کا حکم دیا ہے) تاکہ ایک دوسرے کا امتحان لے سکو ان کو قتل کر کے (جو تم میں شہید ہو جائے تو جنتی، ان کا کوئی مارا جائے تو دوزخی) اور جو لوگ مارے جاتے ہیں (ایک قراءت میں قاتلوا ہے۔ یہ آیت جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب کہ مسلمان شہید و زخمی بکثرت ہو رہے تھے)۔ اللہ کی راہ میں ان کے اعمال کو اللہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی فرمائے گا (دنیا و آخرت میں نفع بخش مطلوب تک) اور ان کی حالت درست رکھے گا (دونوں جہان میں اور صرف دنیا میں بہتر کرے گا۔ جو شہید نہیں ہوا اور تغلیباً قتلوا میں شمار کیا

گیا ہے) اور انہیں جنت میں داخل کرادے گا جس کی ان کو پہچان کرادے گا چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی بیویوں اور نوکروں کے پاس بغیر کسی رہنمائی کے از خود پہنچ جائیں گے) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین اور رسول ﷺ) کی مدد کرو گے تو وہ (دشمن کے مقابلہ) میں تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا (معرکوں میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا) اور جو لوگ کافر ہیں (مکہ والوں میں یہ مبتداء ہے خبر تعسوا ہے جس پر اگلا لفظ رہنمائی کر رہا ہے) ان کے لئے تباہی ہے یعنی خدائی ہلاکت و بربادی) اور اللہ ان کے کاموں کو مٹادے گا (اس کا عطف تعسوا پر ہو رہا ہے) یہ (ہلاکت اور اعمال کی بربادی) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا (یعنی قرآن کو جس میں شرعی احکام ہیں) سو اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔ کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی ان کو ان کی اولاد کو برباد کر ڈالا) اور ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں (جیسے ان سے پہلوں کا انجام ہوا) یہ (مسلمانوں کی مدد اور کافروں کی تباہی) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز (ولی، مددگار) ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔

تحقیق وترکیب:...... **سورۃ القتال** ۔ سورۂ محمد اور سورۃ الذین کفروا بھی اس کے نام ہیں۔

مدنیۃ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پوری سورت مدنی ہے۔ مگر آیت **و کاین من قریۃ** الخ مکیہ ہے۔ حجۃ الوداع کے بعد جب آنحضرت ﷺ مکہ سے روتے ہوئے رخصت ہو رہے تھے تو گویا محل نزول حوالی مکہ تھا۔ اگر واقعہ ہجرت کے بعد ہوا لیکن اگر مکی اور مدنی ہونے کی تقسیم کا معیار ہجرت کو قرار دیا جائے جیسا کہ مشہور ہے تو پھر آیت بھی مدنیہ ٹھہرتی ہے۔

وصدوا: اسلام میں داخل ہونے سے رکنے کے معنی ہیں تو پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ لیکن جوہریؒ روکنے کے معنی لیتے ہیں۔ جیسا کہ مفسر نے اشارہ کیا ہے۔

اضل۔ یہ ضلال سے نہیں ہے جو ہدایت کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ ضل عنی سے ہے ضائع ہونا۔

الذین اٰمنوا: تصدیق قلبی مراد ہے اور وعملوا الصالحات عطف مغائرہ پر دلالت کر رہا ہے چنانچہ اشاعرہ کے نزدیک یہی مختار ہے کہ حقیقت ایمان کی بجائے کمال ایمان میں اعمال کو داخل کیا جائے۔

الذین اٰمنوا: عطف خاص علی العام ہے تعظیم اور اہمیت کے لئے ایسا کیا گیا ہے کہ ایمان اتباع حق کے بغیر نہیں ہوتا۔

امثالھم: عام لوگوں کی طرف یا مومن وکافر فریقین کی طرف ضمیر راجع ہے۔

فاذا لقیتم: اس ظرف اور ضرب الرقاب دونوں میں عامل فعل مقدر ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی۔ **فاضربوا الرقاب وقت ملاقاتکم العدو**۔ لیکن ابوالبقاء مصدر کو بنفسہ عامل نہیں مانتے کیونکہ وہ تو صرف تاکید کے لئے ہوتا ہے اور مصدر نائب فعل میں بھی یہی اختلاف ہے۔ مثلاً ضربا زیدا میں عمل کی نسبت مصدر کی طرف کیجائے یا عامل کی طرف۔ چنانچہ **فضرب الرقاب** کی اصل **فاضربوا الرقاب** ضربا تھی فعل حذف کر کے مصدر مقدم کر دیا اور مفعول کی طرف اس کو مضاف کر کے عمل میں قائم مقام فعل کے مان لیا ہے۔

اثخنتموھم: اثخان کہتے ہیں سیال چیز کا جمود کے قریب ہو جانا۔ پس اثخان عدو کے معنی خونریزی کی اتنی کثرت کہ خون نکل کر جم جائے۔ اور قاموس میں ہے ثخن بروزن کرم ہے بمعنی **غلظ و صلب اثخن فی العدو بمعنی بالغ الجراحۃ**۔

فشدوا الوثاق: مضبوط باندھنا کہ قیدی کھل کر بھاگ نہ جائے۔ وثاق، رسی، زنجیر، بیڑی بندھن کو کہتے ہیں۔ بظاہر وثاق ذہاب کی طرح مصدر ہے۔ لیکن فعال کا مصدر مشہور یہ ہے کہ اسم آلہ کیلئے ہوتا ہے جیسے رکاب، امام۔

فاما منا بعدو اما فداء۔ ان دونوں جملوں میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ دونوں مصدر منصوب ہیں فعل واجب الحذف کی وجہ

ہے۔ کیونکہ مصدر جب کسی جملہ کے بعد جس تفصیل کے لئے لایا جائے گا تو فعل مضمر کی وجہ سے اس کو منصوب ماننا واجب ہوگا۔ یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ۔ فاما ان تمنوا واما ان تفادوا فداءا۔ دوسری ترکیب ابوالبقاء کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں مفعول بہ ہیں عامل محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اولوهم منا و اقبلوا منهم فداء .اس نحوی اختلاف کے بعد فقہی اختلاف بھی پیش نظر رہے۔

سفیان ثوریؒ ،امام شافعیؒ ،امام احمدؒ ،اسحٰقؒ کے نزدیک خلیفہ کو اختیار ہے چار باتوں کا کہ جنگی قیدیوں کو (۱) خواہ وہ قتل کردے (۲) یا مفت احسان کر کے رہا کردے۔ (۳) یا فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ (۴) یا غلام بنا کر رکھ لے۔ چنانچہ ابن عمرؓ ،ابن عباسؓ ،حسنؒ ،محمد ابن سیرینؒ سے یہی منقول ہے لیکن امام اعظمؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ آیت برأت واقتلوا المشركين حيث و جدتموهم سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ کیونکہ سورۃ براءۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اسلئے خلیفہ وقت جنگی قیدیوں کو قتل کردے یا غلام بنالے۔ چنانچہ قتادہ ،مجاہدؒ ،عطاؒ اور سعدیؒ سے بلکہ ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے اور بعض کے نزدیک من سے مراد یہ ہے کہ ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں جزیہ منظور کرلینے کا موقع دیا جائے۔ اور فدیہ سے مراد یہ ہے کہ قیدیوں کا قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے۔ امام طحاویؒ نے امام اعظمؒ کا مذہب اور صاحبین کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ ان کے نزدیک مالی اور غیر مالی فدیہ جائز نہیں ہے۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ سورۃ برأت کی آیت غیر اساریٰ سے متعلق ہے۔ کیونکہ ان کو قیدی یا غلام بنا لینا جائز ہے پس معلوم ہوا کہ قتل کا تعلق حتمی طور پر اوروں سے ہے۔

حتى تضع الحرب. مفسرؒ نے اہلہا سے مجاز فی الاسناد کی طرف اور "بان یسلم الکفار" سے مجاز فی الظرف کا اشارہ کیا ہے اور کلام میں استعارہ تبعیہ ہے کہ آلات حرب رکھ دینے سے مراد ترک قتال لیا ہے۔

سيهديهم: دنیا میں اعمال صالحہ اور اخلاص کی توفیق ہوجانا اور آخرت میں مغفرت ورضوان کا ملنا مراد ہے چنانچہ اہل بدر کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔ **اطلع الله على اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم** مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو گناہوں کی چھوٹ مل گئی۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ تم نے میری محبت واطاعت میں فنائیت حاصل کرلی تو ہماری جانب سے تمہاری مکمل حفاظت ہوگئی اب کوئی ناگوار و نامرضی حرکت نہیں ہوگی۔ اس طرح راضیۃ مرضیۃ کا مقام حاصل ہوگیا۔

اور "ما فی الدنیا" سے مفسر ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں شبہ یہ ہے کہ "الذين قتلوا" کو شہادت کے بعد **سيهديهم** الخ کیسے کہا جارہا ہے جواب یہ ہے کہ قتلوا سے مراد قاتلوا ہے دوسری قراءت کے قرینہ کی وجہ سے خواہ وہ شہید ہوجائیں یا غازی رہیں جو بالفعل شہید ہوجائیں گے۔ وہ **سيهديهم فى الآخرة** اور جو غازی ہوں گے وہ ہدایت اصلاح سے مستفید ہوں گے "وادرجوا" سے مراد غازی ہیں۔

عرفها: یعنی جنت میں اجنبیت نہیں ہوگی بلکہ فطری شناخت اور شناسائی حاصل ہوجائے گی۔ بخاری مرفوع روایت ہے کہ جنتی ٹھکانہ کی شناخت دنیا کے رہائشی گھر سے زیادہ ہوگی۔ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عرفہا بمعنی خوشبو سے ہے۔ یعنی خوشبوئیں اور خوشبودار کھانا عطا ہوگا اور قد مقدر مان کر یہ جملہ حالیہ ہوجائے گا۔ لیکن ابوالبقاءؒ کے نزدیک جملہ مستانفہ ہے۔

يثبت اقدامكم: ثبات قدمی سے مراد ثبات ذات اور استقرار ہے۔

فتعسا: یہ فا خبر محذوف کی ہے اور تعسا اس کا مفعول مطلق ہے۔ بہتر ہوتا اگر مفسرؒ علام فا کے بعد خبر کو مقدر مان لیتے۔

ذلك مبتداء ہے اور بعد میں خبر ہے یا یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ **اى الامر ذلك** ۔

وان الكافرين لا مولىٰ لهم: یہ آیت دوسری آیت **ثم ردوا الى الله مولٰهم الحق** کے منافی نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر ہے اور دوسری آیت میں مولیٰ بمعنی مالک ہے۔

ربط: پچھلی سورت کے ختم پر فاسقین یعنی کفار کی برائی بیان ہوئی تھی اور اس سے پہلے بھی مومن جنات کی فضیلت کے ساتھ کفار کی

مذمت کا ذکر ہوا تھا۔ سورۂ قتال کے شروع میں بھی اسی تعریف اور مذمت کا بیان ہو رہا ہے۔

پھر آگے چل کر صدوا الخ میں کفار کی طرف سے فساد اور عملوا الصالحات سے مسلمانوں کی اصلاح کا حال ہے۔ آگے فاذا لقیتم الخ سے بعض جہادی احکام متفرع فرمائے جارہے ہیں جن کا منشاء مصلحین کے ذریعہ مفسدین کو دبانا ہے۔

اور ''فضرب الرقاب'' میں چونکہ کفار سے قتال کا حکم ہے۔ اس لئے ذلک سے اصل حکم کی تقریر اور لو نشاء سے اس کی حکمت اور ''والذین قتلوا'' میں مسلمانوں کی شہادت کی صورت میں بشارت اور ''ان تنصروا'' میں قتال کی ترغیب اور ''والذین کفروا'' میں کفار کی برائی اور وعید ہے۔

اور ذلک بانھم میں پھر اس مذہب اور وعید کی علت اور افلم یسیروا الخ میں اس وعید کا ممکن ہونا اور ذلک بان اللہ میں فریقین کے متعلقہ احکام کی علت ارشاد ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.......... مسلمانوں کی طرح کفار بھی جان و مال کی بازی لگاتے ہیں۔ مگر ایک اللہ کا دین پھیلنے میں اور دوسرا اس کو روکنے میں زور صرف کرتا ہے۔ اس مقصدی فرق کی رو سے نتائج وثمرات میں فرق کا آنا لازمی ہے کفار جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں وہ مقبول نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ وہ الٹے اثرات بھی دکھلا دیتے ہیں۔

اضل اعمالھم: یعنی پہلے زمانہ میں چونکہ ساری دنیا کا ایک ہی مذہب نہیں تھا۔ بلکہ راہیں مختلف اور متعدد تھیں۔ مگر سچا دین اسلام ہی ہے برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی۔ مگر سچا دین ماننے کی برکت وقبولیت یہ ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف۔ اور نہ ماننے کی سزا یہ ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔ اضل اعمالھم میں نیکیوں کے اکارت ہونے کے لئے کفر کرنا اور دوسروں کو اسلام سے روکنا دونوں کا مجموعہ نہیں ہے صرف کفر کی وجہ سے عمل بیکار ہو جاتا ہے۔ پس یہ قید واقعی ہے جس میں کفار کی واقعی حالت کا اظہار ہے۔ نیز یہاں آیت من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ سے تعارض کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ آیت سورۂ قتال میں بغیر ایمان اعمال کا ضائع ہونا مذکور ہے اور سورۂ زلزال کی آیت میں بحالت ایمان نیکی کا معتبر ہونا بتلایا گیا ہے۔ پس دونوں باتیں صحیح ہیں۔ ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

کذلک یضرب اللہ. بھلے برے کاموں کے متعلق اللہ کھول کھول کر آگاہ کر دیتا ہے تاکہ حق و باطل میں نمایاں امتیاز ہو جائے اور کوئی اشتباہ نہ رہے۔

حق و باطل کی آویزش:......... فاذا لقیتم حق باطل کی معرکہ آرائی ہو تو مسلمانوں کو خوب ڈٹ کر اس طرح مقابلہ کرنا چاہیے کہ مقابل کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے اور اسلام کی دھاک بیٹھ جائے اور کفر کا زور ٹوٹ جائے تو کافروں کو گرفتار کر لینا بھی کافی ہو سکتا ہے بلکہ ممکن ہے اس قید وبند سے وہ کچھ عبرت پکڑلیں یا مسلمانوں کے پاس رہنے سہنے سے اپنی اور ان کی حالت کا موازنہ کرنے اور اسلامی تعلیمات کے سمجھنے کا موقعہ مل جائے تو ان کے خیالات وحالات بدل جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصلحت سمجھو تو بلا معاوضہ لئے ہی احسان کرتے ہوئے ان کو مفت چھوڑ دو اس طرح وہ تلوار کی بجائے احسان سے گھائل ہو جائیں گے اور کیا عجب ہے کہ اسلامی اخلاق سے متاثر ہو کر حق قبول کر بیٹھیں بلکہ دوسروں کو قبول کرانے کا ذریعہ بن جائیں۔

تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان سے زرفدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر کے کافر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ان اسیران جنگ کی واپسی کی دو ہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ کے ساتھ چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کر دینا، خلیفہ وقت جو مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات حنفیہ کے ہاں بھی موجود ہیں۔

اسیران جنگ کی رہائی: .... البتہ اسیران جنگ کی واپسی امام مناسب نہ سمجھے تو پھر تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) ذمی اور رعایا بنا کر رکھ لینا۔ (۲) غلام بنالینا۔ (۳) قتل کر دینا۔

پہلی دوصورتیں تو عام ہیں۔ البتہ تیسری سزا کسی سنگین جرم کی پاداش میں دی جائے معمولی طور پر نہیں۔ نیز عورتوں بچوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ آیت برأت بعد میں نازل ہوئی۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے پس اس کو اگر مانعة الخلو بھی مان لیا جائے تب بھی مضر نہیں کیونکہ منسوخ ہے البتہ جو ائمہ اس کو منسوخ نہیں مانتے وہ اس کو مانعة الجمع مانتے ہیں۔ تاہم اس آیت سے غلام بنانے کی نفی پر استدلال کرنا محض باطل ہے۔

جہاد کی حکمت عملی: .... حتی تضع الحروب۔ قید و بند، حرب وضرب کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا کہ جنگ موقوف ہو جائے۔ یوں اللہ چاہتا تو عاد وثمود کی طرح آفات سماوی سے ان مخالفین کو مٹا سکتا تھا۔ مگر اسے بندوں کی طرح آزمائش منظور تھی کہ دیکھیں کون کون دین پر ثابت قدم رہ کر جان دیتا ہے اور کون ڈگمگا جاتا ہے۔ اسی طرح مخالف کیمپوں میں کون معمولی سی تبدیلی وسرزنش سے راہ راست پر آجاتا ہے اور کون اپنی قسمت کا لکھا پورا کرتا ہے اس لئے ان سے جہاد شروع کیا اور پہلی قوموں کی طرح ایک دم ان کا استیصال نہیں کرایا۔

والذین قتلوا: جان ومال چونکہ اللہ کی ملک ہیں اپنا کچھ نہیں ہے اس لئے جب وہ مانگیں بندہ اس کی امانت بخوشی اس کے حوالے کرو ے۔ شہادت کی صورت میں بظاہر کامیابی معلوم نہیں ہوتی مگر فی الحقیقت وہی کامیابی ہے۔

ویدخلهم الجنة: انبیاء کے پیغامات اپنے وجدان میں طبعی کشش سے خود بخود جنتی اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے یا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ معنی ہیں کہ جنت میں خوشبوئیں بسادی جائیں گی۔

اللہ کی مدد مسلمانوں کے لئے ہے: .... یا ایها الذین. اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کرڈالے پر یہ بھی منظور نہیں، جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ تم دین اور پیغمبر کی مدد کرو۔ اللہ تمہارے قدم جمادے گا۔ ڈگمگائیں گے نہیں۔ اور اس کے برعکس کفار کو منہ کے بل گرادیا جاتا ہے اور ان کے کام برباد کردیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ اللہ کی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں تو اللہ بھی ان کے کام کیسے پسند کرسکتا ہے؟ اور جب اللہ ہی کو ناپسند ہو تو پھر کام کیسے بنے۔ اور حبط اعمال سے مراد یہاں یہ نہیں کہ پہلے اعمال صحیح تھے پھر اکارت ہوگئے کیونکہ کافر کے اعمال تو شروع ہی سے معتبر نہیں ہوتے۔ کیونکہ کفر کا جو اول درجہ کی بغاوت ہے یہی اثر ہونا چاہیے جو گناہوں کے اثر سے بڑھ کر ہے۔

افلم یسیروا: ذرا گھر سے باہر قدم نکال کر دنیا میں گھومیں اور دیکھیں کہ منکروں کی کیسی کیسی درگت بنی اور کیسا ان کا حلیہ بگڑا ہے۔ اب بھی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔ بعد والے کفار کے لئے امثالها فرمانا اگر سزائیں بہت سی ہیں تب تو ظاہر ہے۔ لیکن اگر صرف ایک عذاب اور سزا ہو تو پھر جمع کے لفظ سے تعبیر کرنا بلحاظ محل ہو کہ وہ متعدد ہیں اور سزا میں مثلیت کہنا بلحاظ جنس ہے نہ کہ باعتبار نوع کے۔ اور اللہ کے مولیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین کا مددگار، رفیق ہے وقت پر ان کی مدد کرتا ہے لیکن کفار کا کون مددگار ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آسکے۔

غزوہ احد میں جب پہاڑی درہ کے ایک مقام پر آنحضرت ﷺ اور خاص صحابہ کو تلاش کرتے ہوئے کفار نے نعرہ لگایا۔ اعل هبل تو آپ نے جواب دیا اللہ اعلیٰ واجل۔ ابوسفیان نے جب دوبارہ کہا۔ لنا عزی ولا عزی لکم تو آپ ﷺ نے فرمایا جواب دو۔ اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم۔

بظاہر دوسری آیت ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق کے یہ آیت منافی معلوم ہوتی ہے مگر کہا جائے گا کہ پہلی آیت میں مولیٰ بمعنی مددگار اور دوسری آیت میں بمعنی مالک ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ فِي الدُّنْيَا **وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ** اَيْ لَيْسَ لَهُمْ هَمَّةٌ اِلَّا بُطُوْنُهُمْ وَفُرُوْجُهُمْ وَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلَى الْاٰخِرَةِ **وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ** ﴿۱۲﴾ مَنْزِلٌ وَمَقَامٌ وَمَصِيْرٌ **وَكَاَيِّنْ** وَكَمْ **مِّنْ قَرْيَةٍ** اُرِيْدَ بِهَا اَهْلُهَا **هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ** مَكَّةَ اَيْ اَهْلِهَا **الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ** رُوْعِيَ لَفْظُ قَرْيَةٍ **اَهْلَكْنٰهُمْ** رُوْعِيَ مَعْنٰى قَرْيَةِ الْاُوْلٰى **فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ** ﴿۱۳﴾ مِّنْ اِهْلَاكِنَا **اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ** حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ **مِّنْ رَّبِّهٖ** وَهُوَ الْمُؤْمِنُوْنَ **كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ** فَرَاٰهُ حَسَنًا وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ **وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ** ﴿۱۴﴾ فِيْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ اَيْ لَا مُمَاثَلَةَ بَيْنَهُمَا **مَثَلُ** اَيْ صِفَةُ **الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ** الْمُشْتَرَكَةُ بَيْنَ دَاخِلِيْهَا مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ **فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ** بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ كَضَارِبٍ وَحَذِرٍ اَيْ غَيْرِ مُتَغَيِّرٍ بِخِلَافِ مَاءِ الدُّنْيَا فَيَتَغَيَّرُ لِعَارِضٍ **وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ** بِخِلَافِ لَبَنِ الدُّنْيَا لِخُرُوْجِهَا مِنَ الضُّرُوْعِ **وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ** لَذِيْذَةٍ **لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ** بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا كَرِيْهَةٌ عِنْدَ الشُّرْبِ **وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ** بِخِلَافِ عَسَلِ الدُّنْيَا فَاِنَّهٗ لِخُرُوْجِهٖ مِنْ بُطُوْنِ النَّحْلِ يُخَالِطُهُ الشَّمْعُ وَغَيْرُهٗ **وَلَهُمْ فِيْهَا** اَصْنَافٌ **مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ** فَهُوَ رَاضٍ عَنْهُمْ مَعَ اِحْسَانِهٖ اِلَيْهِمْ بِمَا ذُكِرَ بِخِلَافِ سَيِّدِ الْعَبِيْدِ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّهٗ قَدْ يَكُوْنُ مَعَ اِحْسَانِهٖ اِلَيْهِمْ سَاخِطًا عَلَيْهِمْ **كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ** خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُقَدَّرٍ اَيْ اَمَنْ هُوَ مِنْ هٰذَا النَّعِيْمِ **وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا** اَيْ شَدِيْدَ الْحَرَارَةِ۔ **فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ** ﴿۱۵﴾ اَيْ مَصَارِيْنَهُمْ فَخَرَجَتْ مِنْ اَدْبَارِهِمْ وَهُوَ جَمْعُ مِعًا بِالْقَصْرِ وَاَلِفُهٗ عِوَضٌ عَنْ يَاءٍ لِقَوْلِهِمْ مِعَيَانِ **وَمِنْهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ** فِيْ خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** لِعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ وَّ ابْنُ عَبَّاسٍ اِسْتِهْزَاءً وَسُخْرِيَّةً **مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫** بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ اَيِ السَّاعَةَ اَيْ لَا نَرْجِعُ اِلَيْهِ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** بِالْكُفْرِ **وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ** ﴿۱۶﴾ فِي النِّفَاقِ **وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **زَادَهُمُ** اللّٰهُ **هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ** ﴿۱۷﴾ اَلْهَمَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ بِهِ النَّارَ **فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ** مَا يَنْتَظِرُوْنَ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ **اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ** بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِّنَ السَّاعَةِ اَيْ لَيْسَ الْاَمْرُ اِلَّا اَنْ تَاْتِيَهُمْ **بَغْتَةً ۚ** فُجْاَةً **فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ** عَلَامَاتُهَا مِنْهَا بِعْثَةُ النَّبِيِّ ﷺ وَاِنْشِقَاقُ الْقَمَرِ وَالدُّخَانُ **فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ** السَّاعَةُ **ذِكْرٰىهُمْ** ﴿۱۸﴾ تَذَكُّرُهُمْ اَيْ لَا تَنْفَعُهُمْ **فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** اَيْ دُمْ يَا مُحَمَّدُ عَلٰى عِلْمِكَ بِذٰلِكَ النَّافِعِ فِي الْقِيَامَةِ **وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ** لِاَجْلِهٖ

قِيلَ لَهٗ ذٰلِكَ مَعَ عِصْمَتِهٖ لِتَسْتَنَّ بِهٖ اُمَّتُهٗ وَقَدْ فَعَلَهٗ ﷺ اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ **وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ** فِيْهِ اِكْرَامٌ لَهُمْ بِاَمْرِ نَبِيِّهِمْ بِالْاِسْتِغْفَارِ لَهُمْ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ** مُنْصَرَفَكُمْ لِاشْتِغَالِكُمْ بِالنَّهَارِ **وَ مَثْوٰكُمْ ﴿۱۹﴾** مَاْوٰكُمْ اِلٰى مَضَاجِعِكُمْ بِاللَّيْلِ اَيْ هُوَ عَالِمٌ بِجَمِيْعِ اَحْوَالِكُمْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهَا فَاحْذَرُوْهُ وَالْخِطَابُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَغَيْرِهِمْ ۔

ترجمہ .... بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں (دنیا میں) اور اس طرح جس طرح چوپائے کھایا کرتے ہیں (یعنی ان کی اصل بس پیٹ اور شرمگاہ تک ہوتی ہے اور آخرت کا انہیں دھیان بھی نہیں گزرتا) اور دوزخ ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے (گھر، قیام گاہ، پناہ گاہ سب کچھ وہی اور بہت سے بستیاں ایسی تھیں کہ (جہاں کے رہنے والے) آپ کی بستی (مکہ کے رہنے والوں) سے طاقت میں بڑھے ہوئے تھے جس کے رہنے والوں نے (اُلتی کہنے میں قریہ کی لفظی رعایت کی گئی ہے) آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا (ضمیر جمع لانے میں قریہ کی معنوی رعایت حاصل کر لی گئی) سو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا (ہماری تباہی سے بچانے کے لئے) تو جو لوگ کھلے راستہ (حجت و دلیل) پر اپنے پروردگار کے ہوں (یعنی مومن) کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کو بھی معلوم ہوتی ہے (اور وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی کفار مکہ) اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں (بت پرستی کے سلسلہ میں یعنی ان دونوں میں کوئی جوڑ نہیں) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے (جو سب داخل ہونے والوں کے لئے ہے مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا (مد اور قصر الف کے ساتھ بروزن ضارب اور حذر یعنی ہمیشہ یکساں رہتا ہے برخلاف دنیا کے پانی کے وہ کسی بھی عارض سے بدل جاتا ہے) نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ بدلا ہوا نہ ہوگا (برخلاف دنیاوی دودھ کے تھنوں سے نکل جانے کی وجہ سے بدل جاتا ہے) اور بہت سی نہریں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی (برخلاف شراب دنیا کے وہ پینے میں بدذائقہ ہوتی ہے) اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا (برخلاف دنیا کے شہد کے کیونکہ وہ مکھیوں کے پیٹ سے نکلتا ہے جس میں موم کی آمیزش ہوتی ہے) اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی (اللہ ان سے خوش بھی ہوگا) ان چیزوں کے احسان کے باوجود برخلاف دنیوی آقاؤں کے وہ غلاموں پر احسان کے ساتھ ناراض بھی ہوتے رہتے ہیں) کیا یہ لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے (یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی عبارت اس طرح ہے۔ امن هو فی هذا النعیم) اور کھولتا ہوا (نہایت گرم) پانی ان کو دیا جائے گا۔ سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا (یعنی ان کی انتڑیاں ٹکڑے ہو جائیں گی اور پاخانہ کے راستہ نکل پڑیں گی۔ لفظ امعاء کی جمع ہے جو قصر الف کے ساتھ ہے اور یہ الف یا سے تبدیل ہوا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کا قول ہے معیان) اور ان کفار میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (جمعہ کے خطبہ میں منافقین مراد ہیں) یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں (علماء صحابہ سے جیسے ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، مذاق اور دل لگی کے طور پر) کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی (لفظ آنفا مد اور قصر الف کے ساتھ ہے یعنی اپنی نفسانی خواہشات پر (نفاق کرتے ہوئے) چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں (یعنی مومنین) اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے) سو یہ لوگ (کفار مکہ) بس قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ ان پر آپڑے (ان تاتیهم الساعة سے بدل اشتمال ہے۔ عبارت اس طرح تھی۔ لیس الامر الا ان تاتیهم) اچانک (ایک دم) سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں (علامات قیامت جیسے آنحضرت ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری، شق قمر کا معجزہ، ایک خاص دھواں) سو جب قیامت ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی اس وقت ان

کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا (نفع نہ دے گا یعنی اس وقت ایمان کار آمد نہیں ہوگا) تو آپ یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں (یعنی آپ اپنے اسی عقیدہ پر جمے رہئے ۔ یہی قیامت میں کام آئے گا) اور اپنی خطا قصور کی معافی مانگتے رہیے (باوجود آپ کے معصوم و بے قصور ہونے کے یہ فرمانا اس لئے ہے کہ آپ کی امت اس پر کاربند رہے چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں روزانہ سو بار استغفار کرتا ہوں) اور سب مسلمان مردوں، عورتوں کے لئے بھی (اس میں امتیوں کا اعزاز ہے کہ پیغمبر کو ان کے لئے استغفار کرنے کا حکم ملا ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے (دن میں کام کاج کے لئے) اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے (رات کے ٹھکانہ کی حاصل یہ ہے کہ وہ تمہارے کل حالات سے واقف ہے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے لہٰذا اسے ڈرتے رہو اور یہ خطاب سب کے لئے ہے مومن ہوں یا دوسرے)۔

تحقیق وترکیب ...... **من قرية** ۔محل ذکر کر کے مجازاً حال مراد ہے اور یا مجاز مقدر مانا جائے ۔ یہی توجیہ اگلے جملہ **من قريتك الخ** میں تقدیر مضاف کی ہوگی۔

وعد المتقون . مثل الجنة میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ بقول نضر بن شمیل **ما تسمعون** مقدر ہے اور **فيها انهار** اس کی تفسیر ہے۔لیکن بقول سیبویہ **فيما يتلىٰ عليكم** ہے اور **فيها انهار** حسب سابق تفسیر ہے۔

۲۔لفظ مثل زائد ہے عبارت صرف **الجنة التى وعد المتقون فيها انهار** ہے۔

۳۔ **مثل الجنة** مبتداء ہے اور **فيها انهار** خبر ہے اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ جملہ میں کوئی عائد نہیں جو مبتداء سے خبر کو وابستہ کرے صرف ضمیر کافی نہیں ہوا کرتی۔

۴۔ **مثل الجنة** مبتداء ہے **كمن هو خالد فى النار** خبر ہے جو آگے آرہی ہے۔اس میں ابن عطیہؒ تو ہمزہ انکار اور مضاف مقدر مان کر عبارت اس طرح تجویز کرتے ہیں **. امثل اهل الجنة كمن هو خالد** اور زمخشریؒ کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ۔ **كمثل جزاء من هو خالد** اس کے بعد جملہ **فيها انهار** میں بھی تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔یہ حال ہے الجنۃ کا **اى مستقرة فيها انهار** ۔

۲۔خبر ہے مبتداء مضمر کی **اى فيها انهار** گویا سوال مقدر کا جواب ہے۔

۳۔یہ جملہ صلہ کے حکم میں ہے، اس لئے گویا صلہ مکرر ہے۔چنانچہ **التى فيها انهار** کہنا بھی صحیح ہے۔البتہ اس جملہ میں ہمزہ انکار نہیں ہے۔

أسن۔ **اسن الماء** کے معنی پانی بدل گیا۔ابن کثیر کی قراءت میں قصر الف ہے جیسے ضارب اور حذر اور اکثر قراء کے نزدیک مد کے ساتھ ہے۔

لذة ۔یہ مؤنث ہے لذ بمعنی لذیذ کا اس صورت میں بقول کرخیؒ کسی اور تاویل کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر لذ مصدر ہو تو پھر اس میں وہی تاویلات کرنی ہوں گی جو مصدر بنانے میں کی جاتی ہیں۔

مغفرة۔شبہ یہ ہوسکتا تھا کہ مغفرت تو جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور آیت سے جنت میں داخل ہونے کے بعد معلوم ہورہی ہے۔ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مغفرت سے مراد خوشنودی اور رضا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ جنت میں داخل ہوکر ظاہر ہوگی کہ کسی چیز پر روک ٹوک، اور حساب کتاب نہیں ہوگا۔حالانکہ دنیا میں ہر چیز پر حساب کتاب تھا۔

كمن هو خالد۔ یہ خبر ہے اور مبتدا محذوف **امن هو فى هذا النعيم** جس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔اور سقوا معطوف ہے ہو خالد پر دونوں میں فرق جملہ فعلیہ اسمیہ کا ہے معطوف میں معنی کی رعائت ہے اور معطوف علیہ میں لفظ کی رعائت ہے۔

امعاء۔ جمع معی کی ہے۔ جس کی تثنیہ معیان ہے۔ جس سے یا کا اصلی ہونا معلوم ہوتا ہے جمع میں یا کو الف سے تبدیل کر دیا۔
من یستمع ۔ چونکہ خطبۃ الجمعہ مدینہ میں شروع ہوا اس لئے یہ آیت مدنی ہے۔
انفا۔ مفسر نے ای الساعۃ سے اس کے منصوب علی الظرفیۃ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ بقول زمخشریؒ الف بمعنی تقدم ہے۔ آنفا کے معنی السا زمانہ حال کے ہیں جو مستقبل سے مقدم ہوتا ہے اور بقول شافعی یہ استیناف سے ماخوذ ہے بمعنی وقت موقف ظرف ہے کہا جاتا ہے استنفاد الامر ای ابتدأتہ۔ آنفا اسم فاعل غیر قیاسی ہے یا زوائد سے تجرید کر لی گئی ہے۔ کیونکہ اس کا فعل ثلاثی سننے میں نہیں آیا لیکن ابن حبانؒ کی رائے ہے کہ کسی نحوی نے اس کو ظرف نہیں کہا ہے اس لئے منصوب علی الحال ہے۔
لا یرجع الیہ۔ یعنی منافقین آپس میں ہی ایک دوسرے سے دریافت کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے رجوع نہیں کرتے تھے برخلاف مخلص صحابہؓ کے، کوئی بات اگر ان کی سمجھ میں نہ آتی تو آپ سے رجوع کر لیتے۔
اشراطھا ۔ علامات قیامت دو طرح کی ہیں۔ صغریٰ یعنی علامات قریبہ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری اور شق قمر وغیرہ اور علامات کبریٰ یعنی بعیدہ علامات قیامت جو نصوص میں مذکور ہیں ان میں باہمی ترتیب کہ کون مقدم ہے اور کون موخر بے حد مشکل ہے۔
دخان سے مراد اگر بھوک اور قحط سالی ہے تو وہ قریش پر آنحضرت ﷺ کے زمانہ قیام مدینہ میں ہو چکی ہے اور خالص دخان قرب قیامت مراد ہے وہ ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔
فانی لھم۔ یہ خبر مقدم ہے ذکراھم مبتداء موخر ہے اور اذا جاء تھم جملہ معترضہ ہے جس کا جواب محذوف ہے۔ ای کیف لھم التذ اذا جاء تھم الساعۃ فکیف یتذکرون۔
فاعلم ۔ یہ پچھلے بیان پر مرتب ہے۔ ای اذا علمت انہ لا ینفع التذکر اذا حضرت الساعۃ فدم علی ما انت من العلم بالوحدانیۃ ۔ علم کے تین درجے ہیں ایک علم بالدلیل جس کو علم یقینی کہتے ہیں اور توحید میں یہی علم مطلوب ہے تا کہ تقلیدی ایمان کے ساتھ تحقیقی ایمان بھی حاصل ہو سکے۔
دوسرا درجہ علم کا مراقبہ ہے حق تعالیٰ کا یہ مرتبہ عین الیقین کہلاتا ہے۔
تیسرا درجہ مشاہدہ ہے جو حق الیقین کہلاتا ہے۔
و استغفر۔ انسانی طبیعت اور بشری تقاضہ سے بعض دفعہ انبیاء سے جو ذہول نسیان، لغزش و کوتاہی ہو جاتی ہے وہ مراد ہے کہ ان سے بھی استغفار کیجئے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

ان تمام آیات میں فا جملوں کے اتصال کے لئے ہے۔

ربط آیات .... پچھلی آیات میں مومنین کی کامیابی اور کفار کی ناکامی آخرت کا اجمالی بیان ہوا تھا۔ آیت ان الذین سے اس کی تفصیل ہے اور کمن ھو خالد میں اس تفصیل کی تکمیل ہے اور درمیان میں کفار کے مزے اڑانے کو ذکر فرما کر یہ تاثر دینا کہ کفار اس پر نہ اترائیں اور آپ دھوکہ میں نہ پڑیں اس کے بعد کفار و مومنین کے احوال و اعمال اور وعد و وعید کا بیان ہے۔
پھر آیت و منھم من یستمع سے منافقین کی کیفیت، مذمت، وعید کا ذکر اور درمیان میں بطور مقابلہ مخلصین کی مدح و ثناء ہے۔

شان نزول و روایات: .... ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے غار ثور تک پہنچے تو مکہ معظمہ

کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ انت احب بلاد الله الی الله و انت احب بلاد الله الی ولو ان اهلک اخرجونی منک لم اخرج عنک فاعتی الاعداء من عنا علی الله فی حرمه او قتل غیر قاتله او قتل بد خول الجاهلیة اس پر آیت و کاین من قریة نازل ہوئی۔

درمنثور میں ابن جریج سے نقل ہے کہ مومن ومنافق دونوں آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شریک رہتے۔ مخلصین تو پورے انہماک اور توجہ سے آپ کا وعظ سنتے لیکن منافقین بے دلی سے شریک مجلس رہتے اور مجلس سے باہر نکل کر بطور ہنسی مذاق پوچھتے کہ ابھی حضرت نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ اس پر آیت ومنهم من یستمع نازل ہوئی۔ عکرمہ فرماتے ہیں بعض اہل کتاب آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے تو نبی خاتم کی آمد کے منتظر تھے اور جب آپ کی بعثت ہوگئی تو وہ اسلام لے آئے اس پر آیت والذین اهتدوا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:............ والذین کفروا۔ یعنی کافر چوپاؤں کی طرح اناپ شناپ کھاتے چلے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کافر سات آنت سے کھاتا ہے اور مومن ایک سے لیکن نہیں دیکھتے کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا۔ یہاں خوب مزے اڑالیں۔ پھر وہاں آگ کا گھر ان کے لئے تیار ہے۔

و کاین من قریة۔ مکہ سے ہجرت ورخصت کے وقت آنحضرت ﷺ آبدیدہ ہو کر فرما رہے تھے کہ بخدا تمام شہروں سے مکہ اللہ تعالیٰ اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی یا نکالنے پر مجبور نہ کرتی تو میں تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔ اسی سلسلہ میں ارشاد باری ہے کہ ہم نے تو مکہ والوں سے کہیں زیادہ طاقت ور، زور آور قوموں کو نافرمانیوں پر تباہ کر ڈالا پھر یہ ہیں کس ہوا میں ان کی مدد کو کوئی نہ آیا تو ان کی مدد کو کون آئیگا۔

نیک و بد کیا برابر ہو سکتے ہیں............ افمن کان علی بینة۔ یعنی ایک شخص تو وہ ہے جو نہایت اطمینان اور پوری بصیرت و یقین کے ساتھ صداقت وسچائی کے صاف شفاف اور کشادہ راستے پر بے کھٹکے دندناتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایک وہ اندھا ہے جو اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ اسے سیاہ سفید، اچھائی برائی، کی تمیز بھی نہیں۔ بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے ایسا اندھا بن رہا ہے کہ اچھائی کو برائی، برائی کو اچھائی سمجھ رہا ہے بھلا بتلاؤ تو کیا نتیجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں اگر ایسا ہے تو اللہ کی عدالت وحکمت پر دھبہ ہے جو ممکن نہیں۔

جنت کی نہریں:............ مثل الجنة یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہے۔

۱۔ پانی جو جز وزندگی اور ناگزیر ہے۔

۲۔ دودھ نہایت لطیف غذا ہے۔

۳۔ اور شہد مٹھائی دوائی دونوں ہے۔

۴۔ اور شراب سرور ونشاط کے لئے ہے۔

جنت اور دنیا کی نعمتوں میں صرف نام کا اشتراک ہوگا حقیقت وکیفیت بالکل الگ الگ، ایک کو دوسرے پر کسی طرح بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دنیا اور دنیا کی ہر چیز خیر وشر سے مرکب ہے جنت اور اس کی اشیاء خیر محض ہوں گی ان میں شر و کدورت کا کیا سوال۔ پانی ہے کہ شہد سے زیادہ شیریں، دودھ سے زیادہ مفید اور نہایت ٹھنڈا۔ کسی چیز میں لذت ومزہ بدل جانے کا سوال ہی نہیں۔ دنیا میں اگر ایسے تھرمس ہو سکتے ہیں کہ اڑتالیس گھنٹے اشیاء بحالہ محفوظ رہیں تو جنت کو ایسی تھرمس کیوں نہ مان لیا جائے کہ تمام جنتی اور وہاں کی تمام اشیاء بجنسہ وبعینہ محفوظ رہیں لا فیها غول میں خبر مقدم کر کے شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہو۔

مشروبات کے بعد **ولھم فیھا من کل الثمرات** میں جنتی ماکولات کا ذکر ہے اور چونکہ ان سب الفاظ کے حقیقی معانی مراد ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مجاز لینے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان چیزوں کا دنیا چیزوں کے مماثل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور مغفرت وخوشنودی سے نوازنا پورے طور پر مگن کر دیا جائے گا۔ نہ پچھلی خطاؤں کے خیال سے ملال رہے گا اور نہ آئندہ کسی بات پر گرفت کا کھٹکا۔ **اللھم ارزقنا لفضلک**۔

دوزخیوں کا حال:.........اس کے بعد تقابلی نقطہ نظر سے **کمن ھو خالد فی النار** میں دوزخیوں کی بھی کچھ جھلک دکھلائی جا رہی ہے۔ پانی انتہائی کھولتا ہوا ملے گا۔ ایسا کہ آنتیں کٹ کر باہر نکل پڑیں گی۔ **اعاذنا اللہ منہ**۔

دوسری آیت میں اس کھولتے پانی کی نسبت یشوی الوجوہ فرمایا گیا ہے۔ سو دونوں آیتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پینے سے پہلے اس کا اثر یہ ہوگا کہ چہرہ قریب لانے سے چہرہ گل جائے گا۔ لیکن پیاس کے مارے مجبور ہو کر جب پئے گا تو اندر سے آنتیں گل جائیں گی۔

منافقین کا دوغلا پن:.........مومن کافر کے احوال کے بعد آیت **ومنھم من یستمع** منافقین کی کیفیت ارشاد فرمائی جا رہی ہے۔ یہ لوگ آپ کی بات سننے کے لئے کان لگاتے ہیں مگر دل دوسری طرف ہوتا ہے نہ پوری بات سنتے ہیں اور نہ سمجھ کر یاد رکھتے ہیں مجلس ختم ہو کر باہر نکل کر پوچھتے ہیں کہ ابھی حضور ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ گویا اس طرح دلچسپی دکھلا کر سچی محبت کا اظہار ان کا منشاء تھا۔ اور ساتھ ہی اپنے لوگوں کو یہ تاثر دینا ہوگا کہ ہم شریک مجلس تو ہوتے ہیں مگر غور سے سنتے نہیں ہیں۔ چنانچہ اللہ بھی ان کی ان حرکتوں کے نتیجہ میں ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ نیکی کی توفیق سلب ہو کر بدی کے لئے ڈھیل رہ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف سچائی کے راستہ پر چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دن بدن ہدایت وبھلائی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی سوجھ بوجھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

علامات قیامت:.........**فھل ینظرون**۔ یعنی حکمت ونصیحت، ہدایت وموعظت سب سن چکے ہو۔ پچھلے تاریخی واقعات اور قرآنی مثالیں اور وعد و وعید سب کچھ جان چکے ہو اب آخر انتظار کا ہے کا ہے۔ کیوں نہیں حق کو مان لیتے۔ قیامت اور موت جب سر پر آ جائے گی جب مانو گے اس وقت ماننے سے کیا فائدہ جب کہ اس کا اعتبار ہی نہیں ہوگا۔ علامات شروع ہو چکی ہیں موقعہ اب بھی غنیمت ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ جن کے سب انبیاء منتظر تھے وہ خاتم الانبیاء آ چکے ہیں۔ یعنی قیامت کی سب سے بڑی نشانی آ گئی۔ کیونکہ تخلیق عالم کا مقصود حاصل ہو گیا اب قیامت ہی آنی باقی ہے۔ اسی کو حدیث میں **انا والساعۃ کھاتین** فرمایا گیا ہے۔ شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی جتنی آگے پیچھے ہیں اس طرح آنحضرت ﷺ اور قیامت کو سمجھو۔ یا شق القمر جو معجزہ ہونے کے علاوہ علامات قیامت بھی ہے۔ چنانچہ سورۂ قمر میں اس کو قیامت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح جھوٹے مدعیان نبوت علامات قیامت ہیں اور ان سب علامات کا ظہور آپ کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔

اور علامات قیامت سے یہاں قریبی علامات مراد نہیں۔ جیسے نزول مسیح یا خروج دجال یا طلوع آفتاب جانب مغرب کیونکہ آپ کے زمانہ کے لوگوں کے لئے دور ہونے کی وجہ سے ڈرانے میں موثر نہیں ہوں گی۔ بلکہ جو ان کے زمانہ سے قریب ہوں اگرچہ قیامت سے دور ہوں وہ ہوں گی۔ اس لئے وہی مراد ہیں۔ غرضیکہ قیامت آ جانے کے بعد جب کہ نہ ایمان معتبر ہوگا اور نہ توبہ قبول۔ تو پھر اس سے پہلے صحیح معرفت ایمان استغفار کی راہ اختیار کر لینی چاہیے۔ آیت **فاعلم** کی فا نے یہ ربط ظاہر کر دیا۔

پیغمبر کا استغفار کرنا:.........اور یہ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن آنحضرت ﷺ خاص طور پر مخاطب ہوں تو دوام توحید اور ترقی مراد ہوگی، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے معصوم ہونے کی وجہ سے اگرچہ عقیدہ توحید پر آپ کے برقرار نہ رہنے کا شبہ نہیں۔ لیکن آپ کا معصو

پ کو کوئی حکم دیئے جانے کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس حکم کا مقصد کبھی تو نبی کو آگاہ کرنا ہوتا ہے اور اگر وہ حکم اس کو پہلے سے معلوم ہو تو پھر سام کی غرض سے وہ حکم دوسروں کو سنانا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ متقلبکم و مثواکم میں جمع کی ضمیریں اس کا قرینہ تھیں کہ اوروں کو سنانا مقصود ،اور آپ کو خطاب کرنے سے یہ جتلا دینا ہے کہ جب معصوم سے کہا جا رہا ہے تو دوسرے کس قطار شمار میں ہیں۔ اس سے حکم کی اہمیت واضح جاتی ہے اور توجیہ تفریع کا حاصل یہ ہوگا کہ جب سننے والوں کو جزا سزا معلوم ہو گئے تو دین وایمان پر انہیں قائم رہنا چاہئے اور زوال ایمان جائے خود ایمان کو ناقص کرنے والے تمام گناہوں سے بھی بچنا چاہئے ور بالفرض کبھی ہو جائیں تو فوری توبہ اور تدارک میں لگ جائیں اور سزا سے ڈرتے رہیں تا کہ اطاعت کی توفیق رہے۔

ہر ایک کا قصور چونکہ اس کی حسب حیثیت ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت اونچے لوگوں کے لئے کسی کام میں بہت اعلیٰ پہلو اور بہترین مقام کو چھوڑ کر ا مرتبہ پہلو اختیار کر لینا بھی کوتاہی شمار ہوتا ہے۔ مقربان بارگاہ کی پکڑ بات بات میں ہو جاتی ہے۔ اس لئے "لذ نبک" میں کوئی اشکال ں رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں۔ جیسے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کفار قریش کو دینی دعوت پیش کر رہے ، کہ درمیان میں عبداللہ ابن مکتومؓ نے آ کر ٹوک دیا اور خود کچھ پوچھنے لگے۔ آپ ﷺ کو ناگوار ہوا اور آپ ﷺ چیں بہ جبیں ہوئے۔ جس کا ذکر رۂ عبس کے شروع میں ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ایک طرف تو مسلمان کو محض ایک فرعی مسئلہ بتلانا تھا اور دوسری طرف ایک کافر کو اصل دین کی دعوت پیش کرنا کون ں جانتا کہ اہم عبادت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ذہن اسی اہمیت کی طرف گیا۔ اور آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے اصول کو فرع پر مقدم کیا۔ مگر ن تعالیٰ کی نظر اس پر تھی کہ مسلمان پرانا خادم اور جاں نثار تھا۔ اس کو نفع ہونا یقینی تھا اور کافر کو نفع ہو جانا صرف وہمی تھا اور یقین مقدم ہے وہم پر ں لئے ظاہراً قدرے عتاب آمیز آیتیں نازل ہوئیں۔ یا بدر کے جنگی قیدیوں کے سلسلہ میں فدیہ اور تاوان جنگ قبول کر کے قیدیوں کو رہا ردینا اگر چہ گونا گوں مصالح اور فوائد پر مشتمل تھا۔ مگر ان کو قتل کر دینے کی صورت میں جو کفر کا استیصال اور اسلام کا کھلا غلبہ تھا وہ رہ گیا اس لئے اب ہوا۔

غرض یہ کہ عبادت کے دونوں پہلو تھے مگر اہم عبادت وہی پہلو تھا جو چھوٹ گیا پس ایسی ہی باتوں میں استغفار کا حکم ہوا۔ اور سورۂ فتح کی یت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک الخ میں بھی گناہ سے مراد اسی قسم کی لغزشیں ہیں جن پر معافی کی بشارت دی گئی ہے اس لئے صمت انبیاء محفوظ ہے جو قطعی ہے۔

قلبکم و مثواکم یعنی عدم سے عدم تک تمام تغیرات سے گزر کر آخر کار بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے۔ جو تمہارا اصلی ٹھکانہ ہے۔

طائف سلوک:.......... فیھا انھار الخ اہل اشارہ نے پانی کو حیات روحانیہ کی اور دودھ کو علم حقانی کی اور شراب کو شوق ومحبت کی اور شہد کو ل وقرب کی صورت فرمایا ہے۔ اور ممکن ہے یہاں احوال کی صورت مثالیہ ہوں۔

علم انه لا اله الا اللہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشائخ کے لئے اپنے ساتھ اپنے پیروکاروں کے لئے بھی دعا کرنا مناسب ہے۔

يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا طَلَبًا لِلْجِهَادِ **لَوْلَا** هَلَّا **نُزِّلَتْ سُورَةٌ** فِيهَا ذِكْرُ الْجِهَادِ **فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ** أَيْ لَمْ يُنْسَخْ مِنْهَا شَيْءٌ ، **وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ** أَيْ طَلَبُهُ **رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ** أَيْ شَكٌّ هُمُ الْمُنَافِقُونَ **يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ** خَوْفًا مِنْهُ وَكَرَاهِيَةً لَهُ أَيْ فَهُمْ يَخَافُونَ

مِنَ الْقِتَالِ وَيَكْرَهُوْنَهُ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهُ طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ اَىْ حَسَنٌ لَكَ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ اَىْ فَرَضَ الْقِتَالُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ فِى الْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ وَجُمْلَةُ لَوْ جَوَابُ اِذَا فَهَلْ عَسَيْتُمْ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا وَفِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اِلَى الْخِطَابِ اَىْ لَعَلَّكُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اى تَعُوْدُوْا اِلٰى اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ الْبَغْيِ وَالْقَتْلِ اُولٰٓئِكَ اى الْمُفْسِدُوْنَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ عَنْ اِسْتِمَاعِ الْحَقِّ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ عَنْ طَرِيْقِ الْهِدَايَةِ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَيَعْرِفُوْنَ الْحَقَّ اَمْ بَلْ عَلٰى قُلُوْبٍ لَهُمْ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ فَلَا يَفْهَمُوْنَهُ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا بِالنِّفَاقِ عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ زَيَّنَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ بِضَمِّ اَوَّلِهٖ وَ بِفَتْحِهٖ وَاللَّامِ وَالْمُمْلِى الشَّيْطَانُ بِاِرَادَتِهٖ تَعَالٰى فَهُوَ الْمُضِلُّ لَهُمْ ذٰلِكَ اَىْ اِضْلَالُهُمْ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ اَىْ لِلْمُشْرِكِيْنَ سَنُطِيْعُكُمْ فِىْ بَعْضِ الْاَمْرِ اَمْرِ الْمُعَاوَنَةِ عَلٰى عَدَاوَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَثْبِيْطِ النَّاسِ عَنِ الْجِهَادِ مَعَهٗ قَالُوْا ذٰلِكَ سِرًّا فَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ سِرٍّ وَ بِكَسْرِهَا مَصْدَرٌ فَكَيْفَ حَالُهُمْ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ حَالٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ظُهُوْرَهُمْ بِمَقَامِعَ مِنْ حَدِيْدٍ ذٰلِكَ اَىِ التَّوَفِّىْ عَلَى الْحَالَةِ الْمَذْكُوْرَةِ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ اى الْعَمَلَ بِمَا يُرْضِيْهِ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ يُظْهِرَ اَحْقَادَهُمْ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ عَرَّفْنَاكَهُمْ وَكُرِّرَتِ اللَّامُ فِىْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ عَلَامَتِهِمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ الْوَاوُ لِقَسَمٍ مَحْذُوْفٍ وَمَا بَعْدَهَا جَوَابُهٗ فِىْ لَحْنِ الْقَوْلِ اَىْ مَعْنَاهُ اِذَا تَكَلَّمُوْا عِنْدَكَ بِاَنْ يُعَرِّضُوْا بِمَا فِيْهِ تَهْجِيْنُ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ نَخْتَبِرَنَّكُمْ بِالْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ حَتّٰى نَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُوْرٍ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ وَنَبْلُوَا نُظْهِرَ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ مِنْ طَاعَتِكُمْ وَ عِصْيَانِكُمْ فِى الْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ فِى الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَرِيْقِ الْحَقِّ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ خَالَفُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى هُوَ مَعْنٰى سَبِيْلِ اللّٰهِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يُبْطِلُهَا مِنْ صَدَقَةٍ وَ نَحْوِهَا فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِى الْاٰخِرَةِ ثَوَابًا نَزَلَتْ فِى الْمُطْعِمِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ بَدْرٍ اَوْ فِىْ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ بِالْمَعَاصِىْ مَثَلًا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَرِيْقِهٖ وَهُوَ الْهُدٰى ثُمَّ مَاتُوْا

هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ نَزَلَتْ فِيْ اَصْحَابِ الْقَلِيْبِ فَلَا تَهِنُوْا تَضْعُفُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ
تْحِ السِّيْنِ وَكَسْرِهَا اَيِ الصُّلْحِ مَعَ الْكُفَّارِ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ حُذِفَ مِنْهُ وَاوُ لَامُ الْفِعْلِ
غْلَبُوْنَ الْقَاهِرُوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ يَنْقُصَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اَيْ ثَوَابَهَا اِنَّمَا
حَيٰوةُ الدُّنْيَا اَيِ الْاِشْتِغَالُ فِيْهَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا اللّٰهَ وَ ذٰلِكَ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ يُؤْتِكُمْ
جُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ جَمِيْعًا بَلِ الزَّكٰوةُ الْمَفْرُوْضَةُ فِيْهَا اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ
لِغْ فِيْ طَلَبِهَا تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ لِدِيْنِ الْاِسْلَامِ هٰٓاَنْتُمْ يَاهٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ
بِيْلِ اللّٰهِ مَا فُرِضَ عَلَيْكُمْ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ يُقَالُ بَخِلَ عَلَيْهِ وَعَنْهُ
للّٰهُ الْغَنِيُّ عَنْ نَفَقَتِكُمْ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَيْهِ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا عَنْ طَاعَتِهٖ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اَيْ يَجْعَلْهُمْ بَدَلَكُمْ ثُمَّ
يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ فِي التَّوَلِّيْ عَنْ طَاعَتِهٖ بَلْ مُطِيْعِيْنَ لَهٗ عَزَّوَجَلَّ۔

ع ۱۰ ۴ ۸

ترجمہ: ....اور جو لوگ ایمان والے ہیں (جہاد کی تمنا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے کاش کوئی صورت کیوں نہ نازل ہوگئی (جس میں جہاد کی اجازت ہوتی) سو جب کوئی صاف صاف سورت نازل ہوتی ہے۔ (یعنی جس میں کوئی حکم منسوخ نہ ہوا ہو) اور اس میں جہاد کا ذکر (حکم) بھی ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے (یعنی شک، منافقین مراد ہیں) کہ وہ آپ کی طرف ایسی نظریں اٹھاتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو (موت کے گھبرائے ہوئے اور نفرت کرتے ہوئے یعنی جہاد سے ڈرتے ہیں اور جی چراتے) پس وائے ہے ان کے لئے (مبتداء جس کی خبر یہ ہے) ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے (آپ کے لئے عمدہ ہے) پھر جب کام پختہ ہوگیا (جہاد فرض ہوگیا) سو یہ لوگ اگر (ایمان اور فرمانبرداری میں) اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا (اور جملہ لواذا کا جواب ہے) تو کیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے) اس میں غیوبت سے خطاب، کی طرف التفات ہے یعنی لعلکم) اگر تم کنارہ کش رہو (ایمان سے پھر جاؤ) تو تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس کی قرابت توڑ دو (یعنی دور جاہلیت کی بغاوت اور خونریزی پر اتر آؤ گے) یہ (فسادی) وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کردیا۔ پھر (حق بات سننے سے) ان کو بہرا کردیا اور ان کی آنکھوں کو (ہدایت کی راہ سے) اندھا کردیا تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (کہ حق پالیں) کیا بلکہ ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں (کہ حق سمجھتے ہی نہیں) جو لوگ (نفاق) سے پشت پھیر کر ہٹ گئے اس کے بعد کہ سیدھا رستہ ان کو صاف معلوم ہوگیا شیطان نے ان کو چکمہ (فریب) دیا ہے اور ان کو دور کی جھائی ہے (لفظ املی ضمہ اول اور کسر لام کے ساتھ اور فتحہ اول اور فتحہ لام کے ساتھ دونوں طرح ہے اور زیبی شیطان ہے بارادہ الٰہی لہٰذا وہی ان کیلئے گمراہ کن ہے یہ (ان کو گمراہ کرتا ہے) اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے وگوں (مشرکین) سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کا ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (پیغمبر ﷺ کی عداوت پر ابھارنے اور لوگوں کو جہاد سے باز رکھنے کے معاملہ میں گفتگو انہوں نے تو درپردہ کی مگر حق تعالیٰ نے ان کا راز فاش کردیا) اور للہ ان کی خفیہ سازشوں کو جانتا ہے (اسرار فتحہ ہمزہ کے ساتھ سر کی جمع ہے اور کسر ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے) سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ن کی جان نکالیں گے ان کے چہروں اور کمروں پر (لوہے کے گرز) مارتے ہوں گے (یہ الملائکہ سے حال ہے) یہ (اس صورت سے جان کالنا) اس وجہ سے ہے کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضی کا باعث تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی خوشنودی سے نفرت کیا کئے (یعنی پسندیدہ عمل سے) اس

لئے اللہ نے ان کے سب اعمال بے کار کر ڈالے جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے کیا ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کے دل کی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا (ان کا کینہ پیغمبر اور مسلمانوں پر نہیں کھلے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کا پورا نشان بتلا دیتے (ان کی شناخت کرا دیتے آگے لام دوبارلایا جارہا ہے) سو آپ ان کے حلیہ (علامت) سے پہچان لیں گے اور آپ ضرور پہچان جائیں گے (واؤ قسم محذوف کا ہے اور بعد کی عبارت جواب قسم ہے) طرز کلام سے (یعنی کلام کا منشاء آپ کی مجلس میں ان کی گفتگو سے مسلمانوں کی ہجو ٹپکتی ہے) اور اللہ تم سب کے کاموں سے واقف ہے اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے (جہاد وغیرہ احکام میں تمہارا امتحان لیں گے) تاکہ ہم (کھلے طور پر) معلوم کرلیں کہ تم میں کون مجاہدین ہیں اور ثابت قدم رہنے والے ہیں (جہاد وغیرہ میں) اور تمہارے احوال کی جانچ (پڑتال) کرلیں (یعنی جہاد وغیرہ میں تمہاری فرمانبرداری یا نافرمانی کھل جائے۔ یہ تینوں افعال یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہیں) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے (حق) سے روکا اور رسول کی نافرمانی (مخالفت) کی اس کے بعد ان کو ہدایت (جو اللہ کے رستہ کی مراد ہے) نظر آچکی تھی۔ یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ ان کی کوششوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا (یعنی اپنے صدقہ خیرات کا ثواب آخرت میں نہیں پائیں گے کفار جو جنگ بدر میں اسلام کے خلاف غریبوں کی امداد کر رہے تھے ان کے یا بنوقریظہ و بنونضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے) اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو (گناہ کبیرہ کر کے) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے رستہ (ہدایت) سے روکا پھر کافر مرگئے وہ مرے ان کو کبھی نہ بخشے گا (بدر کے کنوئیں میں جن کافروں کو ڈالا گیا ہے ان کے متعلق نازل ہوئی ہے) سو تم ہمت مت ہارنا (کمزوری مت دکھانا) اور پیغام صلح مت دینا (سلم فتحہ سین اور کسرہ سین کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کفار سے مڈبھیڑ ہونے پر صلح کی طرف مت جھک جانا) اور تم ہی غالب رہو گے لام فعل کی جگہ اعلون کی جو واؤ ہے وہ حذف ہوگئی بمعنی غالب کامیاب) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (بلحاظ نصرت و مدد کے) اور تمہارے اعمال میں (ثواب کی) کٹوتی (کمی) ہرگز نہ کرے گا دنیاوی زندگانی (یعنی اس میں انہماک) محض لہو ولعب ہے اور اگر تم ایمان وتقویٰ اختیار کرو (جو آخرت کے کام ہیں) تو تمہیں اجر عطا فرمائے گا اور وہ تم سے مال نہیں مانگتا (سارا بلکہ صرف مقررہ زکوٰۃ کا مطالبہ ہے) اگر وہ تم سے مال مانگے اور انتہا درجہ تک طلب کرتا رہے (فرمائش میں مبالغہ سے کام لے) تو تم بخل کرنے لگو اور بخل (دین اسلام سے) تمہاری ناگواری ظاہر کردے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے سو بعض تم میں سے بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے (بخل علیہ، بخل عنہ دونوں طرح بولا جاتا ہے) اور اللہ تو کسی کا (خرچہ کے معاملہ میں) محتاج نہیں اور تم سب (اس کے) محتاج ہو اور تم اس کی فرمانبرداری سے اگر روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ (بدل بنکر) دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (فرمانبرداری سے روگردانی کرنے میں بلکہ اللہ عزوجل کے اطاعت شعار ہوں گے۔

تحقیق وترکیب: .... فاولیٰ لھم۔ لام بمعنی با ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے عطاؒ نقل فرماتے ہیں۔ اور عبدالرزاق اور ابن جریرؒ، قتادہؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ "اولیٰ لھم" وعید ہے پھر اس کے بعد **طاعة وقول معروف خیر لھم** الگ کلام ہے۔

معروف ۔ مفسرؒ اس کی خبر محذوف مان رہے ہیں اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے یعنی **ان الطاعة اولی لھم و القول المعروف خیر لک یا محمد** اور بغویؒ تقدیر عبارت اس طرح نکالتے ہیں۔ **فاولیٰ لھم الطاعة و قول معروف بالا جابة** ۔ یعنی قول معروف کا طاعة پر عطف ہے۔ مفسرؒ کی عبارت میں حسن تو معروف کی تفسیر ہے اور لک کا تعلق دونوں جملوں سے ہے اور یا حسن لک کو قول معروف کی خبر کہا جائے اور طاعت کو "اولی لھم" کی خبر مانا جائے۔

لکان خیرا: یہ جواب ہے۔ **اذا عزم الامر** اور فا کا اتصال عمل میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور نہ مابعد کے ماقبل میں عامل ہونے میں کوئی مانع

ہوگا۔ لیکن قاضیؒ ظرف کو محذوف کہتے ہیں۔ ای ذاقوا او کرھوا۔

ام علی قلوب۔ یعنی ام منقطعہ بمعنی بل ہے لیکن متصلہ بھی ہوسکتا ہے۔ ام یتدبرون الحق لکن علیھا القفل فلا یدخل الحق فیھا.

اقفالھا: قلوب کی طرف اس کی اضافت یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ کوئی خاص رکاوٹ ہوتی ہے۔

واملی لھم۔ ابوعمروؒ کی قرأت فعل مجہول کی ہے اور یعقوبؒ کی قراءت مضارع معروف کی اس میں واؤ حالیہ ہے۔ یا ان کی خبر پر عطف ہورہا ہے۔ یہاں امام رازیؒ نے ایک اشکال کا ذکر کیا ہے کہ

ہدایت وضلالت، تزوین وتسویل اور املاء وامہال سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر شیطان کی طرف نسبت کیسی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ تمام چیزوں کا حقیقی فاعل اگرچہ اللہ ہے لیکن اسباب کی طرف نسبت کے طور پر شیطان کی جانب اسناد کردی گئی ہے اس پر مفصلا کلام گزر چکا ہے۔

بانھم قالوا۔ قالوا کا فاعل منافقین اور کرھوا کا یہود ہیں۔ جیسا کہ مدارک اور بیضاوی کی رائے ہے کہ کرھو کا فاعل مشرکین نہیں ہیں جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔

ام حسب: اس میں ام منقطعہ ہے اور ان مخففہ ہے جس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور ان مع اپنے مابعد کے اس کی خبر ہے اور اگر وصلیہ لیا جائے تو پھر حسب کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہوجائے گا۔ ای بل احسب الذین فی قلوبھم مرض ۔ الخ

اضغانھم ۔ ضغن کی جمع ہے دل میں عداوت وکینہ رکھنا۔

ولتعرفنھم۔ اس میں لام مکرر بقول صاحب جملؒ مبالغہ کے لئے اور بقول ابوالسعودؒ تاکید کے لئے ہے۔ اور جواب لو کے طور پر اور لتعرفنھم میں لام نون کے ساتھ ہے جواب قسم محذوف کے طور پر۔

لا رینا کھم۔ میں رویت علمیہ ہے اور بصریہ بھی ہوسکتی ہے۔

لحن القول ۔ لحن کے دو معنی ہیں ایک اعرابی غلطی کرنا۔ اصطلاح تجوید میں لحن جلی اور خفی آتا ہے جس کے مخصوص معانی ہیں دوسرے معنی کنائی کلام کے ہیں۔ کہ کلام کا ظاہر ہونا اچھا ہو مگر باطن خراب ہو یہاں یہی معنی مراد ہے یعنی کلام کے لب ولہجہ سے ان کا نفاق مترشح ہوجاتا ہے۔

قاضی کی عبارت یہ ہے کہ لحن القول اسلوبہ واما لتہ عن جھة الصریح الی جھة تعریض و توریة.

تھجین ۔ بمعنی تقبیح ہے ہجنہ کلام عیب دار گفتگو کو اور ہجنہ علم اضاعت علم کو کہتے ہیں ہجین بمعنی لئیم اور افعال ثلثہ سے مراد لنبولنکم ،نعلم نبلو ہے لا تبطلوا اعمالکم۔ علامہ زمخشریؒ اپنے اعتزالی نقطہ نظر پر استدلال کرتے ہیں کہ معاصی سے طاعات کالعدم ہوجاتی ہیں۔ ساری عمر بھی کوئی نیکی تقویٰ میں گزارے۔ لیکن ایک کبیرہ سے سب پر پانی پھر جائے گا لیکن اہل حق اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ بطلان سے مراد خاص معنی، کفر، نفاق، ریا، عجب احسان جتلا کر فقیر کی دل آزاری کرنا یعنی ان کفار کی طرح برائیوں کا ارتکاب مت کرو۔ کہ اس سے نیکیاں متاثر ہوکر مٹ جاتی ہیں۔

اور امام اعظمؒ نفل نماز وروزہ کو توڑنے سے قضا کا لازم ہونا اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ نفلی حج وعمرہ کی سزا میں تو حنفیہ کے ساتھ ہیں مگر اور ابواب میں قضا کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک نوافل جس طرح شروع کرنے سے پہلے نوافل ہیں، شروع کرنے کے بعد بھی نوافل اور غیر لازم رہتے ہیں۔

قلیب۔ مقام بدر کا کنواں جس میں مقتول کفار کی نعشیں پھینک دی گئی تھیں۔

فلا تھنوا ۔ یہ فائے فصیحیہ ہے شرط مصدر کے جواب میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اذتبین لکم بالدلالة القطعیة عزالاسلام وذل الکفر فی الدنیا و الاخرة فلا تھنوا ۔۱۲ صاوی۔

وتدعوا ای ولا تدعوا۔ اس کا عطف تھنوا پر یعنی لا کے تحت ہے۔ یوں والصلح خیر فرمایا گیا۔ مگر خاص مصلحت ہو اور صلح نامناسب ہو

جیسا کہ بدر میں عین غلبہ کے موقعہ پر صلح کر لینا مسلمانوں کے خلاف اور کفار کے حق میں جانا اس لئے منع کر دیا۔

لن یتر کم ۔ وتر وترا کے معنی ناقص کرنا۔ابن عباسؓ لن یتر کم کے معنی لا یظلمکم فرماتے ہیں۔

لعب و لھو۔دونوں کے معنی ایسے کام کے ہیں جس میں نہ فی الحال نفع ہو اور نہ فی المآل۔ پھر یہ اشغال اگر اہم کاموں سے مانع ہو جائیں تو لعب ولہو ہیں ورنہ لہو سمجھے جائیں گے۔

ھا انتم ھؤلاء۔اس میں ہا تنبیہ کے لئے انتم مبتداء، ھو لاء منادیٰ اور خبر تدعون ہے اور جملہ ندائیہ جملہ معترضہ ہے۔

یبخل عن نفسه : بخل کے صلہ میں عن اور علی دونوں آتے ہیں یعنی امساک کے متضمن ہونے کی وجہ سے۔

وان تتولوا:اگر اس کے مخاطب حضرات صحابہ ہوں تو مقصود محض تخویف ہوگی ۔کیونکہ صحابہ کے بعد کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہوا۔ اور قضیہ شرطیہ وقوع کے لئے مقتضی نہیں ہوا کرتا کہ اشکال ہو اور منافقین اگر مخاطب ہیں تو ان سے بہتر اللہ نے بے شمار خادم اسلام پیدا فرما دیئے۔

ربط: ...... سورۂ بقرہ کی طرح سورہ محمد کی آیات میں بھی پہلے اجمالاً مومن و کافر کا ذکر ہوا ہے۔ پھر بعد میں دونوں جگہ تفصیل کے ساتھ منافقین کی قباحتیں کھولی گئی ہیں۔منافقین نے اپنے چھپانے کی جتنی کوشش کی اللہ نے اتنا ہی ان کو کھول کر رکھ دیا۔آیت ویقول الذین امنوا میں بطور تمہید پہلے مومنین کا ذکر ہے۔پھر اگلے جملہ سے منافقین کی بدحالی ارشاد ہے۔

ان الذین کفروا ۔شروع سورت سے اب تک مسلمانوں کی تحسین اور کفار کی تہجین (توہین) ہو رہی تھی اور اس ضمن میں ان سے جہاد کرنے کا حکم بھی ہوا۔اب ان آیات سے خاتمہ سورت تک انہیں مضامین کی تلخیص، تفریع، تتمیم و تاکید سمجھنی چاہیے۔مثلاً کفار کی مذمت تہجین کفار کی تلخیص ہوگی اور رسول کی اطاعت کا حکم تحسین مومنین پر تفریع کہلائیگی یعنی اہل ایمان کی مذکورہ خوبیوں کی علت یعنی فرمانبرداری کو مت چھوڑنا بلکہ ان خوبیوں کے خلاف یعنی ابطال عمل سے بچنا۔ پھر اس تحسین و تہجین کے مجموعہ پر لا تھنوا کی تفریع فرمائی کہ جب ان دونوں میں یہ فرق ہے تو مقبولین کو مخذولین سے دبنا نہیں چاہیے۔اس طرح یہ مضمون آیت ضرب الرقاب کی تاکید ہوا۔اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے، حکم جہاد کی تتمیم ہے اور ان تتولوا میں تمام اوامر ونواہی کے سلسلہ میں ایک ترہیبی مضمون پر سورت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

شان نزول وروایات:......... آیت ویقول الذین امنوا سے آخر سورت تک آیات مدنی معلوم ہوتی ہیں۔کیونکہ جہاد کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے اور منافقین کا ظہور بھی مدینہ طیبہ میں ہی ہوا ہے۔پس سورت کے شروع میں سورت کے مکی ہونے کو اکثریت پر اور مدنی کہنے کو بعض حصہ پر محمول کیا جائے۔

ولتعرفنھم: درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ **ثم دل اللہ النبی ﷺ بعد علی المنافقین فکان یدعو باسم الرجل من اھل النفاق** بقول علامہ رکوسی حضرت انسؓ ناقل ہیں اور بقول طبریؒ ابن زید سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سب کو ان کے چہرہ بشرہ، لب ولہجہ سے پہچان گئے تھے اور فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہمارے ساتھ نو ۹ منافق بھی تھے۔رات کو سو کر صبح اُٹھے تو دیکھا ان پر منافق لکھا ہوا تھا۔

یحبط اعمالھم: غزوہ بدر کے سلسلہ میں مسلمانوں کے خلاف ابوجہل وغیرہ نے غریب کافروں کی امداد کر کے ان کو بھڑکایا تھا۔ابوجہل نے اور پھر صفوان نے مقام عسفان میں پہنچ کر ۹ اونٹ ذبح کر کے غریب لوگوں کے پیٹ بھر دیئے۔اس کے بعد سہل نے بھی ۱۰ اونٹ مقام قدید پر ذبح کر ڈالے اور چونکہ یہ لوگ راستہ بھٹک گئے تھے جس کی وجہ سے ایک روز مزید قیام کرنا پڑا۔اس لئے شیبہ نے بھی ۹ اونٹ ذبح کر ڈالے، اور اگلے روز مقام ابواء میں پہنچنے پر مقیس الجمحی نے ۹ اونٹ اور عباس نے ۱۰ اور حارث نے ۹ اونٹ ذبح کئے بعد ازاں مقام بدر میں ابوالبختری نے

۱۰ اور ۹ مقیس نے اونٹ قربان کیئے۔ اس طرح لڑائی کے لئے غریب لوگوں کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے ابوالعالیہ تابعی سے تخریج کی ہے کہ صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ کلمہ طیبہ کی موجودگی میں کوئی گناہ مضر نہیں اور شرک کے ہوتے ہوئے کوئی عمل مفید نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں **لا تبطلوا اعمالکم** فرمایا گیا۔ اس پر انہیں اندیشہ ہوا کہ گناہ سے عمل بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے یعنی گناہ کو اس درجہ مضر سمجھنے لگے جس کا دفعیہ کیا گیا کہ مضر تو ہے مگر اس درجہ کا نہیں کہ عمل ہی ختم ہو جائے حسنؒ فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ مراد ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ شک و نفاق سے عمل خراب نہ کرو۔ اور کلبی ریا وسمع کے معنی لیتے ہیں۔

اور عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن جب **لا تبطلوا اعمالکم** حکم نازل ہوا تو ہمارا خیال ہو گیا کہ گناہ اور فواحش سے اعمال سوخت ہو جاتے ہیں مگر جب آیت **ان اللہ لا یغفر** الخ نازل ہو گئی تو پھر ہم اس خیال سے بھی باز آ گئے اور یہ سمجھے کہ کفر و شرک سے کم درجہ گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے۔

﴿تشریح﴾:............ **ویقول الذین اٰمنوا** ۔ یعنی مسلمانوں کی فرمائش سے تو ان کے شوق اور جذبہ جہاد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مگر ان کے بالمقابل منافقین کی حالت ناقابل دید ہوتی ہے حالانکہ مسلمان کافروں کی مختلف ایذاؤں سے عاجز و مجبور ہو کر یہ آرزو کر رہے تھے سو حکم آنے کا بعد وہ تو کھلے نکلے کہ ہشاش بشاش رہے۔ مگر روگی دلوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور سورت کے ساتھ جو محکمۃ کی قید لگائی، یہ متشابہ کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی ممکن تھا کہ دوبارہ جہاد اگر کوئی آیت یا سورت خفی المعنی نازل ہوتی تو منافقین کے لئے بہانہ کی گنجائش تھی۔ مثلاً کہہ دیتے کہ ہم اس کے معنی نہیں سمجھے تھے۔ مگر سورت محکمۃ میں کیا بہانہ چلتا۔ اس لئے ایسی سورت اترنے سے ان کی جان پر بنتی ہے رہا یہ شبہ کہ جہاد کا حکم ایک بار بھی ناگواری کے لئے کافی ہے پھر بار بار کی قید کیوں لگائی؟

جواب یہ ہے کہ یہ قید واقعی ہے یعنی جہاد سے متعلق اکثر آیات ایسی ہی ہیں کہ جب قصہ پیش آیا اور کسی خاص قوم سے جہاد کی ضرورت پیش آئی تو جہاد کا تازہ حکم آ گیا۔ پس اگر نیا حکم نہ آتا تو وہ جہاد سے بے فکر ہونے کے بہانے تلاش کر سکتے تھے۔ کہ پرانا حکم ختم ہوا اور نیا حکم آیا نہیں۔ اس لئے بے فکری ہو گئی۔ مگر بار بار کے تازہ سلسلہ میں اس کی جڑ بھی کٹ گئی۔

طاعة وقول معروف ۔ یعنی بظاہر زبان سے اگرچہ یہ اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ تھی کہ اللہ اور رسول کا حکم عملاً مانیں اور جہاد وغیرہ میں ضرورت پڑے تو اس وقت سچے ثابت ہوں ورنہ رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو ساتھ رکھنے سے کیا فائدہ؟ لیکن زیادہ مجبور ہو جائے تو لینا ہی پڑتا ہے ورنہ جہاد کرنے والوں کی کیا کمی ہے۔

جہاد کے فوائد و مصالح:............ **فھل عسیتم** ۔ یعنی جہاد کی منفعت اخروی تو ہے ہی لیکن دنیوی مصالح بھی بیشتر ہیں۔ منافقین کم از کم انہی کا خیال کر کے جہاد کو ضروری سمجھتے۔ مثلاً اگر باطل اور کفر و شرک کو اس طرح آزاد اور بے روک ٹوک رہنے دیا جائے تو سارے ملک میں فساد کی آگ بھڑک اٹھے اور لوگوں کے حقوق تلف اور ضائع ہو جائیں اور صلہ رحمی وغیرہ کے حقوق العباد بھی برباد ہو جائیں تو ان کے منافع کا خیال کر کے ہی اس کو قبول کر لیتے اور ابتداءً اگر توفیق نہ ہو تو بعد میں تائب ہو کر اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ مرتے دم تک انسان کے لئے سنبھل جانے کا موقعہ ہے۔ غرضیکہ جہاد میں دینی مصالح کے علاوہ درستگی نظام کی دنیاوی مصلحت بھی اس کی مقتضی تھی۔ کہ اس کو قبول کر لیا جاتا۔

لیکن بعض حضرات **تولیتم** کے معنی غالب اور صاحب حکومت ہو جانے کے لیتے ہیں۔ یعنی اب تو جان سے تنگ آ کر جہاد کی آرزو کرتے ہو۔ لیکن اگر اللہ تمہیں غالب کر دے تو فساد نہ کرنا کیونکہ بسا اوقات حکومت کے نشہ میں انسان بہک جاتا ہے اور عدل و انصاف پر نہیں رہتا۔ بلکہ مال و جاہ کی کشمکش اور تگ و دو میں مبتلا ہو کر فتنہ و فساد برپا کر بیٹھتا ہے۔

اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو وہی پرانی جہالت لوٹ آئے گی۔ جو جو خرابیاں اس وقت تھیں وہ ساری پھر ایک ایک کر کے لوٹ آئیں گی۔ یہ سب احتمالات اس صورت میں ہیں کہ آیت کا خطاب مسلمانوں سے بھی مانا جائے۔ لیکن اگر خاص طور پر صرف منافقین کو خطاب ہو تو ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم جہاد میں حصہ نہیں لو گے تو تمہاری حالت سے یہ اندیشہ ہے کہ تم اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں فساد مچاؤ گے اور اپنے مسلمان رشتہ داروں کی پرواہ نہیں کرو گے۔ بلکہ کافروں ہی کا ساتھ دو گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ سلطنت کے نشہ میں چور ہو کر ظلم پر کمربستہ ہو گئے۔ اس لئے اللہ کی پھٹکار نے انہیں آگھیرا۔ یہ سب ان کے سوء اختیار اور بد استعدادی کی وجہ سے ہوا۔

دلوں پر تالے:......... افلا یتدبرون ۔ ان منافقین کو اگر قرآن فہمی کی توفیق ملی ہوتی تو جہاد کی مصلحتیں اور دنیوی واخروی فوائد با سانی سمجھ لیتے۔ مگر ان کے دلوں پر تو گویا تالے ہی پڑ گئے ہیں کہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ یہ بطور منع الخلو فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ فی الواقع ان میں دونوں ہی باتیں جمع ہیں پہلے قرآن کا انکار کرنے سے تدبر کیا گیا پھر اس کے وبال میں ان کے دلوں پر تالا پڑ گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت ذٰلک بانھم اٰمنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم سے یہی ترتیب سمجھ میں آ رہی ہے۔

اس کے بعد آیت ان الذین سے قرآن میں تدبر نہ کرنے کی وجہ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی حقانیت ظاہر ہو چکنے کے بعد وقت آنے پر اپنی بات سے مکر جاتے ہیں اور شریک نہیں ہوتے۔ کیونکہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ جہاد میں جانے سے مر جائیں گے اور نہیں جائیں گے تو نہیں مریں گے۔ اس لئے خواہ مخواہ جان دینے سے کیا فائدہ؟ منافقین یہود کو مطمئن کرنے کے لئے بولے کہ ہم صرف ظاہر میں مسلمان ہوتے ہیں لیکن لڑائی میں ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ بلکہ تمہیں مدد دیں گے اور تمہاری مانیں گے۔ اس طرح شیطان نے انہیں چکمہ دیا اور دور کی سجھائی۔

آگے فکیف اذا توفتھم الخ سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے کہ جہاد میں جان چرانے سے کیا ہوتا ہے وہ تو ایک نہ ایک دن جانی ہے جب ملک الموت آ جائیں گے۔ تب یہ جان کیسے بچے گی۔ بلکہ بری طرح نکلے گی اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس کی ناراضگی ہی مول لیتے رہے اس لئے مرنے کے وقت یہ بھیانک منظر سامنے آیا اور ان کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر گیا۔

ام حسب الذین ۔ یعنی کیا انہیں یہ خیال ہے کہ ان کی منافقت چھپی رہے گی۔ ان کا خبث باطنی کھلے گا نہیں؟ بلکہ انہیں امتحان کی بھٹی میں ڈالا جائے گا۔ جہاں کھرا کھوٹا الگ الگ ہو کر رہے گا۔

مخلص ومنافق کی پہچان:......... ولو نشاء یعنی اللہ چاہے تو منافقین کی نام بنام نشان دہی کی جا سکتی ہے مگر اللہ کی مصلحت ابھی ایسی تعیین کرنا نہیں چاہتی اور یوں بھی آپ اپنی اعلیٰ فراست سے ان کے چہرے مہرے کو دیکھ کر اور طرز گفتگو کو پرکھ کر تاڑ لیتے ہیں۔ آخر مخلص اور منافق کی بات کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔ دونوں کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے۔ رنگ جدا جدا ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ بہت سے منافقین کو نام بنام پکار کر آپ نے مجلس سے اٹھا دیا تو طرز گفتگو اور دوسرے قرائن سے پہچان کر ایسا کیا ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے اس کے بعد آپ کو مطلع فرما دیا ہو جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت سے ابھی معلوم ہوا ہے۔ اس صورت میں آیت اور روایت دونوں کے مفہوم میں کوئی ٹکراؤ نہیں رہتا بلکہ دونوں جمع ہوسکتی ہیں۔ یعنی رنگ ڈھنگ بھی آپ نے ایسا دیکھا ہو اور صراحۃً بھی آپ کو آگاہ کر دیا گیا ہو۔

البتہ حضرت انسؓ اور طبری کی روایات جو اوپر گزری ہیں ان میں بظاہر منافات ہے۔ لیکن لو نشاء الخ میں لو چونکہ مضی کے لئے آتا ہے اور ماضی میں کسی چیز کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ مستقبل میں بھی نہ ہو۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس آیت کے بعد نام بنام نشاندہی کر دی گئی ہو اور حضرت حذیفہ کو منافقین کا پتہ بتلا دینا جو بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے اس میں بھی آپ کی شناخت کے متعلق دونوں احتمال

ہیں۔ عام مفسرینؒ فلعرفتهم کو لو نشاء کے تحت رکھ کر لاریناکھم کو اس پر متفرع کرتے ہیں یعنی ہم چاہیں تو آپ کو دکھلا دیں منافقین پھر آپ انہیں صورت دیکھ پہچان جائیں۔

اور بعض حضرات فلعرفتهم کو الگ کر کے اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ ہم چاہیں تو آپ کو انہیں دکھلا دیں سو آپ انہیں چہرہ سے پہچان تو چکے ہی ہیں۔ یہ تقریر زیادہ لطیف معلوم ہوتی ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ بندے ان کا حال جانیں نہ جانیں مگر اللہ سے تو ان کی کیفیت چھپی نہیں ہے۔ وہ کھل کر کام کریں یا چھپ کر، جہاد وغیرہ کے احکام دراصل کھرے کھوٹوں کی آزمائش کا ذریعہ ہیں ان سے کھل جاتا ہے کہ کون چاہے کون پکا کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون ڈگمگاتا ہے۔

نعلم المجاهدين کی وضاحت آیت بقرہ لنعلم من يتبع الرسول کی تشریح سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے حدوث علم کا شبہ نہ کیا جائے۔

کفر ونفاق سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں:......ان الذين كفروا۔ یعنی کافر اللہ ورسول اور اس کے دین کا نقصان نہیں کرتے۔ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں وہ ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا سکتا ہے۔ جہاد وغیرہ تمام ریاضت ومشقت اللہ ورسول کے حکم کے مطابق کی جائیں۔ تو لائق اعتناء ہیں ورنہ محض اپنی طبیعت، شوق نفس یا رسم ورواج کے تحت ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کوئی وزن نہیں۔ سب اکارات اور ضائع ہیں۔ ایک اطاعت شعار مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اس طرح اپنی محنت کو ادھر چھوڑ دے، یا ریا ونمود اور نمائش سے اپنے اعمال کو برباد کر دے۔ بھلا ارتداد کا ذکر ہی کیا جو ایک دم بالکلیہ عمل کو سوخت کر کے رکھ دیتا ہے۔

فرمانبرداری اور نافرمانی کے درجات:......اللہ ورسول کی مخالفت ایمان میں ہوتی ہے یا اعمال میں۔ اول کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک کفر اصلی اور کفر سابق، دوسرے کفر لاحق (ارتداد) پس کفر اصلی تو منافی عمل ہے اور کفر لاحق حابط عمل ہے۔ ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں اعمال بھی برباد اور وہ مخالفت اگر عملی ہے جیسا کہ گنہگار مسلمان تو پھر عمل کے برباد ہونے کی صورت یہ ہوگی۔ کہ ایک عمل جو کسی دوسرے عمل کی صحت یا بقاء کی شرط ہو اس میں خلل ڈال دیا جائے۔ جس کی تفصیل آیت لا تبطلوا صدقاتكم میں گزر چکی ہے۔

بہر حال ایمان واعمال دونوں کی مخالفت کا حکم اگرچہ الگ الگ ہے یعنی کفار کی مخالفت بشرط شے کے درجہ میں ہے۔ اور مسلمان کی مخالفت عمل بشرط لاشئے کے مرتبہ میں ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مگر ان میں قدر مشترک لابشرط شئے یعنی اطلاق کا مرتبہ ہے۔ اس لئے ڈرانے کے موقعہ پر مسلمان کی مخالفت کو کافر کی مخالفت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

حنفیہ، شوافع کا اختلاف: آیت لا تبطلوا الخ سے نفل نماز روزہ شروع کرنے کے بعد توڑ دینے کی صورت میں قضاء واجب ہونے پر مذکورہ بالا تقریر سے جو حنفیہ استدلال کرتے ہیں اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ عبادت کے اجزاء میں بعض، بعض کی صحت یا بقا کے لئے شرط ہیں۔ البتہ شوافع کہہ سکتے ہیں کہ نفل شروع کر کے توڑ دینا اگرچہ ابطال ہے مگر ہر ابطال کی ممانعت حدیث ان المتطوع امير نفسه وغیرہ کے دلائل کی وجہ سے ہم تسلیم نہیں کرتے۔ چونکہ آیت قطعی الثبوت اور ظنی الدلالہ ہے اس لئے مسئلہ ظنی رہے گا۔

یہاں تک کفر کے دنیاوی نقصان کا بیان تھا، اب آگے اخروی خسران کو بھی کچھ کم نہ سمجھو۔ فرمایا کہ کافروں کی اللہ کے یہاں بخشش نہیں۔ خاص کر ان کافروں کی جو اوروں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔

حاصل یہ ہے کہ کافر کی بخشش نہ ہونے کے لئے بس کفر پر برقرار رہنا ہی شرط ہے اور دوسروں کو ایمان سے روکنا شرط نہیں ہے البتہ اس سے اس خباثت میں قباحت اور بڑھ گئی ہے۔ عوام صرف کفر کے مرتکب تھے اور خواص خود بھی کافر تھے اور دوسروں کو بھی اس دلدل میں پھنسا دیا۔

بزدلی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے:......... آگے ولا تھنوا الخ میں فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کا محبوب خدا ہونا اور کفار کا معتوب خدا ہونا جب معلوم ہو گیا تو پھر مسلمان کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت ہرگز نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں ورنہ کفار کی چارآنکھیں ہو جائیں گی اور وہ پھر غرانے لگیں گے۔ ہاں سیاسی مصالح ملکی اور قومی تقاضوں سے ایسا کرنا ضروری ہو جائے۔ تو وہ بات دوسری ہے مگر اس کی بنیاد بھی پست ہمتی اور نامردی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ گناہ ہے اور گناہ پر مرتب ہونے والا عمل اور ثمرہ بھی جائز نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے صبر واستقلال اور اثبات قدمی ہوگی تو اللہ تمہارے ساتھ ہوگا۔ تمہارا اعمال بیکار نہیں ہوسکتا اور آخر کار غالب تم ہی ہو گے۔

اور یہ بشارت اگر صحابہ کو ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے کیونکہ وعدہ پورا ہو گیا۔ اور عام مومنین اگر مخاطب ہیں تو چونکہ دوسری آیت وانتم الاعلون ان کنتم مومنین میں اس دورہ غلبہ کے ساتھ ایمان کی قید بھی ہے پس یہاں بھی وہی مراد ہوگی۔ اس کے بعد بھی اگر شکست ہوگی تو محض عارضی ہوگی یا صرف صورۃً ہوگی یا آزمائش ہوگی۔

دنیا اور آخرت کا موازنہ:......... انما الحیوۃ الدنیا۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایک کھیل تماشہ ہے اگر تم اس سے بچے رہے اور ایمان وتقویٰ کو شعار بنائے رکھا، تو اللہ تم سے مال تو کیا مانگتا کیونکہ اسے مال کی کیا حاجت۔ وہ تو خود تمہیں دیتا ہے۔ البتہ تمہیں بھرپور بدلہ ضرور دے گا۔ یوں مالک حقیقی کی وجہ سے اگر مانگ بھی لے تو مال اسی کا ہے۔ مگر سارا مال پھر بھی طلب نہیں کرے گا، بلکہ جنگی مصالح کے پیش نظر وہ خود بھی تم پر خرچ کرنے کے لئے کچھ حصہ دین کی راہ میں خرچ کرنے کو فرماتا ہے۔

اور ان تو منوا کی قید کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ایمان نہ لاؤ تو پھر تمہارا مال لے لے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایمان نہ لانے والے سے تو ہماری کوئی ناآشنائی ہی نہیں۔ اس لئے وہاں تو مال کے سوال کا احتمال ہی نہیں۔ البتہ ایمان لانے کی صورت میں ڈر تھا کہ کہیں دوستی میں فرمائشیں نہ ہونے لگیں۔ جیسا کہ دنیا میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے بطور مبالغہ فرمادیا کہ ایمان بھی لے آؤ۔ تب بھی تم سے اپنے لئے مال کی فرمائش نہیں کریں گیا اور اپنے لئے اللہ کا سوال کرنا تو خیر محال ہے اس کا تو احتمال ہی نہیں۔ ہماری طرف سے تو سوال کی وہ ممکنہ صورت بھی تمہارے فائدہ کے لئے کل مال مانگ لیں، واقع نہیں ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ طبعاً سارا دے دینا ناگوار ہوتا ہے، کتنے ایسے دل والے مردان خدا ہیں خندہ پیشانی اور خوش دلی سے اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور تنگ دلی ظاہر کریں گے۔ حالانکہ یہ تھوڑا سا دین کی راہ میں خرچ کردینا خود تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔ نہ دو گے تو خود تمہارا ہی نقصان ہے۔ اللہ کو کسی کے دینے کی کیا پرواہ ہے۔ اور یہ خرچ کرنے کی حکمت ومصلحت کا حاصل ہونا کچھ تمہارے دینے پر منحصر نہیں ہے۔ وہ تمہیں ہٹا کر دوسری قوم سے یہ کام لے سکتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ تمہارے ہی تان گاڑی چلے گی۔ اللہ کی حکمت ومصلحت تو پوری ہو کر رہے گی۔ البتہ اس سعادت سے تم محروم ہو جاؤ گے۔ یمنون علیک ان اسلموا

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی　　　منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

رہا اس پر یہ شبہ کہ سوال تو خود محال ہے کیونکہ وہ موقوف ہے احتیاج پر اور احتیاج اللہ کے لئے محال ہے پس سوال بھی محال ہو۔ پھر ممکن کیسے کہہ دیا؟ جواب یہ ہے کہ سوال سے مراد مطلقاً طلب کرنا ہے خواہ وہ بطور امر ہی ہو۔ جیسے آیت من یقرض اللہ میں قرض سے تعبیر کیا گیا ہے اور تبخلوا میں اکثر افراد مراد ہیں۔ بعض اللہ کے بندے تو ؂

قرار در کف آزادگاں نہ گیرد مال　　نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

کا مصداق ہوتے ہیں۔ پھر تبخلوا میں سب مراد لینا اکثر حکم الکل کے طور پر ہے۔ رہا اس پر یہ شبہ کہ اگر کوئی سارا مال لٹانے کی نذر کرلے تو

پھر سارا مال دینا واجب ہے۔ پھر کیسے کہا کہ سارے مال مانگنے کی ممکنہ صورت بھی واقع نہیں؟

جواب یہ ہے کہ نذر کرنے والے نے خود اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہے۔ اس لئے شریعت نے بھی واجب کردیا۔ پھر شریعت پر کیا اعتراض اور اگر شبہ ہو کہ جان تو مال سے بھی زیادہ عزیز چیز ہے۔ پھر جہاد میں اس کو دے ڈالنے کا کیسے حکم ہوا؟ جواب یہ ہے کہ حالات سدھارنے اور اصلاح کے سلسلہ میں انسان کی جان کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے بہ نسبت سارا مال خرچ کرنے کے، پس ان منافع عظیمہ کی خاطر یہ عظیم قربانی گوارا کرلی گئی۔ اور شہادت کی صورت میں نفع آخرت الگ رہا۔

اور لتنفقوا میں تھوڑا انفاق مراد ہے جس کی تعیین شریعت کے اختیار میں ہے۔

منکم من یبخل۔ میں یہ اشکال ہے کہ صحابہ کرامؓ کی شان سے بخل کرنا بعید ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ اول تو انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔ دوسرے یہ کیا ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ سے وہ بخل سرزد ہوا ہو جو مذموم ہے۔ بلکہ انفاق کرنے میں انقباض مراد لیا جائے جو مذموم نہیں ہے۔ جب کہ اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کیا جائے۔

نہ رہا یہ شبہ کہ اس پر عتاب کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ انقباض کبھی عملی بخل کی طرف ابھار دے۔ اسلئے اس کا ازالہ ضروری ہوا۔

اور بعض حضرات نے منکم من یبخل کا مصداق منافقین کو قرار دیا ہے جو اگرچہ خلاف قرائن ہے مگر پھر یہ سارے شبہات متوجہ ہی نہیں ہوتے کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔

امام اعظمؒ کی منقبت:............صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ دوسری قوم کون ہے جس کی طرف اشارہ ہے؟ حضرت سلمان فارسیؓ پر ہاتھ رکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ اور اس کی قوم۔ خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر بھی جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے اس کو اتار لائیں گے۔

بالله الحمد صحابہ کرامؓ نے وہ کارنامے انجام دیئے کہ ان کی جگہ دوسری قوم کے لانے کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم اہل فارس کی ستائش بدستور رہی۔ چنانچہ اہل فارس نے اسلام میں داخل ہو کر وہ شاندار خدمات انجام دیں۔ جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو برملا کرنا پڑتا ہے کہ بلاشبہ یہی قوم تھی جو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ضرورت پڑنے پر عربوں کی جگہ لے سکتی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی کو دیکھا جائے تو اس پیشگوئی کا مصداق بدرجہ اتم ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

بہرحال ان تتولوا میں حضرات صحابہ کا دین سے برگشتہ نہ ہونا اور دوسری قوم سے ان کا تبادلہ نہ ہونا تو یقینی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قوماً غیرکم پیدا نہ کی گئی ہو۔ بلکہ حدیث مذکور کی رو سے اہل ایمان فارس کے سچے مسلمان ہیں۔

لطائف سلوک:............ولو نشاء لا رینا کھم۔ میں فراست کی اصل ہے۔ جس سے مومن، کافر، فاسق، فاجر، صالح، مخالف، موافق، دوست، دشمن میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ لیکن احکام فراست کا جزم یا فراست کی بناء پر تجسس جائز نہیں ہے۔ البتہ مصلح کے لئے تفتیش کی اجازت تحقیق کی حد تک ہے۔ جیسے واقعہ افک میں آنحضرت ﷺ نے خود حضرت عائشہؓ سے فرمایا اور دوسرے ذرائع سے بھی تحقیق فرمائی تھی۔

ولا تبطلوا اعمالکم۔ روح المعانی میں حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ گناہ کر کے عمل باطل نہ کرو۔ پس اسے نفس عمل کا باطل کرنا مراد نہیں۔ بلکہ نور عمل کا باطل کرنا مراد ہے۔ کیونکہ گناہ کرنے سے اعمال کے انوار و برکات توبہ نہ کرنے تک مضمحل رہتے ہیں۔

وان تتولوا۔ میں اسی خیال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو بعض دینی خدمات انجام دینے والوں کو عجب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ خدمت ہماری ذات پر موقوف ہے۔ اللہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے۔ وہ چاہے تو پہاڑ کا کام ایک تنکہ سے لے سکتا ہے۔

سُــــوْرَةُ الْفَتْحِ

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ قَضَيْنَا بِفَتْحِ مَكَّةَ وَغَيْرِهَا اَلْمُسْتَقْبَلِ عَنْوَةً بِجِهَادِكَ **فَتْحًا مُّبِيْنًا** ﴿۱﴾ بَيِّنًا ظَاهِرًا **لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ** بِجِهَادِكَ **مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ** مِنْهُ لِتَرْغَبَ اُمَّتُكَ فِي الْجِهَادِ وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِصْمَةِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِالدَّلِيْلِ الْعَقْلِيِّ الْقَاطِعِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَاللَّامُ لِلْعِلَّةِ الْغَائِيَّةِ فَمَدْخُوْلُهَا مُسَبَّبٌ لَا سَبَبٌ **وَيُتِمَّ** بِالْفَتْحِ الْمَذْكُوْرِ **نِعْمَتَهٗ** اِنْعَامَهٗ **عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ** بِهٖ **صِرَاطًا** طَرِيْقًا **مُّسْتَقِيْمًا** ﴿۲﴾ يُثَبِّتُكَ عَلَيْهِ وَهُوَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ **وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ** بِهٖ **نَصْرًا عَزِيْزًا** ﴿۳﴾ نَصْرًا ذَا عِزٍّ لَا ذُلَّ مَعَهٗ **هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ** الطُّمَانِيْنَةَ **فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ** بِشَرَائِعِ الدِّيْنِ كُلَّمَا نَزَلَ وَاحِدَةٌ مِّنْهَا اٰمَنُوْا بِهَا وَمِنْهَا الْجِهَادُ **وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ، فَلَوْ اَرَادَ نَصْرَ دِيْنِهٖ بِغَيْرِكُمْ لَفَعَلَ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمًا** ﴿۴﴾ فِيْ صُنْعِهٖ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **لِّيُدْخِلَ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ اَمَرَ بِالْجِهَادِ **الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا** ﴿۵﴾ **وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ** بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ ظَنُّوْا اَنَّهٗ لَا يَنْصُرُ مُحَمَّدًا ﷺ وَالْمُؤْمِنِيْنَ **عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ** ، بِالذُّلِّ وَالْعَذَابِ **وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ** اَبْعَدَهُمْ **وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا** ﴿۶﴾ مَرْجِعًا . **وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا** فِيْ مُلْكِهٖ **حَكِيْمًا** ﴿۷﴾ فِيْ صُنْعِهٖ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا** عَلٰى اُمَّتِكَ فِي الْقِيٰمَةِ **وَّمُبَشِّرًا** فِي الدُّنْيَا بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا** ﴿۸﴾ مُنْذِرًا مُخَوِّفًا فِيْهَا مِنْ عَمَلِ سُوْءٍ بِالنَّارِ **لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيْهِ وَفِي الثَّلٰثَةِ بَعْدَهٗ **وَتُعَزِّرُوْهُ**

نصروہ وَ فِی قرائۃٍ بِزائَیْنِ مَعَ الفوقانِیَّۃِ **وَتُوَقِّرُوْہُ** تُعَظِّمُوْہُ وَ ضَمِیْرُ ھَا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ **وَتُسَبِّحُوْہُ** اَیِ اللّٰہ **بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا** ﴿۹﴾ بالغدوۃِ وَالعَشِیِّ **اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ** بَیْعَۃَ الرِّضْوَانِ بِالحُدَیْبِیَۃِ **اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ** ھُوَ نَحْوُ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ **یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ** الَّتِیْ بَایَعُوْا بِھَا النَّبِیَّ ﷺ اَیْ ھُوَ تَعَالٰی مُطَّلِعٌ عَلٰی مُبَایَعَتِھِمْ فَیُجَازِیْھِمْ عَلَیْھَا **فَمَنْ نَّكَثَ** نَقَضَ البَیْعَۃَ **فَاِنَّمَا یَنْكُثُ** یَرْجِعُ وَبَالُ نَقْضِہٖ **عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ** بِالیَاءِ وَالنُّوْنِ **اَجْرًا عَظِیْمًا** ﴿۱۰﴾ **سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ** حَوْلَ المَدِیْنَۃِ اَیِ الَّذِیْنَ خَلَّفَھُمُ اللّٰہُ عَنْ صُحْبَتِكَ لِمَا طَلَبْتَھُمْ لِیَخْرُجُوْا مَعَكَ اِلٰی مَكَّۃَ خَوْفًا مِنْ تَعَرُّضِ قُرَیْشٍ لَكَ عَامَ الحُدَیْبِیَۃِ اِذَا رَجَعْتَ مِنْھَا **شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَھْلُوْنَا** عَنِ الخُرُوْجِ مَعَكَ **فَاسْتَغْفِرْ لَنَا** اللّٰہَ مِنْ تَرْكِ الخُرُوْجِ مَعَكَ قَالَ تَعَالٰی مُكَذِّبًا لَھُمْ **یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِھِمْ** اَیْ مِنْ طَلَبِ الاِسْتِغْفَارِ وَمَا قَبْلَہٗ **مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ** فَھُمْ كَاذِبُوْنَ فِیْ اِعْتِذَارِھِمْ **قُلْ فَمَنْ** اِسْتِفْھَامٌ بِمَعْنَی النَّفْیِ اَیْ لَا اَحَدَ **یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا** بِفَتْحِ الضَّادِ وَضَمِّھَا **اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا** ﴿۱۱﴾ اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **بَلْ** فِی المَوْضِعَیْنِ لِلاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰی اٰخَرَ **ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰی اَھْلِیْھِمْ اَبَدًا وَّ زُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ** اَیْ اَنَّھُمْ یُسْتَاْصَلُوْنَ بِالقَتْلِ فَلَا یَرْجِعُوْنَ **وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ** ھٰذَا وَغَیْرَہٗ **وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا** ﴿۱۲﴾ جَمْعُ بَائِرٍ اَیْ ھَالِكِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ بِھٰذَا الظَّنِّ **وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا** ﴿۱۳﴾ نَارًا شَدِیْدَۃً **وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا** ﴿۱۴﴾ اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِمَا ذُكِرَ **سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ** المَذْكُوْرُوْنَ **اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰی مَغَانِمَ** ھِیَ مَغَانِمُ خَیْبَرَ **لِتَاْخُذُوْھَا ذَرُوْنَا** اُتْرُكُوْنَا **نَتَّبِعْكُمْ** لِنَاْخُذَ مِنْھَا **یُرِیْدُوْنَ** بِذٰلِكَ **اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰہِ** وَفِیْ قِرَاءَۃٍ كَلِمَ بِكَسْرِ اللَّامِ اَیْ مَوَاعِیْدَہٗ بِغَنَائِمِ خَیْبَرَ اَھْلَ الحُدَیْبِیَۃِ خَاصَّۃً **قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰہُ مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ عَوْدِنَا **فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا** اَنْ نُّصِیْبَ مَعَكُمْ مِنَ الغَنَائِمِ فَقُلْتُمْ ذٰلِكَ **بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَھُوْنَ** مِنَ الدِّیْنِ **اِلَّا قَلِیْلًا** ﴿۱۵﴾ مِنْھُمْ **قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ** المَذْكُوْرِیْنَ اِخْتِبَارًا **سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ** اَصْحَابِ **بَاْسٍ شَدِیْدٍ** قِیْلَ ھُمْ بَنُوْ حَنِیْفَۃَ اَصْحَابُ الیَمَامَۃِ وَقِیْلَ فَارِسُ وَالرُّوْمُ **تُقَاتِلُوْنَھُمْ** حَالٌ مُقَدَّرَۃٌ ھِیَ المَدْعُوُّ اِلَیْھَا فِی المَعْنٰی **اَوْ** ھُمْ **یُسْلِمُوْنَ** فَلَا تُقَاتِلُوْنَ **فَاِنْ تُطِیْعُوْا** اِلٰی قِتَالِھِمْ **یُؤْتِكُمُ اللّٰہُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا** ﴿۱۶﴾ مُؤْلِمًا . **لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا**

ع۱۰

عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ فِيْ تَرْكِ الْجِهَادِ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ** بِالْيَآءِ وَالنُّوْنِ **جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ** بِالْيَآءِ وَالنُّوْنِ **عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾**

ترجمہ:.........سورۃ الفتح مدنیہ ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی (آئندہ کے لئے مکہ معظمہ وغیرہ مقامات کو طاقت کے ذریعہ آپ سے جہاد کرا کر فتح کا فیصلہ کر دیا ہے) کھلم کھلا (واضح طور پر) تا کہ اللہ تعالیٰ (آپ کے جہاد کی برکت سے) آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے (تا کہ آپ اپنی امت کو جہاد کی ترغیب دے سکیں انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا چونکہ دلیل عقلی قطعی سے طے شدہ ہے۔ اس لئے آیت کی تاویل کی جائے گی اس میں لام علت غائیہ ہے جو سبب پر نہیں بلکہ مسبب پر داخل ہو رہا ہے) اور مکمل کر دے (اس فتح کے ذریعہ سے) اپنی نعمت (انعام) آپ پر اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے (دین اسلام پر جما دے) اور اللہ آپ کو اس کے ذریعہ ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (ذلت نام ونشان کو نہ ہو) وہ خدا ایسا ہے جس نے تحمل (اطمینان) پیدا کیا مسلمانوں کے دلوں میں تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو (دینی باتوں پر اس طرح کہ جب کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لے آئیں ان میں جہاد بھی ہے) اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے (اگر وہ تمہارے علاوہ کسی اور سے دینی خدمت لینا چاہے لے سکتا ہے) اور اللہ (اپنی مخلوق کو) بڑا جاننے والا (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے (یعنی ہمیشہ اس کی یہی شان رہتی ہے) تا کہ اللہ داخل کرے (محذوف عبارت سے اس کا تعلق ہے **ای الامر بالجہاد**) مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ کو رہیں گے اور تا کہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں (السوء فتحہ السین اور ضمہ سین کے ساتھ تینوں مواقع میں پڑھا گیا ہے۔ منافقین کا گمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی مدد نہیں فرمائیں گے ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (ذلت اور عذاب کا) اور اللہ ان پر غضبناک ہو گا اور ان کو (رحمت سے) دور کر دے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ (مقام) ہے۔ اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنے ملک میں) زبردست حکمت والا ہے (اپنی صنعت میں یعنی ہمیشہ سے اس کی یہی شان ہے) ہم نے آپ کو (قیامت میں اپنی امت کے حق میں) گواہی دینے والا اور (دنیا میں انہیں جنت کی بشارت) سنانے والا اور ڈرانے والا (دنیا میں بدعملی کرنے پر دوزخ سے خوف دلانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (یہاں اور اس کے بعد الفاظ یا اور تاء دونوں طرح ہے) اور اس کی مدد کرو) تقویت دو، ایک قرأت میں تعزروہ دوزاء اور تاء کے ساتھ ہے) اور اس کی تعظیم بجالاؤ (یہ دونوں ضمیریں اللہ ورسول کی طرف ہیں) اور (اللہ کی) تسبیح کرتے رہو صبح شام (دونوں وقت) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں (حدیبیہ مقام پر بیعت رضوان تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں (یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** میں ہے) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (جن ہاتھوں سے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی ہے یعنی اللہ کو ان کی بیعت کا حال معلوم ہے۔ چنانچہ وہ ان کو اس پر صلہ دے گا) پھر جو شخص عہد توڑ دے گا (وعدہ بیعت) تو اس کو (توڑنے) کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اس نے خدا سے عہد کیا ہے۔ سو عنقریب اللہ اس کو عطا فرمائے گا (یا اور نون کے ساتھ ہے) عظیم الشان اجر جو دیہاتی آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ (مدینہ طیبہ کے آس پاس کے باشندے جنہیں اللہ نے آپ کی صحبت سے محروم رکھا جب ان کو مکہ معظمہ اپنے ہمراہ چلنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ اس خیال سے کہ قریش کہیں آپ سے الجھ نہ پڑیں۔ حدیبیہ سے واپسی پر آپ سے معذرت خواہ ہوں گے) کہ ہمیں ہمارے مال وعیال نے مہلت نہ دی (آپ کے ساتھ چلنے کیلئے) سو ہمارے لئے معافی کی دعا کر دیجئے (اللہ پاک سے کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جا سکے، آگے ان کو جھٹلاتے ہوئے جواباً حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) یہ زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں (

یعنی استغفار کی درخواست وغیرہ) جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں (لہٰذا معذرت کرنے میں یہ جھوٹے ہیں) آپ کہہ دیجئے اچھا وہ کون ہے (استفہام نفی کے معنی میں ہے، یعنی کوئی نہیں ہے) جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان (ضرا فتحہ ضاد وضمہ ضاد کے ساتھ دونوں طرح ہے) یا نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) بلکہ (دونوں جگہ یہ لفظ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لئے ہے) تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مسلمان اپنے گھر والوں کے پاس کبھی لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھا رہی تھی (یعنی مسلمانوں کا قتل ہو صفایا ہو جائے واپسی کی نوبت ہی نہ آ جائے) اور برے برے خیال (یہ اور اسی طرح کے اور) قائم کر رکھے تھے اور تم برباد ہو گئے (بور، بائر کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تباہ ہو گئے) اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ (دہکتی آگ) تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جس کو چاہے اس کی مغفرت کر دے اور جسے چاہے عذاب دے دے اور اللہ بڑا غفور الرحیم ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے (جن کا ذکر ابھی ہوا ہے) وہ عنقریب کہیں گے، جب تم خیبر کی غنیمتیں لے چلو گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں (تاکہ ہم بھی مال غنیمت حاصل کر لیں) وہ لوگ یوں چاہتے ہیں (اس طریقہ سے) کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں (اور ایک قراءت میں بجائے کلام لفظ کلم کسر لام کے ساتھ ہے یعنی خصوصی طور پر خیبر کے مال غنیمت کے وعدے) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ نے (ہماری واپسی سے) پہلے فرما دیا ہے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (کہ کہیں ہمیں بھی تمہارے ساتھ مال غنیمت مل جائے گا اس لئے تم نے یہ بات بنائی ہے) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (بطور آزمائش) فرما دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑائی والے ہوں گے (بعض کی رائے میں وہ بنو حنیفہ، بنو یمامہ کے باشندے اور کچھ کی رائے ہے کہ فارسی اور رومی ہیں) کہ یا تو ان سے لڑتے رہو (یہ حال مقدرہ ہے اور بلحاظ معنی یہی وہ بات ہے جس کی ان کو دعوت دی گئی) یا وہ مطیع ہو جائیں (پھر قتل نہ کرنا) سو اگر تم ان سے جنگ کرنے میں اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں نیک صلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہو تو وہ دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی سزا دے گا نہ اندھے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے (جہاد چھوڑنے کے سلسلہ میں) اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اس کو داخل کرے گا (یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہے) ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعذبہ یا اور نون کے ساتھ ہے)۔

تحقیق وترکیب: ...... فتحنا۔ اس پر اشکال ہے کہ فتح مکہ ۸ھ میں ہوا پھر ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر بصیغہ ماضی کس طرح فتح کا ذکر کیا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ تقدیر ازلی کے لحاظ سے بصیغہ ماضی تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ یقینی ہو جانے کی وجہ سے مجازاً ماضی سے تعبیر کیا ہے۔ جیسے آیت **و نفخ فی الصور** میں ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ حقیقۃً صلح حدیبیہ کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ فتح کی بنیاد اسی صلح میں پڑ چکی تھی۔ خیبر، حنین، طائف کی فتوحات بھی اسی میں شامل ہیں۔

امام اعظمؒ فتح مکہ کو مقابلہ آرائی اور غلبہ اسلام کی صورت میں مانتے ہیں اور امام شافعیؒ آیت **ولو قاتلکم الذین کفروا** اور **وھو الذی کف ایدیھم** سے استدلال کرتے ہوئے فتح مکہ صلحاً مانتے ہیں۔ رہا آنحضرت ﷺ کی جنگی تیاری وہ بربنائے احتیاط تھی۔

اور بویطی میں لکھا ہے کہ اسفل مکہ کو حضرت خالدؓ نے جبراً اور اعلیٰ مکہ کو حضرت زبیرؓ نے صلحاً فتح فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ اسی سمت سے مکہ میں داخل ہوئے اس توجیہ پر تعارض نہیں رہتا اور مختلف روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اور فتح مکہ اگرچہ محض فضل الٰہی سے ہوئی مگر اسباب کے درجہ

میں آنحضرت ﷺ کے جہاد اور جدو جہد کو بھی دخل ہے۔ اس لئے اس پر مغفرت مرتب فرمائی۔
امام رازیؒ نے بھی مغفرت ذنوب کی کئی توجیہات کی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک (۱) یہ کہ فتح مکہ سے حج بیت اللہ ممکن ہوا اور حج سبب مغفرت ہے۔ چنانچہ حج کے سلسلہ میں دعاء نبوی کے الفاظ یہ ہیں۔ اللهم اجعل حجاً مبرورا وسعيا مشكورا وذنبا مغفورا۔
تفسیر کبیر میں اس اشکال کا کہ آنحضرت معصوم ہونے کی وجہ سے جب گنہ گار نہیں تو پھر مغفرت کیسی؟ یہ جواب دیا گیا کہ مومنین کے گناہ مراد ہیں ۔دوسری توجیہ یہ ہے کہ کسی معاملہ میں اعلیٰ پہلو کو ترک کر کے ادنیٰ پہلو اختیار کرنے کو ذنب سے تعبیر کیا گیا ہے۔
تیسری توجیہ یہ ہے کہ ذنب سے مراد صغائر ہیں جن کی انبیاء کے لئے گنجائش مانی گئی ہے۔ ان دونوں توجیہات کا حاصل حسنات الابرار سيئات المقربين ہے اور بعض نے ماتقدم سے مراد آدم وحواء کی لغزش اور ماتأخر سے امت کے خطا اور قصور مراد لیئے ہیں۔ لیکن سب سے عمدہ توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغفرت کے معنی ستر اور پردہ کے ہیں۔ یعنی گناہ اور بندہ کے درمیان کسی رکاوٹ کا حائل ہو جانا یا گناہ اور اس کی سزا کے درمیان کسی چیز کا مانع بن جانا۔ پس انبیاء کیلئے تو پہلی صورت اور اولیاء و مومنین کے مابین دوسری رکاوٹ کا پیش آجانا مناسب معلوم ہوتا ہے
مفسر علامؒ نے ليغفر میں لام کو علت غائیہ کے لئے مانا ہے جو فعل پر آخر میں مرتب ہوتی ہے اس لام کو غرض و باعث کے لئے نہیں کہا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال و احکام غرض سے پاک ہیں پس گویا مغفرت مسبب ہے سبب نہیں ہے کیونکہ سبب وہ ہوتا ہے جس کی طرف حکم کی اضافت ہوتی ہے۔ جیسے وقت زوال نماز ظہر کا سبب ہے۔ پس مغفرت سبب فتح نہیں۔ بلکہ فتح سبب ہے اور مغفرت مسبب ہے۔
نصرا عزيزا: اس پر اشکال یہ ہے کہ عزیز تو منصور کا وصف ہوتا ہے نہ کہ نصر کا؟ جواب یہ ہے کہ فعیل کا وزن نسبت کے لئے ہوتا ہے۔ پس عزیز کے معنی یہ ہیں کہ وہ نصرت مراد ہے جو عزت کی طرف منسوب ہو اور ذلت کی طرف منسوب نہ ہو۔
ايمانا۔ مفسرؒ نے اس کے متعلق کی طرف اشارہ کیا ہے بشرائع الدين نکال کر اور مع ايمانهم کا متعلق بالله و رسوله محذوف ہے۔ اسلامی احکام چونکہ تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ پس نئے احکام پر ایمان لانا زیادتی ایمان کا سبب ہے گویا مومن کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی مراد ہے۔ جس کے اشاعرہ قائل ہیں نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، جیسا کہ ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ الايمان لا يزيد ولا ينقص۔
ليد خل۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ لیغفر کی طرح یہ بھی علت فتح ہے لیکن چونکہ دو حرف جر کا ایک عامل سے تعلق قابل اعتراض ہے اس لئے مفسرؒ نے اس کا تعلق محذوف عبارت سے کیا ہے اور بعض نے انا فتحنا سے اس کا تعلق لیزدادوا سے تعلق کے بعد مانا ہے یا پھر انزل سے اس کا تعلق مانا جائے۔
ظن السوء . لفظ سوء ضمہ کے ساتھ عذاب، ہزیمت، شر کے معنی میں ہے اور فتحہ کے ساتھ بمعنی مذمت ہے۔ پہلی قراءت ابوعمرو، ابن کثیرؒ کی اور دوسری اکثر قراء کے نزدیک ہے۔ مفسر جن مواقع کی طرف اشارہ کر رہے ہیں یعنی ظن السوء، دائرة السوء ، ظننتم ظن السوء ان میں سے پہلے اور تیسرے موقع میں بالاتفاق قراء سبعہ کے نزدیک صرف فتحہ کی قرأت ہے اس لئے مفسر سے تسامح ہو گیا۔
دائرة۔ جو خط محیط ہو اس کو دائرہ کہا جاتا ہے پھر اس کا استعمال ایسے حادثہ کے لئے ہونے لگا جو ہر طرف مصیبت زدہ کو گھیر لے یعنی جس مصیبت کے مسلمانوں پر پڑنے کی امید میں تھے وہ خود ان پر پڑی۔ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ سوء کے معنی ہلاکت و تباہی کے ہیں اور فتحہ سین کے ساتھ سخت ناگوار بات۔

تعزروه ۔ نہایہ میں ہے اصل تعزیر کے معنی منع کرنے اور مدد کرنے کے ہیں۔ کیونکہ جو کسی کی مدد کرتا ہے وہ گویا دشمنوں کو دفع کرتا ہے اسی سے تعزیر بمعنی تادیب آتا ہے جو سزا حد شرعی سے کم ہوتی ہے اور قراءت شاذہ تعزروه ہے ان دونوں لفظوں کی ضمیریں مفسر حق تعالیٰ کی طرف راجع کر رہے ہیں اور علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ دونوں لفظ آنحضرت ﷺ سے کنایہ ہیں اور علامہ زمخشریؒ سب ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کو مانتے

ہیں مفسرؒ نے دونوں قولوں کو جمع کر دیا ہے کہ ضمیریں دونوں طرف راجع مانیں۔

بالغداۃ و العشی: عشی سے مراد بقیہ چاروں نمازیں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کی تسبیح دونوں وقت پڑھو

یبایعونك: بیعت الرضوان اس لئے نام رکھا کہ آیت لقد رضی اللہ میں رضائے الٰہی کی اطلاع دی گئی ہے۔

یبایعون اللہ: مفسرؒ نے آیت من یطع الرسول سے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو عضاء وجوارع سے پاک ہے۔ پھر کیسے قرآن میں ان اعضاء کا اثبات ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ مجاز ایثاق کے معنی ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ ید اللہ فوق ایدیھم سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ نے جس چیز کا وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ یبایعون اللہ کی تاکید بطور تخیل کے ید اللہ کہہ کر کی جا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کا عہد گویا بعینہ اللہ کے ساتھ عہد کرنا ہے۔ اور سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ بطور استعارہ بالکنایہ ہے فروخت کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور لفظ ید استعارہ تخیلیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ لیکن نظریہ وحدت الوجود کے قائل کچھ حضرات حقیقی معنی لیتے ہیں۔

علیه اللہ۔ حفص کی قراءت ضمہ ہا کے ساتھ ہے۔

المخلفون۔ حدیبیہ میں جو شریک نہیں ہو سکے۔ جیسے غفار، مزنیہ، جہینہ، اسلم، اشجع ویل کے قبائل مراد ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر احرام باندھ لیا اور قربانی کے جانور ساتھ لئے مگر یہ لوگ قریش سے اتنے خائف تھے کہ انہیں یقین نہیں آیا کہ آپ صرف عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔ بلکہ یہ یقین کئے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی واپسی نہیں ہو سکے گی۔

فمن یملك الخ ای فمن یقدر لا جلکم من اللہ۔

بل ظننتم۔ چنانچہ پہلے ان کی تکذیب سے ان کے اعتذار کی طرف احزاب ہوا۔ پھر ان کے اعتذار کے غلط ہونے سے احزاب کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے کی اصل وجہ بتلا دی گئی۔

لن ینقلب الرسول: وہ مسلمانوں کو کفار کا صرف ایک لقمہ سمجھتے ہیں۔

ومن لم یؤ من باللہ جملہ مستانفہ ہے۔ اللہ ورسول اسم ظاہر لا کر اشارہ کر دیا دونوں پر ایمان ضروری ہے اور سعیر نکرہ لایا گیا ہے تہویل کے لئے اور من شرطیہ اور موصولہ دونوں کا احتمال ہے۔

ان یبدلوا۔ ذی الحجہ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ سے مدینہ تشریف لائے تو اوائل محرم ۷ھ تک قیام پذیر رہے اسی سال خیبر پر فوج کشی فرمائی اور صرف اہل حدیبیہ کو ساتھ لیا۔ فتح خیبر کے ساتھ کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔

لا یفقھون: یعنی دین کے مزاج اور اس کے مصالح کو نہیں سمجھتے۔

اولی باس۔ اس میں اشارہ ہے کہ مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کی طرف جن سے صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں نبرد آزما ہوئی۔ اور بعض فارس وروم مراد لیتے ہیں۔ جن سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جنگیں ہوئیں۔

تقتلون: قتال اور دعوت کا زمانہ چونکہ ایک نہیں ہے۔ اس لئے مفسرؒ حال مقدرہ یہ کہہ رہے ہیں۔

اوھم یسلمون۔ تقدیر عبارت سے مفسرؒ نے جملہ مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے معنی منقاد و مطیع ہونے کے ہیں۔ چنانچہ نصاریٰ روم اور مجوس فارس سب مسلمانوں کے جزیہ گزار بنے۔

لیس علی الاعمیٰ۔ یہ سب اعذار چونکہ ظاہر ہیں اس لئے اعتبار کیا گیا۔ اس میں وہ محتاج بھی شامل ہیں جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ لیکن اگر معرکہ شدید ہو تو پھر شرکت جہاد ہر ایک لئے فرض عین ہو جاتی ہے۔

ید خله: اکثر قراء یا کے ساتھ اور نافعؒ اور ابن عامرؒ کے نزدیک نون کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

ربط:.........پچھلی سورت میں اللہ کی راہ میں جان ومال خرچ کرنے کی ترغیب تھی، اس پوری سورت کے شان نزول کے سلسلہ میں چند واقعات کا ذکر ناگزیر ہے۔

شان نزول وروایات:.........مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ مع رفقاء امن وامان کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور عمرہ کرکے سرمنڈائے یا بال کتوائے۔ یہ خواب آپ ﷺ نے صحابہ کو سنایا۔ وہ شوق میں یہ سمجھے کہ اسی سال عمرہ میسر ہو جائے گا اور اتفاق وقت کہ آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ بھی فرمالیا۔ اس پر آیت لقد صدق الله نازل ہوئی۔

۲۔ ۶ھ میں ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کو ساتھ لے کر آپ ﷺ بہ نیت عمرہ راہی مکہ معظمہ ہوئے اور ہدی کے جانور بھی ہمراہ تھے۔ قریش کو جب یہ خبر پہنچی کہ آپ ﷺ کے ساتھ اتنا مجمع ہے۔ تو انہوں نے طے کرلیا کہ آپ ﷺ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے۔ چنانچہ مکہ سے چھ میل پہلے حدیبیہ (شمیسہ) آپ ﷺ کو رک جانا پڑا۔ آپ ﷺ کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی۔ اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا۔ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ حبسھا حابس الفیل اور فرمایا خدا کی قسم مکہ والے مجھ سے جس چیز کا مطالبہ کریں گے اس کو پورا کردوں گا بشرطیکہ حرمات الٰہی برقرار رہیں۔

۳۔ آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے مگر اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے پھر حضرت عثمانؓ کی زبانی یہی پیغام بھجوایا۔ اور مکہ کے غریب مظلوم مسلمانوں کو خبر بھیجی کہ عنقریب اسلام غالب آئے گا۔ مگر قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ ان کی واپسی میں دیر ہوئی۔ تو یہ خبر گرم ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے۔ آپ ﷺ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں لڑائی نہ چھڑ جائے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کرکے ایک درخت کے نیچے بیعت جہاد لی۔ قریش کو خبر لگی تو ڈر گئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا۔ اور واپس بھیج دیا۔

۴۔ اہل مکہ کے کچھ مسلح افراد برے ارادہ سے چھپ کر آئے۔ مگر ناکام رہے اور پکڑ لئے گئے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو رہا فرمادیا۔

۵۔ اس کے بعد قریش کے معززین کا ایک وفد مرتب ہو کر حاضر خدمت ہوا اور صلح نامہ مرتب ہونے کی رائے ہوئی۔ مگر قریش نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر ہی جھک جھک شروع کردی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے وہی پرانا کلمہ باسمک اللہ لکھا جائے۔ پھر محمد رسول اللہ کہنے پر تکرار ہوئی۔ قریش کا اصرار ہوا کہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے جس پر مسلمان برہم ہوئے اور خواہشمند ہوئے کہ ابھی تلوار سے تصفیہ ہو جائے۔ آخرکار آنحضرت ﷺ نے ان دونوں باتوں کو منظور کرلیا۔ صحابہ گوناگواری کے باوجود ضبط سے کام لینا پڑا اور ایک تاریخی دستاویز کی صورت میں صلح نامہ مرتب ہو گیا۔ جس کی ایک دفعہ یہ بھی طے پائی۔ کہ اس وقت مسلمان بغیر عمرہ کئے واپس ہو جائیں۔ البتہ آئندہ سال عمرہ کے لئے غیر مسلح ہو کر آئیں اور سہ روزہ قیام کے بعد واپس ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہ بھی طے ہوا کہ فریقین دس سال تک باہمی آویزش سے بچیں گے اور جنگ نہیں کریں گے اور یہ کہ اس مدت میں اگر کوئی مرد مشرکین میں سے مسلمانوں میں آملا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن کوئی مسلمان اگر ادھر چلا گیا تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ صلح نامہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہدی کے جانوروں کو ذبح کرادیا اور حلق وقصر کرکے احرام کھلوادیا اور پھر بخیریت مدینہ طیبہ واپسی ہوگئی۔

۶۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ اگرچہ بہ نیت عمرہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر قریش سے آویزش کا شبہ تھا۔ اس لئے زیادہ مجمع لے جانا آپ ﷺ نے مصلحت سمجھا اور آس پاس کے صحابہ کو بھی ہمراہ لے چلنا مناسب خیال کیا۔ دیہاتی منافقین اس صورت حال سے گھبرا گئے اور جھوٹے حیلے حوالے، بہانے کرکے خود کو بچالیا، بلکہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی نسبت بعض کی زبان پر یہاں تک آگیا کہ یہ لوگ بچ کر زندہ سلامت واپس نہیں آئیں گے مگر جب دیکھا کہ بخیریت واپسی ہوگئی تو جھوٹے عذر آکر کرنے لگے۔ حدیبیہ سے واپسی پر اواخر ۶ھ میں پوری یا اکثر سورت فتح نازل ہوئی۔

۔حدیبیہ سے واپسی کے بعد محرم ۷ھ میں شرکاءِ حدیبیہ کو لے کر خیبر پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کر لیا۔خیبر، مدینہ سے شمال میں ساٹھ میل کے فاصلہ پر شام کی سمت یہود کا ایک قلعہ بند شہر تھا۔اس غزوہ میں علاوہ حدیبیہ والوں کے آپ ﷺ نے کسی کو شرکت کی اجازت نہیں دی۔

۱۔ ۷ھ حسب قرارداد آپ ﷺ پھر عمرہ کی قضا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے اور عمرہ سے فراغت کے بعد بخیریت مراجعت فرمائی۔

۔قریش نے ناجنگی معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کی تفصیل سورہ براءت میں گزر چکی ہے۔جس کے نتیجہ میں آپ نے رمضان ۸ھ میں فوج کشی کر دی اور مکہ معظمہ فتح کر لیا۔

۱۰۔بعض آیات میں دوسرے واقعات کی طرف اشارے ہیں۔لیکن ان کی تفسیر مختلف فیہ ہے اور پھر وہ تفسیر بھی اس تفصیل پر موقوف نہیں، اس لئے ان واقعات کا ذکر آیات کے ساتھ ساتھ آجائے گا۔

﴿تشریح﴾:............صلح حدیبیہ ظاہر نظر میں ذلت ومغلوبیت کی صلح معلوم ہوتی ہے شرائط صلح دیکھ کر بادی النظر میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ صلحنامہ سارا کا سارا کفار ومشرکین کے حق میں گیا ہے۔چنانچہ حضرت عمرؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ ظاہری سطح کو دیکھ کر مضطرب اور مغموم بھی ہوئے ان کا جذبہ یہ تھا کہ اتنا گر کر صلح کیوں کی جارہی ہے۔کیوں نہیں تلوار کے بل پر فیصلہ کر لیا جاتا۔مگر رسول اللہ ﷺ کی دوررس نگاہیں ان کے ثمرات و نتائج کو دیکھ رہی تھیں۔جو اوروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ شدائد ومصائب جھیلنے کے لئے کھول دیا تھا اور آپ ﷺ کا بے مثال توکل واستغناء ہر ناخوشگوار واقعہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے آمادہ تھا۔اس پورے حوصلہ اور بڑے عزم کے ساتھ ہر شرط کو منظور فرما کر صحابہؓ کو تسلی وتشفی دے رہے تھے۔تا آنکہ اللہ نے اس کو''فتح مبین''فرما دیا تھا۔صحابہؓ نے تعجباً عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ''فتح''ہے؟ فرمایا۔ہاں بہت بڑی فتح۔

فتح مبین:..........واقعہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر''بیعت جہاد''اور معمولی چھیڑ چھاڑ اور صحابہ کرامؓ کی جمعیت اور ان کے تیوروں سے مرعوب ہو کر کفار معاندین کا صلح کیلئے جھک جانا اور آنحضرت ﷺ کا اس موقعہ پر سرچشمی کا مظاہرہ کرنا اور سب سے بڑھ کر دس سال کے لئے ناجنگی معاہدہ کر کے بے فکری سے مسلمانوں کو اندرونی تعمیر اور پختگی کا موقعہ فراہم کر کے عظیم فتح کی بنیادیں مضبوط کرنا ہے۔اسی کے ساتھ دشمنوں کے دلوں پر اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی، روحانی طاقت، اور پیغمبر اسلام کی عظمت شان کا سکہ بیٹھتا چلا گیا، جس کے نتیجہ میں مرکز اسلام مکہ معظمہ دو سال بعد ہی فتح ہو گیا۔

گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جمعیت اور اپنی شکست نظر آرہی تھی۔مگر ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فتح کی بنیاد پڑ گئی ہے اور تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں جارہا ہے۔گویا یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی بے شمار ظاہری وباطنی فتوحات کا دروازہ کھول رہی ہے۔چنانچہ مسلمانوں اور کافروں کے باہمی اختلاط سے اور بے تکلفانہ ریل میل سے خود بخود اسلام کی طرف کشش بڑھ گئی۔خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ جیسے نامور لوگ بکثرت مشرف باسلام ہوئے۔اور اتنے لوگ مسلمان ہو گئے کہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔یہ دلوں کی فتح ہوئی جو حقیقی فتح سمجھنی چاہیے۔

مکہ معظمہ ہمیشہ کیلئے دارالاسلام بن گیا اور عہد نامہ کے وقت صحابہؓ کا جو مجمع ڈیڑھ ہزار تھا وہ فتح مکہ کے وقت دس ہزار ہو گیا۔فتح خیبر نے دوسرے مرکز اسلام مدینہ طیبہ کو مضبوط تر کر دیا۔

غرض اس طرح یہ صلح تمام فتوحات کی اساس، اور سنہرا دیباچہ بن گئی۔پھر اس سلسلہ میں علوم ومعارف اور باطنی مدارج ومقامات جیسی عظیم برکات کا

جو فتح یاب ہوا اس کا اشارہ ان آیات میں کیا گیا ہے۔

شاہانہ انعامات:............ شاہانہ عطیات میں چار انعامات کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

(۱) عفو وغفران (۲) اتمام نعمت (۳) راہ ہدایت (۴) نصرت عزیز۔

عفو وغفران کا مطلب یہ ہے کہ عمر میں جب بھی کبھی کوئی بات آپ سے ایسی سرزد ہوگئی یا ہو جائے جو آپ کے مرتبہ عالی پر پوری نہ اترتی ہو اس کو خصوصی کے نتیجہ میں بالکلیہ محو کر دیا گیا ہے۔ آپ کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ ارشاد نہیں فرمایا گیا۔ تاہم اس کے باوجود حدیث میں ہے کہ اس بشارت کے بعد آپ اتنی کثرت سے عبادت کرتے تھے کہ نماز میں کھڑے کھڑے آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ حتیٰ کہ صحابہؓ کو دیکھ دیکھ کر رحم آتا اور عرض کرتے کہ حضور ﷺ، عام معافی کے بعد آپ ﷺ اس قدر تعب اور محنت شاقہ کیوں برداشت کرتے ہیں، جواب میں ارشاد ہوتا کہ **افلا اکون عبدا شکورا** یہ شکر گزاری کا تقاضہ ہے۔

اور اس بشارت کا مستحق ایسا ہی شریف الطبع بندہ ہو سکتا ہے کہ جو اور زیادہ وقف بندگی ہو جائے نہ یہ کہ نڈر ہو جائے۔ حدیث شفاعت میں بھی آپ کا یہی امتیازی وصف ذکر کیا گیا ہے کہ مخلوق الٰہی پریشان حال ہو کر سلسلہ بسلسلہ جب تمام انبیاء سے گزر کر حضرت عیسیٰ تک پہنچے گی تو وہ یہی فرما کر رہنمائی فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کی جاچکی ہیں، یعنی عام معافی کی وجہ سے وہی اس مکرمت کے اہل ہیں۔ بجز ان کے کسی اور کا یہ کام نہیں ہے۔

اور اتمام نعمت کا حاصل یہ ہے کہ مادی، روحانی، ظاہری، انعام واحسان کی تکمیل کی جائے گی۔ اور راہ مستقیم کی ہدایت کا منشاء یہ ہے کہ اس پر مضبوطی سے ہمیشہ قائم رہیں گے۔ بلکہ معرفت وشہود کے غیر محدود مراتب گامزن ہوتے چلے گئے۔ لوگوں کے جسموں اور دلوں پر اسلامی حکومت قائم کرنے میں آپ کے لئے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی اور لوگ جوق در جوق اسلام کی سیدھی راہ کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ اس طرح بھی آپ کے حسنات میں بے شمار اضافات ہوتے چلے آئیں گے۔

اور نصرت عزیز کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اس نصرت خاص کی بدولت فتح وظفر آپ کے قدموں کو چھوتی رہے گی۔ جس کے بعد پھر آپ کو مخالفین سے دبنا ہی نہ پڑے گا۔ جیسا کہ پہلے بعض مصالح کی بناء پر کبھی دبنا بھی پڑتا تھا۔

اذا جاء نصر اللہ و الفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا ۔ سورۃ نصر اور اس آیت کا مضمون یکساں ہے۔ تمام قبائل عرب، اہل مکہ کے انجام کے منتظر تھے۔ فتح مکہ ہوتے ہی چاروں طرف سے لوگ امنڈ پڑے اور بلاواسطہ اور بالواسطہ اسلام کی طرف دوڑ پڑے،

اسی نصرت خاص کا اثر ''نزول سکینہ'' ہے کہ صحابہ کرامؓ خلاف طبع باتیں پیش آنے کے باوجود اطاعت رسول میں نہایت ثابت قدم رہے اور ذرا نہیں ڈگمگائے اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا۔ مراتب عرفان ویقین میں اضافہ ہوا۔ جہاد کے لئے اس موقعہ پر بیعت کر کے تو یہ دکھلا دیا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔

اس کے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عام جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور فرمائی۔ تو صحابہؓ نے پھر بھی گردن اطاعت خم کر دی۔ ایک وہ رنگ تھا اور ایک یہ رنگ ہوا، دونوں ایمان کے رنگوں میں صحابہؓ پورے اترے۔

چار وعدے:............ ان چاروں وعدوں میں پہلے دو وعدے مغفرت اور اتمام نعمت آخرت سے متعلق ہیں۔ اول دفع مضرت اور دوسرا جلب منفعت پر مشتمل ہے۔ اسی لئے اول کو مقدم کیا گیا۔ اور بعد کی نعمتیں ہدایت صراط مستقیم اور نصرت عزیز دنیا سے متعلق ہیں۔ جہاں تک سیدھی راہ پر چلنے کا تعلق ہے اگرچہ پہلے ہی اس پر آپ یقینی طور سے گامزن تھے۔ مگر اول تو اس کے مراتب غیر محدود ہیں۔ ان میں آئندہ ترقی مقصود ہے

۔دوسرے یہ منشاء بھی ہوسکتا ہے کہ اب تک مخالفین کی جانب سے اس میں مزاحمتیں ہوتی رہی ہیں لیکن اب اس ہدایت خاص کے نتیجہ میں آئندہ بے ٹوک آپ راہ ہدایت پر چلتے رہیں گے۔

اسی طرح نصرت عزیز میں اب آپ کو دبنا پڑے گا اور مغلوبیت نہیں ہوگی۔ بلکہ غالب، مظفر و منصور رہیں گے۔ گویا یہاں بھی ہدایت میں دفع مضرت اور نصرت میں جلب منفعت پیش نظر ہے۔ اس طرح دونوں کا مفہوم الگ الگ ہوگیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہوا بھی کہ آہستہ آہستہ تمام عرب علاقہ اسلام کی قلمرو میں شامل ہوتا چلا گیا۔

فتح مکہ سبب مغفرت ہے:.........**لیغفر لک اللہ**: میں لام کی سب آسان توجیہ یہ ہے کہ فتح سبب ہے کہ مخلوق کے اسلام کا اور وہ سبب ہے کثرت ثواب اور مقبولیت عنداللہ کا اور وہ سبب ہے غفران کا اور سبب السبب بھی سبب ہوا کرتا ہے۔ پس فتح مغفرت کا سبب ہوگیا۔ اور بقیہ تینوں نعمتوں میں سببیت بالکل ظاہر ہے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں کچھ کلام سورہ محمد کے اول رکوع کے آخر میں بھی گزر چکا ہے۔

یہاں "سکینہ" سے مراد عام معنی ہیں جس کے دو اثر ہیں۔ ایک تو بیعت جہاد کے موقعہ پر جہاد کا عزم رکھنا جس کا ذکر آئندہ آیت **فانزل السکینۃ** میں آرہا ہے۔ اور دوسرا اثر کفار کی بے جا ضد کے باوجود آنحضرت ﷺ کے عہد نامہ کی وجہ سے صحابہؓ کے جوش کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ جس کا ذکر **فانزل السکینۃ علی رسولہ** میں آئندہ آرہا ہے۔ پس بعد کی ان آیات میں سکینہ سے مراد یہ خاص خاص اثر ہوں گے اور چونکہ جہاد کے لئے پہلے ابھرنا پھر رک جانا دونوں باتیں آپ کی خوشنودی سے ہوئیں اس لئے اطاعت ہوئیں اور آپ کی ہر اطاعت سے نور ایمان بڑھتا ہے۔ پس اس سے صحابہؓ کو ترقی ایمانی نصیب ہوئی۔

آگے **وللہ جنود** الخ۔ میں یہ بتلا دیا کہ نہ کفار کی کثرت پر نظر کر کے عزم جہاد میں پس و پیش کرنا اور نہ عہد نامہ پر یہ خیال کر کے افسوس کرنا کہ کفار کیوں بچ گئے اور سزا کیوں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ کے لشکر کے ہوتے ہوئے کفار کی کثرت سے ڈرنے کے کیا معنی؟ وہ تمہاری کمی کو اپنے لشکر سے پورا کرسکتا ہے۔

نیز کفار کو ہلاک کرنا کچھ تم پر موقوف نہیں۔ ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے بھی ان کو تباہ کرسکتے ہیں البتہ جہاد اور صلح دونوں کے احکام بربناء مصالح دیئے جاتے ہیں اور اس کو وہی خوب جانتا ہے کہ کب جہاد کا حکم تمہارے لئے مصلحت ہے اور کب قتال سے باز رہنا مناسب ہے۔ بہرحال زمین و آسمان کے لشکروں کا مالک جہاد اور صلح کا جو حکم بھی دے گا ضرور اس میں بہتری اور حکمت ہوگی۔

حضور ﷺ نے جب صحابہؓ کو آیت **انا فتحنا لک** پڑھ کر سنائی تو صحابہؓ نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ انعام تو آپ ﷺ کیلئے ہوا ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر آیت **لیدخل المومنین** نازل ہوئی یعنی زیادتی ایمان کے ثمرہ کو دوسرے عنوان سے ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اس طرح اعزاز و اکرام کے ساتھ مسلمانوں کو جنت میں داخل کرنا اور برائیوں اور کمزوریوں سے ان کو پاک کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حدیبیہ میں بیعت جہاد کرنے والوں میں کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

فتح مکہ میں عورتیں:.........یہاں عورتوں کے ذکر پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئیں کیونکہ اول تو مدار فضیلت، اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ خواہ خاص حدیبیہ کے معاملہ میں ہو یا دوسرے امور میں جن میں مردوں کی طرح عورتیں بھی شریک رہتی ہیں۔ دوسرے اس تعمیم میں عورتوں کو بھی ایک گونہ تسلی رہے گی۔ کہ وہ اہل حدیبیہ کے فضائل سن کر شکستہ دل نہ ہوں کہ ہم اس شرف سے کیوں محروم رہیں مگر جب مدار فضیلت اطاعت ہے تو عورتیں بھی اپنے متعلقہ احکام میں فرمانبرداری کریں تو مستحق بشارات ہوں گی۔ کیونکہ مرد ہو یا عورت کسی کی بھی محنت اور ایمانداری ضائع نہیں ہوتی۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں اور دل

سے تو آپ ہی مسلمان عورتیں ساتھ تھیں۔

جنت میں جانے کو" فوز عظیم" فرمانے سے ان نقال صوفیوں اور مغلوب الحال درویشوں کی خام خیالی معلوم ہو جو جنت طلب کرنے کو ناقصوں کا کام سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے سکینہ کا نزول چونکہ مقام مدح ہے جس سے اختصاص معلوم ہوا۔ یعنی کفار اس سے محروم رہیں گے پس جہاں اس صلحنامہ سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوں گی اور اسلامی فتوحات کا دروازہ کھلے گا وہیں یہ سبب بنے گا۔ کفار اور منافقوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کا اور ان کو پوری سزا ملنے کا۔

چنانچہ مدینے سے چلتے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ جد بن قیس کے علاوہ کوئی منافق نہیں ہوا اور بہانے کر کے بیٹھ رہے۔ کیونکہ انہیں پورا خطرہ تھا کہ مڈبھیڑ ضرور ہوگی اور مسلمان زندہ سلامت بچ کر واپس نہیں آئیں گے اور بظاہر اسباب بھی کچھ ایسے تھے کہ مسلمانوں کا وطن سے دور ہونا، فوج اور سامان حرب کی کمی، ادھر کفار کا اپنے وطن میں ہونا اور پھر سارے ہی مکہ کا مقابلہ، اس لئے منافقین نے طے کر لیا کہ کیوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔

ادھر کفار نے خیال پکا لیا کہ مسلمان بظاہر تو عمرہ کے نام سے آ رہے ہیں لیکن فریب سے مکہ ہم سے ہتھیانا چاہتے ہیں۔ یہ تھیں دونوں کی بدگمانیاں اور برے خیالات جن کو ظن السوء فرمایا گیا۔

گویا اس جملہ میں کفار اور منافقین دونوں پر تعریض ہے کہ ایک ضد باندھ کر ہٹ دھرمی کر رہا ہے اور دوسرا آرزوؤں کی اس بھول بھلیوں میں ہے کہ مسلمان ایک بھی بچ کر نہ آئے اور چونکہ مدار اس تعذیب کا کفر پر ہے۔ اس لئے عورتوں کو بھی شمار کیا گیا۔ دوسرے مسلمان عورتوں کی طرح دل سے کافر و منافق عورتیں بھی اس جذبہ میں شریک تھیں۔ اس لئے ان کو بھی مستحق وعید سمجھا گیا۔

لیکن یہ پیش بندیاں اور احتیاطیں تا کجے، زمانہ کی گردش اور پاداش عمل سے کیسے بچ سکتے ہیں اور اللہ کسی کو سزا دینا چاہے تو کون ہے جو بچا سکتا ہے اس کا لشکر ایک سیکنڈ میں پیس کر رکھ دے۔ البتہ اسی کے ساتھ وہ حکمت والا بھی ہے اور حکمت الٰہی کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ہاتھوں ہاتھ ان کا صفایا کر دیا جائے مگر کچھ دنوں بعد کفار تو مقتول و ماخوذ ہوئے اور منافقین ساری عمر یاس و حسرت کی تصویر بنے رہے کہ اسلام اور مسلمان بڑھتے رہے اور وہ گھٹتے رہے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہوئی اور آخرت کا دردناک عذاب اس کا تو کیا ہی پوچھنا؟

آیت وللہ جنود السموات کو تکرار نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ پہلی آیت کا منشاء مسلمانوں کے غلبہ کی بشارت تھی اور یہاں کفار کے مغلوب و مقہور ہونے کی دھمکی مقصود ہے۔ اس لئے یہاں حکیماً کے ساتھ عزیزاً بھی فرمایا گیا جس سے قہر کی طرف اشارہ ہے۔

ان انعامات الٰہی میں چونکہ تمام تر واسطہ آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے آیت انا ارسلنٰک میں اللہ و رسول کے حقوق اور ان کی بجا آوری کی فضیلت اور نہ بجالانے کی مذمت بتلائی جا رہی ہے۔ چنانچہ آپ فرمانبرداروں کو خوشخبری اور نافرمانوں کو ڈر سناتے رہیں۔ اور اپنے احوال بھی بتلاتے رہیں۔ چنانچہ شروع سے یہاں تک یہی تینوں مضامین مذکور ہوئے۔ نیز آخرت میں بھی اپنی امت اور پچھلے انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے۔

تعزروہ وتوقروہ: اگر اللہ کی مدد مراد ہے تو اس کا مطلب دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اللہ کی تعظیم عقیدۃً بھی ضروری ہے کہ اس کو کمالات سے متصف اعتقاد کرے اور عملاً بھی کہ اس کی فرمانبرداری کرے اور یہ ضمیریں اگر پیغمبر کی طرف راجع ہوں تو پھر مطلب واضح ہے۔

سبحوہ۔ سے مراد صبح شام کی نمازیں ہیں۔ اور یا مطلق ذکر اگر چہ مستحب ہو۔ بہر حال اللہ کی یاد نمازوں کے ضمن میں ہو یا نمازوں سے باہر۔

بیعت جہاد اور بیعت سلوک:............ آگے بعض معاملات کے متعلق ارشاد ہے کہ پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کا مقصد چونکہ اللہ کے احکام بجا لانا ہے تو گویا وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ پیغمبر فی الحقیقت اللہ کی طرف سے بیعت کرتا ہے اور اس ذریعہ سے اسی کے احکام کی

تعمیل کراتا ہے۔ اس طرح بیعت کے وقت پیغمبر کے ہاتھ کو مجازاً بطور نیابت اللہ کا ہاتھ کہا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت و ما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ میں بھی یہی اسناد مراد ہیں۔ چنانچہ و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اسی ارتباط و تعلق کا اظہار ہے۔ اس لئے حقیقی معنی لینا یا پیغمبر کو عین خدا کہنا اور سمجھنا سخت ترین گمراہی ہوگی۔ یہ لفظ متشابہات میں سے ہے۔ اس کی زیادہ تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے دونوں طرح کی بیعت لی ہے۔ بیعت جہاد اور دوسری کسی اچھے کام پر بیعت صحیح مسلم کی روایت و علی الخیر کا لفظ ہے۔ مشائخ طریقت کی بیعت احسان بھی اسی میں داخل ہے۔ سورہ ممتحنہ کے دوسرے رکوع کی آیات سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

حدیبیہ کی بیعت جہاد کا حاصل مضمون یہ تھا کہ ہم مرتے دم تک میدان جہاد سے منہ نہ موڑیں گے۔ ید اللہ فوق ایدیھم سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بیعت کے وقت ہاتھ میں ہاتھ ڈالنا اور شیخ کے ہاتھ کا اوپر ہونا ہی ضروری ہے۔ بلکہ اطاعت کا عہد لینا مراد ہے۔ چنانچہ بالواسطہ اور مکاتبت و مراسلت کے ذریعہ بھی بیعت ہو سکتی ہے بلکہ بیعت کی حقیقت تو شیخ کے تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ خواہ صورۃ بیعت حاصل نہ ہو۔ اگر صورۃ بیعت کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور وہ فائدہ سے خالی نہیں۔ البتہ یہ سمجھنا کہ جو کسی کا مرید نہیں وہ شیطان کا مرید ہوتا ہے۔ بے اصل ہے۔ بعض فطرتاً سلیم ہوتے ہیں انہیں چنداں حاجت نہیں ہے۔

اس عہد کی پابندی یا عہد شکنی کا وہی حکم ہوگا جو دوسرے واجب الایفاء عہدوں کا ہے۔ آیت میں مطلقاً عہد مراد ہے۔ وہ عہد خواہ صراحۃً ہوں یا التزاماً مثلاً ایمان لانے سے اس کے تمام احکام کا التزام ہو جاتا ہے۔ یا وہ عہد لزوماً ہو۔ جیسے عہد الست کے نتیجہ میں سب پر ایمان لانا لازم ہے۔ اس عہد کو متعارف بیعت کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ متعارف بیعت کے توڑنے کو یہ وعید شامل بھی نہیں ہے۔ کیونکہ شرعی احکام کی پابندی کے ہوتے ہوئے اگر کسی شیخ سے تعلق ترک دے تو ذرہ بھر گناہ نہیں بلکہ غیر متبع شرع شیخ سے تعلق منقطع کر دینا مناسب اور ضروری ہو گا۔ البتہ بلا شرعی ضرورت کے شیخ سے تعلق منقطع کر دینا بے برکتی کا باعث ہے۔ بلکہ ممکن ہے کسی برائی اور گناہ میں مبتلا ہونے کا باعث بن جائے۔ اس لئے اس سے بچنا چاہیے۔

حاصل آیت یہ نکلا کہ بیعت کے وقت جو قول و قرار کیا ہے جو اس کو توڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اس کو عہد شکنی کی سزا ملے گی۔ اللہ و رسول کا نقصان؟ اور جو اس عہد پر پورا اترے گا اسے بدلہ بھی بھرپور ملے گا۔

منافقین کے حیلے بہانے: .... یقول لک المخلفون۔ مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے اہتمام سے صحابہ کو ساتھ لیا ممکن ہے کہ لڑائی کا احتمال بھی پیش نظر ہو۔ اس پر کچھ سادہ لوح دیہاتی جن کے دلوں میں ابھی ایمان رچا نہیں تھا۔ آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو اب یہ جانے والے مسلمان زندہ بچ کر واپس آنے والے نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے نفاق کا پردہ چاک کرتے ہوئے سفر سے واپسی میں آنحضرت ﷺ کو حقیقت حال سے مطلع فرما دیا۔ اور فرمایا کہ ایسے لوگ اب آپ کے سامنے غیر حاضری کے جھوٹے حیلے بہانے آ کر تراشیں گے اور کہیں گے کہ کیا بتلائیں ہمیں گھربار کے دھندوں سے فرصت ہی نہ ملی، ہمارے یہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے حاضری نہ ہو سکی، بہرحال یہ کوتاہی ہوئی اس کی ہم معافی چاہتے ہیں۔

حالانکہ کہتے وقت وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اور استغفار کی درخواست بھی محض دفع الوقتی کے لئے ہے سچے دل سے نہیں۔ کیونکہ وہ دل میں اس کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہے ہیں کہ حقیقۃً پشیمان ہوں۔

سوان کے جواب میں آپ فرما دیجئے کہ سارا نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کے آگے کسی کا کچھ بس چلتا۔ چنانچہ اس کو نہ تم جیسے نالائقوں کا جانا منظور تھا اور نہ اب منظور ہے کہ تمہارے لئے استغفار کروں کیونکہ جھوٹ کا پول کھل چکا ہے تم خود ہی حدیبیہ کے گوناگوں فوائد و برکات

سے محروم رہے۔
رہا گھر بار کے نقصان کا بہانہ، سوسب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو گھر میں رہ کر بھی نقصان ہوسکتا ہے اور وہ چاہے تو گھر سے باہر جا کر بھی نقصان نہیں ہوسکتا۔ پھر اللہ ورسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پرواہ کرنا کب شیوہ اہل ایمان ہے۔ اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ کو بھی حیلے بہانوں سے بہلالو گے۔ گویا اس طرح دنیا بھی ہاتھ سے نہیں جائے گی اور اللہ بھی راضی رہے گا۔ اللہ کو تو سب کچھ پتہ ہے۔ تمہاری یہ چکمہ بازی نہیں چلے گی۔ کہ نہ جانے کا سبب فی الواقع وہ تھا جو تم بیان کررہے ہو۔ بلکہ تم سمجھ بیٹھے تھے۔ کہ پیغمبر اور مسلمان اب صحیح سلامت واپس نہیں ہوسکیں گے اور یہی تمہاری دلی آرزو بھی تھی۔ اس انکل پچو گمان میں تم نے اپنے لئے نہ جانے میں عافیت سمجھی۔ اور سراسر نفع سمجھا۔ حالانکہ یہ سرتا سر نقصان وخسران تھا اور اللہ جانتا تھا کہ یہ اس طرح تباہ وبرباد ہورہے ہیں۔ اللہ ورسول پر جو ایمان نہیں رکھتا اس کے لئے تو دہکتی آگ تیار ہے زمین وآسمان کی ساری خدائی اسی کی ہے وہی چاہے کسی کو بخشے نہ بخشے۔ میں اس کے برخلاف کیا کرسکتا ہوں؟ ہاں اس کی مہربانی ہوجائے تو تمہاری بخشش اور معافی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت بہرصورت غضب سے بڑھ کر ہے۔

منافقین کا پوسٹ مارٹم: ان منافقین کے اس عذر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس میں کئی جزو نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمیں فرصت نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ ہمارا ارادہ شریک سفر ہونے کا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہم آپ کے استغفار کے مفید ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دل میں تینوں باتیں نہیں تھیں۔ پہلی دو باتیں تو واقعہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اور تیسری بات نبوت پر اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے، اور عذر صحیح کے باوجود استغفار کی درخواست اگر غیر مخلص کی طرف سے ہوتی ہے تو اس کو ریاکاری پر محمول کیا جائے گا۔ اور مخلص کی طرف سے اگر ہو تو تب بھی عذر کا عذر ہونا چونکہ اکثر اجتہادی ہوتا ہے جس کا مدار تحری پر ہے اور اس میں بعض اوقات نفسانی شیطانی تسویل سے تامل کرنے میں یا تامل کے مطابق عمل کرنے میں کوتاہی ہوجاتی ہے اس لئے استغفار کی ضرورت پڑتی ہے۔
بہرحال ان کے عذر کو رد کردیا گیا ہے۔ اول تو عذر اگر واقع کے مطابق بھی ہوتا۔ تب بھی قطعی حکم کے ہوتے ہوئے محض لغو تھا۔ کیونکہ وہ عذر فی الواقع قضاء وقدر سے تو بچا نہیں سکتا تھا۔ تاہم شریعت نے جہاں مصلحت سمجھا تسلی وغیرہ کی مصلحت سے واقعی عذر کو مدار رخصت قرار دے دیا۔ لیکن جہاں شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور قطعی حکم دے دیا۔ جیسا کہ یہاں ایسے میں واقعی عذر بھی معتبر نہیں ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ ان کا عذر واقعی بھی نہیں محض فرضی ہے اور ایک قسم کی بہانہ بازی ہے پھر اس کی شنوائی کیسے ہو؟ بعض تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض تائب اور مخلص بھی ہوگئے تھے۔

فتح خیبر: .... سیقول لک المخلفون اذا انطلقتم۔ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر "خیبر" یہودیوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ جس میں وہ غدار یہودی رہتے تھے، جو بدعہدی کرکے جنگ احزاب میں کافروں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ حدیبیہ سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کی سرکوبی کو ضروری سمجھتے ہوئے چڑھائی فرمادی اور وحی الٰہی کے مطابق اعلان کرایا کہ جو کام چور دیہاتی حدیبیہ میں جان بچا گئے وہ اس معرکہ خیبر میں بھی نہ جاسکیں گے۔ اللہ نے ہمیں اس سے پہلے ہی آگاہ فرمادیا ہے۔ مشکل وقت میں جب یہ لوگ ساتھ نہیں ہوئے تو آسان وقت میں کیوں ساتھ ہوں۔ ایسا ہوا تو یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کا کہنا بدل دیا گیا۔ جو ظاہر ہے کہ نہیں ہوسکتا۔
لن تتبعونا: کا مقصد ہمیشہ کے لئے ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ لن تابیدوقتی کے لئے ہے یعنی صرف معرکہ خیبر کے اعتبار سے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے جو بحر سے نقل کیا ہے۔ کہ ان غیر حاضرین میں قبیلہ مزنیہ اور جہینہ کے لوگ بھی تھے۔ جو خیبر کے بعد غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جہاد رہے، اگلی آیت سے بھی اس کی تائید ہورہی ہے۔ اسی طرح فارس وغیرہ کے غزوات میں بھی بعض انہی دیہاتیوں کو حضرت فاروق

اعظمؓ نے اپنے دور خلافت میں شامل کیا۔ جس سے یہی ثابت ہوا کہ مطلق تابید مراد نہیں ہے۔
اسی طرح خیبر کے مال غنیمت کو آنحضرت ﷺ کے اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص کرنے پر شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے بعض مہاجرین حبشہ کو جو "اصحاب سفینہ" کہلاتے تھے۔ کچھ حصہ کیوں عنایت فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ یہ عطیہ خیبر کی فوج کی رضامندی سے ہوا ہوگا یا مال خمس میں سے مرحمت فرمایا ہوگا جو خاص غانمین کا حق نہیں ہے۔ علی اختلاف القولین۔

ناپاک ذہن میں خیالات بھی ناپاک آتے ہیں:.........فسیقولون الخ۔ یعنی پیغمبر کا یہ جواب سن کر یہ گنوار بولیں گے کہ اللہ نے تو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ تم چاہتے ہو کہ بلاشرکت غیرے سارا مال تمہارے ہاتھ آجائے۔ ہمیں کچھ نہ مل سکے۔ فی الحقیقت ایسا کہنے والے نرے نا سمجھ ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان زہد وقناعت کے مجسمے ہیں۔ ان میں حرص وحسد کیوں ہونے لگا۔ اور کیا پیغمبر ہیں۔ العیاذ باللہ، خدا پر ازراہ حسد جھوٹ بول دیں گے۔

غرض کہ اس لڑائی میں تو نہیں جاسکتے۔ مگر ذرا صبر کرو۔ آئندہ بہت سے معرکے آرہے ہیں۔ سخت جنگ جو قوموں سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ اور یہ سلسلہ ان قوموں کے مسلمان ہونے یا باجگذار ہونے تک جاری رہے گا۔ اگر واقعی تمہیں شوق جہاد ہے تو اس وقت تمہارے حوصلے اور ولولے دیکھ لیں گے۔ اس وقت اللہ کا حکم ماننے پر اللہ بہترین بدلہ دے دے گا۔ اور حدیبیہ کی طرح اگر اس وقت بھی تم نے معرکوں سے منہ موڑ لیا تو اللہ سخت ترین سزا بھی دیگا۔ شاید آخرت سے پہلے ہی مل جائے۔

ان جنگ جو قوموں سے مراد مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ ہوگی۔ یا ہوازن وثقیف وغیرہ قومیں ہیں جن سے حنین میں مقابلہ ہوا۔ یا وہ مرتد لوگ جن پر صدیق اکبرؓ نے فوج کشی کی۔ یا فارس وروم وکرد، وغیرہ قومیں جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے بہت سے بے لڑے بھڑے مسلمان بھی ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا۔

لیس علی الاعمی۔ یعنی جہاد اور دوسرے امور معاملات میں عام ضابطہ یہی ہے کہ معذوروں پر یہ احکام لاگو نہیں ہوتے۔

لطائف سلوک:.........**هو الذی انزل السکینة**۔ سکینہ ایسی چیز ہوتی ہے جس میں نور اور قوت وروح ہوتی ہے جس سے سکون میسر آجاتا ہے اور سہولت اعمال اور ضبط احوال کی توفیق مل جاتی ہے۔
لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم۔ یعنی ایمان استدلالی کے ساتھ ایمان عیانی بھی نصیب ہوجاتا ہے۔
ان الذین یبایعونک۔ روح المعانی میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے آنحضرت ﷺ کے کمال فناء وبقاء کی طرف۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ بِالْحُدَيْبِيَةِ **تَحْتَ الشَّجَرَةِ** هِيَ سَمُرَةٌ وَهُمْ اَلْفٌ وَثَلٰثُ مِائَةٍ اَوْ اَكْثَرُ ثُمَّ بَايَعَهُمْ عَلٰى اَنْ يُّنَاجِزُوْا قُرَيْشًا وَاَنْ لَّا يَفِرُّوْا عَلَى الْمَوْتِ **فَعَلِمَ** اللّٰهُ **مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ** مِنَ الْوَفَاءِ وَالصِّدْقِ **فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا** ﴿۱۸﴾ هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ بَعْدَ اِنْصِرَافِهِ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ **وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا** . مِنْ خَيْبَرَ **وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا** ﴿۱۹﴾ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا** مِنَ الْفُتُوْحَاتِ **فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ** غَنِيْمَةَ خَيْبَرَ **وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ** فِيْ عِيَالِكُمْ لَمَّا خَرَجْتُمْ وَهَمَّتْ بِهِمُ الْيَهُوْدُ فَقَذَفَ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ **وَلِتَكُوْنَ** اَيِ الْمُعَجَّلَةُ عَطْفٌ

عَلٰی مُقَدَّرٍ اَیْ لِتَشْکُرُوْهُ **اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ** فِیْ نَصْرِهِمْ **وَیَهْدِیَکُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۲۰﴾** اَیْ طَرِیْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْهِ وَ تَفْوِیْضَ الْاَمْرِ اِلَیْهِ تَعَالٰی **وَّ اُخْرٰی** صِفَةُ مَغَانِمَ مُقَدَّرٌ مُبْتَدَاءٌ **لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا** هِیَ مِنْ فَارِسَ وَالرُّوْمِ **قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا** عَلِمَ اَنَّهَا سَتَکُوْنُ لَکُمْ **وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾** اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِکَ **وَلَوْ قٰتَلَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** بِالْحُدَیْبِیَةِ **لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا** یَحْرُسُهُمْ **وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ مُؤَکِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهُ مِنْ هَزِیْمَةِ الْکَافِرِیْنَ وَ نَصْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیْ سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِکَ **سُنَّةَ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾** مِنْهُ **وَهُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَکَّةَ** بِالْحُدَیْبِیَةِ **مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْهِمْ** فَاِنَّ ثَمَانِیْنَ مِنْهُمْ طَافُوْا بِعَسْکَرِکُمْ لِیُصِیْبُوْا مِنْکُمْ فَاُخِذُوْا وَاُتِیَ بِهِمْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَعَفَا عَنْهُمْ وَخَلّٰی سَبِیْلَهُمْ فَکَانَ ذٰلِکَ سَبَبَ الصُّلْحِ **وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾** بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِکَ **هُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اَیْ عَنِ الْوُصُوْلِ اِلَیْهِ **وَالْهَدْیَ** مَعْطُوْفٌ عَلٰی کُمْ **مَعْکُوْفًا** مَحْبُوْسًا حَالٌ **اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ** اَیْ مَکَانَهُ الَّذِیْ یُنْحَرُ فِیْهِ عَادَةً وَهُوَ الْحَرَمُ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ **وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ** مَوْجُوْدُوْنَ بِمَکَّةَ مَعَ الْکُفَّارِ **لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ** بِصِفَةِ الْاِیْمَانِ **اَنْ تَطَئُوْهُمْ** اَیْ تَقْتُلُوْهُمْ مَعَ الْکُفَّارِ لَوْ اُذِنَ لَکُمْ فِی الْفَتْحِ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنْ هُمْ **فَتُصِیْبَکُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ** اَیْ اِثْمٌ **بِغَیْرِ عِلْمٍ** مِنْکُمْ بِهِ ضَمَائِرُ الْغَیْبَةِ لِلصِّنْفَیْنِ بِتَغْلِیْبِ الذُّکُوْرِ وَ جَوَابُ لَوْلَا مَحْذُوْفٌ اَیْ لَاُذِنَ لَکُمْ فِی الْفَتْحِ لٰکِنْ لَمْ یُؤْذَنْ فِیْهِ حِیْنَئِذٍ **لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ** کَالْمُؤْمِنِیْنَ الْمَذْکُوْرِیْنَ **لَوْ تَزَیَّلُوْا** تَمَیَّزُوْا عَنِ الْکُفَّارِ **لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْهُمْ** مِنْ اَهْلِ مَکَّةَ حِیْنَئِذٍ بِاَنْ نَاْذَنَ لَکُمْ فِیْ فَتْحِهَا **عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۲۵﴾** مُؤْلِمًا **اِذْ جَعَلَ** مُتَعَلِّقٌ بِعَذَّبْنَا **الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** فَاعِلٌ **فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ** الْاَنَفَةَ مِنَ الشَّیْءِ **حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ** بَدَلٌ مِنَ الْحَمِیَّةِ وَهِیَ صَدُّهُمُ النَّبِیَّ ﷺ وَاَصْحَابَهُ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ** فَصَالَحُوْهُمْ عَلٰی اَنْ یَّعُوْدُوْا مِنْ قَابِلٍ وَلَمْ یَلْحَقْهُمْ مِنَ الْحَمِیَّةِ مَا لَحِقَ الْکُفَّارَ حَتّٰی یُقَاتِلُوْهُمْ **وَاَلْزَمَهُمْ** اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ **کَلِمَةَ التَّقْوٰی** لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاُضِیْفَ اِلَی التَّقْوٰی لِاَنَّهَا سَبَبُهَا **وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا** بِالْکَلِمَةِ مِنَ الْکُفَّارِ **وَاَهْلَهَا** عَطْفٌ تَفْسِیْرِیٌّ، **وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾** اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِکَ وَمِنْ مَعْلُوْمَاتِهٖ تَعَالٰی اَنَّهُمْ اَهْلُهَا **لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ** رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی النَّوْمِ عَامَ الْحُدَیْبِیَةِ قَبْلَ خُرُوْجِهٖ اَنَّهٗ یَدْخُلُ مَکَّةَ هُوَ وَاَصْحَابُهٗ اٰمِنِیْنَ وَیُحَلِّقُوْنَ وَیُقَصِّرُوْنَ فَاَخْبَرَ بِذٰلِکَ اَصْحَابَهٗ فَفَرِحُوْا فَلَمَّا خَرَجُوْا

مَعَهٗ وَصَدَّهُمُ الْكُفَّارُ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَرَجَعُوْا وَ شَقَّ عَلَيْهِمْ ذٰلِكَ وَرَابَ بَعْضَ الْمُنَافِقِيْنَ نَزَلَتْ وَقَوْلُهٗ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِصَدَقَ اَوْ حَالٌ مِنَ الرُّؤْيَا وَمَا بَعْدَهَا تَفْسِيْرٌ لَهَا **لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ** لِلتَّبَرُّكِ **اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ** اَيْ جَمِيْعَ شُعُوْرِهَا **وَ مُقَصِّرِيْنَ** اَيْ بَعْضَ شُعُوْرِهَا وَهُمَا حَالَانِ مُقَدَّرَتَانِ **لَا تَخَافُوْنَ** اَبَدًا **فَعَلِمَ** فِي الصُّلْحِ **مَا لَمْ تَعْلَمُوْا** مِنَ الصَّلَاحِ **فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ** اَيِ الدُّخُوْلِ **فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾** هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ وَ تَحَقَّقَتِ الرُّؤْيَا فِي الْعَامِ الْقَابِلِ **هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ** اَيْ دِيْنَ الْحَقِّ **عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** عَلٰى جَمِيْعِ بَاقِي الْاَدْيَانِ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾** اِنَّكَ مُرْسَلٌ بِمَا ذُكِرَ كَمَا قَالَ **مُحَمَّدٌ** مُبْتَدَاءٌ **رَّسُوْلُ اللّٰهِ** خَبَرُهٗ **وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ** اَيْ اَصْحَابُهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهٗ **اَشِدَّآءُ** غِلَاظٌ **عَلَى الْكُفَّارِ** لَا يَرْحَمُوْنَهُمْ **رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** خَبَرٌ ثَانٍ اَيْ مُتَعَاطِفُوْنَ مُتَوَادُّوْنَ كَالْوَالِدِ مَعَ الْوَلَدِ **تَرٰهُمْ** تُبْصِرُهُمْ **رُكَّعًا سُجَّدًا** حَالَانِ **يَّبْتَغُوْنَ** مُسْتَانِفٌ يَطْلُبُوْنَ **فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ** عَلَامَتُهُمْ مُبْتَدَاءٌ **فِيْ وُجُوْهِهِمْ** خَبَرُهٗ وَهِيَ نُوْرٌ وَ بَيَاضٌ يُعْرَفُوْنَ بِهٖ فِي الْاٰخِرَةِ اَنَّهُمْ سَجَدُوْا فِي الدُّنْيَا **مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ** مُتَعَلِّقٌ بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَبَرُ اَيْ كَائِنَةً وَاُعْرِبَ حَالًا مِنْ ضَمِيْرِهِ الْمُنْتَقِلِ اِلَى الْخَبَرِ **ذٰلِكَ** اَيِ الْوَصْفُ الْمَذْكُوْرُ **مَثَلُهُمْ** صِفَتُهُمْ **فِي التَّوْرٰىةِ** مُبْتَدَاءٌ وَخَبَرُهٗ **وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ** مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهٗ **كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ** بِسُكُوْنِ الطَّآءِ وَ فَتْحِهَا فِرَاخَهٗ **فَاٰزَرَهٗ** بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ قَوَّاهُ وَاَعَانَهٗ **فَاسْتَغْلَظَ** غَلُظَ **فَاسْتَوٰى** قَوِيَ وَاسْتَقَامَ **عَلٰى سُوْقِهٖ** اُصُوْلِهٖ جَمْعُ سَاقٍ **يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ** اَيْ زُرَّاعَهٗ لِحُسْنِهٖ مِثْلُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهُمْ بَدَءُوْا فِيْ قِلَّةٍ وَضُعْفٍ فَكَثُرُوْا وَقَوُوْا عَلٰى اَحْسَنِ الْوُجُوْهِ **لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهٗ اَيْ شُبِّهُوْا بِذٰلِكَ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ** اَيِ الصَّحَابَةِ لِبَيَانِ الْجِنْسِ لَا لِلتَّبْعِيْضِ لِاَنَّ كُلَّهُمْ بِالصِّفَةِ الْمَذْكُوْرَةِ **مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾** اَلْجَنَّةَ وَهُمَا لِمَنْ بَعْدَهُمْ اَيْضًا فِيْ اٰيَاتٍ

ع ۴ ۱۲

ترجمہ: .... یقیناً اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہو گیا جو آپ سے (حدیبیہ میں) بیعت کر رہے تھے۔ درخت کے نیچے جو کیکر کا تھا اور یہ مسلمان تیرہ سو یا زیادہ تھے۔ جنہوں نے پھر آنحضرت ﷺ سے اس پر بیعت کر لی کہ ہم قریش سے مقابلہ کریں گے اور مرنے سے جی نہیں چرائیں گے) اور (اللہ) کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا (وفاداری اور سچائی) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان پیدا فرما دیا اور ان کو لگے ہاتھوں فتح دے دی (حدیبیہ سے واپسی پر خیبر فتح کرا دیا) اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ حاصل کر رہے ہیں (یعنی فتوحات خیبر) اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے ہمیشہ ان خوبیوں کا مالک رہا ہے) اور بہت سی غنیمتوں کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے تم سے کر رکھا ہے۔ جن (فتوحات) کو تم حاصل کرو گے سو سر دست تو تمہیں (یہ خیبر کی غنیمت) دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے (تمہارے اہل و عیال سے جب تم خیبر میں چلے گئے اور یہود نے ان اہل و عیال پر حملہ آور ہونا چاہا تو اللہ نے یہودیوں کے دلوں پر ہیبت طاری کر دی) اور تا کہ

ہو جائے (یہ فوری غنیمت اس کا عطف مقدر پر ہورہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے تشکرو ہ ولتکون) اہل ایمان کے لئے نمونہ (ان کی امداد کے سلسلہ میں) اور تا کہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے (یعنی توکل اور اللہ کے بھروسہ کرنے کے طریقہ پر) اور ایک فتح اور بھی ہے (صفت مغانم مقدر کی یہ مبتداء ہے) جو تمہارے قبضہ میں نہیں آئی (فتح فارس وروم مراد ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے (اسے خبر ہے کہ وہ فتح عنقریب تمہیں حاصل ہو کر رہے گی) اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (ہمیشہ اس کی یہ صفت رہتی ہے) اور یہ کافر (حدیبیہ میں) اگر تم سے لڑتے بھڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر ان کو نہ کوئی یار ملتا (جو ان کی حفاظت کرتا ہے) اور نہ مددگار، اللہ تعالیٰ نے یہی دستور کر رکھا ہے (یہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے جو کفار کی شکست اور مسلمانوں کی مدد سے متعلق تھا۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا ہے) جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں ردوبدل نہیں پائیں گے۔ اور اللہ ہی نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے باز رکھے۔ وادی مکہ (حدیبیہ) میں اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا کیونکہ اسی (۸۰) کفار مکہ تمہاری گھات میں لگ گئے تھے تمہاری نقصان رسانی کے درپے ہو کر مگر پکڑ لئے گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے درگزر فرما کر ان کو رہا فرمایا۔ انجام کار یہی واقعہ سبب صلح بن گیا) اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا (یعلمون یا اور تا کے ساتھ یعنی اللہ ہمیشہ اس خوبی کا مالک رہتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام (تک پہنچنے) سے روکا اور قربانی کے جانور کو (اس کا عطف ضمیر کم پر ہورہا ہے) جو رکا ہوا (بمعنی منع یہ حال ہے) رہ گیا اپنی جگہ پر پہنچنے سے (جہاں اس کی عادۃً قربانی کی جاتی ہے یعنی حرم یہ بدل اشتمال ہے) اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں (کفار کے ساتھ مکہ میں) جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی (ان کے ایمان کی) ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا (یعنی یہ کہ کفار کے ساتھ وہ بھی مارے جاتے۔ اگر تمہیں مہم سر کرنے کی اجازت دے دی جاتی۔ یہ ضمیر ھم سے بدل اشتمال ہے) جس پر ان کی وجہ سے تمہیں بھی مصیبت پہنچتی (یعنی گناہ ہوتا) بے خبری میں (تمہاری طرف سے۔ غائب کی ضمیریں مرد وعورت دونوں کی طرف راجع ہیں لولا کا جواب محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لاذن لکم فی الفتح لکن لم یوذن فیه حینئذ) تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (جیسے مذکورہ مومنین کو داخل کیا ہے) اگر یہ علیحدہ ہو گئے ہوتے (کافروں سے الگ ہو جاتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو سزا دیتے (یعنی کفار مکہ کو اس صورت میں، تمہیں فتح مکہ کی اجازت دے کر) دردناک (تکلیف دہ) جب کہ جگہ دی (اس کا تعلق عذبنا کے ساتھ ہے) ان کافروں نے (یہ فاعل ہے) اپنے دلوں میں عار (تکبر) کو، اور عار بھی جاہلیت کی (یہ حمیت سے بدل ہے اور وہ جاہلانہ عار، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو مسجد حرام میں داخلہ سے روکنا ہے) سو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے قوت برداشت عطا فرمائی (چنانچہ انہوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ سال آئندہ آئیں گے اور انہیں کافروں جیسی عار نہیں لگی کہ لڑائی مول لے لیتے) اور اللہ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا لا اله الا الله محمد رسول الله اور اس کلمہ کی اضافت تقویٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ کلمہ سبب تقویٰ ہے اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں (کلمہ کی بنسبت کفار کے) اور اس کے اہل ہیں (عطف تفسیری ہے) اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (ہمیشہ اس کی یہی شان ہے اور اللہ کے علم میں پہلے سے یہ ہے کہ یہ اس کے اہل ہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو واقع کے مطابق ہے (آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے سال حدیبیہ جانے سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ باطمینان مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور کچھ لوگ سر منڈوا رہے ہیں اور کچھ بال کترو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس خواب کا ذکر صحابہ سے کیا تو سن کر صحابہؓ خوش ہوئے لیکن جب آپ صحابہؓ کی بیعت میں عازم ہوئے اور کافروں نے مقام حدیبیہ میں روک دیا اور سب کو واپس ہونا پڑا تو صحابہؓ اس سے ملول ہوئے اور بعض منافقین تردد کا شکار بھی ہو گئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بالحق کا تعلق صدق سے ہے یا رویا سے حال ہے اور بعد کا جملہ اس کی تفسیر ہے) تم لوگ ضرور مسجد حرام میں جاؤ گے انشاء اللہ تبرکاً فرمایا

ہے امن وامان کے ساتھ کوئی (سارے) سرکو منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کٹاتا ہوگا (یعنی بالوں کا کچھ حصہ یہ دونوں لفظ حال مقدر ہیں) کسی طرح کا (کبھی) اندیشہ نہ ہوگا۔ سو اللہ کو (صلح کی نسبت) وہ باتیں معلوم ہیں (جن مصالح کو) تم نہیں جانتے پھر اس (مکہ میں حاضری) سے پہلے لگے ہاتھوں ایک اور فتح دے دی (فتح خیبر مراد ہے اور اگلے سال خواب بھی پورا ہوگیا) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ (دین حق) کو غالب کردے) باقی تمام دینوں پر، اور اللہ کافی گواہ ہے (اس پر کہ آپ مذکور پیغامات دے کر بھیجے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) محمد (مبتدا ہے) اللہ کے رسول ہیں (یہ خبر ہے) اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (مومن صحابہؓ، یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ تیز (سخت) ہیں کافروں کے مقابلہ میں ان پر رحم نہیں کھاتے آپس میں مہربان ہیں یہ دوسری خبر ہے یعنی ایک دوسرے سے تعلق خاطر اور محبت رکھتے ہیں جیسا کہ باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے) اے مخاطب تو دیکھے گا تجھے نظر آئے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، (یہ دونوں حال) ہیں جستجو میں لگے ہیں (جملہ مستانفہ ہے) یعنی تلاش میں رہتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے فضل اور خوشنودی کی، ان کے آثار (نشانات) یہ مبتداء ہے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں (یہ خبر ہے آثار سے مراد نور اور چمک ہے جس سے معلوم ہوجائے گا کہ انہوں نے دنیا میں سجدے کئے تھے) بوجہ تاثیر سجدہ کے اس کا تعلق بھی خبر کے متعلق ہی سے ہے یعنی کائنۃ سے، اور اس پر حال کا اعراب ہے اس ضمیر کی وجہ سے جو خبر کی طرف راجع ہے) یہ (مذکورہ تعریف) ان کے اوصاف (صفات) ہیں تورات میں (یہ مبتداء اور خبر ہے) اور انجیل میں (مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان کی یہ شان ہے کہ کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی سوئی نکالی (لفظ شطا سکون طا اور فتحہ طاء کے ساتھ یہ دونوں طرح ہے کونپل مراد ہے) پھر اس نے اس کو قوی کردیا (لفظ ازر مد کے ساتھ اور بغیر مد دونوں طرح ہے یعنی اس کو مضبوط کردیا اور اس میں بڑھوتری کردی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوگئی (طاقت ور سیدھی کھڑی ہوگئی) پھر اپنے تنے پر وہ سیدھی کھڑی ہوگئی (سوق، ساق کی جمع ہے) کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (یعنی کھیتی عمدہ ہونے کی وجہ سے بھلی معلوم ہونے لگی۔ صحابہؓ کی یہ مثال اس لئے دی گئی کہ وہ شروع میں کم اور کمزور تھے۔ پھر خوب بڑھے اور مضبوط تر ہوگئے) تاکہ ان کے ذریعہ سے کافروں کو جلائے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے جس پر پچھلا مضمون ولالت کر رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ شبھوا بذلک) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں وعدہ کر رکھا ہے (یعنی صحابہؓ سے من بیان جنس کے لئے ہے من تبعیضیہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمام صحابہؓ کی یہی شان تھی) بخشش اور بڑے ثواب کا (جنت کا اور یہ دونوں وعدے دوسری آیات کی وجہ سے بعد کے لوگوں کے لئے بھی ہیں)۔

تحقیق وترکیب:..........**الشجرۃ** ۔ کیکر کا درخت جو ریگستانی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے جس کو طلح بھی کہتے ہیں۔ لیکن جمہور مفسرینؒ کی رائے ہے کہ طلح کیلے کو کہتے ہیں۔

ابن عمرؓ سے شرح مواہب میں ہے کہ شجرہ کا مصداق مخفی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر متعین کردیا جاتا تو عوام تعظیم میں غلو کرنے لگتے۔

بما جزوا ۔ بمعنی مقاتلہ تفسیری عبارت کے دونوں جملوں میں منافات نہیں ہے بلکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

وعدکم: اس میں خطاب کی طرف التفات ہے اہل حدیبیہ کی تکریم کے لئے۔

فعجل لکم ۔ مستقبل کو ماضی کے ساتھ لانے میں اس کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ جو امر مقدر ہوچکا ہے اس کی یہ خبر از قبیل اخبار غیب ہے۔ ابن جبیرؓ، مجاہدؒ، اور قتادہؒ سے نقل کرتے ہیں اور عام مفسرین کی رائے غنیمت خیبر کی ہے، لیکن بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔

فی عیالکم ای عن عیالکم ۔ سفر حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے اور الناس سے اہل خیبر اور ان کے حلیف بنو اسد وغطفان مراد ہیں۔ جیسا کہ

تفسیری عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر صرف بنو اسد وغطفان مراد لئے جائیں تو پھر خیبر کی طرف خروج ہوگا۔

ولتکون ای لتشکروا ولتکون ایة۔

للمومنین۔ آنحضرت ﷺ کی صداقت کے نشانات فتوحات مراد ہیں۔

واخریٰ۔ اس کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہوا اور **لم تقدروا علیھا** اس کی صفت ہے اور **قد احاط اللہ بھا** خبر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی خبر محذوف مقدر ہو۔ **ای و ثم اخری لم تقدروا علیھا**۔ تیسرے یہ کہ فعل مضمر علی شرط التفسیر کی وجہ سے منصوب ہو۔ **وقضی اللہ اخریٰ**۔ چوتھے یہ کہ فعل منصوب فعل مضمر علی غیر شرط التفسیر ہو **ای ووعدکم اخریٰ یاو آتاکم اخریٰ** پانچویں یہ کہ رب مقدر کی وجہ سے مجرور ہو۔ بقول زمخشریؒ یہ واو رب ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف مشہور ہے کہ رب مقدر کی وجہ سے مجرور ہے یا واو بمعنی رب کی وجہ سے۔ مفسرؒ نے اخریٰ کا مبتدا ہونا تو ذکر کر دیا لیکن خبر نہیں بیان کی یعنی **قد احاط اللہ بھا** اور **لم یقدروا علھا** مبتداء کی صفت ہے۔

الذین کفروا۔ مراد اہل مکہ ہیں جن میں خالد بن ولیدؓ بھی تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ کراع غمیم تک آپہنچے تھے مگر حملہ آور نہیں ہو سکے۔

سنة اللہ۔ یعنی غلبہ انبیاء جیسے **لا غلبن انا ورسلی** فرمایا گیا ہے۔

بطن مکه۔ بطن سے مراد مقام حدیبیہ اور مکہ سے مراد حرم ہے جس میں حدیبیہ بھی داخل ہے۔ یا حدیبیہ چونکہ اس سے متصل ہے اس لئے دونوں اعتبار سے حدیبیہ کو بطن مکہ کہنا صحیح ہے۔

والهدیٰ۔ عام قراءؒ اس کو ضمیر منصوب کم پر عطف کرتے ہوئے یا مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب مانتے ہیں۔ لیکن ابو عمروؒ ایک روایت میں مسجد حرام پر عطف کرتے ہوئے مجرور پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ **ای وعن نحر الهدی** اور ایک قراءت رفع کی بھی ہے فعل مقدر مجہول کی وجہ سے **ای وصد الهدیٰ** اس کی عام قراءت فتحہ ہا اور سکون دال کے ساتھ ہے۔ لیکن عمرؒ اور ابو عاصمؒ وغیرہ کسر دال اور تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ابن خالدیہؒ نے اس میں فن لغت نقل کئے ہیں۔ الھدی، الھدی، الھدی۔

معکوفا۔ علف بمعنی حبس لازم ہے اور الہدیٰ سے حال ہے۔

محله۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ محصر کے لئے ہدی کا محل حرم ہے اور محل سے مراد مخصوص جگہ یعنی منیٰ ہے۔

بہر حال محل سے مراد خاص وہ مکان نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ قربانی جائز نہ ہو۔ تاکہ اس کو اس کی دلیل بنایا جائے کہ محصر کے لئے محل ھدی صرف حرم ہے جیسا کہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔ یہ ہدی سے بدل اشتمال ہے اور حذف جار بھی مانا جا سکتا ہے۔ **ای عن ان یبلغ الهدی محله** اور جار مجرور یا صدوکم سے متعلق ہو جائے گا یا معکوفا سے۔

ان تطؤھم۔ وطی کے اصل معنی روندنے کے ہیں یہاں مراد قتل ہے یہ لفظ ہم سے بدل اشتمال ہے یا رجال ونساء سے بدل ہے مذکر کی تغلیب کرتے ہوئے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **لو لا وطی رجال ونساء موجودون**۔

معرة۔ بروزن **مفعلة**۔ عرہ بمعنی عراہ سے ناگوار چیز کو کہتے ہیں۔ ابن جریرؒ، ابن عباسؓ، سے یہی معنی نقل کر رہے ہیں اور مفسر کے اسم کے ساتھ تفسیر کرنے سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ قتل وقتال سے صرف گناہ ہوتا ہے۔ کچھ اور چیز اس پر لازم نہیں ہوتی۔ لیکن ابو اسحٰق دیت کے معنی لیتے ہیں

اور بعض کفارہ کے معنی لیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

بغیر علم ۔ یعنی تمہیں گناہ کی خبر نہیں ہے۔ اس طرح اب تکرار کا شبہ بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ **لم تعلموھم** کا تعلق ان کی ذوات سے ہے بلحاظ ایمان اور بغیر علم کا تعلق گناہ سے ہے۔

وجواب لو لا . ای لولا کراھة ان تھلکوا انا سا مومنین بین اظھر الکفار حال کونکم جاھلین بھم فیصیبکم باھلاکھم مکروہ لماکف ایدیکم عنھم۔

اذ جعل ۔ یہ عذبنا کا ظرف ہے اور صدوکم سے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔

الحمیة ۔ بخاری شریف میں ان کی حمیت جاہلیت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو نبی نہ ماننا، بسم اللہ کی بجائے **با سمک اللھم** لکھنے پر اصرار کرنا اور حضور ﷺ کو فی الوقت عمرہ سے روک دینا حمیت جاہلیت ہے۔

فانزل اللہ ۔ اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای **فضاقت صدور المسلمین واشتد الکرب علیھم فانزل السکینة۔**

والزمھم ۔ یہ الزام بطور تکریم ہے اور کلمہ تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہے، ابن جریرؒ، عطاؒ، خراسانیؒ اور ترمذیؒ ابی ابن کعبؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ **لا الہ الا اللہ** مراد ہے۔ اور ابن جریرؒ، زہریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ بسم اللہ مراد ہے۔ کلمۃ التقوی میں اضافت ادنی تلبس کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر تقویٰ سے مراد اہل تقویٰ ہوں تو پھر اضافت حقیقیہ ہوگی۔

احق بھا ۔ علم الٰہی میں چونکہ صحابہؓ کو اسلام سے منتخب کر لیا گیا ہے اس لئے وہی احق بالتقویٰ ہیں۔

لقد صدق ۔ یعنی اس خواب کی تعبیر اگرچہ ایک سال بعد ظاہر ہوئی اور علم الٰہی میں محقق تھی۔ تاہم یہ خواب اضغاث احلام میں سے نہیں ہے۔ اور تفسیر خازن میں صدق اللہ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ نے آپ کو حدیبیہ میں خبر دی کہ آپ کا داخلہ برحق اور سچ ہے۔ لیکن ایک سال پہلے دیکھنے کا قول اصح ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی اور عبداللہ ابن نفیل اور رفاعہ بن حارث نے اعتراضاً کہا بھی ہے کہ **واللہ ما حلقنا ولا قصرنا ولا راینا المسجد الحرام** اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

با لحق ۔ میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ صدق سے متعلق ہو۔ دوسرے یہ کہ مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای صادقا متلبسا بالحق۔ تیسرے یہ کہ محذوف کا حال ہو ای **متلبسة بالحق**۔ چوتھے یہ قسم ہو اور اس کا جواب لتدخلن ہو۔ اس صورت میں رویا پر وقف کرنا پڑے گا۔

انشاء اللہ ۔ بندوں کو ادب کی تعلیم اور تفویض کی تعلیم بھی ہے تعلیق کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہاں تعلیق بے معنی ہوگی۔ بلکہ تبرک کے لئے ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مشیت الٰہی پورے لشکر کے اعتبار سے ہے۔ اور وہ قضاء مبرم ہے۔ اگرچہ حاضری نصف یعنی سات سو کی ہوئی ہے اور بعض نے اس تعلیق کو فرشتہ کی یا آنحضرت ﷺ کی طرف سے حکایت مانا ہے۔

اٰمنین ۔ یہ حال ہے لتدخلن کے واؤ محذوفہ سے ای **اٰمنین فی حال الدخول لا تخافون عدو کم ان یخرجکم** تفسیر کی عبارت حالان کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دونوں حال ہیں واؤ محذوفہ سے اور یا آمنین سے حال ہیں اول صورت میں حال مترادفہ اور دوسری صورت میں حال متداخلہ ہوگا۔ اور لاتخافون جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور حال بھی ہوسکتا ہے لتدخلن کے فاعل سے یا آمنین کی ضمیر سے یا محلقین یا مقصرین سے پہلی صورت میں تاکید ہو جائے گی۔

مقلدو تان ۔ اب یہ شبہ نہیں رہا کہ دخول کی حالت تو احرام کی حالت ہے اور اس وقت حلق وقصر نہیں ہوسکتا۔ پھر کیسے حال بنانا صحیح ہوگا۔ لیکن کہا جائے گا حال مقدرہ ہے۔

لا تخافون ۔ اگرچہ آمنین کے بعد یہ لفظ بظاہر مکرر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ **آمنین** سے مراد حرم میں داخلہ کے وقت امن ہے اور **لا تخافون** میں آئندہ کے لئے امن کا وعدہ ہے۔

فتحا قریبا ۔ بغویؒ کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور خواب کی تعبیر عمرہ قضا کی صورت میں پوری ہوئی۔

علی الدین کلہ۔ تمام ادیان سابقہ پر اسلام کا غلبہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد پر اسلام کا غلبہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً دلائل براہین کے ذریعہ اسلام کا غلبہ مراد ہے۔

و کفی باللہ شھیدا ۔ یعنی اللہ اپنے وعدہ کے پورا ہونے پر گواہ ہے اور حسن سے منقول ہے کہ اسلام کے غلبہ پر اللہ کی گواہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے کہ کفاہ اللہ شھیدا اور شہید حال یا تمیز ہے اور ''محمد'' تقدم ہو الذی کی وجہ سے خبر ہے مبتدائے محذوف کی ''ای ھو محمد'' یا مبتداء ہے اور خبر رسول اللہ ہے۔

رکعا سجدا ۔ یہ دونوں تراحم کے مفعول سے حال ہے ای تشاھدھم حال کونھم راکعین ساجدین لمواظبتھم علی الصلوٰۃ۔

یبتغون ۔ جملہ مستانفہ ہے کہ رکوع وسجود کی مواظبت پر سوال ہوا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یبتغون اس کا جواب ہے۔

سیماھم ۔ طول سجود کے نشانات مراد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ من کثر صلوٰتہ باللیل حسن وجھہ بالنھار۔ اور یا وہ نور مراد ہے جو قیامت میں وجہ امتیاز ہوگا۔ طبرانیؒ نے ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے سیماھم النور یوم القیمۃ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ خشوع و خضوع مراد ہے اور سعید بن جبیر کے نزدیک پیشانی پر سجدہ کی مٹی مراد ہے۔ شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ نشانات سجدہ، قمر لیلۃ البدر کی طرح روشن ہوں گے۔

من ضمیرہ ۔ یعنی خبر کا تعلق اور الی الخمر سے جار مجرور مراد ہے۔

مثلھم ۔ یہ مبتداء ہے اور فی الانجیل خبر ہے اور یہ جملہ ذلک کی خبر ہے یا ذلک مبتدا اور مثلھم اس کی خبر اور فی التوراۃ مثلھم سے حال ہے۔ مثلھم فی الانجیل مبتداء ہے کزرع الخ اس کی خبر ہے۔ اس صورت میں فی التوراۃ پر وقف ضروری ہوگا۔ یہ دو مثالیں ہوں گی۔ جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ثانی مثلھم پہلے مثلھم پر معطوف ہے۔ اس صورت میں فی الانجیل پر وقف کیا جائے گا اور دونوں کتابوں میں ایک ہی مثال ہوگی۔ اور کزرع خبر ہو جائے گی۔ مبتدائے محذوف کی ای ھثلھم کزرع الخ اور جملہ مستانفہ ہو جائے گا

شطأہ ۔ کھیت اور درختوں کی کونپل مراد ہے۔ فرخ الزرع یعنی کھیت پھول کر پھٹنے کے قریب ہے۔

فآزرہ ۔ دراصل اکرم یکرم کے وزن پر ہے۔ مشہور قاعدہ صرفی کی وجہ سے ہمزہ کو ماضی میں الف سے بدل دیا گیا ہے اور ازر بالقصر ثلاثی سے ضرب سے ہے بمعنی طاقت ور کرنا۔

ابن جریرؒ قتادہؒ سے نقل کرتے ہیں۔ سیماھم فی وجوھھم ای علامتھم فی الصلوٰۃ یہ تورات کی مثال ہے اور انجیل کی مثال کزرع اخرج الخ ہے جو صحابہ کی شان میں آئی ہے۔ اور ابن جریر ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ شروع میں کم تعداد تھے پھر کثیر التعداد ہو گئے اور مضبوط بن گئے۔

ابن جریرؒ اور حاکمؒ، ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ تم کھیت کی طرح ہو جو پکنے کے قریب پہنچ گیا اور بعض اکابر کی رائے ہے کہ زراع آنحضرت ﷺ ہیں اور شطأہ سے مراد صحابہؓ ہیں۔

لیغیظ بھم الکفار: صحابہ کی ترقی کی یہ علت ہے۔ امام مالک کی ایک روایت روافض کی تکفیر کی ہے۔ کیونکہ انکو صحابہ سے غیظ ہے اور غیظ صحابہ از روئے آیت کفر ہے۔ جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے۔

منھم ۔ ضمیر جمع معنی شطأہ کی طرف ہے۔ اس میں لفظ کی رعایت نہیں کی گئی اور من تبعیضیہ نہیں ہے بلکہ بیان جنس کیلئے ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ کی

یہی شان ہے اس لئے روافض کے لئے گنجائش کلام نہیں رہی۔ اور بعض اہل لطائف نے اس آیت سے خلفائے اربعہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے اس طرح کہ " اخرج شطاہ " سے صدیق اکبرؓ اور فازرہ سے فاروق اعظم اور فاستغلظ سے حضرت عثمان غنیؓ، اور " فاستوی علی سوقہ " سے حضرت علیؓ کے ادوار کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.........لقد رضی اللہ۔ صلح حدیبیہ کے مقام پر جو بیعت جہاد کیکر کے درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ نے لی۔ اس کی نسبت " رضی " فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے۔

ما فی قلوبھم۔ سے مراد ظاہراً اندیشہ اور بباطن صدق واخلاق، حسن نیت وتوکل اور جوش اسلامی مراد ہے۔ البتہ ابوحیان کی رائے ہے کہ صلح اور اس کی شرائط کے سلسلہ میں جو رنج وغم اور اضطراب دلوں پر چھا رہا تھا وہ مراد ہے۔ چنانچہ انزل السکینہ بھی اس پر قرینہ ہے۔

حدیبیہ، فتح خیبر کا اور وہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا:.........فتحا قریبا۔ اس سے فتح خیبر مراد ہے جس سے صحابہؓ آسودہ حال ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عزیز حکیم ہے۔ اسلئے اس نے حدیبیہ کی کسر خیبر میں نکال دی۔ فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے موقعہ پر بھی انہی کرشموں کا ظہور ہوا۔ غرضیکہ فتوحات کی ابتدا خیبر سے ہوئی۔ حدیبیہ اور خیبر دونوں جگہ کھلے عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی نہ کفار سے آمنے سامنے جنگ ہوئی اور نہ غائبانہ مسلمانوں کے اہل وعیال کو کوئی گزند پہنچا سکے۔

واخری لم تقدروا۔ بیعت الرضوان کا فوری صلہ تو فتح خیبر کی صورت میں سامنے آ گیا اور فتح مکہ اگرچہ فوری نہ سہی مگر مل کر رہی۔ اول تو وہ علم الٰہی میں طے تھی۔ دوسرے وہ بھی اسی صلح کے نتیجہ میں حاصل ہو سکی پس یہ صلح ہی فتح مکہ کا پیش خیمہ بنی۔ فتح خیبر چونکہ صلح حدیبیہ کے بعد ہوئی۔ اس لئے یہ آیات اگر راستہ میں بھی نازل ہوئی ہوں۔ تو اس سورت کا واپسی میں نازل ہونا بلحاظ اکثر اجزاء کے ہوگا۔ جیسا کہ ساتویں واقعہ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور جس قدر غنائم اس آیت کے بعد حاصل ہوئے وہ سب مغانم کثیرہ کے مصداق ہوں گے۔

اور انزل السکینۃ جو یہاں ہے وہ بیعت کے وقت کا مضمون ہے اس لئے اس سے مراد تحمل وضبط نفس وقت صلح مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ اسی سورت میں آئندہ اس لفظ سے مراد لی گئی ہے۔

اور فتح مکہ بھی اگرچہ مغانم کثیرہ کے عموم میں داخل ہے۔ لیکن صحابہ کے اشتیاق کے پیش نظر واخری لم تقدروا میں خصوصیت سے اس کا ذکر فرما دیا گیا ہے۔

سنۃ اللہ:.........ولو قاتلکم۔ یعنی اگر لڑائی ہوتی تو مسلمان ہی غالب رہتے اور کفار بھاگتے نظر آتے۔ مگر اللہ کی یہ حکمت ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور گو یہ اس وقت فتح نہیں ہے۔ مگر مآلاً فتح ہے۔ اللہ کا اٹل طریقہ ہے کہ جب اہل حق وباطل میں آویزش ہوتی ہے تو انجام کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب ہوا کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اہل حق مجموعی طور پر پوری طرح حق پر قائم ہوں۔

اور بعض حضرات لن تجد لسنۃ اللہ الخ کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کی عادت کو اور سنۃ اللہ کے موافق جو کام ہو اس کو بدل سکے۔

حدیبیہ کی صلح میں مصالح:.........وھو الذی کف۔ مشرکین کی کچھ ٹولیاں " حدیبیہ " پہنچی تھیں کہ موقعہ پا کر حضور ﷺ کو شہید کر ڈالیں یا اکیلے دکیلے مسلمانوں کو ستائیں، کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی حتیٰ کہ ایک مسلمان کو شہید بھی کر ڈالا، بے ہودہ اور اشتعال انگیز کلمات بکتے بھی پھرے۔ صحابہؓ نے ان کو گرفتار کر کے خدمت اقدس میں پیش بھی کر دیا مگر حضور ﷺ نے ازراہ کرم ان کو معاف کر دیا اور کچھ تعرض نہیں فرمایا۔ اس

آیت میں اسی قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور مقام حدیبیہ کو بطن مکہ قرب کی وجہ سے کہا ہے گویا شہر کے بیچ ہے۔ بہر حال کفار کی شرارتیں اور مسلمانوں کا عفو وتحمل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔

و صدو کم۔ یعنی مشرکین نے قربانی کے جانور ذبح کی مقررہ جگہ تک نہ پہنچنے دیئے۔ اس طرح حدیبیہ ہی میں رکے رہے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مکہ میں مقہور ومجبور اور وہ مظلوم مسلمان کہ جن کو دوسرے مسلمان جانتے بھی نہ تھے۔ کہیں قتل نہ کر دیئے جائیں گے۔ تو فی الحال ہی لڑائی کا حکم دے دیا جاتا۔ مگر اس صورت میں خود مسلمان اس قومی نقصان پر کف افسوس ملتے۔ نیز کافروں کو برملا یہ کہنے کا موقعہ ہاتھ آتا، کہ دیکھو مسلمان، مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔

غرض ان وجوہ سے لڑائی موقوف رکھی گئی۔ کہ ایک طرف کمزور مسلمان محفوظ رہ سکیں اور دوسری طرف تمہارے بے مثال صبر وتحمل کی بدولت رحمت الٰہی جوش میں آئے۔ نیز جن کافروں کے لئے آئندہ اسلام مقدر ہے انہیں جنگ کی ہولناکیوں سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ اس طرح ساری بے ادبی کافروں کے سر رہی کہ عمرہ کرنے والوں کو روکا۔ اور قربانی کے دستور کے مطابق مقررہ جگہوں پر پہنچنے نہ دیا۔ مگر مسلمان باادب رہے۔

بظاہر فتح اسی وقت مناسب تھی۔ مگر کمزور مسلمان مکہ میں چھپے ہوئے تھے۔ اس وقت فتح میں وہ پس جاتے اور کچھ کی قسمت میں بھی مسلمان ہونا تھا۔ آخر دو برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے۔ تب اللہ نے مکہ فتح کرا دیا۔ البتہ اگر مسلمان کفار سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو کیسا مزہ چکھاتے۔

چند شبہات کا ازالہ:.......... بظاہر الفاظ لم تعلموھم اور بغیر علم میں اسی طرح لو لا رجال اور لم تزیلو ا میں تکرار معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اگر اول کے دونوں لفظوں کو تفصیل اور اخیر کے دونوں لفظوں کو اس تفصیل کا اجمال کہا جائے تو پھر تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ کیوں ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا دور کرنا اختیار میں ہو اور پھر اس کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو یہ کوتاہی گناہ ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ صحابہ میں اس کوتاہی کا احتمال کب ہے۔

جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ اس کی طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی اور صحابہ کرام میں اس قسم کی بے توجہی محل اشکال نہیں۔ اور حدیبیہ کو انتہائی قرب کی وجہ سے بطن مکہ اور عین مکہ کہنے سے حنفیہ کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ حدیبیہ کا ایک حصہ حرم میں داخل ہے۔ البتہ جملہ **معکو فا ان یبلغ محلہ** سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ حرم میں داخل نہیں ہے۔ ورنہ یہ کیوں کہا جاتا کہ ہدی اپنے محل میں پہنچنے سے روک دی گئی۔ جب کہ قربانی حدیبیہ میں موجود ہے اور حدیبیہ داخل حرم ہے؟

جواب یہ ہے کہ محل سے مراد مطلقاً حرم نہیں ہے بلکہ دستور ورواج کے مطابق مقررہ جگہ مراد ہے۔ جہاں قربانی کے جانور ذبح ہوا کرتے تھے۔ قربانی کے دنوں میں منیٰ اور دوسرے اوقات میں مکہ میں جانور ذبح ہوتے تھے۔ چنانچہ شامی نے اس کی اولویت نقل کی ہے۔

اور روایت کا اطلاق حج وعمرہ دونوں کو شامل ہے۔ اور جمہور کے نزدیک حدیبیہ، حرم سے خارج ہے۔ ان کے نزدیک اس کو بطن مکہ کہنا محض قریب ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے نہیں جمہور کی رائے پر۔ البتہ یہ شبہ رہے گا کہ محصر کے لئے محل ہدی جب کہ خود محل احصار ہے۔ پھر اس مقام پر پہنچ کر **معکو فا ان یبلغ محلہ** کے کیا معنیٰ؟ لیکن جمہور بھی یہی جواب دیں گے کہ محل سے مراد مطلقاً حرم نہیں ہے۔ بلکہ مشہور مقررہ مقام مراد ہے۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی: ....حمية الجاهلية۔ مشرکین کی طرف سے صلحنامہ میں دفعات رکھنا کہ ''مسلمان اسی سال عمرہ نہیں کر سکتے بلکہ آئندہ سال آسکتے ہیں۔ لیکن صرف دو تین روز کے لئے اور وہ بھی غیر مسلح ہو کر اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے باسمک اللھم اور محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھنے پر زور دیا اور یہ کہ مکہ سے کوئی مسلمان ہجرت کر جائے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا اور کوئی مسلمان مکہ میں آجائے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ نادانی اور ضد کی انتہا ہے، مگر حضور ﷺ نے مصلحتاً ان دفعات کو منظور فرمالیا اور مسلمانوں نے بھی طبعاً سخت ناگواری کے باوجود محض آپ ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے سر تسلیم خم کر دیا اور بالآخر اس فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔ اور اللہ سے ڈر کر نافرمانی سے بچے رہے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے جمے رہے۔ کیونکہ وہ حقیقی توحید کے پرستار اور علمبردار امن تھے۔

کلمة التقوى کی تفسیر حدیث میں اسی لئے لا الہ الا اللہ کے ساتھ کی گئی ہے کہ حقیقی فرمانبردار ایک سچا مومن ہی ہو سکتا ہے اور صحابہ کرام نے اس کو کر کے دکھایا۔

اور لفظ احق کو اسم تفضیل کے صیغہ سے اور اھلھا کو بالتفصیل لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تھوڑی تھوڑی قابلیت ایمان سب میں پائی جاتی ہے۔ اسی لئے سب مکلف بالایمان ہیں۔ البتہ مسلمانوں میں یہ قابلیت زیادہ ہے۔ لیکن آخرت میں کفار کے لئے ذرا بھی ثواب کی قابلیت نہیں ہوگی۔ وہاں نفس اہلیت بھی مسلمانوں ہی میں منحصر ہوگی۔

سچا خواب:............لقد صدق الله۔ اس آیت میں حضور ﷺ کے اسی خواب کا ذکر ہے کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈوا کر اور بال کتروا کر ہم حلال ہو رہے ہیں۔ اتفاق وقت کہ آپ ﷺ نے اسی سال عمرہ کا قصد فرمالیا عام طور سے صحابہ یہی سمجھے کہ ہم اسی سال مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور عمرہ کریں گے لیکن صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب واپسی ہوئی تو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا؟ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ فرمایا بے شک یوں ہی ہوگا جیسے میں نے کہا تھا۔ اگلے سال وہی سب کچھ ہوا۔

بالحق ای متلبسا۔ تاکید واہتمام کے لئے ہے صحابہؓ کے تردد کو رفع کرنے اور مخالفین کے طعن کو دفع کرنے کے لئے۔

انشاء اللہ۔ ابن کثیر کے نزدیک تحقیق وتاکید کے لئے ہے، لیکن سیبویہ کے نزدیک کسی کام کو کرنا اگر منظور ہوتا ہے لیکن قطعی طور پر کسی مصلحت سے ایک چیز کو بتلانا مقصود نہیں ہوتا تو وہاں یہ عنوان اختیار کیا کرتے ہیں۔

امنین میں داخلہ کے وقت اور لاتخافون میں داخلہ کے بعد تا واپسی امن مراد ہے۔ اس لئے تکرار کا شبہ نہ کیا جائے۔

حدیبیہ میں جنگ نہ ہونا ہی مصلحت تھا:............نجعل من دون ذلك۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صلح کی حکمت کا بیان ہو یعنی اگر اسی سال عمرہ ہوتا تو قتل وقتال کی نوبت آتی اور صلح نہ ہو سکتی اور بہت سی مصلحتیں فوت ہو جاتیں۔ مثلاً فتح خیبر نہ ہوتی کیونکہ حالیہ قتل وقتال سے اتنا تعب ہوتا کہ بظاہر دو ہی مہینہ بعد دوسری معرکہ آرائی مشکل تھی۔ دوسرے سفر کرنے میں اہل مکہ کی طرف سے اندیشہ لگا رہتا کہ کہیں وہ مدینہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔ اس خطرہ کے پیش نظر سفر ہی نہ ہو سکتا۔ پس فی الحال صلح ہو جانے میں ان مصالح کا لحاظ رہا۔

فتح خیبر کو صحابہؓ بھی ''فتح مبین'' کہا کرتے تھے اور چونکہ یہ فتح مبین آنحضرت ﷺ کی اطاعت کی بدولت میسر آئی۔ ادھر محمد رسول اللہ ﷺ نہ لکھنے کے اصرار سے صحابہ کا شکستہ دل ہونا اس کا متقاضی ہوا کہ اسی عنوان سے آپ کی تصدیق فرما کر اس کو دوام بخشا جائے اور فتح مکہ اور دیگر فتوحات میں اہل حدیبیہ اور غیر اہل حدیبیہ چونکہ سب ہی شریک رہے۔ اس لئے لیدخل المومنین اور والذین معہ میں عام عنوان رکھا گیا۔

دین متین اور فتح مبین:......... لیظهره علی الدین کله، یعنی سچا دین اور سیدھی راہ وہی ہے جو حضور ﷺ لے کر آئے۔ کیونکہ اس میں اصول وفروع اور عقائد واحکام سب کچھ مکمل اور اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ چنانچہ اللہ نے اسلام کو ظاہراً طور پر سینکڑوں سال مذاہب عالم پر غالب رکھا اور صدیوں بڑی شان وشوکت سے مسلمانوں کی حکومت کا پھریرا عالم میں لہراتا رہا اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب عالم میں دین حق کی حکومت ہوگی، باقی دلیل وبرہان کے لحاظ سے تو ہمیشہ اسلام ہی غالب رہا اور رہے گا۔ البتہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہی اپنی حکمت عملی سے اس کو ثابت کرنے والا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی شان :......... محمد رسول اللہ ﷺ کے جان نثار صحابہ کا یہ حال ہے کہ ایک طرف اگر وہ مؤمنین کے لئے مہر وفا کے پتلے ہیں تو دوسری طرف دشمنان دین وحق کے مقابلہ میں قہر وجلال کی تصویر ہیں۔ اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین جو نرمی وتندی بطور خود خصلت ہوتی ہے۔ وہ سب جگہ برابر رہا کرتی ہے۔ لیکن جو ایمان سے سنور کر آئے وہ نرمی اپنی جگہ اور گرمی اپنی جگہ ہوا کرتی ہے وہ حب فی اللہ اور بغض للہ کی شان لئے ہوئے ہوتی ہے۔ غرض صحابہ کی دونوں شانیں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر عیاں رہی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی شرعی مصلحت سے کافر کے ساتھ حسن سلوک اور احسان سے پیش آنا جائز ہے۔ بشرطیکہ مداہنت فی الدین نہ ہوتی ہو۔

بہر حال جہاں تک بندوں کا تعلق ہے تو صحابہ کی یہ شان تھی اور جہاں تک اللہ کا تعلق ہے وہ نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو اللہ کے آگے رکوع سجدہ میں پڑے ہوئے پورے اخلاص سے وظائف بندگی بجالاتے ہیں۔ ریا ونمود کا شائبہ تک نہیں۔ محض اللہ کی خوشنودی کے جویا ہیں۔ خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق رہتی ہے۔ خشیت الٰہی اور حسن نیت وخلوص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کرتی ہیں۔ یہ حضرات اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچان لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ پچھلی آسمانی کتابوں میں ان کی یہی شان بیان کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب ان کے چہرے اور طور طریق دیکھ کر بول اُٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔

اسلام کا ارتقاء:......... کزرع اخرج۔ جس طرح کھیتی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے کہ آج کونپل پھوٹتی ہے پھر ڈنڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ پھر دانے اور پھل پھول آتے ہیں۔ یہی حال دین اسلام کا ہوا کہ حضور ﷺ کے عہد میں ایک سے دو اور دو سے چار ہوئے اور آہستہ آہستہ بڑھوتری ہوتی رہی اور دین مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ بعض علماء نے ''اخرج شطاہ'' اور ''فازرہ'' سے عہد فاروقی اور ''فاستغلظ'' عہد عثمانی اور ''فاستویٰ علی سوقہ'' سے عہد مرتضوی کی طرف اشارہ لیا ہے اور بعض علماء نے علی الترتیب والذین معه، اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا سے خلفاء اربعہ کے عہد مراد لئے ہیں۔

مدح صحابہؓ اور خلفاء راشدین کا امتیاز :......... لیکن بہتر یہی ہے کہ بحیثیت مجموعی تمام صحابہ کی مدح وتوصیف مراد ہو۔ خاص طور پر بیعت الرضوان میں شریک حضرات کی جن کا ذکر شروع سورت سے چلا آ رہا ہے۔

زراع۔ یعنی کاشت کاروں کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ اس کام میں مبصر ہوتے ہیں۔ پس ایک چیز مبصر کو بھی پسند آجائے تو دوسرے کیوں پسند نہیں کریں گے۔ پس اس میں مدح صحابہؓ نہایت بلیغ ہے۔

اور ذٰلك الخ میں تین احتمال ہیں ایک تو ذٰلک مثلهم پر کلام پورا ہو جائے اور مثلهم فی الانجیل سے دوسرا کلام شروع ہو جائے

دوسرے فی الانجیل پر کلام پورا ہو کر کزرع مستقل کلام ہو یعنی تورات وانجیل سے منقول نہ ہو۔ تیسرے تورات یا انجیل پر کلام ختم نہ ہو بلکہ ذلک سے اشارہ آئندہ تمثیل کی طرف ہو اس صورت میں اس تمثیل کا مضمون تورات وانجیل دونوں میں مشترک ہونا چاہیے۔ آج دنیا میں اگر اصلی تورات وانجیل ہوتیں تو ان میں سے کوئی ایک احتمال متعین کیا جاسکتا ہے۔

تورات وانجیل کی تائید:.........لیکن جس حالت میں یہ کتابیں آج موجود ہیں ان کے لحاظ سے پہلا احتمال راجح ہے۔ چنانچہ تورات سفر استثناء ۳۳ ویں باب کے شروع میں ہے۔

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔''

پھر اسی باب میں آگے چل کر ہے:

''ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو پائیں گے۔''

فاران مکہ کے پاس پہاڑ ہے اور شعیر مدینہ کے پاس پہاڑ کا نام ہے اور یہ مضمون ان آیات سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح انجیل متی کے تیرہویں باب کے آٹھویں جملہ اور پھر ۳۶، ۳۲ جملہ میں ہے۔

''اور کچھ تخم اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا کچھ سو گنا، کچھ ساٹھ گنا، کچھ تیس گنا۔''

ردِ روافض:.........منھم میں من بیانیہ ہے۔ سب صحابہ اس میں داخل ہیں۔ تاہم صحابیت اور برکات وفضائل صحابیت کے لئے ایمان پر خاتمہ شرط ہے۔ لیکن اس سے تبرائیوں کی مقصد برآری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ علم الٰہی میں حقیقی صحابہ اگر معدودے چند ہوتے۔ جیسا کہ ان تبرائیوں کا دعویٰ ہے تو حق تعالیٰ اس عنوان سے تعبیر نہ فرماتے کہ من بیانیہ کی صورت میں تو کلیت نکلتی ہے اور من تبعیضیہ کی صورت میں اکثریت مفہوم ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل صحابہ یا کل کے قریب حضرات ایسے ہیں صحبت یافتہ تھے۔ کوئی فرد جس نے کم صحبت پائی ہو اگر احیاناً خارج بھی ہو جائے تب بھی یہ آیت اس فرقہ کے لئے مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔

لیکن بعض حضرات نے لیغیظ بھم الکفار سے اس فرقہ کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ استدلال مشکل ہے کیونکہ آیت سے کافر کا ذی غیظ ہونا کلیۃً یا اکثریتاً ثابت ہوتا ہے نہ کہ ذی غیظ کا کافر ہونا۔

لطائف آیات:.........فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم۔ اس میں ایک اشکال ہے کہ جب بے خبری میں ان کے ہاتھوں اہل ایمان پامال ہو جاتے تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوتا۔

پھر معرۃ بغیر علم کے کیا معنی؟ اس میں کئی قول ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں طبعی تاسف اور رنج مراد ہے معصیت مراد نہیں ہے۔

لیکن اقرب یہ ہے کہ گو اس میں گناہ نہ ہو۔ لیکن خود عمل میں اگر چہ بلا علم ہو یہ خاصیت ہے کہ اگر علم کے بعد تدارک نہ کیا جائے تو صالح استعداد بھی ضعیف پڑ جاتی ہے جس کا اثر اعمال ہیں اضمحلال بلکہ اختلال ہو جاتا ہے اور اس کا نقصان وہ ہونا ظاہر ہے اہل دل اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

اشداء علی الکفار۔ یعنی صفت جلال وجمال کے جامع ہیں اور ان کی پیشانی خلعت نور الٰہی ہے۔

سُـــوْرَةُ الْحُجُرَاتِ

سُوْرَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا مِنْ قَدَّمَ بِمَعْنٰى تَقَدَّمَ اَیْ لَا تَتَقَدَّمُوْا بِقَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ **بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ** الْمُبَلِّغِ عَنْهُ اَیْ بِغَيْرِ اِذْنِهِمَا **وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِقَوْلِكُمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۱﴾ بِفِعْلِكُمْ نَزَلَتْ فِیْ مُجَادَلَةِ اَبِیْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عَلَى النَّبِیِّ ﷺ فِیْ تَاْمِيْرِ الْاَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ اَوِ الْقَعْقَاعِ بْنِ مَعْبَدٍ وَ نَزَلَ فِیْ مَنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ** اِذَا نَطَقْتُمْ **فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ** اِذَا نَطَقَ **وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ** اِذَا نَاجَيْتُمُوْهُ **كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ** بَلْ دُوْنَ ذٰلِكَ اِجْلَالًا لَهٗ **اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ** ﴿۲﴾ اَیْ خَشْيَةَ ذٰلِكَ بِالرَّفْعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُوْرَيْنِ وَ نَزَلَ فِیْ مَنْ كَانَ يَخْفِضُ صَوْتَهٗ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ كَاَبِیْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ غَيْرِهِمَا رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ** اِخْتَبَرَ **قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى** اَیْ لِتَظْهَرَ مِنْهُمْ **لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ** ﴿۳﴾ اَلْجَنَّةُ وَ نَزَلَ فِیْ قَوْمٍ جَآءُوْا وَقْتَ الظَّهِيْرَةِ وَالنَّبِیُّ ﷺ فِیْ مَنْزِلِهٖ فَنَادَوْهُ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ** حُجُرَاتِ نِسَائِهٖ ﷺ جَمْعُ حُجْرَةٍ وَهِیَ مَا يُحْجَرُ عَلَيْهِ مِنَ الْاَرْضِ بِحَائِطٍ وَ نَحْوِهٖ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ نَادٰى خَلْفَ حُجْرَةٍ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَعْلَمُوْهُ فِیْ اَيِّهَا مُنَادَاةَ الْاَعْرَابِ بِغِلْظَةٍ وَجَفَاءٍ **اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۴﴾ فِيْمَا فَعَلُوْهُ مَحَلَّكَ الرَّفِيْعَ وَمَا يُنَاسِبُهٗ مِنَ التَّعْظِيْمِ **وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا** اَنَّهُمْ فِیْ مَحَلِّ رَفْعٍ بِالْاِبْتِدَاءِ وَقِيْلَ فَاعِلٌ لِفِعْلٍ مُّقَدَّرٍ اَیْ ثَبَتَ **حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۵﴾ لِمَنْ تَابَ مِنْهُمْ وَ نَزَلَ فِی الْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ وَقَدْ بَعَثَهُ النَّبِیُّ ﷺ اِلٰی بَنِی الْمُصْطَلِقِ مُصَدِّقًا فَخَافَهُمْ لِتِرَةٍ كَانَتْ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهُمْ فِی الْجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وَقَالَ اِنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ وَهَمُّوْا بِقَتْلِهٖ فَهَمَّ النَّبِیُّ ﷺ بِغَزْوِهِمْ فَجَآءُوْا مُنْكِرِيْنَ مَا قَالَهٗ عَنْهُمْ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ خبرٍ فَتَبَيَّنُوْٓا صِدْقَهٗ مِنْ كِذْبِهٖ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَتَثَبَّتُوْا مِنَ الثَّبَاتِ اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ مَفْعُوْلٌ لَهٗ اَيْ خَشْيَةَ ذٰلِكَ بِجَهَالَةٍ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَيْ جَاهِلِيْنَ فَتُصْبِحُوْا فَتَصِيْرُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ مِنَ الْخَطَاءِ بِالْقَوْمِ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾ وَاَرْسَلَ اِلَيْهِمْ ﷺ بَعْدَ عَوْدِهِمْ اِلٰى بِلَادِهِمْ خَالِدًا فَلَمْ يَرَ فِيْهِمْ اِلَّا الطَّاعَةَ وَالْخَيْرَ فَاَخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِذٰلِكَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ فَلَا تَقُوْلُوْا الْبَاطِلَ فَاِنَّ اللّٰهَ يُخْبِرُهٗ بِالْحَالِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ الَّذِيْ تُخْبِرُوْنَ بِهٖ عَلٰى خِلَافِ الْوَاقِعِ فَرَتَّبَ عَلٰى ذٰلِكَ مُقْتَضَاهُ لَعَنِتُّمْ لَاَثِمْتُمْ دُوْنَهٗ اِثْمَ التَّسَبُّبِ اِلَى الْمُرَتَّبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ حَسَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اِسْتِدْرَاكٌ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى دُوْنَ اللَّفْظِ مِنْ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانُ الخ غَايَرَتْ صِفَتُهٗ صِفَةَ مَنْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهٗ اُولٰٓئِكَ هُمْ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ لا الثَّابِتُوْنَ عَلٰى دِيْنِهِمْ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَيْ اَفْضَلَ وَنِعْمَةً ؕ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِهِمْ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾ فِيْ اِنْعَامِهٖ عَلَيْهِمْ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الاية نَزَلَتْ فِيْ قَضِيَّةٍ هِيَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ حِمَارًا وَمَرَّ عَلَى ابْنِ اُبَيٍّ فَبَالَ الْحِمَارُ فَسَدَّ ابْنُ اُبَيٍّ اَنْفَهٗ ، فَقَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ وَاللّٰهِ لَبَوْلُ حِمَارِهٖ اَطْيَبُ رِيْحًا مِنْ مِسْكِكَ فَكَانَ بَيْنَ قَوْمَيْهِمَا ضَرْبٌ بِالْاَيْدِيْ وَالنِّعَالِ وَالسَّعَفِ اقْتَتَلُوْا جُمِعَ نَظَرًا اِلَى الْمَعْنٰى لِاَنَّ كُلَّ الطَّائِفَةِ جَمَاعَةٌ وَقُرِئَ اقْتَتَلَتَا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ ثُنِّيَ نَظَرًا اِلَى اللَّفْظِ فَاِنْۢ بَغَتْ تَعَدَّتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ تَرْجِعَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ اَلْحَقِّ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ بِالْاِنْصَافِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِعْدِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فِي الدِّيْنِ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ اِذَا تَنَازَعَا وَقُرِئَ اِخْوَتِكُمْ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي الْاِصْلَاحِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

ع ۱۰ / ۱۳

ترجمہ: ....سورۂ حجرات مدنیہ ہے جس میں اٹھارہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، اے اہل ایمان تم سبقت مت کیا کرو، (یہ لفظ قدم بمعنی تقدم ہے یعنی بات چیت یا کام میں پیش قدمی نہ کیا کرو) اللہ ورسول سے پہلے (جو اللہ کے پیغمبر ہیں یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تمہاری باتوں کو سننے والے جاننے والے ہیں (تمہارے کاموں کے پچھلی آیت ابوبکرؓ، اور حضرت عمرؓ، کے متعلق نازل ہوئی۔ جب کہ ان دونوں میں اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد کے امیر بنانے کے متعلق مباحثہ ہوا۔ اور اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کی آواز حضور ﷺ کی موجودگی میں بلند ہوگئی تھی) اہل ایمان اپنی آوازیں (بات کرتے وقت) پیغمبر کی آواز سے اونچی مت کیا کرو (جب آپ ﷺ مصروف گفتگو ہوں) اور نہ ان سے سرگوشی کے وقت ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو (بلکہ ادبا پست آواز سے بولا کرو) ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (یعنی اونچی آواز ہونے اور زور سے بولنے میں یہ ڈر ملحوظ رہنا چاہیے۔ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ کے سامنے پست آواز سے بات چیت کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

یقیناً جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خالص کر دیا (آزمالیا) ہے تقویٰ کے لئے (یعنی تا کہ ان کا تقویٰ نمایاں ہو جائے) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (جنت، اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو دو پہر کو حاضر ہوئے جب کہ آنحضرت ﷺ زنان خانے میں استراحت فرما رہے تھے اور انہوں نے آواز لگانی شروع کر دی بلاشبہ جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو پکارتے ہیں (زنانخانے سے باہر، حجرات حجرہ کی جمع ہے زمین کا وہ ٹکڑا جو دیوار وغیرہ سے گھیر دیا جائے۔ ان میں سے ہر ایک الگ الگ حجروں میں آواز لگاتا پھرتا تھا۔ کیونکہ ان کو پتہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کس حجرے میں تشریف فرما ہیں اور آواز بھی گاؤں والوں کی طرح اکھڑ پنے سے) ان میں سے اکثر بے سمجھ ہیں (ان کا یہ طرز عمل آپ کے بلند رتبہ اور اس کی شایان شان تعظیم سے ناواقفیت پر مبنی ہے) اور اگر یہ لوگ ذرا صبر کرتے (انہم مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور بعض کے نزدیک فعل محذوف مثبت کا فاعل ہے) یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آ جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور الرحیم ہے (ان میں سے جنہوں نے توبہ کر لی، اگلی آیت ولید بن عقبہ کے بارہ میں نازل ہوئی جن کو آنحضرت ﷺ نے مصدق بنا کر بنو المصطلق کے یہاں روانہ فرمایا۔ انہیں اس پرانی دشمنی کی وجہ سے اندیشہ ہوا جو ان میں باہم زمانہ جاہلیت میں قائم تھی۔ اور ولید نے واپس ہو کر عرض کیا کہ بنو المصطلق والے زکوٰۃ نہیں دیتے بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے چنانچہ یہ سن کر آپ کو بھی فوج کشی کا خیال ہو گیا۔ مگر اس قبیلہ کے لوگوں نے حاضر ہو کر ولید کے الزام کی تردید کی) اے اہل ایمان! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (جھوٹ اور سچ کی۔ اور ایک قراءت میں فتثبتوا ہے ثبات سے ماخوذ) ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے (ان تصیبوا مفعول لہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے، خشیۃ ذلک) نادانی سے (فاعل سے حال ہے بمعنی جاہلین) پھر تمہیں اپنے کیے پر (قوم کے ساتھ غلطی کرنے پر) پچھتانا پڑے (آنحضرت ﷺ نے بنی المصطلق کی واپسی کے بعد پھر ان کے پاس خالد بن ولید کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں میں بجز فرمانبرداری اور بھلائی کے کوئی بات نہیں دیکھی جس کی اطلاع انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دی) اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں (لہٰذا غلط بات مت کہو ورنہ اللہ تعالیٰ صحیح صورت حال سے آپ کو مطلع فرما دے گا) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر پیغمبر ان میں تمہارا کہا مانا کریں (جو خلاف واقعہ باتیں تم نے پہنچائی ہیں ان پر اگر ان کا مقتضیٰ امر مرتب ہو جائے) تو تم کو بڑی مضرت پہنچے (تم گنہگار ہو جاؤ گے حضور ﷺ پر کوئی الزام نہیں۔ اور یہ گناہ، گناہ کا سبب بننے کی وجہ سے ہو گا اس پر ثمرہ مرتب ہونے تک) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا۔ (مستحسن بنا دیا) اور کفر وفسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی (لکن سے استدراک بلحاظ معنی ہے لفظی اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ اہل ایمان جن کی شان یہ ہو ان کی کیفیت مذکورہ بالا کیفیت سے مختلف ہوتی ہے) ایسے ہی لوگ (اس میں خطاب سے التفات ہے) راہ راست پر ہیں (دین پر قائم) اللہ کے فضل (مصدر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای افضل فضلا) اور (اس کے) انعام سے اور اللہ تعالیٰ (ان سے) باخبر حکمت والا ہے (ان پر انعام کرنے میں) اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ (یہ آیت ایک واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ گدھے پر سوار ہو کر ابن ابی کے پاس سے ہو کر گزرے۔ اتفاقاً گدھے نے پیشاب کر دیا۔ جس پر عبداللہ ابن ابی نے اپنی ناک بند کر لی، عبداللہ بن رواحہؓ بولے کہ واللہ آپ ﷺ کے گدھے کا پیشاب تیرے مشک کی خوشبو سے اچھا ہے۔ چنانچہ طرفین میں ہاتھا پائی، جوتم بیزار، قینچی بازی شروع ہو گئی) آپس میں لڑ پڑیں (بلحاظ معنی جمع لائی گئی ہے۔ کیونکہ ہر فریق ایک پوری جماعت تھی اور ایک قراءت میں اقتتلتا بھی ہے) تو تم ان کے درمیان اصلاح کر دو (یہاں تثنیہ بلحاظ لفظ لایا گیا) پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی (ظلم) کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک وہ اللہ کے حکم (حق) کی طرف رجوع ہو جائے (لوٹ آئے) پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل (انصاف) کے ساتھ اصلاح کر دو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، مسلمان تو سب (دینی) بھائی بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا

کرو (جب وہ جھگڑ پڑیں۔ ایک قراءت میں اخوتکم تا کے ساتھ ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو (اصلاح کے معاملہ میں) تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

تحقیق وترکیب: لا تقدموا ۔مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ قدم لازم ہے جو بمعنی تقدم ہے جو متعدی ہوتا ہے مفعول محذوف ہے یعنی بقول او فعل۔

بین یدی اللہ۔یعنی اللہ ورسول کے ہر معاملہ میں مطیع رہو۔ تقدم بین یدی ابیہ وامہ کے معنی ہیں ان کو بلا اجازت حکم دے دیا یا ممانعت کر دی اور بعض کے نزدیک مفعول محذوف ہے ای امرا۔

فوق صوت النبی یعنی زیادہ چلا کر بولنے میں بھی بے ادبی ہے اور زیادہ آہستہ بولنے میں تازی کا احتمال ہے درمیانی آواز سے بولنے میں بس اس کا لحاظ رہے کہ آواز آپ سے اونچی نہ ہو کہ گستاخی میں شمار ہے۔

ولا تجھروا لہ بالقول ۔چونکہ اس میں تکرار کا شبہ ہوسکتا ہے اس لئے مفسرؒ نے دونوں میں فرق کر دیا کہ پہلا حکم تو اس صورت میں ہے کہ آپ بھی مصروف گفتگو ہوں تو بات کرتے وقت آپ ﷺ سے اونچی آواز نہ کرو اور یہ دوسرا حکم اس صورت میں ہے کہ آپ خاموش تشریف فرما ہوں تو آپ کی موجودگی میں باہمی بے تکلفی اور آزادانہ گفتگو مت کرو بلکہ پاس ادب ملحوظ رکھ کر دب کر گفتگو کرو۔

ان تحبط۔مفسرؒ نے ای خشیۃ ذلک کہہ کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور لا ترفعوا اور لا تجھروا میں تنازعہ ہو رہا ہے۔ پس بصریین کے مذہب پر فعل ثانی کا مفعول لہ ہوگا اور کوفیوں کے نزدیک اول کا پہلی رائے اصح ہے۔ کیونکہ اول کو عمل دینے کی صورت میں ثانی میں اضمار ماننا پڑے گا۔

اولئک ۔یہ مبتداء ہے اور الذین اس کی خبر ہے اور پورا جملہ ان کی خبر ہے اور لھم مغفرۃ دوسرا جملہ ہے یا جملہ مستانفہ اور یا جملہ حالیہ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الذین امتحن صفت ہو اولئک کی یا بدل اور بیان ہو اور لھم مغفرۃ جملہ خبریہ ہو۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف لھم خبر ہو اور مغفرۃ اس کا فاعل ہو۔ امتحان واختبار سبب ہے اظہار تقویٰ کا فی نفسہ تقویٰ کا سبب نہیں ہے۔ گویا سبب کا مسبب پر اطلاق کیا گیا ہے۔ جس طرح سماع الحان سے دل میں چھپی ہوئی محبت کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح امتحان کے ذریعہ دل میں چھپے ہوئے تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔

کان کل واحد۔مفسر نے کان احتمالی صیغہ اس لئے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جہاں یہ احتمال ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک ایک حجرہ کے سامنے آواز دے رہا ہوگا۔ یہ بھی امکان ہے کہ سب مل کر ہر حجرہ کے سامنے آواز دی ہو۔ البتہ جمع کے مقابلے میں جمع لانے سے انقسام احاد علی الاحاد ہو رہا ہے۔

لکان خیرا لھم۔یعنی جلد بازی کے مقابلہ میں انتظار بہتر تھا۔ کیونکہ اس میں ادب اور تعظیم نبوی ہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔

لترۃ ۔عرہ کے معنی خفت رائے، عداوت وریب کے ہیں۔

فتبینوا۔یعنی اچھی طرح چھان بین کر لینی چاہیے۔ جھوٹ فسق کی ایک شاخ ہے۔ پس جو فسق سے احتراز کرے گا وہ جھوٹ سے بھی احتراز کرے گا۔

وفی قراءۃ۔حمزہؒ اور علیؒ کی قراءت میں لفظ تثبتوا ہے یعنی خبر سنتے ہی عمل درآمد شروع نہ کرو۔ بلکہ توقف کرو، حتیٰ کہ حقیقت حال ظاہر ہو جائے۔

ان تصیبوا۔مفسرؒ نے خشیۃ نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے بصریوں کے مذہب پر اور کوفیوں کے نزدیک تقدیر عبادت لئلا تصیبوا ہے۔

واعلموا ۔ بعد کا جملہ مع **لو یطیعکم** کے **اعلموا** کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے اور **لو یطیعکم فیکم** کی ضمیر مجرور سے حال ہوگا یا ضمیر مرفوع مستتر سے حال ہوگا۔ بعض لوگوں نے بنی مصطلق کے معاملہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہوگا تا کہ ان پر حملہ ہو جائے ۔ اگر چہ ان کی رائے نہیں مانی گئی۔ اور **لو یطیعکم** کو جملہ مستانفہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن زمخشریؒ نے اس احتمال کو رد کر دیا۔ کیونکہ اس صورت میں کلام متعارض ہو جائے گا۔ مگر تناقض کلام کو واضح نہیں کیا۔ اور لو کے بعد مضارع لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان لوگوں نے اپنی رائے پر اصرار کیا ہوگا۔

لعنتم ۔ قاموس میں ہے کہ عنت کے معنی فساد، گناہ، ہلاکت اور مشقت کے ہیں۔ آیت میں سب معنی ہو سکتے ہیں۔

دونہ ۔ یعنی حضور اس زد میں نہیں آتے۔

اثم التسبب: یعنی فعل کا گناہ تو نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا ارتکاب نہیں کیا، البتہ سبب بننے کا گناہ ہوگا۔ اور الی المرتب کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری خبر پر جو حضور ﷺ کی کاروائی مرتب ہوگی اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہوگی۔

حبب الیکم الایمان ۔ یعنی ایمان کامل جس میں تصدیق جناں، اقرار لسان، عمل ارکان تینوں داخل ہیں۔ اور ان تینوں کا تقاضہ ہے کہ ان کی اضداد سے کراہت و نفرت ہو۔ اسی لئے **و کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان** فرمایا گیا ہے۔ لف و نشر مرتب کے طور پر سمجھنا چاہیے۔

استدارک من حیث المعنی ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ حاصل سوال یہ ہے کہ لکن کے ماقبل و مابعد میں اثبات و نفی کا اختلاف ہوا کرتا ہے جو یہاں نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ لفظاً یہ اختلاف موجود نہیں ہے۔ مگر بلحاظ معنی یہ اختلاف ہے۔ کیونکہ کامل مومنین کی شان اس سے مختلف ہوتی ہے جن اوصاف کا پہلے ذکر ہوا ہے وہ ہر شنیدہ بات پر کان نہیں دھرتے۔ اس طرح ماقبل و مابعد میں اختلاف ہو گیا۔

فضلا ۔ یہ اسم مصدر ہے اور مصدر افضال ہے۔ مگر مفسرؒ نے تسامحاً مصدر کہہ دیا اور حبب کا مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ آیت میں اس پر تنبیہ ہے کہ اللہ و رسول کی محبت اور کفر و فسوق سے نفرت سعادت عظمیٰ ہے۔

وان طائفتان ۔ اس میں اشارہ ہے کہ باغی بھی مومن ہوتا ہے، اور یہ کہ جب وہ جنگ سے باز آ جائے تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے اور یہ کہ نصیحت و فہمائش کے باوجود اگر باغی باز نہ آ جائے تو اس پر چڑھائی کرنے والے کی مدد کی جائے۔

فان بغت: یعنی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دے۔

حتی تفیٔ ۔ یہ حتی بتقدیر ان غایت کے لئے ہے اور بمعنی کی بھی ہو سکتا ہے تعلیل کے لئے لیکن سیاق آیت کے مناسب پہلی صورت ہے۔

اقسطوا ۔ مفسرؒ نے **اعدلوا** سے اشارہ کیا ہے کہ **اقسطوا** میں ہمزہ سلب کے لئے ہے **قسط بمعنی ظلم اما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا**۔

بین اخویکم: چونکہ نزاع کم از کم دو کے درمیان ہوتا ہے اس لئے تثنیہ لایا گیا اور دوسری قراءت صیغہ جمع کی ہے جو ظاہر ہے۔

لعلکم: اس ترقی میں اطماع کریم ہے۔

شان نزول: .... **لا تقدموا** ۔ خطیبؒ کے قول پر اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ شعبیؒ جابرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی قربانی سے پہلے تم قربانی مت کرو۔ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے نماز عید سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربانی کر لی تھی۔ چنانچہ ان کی قربانی کو دہرایا گیا۔

اور مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اس میں یوم الشک کے روزہ سے منع کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے روزہ مت رکھو۔ لیکن امام رازیؒ کی رائے ہے کہ آیت عام ہے ہر بات اور ہر کام میں آنحضرت ﷺ پر پہل نہیں کرنی چاہیے۔

مفسرؒ نے جس خاص سبب نزول کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک موقعہ پر لشکر کا امیر بنانے میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اقرع بن حابسؓ کا نام پیش کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے قعقاع بن معبد کا نام پیش کیا۔ اس پر ابوبکرؓ بولے۔ **ما اردت الاخلافی**۔ یعنی تمہارا منشاء محض میرا خلاف کرنا ہے۔ عمرؓ نے بھی جواب میں یہی جملہ دہرایا۔ دونوں کی گفتگو بلند ہوگئی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

لا ترفعوا۔ اس کے شان نزول کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آیات کا شان نزول الگ الگ ہے۔ لیکن گذشتہ تفصیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ **یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقدموا** سے لے کر **لا تشعرون** تک ایک ہی شان نزول ہے۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا واقعہ۔

ان الذین یغضون۔ بقول بیہقیؒ حضرت ابوبکرؓ نے بقسم عرض کیا ہے کہ اب میں مدت العمر سرگوشی کے انداز میں نہ بولوں گا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ آیت **لا ترفعوا** نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اتنے آہستہ بولنے لگے کہ دوبارہ استفسار کی ضرورت ہونے لگی۔ اسی طرح ثابت بن قیس خلقۃً بلند آواز تھے۔ مگر یہ سن کر ڈر گئے اور روئے اور بتکلف آواز پست کرلی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ادب ملحوظ رکھنے میں اذیت سے بچانا ہے پس نہ آواز اونچی ہو اور نہ پست ہو۔ بلکہ درمیانی آواز سے بات چیت کرو۔

ان الذین ینادونک: وفد بنی تمیم کے لوگ سر دوپہر حاضر ہوئے۔ جبکہ آنحضرت ﷺ خواب استراحت میں تھے ان میں اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن بھی تھے۔ انہوں نے دولت خانے سے باہر کھڑے کھڑے آوازیں لگائیں۔ **اخرج الینا یا محمد فان مد حنازین و ذمنا شین**۔ آنحضرت ﷺ بیدار ہو کر باہر تشریف لائے۔ چونکہ یہ پکارنا اکھڑپنے سے اور بے موقعہ جلد بازی کا مظاہرہ تھا۔ اس لئے تنبیہ کی گئی۔

ان جاء کم فاسق: ابن جریرؒ نے ام سلمہؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؒ سے اور طبرانیؒ واحمدؒ نے حارث ابن ابی الحارث خزاعی سے تخریج کی ہے۔ کہ ولید بن عقبہ کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وان طائفتان: شیخین نے حضرت انسؓ سے اس واقعہ کی تخریج کی ہے۔ اور بیضاویؒ میں ہے کہ اوس وخزرج کے مابین واقعات کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ربط آیات: .... پچھلی سورۃ الفتح میں اصلاح آفاق بالجہاد تھی اور اس صورت میں اصلاح نفس بالارشاد ہے اور اجزاء سورت کے مجموعہ کا حاصل سید المرسلین اور مومنین کے باہمی حقوق کا بیان ہے

﴿ تشریح ﴾: .... اس سورت میں نبی کریم ﷺ کے آداب وحقوق اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے ارشاد فرمائے گئے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا اجتماعی نظام کن بنیادوں پر استوار ہوسکتا ہے اور کن اصولوں پر کاربند ہونے سے مستحکم رہ سکتا ہے؟ اور کبھی اگر اس میں خرابی اور خلل واقع ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے؟

تجربہ شاہد ہے کہ اکثر نزاعات ومناقشات خودرائی، غرض پرستی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اللہ ورسول کے ارشادات سے بڑھ کر کوئی معیار نہیں ہوسکتا ایسا کرنے میں وقتی طور پر خواہ کتنی ہی تکالیف اُٹھانی پڑیں لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔

آداب نبوی ﷺ: .... چنانچہ ارشاد ہے کہ جس معاملے میں اللہ ورسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہے۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو۔ بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو پس جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں۔ خاموشی سے کان لگا کر سنا

کرو۔ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جراءت نہ کیا کرو۔ادھر سے جو حکم ملے اس پر بے چوں چرا، اور بلا پس وپیش عمل کر لیا کرو اپنی اغراض وخواہشات کو ان کی مرضیات واحکام پر مقدم نہ رکھو۔ بلکہ اپنے جذبات وافکار کو شارع کے تابع بنالو جب تک قوی قرائن یا صراحت سے گفتگو کی اجازت نہ ہو۔ گفتگو میں پہل مت کرو۔ بلکہ انتظار کرو، بلا اجازت وانتظار خلاف مرضی ہونے کا امکان ہے۔غرضیکہ جواز شرعی اجازت پر موقوف ہے خواہ قطعی ہو یا ظنی۔اور جس طرح پیغمبر کی عدم موجودگی میں اول نص، پھر نص میں غور و تامل ضروری ہے۔اسی طرح آپ کے حضور میں اول نص کا انتظار پھر قرائن میں تامل ضروری ہے پس غلطی یہ ہوئی کہ انتظار نہیں کیا۔ ہر کام میں یہی حکم ہے۔

واتقوا اللہ۔اللہ ورسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر آسکتی ہے۔جب خوف خدا دل میں ہو۔دل میں اگر ڈر نہیں تو ظاہراً دعوےٰ اسلام نباہنے کے لئے بار بار اللہ ورسول کا نام زبان پر آئے گا۔اور بظاہر ان کے احکام کو بھی آگے رکھے گا۔مگر فی الحقیقت ان کو اپنی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کرے گا۔سو یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ اسے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے تو اس کے آگے یہ فریب کیسے چلے گا۔چاہیے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔

بلند آواز سے نہ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے اگرچہ باہمی گفتگو ہو تب بھی آپ کی آواز سے بلند نہ ہو اور خود آپ سے گفتگو کرو تو برابر کی آواز سے بھی مت بولو۔

غرض حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جس طرح آپس میں چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو حضور ﷺ کے ساتھ یہ برتاؤ گستاخانہ اور خلاف ادب ہوگا۔آپ سے خطاب کرو تو نیاز مندانہ لب ولہجہ اور نرم آواز سے تعظیم واحترام کے جذبہ سے ادب وشائستگی کے ساتھ عرض ومعروض کی جائے۔

ادب نبوی ﷺ کی کیفیت:............دیکھو ایک مہذب بیٹا! اپنے باپ سے، ایک لائق شاگرد اپنے استاد سے، ایک مخلص مرید اپنے پیر ومرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔پیغمبر ﷺ کا مرتبہ ان سب سے کہیں بڑھ کر رہے۔اس لئے آپ سے گفتگو میں پوری احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ بے ادبی ہو جائے اور آپ ﷺ کو تکدر پیش آئے۔حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔کفر وشرک تو بالاتفاق تمام اعمال کو بالکلیہ کالعدم کر دیتا ہے۔لیکن فسق ومعصیت کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے بھی اکارت ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

خوارج ومعتزلہ تو اپنے اصولوں پر یہی کہتے ہیں کہ فسق ومعصیت سے بھی چونکہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔اس لئے یہ بھی حابط اعمال ہے۔آیت "ان تحبط الخ" سے بظاہر خوارج ومعتزلہ کی تائید ہو رہی ہے اور یہی ان کا مستدل ہے۔

گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟:............لیکن جمہور اہل سنت صرف فسق ومعصیت کو حابط اعمال نہیں مانتے ان کے لئے بظاہر آیت میں اشکال ہوگا۔کیونکہ پیغمبر کی آواز سے اونچی آواز کرنا گناہ ہے جس کو حابط اعمال فرمایا جا رہا ہے۔پس اس کی مختلف توجیہات اہلسنت کی طرف سے کی گئی ہیں۔مثلاً یہ کہ بلند آواز سے بولنا آپ کی اذیت کا باعث ہے اور ایذا رسول کفر ہے۔اس لئے یہ بلند آوازی بھی موجب حبط اعمال ہوگی۔اگرچہ اس توجیہ میں تکلف ہے کیونکہ کفر وہی اونچی آواز ہوگی جس کا مقصد آپ کو ستانا ہو۔لیکن جہاں یہ مقصد نہ ہو وہ کفر کیسے ہوگا البتہ معصیت ہو سکتا ہے جو کفر سے اہون ہے۔

لیکن بے تکلف اور آسان توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض دفعہ بلند آوازی سے گفتگو صورۃً بے باکی ہوتی ہے۔اسی طرح حضور ﷺ سے باہمی

بے تکلفی کے انداز پر گفتگو کرنا طبعاً گستاخی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کا پیرو اور تابع ہوتا ہے وہ گویا زبان حال سے پابند ادب ہوتا ہے لیکن اس طرز گفتگو میں اس پابندی کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ جو پیشواء کے لئے باعث اذیت ہو سکتی ہے۔ اور عام معاصی اگر چہ حابط اعمال نہیں ہوتے۔ مگر ایذا رسول ﷺ خاص طور پر ایسی شدید معصیت ہے کہ اس سے حابط اعمال کا اندیشہ ہے۔ گویہ عام کا ایک مخصوص فرد ہے جس کا حکم بھی عام کے علاوہ خاص ہے۔

البتہ بعض اوقات جب طبیعت زیادہ منبسط ہوتی ہے یہ باتیں ناگوار نہیں ہوا کرتی۔ پس اس وقت یہ باعث اذیت نہیں ہوں گی۔ اور باعث اذیت نہ ہونے کی وجہ سے موجب حبط اعمال بھی نہیں ہوں گی اور چونکہ گفتگو کرنے والے کو بعض دفعہ حضور ﷺ کا منقبض ہونا نہ ہونا معلوم نہیں ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرز سے حضور ﷺ کو ملال ہو جائے اور اس سے حبط اعمال بھی ہو جائے۔ لیکن گفتگو کرنے والے کو پتہ بھی نہ چلے اور نہ اسے احساس ہو۔ وہ اسی خیال و گمان میں رہے کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہیں پہنچی۔ اس لئے حبط عمل کی خبر بھی نہ ہو۔ لاتشعرون کا یہی مفہوم ہے۔ پس ان وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے مطلقاً اونچی آواز سے اور بے تکلفانہ گفتگو سے روک دیا گیا ہے۔ کہ اگر چہ بعض افراد تکلیف دہ نہیں ہوں گے مگر ان کی تعیین کیسے ہو؟ لہٰذا مطلقاً تمام افراد سے باز آ جانا چاہیے۔

اس توجیہ پر خوارج و معتزلہ کے لئے بھی استدلال کی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ عام گناہ کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یا کافر ہو جاتا ہے اور نہ اہل سنت کی جانب سے جواب دہی کی ضرورت ہے زیادہ سے زیادہ صرف ایک گناہ کو حابط اعمال کہنا پڑے گا۔ سو اس موجبہ جزئیہ کی نقیض کی سالبہ کلیہ منصوص نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ماننے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں چونکہ اجلال نبوی کی خاص رعایت ہے اس لئے اس کو ارجح کہنا چاہیے۔

ایک نفیس علمی بحث:............ تاہم اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اہل سنت کا یہ قاعدہ بظاہر عام ہے۔ پھر اس کی تخصیص کی کیا دلیل ہے اور بلا دلیل دعویٰ کرنا مشکل ہے۔ مگر جواب میں کہا جائے گا۔ کہ بے ادبی اور گستاخی بلا قصد ایذاء رسول اگر چہ صرف گناہ ہی ہے۔ مگر چونکہ یہ سبب ہے ایذاء رسول کا۔ اور ایذاء رسول اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند اور مبغوض ہے کہ بعض دفعہ وہ سبب ہو جاتا ہے خذلان اور سلب توفیق کا اور پھر یہ خذلان سبب قریب ہو جاتا ہے کفر اختیاری کا اور کفر بالاتفاق حابط اعمال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کے سامنے مذکورہ بالا طرز گفتگو سے بچو۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کو تکلیف پہنچے جس سے تم مخذول ہو جاؤ اور پھر اس خذلان کے سبب خدانخواستہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ تم قصداً کفریہ اعمال کرنے لگ جاؤ۔ حالانکہ تمہیں اس طرز گفتگو کے وقت نہ اس کے واسطے اذیت رسول اور خذلان حق کی خبر تھی اور نہ اس کا احتمال تھا۔ ورنہ اس کا احساس ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے کب ارتکاب کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس تقریر پر کسی گناہ کا بلاواسطہ حابط اعمال ہونا بھی لازم نہیں آیا اور اہل سنت نے بلاواسطہ حبط اعمال کی نفی فرمائی ہے اور اس طرح خاص اس گناہ کا دوسرے عام گناہوں سے اشد ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ دوسرے گناہوں پر اس شان کی وعید نہیں آئی۔

اور چونکہ **ان تحبط اعمالکم** سے **وانتم لا تشعرون** حال ہے اور حال میں حقیقی مقارنت ہوا کرتی ہے۔ اس کی عایت سے اب تقریر کا عنوان اس طرح ہو جائے گا۔ کہ تم حضور ﷺ کے سامنے اور خود حضور ﷺ سے اس طریقہ سے گفتگو نہ کیا کرو کہ مبادا اس شامت سے تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں، اس طرح کہ یہ طرز موجب ایذاء رسول ہو اور وہ خذلان کا باعث ہو۔ کفر اختیاری کی طرف منجر ہو جائے اور کفر موجب حبط اعمال ہے ہی اور تمہیں احساس بھی نہ ہو کہ اعمال کے اکارت جانے کا سبب خود تمہارا یہ طرز عمل ہے۔ تمہارے اسی لاابالی پن نے آج تمہیں یہ روز بد دکھلایا۔

اس عنوان پر مقصود بھی آ گیا اور انتم لا تشعرون کی حالیت بھی محفوظ رہی۔ غرض اس تقریر سے سب غبار صاف ہو گئے اور لفظاً بھی کسی تکلیف کا ارتکاب کرنا نہیں پڑا۔

تعظیم نبوی کی ترغیب:......... (۱) یہاں تو بلند آواز سے یا بے تکلفانہ گفتگو کے متعلق ترہیب تھی۔ اگلی آیت میں پست آواز سے گفتگو کرنے کی ترغیب ہے۔

ان الذین یغضون۔ یعنی جو لوگ پیغمبر کی مجلس میں ادب و تعظیم اور تواضع سے بات چیت کرتے ہیں اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب پرکھ لیا ہے اور خالص و طہارت کے لئے اچھی طرح مانجھ لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ **اعظم شعائر اللہ** چار چیزیں ہیں۔ قرآن کریم، پیغمبر اعظم، کعبۃ اللہ، نماز ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب۔ معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام وارشادات سن کر ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔ غرضیکہ کمال تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان خلاف اولیٰ باتوں سے بھی مکمل احتراز کریں۔

ترمذی کی حدیث مرفوع ہے۔ **لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس به حذرا لما به باس۔** بلند آواز سے گفتگو اور بے باکانہ کلام کبھی موجب تازی ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ جب مطلقاً اس طرز کو چھوڑ دیا تو پھر تکلیف دہ پہلو کا خطرہ ہی نہ رہا اس لئے کمال تقویٰ حاصل ہو گیا

آگے اس عمل کا اخروی ثمرہ ارشاد ہے کہ اس اخلاق وحق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔

حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کے لئے نقطہ عروج ہے:......... **ان الذین ینا دونك**، بنی تمیم ملنے کو آئے حضور ﷺ حجرہ مبارکہ میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ لوگ باہر کھڑے کھڑے آواز دینے لگے۔ یہ ایک قسم کی بے ادبی بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی، اپنی سادہ لوحی اور دیہاتی پن سے رسول ﷺ کے مرتبہ کو نہیں سمجھے۔ کیا معلوم اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ یا کسی اہم کام میں مشغول ہوں۔ کیونکہ اس طرح تو کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آپ کی ذات والا صفات تو مسلمانوں کے تمام دنیوی اور دینی امور کا مرکز وملجا تھی۔

اور پھر پیغمبر کا ادب واحترام بھی آخر کوئی چیز ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری تک انتظار کرتے۔ اور جب آپ تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت عرض ومعروض کرنی چاہئے تھی۔ یہ زیادہ بہتر طریقہ اور شائستہ نمونہ ہوتا۔ پھر بھی نادانستگی اور بے عقلی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا ہے۔

بہرحال اپنی تقصیر پر نادم ہو کر ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور ﷺ کی تعظیم ومحبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر مسلم قوم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔

انتہائی ادب کا تقاضہ:......... (۲) اور الیھم میں یہ نکتہ ہے کہ یہ انتظار اس وقت تک رہنا چاہیے کہ آپ کی باہر تشریف آوری تمہارے ہی لیے ہو۔ ورنہ اگر تشریف تو لائے مگر دوسرے کام کے لئے یا دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ تو پھر صبر وانتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ خروج الیھم نہیں ہے۔ جو غایت ہے صبر کی بلکہ توجہ الیھم ہے جو کافی نہیں ہے ایسی صورت میں باادب کھڑے رہو۔ حتی کہ خود حضور ﷺ تمہاری طرف متوجہ ہو

بائیں یا قرائن سے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ہی لئے تشریف آوری ہوئی ہے۔
حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی احادیث پڑھنے اور سننے کے وقت بھی نیز قبر شریف کے پاس حاضری کے وقت بھی آداب نبوی ملحوظ رہنے چاہئیں۔حتی کہ خلفاء اور علماء ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ بھی درجہ بدرجہ انہی آداب سے پیش آنا چاہیے تا کہ جماعتی نظام قائم رہے جو آنحضرت ﷺ کے متبع ہیں وہ ان احکام کے بھی متبع رہیں گے۔تاہم سوء ادبی کا وبال اتنا نہیں ہوگا۔لیکن بلاضرورت ایذارسانی حرام ضرور ہے تاہم فرق مراتب نہ کرنے سے بہت سے مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہو جاتی ہیں:.........یا ایھا الذین اٰمنوا۔آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ کو اور ایک روایت کے مطابق بنی وکعیہ کو بنی مصطلق کے یہاں زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے روانہ فرمایا۔ولید اور بنی مصطلق میں زمانہ جاہلیت سے کچھ رنجش تھی۔بنی مصطلق ولید کی آمد سن کر استقبال کو آئے۔مگر ولید یہ سمجھے کہ مقابلہ آرائی کو آئے ہیں۔اسی غلط فہمی میں واپس ہو گئے اور اپنے خیال کے مطابق بارگاہ نبوت میں رپورٹ پیش کر دی کہ حضور ﷺ معلوم ہوتا ہے بنی مصطلق تو اسلام سے پھر گئے۔پھر آپ نے تحقیق کے لئے حضرت خالد کو بھیجا اور فرمادیا کہ اچھی طرح تحقیق کرنا اور ایک روایت ہے کہ بنی مصطلق کے لوگ خود حاضر ہوئے۔ممکن ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں۔غرضیکہ ثابت ہو گیا کہ بات بے اصل تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
حاصل یہ ہے کہ بیشتر نزاعات اور مناقشات کی ابتداء چونکہ جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔اس لئے اول اختلاف وتفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تلقین فرمائی۔یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کر لیا کرو۔کہ بسا اوقات بعد میں پچھتانا پڑتا ہے اور اپنی جلد بازی پر ندامت ہوتی ہے اور پھر اس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں جماعتی طور پر کیسا خراب ہوگا۔
ولید بن عقبہ اگر چہ فاسق نہیں تھے۔اور پھر آنحضرت ﷺ نے محض ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا۔بلکہ چھان بین کی اس لئے آیت میں کسی طرح اشکال نہیں رہا۔
پس فاسق کا ذکر حکم میں مبالغہ کے لئے ہے۔اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ ولید فاسق تھے۔اور جب آنحضرت ﷺ نے تحقیق کے بغیر کاروائی نہیں کی،اسی طرح مسلمانوں کو عام حکم ہے کہ وہ بھی اس حکم کے پابند رہیں ورنہ تقدیم بین یدی اللہ و رسولہ لازم آئے گی جس کی ممانعت پہلے ہو چکی ہے۔
غرضیکہ آیت سے نہ ولید کا فاسق ہونا لازم آیا اور نہ یہ شبہ رہا کہ آپ نے بے تحقیق کاروائی کرنی چاہی ہوگی۔کیونکہ آیت میں آنحضرت ﷺ مخاطب ہی نہیں ہیں جب کہ عام مومنین کو حکم ہے اس میں حضور ﷺ کی اقتداء کرو۔
اور خبر سے مطلق خبر مراد نہیں۔بلکہ ان تصیبوا کے قرینہ سے وہ خبر مراد ہے۔جس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔لہٰذا یقینی فاسق اور محتمل فاسق کی خبر غیر مقبول اور غیر معتبر ہوگی۔

چند شبہات کا ازالہ:.........یہاں مطلق خبر کے مقبول غیر مقبول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہے اسی طرح صحابہؓ کے عدول غیر عدول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہوگی۔کیونکہ ولید کا فاسق ہونا نہ آیت سے لازم آ رہا ہے اور نہ ہی حدیث سے ثابت ہے۔کیونکہ ممکن ہے خود ولید کو غلط فہمی ہو گئی ہو۔
اور فتبینوا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضرور اس خبر کی تحقیق کی جایا کرے۔کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ

کریں تو جائز ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو تجسس حرام ہے بلکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ بلا تحقیق عمل نہ کیا کرو۔ یہ بحث مستقل ہے کہ کہاں تحقیق واجب ہے اور کہاں جائز ہے کہاں ممنوع ہے۔

خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے:......... سو اس میں مجمل قاعدہ یہ ہے کہ:

جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو وہاں واجب ہے مثلاً سلطان کسی کے مرتد ہونے کی خبر سنے تو اس پر تحقیق واجب ہے تحقیق سے اگر خبر صحیح ثابت ہو تو مرتد کو توبہ کرائے۔ ورنہ بصورت انکار قتل کردے۔ یا سلطان کو اطلاع ملے کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو چونکہ رعایا کی حفاظت اس کی ذمہ واجب ہے اس لئے اس کی تحقیق بھی واجب ہے۔

۲۔ لیکن جہاں یہ تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہ ہوتا ہو اور تحقیق نہ کرنے سے نہ اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں خبر پہنچائی گئی ہے تو وہاں تحقیق جائز ہوگی ضروری نہ ہوگی۔ مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھ کو مارے گا۔

۳۔ اور اگر تحقیق کے نتیجہ میں اپنی مضرت تو دفع نہیں ہوتی۔ مگر اس دوسرے شخص کو ناگواری ہوگی تو پھر تحقیق حرام ہوگی۔ مثلاً کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں مگر تحقیق کرنے سے وہ شخص فضیحت ہوتا ہے اس لئے تحقیق ممنوع ہوگی۔

رسول ﷺ کی اطاعت کاملہ:......... **واعلموا ان فیکم**۔ یعنی حضور ﷺ کا تشریف فرما ہونا ایک بڑی نعمت الٰہیہ ہے۔

لقد من اللہ الخ اس کی قدر کرو اور کسی بات میں حتیٰ کہ دنیوی امور میں بھی خلاف ورزی نہ کرو اور اس فکر میں نہ رہو کہ دنیوی امور میں حضور ﷺ خود ہماری موافقت فرمایا کریں۔ یا اگر تمہاری کسی خبر یا رائے کو نہ مانیں تو برا مت مانو کیونکہ حق تعالیٰ کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہو تو زمین وآسمان کا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔

ولو اتبع الحق اھوائھم الخ حاصل یہ ہے کہ خبروں کی تحقیق کرلیا کرو حق کو اپنی خواہش اور مرضی کے تابع بنانے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔ کیونکہ رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر اسی میں تمہارا بھلا ہے اگر تمہاری بات کریں تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے گا۔ پھر آخری نبی کس کی بات پر چلے گا۔ اس لئے کہ اگر تمہارا مشورہ نہ مانے تو برا مانو۔ کیونکہ دنیاوی کام میں نبی کا تمہارے مشورہ کو نہ ماننا اگرچہ اس کا خلاف مصلحت ہونا نہ فی نفسہ مستبعد ہے اور نہ خلاف شان نبوت ہے لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو شاذ ونادر ہوں گے۔ پھر ان شاذ ونادر مواقع میں اگر مصلحت فوت ہوتی ہو۔ مگر یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا نعم البدل یعنی رسول کی اطاعت کا اجر وثواب ضرور میسر آئے گا۔ برخلاف اس کے تمہاری رائے پر عمل ہو کہ شاذ ونادر ایسے امور بھی نکلیں گے جن میں مصلحت پوری ہوتی ہے لیکن وہ متعین نہیں ہیں اور پھر وہ بھی بہت ہی کم ہوں گے زیادہ احتمال تو مضرت ہی کا ہے پھر اس مضرت کا کوئی تدارک نہیں۔

بہر حال اگر حضور ﷺ تم لوگوں کا کہا مانتے ہی رہتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے۔ لیکن اللہ کا شکر کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے مومنین کاملین کے دلوں میں ایمان کو محبوب ومرغوب بنادیا اور اس کی ضد کفر کی اور فسق یعنی گناہ کبیرہ کی اور عصیان یعنی گناہ صغیرہ کی نفرت ڈال دی۔ جس سے تم کو ہر وقت رضائے رسول کی جستجو رہتی ہے اور تم وہ احکام مان لیتے ہو جو موجب رضائے رسول ہیں۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے وخواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے۔

دنیوی امور میں بھی اطاعت رسول ضروری ہے بدون اطاعت مطلقہ ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور ایمان کامل کی ترغیب پہلے سے موجود ہے۔ پس

سا طرح تم نے اس حکم کو بھی فوراً قبول کرلیا اور ایمان کی اور تکمیل کرلی۔ آج اگرچہ حضور ﷺ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر حضور ﷺ کی تعلیم اور پ کے نائب ووارث یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔

اللہ علیم حکیم: اللہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت عملی سے وہ احوال ومقامات مرحمت فرماتا ہے جو اس کی استعداد کے ناسب ہوں۔ اس کے احکام میں بھی مصالح کی رعایت موجود ہوتی ہے حکماءِ اسلام بھی ان سے واقف ہیں۔

سلام ایک دوامی قانون ہے:.......... واعلموا ان فیکم الخ کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایسی چیز کا بیان ہے جو ضور ﷺ کی حیات کے ساتھ مخصوص تھی اور وہ دنیوی امور میں آپ کی اطاعت ہی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ''فی کثیر'' کہنا بھی اسی کا قرینہ ہے کیونکہ نیوی امور میں کسی ایک میں بھی گنجائش نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی کی اطاعت کریں اور تخصیص کی وجہ یہ نہیں کہ اگر آپ اپنے بعد کے لئے یسے احکام فرما جاتے تو اطاعت واجب نہ ہوتی بلکہ وجہ تخصیص یہ ہے کہ آپ نے ایسے احکام فرمائے نہیں ہیں کیونکہ یہ احکام جزئی تھے اور حضور ﷺ نے شریعت مؤبدہ چھوڑی ہے اس کے احکام کلیہ ہیں۔ اور اس کی تحقیق کہ دنیوی امور میں کس شرط سے اطاعت واجب ہے۔ آیت ما ان لمومن الخ کے تحت و من یقنت میں گزر چکی ہے۔

سلمانوں کے جھگڑوں کا حل:.......... وان طائفتان۔ یعنی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی جماعتیں پس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ صلح ہوجائے اور اختلاف دور ہوجائے۔ لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو اور ایک فریق دوسرے پر چڑھا چلا ائے اور ظلم وزیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو بے فکر اور یکسو ہو کر نہ بیٹھو۔ بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اس سے مقابلہ کریں۔ یہاں تک لہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آجائے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کردے۔ اس وقت چاہیے کہ سلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات وانصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرادیں۔ کسی ایک کی طرفداری میں جادۂ حق سے ادھر ادھر نہ ھکنے پائیں۔

سلمانوں میں باہم ملاپ ضروری ہے:.......... انما المؤمنون اخوۃ۔ یعنی صلح وجنگ دونوں حالت میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت میں دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یوں ہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو بلکہ صلح صفائی کی پوری کوشش کرو۔

یت کا نزول صحیحین کی ایک روایت کے مطابق انصار کے دو گروہوں اوس وخزرج کے ایک وقتی ہنگامہ کے سلسلہ میں ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے ن کے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرادی تھی۔ جو لوگ خلیفہ کے مقابلے میں بغاوت کریں وہ بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ چنانچہ ماءِ سلف بغاوت کے مسئلہ میں اس سے استدلال کرتے آئے ہیں۔

لکن اس شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات واختلافات کو شامل ہے۔ اور جو مفسر نے روایت شان نزول پیش کی ہے اس کی رو سے مومنین سے مراد عبداللہ بن ابی کی قوم کے مومنین ہیں۔ خود عبداللہ مراد نہیں۔ کیونکہ وہ ظاہراً مومن بنا ہوا تھا حقیقۃً ومن نہیں تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں اس کے ساتھیوں کا غصہ کفر کی حمایت میں نہیں تھا۔ بلکہ حمیت جاہلیہ اور قومی تعصب کے تحت ا۔

مسلمانوں کے اختلافات ختم کرنے کے طریقے:.......... جو مسلمان بالفعل یا بالقوۃ آپس میں مقابل ہو جائیں اخلاصاً یا نفاقاً وہ ایک ہوں یا متعدد۔ ان کے احکام کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) دونوں مسلم جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہوں گی۔ (۲) یا دونوں جماعتیں تحت ولایت نہیں ہوں گی۔ (۳) یا ایک جماعت تحت الولایت اور دوسری جماعت تحت الولایت نہیں ہوگی۔

پہلی صورت میں اگر عام لوگوں کی فہمائش سے ان میں لڑائی موقوف نہ ہو تو امام المسلمین پر اصلاح واجب ہے۔ اس کی پھر تین حالتیں ہیں۔ دونوں جماعتیں اطاعت قبول کر لیں یا دونوں اطاعت سے باہر ہو جائیں۔ یا ایک اطاعت کرے اور دوسری اطاعت نہ کرے۔ پہلی حالت میں قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے۔ یہ سب اصلحوا کے افراد میں داخل ہوں گے اور دوسری تیسری حالتیں دوسری اور تیسری صورت کے ساتھ ملحق ہیں جن کے احکام آگے آ رہے ہیں۔

دوسری صورت میں چونکہ دونوں باغی ہیں ان کا حکم ابھی آتا ہے۔ تیسری صورت میں جو تحت الولایت ہے وہ عادل کہلاتا ہے اور جو اطاعت سے خارج ہے وہ باغی کہلاتا ہے کہ خود امام المسلمین ہی سے آمادہ قتال ہے۔ ان بغت احداھما الخ میں اسی حکم کا بیان فرمایا گیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اول ان کا شبہ رفع کیا جائے کہ اصلاح کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ اگر بغاوت سے یہ باز آ جائیں تو ان سے قتال نہیں کیا جائے گا اور باز نہ آئیں تو پھر مجبوراً قتال کیا جائے گا۔ چنانچہ انہیں اگر قوت و شوکت حاصل ہے تو قتال کے وقت ان کے متعلق یہ احکام ہوں گے کہ ان کے زخمیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے گا۔ اور قتال کے بعد ان کے یہ احکام ہوں گے کہ ان کے ہاتھ سے جو عادل مارے جائیں ان کا قصاص نہیں لیا جائے گا اور جو مال انہوں نے تلف کیا ہے اس کا ضمان نہیں لیا جائے گا۔ یہ سب عدل و قسط میں داخل ہیں۔ اور احکام مشترکہ یعنی قوت و عدم قوت دونوں حالت میں یہ ہیں کہ لڑائی سے پہلے ان کے ہتھیار چھین لئے جائیں گے اور ان کو گرفتار کر کے توبہ کرنے تک ان کو قید رکھا جائے گا اور عین لڑائی کے وقت یا اس کے بعد ان کی اولاد کو غلام باندی نہیں بنایا جائے گا اور نہ ان کا مال غنیمت بنائیں گے البتہ توبہ کرنے تک ان کے اموال کو روکے رکھا جائے گا توبہ کرنے کے بعد وہ واپس کر دیئے جائیں گے، یہ سب بھی عدل و قسط میں داخل ہیں۔

لیکن یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب مسلمانوں کا کوئی امام موجود ہو۔ ورنہ مذکورہ صورتوں میں اور اسی طرح نصرت پر قدرت ہونے کی صورت میں، نیز حق و باطل میں التباس کی صورت میں گھر بیٹھ رہنے کا حکم ہے۔ پس امام المسلمین کے لئے انتظام کرنا اور دوسروں کا اس کی مدد کرنا دونوں "اصلحوا" کے تحت آتے ہیں۔

لطائف آیات:.......... یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا میں شریعت کی پابندی اور ادب کی رعایت اور تقاضائے طبعی کو چھوڑ دینے کا ذکر ہے۔

لا ترفعوا اصواتکم۔ یہ آیات اصل میں شیخ کے آداب و احترام کی ہیں۔

لو یطیعکم فی کثیر من الامر۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید شیخ کو اپنی رائے کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کرے۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ الاية نَزَلَتْ فِىْ وَفْدِ تَمِيْمٍ حِيْنَ سَخِرُوْا مِنْ فُقَرَآءِ الْمُسْلِمِيْنَ كَعَمَّارٍ وَ صُهَيْبٍ وَالسُّخْرِيَّةُ الْاِزْدِرَآءُ وَالْاِحْتِقَارُ **قَوْمٌ** اَىْ رِجَالٌ مِنْكُمْ **مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ** عِنْدَ اللّٰهِ **وَ**

نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ لَا تَعِيْبُوْا فَتُعَابُوْا اَیْ لَا يَعِيْبُ بَعْضُكُمْ بَعْضاً **وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ** لَا يَدْعُوْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً بِلَقَبٍ يَّكْرَهُهٗ وَمِنْهُ يَا فَاسِقُ يَا كَافِرُ **بِئْسَ الْاِسْمُ** اَیِ الْمَذْكُوْرُ مِنَ السُّخْرِيَّةِ وَاللَّمْزِ وَالتَّنَابُزِ **الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ** بَدَلٌ مِنَ الِاسْمِ لِاِفَادَةِ اَنَّهٗ فِسْقٌ لِتَكَرُّرِهٖ عَادَةً **وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۱۱﴾ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ** اَیْ مُؤْثِمٌ وَهُوَ كَثِيْرٌ كَظَنِّ السُّوْءِ بِاَهْلِ الْخَيْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُمْ كَثِيْرٌ بِخِلَافِهٖ بِالْفُسَّاقِ مِنْهُمْ فَلَا اِثْمَ فِيْهِ فِیْ نَحْوِ مَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ **وَّلَا تَجَسَّسُوْا** حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ وَمَعَايِبَهُمْ بِالْبَحْثِ عَنْهَا **وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ** لَا يَذْكُرْهُ بِشَیْءٍ يَّكْرَهُهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ **اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ لَايَحِسُّ بِهٖ لَا **فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ** اَیْ فَاغْتِيَابُهٗ فِیْ حَيَاتِهٖ كَاَكْلِ لَحْمِهٖ بَعْدَ مَمَاتِهٖ وَقَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمُ الثَّانِیْ فَكَرِهْتُمُوْهُ فَاكْرَهُوا الْاَوَّلَ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ** اَیْ عِقَابَهٗ فِی الْاِغْتِيَابِ بِاَنْ تَتُوْبُوْا مِنْهُ **اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ** قَابِلُ تَوْبَةِ التَّائِبِيْنَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۲﴾ بِهِمْ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى** اٰدَمَ وَحَوَّاءَ **وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا** جَمْعُ شِعْبٍ بِفَتْحِ الشِّيْنِ وَهُوَ اَعْلٰى طَبَقَاتِ النَّسَبِ **وَّ قَبَآئِلَ** هِیَ دُوْنَ الشُّعُوْبِ وَ بَعْدَهَا الْعَمَائِرُ ثُمَّ الْبُطُوْنُ ثُمَّ الْاَفْخَاذُ ثُمَّ الْفَصَائِلُ اٰخِرُهَا مِثَالُهٗ خُزَيْمَةُ شَعْبٌ كِنَانَةُ قَبِيْلَةٌ قُرَيْشٌ عِمَارَةٌ بِكَسْرِ الْعَيْنِ قُصَیٌّ بَطْنٌ هَاشِمٌ فَخِذٌ الْعَبَّاسُ فَصِيْلَةٌ **لِتَعَارَفُوْا ؕ** حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ اَیْ لِيَعْرِفَ بَعْضُكُمْ بَعْضاً لَا لِتَفَاخَرُوْا بِعُلُوِّ النَّسَبِ وَاِنَّمَا الْفَخْرُ بِالتَّقْوٰى **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ** بِكُمْ **خَبِيْرٌ** ﴿۱۳﴾ بِبَوَاطِنِكُمْ **قَالَتِ الْاَعْرَابُ** نَفَرٌ مِنْ بَنِیْ اَسَدٍ **اٰمَنَّا ؕ** صَدَّقْنَا بِقُلُوْبِنَا **قُلْ** لَهُمْ **لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا** اَیْ اِنْقَدْنَا ظَاهِراً **وَلَمَّا** اَیْ لَمْ **يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ** اِلَى الْاٰنَ لٰكِنَّهٗ يُتَوَقَّعُ مِنْكُمْ **وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** بِالْاِيْمَانِ وَغَيْرِهٖ **لَا يَلِتْكُمْ** بِالْهَمْزِ وَ تَرْكِهٖ وَ بِاِبْدَالِهٖ اَلِفاً لَا يَنْقُصْكُمْ **مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ** اَیْ مِنْ ثَوَابِهَا شَيْئًا **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِّلْمُؤْمِنِيْنَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۴﴾ بِهِمْ **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ** اَیِ الصَّادِقُوْنَ فِیْ اِيْمَانِهِمْ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ بَعْدُ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا** لَمْ يَشُكُّوْا فِی الْاِيْمَانِ **وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ** بِجِهَادِهِمْ يَظْهَرُ صِدْقُ اِيْمَانِهِمْ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ** ﴿۱۵﴾ فِیْ اِيْمَانِهِمْ لَا مَنْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَلَمْ يُوْجَدْ مِنْهُمْ غَيْرُ الْاِسْلَامِ **قُلْ** لَهُمْ **اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ** مُضَعَّفُ عَلِمَ بِمَعْنٰى شَعَرَ اَیْ اَتُشْعِرُوْنَهٗ بِمَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ فِیْ قَوْلِكُمْ اٰمَنَّا **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۱۶﴾ **يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ** مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ مِمَّنْ اَسْلَمَ بَعْدَ قِتَالٍ مِنْهُمْ **قُلْ لَّا**

تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ ۚ مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْبَآءِ وَیُقَدَّرُ قَبْلَ اَنْ فِی الْمَوْضِعَیْنِ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ هَدٰىکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ فِیْ قَوْلِکُمْ اٰمَنَّا اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَیْ مَا غَابَ فِیْهِمَا وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ بِالْیَآءِ وَالتَّآءِ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ مِّنْهُ.

ترجمہ:.........اے اہل ایمان نہ تو ہنسنا چاہیے (یہ آیت وفد تمیم کے متعلق نازل ہوئی جب انہوں نے عمارؓ، وصہیبؓ جیسے غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ سخریہ اسی ہنسی مذاق کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر و دل آزاری ہوتی ہو) کسی قوم (تم میں سے مردوں) کو دوسری قوم پر، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں (اللہ کے نزدیک) اور نہ (تمہاری) عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو (کسی کی عیب جوئی نہ کرو ورنہ تمہاری عیب جوئی کی جائے گی۔ غرضیکہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی مت کرو) اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو (آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے یاد نہ کرو جو باعث ناگواری ہو۔ مثلاً مسلم کو کافر، فاسق کہہ کر پکارنا) برا نام رکھنا (جس سخریہ، لمز، تنابز کا ذکر ہوا) برا ہے ایمان لانے کے بعد (یہ بدل ہے لفظ اسم سے یہ بتلانے کے لئے یہ فسق ہے کیونکہ بدل عادۃ مکرر ہوتا ہے) اور جو (اس سے) باز نہیں آئیں گے وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے اہل ایمان بہت سے گمانوں سے بچا کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (یعنی گناہ میں ڈالنے والے اور یہ بدگمانی بکثرت پائی جاتی ہے۔ مثلاً اہل خیر مسلمانوں سے بدگمانی کرنا جن کی تعداد بڑی ہے۔ برخلاف فاسق مسلمانوں سے بدگمانی کے کہ وہ گناہ نہیں جب کہ وہ ان کے ظاہر حال کے مطابق ہو) اور نہ ایک دوسرے کے سراغ میں رہو (اس کی دو تا میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے مسلمانوں کی پوشیدہ باتیں اور معائب ٹوہ لگا لگا کر بیان نہ کرو) اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (کسی کی ناگوار بات بیان نہ کرو اگرچہ وہ بات اس میں ہو) کیا تم سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (میتا تخفیف و تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے جس میں احساس نہ رہے ہرگز کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہ کرے گا) اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو (یعنی زندہ بھائی کی غیبت کرنا ایسا ہے جیسے اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھا لینا، پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے کو ناپسند کرتے ہو۔ اسی طرح اس کی غیبت کو بھی ناگوار سمجھو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی غیبت کے متعلق اس کے عذاب سے ڈرو اس طرح کہ اس سے توبہ کر لو) بلاشبہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (توبہ کرنے والوں کی) رحم کرنے والا ہے (ان پر) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا (آدم و حوا سے) اور تمہیں مختلف قومیں (شعوب جمع ہے شعب کی فتح شین کے ساتھ۔ نسب کے اعلیٰ طبقہ کو کہتے ہیں) اور مختلف خاندان بنایا (قبیلہ شعب سے کم ہوتا ہے اس کے بعد عمائر کا درجہ ہے پھر بطون کا درجہ ہے پھر افخاذ پھر فصائل آخری درجہ میں ہے مثلاً خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے بکسر العین، قصی بطن ہے ہاشم فخذ ہے، عباس فصیلہ ہے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اس کی دو تاء میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی ایک دوسرے کی پہچان کے لئے نہ اس لئے کہ اونچے نسب پر فخر کیا جائے۔ قابل فخر تو صرف تقویٰ ہے) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف تو وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ (تمہیں) خوب جاننے والا ہے (تمہارے اندرونی احوال سے) پورا خبردار ہے۔ یہ گنوار (قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (جان و دل سے مان لیا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ تم ایمان تو لائے نہیں لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے (ظاہری فرمانبردار) اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (البتہ تم سے اس کی توقع ہے) اور اگر تم اللہ و رسول کا کہنا مان لو (ایمان وغیرہ کے متعلق) تو اللہ کمی نہ کرے گا (ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی کم نہیں کرے گا) تمہارے اعمال میں سے (یعنی ان کے ثواب میں) ذرا بھی۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کی) بہت مغفرت کرنے والا ان پر بہت رحم کرنے والا ہے پورے

مومن (یعنی سچے مومن جیسا کہ آگے تصریح ہے) وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک وشبہ نہیں کیا۔ ایمان میں ڈانواڈول نہیں ہوئے) اور اپنے مال وجان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا (ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی سچائی ظاہر ہوگئی) یہی لوگ سچے ہیں (اپنے ایمان میں، وہ لوگ سچے نہیں جو آمنا تو کہتے ہیں مگر اسلام کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا) آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان کی خبر دیتے ہو؟ تعلیم بمعنی اعلام ہے مراد خبر ہے یعنی تم اللہ کو اطلاع دیتے ہو اپنے آمنا کہنے کی حالت کی) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ (بغیر خون بہائے مسلمان ہوگئے برخلاف دوسرے لوگوں کے) بعض ان میں قتل وقتال کے بعد اسلام لائے۔ آپ فرمادیجئے کہ مجھ پر اپنے ایمان لانے کا احسان مت رکھو (منصوب ہے "با" جارہ محذوفہ سے اور ان اسلموا اور ان ھداکم دونوں جگہ ان سے پہلے محذوف ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشرطیکہ تم سچے ہو (اپنے آمنا کہنے میں) اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی سب مخفی باتوں کو (جو کچھ ان میں پوشیدہ ہے) جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے (یعملون یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے، اس پر کچھ چھپا نہیں ہے)۔

تحقیق وترکیب:......... قوم۔ خاص طور پر مردوں کو قوم کہا جاتا ہے کیونکہ وہی عورتوں کے لئے قوام ہوتے ہیں۔ قوم دراصل قائم کی جمع ہے جیسے صائم اور زائر کی جمع صوم اور زور آتی ہے۔ عورتیں اگر قوم کے مفہوم میں داخل ہوتیں تو ولانساء نہ کہا جاتا۔ چنانچہ زہیر کا شعر ہے۔

وما ادری ولست اخال ادری　　　اقوام ال حصن ام نساء

البتہ قوم عاد وثمود کا اطلاق جو مردوں کے ساتھ عورتوں پر ہوا ہے وہ طبعاً ہوا ہے۔ اور قوم ونساء دونوں کو نکرہ لایا گیا۔ تاکہ فرد وجماعت دونوں کو ٹھٹھا کرنے کی ممانعت معلوم ہوجائے) اور لا یسخر رجل من رجل ولا امراۃ من امراۃ نہیں کہا۔ کیونکہ اس میں فرد کی ممانعت تو ہوتی ہے۔ مگر ایک سے زائد کے لئے ممانعت نہ ہوتی۔ نیز اس بدخلقی سے بچنے والوں کی عظمت شان بھی ظاہر کرنا ہے۔ تفسیری عبارت میں ازدراء و احتقار مرادف ہیں۔ اور رجال سے تفسیر کرکے قوم کے اسم جمع ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ بمعنی رجال ہے قوم کا واحد معنی رجل ہے اور بعض کے نزدیک اس جمع کا واحد لفظاً نہیں ہے۔

لا تلمزوا انفسکم ۔ مراد ایک دوسرے کی عیب جوئی کی ممانعت کرنا ہے اور انفسکم اس لئے کہا کہ دوسرے کا عیب بیان کرنا خود اپنا عیب بیان کرنا ہے۔ کیونکہ تمام مسلمان مثل ایک جان ہیں اور یا اس لئے کہ جو دوسرے کا عیب بیان کرے گا اس کا بھی عیب بیان کیا جائے گا تو دوسرے کا عیب بیان کرنا گویا خود کو عیب دار بنانا ہے۔ لمز زبانی طعن تشنیع کو کہتے ہیں۔

ولا تنابزوا ۔ نبز کے معنی مطلقاً لقب کے ہیں۔ لیکن عرف میں برے لقب کو کہا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ تنابز والقاب سے یاد کرنے کو کہتے ہیں۔

بئس الاسم ۔ اس کے معنی یہاں ذکر کے ہیں کہا جاتا ہے طار اسمہ بالکرم او باللوم۔ تفسیری عبارت اسی سے اشارہ ہے کہ الاسم میں الف لام عہد کا ہے اور معہود اگرچہ جمع ہے مگر بتاویل مذکور مفرد ہے۔

الفسوق: اس کو مبتداء یا خبر بنانا مشہور ہے لیکن فاعل سے بدل کر بنانا جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے غریب ہے اور بدل کے نکتہ کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ باتیں اگرچہ صغائر ہیں مگر عادۃً بار بار ہونے کی وجہ سے فسق یعنی کبیرہ گناہ ہوجاتی ہیں۔

کثیر امن الظن۔ کثیر کو مبہم رکھا گیا ہے تاکہ گمان میں احتیاط اور تامل سے کام لیا جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گمان ممنوع ہو۔ سفیان ثوری

فرماتے ہیں۔ الظن ظنان احدھما اثم وھو ان یظن ویتکلم بہ والاخر لیس باثم وھو ان یظن و لا یتکلم بہ ۔
بعض الظن اثم۔ مؤمنین چونکہ فی نفسہ کثیر ہیں۔ لہٰذا ان سے بدگمانی بھی کثیر ہوگی اور یہ کثرت بعضیت کے منافی نہیں ہے برخلاف فساق کے ان کے ظاہری فسق سے بدگمانی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بیہقیؒ اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے۔ زجاج کہتے ہیں ھو ظنک باھل الخیر بسوء واما اھل الفسق قلنا ان الظن بھم مثل الذی ظھر منھم اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں اجتنبوا اجتناباً کثیرا۔
لا تجسسوا۔ جس کے معنی ''جس الید'' ہاتھ سے چھوکر معلوم کرنے کے ہیں۔
ایحب احدکم ۔ یہ ایک تمثیل ہے غیبت کی برائی کی جس میں کئی مبالغے ہیں۔ ایک استفہام تقریر کے لئے ہے دوسرے انتہائی ناگوار چیز کو محبوب کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ تیسرے احدکم کی طرف نسبت کرتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ دوسرے اس کو پسند نہیں کرتے۔ چوتھے عام انسان کے بجائے بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پانچویں بھائی کا گوشت بھی مردہ ہونے کی حالت میں کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قتادہؒ سے نقل ہے کما تکرہ ان وجدت جیفۃ مردودۃ ان تاکل منھا کذلک فاکرہ لحم اخیک وھو حی۔
لفظ میتا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ خواہ لحم سے یا اخیہ سے اور تشدید کی قراءت نافعؒ کی ہے۔ اور چونکہ مردار کھانا طبعاً قابل نفرت ہے اس لئے فکرھتموہ فرمایا گیا ہے جس سے عقلاً بھی اس ناگواری مفہوم ہوگئی۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جب یہ کہا گیا۔ ایحب احدکم ان یا کل لحم اخیہ میتاً تو گویا صحابہ کی طرف سے جواب ملا لا۔ پھر کہا گیا فکما کرھتموہ فاجتنبوا ذکرہ بالسوء۔
قاضیؒ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہوئے۔ ان صح ذلک و عرض علیکم ھذا فقد کرھتموہ۔ یہ فاء فصیحیہ ہے کہ شرط مقدر کا جواب ہوتا ہے اس تمثیل میں آبرو کو گوشت سے تشبیہ دی گئی ہے استعارہ تمثیلیہ ہے۔
شعوبا ۔ عرب میں یہ چھ طبقات شمار ہوتے تھے شعب بمعنی شاخ ودرخت۔
ثم لم یر تابوا۔ ثم لانے میں یہ نکتہ ہے کہ ایمان لانے کے وقت تو شک ہے ہی نہیں۔ آئندہ بھی شک نہیں ہوتا۔
ھم الصادقون۔ یعنی اگرچہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں لیکن کہا جائے گا کہ کمال ایمان میں داخل ہیں یا بطور علامت ایمان ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں دیہاتی مسلمانوں کے ایمان پر تعریض کرنا ہے۔
اتعلمون ۔ یعنی یہاں تعلیم بمعنی اعلام ہے اس لئے مفعول ثانی کی طرف با کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے بمعنی شعر متعدی بیک مفعول ہے اور بمعنی اشعر متعدی بدو مفعول ہے۔
اسلامکم۔ ''با'' جارہ تین جگہ مقدر ہے دو موقعہ یہ ہیں'' ان اسلموا۔ ان ھداکم'' حروف مشبہ کے ساتھ ان بکثرت محذوف ہوتا ہے۔
ابوحیان کہتے ہیں'' ان اسلموا'' مفعول کی جگہ ہے اس لئے لا تمنوا علی اسلامکم میں فعل کو اس کی طرف متعدی کیا گیا ہے۔
ان کنتم صادقین ۔ ای فی ادعائکم الایمان بقلبہ فللّٰہ المنۃ علیکم ۔

شانِ نزول:............ و لا یغتب۔ حضرت سلمانؓ کو دو صحابیوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالن لینے روانہ کیا۔ حضرت اسامہؓ کھانے کے انتظام پر تھے۔ انہوں نے سالن سے انکار کر دیا۔ سلمانؓ نے دونوں صحابیوں کو اطلاع کر دی سن کر وہ طنزاً بولے کہ سلمانؓ کو اگر سمیحہ کنویں پر بھیجتے تو اس کا پانی بھی خشک ہو جاتا۔ جب یہ دونوں صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے منہ پر گوشت کی سرخی کیسے جھلک رہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہے کہ ہم نے گوشت کھایا نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے غیبت کی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ذکرک اخاک بما یکرہ کسی نے عرض کیا۔ اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو اس کو ذکر کرنا کیسا ہے؟ فرمایا ان کان

فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم تکن فیہ ما تقول فقد بہتہ ۔ یعنی غیبت موجودہ عیب پیچھے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن غلط عیب بیان کرنا غیبت سے بڑھ کر بہتان کہلاتا ہے۔

یا ایھا الناس ۔ یہ آیت ابو ہند کے متعلق نازل ہوئی۔ جیسا کہ ابوداؤد نے زہری سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو بیاضہ سے فرمایا کہ تم اپنی کسی عورت سے ابو ہند کی شادی کردو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اپنی لڑکیوں کی شادی غلاموں سے کیسے کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بقول ابن عباسؓ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو کعبہ کی چھت پر اذان دینے کا حکم دیا۔ عتاب ابن اسید بولا خدا کا شکر ہے کہ آج کا دن دیکھنے سے پہلے میرے والد کو اللہ نے اٹھالیا۔ حارث ابن ہشام بولا کہ محمد ﷺ کو بھی اس کالے کوے کے علاوہ اذان دینے کو اور کوئی نہیں ملا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قالت الاعراب ۔ مجاہد قتادہ سے ابن جریر نے تخریج کی ہے کہ بنی اسد کے کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے صدقات کا مطالبہ کرتے ہوئے ایمان لانے کو بطور احسان ذکر کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

ربط آیات: .... اول مسلمانوں میں اختلاف ونزاع روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں۔ پھر بتلایا کہ اتفاقاً اگر اختلاف رونما ہو جائے تو پرزور اور موثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش رہنی چاہئے کہ کم از کم جذبات منافرت، ومخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں عموماً دیکھا جاتا ہے جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا۔ بس ایک دوسرے کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگی اور پھبتی کسی۔ تمسخر واستہزا کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے اور پگڑیاں اچھلنے لگتی ہیں۔ حالانکہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ جس کی ہنسی اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات خود یہ بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا تھا مگر ضد اور نفسانیت کا برا ہو کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس طریقہ سے نفرت وعداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور دلوں میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ صلح صفائی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

محاسن اخلاق جماعتی نظام کے ضروری ہیں: .... غرضیکہ کوئی جماعت دوسری جماعت پر آوازنہ کسے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر نہ کرے، نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں، تمسخر اس ہنسی کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر ودل آزاری ہو۔ لیکن تفریح طبع اور دل خوش کرنے کیلئے جو ہنسی مذاق ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے وہ جائز ہے بلکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

اور قوم اور نساء کے لفظ سے یہ مقصود نہیں کہ محض جماعتی طور پر ممانعت مقصود ہے بلکہ مردوں کی اور عورتوں کی جنس مراد ہے خواہ ایک ہو یا زائد۔ اسی طرح مرد کی عورت سے یا عورت کی مرد سے بھی اس قسم کی ہنسی ناجائز ہے اور یہ تخصیص شاید اس لئے ہے کہ اکثر تمسخر ہم جنسوں میں ہوا کرتا ہے اور یا اس لئے کہ جب ہم جنس کے ساتھ تمسخر منع ہے تو غیر جنس سے بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ کیونکہ اس میں تمسخر کے علاوہ ایک طرح کی بے غیرتی اور بے حسی بھی شامل ہوگئی جو اور بھی بری ہے اور کوئی شخص خواہ کتنا ہی حقیر ہو مگر خاتمہ بالخیر چونکہ دونوں کا محتمل ہے اس لئے عسیٰ ان یکونوا خیر امنھم کا بہر حال مصداق ہوگا۔ ڈرنا چاہیے۔

اور فرمایا گیا کہ برے ناموں اور برے القاب سے کسی کو یاد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے اور فتنہ وفساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔

کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری کی بدترین قسم ہے: .... بئس الاسم ۔ یعنی کسی کا برا نام ڈالنے سے آدمی

خود گنہ گار ہوتا ہے اسے تو واقع میں عیب لگایا نہ لگا لیکن خود اس کا نام بدتہذیب، فاسق گنہ گار، مردم آزار پڑ گیا۔ خیال کرو" مومن" کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک شخص ایمان لا چکا اور مسلمان ہو گیا پھر اس کو مسلمانی سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا یہودی یا نصرانی وغیرہ کہہ کر پکارنا کہاں کا انصاف ہے۔ قطعاً نہایت مذموم حرکت ہے یا کوئی کسی عیب میں مبتلا ہو اور وہ اس کا اختیاری نہ ہو۔ یا ایک گناہ سے فرض کیجئے توبہ کر چکا ہے چڑانے کیلئے اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ ومن لم یتب. الخ جو کچھ پہلے ہو چکا اب توبہ کر لو۔ لیکن ان احکام وہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم ایسے ہی لوگ ہوں گے البتہ ایسے القاب اگر کسی غرض کیلئے ہوں۔ مثلاً کوئی شخص لنگڑا ہے اور وہ اسی عنوان سے پہچانا جاتا ہے۔ تو پھر اس لقب کے ذکر کرنے میں حرمت نہیں ہوگی۔

اختلافات کی کہانیاں:.........یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا۔ باہمی اختلافات وتفریق بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق سے اس طرح بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا مخالف کی کوئی بھی بات ہو اس کا مطلب اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک احتمال برائی کا نکلتا ہو۔ مگر ہمیشہ اس کی طبیعت برائی کی طرف چلے گی۔ اور اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمت والزام لگانا شروع کر دے گا۔ پھر نہ صرف یہ کہ ایک بات اتفاقاً پہنچ گئی۔ بدگمانی سے اس کو غلط معنی پہنا دیئے گئے۔ نہیں اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں، جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائے جائیں اور اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں، مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے۔ جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ کیا کوئی انسان اس کو پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو کہ غیبت اس سے بھی زیادہ قابل نفرت کام ہے۔ گوشت نوچ کر کھانے سے اگر جسمانی اذیت ہے تو آبرو جان ومال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کہ کسی کی آبروریزی قلبی اذیت کا باعث ہونے کی وجہ سے زیادہ پاپ ہے۔

مختلف قسم کے گمان اور ان کے احکام:.........ظن میں کثیر کے ساتھ بعض کا لفظ جو کثیر کو بھی شامل ہے اور جمیع کا مقابل ہے اس لئے فرمایا کہ ظن کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ ایک ظن واجب جیسے فقہی ظن کہ غیر منصوص احکام میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔ یا اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا کہ واجب ہے۔

دوسرے ظن مباح جیسے معاشیات میں گمان کرنا، مثلاً ایک شخص علانیہ فسق وفجور کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ رنڈی بھڑوؤں میں جاتا ہے۔ اس پر فسق کا گمان کرنا جائز ہے۔ مگر یقین نہ کر بیٹھئے جب تک دلائل یقین موجود نہ ہوں اسی طرح غیر اختیاری سوء ظن میں بھی گناہ نہیں جب کہ اس کے مقتضی پر عمل نہ ہو۔ البتہ حتی الامکان اس کو دفع کرے۔

۳۔ تیسرا ظن حرام ہے جیسے الٰہیات اور نبوت میں قطعی دلائل کے بغیر گمان قائم کر لینا یا مسائل کلامیہ اور فقہیہ میں دلائل قطعیہ کے خلاف گمان کر لینا، یا کسی شخص میں فسق کی علامات نہ ہوں، بلکہ آثار صلاح ظاہر ہوں ایسے شخص سے سوء ظن رکھنا حرام ہوگا۔

ان تینوں قسموں میں چونکہ سب اقسام حرام نہیں ہیں بلکہ صرف تیسری قسم حرام اور پہلی دو قسمیں حلال ہیں، اس لئے کلا نہیں فرمایا۔ بلکہ کثیرا فرما دیا اور اس کثرت سے کثرت فی نفسہ مراد ہے کثرت اضافی مراد نہیں۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے افراد دوسری اقسام سے زیادہ ہوں۔ اور اگر عوام کی عام عادتوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پہلی دو قسموں کے لحاظ سے بھی اس قسم کی کثرت صحیح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زیادہ تر لوگوں کا

ابتلاء اسی حرام گمان میں رہتا ہے۔ یہ تھی بعض الظن اثم کی تفصیل۔
اور سوء ظن کے متعلق جو الحزم سوء الظن مشہور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتبہ شخص کے متعلق خود کو محتاط رکھے یعنی جس شخص سے بدگمانی ہے اس کے بارے میں بدگمانی کے مقتضی پر عمل نہ کرے۔ یعنی نہ اس کی تحقیر کرے اور نہ اس کو ضرر پہنچائے۔ البتہ گمان کرنے والا اپنے متعلق احتیاط رکھے، اس سے چوکنا رہے اور اس کے وار سے بچتا رہے۔

تجسس، غیبت، بہتان کے احکام:...........اور چھپ کر یا اپنے کو سوتا ہوا ظاہر کر کے دوسروں کی باتیں سننا تجسس میں داخل ہے۔
البتہ کسی سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کے خیال سے نقصان پہنچانے والے کے ارادوں اور تدابیر کی ٹوہ لگائے تو جائز ہے۔ اور غیبت کہتے ہیں پیٹھ پیچھے کسی کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس کو ناگوار ہو گو وہ سچی بات ہی ہو۔ اور غلط بات کہی جائے جس میں غیبت سے بھی زیادہ دیدہ دلیری ہوتی ہے تو اس کو اتہام و بہتان کہا جائے گا۔
اور پیٹھ پیچھے کی قید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سامنے برائی کرنا جائز ہوگا۔ البتہ اس کو غیبت نہیں لمز کہا جائے گا جو گناہ ہے۔
۱۔ اور جس غیبت سے کم تکلیف ہوتی ہو۔ جیسے کسی مکان یا سواری کی برائی کرنا۔ وہ گناہ صغیرہ ہے۔
۲۔ اور جس سے زیادہ تکلیف ہو محقق یہ ہے کہ وہ غیبت گناہ کبیرہ ہے۔
۳۔ اور جو شخص غیبت کے دفع پر قدرت رکھتا ہو مگر پھر بلا اضطرار غیبت سنے، اس غیبت سننے کا حکم بھی غیبت کرنے کے برابر ہے اور غیبت میں چونکہ اللہ اور بندہ دونوں کا حق تلف ہوتا ہے۔
۴۔ اس لئے اول کے لحاظ سے توبہ۔
۵۔ اور دوسرے کی رو سے معاف کرانا بھی ضروری ہے۔
۶۔ البتہ روح المعانی میں حسن، خیاطی، ابن الصباغ نووی، ابن الصلاح، زرکشی، عبدالبر، جیسے علماء سے نقل کیا ہے کہ جب تک متعلقہ شخص کو غیبت کی اطلاع نہ ہو بندے کا حق متعلق نہیں ہوتا۔ تاہم جن لوگوں کے سامنے غیبت کی تھی ان کے سامنے اپنی تردید و تکذیب کرنا ضروری ہوگا ہاں اگر ممکن نہ ہو تو مجبوری ہے۔
۷۔ اور جس کی غیبت کی جائے اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں سے معاف کرانا کافی نہیں ہوگا بلکہ اپنے اور متعلقہ شخص کے لئے بکثرت استغفار کرتا رہے۔
۸۔ اور بچہ (۹) مجنون اور (۱۰) ذمی کافر کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔
۱۱۔ البتہ کافر حربی کو اگرچہ ایذاء پہنچانا جائز ہے مگر ان کی غیبت تضیع اوقات ہے اس لئے مکروہ ہے۔
۱۲۔ اور غیبت جس طرح زبان و کلام سے ہوتی ہے اسی طرح فعل سے بھی ہو سکتی ہے جیسے لنگڑے کی نقل بنا کر چلنا تحقیر کی نیت سے وہ بھی ناجائز ہے۔
۱۳۔ اور غیبت کرنے والا اگر معافی چاہے تو جس کی غیبت کی ہے اس کو معاف کر دینا مستحب ہے کیونکہ تبرع ہے۔
بعض روایات سے ثابت ہے کہ یہ آیت غیبت عام مخصوص البعض ہے۔ چنانچہ برائی بیان کرنے میں اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو وہ غیبت حرام نہیں ہوگی۔ مثلاً
۱۔ ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص سے کرنا جو اس کے ظلم کو روک سکے۔

۲۔ معالج ڈاکٹر سے بیمار کا حال بتلانا۔
۳۔ فتویٰ کی ضرورت سے صحیح صورت حال مفتی کو بتلانا۔
۴۔ محدثین کے اصول حدیث کی رو سے احادیث کی حفاظت کے لئے راویوں پر جرح کرنا۔
۵۔ مسلمانوں کو کسی شر سے خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی، بچانے کے لئے کسی کا حال بتلا دینا۔
۶۔ یا مشورہ لینے کی غرض سے کسی کا حال ظاہر کرنا۔ جیسے وکیل اور بیرسٹر جو مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔
۷۔ جو شخص اپنے فسق کو خود آشکارا کرتا پھرتا ہو اس کا حال بیان کرنا۔ آیت ایحب احدکم میں صرف غیبت کی مذمت ممکن ہے اس کی کثرت ابتلاء کی وجہ سے ہو۔

واتقوا اللہ۔ ظاہر ہے کہ ان نصیحتوں پر کاربند وہی رہے گا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو یہ نہیں تو کچھ نہیں، چاہیے کہ ایمان واسلام کا دعویٰ رکھنے والے واقعی طور پر خدائے قہار کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوگئیں تو اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ تفاخر نسبی کی طرح دعویٰ تقدس کی ممانعت بھی اس آیت سے مفہوم ہورہی ہے۔

فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقیٰ (سورۃ النجم)

سبحان اللہ کیسی بیش بہا ہدایات ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب امراض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ مسلمان اگر ان پر عمل کریں تو جو اختلافات بدقسمتی سے پیش آجاتے ہیں، وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہوجائے۔ بلکہ چند روزہ کوشش سے نفسانی اختلافات کا خاتمہ ہوجائے۔

مدار فضیلت خاندانی اونچ نیچ نہیں، بلکہ ایمان وعمل ہے:.........یا ایها الناس انا خلقنکم، غیبت، طعن وتشنیع، عیب جوئی کا اکثر منشاء کبر ہوا کرتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا ہونا، معزز حقیر ہونا، ذات پات، خاندان اور نسب سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مہذب، پرہیز گار ہوگا اتنا ہی اللہ کے یہاں معزز ومکرم ہے نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد، ایک عورت آدم وحوا، کی اولاد ہیں۔ شیخ، سید، مغل، پٹھان، صدیقی، فاروقی، علوی، انصاری، وغیرہ سب ہی کا سلسلہ ایک ماں باپ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ خاندان اور برادریاں اللہ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کی ہیں۔ بلاشبہ حق تعالیٰ جس کو کسی شریف اور معزز بزرگ گھرانہ میں پیدا کردے۔ وہ ایک وہبی، غیر اختیاری شرف ونعمت ہے جیسے آواز کا سریلا اور صورت کا حسین وشکیل ہونا غیر اختیاری ہے جو بہرحال مستحسن ضرور ہے۔ لیکن یہ فخر وناز کی چیز نہیں ہے کہ اس کو معیار کمال اور مدار فضیلت سمجھ لیا جائے، اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔ ہاں البتہ اس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے بلاکسب واختیار شرف نسبی عطا فرمایا اور شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور وتفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ خصلتوں اور برے اخلاق سے خراب نہ ہونے دے۔ بہرحال عزت وشرف اور فضیلت وبزرگی کا اصل معیار نسب نہیں ہے کہ غیر اختیاری ہے بلکہ صلاح وتقویٰ اور اعمال صالحہ ہیں جو کمالات اختیاری اور کسبی ہیں اور ادب وتقویٰ کا تعلق دل سے ہے اور اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی نظر آتا ہے وہ واقعہ میں کیسا ہے؟ اور آئندہ کیسا رہے گا؟

خاندانوں کا اختلاف تعارف کے لئے ہے اور تعارف مختلف مصالح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً
۱۔ ایک ہی نام کے دو شخص ہیں مگر خاندانوں کے امتیاز سے ان میں امتیاز ہوجاتا ہے۔

۲۔ دور کے اور پاس کے رشتہ داروں کی پہچان ہوتی ہے اور اسی قرب و بعد کے لحاظ سے پھر قرابت داروں کے شرعی حقوق ادا کیے جاتے ہیں۔
۳۔ اس سے عصبات کا قرب و بعد معلوم ہو کر حاجب و محجوب متعین ہو جاتے ہیں۔
۴۔ اپنا خاندان معلوم ہوگا تو دوسرے خاندان کی طرف خود کو منسوب نہیں کرے گا۔ جس کی ممانعت حدیث میں آتی ہے۔

اسلام ناز کی بجائے نیاز کو پسند کرتا ہے۔ قالت الاعراب۔ اس میں ایک ایسی جماعت کی برائی بیان کی جارہی ہے جنہوں نے بطور ریا ایمان کا دعویٰ اور اظہار کیا تھا۔ اور چونکہ ان کا دعویٰ غلط تھا اس لئے برائی اور بھی بڑھ گئی اور سورت کے شروع میں آداب نبوی ﷺ سے متعلق مضمون تھا بطور احسان ان کا یہ دعویٰ علاوہ جھوٹ اور ریا کے آپ کے ساتھ ایک قسم کی گستاخی اور خلاف آداب بھی ہے۔ اس لئے یہ مضمون جس طرح سابقہ قریبی آیات سے مربوط ہے اسی طرح شروع سورت کے مضمون سے بھی مربوط ہے پس آداب نبوی سے سورت کا شروع اور اسی پر اختتام آپ کی عظمت شان کی طرف مشیر ہے۔ اور نیز اس طرف کہ اصل حقوق میں آپ ہی ہیں اور دوسرے اہل حقوق جن کا ذکر درمیان میں آ گیا وہ اس لحاظ سے حقوق میں تابع ہیں کہ اکثر حقوق مسلمانوں سے متعلق ہیں اور اسلام میں یہ شرکت آپ ہی کی بدولت ہوئی۔

آنحضرت اور خود مسلمانوں کے باہمی حقوق کا خلاصہ:...... گویا اس ایک ادب ہی کی یہ ساری تفصیلات ہیں ورنہ اگر سب کو الگ الگ شمار کیا جائے تو چھ آداب اور آنحضرت ﷺ سے متعلق بیان ہوئے ہیں۔
(۱) **لا تقدموا**۔ (۲) **لا ترفعوا**۔ (۳) **لا تجهروا**۔ (۴) **لو انهم صبروا**۔ (۵) **ان جاء كم فاسق**۔ (۶) **واعلموا** اور آٹھ حکم مسلمانوں سے متعلق ہیں اور یہ آیت **قالت الاعراب** الخ مشترک حکم۔ اس طرح اس سورت میں کل پندرہ احکام ہیں۔
اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ایمان و یقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جاتے ہیں اور جڑ پکڑ لیتے ہیں اس وقت غیبت، عیب جوئی وغیرہ کی بری خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں اور جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے میں اور آزار پہنچانے میں مصروف ہو سمجھ لے کہ ابھی ایمان اس کے دل میں پوری طرح پیوست نہیں ہوا۔
حدیث میں ہے کہ **يا معشر من امن بلسانه ولم يغض الايمان الىٰ قلبه لا تغتابوا المسلمين ولا تبتغوا عوراتهم** اس آیت سے اور حدیث جبریل سے ایمان و اسلام میں فرق ظاہر ہے۔ لیکن اگر اسلام سے یہاں لغوی معنی مراد لئے جائیں تو پھر یہ استدلال صحیح نہیں رہتا۔ تفصیلات کا یہ موقعہ نہیں ہے۔
انما المؤمنون الخ۔ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے۔
قل اتعلمون الله۔ یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تمہیں حاصل ہے تو کہنے اور جتلانے کی کیا ضرورت جس سے معاملہ ہے وہ خود باخبر ہے۔

اسلام لانا کچھ اسلام پر احسان نہیں:...... **يمنون عليك ان اسلموا**۔ بعض دیہاتی اور گنوار آ کر کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بغیر لڑائی بھڑائی کے مسلمان ہو گئے اس کا جواب آگے ہے اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے تو آمنا کہا تھا اسلمنا نہیں کہا تھا؟
جواب یہ ہے کہ اگر **ان اسلمنا** ہوتا تو شبہ کی گنجائش تھی۔ کیونکہ صیغہ غائب تو ان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ ان کے ایمان کو پہلے اسلام فرمایا اور وہ اس کے مدعی تھے۔ اس لئے **اسلموا** سے یہ مقصد ہے کہ وہ اپنی ظاہری اطاعت کو جس کو فی الواقع اسلام کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ایمان کہتے

ہیں اور آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ اور آگے اسلامکم میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

نیز هدا کم للایمان میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کا ایمان تسلیم کرلیا گیا ہے؟ کیونکہ یہاں گفتگو بطور فرض کے کی جارہی ہے گویا ان کے قول کی حکایت ہے۔ چنانچہ ان کنتم صادقین اس کا قرینہ ہے یعنی اگر بالفرض تمہارے دعویٰ ایمان کو مان لیا جائے تو بھی یہ خدا کا احسان سمجھنا چاہیے نہ کہ اپنا ۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کند　　　منت ازو شناس کہ بخدمت بداشتت

(بیان القرآن، فوائد عثمانی)

لطائف آیات:.........یا ایها الذین اٰمنوا لا یسخر الخ ان آیات میں ان اکرمکم عند الله اتقاکم تک مکارم اخلاق کی تعلیم ہے قالت الاعراب ۔ اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر نظر نہ رکھو۔ بلکہ ہدایت کے سلسلہ میں اللہ کا احسان سمجھو۔

سُــــوْرَةُ قٓ

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ الاية فَمَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

قٓ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴿۱﴾** الْكَرِيْمِ مَا اٰمَنَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ **بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ** رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ يُخَوِّفُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَعْثِ **فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا** الْاِنْذَارُ **شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَ تَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ **مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا** نَرْجِعُ **ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾** فِيْ غَايَةِ الْبُعْدِ **قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ** تَاْكُلُ **مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾** هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فِيْهِ جَمِيْعُ الْاَشْيَاءِ الْمُقَدَّرَةِ **بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ** بِالْقُرْاٰنِ **لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ** فِيْ شَانِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ **فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾** مُضْطَرِبٍ قَالُوْا مَرَّةً سَاحِرٌ وَ سِحْرٌ وَ مَرَّةً شَاعِرٌ وَ شِعْرٌ وَ مَرَّةً كَاهِنٌ وَ كَهَانَةٌ **اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا** بِعُيُوْنِهِمْ مُعْتَبِرِيْنَ بِعُقُوْلِهِمْ حِيْنَ اَنْكَرُوا الْبَعْثَ **اِلَى السَّمَآءِ** كَائِنَةً **فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا** بِلَا عَمَدٍ **وَّزَيَّنّٰهَا** بِالْكَوَاكِبِ **وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾** شُقُوْقٍ تَعِيْبُهَا **وَالْاَرْضَ** مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَوْضِعِ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ **مَدَدْنٰهَا** دَحَوْنَاهَا عَلٰى وَجْهِ الْمَآءِ **وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ** جِبَالًا تُثَبِّتُهَا **وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ** صِنْفٍ **بَهِيْجٍ ﴿۷﴾** يُبْهَجُ بِهٖ لِحُسْنِهٖ **تَبْصِرَةً** مَفْعُوْلٌ لَهٗ اَيْ فَعَلْنَا ذٰلِكَ تَبْصِيْرًا مِّنَّا **وَّذِكْرٰى** تَذْكِيْرًا **لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾** رَجَّاعٍ عَلٰى طَاعَتِنَا **وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا** كَثِيْرَ الْبَرَكَةِ **فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **وَّحَبَّ** الزَّرْعِ **الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾** الْمَحْصُوْدِ **وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ** طِوَالًا حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ **لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾** مُتَرَاكِبٌ بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ **رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ** مَفْعُوْلٌ لَهٗ **وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا** يَسْتَوِيْ فِيْهِ الْمُذَكَّرُ وَ الْمُؤَنَّثُ **كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلَ هٰذِهِ الْاَحْيَاءِ **الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾** مِنَ الْقُبُوْرِ فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ نَظَرُوْا وَعَلِمُوْا مَا ذُكِرَ **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ** تَانِيْثُ الْفِعْلِ لِمَعْنٰى قَوْمٍ **وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ** بِئْرٍ كَانُوْا مُقِيْمِيْنَ

عَلَيْهَا بِمَوَاشِيْهِمْ يَعْبُدُوْنَ الْاَصْنَامَ وَنَبِيُّهُمْ قِيْلَ حَنْظَلَةُ بْنُ صَفْوَانَ وَقِيْلَ غَيْرُهُ **وَ ثَمُوْدُ** ﴿۱۲﴾ قَوْمُ صَالِحٍ **وَ عَادٌ** قَوْمُ هُوْدٍ **وَّ فِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ** ﴿۱۳﴾ **وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ** اَىِ الْغَيْطَةِ قَوْمُ شُعَيْبٍ **وَقَوْمُ تُبَّعٍ** هُوَ مَلِكٌ كَانَ بِالْيَمَنِ اَسْلَمَ وَدَعَا قَوْمَهُ اِلَى الْاِسْلَامِ فَكَذَّبُوْهُ **كُلٌّ** مِنَ الْمَذْكُوْرِيْنَ **كَذَّبَ الرُّسُلَ** كَقُرَيْشٍ **فَحَقَّ وَعِيْدِ** ﴿۱۴﴾ وَجَبَ نُزُوْلُ الْعَذَابِ عَلَى الْجَمِيْعِ فَلَا يَضِيْقُ صَدْرُكَ مِنْ كُفَّارِ قُرَيْشٍ بِكَ **اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ** اَىْ لَمْ نَعْيَ بِهٖ فَلَا نَعْيَى بِالْاِعَادَةِ **بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ شَكٍّ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ** ﴿۱۵﴾ وَهُوَ الْبَعْثُ **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ** حَالٌ بِتَقْدِيْرِ نَحْنُ **مَا** مَصْدَرِيَّةٌ **تُوَسْوِسُ** تُحَدِّثُ **بِهٖ** الْبَاءُ زَائِدَةٌ اَوْ لِلتَّعْدِيَةِ وَالضَّمِيْرُ لِلْاِنْسَانِ **نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ** بِالْعِلْمِ **مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** ﴿۱۶﴾ اَلْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ وَالْوَرِيْدَانِ عِرْقَانِ لِصَفْحَتَيِ الْعُنُقِ **اِذْ** نَاصِبَةٌ اُذْكُرْ مُقَدَّرًا **يَتَلَقَّى** يَاْخُذُ وَ يُثْبِتُ **الْمُتَلَقِّيٰنِ** الْمَلَكَانِ الْمُوَكَّلَانِ بِالْاِنْسَانِ مَا يَعْمَلُهٗ **عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ** مِنْهُ **قَعِيْدٌ** ﴿۱۷﴾ اَىْ قَاعِدَانِ وَهُوَ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ مَا قَبْلَهٗ **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ** حَافِظٌ **عَتِيْدٌ** ﴿۱۸﴾ حَاضِرٌ وَ كُلٌّ مِنْهُمَا بِمَعْنَى الْمُثَنّٰى **وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ** غَمْرَتُهٗ وَشِدَّتُهٗ **بِالْحَقِّ** مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ حَتّٰى يَرَاهُ الْمُنْكِرُ لَهَا عِيَانًا وَ هُوَ نَفْسُ الشِّدَّةِ **ذٰلِكَ** اَىِ الْمَوْتُ **مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ** ﴿۱۹﴾ تَهْرُبُ وَ تَفْزَعُ **وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ** لِلْبَعْثِ **ذٰلِكَ** اَىْ يَوْمُ النَّفْخِ **يَوْمُ الْوَعِيْدِ** ﴿۲۰﴾ لِلْكُفَّارِ بِالْعَذَابِ **وَ جَآءَتْ** فِيْهِ **كُلُّ نَفْسٍ** اِلَى الْمَحْشَرِ **مَّعَهَا سَآئِقٌ** مَلَكٌ يَسُوْقُهَا اِلَيْهِ **وَّشَهِيْدٌ** ﴿۲۱﴾ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعِلْمِهَا وَهُوَ الْاَيْدِىْ وَالْاَرْجُلُ وَغَيْرُهَا وَيُقَالُ لِلْكَافِرِ **لَقَدْ كُنْتَ** فِي الدُّنْيَا **فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا** النَّازِلِ بِكَ الْيَوْمَ **فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ** اَزَلْنَا غَفْلَتَكَ بِمَا تُشَاهِدُهُ الْيَوْمَ **فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ** ﴿۲۲﴾ حَادٌّ تُدْرِكُ بِهٖ مَا اَنْكَرْتَهٗ فِي الدُّنْيَا **وَقَالَ قَرِيْنُهٗ** الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ **هٰذَا مَا** اَىِ الَّذِىْ **لَدَيَّ عَتِيْدٌ** ﴿۲۳﴾ حَاضِرٌ فَيُقَالُ لِمَالِكٍ **اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ** اَىْ اَلْقِ اَلْقِ اَوْ اَلْقِيَنْ وَبِهٖ قَرَاَ الْحَسَنُ فَاُبْدِلَتِ النُّوْنُ اَلِفًا **كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ** ﴿۲۴﴾ مُعَانِدًا لِلْحَقِّ **مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ** كَالزَّكٰوةِ **مُعْتَدٍ** ظَالِمٍ **مُّرِيْبٍ** ﴿۲۵﴾ شَاكٍّ فِيْ دِيْنِهٖ **الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ** مُبْتَدَاٌ ضُمِّنَ مَعْنَى الشَّرْطِ خَبَرُهٗ **فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ** ﴿۲۶﴾ تَفْسِيْرُهٗ مِثْلُ مَا تَقَدَّمَ **قَالَ قَرِيْنُهٗ** الشَّيْطَانُ **رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ** اَضْلَلْتُهٗ **وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ** ﴿۲۷﴾ فَدَعَوْتُهٗ فَاسْتَجَابَ لِىْ وَقَالَ هُوَ اَطْغَانِىْ بِدُعَائِهٖ اِلَىَّ **قَالَ** تَعَالٰى **لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ** اَىْ مَا يَنْفَعُ الْخِصَامُ هُنَا **وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ** فِي الدُّنْيَا **بِالْوَعِيْدِ** ﴿۲۸﴾ بِالْعَذَابِ فِي الْاٰخِرَةِ لَوْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلَا بُدَّ مِنْهُ **مَا يُبَدَّلُ** يُغَيَّرُ **الْقَوْلُ لَدَيَّ** فِيْ ذٰلِكَ **وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ** ﴿۲۹﴾ فَاُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَ ظَلَّامٌ بِمَعْنٰى ذِىْ ظُلْمٍ لِقَوْلِهٖ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ وَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ۔

ترجمہ:.........سورۃ ق مکیہ ہے بجز آیت ولقد خلقنا السمٰوات کے وہ مدنیہ ہے۔کل ۴۵ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ق (اس کی مراد حقیقی اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قران مجید کی (جو کریم ہے کہ کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کو اس پر حیرت ہوئی کہ ان کے پاس ان ہی میں ایک ڈرانے والا آیا (انہی میں سے ایک فرد پیغمبر ہے۔ جوان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتا ہے) سو کافر کہنے لگے کہ یہ (ڈرانا) عجیب بات ہے کیا جب (اس میں دونوں ہمزہ کی تحقیق ہے اور دوسری ہمزہ کی تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف ہے یہ چار قراء تیں ہوئیں) ہم مرگئے اور مٹی ہوگئے (تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید (انتہائی) دور کی بات ہے ہم ان کے اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھالیتی) کم کردیتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے (یعنی لوح محفوظ، جس میں تمام ہونے والی باتیں درج ہیں)۔ بلکہ وہ سچی بات (قرآن) کو جھٹلا دیتے ہیں جب کہ ان کے پاس پہنچتی ہے۔غرضیکہ یہ لوگ (آنحضرت ﷺ اور قران کریم کے معاملہ میں) ایک متزلزل حالت میں ہیں (ڈانواڈول ہیں کہ کبھی جادوگر اور جادو کہتے ہیں اور کبھی شاعر و شعر اور کبھی کاہن اور کہانت کہتے ہیں) کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں (اپنی آنکھوں سے عقلوں کو کام میں لاکر، انکار قیامت کرتے ہوئے، آسمان کو جوان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے (بلاستون کے) اور اس کو (ستاروں سے) آراستہ کردیا اور اس میں کوئی رخنہ (عیب و چٹن) نہیں ہے اور زمین کو (اس کا عطف الی السماء کے محل پر ہورہا ہے کس طرح) ہم نے پھیلا دیا ہے (پانی پر بچھا دیا ہے اور ہم نے اس میں (مضبوط پہاڑوں کو جما دیا ہے اور اس میں ہر قسم (طرح طرح) کی خوشنما چیزیں اگادیں (جن سے ان کے حسن میں رونق آگئی جو ذریعہ ہے بینائی (یہ مفعول لہ ہے یعنی ہم نے ان کو بینائی کے لئے بنایا) اور دانائی (نصیحت) کا ہر فرمانبردار (ہمارے اطاعت گزار) بندے کے لئے اور ہم نے آسمان سے (بہت) برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت باغ (چمن) اگائے اور کٹی ہوئی کھیتی کا غلہ (دانے) اور لمبی لمبی (یہ حال مقدر ہے) کھجور کے درخت جن کے گچھے گندھے ہوئے ہوتے ہیں (ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ) بندوں کے رزق کے لئے (مفعول لہ ہے) اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو آباد کیا (میتا میں مذکر مونث کے برابر ہیں) اسی طرح (جیسے یہ زندہ کرنا ہے) قبروں سے نکلنا ہوگا (پھر کیسے قبروں سے زندہ ہونے کا انکار کررہے ہو استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں ان سے پہلے قوم نوح (کذبت فعل مونث لایا گیا معنی قوم کی رعایت کرتے ہوئے) اور اصحاب الرس (یہ ایک کنواں تھا جس پر اپنے جانوروں سمیت لوگ رہا کرتے تھے۔ اور بت پرستی کیا کرتے تھے۔ بعض کی رائے میں ان کے پیغمبر حضرت حنظلہ ابن صفوان یا دوسرے کوئی بزرگ تھے) اور ثمود (قوم صالح) اور عاد (قوم ہود) اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ (بمعنی جھاڑی بن۔ قوم شعیب مراد ہے) اور قوم تبع (تبع یمن کا بادشاہ جو مسلمان ہوگیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی قوم کو جب اسلام کی دعوت پیش کی تو قوم نے اس کو جھٹلایا) تکذیب کرچکے ہیں۔ ان سب نے (قریش کی طرح) سب پیغمبروں کو جھٹلایا۔ سو میری وعید محقق ہوگئی (سب پر عذاب نازل کرنا لازمی ہوگیا۔ لہٰذا آپ کو قریش کے کفر سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے) کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے ہیں؟ یعنی نہیں تھکے، اس لئے دوبارہ پیدا کرنے میں بھی نہیں تھکیں گے) بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (قیامت کے متعلق) شبہ میں ہیں اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں (یہ حال ہے بتقدیر نحن) جو کچھ (ما مصدریہ ہے) خیالات آتے ہیں (پیدا ہوتے ہیں) اس کے (با زائد ہے یا تعدیہ کے لئے ہے اور بہ کی ضمیر انسان کی طرف سے راجع ہے) جی میں اور ہم انسان کے (علم کے لحاظ سے) اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں (حبل الورید میں اضافت بیانیہ ہے اور ورید گردن کے دونوں طرف کی رگوں کو کہتے ہیں) جب کہ حاصل کرتے رہتے ہیں (لیتے اور قلمبند کرتے رہتے ہیں) اخذ کرنے والے دو فرشتے (انسان کے عمل پر جو دو فرشتے مقرر ہیں) جو (اس کے) دائیں

بائیں بیٹھے رہتے ہیں (یہ مبتداء ہے اس کی خبر پہلے ہے) وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا۔ مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا (نگران) تیار (حاضر) رہتا ہے (رقیب وعتید دونوں لفظ تثنیہ کے معنی میں ہیں) اور موت کی سختی (بے ہوشی اور شدت) حقیقۃً آ پہنچی (یہ آخرت کے متعلق ہے حتی کہ ایک منکر بھی اس کو کھلم کھلا دیکھتا ہے یعنی نفس شدت ہے) یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا (بھاگتا اور گھبراتا تھا) اور صور (قیامت) پھونکا جائے گا۔ یہی (صور پھونکنے کا روز) وعید کا دن ہوگا (کفار کے لئے عذاب کا) اور آئے گا (اس روز) ہر شخص (محشر کی طرف) اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لائے گا (فرشتہ جو محشر کی طرف اس کو دھکیلے گا) اور ایک گواہ ہوگا (جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا یعنی اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اور کافر سے کہا جائے گا) تو (دنیا میں) بے خبر تھا اس سے (جو کچھ آج عذاب ہو رہا ہے) سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اٹھادیا (تیری غفلت دور کردی جو کچھ آج تیرے مشاہدہ میں آرہا ہے) سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (جن باتوں کا دنیا میں انکار کرتا تھا وہ اب تجھے محسوس ہو رہی ہیں) اور جو فرشتہ (موکل) اس کے ساتھ رہا کرتا تھا وہ عرض کرے گا کہ یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے (حاضر، دوزخ کے داروغہ سے کہا جائے گا) دوزخ میں جھونک دو (یعنی ڈال دو، یا القین جیسا کہ حسنؒ کی قراءت ہے۔ نون کو الف سے بدل لیا) ہر کفر کرنے والے کو ضدی کو (جو حق سے عناد رکھتا ہو) جو نیک کام (جیسے زکوٰۃ) سے روکتا ہو جو حد سے بڑھنے والا (ظالم) شبہ پیدا کرنے والا (اپنے دین میں شک ڈالنے والا ہو) جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (یہ جملہ متضمن معنی شرط کو مبتدا ہے آگے خبر ہے) سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو (اس کی تفسیر پہلے جیسی ہے) اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا (بہکایا نہیں تھا) لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا (میں نے اس کو بلایا ضرور تھا۔ مگر یہ خود میرے بہکانے میں آگیا اور پھر کہتا ہے کہ شیطان نے مجھے بہکا کر گمراہی میں ڈال دیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے سامنے جھگڑنے کی باتیں مت کرو یعنی اس وقت جھگڑنا بے فائدہ ہے) اور میں تو پہلے ہی (دنیا میں) وعید بھیج چکا تھا (عذاب آخرت کی ایمان نہ لانے کی صورت میں وہ ہو کر رہے گا) میرے ہاں بات نہیں بدلی (پھیری) جاتی (اس سلسلہ میں) اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (کہ بلا جرم ان کو سزا دے ڈالوں ظلام ظالم کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے **لا ظلم الیوم** مبالغہ کا مفہوم مراد نہیں ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **والقرآن۔** تفسیری عبارت جواب قسم کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس پر قرینہ بعد کی آیت **ان جاء ھم منذر** ہے۔ اور بعض نے **قد علمنا ما تنقص** کو جواب مانا ہے اور اس پر لازم آنا چاہیے تھا۔ مگر طول کلام کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، اور بعض کے نزدیک جواب قسم آئندہ آیت **ما یلفظ من قول** ہے۔ اس سے پہلی آیات میں اس کے قائم مقام ہوگئی ہیں۔ جیسے **والشمس** الخ کا جواب **قد افلح من زکھا** ہے۔

بل عجبوا۔ یہ محذوف جواب قسم سے اضراب ہے اور اظہار تعجب ان کی کوتاہ عقلوں کی وجہ سے کیا گیا ہے ورنہ فی نفسہ اور عقل کامل کے لحاظ سے انبیاء کا آنا تعجب خیز نہیں ہے۔ بلکہ نہ آنا تعجب خیز ہوتا۔

وکنا ترابا۔ موت اور مٹی ہو جانا باعث تعجب نہیں ہے۔ بلکہ دوبارہ زندہ ہونا جس کو مفسرؒ نے رجع سے تعبیر کیا ہے تعجب خیز بنا ہے مگر ظاہر ہونے کی وجہ سے آیت میں ذکر نہیں کیا۔

قد علمنا۔ علم الٰہی جس کے تمام اجزاء کو محیط ہے اس لئے وہ دوبارہ جلانے پر بھی قادر ہے۔

وعندنا۔ یہ جملہ حالیہ ہے کلام تشبیہی ہے جس طرح کسی کے پاس کتاب ہو جس میں تمام باتیں محفوظ ہوں۔ اسی طرح علم الٰہی سب چیزیں محفوظ ہیں لوح محفوظ کی مثال انسانی دماغ جیسی ہے کہ چھوٹا ہونے کے باوجود کتنی معلومات کا خزانہ ہوتا ہے اور لوح محفوظ تو سفید موتی کا ہے جو

ساتویں آسمان پر ہوا میں معلق ہے جس کا حجم آسمان زمین مشرق مغرب کے برابر ہے۔

فی امر مریج۔ قاموس میں ہے کہ مرج کے معنی فساد واضطراب کے ہیں۔ یہاں اسناد مجازی ہے کیونکہ صاحب امر مریج ہوتا ہے۔

کیف بنینا ھا ۔مفعول سے حال ہے مخاطب کو اقرار پر آمادہ کرنے کے لئے استفہام ہے۔

مالھا من فروج۔ سورۂ ملک میں ھل تری من فطور فلسفہ کے اصطلاحی فرق والتیام کے محال ہونے یا انکار قیامت پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہاں آسمانوں میں ٹوٹ پھوٹ کا انکار کیا جارہا ہے اور وہ بھی بحالت موجودہ۔ لیکن ان کی بناوٹ میں دروازے اگر رکھ دیئے گئے ہوں جن سے فرشتوں وغیرہ کی آمد ورفت ہوتی ہو۔ یا قیامت میں تمور السماء مورا ہو تو اس کی نفی نہیں ہے۔

والارض۔ یہ منصوب ہے اضمار علی شرط التفسیر کی وجہ سے اس کا عطف محل الی السماء پر ہے۔ ای افلم ینظرو ا الی السماء و الارض۔

تبصرۃ۔ عام طور پر اس کو مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب مانا گیا ہے۔ ای التبصیر و التذکیر ۔لیکن بعض حضرات حال کی وجہ سے منصوب کہتے ہیں۔ ای مبصرین ومذکرین اور بعض مفعول سے حال مانتے ہیں۔ ای ذات و تبصرۃ و تذکیر لمن یراھا ۔اور زید بن علی نے دونوں لفظوں کو مرفوع پڑھا ہے ای ہی تبصرۃ ہے۔ اور مفعول لہ ہونے کی صورت میں کیف بنیناھا عامل ہے فعلنا ذلک سے مفسرؒ نے عامل کی تفسیر کردی۔ ای فعلنا البناء و التزیین۔

لکل عبد۔ اس کا تعلق دونوں مصدروں سے ہے۔

منیب۔ یہ صیغہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ نسبت کے لئے ہے جیسے لبان، تمار، اسی لئے رجاع کے معنی ذی رجعت کے ہیں کثرت سے مراد نہیں ہے۔

وحب الحصید۔ مفسرؒ نے زرع سے اشارہ کردیا کہ موصوف محذوف ہو کر صفت قائم مقام ہوگئی تا کہ اضافت الشئی الی نفسہ لازم نہ آئے۔ لیکن یہ دو لفظ اگر مختلف ہوں تو ان میں اضافت بھی ہوسکتی ہے جیسے حق الیقین، حبل الورید دار الاخرۃ۔ اور حصید بمعنی محصود۔ جو کھیت کٹنے کے لائق ہو۔

باسقات۔ جمع ہے باسقۃ کی بواسق بھی جمع ہے بسق الرجل یعنی علم میں ماہر ہوگیا۔ حال مقدرہ اس لئے کہا کہ پیدا ہونے کے وقت کھجور لمبی نہیں ہوتی۔ اور نخل مفرد لایا گیا۔ زیادہ لمبا اور زیادہ نفع بخش ہونے کی وجہ سے چنانچہ حدیث میں مسلمانوں کو نخل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

رزقا۔ حال ہے ای مرزوقا للعباد اور انبات کے معنی میں مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے اور للعباد صفت ہے اور یا مصدر کا متعلق ہے اور یا مصدر کا مفعول ہے۔ اس میں لام زائد ہے اور یہاں عباد کو مطلق اور ذکر لکل عبد منیب میں مقید ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نصیحت صرف اچھے لوگوں کے لئے اور رزق سب کے لئے ہوتا ہے۔

بلدۃ میتا ۔بلدہ مونث ہے اس کی صفت میتا مذکر ہے؟ تفسیری عبارت اسی کا جواب ہے لیکن اس جواب میں نظر ہے کیونکہ یہ قاعدہ فعیل کے لئے ہے کہ اس میں مذکر مونث برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے بہتر توجیہ یہ ہے کہ بلدۃ سے مراد ارض نہ ہو بلکہ مکان ہو اس کی صفت میتا ہے۔

کذلک۔ کاف محل رفع میں ہے مبتدء کی وجہ سے اموات کا حال موات جیسا ہے مفسرؒ استفہام کو تقریری کہہ رہے ہیں لیکن انکار وتوبیخ کے لئے ماننا بہتر ہے۔ نیز والمعنی انھم نظر و ا وعلموا ما ذکر کہنا بھی قابل نظر ہے کیونکہ اگر کفار واقعی نظر کرتے تو ایمان لے آتے۔

اصحاب الرس۔ یمامہ کے ایک خاص کنویں پر رہنے والی قوم تھی اور بعض نے اصحاب الاخدود مراد لئے ہیں۔

فرعون۔ قوم فرعون مراد ہے۔ کیونکہ معطوف علیہ میں بھی اقوام مراد ہیں۔

تبع ۔ کثرت متبعین کی وجہ سے ان کا نام تبع ہوا۔

افعیینا۔ ہمزہ استفہام انکاری ہے اور عی کے معنی عجز وتعب کے ہے۔

بل هم۔ مقدر پر عطف ہے۔ ای هم غیر منکرین لقد رتنا علی الخلق الاول بل هم فی شبهة من خلق جدید ۔ اور خلق کو یہاں تفخیم شان کے لئے نکرہ لایا گیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان۔ جنس مراد ہے جو آدم اور اولاد پر صادق آتی ہے۔

ونعلم حال ہے مضارع مثبت اگر حال ہو تو حرف ضمیر کافی ہوتی ہے واؤ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن جب واو کے ساتھ ہو تو پھر جملہ اسمیہ بنانا پڑے گا۔ اس لئے مفسرؒ نے نحن مقدر مانا ہے۔

توسوس ۔ یہ ضمیر انسان کی طرف راجع ہے انسان اور اس کے نفس کو مغائر فرض کرلیا گیا ہے۔

خاطر ۔ با جس کی طرح اس وسوسہ پر بھی کوئی اچھا برا اثر مرتب نہیں ہوتا۔ البتہ ہم اگر خیر ہو تو مفید ہے اور شر ہو تو مضر نہیں ہے۔ لیکن عزم اختیاری ہونے کی وجہ سے خیر و شر دونوں میں موثر ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ کی آیت ان تبدوا ما فی انفسکم کے تحت گزر چکا ہے۔

نحن اقرب۔ جسمانی قرب مراد نہیں ہے۔ بلکہ علمی مراد ہے۔ سبب کا اطلاق مسبب پر کیا گیا ہے کیونکہ قرب سبب علم ہوتا ہے۔

یتلقی المتلقیان ۔ انسان کی زبان، ان فرشتوں کا قلم اور لعاب روشنائی کا درجہ رکھتی ہے۔ اس آیت سے متعلق عجیب وغریب بحث شیخ عبد العزیز بن دباغ کے حالات پر مشتمل کتاب ''تبریز'' میں دیکھنی چاہیے۔

قعید ۔ فعیل کا وزن کوفیوں کے نزدیک متعدد پر بولا جاسکتا ہے۔ جیسے **والملائکة بعد ظهیر** میں ہے۔ قعید بھی اسی طرح ہے اور بعض کے نزدیک **عن الیمین قعید و عن الشمال قعید** تھا۔ اول سے قعید حذف کردیا گیا ہے۔ اور قعید بمعنی قاعد ہے۔ اور بعض کے نزدیک قعید بمعنی مقاعد ہے جیسے جلیس بمعنی مجالس ہے قعید اور قیب دونوں تثنیہ کے معنی میں آتے ہیں۔ یہ خبر ہے۔ **اذ یتلقی المتلقیان** کی اور قعید ایسے بیٹھنے کو کہتے ہیں جو چمٹ جائے نُس سے مس نہ ہو چنانچہ کراما کاتبین صرف جنابت، جماع، بیت الخلاء کی حالت میں الگ ہوتے ہیں دوسرے اوقات میں لازم وملزوم رہتے ہیں اور ان تین اوقات میں بھی قیافہ سے پہچان کر گناہ یا ثواب لکھ لیتے ہیں۔

بالحق ۔ با تعدیہ کے لئے ہے۔ جیسے جاء زید بعمر و اور حق باطل کی ضد کو کہتے ہیں۔ جس کے ایک معنی مفسرؒ نے بیان کئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سکرت الموت، حقیقۃ الامر کو سامنے کردیتی ہے اور بعض کے نزدیک الحق سے مراد موت اور جزاء ہے۔

ونفخ فی الصور ۔ اس کا عطف جاءت پر ہے اور صور سینگ کی شکل میں ہوتا ہے۔ جس کو حضرت اسرافیل آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت سے منہ میں لئے ہوئے منتظر حکم ہیں۔

سائق ۔ سائق اور شہید کے معنی میں اختلاف ہے مشہور قول وہی ہے جو مفسرؒ نے اختیار کیا ہے اور بعض کے نزدیک سائق برائیاں لکھنے والا فرشتہ اور شہید نیکیاں لکھنے والا فرشتہ اور بعض کے نزدیک سائق سے مراد نفس انسانی یا اس کا قرین ہے اور شہید سے مراد انسان کے جوارح اور اعمال ہیں۔

لقد کنت۔ جمہورؒ کے نزدیک کافر مخاطب ہے۔ درزید بن اسلم کے نزدیک اس کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں یعنی آپ پہلے قرآن سے غافل تھے۔ لیکن سیاق آیت اس کے خلاف ہے چنانچہ دوسری قراءت کنت ضمیر تانیث سے اول معنی کی تائید ہوتی ہے۔

غطاء لک ۔ غفلت اور انہماک محسوسات اور قصور نظر مراد ہے۔ ہر نماز کے بعد اس آیت کو پانچ مرتبہ ہاتھ کی انگلیوں پر دم کرکے آنکھوں سے مل لینا ضعف بصر دور کرنے کے لئے مجرب ہے۔

قرینه ۔ بقول بغویؒ وغیرہ قرین فرشتہ ہے اور ابن عباسؓ، مجاہدؒ سے اس کے معنی شیطان منقول ہیں۔ **قال قرینه ربنا ما اطغیته** میں بھی یہ معنی ہیں۔ اور عتید کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے قبضہ میں تھا۔

مالدی ۔میں ما نکرہ موصوفہ، عتید اس کی صفت ہے اور لدی، عتید کے متعلق ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عتید ۔ ما کی صفت ثانیہ ہو یا خبر ہے۔ مبتداء محذوف کی ای ہو عتید، اور ما موصولہ بھی ہوسکتا ہے۔اور لدی اس کا صلہ ہے اور عتید خبر موصول ہے اور پھر موصول صلہ مل کر اسم اشارہ کی خبر ہے اور ما موصوفہ ہو یا موصولہ، ہذا کا بدل بھی ہوسکتا ہے اور عتید خبر ہوگی اور زمخشری کے نزدیک عتید بدل اور خبر ثانی اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتا ہے۔

القیا۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فاعل کا تثنیہ بمنزلہ فعل کے تثنیہ کے ہے۔اصل میں الق الق تھا دوسرے فعل کو حذف کر کے پہلے فعل میں تثنیہ کی ضمیر لے آئی گئی۔(قاضیؒ) اور بقول صاحب جملؒ تثنیہ کی دو توجیہیں ہیں ایک یہ کہ بظاہر الف تثنیہ ہے ورنہ دراصل فعل مکرر ہے تاکید کے لئے ، مگر دوسرے فعل کو حذف کر کے اس کے فاعل کو پہلے فعل کے فاعل کے ساتھ جمع کر کے تثنیہ لایا گیا ہے۔گویا اس صورت میں نون تثنیہ حذف ہوگیا صرف الف رہ گیا۔اعراب کا تعلق لفظ سے ہوتا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس میں الف تثنیہ نہیں ہے بلکہ نون تاکید خفیفہ سے بدلا ہوا ہے۔تفسیری عبارت اولقین کا یہی مطلب ہے وصل کو وقف کے قائم مقام کر کے نون تاکید کو الف سے تبدیل کر دیا ہے اور بعض نے سائق اور شہید دونوں کے لئے خطاب مانا ہے پھر کسی توجیہ کی حاجت نہیں رہتی۔

الذی جعل۔مفسر نے اس کو مبتدا متضمن معنی شرط قرار دیا ہے۔اس لئے خبر پر فا آ گئی۔لیکن بہتر یہ ہے کہ مبتداء کو شرط کے مشابہ کہا جائے اور اس کو بطور مذمت منصوب بھی مانا جاسکتا ہے۔یا کل سے یا کفار سے بدل مان کر مجرور کہا جاسکتا ہے۔

فالقیاہ ۔فا کے بعد قول مقدر ماننا ضروری ہے۔ورنہ امر انشاء ہونے کی وجہ سے خبر نہیں ہوسکتی۔

ای یقال فیہ القیاہ۔اور بعض کی رائے ہے کہ معناً جواب شرط ہونے کی وجہ سے فاء کے بعد قول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔اور بعض کی رائے ہے کہ یہ مفعول ہے۔فعل مضمر علی شریطۃ التفسیر کا اور بعض اس کو ''کل کفار'' سے بدل کہتے ہیں۔ فالقیاہ فی العذاب الشدید کا عطف القیاہ فی جھنم پر ہے اور بعض اس کو تاکید مانتے ہیں۔لیکن یہ صحیح نہیں۔کیونکہ عطف تاکید کے منافی ہوتا ہے۔

لا تختصموا ۔کفار اور ان کے قرین کو خطاب ہے۔

وقد قدمت ۔بظاہر یہ جملہ لا تختصموا کا حال ہے لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ وعید تو دنیا میں دی گئی۔اور اختصام آخرت میں ہورہا ہے دونوں ایک زمانہ میں نہیں جو حال کے لئے شرط تھے۔جواب یہ ہے کہ کلام میں حذف ہے۔عبارت اس طرح ہے۔ ثبت الأن انی قدمت الیکم بالوعید الخ۔

ظلام للعبید۔اس میں یوم کی قید کا اعتبار نہیں ہے۔بلکہ مطلق ظلم کی نفی مقصود ہے۔

ربط آیات:.........پچھلی سورت کی آخری آیت واللہ بصیر بما یعملون میں اعمال کی جزا کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔اس پوری سورت میں قیامت وجزاء کے امکان اور وقوع کی بحث ہے۔

﴿تشریح﴾ :.........والقرآن المجید ۔قرآن کی عظمت و بزرگی کا کیا کہنا۔جس نے آ کر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اسرار و معارف سے دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔قرآن بذات خود اس کا شاہد ہے کہ اس میں کہیں بھی انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے مگر منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے۔اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت و برہان ہے۔ بلکہ محض اپنی حماقت و

جہالت سے اس پر ناک وبھوں چڑھاتے ہیں کہ انہی کا ایک آدمی رسول بن کر کیوں آ گیا اور بڑا بن کر ان کو نصیحتیں کیوں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی کہ کوئی ماننے کو تیار نہیں۔ بھلا مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہی کچھ کم حیرت ناک نہیں تھا کہ اس پر ستم یہ کہ مٹی بن کر گل سڑ کر پھر دوبارہ زندہ ہوں بھلا ان باتوں کو کوئی کاہے کو ماننے لگا۔ یہ تو بعید در بعید بات اور انوکھی چیستاں ہے عادت کے بھی خلاف اور امکان سے بھی دور۔ اس محال دعویٰ سے تو ان کی پیغمبری کی قلعی بھی کھل گئی۔

قیامت ممکن بھی ہے اور واقعی بھی:......... آگے حق تعالیٰ جواب دیتے ہوئے اول اس کے امکان اور پھر اس کے وقوع سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قد علمنا ما تنقص الارض الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ امکان سے بعید ہونا بلحاظ قابل کے ہوگا یا باعتبار فاعل کے اول صورت تو اس لئے غلط ہے کہ قابل میں زندگی کی قابلیت سراسر مشاہدہ میں ہے یعنی سر دست اس میں زندگی ہے۔ پس محل میں قابلیت کی نفی بالکل خلاف مشاہدہ ہے رہا دوسرے اعتبار سے یعنی فاعل کے اعتبار سے ناممکن ہو۔ سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اللہ کو جسم کے تمام اجزائے مستحیلہ کا پورا علم بھی ہے اور ان پر قدرت بھی۔ اس لئے اس دعوت کا امکان ثابت ہوگیا۔

غرضیکہ سارا انسان مٹی نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کی جان سلامت رہتی ہے۔ مٹی میں اگر ملتا ہے تو بدن ملتا ہے اس کے اجزاء تحلیل ہو کر جو مختلف چیزوں میں مل جاتے ہیں وہ پورے طور پر اس کے علم میں بھی ہیں اور قدرت کے زیر اثر بھی۔ وہ جب چاہے گا ان کو پھر ملا کر کھڑا کر دے گا اور پھر اللہ کا علم بھی قدیم ہے کہ پہلے ہی اس نے سب حالات لوح محفوظ میں لکھ دیئے۔ اب تک وہ کتاب جوں کی توں اس کے پاس موجود ہے۔ پس اگر کسی کی سمجھ میں اس کا علم قدیم نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے کہ سب کچھ اس دفتر میں محفوظ ہے۔

ضدی آدمی ہر سچی بات کا انکار کر دیتا ہے:......... بل کذبوا۔ یعنی کفار کی طرف سے یہ محض اظہار تعجب نہیں۔ بلکہ فی الحقیقۃ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ نبوت ہو یا قرآن، بعث ہو یا قیامت ہر حق بات کو جھٹلاتے ہیں اور جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے وہ عجیب طرح کی الجھنوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہ آسمان ہی کو دیکھ لیں جس میں بظاہر نہ کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون۔ اتنا بڑا عظیم الشان اور پھر نہایت مضبوط بنا کھڑا ہے۔ رات کو جھل مل کرتے ستاروں کا منظر کیسا تاب ناک معلوم ہوتا ہے اور پھر لطف یہ کہ ہزاروں لاکھوں برس گزر گئے۔ اس میں نہ کہیں سوراخ ہوا، نہ کوئی کنگورہ گرا، نہ پلاسٹر ٹوٹا، نہ رنگ خراب ہوا، آخر یہ کیا کمال صناعی ہے۔

آسمان نظر آتا ہے یا نہیں:......... افلم ینظروا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ نیلگوں جو کچھ نظر آتا ہے وہ آسمان نہیں بلکہ کرہ بخارات ہے؟ پس ان دونوں باتوں میں تطبیق دو طرح ہو سکتی ہے ایک یہ کہ نظر آنے سے مراد عام لی جائے۔ خواہ بے حجاب یا بواسطہ حجاب کے پھر اس حجاب کی دو صورتیں ہیں یا حجاب آسمان کے ہم رنگ ہوں یا دونوں کا رنگ الگ الگ ہو۔ پس ان دونوں صورتوں میں جو کچھ نظر آتا ہے اگر کرہ بخار کا ہونا صحیح ہو تو ممکن ہے یہ دونوں کا ملا جلا رنگ کرۂ بخار ہو اور دوسری صورت تطبیق کی یہ ہے کہ نظر سے مراد فکری نظر ہو اس کو مجازاً نظر کہہ دیا اور آسمانوں کا وجود مع اوصاف خاصہ کے چونکہ صحیح دلائل سے ثابت ہے اس لئے اس کا ماننا واجب ہے اور وہ محل غور و فکر ہو سکتا ہے۔ البتہ پہلی صورت میں اس کی تزئین کی دونوں طرف یعنی مزین اور مزین بہ حسی ہیں اور دوسری صورت میں مزین بہ حسی ہے۔ مگر مزین محل فکر ہے اور الی السماء کو الی آثار السماء بھی کہہ سکتے ہیں۔

زمین پر نظر ڈالو کتنے رزق کے خزانے اور قیمتی دولت یہ اگلتی رہتی ہے کہ کہیں ختم ہونے کا نام بھی نہیں لیتے پھر آسمان کی ہمسری کرنے والے لمبے چوڑے پہاڑ اس پر میخوں کی طرح گاڑ دیئے گئے ہیں۔ کیا اس سے مضبوط ترکیبیں اور ہو سکتی ہیں؟

تبصرة وذكرى ۔ جو شخص انہیں حیات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے بلکہ خدا کی طرف رجوع ہو اس کے لئے آسمان زمین کی بناوٹ اور تنظیم میں دانائی وبینائی کے کتنے سامان ہیں جنہیں وہ ادنیٰ غور وفکر کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے اور بھولے ہوئے سبق اس کو یاد آسکتے ہیں۔ مگر ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں پھر یہ لوگ حق کو جھٹلانے کی کیسے جراءت کرتے ہیں۔

قیامت کے امکان کی دلیل:.......... كذلك الخروج ۔ جس طرح بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کر دیئے جائیں گے۔ ذاتی قدرت کے لحاظ سے اگر چہ سب مقدورات یکساں ہیں۔ لیکن آسمان جیسی بڑی چیزوں پر قدرت اس کا واضح ثبوت ہیں کہ چھوٹی چیزوں پر بدرجۂ اولیٰ اس کی قدرت ہے پس جب مقدور بھی ممکن اور فاعل بھی صاحب علم واختیار پھر تعجب یا تکذیب کے کیا معنی؟ اسی طرح آیات كذبت قبلهم الخ میں جھٹلانے والوں کے انجام بد کا ذکر ہے۔ سورہ حجر، سورہ فرقان، سورہ دخان وغیرہ میں ان اقوام کا بیان ہو چکا ہے۔

افعيينا بالخلق الاول. یعنی مقدور کا ممکن ہونا مسلم اور قدرت فاعل بھی تسلیم لیکن اگر کسی کو شبہ ہو کہ اللہ کو عالم پیدا کرنے میں تکان پیدا ہو گیا ہو۔ جس کی وجہ سے دوبارہ پیدا کرنے پر اس کی قدرت کی تنفیذ نہ ہو؟ یہاں اس شبہ کو صاف کر دیا گیا ہے کہ اس کی کامل قدرت میں یہ عارضی نقصان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی صفات ذاتی میں جو عارضی نقصانات سے بھی بری ہے۔ پس بعث کی صحت دلائل سے ثابت ہوگئی اور منکرین کے پاس دلائل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سخت جہالت وگستاخی کا شکار ہیں۔

قیامت کے واقع ہونے کا بیان:.......... ولقد خلقنا الانسان ۔ پہلے امکان بعث پر گفتگو تھی۔ یہاں سے وقوع بعث کا بیان ہے اور چونکہ سزا جزاء موقوف ہے۔ جزاء سزا دینے والے کے علم وقدرت پر اس لئے اول اسی سے شروع کیا گیا ہے کہ ہم انسان کے ہر قول و فعل سے باخبر ہیں حتیٰ کہ اس کے دلی خطرات ووساوس تک سے واقف ہیں اور اتنے کہ خود انسان اپنے سے اتنا واقف نہیں ہے۔

حبل الوريد ۔ سے مراد شہ رگ ہے۔ جس کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے۔ جس کو شرائین کہا جاتا ہے۔ ان میں خون سے زیادہ روح ہوتی ہے چنانچہ سورۂ حاقہ میں وتین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی رگ دل، برخلاف ورید کے اس میں روح کی بہ نسبت خون زیادہ ہوتا ہے۔ اگر چہ یہاں لفظ ورید آیا ہے، مگر لغوی معنی عام مراد ہیں جو شرائین کو بھی شامل ہے۔ اس لئے شرائین ہی کے معنی لینا انسب ہے۔ یعنی اللہ اپنے علم کے اعتبار سے انسان کی روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ انسان کو بھی اپنا اتنا علم نہیں جتنا کہ اللہ کو ہے۔ کیونکہ انسان کا علم حصولی ہے۔ اور اپنی بہت سی حالتوں کا اول تو علم ہوتا ہی نہیں اور جن کا ہوتا ہے وہ بھی بسا اوقات نسیان وذہول کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا علم حضوری ہے۔ جس میں یہ سب احتمالات نہیں ہیں اور علم حضوری میں اگر چہ معلوم کا حضور لازم ہے اور وہ حضور وجود معلوم کے بعد ہوا کرتا ہے، حالانکہ اللہ کا علم جو اس حضور اور وجود دونوں سے مقدم ہے۔ لیکن جو ہر علم ہر حالت میں ہو وہ بہ نسبت اس علم کے جو ایک حالت میں ہو یقیناً زیادہ ہوگا۔

علم الٰہی اور کراماً کاتبین دونوں اعمال کے نگران ہیں:.......... غرضیکہ اللہ کے علم کا انسانی احوال کے لئے محیط ہونا ثابت ہو گیا علت اور منشاء کو معلول اور ناشی سے وہ قرب ہوتا ہے جو خود معلول اور ناشی کو اپنے نفس سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت النبی اولیٰ الخ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ اور اللہ کے علم میں تو یہ سارے اعمال واحوال محفوظ ہیں ہی۔ تاہم ظاہری انضباط وحفاظت کا انتظام بھی دفتر اعمال میں کر دیا گیا ہے۔

کاتبین اعمال کو قعید فرمانا ایک روایت کے مطابق بعض حالات سے یعنی انسان جب بیٹھتا ہے تو وہ بھی بیٹھتے ہیں اور انسان جب چلتا ہے تو وہ

بھی اس طرح چلتے ہیں کہ ایک فرشتہ آگے اور ایک پیچھے رہتا ہے اور جب انسان لیٹتا ہے تو ایک فرشتہ سرہانے ایک پاؤں کی جانب ہوتا ہے۔ البتہ قضاء حاجت اور بیوی سے مشغول ہونے کے وقت الگ ہوجاتے ہیں اور خداداد سمجھ اور قیافہ سے سمجھ جاتے ہیں کہ انسان نے کیا اعمال کئے اور ارادہ عمل کو بھی لکھتے ہیں اور کاتب اعمال کا سائق وشہید ہونا جس روایت میں آیا ہے اس میں یہ تفصیل نہیں کہ کون سائق ہوگا اور کون شہید۔ لیکن عجب نہیں ہے کہ اگر حسنات غالب ہوں تو کاتب حسنات کی شہادت چونکہ زیادہ مناسب ہے اس لئے وہ شہید ہو اور کاتب سیئات سائق ہو۔ لیکن اگر سیئات غالب ہوں تو کاتب سیئات شہید اور کاتب حسنات سائق اور فرشتہ وشیطان دونوں کو قرین کہنا حدیث مسلم میں آیا ہے اور یہ کہ فرشتہ نیک باتیں اور شیطان بری باتیں بتلاتا ہے۔

رقیب عتید ۔ کراماً کاتبین دونوں فرشتے کہاں رہتے ہیں۔ اس کی تفصیل احادیث وآثار میں ملے گی۔ پس جب یہ فرشتے معمولی باتوں کو بھی نہیں چھوڑتے تو اہم معاملات کیسے نظر انداز کرسکتے ہیں۔ غرض سب اعمال دفتر اعمال میں محفوظ ہیں۔ آگے مقصود اصلی قیامت کا ذکر ہے۔ مگر اول اس کے مقدمہ یعنی موت کا بیان ہے۔ کیونکہ انکار قیامت کا سبب موت سے ذہول ہوا کرتا ہے۔

وجاء ت سکرۃ الموت ۔ یعنی لو ادھر مسل تیار ہوئی، ادھر موت کی گھڑی آن پہنچی اور مرنے والا نزع کی بے ہوشیوں اور جان کنی کی سختیوں میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ اس وقت وہ سب باتیں سچ نظر آنا شروع ہوگئیں جن کی آمد کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی تھی اور میت کی سعادت و شقاوت سے پردہ اٹھنے لگا۔ موت کو تحید فرمانا فاسق کیلئے تو دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے اور غیر فاسق کے لئے بتقاضائے طبیعت ہوتا ہے۔ البتہ اس طبعی تقاضہ پر کبھی شوق غالب آجائے تو وہ اس کے معارض اور منافی نہیں ہے۔ کیونکہ مقصود موت کے فی نفسہ اثر کا بیان کرنا ہے۔ نہ کہ عوارض کا، حاصل یہ ہے کہ آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹالنا چاہا اور اس ناگوار وقت سے بہت بھاگنا چاہا اور کتراتا رہا۔ مگر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی؟ آخر سر پر آکھڑی ہوئی اور کوئی تدبیر دفع الوقتی کی کارگر نہ ہوئی۔ اور چھوٹی قیامت تو موت کے وقت ہی آچکی تھی۔ اس کے بعد **و نفخ فی الصور** بڑی قیامت سر پر ہے پس صور پھونکا جائے گا اور وہ ہولناک روز آموجود ہوگا جس سے ڈرانے والے ڈراتے آئے ہیں۔

وجاء ت کل نفس ۔ محشر میں لوگ اس طرح ۔۔۔۔ حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان میں دھکیلتا ہوگا اور دوسرا فرشتہ اعمالنامے لئے ہوگا جس میں زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ یہ دونوں فرشتے ممکن ہے کراماً کاتبین ہوں جو روزنامچہ لکھتے ہیں یا سائق و شہید اور دوسرے فرشتے ہوں۔

لقد کنت فی غفلۃ ۔ یعنی دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات اور خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹادیئے اور نگاہ خوب تیز کردی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط۔

اللہ کے دربار میں شیطان اور انسان کی نوک جھونک: ....**وقال قرینہ** ۔ یعنی فرشتہ روزنامچہ اعمال حاضر کرے گا اور بعض نے قرین سے شیطان مرادلیا ہے یعنی وہ کہے گا مجرم حاضر ہے جس کو میں ورغلا کر دوزخ کے لئے تیار کرکے لایا ہوں۔ یعنی اغواء تو میں نے کیا، مگر گمراہ یہ خود ہوا۔ اپنے ارادہ اور اختیار سے، چنانچہ بارگاہ ایزدی میں دو فرشتوں کو حکم ہوگا۔ **القیا فی جھنم** ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونک دو کہ یہ سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

قال قرینہ ۔ شیطان یہ کہہ کر اپنے جرم کو ہلکا کرنا چاہے گا کہ میں نے کچھ زبردستی نہیں کی تھی صرف ذرا شہ دی تھی یہ کم بخت خود گمراہ ہو کر راہ فلاح و نجات سے دور جا پڑا۔ ارشاد ہوگا۔ **لا تختصموا** ۔ بک بک مت کرو، دنیا میں سب کو نیک وبد سے آگاہ کردیا گیا تھا کہ جو کفر خود کرے گا یا کسی

کے اغواء سے اور جو کسی کو برائی کے لئے کہے گا زبردستی یا بلا جبر۔ سب کو علی قدر مراتب جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ سب اپنی اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے ہمارے یہاں ظلم نہیں۔ جو فیصلہ ہوگا انصاف وحکمت سے ہوگا اور کافر کی بخشش نہیں ہوگی۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور شیطان جو اکفر ہے اس کی بخشش تو کہاں اول کی آیات مومن وکافر کے لئے مشترک ہیں اور اخیر کی آیات کافر کے ساتھ خاص ہیں۔

يَوْمَ نَاصِبُهٗ ظَلَّامٌ **نَقُوْلُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَئْتِ** اِسْتِفْهَامُ تَحْقِيْقٍ لِوَعْدِهٖ بِمَلْئِهَا **وَتَقُوْلُ** بِصُوْرَةِ الْاِسْتِفْهَامِ كَالسُّوَالِ **هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ** ﴿۳۰﴾ اَیْ فِیَّ لَا اَسَعُ غَيْرَ مَا امْتَلَاْتُ بِهٖ اَیْ قَدِ امْتَلَاْتُ **وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ** قُرِّبَتْ **لِلْمُتَّقِيْنَ** مَكَانًا **غَيْرَ بَعِيْدٍ** ﴿۳۱﴾ مِنْهُمْ فَيَرَوْنَهَا وَيُقَالُ لَهُمْ **هٰذَا** الْمَرْئِیُّ **مَا تُوْعَدُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِی الدُّنْيَا وَيُبْدَلُ مِنْ لِلْمُتَّقِيْنَ قَوْلُهٗ **لِكُلِّ اَوَّابٍ** رَجَّاعٍ اِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ **حَفِيْظٍ** ﴿۳۲﴾ حَافِظٍ لِحُدُوْدِهٖ **مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ** خَافَهٗ وَلَمْ يَرَهٗ **وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ** ﴿۳۳﴾ مُقْبِلٍ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَيُقَالُ لِلْمُتَّقِيْنَ اَيْضًا **ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ** اَیْ سَالِمِيْنَ مِنْ كُلِّ مَخُوْفٍ اَوْ مَعَ سَلَامٍ اَوْ سَلِّمُوْا وَادْخُلُوْا **ذٰلِكَ** الْيَوْمُ الَّذِیْ حَصَلَ فِيْهِ الدُّخُوْلُ **يَوْمُ الْخُلُوْدِ** ﴿۳۴﴾ الدَّوَامِ فِی الْجَنَّةِ **لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا** دَائِمًا **وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ** ﴿۳۵﴾ زِيَادَةٌ عَلٰى مَا عَمِلُوْا وَطَلَبُوْا **وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ** اَیْ اَهْلَكْنَا قَبْلَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قُرُوْنًا اُمَمًا كَثِيْرَةً مِنَ الْكُفَّارِ **هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا** قُوَّةً **فَنَقَّبُوْا** فَتَّشُوْا **فِی الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ** ﴿۳۶﴾ لَهُمْ اَوْ لِغَيْرِهِمْ مِنَ الْمَوْتِ فَلَمْ يَجِدُوْا **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَذِكْرٰی** لَعِظَةً **لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ** عَقْلٌ **اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ** اِسْتَمَعَ الْوَعْظَ **وَهُوَ شَهِيْدٌ** ﴿۳۷﴾ حَاضِرٌ بِالْقَلْبِ **وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ **وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ** ﴿۳۸﴾ تَعَبٌ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُوْدِ فِیْ قَوْلِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ اسْتَرَاحَ يَوْمَ السَّبْتِ وَانْتِفَاءِ التَّعَبِ عَنْهُ لِتَنَزُّهِهٖ تَعَالٰى عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ غَيْرِهٖ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ **فَاصْبِرْ** خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ **عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ** اَیِ الْيَهُوْدُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ التَّشْبِيْهِ وَالتَّكْذِيْبِ **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ** صَلِّ حَامِدًا **قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ** اَیْ صَلٰوةَ الصُّبْحِ **وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ** ﴿۳۹﴾ اَیْ صَلٰوةَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ **وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ** اَیْ صَلِّ الْعِشَائَيْنِ **وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ** ﴿۴۰﴾ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ دُبُرٍ وَبِكَسْرِهَا مَصْدَرُ اَدْبَرَ اَیْ صَلِّ النَّوَافِلَ الْمَسْنُوْنَةَ عَقْبَ الْفَرَائِضِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ حَقِيْقَةُ التَّسْبِيْحِ فِیْ هٰذِهِ الْاَوْقَاتِ مُلَابِسًا لِلْحَمْدِ **وَاسْتَمِعْ** يَا مُخَاطَبُ **يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ** هُوَ اِسْرَافِيْلُ **مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ** ﴿۴۱﴾ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ صَخْرَةُ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ اَقْرَبُ مَوْضِعٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَى السَّمَاءِ يَقُوْلُ اَيَّتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ وَالْاَوْصَالُ الْمُتَقَطِّعَةُ وَاللُّحُوْمُ الْمُتَمَزِّقَةُ وَالشُّعُوْرُ الْمُتَفَرِّقَةُ . اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُنَّ اَنْ تَجْتَمِعْنَ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ **يَوْمَ** بَدَلٌ مِنْ يَوْمِ قَبْلَهٗ

يَسْمَعُوْنَ اَىِ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ **الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ** بِالْبَعْثِ وَهِيَ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ مِنْ اِسْرَافِيْلَ وَ يَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ قَبْلَ نِدَآئِهٖ اَوْ بَعْدَهٗ **ذٰلِكَ** اَىْ يَوْمُ النِّدَآءِ وَالسَّمَاعِ **يَوْمُ الْخُرُوْجِ** ﴿۴۲﴾ مِنَ الْقُبُوْرِ وَ نَاصِبُ يَوْمَ يُنَادِىْ مُقَدَّرٌ اَىْ يَعْلَمُوْنَ عَاقِبَةَ تَكْذِيْبِهِمْ **اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ** ﴿۴۳﴾ **يَوْمَ** بَدَلٌ مِّنْ يَوْمَ قَبْلَهٗ وَمَا بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ **تَشَقَّقُ** بِتَخْفِيْفِ الشِّيْنِ وَتَشْدِيْدِهَا بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِى الْاَصْلِ فِيْهَا **الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا** جَمْعُ سَرِيْعٍ حَالٌ مِنْ مُقَدَّرٍ اَىْ فَيَخْرُجُوْنَ مُسْرِعِيْنَ **ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ** ﴿۴۴﴾ فِيْهِ فَصْلٌ بَيْنَ الْمَوْصُوْفِ وَالصِّفَةِ بِمُتَعَلِّقِهَا لِلْاِخْتِصَاصِ وَهُوَ لَا يَضُرُّ وَ ذٰلِكَ اِشَارَةٌ اِلٰى مَعْنَى الْحَشْرِ الْمُخْبَرِ بِهٖ عَنْهُ وَهُوَ الْاِحْيَآءُ بَعْدَ الْفَنَآءِ وَالْجَمْعُ لِلْعَرْضِ وَالْحِسَابِ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ** اَىْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ** تُجْبِرُهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ **فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ** ﴿۴۵﴾ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔

ترجمہ:.........جس دن (یوم کا ناصب ظلام ہے) ہم کہیں گے (نون اور یا کے ساتھ ہے) دوزخ سے کہ تو بھی بھر گئی (استفہام ہے دوزخ بھرنے کے وعدہ کی تحقیق کے لئے) اور وہ کہے گی (استفہامیہ صورت میں سوال کرتے ہوئے) کہ کچھ اور بھی ہے اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی (بلحاظ مکان کے) کچھ دور نہ ہوگی (وہ اس کو دیکھ لیں گے ان سے کہا جائے گا) یہ (نظر آنے والی) وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ دنیا میں یوعدون تا اور یا کے ساتھ ہے اور للمتقین کا بدل کل ہے) کہ وہ ہر شخص اس کے لئے ہے جو رجوع کرنے والا (اللہ کی طاعت کی طرف) پابندی کرنے والا (اللہ کی حدود کی ہے) جو شخص بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو (نہ دیکھنے کے باوجود خوف خدا رکھتا ہوگا) اور ایسے دل کے ساتھ آئے جو رجوع ہونے والا ہو (اللہ کی طاعت کی طرف متوجہ اور متقیوں سے یہ بھی کہا جائے گا) اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ (یعنی ہر طرح کے خطرہ سے محفوظ یا سلامتی سے یا سلام کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ) یہ دن (جس میں جنت کا داخلہ ہوا) ہمیشہ رہنے کا ہوگا (جنت میں) ان کو بہشت میں (ہمیشہ) سب کچھ ملتا رہے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے (ان کے عمل اور ان کی طلب سے) اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں (یعنی کفار قریش سے پہلے بہت سی کفار امتیں ہم تباہ کر چکے ہیں) جو طاقت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں کہ وہ تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے۔ مگر کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی (قریش کو یا اور کافروں کو موت سے چھٹکارہ نہیں کہ بچ جائیں) اس (مذکورہ بات میں نصیحت (عبرت) ہے اس شخص کے لئے جس شخص کے پاس دل (عقل) ہو یا کان ہی لگا لیتا (وعظ سننے کے لئے) متوجہ ہو کر (دل سے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنا ڈالا (اتوار سے جمعہ تک) اور ہمیں تکان (تعب) نے چھوا تک نہیں (یہود کے اس خیال کو رد کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ نے سنیچر کو آرام کیا تھا۔ تکان نہ ہونے کا مطلب اللہ کا مخلوق کے احوال سے پاک ہونا ہے اور یہ کہ اللہ اور دوسروں میں کچھ جوڑ نہیں اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے) پس آپ صبر کیجئے (آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہے) ان کی باتوں پر (یہود وغیرہ جو تشبیہ اور تکذیب کی باتیں کرتے ہیں) اور اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے (نماز شکر ادا کیجئے) سورج نکلنے سے پہلے (نماز فجر) اور سورج چھپنے سے پہلے (نماز ظہر و عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے (مغرب و عشاء کی نماز پڑھئے) اور نمازوں کے بعد بھی (ادبار فتح ہمزہ کے دبر کی جمع اور کسر ہمزہ کے ساتھ ادبر کا مصدر ہے۔ یعنی فرائض کے بعد نوافل بھی پڑھیے اور بعض کی رائے ہے کہ ان اوقات میں تسبیح وحمد کرنا مراد ہے) اور (

اے مخاطب میری بات سن) سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا (اسرافیل) پاس ہی سے پکارے گا (صخرہ بیت المقدس سے جو زمین کی نسبت آسمان سے قریب ہے صور اسرافیل یہ بولے گا کہ اے پرانی ہڈیو! اور جوڑ بندو! گوشت کے ٹکڑو! پراگندہ بالو! اللہ تمہارے فیصلہ کے لئے جمع کرنے کا حکم فرماتا ہے) جس روز (پہلے یوم سے بدل ہے) سنیں گے (تمام لوگ) قیامت کی چیخ و پکار (الحق سے مراد دوسرا نفخہ اسرافیلی ہے۔ اور ممکن ہے یہ شور اسرافیل کی پکار سے پہلے ہو یا بعد میں) یہ (پکار اور سننے کا دن) نکلنے کا دن ہوگا (قبروں سے اور یوم ینادی کا ناصب مقدر ہے یعنی کفار اپنی تکذیب کے انجام کو جان جائیں گے) ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر پھر آنا ہے جس روز (پہلے یوم سے یہ بدل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے) کھل جائے گی (تخفیف شین اور تشدید شین کے ساتھ، اصل میں تاء ثانیہ کا ادغام ہے) زمین ان پر سے جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے (سراعا جمع ہے سریع کی مقدر سے حال ہے، اصل عبارت اس طرح ہے فیخرجون مسرعین) یہ جمع کر لینا ہمارے لئے آسان ہے (موصوف صفت کے درمیان متعلق کا فصل اختصاص کے لئے اور اس فصل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ذلک معنی حشر کی طرف اشارہ ہے جس خبر کی اطلاع کی جارہی ہے یعنی زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لئے پیشی) ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ (کفار قریش) کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی تھوپنے والے نہیں ہیں (کہ ان کو ایمان پر مجبور کردیں۔ یہ ارشاد جہاد سے پہلے کا ہے) آپ تو قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو (یعنی مومن)۔

تحقیق وترکیب:............نقول۔ نافعؒ اور ابوبکرؒ کے نزدیک یا کے ساتھ بطور التفات کے ہےای یقول اللہ لجھنم۔

ھل امتلأت۔ استفہام تحقیق وتقریر وعدہ کے لئے ہے اور جہنم سے سوال و جواب بطریق عقلاء ہے اور شرعاً عقلاً یہ ممکن ہے اس لئے ایسے تمام مواقع پر مجاز ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ استفہام ابن عباسؓ، عطاؒ، مجاہدؒ، مقاتلؒ کے نزدیک صورۃً سوال ہے اور بعض نے استفہام کو استہزاء پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ جب اس پر اپنا قدم رکھیں گے تب جہنم قط قط کہہ اٹھے گی۔

غیر بعید۔ مفسرؒ نے پہلے لفظ کا مقدر مان کر موصوف محذوف کی طرف اشارہ کردیا۔ یہ لفظ قائم مقام ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور بعید فعیل مذکر مونث دونوں کے لئے آتا ہے اور یا مذکر کی صفت ہے یہ جملہ ازلفت کی تاکید ہے جیسے کہا جائے **عزیز غیر ذلیل یا قریب غیر بعید۔**

لکل اواب۔ یا للمتقین سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ اور ہذا مبتداء بھی ہوسکتا ہے اور ما تو عدون موصوف اور لکل اواب خبر ہو جائے۔

بالغیب۔ مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ یہ مفعول سے حال ہے۔ ای خاف

الرحمن حال کونہ غائباً اور فاعل سے بھی حال ہوسکتا ہے۔

بسلام۔ یہ مفعول سے حال بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی مع بھی ہوسکتی ہے اور لفظ تسلیم بھی ماخوذ ہوسکتا ہے۔

لدینا مزید۔ قیامت میں دیدار الٰہی بھی مراد ہوسکتا ہے جو ہر شب جمعہ میں ہوگا،

کم اھلکنا۔ کم خبریہ ہے اھلکنا کا معمول ہے اور من قرن تمیز ہے لفظ کم کی اور ھم اشد جملہ صفت ہے کم یا قرن کی۔ اور بطشاً تمیز ہے اور عبارت اس طرح ہوگی۔ انا اھلکنا قروناً کثیرۃً اشد باساً و بطشاً من قریش

فنقبوا۔ یعنی مختلف مقامات پر پھٹ گئے اور منتشر ہوگئے۔ ھم اشد پر اس کا عطف ہے اور 'فا' سببیہ ہے اور 'ہم' ضمیر قرن کی طرف راجع ہیں یا اہل مکہ کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ بصیغہ امر نقبوا بھی ایک قراءت ہے۔

من محیص۔ مفسر نے لہم نکال کر محیص کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے اور من زائد ہے اور استفہام انکاری ہے۔

له قلب. ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر عقل سے منقول ہے چنانچہ فراء نحوی کہتے ہیں **ماقلبک معک** کے معنی **ماعقلک معک** کے ہیں۔

وهو شهيد۔ جملہ حالیہ ہے حضور قلب کے مراتب ہیں۔ عام مرتبہ یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت اوامر ونواہی کا دھیان رہے۔ مرتبہ خاص یہ ہے کہ خود کو اللہ کے سامنے حاضر تصور کرے کہ وہی احکام دے رہا ہے اور اپنی تلاوت کو محض اس کی ترجمانی سمجھے۔

فی ستة ايام. اللہ کی قدرت تو پل بھر میں ساری کائنات پیدا کر دینے کی ہے مگر بندوں کی تعلیم کے لئے تدریجی طور پر عالم کو پیدا کیا، زمین اور اس کے منافع دو روز میں زمین اور آسمان دو روز میں اور دو روز میں دیگر مخلوقات۔

وما مسنا من لغوب۔ جملہ حالیہ یا مستانفہ اور لغوب عام قراءت ضمہ لام کے ساتھ ہے۔ اور علیؓ طلحہؒ سلمیؒ، یعقوبؒ فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں دونوں صورت میں مصدر ہے اور معنی ایک ہیں اور بقول سیبویہؒ پانچ مصادر الجائیہ ہیں اور بقول کسائی سات مصادر ہیں جو ضمہ کے ساتھ اس وزن پر آتے ہیں۔ اس سے یہود کے اس خیال کی تردید مقصود ہے کہ اللہ نے ساتویں روز آرام کیا۔ نیز ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ اللہ مربع بیٹھا تھا۔ اس لئے مربع بیٹھنے کو یہود ناپسند کرتے ہیں اور دیکھا جائے تو فرقہ مشبہ کی بنیاد پر یہود خیال کے لوگوں ہی سے پڑی ہے۔

سبح بحمد ربك۔ مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ نماز مراد ہے۔ مفسرؒ نے علامہ زمخشری کی طرح اس آیت سے پنجگانہ نمازیں مراد لے رہے ہیں۔

ادبار السجود۔ اکثر کے نزدیک فتحہ ہمزہ کے ساتھ دبر کی جمع ہے اور نافع ہمزہ کے نزدیک کسرہ ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے، ادبرت الصلوٰۃ کے معنی انقضاء اور اتمام کے ہیں فرائض کے بعد نوافل مراد ہیں۔

يوم ينادی۔ کلام مستانف ہے مفعول محذوف کے بیان کے لئے۔

من مکان قريب۔ صخرہ بیت المقدس..... بعض نے اس کو وسط زمین کہا ہے۔

بالحق۔ بمعنی یقین۔ قیامت بھی یقینی ہے۔ تفسیری عبارت ویحتمل الخ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ ندا نفخہ ثانیہ کے علاوہ ہوگی جو پہلی بات کے برخلاف ہے کہ یہ ندا وہی نفخہ مذکورہ ہے۔ الا یہ کہ کہا جائے کہ اس کے منادی جبرئیل ہوں گے اور نفخہ کرنے والے اسرافیلؑ۔

يوم الخروج۔ مفسرؒ نے ناصب یعلمون الخ مقدر مانا ہے اور یخرجون بھی ناصب مقدر ہو سکتا ہے۔

يوم تشقق. مفسرؒ پہلے یوم سے بدل مان رہے ہیں اور بقول ابوالبقاء اول یوم سے بھی بدل ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک مبدل کے دو بدل ہو جائیں گے جو بقول زمخشریؒ ناجائز ہے اور یوم مصیر کا ظرف بھی ہو سکتا ہے۔ یا خروج کا اور یخرجون مقدر سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔

حشر علينا يسير۔ یعنی اصل میں حشر یسیر علینا تھا متعلق کو اختصاص کے لئے مقدم کر دیا گیا۔ لیکن متعلق کی تقدیم یوں بھی جائز ہے۔ البتہ اجنبی کی تقدیم ناجائز ہوتی ہے۔

فذکر معلوم ہوا کہ اہل کو وعظ ونصیحت کرنی چاہیے۔ نااہل کو وعظ کرنا بے فائدہ ہے۔

روايات:........ **وسبح بحمد ربك**۔ طبرانیؒ نے اوسط میں جریر سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ کہ **سبح قبل طلوع الشمس** سے نماز فجر اور **قبل الغروب** سے نماز مغرب مراد ہے اور بخاریؒ میں جریر سے مرفوعاً روایت ہے کہ نماز **قبل طلوع الشمس** اور **قبل الغروب** کی

پابندی اگر کرسکو تو ضرور کرو اور پھر آپ نے تائید میں یہ آیت پڑھی اور مجاہدؒ سے من اللیل سے صلوٰۃ اللیل مراد ہے پس اس صورت میں نماز فجر، عصر، تہجد، تین نمازوں کا ذکر اس آیت میں ہوا۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں یہی تین نمازیں فرض تھیں۔ بعد میں واقعہ اسراء میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ لیکن بقول زمخشریؒ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا بیان ہے۔

ادبار السجود۔ ابن جریر حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، حسن بن علیؓ، قتادہؒ، شعبیؒ، حسنؒ، مجاہدؒ، اوزاعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ مغرب کے بعد دو رکعت مراد ہیں۔ ابن منذر حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ادبار السجود سے مغرب کے بعد دو رکعت اور ادبار النجوم سے نماز فجر سے پہلے دو رکعت مراد ہیں اور بعض نے ان چاروں اوقات میں تسبیح وتحمید مراد لی ہے۔ جیسا کہ بخاری میں ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... یوم نقول لجھنم۔ دوزخ اتنی بڑی ہے کہ دوزخیوں سے بھر نہ سکے گی اور شدت غیظ وغضب میں اور دوزخیوں کا مطالبہ کرے گی۔ حق تعالیٰ کا دوزخ سے پوچھنا تہویل وتخویف کے لئے ہے۔ حدیث شیخین میں ہے کہ دوزخ کے اس جواب پر حق تعالیٰ اپنا قدم رکھ دیں گے دوزخ دب جائے گی اور سمٹ کر سکڑ جائے گی اور بس بس کہے گی۔

شبہات اور جوابات: .... اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری آیت میں لاملئن جھنم من الجنۃ و الناس فرمایا گیا ہے جس سے جہنم کا بھر جانا معلوم ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دوسری آیت میں بھرنے سے عام مراد ہے خواہ ابتداءً یا انتہاءً۔ پس قدم رکھ دینے سے بھر جانا بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ اس پر یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ وہ بھرنا تو قدم سے ہوا اور آیت میں جنات اور انسانوں سے بھرنا معلوم ہو رہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ قدم رکھنا تو محض تصرف کے لئے ہے البتہ بھرنا جن وانس ہی سے ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے گیلی مٹی کا برتن بنا کر اس میں کنکریاں بھر دی جائیں مگر او چھا رہ جائے تو اس کو ہاتھ یا پاؤں سے دبا دیا جائے۔ اتنا کہ کنکریاں اوپر تک آجائیں تو اس برتن کو کنکروں سے ہی بھرا ہوا کہا جائے گا۔

اسی طرح یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ جہنم کے لئے تو تنگی بہتر ہے نہ کہ کشادگی وہ تو جنت کے لئے خوبی ہے۔ چنانچہ دوسری آیات وروایات سے بھی جہنم کا تنگ ہونا معلوم ہے۔

جواب یہ ہے کہ شروع میں کشادگی ہوگی اور قدم رکھ دینے سے تنگی ہو جائے گی۔ قدم رکھنا تو متشابہات میں سے ہے۔ جہنم کے سوال وجواب میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔

وازلفت الجنۃ۔ یہاں سے جنت کا بیان ہے کہ بہت قریب سے اس کی تروتازگی بناؤ سنگار دیکھیں گے۔

جنت کے قریب ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کی اصلی جگہ سے منتقل کر کے میدان قیامت میں لایا جائے اور اللہ کو سب کچھ قدرت ہے۔ اس صورت میں ادخلوھا کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی چلے جاؤ۔ بلکہ بشارت اور وعدہ ہے کہ حساب کتاب کے بعد جنت میں چلے جانا اور دوسری صورت یہ ہے کہ حساب کتاب سے فراغت کے بعد جنت کو قریب لایا جائے گا اور پھر کہا جائے گا۔ ھذا ما توعدون الخ

پہلے کفار کی اخروی تعقیب کا ذکر تھا۔ درمیان میں ان کے مقابل اہل جنت کی اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہوا۔

پھر آیت وکم اھلکنا الخ میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے کہ پہلے ہم کتنی شریر وسرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں جو زور وقوت میں موجودہ سرکشوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے پھر جب عذاب الٰہی آیا تو بھاگنے کے لئے روئے زمین پر کہیں ٹھکانہ نہ ملا یا یہ مطلب ہے کہ عذاب الٰہی کے وقت اپنی بستیوں میں کھوج لگاتے پھرے مگر کہیں ٹھکانہ نہیں ملا۔

وما مسنا من لغوب ۔یعنی اتنی بڑی بڑی چیزیں بنا کر بھی نہیں تھکتے تو دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔ نیز بگاڑنا تو بہ نسبت بنانے کے آسان ہے **فاصبر** الخ۔ آپ ان کی بیہودہ بکواس پر غمگین نہ ہو جایئے کہ یہ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔ آپ اللہ کی یاد اور عبادت میں لگیے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں فجر، عصر، تہجد کی تین نمازیں فرض تھیں۔ اب پنجوقتہ نمازوں کے ساتھ ان اوقات کی نمازیں خصوصی فضیلت وشرف رکھتی ہیں نمازوں کے ساتھ تسبیح وتحمید بھی مطلوب ہے۔

آگے آیت **واستمع** سے قیامت کا تاکیداً پھر ذکر ہے کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس کے پتھر سے صور پھونکا جائے گا اسی لئے نزدیک کہا ہے اور یا اس لئے کہ اس کی آواز سب جگہ قریب معلوم ہوگی۔ اور یکساں سنائی دے گی۔ ظاہر ہے اس سے نفخ صور مراد ہے اگرچہ دوسری ندائیں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہوں گی۔ غرض دوسری مرتبہ نفخ صور سے سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور موت وحیات سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ آخر کار سب کو اسی کے پاس جانا ہے۔ کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا، زمین پھٹے گی مردے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے۔ اللہ سب اگلوں پچھلوں کو اکٹھا کر دے گا اور یہ اس کے لئے بالکل آسان ہے۔ جو لوگ انکار قیامت میں واہی تباہی بکتے ہیں۔ انہیں ہمارے حوالے کیجئے ہم خود نبٹ لیں گے۔ آپ کا یہ منصب نہیں کہ ہر ایک کو زور زبردستی بات منوائیں ہاں سنا سنا کر بالخصوص اللہ سے ڈرنے والوں کو فہمائش کرتے رہیے۔

لطائف سلوک:............ان فی ذلک ۔اس میں کلام شیخ کے نافع ہونے کے شرائط ہیں۔

فاصبر علی ما یقولون سے شدائد ومصائب میں تسلی کا بڑا ذریعہ توجہ الی اللہ معلوم ہوتا ہے۔

سُــوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ

سُوْرَةُ وَالذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ سِتُّوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

وَالذّٰرِيٰتِ الرِّيَاحِ وَالتُّرَابِ وَغَيْرِهٖ ذَرْوًا ﴿۱﴾ مَصْدَرٌ وَيُقَالُ تَذْرِيْهِ ذَرْيًا تَهُبُّ بِهٖ فَالْحٰمِلٰتِ السُّحُبِ تَحْمِلُ الْمَاءَ وِقْرًا ﴿۲﴾ ثِقْلًا مَفْعُوْلُ الْحَامِلَاتِ فَالْجٰرِيٰتِ السُّفُنِ تَجْرِيْ عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ يُسْرًا ﴿۳﴾ بِسُهُوْلَةٍ مَصْدَرٌ فِيْ مَوْضِعِ الْحَالِ اَيْ مُيَسَّرَةً فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تُقَسِّمُ الْاَرْزَاقَ وَالْاَمْطَارَ وَغَيْرَهَا بَيْنَ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ مَا مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ اِنَّ وَعْدَهُمْ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ لَوَعْدٌ صَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّيْنَ الْجَزَاءَ بَعْدَ الْحِسَابِ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ لَا مَحَالَةَ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ جَمْعُ حَبِيْكَةٍ كَطَرِيْقَةٍ وَطُرُقٍ اَيْ صَاحِبَةُ الطُّرُقِ فِي الْخِلْقَةِ كَالطُّرُقِ فِي الرَّمْلِ اِنَّكُمْ يَااَهْلَ مَكَّةَ فِيْ شَانِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ قِيْلَ شَاعِرٌ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شِعْرٌ سِحْرٌ كَهَانَةٌ يُّؤْفَكُ يُصْرَفُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ اَيْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾ صُرِفَ عَنِ الْهِدَايَةِ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ لُعِنَ الْكَذَّابُوْنَ اَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ جَهْلٍ يَغْمُرُهُمْ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ غَافِلُوْنَ عَنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ يَسْئَلُوْنَ النَّبِيَّ اِسْتِهْزَاءً اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ اَيْ مَتٰى مَجِيْئُهٗ وَجَوَابُهُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَيْ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهَا وَيُقَالُ لَهُمْ حِيْنَ التَّعْذِيْبِ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ تَعْذِيْبَكُمْ هٰذَا الْعَذَابُ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ فِي الدُّنْيَا اِسْتِهْزَاءً اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ تَجْرِيْ فِيْهَا اٰخِذِيْنَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِيْ خَبَرِ اِنَّ مَآ اٰتٰهُمْ اَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ مِنَ الثَّوَابِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ اَيْ دُخُوْلِهِمْ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ فِي الدُّنْيَا كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَنَامُوْنَ وَمَا زَائِدَةٌ وَيَهْجَعُوْنَ خَبَرُ كَانَ وَقَلِيْلًا ظَرْفٌ اَيْ يَنَامُوْنَ فِيْ زَمَنٍ يَسِيْرٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَيُصَلُّوْنَ اَكْثَرَهٗ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يَقُوْلُوْنَ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا **وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ** ﴿۱۹﴾ الَّذِیْ لَا یَسْئَالُ لِتَعَفُّفِہٖ **وَفِی الْاَرْضِ** مِنَ الْجِبَالِ وَالْبِحَارِ وَالْاَشْجَارِ وَالثِّمَارِ وَ النَّبَاتِ وَغَیْرِھَا **اٰیٰتٌ** دلاَ لَاتٌ عَلٰی قُدْرَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَوَحْدَانِیَّتِہٖ **لِّلْمُوْقِنِیْنَ** ﴿۲۰﴾ **وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ** اٰیَاتٌ اَیْضًا مِنْ مَبْدَأِ خَلْقِکُمْ اِلٰی مُنْتَھَاہُ وَمَا فِیْ تَرْکِیْبِ خَلْقِکُمْ مِنَ الْعَجَائِبِ **اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ** ﴿۲۱﴾ ذٰلِکَ فَتَسْتَدِلُّوْنَ بِہٖ عَلٰی صَانِعِہٖ وَ قُدْرَتِہٖ **وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ** اَیِ الْمَطَرُ الْمُسَبَّبُ عَنْہُ النَّبَاتُ الَّذِیْ ھُوَ رِزْقُکُمْ **وَمَا تُوْعَدُوْنَ** ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمَاٰبِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ اَیْ مَکْتُوْبٌ ذٰلِکَ فِی السَّمَآءِ **فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ** اَیْ مَا تُوْعَدُوْنَ **لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ** ﴿۲۳﴾ بِرَفْعِ مِثْلُ صِفَۃٌ وَمَا مَزِیْدَۃٌ وَ بِفَتْحِ اللَّامِ مُرَکَّبَۃٌ مَعَ مَا الْمَعْنٰی مِثْلَ نُطْقِکُمْ فِیْ حَقِیْقَتِہٖ اَیْ مَعْلُوْمِیَّتِہٖ عِنْدَکُمْ ضَرُوْرَۃَ صُدُوْرِہٖ عَنْکُمْ **ھَلْ اَتٰکَ** خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ **حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰھِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ** ﴿۲۴﴾ وَھُمْ مَلٰئِکَۃٌ اِثْنَا عَشَرَ اَوْ عَشَرَۃٌ اَوْ ثَلَاثَۃٌ مِنْھُمْ جِبْرِیْلُ **اِذْ** ظَرْفٌ لِحَدِیْثِ ضَیْفِ **دَخَلُوْا عَلَیْہِ فَقَالُوْا سَلٰمًا** اَیْ ھٰذَا اللَّفْظَ **قَالَ سَلٰمٌ** اَیْ ھٰذَا اللَّفْظَ **قَوْمٌ مُّنْکَرُوْنَ** ﴿۲۵﴾ لَا نَعْرِفُھُمْ قَالَ ذٰلِکَ فِیْ نَفْسِہٖ وَھُوَ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ اَیْ ھٰٓؤُلَاءِ **فَرَاغَ** مَالَ **اِلٰٓی اَھْلِہٖ** سِرًّا **فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ** ﴿۲۶﴾ وَفِیْ سُوْرَۃِ ھُوْدٍ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ اَیْ مَشْوِیٍّ **فَقَرَّبَہٗٓ اِلَیْھِمْ قَالَ اَلَا تَاْکُلُوْنَ** ﴿۲۷﴾ عَرَضَ عَلَیْھِمُ الْاَکْلَ فَلَمْ یُجِیْبُوْا **فَاَوْجَسَ** اَضْمَرَ فِیْ نَفْسِہٖ **مِنْھُمْ خِیْفَۃً قَالُوْا لَا تَخَفْ** اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ **وَبَشَّرُوْہُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ** ﴿۲۸﴾ ذِیْ عِلْمٍ کَثِیْرٍ ھُوَ اِسْحَاقُ کَمَا ذُکِرَ فِیْ سُوْرَۃِ ھُوْدٍ **فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُہٗ** سَارَۃُ **فِیْ صَرَّۃٍ** صَیْحَۃٍ حَالٌ اَیْ جَاءَتْ صَائِحَۃً **فَصَکَّتْ وَجْھَھَا** لَطَمَتْہُ **وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ** ﴿۲۹﴾ لَمْ تَلِدْ قَطُّ وَ عُمْرُھَا تِسْعٌ وَ تِسْعُوْنَ سَنَۃً وَعُمْرُ اِبْرَاھِیْمَ مِائَۃُ سَنَۃٍ اَوْ عُمْرُہٗ مِائَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَۃً وَعُمْرُھَا تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ سَنَۃً **قَالُوْا کَذٰلِکِ** اَیْ مِثْلَ قَوْلِنَا فِی الْبِشَارَۃِ **قَالَ رَبُّکِ اِنَّہٗ ھُوَ الْحَکِیْمُ** فِیْ صُنْعِہٖ **الْعَلِیْمُ** ﴿۳۰﴾ بِخَلْقِہٖ

ترجمہ:.........سورۂ ذاریات مکیہ ہے جس میں ساٹھ آیات ہیں۔بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ان ہواؤں کی (مراد تیز ہوا جس میں مٹی وغیرہ اڑ جائے) جو گرد وغبار اڑاتی ہیں (ذروا مصدر ہے تذریہ ذریا کے معنی اڑانے کے ہیں) پھر ان بادلوں کی جو اٹھاتے ہیں (پانی سے لدے ہوئے بادل) بوجھ (وزن یہ حاملات کا مفعول ہے) پھر ان کشتیوں کی جو (پانی پر رواں دواں رہتی ہیں) نرم روی سے چلتی ہیں (لیسر بمعنی سہولت مصدر حال کے موقعہ پر ہے بمعنی میسرۃ) پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں (بارش اور رزق کو انسانوں میں اور شہروں پر تقسیم کرنے کے لئے جو فرشتے مامور رہتے ہیں) تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے (ما مصدریہ یعنی قیامت وغیرہ کا وعدہ) وہ بالکل سچ ہے (وہ وعدہ سچا ہے) اور جزاء (حساب کے بعد بدلہ) ضرور (یقیناً) ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں (حبک جمع ہے حبیکۃ کی جیسے طریقہ کی جمع طرق آتی ہے یعنی آسمانوں کی بناوٹ میں ایسے ہی راستے ہیں

جیسے خشکی میں ہوا کرتے ہیں) کہ تم لوگ (اے مکہ کے باشندو نبی کریم ﷺ اور خدا کی شان) میں مختلف باتیں کہتے ہو (جن کی شان میں شاعر، ساحر اور کاہن اور قرآن کی شان میں شعر، سحر کہانت کہا جاتا ہے) وہی پھرتا ہے (بدلتا ہے) اس سے نبی اور قرآن سے یعنی اس پر ایمان لانے سے) جس کو پھرنا ہوتا ہے (علم الٰہی میں جس کا گمراہ ہونا مقدر ہوتا ہے) غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے (فضول بکواس کرنے والے جھوٹوں پر لعنت) جو نادانی (جہالت) میں بھولے ہوئے (آخرت سے غافل) ہیں۔ پوچھتے ہیں (پیغمبر سے مذاق اڑاتے ہوئے) کہ روز قیامت کب ہوگا (یعنی کب آئے گی جس کا جواب آگے ہے کہ جس روز لوگ آگ پر تپائے جائیں گے (نار جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے عذاب کے وقت کہا جائے گا) اپنی اس سزا (عذاب) کا مزہ چکھو۔ یہی عذاب ہے جس کی تم دنیا میں مذاق اڑاتے ہوئے جلدی مچایا کرتے تھے۔ بلاشبہ متقی لوگ بہشتوں (باغوں) اور چشموں میں ہوں گے (جو جنت میں بہہ رہے ہوں گے) وہ لے رہے ہوں گے (ان کی خبر کی ضمیر سے حال ہے) اس چیز کو جو ان کے پروردگار نے ان کو عطا کی ہوگی (یعنی ثواب) وہ لوگ اس جنت میں داخلہ سے پہلے نیکوکار تھے (دنیا میں رہتے ہوئے) وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے (**ما یهجعون** میں **ما** زائد ہے اور **یهجعون** کان کی خبر ہے اور **قلیلا** ظرف ہے یعنی رات میں کم وقت سوتے تھے) اور زیادہ وقت نماز پڑھتے تھے اور اخیر شب میں **اللهم اغفرلنا** کہہ کر استغفار کرتے تھے اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا (محروم سے مراد وہ شخص جو اپنی آبرو کی وجہ سے سوال نہ کرے) اور زمین میں (پہاڑ، سمندر، درخت، گھاس، پھل وغیرہ کی) بہت سی نشانیاں ہیں (اللہ کی قدرت و وحدانیت کے دلائل ہیں) یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذات میں (بہت سی نشانیاں ہیں ابتداء پیدائش سے لے کر آخری وقت تک اور تمہاری پیدائش کی ترکیب میں عجائبات ہیں) کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا کہ اس سے اس کے بنانے والے کی صنعت اور قدرت پر استدلال کرتے) اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق (یعنی بارش جس سے سبزی پیدا ہوتی ہے جو رزق ہے) اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی آخری ٹھکانہ ثواب، عذاب یعنی سب کچھ آسمان میں لکھا ہوا ہے) تو قسم ہے آسمان زمین کے پروردگار کی کہ وہ (جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے) برحق ہے جس طرح کہ تم باتیں کر رہے ہو (مثل رفع کی صورت میں صفت ہے اور ما زائد ہے اور فتحہ لام کے ساتھ مثل اور ما مرکب ہے یعنی قیامت کا برحق ہونا ایسا ہی مسلم ہے جیسے بولنا چالنا سب کو معلوم ہے بداہۃً سرزد ہونے کی وجہ سے) کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ ﷺ (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) تک پہنچی ہے (مراد بارہ یا دس یا تین فرشتے ہیں۔ جن میں جبریلؑ بھی تھے۔) جب (یہ حدیث ضیف کا ظرف ہے) کہ وہ ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا (یعنی سلام کا لفظ کہا) حضرت ابراہیمؑ نے بھی سلام کیا (یعنی یہ لفظ فرمایا) انجان لوگ ہیں (ہم انہیں پہچانتے نہیں ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے دل میں یہ کہا۔ یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے یعنی هٰؤلاء قوم منکرون) پھر اپنے گھر کی طرف چلے (آہستہ سے) اور ایک فربہ بچھڑا لائے (سورۂ ہود میں ہے بعجل حنیذ یعنی بھنا ہوا اور تلا ہوا) اور اس کو ان کے پاس لا کر رکھا اور کہنے لگے آپ لوگ کیوں کھاتے نہیں؟ (ان سے کھانے کی فرمائش کی جو فرشتوں نے قبول نہیں کی) تو محسوس کیا (دل میں چھپایا) ان سے ڈر، انہوں نے کہا تم ڈرو مت (ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں) اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا (مراد حضرت اسحٰقؑ ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں گزرا) اتنے میں ان کی بیوی (سارہ) پکارتی ہوئی آئیں (زور زور سے بولتی ہوئی یہ حال ہے یعنی آواز کرتی ہوئی آئیں) پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ بڑھیا بانجھ (جس کے کبھی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال تھی یا حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو بیس برس اور بیوی کی عمر ننانوے برس تھی) فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسے ہی فرمایا ہے (جیسا کہ ہم نے بشارت سنائی ہے) کچھ شک نہیں کہ وہ (اپنی کاریگری میں) بڑی حکمت والا (اپنی مخلوق کو) جاننے والا ہے۔

تحقیق وترکیب:.........والذاریات۔ واؤ قسمیہ ہے ذاریات، حاملات، مقسمات سب معطوفات مقسم بہ ہیں اور انما توعدون، مقسم علیہ ہے تعظیم اور دلائل قدرت ہونے کی وجہ سے ان کی قسمیں کھائی گئیں ہیں۔ اور کلام حذف مضاف کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے۔ ای ورب ھذہ الاشیاء اس صورت میں اللہ کی قسم ہوگی نہ کہ ان اشیاء کی۔

تذرو التراب۔ کے معنی مٹی وغیرہ اڑانے کے ہیں، حاملات سے مراد بادل ہیں، جو پانی اٹھائے ہوتے ہیں۔

انما توعدون ۔ میں ما مصدریہ ہے اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے۔ عائد محذوف ہوگا ای توعدونہ ۔

حبک۔ ریت پر جو محسوس نشانات ہوجاتے ہیں راستہ کے ان کو حبک کہتے ہیں۔ حبک الماء ہوا سے پانی میں جو لہریں بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اس سے آسمانوں میں راستوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے جو دوری کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ قاموس میں ہے کہ ستاروں کے راستوں کو حبک کہا جاتا ہے ابن عباس سے منقول ہے کہ ذات الحبك سے مراد آسمان کا حسن وجمال ہے۔ چنانچہ کپڑا جب عمدہ بنایا جائے تو کہا جاتا ہے "ما احسن حبکہ" اور مجاہدؒ مضبوط بنیاد کے معنی لیتے ہیں۔ غرضیکہ حبک اور طرق وزن اور معنی کے لحاظ سے ایک ہیں۔

یؤ فک عنہ ۔ ضمیر قرآن یا پیغمبر کی طرف راجع ہے یعنی علم الٰہی میں جو برگشتہ ہوتا ہے وہی گمراہ ہوتا ہے۔ نیز ضمیر ما توعدون اور دین کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے۔ پہلے قسمیں کھا کر فرمایا کہ قیامت برحق ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھا کر فرمایا کہ کفار قیامت کے متعلق تردد وشک کا شکار ہیں اور کچھ صاف منکر ہیں۔ آیت میں چونکہ یہ اشکال ہے کہ محروم ازلی کو دوبارہ محروم کرنے کے کیا معنی؟ مفسر اس کی تاویل کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ قول مختلف کی وجہ سے ایمان سے پھیر دیا گیا ہے۔ جس کے پھیر دینے کا فیصلہ علم الٰہی میں کردیا گیا تھا۔ اور بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اس گستاخی کی وجہ سے مکمل طور پر ایمان سے محروم کردیا گیا ہے۔ اور بعض نے عنہ کی ضمیر قول کی طرف راجع کی اور عن سببیہ ہے یعنی قول مختلف کی وجہ سے ایمان سے راندہ کردیا گیا ہے۔

قتل الخراصون۔ یہ جملہ دراصل قتل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن بطور استعارہ لعنت کے لئے آگیا۔ محروم السعادۃ کو مقتول سے تشبیہ دیتے ہوئے مشبہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے لوازم یعنی قتل سے اشارہ کردیا۔ اس کا اثبات استعارہ تخیلیہ ہے۔

فی غمرۃ ۔ غمرۃ کے معنی کثرت کے ہیں۔ غمرۃ الماء پانی بڑھ گیا۔ غمرۃ القوم قوم میں سب سے بڑھ گیا ہے۔

یسالون۔ یہ سوال ان الدین لواقع ہے۔

ایان ۔ خبر مقدم اور یوم الدین مبتداء موخر ہے۔ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ زمانہ کی خبر زمانہ سے نہیں ہوسکتی۔ بلکہ حوادث زمانہ کی خبر دی جایا کرتی ہے اگرچہ اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ تاہم مفسرؒ نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے ای متی مجیئہ، پس ایان بمعنی متی خبر ہے اور مجیئہ مضاف محذوف مبتدا ہے۔ ایان کے سوال کا جواب محذوف ہے۔ ای مجیئی یوم الخ ھم مبتداء یفتون خبر ہے۔ علی النار میں علی بمعنی فی ہے۔ علی کے ذریعہ تعدیہ یعرضون کے معنی میں ہونے کی وجہ سے ہے۔ فتن کے معنی کھرے کھوٹے کو پرکھنا پھر عذاب کے معنی ہوگئے اور جملہ محل خبر میں ہے یوم کی اضافت کرتے ہوئے لیکن اس صورت میں جواب میں تعین نہ ہونے کی وجہ سے مفید نہیں ہے۔ بلکہ مسئول عنہ میں شدت ابہام اور انتہائی خفا ہے مگر استغناء سے مقصود چونکہ حصول علم نہیں بلکہ استہزاء تھا۔ اس لئے ایسا مبہم جواب دیا گیا۔

وعیون: اشکال یہ ہے کہ ان المتقین فی جنت وعیون کہنا صحیح نہیں ہے۔ مفسرؒ نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نہریں جنت میں جاری ہوں گی اور اہل جنت نہروں کی سمت جنت میں ہوں گے۔

اخذین ای قابضین ما اتاھم شیئا فشیئا ۔ یعنی بے انتہا نعمتیں حاصل ہوتی رہیں گی۔ جو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ اور بعض کے نزدیک آخذین

بمعنی قابلین ہے۔جیسے یاخذ الصدقات بمعنی یقبل الصدقات ۔

محسنین ۔ای قد احسنوا اعمالھم ۔

مایھجعون ۔ھجوع بمعنی" نوم فی اللیل " یھجعون کان کی خبراور قلیلا اس کا ظرف ہےاور یھجعون کے متعلق بھی ہوسکتا ہےاور ما مصدر لینے کی صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ۔ کانو قلیلا من اللیل ھجوعھم. مایھجعون قلیلا کا بیان اور من اللیل بیان ہے یا مصدر سے حال ہوگا۔ من ابتدائیہ ہے۔مجاہدؒ،ابن عباسؓ،اورانسؓ سے منقول ہے کہ تمام رات سوتے نہیں ہیں۔اس صورت میں ما نافیہ ہو گا اور ما نافیہ جب کہ ظرف ہو تو بعض حضرات کے نزدیک اس کے مابعد کا عمل ماقبل میں ہوسکتا ہےاور بعض کے نزدیک مطلقا مابعد ماقبل میں عامل ہوسکتا ہے۔اگرچہ مشہور مطلقاً عدم جواز ہے۔چنانچہ زمخشریؒ نے اسی لئے ما نافیہ قرار نہیں دیا۔لیکن بقول علامہ خفاجیؒ اکثر سلف سے جواز منقول ہے۔اوروہ اہل زبان تھے۔پہلی رائے حسن بصریؒ کی ہے۔

وبالاسحار: یہ متعلق یھجعون پر عطف ہےاور بمعنی فی ہے۔سحرات کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں۔

وفی اموالھم۔یعنی جان ومال اللہ کی راہ میں لٹاتے ہیں۔محروم سے مراد وہ شخص جو ضرورت کے باوجود نفقہ کا سوال بھی کسی سے نہیں کرتا۔محروم رہتا ہے۔جیسا کہ قتادہؒ اورزہریؒ کی رائے ہے۔اورابن جریرؒ،ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جس کو نہ غنیمت کا صلہ ملے اور نہ زکوٰۃ۔اورقتادہؒ ابن سیرینؒ،ہوغیرہ فرماتے ہیں جو صلہ رحمی اور مہمانداری سے بھی محروم رہے۔

وفی الارض ۔یہاں سے توحیداور قدرت الٰہی پر اول دلیل آفاقی بیان کی گئی ہے۔اس کے بعد دلیل انفسی فرمائی گئی ہے۔اورفی السماء سے مستقل کلام ہے۔جس سے مقصود امتنان اور وعدووعید کا بیان ہے فی الارض خبر مقدم آیات مبتداء موخر ہے۔

فی انفسکم ۔خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ ای فی انفسکم ایات ایضاً۔غرض کہ ان آیات میں سفلیات وعلویات کا ذکر ہے۔

موقنین۔آیات الٰہی کا مشاہدہ کرکے یقین بڑھالیتے ہیں۔

وفی السماء رزقکم۔بارش مراد ہے جو پیداوار کا سبب ہے۔حضرت حسنؒ جب بادل دیکھتے تو اپنے اصحاب سے فرماتے۔واللہ رزقکم ولکنکم تحرمونہ بخطایکم۔

ما توعدون ۔مفسرؒ نے عطا کا قول نقل کیا ہےاور ابن جریرؒ،ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ جنت دوزخ مراد ہےاور بعض نے صرف جنت مراد لی ہے جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے۔آسمان کا رزق کے لئے ظرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ موکل فرشتوں کے ذریعہ نظام عالم رو بعمل ہوتا ہے۔

انہ الحق ۔ضمیر رزق کی طرف یا ماتوعدون کی طرف راجع ہے۔

مثل ماانکم۔حمزہؒ،علیؒ،ابوبکرؒ کے نزدیک مثل رفع کے ساتھ حق کی صفت ہےاور فتحہ کی صورت میں کلما اور بینما اور طالما قلما کی طرح مرکب ہے۔ پس مثلما مبنی پر سکون ہوگا محل رفع میں ۔ یہ مضاف اور جملہ انکم تنطقون مضاف الیہ ہے محل جر میں ۔دونوں قراءتوں میں معنی ایک ہی رہیں گے۔یعنی جس طرح تمہیں اپنے بولنے میں شبہ نہیں ہے۔اسی طرح وعدہ رزق کی حقیقت بھی بلاشبہ ہے۔ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے۔کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لوان احدکم فرمن رزقہ لیتبعہ کما یتبعہ الموت۔

ھل اتاک ۔استفہام اس واقعہ کی تشویق اور تفخیم الشان کے لئے ہےاور بعض نے ھل بمعنی قد کہا ہے جیسے ھل اتیٰ علی الانسان الخ میں ہے۔

ضیف۔مصدر ہےاس میں واحد وجمع دونوں کی گنجائش ہے۔

اذدخلوا ۔اذ کا عامل لفظ حدیث ہے۔ یا یہ منصوب ہے فی حدیث کے معنی فعل کی وجہ سے کیونکہ ضیف مصدر ہے۔ ای الذین ضافوہ فی وقت دخولهم علیه . یا مکرمین کی وجہ سے منصوب ہے یا اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ البتہ اتاک کی وجہ سے منصوب نہیں۔ کیونکہ دونوں کا زمانہ مختلف ہے۔

فقالوا سلٰما ۔ ای نسلم علیک سلاماً ، قال سلام ای علیکم سلام اثبات ودوام کے لئے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔تا کہ فحیوا با حسن منها پر عمل ہو۔ عام قراءت اول سلام کو نصب اور ثانی کو رفع پڑھنے کی ہے۔ لیکن ایک قراءت میں دونوں مرفوع ہیں۔اور ایک قراءت میں ثانی سلاماً ہے کسرہ سین کے ساتھ منصوب ہے۔

قوم منکرون ۔یعنی اجنبی تھے پتہ نہیں کہاں کے رہنے والے تھے۔ یہاں فرشتوں کا اوپرا ہونا ابتداء ہی میں معلوم ہوتا ہے اور سورہ ہود میں فلما رای ایدیهم لا تصل الیه نکرهم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں کے کھانے سے اصرار پر اوپرا سمجھا۔لیکن کہا جائیگا کہ دونوں صورتیں اجنبیت کی صحیح ہوسکتی ہیں۔

فراغ الیٰ اهله۔ مفسرؒ نے سراً اس لئے کہا کہ میزبانی کے آداب میں سے ہے کہ مخفی طور پر مہمانداری کی جائے کہ کہیں مہمان تکلفاً مہمان نوازی سے روک نہ دے۔

فاوجس منهم خیفة . لان من لم یا کل طعامک لم یحفظ ذمامک۔اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابراہیمؑ کو فرشتوں کی آمد سے ڈر ہوا کہ عذاب الٰہی کے لئے آئے ہوں گے۔

بغلٰم علیم۔ جمہور کے نزدیک اس کا مصداق حضرت اسحٰقؑ ہیں جیسا کہ سورۂ صافات میں گزر چکا ہے۔

فاقبلت۔ بعض کے نزدیک حقیقۃً مراد نہیں بلکہ اقبلت بمعنی اخذت ہے جیسے کہا جاتا ہے۔اقبلت شتمنی ای اخذت فی الشتم ۔

فصکت۔ جیسا کہ تعجب کے وقت بات کرتے ہوئے عورتوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ رخساروں یا پیشانی پر ہتھیلی یا انگلیاں مارتی ہیں۔

کذٰلک۔ مفسرؒ نے قال ربک کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ کذلک مفعول ہے قال کا۔

ربط آیات:......... سورہ قٓ میں معاد کا ذکر تھا۔ سورۂ ذاریات کا بیشتر حصہ بھی اسی مضمون کا ہے۔ ابتدائی بیان بھی اسی سے ہو رہا ہے۔ اس کے بعد آیت هل اتٰلک حدیث ضیف ابراهیم سے مکذبین ومجرمین کی برائی اور سزا کی تائید میں کچھ پچھلے واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں۔ مقصود اصلی تو قوم لوط کا واقعہ ذکر کرنا ہے واقعہ ابراہیمؑ بطور تمہید ہے اور یا نیکوکاروں کی تائید کے لئے ہے۔

﴿ تشریح ﴾:......... والذاریات ۔مختلف قسموں سے مضمون کو موکد فرمایا جارہا ہے۔ آندھیاں اور ہوائیں جب زور سے چلتی ہیں تو غبار اڑتا ہے بادل بنتے ہیں، ان میں پانی ہوتا ہے جس کے بوجھ کو ہوائیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔ پھر بارش برسنے کے قریب ہوائیں نرم پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے حکم سے بارش کا جہاں جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کر دیتی ہے ہواؤں کا یہ عجیب وغریب نظام ہے۔ اللہ ان مختلف ہواؤں کی قسمیں کھا رہا ہے۔

اور بعض علماء نے اس نظام کو نیچے سے اوپر کو مرتب مانتے ہوئے ذاریات سے ہوائیں اور حاملات سے بادل اور جاریات سے ستارے اور مقسمات سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کا بھی یہی ارشاد ہے۔

نظام عالم قیامت کی شہادت دے رہا ہے:......... غرضیکہ یہ اعلیٰ نظام اس بات کی شہادت فراہم کر رہا ہے کہ قیامت کا وعدہ سچا

ہے اور انصاف ہونا ضروری ہے کیونکہ جب یہ معمولی ہوا یونہی بے کار نہیں چلتی تو کیسے باور کر لیا جائے کہ اتنا بڑا کارخانہ بے مقصد و بے نتیجہ چل رہا ہے یقیناً اس کا انجام ہوگا اور وہی آخرت ہے۔ اسی طرح آسمان کی قسم کھائی جا رہی ہے جو نہایت صاف، مضبوط، رونق دار ہے جس پر ستاروں کی کار چوبی معلوم ہو رہی ہے اور فرشتوں کی اور ستاروں کی راہیں پڑیں ہوئی ہیں۔ قیامت کی بات کو خواہ مخواہ منکروں نے جھگڑے میں ڈال رکھا ہے۔ عن النباء العظیم الذی ھم فیہ مختلفون۔ جو بارگاہ ربوبیت سے وابستہ ہیں وہ تو اس کو حرف بحرف صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن جو محروم القسمت راندہ درگاہ ہیں۔ وہ ہمیشہ اس کے ماننے سے گریزاں رہیں گے۔ اگر صرف نظام شمسی ہی پر نظر ڈالی جائے تو اس بارہ میں جھگڑنا نادانی نظر آتا ہے اور انکل تیروں اور غفلت کے پردوں سے زیادہ ان کے لئے اور کیا تجویز کیا جائے۔ اتنی پکی بات کا بھی مذاق اڑاتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ صاحب وہ دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ جواب میں ارشاد ہے۔ یوم ھم الخ ذرا ٹھہرو، وہ دن ابھی آتا ہے۔ جب تم آگ میں الٹ پلٹ کئے جاؤ گے اور پکار کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور ہنسی کا مزہ چکھو، تم جس کی جلدی مچا رہے تھے وہ دن آ گیا۔ البتہ پرہیزگار اس کے برعکس باغوں اور چشموں کی بہاریں لوٹیں گے اور کیوں نہ ہو کہ جن کہ دنیا میں رہ کر وہ نیکیاں سمیٹنے میں لگے رہے رات کا اکثر حصہ مصروف عبادت رہے۔ صبح ہوتے ہی خود ستائی کی بجائے زبان پر اپنی تقصیرات و استغفار کے الفاظ رہے غرور خود بینی کی جگہ عجز و نیاز، خوف وخشیت کے لئے وقف رہے، اپنی کمائی سے ہر طرح غریبوں کی دیکھ بھال کرتے رہے زکوٰۃ و صدقات کو اپنے اوپر لازم رکھا۔

وفی الارض۔ الخ۔ شب بیداری، توبہ و استغفار، محتاجوں کی مدد اس یقین کے ساتھ کی جائے کہ اللہ موجود ہے اور وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ آفاقی اور انفسی دلائل پر غور کرنے سے بآسانی یہ یقین پیدا ہو سکتا ہے کہ نیک وبد کی جزا کسی نہ کسی رنگ میں جلد یا بدیر ضرور مل کر رہے گی۔

سب کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے:۔۔۔۔۔۔۔وفی السماء۔ صدقہ خیرات سے انسان یہ سوچ کر پہلوتہی کر سکتا ہے کہ پھر ہم کہاں سے کھائیں گے؟ یا بعض لوگ خرچ کر کے غریبوں پر احسان جتلاتے ہیں، ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ تمام تر روزی اور اجر و ثواب آسمان والے کے ہاتھ میں ہے اس کی دی ہوئی روزی کسی کے روکے نہیں رک سکتی اور نیک نیتی سے خرچ کرنے والوں کو ثواب بھی مل کر رہے گا۔ اور جیسے کسی کو اپنے بولنے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ روزی پہنچ کر رہتی ہے اور آخرت آکر رہے گی۔

انکم تنطقون۔ میں محاورہ کے علاوہ یہ نکتہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں قیامت کی نظیر کی طرف اشارہ ہے کہ زبان مثل زمین کے ہے اور اس سے جو کلام پیدا ہو رہا ہے وہ مخلوق کی پیدائش کے مشابہ ہے اور کلام کا پورا ہونا موت کے مشابہ ہے اور پھر دوبارہ زبان سے وہی کلام سرزد ہونا زندہ ہونے کی طرح ہے۔ بس دن رات اس کا مشاہدہ قیامت کی طرف رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

آگے ھل اتٰک الخ سے حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کا واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ جسے فی اموالھم حق للسائل والمحروم سے قریبی مناسبت ہے اور یہ واقعہ تمہید ہے حضرت لوطؑ کے واقعہ کی۔ دونوں مضمونوں سے یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ دنیا میں ہم نے محسنین اور مکذبین کے ساتھ کیا کیا سلوک اور برتاؤ کیا۔ فرشتوں کی آمد پر شروع میں تو حضرت ابراہیمؑ ان کو انسان سمجھے، ان کی تکریم کی، ان کے سلام کا جواب دیا اور دل میں کہا کہ یہ تو اوپرے معلوم ہوتے ہیں یا خود فرشتوں سے کہا ہو کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں جس کا فرشتوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ یا اس کے جواب کا ذکر نہیں ہے۔ غرض بڑے اہتمام سے ان کی مہمانداری میں لگ گئے۔ تلا ہوا اور بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا اور شائستہ انداز میں پوچھا کہ آپ حضرات کھانا نہیں کھاتے۔ وہ فرشتے تھے کھاتے کس طرح؟ آخر ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ آدمی نہیں ہیں اور طبعی طور پر کچھ گھبرا سے گئے۔ فرشتوں نے اطمینان دلایا۔ سورہ ہود اور سورہ حجر میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک فرزند حضرت اسحٰق کی بشارت سنا کر اس فکر کو دور کیا۔ حضرت سارہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ایک طرف

گوشہ میں کھڑی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ لڑکے کی بات سن کر عورتوں کی عادت کے مطابق ماتھے یا گال پر ہاتھ رکھ کر تعجب سے پوچھا کہ ایک بڑھیا بانجھ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی، اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی؟ فرشتے بولے اپنی طرف سے نہیں بلکہ تمہارے رب کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ وہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینی چاہیے۔ اور تمہیں تو خاندانی نبوت کے لحاظ سے اللہ کے علم وحکمت میں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ (بیان القرآن، فوائد عثمانی)

لطائف آیات:........آیت کانوا قلیلا من الیل الخ میں اہل اللہ کے بعض اعمال واشتغال کا ذکر ہے۔

وفی انفسکم الخ اگرچہ فی انفسکم بھی فی الارض میں داخل ہے بطور عطف کے علیحدہ ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہیں تھی لیکن انسان کی جامعیت کے لحاظ سے استقلالاً بطور عطف کے ذکر کیا۔ گویا عالم اکبر کے ساتھ علم اصغر کو ذکر فرمادیا۔

اس عطف سے بھی یہ معلوم ہوا کہ جہلاء صوفیاء کا اس سے تجلی حق پر استدلال کرنا باطل ہے۔

پارہ نمبر ﴿۲۷﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

فہرست عنوانات کمالین شرح اردو جلالین پارہ ۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَانُكُم **اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ** ﴿۳۱﴾ **قَالُوْآ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ** ﴿۳۲﴾ كَافِرِيْنَ اَىْ قَوْمِ لُوْطٍ **لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ** ﴿۳۳﴾ مَطْبُوْخٍ بِالنَّارِ **مُسَوَّمَةً** مُعَلَّمَةً عَلَيْهَا اِسْمُ مَنْ يُّرْمٰى بِهَا **عِنْدَ رَبِّكَ** ظَرْفٌ **لِلْمُسْرِفِيْنَ** ﴿۳۴﴾ بِاِتْيَانِهِمُ الذُّكُوْرَ مَعَ كُفْرِهِمْ **فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا** اَىْ قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۳۵﴾ لِاِهْلَاكِ الْكَافِرِيْنَ **فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ** ﴿۳۶﴾ وَهُمْ لُوْطٌ وَابْنَتَاهُ وُصِفُوْا بِالْاِيْمَانِ وَالْاِسْلَامِ اَىْ هُمْ مُصَدِّقُوْنَ بِقُلُوْبِهِمْ عَامِلُوْنَ بِجَوَارِحِهِمُ الطَّاعَاتِ **وَتَرَكْنَا فِيْهَآ** بَعْدَ اِهْلَاكِ الْكَافِرِيْنَ **اٰيَةً** عَلَامَةً عَلٰى اِهْلَاكِهِمْ **لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ** ﴿۳۷﴾ فَلَا يَفْعَلُوْنَ مِثْلَ فِعْلِهِمْ **وَفِىْ مُوْسٰى** مَعْطُوْفٌ عَلٰى فِيْهَا الْمَعْنٰى وَجَعَلْنَا فِىْ قِصَّةِ مُوْسٰى اٰيَةً **اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ** مُتَلَبِّسًا **بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۳۸﴾ بِحُجَّةٍ وَّاضِحَةٍ **فَتَوَلّٰى** اَعْرَضَ عَنِ الْاِيْمَانِ **بِرُكْنِهٖ** مَعَ جُنُوْدِهٖ لِاَنَّهُمْ لَهٗ كَالرُّكْنِ **وَقَالَ** لِمُوْسٰى هُوَ **سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ** ﴿۳۹﴾ **فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ** طَرَحْنَاهُمْ **فِى الْيَمِّ** الْبَحْرِ فَغَرِقُوْا **وَهُوَ** اَىْ فِرْعَوْنُ **مُلِيْمٌ** ﴿۴۰﴾ اٰتٍ بِمَا يُلَامُ عَلَيْهِ مِنْ تَكْذِيْبِ الرُّسُلِ وَدَعْوَى الرُّبُوْبِيَّةِ **وَفِىْ** اِهْلَاكِ **عَادٍ** اٰيَةٌ **اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ** ﴿۴۱﴾ هِىَ الَّتِىْ لَا خَيْرَ فِيْهَا لِاَنَّهَا لَا تَحْمِلُ الْمَطَرَ وَلَا تُلَقِّحُ الشَّجَرَ وَهِىَ الدَّبُوْرُ **مَا تَذَرُ مِنْ شَىْءٍ** نَفْسٍ اَوْ مَالٍ **اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ** ﴿۴۲﴾ كَالْبَالِى الْمُفَتَّتِ **وَفِىْ** اِهْلَاكِ **ثَمُوْدَ** اٰيَةٌ **اِذْ قِيْلَ لَهُمْ** بَعْدَ عَقْرِ النَّاقَةِ **تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ** ﴿۴۳﴾ اَىْ اِلَى انْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ كَمَا فِىْ اٰيَةِ تَمَتَّعُوْا فِىْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ **فَعَتَوْا** تَكَبَّرُوْا **عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ** اَىْ عَنِ امْتِثَالِهٖ **فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ** بَعْدَ مُضِىِّ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ اَىِ الصَّيْحَةُ الْمُهْلِكَةُ **وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ** ﴿۴۴﴾ اَىْ بِالنَّهَارِ **فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ** اَىْ مَا قَدَرُوْا عَلَى النُّهُوْضِ حِيْنَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ **وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ** ﴿۴۵﴾ عَلٰى مَنْ اَهْلَكَهُمْ **وَقَوْمَ نُوْحٍ** بِالْجَرِّ عَطْفٌ عَلٰى ثَمُوْدَ اَىْ وَفِىْ اِهْلَاكِهِمْ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اٰيَةٌ وَبِالنَّصْبِ اَىْ وَاَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوْحٍ **مِّنْ قَبْلُ** اَىْ قَبْلَ اِهْلَاكِ هٰٓؤُلَاءِ الْمَذْكُوْرِيْنَ **اِنَّهُمْ كَانُوْا**

ع ٢ ١

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ بِقُوَّةٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ لها قادرون يقال اٰد الرجل يئيد قوي وَاَوسع الرجل صار ذا سعة وقدرة وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا مهدناها فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ نحن وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ متعلق بقوله خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ صنفين كالذكر والانثى والسماء والارض والشمس والقمر والسهل والجبل والصيف والشتاء والحلو والحامض والنور والظلمة لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ بحذف احدى التائين من الاصل فتعلمون ان خالق الازواج فرد فتعبدونه فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اي الى ثوابه من عقابه بان تطيعوه ولا تعصوه اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ بين الانذار وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يقدر قبل ففروا قل لهم كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا هو سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اي مثل تكذيبهم لك بقولهم انك ساحر او مجنون تكذيب الامم قبلهم رسلهم بقولهم ذلك اَتَوَاصَوْا كلهم بِهٖ ۚ استفهام بمعنى النفي بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ جمعهم على هذا القول طغيانهم فَتَوَلَّ اعرض عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ لانك بلغتهم الرسالة وَّذَكِّرْ عظ بالقرآن فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ من علم الله تعالى انه يؤمن وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ولا ينافي ذلك عدم عبادة الكافرين لان الغاية لا يلزم وجودها كما في قولك بريت هذا القلم لاكتب به فانك قد لا تكتب به مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ لي ولانفسهم وغيرهم وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ ولا انفسهم ولا غيرهم اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ الشديد فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا انفسهم بالكفر من اهل مكة وغيرهم ذَنُوْبًا نصيبا من العذاب مِّثْلَ ذَنُوْبِ نصيب اَصْحٰبِهِمْ الهالكين قبلهم فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ بالعذاب ان اخرتهم الى يوم القيامة فَوَيْلٌ شدة عذاب لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ اي يوم القيامة۔

ترجمہ: ......ابراہیمؑ کہنے لگے (اچھا تو تمہیں کیا بڑی مہم (کارگذاری) درپیش ہے۔اے فرشتو! فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم قوم (لوط کے کافروں) کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر کھنگر کے (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسائیں جن پر خاص نشان لگے ہوئے ہیں (ان کے نام لکھے ہوئے ہیں جن پر پتھر مارے جائیں گے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربک مسومۃ کا ظرف ہے) حد سے گزرنے والوں کے لئے (جو لڑکوں سے کفر کے ساتھ شہوت رانی بھی کرتے ہیں) سو ہم نے وہاں (قوم لوط کی بستیوں) سے ایمانداروں کو الگ کرلیا (کافروں کو تباہ کرنے کے لئے) سو ہم نے وہاں کوئی گھر نہیں پایا بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے (وہ گھرانہ حضرت لوط اور ان کی صاحبزادیوں کا تھا ان کے لئے ایمان واسلام ثابت کیا گیا ہے یعنی وہ دل سے بھی ماننے والے تھے اور ظاہرا بھی اطاعت گزار تھے) اور ہم نے اس واقعہ میں (کافروں کی تباہی کے بعد) عبرت (ان کی تباہی کی علامت) رہنے دی ایسے لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں

(تا کہ وہ ان جیسی حرکتیں نہ کرنے لگیں)اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے (فیھا کا عطف فی موسیٰ پر ہے یعنی وجعلنا فی قصۃ موسی ایۃ) جبکہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی دلیل (روشن حجت) دے کر بھیجا سو اس نے (ایمان سے روگردانی کی مع اپنے ارکان سلطنت کے (جو رکن سلطنت ہوتے ہیں) کہنے لگا (موسیٰ کی نسبت) کہ یہ جادوگر یا دیوانے ہیں ۔ سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤ لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) دریا میں (جس میں وہ ڈوب گئے) اور اس (فرعون) نے کام ہی ملامت کا کیا تھا پیغمبروں کو جھٹلا کر، خدائی کا دعویٰ کر کے قابل ملامت کام کئے)اور عاد (کی تباہی) میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی (جس میں کوئی بہتر ائی نہیں تھی نہ اس سے بارش ہوتی اور نہ درخت اگتے جسے پچھوا ہوا کہا جاتا ہے) جس چیز پر وہ گزرتی تھی (جان ہو یا مال) اس کو ایسا کر کے چھوڑ دیتی تھی کہ جیسے کوئی چیز گل گل کر ریزہ ریزہ (چورا چورا) ہو جاتی ہے اور ثمود (کی تباہی) میں بھی عبرت تھی جب کہ (اونٹنی کی کونچیں کٹ جانے کے بعد) ان سے کہا گیا اور تھوڑے دن چین کرلو (موت آنے تک جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ تمتعوا فی دارکم ثلاثۃ ایام) سو ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم (ماننے) سے سرکشی کی ۔سو ان کو عذاب (تین دن گزرنے کے بعد ایک تباہ کن چیخ) نے آلیا اور وہ (دن) میں دیکھ رہے تھے پھر نہ تو کھڑے ہی ہو سکے (عذاب اترنے پر اٹھ نہ سکے) اور نہ بدلہ لے سکے (جس نے انہیں ہلاک کیا تھا) اور قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا (لفظ قوم جر کے ساتھ ثمود پر معطوف ہے یعنی اوپر نیچے کے طوفان کی تباہی سے نشانی تھی اور یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی ہے یعنی واھلکنا قوم نوح) ان (مذکورہ قوموں کی تباہی) سے پہلے یقیناً یہ بڑے نافرمان لوگ تھے اور ہم نے آسمان کو قوت (طاقت) سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں (بولتے ہیں اداالرجل یئید یعنی قوت والا ہوا۔ اوسع الرجل کے معنی ذی وسعت اور صاحب قدرت ہونے کے ہیں) اور ہم نے زمین کو فرش بنایا (بچھایا) سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں ۔اور ہم نے ہر چیز کو (من کل شیء ، خلقنا سے متعلق ہے) دو قسم کا بنایا (جوڑے جیسے نر و مادہ آسمان، زمین، سورج، چاند، نرم جگہ، پہاڑ، گرمی سردی، میٹھا کھٹا، روشنی اندھیرا) تا کہ تم سمجھو (تذکرون) کی دو تا میں سے ایک تا محذوف ہو گئی ۔معنی یہ ہیں کہ تم جان جاؤ کہ جوڑوں کا پیدا کرنے والا یکتا ہے اس لئے اس کی عبادت کرو سو تم اللہ کی طرف دوڑو (اس کے عذاب سے بچ کر اس کے ثواب کی طرف آؤ ۔ اس کی فرمانبرداری کرو، نافرمانی نہ کرو) میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ۔اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود قرار مت دو میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (ففروا سے پہلے لھم مقدر ہے) اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ نہ کہا ہو (جیسا کہ آپ کو یہ کہہ کر جھٹلا رہے ہیں کہ آپ جادوگر یا دیوانہ ہیں ایسے ہی پہلے لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو یہی کہا تھا) کیا ایک دوسرے کو (سب کے سب) وصیت کرتے چلے آئے ہیں اس بات کی (ہمزہ استفہام نفی کے معنی میں ہے) بلکہ یہ تمام کے تمام لوگ سرکش ہیں (اس بات پر سرکشی نے ان کو ابھارا ہے) سو آپ ان کی پرواہ (توجہ) نہ کیجئے ۔ کیونکہ آپ پر کسی طرح الزام نہیں (آپ نے تبلیغ رسالت کردی) اور سمجھاتے رہیے (قرآن کے ذریعہ فہمائش کیجئے) کیونکہ سمجھانا اہل ایمان کا (جن کا مومن ہونا علم الٰہی میں طے ہوتا ہے) نفع بخش دے گا ۔اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (کافروں کو اللہ کی عبادت نہ کرنا اس کے منافی نہیں کیونکہ کسی چیز کا غرض وغایت کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوا کرتا مثلاً کہا جائے بریت ھذا القلم لا کتب بہ حالانکہ بعض اوقات قلم سے کتابت نہیں ہوا کرتی) میں ان سے رزق نہیں مانگتا (خود اپنے لئے نہ دوسروں کے لئے) اور نہ ان سے یہ فرمائش کرتا ہوں کہ مجھ کو کھلایا کریں (اور نہ اوروں کو کھلانے کی فرمائش ہوتی ہے) اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے طاقتور انتہائی مضبوط ہے سو ان ظالموں کی (مکہ والوں اور دوسروں کی جنہوں نے کفر کر کے ظلم کیا ہے) باری ہے (عذاب کا حصہ) جیسا کہ ان جیسے (پہلے ہلاک ہونے والوں) پاپیوں کی باری تھی، سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں جبکہ میں نے آخرت پر اٹھا رکھا ہے) غرض بڑی خرابی (عذاب کی سختی) ہوگی ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت مراد ہے)۔

تحقیق وترکیب:..........**خطبکم** ۔خطیب کے معنی عظیم کام کے ہیں۔حضرت ابراہیمؑ کوخیال ہوا کہ محض اتنی سی خوشخبری کے لئے فرشتوں کا آنا نہیں ہوا بلکہ کسی بڑے کام کے سرانجام دینے لئے آمد ہوگی۔اس لئے دریافت کیا۔

لنرسل علیھم حجارۃ ۔بعض نے اس سے لواطت کی سزا سنگ باری تجویز کی ہے۔قوم لوط چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔حضرت جبرئیل نے ساری بستی کو اٹھا کر الٹ دیا اور پھر اوپر سے پتھراؤ کرڈالا یا صرف باہر رہنے والوں پر پتھراؤ کیا۔یہ پتھر کے ٹکڑے ہوں گے یا آگ میں پکے ہوئے غلے تھے، برف کے ٹکڑے اور اولے مراد نہیں ہیں۔اگرچہ **حجارۃ** کا لفظ ان پر بولا جاتا ہے لیکن **من طین** کی قید سے وہ خارج ہوگئے

مسومۃ ۔اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔حجارۃ کی صفت ہونے کی وجہ سے نصب ہو، یا ضمیر مجرور سے حال ہو۔تیسرے یہ کہ من حجارۃ سے حال ہو۔اور **للمسرفین** ، **مسومۃ** کے متعلق ہے۔

غیر بیت ۔بعض نے حضرت لوطؑ کے ساتھ تیرہ افراد کو بھی ان کے اہل بیت میں شمار کیا ہے۔

علامہ تفتازانیؒ نے شرح عقائد میں اسی آیت سے استدلال کیا کہ ایمان اور اسلام ایک ہے۔صاحب کشافؒ اور صاحب مدارک کی رائے بھی یہی ہے۔لیکن بقول قاضی بیضاویؒ مومن ومسلم کے اتحاد سے ایمان اور اسلام کا اتحاد کیسے ثابت ہو۔کیونکہ دونوں میں فرق کرنے والے دونوں میں تباین نہیں مانتے کہ ان کے خلاف یہ استدلال مفید ہو۔بلکہ وہ دونوں میں عموم خصوص مانتے ہیں جس میں اجتماعی مادہ ہوتا ہے چنانچہ ایمان تصدیق قلبی اور اقرار کا نام ہے۔اور اسلام توحید ورسالت کے ساتھ فرائض کی ادائیگی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں جمع بھی ہوسکتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر بھی جیسا کہ آیت **قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا** سے دونوں میں فرق معلوم ہورہا ہے۔اسی طرح حدیث احسان سے بھی فرق معلوم ہوتا ہے۔تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایمان واسلام کا لغوی مفہوم الگ الگ ہے۔لیکن شرعاً مومن ومسلم دونوں متحد ہیں۔ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاسکتے۔تفصیلی بحث کتب حدیث میں موجود ہے۔

وفی موسیٰ ۔اس میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ایک صورت تو وہی ہے جو مفسرؒ نے بیان فرمائی ہے کہ **فیھا** پر عطف کیا جائے اعادہ جار کے ساتھ کیونکہ معطوف علیہ ضمیر مجرور ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **وترکنا فی قصۃ موسیٰ**۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق **جعلنا** مقدر سے ہو۔جو لفظ ترکنا سے مفہوم ہورہا ہے اس طرح یہ عطف **علفتھا تبنا وماء باردا** جیسا ہوجائے گا۔

اذ ارسلناہ۔اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ آیت کی وجہ سے منصوب ہو۔ای **ترکنا فی قصۃ موسی علامۃ فی وقت ارسالنا ایاہ** ۔دوسرے یہ کہ محذوف سے اس کا تعلق کیا جائے۔ای **ایۃ کائنۃ فی وقت ارسالنا**۔تیسرے یہ کہ **ارسلنا** کی وجہ سے منصوب ہو۔

برکنہ۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے با بمعنی مع ہے اور رکن کہتے ہیں انسان جس کی طرف جھکے مراد لشکر ہے۔

ساحرا و مجنون ۔او ابہام کے لئے ہے یا شک کے لئے اور واؤ کے معنی میں لینا بہتر ہے۔

فاخذناہ و جنودہ ۔ظاہر یہ ہے کہ **اخذنا** میں کے مفعول پر اس کا عطف ہو اور مفعول معہ بھی ہوسکتا ہے **وھو ملیم** جملہ حالیہ ہے اگر **نبذناھم** کے مفعول سے حال ہو تو واؤ لازم ہوگا۔کیونکہ اس میں ضمیر ذوالحال نہیں ہے البتہ اگر **اخذناہ** کے مفعول سے حال ہو تو ذوالحال کے لئے ضمیر ہونے کی وجہ سے واؤ کا لانا ضروری نہیں رہتا۔**ملیم** یہاں باب افعال بمعنی ثلاثی ہے جیسے اغرب کے معنی عجیب وغریب کام کرنے کے ہیں۔مفسرؒ نے من تکذیب الرسل سے ایک شبہ کا دفعیہ ذکر کیا ہے۔اشکال یہ ہے کہ فرعون جیسا دعوے حضرت منصور حلاج نے بھی کیا۔پھر فرعون کی طرح ان کو ملیم کیوں نہیں کہا جاتا؟ جواب یہ ہے کہ قول کا مطلب قائل کے اعتبار سے لیا جاتا ہے اچھے آدمی کی بات اچھی اور برے آدمی کی بات بری ہوا کرتی ہے۔

الریح العقیم۔ بانجھ عورت کے ساتھ ہوا کو تشبیہ دی گئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ کون سی ہوا مراد ہے۔ بعض نے دبور یعنی جنوبی ہوا کو مصداق کہا ہے اور بعض نے نکبا یعنی دو ہواؤں کے بیچ کی ہوا مراد لی ہے اور بعض نے چوطرفی ہوا مراد لی ہے۔ لیکن حدیث نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور کی وجہ سے پہلے معنی اصح ہیں۔

فعتوا۔ اس میں "ف" محض ترتیب ذکری کے لئے ہے ورنہ تمتعو فرمانا پہلے ہے اور عتو دسرکش بعد میں۔

الصاعقة۔ بجلی اور چیخ کے معنی ہیں۔

وھم ینظرون۔ مفسرؒ نے نظر سے ماخوذ مانا ہے اور انتظار سے بھی ہوسکتا ہے۔

منتصرین۔ مناسب یہ تھا کہ کانوا دافعین من انفسھم العذاب سے تفسیر کی جاتی۔ کیونکہ اللہ کے برخلاف انتصار ممکن نہیں البتہ فرار کا وہم ہوسکتا تھا اس کو دفع کرنا مقصود ہے۔

وقوم نوح۔ اخوان۔ ابوعمرو قوم کو مجرور اور باقی قراء منصوب پڑھتے ہیں۔ اور ابوسماکؒ، ابن مقسمؒ، ابوعمروؒ اور اصمعیؒ کی ایک روایت کے مطابق مرفوع ہے جر کی چار توجیہات ہوسکتی ہیں۔

ایک یہ کہ وفی ثمود پر عطف کیا جائے اور قریب ہونے کی وجہ سے یہ سب سے بہتر ہے۔

دوسرے وفی عاد پر عطف کیا جائے۔

تیسرے وفی موسیٰ پر عطف کیا جائے۔

اور چوتھے وفی الارض پر عطف ہو۔

یہ سب صورتیں غیر اولیٰ ہیں اس لئے زمخشریؒ نے ان کو ذکر بھی نہیں کیا۔ اور ابوالبقاءؒ نے بھی پہلی صورت کے علاوہ دوسری صورتیں ذکر نہیں کیں۔ نصب والی صورت میں چھ احتمال ہیں۔

۱۔ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو ای واھلکنا قوم نوح۔

۲۔ اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہو۔ زمخشریؒ نے ان کے علاوہ صورتوں کو ذکر نہیں کیا۔

۳۔ اخذنا کے مفعول پر عطف کرتے ہوئے منصوب ہو۔

۴۔ فنبذناھم کے مفعول پر عطف کیا جائے کیونکہ قوم نوح ان سے پہلے تباہ ہوچکی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ دریا میں غرق نہیں ہوئی تھی۔ تاہم پانی کے طوفان میں غرق ہوئی تھی۔

۵۔ فاخذتھم الصاعقة کے مفعول پر عطف ہو۔ اگرچہ قوم نوح صاعقہ سے ہلاک نہیں ہوئی تھی تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ صاعقہ سے آسمانی حادثہ مراد ہے۔

۶۔ وفی موسیٰ کے محل پر عطف کیا جائے ابوالبقاءؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں رفع کی صورت میں مبتداء کہا جائے اور خبر مقدر ہو ای اھلکنا ھم اور ابولبقاءؒ کانوا الخ کو خبر مان رہے ہیں۔

باید۔ محذوف کے متعلق مان کر بینا کے فاعل یا مفعول سے حال ہوگا نیز با کو سببیہ کہا جاسکتا ہے اور با تعدیہ کے لئے بھی ہوسکتی ہے گویا ہاتھ سے بنانا مراد ہے جیسے کہا جائے۔ بنیت بیتک بالاجر۔

انا لموسعون۔ مفسرؒ نے اس کے حال موکدہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے مفعول محذوف ہوگا۔ ای لموسعون السماء بمعنی جاعلوھا واسعة۔ یہ لفظ تعدی آتا ہے مگر مفسرؒ لازم لے رہے ہیں۔

فنعم الماھدون۔ مخصوص بالمدح محذوف ہے یعنی نحن۔

زوجین ۔ یعنی جو چیزیں مشاہد ہیں ان میں ہر ایک کا جوڑا ہے اس لئے عرش، کرسی، لوح وقلم پر اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا جوڑ نہیں ہے کیونکہ یہ مشاہد نہیں ہیں۔

ففرو اا الی اللہ۔ پچھلے بیان توحید پر مرتب ہے اس سے پہلے قل مقدر مانا جائے گا فرار کے کئی درجے ہیں۔

ا۔ فرار عام، کفر سے اسلام کی طرف، گناہوں سے طاعت کی طرف۔

۲۔ فرار خاص، ماسوی اللہ سے اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کا ہو رہنا۔ مفسرؒ نے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کذلک ۔ مفسرؒ نے مثل تکذیبھم نکال کر کذلک کے منصوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ما اتی الذین ناصب ہے بشرطیکہ ما نافیہ کا عمل ماقبل میں ہوسکتا ہے ورنہ مبتدائے محذوف خبر ہوگی۔ ای الامر کذلک یعنی پچھلے لوگوں کی طرح آپ کی قوم نے بھی آپ کی تکذیب کی ہے۔ اور ما اتی الذین اس صورت میں تفسیر ہو جائے گا اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ الا مر . ما اخبر تک من تکذیب الامم رسلھم۔

اتوا صوا بہ۔ یہ ضمیر مرجع کا قول مذکور ہے، ہمزہ تعجب اور انکار کے لئے ہے یعنی ان سب کی باہمی وصیت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ سب ایک وقت میں نہیں تھے۔

تنفع المومنین ۔ بالقوۃ مومن مراد ہیں اور جو بالفعل مومن ہیں وہ تو متذکر کہلائیں گے اور بعض نے حقیقی مومن مراد لئے ہیں اور نفع سے مراد زیادتی اور کمال ایمان لی ہے۔

لیعبدون ۔ یہ لام عاقبت ہے لام علت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے افعال علت وغرض سے پاک تھے۔

ذنوبا ۔ بھرا ہوا بڑا ڈول مراد ہے یہ ماخوذ ہے مقاسمۃ السقاۃ الماء سے۔

ربط آیات: .... گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم کا واقعہ بطور تمہید بیان ہوا۔ اس کے بعد آیت فما خطبکم سے قوم لوط کے واقعہ کی تمہید اور پھر بعد میں واقعہ کی تفصیل ہے اور یا کہا جائے، دونوں واقعے الگ الگ مقصود ہیں۔ ایک میں موافقین کی ستائش اور دوسرے میں مخالفین کی مذمت ہے اسی کی تائید میں فرعون عاد وثمود اور نوحؑ کے واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر آیت والسماء بنینٰھا الخ سے توحید اور رسالت کی تحقیق ہے اور رسالت کے ذیل میں مضمون تسلی ارشاد ہے۔ پھر آخر میں ایک جامع عنوان سے عبارت کا مطلوب ہونا مذکور ہے جو ترغیب وترہیب پر مشتمل ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... حضرت ابراہیمؑ نے قرائن سے اندازہ کر کے فرشتوں سے غیر معمولی اہتمام کے ساتھ آمد کی وجہ پوچھی ہوگی فرشتوں کا یہ جواب سورۂ ہود میں حضرت سارہ کی گفتگو سے پہلے آیا اور یہاں گفتگو کے بعد معلوم ہوتا ہے سو ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ کہنا حضرت سارہ کی گفتگو سے پہلے واقع ہوا ہے اور یہاں چونکہ کوئی حروف ترتیب نہیں ہے اس لئے ذکری ترتیب کو ترتیب وقوعی کی دلیل نہیں کہا جائے گا۔ اب دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ بطور توسع اگرچہ اولون کو بھی حجارہ کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن من طین کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ کھنگر کے پتھر برسائے گئے تھے جن پر نشان کر دیئے گئے تھے کہ یہ پتھر انہی لوگوں کو لگیں گے جو دین وعقل وفطرت سے خارج ہو چکے تھے۔

مجرمین کا انجام: .... یہ اس قوم کی کتنی بد نصیبی تھی کہ پوری بستی میں حضرت لوطؑ کے گھرانہ کے علاوہ کوئی مسلم گھرانہ نہیں تھا۔ اسی کو

عذاب سے صاف بچالیا گیا۔ وجدان کے انکار سے کنایہ ہے انکار علم پر، کیونکہ وجدان سے مراد علم الٰہی ہے جو وجود کو لازم ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہے۔

وترکنا فیھا ایۃ یعنی ڈرنے والوں کی عبرت کے لئے ان کی غیر معمولی تباہی کے نشان اب تک موجود ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو سلطان مبین دینے کا مطلب معجزات و براہین ہیں۔ مگر فرعون نے اپنے زور قوت کے گھمنڈ میں آ کر حق سے منہ موڑ لیا اور اپنے ساتھ سب کو لے ڈوبا۔ اسی لئے وھو ملیم فرمایا کہ اس کی بربادی کا الزام ہم پر نہیں ہے خود اسی پر ہے کہ سمجھانے پر بھی باز نہ آیا اور آخر کار جو بویا تھا وہی کاٹا۔

قوم عاد پر بھی عذاب کی آندھی آئی۔ جس نے مجرموں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور جس پر گزری اس کا تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ حضرت صالحؑ نے جب اپنی قوم ثمود سے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور مزے اڑالو۔ آخر عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ یہ وہ تمتع نہیں ہے جو دوسری آیت میں ثلٰثۃ ایام کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ اس کے بعد فعتوا پر فا داخل ہے۔ حالانکہ ان کی سرکشی اس تمتع سے یقیناً پہلے تھی۔ یہاں تو یہ مقصود ہے کہ تم کفر سے باز نہیں آؤ گے۔ اس لئے ضرور تباہ ہو گے چند روز مزے اڑالو مگر اس تنبیہ کے باوجود ان کی شرارت روز بروز بڑھتی رہی۔ آخر عذاب نے آ پکڑا۔ ایک کڑک ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور و طنطنے خاک میں مل گئے۔ کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا بھلا بدلہ لینے کا تو سوال ہی نہیں تھا اپنی مدد پر کسے بلاتے؟ ان اقوام سے پہلے قوم نوح بھی اپنی سرکشی کی بدولت تباہی سے دوچار ہو چکی تھی۔

اللہ کی کمال صناعی:.........والسماء بنینٰھا۔ آسمان و زمین جیسی وسیع و عریض چیزیں سب اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ خالق کائنات کی عجیب و غریب کاریگری میں انسان غور کرے تو اسی کا ہو رہے۔ زوجین سے تقابل و متضاد چیزیں ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین و آسمان، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، بیماری صحت، ایمان و کفر، طاعت و معصیت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی ذاتی یا عرضی ایسی صفت معتبر ہوتی ہے جس کے مقابل دوسری چیز میں اس کی ضد پائی جاتی ہے۔ اور بقول ابن زیدؒ نر و مادہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر نوع میں نر و مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے۔

ففروا الی اللہ۔ یعنی ساری کائنات جب اللہ کے زیر تسلط ہے تو بندہ کو چاہیے کہ ہر طرف سے ہٹ کر اسی کا ہو رہے ورنہ اگر بندہ کسی طرف رجوع نہ ہوا یا اللہ کے علاوہ کی طرف رجوع ہوا تو دونوں صورتوں میں خطرہ ہے تو بدانجامی سے صاف صاف ڈرائے دیتا ہوں۔

کذلک ما اتی الذین۔ یعنی ایسی صاف اور واضح تنبیہ پر بھی اگر مخالفین کان نہ دھریں تو آپ غم نہ کیجئے ان سے پہلے بھی پیغمبروں کو جادوگر دیوانہ کہہ کر ان کا مذاق اڑایا گیا۔ ہر زمانہ کے کافر اس بارہ میں ایسے متفق اللفظ رہے ہیں۔ کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر کے مرے ہوں کہ جو رسول آئے اسے جادوگر دیوانہ بنا کر رہنا اور وصیت تو خیر کہاں کرتے۔ البتہ شرارت میں سب حصہ دار ہیں۔ اسی شرکت سے پچھلوں نے وہ الفاظ کہے ہیں جو اگلوں نے کہے تھے۔

دو شبہے اور ان کا جواب:.........اس پر دو شبہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض انبیاء ایسے بھی گزرے ہیں جن کی کسی نے بھی تکذیب نہیں کی۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام یا وہ محض شریعت کی تائید کیلئے آئے تھے ان کا تعلق صرف مومنین سے رہا ہے تکذیب کرنے والوں سے ان کا واسطہ ہی نہیں پڑا۔ جیسے یوشع علیہ السلام پھر تکذیب کی نسبت کلیۃ کیسے کر دی گئی ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ جن پیغمبروں کی تکذیب کی گئی ہے۔ کچھ لوگوں نے ان کی تصدیق بھی کی ہے پھر کلیۃ تکذیب کی نسبت کیسے کر دی گئی؟

پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے کہ الذین سے مراد صرف کافر ہیں اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قالوا میں کل یا بعض دونوں مراد ہیں۔ حدیث بخاری یمر النبی لیس معه احد الخ کی رو سے بعض انبیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ان کے ساتھ ایک بھی ماننے والا بھی نہیں ہوا۔ سب تکذیب کرنے والے ہی رہے۔

فتول عنهم ۔ یعنی آپ اپنا فرض تبلیغ بجالا چکے ہیں۔ اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھانا آپ کا کام تھا وہ آپ کر چکے اور آئندہ بھی کرتے رہیئے۔ جس کی قسمت میں سنورنا ہوگا وہ سنورتا رہے گا رہ گئے منکرین ان پر اللہ کی حجت تمام ہو چکی ہے۔ زبردستی ان سے کام کرا دینا آپ کا کام نہیں ہے۔

انس وجن کی پیدائش عبادت کیلئے ہے:............ ما خلقت الجن۔ توحید و رسالت و بعث کے اعتقادات اور اعمال اصلیہ وفرعیہ سب عبادات ہیں۔ ان میں فرائض کی تاکید تو ظاہر ہے۔ لیکن نوافل کی تاکید بھی بلحاظ اعتقاد ہے یعنی ان کی مشروعیت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے غرضیکہ جن وانس کی پیدائش سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے خلقۃً اور فطرۃً ان میں ایسی صلاحیت واستعداد رکھی ہے کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں۔

یوں تو ہر چیز تکوینی طور پر اللہ کے ارادہ تکوین کے آگے عاجز اور بے بس ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب سب بندے اپنے ارادہ اور اختیار سے تخلیق عالم کی شرعی غرض کو پورا کریں گے۔ تاہم آپ سمجھاتے رہیے۔ اسی سے وہ غرض پوری ہوگی اور دوسرے منافع اور فوائد کا اس تخلیق پر مرتب ہونا اس غرض کے منافی نہیں ہے۔ نیز کچھ انسانوں اور جنات سے عبادت کا نہ ہونا بھی اس مضمون کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہاں ارادہ شرعی بیان کیا گیا ہے نہ کہ امر تکوینی اور جن وانس کی خصوصیت اس لئے ہے کہ عبادت کہتے ہیں۔ اختیار و ابتلاء کے ساتھ بندگی کرنے کو اور فرشتوں میں ابتلاء نہیں اور دوسری مخلوقات میں اختیار نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ مطلوب شرعی بندگی ہے جو انہی دو کے ساتھ خاص ہے۔ باقی اس بندگی سے اللہ کا کچھ فائدہ نہیں جو کچھ نفع ہے وہ خود بندگی کرنے والوں کا ہے۔

فرماتے ہیں میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لئے کما کر لاؤ یا میرے آگے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ان تخیلات سے بالا اور برتر ہے۔ میں ان سے روزی کیا طلب کرتا خود ان کو اپنے کے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں۔ اللہ کو تمہاری خدمات کی کیا ضرورت۔ بندگی کا حکم تو مورد الطاف وعنایات بننے کے لئے تمہیں دیا گیا ہے۔

عبادت سے اللہ کی غرض وابستہ نہیں:............ اللہ میں تو عجز واحتیاج کا احتمال عقلی بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اپنے کھانے کی فرمائش کا امکان۔ خلاصہ یہ کہ بندگی سے ہماری کوئی غرض وابستہ نہیں۔ نہ براہ راست جیسے اپنے کھانے کی فرمائش اور نہ بالواسطہ جیسے اور مخلوق کو رزق دیئے جانے کی خواہش۔ بلکہ صرف بندگی کرنے والوں کا نفع ہی پیش نظر ہے۔

ما ارید منهم من رزق پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اہل وعیال اور متعلقین کے نان ونفقہ اور روزی کو تو واجب کیا گیا ہے۔ پھر ما ارید کہنے کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ وہ انفاق ہے ترزیق نہیں ہے۔ گویا جس کی نفی کی گئی اس کا اثبات نہیں ہے اور جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں کی گئی۔ پھر اس انفاق کا فائدہ کچھ اللہ کو نہیں پہنچتا کہ کچھ اس طرح اس کو سہارا مل جاتا ہو کہ اس نے مخلوق کی روزی رسانی کا جو ذمہ لیا تھا اس انفاق سے اس کو کچھ مدد مل جاتی ہو اور ذمہ داری سے اس کو سبکدوشی مل جاتی ہو۔ بلکہ اس انفاق کا نفع اور اجر خود انفاق کرنے والوں کو پہنچتا ہے۔ اور

رزاق پھر بھی اللہ ہی رہتا ہے۔ کیونکہ حصول رزق میں کوشش کے باوجود اگر کامیابی نہ ہو۔ یا کامیابی ہو بھی جائے مگر دوسرے تک روزی پہنچانے پر قادر نہ ہو۔ یا روزی دوسرے کو پہنچادے۔ مگر اس کے حلق سے نہ اُتار سکے یا گلے سے بھی اتار دے مگر اس کو کاغذانہ بنا سکے تو ان صورتوں میں انسان کیا کرسکتا ہے۔ غرض بندہ حقیقۃً کسی طرح بھی رازق نہیں ہے۔

اور ما ارید کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہم ان سے ایسی روزی کموانا نہیں چاہتے جو عبادت میں رکاوٹ ہو سورۃ طٰہٰ کی آیت میں لانسألک رزقا کا بھی یہی مفہوم ہوگا۔ اب اس پر کوئی شبہ ہی متوجہ نہیں ہوتا۔

فان للذین ظلموا: ۔پچھلی آیت میں عبادت کی ترغیب تھی۔ اس آیت میں ترہیب کا پہلو ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی عبادت کی طرف مائل نہیں ہوتے تو دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے بس اب ڈوبا ہی چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں دوسرے کافروں کی طرح ان کافروں کو بھی خدائی سزا کا حصہ پہنچ کر رہے گا۔ خواہ قیامت میں یا اس سے پہلے سزا کا کوئی دن آجائے۔ جیسے غزدہ بدر میں ان کو خاصی سزا مل چکی ہے۔

لطائف سلوک:..........ففروا الی اللہ فا کے ساتھ تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ توجہ الی اللہ خوب ذوق وشوق کے ساتھ ہونی چاہیے۔

وما خلقت الجن ۔ مجاہدؒ سے اس کی تفسیر لیعرفون منقول ہے کیونکہ عبادت بلا معرفت معتد بہا نہیں ہوتی اور نہ معرفت بلا عبادت لائق اعتناء ہے۔ اہل ظاہر نے تو صورت عبادت پر قناعت کر لی اور جاہل صوفیاء نے صرف معرفت کو لے لیا۔ یہ دونوں ناقص ہیں کمال جامعیت نہیں ہے۔

سُــوْرَۃُ الطُّوْرِ

سُوْرَۃُ الطُّوْرِ مَکِّیَّۃٌ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ اَیِ الْجَبَلِ الَّذِیْ کَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ مُوْسٰی **وَ کِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ** ﴿۲﴾ **فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ** ﴿۳﴾ اَیِ التَّوْرٰۃِ اَوِ الْقُرْاٰنِ **وَّالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ** ﴿۴﴾ ھُوَ فِی السَّمَآءِ الثَّالِثَۃِ اَوِ السَّادِسَۃِ اَوِ السَّابِعَۃِ بِحِیَالِ الْکَعْبَۃِ یَزُوْرُہٗ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ بِالطَّوَافِ وَالصَّلٰوۃِ لَا یَعُوْدُوْنَ اِلَیْہِ اَبَدًا **وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ** ﴿۵﴾ اَیِ السَّمَآءِ **وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ** ﴿۶﴾ اَیِ الْمَمْلُوْءِ **اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ** ﴿۷﴾ لَنَازِلٌ بِمُسْتَحِقِّہٖ **مَّالَہٗ مِنْ دَافِعٍ** ﴿۸﴾ عَنْہُ **یَّوْمَ** مَعْمُوْلٌ لِوَاقِعٍ **تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا** ﴿۹﴾ تَتَحَرَّکُ وَتَدُوْرُ **وَّ تَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا** ﴿۱۰﴾ تَصِیْرُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا وَ ذٰلِکَ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ **فَوَیْلٌ** شِدَّۃُ عَذَابٍ **یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ** ﴿۱۱﴾ لِلرُّسُلِ **الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ خَوْضٍ** بَاطِلٍ **یَّلْعَبُوْنَ** ﴿۱۲﴾ اَیْ یَتَشَاغَلُوْنَ بِکُفْرِھِمْ **یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَھَنَّمَ دَعًّا** ﴿۱۳﴾ یُدْفَعُوْنَ بِعُنْفٍ بَدَلٌ مِنْ یَوْمَ تَمُوْرُ وَیُقَالُ لَھُمْ تَبْکِیْتًا **ھٰذِہِ النَّارُ الَّتِیْ کُنْتُمْ بِھَا تُکَذِّبُوْنَ** ﴿۱۴﴾ **اَفَسِحْرٌ ھٰذَا** الْعَذَابُ الَّذِیْ تَرَوْنَ کَمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْوَحْیِ سِحْرٌ **اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۵﴾ **اِصْلَوْھَا فَاصْبِرُوْٓا** عَلَیْھَا **اَوْلَا تَصْبِرُوْا** صَبْرُکُمْ وَجَزْعُکُمْ **سَوَآءٌ عَلَیْکُمْ** لِاَنَّ صَبْرَکُمْ لَا یَنْفَعُکُمْ **اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۶﴾ اَیْ جَزَآءَہٗ **اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ** ﴿۱۷﴾ **فٰکِھِیْنَ** مُتَلَذِّذِیْنَ **بِمَآ** مَصْدَرِیَّۃٌ **اٰتٰھُمْ** اَعْطَاھُمْ **رَبُّھُمْ وَوَقٰھُمْ رَبُّھُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ** ﴿۱۸﴾ عَطْفٌ عَلٰی اٰتَاھُمْ اَیْ بِاِتْیَانِھِمْ وَوِقَایَتِھِمْ وَیُقَالُ لَھُمْ **کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓئًا** حَالٌ اَیْ مُتَھَنِّئِیْنَ **بِمَا** اَلْبَاءُ سَبَبِیَّۃٌ **کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۹﴾ **مُتَّکِئِیْنَ** حَالٌ مِّنَ الضَّمِیْرِ الْمُسْتَکِنِّ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی فِیْ جَنّٰتٍ **عَلٰی سُرُرٍ مَّصْفُوْفَۃٍ** بَعْضُھَا اِلٰی جَنْبِ بَعْضٍ **وَزَوَّجْنٰھُمْ** عَطْفٌ عَلٰی فِیْ جَنّٰتٍ اَیْ قَرَنَّاھُمْ **بِحُوْرٍ**

عَيْنٍ ﴿۲۰﴾ عِظَامِ الْاَعْيُنِ حِسَانُهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُبْتَدَاءٌ وَاتَّبَعَتْهُمْ مَعْطُوْفٌ عَلٰى اٰمَنُوْا ذُرِّيَّتُهُمْ الصِّغَارُ وَالْكِبَارُ بِاِيْمَانٍ مِنَ الْكِبَارِ وَمِنَ الْاٰبَاءِ فِي الصِّغَارِ وَالْخَبَرُ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الْمَذْكُوْرِيْنَ فِي الْجَنَّةِ فَيَكُوْنُوْنَ فِيْ دَرَجَتِهِمْ وَاِنْ لَمْ يَعْمَلُوْا بِعَمَلِهِمْ تَكْرِمَةً لِلْاٰبَاءِ بِاجْتِمَاعِ الْاَوْلَادِ اِلَيْهِمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ بفتح اللام وكسرها، نقصناهم مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ زائدة شَيْءٍ يزاد في عمل الاولاد كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ عَمِلَ مِنْ خَيْرٍ اَوْ شَرٍّ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ مَرْهُوْنٌ يُؤْخَذُ بِالشَّرِّ وَيُجَازٰى بِالْخَيْرِ وَاَمْدَدْنٰهُمْ زِدْنَاهُمْ فِيْ وَقْتٍ بَعْدَ وَقْتٍ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ لَمْ يُصَرِّحُوْا بِطَلَبِهٖ يَتَنَازَعُوْنَ يَتَعَاطَوْنَ بَيْنَهُمْ فِيْهَا اَيِ الْجَنَّةِ كَاْسًا خَمْرًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا بِسَبَبِ شُرْبِهَا يَقَعُ بَيْنَهُمْ وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ بِهٖ يَلْحَقُهُمْ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ لِلْخِدْمَةِ غِلْمَانٌ اَرِقَّاءُ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ حُسْنًا وَنَظَافَةً لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ مَصُوْنٌ فِي الصَّدَفِ لِاَنَّهٗ فِيْهَا اَحْسَنُ مِنْهُ فِيْ غَيْرِهَا وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ يَسْاَلُ بَعْضُهُمْ عَمَّا كَانُوْا عَلَيْهِ وَمَا وَصَلُوْا اِلَيْهِ تَلَذُّذًا وَاعْتِرَافًا بِالنِّعْمَةِ قَالُوْآ اِيْمَاءً اِلٰى عِلَّةِ الْوُصُوْلِ اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا فِي الدُّنْيَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ خَائِفِيْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا بِالْمَغْفِرَةِ وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اَيِ النَّارِ لِدُخُوْلِهَا فِي الْمَسَامِ وَقَالُوْا اِيْمَاءً اَيْضًا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ اَيْ فِي الدُّنْيَا نَدْعُوْهُ اَيْ نَعْبُدُهٗ مُوَحِّدِيْنَ اِنَّهٗ بِالْكَسْرِ اِسْتِيْنَافًا وَاِنْ كَانَ تَعْلِيْلًا مَعْنًى وَبِالْفَتْحِ تَعْلِيْلًا لَفْظًا هُوَ الْبَرُّ الْمُحْسِنُ الصَّادِقُ فِيْ وَعْدِهٖ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ الْعَظِيْمُ الرَّحْمَةُ

ع

ترجمہ:......سورۂ طور مکیہ ہے جس میں ۴۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

قسم ہے طور کی (وہ پہاڑ جس پر حق تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوئے) اور کتاب (تورات یا قرآن) کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے اور بیت المعمور کی (جو تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کی سیدھ میں ہے روزانہ جس کی ۷۰ ہزار فرشتے زیارت کرتے ہیں طواف اور نماز کی صورت میں پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا) اور اونچی چھت (آسمان) کی اور دریائے شور کی جو پر (بھرا ہوا) ہے۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب (مستحق پر) ضرور آکر رہے گا۔ اس کو کوئی ٹال نہیں سکے گا جس روز (یوم واقع کا معمول ہے) آسمان تھرتھر کانپے گا (گھوم جائے گا) اور پہاڑ ہٹ جائیں گے (ہوا ہو کر اڑ جائیں گے قیامت کے روز) بڑی کم بختی (سختی) ہوگی اس روز پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کی جو (فضول) مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگ جائیں گے (کفر میں مصروف ہیں) جس روز کہ ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا (زبردستی دھکیلا جائے گا یہ یوم تمور سے بدل ہے ان کو دھمکا کر کہا جائے گا) کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے (وہ عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ وحی کے متعلق تم یہی کہا کرتے تھے کہ یہ جادو ہے) یا تم کو نظر نہیں آرہا۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پھر خواہ اس پر سہار کرنا یا نہ کرنا (صبر کا اظہار کرو یا گھبراہٹ کا) تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں (صبر کرنے سے اب کچھ فائدہ نہیں ہوگا) جیسا تم کیا کرتے تھے ویسا ہی بدلہ (صلہ) تم کو دیا جائے گا۔ بلاشبہ متقی باغوں اور عیش کے سامان میں ہوں گے خوش دل (لذت اندوز) ہوں گے جو چیزیں (مامصدریہ ہے) ان کو ان کے پروردگار نے دی (عطا کی) ہوں گی اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کی آنچ سے محفوظ رکھے گا (وقاہم کا عطف اتاہم پر ہے یعنی اس عطا اور نجات کی وجہ سے مسرور ہوں گے ان سے کہہ دیا جائے گا کہ خوب کھاؤ پیو مزہ کے ساتھ (ھنیئا حال ہے بمعنی

متکئین) اپنے اعمال کے بدلہ میں (باسببیہ ہے) تکیہ لگائے ہوئے (فی جنت میں جو ضمیر مستتر ہے اس سے حال ہے) تختوں پر جو ایک دوسرے کے برابر (پاس پاس) بچھے ہوئے ہوں گے اور ہم ان کا بیاہ کر دیں گے (جنت پر عطف ہے یعنی ان کی جوڑی بنا دیں گے) گوری گوری، بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے (جن کی آنکھیں بڑی حسین ہوں گی) اور جو لوگ ایمان لائے (مبتداء ہے) اور ان کی پیروی کی (آمنو پر اس کا عطف ہے) ان کی (چھوٹی بڑی) اولاد نے بھی ایمان لانے میں بڑی اولاد نے تو خود ایمان لا کر اور چھوٹی اولاد نے والدین کے ساتھ تابع ہو کر آگے خبر ہے) ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیں گے (درجات جنت میں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے بڑوں جیسا عمل نہیں کیا والدین کے اکرام کے لئے اولاد کو ان کے ساتھ کر دیا جائے گا) اور ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں۔ (التنالام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے، کم نہیں کریں گے ان کے عمل میں سے کچھ (من زائد ہے والدین کے عمل سے اولاد کے عمل میں اضافہ کر کے) ہر شخص اپنے عمل میں (اچھا ہو یا برا) بندھا رہے گا (پابند ہو گا برائی کی وجہ سے پکڑ ہو گی اور بھلائی کا صلہ ملے گا) اور ہم روز افزوں دیتے رہیں گے (ہر وقت بڑھا چڑھا کر) میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہو گا (اگرچہ صراحۃً خواہش کا اظہار نہیں کریں گے) آپس میں (لین دین کرتے ہوئے) چھینا جھپٹ کریں گے وہاں (جنت میں) جام (شراب) میں کہ نہ اس میں بک بک لگے گی (باہمی شراب پینے کی وجہ سے) اور نہ کوئی بے ہودہ بات ہو گی (برخلاف دنیا کی شراب کے اور خدمت کے لئے پیش ہوں گے ان پر لڑکے (غلام) جو خاص انہی کے لئے ہوں گے گویا وہ (خوبصورتی اور صفائی) میں محفوظ موتی ہوں گے (جو سیپوں میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں جو ان کی خوب صورتی کی سب سے بہترین جگہ ہے) اور وہ آمنے سامنے متوجہ ہو کر آپس میں بات چیت کریں گے (ہر ایک دوسرے کی مزاج پرسی کر کے مسرور و شکر گزار ہو گا) بولیں گے (کامیابی کے سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہم تو اس سے (پہلے دنیا میں رہتے ہوئے) اپنے گھروں میں بہت ڈرا کرتے تھے (عذاب الٰہی سے) لیکن اللہ نے ہم پر (مغفرت کر کے) بڑا احسان کیا اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔ (جو روئیں روئیں میں گھسی جایا کرتی ہے اور یہ بھی کہیں گے کہ ہم پہلے (دنیا میں) دعائیں مانگا کرتے تھے (توجہ کے ساتھ عبادت بجا لاتے تھے) واقعی وہ (انہ کسرہ ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ اگرچہ بلحاظ معنی علت ہے اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ لفظاً تعلیل ہے) بڑا محسن (اپنے وعدہ کا سچا احسان کرنے والا) مہربان (بڑی رحمت والا) ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **والطور** ۔ان پانچ قسموں کا جواب **ان عذاب ربک لواقع** آگے آ رہا ہے۔ پہلا واؤ قسمیہ ہے اور بقیہ واؤ عاطفہ ہیں۔ بقول خلیلؒ کے لیکن سمینؒ کی رائے ہے کہ سب واؤ قسمیہ ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ طور خاص پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت موسیٰ کو مدین سے آتے ہوئے اللہ سے شرف ہمکلامی حاصل ہوا ہے۔ یہ جنتی پہاڑ ہے اور بقول سدی یہی طور سینا ہے۔ لیکن مقاتلؒ بن حبان کہتے ہیں کہ طور سینا اور طور زیتاء دو الگ الگ پہاڑ ہیں جن پر انجیر اور زیتون کے درخت ہوتے ہیں۔

رق منشور ۔رق باریک جھلی اور ہر وہ چیز جس پر لکھا جائے عام قراءت فتحہ را کی اور قراءت شاذہ کسر را کے ساتھ ہے منشور پھیلی ہوئی کتاب مسطور کی تفسیر تورات قرآن سے کی ہے۔ صحائف اعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ آیۃ **ونخرج له یوم القیامة کتابا یلقاه منشورا** میں اعمالنامے مراد ہیں اور بعض نے تمام کتب آسمانی مراد لی ہیں۔ اس میں اور اقوال بھی ہیں۔

والبیت المعمور ۔بیت اللہ ہی مراد ہو سکتا ہے دونوں صورتوں میں کثرت زائرین کی وجہ سے معمور اور آباد رہتا ہے بیت المعمور کون سے آسمان پر ہے اس میں چھ اقوال ہیں۔ بقول ابن عباسؓ کعبۃ اللہ کی محاذات میں ہے اس صورت میں سب اقوال مختلفہ میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

المسجور ۔ابن جریرؒ قتادہؒ کے نزدیک بھرنے کے معنی ہیں۔ قاموس کے مطابق **سجر الماء ای ملاه** ۔ابن جریر نے مجاہدؒ سے دہکنے کے منقول کئے ہیں جو جہنم کی صفت ہے قیامت میں اہل موقف کو آگ کا سمندر گھیر لے گا اور بعض نے زمین کی وجہ سے سمندر پر روک لگنے کے

معنی لئے ہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ سے مرفوع روایت ہے کہ ہر رات تین مرتبہ سمندر زمین کو ڈبونے کا ارادہ کرتا ہے مگر حق تعالیٰ کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت علیؓ سے اور بقول ابن جریرؒ، ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ عرش کے نیچے آسمان پر دریا کا نام ہے۔

من دافع ۔ فاعل ہے یا مبتداء ہے، بہر صورت من زائد ہے۔

تسیر الجبال ۔ ریت بن کر اڑ جائے گا۔ **هباء منثورا** تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ پہاڑوں سے اپنی جگہ سے اس طرح منتقل ہونا مراد ہے کہ ان کا نام ونشان نہ رہے۔ پہلے زمین پر گر کر چورہ چورہ ہو جائیں گے۔ پھر ریت کی طرح باریک اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے۔ اور حکمت الٰہیہ یہ دکھلانا ہے کہ جب پہاڑوں کا یہ حال ہے تو اور چیزیں دوبارہ دنیا میں کیسے واپس ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جب انسان ہی دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلا گیا تو اور تمام چیزیں تو اسی کی خاطر بنائی گئی تھیں وہ رہ کر کیا کریں گی۔ اس طرح دنیا کی تخریب میں آخرت کی تعمیر مضمر ہوگی جو نمایاں ہو جائے گا۔

یدعون ۔ دع کے معنی سختی سے دفع کرنے سے ہیں۔ پاؤں باندھ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

ام انتم لا تبصرون ۔ اس کا عطف مقدر پر ہے ای **هذا** سحر جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

سواء علیکم ۔ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای صبرکم وترکہ جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے اور مبتداء محذوف الخبر بھی ہو سکتا ہے ای سواء الصبر والجزع۔ لیکن نکرہ کا خبر ہونا بہ نسبت مبتداء بنانے کے بہتر ہوتا ہے لیکن زمخشریؒ دوسری صورت مانتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا میں تو صبر کارگر ہوتا ہے۔ مگر آخرت میں بے سود ہوگا۔

هنیئا ۔ یہ حال ہے یا مصدر محذوف یا مفعول بہ محذوف کی صفت ہے ای **اکلا هنیئا** او **طعاما هنیئا** بہر صورت اس میں **کلوا** و **اشربوا** دونوں افعال کا تنازع ہو رہا ہے۔ **هنیئا** کے معنی خوشگوار کے ہیں جس کے کھانے میں اچھو نہ لگ جائے اور گلے میں نہ پھنسے۔

زوجناهم ۔ مفسرؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ تزویج متعارف مراد نہیں ہے۔ کیونکہ جنت میں حوریں مملوکہ ہوں گی نہ کہ منکوحہ۔ اس لئے مقاربت کے معنی ہیں۔

حور عین ۔ عین جمع ہے عیناء ہے۔ حور جمع ہے حوراء کی۔ گوری چٹی۔

واتبعتهم ۔ اس کا عطف آمنو پر ہے اور بعض نے اس کو جملہ معترضہ کہا ہے بیان علت کے لئے اور زمخشریؒ کے نزدیک حور عین پر **الذین آمنوا** کا عطف ہے اور **واتبعتهم** کا **زوجناهم** پر عطف ہے۔

یہاں الحقنا کا مطلب یہ ہے کہ والدین کے عظیم ایمان کی وجہ سے اولاد کو بھی ان کے تابع کر دیا۔ کیوں کہ چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوا کرتی ہے۔ اور بغویؒ کہتے ہیں کہ بڑی اولاد تو اپنے ایمان کی وجہ سے اور کمسن اولاد والدین کے ایمان کی وجہ سے ماں باپ کے درجات میں پہنچا دی جائے گی۔ تاکہ والدین کے لئے باعث طمانیت ہو۔ جیسا کہ سعید ابن جبیرؒ ابن عباسؓ سے نقل کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذریت سے مراد تعلق اور محبت والے ہیں۔ خواہ ماں باپ ہوں یا اولاد، بھائی بند ہوں یا دوست احباب۔ گویا ذریت نسبی ہو یا سببی سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہو جائیں گے۔ اعلیٰ عمل والوں کے زمرہ میں ادنیٰ عمل والے بھی شامل کر دیئے جائیں گے۔

جہاں تک دنیاوی احکام کا تعلق ہے مسلمانوں کی چھوٹی اولاد مسلمان اور کافروں کی کافر سمجھی جائے گی۔ لیکن بلحاظ آخرت کے علماء مختلف الرائے ہیں۔ اکثر تو اسی رائے پر ہیں کہ دنیا کی طرح آخرت میں اولاد ماں باپ کے تابع ہوگی۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ مشرکین کی اولاد جہنم میں داخل نہیں کی جائے گی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں **لا یعذب الله احدا بلا ذنب** اور بعض کی رائے ہے کہ کافر بچے جنت میں مسلمانوں کے خدمت گار ہوں گے، اور بعض کی رائے ہے کہ بچے خواہ کسی مذہب کے ہوں ایسے ہی رہیں گے کہ نہ جنت میں داخل ہوں گے نہ جہنم میں۔

امام اعظمؒ چار مسئلوں میں توقف فرماتے ہیں۔ اولاد مشرکین کے متعلق، اسی طرح خنثیٰ مشکل کے متعلق اور ختنہ کس وقت کی جائے اور دنیا کی مدت کتنی ہے چاروں کی نسبت لا ادری فرمایا۔

حدیث اللہ اعلم بما کانوا عاملین کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جو امام صاحبؒ کے لئے موید ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ بچے اگر زندہ رہتے تو کیا عمل کرتے۔ اللہ انہی فرض اعمال کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا۔

اس کا ماحصل بھی وہی نکلتا ہے کہ یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب ابتداء میں مسلمان بچوں کے متعلق بھی متامل تھے۔ لیکن جب ان کے ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی ہونے کی وہ آیات امام صاحب کو پہنچیں تو پھر انہوں نے توقف سے رجوع فرما لیا۔ یعنی قطعی دلیل معلوم نہیں تھی۔ ورنہ آیت الحقنا بھم ذریتھم سامنے تھی۔ لیکن آیت میں چونکہ مختلف احتمالات ہیں ایمان قصدی مراد ہے یا ایمان ازلی اور ایمان تبعی مقصود ہے۔ اس لئے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر قطعی طور پر انبیاء اور عشرہ مبشرہ وغیرہ کے علاوہ کسی کے متعلق جنتی ہونے کو نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح ابولہب اور ابوجہل وغیرہ متعینہ کافروں کے علاوہ یقینی طور پر کسی کافر کے جہنمی ہونے کو نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ تمام مومنین جنتی اور کافر جہنمی ہیں اور بچے والدین کے تابع جنت یا جہنم میں ہوں گے یا ان کا حال مشکوک ہے۔ لیکن کسی بچہ کو بھی متعینہ طور پر جنتی نہ کہا جائے گا اور نہ جہنمی بہر حال اس بارے میں چار مسلک ہیں۔

۱۔ بچے والدین کے تابع ہوں گے۔

۲۔ فی نفسہ بچوں کی حالت کا اعتبار کر کے معاملہ کیا جائے گا۔

۳۔ ماں باپ دونوں کے مجموعے کا اعتبار کیا جائے گا۔

۴۔ ماں باپ اور بچوں کی مجموعی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور صحابہؓ کے وہ بچے جوان کے کفر کے زمانہ میں مرے ان کے متعلق توقف مناسب ہے۔ لیکن کافروں کے وہ بچے جو ان کے مسلمان ہونے کے زمانہ میں مرے وہ جنتی ہیں۔ نیز متعینہ طور پر جب بڑوں کی نسبت جنتی یا جہنمی ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا تو بچوں کے متعلق متعینہ طور پر کیسے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ فرع کا اصل سے بڑھنا لازم آجائے گا۔ بالخصوص جب کہ بعض بچے فطرۃً شقی ہوتے ہیں۔ جیسے وہ بچہ جس کو حضرت خضرؑ نے بحکم الٰہی مار دیا تھا حالانکہ اس کے والدین مومن تھے پھر مومن کی اولاد کا جنتی ہونا تو احادیث سے معلوم بھی ہے۔ مگر کافر اور منافقین کی اولاد کا حال بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ شروع میں آنحضرت ﷺ کو مطلقاً بچوں کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ بعد میں مسلمانوں کے بچوں کا حال معلوم ہو گیا۔ مگر دوسرے بچوں کا حال آپ نے بیان نہیں کیا۔ لہٰذا وہ اپنے حال پر رہیں گے۔

التناھم۔ کسرہ لام کے ساتھ ابن کثیر کی قراءت ہے اور بقیہ نصب لام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ الالتہ کے معنی نقصان کے ہیں۔

بما کسب رھین۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اہل جہنم کے ساتھ خاص ہے وہی اپنے اعمال میں بندھے ہوئے ہوں گے۔ اہل ایمان مراد نہیں۔ وہ محض اپنے عمل میں بندھے ہوئے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین۔ لیکن زمخشریؒ کی رائے ہے کہ کل نفس عام ہے اہل خیر وشر سب کو نیک عمل اپنی نیکی کی وجہ سے گلوخلاصی پائے گا ورنہ گردن پھنسی رہے گی۔

اور آیت میں ایک توجیہ اور بھی ہو سکتی ہے کہ رہین بروزن فعیل بمعنی فاعل ہو یعنی ہر شخص اپنے عمل میں راہن اور گروی ہے۔ اگر نیک ہے تو دوامی جنت ورنہ کافر منافق کے لئے دوامی جہنم، اور بقول مفسرؒ رہین بمعنی مرہون ہے یعنی ہر شخص عمل کا پابند ہے اس سے عمل کا مطالبہ ہے اگر مطالبہ پورا کر دیا تو اس کا نفس رہن سے رہا ہو جائے گا ورنہ مواخذہ کے لئے بندھا رہے گا۔

یتنازعون۔ بے تکلف دوستوں میں چھین جھپٹ چونکہ تفریح طبع کا سامان ہوا کرتی ہے۔ اس لئے صورۃ تنازع سے تعبیر کیا ہے حقیقۃ

زرع مراد نہیں ہے۔
کأسا ۔شراب سے بھرا ہوا پیمانہ اور گلاس اور قرب ومجاورت کی وجہ سے مجازاً شراب کو بھی کہتے ہیں۔
لغو فیھا۔یعنی شراب کی مستی میں اول فول نہیں بکیں گے۔
غلمان لھم ۔جس طرح حوریں نئی مخلوق مملوکہ ہوں گی اسی طرح غلمانوں کی نئی مخلوق مملوک ہوگی۔تاکہ دنیا میں جو غلام باندی رہے ہوں وہ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا کی طرح جنت میں بھی ہم غلام بن کر رہیں گے۔اس خیال سے ان کی دل آزاری ہوتی۔اس لئے حور وغلمان پیدا کر کے دلداری فرمادی گئی۔

فی اھلنا مشفقین ۔اپنے اہل وعیال میں رہ کر عموماً انسان بے خوف رہتا ہے مگر اہل ایمان جب اس حال میں بھی اللہ کا خوف وخشیت رکھتے ہیں تو گویا ہر حال میں خائف رہتے ہیں اسی طرح دائمی خوف مراد ہوگا۔لیکن بعض حضرات مشفقین شفقت سے ماخوذ مانتے ہیں یعنی اپنے متعلقین پر نرمی کرتے ہیں اس لئے مستحق رحمت ہوئے۔
عذاب السموم ۔چونکہ مسامات میں گھس جائے گا۔نیز اس میں سمیت اور زہر کے اثرات ہوں گے اس لئے ریح مسموم لو اور گرم ہوا کو کہا جاتا ہے۔

انه هو البر الرحيم۔یہ بلحاظ معنی ندعوہ کی علت ہے یعنی اللہ کے محسن ومہربان ہونے کی وجہ سے ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت "یوم موعود" کی وعید پر ختم ہوئی تھی۔سورہ طور اسی مضمون سے شروع ہورہی ہے۔وعید کے بعد قرآن کی حسب عادت مومنین کے لئے وعدکا بیان ہے۔

شان نزول وروایات: .... والبیت المعمور۔ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ لله فی السمٰوٰت والارض خمسة عشر بیتا سبعة فی السموات وسبعة فی الارضین والکعبة وکلھا مقابلة للکعبة ۔
حسنؒ فرماتے ہیں۔البیت المعمور ھو الکعبة وھی البیت الحرام الذی ھو معمور بالناس یعمرہ الله کل سنة بستمائة فان عجز الناس عن ذلک اتمه الله بالملائکة وھو اول بیت وضعه الله للعباد فی الارض۔
الحقنا بھم ذریتھم ۔بغویؒ ضحاکؒ سعید بن جبیرؒ، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بالغ اولاد تو اپنے ایمان کی وجہ سے اور کمسن اولاد ماں باپ کے تابع ہو کر داخل جنت ہوگی۔بلکہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایات ہیں۔
ان الله یرفع ذریة المومن معه فی درجته فی الجنة وان کانوا دونه فی العمل لتقر بھم عینه۔
اذا دخل الرجل الجنة سال عن ابویه وولدہ وزوجته فیقال انھم لم یبلغوا درجتک وعملک فیقول یا رب قد عملت لی ولھم فیومر بالحاقھم به ۔بلکہ ذریت کے مفہوم میں آباء اور ابنا دونوں آتے ہیں کیونکہ اعلیٰ مومن کے ساتھ اس کے متعلقین بھی منسلک ہوں گے۔جیسا کہ ابن عباسؓ کا ارشاد ہے ذریت نسبی ہو یا سببی اسی طرح افادہ کا تعلق ہو یا ولادت کا۔وہ کارآمد ہوگا۔یعنی بلند درجات بڑوں کے ہوں یا چھوٹوں کے کم درجہ متعلقین کو اس سے ضرور فائدہ ہوگا۔چنانچہ وآیة لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریۃ میں آباء بھی داخل ہیں۔
غلمان لھم ۔ابن عمرؓ کی روایت میں ہے ما من احد من اھل الجنة الا یسعی علیه الف غلام وکل غلام علی عمل غیر ما

علیه صاحبه۔

حضرت حسنؒ سے منقول ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر صحابہؓ نے عرض کیا۔ **یا رسول الله الخادم کاللولو المکنون فکیف المخدوم، قال فضل المخدوم علی الخادم کفضل القمر لیلة البدر علی سائر الکواکب۔**

﴿تشریح﴾:........**کتاب مسطور**۔ اس سے ممکن ہے لوح محفوظ مراد ہو یا قرآن کریم۔ یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتب سماویہ مراد ہوں۔ یا لوگوں کا اعمالنامہ غرض سب احتمالات ہیں۔

بیت المعمور۔ ممکن ہے کعبۃ اللہ مراد ہو یا کعبۃ اللہ کی ٹھیک محاذات میں ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ مراد ہو۔ جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔

سقف مرفوع۔ اس سے آسمان مراد ہے جو چھت کی طرح ہے۔ یا عرش اعظم مراد ہے۔ جو سب آسمانوں سے اوپر ہے۔

البحر المسجور۔ دنیا کے ابلتے ہوئے چشمے مراد ہیں یا آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے عظیم دریا مراد ہے۔ جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔

یوم تمور السماء۔ قیامت کا روز مراد ہے۔ اس کا تھرتھر کانپنا معنی متبادر کے اعتبار سے ہے یا اس کا پھٹنا مراد ہے جیسا کہ **اذا السماء انشقت** میں فرمایا گیا ہے ابن عباسؓ کی ان دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بطور تعاقب دونوں کا تحقق ہوسکتا ہے۔

وتسیر الجبال۔ یہاں پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور ٹل جانا مراد ہے۔ لیکن دوسری آیات میں ریزہ ریزہ ہونا پھر اڑ جانا بیان کیا گیا۔ **ینسفها ربی نسفا، وبست الجبال بسا، فکانت هباء منبثا** ان سب احوال میں کوئی بھی تعارض نہیں ہے۔

مختلف قسموں کی مناسبت:........ان قسموں کو مضمون سے مناسبت یہ ہے کہ قیامت کی اصل حقیقت مجازات ہے اور مجازات کی اصل احکام شرعیہ ہیں۔ پس طور کی قسم کھانے میں اللہ کے صاحب کلام و صاحب احکام ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر احکام کی موافقت مخالفت ہی بنیاد ہے مجازات کی۔ اس لئے اعمالنامہ کی قسم کھانے میں اشارہ ہے۔ اس موافقت یا مخالفت کے مضبوط و منضبط ہونے کی طرف گویا عبادت اور اطاعت احکام کے ضروری ہونے پر بھی مجازات موقوف ہے۔ اس لئے بیت المعمور سے اشارہ ہے عبادت کے ایسے ضرور ہونے کی طرف کہ فرشتے باوجود یکہ مجازات واحکام کے مکلف نہیں۔ مگر پھر بھی عبادت کے لئے مامور ہیں انہیں بھی آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ مجازات کا نتیجہ دو چیزیں ہیں جنت و جہنم۔ پس آسمان کی قسم کھانے میں جنت کے رفیع المکان ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بحر مسجور کی قسم کھانے میں جہنم کے ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تقریر تو ان قسموں کی تخصیص کی ہوئی اور نفس قسم کی توجیہ سورہ حجر کی آیت لعمرک الخ میں گزر چکی ہے اور قسم کی غرض و غایت پر کلام سورہ صافات کے شروع میں گزر چکا ہے۔ آگے قیامت کے بعض واقعات کا ذکر ہے۔

دوزخ میں کفار کی حالت زار:........**فویل للمکذبین**۔ یعنی جو لوگ کھیل کود میں مشغول ہو کر آج طرح طرح کی باتیں بنا کر قیامت کو جھٹلاتے ہیں ان کے لئے آخرت میں سخت خرابی اور تباہی ہوگی۔ فرشتے انہیں ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور کہیں گے کہ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے وہ آگ حاضر ہے۔ تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر اور ان کے پیغام کو جادو بتلایا کرتے۔ اب بتلاؤ کہ یہ دوزخ جس کی اطلاع انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جس طرح دنیا میں تمہیں کچھ سوجھتا نہ تھا اب بھی نہیں سوجھتا۔ اب دوزخ میں پڑ کر گھبراؤ چلاؤ تب کوئی فائدہ نہیں، کوئی فریاد سننے والا نہیں اور بفرض محال چپ سادھ کر صبر کر کے پڑے رہو۔ تب کوئی رحم کرنے والا نہیں۔ غرض یہ دونوں حالتیں یکساں غیر مفید ہوں گی۔ اب اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں۔ جو کرتوت

کے آئے ہو، اس کی سزا ایسی حبس دوام اور ابدی عذاب ہے۔

جنتیوں کے مزے:........ان المتقین۔ یعنی برخلاف اللہ سے ڈرنے والوں کے وہ وہاں بالکل مامون ومطمئن ہوں گے۔ ہر قسم کا سامان عیش ان کے لئے مہیا ہوگا۔ اور یہی انعام کیا کم ہے کہ انہیں دوزخ کے عذاب سے اللہ نے بچالیا۔ جنت میں ان کی زندگی شاہانہ اور ٹھاٹھ دار ہوگی اپنے اپنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے جو نہایت قرینہ اور سلیقہ سے بچھے ہوئے ہوں گے۔ اہل وعیال اور متعلقین، خدام واتباع سب سامنے ہوں گے۔ گو اصاغر کے کام اس درجہ کے نہ ہوں۔ لیکن اکابر کے اکرام اور خوشی کی خاطر بیٹین و متبعین کو بھی خصوصی نوازشوں سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ کاملین کی نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دے دیا جائے گا یا کاملین وناقصین کو برابر کردیا جائے گا بلکہ اپنے فضل وکرم سے اور کاملین کی خوشنودی مزاج کے لئے ناقصین کو ابھار دیا جائے گا اور یکسانیت کے باوجود اصل نقل ورتابع متبوع کا فرق بدستور رہے گا۔

بخاری کی روایت ہے۔ قالت الانصار . یا رسول اللہ ان لکل قوم اتباعا وانا قد اتبعناک فادع اللہ ان یجعل اتباعنا منا قال النبی ﷺ اللھم اجعل اتباعھم منھم ۔ آخر امراء کے محلات میں ان کے خدام بھی ساتھ رہتے ہیں۔ مگر خادم ومخدوم کا فرق پھر بھی بحال رہتا ہے۔

اور ذریت میں ایمان کی شرط اس لئے ہے کہ اصل کے ساتھ الحاق اس کے بغیر نہیں ہوگا۔ جس طرح مومنین کی مومن ذریت ان کے ساتھ ہوگی۔ اسی طرح کافروں کی ذریت ان کے ساتھ ہوگی۔ البتہ مومن کی کافر ذریت یا کافر کی مومن ذریت وہ جنتی نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسی صورت میں کل امری بما کسبت رھین کا اصول کارفرما ہوگا۔

ذریت کا مفہوم عام ہے:........ظاہر عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے بڑی اولاد مراد ہے۔ جیسا کہ بایمان کی قید بھی اس کا قوی قرینہ ہے اور چھوٹی اولاد کا حکم احادیث میں ارشاد ہے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ کمسن اولاد مومن ہو یا کافر اپنے اپنے مسلم وکافر والدین کے ساتھ ہوں گے۔ حدیث اللہ اعلم بما کانوا عاملین کی رو سے اور بعض کی رائے ہے کہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ کی رو سے تمام ذریت جنتی ہوگی۔ البتہ ذراری مشرکین غلاموں کی حیثیت سے رہیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ غیر مکلف ہونے کی وجہ سے دونوں ذریتیں اعراف میں رہیں گی۔ اور جمہور دلائل متعارض ہونے کی وجہ سے توقف کو پسند کرتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث ہے اس میں آباء کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں ذریت پر ولد معطوف ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے مطلق توابع مراد ہیں۔ جس میں بیویاں، دوست، احباب، شاگرد، مرید، معتقد سب آجاتے ہیں۔ اس طرح آیت کا مفہوم بہت وسیع ہو جائے گا۔ بلکہ اگر اخلاف عالی رتبہ ہوں تو اسلاف بھی ان کے ہم رتبہ ہو کر ذریت کے عموم میں داخل ہو جائیں گے۔

اس پر اگر شبہ ہو کہ جب مومن کے اصول وفروع سب اس کے ساتھ شریک ہو گئے تو جب وہ اصول وفروع بھی مومن ہوں تو ان کے اصول وفروع بھی ہم درجہ ہوں گے تو لازم آئے گا کہ سب جنتی ایک ہی درجہ میں ہو جائیں حالانکہ فرق مراتب اور اختلاف درجات مسلم ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ الحاق صاحب درجہ کے اصل عمل کی وجہ سے ہے اور یہ اصالت تابع در تابع میں باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اس کے ساتھ دوسروں کا ملحق ہونا لازم نہیں آتا۔

قانون فضل وعدل:........کل امریٔ بما کسبت رھین۔ پہلی آیت میں اللہ کے فضل کا بیان تھا اور اس آیت میں قانون عدل کا

ذکر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے اچھا برا جو کام کیا اس کو اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔

آگے آیت و امددناھم سے نعمائے جنت کا تذکرہ ہے۔ شراب کا دور چلے گا تو خوش طبعی اور چھینا جھپٹی بھی ہوگی۔ جس سے بے تکلفی لذت وسرور میں اضافہ ہوگا۔ شراب میں فرحت، قوت، نشاط، انبساط تو ہوگا مگر نشہ، سرگرانی فتور عقلی بکواس نہیں ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی موتیوں جیسے غلمان ہوں گے جس طرح سیپ میں موتی صاف شفاف اور گرد وغبار سے پاک ہوتا ہے۔ یہی حال غلمانوں کا ہوگا۔ پھر آپس میں خوش گپیاں ہوں گی۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی کریں گے اور دنیا کی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے کہیں گے۔ میاں ہم دنیا میں ڈرا کرتے تھے کہ دیکھئے مرنے کے بعد کیا انجام ہوگا۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ مگر اللہ کا احسان اور شکر ہے کہ اس نے کیسا بےفکر کر دیا۔ اب دوزخ تو دوزخ اس کی آنچ بھی نہیں لگے گی۔ ہم اللہ کو امید وبیم کی ملی جلی کیفیت میں پکارا کرتے تھے۔ مگر اس نے سن لی اور ہمارے ساتھ کیا ہی عمدہ برتاؤ کیا گیا۔

لطائف سلوک:.........الذین اٰمنوا الخ۔ اس سے شرف نسبی کا آخرت میں کارآمد ہونا ثابت ہوا۔ مگر دینی شرف مراد ہے نہ کہ عرفی جاہ و عزت۔

یتنازعون فیھا کاسا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں کے ساتھ مزاح وانبساط برا نہیں۔ جیسا کہ خشک زاہد خوش طبعی کو خلاف وقار سمجھتے ہیں بلکہ مزاح مسنون ہے۔ بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو ورنہ وقار کے منافی ہوگا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کے مال میں بشرطیکہ اس کی طیب خاطر کا یقین ہو تصرف کرنا جائز ہے۔

فَذَكِّرْ دُمْ عَلٰى تَذْكِيرِ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تَرْجِعْ عَنْهُ لِقَوْلِهِمْ لَكَ كَاهِنٌ مَّجْنُوْنٌ **فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ** اَیْ بِاِنْعَامِهٖ عَلَيْكَ **بِكَاهِنٍ** خَبَرٌ **وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾** مَعْطُوْفٌ عَلَيْهِ **اَمْ** بَلْ **يَقُوْلُوْنَ** هُوَ **شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾** حَوَادِثُ الدَّهْرِ فَيُهْلِكُ كَغَيْرِهٖ مِنَ الشُّعَرَاءِ **قُلْ تَرَبَّصُوْا** هَلَاكِیْ **فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾** هَلَاكَكُمْ فَعُذِّبُوْا بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ وَالتَّرَبُّصُ الْاِنْتِظَارُ **اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ** عُقُوْلُهُمْ **بِهٰذَآ** اَیْ قَوْلُهُمْ لَهٗ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شَاعِرٌ مَّجْنُوْنٌ اَیْ لَا تَاْمُرُهُمْ بِذٰلِكَ **اَمْ** بَلْ **هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾** بِعِنَادِهِمْ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ** اِخْتَلَقَ الْقُرْاٰنَ لَمْ يَخْتَلِقْهُ **بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾** اِسْتِكْبَارًا فَاِنْ قَالُوْا اِخْتَلَقَهٗ **فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ** مُّخْتَلَقٍ **مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾** فِیْ قَوْلِهِمْ **اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَیْءٍ** اَیْ خَالِقٍ **اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾** اَنْفُسَهُمْ وَلَا يَعْقِلُ مَخْلُوْقٌ بِدُوْنِ خَالِقٍ وَلَا مَعْدُوْمٌ يَخْلُقُ فَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ خَالِقٍ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ فَلِمَ لَا يُوَحِّدُوْنَ وَيُؤْمِنُوْنَ بِرَسُوْلِهٖ وَكِتَابِهٖ **اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** وَلَا يَقْدِرُ عَلٰى خَلْقِهَا اِلَّا اللّٰهُ الْخَالِقُ فَلِمَ لَا يَعْبُدُوْنَهٗ **بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾** وَاِلَّا لَاٰمَنُوْا بِنَبِيِّهٖ **اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ** مِنَ النُّبُوَّةِ وَالرِّزْقِ وَغَيْرِهِمَا فَيَخُصُّوْا مَنْ شَآءُوْا بِمَا شَآءُوْا **اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾** الْمُتَسَلِّطُوْنَ الْجَبَّارُوْنَ وَفِعْلُهٗ صَيْطَرَ وَمِثْلُهٗ بَيْطَرَ وَبَيْقَرَ **اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ** مَرْقًى اِلَى السَّمَآءِ **يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ** اَیْ عَلَيْهِ كَلَامَ الْمَلٰٓئِكَةِ حَتّٰی

يُمَكِّنُهُمْ مُنَازَعَةُ النَّبِيِّ ﷺ بِزَعْمِهِمْ اِنْ ادَّعَوْا ذٰلِكَ **فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ** اَىْ مُدَّعِى الْاِسْتِمَاعِ عَلَيْهِ **بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾** بِحُجَّةٍ بَيِّنَةٍ وَّاضِحَةٍ وَلِشِبْهِ هٰذَا الزَّعْمِ بِزَعْمِهِمْ اَنَّ الْمَلٰئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ قَالَ تَعَالٰى **اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ** اَىْ بِزَعْمِكُمْ **وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾** تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا زَعَمُوْهُ **اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا** عَلٰى مَا جِئْتَهُمْ بِهٖ مِنَ الدِّيْنِ **فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ** غُرْمٍ لَكَ **مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾** فَلَا يُسْلِمُوْنَ **اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ** اَىْ عِلْمُهٗ **فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾** ذٰلِكَ حَتّٰى يُمَكِّنُهُمْ مُنَازَعَةَ النَّبِيِّ ﷺ فِى الْبَعْثِ وَاَمْرِ الْاٰخِرَةِ بِزَعْمِهِمْ **اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا** بِكَ لِيُهْلِكُوْكَ فِىْ دَارِ النَّدْوَةِ **فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾** الْمَغْلُوْبُوْنَ الْمُهْلَكُوْنَ فَحَفِظَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ ثُمَّ اَهْلَكَهُمْ بِبَدْرٍ **اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾** بِهٖ مِنَ الْاٰلِهَةِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِاَمْ فِىْ مَوَاضِعِهَا لِلتَّقْبِيْحِ وَالتَّوْبِيْخِ **وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا** بَعْضًا **مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا** عَلَيْهِمْ كَمَا قَالُوْا فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ اَىْ تَعْذِيْبًا لَهُمْ **يَّقُوْلُوْا** هٰذَا **سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾** مُتَرَاكِبٌ نَرْتَوِىْ بِهٖ وَلَا يُؤْمِنُوْا **فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾** يَمُوْتُوْنَ **يَوْمَ لَا يُغْنِىْ** بَدَلٌ مِنْ يَوْمِهِمْ **عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾** يُمْنَعُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ فِى الْاٰخِرَةِ **وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** بِكُفْرِهِمْ **عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ** اَىْ فِى الدُّنْيَا قَبْلَ مَوْتِهِمْ فَعُذِّبُوْا بِالْجُوْعِ وَالْقَحْطِ سَبْعَ سِنِيْنَ وَبِالْقَتْلِ يَوْمَ بَدْرٍ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾** اِنَّ الْعَذَابَ يَنْزِلُ بِهِمْ **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** بِاِمْهَالِهِمْ وَلَا يَضِيْقُ صَدْرُكَ **فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا** بِمَرْاٰى مِنَّا نَرَاكَ وَنَحْفَظُكَ **وَسَبِّحْ** مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِ رَبِّكَ** اَىْ قُلْ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾** مِنْ مَنَامِكَ اَوْ مِنْ مَجْلِسِكَ **وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ** حَقِيْقَةً اَيْضًا **وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾** مَصْدَرٌ اَىْ عَقِبَ غُرُوْبِهَا سَبِّحْهُ اَيْضًا اَوْ صَلِّ فِى الْاَوَّلِ الْعِشَائَيْنِ وَفِى الثَّانِىْ سُنَّةَ الْفَجْرِ وَقِيْلَ الصُّبْحَ۔

ع ۲ / ۲۱

ترجمہ:.........تو آپ سمجھاتے رہیے (مشرکین کو نصیحت کرتے رہیے اس کو اس لئے موقوف نہ کیجئے کہ وہ آپ کو کاہن ومجنون کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ بفضل الٰہی (بفضلہ تعالیٰ) نہ تو کاہن ہیں (ما کی خبر ہے) اور نہ مجنون (یہ خبر پر معطوف ہے) ہاں کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان کے بارہ میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں (حوادث زمانہ سے جس طرح اور شعراء ناپید ہوگئے ہیں آپ بھی بے نشان ہوجائیں گے) آپ فرمادیجئے کہ تم منتظر رہو (میری تباہی کے) سو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (تمہاری تباہی کا چنانچہ غزوہ بدر میں مشرکین تلوار کی نذر ہو گئے۔ تربص کے معنی انتظار کے ہیں) کیا ان عقلیں (سمجھ بوجھ) ان کو ان باتوں کی تلقین کرتی ہیں (یعنی ساحر، کاہن، شاعر، مجنون، کہنے کی۔ یعنی یہ عقل کا فیصلہ نہیں ہے) یا (بلکہ) یہ لوگ شریر (عنادی) ہیں۔ ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے (قرآن بنالیا ہے، بنایا نہیں) بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے (شیخی کے مارے اور اگر اس کو گھڑنا بتلاتے ہیں) تو یہ لوگ اس طرح کوئی کلام (من گھڑت) لے آئیں اگر یہ سچے ہیں کیا یہ لوگ یونہی بغیر پیدا کرنے والے کے) خود بخود پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں (اور جب کوئی مخلوق بغیر کے خالق اور

معدوم خود بخود پیدا نہیں ہوسکتا، تو ماننا پڑے گا کہ ان کا ضرور کوئی خالق ہے اور وہ اللہ یگانہ ہی ہوسکتا ہے اور یہ کیوں نہیں توحید مانتے اور کیوں اس کے رسول اور کتاب کو تسلیم نہیں کرتے) یا انہوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا (حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ان کو پیدا نہیں کرسکتا۔ پھر کیوں اس کی بندگی نہیں کرتے) بلکہ یہ لوگ یقین نہیں کرتے۔ (ورنہ نبی پر ضرور ایمان لے آتے) کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں (نبوت ورزق وغیرہ کے جس کو جتنا چاہیں دے ڈالیں) یا یہ لوگ حاکم ہیں (صاحب سلطنت وسطوت، صیطر، بیطر اور بیقر کی طرح فعل ہے) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (آسمان پر چڑھنے کیلئے) کہ اس پر باتیں سن لیا کرتے ہیں (فیہ بمعنی علیہ، فرشتوں کی بات چیت سنتے ہوں، حتی کہ اپنے گمان کے مطابق حضور ﷺ سے الجھ پڑتے ہیں، واقعی اگر ایسا ہے) تو ان میں جو باتیں سن آتا ہو (بات سننے کا دعوے دار ہو) وہ کوئی صاف دلیل پیش کرے (روشن کھلی حجت اور اسی کے مشابہ چونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے فرمایا) کیا اللہ کے لئے بیٹیاں (تمہارے خیال کے مطابق) اور تمہارے لئے بیٹے ہیں (اللہ تمہارے اس خیال سے پاک ہے) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں (دین پہنچانے پر) کہ وہ تاوان (ڈانڈ) سے دبے جارہے ہیں (اس لئے اسلام قبول نہیں کرتے) کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ اس کو لکھ لیا کرتے ہیں (تاکہ اپنے خیال کے مطابق قیامت وآخرت کی نسبت حضور ﷺ سے الجھنے کا موقعہ ملتا ہو) کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (آپ کی شان میں آپ کو ختم کرنے کے لئے دارالندوہ میں) سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے (مغلوب وبرباد، چنانچہ اللہ نے حضور ﷺ کو محفوظ رکھا اور ان کو بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا) کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے (جو دوسرے معبودوں کو شریک کرکے کرتے ہیں، ان تمام مواقع پر استفہام برائی اور سرزنش کے لئے ہے) اور اگر وہ آسمان کے (کسی ایک) ٹکڑہ کو دیکھ لیں گے کہ گرتا آرہا ہے (ان پر جیسا کہ خود ان کی درخواست ہے۔ ربنا اسقط علینا کسفا من السماء بطور سزا کے) تو یوں کہہ دیں گے کہ (یہ تو) تہ بتہ جما ہوا بادل ہے (جو غلیظ ہے اس سے ہم سیرابی حاصل کریں گے مگر ایمان نہیں لاتے) سو کور ہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑے، جس میں (مرکر) انکے ہوش اڑ جائیں گے جس دن کچھ نہیں کارگر ہوں گی (یوم سے بدل ہے) ان کی کچھ تدبیریں اور نہ ان کو (آخرت میں عذاب سے بچاؤ کے) لئے (کچھ مدد مل سکے گی اور ان ظالموں کے لئے (ان کے کفر کے سبب) اس سے پہلے ہی عذاب ہونے والا ہے (مرنے سے پہلے دنیا میں چنانچہ سات سال تک بھوک اور قحط کی سزا میں جکڑے رہے۔ پھر غزوہ بدر میں موت کا لقمہ بنے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں۔ (کہ ان پر عذاب ہوگا) اور آپ پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے (ان کی ڈھیل پر تنگ دل نہ ہوجائیے) کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں (سرکاری تحویل میں ہم چوکسی سے آپ کی نگرانی کررہے ہیں) اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے (سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کیجئے) اٹھتے وقت (سوکر یا مجلس سے) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (حقیقت میں) اور ستاروں سے پیچھے بھی (ادبار مصدر ہے یعنی ستارے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح پڑھا کیجئے۔ یا پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مغرب وعشاء کی نماز پڑھا کیجئے۔ اور دوسرے جملہ سے سنت الفجر یا نماز فجر مراد ہوگی)۔

تحقیق وترکیب:

.... **بنعمة ربك** ۔ اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ما کے اسم وخبر کے درمیان یہ قسم ہے۔ اور جواب قسم محذوف ہے موجودہ جملہ "**بكاهن ولا مجنون**" دال بر جواب قسم ہے۔ دوسرے یہ کہ با محل نصب میں ہے حال ہونے کی وجہ سے اور **بكاهن ولا مجنون** عامل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **ما انت كاهنا ولا مجنونا حال كونك متلبسا بنعمة ربك** جیسا کہ ابوالبقاءؒ کی رائے یہ حال لازمہ ہوگا۔ کیونکہ حضور ﷺ کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ با سببیہ ہو اور جملہ منفیہ کے مضمون سے متعلق ہو اور یہی آیت کریمہ کا مقصود ہے۔ **اى انتفى عنك الكهانة والجنون بسبب نعمة الله عليك** یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے

ما انا بمعسر بحمد اللہ وغناہ۔

ام یقولون ۔ یہاں تمام پندرہ مواقع میں ام منقطعہ ہے۔ البتہ ام ھم قوم طاغون میں تقریر کے لئے ہے مفسرؒ کو سب جگہ بل اور ہمزہ مقدر کرنا چاہئے تھا استفہام انکاری توبیخی ہے۔

ریب المنون ۔ چونکہ حوادث دہر کو ریب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لئے استعارہ تصریحیہ ہے دونوں میں وجہ شبہ تحیر ہے ایک حالت پر ٹھہراو نہ ہونا اور بعض کے نزدیک منون سے مراد موت ہے جو عدد گھٹا دیتی ہے اور مدد منقطع کر دیتی ہے۔

بھـذا ۔ یعنی قریش خود کو اہل دانش و بینش سمجھتے ہیں۔ مگر تناقض دعویٰ کرتے ہیں۔ کبھی آپ کو ساحر، کاہن کہتے ہیں اور کبھی شاعر، مجنون۔ کیونکہ اول کے تین لفظوں سے کمال اور آخر کے لفظ سے نقصان معلوم ہوتا ہے۔ مفسرؒ نے لا تا مرھم اور لم یختلقہ کہہ کر استفہام انکاری توبیخی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فلیا توا بحدیث ۔ مفسرؒ نے شرط مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ترجمہ ان کانوا صادقین ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مطلقاً اتیان مطلوب نہیں کہ محال ہونے کا شبہ کیا جائے اور امر کو مجاز پر محمول کیا جائے۔ بلکہ شرط معلق ہونے کی وجہ سے مشروط اتیان مطلوب ہے اس لئے امر کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔ یا امر کو تعجیز کے لئے کہا جائے۔ جیسے فان اللہ یاتی بالشمس فات بھا من المغرب میں ہے۔

ام ھم الخالقون ۔ مفسرؒ نے ولا یعقل مخلوق الخ سے توام خلقوا من غیر شئی کی طرف اور لا معدوم یخلق سے ام ھم الخالقون کی جانب اور ولا معلوم یخلق سے نیز معدوم ہوتے ہوئے خود اپنے خالق ہونے کے احتمال کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان سب صورتوں کا بطلان واضح ہے۔

خزائن ربک ۔ عکرمہؓ خزائن نبوت اور کلبیؒ خزائن رزق مراد لیتے ہیں۔ مگر مفسرؒ نے عام رکھا جو جامع ہے۔

المصیطرون ۔ ابن کثیرؒ سین کے ساتھ پڑھتے ہیں مجمع البحار میں ہے کہ مصیطر کے معنی کسی چیز کے لکھنے کو آمادہ اور تیار ہونے کے ہیں۔ مسطر کتابت کو بھی کہتے ہیں۔ مفعیل کے وزن پر پانچ الفاظ آتے ہیں۔ چار اسم فاعل کی صفت ہوتے ہیں۔ ۱۔ مہیمن ، ۲۔ مبیقر ، ۳۔ مسیطر ، ۴۔ مبیطر اور ایک لفظ مخیمر پہاڑ کا نام ہے۔ مبیطر جانوروں کے علاج و معالجہ کو کہتے ہیں۔ اور مبیقر کے معنی فاسد ہونے ہلاک ہونے اور تکبر کی چال چلنے کے آتے ہیں۔

ام لھم سلم۔ سلم اور مرقی سیڑھی کو کہتے ہیں۔

یستمعون ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا مفعول کے محذوف ہونے اور فی بمعنی علیٰ ہونے کی طرف جیسے ولا صلبنکم فی جلوع النخل میں فی بمعنی علیٰ ہے۔ لیکن حلبیؒ کہتے ہیں اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ ظرفیت لینا صحیح ہے۔

ام لـہ البنات ۔ مشرک کا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا بھی شرک کی طرح زعم فاسد ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پچھلی آیت میں محض فرضی گمان پر گفتگو ہوئی اور بیٹیاں ماننا ان کا واقعی گمان تھا۔

مغرم ۔ تاوان ۔ ڈنڈ کو کہتے ہیں۔

او عـنـدھـم ۔ یہ زعم بھی فرضی ہے۔ کفار اس کے قائل نہیں تھے۔ لیکن ان کے متکبرانہ طور طریق سے یہ لازم آ رہا تھا۔ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کے قول نتربص بہ ریب المنون کا جواب ہے۔ یعنی کیا ان کو غیب سے خبر آ گئی کہ پیغمبر ان سے پہلے مر جائیں گے۔ کیا انہوں نے اس کو لکھ رکھا ہے۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کفار کے اس خیال کے جواب میں ہے کہ انا لا نبعث ولو بعثنا لم نعذب۔ البتہ پہلی صورت میں اگلا جملہ ام یریدون کیدا ان کی بات کا دوسرا جواب ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کفار صرف اس بے ہودہ بات پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی ناپاک تدبیروں میں بھی لگے رہتے ہیں۔

غیب بمعنی غائب ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اس پر الف لام تعریف یا عہد کا نہیں ہے بلکہ غیب کی نوع مراد ہے جیسے کہا جائے۔ اشتر اللحم۔

دار الندوة ۔ قصیٰ بن کلاب نے مسجد حرام میں مزورہ کے لیے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی تھی جس میں اہم امور طے ہوا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے اسی مقام پر آپ کے خلاف تدابیر پر غور ومشورہ ہوا۔

ام لهم الٰه ۔ یہ بھی انہی پندرہ مواقع میں سے جو ان آیات میں ام منقطعہ استعمال ہوا ہے۔ مفسرؒ کو توبیخ کے ساتھ انکار کے لئے بھی کہنا چاہیے تھا۔

فاسقط ۔ اس آیت کا تعلق قوم شعیب کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورۂ شعراء میں گزر چکا ہے۔ مفسرؒ کے لئے مناسب یہ تھا کہ سورہ اسریٰ میں قریش کے قول او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا کو ذکر کرتے۔

عذابا دون ذلک بغویؒ نے ابن عباسؓ سے غزوہ بدر میں کفار کی شکست کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ لیکن ابن جریرؒ قتادہؒ، ابن عباسؓ سے عذاب قبر اس کا مصداق نقل کیا ہے اور یہی آیت تعبیر میں پیش کی۔ براء بن عازب کی رائے بھی یہی ہے۔

باعیننا ۔ اعین کا مدلول اگرچہ واحد ہے۔ لیکن جمع لانا متکلم مع الخیر کی رعایت کرتے ہوئے عظمت کی وجہ سے ہے اور اسباب حفاظت کی کثرت میں مبالغہ کے لئے ہے۔ برخلاف سورہ طٰہٰ کی آیت ولتصنع علیٰ عینی کے وہاں مفرد لایا گیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی محبوبیت کی طرف اشارہ ہے اور عین بول کر لازم کا ارادہ کیا گیا ہے یعنی کسی چیز کو دیکھنا اور علمی احاطہ مراد ہے اور زیادہ حفاظت ونگرانی مقصود ہے۔

ومن اللیل فسبحہ ۔ یعنی نماز مغرب وعشاء اور وسبح بحمد ربک میں تقوم سے مراد صرف سبحان اللہ ہے یا سنت فجر یا فرائض مراد ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... بخاری میں کفار کا مقولہ تر کک شیطانک نقل کیا گیا ہے جس کا حاصل آپ کو کاہن کہنا ہے۔

اسی طرح ویقولون انه لمجنون میں آپ کو مجنون اور دوسری آیات میں ساحر، شاعر کہنا منقول ہوا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ آپ نبی ہیں ۔ اپنا تبلیغی کام جاری رکھیے اور ان کی بکواس پر دھیان نہ دیجئے۔ یہ اتنا نہیں سوچتے کہ کسی کاہن، دیوانہ نے آج تک ایسی اعلیٰ نصیحتیں اور حکیمانہ اصول اس صاف شستہ، اور شائستہ طرز میں کبھی بیان کئے ہیں۔ یہ کام صرف پیغمبر ہی کا ہو سکتا ہے۔ وہ اللہ کی باتیں سناتا ہے اور حکمت آمیز نصیحتیں کرتا ہے کیا یہ لوگ اس لئے قبول نہیں کر رہے ہیں کہ آپ کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ جس طرح بہت سے شعراء زمانہ کی گردش سے یوں ہی مر مرا کر ختم ہو گئے ہیں یہ بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے پاس نہیں ہے محض چند روز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔

مستقبل فیصلہ کن ہوگا: .... آپ فرما دیجئے مستقبل کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی کرتا ہوں وقت ہی بتلائے گا کہ کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام رہتا ہے۔ یہ لوگ آپ کو مجنون کہہ کر بڑا تیر مار رہے ہیں اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کر رہے ہیں۔ کیا ان کی عقل بھی سبق دیتی

ہے کہ ایک انتہائی صادق، امین، عاقل، فرزانہ، سچے پیغمبر کو شاعر یا کاہن کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ لوگ شاعروں، پیغمبروں کے کلام میں بھی تمیز نہیں کر سکتے تو کیا عقلمندی اسی کا نام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر برا ہو شرارت اور کجروی کا وہ سچائی کو قبول نہیں کرنے دیتی۔ موت کے انتظار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مر جاؤ گے، میں نہیں مروں گا۔ کیونکہ موت سے کس کو انتظار ہو سکتا ہے بلکہ آپ کے دین وطریقہ کا باقی رہنا اور ان کے طریقہ کا مٹ جانا ہے۔ ان آیات میں کفار کے تینوں اقوال
کاہن، مجنون شاعر کا دو دو طریقہ پر رد ہو گیا۔ ایک طریق مشترک اور ایک ایک خاص۔

اللہ کے کام کی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے: ....ام یقولون۔ ان کا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سنا رہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں۔ اس۔ نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کر دیا؟ سو نہ ماننے کے ہزاروں بہانے ہیں۔ ورنہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے اور جس طرح آسمان زمین بنانا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اسی طرح قرآن جیسا قرآن بنا لانا بھی محال ہے۔ ایک اللہ کا کام ہے تو دوسرا اللہ کا کلام ہے۔

بل لا یؤمنون تو تحقیقی جواب ہے اور فلیاتو الخ الزامی جواب ہے اس طرح سابقہ دوہرے جوابات کی طرح یہاں بھی دوہرا جواب ہو گیا۔ اور بحدیث سے کلام مراد ہے تو اس کی تفسیر بھی فاتوا بسورۃ من مثلہ کیساتھ ہو گی اور اگر صرف ایک مضمون اور بات مراد ہے تو زیادہ تحدی مقصود ہو گی۔ سب سے اول قرآن کے مثل کا مطالبہ ہوا۔ پھر دس سورتوں کے مثل کا، پھر ایک سورت کے مثل کا۔ اور یہاں ایک جملہ کے جواب کا مطالبہ ہے۔

شرک کا بہترین اور عقلی رد: ....ام خلقوا۔ کیا ان کے اوپر خدا نہیں جس کی بات ماننا۔ ان کے ذمہ لازم ہو گیا بغیر کسی پیدا کرنے والے کے یہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں کہ آسمان وزمین اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اپنی قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں۔ کوئی روک ٹوک والا نہیں۔ یہ سب خیالات ظاہر ہے کہ مہمل اور بے ہودہ ہیں۔ دل میں یہ جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے۔ جس نے سارے عالم کو عدم سے وجود بخشا تاہم اس فطری آواز اور ضمیر کے فیصلہ کے باوجود شرعاً جو علم مطلوب ہے یہ اس سے محروم ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کو تنہا خالق اور خود اس کا محتاج ماننے کے لئے لازم ہے کہ اس کی توحید الوہیت کا اعتقاد کیا جائے۔ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو اس کی یکتا خالقیت کا انکار کرے یا اپنے مخلوق ہونے کا منکر ہو۔ اس میں تین شقیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ اپنے کو کسی خالق کا محتاج نہ جانے۔ جس کا ذکر کرام خلقوا من غیر شیء میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے کو خالق کا محتاج تو سمجھے مگر اپنا خالق خود کو جانے جس کو ام ھم الخالقون میں فرمایا گیا۔ تیسرے یہ کہ خود کو تو محتاج سمجھتے مگر اللہ کو تنہا خالق نہ سمجھے۔ بلکہ دوسروں کو بھی شریک اعتقاد کرے۔ خواہ خود کو جیسا کہ ام خلقوا السموات میں ہے یا کسی دوسرے کو جس کا بیان دوسری آیات میں آیا ہے۔ مثلاً ارونی ما ذا خلقوا من الارض ام لھم شرك فی السمٰوات۔ چونکہ ان دونوں احتمالات کی دلیل ایک ہی ہے اس لئے ایک کے اوپر اکتفا کر لیا گیا۔ اور پہلی صورت چونکہ ظاہر تھی یعنی اپنی خالقیت کی نفی اس لئے خصوصیت سے اس کو ذکر کر دیا۔ تاکہ اس کا غلط ہونا جلدی مان لیں۔ پھر اسی دلیل سے دوسرے احتمال کا رد آسان ہو جائے گا۔

غرض اصل شقیں تین ہیں اور تینوں کا غلط ہونا چونکہ ظاہر تھا۔ اس لئے رد میں صرف استفہام انکاری پر اکتفا کر لیا۔ شق اول کا غلط ہونا تو اس طرح ہے کہ ممکن اپنے وجود کی ترجیح میں مرجح کا محتاج ضرور ہوا کرتا ہے۔ اور دوسری شق اس لئے باطل ہے کہ ایک چیز کو ایک ہی حقیقت

سے علت اور معلول نہیں ہوسکتی۔ اور تیسری شق اس لئے بے بنیاد ہے کہ اول تو دلائل عقلیہ سے کئی صانع کا ہونا محال ہے۔ دوسرے خود عرب اللہ کو تنہا خالق اور خود کو محتاج مانتے تھے۔

اس لئے تفصیلا باطل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ ایک خالق ماننے سے ایک معبود کا ہونا سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس لئے آگے ان کے جہل کی طرف اشارہ ہے کہ واقع میں ایسا نہیں کہ ملزوم مذکور نہ ہو یا ملزوم واقع نہ ہوتا کہ ملزوم کے وجود سے لازم کے وجود پر استدلال کرنے میں شبہ کی گنجائش ہو بلکہ ملزوم واقع بھی ہے اور ملزوم بھی ہے۔ البتہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے توحید کا یقین نہیں کرتے اور وہ جہالت یہی ہے کہ ملزومیت اور لازمیت میں غور نہیں کرتے۔ اس لئے دونوں میں ملازمت کا علاقہ ان کے ذہن سے مخفی ہے یہی مفہوم ہے آیت بـــل لا یوقنون کا۔ یہاں تک تو توحید کے متعلق ان کے مزعومات کا رد ہے۔ آگے رسالت کے متعلق ان کے دوسرے مزعومات کا رد ہے۔

نبوت ورسالت عقلی ونقلی دلیل کے آئینہ میں:..........ام عندھم خزائن ربلث ۔یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین وآسمان اگرچہ خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے خزانوں کے جن میں نبوت بھی داخل ہے ہم مالک ہیں نبوت جس کو چاہیں ہم دیں۔ دلانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مثلاً خزانہ اپنے قبضہ میں رہے اور دوسرے یہ کہ تصرف اپنا رہے۔ کہ خزانچی بھی بلا اجازت ودستخط کے کسی کو نہ دے سکے۔ یہاں دونوں صورتوں کی نفی فرمادی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کی نبوت کے استحقاق پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں، بلکہ اس کے خلاف پر دلائل عقلیہ قائم ہیں اس لئے محض استفہام انکاری پر اکتفا فرمایا ہے۔ آگے دلیل نقلی کی نفی فرمادی گئی ہے۔

ام لھم سـلـم ۔یعنی کیا یہ زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں۔ پھر جب ان کی رسائی خود خدا تک ہے تو اب کسی بشر کے اتباع کی کیا ضرورت رہی؟ پس جس کا یہ دعویٰ ہو وہ اپنی حجت پر چڑھے۔ چنانچہ ان لوگوں میں دونوں طریقے نہیں ہیں۔ دوسرے طریقہ کی یہاں نفی فرمادی اور پہلے طریقہ کی نفی آیت ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیء ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ ۔ یہاں شاید اس صورت کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وحی نازل ہونے کے دعوے کی اس لئے گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ پیغمبر پر اور خود ان پر نازل ہونے میں کوئی معتد بہ فرق نہیں ہے اور جس فرق پر ان کی نظر تھی اور وہ اسی کی رو سے لو لا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم کہا کرتے تھے۔ اس کا جواب وہیں گزر چکا ہے۔

غرض جب یہ پیغمبر ﷺ پر وحی کا نازل ہونا نہیں مانتے تو گویا خود ان پر نازل ہونے کا احتمال ہی نہیں رہا۔ اس لئے یہاں پہلی شق کو ذکر نہیں کیا دوسری شق پر استفہام کیا گیا ہے۔ کہ کیا آسمان پر چڑھ کر یہ وحی کا علم لاتے ہیں جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ نعوذ باللہ آپ مستحق نبوت نہیں ہیں۔ لیکن ممکن ہے کوئی بالفرض یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ہاں ہم چڑھے اور ہم نے سنا ہے۔

تو آگے فـلـیـات مسـتـمعھم الخ سے احتمال عقلی کا رد فرمایا جارہا ہے کہ کوئی ایسی صاف دلیل پیش کرو جو قواعد استدلال کی جامع ہو جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص وحی سے مشرف ہوا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اپنی نبوت پر دلائل فارقہ پیش کررہے ہیں۔ پس محض آسمان پر چڑھ کر سننے کو دلیل نہیں مانا جائے گا۔ کیونکہ اس خصوصیت کو مقصود میں دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ سننا بطور وحی کے ہوا تو دلیل بنے گا ورنہ نہیں۔

آگے پھر توحید سے متعلق ایک خاص مضمون ارشاد ہے۔

ام لہ البنات ۔یعنی کیا معاذ اللہ یہ اللہ کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں کہ اپنے لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کررہے ہیں تو کیا اس کے احکام وہدایات کے آگے سر جھکانا کسر شان سمجھتے ہیں اس کے ساتھ پھر رسالت سے متعلق کلام ہے۔

دعوت وتبلیغ پر معاوضہ کی فرمائش:.........ام تسئلھم۔ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لئے نہیں مان رہے ہیں کہ آپ دعوت وتبلیغ پر ان سے کوئی بھاری معاوضہ طلب کر رہے ہیں جس کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔ واقعی اگر ایسا ہوتا تب بھی ہم یہ سمجھتے کہ واقعی یہ لوگ معذور ہیں۔ مگر جب ایسا نہیں ہے تو پھر ان کے لئے کیا بہانہ رہ گیا ہے۔

آگے قیامت کے متعلق ان کے ایک فرضی خیال کی تردید ہے۔ جس کو دوسری آیت وما اظن الساعۃ قائمۃ و لئن رجعت الیٰ ربی ان لی عندہ للحسنیٰ میں نقل کیا گیا ہے کہ اول تو قیامت ہوگی نہیں اور بالفرض ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی مزہ میں رہیں گے۔

علم غیب سے کیا مراد ہے:.........فرماتے ہیں کہ ام عندھم الغیب کیا اللہ ان کے پاس وحی بھیجتا ہے اور پیغمبروں کی طرح انہیں بھی بھید سے مطلع کرتا ہے جسے انہوں نے لکھ کر محفوظ کر لیا ہے اس لئے یہ خود کو آپ کی پیروی سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جس بات پر اثباتا یا نفیا کوئی عقلی دلیل قائم نہ ہو وہ غیب محض ہے، اس کے اثبات، یا نفی کا وہی دعویٰ کرتا ہے جس کو کسی ذریعہ سے اس غیب پر مطلع کر دیا جائے اور مطلع ہونے کے بعد پھر وہ اس کو محفوظ بھی کر لے۔ کیونکہ علم وادراک کے باوجود محفوظ نہ رہے۔ تب بھی دعویٰ اور حکم بلاعلم رہے گا۔ پس یہ لوگ قیامت کے انکار یا اپنے لئے وہاں کی بہتری کے دعویدار ہیں تو کیا انہیں کسی ذریعہ سے غیب کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ جیسا کہ خود حضور ﷺ کو قیامت کے ہونے اور ان کے لئے بھلائی نہ ہونے کی اطلاع وحی کے ذریعہ گئی ہے اور آپ اسے محفوظ رکھ کر سب کو پہنچا رہے ہیں اور جب ان کی یہ سب باتیں بے اصل ہیں تو ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں، مکر و فریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر ڈالیں ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ سب داؤ پیچ انہیں پر الٹنے والے ہیں۔ عنقریب پتہ چل جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔

ام لھم الٰہ۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑنے پر ان کی مدد کریں گے؟ کیا ان کی پرستش نے اللہ کی طرف سے ان کو بے نیاز بنا رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و سہیم یا مقابل و مزاحم ہو۔ پھر آگے رسالت سے متعلق کلام ہے۔

معاندین کے لئے فرمائشی معجزات کا پورا کرنا مصلحت نہیں بلکہ پورا نہ کرنا مصلحت ہے

وان یروا کسفا من السماء یعنی مشرکین جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب آپ ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا۔ سو واقعہ یہ ہے کہ برا ہو ضد اور عناد کا، یہ لاعلاج روگ انہیں ایسا لگا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کو جھٹلانے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کی فرمائش کے مطابق آسمان کا ٹکڑا ان پر گرا دیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی نہ کوئی تاویل کر بیٹھیں گے مثلاً کہہ دیں گے کہ آسمان نہیں بادل کا ایک گاڑھا اور منجمد حصہ گر پڑا ہے۔ جیسے برف باری اور ژالہ باری میں کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔ ولو انا فتحنا علیھم بابا من السماء فظلوا فیہ یعرجون لقالو ا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون۔ بھلا بتلاؤ ایسے متعصب معاندوں سے پالا پڑ جائے تو کیا کیا جائے؟

بات یہ ہے کہ اول تو کسی بھی دعوے پر خواہ وہ رسالت کا ہو یا کچھ اور۔ مطلق صحیح دلیل کا پیش کر دینا کافی ہوتا ہے کسی خاص دلیل کا پیش کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ نہ اس کے مطالبہ کا کسی کو حق ہوتا ہے اور نہ اس سے دعویٰ میں کوئی قدح لازم آتا ہے۔ تاہم اگر تبرعا کوئی فرمائشی دلیل بھی قائم کر دی ہے تو اس کا داعیہ مصلحت ہوا کرتا ہے مثلاً کوئی طالب حق فرمائش کرے تو یہ سمجھ کر شاید اسی کے ذریعہ سے اس کو ہدایت ہو جائے

گی۔ یا کوئی اور معتد بہ مصلحت پیش نظر ہو تو فرمائشی دلیل میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہاں ایسی مصلحت بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی یہ طلب حق کے لئے نہیں اور نہ کوئی مصلحت متقاضی ہے۔ بلکہ ضد وعناد کی رو سے ہے۔ پس ایسی حالت میں ان کی رعائت کرنا ضروری نہیں رہ جاتی۔ بلکہ ایسی فرمائشوں کا پورا کرنا خلاف حکمت اور مصلحت ہے۔ پھر کیوں واقع کی جائے۔ ان کے پورا نہ کرنے سے نبوت کی نفی نہیں ہو جائے گی۔ پھر اس کی رعایت کرنا فضول ہے۔

ضدی لوگوں کا علاج اللہ کے حوالہ کرنا ہے:.........فذرھم۔ یعنی ایسے عنادیوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چھوڑ دیجئے کہ کچھ روز اور کھیل کھیل لیں اور باتیں بنالیں۔ آخر وہ دن بھی آنا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش وحواس جاتے رہیں گے اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی۔ نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچے گی نہ مخلوق کی طرف سے اس کا امکان اور نہ خالق کی طرف سے اس کا کوئی وقوع۔ اس مضمون سے آپ کی تسلی بھی مقصود ہے۔

ولکن اکثرھم لا یعلمون ۔ اکثروں کو یہ خبر نہیں کہ عذاب آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو سزا ہو کر رہے گی۔ شاید اکثر اس لئے فرمایا ہو کہ بعض کے لئے ایمان مقدر تھا اور چونکہ ان کی لاعلمی علم سے بدلنے والی تھی۔ اس لئے اس کو لاعلمی قرار نہیں دیا۔

واصبر ۔ اب آپ صبر واستقامت کے ساتھ اپنے رب کے تکوینی اور تشریعی حکم کا انتظار کیجئے۔ جو عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا اور آپ کو مخالفین کی طرف سے کچھ بھی گزند نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیر حفاظت ہیں البتہ ان کے بگڑنے کا غم اگر دل پر ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ دوامی ذکر اور خاص اوقات میں نماز وذکر کا شغل رکھئے اس سے وہ غم غلط ہو جائے گا کیونکہ بیک وقت دل میں دو خیال نہیں رہا کرتے۔

لطائف سلوک:.........واصبر لحکم ربک۔ اس سے معلوم ہوا کہ مراقبہ حضوری، صبر اور سکینہ کے لئے موثر قوی ہے۔

سُــوْرَةُ النَّجْمِ

سُوْرَةُ النَّجمِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

وَالنَّجْمِ الثُّرَيَّا **اِذَا هَوٰى** ﴿۱﴾ غَابَ **مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ** مُحَمَّد عَلَيْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَنْ طَرِيْقِ الْهِدَايَةِ **وَمَا غَوٰى** ﴿۲﴾ مَا لَابَسَ الْغَيَّ وَهُوَ جَهْلٌ مِّنْ اِعْتِقَادٍ فَاسِدٍ **وَمَا يَنْطِقُ** بِمَا يَاْتِيْكُمْ بِهٖ **عَنِ الْهَوٰى** ﴿۳﴾ هَوٰى نَفْسِهٖ **اِنْ** مَا **هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** ﴿۴﴾ اِلَيْهِ **عَلَّمَهٗ** اِيَّاهُ مَلَكٌ **شَدِيْدُ الْقُوٰى** ﴿۵﴾ **ذُوْمِرَّةٍ** قُوَّةٍ وَشِدَّةٍ اَوْ مَنْظَرٍ حَسَنٍ اَىْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ **فَاسْتَوٰى** ﴿۶﴾ اسْتَقَرَّ **وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى** ﴿۷﴾ اُفُقُ الشَّمْسِ اَىْ عِنْدَ مَطْلَعِهَا عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِىْ خُلِقَ عَلَيْهَا فَرَاٰهُ النَّبِيُّ ﷺ وَكَانَ بِحِرَآءَ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَكَانَ قَدْ سَاَلَهٗ اَنْ يُرِيَهٗ نَفْسَهٗ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِىْ خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهٗ بِحِرَآءَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِىْ صُوْرَةِ الْاٰدَمِيِّيْنَ **ثُمَّ دَنَا** قَرُبَ مِنْهُ **فَتَدَلّٰى** ﴿۸﴾ زَادَ فِى الْقُرْبِ **فَكَانَ** مِنْهُ **قَابَ** قَدْرَ **قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى** ﴿۹﴾ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى اَفَاقَ وَسَكَنَ رَوْعُهٗ **فَاَوْحٰى** تَعَالٰى **اِلٰى عَبْدِهٖ** جِبْرِيْلَ **مَآ اَوْحٰى** ﴿۱۰﴾ جِبْرِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُوْحٰى تَفْخِيْمًا لِشَانِهٖ **مَا كَذَبَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَنْكَرَ **الْفُؤَادُ** فُؤَادُ النَّبِيِّ **مَا رَاٰى** ﴿۱۱﴾ بِبَصَرِهٖ مِنْ صُوْرَةِ جِبْرِيْلَ **اَفَتُمٰرُوْنَهٗ** تُجَادِلُوْنَهٗ وَتَغْلِبُوْنَهٗ **عَلٰى مَا يَرٰى** ﴿۱۲﴾ خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِيْنَ الْمُنْكِرِيْنَ رُؤْيَةَ النَّبِيِّ لِجِبْرِيْلَ **وَلَقَدْ رَاٰهُ** عَلٰى صُوْرَتِهٖ **نَزْلَةً** مَرَّةً **اُخْرٰى** ﴿۱۳﴾ **عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى** ﴿۱۴﴾ لَمَّا اُسْرِىَ بِهٖ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَهِىَ شَجَرَةُ نَبْقٍ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَا يَتَجَاوَزُهَا اَحَدٌ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ وَغَيْرِهِمْ **عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى** ﴿۱۵﴾ تَاْوِىْ اِلَيْهَا الْمَلَائِكَةُ وَاَرْوَاحُ الشُّهَدَآءِ وَالْمُتَّقِيْنَ **اِذْ** حِيْنَ **يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى** ﴿۱۶﴾ مِنْ طَيْرٍ وَغَيْرِهٖ وَاِذْ مَعْمُوْلَةٌ لِرَاٰهُ **مَا زَاغَ الْبَصَرُ** مِنَ النَّبِيِّ **وَمَا طَغٰى** ﴿۱۷﴾ اَىْ مَا مَالَ بَصَرُهٗ عَنْ مَرْئِيَّةِ الْمَقْصُوْدِ لَهٗ وَلَا جَاوَزَهٗ تِلْكَ اللَّيْلَةَ **لَقَدْ رَاٰى** فِيْهَا **مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى** ﴿۱۸﴾ اَىِ الْعِظَامَ اَىْ بَعْضَهَا فَرَاٰى مِنْ عَجَائِبِ الْمَلَكُوْتِ رَفْرَفًا خُضْرًا سَدَّ اُفُقَ السَّمَآءِ وَجِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ **اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى**

﴿۱۹﴾ **وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ** اللَّتَين قَبلَهَا **الْاُخْرٰى** ﴿۲۰﴾ صِفَةُ ذَمٍ لِلثَّالِثَةِ وَهِيَ اَصنَامٌ مِن حِجَارَةٍ كَانَ المُشرِكُونَ يَعبُدُونَهَا وَيَزعَمُونَ اَنَّهَا تَشفَعُ لَهُم عِندَ اللّٰهِ وَ مَفعُولُ اَرَاَيتُم الاَوَّلُ اَللَّاتَ وَمَا عَطَفَ عَلَيهِ وَالثَّانِي مَحذُوفٌ وَالمَعنٰى اَخبِرُونِي اَلِهٰذِهِ الاَصنَامِ قُدرَةٌ عَلٰى شَيءٍ مَاتَعبُدُونَهَا دُونَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ القَادِرِ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ ذِكرُهُ وَلَمَّا زَعَمُوا اَيضًا اِنَّ المَلٰئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ مَعَ كَرَاهَتِهِمُ البَنَاتِ نَزَلَ **اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى** ﴿۲۱﴾ **تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى** ﴿۲۲﴾ جَائِرَةٌ مِن ضَازَ يَضِيزُ اِذَا ظَلَمَهُ وَجَارَ عَلَيهِ **اِنْ هِيَ** مَا المَذكُورَاتُ **اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ** اَي سَمَّيتُم بِهَا **اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ** اَصنَامًا تَعبُدُونَهَا **مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا** اَي بِعِبَادَتِهَا **مِنْ سُلْطٰنٍ** حُجَّةٍ وَ بُرهَانٍ **اِنْ** مَا **يَّتَّبِعُوْنَ** فِي عِبَادَتِهَا **اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ** مِمَّا زَيَّنَهُ لَهُمُ الشَّيطَانُ مِن اَنَّهَا تَشفَعُ لَهُم عِندَ اللّٰهِ **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى** ﴿۲۳﴾ عَلٰى لِسَانِ النَّبِيِّ ﷺ بِالبُرهَانِ القَاطِعِ فَلَم يَرجِعُوا عَمَّا هُم عَلَيهِ **اَمْ لِلْاِنْسَانِ** اَي لِكُلِّ اِنسَانٍ مِّنهُم **مَا تَمَنّٰى** ﴿۲۴﴾ مِنَ اَنَّ الاَصنَامَ تَشفَعُ لَهُم لَيسَ الاَمرُ كَذٰلِكَ **فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى** ﴿۲۵﴾ اَي الدُّنيَا فَلَا يَقَعُ فِيهِمَا اِلَّا مَا يُرِيدُهُ تَعَالٰى **وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ** اَي كَثِيرٌ مِّنَ المَلٰئِكَةِ **فِي السَّمٰوٰتِ** وَمَا اَكرَمَهُم عِندَ اللّٰهِ **لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ** لَهُم فِيهَا **لِمَنْ يَّشَآءُ** مِن عِبَادِهِ **وَيَرْضٰى** ﴿۲۶﴾ عَنهُ لِقَولِهِ وَلَا يَشفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارتَضٰى وَمَعلُومٌ اَنَّهَا لَا تُوجَدُ مِنهُم اِلَّا بَعدَ الاِذنِ فِيهَا مَن ذَا الَّذِي يَشفَعُ عِندَهُ اِلَّا بِاِذنِهِ **اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى** ﴿۲۷﴾ حَيثُ قَالُوا هُم بَنَاتُ اللّٰهِ **وَمَا لَهُمْ بِهٖ** بِهٰذَا القَولِ **مِنْ عِلْمٍ اِنْ** مَا **يَّتَّبِعُوْنَ** فِيهِ **اِلَّا الظَّنَّ** الَّذِي تَخَيَّلُوهُ **وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا** ﴿۲۸﴾ اَي عَنِ العِلمِ فِيمَا المَطلُوبُ فِيهِ العِلمُ **فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا** اَي القُرآنِ **وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** ﴿۲۹﴾ وَهٰذَا قَبلَ الاَمرِ بِالجِهَادِ **ذٰلِكَ** اَي طَلَبُ الدُّنيَا **مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ** اَي نِهَايَةُ عِلمِهِم اَن اٰثَرُوا الدُّنيَا عَلَى الاٰخِرَةِ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى** ﴿۳۰﴾ اَي عَالِمٌ بِهِمَا فَيُجَازِيهِمَا **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** اَي هُوَ مَالِكٌ لِذٰلِكَ وَمِنهُ الضَّالُّ وَالمُهتَدِي يُضِلُّ مَن يَّشَآءُ وَيَهدِي مَن يَّشَآءُ **لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا** مِنَ الشِّركِ وَغَيرِهِ **وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا** بِالتَّوحِيدِ وَغَيرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ **بِالْحُسْنٰى** ﴿۳۱﴾ اَي الجَنَّةِ وَبَيَّنَ المُحسِنِينَ بِقَولِهِ **اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ** هُوَ صِغَارُ الذُّنُوبِ كَالنَّظرَةِ وَالقُبلَةِ وَاللَّمسَةِ فَهُوَ اِستِثنَاءٌ مُنقَطِعٌ وَالمَعنٰى لٰكِنَّ اللَّمَمَ تُغفَرُ بِاجتِنَابِ الكَبَائِرِ **اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ** بِذٰلِكَ وَبِقَبُولِ التَّوبَةِ وَنَزَلَ فِيمَن كَانَ يَقُولُ صَلَاتُنَا صِيَامُنَا حَجُّنَا **هُوَ اَعْلَمُ** اَي عَالِمٌ **بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ**

الْاَرْضِ اَیْ خَلَقَ اَبَاکُمْ آدَمَ مِنَ التُّرَابِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ جَمْعُ جَنِیْنٍ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ لَا تَمْدَحُوْهَا اَیْ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِعْجَابِ اَمْ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِعْتِرَافِ بِالنِّعْمَةِ فَحَسَنٌ هُوَ اَعْلَمُ اَیْ عَالِمٌ بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۲﴾

ترجمہ:.........سورۃ نجم مکیہ ہے۔جس میں ۶۲ آیات ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ثریا (ستارہ) کی جب وہ غروب (غائب) ہونے لگے یہ تمہارے صاحب (محمد علیہ الصلوۃ والسلام راہ ہدایت سے) نہ تو بھٹکے اور نہ غلط رستہ ہو لئے (نہ کجروی اختیار کی، غوایۃ کے معنی بدعقیدگی کی جہالت کے ہیں) اور نہ آپ باتیں بناتے ہیں (وحی کے سلسلے میں) اپنی (نفسانی) خواہش سے ان کا ارشاد تو سرتا سر وحی ہے۔ جو (ان) پر بھیجی گئی ہے ان کو (ایک فرشتہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے پیدائشی قوی ہے (نہایت مضبوط یا خوبصورت یعنی جبرئیل علیہ السلام) پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار (ظاہر) ہوا ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارہ پر تھا (سورج کے افق یعنی اس کے نکلنے کی جگہ پر) اپنی اصلی صورت میں، آنحضرت ﷺ نے ان کو غار حرا سے دیکھا کہ مشرق سے مغرب تک سارے کنارے چھپ گئے ہیں۔ دیکھتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمائش کی تھی کہ خود کو اپنی اصلی شکل پر نمایاں کریں۔ جس کا وعدہ انہوں نے مقام حرا پر کر لیا تھا۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں نمودار ہوئے) پھر وہ فرشتہ نزدیک (قریب) آیا پھر اور نزدیک (قریب تر) آیا۔ سو دو کمانوں کے برابر (مقدار) بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (حتی کہ آنحضرت ﷺ کو افاقہ اور سکون خاطر ہو گیا) پھر اللہ نے اپنے بندہ (جبریل) پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل کیا (جبریل) نے آنحضرت ﷺ پر، خود اس وحی کو بیان نہیں فرمایا۔ اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے) کوئی غلطی نہیں کی (لفظ کذب تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے یعنی انکار نہیں کیا) قلب (نبوی) نے جو کچھ دیکھا (اپنی آنکھ سے جبرئیل کی صورت) تو کیا ان سے تم جھگڑتے ہو (نزاع کر کے انہیں دباتے ہو) ان کی دیکھی ہوئی چیز کے متعلق (یہ خطاب ان مشرکین کو ہے جو آنحضرت ﷺ کے جبرئیل کو دیکھنے کے منکر ہیں) اور انہوں نے فرشتہ کو (اس کی اصلی شکل میں) ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (جب کہ آنحضرت ﷺ شب اسریٰ میں آسمانوں پر تشریف لے گئے، عرش کی داہنی جانب بیری کا درخت سرحد ہے جس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی نہیں بڑھ سکتا) اس کے قریب جنت الماویٰ بھی ہے (جہاں فرشتوں اور شہداء اور متقیوں کی ارواح کا ٹھکانہ ہے) جب کہ سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں۔ جو چیزیں لپٹ رہی تھیں (چڑیاں وغیرہ از معمول ہے راہ کا) نگاہ (نبی) نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی (یعنی آپ کی نظر مقصود سے نہ تو ادھر ادھر ہوئی اور نہ مقصد سے تجاوز کیا، اس رات میں) انہوں نے (اس میں) اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (یعنی بڑی بڑی نشانیاں چنانچہ عجائب ملکوت میں سبز رفرف دیکھا جو سارے آسمانوں کو گھیرے ہوئے تھا اور جبرئیل علیہ السلام کو جن کے چھ سو بازو تھے) بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور کیا ہے (جو پہلے دور کے علاوہ) ایک اور بھی ہے اخریٰ ثالثہ کی صفت مذمت ہے۔ یہ پتھروں کے بت تھے جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے افرایتم کا مفعول لات اور اس کے معطوفات ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے یعنی ذرا یہ بتلاؤ کہ ان بتوں کو کسی چیز پر بھی کچھ قدرت ہے کہ تم اللہ قادر کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور چونکہ اللہ کے لئے بیٹیاں بھی مانتے تھے۔ حالانکہ خود ان کو ناپسند کرتے تھے اس پر نازل ہوا کہ) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں اس طرح تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی (ظالمانہ، ضازہ بغیر ہ سے یعنی ظلم وجور کیا) یہ نرے (مذکورہ) نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے

ٹھہرالیا ہے (بت بنا کر پوجا کرتے ہو) اللہ نے تو (ان کی عبادت کی) کوئی دلیل (حجت و برہان) بھیجی نہیں۔ یہ لوگ (ان کی پوجا پاٹ کرنے میں) صرف بے اصل خیالات اور خواہش نفس پر چل رہے ہیں (جو شیطان نے ان کے لئے مزین کر کے پیش کئے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سفارشی ہوں گے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے (پیغمبر ﷺ کی زبانی قطعی دلیل کے ساتھ، پھر بھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے) کیا (ان میں سے ہر) انسان کو اس کی تمنا مل جاتی ہے (کہ یہ بت ان کے لئے سفارشی ہوں گے ایسا نہیں ہے) سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا (لہٰذا دونوں جگہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا) اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (اللہ کے ہاں ان کا کس قدر اکرام ہے) ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لئے (اپنے بندوں میں سے) چاہیں (وہاں) اجازت دیں اور راضی ہوں (جیسا کہ آیت لا یشفعون الا لمن ارتضی میں فرمایا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اہل شفاعت کی جانب سے انہی لوگوں کے بارہ میں سفارش کی جائے گی جن کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔ من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بیٹیوں کے نام سے پکارتے ہیں (چنانچہ انہیں بنات اللہ کہتے ہیں) حالانکہ اس (بات) کی کوئی دلیل نہیں۔ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (جو انہوں نے گھڑ رکھے ہیں) اور یقیناً بے اصل خیالات حق کے معاملہ میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے (یعنی علمی فائدہ جہاں علم ہی مطلوب ہو) سو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت (قرآن) کا دھیان نہیں کرتا اور صرف دنیاوی زندگی ہی اس کو مقصود ہو (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) یہی (دنیا طلبی) بس ان کے فہم کی حد ہے (یعنی ان کے علم کی آخری پرواز دنیا کو آخرت سے بڑھانا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے (یعنی اللہ دونوں سے واقف ہے لہٰذا دونوں کو بدلہ ملے گا) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے (یعنی وہ سب کا مالک ہے جن میں گمراہ اور ہدایت یافتہ بھی ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے دے) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ برا کام (شرک وغیرہ) کرنے والوں کو ان کے کام کے عوض سزا دے گا۔ اور نیک کام توحید وغیرہ بجالانے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض جزا دے گا (جنت آگے نیک کام کرنے والوں کا بیان ہے) وہ بڑے گناہوں اور بے حیائیوں کی باتوں سے بچتے ہیں۔ بجز معمولی باتوں کے (چھوٹے گناہوں کے جیسے نامحرم پر نظر، یا اجنبیہ سے بوس و کنار کرنا۔ الا استثناء منقطع ہے یعنی چھوٹے گناہ البتہ بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے معاف کر دیئے جاتے ہیں) بلاشبہ آپ کے پروردگار کی بخشش بڑی وسیع ہے (اس صورت میں اور توبہ قبول کرنے میں۔ اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یوں کہا کرتے تھے کہ ہماری نمازیں روزے، حج کیا ہوئے) وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین پر پیدا تھا (یعنی سب کے باوا آدم کو مٹی سے بنایا) اور جب تم بچے تھے (اجنۃ جمع جنین کی ہے) اپنی ماؤں کے پیٹ میں۔ اس لئے اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (یعنی خود پسندی سے) تم خود ستائی مت کیا کرو۔ البتہ بطور شکر نعمت کے اظہار کرنا عمدہ بات ہے) وہی خوب واقف ہے کہ صاحب تقویٰ کون ہے؟

تحقیق و ترکیب:......... النجم۔ بطور تغلیب خاص ثریا مراد ہے۔ بقول ابن عباسؓ و مجاہد عام آسمانی ستارے یا قرآنی نجوم ہدایت مراد ہیں۔ اور ''ہویٰ'' سے نازل ہونا مراد ہے۔ اخفشؒ کے نزدیک درخت کی بیل مراد ہے اور ہویٰ سے اس کا زمین پر گر جانا۔

ضل صاحبکم۔ ضلالت کے معنی معصیت کے ہیں اور غوایت جہل مرکب کو کہتے ہیں۔ مفسرؒ نے بھی دونوں کے تغایر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ضلالت کا تعلق قول سے ہوتا ہے اور غوایت کا فعل سے۔ بقول مفسرؒ عطف، خاص علی العام ہے۔

وما ینطق۔ مفسرؒ نے عام وحی مراد لی ہے خواہ وہ قرآن ہو یا سنت۔ یہ اس سے بہتر ہے جو بعض حضرات نے خاص قرآن سے تفسیر کی ہے۔

کیونکہ اس میں وحی جلی وخفی دونوں داخل ہیں۔

ان ھو الا وحی ۔جو حضرات اس سے آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کی نفی پر استدلال کرتے ہیں ان کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اول تو اس سے صرف قرآن مراد ہے اور اگر عموم بھی مراد ہو تب بھی معنی یہ ہوں گے جب آپ کو اجتہاد کرنے کی وحی کی جاتی ہے تو وحی کے مطابق ہی آپ گفتگو فرماتے ہیں۔ پس وہ مامور اجتہاد بھی وحی ہوتا ہے اور اسی اجتہاد ہی کو منشائے خداوندی سمجھا جائے گا البتہ اس پر شبہ رہے گا کہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ آپ کے اجتہاد میں کبھی غلطی نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔

علمہ شدید القوی۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور فاستوی سے آخر تک آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے۔ **ولما اسری بی الی السماء قربنی ربی حتی کان بینی و بینہ کقاب قوسین او ادنیٰ**۔

ذو مرۃ ۔ابن عباسؓ سے "منظر حسن" تفسیر منقول ہے۔

فاستویٰ ۔یعنی جبریئل بطور تمثیل نمایاں نہیں ہوئے۔ بلکہ اصلی شکل پر نمودار ہوئے جو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ورنہ عام طور پر دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہوا کرتے تھے۔

فتدلیٰ۔ **دلیت الدلو الی البئر** کنوئیں میں ڈول لٹکایا دلی بمعنی نزل مجازاً زیادہ قرب مراد ہے۔ اور بعض نے کلام میں تقدیم تاخیر مانی ہے اصل عبارت اس طرح تھی۔ **ثم تدلیٰ فدنیٰ**۔

قاب قوسین ۔کمان کے تانت اور پکڑنے کی موٹھ کے درمیانی فاصلہ کو قاب قوسین کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ "قاب قوس" کا الٹا ہے۔ عرب جاہلیت میں جب دو آدمی باہمی معاہدہ کرتے تو اپنی اپنی کمانوں کو ملا کر قرب کا عہد کرتے اور پھر ایک ساتھ مل کر تیر چھوڑتے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں کی خوشی ناخوشی ایک ہوگئی۔ یہاں کے بطور محاورہ انتہائی قرب مراد ہے۔

ما اوحی۔ اللہ ورسول کا یہ کلام رازدارانہ ہوا۔ اور بعض کی رائے یہ کہ حق تعالیٰ کا حضور ﷺ کو یہ ارشاد مراد ہے کہ آپ کو اور آپ کی امت کو جب تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا پہلے انبیاء اور امتوں کو بھی داخل نہیں کیا جائے گا۔

ما کذب الفؤاد ما رایٰ یعنی ہمہ تن دل ودماغ سے متوجہ ہو کر آپ نے معائنہ فرمایا۔

ما یغشیٰ ۔بعض نے سونے کی چڑیاں اور سدی نے پرندے اور مقاتل نے فرشتے غربال کی شکل میں اور حسنؒ نے انوار الٰہی مراد لئے ہیں۔

ما زاغ البصر ۔اس سے اللہ کی ظاہری تجلی پر استدلال کیا گیا ہے۔ ورنہ قلبی معائنہ مراد ہوتا تو "مازاغ قلبہ" فرمایا جاتا۔ پھر قلبی مشاہدہ کا یہاں کوئی قرینہ بھی نہیں ہے۔

الکبریٰ ۔مفسرؒ نے لفظ عظام سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم تفضیل مرادنہیں ہے۔ البتہ بطور کلی مشکک بڑائی کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور **من** تبعیضیہ ہے جس سے بعض نشانیاں مراد ہیں جن میں سے رف رف بھی ہے۔ جس طرح زمین سے آسمان پر لے جانے کے لئے براق ایک سواری تھی اسی طرح سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کے لئے سبز رف رف بطور خادم ساتھ ہوا۔ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد رفرفہ ہے یا اسم جنس ہے۔ بہترین قالین، غالیچہ، تکیہ خاص قسم کا گدا۔ نمارق، فارق سب کو رف رف کہتے ہیں اور بعض کی رائے میں خیمہ کے اطراف اور کناروں کو "رفاف" کہتے ہیں۔

افرائیتم۔ استفہام انکاری ہے بت پرستی کرنے پر مشرکین کو سرزنش کی جارہی ہے۔

ومنوۃ الثالثۃ الاخریٰ ۔یعنی یہ بت تیسرے درجہ کا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ کعبہ میں نصب تھا اور بعض کے نزدیک طائف میں ثقیف کے یہاں تھا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس نام کا ایک شخص ایک پتھر پر بیٹھ کر حاجیوں کو کھانا کھلاتا اور ستو پلاتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد کے لوگوں

نے اس پتھر ہی کی پوجا کرنی شروع کردی۔

افرأیتم کا مفعول ثانی مشہور تو ہے کہ اخبرونی هذه الاصنام بنات الله ہے۔ علامہ طیبیؒ کی رائے ہے کہ مشرکین فرشتوں کو بت اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ لیکن مفسرؒ کے نزدیک چونکہ ثابت نہیں۔ اس لئے انہوں نے تقدیر عبارت اور مانی ہے۔

ضیزیٰ۔ فعلی کے وزن پر ہے کیونکہ فعلی کا وزن صفت لئے نہیں آتا۔ اس لئے ضاد پر کسرہ آ گیا یا کی وجہ سے جیسے کہ بیض میں ہے۔ ضائزہ، ضازہ کی طرح ہے۔

سمیتموها۔ یہاں یہ شبہ ہے کہ اسماء کا نام نہیں رکھا جاتا بلکہ مسمی کا نام رکھا جاتا ہے۔ پھر یہاں کیسے سمیتموها فرمایا گیا۔ مفسرؒ جواب کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ یہ کلام حذف وایصال کے قبیل سے ہے اور مفعول اول اصناما محذوف ہے۔

وما تهوی الانفس۔ ما موصولہ ہے یا مصدریہ۔ اور ظن پر عطف کرتے ہوئے یہ منصوب المحل ہے۔

ولقد جاء هم۔ جملہ معترضہ ہے یا تتبعون کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور اس سے مقصود تاکید ہے کفار کی بدحالی کی اور انٹل پچو باتوں کی پیروی کے لغو ہونے کی۔

ام للانسان۔ ام منقطعہ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ یہاں انسان سے مراد کافر ہے اور تمنا سے مقصود آخرت میں بتوں کی سفارش ع ما کل ما یتمنی المرء یدرکه۔

فللّٰه الآخرة۔ پچھلے بیان کے لئے یہ بمنزلہ دلیل ہے کہ اللہ اسی کو عطا فرماتا ہے کہ جو اسی کا ہورہتا ہے اور جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔

وما اکرمهم۔ جملہ تعجبیہ ہے یعنی اللہ کے یہاں کتنے مکرم ہیں۔ مگر پھر بھی ان کی مرضی کے بغیر کوئی دم بھی نہیں مارسکتا۔

من عباده۔ اس سے مشفوع لہ انسان مراد ہیں یا شفیع فرشتے۔

لا یومنون بالآخرة۔ اگرچہ آیت هولاء شفعاء نا عند الله سے کفار کا آخرت کا تسلیم کرنا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ آیت ما اظن الساعة قائمة ولئن رجعت الی ربی ان لی عنده للحسنی سے ان کے نزدیک غیر یقینی ہونا معلوم ہورہا ہے۔ اس لئے یہاں ان کو منکر آخرت فرمایا گیا ہے۔ رہا بتوں کو سفارشی ماننا وہ محض احتمالی تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ آخرت اگرچہ مانتے تھے مگر پیغمبروں کے فرمانے کے مطابق نہیں۔ بلکہ خودساختہ اس لئے ان کو منکر ہی مانا گیا۔

تسمیة الانثی۔ ملائکہ میں تائے تانیث سمجھتے ہوئے نیز فسجدت الملائكة میں بھی فعل مونث ہے اس سے وہ فرشتوں کو بنات اللہ کہتے ہیں۔

من الحق شیئا۔ یعنی گمان سے علم قطعی حاصل نہیں ہوتا جو مطلوب ہے عقائد واصول میں جو احکام فرعیہ کی بنیاد ہیں مفسرؒ نے عن العلم تهکما کہہ دیا ہے۔

مبلغهم من العلم۔ چنانچہ دعائے ماثور ہے۔ اللهم لا تجعل الدنیا اکبر همنا ولا مبلغ علمنا۔ یہ جملہ معترضہ ہے جس سے ان کی حضور ہمت مقصود ہے۔

ان ربك۔ یہ جملہ فاعرض عمن تولی کی دلیل ہے۔

ولله ما فی السموات۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ کہ لیجزی الذین الخ ولله ما فی السموات الخ کی علت ہے اور بعض نے اس کو ماقبل کے مضمون تخلیق عالم کی علت کہا ہے اور بعض نے هو اعلم بمن ضل کی علت قرار دیا۔

بالحسنی۔ یہ صفت ہے موصوف مثوبة بمعنی جنت ہے اس صورت میں باصلہ کی ہوگی اور یا اعمال حسنہ مراد ہیں اس وقت باسببیہ ہوگی۔

الذین یجتنبون۔ یہ منصوب ہے **الذین احسنوا** کی صفت ہونے کی وجہ سے یا **اعنی** یا **امدح** مقدر ہے۔

کبائر الاثم۔ گناہ کبیرہ کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جس پر وعید یا حد آئے۔ حدیث **قال رسول اللہ ﷺ اجتنبوا لسبع الموبقات قیل یا رسول اللہ وما ھن قال الشرک باللہ وھو اکبر الکبائر والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات** کی رو سے بعض حضرات نے سات گناہ کبیرہ فرمائے ہیں اور بعض کے نزدیک جن پر وعید یا لعنت آئی ہے۔ اور بعض کے نزدیک جن پر جہنم کی وعید بیان کی گئی ہے۔ سب سے بہتر تعریف قرطبی نے کی ہے جس گناہ کو قرآن یا حدیث یا اجماع میں کبیرہ کہا گیا ہو اس پر شدت عذاب یا شدت نکیر یا حد آئی ہو وہ کبیرہ ہے۔

ابن عطاؒ کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل پر نظر کی جائے تو کوئی گناہ کبیرہ نہیں اور اس کے عدول پر نظر کی جائے تو کوئی صغیرہ نہیں رہتا۔

اور حلیمی فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ بھی ہے اور صغیرہ بھی نیز صغیرہ گناہ کبیرہ اور کبیرہ گناہ فاحشہ بن سکتا ہے۔ بجز شرک کے کہ وہ تو اکبر الفواحش ہے۔ اس میں صغیرہ ہونے کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس میں فاحش اور افحش کے مراتب نکل سکتے ہیں اور بعض حضرات نے صغیرہ اور کبیرہ کو اضافی مانا ہے۔ ہر گناہ بڑے گناہ کے اعتبار سے صغیرہ ہے اور چھوٹے گناہ کے لحاظ سے کبیرہ ہے۔ اور عشاق کا مذاق یہ ہے کہ اللہ کے بغیر سانس لینا بھی کفر ہے۔ حدیث بالا میں سات کا عدد تخصیص کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے اور فواحش گندے گناہوں کو کہتے ہیں۔

لمم۔ معمولی قصور اور کوتاہی۔ **لمم** دراصل چھوٹی اور حقیر چیز کو کہتے ہیں۔ چنانچہ **اللمم والمس** معمولی جنون کو کہتے ہیں **الم بالمکان** کسی جگہ ٹھہرنا **الم بالطعام** تھوڑا سا کھانا۔ ابو العباسؒ کہتے ہیں کہ کسی کام کو محض "چھونا" "الم بکف" کسی چیز کے نزدیک گیا مگر اس کو کیا نہیں۔ ازہری کہتے ہیں کہ اہل عرب الممام کہتے ہیں خوب ہونے کو۔

مصباح میں ہے کہ **لمم** گناہ کے قریب ہونے کو کہتے ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ کے معنی لئے ہیں۔ جب کہ اصرار نہ ہو۔ جیسا کہ مفسرؒ نے کچھ مثالیں بیان کی ہیں۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔ لیکن بعض نے لمم گناہ کبیرہ کہا ہے۔ ای **یجتنبون من الکبائر کلھا الا القلیل منھما مرۃ او مرتین بلا اصرار**۔ اس وقت استثناء فصل ہو جائے گا کبائر کے اجتناب کے ساتھ صغائر معاف ہو جانا چونکہ معتزلی کی رائے ہے اس لئے مفسرؒ کی عبارت **لکن اللمم تغفر باجتناب الکبائر** میں با کو مصاحبت کے لئے لیا جائے گا۔ تاکہ اہل سنت کے مطابق عبارت ہو جائے۔

ان ربک واسع المغفرۃ۔ یہ جملہ اللمم کی علت ہے یعنی صغائر اگرچہ گناہ ہیں اور قابل مواخذہ ہیں مگر رحمت کی وجہ سے ان پر داروگیر نہیں ہوگی اور کبائر جس طرح توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں وہ چاہے تو بلا توبہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اہلسنت فرماتے ہیں۔

اذانتم اجنۃ۔ اس کا عطف "**اذا نشاء کم**" پر ہے عجب وخود بینی میں مبتلا ہو کہ ہم اول سے آخر تک تم سے واقف ہیں بلکہ تحدیث نعمت کی اجازت بلکہ مستحسن ہے۔

فلا تزکوا۔ نفس چونکہ خسیس ہوتا ہے اس لئے اپنی تعریف کرنے اور دوسروں کی تعریف سننے سے پھول جاتا ہے جو ہلاکت کا سامان ہے ہضم نفس اور تواضع ضروری ہے۔ البتہ نیکی پر طبعی مسرت وہ طاعت ہے۔

من اتقیٰ۔ حقیقۃ تقویٰ اللہ کو معلوم ہے اور وہ قابل قدر ہے لیکن ریاء ونمود باعث ہلاکت ہے۔

روایات:۔۔۔۔۔**روی ان رسول اللہ ﷺ لما بلغ سدرۃ المنتھیٰ جاء ہ الرفرف فتنا ولہ من جبرئیل وطاربہ الی العرش**

حتی وقف بہ بین یدی ربہ ثم لماحان الانصراف تناولہ فطار بہ حتیٰ اٰواہ الی جبوئیل . الا اللمم عن ابی ھریرۃ ان اللمم ھی النظرۃ والقبلۃ والعمرۃ والمباشرۃ ، فاذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل وھو الزنا ۔

ربط آیات:...... پچھلی سورت میں توحید، رسالت، قیامت، مجازات کے مضامین تھے۔اس صورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔ چنانچہ شروع سورت، رسالت سے ہورہی ہے۔ پھر آیت افرایتم اللات سے توحید کا بیان ہورہا ہے۔

﴿تشریح﴾:............ والنجم، یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے لے کر غروب تک تمام تر مسافت میں اپنی باقاعدہ اور مقررہ رفتار سے بال برابر ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپ بھی ساری عمر راہ مستقیم پر رہے۔ ذرا بھی کجی نہیں کی۔ غروب سے لے کر طلوع تک بھی ستارہ اگر چہ یہی راست رفتاری رہتی ہے مگر نظر نہیں آتا۔ لیکن طلوع سے غروب تک کیفیت مشاہد و محسوس رہتی ہے۔

نیز اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ستارہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح آپ بھی منبع ہدایت ہیں اور چونکہ آسمان کے وسط میں ستارہ کی سمت کا اندازہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے رہنمائی مشکل ہے، اس لئے کنارہ کی تخصیص کی اور کنارہ میں مغربی کنارے کی تخصیص کی۔ کیونکہ مشرقی کنارہ کی نسبت مغربی کنارہ میں قرب نمایاں ہوتا ہے۔ نیز غروب کے وقت طالبان رہنمائی غنیمت سمجھتے ہیں کہ ذرا چوک ہوگئی تو رہنمائی سے محروم ہوجائیں گے برخلاف طلوع کے اس میں ایک گونہ بے فکری رہتی ہے گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دم غنیمت سمجھو اور دولت ہدایت لوٹ لو ورنہ پچھتاؤ گے۔

انبیاء کرام نجوم ہدایت اور آنحضرت آفتاب ہدایت ہیں: انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے درخشاں ستارے ہیں جن کی روشنی سے دنیا کی رہنمائی ہوتی رہی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب عالمتاب طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام کے تشریف لے جانے کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے جلوہ گر اور ضوفگن ہوا ہے پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا نظام کس قدر محکم و مضبوط ہونا چاہیے جن سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔

وما ینطق ۔ ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو نفسانی خواہش پر مبنی ہو بلکہ دین کے سلسلہ میں جو کچھ آپ ارشاد فرماتے ہیں خواہ وہ قرآن کی صورت میں یا حدیث کے رنگ میں سب اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اور جب آپ کے کلام کا یہ حال ہے تو آپ کا کام کیسے مرضی حق کے خلاف ہوسکتا ہے۔ یہ تو اس کا حال ہے جس پر وحی آتی ہے اور وحی بھیجنے والا اللہ ہے۔ اس کی قوت و عظمت کا تو کیا ہی پوچھنا۔ جب کہ وحی لانے والا فرشتہ جس کے ذریعہ سے پیغام آپ تک پہنچتا ہے۔ وہ بھی انتہائی طاقت ور، زور آور، حسین و جمیل فرشتہ جبرائیل امین ہیں۔ جن کی نسبت سورہ تکویر میں **انہ لقول رسول کریم** الخ فرمایا گیا ہے۔

ایک روایت میں خود جبرئیل نے اپنی طاقت کے متعلق فرمایا کہ میں نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب تک اٹھا کر پٹک دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام شیطان کے ذریعہ نہیں آیا۔ کہ آپ کے کاہن ہونے کا احتمال ہو اور وہ فرشتہ بھی ایسا کمزور نہیں کہ راستہ میں شیطانی تصرف کا امکان ہو۔ شیطان کی کیا مجال کہ اس کے قریب بھی بھٹک سکے۔

پھر وحی آنے کے بعد **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون** میں مکمل حفاظت کا خدائی وعدہ کیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: رہا یہ شبہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے جبرئیل کو دیکھا ہی نہیں، ان سے شناسائی نہیں تو یہ کیسے یقین کرلیا کہ جبرئیل ہی ہیں۔

ممکن ہے کوئی دوسری چیز ان کے روپ میں آ گئی ہو؟ اس شبہ کو بھی صاف کر دیا کہ اول تو جبرئیلؑ کو بارہا انسانی خاص شکل میں دیکھا اور اس مخصوص صورت میں تشخصات اصلیہ اور عارضہ کو علم ضروری کے اعتبار سے آپ کے لئے ممتاز اور الگ الگ کر دیا گیا۔ پھر دو مرتبہ نہایت واضح طور پر ان کی اصلی شکل وصورت میں بھی مشاہدہ کر لیا۔ اس لئے تلبیس کا کوئی شائبہ ہی نہیں رہا۔

ایک روایت کے مطابق اکثروں نے مشرقی افق سے جبرئیل کا نمودار ہونا بیان کیا ہے۔ جدھر سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے۔ جبرئیل اپنی اصلی شکل میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک ان کے وجود سے بھرا نظر آیا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر چونکہ پہلی مرتبہ آپ نے ابتداءِ وحی میں دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرائے اور بے ہوش ہو گئے۔ یہاں جبرئیلی جلوہ نہ بالکل آسمان کے کنارے پر ہوا اور نہ درمیان میں۔ بلکہ کنارہ سے قدرے اوپر کو ہوا۔ تاکہ بسہولت آپ ملاحظہ فرما سکیں۔ آپ کی تسکین کے لئے پھر جبرئیلؑ انسانی شکل میں آپ سے اتنے قریب ہوئے کہ دو ہاتھ یا دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ اس وقت سورہ مدثر یا کچھ اور احکام نازل ہوئے۔

فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں او شک کیلئے نہیں ہے بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ نفی کیلئے ہوا کرتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تعین کر کے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ ''قوسین'' کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ بس اس سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ ''قوسین'' سے تو دونوں میں صورۃً قرب واتفاق کو بتلانا ہے مگر یہاں چونکہ روحانی اور قلبی قرب واتفاق بھی تھا اس لئے ''او ادنیٰ'' بڑھا کر یہ ظاہر کر دیا کہ اتفاقی صورت کے ساتھ روحانی قربت بھی تھی۔ جس سے معرفت تامہ حاصل ہو گئی اور صورت ذہن میں محفوظ ہو کر تشخصات اصلیہ وعارضیہ کے درمیان امتیاز کا باعث بن گئی۔

آنحضرت نے جبرئیل کو مکمل طور پر شناخت کر لیا۔ فاوحی الی عبدہ۔ اس وقت کیا وحی ہوئی؟ نہ تو اس کی تعیین وتخصیص معلوم اور نہ معلوم ہونے کی حاجت ہے ممکن ہے کہ جبرئیل کی معرفت سے متعلق ہی کچھ وحی ہو۔ اگرچہ یہاں مقصود جبرئیل کی اصل شکل دکھلانا تھا۔ تاہم اس حالت میں بھی وحی کرنے سے مقصود جبرئیلؑ ہی کی معرفت مکمل کرنا ہوگا۔ تاکہ اصلی اور نقلی دونوں طرح جبرئیل کا بھی مکمل تعارف ہو جائے اور وحی کی بھی پورے طور پر شناخت ہو جائے اور یقین میں قطعیت آ جائے۔ کسی طرح کا التباس نہ رہے اور سمجھ لیا جائے کہ دونوں صورتوں میں وحی حقیقت واحدہ ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کی آواز، طرز کلام، لب ولہجہ سے کوئی واقف ہو تو آواز بدلنے پر بھی صاف پہچان لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔

آنحضرت ﷺ نے آنکھ اور دل دونوں سے جبرئیلؑ کو پہچان لیا۔ ما کذب الفؤاد۔ یعنی آپ نے جبرئیل کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور دل نے اندر سے کہا اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبرئیل ہی کو دیکھ رہی ہے کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آ گیا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو کہاں اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔

دراصل یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اصلی صورت کا دیکھنا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور جو مدار ہے معرفت تامہ کا وہ مطلق دیکھنا نہیں ہے بلکہ صحیح صحیح دیکھنا ہے اور اس کا دارومدار مدرک اصلی یعنی دل کے خطا سے محفوظ رہنے پر ہے۔ ورنہ اگر قلبی ادراک میں غلطی ہے تو اس میں قلب یعنی حواس میں بھی غلطی ہوگی۔ چنانچہ مجنون کے احساسات اگرچہ صحیح ہوتے ہیں۔ مگر بعض اوقات پہچانے ہوئے لوگوں کو دوسرا شخص بتلانے لگتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصل ادراک کرنے والا دل ہوتا ہے۔ اس کی صحت اور غلطی کا اثر حواس پر پڑتا ہے۔

اس آیت میں اسی کا ازالہ فرمایا گیا۔ رہا یہ ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قلب نے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی سو یہ احتمال بلا دلیل ہے۔

اسی طرح کے احتمالات تو ہر چیز میں نکل سکتے ہیں۔ان کی طرف التفات کیا جائے تو حواس سے اعتماد اور امان ہی اٹھ جائے۔جس احتمال کا کوئی معتد بہ منشا ہو اس کا البتہ اعتبار کیا جاتا ہے۔مثلاً خطائے قلبی کے احتمال کا یہ منشاء ہونا چاہیے کہ ادراک کرنے والا فاتر العقل ہے۔لیکن آنحضرت ﷺ کا صحیح العقل، ذہین، زکی، صاحب فراست ہونا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔اس کے باوجود وہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے خلاف وجدال سے باز نہ آتے تھے۔

ہٹ دھرمی کی حد ہوگئی۔اس لئے آگے افتمرونه علی ما یری فرماتے ہیں یعنی ادراک وعلم کے سلسلہ میں حسیات سب سے زیادہ خطا سے پاک ہوتے ہیں مگر غضب ہے کہ تم حسیات میں بھی اختلاف کرتے ہو۔حالانکہ ان میں احتمالات خطا کا اعتبار نہیں کیا جاتا ورنہ یوں تو تمہارے حسیات میں بھی ہزاروں خدشے نکل سکتے ہیں۔

اور اگر یہ مہمل خدشہ ہو کر کسی چیز کو پہلی مرتبہ دیکھنے سے پہچان کیسے ہو۔البتہ بار بار اس چیز کو دیکھنے سے بلا شبہ یہ پہچان ہو جاتی ہے کہ وہی پہلی مرتبہ دیکھی ہوئی چیز ہے؟ مگر اول تو یہ بات یوں غلط ہے کہ بعض دفعہ کسی چیز کا پورا پتہ معلوم ہو جانے سے پہلی ہی بار فوراً پہچان ہو جاتی ہے۔دوسرے پہلی بار میں شناخت ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کے بتلانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔خود بخود سمجھ جائے۔جیسا کہ دوسری تیسری بار دیکھتے ہیں کسی کے بتلانے کی حاجت نہیں رہ جاتی۔بلکہ معرفت حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی سچے کے بتلانے کی ضرورت پیش نہ آئے یا قرائن وعلامات ہو جانے سے اس کا علم ہو جائے اور اس کی صورت ذہن نشین ہو جائے کہ دوبارہ دیکھتے ہی پہچان لیں۔

پس ممکن ہے کہ بطور علم ضروری استدلالی کے جن مقدمات کی تعیین ہم نہیں کر سکتے یا کئی دفعہ غیر اصلی شکل پر دیکھنے اور تشممات اصلیہ ذہن میں محفوظ رہنے کی وجہ سے جبرئیل کا پورا پتہ آپ کو معلوم ہو گیا ہو اور اس سے آپ پہچان گئے ہوں۔دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت اللہ کے بتلانے سے آپ کو یقین ہو گیا ہو۔غرض ان دو وجوہ سے یہ خدشہ غلط ہے۔اور تیسرے یہ کہ بطور تنزل اگر شناخت کے لئے بار بار دیکھنے ہی کی ضرورت ہو تو آگے ارشاد ہے۔

ولقد راٰه نزلة اخرٰی۔اب تو وہ وہم بھی دور ہو گیا۔یہ دوبارہ اصلی شکل پر جبرئیل کو دیکھنا شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر ہوا۔سدرہ کہتے ہیں بیری کو اور منتہی کے معنی آخری حد کے ہیں۔احادیث میں ہے کہ چھٹے ساتویں آسمان پر یہ ایک بیری کا درخت ہے اس کی مثال مرکزی ڈاک خانہ کی سی ہے کہ عالم بالا کے تمام احکام پہلے وہاں اترتے ہیں پھر نیچے آتے ہیں۔اسی طرح نیچے کے تمام اعمال پہلے وہاں پہنچتے ہیں پھر اوپر چڑھتے ہیں۔جس طرح جنت کے انگور انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے۔محض لفظی اشتراک ہے۔اسی طرح اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہیں کر سکتے۔اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح ہو گی اور چونکہ یہ مقام جبرئیل اور تمام فرشتوں کا مرکز اصلی ہے اور ہر چیز اپنے مستقر پر رہ حقیقی شکل میں معلوم ہوا کرتی ہے اس لئے حضرت جبرئیلؑ کو یہاں دکھلانے کا مقصد ان کی حقیقی شکل وصورت کا امتیاز ہو گا۔اور سدرۃ المنتہیٰ پر انوار تجلیات الٰہی کا جھمکا لگا رہتا تھا۔فرشتوں کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ایک روایت کے مطابق فرشتوں کی درخواست پر حضور ﷺ کی زیارت کے لئے ان کو اجازت ملی تھی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ نہایت خوش رنگ سنہری پرندے تھے کہ جن کے دیکھنے سے دل کھنچ جائے۔درخت کی بہار رونق اور اس کا حسن وجمال ناقابل بیان تھا۔ان الفاظ میں بھی معرفت جبرئیل کی تاکید مقصود ہے۔

چند شبہات کا ازالہ:.........اب ایک احتمال یہ رہ جاتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکرا جاتی ہے۔پورے طور پر ادراک نہیں ہوتا۔پھر ایسی حالت میں جبرئیل کی صورت کا کماحقہ، ادراک کیا ہوا ہو گا۔اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ما زاغ البصر و ما طغٰی فرمایا

گیا۔ ان دونوں لفظوں میں آپ کے انتہائی استقلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کسی عجیب چیز کے دیکھنے پر انسان دو ہی طرح کی حرکتیں کیا کرتا ہے کہ جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے بعض دفعہ ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کو دیکھنے کے لئے نہیں کہا جاتا ہے ان کو تکتا رہتا ہے جس کی وجہ سے پورا انضباط نہیں رہتا۔

آگے لقد رای من اٰیات ربہ الکبرٰی میں اسی استقلال وانضباط کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ غرض جبرئیلؑ کو دیکھنے سے متعلق تمام شبہات کا شافی ازالہ کر دیا گیا ہے جو مقصود عام تھا۔

اب صرف ایک بات رہ جاتی ہے کہ یہ تمام تر گفتگو اس وقت مفید ہے جب کوئی دیکھنے کے دعویٰ کو مان لے۔ لیکن اس کی کیا دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے جبرئیلؑ ہی کو دیکھا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل آپ کے خوارق ومعجزات ہیں جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ ان معجزات سے آنحضرت ﷺ کے سچے ہونے کا پورا یقین ہو گیا۔ ورنہ یوں تو ہر دیکھنے والے کے متعلق اس طرح کے خدشات واحتمالات نکالے جاسکتے ہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ اپنی اصل صورت کے علاوہ دوسری شکلوں میں جبرئیل کو دیکھ کر کیسے پہچان لیتے تھے؟

جواب یہ ہے کہ اصلی صورت دیکھنے سے پہلے تو آپ کو ایک خاص طریقہ سے پہچان تھی۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ لیکن اصل صورت دیکھنے کے بعد تو آپ کو اور بھی زیادہ پہچان ہوگئی تھی جیسے کسی شخص کی حقیقت جاننے کے بعد مختلف لباسوں میں اس کا پہچاننا مشکل نہیں رہتا۔ رہا یہ ہے کہ جب آپ پہلی بار بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس وقت آپ کو حیرت ہوگئی۔ پس جس شبہ کے جواب میں مازاغ فرمایا گیا تھا وہی پھر دیکھنے پر ہو جائے گا؟

جواب یہ ہے کہ مطلق مغلوبیت دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ بلکہ جو مغلوبیت دیکھنے سے پہلے ہو وہ رکاوٹ بنتی ہے لیکن جو دیکھنے کے بعد ہوتی ہے وہ رکاوٹ نہیں بنا کرتی جیسے کوئی قوی نظر سورج کو دیر تک دیکھے تو گو اس کے بعد آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ مگر چونکہ نظر کے خیرہ ہونے سے پہلے وہ سورج کو خوب دیکھ چکا ہے اس لئے سورج کی پہچان میں اسے کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ پس ممکن ہے آپ کی بے ہوشی اس شناخت کے بعد ہوئی ہو۔ برخلاف موسیٰ علیہ السلام کے جلوہ ربانی سے بے ہوش ہونے کے صرف لحاظ ذات کے موخر تھی زمانہ دونوں کا ایک ہی تھا۔ پس وہاں سے بے ہوش ہونے کے وقت تجلی کا ادراک نہیں ہوا۔

کوئی حد ہے اُن کے عروج کی؟:............ اور ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے مطابق جمال الٰہی کا مشاہدہ اور حق تعالیٰ کا دیدار بھی اس آیت کے ابہام میں داخل ہے حافظ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے جو ابن عباسؓ کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں۔ یہ الفاظ نقل کیئے ہیں۔ کان اغصان السدرۃ لولو أ ویا قوتا و زبر جدا فراھا محمد ﷺ و رای ربہ بقلبہ اور چونکہ یہ دیدار صرف دل نے نہیں بلکہ دل اور آنکھوں دونوں سے تھا جیسا کہ ما زاغ البصر و ما طغیٰ سے ظاہر ہے اس لئے شاید ابن عباسؓ نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا کہ راہ مرتین مرۃ بقلبہ و مرۃ ببصرہ یہاں دو مرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک وقت میں دو طرح دیکھا ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی۔

دیدار الٰہی اور تجلیات ربانی:............ تاہم آیت لا تدرکہ الابصار میں جس دیکھنے کا انکار کیا گیا ہے یہاں وہ مراد نہیں۔ کیونکہ اس سے ایک خاص قسم سے دیکھنے کا انکار کرنا مقصود ہے یعنی نگاہیں اس کا احاطہ کر سکتیں۔ اس سے مطلق دیکھنے کا انکار مقصود نہیں ہے۔

علاوہ ازیں جب ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق اشکال کیا گیا تو فرمایا ویحک ذاک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ جس سے معلوم ہوا کہ تجلیات الٰہیٰ میں فرق ہوتا ہے۔ بعض آنکھوں سے نظر آجاتی ہیں اور بعض نہیں اور فی الجملہ دیکھنا دونوں کو کہا جائے گا۔ اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ جس درجہ کا دیکھنا آخرت میں مومنین کو نصیب ہوگا جب کہ ان کی نگاہیں تیز کردی جائیں گی۔ جو اس تجلی ربانی کو برداشت کرسکیں۔ وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ اسی طرح شب معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کو جو خاص دیدار میسر آیا۔ اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایات میں جو آیا ہے کہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کا حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد نہیں بلکہ جبرئیل کو دیکھنا مراد ہے مگر تجلیات کے اس فرق کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اثبات کا مطلب ایک خاص درجہ ہے اور نفی کا تعلق دوسرے درجات سے ہے۔ اسی طرح ابوذرؓ کی روایات رایت نورا اور نورانی اراہ میں بھی اسی طرح کی تطبیق ہوسکتی ہے۔ البتہ بعض اکابر کا مذاق یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت مسلم میں جب خود آنحضرت ﷺ سے ان آیات کی تفسیر حضرت جبرئیل کے دیکھنے سے کی گئی ہے۔ تو پھر وہی راجح ہے۔ واذا جاء نھر اللہ بطل نھر معقل۔

اور بخاری کی روایت شریک میں جو شبہ ہوتا ہے یہ آیات کہ حق تعالیٰ کے قرب وتدلی پر محمول ہوں۔ سو علامہ نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ شریک حافظ نہیں ہیں۔

مخمل میں ٹاٹ کا بے جوڑ پیوند۔ افرائیتم اللات۔ رسالت کے بعد توحید کا بیان ہے۔ بھلا لامحدود قدرت وعظمت والے اللہ کے مقابلہ میں ان حقیر وذلیل چیزوں کا نام لینے سے مشرکین کو شرم آنی چاہیے۔ لات، منات، عزیٰ، تین بڑے بتوں اور دیوتاؤں کے نام ہیں، جن میں سے لات کی پوجا طائف والوں کے یہاں زیادہ ہوتی تھی۔ اور منات کی پوجا اوس وخزرج کے یہاں زیادہ ہوتی تھی۔ اور عزیٰ کو قریش اور بنوکنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول درجہ میں عزیٰ تھا جو مکہ کے قریب نخلہ میں تھا۔ دوسرے نمبر پر لات جو طائف میں تھا اور تیسرے درجہ میں منات تھا جو مکہ سے بہت دور اور مدینہ سے نزدیک تھا۔

بعض حضرات نے ان بتوں کے مندروں کے لئے دوسری جگہوں کے لئے نشاندھی کی ہے لیکن ممکن ہے کہ جیسے ہندوستان میں بڑے بڑے دیوی دیوتاؤں کی شکلیں بنا کر مختلف جگہ مندر بنالیتے ہیں۔ عرب میں بھی یہی حال ہوتا ہو غرض کہ جب یہ بڑے بت خدا نہیں ہوسکتے تو چھوٹے بتوں کو تو شمار ہی کیا۔

علامہ یاقوتؒ نے معجم البلدان میں کہا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ واللات والعزیٰ ومنات الثالثۃ الاخری ھولاء الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ بعض مفسرین نے اس موقعہ پر ایک قطعہ نقل کیا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک اگرچہ وہ صحیح نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورت پڑھی ہو اور کفار نے حسب عادت قرآن پڑھنے میں شوروہنگامہ کیا ہو۔

قال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القراٰن والغوفیہ اور جب اس آیت میں بتوں کا ذکر آیا تو ان میں سے کسی نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ کہہ دیئے ہوں جو آگے چل کر تعبیر وادائیگی میں تصرف ہوتے ہوئے کچھ کا کچھ بن گیا ہو

کفریہ کلمات کسی مسلمان کی زبان سے بھی نہیں نکل سکتے:............ ورنہ ظاہر ہے کہ قرآن میں جن کی تردید کی جارہی ہے ان کی مدح سرائی کیسے ہوسکتی ہے اور آپ کی زبان مبارک پر ایسا تسلط کب ہوسکتا ہے کفار ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے سو اول تو اللہ اولاد

سے بری ہے اور بالفرض یہ نظریہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی تقسیم کس طرح بھونڈی اور بھدی ہے تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور اللہ کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو۔ دراصل پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں ان کو اپنے خیال میں بیٹیاں کہہ لو یا بیٹے۔ یہ محض کہنے کی بات ہے جس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں باوجودیکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آچکی ہے اور وہ سیدھی راہ دکھلا چکا۔ مگر یہ احمق انہی اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو کچھ انکل پچو ذہن میں آگیا اور دل میں امنگ آگئی اسی کو کر گزرے۔ تحقیق و جستجو سے کوئی سروکار نہیں ان کا یہ سمجھنا اور کہنا کہ یہ بت ہمارے سفارشی ہوں گے خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ انسان جو کچھ بھی تمنا کرے کیا وہی مل جائے گا؟ دنیا و آخرت کی سب بھلائی تو اللہ کے ہاتھ ہے

کون سفارشی ہوں گے اور کن کے لئے سفارش ہوگی۔ و کم من ملك۔ یعنی ان بتوں کی تو حقیقت کیا ہے آسمان کے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی کسی کو سفارش کی اجازت دے اور جس کی سفارش کی جائے وہ اس سے راضی ہو مثلاً وہ کافر نہ ہو۔ وہاں بے شک سفارش کام دے گی، ظاہر ہے کہ اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔

دراصل یہ ساری گمراہی آخرت کی بے فکری سے پیدا ہوئی۔ ورنہ جسے آخرت کی فکر ہو وہ اپنی نجات کی ضرور فکر کرے گا۔ اور جب فرشتوں کے اللہ کے ساتھ شریک عبادت ٹھہرانا کفر ہے تو بت پرستی بدرجہ اولیٰ کفر ہوگی۔ اس لئے صراحتہً اس کے بیان کی حاجت نہیں سمجھی۔

یہ آیت قیاس واجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ ان یتبعون الا الظن۔ یعنی عقلی دلائل کے بغیر محض بے اصل خیالات یقیناً ذرا بھی مفید نہیں۔ اس سے قیاس واجتہاد کے انکار کرنے والے استدلال نہیں کرتے۔ کیونکہ قیاس واجتہاد تو دلیل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہاں بے دلیل خیالات کو ناکارہ بتلایا جا رہا ہے۔ البتہ بظاہر یہ آیت مکرر معلوم ہوتی ہے مگر دونوں آیتوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ پہلی آیت میں دلیل نقلی کی نفی ہے۔ جیسا کہ آیت ما انزل اللہ بھا من سلطان سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اس دوسری دلیل میں عام معنی مراد ہیں دلیل عقلی ہو یا نقلی یا پھر پہلی آیت کے مقابلہ کی وجہ سے یہاں صرف دلیل عقلی مراد ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی آیت میں فرشتوں اور بتوں کے متعلق دلیل کی نفی نہیں۔ اور یہاں صرف فرشتوں کے اعتبار سے ہے اس لئے تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔ اور فرشتوں کا مکرر تذکرہ شاید تعمیم کے بعد تخصیص کے طور پر ہو۔ نیز ان کے مقبول ہونے کی وجہ سے ان کی پرستش اور شفاعت کے عقیدہ کی زیادہ گنجائش تھی۔ اس لئے مکرر ذکر کر دیا۔

اعمال کی جزا و سزا۔ اس کے بعد آیت فاعرض عمن تولی میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا اوڑھنا بچھونا دنیا کی یہی چند روزہ زندگی ہو جس میں منہمک ہو کر وہ کبھی اللہ کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے آپ اس کی بکواس کو دھیان میں نہ لائیں وہ اللہ سے منہ موڑتا ہے آپ اس کی شرارت اور کجروی سے منہ پھیر لیں، سمجھانا تھا سمجھا دیا۔ ایسے بدطینت لوگوں سے قبول حق کی امید رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے جزوی نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ ان کی تمام تر جدوجہد صرف بہائم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت کی آگ بجھانے کے لئے ہے۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی بارگاہ میں ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اچھے بروں کو اور ان کی مخفی استعدادوں کو اللہ ازل سے جانتا ہے۔ ہزار جتن کر لو اسی کے مطابق ہو کر رہے گا۔ اس کے علم کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یوں بھی وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا لہٰذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ ہر شخص کا حال جب اس کو معلوم، اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ، پھر نیکی و

بدی کا بدلہ دینے سے اسے کیا چیز روک سکتی ہے؟ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا گیا کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے۔ جہاں بروں کو ان کی برائی اور نیکوں کو ان کی بھلائی کا بدلہ اور صلہ مل سکے۔

بڑے گناہوں سے بچنا اور معمولی غلطیوں سے درگذر: ...... الذین یجتنبون ۔ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق سورہ نساء میں گزر چکا ہے۔ البتہ لمم کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ گناہ کرنے کے خیالات جو دل میں آئیں مگر عمل میں لانے کی نوبت نہ آئے وہ لمم ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لیا ہے، بعض کی رائے میں جس گناہ پر اصرار نہ ہو یا اس کی عادت نہ پڑ جائے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہے۔

حاصل آیت یہ ہے کہ اللہ چونکہ مہربان اور وسیع مغفرت والا ہے اسی لئے دو بڑے گناہوں اور فواحش سے بچنے والوں کے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگزر فرمادیتا ہے۔ اگر ہر چھوٹی بڑی خطا پر پکڑ کرنے لگے۔ تو بندہ کا ٹھکانہ کہاں؟ اس لئے کبھی کبھار کی معمولی لغزشوں سے انسان کی عام نکوکاری میں فرق نہیں پڑتا یعنی نکوکاروں کی جس محبوبیت کا یہاں ذکر ہے اس کا مصداق بننے کے لئے بڑے گناہوں سے بچنا تو شرط ہے لیکن گاہ بگاہ معمولی غلطیوں کا سرزد ہو جانا البتہ موقوف علیہ نہیں ہے۔ ہاں ان پر اصرار نہ کرنا شرط ہے۔
اس استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ صغائر کی اجازت ہے اور نہ شرط ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نیکیوں کا صلہ ملنا موقوف ہے کبائر سے بچنے پر، کیونکہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ کی رو سے کبائر کرنے والا بھی اگر نیکی کرے گا تو یقیناً اس کی سزا پائے گا۔ پس بڑے گناہوں سے بچنا معنی یجزی کے اعتبار سے شرط نہیں۔ بلکہ محسن اور محبوب خاص بننے کے لئے شرط ہے جس پر احسنوا کا عنوان دلالت کر رہا ہے۔

نہ مایوسی کی گنجائش ہے اور نہ عجب کا موقعہ: ...... پھر آیت لیجزی الذین اساء وا بما عملوا سے بدکاروں کو مایوسی کا وہم ہو سکتا تھا جس سے وہ ایمان وتوبہ و ہمت ہار جاتے۔ اسی طرح یجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ سے نیکوں کو غرہ اور خود پسندی ہو سکتی تھی۔ ان ربک واسع المغفرۃ فرما کر دونوں کا ازالہ کر دیا۔ یعنی گناہ گاروں کو گناہوں کے تدارک سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ چاہے تو کفر وشرک کے علاوہ محض اپنے فضل وکرم سے سب گناہ معاف کر سکتا ہے پس تدارک سے تو کیوں معاف نہیں کرے گا۔
اسی طرح نیکوں کو عجب نہیں آنا چاہیے کیونکہ نیکیوں میں بعض دفعہ ایسے دقیق شوائب مل جاتے ہیں جن کی طرف نیکی کرنے والے کو التفات بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ اطلاع لیکن حق تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا ہے ادھر وہ نیکی اس حالت میں قابل قبول نہیں ہوتی پھر عجب کیسا۔ رہی یہ بات کہ تمہاری کسی حالت کی خود تمہیں بھی اطلاع نہ ہو اور اللہ کو معلوم ہو جائے کوئی عجیب وغریب بات نہیں۔ یہ تو شروع ہی سے ہو رہا ہے۔

حقیقۃً متقی کون ہے: ...... ھو اعلم بکم الخ بنی آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اور ان کے واسطہ سے سارے انسانوں کی پیدائش بھی گویا مٹی سے ہوئی۔ اسی طرح رحم مادر میں جنین کے مراحل گزرتے رہے۔ ان دونوں حالتوں میں کسی کو بھی اپنی خبر نہیں تھی اور ہمیں سب خبر تھی۔ پس اسی طرح اب تمہارا کسی حالت کو نہ جاننا اور ہمارا جاننا کچھ حیرت انگیز تعجب خیز نہیں ہونا چاہیے۔ اس بناء پر کسی کے لئے خود کو مقدس سمجھنے کا جواز نہیں کون حقیقۃً متقی ہے اس کو بس وہی جانتا ہے۔ دیکھنے میں تو دونوں ہی سے تقویٰ کے افعال سرزد ہوتے ہیں۔
تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے اس ہستی کے دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے

ہیں کہ بالکلیہ کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے کچھ نہ کچھ کمی سب میں رہ جاتی ہے۔

ایک نادر علمی تحقیق:............ حالت جنین میں انسانی علم پر یہ شبہ ہے کہ اس وقت تو انسان کو شعور ہی نہیں ہوتا لہٰذا اس حالت کو اس حالت پر کیسے قیاس کیا جا رہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ محض انکشاف کے لئے قوت شعور کافی نہیں ہے بلکہ شعور کا معلومات کے ساتھ تعلق انکشاف کی شرط ہے اور یہ ممکن ہے کہ تعلق نہ ہو جیسا کہ بہت سے احوال میں مشاہد ہے۔ اسلئے انکشاف نہ ہونا بھی ممکن ہے پھر یہ قیاس مدار نہیں ہے بلکہ اس میں اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہونے کی وجہ سے کامل اور سب احوال میں یکساں ہے اور تمہارا علم حادث ہونے کی وجہ سے مٹی اور جنین ہونے کی حالت میں نہیں تھا۔ اس لئے ناقص اور نامکمل ہے کہ کبھی ہے اور کبھی نہیں ہے۔ پس خفی شوائب کا مخفی رہ جانا بعید اور عجیب نہیں ہے۔

جب خاتمہ کا حال معلوم نہیں پھر خود پسندی:............ اور ایک تقریر اس مقام کی اور بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ نیکوں کاروں کو عجب نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ محسنیت کا مدار خاتمہ پر ہے اور اپنے خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں صرف اللہ کو معلوم ہے کہ جیسے ابتدائی حالت میں تمہیں معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے جیسے کہ ابتدائی حالت میں تمہیں معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے پھر عجب وخود پسندی کیوں کی جائے۔

لباب میں اس آیت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر شخص کو ماں کے پیٹ میں ہی شقی وسعید پیدا کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے بھی اس تقریر کی تائید ہوتی ہے۔ (بیان القرآن، فوائد عثمانی)

لطائف سلوک:............ فلا تزکوا انفسکم الخ اس میں دعوے تقدس سے صراحۃً ممانعت ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ اَىْ اِرْتَدَّ لِمَا عُيِّرَ بِهٖ وَقَالَ اِنِّىْ خَشِيْتُ عِقَابَ اللّٰهِ فَضَمِنَ لَهُ الْمُعَيِّرُ اَنْ يَحْمِلَ عَنْهُ عَذَابَ اللّٰهِ اِنْ رَجَعَ اِلٰى شِرْكِهٖ وَاَعْطَاهُ مِنْ مَالِهٖ كَذَا فَرَجَعَ **وَاَعْطٰى قَلِيْلًا** مِنَ الْمَالِ الْمُسَمّٰى **وَّاَكْدٰى** ﴿۳۴﴾ مَنَعَ الْبَاقِىَ مَاْخُوْذٌ مِنَ الْكُدْيَةِ وَهِىَ اَرْضٌ صُلْبَةٌ كَالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حَافِرَ الْبِئْرِ اِذَا وَصَلَ اِلَيْهَا مِنَ الْحُفَرِ **اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى** ﴿۳۵﴾ يَعْلَمُ مِنْ جُمْلَتِهٖ اِنَّ غَيْرَهٗ يَتَحَمَّلُ عَنْهُ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ لَا وَهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ اَوْ غَيْرُهٗ وَجُمْلَةُ اَعِنْدَهُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِىْ لِرَاَيْتَ بِمَعْنٰى اَخْبِرْنِىْ **اَمْ** بَلْ **لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى** ﴿۳۶﴾ اَسْفَارُ التَّوْرٰةِ اَوْ صُحُفٍ قَبْلَهَا **وَ** صُحُفِ **اِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى** ﴿۳۷﴾ تَمَّمَ مَا اُمِرَ بِهٖ نَحْوُ وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ وَبَيَانُ مَا **اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى** ﴿۳۸﴾ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَاَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ اَىْ اَنَّهٗ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غَيْرِهَا **وَاَنْ** اَىْ اَنَّهٗ **لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى** ﴿۳۹﴾ مِنْ خَيْرٍ فَلَيْسَ لَهٗ مِنْ سَعْىِ غَيْرِهِ الْخَيْرِ شَىْءٌ **وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى** ﴿۴۰﴾ اَىْ يُبْصَرُهٗ فِى الْاٰخِرَةِ **ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى** ﴿۴۱﴾ الْاَكْمَلَ يُقَالُ جَزَيْتُهٗ سَعْيَهٗ وَبِسَعْيِهٖ وَاَنَّ الْفَتْحَ عَطْفًا بِالْكَسْرِ اِسْتِيْنَافًا وَكَذَا مَا بَعْدَهٗ فَلَا يَكُوْنُ مَضْمُوْنُ الْجُمَلِ فِى الصُّحُفِ عَلَى الثَّانِىْ **اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى** ﴿۴۲﴾ الْمَرْجِعُ وَالْمَصِيْرُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُجَازِيْهِمْ **وَاَنَّهٗ**

هُوَ اَضۡحَكَ مَنۡ شَاءَ فَرَّحَهٗ وَاَبۡكٰى ﴿۴۳﴾ مَنۡ شَاءَ حَزَنَهٗ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ فِي الدُّنۡيَا وَاَحۡيَا ﴿۴۴﴾ لِلۡبَعۡثِ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوۡجَيۡنِ الصِّنۡفَيۡنِ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰى ﴿۴۵﴾ مِنۡ نُّطۡفَةٍ مَنِيٍّ اِذَا تُمۡنٰى ﴿۴۶﴾ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ وَاَنَّ عَلَيۡهِ النَّشۡاَةَ بِالۡمَدِّ وَالۡقَصۡرِ الۡاُخۡرٰى ﴿۴۷﴾ اَلۡخَلۡقَةَ الۡاُخۡرٰى لِلۡبَعۡثِ بَعۡدَ الۡخَلۡقَةِ الۡاُوۡلٰى وَاَنَّهٗ هُوَ اَغۡنٰى النَّاسَ بِالۡكِفَايَةِ بِالۡاَمۡوَالِ وَاَقۡنٰى ﴿۴۸﴾ اَعۡطَى الۡمَالَ الۡمُتَّخَذَ قِنۡيَةً وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعۡرٰى ﴿۴۹﴾ هِيَ كَوۡكَبٌ خَلۡفَ الۡجَوۡزَاءِ كَانَتۡ تُعۡبَدُ فِي الۡجَاهِلِيَّةِ وَاَنَّهٗ اَهۡلَكَ عَادَا الۡاُوۡلٰى ﴿۵۰﴾ وَفِيۡ قِرَاءَةٍ بِاِدۡغَامِ التَّنۡوِيۡنِ فِي اللَّامِ وَضَمِّهَا بِلَا هَمۡزَةٍ هِيَ قَوۡمُ هُوۡدٍ وَالۡاُخۡرٰى قَوۡمُ صَالِحٍ وَثَمُوۡدَا بِالصَّرۡفِ اِسۡمٌ لِلۡاَبِ وَبِلَا صَرۡفٍ اِسۡمٌ لِلۡقَبِيۡلَةِ وَهُوَ مَعۡطُوۡفٌ عَلٰى عَادٍ فَمَا اَبۡقٰى ﴿۵۱﴾ مِنۡهُمۡ اَحَدًا وَقَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ اَيۡ قَبۡلَ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ اَهۡلَكۡنَاهُمۡ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا هُمۡ اَظۡلَمَ وَاَطۡغٰى ﴿۵۲﴾ مِنۡ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ لِطُوۡلِ لُبۡثِ نُوۡحٍ فِيۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِيۡنَ عَامًا وَهُمۡ مَعَ عَدَمِ اِيۡمَانِهِمۡ بِهٖ يُؤۡذُوۡنَهٗ وَيَضۡرِبُوۡنَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكَةَ وَهِيَ قُرَى قَوۡمِ لُوۡطٍ اَهۡوٰى ﴿۵۳﴾ اَسۡقَطَهَا بَعۡدَ رَفۡعِهَا اِلَى السَّمَاءِ مَقۡلُوۡبَةً اِلَى الۡاَرۡضِ بِاَمۡرِهٖ جِبۡرَئِيۡلَ عَلَيۡهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِذٰلِكَ فَغَشّٰهَا مِنَ الۡحِجَارَةِ بَعۡدَ ذٰلِكَ مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ اَبۡهَمَ تَهۡوِيۡلًا وَفِيۡ هُوۡدٍ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكَ بِالنِّعۡمَةِ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحۡدَانِيَّتِهٖ وَقُدۡرَتِهٖ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ تَشُكُّ اَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ اَوۡ تُكَذِّبُ هٰذَا مُحَمَّدٌ ﷺ نَذِيۡرٌ مِّنَ النُّذُرِ الۡاُوۡلٰى ﴿۵۶﴾ مِنۡ جِنۡسِهِمۡ اَيۡ رَسُوۡلٌ كَالرُّسُلِ قَبۡلَهٗ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ كَمَا اُرۡسِلُوۡا اِلٰى اَقۡوَامِهِمۡ اَزِفَتِ الۡاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ قَرُبَتِ الۡقِيَامَةُ لَيۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ نَفۡسٌ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَيۡ لَا يَكۡشِفُهَا وَيُظۡهِرُهَا اِلَّا هُوَ كَقَوۡلِهٖ لَا يُجَلِّيۡهَا لِوَقۡتِهَا اِلَّا هُوَ اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَيِ الۡقُرۡاٰنِ تَعۡجَبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ تَكۡذِيۡبًا وَتَضۡحَكُوۡنَ اِسۡتِهۡزَاءً وَلَا تَبۡكُوۡنَ ﴿۶۰﴾ لِسَمَاعِ وَعۡدِهٖ وَوَعِيۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ ﴿۶۱﴾ لَاهُوۡنَ غَافِلُوۡنَ عَمَّا يُطۡلَبُ مِنۡكُمۡ فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ وَاعۡبُدُوۡا ﴿۶۲﴾ وَلَا تَسۡجُدُوۡا لِلۡاَصۡنَامِ وَلَا تَعۡبُدُوۡهَا۔

ترجمہ: ....تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے روگردانی کی (ایمان سے یعنی مرتد ہوگیا عار دلانے پر جب اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو عار دلانے والے نے یہ کہہ کر اپنا ذمہ لے لیا کہ اگر تو شرک کی طرف واپس آگیا تو عذاب الٰہی کا میں ذمہ دار ہوں اور اس کو مالی عطیہ بھی دیا اور وہ مرتد ہوگیا) اور تھوڑا سا (مقرر کردہ) مال دیا اور روک لیا (باقی مال نہیں دیا۔ اکدی، کدیہ سے ماخوذ ہے۔ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس میں کنواں کھودتے ہوئے پتھر آڑے آجائے) کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جانتا ہے کہ منجملہ اس کے یہ بھی کہ دوسرے کے عذاب کا ذمہ لے سکتا ہے؟ یہ بات نہیں ہے۔ ولید بن مغیرہ یا کوئی دوسرا مراد ہے اور جملہ عندہ وہ مفعول ثانی ہے رأیت بمعنی اخبرنی کا) کیا (بلکہ) اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے (تورات کے اسفار یا اس سے پہلے صحیفے مراد ہیں) اور نیز ابراہیم کے (صحیفے) جنہوں نے فرمانبرداری پوری کی (جو ان کو حکم دیا گیا اس کو بجالائے ور جب ان کا آزمائشوں میں امتحان لیا گیا تو اس

میں کامیاب رہے۔ ما کا بیان آگے ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا (ان مخففہ ہے یعنی کوئی بھی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (بھلائی میں سے پس دوسرے کی بھلائی کی جدوجہد اس کو نہیں ملے گی) اور یہ کہ انسان کی سعی ہے جلد دیکھی جائے گی (آخرت میں نظر آجائے گی) پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا (مکمل طریقہ پر کہا جاتا ہے جزیتہ بمعنی سعیه یسعیه) اور یہ کہ (ان فتحہ کے ساتھ معطوف ہے اور کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ یہی صورت بعد کے جملہ کی ہے البتہ دوسری صورت میں مضمون جملہ صحف کا نہیں رہے گا) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے (مرنے کے بعد وہی ٹھکانہ ہے لہٰذا وہی ان کو بدلہ دے گا) اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے (جس کو چاہتا ہے خوش کرتا ہے اور رلاتا ہے، جسے چاہتا ہے رنجیدہ کر دیتا ہے) اور یہ کہ وہی مارتا ہے (دنیا میں) اور جلاتا ہے (قیامت میں) اور یہ کہ وہی جوڑوں (قسموں) کو نر و مادہ کو نطفہ (منی) سے بناتا ہے جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے پیدا کرنا (مد اور کسر کے ساتھ) دوبارہ (پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد قیامت کے لئے دوبارہ پیدا کرنا) اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے (لوگوں کو کافی مال دے کر) اور سرمایہ باقی رکھتا ہے (سرمایہ داری کے لئے مال عطا فرماتا ہے) اور یہ کہ وہی مالک ہے شعریٰ کا بھی (برج جوزا کے پیچھے ستارہ کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جس کی پرستش ہوا کرتی تھی) اور یہ کہ اسی نے قوم عاد کو ہلاک کیا (ایک قراءت میں دال کی تنوین کا لام میں ادغام کیا گیا ہے اور لام کا ضمہ بغیر ہمزہ کے۔ یہ قوم ہود ہے اور "عاد اخری" قوم صالح ہے) اور ثمود کو بھی (منصرف ہے قوم کے باپ کا نام اور غیر منصرف ہوتے ہوئے قبیلہ کا نام ہے اس کا عطف عاد پر ہے) کہ کسی کو (ان میں سے) باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو (یعنی عاد و ثمود سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کر ڈالا) بلاشبہ وہ سب سے بڑھ کر ظالم و شریر تھے (قوم عاد و ثمود سے بڑھ کر، کیونکہ ساڑھے نو سو سال حضرت نوح ان میں رہے۔ مگر کفر کے ساتھ ان کو ستایا بھی اور مارا بھی) اور (قوم لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا (آسمان پر لے جا کر زمین پر پلٹ اور پٹک دیا حکم الٰہی سے جبرئیل نے) پھر گھیر لیا اس بستی کو (پتھراؤ نے اس کے بعد) جس چیز نے گھیر لیا (دہشتناک بنانے کے لئے اس کو مبہم ذکر کیا گیا ہے اور سورۂ ہود میں ہے فجعلنا عالیها سافلها و امطرنا علیها حجارۃ من سجیل سو تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں (جو اس کی وحدانیت و قدرت پر دلالت کرنے والی ہیں) شک کرتا رہے گا (اے انسان شبہ یا تکذیب کرتا رہے گا) یہ (محمد ﷺ) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (انہی کی جنس سے منجملہ پہلے رسولوں کے ہیں جس طرح اپنی وہ قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی تمہارے لئے آئے) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آپہنچی ہے (قیامت نزدیک آگئی) کوئی (نفس) اللہ کے علاوہ اس کا ہٹانے والا نہیں ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی اور نہ اس کو لا سکتا ہے اور نہ ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ لا یجلیها لوقتها الا هو فرمایا گیا) سو کیا تم لوگ اس کلام (قرآن) کے بارے میں تعجب کرتے ہو (جھٹلاتے ہو) اور ہنستے ہو (مذاق کرتے ہوئے) اور روتے نہیں (اس کے وعدہ وعید سن کر) اور تم تکبر کرتے ہو (تم سے جو کچھ چاہا جاتا ہے اس سے ہچر مچر اور غفلت برتتے ہو) سو اللہ کے سامنے سجدہ کرو (جس نے تمہیں پیدا کیا ہے) اور عبادت کرو (بتوں کو نہ سجدہ کرو اور نہ ان کی پرستش کرو)۔

تحقیق وترکیب:

صحف موسیٰ ۔ چونکہ تورات زیادہ مشہور ہے اس لئے صحف موسیٰ کو صحف ابراہیم سے پہلے بیان فرمایا۔

الا تزر ۔ یعنی یہ محل جر میں ہے بما کے ما سے بدل ہونے کی وجہ سے اور مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع بھی ہو سکتا ہے ای ذلک الاتزر اور فعل مضمر کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں ان مخففہ ہے اور ضمیر شان محذوف اسم ہے اور جملہ منفیہ خبر ہے۔ اور یہ آیت حدیث مسلم من سن سنة سيئة فله وزرها ووزر من عمل بها کے خلاف نہیں ہے کیونکہ برائی کا بانی، برائی کا سبب اور باعث بنا۔ یہ خود اس کا فعل ہے جس کی ذمہ داری اسی پر ہے گویا برائی کرنے والا اپنے حقیقی عمل میں پکڑا جائے گا اور برائی پر آمادہ کرنے والا اپنے عمل کی پاداش میں پکڑا جائے گا۔

لیس للانسان ۔ اس میں دوسرے کے نیک عمل کے نفع سے نفی کی جارہی ہے اس طرح کہ برائی کرنے والا دوسرے کی نیکی کی وجہ سے اپنی کی ہوئی برائی کے نقصان سے بچ جائے۔ رہا کسی کی شناخت کی وجہ سے یا مردوں کو زندہ کی، دعا، استغفار، صدقات وغیرہ کے ذریعہ نفع ہونا وہ اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں ایمان اور نفس عمل کا ہونا شرط ہے پس ایمان وصلاح ہی کو اصل نفع بخش کہا جائے گا۔ دوسرے کی نیکی اسی کے ساتھ ملحق کی جائے گی۔ گویا نیکی کرنے والا جس کی نیت سے نیکی کررہا ہے اسی کا نائب سمجھا جائے گا۔ اس لئے حقیقۃً تو یہ عمل نسبت کنندہ کا ہوگا ہوگا اور حکماً دوسرے کا۔ اس طرح ایک عمل کے دورخ ہونے کی وجہ سے دونوں کو فائدہ ہوگا اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت دوسری آیت والذین اٰمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم کی وجہ سے منسوخ ہے۔

اور بعض کے نزدیک یہ حکم شرائع سابقہ کا تھا اب نہیں ہے۔ اور بعض "للانسان" کے لام کو علیٰ کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور بعض اس حکم کو کفار کے ساتھ خاص کہتے ہیں۔

اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ دوسروں کی نیکی سے نفع ہونا از روئے فضل ہے نہ کہ از روئے عدل، صدقات وحج کے ایصال ثواب میں تو سب کا اتفاق ہے۔ لیکن قرآن کے ایصال ثواب میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں تلاوت کے بعد یہ دعا کرنی چاہیے۔ اللهم انی وهبت ثواب ما قرات لفلان اللهم فاوصله له نماز روزہ میں یہ حکم جاری نہیں ہوگا ابوداؤد کی راویت من مات و علیه صیام صام عنه ولیه کی نسبت امام طحاوی۔ شرح الاثار میں کہتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

اور بعض حضرات روایت ابوداؤد میں یہ توجیہ کرتے کہ ہیں کہ صیام سے مراد طعام ہے۔ اور صاحب ہدایہ یہ فرماتے ہیں۔ للانسان جعل ثواب عمله لغیره ولو صلوٰة او صوماً وهو مذهب اهل السنة ۔ غالباً اہل سنت سے امام اعظم وغیرہ احناف مراد ہوں گے۔ ورنہ بقول نوویؒ وغیرہ امام مالک، امام شافعیؒ اجازت نہیں دیتے۔

الجزاء الاوفی ۔ منصوب بنزع الخافض ہے اور مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ جزی متعدی بنفسہ آتا ہے اور متعدی بحرف الجر بھی۔

وان الیٰ ربك ، ان کے مکسور ہونے کی صورت میں آئندہ جملے "صحف اول" کے نہیں ہوں گے۔ صرف سابقہ تین جملے "صحف اول" کے ہوں گے۔ جملہ ان الیٰ ربک الخ دلیل ہے۔ ثم یجزاه کی۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ سب چیزوں میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے مخاطب عام انسان ہیں یا خصوصیت سے آنحضرت ﷺ ہیں قراءت کسرہ کی صورت میں۔ لیکن قراءت فتحہ کی تقدیر پر ہر عاقل مخاطب ہوگا یا موسیٰ علیہما السلام ہوں گے۔

هو اضحك ۔ یعنی اللہ نے رونے ہنسنے کو پیدا کیا یا فرحت وحزن کو پیدا کیا یا مسلمانوں کو آخرت میں عطیات سے خوش کردے گا اور دنیا میں تکلیف سے ملول کرتا ہے۔

وانه خلق الزوجین ۔ یہاں انه هو اضحك کی طرح ضمیر فصل نہیں لائی گئی کیونکہ ہنسانے رلانے جلانے مارنے وغیرہ میں تو مخلوق کا دخل ہونے کا تو ہم تھا اس کے ازالہ کے لئے ضمیر فصل لائی گئی بخلاف نر و مادہ کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے کے انہیں یہ ایہام نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

ربُّ الشعریٰ ۔ اس ستارہ پرستی کی داغ بیل سب سے پہلے ابوکبشہ نامی ایک شخص نے ڈالی تھی۔

وثمودا ۔ ایک سبب کی وجہ سے منصرف ہے اور عاصمؒ حمزہؒ کے نزدیک غیر منصرف ہے علمیت اور تانیث کی وجہ سے۔

عاد ن الاولیٰ ۔ اولیٰ کے معنی اگر قدیم کے لئے جائیں تو پھر اخریٰ کے مقابل ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور فما ابقی اگر عام ہے تو سارے ثمود

ہوں گے ورنہ صرف کفار تباہ ہوئے ہوں گے۔

انھم کانوا ۔صرف قوم نوح کی طرف ضمیر راجع ہے یا تینوں اقوام کی طرف اور ھم ضمیر فصل ہے یا تاکید کے لئے ہے۔ بدل ماننا بعید ہے۔ اظلم کا مفضل علیہ محذوف ہے پہلی صورت میں من عاد وثمود ہوگا اور دوسری صورت میں من غیرھم ہوگا۔

والمؤتفکة ۔یہ منصوب ہے اھوی کی وجہ سے بستیوں کو اس لئے کہا کہ اہل بستی پلٹ دیئے گئے تھے فواصل کی رعایت کی وجہ سے موتفکة کو عامل سے مقدم کیا گیا ہے۔

ما غشی ۔اس میں ما اوحی کی طرح ابہام ہے۔ تفعیل اگر تعدیہ کے لئے مانا جائے تو اس کو مفعول ثانی کہا جائے گا۔ اور مبالغہ اور تکثیر کے لئے کہا جائے تو فغشیھم من الیم ما غشیھم کی طرح ما کو فاعل کہا جائے گا۔ مبہم لانے میں مبالغہ مقصود ہے۔ آیت ہود کے قریب آیت حجر بھی ہے۔فجعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھم۔

تتماری. مفسرؒ نے تشک سے اشارہ کیا ہے تفاعل میں تعدد فاعل نہیں ہے۔ اور تکذب کہہ کر ابن عباسؓ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے یہی معنی لئے ہیں۔یعنی مزید کی بجائے مجرد کا ترجمہ کیا ہے۔

کاشفة ۔یہ مصدر بھی ہوسکتا عافیہ، عاقبہ، خائنہ کی طرح اور صفت بھی بن سکتا ہے۔ اس وقت اس میں تانیث ہوگی ۔مفسرؒ نے نفس سے اس کے موصوف محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس میں تا کو مبالغہ کے لئے کہا جاسکتا ہے۔ علامة، نسابة کی طرح اور یہاں کشف الشیء کے معنی عرف حقیقة کے ہیں اور یا کشف الضر سے ہے بمعنی ازالہ کرنا یعنی اللہ کے علاوہ کوئی اس سے بچا نہیں سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ اس نے طے کردیا ہے اس لئے اس کا ہونا ناگزیر ہے۔

انتم سامدون ۔جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور حال بھی۔ سمود کے معنی اعراض کے ہیں یا لہو کے یا خمود یعنی بجھنے کے یا بمعنی استکبار ہے اور ابو عبیدہ کی رائے ہے کہ لغت حمیر میں سمود کے معنی غنا کے ہیں کہا جاتا ہے یا جاریة اسمدی لنا یعنی گانا گا۔

امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ سامد کے معنی الاھی الرافع راسہ کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بعیر سامد فی سیرہ اور سمد راسہ وجسدہ بولا جاتا ہے یعنی بال صاف ہوگئے۔ کفار قرات قرآن کے وقت گانے بجانے سے لوگوں کو پرچایا کرتے تھے۔

ابن عباسؓ سمود کے معنی لہو کے لیتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ دع عنک سمودک ای لھوک ۔اور عکرمہ قبیلہ حمیر کے لغت میں غنا کے معنی لیتے ہیں اور ضحاکؒ وغیرہ پتھروں کے معنی لیتے ہیں۔

ربط آیات:...... پچھلی آیت الذین اساء وا اور الذین احسنوا میں بروں اور اچھوں کا اجمالی بیان تھا پھر نیکوں کی کچھ تفصیل آگئی تھی۔ اب آیت افرایت الذی الخ سے بروں کی کچھ برائی ارشاد ہے۔ اسی ذیل میں پچھلی کتابوں اور شریعتوں کے حکمت ونصیحت آمیز مضامین نقل فرمائے جارہے ہیں۔

اس کے بعد آخری آیت ھذا نذیر الخ میں سورت کے مضامین، توحید، رسالت مجازات کا پھر مخلوط خلاصہ دہرادیا گیا ہے۔

شان نزول وروایات: ابن جریر نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ یا کوئی اور کافر مسلمان ہوگیا تو مشرکین نے آبائی مذہب چھوڑنے پر اس کو ملامت کی۔ ملامت سن کر ولید بولا کہ میں عذاب آخرت سے ڈرتا ہوں۔ ملامت گر کہنے لگا کہ اگر تو مجھے کچھ دے تو میں تیرا عذاب اپنے سر پر رکھ لوں گا۔ چنانچہ ولید نے کچھ دیا دلایا۔ مگر اس نے پھر اور مانگا۔ نہایت کشاکشی کے بعد اس نے کچھ دیا اور بقیہ رقم کی

دستاویز مع گواہوں کے لکھ دی۔ آیت افرایت الذی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔
آیت لا تزر الخ کے متعلق عکرمہ ابن عباسؓ سے نقل کر رہے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مجرم کی سزا اس کے باپ بیٹے متعلقین میں سے کسی کو دے دی جایا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم تشریف لائے تو انہوں نے اس غلط طریقہ کو بدلا یہ آیت اسی کا بیان ہے۔

﴿ تشریح ﴾ .... بقول روح المعانی نیز مجاہد وغیرہ سے یہی منقول ہے کہ ولید بن مغیرہ حضور ﷺ کی باتیں سن کر اسلام کی طرف مائل ہو چلا تھا اور قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے۔ ایک کافر بولا ایسا مت کر۔ اگر تجھے عذاب کا ڈر ہے تو مجھے اتنا مال دے دے میں سب اپنے سر لے لیتا ہوں۔ چنانچہ مغیرہ نے اس کی ایک قسط بھی ادا کر دی۔ مگر پھر باقی دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں اعطیٰ قلیلا و اکدیٰ کے معنی یہ ہوں گے کہ مغیرہ نے کچھ مال دیا اور پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ چنانچہ فدیہ بننے والے پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے اعندہ الخ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھ آیا کہ دوسرے کا عذاب بھگتنے تیار ہو گیا یا مالی فدیہ دینے والا دوسرے پر ٹال کر بے فکر ہو گیا اور سمجھ لیا کہ اس طرح چھوٹ جائے گا۔

آسمانی صحیفوں کی تعلیم: .... حالانکہ موسیٰ و ابراہیم کے صحیفوں میں یہ مضمون آچکا تھا کہ اللہ کے ہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، ہر ایک کو اپنی جوابدہی خود کرنی ہوگی۔ درمنثور کی روایت حضرت موسیٰ کو تورات کے علاوہ دس صحیفے عنایت ہونے کی ہے ان میں یہ ہدایت بھی تھی کہ آدمی جو کچھ کوشش کر کے کماتا ہے وہی اس کا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسروں کی نیکیاں لے اُڑے باقی خود کوئی اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو دے دے اور اللہ اسے منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل کتب حدیث وفقہ میں ہے۔
بہر حال ایک کی سعی اس کے سامنے رکھ دی جائے گی اور اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بعض محقق اکابر نے سعی سے سعی ایمانی مراد لی ہے یعنی اسلام وکفر کا تبادلہ نہیں ہوسکتا۔ البتہ اعمال حسنہ ایک دوسرے کے لئے مفید ہوں یہ ممکن ہے اس لئے اب اس آیت میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا وان الیٰ ربک المنتھیٰ۔ چونکہ سب علوم وافکار حتی کہ وجود کا سلسلہ اللہ ہی پر منتہی ہوگا اور سب کو آخر کار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ اس لئے وہیں سے ہر ایک کو نیکی بدی کا پھل ملے گا۔
وانہ خلق الزوجین۔ یعنی تمام متضاد متقابل احوال، خوشی ہو یا غم ہنسی ہو یا رونا، جینا ہو یا مرنا، نر ہو یا مادہ، خیر ہو یا شر سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ جس کے کمال صناعی اور عظیم قدرت کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اس نے ایک گندی بوند سے نر و مادہ پیدا کر دیئے۔ اسے دوبارہ پیدا کرنا کونسا مشکل ہے۔ یہاں تک انسان میں تصرفات الٰہی کا بیان ہے۔

انسان کی طرح اس کی ضروریات بھی اللہ کے تصرف میں ہیں: .... آیت وانہ ھو اغنی سے انسان کے متعلقات میں تصرف کا بیان ہے۔ چنانچہ کم سمجھ انسان مالی طاقت کے سامنے جس طرح ہتھیار ڈالتا ہے اسی طرح فلکی طاقت کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ گویا مال و دولت زمین کی طاقت ہے اور ستارے آسمانی قوت، اس آیت میں بتلا دیا کہ ان دونوں کا سرچشمہ بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔ دھن دولت ہو یا زمین جائیداد سب اسی کی دی ہوئی ہیں۔ اور بعض نے اقنیٰ کے معنی افقر یعنی محتاج ہونے کے لئے ہیں۔ غرض امیر بنانا بھی اسی کا کام ہے۔ پس یہ دونوں وصف بھی منجملہ پہلے متقابلات کے ہو گئے لیکن اگر اقنیٰ کو اغنیٰ کے ہم معنی کہا جائے تو پھر اس کا مقابل آگے وانہ اھلک الخ آرہا ہے۔ یعنی وہی مال و دولت دیکر بڑھاتا بھی ہے اور وہی بڑی بڑی دولت چھین کر مٹاتا ہے اور گھٹاتا بھی ہے۔ شعریٰ جیسا عظیم ستارہ بھی ایک غریب مزدور کی طرح اسی کا بیگاری بنا ہوا ہے۔
فبأی آلاء ربک۔ ایسے ظالم فسادیوں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر انسان اپنے رب کو

جھٹلاتا رہے گا۔ بظاہر یہ سب مضامین ابراہیم وموسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں مشترک معلوم ہوتے ہیں۔ خواہ ہر ایک میں یا مجموعہ میں، اجمالاً ہوں یا کلیاً ہوں یا تفصیلاً اور جزئیاً۔ لیکن اگر یہ ثابت نہ ہو تو پھر جو مضمون ان صحیفوں کے علاوہ ہوگا۔ وہاں سے پہلے الامر مقدر مان لیا جائے گا۔ اور یہ مضامین نقل ہونے کے علاوہ چونکہ عقلی بھی ہیں اس لئے مشرکین پر حجت ہیں اور حضرت ابراہیم سب کے مسلمہ مقتدا ہیں۔ اور موسیٰ کو یہود مقتداء مانتے ہیں۔ اس لئے حجت ہونے میں ان کی تخصیص بھی مناسب ہے۔

آنحضرت ﷺ کی آمد قیامت کی آمد کا مقدمہ ہے: ...... ھذا نذیر۔ پچھلے انبیاء کی طرح آنحضرت ﷺ بھی مجرموں کو ان کے انجام سے برابر ڈرا رہے ہیں اور آپ کی تشریف آوری مقدمہ ہے قیامت کا بس۔ سمجھو کہ قیامت بھی اب آ ہی گئی۔ اس کی تعیین تو اللہ کو معلوم ہے، مگر جب ٹھیک وقت آجائے گا تو پھر کوئی دوسری طاقت اسے ٹال بھی نہیں سکتی۔ قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر تو انہیں مارے خوف کے رونا دھونا چاہیے تھا اور تیاری کی فکر میں لگ جانا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ ہو یہ رہا ہے کہ ہنسنے میں لگے ہوئے ہیں اور نہایت بے فکری سے غافل ہو کر قلانچیں بھر رہے ہیں۔ حالانکہ نصیحت وفہمائش کی باتوں پر ہنسنے اور مذاق اڑانے کا کیا موقعہ؟ ان پر یہ تو لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کریں اور مطیع وفرمانبردار ہو کر جبین نیاز خداوند قہار کے آگے جھکا دیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ سورہ نجم پڑھ کر آپ نے سجدہ کیا اور ساتھ ہی سب مسلمان اور مشرک جو حاضر مجلس تھے، سجدہ میں گر پڑے سب کو ایک غاشیہ الٰہی نے گھیر لیا اور غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً و کرہاً سب کو سربسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بد بخت جس کے دل پر قساوت کی مہر تھی اس نے سجدہ نہیں کیا اور زمین سے تھوڑی سے مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی کو لگالی اور کہنے لگا کہ مجھے اس قدر کافی ہے۔

لطائف سلوک: .... لیس للانسان الخ کے ذیل میں روح المعانی میں ہے۔ **والتحریر عندی فی ھذہ الایۃ ان ملاک المعنی ھو اللام من قولہ سبحانہ للانسان فاذا حققت الشیئ الذی حق الانسان ان یقول فیہ لی کذا، لم تجدہ الا سعیہ وما یکون من رحمۃ بشفاعۃ او رعایۃ صالح او ابن صالح او تضعیف حسنات او نحو ذلک فلیس ھو للانسان ولا یسعہ ان یقول لی کذا و کذا الا علیٰ تجوز والحاق بما ھو حقیقۃ . انتھی ۔**

حاصل یہ ہے کہ عمل سے اصل مقصود حق تعالیٰ کا قرب ہے اور وہ بلا عمل کے کسی کی برکت سے نہیں ہوتا اور اللہ کے فضل سے عنایت ہو جانا اور بات یہ ہے کیونکہ یہاں تو حصر اضافی ہے۔ **وان الیٰ ربک المنتھیٰ** کے معنی بعض نے یہ بیان کئے ہیں کہ تمام افکار وتصورات کا منتہی حق تعالیٰ ہیں مخلوق میں نظر وفکر کی سیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن خالق پر پہنچ کر سیر رک جاتی ہے۔ آگے مجال نہیں چنانچہ ابی ابن کعب آنحضرت ﷺ سے اس کے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ **لا نکرۃ فی الرب۔**

سفیان ثوری آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ **اذا ذا الرب فانتھوا۔**

ابن ماجہ ابن عباسؓ سے ناقل ہیں **مر النبی ﷺ علی قوم یتفکرون فی اللہ فقال تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق فانکم لن تقدروا ۔**

ابوذر فرماتے ہیں۔ **قال رسول ﷺ تفکروا فی خلق اللہ ولاتفکروا فیّ فتھلکوا** ، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت بالکنہ محال ہے۔ اکثر دلائل نقلیہ سے اس کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

سُورَةُ الْقَمَرِ

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ الْآيَةَ وَهِيَ خَمْسٌ وَّ خَمْسُوْنَ آيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قَرُبَتِ الْقِيَامَةُ **وَانْشَقَّ الْقَمَرُ** ﴿۱﴾ اِنْفَلَقَ فِلْقَتَيْنِ عَلٰى اَبِي قُبَيْسٍ وَقُعَيْقِعَانَ اٰيَةً لَّهُ ﷺ وَقَدْ سُئِلَهَا فَقَالَ اشْهَدُوْا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **وَاِنْ يَّرَوْا** اَيْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ اٰيَةً مُّعْجِزَةً لَّهُ ﷺ كَانْشِقَاقِ الْقَمَرِ **يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا** هٰذَا **سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ** ﴿۲﴾ قَوِيٌّ مِّنَ الْمِرَّةِ الْقُوَّةِ اَوْ دَائِمٌ **وَكَذَّبُوْا** النَّبِيَّ ﷺ **وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ** فِي الْبَاطِلِ **وَكُلُّ اَمْرٍ** مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ **مُّسْتَقِرٌّ** ﴿۳﴾ بِاَهْلِهٖ فِي الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ** اَخْبَارِ هَلَاكِ الْاُمَمِ الْمُكَذِّبَةِ رُسُلَهُمْ **مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ** ﴿۴﴾ لَّهُمْ اِسْمُ مَصْدَرٍ اَوْ اِسْمُ مَكَانٍ وَالدَّالُ بَدَلٌ مِّنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ وَازْدَجَرْتُهٗ وَزَجَرْتُهٗ نَهَيْتُهٗ بِغِلْظَةٍ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ اَوْ مَوْصُوْفَةٌ **حِكْمَةٌ** خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَّحْذُوْفٍ اَوْ بَدَلٌ مِّنْ مَا اَوْ مِنْ مُّزْدَجَرٍ **بَالِغَةٌ** تَامَّةٌ **فَمَا تُغْنِ** تَنْفَعُ فِيْهِمُ **النُّذُرُ** ﴿۵﴾ جَمْعُ نَذِيْرٍ بِمَعْنٰى مُنْذِرٍ اَيِ الْاُمُوْرُ الْمُنْذِرَةُ لَهُمْ وَمَا لِلنَّفْيِ اَوْ لِلْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ وَهِيَ عَلَى الثَّانِيْ مَفْعُوْلٌ مُّقَدَّمٌ **فَتَوَلَّ عَنْهُمْ** هُوَ فَائِدَةٌ مَا قَبْلَهٗ وَبِهٖ تَمَّ الْكَلَامُ **يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ** هُوَ اِسْرَافِيْلُ وَنَاصِبُ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ بَعْدُ **اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ** ﴿۶﴾ بِضَمِّ الْكَافِ وَسُكُوْنِهَا اَيْ مُنْكَرٍ تُنْكِرُهُ النُّفُوْسُ لِشِدَّتِهٖ وَهُوَ الْحِسَابُ **خَاشِعًا** ذَلِيْلًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ خُشَّعًا بِضَمِّ الْخَاءِ وَفَتْحِ الشِّيْنِ مُشَدَّدَةً **اَبْصَارُهُمْ** حَالٌ مِّنْ فَاعِلِ **يَخْرُجُوْنَ** اَيِ النَّاسُ **مِنَ الْاَجْدَاثِ** الْقُبُوْرِ **كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ** ﴿۷﴾ لَا يَدْرُوْنَ اَيْنَ يَذْهَبُوْنَ مِنَ الْخَوْفِ وَالْحَيْرَةِ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ فَاعِلِ يَخْرُجُوْنَ وَكَذَا قَوْلُهٗ **مُّهْطِعِيْنَ** اَيْ مُسْرِعِيْنَ مَادِّيْ اَعْنَاقِهِمْ **اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ** مِنْهُمْ **هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ** ﴿۸﴾ اَيْ صَعْبٌ عَلَى الْكَافِرِيْنَ كَمَا فِي الْمُدَّثِّرِ يَوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ** قَبْلَ قُرَيْشٍ **قَوْمُ نُوْحٍ** تَانِيْثُ الْفِعْلِ لِمَعْنٰى قَوْمٍ **فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا** نُوْحًا **وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ** ﴿۹﴾ اَيِ انْتَهَرُوْهُ بِالسَّبِّ وَغَيْرِهٖ **فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ** بِالْفَتْحِ اَيْ بِاَنِّيْ **مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ** ﴿۱۰﴾ **فَفَتَحْنَا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ** ﴿۱۱﴾ مُنْصَبٍّ اِنْصِبَابًا شَدِيْدًا

وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا تنبع **فَالْتَقَى الْمَآءُ** ماء السماء والارض **عَلٰٓى اَمْرٍ** حال **قَدْ قُدِرَ** ﴿۱۲﴾ به في الازل وهو هلاكهم غرقا **وَحَمَلْنٰهُ** اى نوحا **عَلٰى** سفينة **ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ** ﴿۱۳﴾ وهي ما تشد به الالواح من المسامير وغيرها واحدها دسار ككتاب **تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا** بمرأى منا اى محفوظة بحفظنا **جَزَآءً** منصوب بفعل مقدر اى اغرقوا انتصارا **لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ** ﴿۱۴﴾ وهو نوح عليه السلام وقرئ كفر بناء للفاعل اى اغرقوا عقابا لهم **وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا** اى ابقينا هذه الفعلة **اٰيَةً** لمن يعتبربها اى شاع خبرها واستمر **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۱۵﴾ معتبر ومتعظ بها واصله مذتكر ابدلت التاء دالا مهملة وكذا المعجمة وادغمت فيها **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ** ﴿۱۶﴾ اى انذارى استفهام تقرير وكيف خبر كان وهي للسؤال عن الحال والمعنى حمل المخاطبين على الاقرار بوقوع عذابه تعالى بالمكذبين بنوح موقعه **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ** سهلناه للحفظ او هيأناه للتذكر **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۱۷﴾ متعظ به وحافظ له والاستفهام بمعنى الامر اى احفظوه واتعظوه وليس يحفظ من كتب الله عن ظهر القلب غيره **كَذَّبَتْ عَادٌ** نبيهم هودا فعذبوا **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ** ﴿۱۸﴾ اى انذارى لهم بالعذاب قبل نزوله اى وقع موقعه وبينه بقوله **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا** اى شديدة الصوت **فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ** شؤم **مُّسْتَمِرٍّ** ﴿۱۹﴾ دائم الشؤم او قوية وكان يوم الاربعاء اخر الشهر **تَنْزِعُ النَّاسَ** تقلعهم من حفر الارض المندسين فيها وتصرعهم على رء وسهم فتدق رقابهم فتبين الرأس عن الجسد **كَاَنَّهُمْ** وحالهم ما ذكر **اَعْجَازُ** اصول **نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ** ﴿۲۰﴾ منقلع ساقط على الارض وشبهوا بالنخل لطولهم وذكرها وانث في الحاقة نخل خاوية مراعاة للفواصل في الموضعين **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ** ﴿۲۱﴾ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۲۲﴾

ع ۸/۲۲

ترجمہ:.........سورۂ قمر بجز آیت سیھزم الجمع کے مکیہ ہے۔اس میں ۵۵ آیات ہیں۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔قیامت نزدیک آپہنچی (قریب آ گئی) اور چاند شق ہوگیا (ابی قبیس اور قعیقعان دو پہاڑوں پر دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہوگیا۔یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ شیخین کی روایت کے مطابق ظہور پذیر ہوا۔جس کی فرمائش کفار نے کی تھی۔آپ نے فرمایا (دیکھ لو) اور یہ لوگ کفار قریش اگر کوئی معجزہ (آنحضرت ﷺ کی نشانی جیسے شق قمر) دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ زبردست جادو ہے (مضبوط مستمرہ مرۃ سے ماخوذ ہے قوی یا دائمی کے معنی ہیں اور (آنحضرت ﷺ کو) جھٹلاتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی (غلط باتوں میں) پیروی کرتے ہیں اور (خیر و شر میں سے) ہر بات کو قرار آ جاتا ہے (اہل خیر و شر کے ساتھ جنت یا دوزخ میں) اور ان لوگوں کے پاس خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں (پیغمبروں کو جھٹلانے والی قوموں کی تباہی کی اطلاعات) کہ ان میں عبرت ہے ان کے لئے مزدجر اسم مصدر یا اسم مکان ہے اس میں دال افتعال تاء سے تبدیل ہوگئی۔ازدجرته زجرته کے معنی ہیں۔میں نے اس کو سختی سے ڈانٹ دیا۔اور ما موصولہ یا موصوفہ ہے) دانشمندی (مبتدائے محذوف کی خبر ہے یا ما سے یا

مزدجر سے بدل ہے) اعلیٰ درجہ کی (مکمل) سوان کو کوئی فائدہ (نفع) ہی نہیں دیتیں۔ خوف دلانے والی چیزیں (نظر نظیر) کی جمع ہے بمعنی منذر ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔ ما نفی کے لئے ہے یا استفہام انکاری کے لئے ہے دوسری صورت میں یہ خبر مقدم ہے تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (یہ پہلے مضمون کا خلاصہ ہے اور یہاں کلام پورا ہو گیا) جس روز ایک بلانے والا (اسرافیل مراد ہیں یوم کا ناصب آگے یخرجون آرہا ہے) ایک ناگوار چیز کی طرف جس روز بلائیگا (نکر ضمہ کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے یعنی ایسی بری چیز جس کی شدت سے طبیعتیں گھبراتی ہیں حساب مراد ہے) جھکی ہوئی ہوں گی (پست اور ایک قراءت میں خشعا ضمہ خا اور فتحہ شین مشدد کے ساتھ ہے) ان کی آنکھیں (یہ حال ہے یخرجون کے فاعل سے) نکل رہے ہوں گے (لوگ) قبروں سے اس طرح جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے (دہشت و حیرت کے مارے یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ کہاں جائیں۔ یہ جملہ یخرجون کے فاعل سے حال ہے اور ایسے ہی اگلا جملہ بھی) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (گردن اٹھا کر بھاگ رہے ہوں گے) بلانے والے کی طرف کافر پکارتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے (کافروں پر دشوار جیسا کہ سورۃ مدثر میں ہے یوم عسیر علی الکافرین ان (قریش) سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی (فعل کا مونث ہونا معنی قوم کی وجہ سے ہے) یعنی انہوں نے ہمارے بندہ (نوح) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور نوح کو دھمکی دی (گالیاں وغیرہ دے کر ڈانٹا) تو نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (انی فتحہ ہمزہ کے ساتھ یعنی بانی ہے) عاجز ہوں سو آپ انتقام لے لیجئے چنانچہ ہم نے کھول دیئے (تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) آسمان کے دروازے برسنے والے پانی سے (جو موسلا دھار برسا) اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے (جو ابل رہے تھے) پھر (آسمان زمین کا) پانی اس کام کے لئے (جو حال ہے) مل گیا جو تجویز ہو چکا تھا (ازل میں ان کی تباہی غرقاب ہونے کی صورت میں) اور ہم نے (نوح کو کشتی پر سوار کر دیا جو تختوں اور میخوں والی تھی (دسر کیل وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے تختے وغیرہ جوڑے جاتے ہیں اس کا مفرد کتاب کے وزن پر دسار ہے) جو ہماری نگرانی میں رواں تھی (ہماری حفاظت میں محفوظ تھی) بدلہ لینے کے لئے (فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اغرقوا انتصاراً) اس شخص کا جس کی ناقدری کی گئی (یعنی نوح علیہ السلام اور ایک قرات کفر فعل معروف کی ہے یعنی سب ڈبو دیئے گئے اپنے کفر کی سزا میں) اور ہم نے اس واقعہ کو رہنے دیا (اس قصہ کو باقی رکھا) عبرت کے لئے (جو شخص اس سے عبرت حاصل کرے یعنی یہ خبر سب میں پھیل گئی اور چلتی رہی) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (جو اس سے سبق لے، مدکر کی اصل مذتکر تھی تا کو دال مہملہ یا معجمہ سے بدل کر ادغام کر دیا گیا ہے) پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ استفہام تقریر کے لئے ہے اور کیف کان کی خبر ہے جو حال در یافت کرنے کے لئے ہے جس کا حاصل مخاطبین کو اقرار پر آمادہ کرنا ہے کہ نوح کے جھٹلانے والوں کو عذاب برموقعہ ہوا ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے لئے آسان کر دیا (محفوظ کرنے کے لئے سہل بنا دیا، یا نصیحت کے لئے مہیا کر دیا) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ جو اس سے سبق لے اور اس کو محفوظ کر لے، استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی اس کو یاد کر لو اور اس سے سبق لو۔ کتب الہیہ میں واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ کوئی کتاب جان و دل سے محفوظ نہیں رہی) قوم عاد نے تکذیب کی (اپنے پیغمبر ہود کی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے میرا ان کو ڈرانا یعنی برمحل عذاب آیا۔ جیسا کہ آگے فرمایا) ہم نے ان پر ایک تیز و تند ہوا بھیجی (جس کا شور ہولناک تھا) ایک دائمی نحوست کے دن (جس کی نحوست مسلسل رہی یا قوی ہونا مراد ہے بے شبہ قوی بدلہ تھا) وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ پچھاڑ کر کے پھینکتی تھی (زمین کی تلی سے اکھاڑ کر پھر وہیں پٹک دیتی تھی اور سروں کے بل ان کو پچھاڑ دے رہی تھی جس سے ان کی گردنیں ٹوٹ ٹوٹ کر دھڑوں سے الگ جا پڑتی تھیں) اس طرح کہ گویا وہ (درانحالیکہ ان کی کیفیت بیان ہو چکی) جڑیں (تنے) میں اکھڑی ہوئی کھجوروں کی (جو زمین پر اکھڑ کر آ رہیں۔ لمبے تڑنگے ہونے میں ان کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہاں تو مذکر اور سورۃ حاقہ کی آیت نخل خاویہ مونث کے ساتھ تعبیر کرنے میں دونوں جگہ تو اصل آیات کی رعایت کی گئی ہے) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اور ہم نے قرآن کو

نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب:............اقتربت ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اقتربت مزید۔ قربت مجرد کے معنی میں ہے۔ مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے الساعة ، الحاقة ، واقعة ، قارعة ، یوم الجزاء ، یوم الدین ، یوم الجزاء وغیرہ قیامت کے نام ہیں۔ شق القمر قیامت کی علامت اس طرح ہے جیسے کہا جائے۔ اقبل الامیر وقد جاء المبشر بقدومه۔ چنانچہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے غار حرا کے دونوں جانب دو ٹکڑے دیکھے، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ قیامت کے روز شق قمر ہوگا۔

پہلی دوسری تاریخ کے چاند کو ہلال اور تیسری سے تیرھویں تک قمر کہتے ہیں اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے پھر بتدریج محاق شروع ہوجاتا ہے۔ فعاد کالعرجون القدیم۔

جبل ابوقبیس مکہ کا مشہور پہاڑ قبیلہ مدحج کے نام پر یہ موسوم ہے اس کے سامنے دوسرا پہاڑ قعیقعان بروزن زعیقران ہے۔ قبیلہ جرہم کے لوگ اس پر اپنے ہتھیار رکھتے تھے یہی وجہ تسمیہ ہے۔ قریش نے مطلقاً نشانی کی فرمائش کی تھی یا خاص شق قمر کی فرمائش کی تھی دونوں روایات ہیں

مستمر۔ استمرار کے معنی استحکام، دوام، اور قوی کرنے کے لئے آتے ہیں اور ختم ہوجانے کے معنی بھی آتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔ سحر مستمر محکم قوی او ذاهب صراح میں ہے مرۃ بمعنی قوۃ۔

مزدجر ۔ فیصلہ ہے اور یہ اس کا فاعل ہے یا مزدجر مبتداء اور فیہ خبر ہے۔

النذر ۔ جو حضرات فعیل بمعنی مفعل نہیں مانتے وہ نذیر بمعنی انذار کو مصدر کہتے ہیں۔ ما استفہامیہ ماننے کی صورت میں ما تغنی مفعول بہ یا مفعول مطلق مقدم ہوگا۔ ای شیء من الاشیا النافعة تغنی النذر یا ای اغناء تغنی النذر تقدیر عبارت ہوگی خاشعا۔

نکر ۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک سکون کاف کے ساتھ ہے۔

خاشعا ابصارهم ۔ ابوعمرؒ، حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک خاشعاً ہے اور باقی قراء کے نزدیک خشعا ہے۔ یخرجون کے فاعل سے حال ہے یا یدع کے مفعول محذوف سے حال مقدرہ ہے اور بقول قاضیؒ یہ ترکیب عمدہ ہے اگر چہ صورت بر جال قائمین غلمانهم عمدہ ترکیب نہیں ہے کیونکہ یہ مشابہ فعل صیغہ پر نہیں ہے۔ اس قراءت سے مبردؒ کے اس قوم کے تائید ہورہی ہے کہ جمع مکسر لانا اگر ممکن ہو تو وہ بمقابلہ مفرد کے بہتر ہوگی۔ چنانچہ مررت برجال قائم غلمانه کے مقابلہ میں مررت بر جال قیام غلمانه فصیح سمجھا جائے گا۔ لیکن جمہور مفرد کو ترجیح دیتے ہیں۔ زمخشریؒ کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے مطابق ہے جو اکلونی البراغیث بولتے ہیں۔ اس لئے خشعاً ضمیر ہم مان کر ابصارھم اس سے بدل جائے گا۔

کانهم جراد ۔ کثرت وانتشار میں تشبیہ ہے۔ چنانچہ لشکر عظیم کے بارہ میں کہا جاتا ہے جاء کالجراد، جراد اسم جنس ہے اسی لئے یہ جمع کی خبر ہوگی۔ رہا منتشر کو مفرد لانا وہ بلحاظ مفرد ہے۔ اس کی نظیر کالفراش المبثوث ہے ان دونوں آیات میں مردوں کے اٹھنے کو تشبیہ دی گئی ہے۔ پہلی آیت قمر میں کثرت وانتشار وجہ تشبیہ ہے اور آیت قارعہ میں تحیر وتداخل وجہ شبہ ہے۔

مهطعین ۔ امام راغبؒ اور اہل زبان کے استعمال سے مفسرؒ کی تائید ہورہی ہے۔ اصل میں گردن یا نگاہ اونچی کرنے کے معنی ہیں۔ جلدی کرنے اور نظر وتامل کرنے سے یہ کنایہ ہے۔

منهمر ۔ قاموس میں ہے۔ انهمر الماء بمعنی انسکب وسال الماء۔ حضرت علیؓ سے ابن الکوا نے جب منہمر کے معنی پوچھے تو فرمایا هی شرع الماء اسی لئے بولا جاسکتا ہے۔ فتحت السماء بماء منهمر امام بخاری نے ادب المفرد میں اس کو ذکر کیا ہے اور ابن منذرؒ نے ابن

عباس سے تخریج کی ہے کہ ماء ذلک من السحاب لا من السماء۔

عیونا ۔ یہ مفعول تھا تمیز بنا لیا۔ اصل عبارت فجرنا عیون الارض کلها تھی۔ جو فجرنا عیون الارض سے ابلغ ہے۔ گویا ساری زمین کو چشمہ بنا دیا۔ لیکن فاعل سے تمیز لانا اکثر ہوتا ہے۔ اس وقت حاصل عبارت انفجرت عیون الارض ہوگی۔ مفسر نے تتبع کہہ کر حاصل معنی کی طرف اور تمیز عن الفاعل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فالتقی الماء ۔ ماء اسم جنس ہونے کی وجہ سے دونوں پانیوں کو شامل ہے۔ نیز لفظ التقی بھی تعدد پر دلالت کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں ایک قراءت میں ماءان ہے جو اسی کا مؤید ہے۔

قد قدر ۔ مفسر نے ہے سے ام کے واحد ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔

دسر ۔ جمع دسار، فعال کے وزن پر اسم آلہ ہوتا ہے۔ جیسے لجام، اس کے معنی ٹھوکنے کے ہیں کیل کو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ زور سے ٹھوکی جاتی ہے۔ اس لفظ کی تفسیر مسامیر، اصلاح، حبال کے ساتھ کی جاتی ہے۔ مگر مفسرؒ نے عام معنی لئے جو سب کو شامل ہیں۔

کفر ۔ یہاں کفر سے ایمان کی ضد مراد نہیں ہے بلکہ کفران نعمت مراد ہے۔ نبی بھی امت کے لئے نعمت و رحمت ہوا کرتا ہے۔

جزاء ۔ مفسرؒ نے التقی الماء پر نظر کرتے ہوئے اغرقوا فعل مقدر نکالا ہے اور چونکہ اس کا نوحؑ کیلئے جزاء بننا درست نہیں تھا۔ اس لئے اس کی تعبیر انتصار کے ساتھ کر دی۔ دوسرے مفسرین نے فعلنا ذلک الا نجاء مانی ہے جس سے مراد غرق سے بچالینا ہے۔ پھر جزاء میں تاویل کی حاجت نہیں رہتی۔ اس کے بعد مفسرؒ نے عقابا کہا ہے اس صورت میں کفر سے مراد متعارف کفر ہوگا۔

ترکناھا ۔ ضمیر پورے واقعہ کی طرف ہوگی اور بعض نے کشتی کی طرف ضمیر راجع کی ہے جو ابتداء اسلام تک جودی پہاڑ پر محفوظ رہی۔ بلکہ دوسرے مقامات پر سیاح اب بھی نشان دہی کرتے ہیں۔

فکیف کان ۔ بظاہر کان ناقصہ ہے اور کیف خبر ہے استفہام کی وجہ سے مقدم کی گئی۔ لیکن تامہ بھی ہو سکتا ہے کیف منصوب حال یا ظرف ہو جائے گا۔

ونذر ۔ مفسرؒ نے انذاری کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ نذر کے مصدر ہونے کی طرف یائے مضاف الیہ محذوف ہوگی اور نذر ۔ نذیر کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔

یسرنا القران ۔ تورات حضرت موسیٰ، ہارون، یوشع بن نون، عزیر علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی بنی اسرائیل میں زبانی یاد نہیں تھی۔ دیکھ کر ناظرہ پڑھتے تھے۔ حفظ کرنا قرآنی خصوصیت ہے۔ اسی لئے حدیث قدسی ہے۔ وجعلت من امتک اقواما قلوبھم انا جیلھم اور سعید بن جبیرؒ سہل کرنے سے اختصار کلام اور الفاظ کی شیرینیت مراد لیتے ہیں۔

اعجاز ۔ عجز کی جمع اعجاز ہے جیسے عضد کی جمع اعضاد۔

منقعر ۔ قعر النخلة کے معنی کھجور کا تنا جڑ سے نکال دیا۔

ربط آیات: ...... پچھلی سورت کی اخیر آیت میں ازفت الازفة فرمایا گیا تھا جس سے قیامت کا قریب ہونا معلوم ہوا۔ اسی مضمون سے اس سورت کو شروع کر کے "شق قمر" کا واقعہ ارشاد فرمایا جو قیامت کی بڑی علامات میں سے ہے جس سے مضمون کی تاکید ہوگئی اگرچہ نہ ماننے والے بدستور اپنی ضد پر رہے جو یقیناً آپ کے لئے کلفت کا باعث بنی اسی لئے تسلی فرمائی گئی۔

آیت ولقد جاءھم من الانباء سے اجمالا اور پھر آیت کذبت قبلھم قوم نوح الخ سے تفصیلا بعض سرزنش آمیز واقعات کا ذکر ہے۔

شان نزول وروایات. اقتربت الساعة وانشق القمر کے سلسلہ میں شیخینؒ نے حضرت ابن مسعودؓ انسؓ اور زیدؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے غارحرا کو چاند کے دوٹکڑوں کے درمیان دیکھا اور ابونعیمؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ چاند کا آدھا حصہ صفا پر اور آدھا مروہ پر ہو گیا تھا اور ابن مسعودؓ سے ابوقبیس سے سوید پہاڑوں پر دونوں حصوں کا ہونا منقول ہے۔ البتہ مفسرؒ نے قعیقعان پہاڑ کا نام لیا ہے۔ بہر حال بقول ابن عباسؓ، ولیدؓ، ابوجہلؓ، عاص بن وائل، ابن ہشامؒ، اسود بن المطلب، نضر بن الحارث وغیرہ مشرکین جمع ہوئے اور آپ سے شق قمر کی فرمائش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان فعلت تو منوا لوگوں نے اقرار کرلیا۔ چودھویں شب کا واقعہ ہے۔ آپ نے دعا کی جو قبول ہوئی آپ نے فرمایایا ابا سلمة عبد الاسد والا رقم بن الارقم اشهدوا۔

اتنے صحابہؓ سے یہ واقعہ منقول ہے کہ علامہ سبکیؒ کو کہنا پڑا کہ عندی انها متواترۃ مفسرین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ہو چکا ہے۔ آیت وان یروا اية يعرضوا ويقولوا سحر مستمر سے بھی یہی معلوم ہورہا ہے۔ چنانچہ ابومسعود سے منقول ہے کہ انشق القمر على عهده فقالت قريش هذه سحر ابن ابى كبشة فقالوا انظروا ما يا تيكم به السفار فان محمد الا يستطيع ان يسحر الناس كلهم فى السفار فسالوهم فقالوا نعم رايناه غرض جمہور کے نزدیک قیامت میں اس کا ہونا مرادنہیں ہے۔ فى يوم نحس مستمر ۔۲۲ شوال بدھ کے روز یہ عذاب آیا۔ لیکن سورہ حاقہ کی آیت سخرها عليهم سبع ليال و ثمانية ايام حسوما اسی طرح دوسری آیت وارسلنا عليهم ريحا صر صرا فى ايام نحسات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ایک ہفتہ مسلسل یہ عذاب رہا۔ ممکن ہے بدھ سے شروع ہونا مراد ہو یا بدھ کو اختتام ہوا ہو۔ ابن مردویہؒ حضرت علی، جابر، عائشہ رضوان اللہ عنہم سے مرفوع روایت کے الفاظ يوم الاربعاء نحس مستمر ہیں۔ نیز ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں اخر اربعاء فى الشهر نحس مستمر .

اسی طرح انسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ سئل النبى ﷺ عن يوم الاربعاء قال نحس قيل و كيف ذلك يا رسول الله قال غرق الله فيه فرعون واهلك عادا و ثمود ۔

لیکن ابن کثیرؒ دونوں مذکورہ آیات کے پیش نظر اس نحوست کونہیں مانتے۔ کیونکہ اس صورت میں آیات وروایات دونوں کو سامنے رکھ کر کہنا پڑے گا کہ پورا ہفتہ بلکہ پورا زمانہ منحوس ہے۔ کیونکہ فی نفسہ تمام زمانہ کی حقیقت ایک ہے دوسرے کوئی زمانہ ہفتہ کے دنوں سے خالی نہیں ہوسکتا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ بدھ کو عذاب شروع ہو جانے کی وجہ سے یہ دن یا ہفتہ ان کے حق میں برا ہو گیا اور ایسی اضافی اچھائی برائی ظاہر ہے کہ ایک کے حق میں ایک حکم رکھتی ہے اور دوسرے کے حق میں دوسرا، پھر مطلقاً زمانہ پر نحوست کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

﴿تشریح﴾ .... ہجرت سے پہلے جب کہ آنحضرت ﷺ منیٰ میں تھے کفار کا مجمع بھی تھا۔ بخاری کی روایت میں ابن مسعودؓ اپنی موجودگی بھی صراحتہً بتلاتے ہیں۔ بعض روایات میں جو مکہ کا لفظ آیا ہے اس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے زمانہ قیام مکہ میں ایسا ہوا۔ غرض کفار نے آپ ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اشهدوا'' آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ، چاند دوٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا مغرب کی طرف اور دوسرا مشرق کی طرف ہٹ گیا بیچ میں پہاڑ حائل رہا۔ جب سب نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے صحیح روایات میں اس کا ایک ہی مرتبہ ہونا ثابت ہے لیکن بعض روایات میں مرتین کا لفظ جو آیا ہے تو اس کے معنی دوٹکڑے ہونے کے ہوسکتے ہیں یا اس کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہو۔ یعنی ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد نظر ہٹا کر پھر دوبارہ دیکھا تو اسی حال میں تھا۔

اور ابونعیمؒ کی روایت میں ہے کہ اس روز چاند بدر تھا لیکن منیٰ کا یہ اجتماع غالباً ایام حج میں ہوا ہوگا اس لئے بارہویں تیرہویں شب یعنی بدر کے قریب ماننا پڑے گا۔ خود شق قمر کا لفظ بھی اسی کا قرینہ ہے۔ مگر براہو ہٹ دھرمی کا کہ اس پر بھی کفار کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے چاند پر یا ہم پر جادو کردیا ہے اس پر بعض نے یہ کہا کہ آنے جانے والے مسافروں سے پتہ لگانا چاہیے کہ کیا انہوں نے بھی یہی منظر دیکھا ہے۔

چنانچہ بیہقیؒ کی روایت میں ہے کہ چہار طرف سے آنے والوں سے بھی پوچھا گیا تو سب اپنا اپنا دیکھنا بیان کیا۔ طحاویؒ، ابن کثیرؒ وغیرہ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔

آنحضرت کے معجزات سب سے افضل ہیں: ...... آنحضرت ﷺ چونکہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اس لئے آپ کے معجزات بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ معجزات اگرچہ دلائل نبوت نہیں ہوتے۔ بلکہ علامات نبوت ہوتے ہیں۔ اصل دلیل نبوت تو پیغمبر کا غیر معمولی علم وفہم اور بے مثال عمل اور بے نظیر اخلاق ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ ان تینوں باتوں میں سارے عالم سے جس طرح بڑھ کر ہیں۔ اسی طرح علامات نبوت معجزات میں آپ بھی سب سے آگے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ علم وعمل میں علم کا درجہ عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے علمی معجزہ بہ نسبت عملی معجزہ کے عالی سمجھا جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم آنحضرت ﷺ کا علمی معجزہ ہے۔ جس کی نظیر کتب آسمانی میں نہیں ہے۔

جس طرح آپ اس علمی معجزہ میں سب سے فائق ہیں۔ مختلف قسم کے عملی معجزات میں آپ سب سے برتر ہیں، چنانچہ شق قمر کے معجزہ ہی کو لے لیا جائے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے بطور معجزہ سورج کا ایک جگہ پر قائم رہنا اور حرکت نہ کرنا۔ یا حضرت یسعیاہ کے لئے غروب ہونے کے بعد پھر سورج کا لوٹ آنا اگرچہ عظیم الشان معجزہ ہے اور بظاہر شق قمر کے معجزہ سے بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت پر نظر کی جائے تو معاملہ برعکس ہے۔ کیونکہ فیثا غورث کے نظریہ پر جس کے قائل آج کل کے حکماء یورپ ہیں۔ چاند وسورج کے ان دونوں معجزوں میں زمین کو ساکن یا زمین کی حرکت کو الٹی ماننا پڑے گا پس اس نظریہ پر اس معجزہ سورج کا حاصل یہ نکلے گا کہ اس وقت زمین کی حرکت سکون سے بدل گئی تھی یا اس کی مسلمہ حرکت کی بجائے تھوڑی دور ادھر حرکت ہوگئی تھی اور چونکہ زمین قریب ہے ہر وقت بادل سے لگی رہتی ہے۔ اس لئے اس میں یہ تصرف اتنا تعجب خیز نہیں۔ جتنا تعجب انگیز چاند کا دو ٹکڑے کردینا ہے۔ کیونکہ چاند ہم سے لاکھوں میل دور ہے۔

سورج سے زیادہ چاند میں تصرف ہوا: ...... گویا حضرت یوشع وغیرہ کا تصرف تو زمین پر ہوا جو زیر قدم ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا تصرف چاند پر ہوا۔ دوسرے ان تصرفوں میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہے حرکت کا سکون سے بدل جانا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ مضبوط جسم کا پھٹ کر دو ٹکڑے ہوجانا مشکل ترین ہے۔ کیونکہ ان اجسام کا حرکت کرنا دو حال سے خالی نہیں۔ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر اختیار سے ہے تو حرکت اختیاری ہے ایسے سکون بھی اختیار میں ہوگا۔ پس دونوں ممکن اور متصور ہیں۔ اور اگر زمین کی حرکت دوسرے کے اختیار سے ہے تو پھر سکون کو زمین کے لئے اصلی اور بتقاضائے طبیعت ماننا پڑے گا۔ اس لئے زمین کے لئے سکون کا عارض ہونا کچھ بھی دشوار نہ ہوگا۔ کہ اسے قبول کرنے میں انکار ہو برخلاف چاند کے پھٹ جانے کے وہ خلاف طبع ہونے کی وجہ سے دشوار ہوگا۔ بلکہ چاند کو اگر جاندار فرض کرلیا جائے تو دشوار تر ہوگا۔ حاصل یہ نکلا کہ سکون کی نسبت چاند کا پھٹنا اعلیٰ تصرف کہلائے گا۔

رہ گئی زمین کی الٹی حرکت اس کو بھی اسی پر قیاس کرلیا جائے کیونکہ زمین کی حرکت اگر اختیاری ہے تو جیسے سیدھی حرکت اختیاری ہے الٹی حرکت بھی اختیاری رہے گی۔ لیکن اگر زمین کی حرکت کسی دوسرے کے ذریعہ ہوتی ہے جس طرح معمول کے مطابق دوسرے سے حرکت ہوتی اسی طرح معمول کے خلاف بھی دوسرے کے ذریعہ حرکت ممکن ہے۔ بہر صورت زمین ساکن ہو یا معکوس حرکت کرنے والی۔ دونوں صورتیں

چاند پھٹنے کے برابر نہیں ہوسکتیں اور محل تاثیر یعنی زمین اور چاند کا قریب و بعید اور نیچے اوپر ہونا مزید برآں رہا۔

بطلیموسی نظریہ پر چاند کا شق:......لیکن بطلیموسی نظریہ کے مطابق اگر آسمان، چاند ستاروں سب کو متحرک مانا جائے تب بھی کہا جائے گا کہ سورج کا سکون یا اس کی الٹی حرکت دونوں ارادی ہیں یا غیر ارادی۔ سورج کی یہ دونوں حالتیں چاند کے پھٹنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ البتہ محل تاثیر یعنی چاند سورج کا قرب و بعد یہاں پہلے کے خلاف برعکس ہوگیا۔ یعنی سورج چاند کی نسبت بہت دور ہے۔ اس لئے سورج میں تصرف کردینا بظاہر بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت چاند میں تصرف کرنے کے۔ لیکن یہاں بھی غور سے دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ بلکہ چاند میں تصرف بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اول تو جس میں اختیاری حرکت ہو اس کو حکم یا استدعا یا التماس کے ذریعہ روک لینا اور تھام لینا ممکن ہے چنانچہ آدمی اور جانور دور کی آواز پر ٹھہر جاتے ہیں یا چل پڑتے ہیں لیکن کسی جسم کا ٹکڑے کردینا آسان نہیں ہوتا۔ سو اگر سورج اپنے اختیار سے متحرک ہے تو حضرت یوشعؑ وغیرہ کے فرمانے سے اس کا ٹھہر جانا کچھ ان کی قوت و تاثیر پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اس پر دلالت کررہا ہے کہ سورج نے ان کا کہا مان لیا۔ سو کسی کی بات مان لینا کچھ کہنے والے کی عظمت پر منحصر نہیں۔ خدا بندے کی دعا لیتا ہے تو کیا بندے اس سے بڑھ جائیں گے یا وہ کافروں کی بھی سن لیتا ہے تو کیا اس سے کافر کچھ خدا کے مقرب ہوجاتے ہیں، یا امراء و سلاطین اپنے خدام کی عرض و معروض سن لیتے ہیں تو کیا خدام ان سے بڑھ جاتے ہیں۔ بلکہ استدعا تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس بات پر استدعا کی جارہی ہے استدعا کنندہ اس میں دخل نہیں رکھتا۔ زیادہ نہیں تو استدعا کے وقت ہی ان کا بے دخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور سورج کی حرکت اگر دوسرے کے ذریعہ ہے تو اس کا سکون بھی اسی کے ہاتھ ہوگا۔ پس اس سورت میں حضرت یوشع وغیرہ کا بظاہر خطاب اگرچہ سورج سے ہوگا پر حقیقت میں حرکت دہندہ (اللہ) سے استدعا ہوگی۔ تاہم ظاہر الفاظ کی حکایت پر نظر کی جائے تو روئے سخن سورج کی طرف ماننا ہوگا۔ اور یہ کہ سورج بارادہ خود متحرک ہے۔

فلکیات میں خرق والتیام:......علاوہ ازیں حکمائے یونان کے نظریات و اصول پر سورج کی حرکت دائمی ہے یعنی ضروری نہیں ہے کہ اس کا ازالہ ناممکن ہے اور محال ہوجائے اور معقولات کے طلبہ جانتے ہیں کہ دوامی چیز کا خلاف ممکن ہے پس سورج کا ساکن ہونا ممکن ہوا۔ برخلاف چاند سورج کے پھٹنے کے۔ حکماء یونان کے نزدیک فلکیات میں خرق والتیام محال ہے اور فلکیات کا بجنسہٖ باقی رہنا ضروری ہے۔ گو واقع میں یہ سب باتیں غیر ضروری اور غیر محال ہیں۔ تاہم ان کے اصول پر بھی اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ سورج کے سکون و حرکت میں بہ نسبت چاند کے شق ہونے کے زیادہ دشواری ہے۔ تب ہی تو ایسے عقلا کو محال و امتناع کا خیال ہوا۔

غرضیکہ فیثا غورثی اور بطلیموسی دونوں نظاموں پر ثابت ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ شق قمر بہ نسبت سورج کی رجعت قہقرہ اور ٹھہرانے کے اعلیٰ و افضل ہے۔ اسی طرح معجزہ شق قمر کو معجزہ موسوی اور داؤدی یعنی پتھر یا لوہے کے نرم ہوجانے سے اگر ملایا جائے تو زمین و آسمان سے زیادہ فرق نظر آئے گا۔

اور سائنس جدید کی رو سے نہ تو آسمانوں کا ماننا ضروری ہے اور نہ انکار۔ اس لئے تمام ستاروں کو فضا میں اور سورج کو مرکز عالم پر اس طرح مانا جائے کہ زمین وغیرہ سب اس کے گرد گھومتی ہیں۔ (از حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ)

پتھروں پر جونک نہیں لگتی:......ولقد جاءھم یعنی ہر قسم کے احوال اور برباد شدہ قوموں کے واقعات قرآن کے ذریعہ معلوم کرادیئے گئے۔ اگر غور کیا جائے تو خدائے قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔ یہ قرآن عقل و حکمت کی باتوں کا مجموعہ ہے کہ ذرا نیک نیتی سے سنے تو دل

میں اترتی چلی جاتی ہے۔مگر افسوس کہ ان پر خاک اثر نہیں ہوتا۔کوئی نصیحت وفہمائش کام نہیں دیتی۔کتنا ہی سمجھاؤ پتھروں پر جونک نہیں لگتی۔لہٰذا ایسے سنگ دل بدبختوں کو آپ بھی منہ نہ لگائیں۔آپ نہایت خوش اسلوبی سے دعوت وتبلیغ کا فرض انجام دے چکے اب زیادہ پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ان کو اپنے ٹھکانہ کی طرف چلنے دیں۔جب یہ خوف ووحشت کے مارے ذلت وندامت کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہوں گے اور تمام اگلے پچھلے ٹڈی دل کی طرح قبروں سے پھیل پڑیں گے اور عدالت عالیہ کی طرف دوڑیں گے اور اپنے جرائم اور اس روز کی ہولناکیوں کا منظر دیکھ کر چیخ اٹھیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھئے کیا گزرے گی۔

طوفان نوح:......... کذبت قوم نوح۔یعنی قیامت اور عذاب آخرت تو خیر اپنے وقت پر آئے گا ہی لیکن جھٹلانے والوں پر تو پہلے ہی دنیا میں سخت دن آچکا ہے۔نوح علیہ السلام کے سارے پندوعظ کا جواب قوم نے یہ دیا کہ اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو سنگسار کر دیا جائے۔گویا دھمکیوں میں ان کی بات کو رلا دیا۔انہیں دیوانہ کہہ کر بات ڈال دی۔سینکڑوں برس سمجھانے بجھانے پر بھی جب کوئی نہ پسیجا تو تنگ آ کر حضرت نوحؑ نے بددعا کی کہ اے میرے پروردگار میں ان سے عاجز آ چکا اور کوئی تدبیر کارگر نہیں رہی۔اب اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے۔باب اجابت کھلا اور طوفان کی ریل پیل ایسی ہوئی کہ گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور زمین کے پردے پھٹ گئے۔اتنا پانی ابلا کہ جل تھل ہو گئے اور ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔جس کا نتیجہ قوم کی غرقابی اور تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔لیکن قدرت الٰہی کا کرشمہ اسی طوفان میں نوحؑ کی کشتی امن وسلامتی کے ساتھ ہماری حفاظت ونگرانی میں چلی جا رہی تھی۔اللہ کی باتوں کے انکار اور پیغمبروں کی ناقدری کا انجام دیکھ لیا۔

سوچنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔یا یہ مطلب ہے کہ آج بھی کشتی کا یہ قصہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے۔

اور بعض نے آیت ولقد ترکناھا کے متعلق یہ کہا ہے کہ ابتداء اسلام تک بعینہ وہی کشتی "جودی" پہاڑ پر نظر آتی رہی۔بلکہ آج تک سیاح اس کی نشاندھی کر رہے ہیں۔

قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی:......... ولقد یسرنا القراٰن۔یعنی قرآن کے جو مضامین نصیحت وموعظت، ترغیب وترہیب سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف سہل اور موثر ہیں۔ہر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ بھی کرے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے کہ اس میں دقائق وغوامض ہیں نہ اس میں اسرار وحکم۔بھلا یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ اللہ علیم وخبیر جب اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے تو العیاذ باللہ وہ اپنے نامتناہی علم سے کورا ہو جاتا ہے۔یقیناً اس کے کلام میں وہ گہرے حقائق اور باریکیاں ہوں گی جس کا ہلکا سا اشارہ حدیث **لا تنقضی عجائبہ** میں ہے اور واقعہ یہ ہے۔کہ **کلام الملوک ملوک الکلام** کی رو سے وہ خصوصیات دوسرے کے کلام میں کہاں مل سکتی ہیں۔فقہاء اور حکماء امت نے اس کے دقائق واسرار کے سراغ لگانے میں اور احکام شریعت مستنبط کرنے میں عمریں کھپا دیں۔تب بھی اس سمندر کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔اس لئے محض اس آیت پر سرسری نظر کے مجتہد بننے کی ہوس کرنا قطعاً غلط ہے۔نصیحت میں موثر اور سہل ہونے سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ وجوہ استنباط بھی آسان ہیں۔یہ جملہ کئی قصوں میں دہرایا گیا ہے۔تاکہ معلوم ہو سکے کہ ہر واقعہ بجائے خود ایک مستقل درس عبرت ہے۔

فی یوم نحس مستمر۔یعنی یہ نحوست نہ اٹھی جب تک وہ تمام نہ ہو چکے۔مطلب یہ ہے کہ یہ نحوست کا دن انہیں کیلئے رہا۔یہ نہیں کہ ہمیشہ کو یہ دن سب کے لئے منحوس ہو جائے۔کیونکہ دوسری آیات سے سات روز اس عذاب کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔پھر آخر مبارک دن کون ہوگا۔

قوم عاد کے لوگ اگرچہ نہایت قدآور تنومند تھے لیکن ہوا کے جھکڑوں نے سب کو اس طرح اکھاڑ پچھاڑ کر کے رکھ دیا جیسے کھجور کے لمبے تنے جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں۔

لطائف سلوک:.........جزاء لمن کان کفر ۔یعنی حضرت نوحؑ کی شان میں گستاخی کا یہ انتقام لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے مقبولین کا انتقام لے لیا کرتا ہے۔ لہٰذا مقبولین کی ایذاء رسانی سے گریز کرنا چاہیے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ جَمْعُ نَذِيْرٍ بِمَعْنٰى مُنْذِرٍ اَىْ بِالْاُمُوْرِ الَّتِىْ اَنْذَرَهُمْ نَبِيُّهُمْ صَالِحٌ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ وَيَتَّبِعُوْهُ **فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا** مَنْصُوْبٌ عَلَى الْاِشْتِغَالِ **مِّنَّا وَاحِدًا** صِفَتَانِ لِبَشَرًا **نَّتَّبِعُهٗ** مُفَسِّرٌ لِلْفِعْلِ النَّاصِبِ لَهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ الْمَعْنٰى كَيْفَ نَتَّبِعُهٗ وَنَحْنُ جَمَاعَةٌ كَثِيْرَةٌ وَهُوَ وَاحِدٌ مِّنَّا وَلَيْسَ بِمَلِكٍ اَىْ لَا نَتَّبِعُهٗ **اِنَّآ اِذًا** اِنِ اتَّبَعْنَاهُ **لَّفِىْ ضَلٰلٍ** ذِهَابٍ عَنِ الصَّوَابِ **وَّسُعُرٍ** ﴿۲۴﴾ جُنُوْنٍ **ءَاُلْقِىَ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِهٖ **الذِّكْرُ** الْوَحْىُ **عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا** اَىْ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ **بَلْ هُوَ كَذَّابٌ** فِىْ قَوْلِهٖ اَنَّهٗ اُوْحِىَ اِلَيْهِ مَا ذَكَرَهٗ **اَشِرٌ** ﴿۲۵﴾ مُتَكَبِّرٌ بَطِرٌ قَالَ تَعَالٰى **سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا** اَىْ فِى الْاٰخِرَةِ **مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ** ﴿۲۶﴾ وَهُوَ هُمْ بِاَنْ يُّعَذَّبُوْا عَلٰى تَكْذِيْبِهِمْ نَبِيَّهُمْ صَالِحًا **اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ** مُخْرِجُوْهَا مِنَ الْهَضْبَةِ الصَّخْرَةِ كَمَا سَاَلُوْا **فِتْنَةً** مِحْنَةً **لَّهُمْ** لِنَخْتَبِرَهُمْ **فَارْتَقِبْهُمْ** يَا صَالِحُ اَىِ انْتَظِرْ مَا هُمْ صَانِعُوْنَ وَمَا يُصْنَعُ بِهِمْ **وَاصْطَبِرْ** ﴿۲۷﴾ اَلطَّاءُ بَدَلٌ مِّنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ اَىِ اصْبِرْ عَلٰى اَذَاهُمْ **وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ** مَّقْسُوْمٌ **بَيْنَهُمْ** وَبَيْنَ النَّاقَةِ فَيَوْمٌ لَّهُمْ وَيَوْمٌ لَّهَا **كُلُّ شِرْبٍ** نَصِيْبٍ مِّنَ الْمَاءِ **مُّحْتَضَرٌ** ﴿۲۸﴾ يَحْضُرُهُ الْقَوْمُ يَوْمَهُمْ وَالنَّاقَةُ يَوْمَهَا فَتَمَادَوْا عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ مَلُّوْهُ فَهَمُّوْا بِقَتْلِ النَّاقَةِ **فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ** قُدَارًا لِيَقْتُلَهَا **فَتَعَاطٰى** تَنَاوَلَ السَّيْفَ **فَعَقَرَ** ﴿۲۹﴾ بِهِ النَّاقَةَ اَىْ قَتَلَهَا مُوَافَقَةً لَّهُمْ **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ** ﴿۳۰﴾ اَىْ اِنْذَارِىْ لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ اَىْ وَقَعَ مَوْقِعَهٗ وَبَيَّنَهٗ بِقَوْلِهٖ **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ** ﴿۳۱﴾ هُوَ الَّذِىْ يَجْعَلُ لِغَنَمِهٖ حَظِيْرَةً مِّنْ يَابِسِ الشَّجَرِ وَالشَّوْكِ يَحْفَظُهُنَّ فِيْهَا مِنَ الذِّئَابِ وَالسِّبَاعِ وَمَا سَقَطَ مِنْ ذٰلِكَ فَدَاسَتْهُ هُوَ الْهَشِيْمُ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۳۲﴾ **كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ** ﴿۳۳﴾ اَىْ بِالْاُمُوْرِ الْمُنْذِرَةِ لَهُمْ عَلٰى لِسَانِهٖ **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا** رِيْحًا تَرْمِيْهِمْ بِالْحَصْبَاءِ وَهِىَ صِغَارُ الْحِجَارَةِ الْوَاحِدَةِ دُوْنَ مِلْءِ الْكَفِّ فَهَلَكُوْا **اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ** وَهُمْ اِبْنَتَاهُ مَعَهٗ **نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ** ﴿۳۴﴾ مِنَ الْاَسْحَارِ اَىْ وَقْتَ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَلَوْ اُرِيْدَ مِنْ يَوْمٍ مُّعَيَّنٍ لَمُنِعَ الصَّرْفُ لِاَنَّهٗ مَعْرِفَةٌ مَعْدُوْلٌ عَنِ السَّحَرِ لِاَنَّ حَقَّهٗ اَنْ يُّسْتَعْمَلَ فِى الْمَعْرِفَةِ بِاَلْ وَهَلْ اَرْسَلَ الْحَاصِبَ عَلٰى اٰلِ لُوْطٍ اَوْلَا قَوْلَانِ وَعَبَّرَ عَنِ الْاِسْتِثْنَاءِ عَلَى الْاَوَّلِ

بِاَنَّهٗ مُتَّصِلٌ وَعَلَى الثَّانِي بِاَنَّهٗ مُنْقَطِعٌ وَاِنْ كَانَ مِنَ الْجِنْسِ تَسَمُّحًا **نِّعْمَةً** مَصْدَرٌ اَيْ اِنْعَامًا **مِّنْ عِنْدِنَا** **كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلَ ذٰلِكَ الْجَزَآءِ **نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ** ﴿۳۵﴾ اَنْعُمَنَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ اَوْ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَ رُسُلِهٖ وَاَطَاعَهُمْ **وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ** خَوَّفَهُمْ لُوْطٌ **بَطْشَتَنَا** اَخْذَتَنَا اِيَّاهُمْ بِالْعَذَابِ **فَتَمَارَوْا** تَجَادَلُوْا وَكَذَّبُوْا **بِالنُّذُرِ** ﴿۳۶﴾ بِاِنْذَارِهٖ **وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ** اَيْ سَاَلُوْهُ اَنْ يُخَلِّيَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ اَتَوْهُ فِيْ صُوْرَةِ الْاَضْيَافِ لِيَخْبُثُوْا بِهِمْ وَكَانُوْا مَلَائِكَةً **فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ** اَعْمَيْنَاهَا وَجَعَلْنَاهَا بِلَا شَقٍّ كَبَاقِي الْوَجْهِ بِاَنْ صَفَقَهَا جِبْرَئِيْلُ بِجَنَاحِهٖ **فَذُوْقُوْا** فَقُلْنَا لَهُمْ ذُوْقُوْا **عَذَابِيْ وَنُذُرِ** ﴿۳۷﴾ اَيْ اِنْذَارِيْ وَتَخْوِيْفِيْ اَيْ ثَمَرَتَهٗ وَ فَائِدَتَهٗ **وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً** وَقْتَ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ **عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ** ﴿۳۸﴾ دَائِمٌ مُتَّصِلٌ بِعَذَابِ الْاٰخِرَةِ **فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ** ﴿۳۹﴾ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۴۰﴾ ع

ترجمہ: ......ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی (نذر نذیر کی جمع ہے بمعنی منذر یعنی ان باتوں کو جھٹلا دیا۔ جن کے متعلق ان کے پیغمبر حضرت صالح نے یہ کہہ کر ڈرا دیا تھا کہ اگر ایمان نہ لائے اور انہوں نے پیروی نہ کی تو عذاب آئے گا) چنانچہ کہنے لگے کہ کیا انسان کی (بشرا منصوب ہے بعد والے فعل کے اس میں مشغول اور عامل ہونے کی وجہ سے) جو ہمارے ہی میں سے اکیلا ہو (منا اور واحدا دونوں بشر کی صفتیں ہیں) پیروی کریں (نتبعہ فعل عامل کی تفسیر ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کس طرح ہم اس کی پیروی کر سکتے ہیں جب کہ ہم پوری ایک جماعت ہیں اور وہ اکیلا آدمی ہے پھر بادشاہ بھی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس کی اتباع نہیں کر سکتے) اس وقت تو (اگر ہم نے اس کی پیروی کر لی) بڑی گمراہی (غلط راستہ) اور جنون (دیوانگی) میں پڑ جائیں گے۔ کیا نازل ہوئی ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف کے پڑھا گیا ہے) وحی اسی پر ہم میں سب سے؟ یعنی اس پر وحی نازل نہیں ہوئی) بلکہ یہ بڑا جھوٹا (اپنی اس بات میں کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے) شیخی باز (اترانے والا اکڑ باز) ہے فرمایا ان کو عنقریب (قیامت) میں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شیخی کون تھا؟ (پیغمبر یا مخاطبین اس طرح کہ صالح نبی کے جھٹلانے پر ان کو عذاب ہوگا) ہم اونٹنی کو ظاہر کرنے والے ہیں (لوگوں کی فرمائش پر ایک پتھر کی چٹان سے) ان کی آزمائش (امتحان) کے لئے سو ان کے دیکھتے بھالتے رہنا (اے صالح دیکھتے رہو کہ کیا کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا جاتا ہے) اور صبر سے بیٹھے رہنا (تائے افتعال طاء سے بدل گئی ہے یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا) اور ان لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ پانی بانٹ (تقسیم) کر دیا گیا ہے۔ ان کے درمیان (اور اونٹنی کے درمیان کہ ایک دن ان کی باری اور ایک دن اونٹنی کی) ہر ایک (پانی کی اپنی مقررہ) باری آنے پر آیا کرے (ایک روز قوم کے لوگ آئیں اور ایک دن اونٹنی کا رہے۔ ایک عرصہ تو اسی ڈگر پر چلتے رہے پھر اکتانے لگے اور اونٹنی کو مار ڈالنے کا منصوبہ بنالیا) سو انہوں نے اپنے ساتھی کو (قدار کو اونٹنی مار ڈالنے کے لئے) بلایا۔ سو اس نے (تلوار لے کر) وار کیا اور مار ڈالا (کونچیں کاٹ ڈالیں۔ یعنی ان کے کہنے کے مطابق اسے ختم کر دیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے ہم نے ان کو خبردار کر دیا تھا۔ حاصل یہ کہ عذاب آکر رہا۔ جس کا بیان آگے ہے) ہم نے ایک چیخ ان پر مسلط کی، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑھ لگانے والے کا چورا (سوکھے درختوں اور کانٹوں کا باڑھ جو بکریوں کی حفاظت کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ بھیڑیئے اور درندوں سے بچی رہیں۔ اس میں سے گر کر جو چورا ہو جاتا ہے اس کو ہشیم کہا جاتا ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا

ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ قوم لوط نے پیغمبروں کی تکذیب کی (یعنی ان ہدایات کی جن کے ذریعہ پیغمبروں کی زبانی ان کو ڈرایا گیا) ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسادیا (ہوائیں پتھریاں برسا رہی تھیں۔ حصارا یسے چھوٹے پتھر جن میں سے ہر ایک مٹھی بھر ہو نتیجہ یہ کہ وہ لوگ تباہ ہو گئے) البتہ متعلقین لوطؑ (جن میں ان کے ساتھ صاحبزادیاں بھی) ان کو اخیر شب میں بچالیا (ایک غیر معین صبح کو لیکن اگر مقررہ صبح مراد لی جائے تو معرفہ اور السحر سے عدل پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا۔ کیونکہ معرفہ الف لام کے ساتھ استعمال ہونا چاہیے لیکن متعلقین لوطؑ پر پتھراؤ ہوا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ پہلی صورت میں یہ استثناء متصل ہو جائے گا اور دوسری صورت میں ہم جنس ہوتے ہوئے بھی مجازاً استثناء منقطع سمجھا جائے گا) فضل کر کے (مصدر بمعنی انعاماً ہے) اپنی جانب سے ایسے ہی (جیسے یہاں ہوا) ہم بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جو شکر کرتا ہے (ہمارے انعامات کا بشرطیکہ مومن ہو یا شکر سے مراد اللہ ورسول پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا ہے) اور لوطؑ نے ڈرایا (خوف دلایا) تھا ہمارے دارو گیر سے (عذاب میں ہماری پکڑ سے) سو انہوں نے جھگڑے پیدا کئے (لڑے اور جھٹلایا) اس ڈرانے کو (لوطؑ کے) اور ان لوگوں نے برے ارادہ سے مہمانوں کو لوط سے لینا چاہا (یعنی قوم نے لوط علیہ السلام سے فرمائش کی کہ ان سے ہمیں تنہائی کا موقعہ دیا جائے جو مہمانوں کے روپ میں آئے تھے تاکہ ان کے ساتھ خباثت کریں حالانکہ وہ فرشتے تھے) سو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں (انہیں اندھا کر دیا ایسا کہ آنکھوں کا نشان بھی نہ رہا بالکل سپاٹ چہرہ ہو گیا جبرئیل کے پر مار دینے سے) کہ لو چکھو (ہم نے ان سے کہہ دیا) میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ (یعنی میرے خوف دلانے کا ثمرہ اور فائدہ) اور صبح سویرے ہی (غیر معین دن) ان پر دائمی عذاب آ پہنچا (جو یہاں سے آخرت تک جاری رہے گا) سو لو، میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... نذر۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نذر سے رسل مراد نہیں ہیں۔ اس سے بارو ک رہی ہے۔ بلکہ صالح علیہ السلام کی طرف سے ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔

ابشرا۔ اس کا ناصب بعد کا فعل نتبعہ ہے جو اپنی ضمیر میں مشغول ہے۔ جس کی مشہور تعبیر ما اضمر عاملہ علی التفسیر ہے۔ چنانچہ ہمزہ اس کا قرینہ ہے جو فعل پر داخل ہوا کرتا ہے۔

منا۔ یعنی ہم جیسے انسان یا ہماری قوم کے ایک فرد ہیں کچھ سب سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ منا۔ بشرا کی صفت ہے۔ اگرچہ ماؤل ہے اور واحد بھی صفت ہے۔ مگر صراحۃً لیکن تاویلی صفت کو صریحی صفت پر کیسے مقدم کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واحدا سے حال ہے جو اس پر مقدم کیا گیا ہے۔

سعر۔ جنون کے معنی ہیں۔ ناقۃ مسعورۃ۔ اونٹنی جس کا سر چھوٹا چہرہ پریشان ہو۔ جیسا کہ فراءؒ نے کہا ہے۔ ابن عباسؓ اس کے معنی انا لفی ضلال و عذاب بما یلزمنا من طاعۃ کے ساتھ کرتے ہیں۔ ابن عیینہؒ کی رائے ہے کہ یہ سعیر کی جمع ہے۔ مثلاً کوئی کہے۔ ان لم تتبعونی کنتم فی سعیر و نیران تو اس کو پلٹ کر یوں کہا جائے۔ ان تبعناک کنا فی سعیر۔

من بیننا۔ حال ہے کہ علیہ کی ضمیر سے استفہام انکاری ہے۔

اشر۔ بہت زیادہ اترانے والا۔

من الکذاب۔ من استفہامیہ ہے یعلمون سے متعلق ہے مبتدا ہے اور کذاب خبر اور پھر جملہ قائم مقام مفعولین ہے۔

مرسلوا الناقۃ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ارسال کنایہ ہے اخراج سے۔

ھصبة۔ زمین پر پھیلی ہوئی پہاڑی یا ایسا پہاڑ جو ایک ہی پتھر کی چٹان ہو، یا طویل پہاڑ جیسا کہ قاموس میں ہے۔

بینھم ۔ مفسرؒ نے تو ضمیر صرف قوم کی طرف راجع کی ہے، لیکن دوسرے مفسرینؒ نے قوم اور ناقہ کی طرف تغلیباً راجع کی ہے۔

محتضر ۔ احتضر بمعنی حضر ہے۔

فتعاطی ۔ عطا سے ہے تفاعل۔ امام راغب تناول کے معنی لے رہے ہیں۔

المحتظر ۔ اسم فاعل ہے لکڑی بانس وغیرہ سے مویشیوں کے لئے گرمی سردی وغیرہ کے بچاؤ کا باڑہ بنایا جاتا ہے۔ امام محمدؒ نے آیت ان الماء قسمة بینھم سے تقسیم و مہایاۃ کا جواز سمجھا ہے تقسیم اعیان میں اور مہایاۃ منافع میں ہوتی ہے۔ یہ دونوں اگرچہ قیاساً ناجائز ہونی چاہئیں ۔ کیونکہ منافع کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ہر شریک اپنی باری میں دوسرے شریک کی ملکیت سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ مگر اس آیت کی وجہ سے خلاف قیاس اجازت دے دی۔

تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شریک اپنے حصہ کو دوسرے شریک کے حصہ سے الگ کر لے۔ اور مہایاۃ کہتے ہیں کہ اس چیز کو باقی رکھتے ہوئے منافع کو نوبت بہ نوبت تقسیم کر لیا جائے۔ چنانچہ بینھم ان الماء قسمة سے تقسیم کا جواز اور ''لہا شرب'' سے مہایاۃ کا جواز استنباط کیا ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ دونوں الفاظ بمنزلہ مرادف کے ہیں۔ اور پانی کی تقسیم بطریق مہایاۃ مراد ہے۔

فخر الاسلام بزدویؒ نے اس آیت کو شرائع من قبلنا کے حجت ہونے کے سلسلہ میں پیش کیا ہے جس کو بعض علماء مطلقاً حجت سمجھتے ہیں۔ لیکن مختار مذہب ہے کہ پچھلی شرائع اگر بغیر نکیر کے شارح نے نقل کیا ہے تو پھر ہمارے لئے بھی حجت ہے ورنہ نہیں۔ جیسا کہ یہاں امام محمدؒ اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں اور اسلام میں اس کے خلاف نص بھی نہیں ہے اس لئے قابل قبول ہے۔

ولقد یسرنا القرآن ۔ اس کو بار بار لانا اس لئے ہے کہ ہر نبی کی تکذیب عذاب کا سبب ہے۔

قوم لوط ۔ لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ تو عراق سے ہجرت کر کے فلسطین میں آباد ہو گئے اور لوطؑ اس کے قریب سدوم میں آ رہے۔

حاصبا ۔ اسی سے حصب، حجاز کی ایک جگہ کا نام ہے حاصب، ہوا کا جھکڑ، جس میں پتھر آگ برسے باب ضرب سے ہے۔

بسحر ۔ مفسرؒ نے نکرہ غیر معین ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی لئے یہ منصرف ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اتیته بسحر ۔ لیکن اگر معرفہ مراد لے کہ بقیة سحر نا ھذا کہا جائے۔ آج کی صبح مراد ہو تو پھر غیر منصرف ہوگا۔

الا آل لوط ۔ استثناء منقطع ماننا تکلف سے خالی نہیں۔ کیونکہ خاندان لوط بہرحال قوم کی جنس سے ہے۔ خواہ ہوا سب پر مانی جائے یا صرف خاندان لوط کے علاوہ لوگوں پر مانی جائے۔ اس لئے استثنائے متصل ماننا چاہیے۔ گویا متصل اور منفصل کا مدار جنس غیر جنس پر ہوتا ہے۔

نعمة ۔ مفعول مطلق ہے عامل ''نجینا'' ہے بلحاظ معنی کے کیونکہ عذاب سے نجات ایک طرح سے انعام ہوتا ہے اور مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ مصدر میں تاویل کی جاوے گی یا عامل میں۔

نجزی من شکر ۔ یہ عام ہے آل لوط اور دوسرے شکر گزاروں کے لئے۔

بطشتنا ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ مصدر ہے جس میں وحدت کے معنی ملحوظ ہیں۔ اگرچہ اس سے عذاب مراد ہے۔

فطمسنا اعینھم ۔ آنکھ کو مٹا دینا۔

بکرة ۔ نکرہ ہونے وجہ سے منصرف ہے لیکن اگر معین وقت مراد ہو۔ جیسا کہ ایک قرأت البکرۃ ہے تو پھر تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا۔

ربط آیات: .... اس رکوع میں ثمود کا حال بیان فرمایا گیا ہے، جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اسی کے ساتھ قوم لوط کی نا ہنجاری بھی ارشاد فرمائی۔

﴿ تشریح ﴾ .... ابشرا منا واحدا ۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہ کہہ کر لوگوں نے جھٹلایا کہ یہ کوئی آسمانی فرشتہ نہیں۔ بلکہ ہم میں سے ایک آدمی ہے اور وہ بھی اکیلا تن تنہا اپنے ساتھ کوئی جتھا نہیں رکھتا، نہ دنیا دولت و وجاہت کا مالک ہے۔ مگر چاہتا ہے کہ ہمیں دبا لے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس کے چکمہ میں آگئے تو ہماری غلطی اور حماقت ہوگی۔ ہم سودائی ٹھہریں گے۔ وہ تو ہم کو دھمکی دیتا ہے کہ مجھے نہ مانو گے تو آگ میں گرو گے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کے پیچھے لگ گئے تو گویا ہم خود اپنے کو آگ میں گرا رہے ہیں اور کیا پیغمبری کیلئے بس یہی رہ گیا تھا۔ سب جھوٹ ہے خالی بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے رسول بنا دیا اور سب کو میری اطاعت کا حکم دیا۔

مجرمین کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ سیعلمون ۔ یعنی عنقریب معلوم ہوا چاہتا ہے کہ دونوں میں کون جھوٹا اور بڑائی مارنے والا ہے۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں دیکھیں کون اللہ و رسول کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے اور اے صالح! تم دیکھتے رہو کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ہوا یہ کہ اونٹنی پتھر سے بطور معجزہ برآمد ہوگئی اور گھاٹ کے پانی کا ایک دن اس کیلئے اور ایک دن دوسرے جانوروں کے لئے مقرر ہوا۔ کچھ دن یہی طریقہ چلتا رہا۔ تا آنکہ ایک بدکار عورت نے جس کے مویشی بہت تھے۔ قدار نامی ایک آشنا کو اکسایا۔ اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جس سے وہ ہلاک ہوگئی۔ پھر جو فرشتہ نے ایک چیخ ماری تو سب کے کلیجے پھٹ گئے اور اس طرح چور ہو کر رہ گئے جیسے کھیت یا بکریوں کے گرد کانٹوں کی باڑھ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد پائمال ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

کذبت قوم لوط ۔ حضرت لوط علیہ کو بھی ان کی قوم نے جھٹلایا اور سب انبیاء کا مشن چونکہ ایک ہی ہوتا ہے اس لئے کسی ایک کا جھٹلانا گویا سب کو جھٹلانا ہے۔ ہم نے ان پر ہواؤں کے جھکڑ بھیج دیئے جس کی وجہ سے ساری قوم تباہ ہوگئی۔ بجز لوطؑ کے گھرانہ کے۔ وہ اخیر شب میں انہیں لے کر صاف نکل گئے اور عذاب کی ذرا آنچ بھی انہیں لگنے نہیں دی گئی۔ ہم ہمیشہ شکر گزاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ لوط علیہ السلام نے پہلے لوگوں کو ڈرایا۔ مگر لوگوں نے خواہ مخواہ کے شبہات نکالے اور جھگڑے کھڑے کر کے انہیں جھٹلانے لگے۔

ولقد راودوہ ۔ یعنی فرشتے حسین و خوبرو لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے گھر بطور مہمان آئے۔ بد طینت لوگوں کو خبر لگی تو وہ گدھوں کی طرح منڈلانے لگے اور انہیں قبضانا چاہا تو ہم نے انہیں اندھا کر دیا۔ جس کی وجہ سے انہیں کچھ نظر نہ آیا اور دھکے کھاتے پھرے کہ لو پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔ پھر ان کی بستیاں اوندھی کر دی گئیں اور اوپر سے پتھراؤ کر دیا گیا کہ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔

لطائف سلوک: .... سیعلمون غدا سے معلوم ہوا کہ جب کسی کی اصلاح سے مایوسی ہو جائے تو بحث مباحثہ اور مجادلہ کی بجائے اسی طرز سے جواب دینا چاہیے۔ جیسا کہ اہل طریق کا معاندین سے ساتھ یہی طرز ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهٗ مَعَهٗ **النُّذُرُ** ﴿۴۱﴾ اَلْاِنْذَارُ عَلٰى لِسَانِ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بَلْ **كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا** اَيِ التِّسْعِ الَّتِيْ اُوْتِيَهَا مُوْسٰى **فَاَخَذْنٰهُمْ** بِالْعَذَابِ **اَخْذَ عَزِيْزٍ** قَوِيٍّ **مُّقْتَدِرٍ** ﴿۴۲﴾ قَادِرٍ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ **اَكُفَّارُكُمْ** يَا قُرَيْشُ **خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ** الْمَذْكُوْرِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ فَلَمْ يُعَذَّبُوْا **اَمْ لَكُمْ** يَا كُفَّارَ

قُرَیْشٍ بَرَآءَ ةٌ مِنَ الْعَذَابِ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَلْکُتُبِ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِي الْمَوْضَعَیْنِ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَیْ لَیْسَ الْاَمْرُ کَذٰلِكَ اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَیْ کُفَّارُ قُرَیْشٍ نَحْنُ جَمِیْعٌ اَیْ جَمْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَلَمَّا قَالَ اَبُوْ جَهْلٍ یَوْمَ بَدْرٍ اِنَّا جَمْعٌ مُّنْتَصِرٌ نَزَلَ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ فَهُزِمُوْا بِبَدْرٍ وَ نُصِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بِالْعَذَابِ وَالسَّاعَةُ اَیْ عَذَابُهَا اَدْهٰی اَعْظَمُ بَلِیَّةً وَّاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اَشَدُّ مَرَارَةً مِّنْ عَذَابِ الدُّنْیَا اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ هَلَاكٍ بِالْقَتْلِ فِي الدُّنْیَا وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ نَارٍ مُّسَعَّرَةٍ بِالتَّشْدِیْدِ اَیْ مُهَیَّجَةٍ فِي الْاٰخِرَةِ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اَیْ فِي الْاٰخِرَةِ وَیُقَالُ لَهُمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِصَابَةَ جَهَنَّمَ لَکُمْ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ یُفَسِّرُهُ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ بِتَقْدِیْرٍ حَالٌ مِّنْ کُلَّ اَیْ مُقَدَّرًا وَّقُرِئَ کُلُّ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهُ خَلَقْنَاهُ وَمَآ اَمْرُنَآ لِشَیْءٍ نُّرِیْدُ وُجُوْدَهٗ اِلَّا اَمْرَةٌ وَاحِدَةٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ فِي السُّرْعَةِ وَهِيَ کُنْ فَیُوْجَدُ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ وَلَقَدْ اَهْلَکْنَآ اَشْیَاعَکُمْ اَشْبَاهَکُمْ فِي الْکُفْرِ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ﴿۵۱﴾ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَیْ اُذْکُرُوْا وَ اتَّعِظُوْا وَکُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ اَیِ الْعِبَادُ مَکْتُوْبٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ کُتُبِ الْحَفَظَةِ وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَّکَبِیْرٍ مِّنَ الذَّنْبِ اَوِ الْعَمَلِ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ مُکْتَتَبٌ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ بَسَاتِیْنَ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ اُرِیْدَ بِهِ الْجِنْسُ وَقُرِئَ بِضَمِّ النُّوْنِ وَالْهَاءِ جَمْعًا کَاَسَدٍ وَّاُسُدٍ الْمَعْنٰی اَنَّهُمْ یَشْرَبُوْنَ مِنْ اَنْهَارِهَا الْمَآءَ وَاللَّبَنَ وَالْعَسَلَ وَالْخَمْرَ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ مَّجْلِسِ حَقٍّ لَا لَغْوَ فِیْهِ وَلَا تَاْثِیْمَ وَاُرِیْدَ بِهِ الْجِنْسُ وَقُرِئَ مَقَاعِدَ الْمَعْنٰی اَنَّهُمْ فِیْ مَجَالِسَ مِنَ الْجَنَّاتِ سَالِمَةٍ مِّنَ اللَّغْوِ وَالتَّاْثِیْمِ بِخِلَافِ مَجَالِسِ الدُّنْیَا فَقَلَّ اَنْ تَسْلَمَ مِنْ ذٰلِكَ وَاُعْرِبَ هٰذَا خَبَرًا ثَانِیًا وَّبَدَلًا وَّهُوَ صَادِقٌ بِبَدَلِ الْبَعْضِ وَغَیْرِهِ عِنْدَ مَلِیْكٍ مِّثَالُ مُبَالَغَةٍ اَیْ عَزِیْزِ الْمُلْكِ وَاسِعَهٗ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ قَادِرٍ لَا یُعْجِزُهٗ شَیْءٌ وَّهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَعِنْدَ اِشَارَةٌ اِلَی الرُّتْبَةِ وَالْقُدْرَةِ مِنْ فَضْلِهٖ تَعَالٰی۔

ترجمہ.........: اور فرعون (اور اس کی قوم) کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں (موسیٰ اور ہارون کی زبانی مگر وہ ایمان نہیں لائے بلکہ ان لوگوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا (یعنی وہ نشانیاں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں) سو ہم نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا صاحب قوت کا پکڑنا (جس کو کوئی عاجز نہ کر سکے) کیا اے قریشیو! تم میں جو کافر ہیں ان میں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے (جن کا ذکر ابھی قوم نوح سے لے کر آل فرعون تک ہوا ہے کیا ان کو عذاب نہیں دیا گیا) یا تمہارے لئے (اے کفار قریش) معافی ہے (عذاب سے) کتابوں میں (دونوں جگہ استفہام معنی نفی کے ہے) یعنی یہ بات نہیں ہے یا یہ لوگ کفار قریش کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے (محمد ﷺ کے مقابلہ میں ابوجہل نے جب جنگ بدر میں یہ نعرہ لگایا کہ انا نحن جمیع منتصر تو جواب نازل ہوا عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (چنانچہ غزوہ بدر میں ہار گئے اور آنحضرت ﷺ کی ان کے مقابلہ میں مدد ہوئی) بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے (عذاب

کے لئے) اور قیامت (کا عذاب) (بڑی سخت (بھاری مصیبت) اور ناگوار چیز ہے (عذاب دنیا کے مقابلہ میں نہایت تلخ) یہ مجرمین نری غلطی) دنیا کی تباہی اور دہکتی آگ میں ہوں گے (جو آخرت میں نہایت بھڑکتی ہوگی) جس روز یہ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے (آخرت کے روز ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کے (تمہیں) چھونے کا مزہ چکھو۔ یقیناً ہم نے ہر چیز کو (یہ منسوب ہے اس فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) انداز سے کیا پیدا کیا ہے (ناپ تول کر یہ حال ہے۔ "کل شئی" سے بمعنی مقدار۔ اور ایک قراءت میں کل رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر خلقناہ ہے)، اور ہمارا حکم (جس چیز کے موجود کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں) ایسا یکبارگی ہوجاتا ہے جیسے پلک جھپکانا (آنا فاناً یعنی کن کے ذریعہ وہ چیز موجود) ہوجاتی ہے۔ انما امرہ اذا ار اد شیئا ان یقول لہ کن فیکون) اور ہم تم جیسے لوگوں کو (گذشتہ امتوں میں تمہاری طرح کفر میں گزر چکے ہیں) ہلاک کرچکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی دھیان کرو اور سمجھو) اور ہر وہ چیز جو کرتے ہیں (بندے وہ لکھی ہوئی) اعمالناموں میں ہے (کراماً کاتبین کے دفتروں میں) اور ہر چھوٹی بڑی چیز (گناہ یا عمل کی) لکھی ہوئی ہے (لوح محفوظ میں درج ہے) پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (نھر سے جنس مراد ہے ایک قراءۃ میں نون اور ہائے ضمہ کے ساتھ ہے جیسے اَسَـد اور اُســد۔ حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنت میں پانی دودھ، شہد اور شراب کی نہروں سے سیراب ہوں گے) ایک عمدہ مقام میں (شائستہ محفل میں جہاں نہ فضول بات ہوگی اور نہ غلط چیز۔ اس سے جنس مراد ہے۔ ایک قراءت میں مقاعد ہے یعنی پرہیزگار جنت کی ایسی محفلوں میں ہوں گے جس میں نہ فضول گوئی ہوگی اور نہ گناہ کی چیز۔ برخلاف دنیا کی مجالس کے جو بہت کم ان سے پاک ہوتی ہے۔ یہ ترکیب میں خبر ثانی اور بدل ہوسکتا ہے بدل البعض ہو یا دوسری قسم) بادشاہ کے پاس۔ (ملیک مبالغہ کا وزن ہے یعنی وسیع سلطنت کا مالک) جو قدرت والا ہے (جسے کوئی بھی دبا نہیں سکتا۔ یعنی حق تعالیٰ اور عند مرتبہ عظمت کے لئے ہے جو فضل الٰہی سے حاصل ہو گا۔)

تحقیق وترکیب:.......... ال فرعون۔ آل کے معنی متعلقین ومتبعین ہیں۔

النذر۔ مصدر ہے یا نذیر کی جمع ہے۔

کلھا۔ نو نشانیاں (۱) عصا (۲) ید (۳) سنین (۴) طمس (۵) طوفان (۶) جراد (۷) قمل (۸) ضفادع (۹) دم مراد ہیں۔

نحن جمیع۔ اس کی تفسیر جمع کے ساتھ اس لئے کی گئی تا کہ اس کا نحن کا خبر بننا صحیح ہوسکے۔ یہ نحن کی صفت نہیں ہے لیکن چونکہ لفظاً مفرد ہے اس لئے منتصرون کی بجائے منتصر پر اکتفا کیا گیا۔ اس میں فواصل کی رعائت بھی ہوگئی۔ افتعل بمعنی تفاعل ہے جیسے اختصم بمعنی تخاصم اور بعض نے منتصر بمعنی منتقم لیا ہے۔

الدبر فواصل کی رعائت سے مفرد لایا گیا ہے مراد جنس ہے یا ہر فرد مراد ہے۔

بل الساعۃ۔ یعنی کفار کی شکست ہی پر معاملہ ختم نہیں ہوجاتا۔ اس سے زیادہ مصیبت یہ کہ قیامت سر پر کھڑی ہے۔

ادھی. داھیۃ سے اسم تفضیل ہے سخت وحشتناک چیز بجائے ضمیر کے اسم ظاہر تہویل کے لئے لایا گیا ہے۔

انا کل شیء۔ نصب کی قرائت پر ما اضمر عاملہ علی شرط التفسیر ہے اور یہی قرأت راجح ہے۔ کیونکہ غلط معنی کا ابہام نہیں ہے۔ برخلاف ابوالسماک کی قرائت رفع کے اس میں غلط معانی کا ابہام ہے اس طرح کہ کل شیئ موصوف ہو اور خلقناہ اس کی صفت بنادی جائے اور بقدر خبر ہو تو معنی ہوں گے جو چیزیں ہم نے بنائی ہیں وہ اندازہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے جس سے یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزیں اللہ کی بنائی ہوئی نہیں اور وہ بے تخمینہ ہیں۔ یہ اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف اور معتزلہ کے نظریہ کے مطابق ہے۔

چنانچہ ابوالبقاء فرماتے ہیں کہ نصب کی قرأت سے عموم معلوم ہوتا ہے وہی بہتر ہے اور رفع کی قراءت سے عموم معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ خلقناہ شئی کی صفت ہے۔ کیونکہ صفت موصوف سے پہلے اور صلہ۔ موصول سے پہلے عمل نہیں کر سکتے۔ اور نہ ماقبل کے عامل کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ پس جب یہ ماقبل کی صفت نہیں بن سکتی تو تاکید یا تفسیر ہی کہا جائے گا مضمر ناصب کی۔ اس سے عموم نکل آئے گا۔

ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اگر کہیں فعل میں وصف ہونے کا احتمال ہو اور وہ خبر بننے کی صلاحیت رکھے اور فعل میں بھی خبر بننے کی صلاحیت ہو سکے تو اس وقت پہلے اسم میں نصب مختار ہوگا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فعل وصف نہیں ہے کہ جیسا کہ یہاں ہے۔ کیونکہ رفع صورت میں یہ ایہام ہو سکتا ہے کہ فعل ''وصف'' ہے اور بقدر خبر ہے۔ اسی طرح حکم خاص رہے گا۔ حالانکہ مقصود حکم کا عام ہوتا ہے برخلاف قراءت نصب کے اس میں بقدر فعل ناصب سے متعلق ہوگا۔

الا واحدة۔ مفسرؒ نے موصوف محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔

کلمح البصر۔ لمحہ نہایت قلیل وقت کو کہا جاتا ہے ''لمح بصر'' پلک جھپکنا۔

اشیاعکم۔ اشیاع کے معنی اتباع کے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ۔ **شیعة الرجل اتباعه و انصاره**۔ روح البیان میں ہے اشیاع شیعہ کی جمع ہے مددگار۔ ایک جماعت۔

کل شئی فعلوہ۔ اس آیت میں نحوی قاعدہ پہلی آیت کے برعکس ہے۔ یہاں سب کے نزدیک کل میں رفع کی قراءت ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ انسانوں کے جملہ افعال لوح محفوظ میں درج ہیں۔ لیکن اگر اس پر نصب پڑھا جائے تو معنی یہ ہو جائیں گے کہ جو چیزیں لوح محفوظ میں درج ہیں لوگ بس وہی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ لوح محفوظ میں ہمارے کاموں کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں درج ہیں۔ دونوں آیتوں میں اہم ترین نکات عربیہ ہیں۔ ایک ہی جگہ ان دونوں نکتوں کا جمع ہونا لطف کلام کو دوبالا کر رہا ہے۔

و نهر۔ فواصل کی رعایت سے مفرد لایا گیا ہے لیکن جنس مراد ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نہر جاری مراد نہیں۔ بلکہ فضا اور وسعت مراد ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ نہر کے معنی وسعت کے ہیں اور کتب کے وزن پر نہر بمعنی واسع ہے اور بعض کی رائے ہے کہ جس طرح سحاب کی جمع سحب ہے اسی طرح انہار کی جمع نہر ہے یعنی وہاں نہ رات ہوگی اور نہ اندھیرا ہوگا۔

مقعد صدق۔ اس میں سچی صحیح باتیں ہوگی یہاں بھی جنس مراد ہے یہ ان کی خبر ثانی ہے یا جنات خبر اول سے بدل ہے۔

عند مليك۔ قرب مکانی مراد نہیں ہے بلکہ قرب رتبی مراد ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے جو متقین اکمل ہیں وہ جنت وصال میں ہوں گے۔ انہیں حکمت کی نہروں سے شراب معرفت پلائی جائے گی اور ان نہروں سے غوطہ خوری کر کے معارف کے موتی نکالیں گے اور وہ مقام وحدت ذاتیہ میں اقامت گزین ہوں گے۔ جیسے حدیث میں ہے۔ **ابيت عند ربی يطعمنی ويسقينی**۔

ربط آیات: .... آیت ولقد جاء میں فرعون اور اس کی قوم کی بربادی کا سرسری ذکر ہے۔ آیت ''اکفارکم'' سے آپ کے زمانہ کے کفار کو بھی لتاڑ دی جا رہی ہے کہ تم بھی پچھلوں کے ہم پیالہ ہم نوالہ بنائے جاؤ گے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

پھر آخر میں آیت **ان المتقين** سے اہل ایمان وتقویٰ پر نوازشوں کا ذکر ہے۔

روایات: .... حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت **سيهزم الجمع** نازل ہوئی تو میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کب ہوگا لیکن جب بدر میں آنحضرت ﷺ نے زرہ وغیرہ ہتھیار زیب تن کر کے یہ آیت پڑھی تو میں سمجھ گیا کہ آیت کا مصداق یہی ہے۔

﴿تشریح﴾..........اکفارکم پچھلی قوموں کے حالات سنا کر موجودہ لوگوں سے کہا جارہا ہے کہ تم بھی جب اس ڈگر پر چل رہے ہو تو کیا تم ان نتائج بد سے بچ سکو گے جن سے وہ لوگ دو چار ہو چکے ہیں؟ کچھ تم ان سے بڑھ چڑھ کر ہو یا تمہارے نام چھوٹ کا کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو چاہو کرو تمہیں سزا نہیں ملے گی۔ یا یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ تمہارا جتھا بہت بڑا ہے وہ سب مل کر تمہاری مدد کو آجائیں گے۔ سب سے بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور اپنے مقابلہ میں کسی کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

کفار کی طاقت کا نشہ جلد ہی اتر گیا:........ مگر سیھزم الجمع عنقریب تمہیں اپنی جماعت کا دم خم معلوم ہو جائے گا۔ جب مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ جیسا کہ بدر میں اور احزاب میں دنیا نے یہ تماشا دیکھا۔ یہی مبارک آیت اس وقت آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جاری تھی۔ اور ابھی کیا اصل درگت تو ان کی قیامت میں بنے گی جو سر پر کھڑی ہے وہ سخت مصیبت کا وقت ہو گا۔ اب تو غفلت کے نشہ میں پاگل ہو رہے ہو مگر دماغ سے یہ سودا اس وقت نکلے گا جب انہیں اوندھے منہ دوزخ میں گھسیٹا جائے گا۔ اور یہ کہا جائے گا کہ اب مزہ چکھو۔

انا کل شیء ۔ رہا یہ کہ قیامت کب آئے گی؟ سو یہ بات ہے کہ ہر چیز کا ایک مقررہ وقت ہے جو اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکا ہے۔ قیامت کا وقت پہلے سے اس کے یہاں طے شدہ ہے۔ ایک پل اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ یوں تو ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں۔ ہمیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں دیر کیا لگتی ہے اور مشقت کیا ہوتی ہے۔

تمہاری طرح کے کتنے کافر پہلے تباہ ہو چکے۔ پر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں ہے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑے ہر ایک کی نیکی بدی دفتر اعمال میں درج ہو رہی ہے۔ وقت آنے پر ساری مسل سامنے کر دی جائے گی۔ اور اسی دفتر اعمال پر اکتفا نہیں بلکہ مرکزی دفتر "لوح محفوظ" میں ہر چھوٹی بڑی تفصیل پہلے سے مرتب کی جا چکی ہے یہ دوہرا انظام با قاعدہ مرتب صورت میں ہے۔ مجال ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی چیز ادھر سے ادھر ہو جائے۔

جس طرح مجرمین کے لئے جیل خانہ اور اس کی دہشت ناک سزائیں ہیں اسی طرح وفادار اور اطاعت شعار بھی عالی مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہِ اعظم کا قرب نصیب ہوگا۔

سُـورَةُ الرَّحْمٰنِ

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَلْاٰيَةَ فَمَدَنِيَّةٌ
وَهِيَ سِتٌّ اَوْ ثَمَانٌ وَّ سَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ **عَلَّمَ** مَنْ شَاءَ **الْقُرْاٰنَ** ﴿٢﴾ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ** ﴿٣﴾ اَيِ الْجِنْسَ **عَلَّمَهُ الْبَيَانَ** ﴿٤﴾ اَلنُّطْقَ **اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ** ﴿٥﴾ بِحِسَابٍ يَجْرِيَانِ **وَّالنَّجْمُ** مَا لَا سَاقَ لَهٗ مِنَ النَّبَاتِ **وَالشَّجَرُ** مَا لَهٗ سَاقٌ **يَسْجُدَانِ** ﴿٦﴾ يَخْضَعَانِ بِمَا يُرَادُ مِنْهُمَا **وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ** ﴿٧﴾ اَثْبَتَ الْعَدْلَ **اَلَّا تَطْغَوْا** اَيْ لِاَجْلِ اَنْ لَّا تَجُوْرُوْا **فِي الْمِيْزَانِ** ﴿٨﴾ مَا يُوْزَنُ بِهٖ **وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ** ﴿٩﴾ تَنْقُصُوا الْمَوْزُوْنَ **وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا** اَثْبَتَهَا **لِلْاَنَامِ** ﴿١٠﴾ لِلْخَلْقِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَغَيْرِهِمْ **فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ** اَلْمَعْهُوْدُ **ذَاتُ الْاَكْمَامِ** ﴿١١﴾ اَوْعِيَةُ طَلْعِهَا **وَالْحَبُّ** كَالْحِنْطَةِ وَ الشَّعِيْرِ **ذُو الْعَصْفِ** اَلتِّبْنِ **وَالرَّيْحَانُ** ﴿١٢﴾ اَلْوَرَقُ اَوِ الْمَشْمُوْمُ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ** نِعَمِ **رَبِّكُمَا** يَا اَيُّهَا الْاِنْسُ وَالْجِنُّ **تُكَذِّبٰنِ** ﴿١٣﴾ ذُكِرَتْ اِحْدٰى وَ ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً وَالْاِسْتِفْهَامُ فِيْهَا لِلتَّقْرِيْرِ لِمَا رَوَى الْحَاكِمُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَرَاَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلرَّحْمٰنَ حَتّٰى خَتَمَهَا ثُمَّ قَالَ مَا لِيْ اَرٰكُمْ سُكُوْتًا لَلْجِنُّ كَانُوْا اَحْسَنَ مِنْكُمْ رَدًّا مَا قَرَاْتُ عَلَيْهِمْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مِنْ مَّرَّةٍ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ـ اِلَّا قَالُوْا وَلَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ** اٰدَمَ **مِنْ صَلْصَالٍ** طِيْنٍ يَابِسٍ يُسْمَعُ لَهٗ صَلْصَلَةٌ اَيْ صَوْتٌ اِذَا نُقِرَ **كَالْفَخَّارِ** ﴿١٤﴾ وَهُوَ مَا طُبِخَ مِنَ الطِّيْنِ **وَخَلَقَ الْجَآنَّ** اَبَا الْجِنِّ وَهُوَ اِبْلِيْسُ **مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ** ﴿١٥﴾ هُوَ لَهَبُهَا الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿١٦﴾ **رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ**

مَشْرِقُ الشِّتَاءِ وَ مَشْرِقُ الصَّيفِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ اَرسَلَ الْبَحْرَيْنِ الْعَذْبَ وَالْمِلْحَ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ فِي رَأيِ الْعَيْنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ حَاجِزٌ مِنْ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ لَا يَبْغِيْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلَى الْاٰخَرِ فَيَخْتَلِطُ بِهٖ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مِنْهُمَا مِنْ مَجْمُوْعِهِمَا الصَّادِقُ بِاَحَدِهِمَا وَهُوَ الْمِلْحُ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ خَرَزٌ اَحْمَرُ اَوْ صِغَارُ اللُّؤْلُؤِ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ السُّفُنُ الْمُنْشَئٰتُ الْمُحْدَثَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ كَالْجِبَالِ عَظَمًا وَارْتِفَاعًا فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا اَيِ الْاَرْضِ مِنَ الْحَيْوَانِ فَانٍ ﴿۲۶﴾ هَالِكٌ وَعَبَّرَ بِمَنْ تَغْلِيْبًا لِلْعُقَلَاءِ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذَاتُهٗ ذُو الْجَلٰلِ الْعَظَمَةِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنْعُمِهٖ عَلَيْهِمْ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ بِنُطْقٍ اَوْ حَالٍ مَا يَحْتَاجُوْنَ مِنَ الْقُوَّةِ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالرِّزْقِ وَالْمَغْفِرَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ كُلَّ يَوْمٍ وَقْتٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْرٍ يُظْهِرُهٗ فِي الْعَالَمِ عَلٰى وَفْقِ مَا قَدَّرَهٗ فِي الْاَزَلِ مِنْ اِحْيَاءٍ وَّاِمَاتَةٍ وَاِعْزَازٍ وَاِذْلَالٍ وَاِغْنَاءٍ وَاِعْدَامٍ وَاِجَابَةِ دَاعٍ وَاِعْطَاءِ سَائِلٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ سَنَقْصُدُ لِحِسَابِكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ اَلْاِنْسُ وَالْجِنُّ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا تَخْرُجُوْا مِنْ اَقْطَارِ نَوَاحِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا اَمْرُ تَعْجِيْزٍ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ بِقُوَّةٍ وَلَا قُوَّةَ لَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ هُوَ لَهَبُهَا الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ اَوْ مَعَهٗ وَّنُحَاسٌ اَيْ دُخَانٌ لَا لَهَبَ فِيْهِ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ تَمْتَنِعَانِ مِنْ ذٰلِكَ بَلْ يَسُوْقُكُمْ اِلَى الْمَحْشَرِ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۤءُ انْفَرَجَتْ اَبْوَابًا لِنُزُوْلِ الْمَلٰٓئِكَةِ فَكَانَتْ وَرْدَةً اَيْ مِثْلَهَا مُحْمَرَّةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ كَالْاَدِيْمِ الْاَحْمَرِ عَلٰى خِلَافِ الْعَهْدِ بِهَا وَجَوَابُ اِذَا فَمَا اَعْظَمَ الْهَوْلَ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ عَنْ ذَنْبِهٖ وَيُسْـَٔلُوْنَ فِيْ وَقْتٍ اٰخَرَ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَالْجَآنُّ هُنَا وَفِيْمَا سَيَاْتِيْ بِمَعْنَى الْجِنِّيِّ وَالْاِنْسُ فِيْهِمَا بِمَعْنَى الْاِنْسِيِّ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ اَيْ سَوَادِ الْوُجُوْهِ وَزُرْقَةِ الْعُيُوْنِ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ اَيْ تُضَمُّ نَاصِيَةُ كُلٍّ مِّنْهُمَا اِلٰى قَدَمَيْهِ مِنْ خَلْفٍ اَوْ قُدَّامٍ وَيُلْقٰى فِي النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ

ع ۲۹ / ۱۱

يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۴۳﴾ يَطُوفُونَ يسعون بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ ماء حار اٰنٍ ﴿۴۴﴾ شديد الحرارة يسقونه اذا استغاثوا من حر النار وهو منقوص كقاضٍ فَبِأَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ...... پوری سورہ رحمٰن مکیہ ہے یا بجز آیت یسأله من فی السموات کے مدنیہ ہے۔ کل آیات ۷۶ یا ۷۸ ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

رحمٰن نے (جس کو چاہا) قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے (جنس) انسان کو پیدا کیا۔ اس کو گویائی (بول چال) سکھلائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چل رہے) ہیں اور بے تنا درخت (جن سبزیوں کے تنا نہیں ہوتا) اور تنادار درخت دونوں تابعدار ہیں (قدرت کو جو کچھ منظور ہے وہ پورا کرتے ہیں) اور آسمان کو اس نے اونچا کیا اور اس نے ترازو رکھ دی (انصاف قائم کیا) تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی (ظلم) نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور اسی نے زمین کو خلقت (انسان جن وغیرہ مخلوق) کے لئے رکھ دیا۔ جس میں میوے اور کھجور کے خاص درخت ہیں جن پر غلاف ہوتا ہے (خوشوں کی تھیلی) اور غلہ (جیسے گیہوں جو) جس میں بھوسا (تنکا) ہوتا ہے اور پھول پتے (گھاس یا خوشبو) ہیں۔ سو تم دونوں (اے انس وجن) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اس میں استفہام تقریر کیلئے ہے۔ حاکم نے جابرؓ سے روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے سورہ رحمٰن پڑھ کر فرمایا تم خاموش کیوں ہو۔ تم سے تو جن ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے ہر مرتبہ فبأی الآء ربکما تکذبان سن کر یہ کہا کہ ولا بشیء من نعمتک ربنا نکذب فلک الحمد یعنی ہمارے پروردگار ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں) اسی نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو بجتی تھی (سوکھی مٹی جو بجانے پر کھن کھن بولے) ٹھیکرے کی طرح مٹی (جب آگ میں پک جائے) اور جنات (ابوالجن، ابلیس) کو خالص آگ سے پیدا کیا (ایسی خالص آگ کی لپٹ جس میں دھواں شامل نہ ہو) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں مشرق (سردیوں گرمیوں) کا اور دونوں (سردیوں گرمیوں کی) مغرب کا (بھی) مالک ہے۔ سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اس نے ملا دیا (جاری کیا) دونوں (شیریں اور شور) دریاؤں کو باہم ملے ہوئے ہیں (دیکھنے میں) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے۔ (قدرت الٰہی) کی آڑ کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے (کہ ایک دوسرے پر چھا کر مل جائیں) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ برآمد ہوتا ہے (مجہول ومعروف ہے) ان دونوں سے (یعنی دونوں کے مجموعہ سے جو دریائے شور پر صادق آتا ہے) موتی اور مونگا (سرخ پوتھ اور چھوٹے موتی) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور اسی کے ہیں جہاز (کشتیاں) جو کھڑے (بنائے گئے) ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح (بڑائی اور بلندی میں پہاڑوں جیسے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے جس قدر روئے زمین پر (جاندار چیزیں) موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گی (لفظ من لانا بطور تغلیب عقلا ہے) اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی۔ جو جلال (عظمت) اور احسان والی ہے (مومنین پر انعام کر کے) سو تم دونوں کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جائے گے۔ اسی سے سب زمین وآسمان والے مانگتے ہیں (زبان سے ضروریات، وہ عبادت کی قوت ہو یا رزق ومغفرت وغیرہ) وہ ہر آن کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (عالم میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے خواہ جلانا ہو یا مارنا، عزت ہو یا ذلت دینا، امیر بنانا ہو یا فقیر کرنا۔ قبولیت دعا ہو یا مانگنے والے کو عطا وغیرہ) سو تم دونوں رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ عنقریب ہم تمہارے (حساب کے) لئے فارغ ہوا چاہتے ہیں (اے انس وجن) سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو

جاؤ گے۔اے جن اور انسانوں کے گروہ اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ کہیں باہر نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کی حدود (اطراف) سے تو نکل جاؤ (یہ حکم عاجز کرنے کیلئے ہے) بدوں زور کے نہیں نکل سکتے (اور تمہیں اتنی طاقت ہے نہیں) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔تم دونوں پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا (خالص لپٹ جس میں دھواں نہ ہو یا دھویں سمیت) اور دھواں (خالص جس میں لپٹ نہ ہو) پھر تم ہٹا نہ سکو گے (ان سے بچ نہ سکو گے۔ بلکہ تمہیں یہ دونوں محشر میں دھکیل دیں گے سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔غرض جب آسمان پھٹ جائے گا (فرشتے نازل ہونے کیلئے دروازے بن جائیں گے) اور سرخ ہو جائے گا (گلاب کی طرح) جیسے سرخ نری (لال چمڑا جو اصلی ہیت کے خلاف ہوا ذا کا جواب فما اعظم الھول ہے یعنی بڑی ہیبت ہو جائے گی) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔تو اس روز نہ کسی انسان سے اس کے جرم کی نسبت پوچھا جائے گا اور نہ جن سے (اس گناہ کے متعلق البتہ دوسرے وقت دریافت کیا جائے گا۔چنانچہ فو ربک لنسئلھم اجمعین ہے اور الجان یہاں اور آگے بمعنی جنی ہے الانس بھی دونوں جگہ بمعنی انسی ہے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو منکر ہو جاؤ گے۔مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے (یعنی کالے چہرے اور نیلی آنکھوں سے) چنانچہ سر کے بال اور ہاتھ پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یعنی دونوں فرقوں کی پیشانیاں اور پاؤں پیچھے یا سامنے کی جانب باندھ دیئے جائیں گے اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور کہا جائے گا) یہ ہے جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے وہ لوگ گھر میں دوڑیں گے دوزخ کے اور گرم (تیز) کھولتے ہوئے پانی کے درمیان (جو انتہائی حرارت والا ہوگا۔آگ کی گرمی سے بلبلانے پر انہیں پلایا جائے گا۔اٰنٍ قاضٍ کی طرح ناقص یائی ہے) سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

تحقیق وترکیب: ......سورۃ الرحمٰن۔حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ لکل شیء عروس و عروس القران سورۃ الرحمن۔ عائشہؓ ابن عباسؓ، زبیرؓ تو اس کو مکی کہتے ہیں اور ابن عباسؓ سے مدنی ہونا بھی منقول ہے۔مفسرؒ صرف آیت یسالہ من فی السموات ؒ کو مدنی فرما رہے ہیں لیکن گاذرونی اس کے ساتھ آیت فبای الاء ربکما تکذبان کو بھی مدنی کہتے ہیں۔حالانکہ یہ آیت خاص نہیں ہے بار بار آرہی ہے الرحمٰن مبتدائے محذوف کی خبر ہے ای اللہ الرحمٰن یا اس کی خبر محذوف ہے ای الرحمٰن لربنا۔یا اس کو مبتداء اور بعد کے جملہ کو خبر کہا جائے۔

علمه البیان۔زبان سے اظہار مافی الضمیر انسان کا خاصہ ہے۔دوسرے حیوانات کو ناطق نہیں مانا گیا ہے۔

بحسبان۔یہ مفرد ہے بمعنی حساب جیسے غفران، کفران، اور حساب کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔جیسے شہاب کی جمع شہبان اور رغیف کی جمع رغفان آتی ہے۔مہینوں اور موسموں کے لحاظ سے چاند سورج دونوں اپنے اپنے مدار پر مقررہ رفتاروں کے ساتھ منازل اور برج طے کرتے رہتے ہیں۔

ووضع المیزان۔حدیث میں ہے۔بالعدل قامت السموات والارض۔

الا تطغوا۔یعنی ان ناصبہ ہے نافیہ نہیں ہے اور تطغوا منصوب ہے ان کے ذریعہ جس سے پہلے لام علت مقدر ہے۔

اقیموا الوزن. زائد لینے کو طغیان اور کمی کو اخسار اور برابر سرابر کو قسط کہتے ہیں۔

للانام۔ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں وہ انام میں داخل ہیں۔لیکن حسنؒ صرف جن وانس کو کہتے ہیں۔

الاکمام۔اکمام کم کی جمع ہے غلاف شگوفہ۔

طلعھا۔طلع ابتدائی شگوفہ۔

ذو العصف۔ عصف بقول صراح گھاس اور بقول بیضاویؒ سوکھی گھاس تنکے پتے۔ قاموس میں ہے کہ گیہوں وغیرہ کے بھوسہ کو کہتے ہیں۔

الریحان ۔ پتوں اور خوشبو کو کہتے ہیں۔ حدیث لا شئ من نعمک میں جو نعمتوں کو عام فرمایا گیا۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ آیت میں یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس میں آگ اور دھویں کا ذکر ہے ان کو نعمت کیسے کہا جائے؟ جواب یہ ہے کہ مصائب کو دفع کرنا اور ان سے بچاؤ بھی نعمت ہے۔ اسی طرح عذاب کو مؤخر کرنا اور دنیا کو مقررہ وقت تک باقی رکھنا موت کا عام ہونا نیک و بد سب کے لئے یہ بھی نعمتیں ہیں۔

صلصال کالفخار ۔ صلصال کھنکھناتی خشک مٹی اور فخار ٹھیکرے کے معنی ہیں۔

رب المشرقین ۔ عام قراءت رفع کی ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ مبتداء ہو اور خبر مرج البحرین ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ دوسرے یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خلق الانسان کی ضمیر سے بدل ہو۔ لیکن ابن ابی عبلہ رب کو مجرور پڑھتے ہیں ربکما کا بدل یا بیان مان کر۔ مکی کہتے ہیں کہ ربکما سے بدل مان کر مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔

مرج البحرین ۔ مرجت الدابۃ۔ کہا جاتا ہے بمعنی ارسلتھا، بحرین سے دریائے شیریں اور شور مراد ہے اور بعض نے بحر فارس و روم مراد لئے ہیں۔

یلتقیان ۔ یہ بحرین سے حال مقدرہ یا حال مقارنہ ہے۔

بینھما برزخ ۔ جملہ مستانفہ یا حال بن سکتا ہے یا صرف بینھما کو حال اور برزخ کو فاعل کہا جائے۔ اور ذوالحال خواہ بحرین کو کہا جائے یا یلتقیان کے فاعل کو۔ اور لا یبغیان بھی پہلے کی طرح حال ہے اور یہ حال علت کے درجہ میں ہے ای لئلا یبغیا ۔ اور بعض نے کہا کہ اصل عبارت تو اسی طرح تھی۔ مگر حرف علت کو مع ان حذف کر دیا گیا۔ پھر فعل مرفوع ہو گیا۔ جیسا کہ ومن ایاتہ یریکم البرق میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نمکین اور شیریں سوت بظاہر ملے ہوئے رہتے ہیں۔ مگر اللہ کی قدرت دونوں کو الگ الگ رکھتی ہے۔ پس جب بے عقل جمادات کو اللہ ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کرنے دیتا۔ تو اہل عقل کو کیسے اجازت دے سکتا ہے اور وہ کیسے بغاوت کرتے ہیں۔

جس طرح دونوں قسم کے دریاؤں کے موتی مونگا نکلنے کی صورت میں منھما صادق آتا ہے۔ اسی طرح اگر صرف ایک قسم کے دریا سے موتی وغیرہ نکلتے ہوں۔ تب بھی یہ لفظ صحیح رہے گا۔ جیسے کہا جائے کل رجل یحمل الصخرۃ العطیۃ یعنی جس طرح یہ تمام مجموعہ افراد کی صورت میں صادق آتا ہے۔ اسی طرح بعض افراد کی صورت میں بھی صادق آجائے گا۔

اللؤلؤ و المرجان ۔ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ چھوٹے موتی۔ اور حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے بڑے موتی کے ہیں۔ اور مرجان کے معنی صراح میں جوہر کے ہیں۔ اور روح البیان میں سرخ پوتھ کے ہیں۔ اور فریدۃ العجائب میں لکھا ہے کہ موتی بحر ہند و بحر فارس میں ہوتا ہے اور مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتے ہیں اس میں اور بھی اقوال ہیں۔

المنشات ۔ بمعنی مرفوعات۔ انشاء بمعنی رفع، شرع شراع کی جمع ہے۔ بادبان کو کہتے ہیں۔ پہاڑ اور کشتیاں بھی پانی پر ابھری کھڑی رہتی ہیں اور بعض نے منشات کے معنی مخلوقات و محدثات کے لئے ہیں۔ یعنی گویا یہ سمندر میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اس معنی کی لطافت واضح ہے۔

ذوالجلال والاکرام ۔ پہلے لفظ میں وعید۔ دوسرے میں وعدہ کے معنی ہیں جلال سے عالم کے فنا ہونے اور کفار کے عذاب کی طرح اور اکرام سے عالم کے زندہ کرنے اور مومنین کے ثواب کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں تو عام قراءت میں ذو امرفوع ہے اور قراءت شاذہ میں مجرور۔ لیکن اخیر سورت میں دونوں قراءتیں متواتر ہیں۔

یسئلہ من فی السموات ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور من وجہ حال بھی ہو سکتا ہے یبقی عامل ہے۔

کل یوم ۔ اس میں یہود کے اس خیال کی تردید ہے کہ یوم السبت میں اللہ کچھ نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ اس کو یوم السبت کہتے ہیں بمعنی انقطاع و

تعطل۔ یہاں یــــوم کے معنی مطلق وقت کے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی شئون وصفات غیر متناہی ہیں۔ ہر آن ان کی نرالی شان ہے شان سے مراد صفات فعلیہ ہیں۔ جن میں تغیرات باعث اشکال نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو تغیرات، متعلقات میں ہوتے ہیں نہ کہ صفات فعلیہ میں۔ اور صفات ذات اور خود ذات میں تو کسی طرح کا تغیر ممکن نہیں وہ مغیر ہے نہ کہ متغیر۔

سنفرغ۔ اس لفظ پر اشکال ہے کہ وہ مشغول ہی نہیں کہ اس کو فارغ کہا جاسکے۔ جواب کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مراد پوری توجہ اور ارادہ وقصد ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ ہم بالکلیہ اس کام کے لئے فارغ ہو گئے۔ یہ آیت بھی وعدو وعید پر مشتمل ہے۔

الثقلان۔ ثقل کے معنی وزن اور بوجھ کے ہیں جن وانس زندہ ہوں یا مردہ زمین پر بوجھ ہیں۔ جنات اگر چہ بظاہر مادی نہیں ہوتے تاہم قدر و منزلت کے اعتبار سے ان کو بھی انسانوں کے ساتھ وزنی سمجھا گیا۔ حدیث میں ہے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی یا دونوں کو گناہوں کی وجہ سے بوجھل سمجھا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق نے فرمایا ہے۔

فانفذوا۔ بعض کی رائے ہے کہ قیامت میں ارشاد ہوگا۔

کالدھان۔ خبر ثانی ہے یا وردۃ کی صفت ہے اور کانت کے اسم سے بھی حال ہو سکتا ہے اور دھان دہن کی جمع ہے جیسے قرط کی جمع قراط ہے اور دمع کی جمع دماع ہے۔ مجاہدؒ وضحاکؒ کی رائے یہی ہے۔ اس صورت میں یوم تکون السماء کالمھل کی طرح ہو جائے گا۔ اور دھان اسم مفرد بھی ہو سکتا ہے چنانچہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اسم لما یدھن به کالحرام و الادام۔

لا یسأل۔ آیت فو ربک لنسئلنھم اجمعین اور آیت وقفوھم انھم مسئولون اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ قیامت میں مختلف احوال پیش آئیں گے۔

انس ولا جآن۔ یہ دونوں لفظ اسم جنس ہیں۔ ان میں یا کا اضافہ کر دیا جائے تو انسی اور جنی مفرد ہو جائیں گے۔ لیکن اسم جنس کا اطلاق بھی چونکہ مفرد پر ہو سکتا ہے۔ اس لئے مفسرؒ کی تاویل کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ تاہم سوال چونکہ افراد سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے تاویل کی ضرورت پڑی۔

زرقۃ العیون۔ گربہ چشم کو کہتے ہیں۔

حمیم اٰن۔ ضرب سے انی یانی۔ قضی یقضی کی طرح، فھو اٰن۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں زیادہ تر نعمتوں اور مصیبتوں کا بیان تھا۔ اگر چہ اسباب ہدایت ہونے کی حیثیت سے وہ حکما اور معناً نعمتیں ہوں۔ تاہم اس میں اول وآخر کچھ مضمون نعمتوں کا تھا برخلاف اس سورت کے اس میں زیادہ مضمون دنیاوی اور اخروی نعمتوں کا ہے۔ اور درمیان میں کچھ مضمون نعمتوں اور مصیبتوں کا بھی آ گیا ہے۔ اگر چہ اسباب ہدایت ہونے کی وجہ سے وہ بھی نعمتیں ہی ہیں۔ اسی لئے ظاہری نعمتوں کی طرح ان حکمی نعمتوں کے بعد بھی آیت فبای الا ربکما تکذبان دہرائی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں دنیاوی نعمتوں کا ذکر ہے۔ کچھ ظاہری اور جسمانی اور کچھ باطنی اور روحانی۔ اور دوسرے رکوع اور اخروی نعمتوں اور مصیبتوں کا بیان ہے جو معنیً نعمتیں ہیں۔ پھر آخری تیسرے رکوع میں اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہے جو صورۃ اور معنی دونوں طرح نعمتیں ہیں۔

﴿ تشریح ﴾ .... الرحمٰن علم القرآن۔ رحمٰن کا سب سے بڑا عطیہ قرآن ہے اس کی نعمتوں میں یہ سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے۔ انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور پھر علم قرآن کے اس ناپیدا کنار دریا کو دیکھو۔ کہاں یہ ضعیف البنیان بشر اور کہاں آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری کلام الٰہی۔

انسان اور قرآن و بیان: .... خلق الانسان ۔انسان کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا۔ واقعہ یہ ہے کہ ساری نعمتوں کی جڑ اور سر چشمہ عطاء وجود ہے۔ایجاد ایک ذات کا ہوتا ہے دوسرے صفت کا حق تعالیٰ نے انسان کی ذات پیدا کی اور اس میں صفت بیان بھی رکھی۔یعنی اپنے مافی الضمیر کو بڑی حسن وخوبی اور شائستگی وصفائی سے دوسروں تک پہنچائے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے اور اس کی تہہ تک پہنچ سکے۔اسی صفت کا پرتو ہے کہ وہ کلام الٰہی قرآن سیکھتا سکھاتا ہے اور دنیا وآخرت کی اچھی بری باتوں، ایمان وکفر، ہدایت وگمراہی، نیکی وبدی کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔تعلیم قرآن تو روحانی اور تخلیق انسانی جسمانی نعمت ہے۔جو مقدر ہے نعمت روحانی کا۔

الشمس و القمر ۔یہاں سے آفاقی نعمتوں کا سلسلہ ہے۔چاند سورج کا طلوع وغروب، گھٹنا بڑھنا یا ایک حالت پر قائم رہنا۔ پھر اس کے نتیجہ میں موسموں کا بدلنا اور عالم میں مختلف اثرات ڈالنا یہ سب کچھ خاص حساب اور مضبوط نظام وضابطہ کے مطابق ہو رہا ہے۔مجال نہیں کہ مقررہ دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں اور جو کام اور خدمتیں ان کے سپرد ہیں ان میں سرمو کوتاہی نہیں کر سکتے۔ہمہ وقت ہماری خدمت میں بیگاری ہیں۔

اور جدید فلسفہ کی اگر یہ بات درست ہو کہ زمین، سورج کے گرد اور چاند، زمین کے گرد گھومتے ہیں تو پھر حسبان کا یہ مطلب یہ ہوگا کہ سورج کا مدار اور چاند کا دائر ہونا باقاعدہ حساب سے ہے۔

والنجم والشجر ۔عالم علوی کی طرح عالم سفلی بھی وقف اطاعت ہے۔چھوٹے جھاڑ بیلیں، اونچے درخت سب اس کے تکوینی احکام کے آگے سرنگوں ہیں بندے ان کو کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔

آسمان، زمین اور اس کے درمیان کتنی ہی نعمتیں ہیں: .... والسماء جس طرح شمس وقمر اور نجم وشجر دو دو چیزوں کا ذکر کیا اسی طرح آسمان وزمین جوڑ ہیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے آسمان بلند ہے تو زمین پست، درمیان میں میزان وترازو کا ذکر ہے۔کیونکہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان وزمین کے درمیان فضا میں معلق رکھنا پڑتا ہے اور اسی سے بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت متعلق رہتی ہے اس لئے فرمایا کہ نہ لیتے وقت کسی چیز کو زیادہ تولو اور نہ دیتے وقت کم تولو۔ترازو کے دونوں پلے ، باٹ بٹی میں کمی بیشی نہ ہو۔دینے کے باٹ اور لینے کے اور نہیں ہونے چاہئیں تولتے وقت ڈنڈی نہ ماری جائے۔پوری دیانت داری کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔

لیکن اکثر سلف کے مطابق اگر یہاں میزان سے عدل وانصاف قائم کرنا مراد ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق وانصاف کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے تناسب وتوازن کے ساتھ قائم کیا ہے حق وانصاف اگر قائم نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی حق وعدل کے ڈگر پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو کو ٹھنے یا جھکنے نہ دیں، کسی پر زیادتی نہ کریں اور نہ کسی کا حق دبائیں۔حدیث کی رو سے عدل ہی سے زمین وآسمان قائم ہیں۔

اس کے بعد زمین پر نظر ڈالو کہ کیسی معقول بنائی کہ نہایت آرام سے اس پر چل پھر سکتے ہیں نہ روئی کی طرح نرم کہ دھنستے چلے جائیں اور نہ لوہے کی طرح سخت کہ کھودے تو نہ کھدے۔پھر اس میں پھل میوے، اناج، غلہ پیدا کیا۔غلہ میں وہ چیزیں ہیں۔دانہ جو انسان کی غذا ہے اور بھوسہ جو جانوروں کا چارہ ہے اور خوشبویات پیدا کیں۔

اللہ کے کام اور کلام دونوں میں تکرار ہے: .... فبای الاء ربکما ۔یعنی اے جن وانس ابھی تمہارے پروردگار کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ان میں سے تم آخر کس نعمت کے جھٹلانے کی جراءت کرو گے۔کیا ان کا انکار کیا جا سکتا ہے۔اسی لئے حدیث میں ہے کہ ہر بار اس کے بعد **لا شئ من عمل ربنا نکذب فلک الحمد** پڑھنا چاہے یعنی ہم آپ کی کسی بھی

نعمت کو جھٹلا نہیں سکتے بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں۔

اگرچہ جنات کا ذکر پہلے صراحۃً نہیں ہوا مگر اول تو لفظ انام میں وہ بھی داخل ہیں۔دوسری آیت **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** میں دونوں کی پیدائش کی غرض عبادت بتلائی گئی ہے۔تیسرے **خلق الانسان** و **خلق الجان** اور **سنفرغ لکم ایها الثقلان** اور **یا معشر الجن والانس** اور **انس قبلهم ولا جان** میں صراحۃً انسان اور جن دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے،اس لئے ان قرائن کی وجہ سے یہاں بھی دونوں مخاطب ہیں۔

یہ تفریعی آیت اس سورت میں اکتیس جگہ آئی ہے اور ہر مرتبہ کسی ایک خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شیون الہیہ میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اس لئے اس کو تکرار محض نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ تشارک لفظی ہے۔ایسے تکرار کو اتقان میں اصطلاحی طور پر تردید کا نام دیا گیا ہے اور اس ظاہری تکرار سے بھی جب کہ تاکید مقصود ہو تو اس کو قند مکرر سے شیریں تر کہا جائے گا۔

یہ ایسے ہی جیسے کہا جائے ۔

الم احسن الیک بان خولتک فی الاموا ل	**الم احسن الیک بان فعلت بک کذا و کذا**

یا نظم کی مثال جیسے کلیب کے مرثیہ میں مہلہل کہتا ہے ۔

علی ان لیس عدلا من کلیب	**اذا ما ضیم جیران المجیر**
علی ان لیس عدلا من کلیب	**اذا رجف العضاه من الدبور**
علی ان لیس عدلا من کلیب	**اذا خرجت مخبأة الحذور**
علی ان لیس عدلا من کلیب	**اذا ما اعلنت نجوی الامور**
علی ان لیس عدلا من کلیب	**اذا خیف المخوف من الثغور**
علی ان لیس عدلا من کلیب	**غداة تاتّل الامر الکبیر**
علی ان لیس عدلا من کلیب	**اذا ما خارجا من المستجیر**

اسی طرح فارسی اردو وغیرہ ہر زبان میں بکثرت اس کی مثالیں اساتذہ فن اور فصحاء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں اس لیے تکرار کو بے مزہ نہیں کہا جائے گا۔

مسلمانوں کے کسی امیر کے عہد میں ایک ملحد نے قرآن میں تکرار کا اعتراض کرتے ہوئے کہ یہ اللہ کا کلام معلوم نہیں ہوتا ورنہ عجز کلام اور عبث ماننا پڑے گا۔یہ سن کر امیر نے حکم دیا کہ اس کے اعضاء مکررہ، ہاتھ، پیر، کان، آنکھ کاٹ دیئے جائیں۔کیونکہ جب یہ کہتا ہے کہ اللہ کے کلام میں تکرار نہیں ہونا چاہیے۔تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے کام میں تکرار نہیں ہونا چاہیے اس کے دوسرے اعضاء زائد اور بے کار ہیں۔ان کو کاٹ دیا جائے۔سزا سنتے ہی ملحد کے کان کھڑے ہوگئے اور پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی۔فوراً ہاتھ جوڑے، کان، پکڑے اور تائب ہو گیا۔

خلق الانسان ۔سب انسانوں کے باپ آدم مٹی سے اور جنوں کے باپ ابلیس کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا پھر دونوں نوعوں کی نسل چلی اور اللہ نے دونوں کو صرف وجود ہی نہیں دیا، بلکہ عقل و دانائی بھی دی۔یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی ہے بعض سلف سے ابن جریر نے الاء کے معنی قدرت کے بھی لئے ہیں۔

بے شمار نعمتوں کا تعلق مشرق ومغرب سے ہے:.........**رب المشرقین** ۔سردی گرمی میں جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا

ہے وہ دونوں مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دونوں مغرب ہیں۔ یوں تو روزانہ نقطہ طلوع وغروب بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے الفاظ مشــارق و مغــارب جمع ہیں۔ لیکن نمایاں فرق کے لئے ممتد وقت کا اعتبار کرلیا گیا ہے۔ جیسا کہ بعض جگہ صرف سالانہ مشرق و مغرب پر اکتفا کرلیا گیا ہے۔

بہرحال موسم اور فصلیں انہی مشرقین ومغربین کے تغیر سے بدلتے رہتے ہیں اور دنیا میں طرح طرح کے انقلابات ہوتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصالح وفوائد ان تغیرات سے وابستہ ہیں۔ اس لئے یہ تبدیلی بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی بے پناہ قدرت کی نشانی ہے چونکہ پہلے سے دو دو چیزوں کے جوڑ کا ذکر چلا آرہا ہے اور آگے بھی یہ سلسلہ ہے، اس لئے بھی یہاں مشرقین، مغربین کا ذکر لطف بنا ہوا ہے۔

میٹھے اور کھاری سمندر کی نعمتیں:......مرج البحرین۔ میٹھے اور کھاری پانی کے سوت بعض دریاؤں میں ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ مگر مجال ہے کہ دونوں سوت ایک دوسرے سے مخلوط ہوجائیں۔ دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے بھی الگ الگ ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک دوسرے پر چڑھائی کرکے اس کی خاصیت وتاثیر کو بالکلیہ زائل کردے۔ یا دونوں مل کر دنیا کو غرق کرڈالیں۔

یخرج منهما اللؤلؤ موتی مونگا اگر دریائے شور وشیریں دونوں سے برآمد ہوتے ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر صرف دریائے شور سے برآمد ہوتے ہوں تو پھر **منهما** کے معنی من کل واحد واحد کے نہیں ہوں گے بلکہ من مجموعهما کے ہوں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے **خرجت من الدار** ۔ حالانکہ آپ محلہ یا مکان سے نکلے ہیں۔ اور نکتہ اس تعبیر میں یہ ہوگا کہ دونوں قالب ایک جان ہوگئے اور پھر بھی حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ التقاء خروج کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ لؤلؤ مرجان کے مخارج میں سے ایک مخرج کا بتلانا مقصود ہے۔ جس میں ایک صفت التقاء کی بھی پائی جاتی ہے۔

وله الجوار المنشأت ۔ کشتیاں اور جہاز گو بظاہر تمہارے لئے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر خود تمہیں اللہ نے بنایا ہے اسی طرح جہاز بنانے کی قوت وسامان عنائت فرمائے ہیں لہٰذا تمہارا اور تمہاری تمام مصنوعات سب کا مالک وخالق وہی ہے اور یہ سب اس کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔

شیون الٰہیہ:......**کل من علیها** ۔ زمین وآسمان کی تمام مخلوق زبان حال وقال سے اپنی تمام حاجتیں اسی خدا سے طلب کرتی ہیں۔ کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے۔ اور اللہ سب کی حاجت روائی اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ ہرآن اس کی نئی شان ہے کسی کو مارنا، کسی کو جلانا، کسی کو بیمار کرنا، کسی کو تندرست کرنا کسی کو بڑھانا۔ کسی کو گھٹانا، کسی کو دینا، کسی سے لینا شیون الٰہیہ ہیں۔

سنفرغ لکم ۔ عنقریب دنیا کا یہ سارا انظام ختم ہونے والا ہے اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کردیں گے۔ جس میں ہر ایک کا پورا حساب کتاب ہوگا اور مجرموں کی پوری طرح خبر لی جائے گی۔ وفاداروں کو بھرپور صلہ ملے گا۔ یہ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہیں۔ ہر جگہ اسی کا غلبہ اور تصرف کارفرما ہے۔ کوئی نکل کر جانا بھی چاہے تو کہاں جائے گا کیسے نکل بھاگے گا۔

یرسل علیکما ۔ مجرموں پر خاص آگ کے شعلے اور دھواں ملے ہوئے شرارے جب چھوڑیں جائیں گے تو کون ہے جو اس کو دفع کرسکے گا اور کون ہے جو اس سزا کا بدلہ لے سکے گا۔ مجرموں کو سزا دینا ایک طرح سے وفاداروں کے حق میں انعام ہے۔ نیز سزا کو سن کو جرم سے باز رہنا ایک مستقل انعام ہے۔

سزائیں بھی ایک طرح کا انعام ہیں:...... **فیومئذ لا یسئل** ۔ کسی سے گناہوں سے متعلق معلوم کرنے کے لئے سوال نہیں

کیا جائے گا کیونکہ سب کچھ اللہ کو پہلے سے معلوم ہے۔ البتہ ضابطہ تکمیل کی اتمام حجت الزام قائم ہونے اور ڈانٹ ڈپٹ کے لئے سوال ہونا اور بات ہے یا یوں کہا جائے کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال ہیں۔ بعد میں اس کا انکار نہیں۔ بلکہ دوسری آیات میں اس کا اثبات ہے۔

یعرف المجرمون ۔مجرمین کی شناخت کے لئے کسی بڑی کاوش کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ چہروں کی سیاہی آنکھوں کی نیلگونی سے وہ خود بخود پہچان لئے جائیں گے۔ جیسا کہ مومنین پیشانیوں پر سجدہ کے نشانات اور وضو کے آثار وانوار سے نمایاں ہوں گے۔

غرض دوزخیوں میں کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر دوزخ کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر سر کو پاؤں سے ملا دیا جائے گا اور زنجیروں سے جکڑ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔ اسی طرح کبھی آگ کا اور کبھی کھولتے پانی کا اسے عذاب ہوگا۔

لطائف سلوک:...... فبای الاء ربکما تکذبان ۔اس آیت کا مختلف قسموں کے بعد آنا جن میں بعض کا نعمت ہونا ظاہر بھی نہیں اس پر دلالت کرتا ہے کہ نعمت مختلف قسم کی ہوتی ہے بعضی حسی اور بعض معنوی۔ جس کا مشاہدہ، اہل بصیرت کو اپنے حالات واوقات میں خوب ہو جاتا ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نعمت کی تمام قسموں سے نفع حاصل کرنا مطلوب ومحمود ہے۔ زہد کے منافی یا تعلق مع اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ اَیْ لِکُلٍّ مِنْهُمَا اَوْ لِمَجْمُوْعِهِمْ **مَقَامَ رَبِّهٖ** بَیْنَ یَدَیْهِ لِلْحِسَابِ فَتَرَكَ مَعْصِیَتَهٗ **جَنَّتٰنِ** ﴿۴۶﴾ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۴۷﴾ **ذَوَاتَآ** تَثْنِیَةُ ذَوَاتٍ عَلَی الْاَصْلِ وَلَا مُهَا یَآءٌ **اَفْنَانٍ** ﴿۴۸﴾ اَغْصَانٌ جَمْعُ فَنَنٍ كَطَلَلٍ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۴۹﴾ **فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ** ﴿۵۰﴾ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۱﴾ **فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فٰكِهَةٍ** فِی الدُّنْیَا اَوْ كُلِّ مَا یُتَفَكَّهُ بِهٖ **زَوْجٰنِ** ﴿۵۲﴾ نَوْعَانِ رَطْبٌ وَّ یَابِسٌ وَ الْمُرُّ مِنْهُمَا فِی الدُّنْیَا كَالْحَنْظَلِ حُلْوٌ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۳﴾ **مُتَّكِئِیْنَ** حَالٌ عَامِلُهٗ مَحْذُوْفٌ اَیْ یَتَنَعَّمُوْنَ **عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ** مَا غَلُظَ مِنَ الدِّیْبَاجِ وَخَشُنَ وَالظَّهَائِرُ مِنَ السُّنْدُسِ **وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ** ثَمَرُهُمَا **دَانٍ** ﴿۵۴﴾ قَرِیْبٌ یَنَالُهُ الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۵﴾ **فِیْهِنَّ** فِی الْجَنَّتَیْنِ وَمَا اشْتَمَلَتَا عَلَیْهِ مِنَ الْعَلَالِیْ وَالْقُصُوْرِ **قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ** الْعَیْنِ عَلٰی اَزْوَاجِهِنَّ، الْمُتَّكِئِیْنَ مِنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ **لَمْ یَطْمِثْهُنَّ** یَفْتَضَّهُنَّ وَهُنَّ مِنَ الْحُوْرِ اَوْ مِنْ نِسَآءِ الدُّنْیَا الْمُنْشَئٰتِ **اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ** ﴿۵۶﴾ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۷﴾ **كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ** صَفَاءً **وَالْمَرْجَانُ** ﴿۵۸﴾ اَیِ اللُّؤْلُؤُ بَیَاضًا **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۹﴾ **هَلْ** مَا **جَزَآءُ الْاِحْسَانِ** بِالطَّاعَةِ **اِلَّا الْاِحْسَانُ** ﴿۶۰﴾ بِالنَّعِیْمِ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۱﴾ **وَمِنْ دُوْنِهِمَا** اَیِ الْجَنَّتَیْنِ الْمَذْكُوْرَتَیْنِ **جَنَّتٰنِ** ﴿۶۲﴾ اَیْضًا لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۳﴾ **مُدْهَآمَّتٰنِ** ﴿۶۴﴾ سَوْدَاوَانِ مِنْ شِدَّةِ خُضْرَتِهِمَا **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۵﴾ **فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ** ﴿۶۶﴾ فَوَّارَتَانِ بِالْمَآءِ لَا یَنْقَطِعَانِ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۷﴾ **فِیْهِمَا فٰكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ** ﴿۶۸﴾ هُمَا

مِنْهَا وَ قِيْلَ مِنْ غَيْرِهَا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ اَيِ الْجَنَّتَيْنِ وَقُصُوْرِهِمَا خَيْرٰتٌ اَخْلَاقًا حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ وُجُوْهًا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ شَدِيْدَاتٌ سَوَادَ الْعُيُوْنِ وَبَيَاضَهَا مَقْصُوْرٰتٌ مَسْتُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ مِنْ دُرٍّ مُجَوَّفٍ مُضَافَةٌ اِلَى الْقُصُوْرِ شَبِيْهَةٌ بِالْخُدُوْدِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ قَبْلَ اَزْوَاجِهِنَّ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِئِيْنَ اَيْ اَزْوَاجُهُنَّ وَاِعْرَابُهٗ كَمَا تَقَدَّمَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ جَمْعُ رَفْرَفَةٍ اَيْ بُسُطٌ اَوْ وَسَائِدُ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ جَمْعُ عَبْقَرِيَّةٍ اَيْ طَنَافِسَ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ تَقَدَّمَ وَلَفْظُ اِسْمٍ زَائِدٌ ۔

ترجمہ:.........اور جو شخص (جن یا انسان یا دونوں میں سے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہو (حساب کے لئے اللہ کے حضور پیش ہونے کے خوف سے گناہ چھوڑ دے) اس کے لئے دوہرے باغ ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ دونوں باغ (ذواتا، ذوات کا تثنیہ ہے اپنی اصل پر اور اس میں لام تام ہو گیا گھنے ہوں گے (افنان بمعنی اغصان ہے فنن کی جمع ہے جیسے طلل کی جمع اطلال ہے) سوائے جن وانس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں اور چشمے جاری ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوے (جو دنیا میں پائے جاتے تھے یا پھر ذائقہ اور مزہ دار چیزیں) دوہرے ہوں گے۔ (تازہ اور خشک دونوں طرح کے میوے ہوں گے، دنیا کا کڑوا پھل جیسے اندرائین۔ وہ بھی وہاں شیریں ہوگا) سوائے جن وانس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ تکیہ لگائے (یہ حال ہے اس کا عامل محذوف ہے یعنی یتنعمون) ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے (ریشم موٹے اور کھردرے اور فرش کے ابرے باریک ریشمی ہوں گے) اور ان باغوں کے پھل (میوے) نہایت قریب ہوں گے (ایسے کہ کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر طرح میسر آجائیں) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں (باغات اور ان متعلقات بالا خانے اور محلات ہیں) نیچی نگاہ والی ہوں گی (جن کی نگاہ صرف اپنے خاوندوں پر رہتی ہے جو جن وانس میں سے مسند نشین ہوں گے) ان پر تصرف نہیں کیا ہوگا (زن وشوئی کے معاملات نہیں ہوئے ہوں گے۔ یہ حوران جنت ہوں گی یا دنیا کی عورتوں کی طرح نئی کی جائیں گی) ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گویا وہ (صفائی میں) یاقوت ہیں اور (سفیدی میں) مرجان (موتی) ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا اطاعت (فرمانبرداری) کا بدلہ انتہائی عنایت (جنت) کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گے اور ان باغوں سے کم درجہ (یعنی جن باغوں کا پہلے بیان ہوا) دو باغ اور ہوں گے۔ سوائے جن وانس پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے (اللہ کی جناب میں کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کے لئے) وہ باغ گہرے سبز ہوں گے (گہری سبزی کی وجہ سے کالے معلوم ہوں گے) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے میں دو چشمے ابل رہے ہوں گے (پانی کے فوارے مسلسل جاری ہوں گے) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت

جاؤ گے۔ان باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان (باغات اور محلات) میں خوب سیرت (بااخلاق) عورتیں ہوں گی۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ گوری چٹی (جن کی آنکھوں کی پتلیاں نہایت سفید، سیاہ ہوں گی) عورتیں ہوں گی خیموں میں محفوظ (مستور) ہوں گی (جو مجوف موتیوں کے بنے ہوئے ہوں گے وہ خیمے حوروں کے لئے بمنزلہ پردہ کے ہوں گے)۔ سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان (شوہروں) سے پہلے نہ تو کسی انسان نے ان کو چھوا ہوگا اور نہ کسی جن وانس سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے، مسند نشین ہوں گے (ان کے شوہر اس کا اعراب پہلے گزر چکا ہے) سبز مشجر (رفرف، رفرفۃ کی جمع ہے مراد گدے اور تکیے) اور عجیب خوبصورت کپڑوں پر (عبقری، عبقریہ کی جمع ہے یعنی مخمل کے غالیچے قالین) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ بڑا بابرکت ہے آپ کا پروردگار جو عظمت واحسان والا ہے (اس کی بحث پہلے ہو چکی ہے اور لفظ اسم زائد ہے)۔

تحقیق وترکیب:.........جنتان ۔یعنی ایک جنت متقی انسان کے لئے اور دوسری جنت اللہ سے ڈرنے والے جنوں کے لئے ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر انسان اور ہر جن کے لئے ایک ایک جنت صحیح عقائد کی وجہ سے اور ایک ایک جنت صحیح اعمال کی وجہ سے ہوگی۔ یا ایک جنت طاعات بجالانے اور دوسری جنت معاصی سے بچے رہنے کی وجہ سے ملے گی۔ یا ایک جنت بطور ثواب اور دوسری جنت بطور فضل خصوصی عطا ہو گی یا روحانی اور جسمانی جنتیں ہوں گی۔

مقاتلؒ کہتے ہیں کہ ایک جنت عدن ہے اور دوسری جنت النعیم ہوگی۔ اور محمد بن علیؒ ترمذی کہتے ہیں کہ ایک جنت خوف کی وجہ سے اور ایک جنت خواہشات ترک کرنے کی وجہ سے عنایت ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ جو شخص حق تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو۔

ذواتا ۔اس میں دو لغت ہیں۔ ایک تو اصل کی طرف لوٹانا۔ کیونکہ اس کی اصل ذویۃ ہے۔ پس عین کلمہ واو اور لام کلمہ یا ہے مونث ہونے کی وجہ سے اور دوسرا لغت لفظاً تثنیہ ہونے کا ہے۔ مفسرؒ نے پہلی رائے کو اختیار کیا ہے۔

افنان ۔لمبی شاخ کو کہتے ہیں کہ یہاں حقیقی معنی ہیں۔ یا کنایہ ہے ہر قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہونے سے۔

زوجٰن ۔یعنی ایک قسم پھلوں کی وہ ہوگی کہ جو دنیا میں معروف تھی۔ اور دوسری قسم غریب ہوگی۔ جیسے حنظل دنیا میں تلخ ہوتا ہے۔ مگر وہاں شیریں ہوگا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ **ما فی الدنیا حلوۃ و لا مرۃ الا وھی فی الجنۃ حتی الحنظل الا انہ حلوٌ** ۔کیونکہ جنتی پیداوار طاعات کا نتیجہ ہوں گی اور دوزخ میں سیئات کے ثمرات ہوں گے جیسے زقوم وغیرہ۔

متکئین ۔بعض کے نزدیک خاف سے حال ہے۔ جو معنی جمع ہے۔ اور بعض نے منصوب علی المدح مانا ہے۔

بطائنھا۔ بطانۃ کی جمع بطائن ہے جو کپڑا نیچے کی جانب ہوتا ہے۔ وہ بطانہ اور اوپر والے حصہ کو ظہارہ کہتے ہیں۔

جنا ۔فعل بمعنی مفعول جیسے قبض بمعنی مقبوض ہے یہ مبتداء ہے۔

دان ۔خبر ہے۔ وانو مثل غان فاعل ہے جس میں تعلیل ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ **تدنوا الشجرۃ حتیٰ یجتنیھا ولی اللہ ان شاء قائما وان شاء قاعداً وان شاء مضطجعاً**۔

قتادہ فرماتے ہیں۔ **لا یرد یدہ بعد ولا شوک** ۔امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کے اور آخرت کے باغ میں تین فرق ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا کے درختوں کے پھل اونچے ہوتے ہیں جہاں مشکل سے ہاتھ جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کے پھل محنت اور سعی سے حاصل ہوتے ہیں۔ تیسرے دنیا میں ایک درخت اور اس کے پھل سے قریب ہوں تو دوسرے درخت اور اس کے پھلوں سے دوری ہو جاتی ہے۔ مگر جنت کے

پھلوں میں تینوں باتیں نہیں ہوں گی۔
فیهن ۔ مفسرؒ نے فی الجنتین الخ تفسیری عبارت میں اس کا شبہ دور کیا ہے کہ ضمیر جمع جنتین کی طرف کیسے راجع کی گئی ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ جنت اور متعلقات جنت مراد ہیں۔
علالي ۔ علت کی جمع ہے بالا خانے کو کہتے ہیں۔
قاصرات الطرف ۔ اس میں اسم فاعل کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قصر طرفه علی کذا۔ یہاں قصر کا متعلق معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے ای علی ازواجهن اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے۔ قاصرات طرف غیرهن علیهن ای ان ازواجهن لا یتجاوز طرفهم الی غیرهن ۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ جنت میں حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی۔ وعزة ربي ماارى في الجنة احسن منك فالحمد لله الذى جعلك زوجي وجعلني زوجتك۔
لم یطمثهن ۔ ازالہ بکارت مراد ہے۔ طمثها الرجل ای افتضها وجامعها ۔ ان عورتوں کے متعلق اختلاف ہے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں انهن خلقن من الجنة ۔ اور شعبیؒ کہتے ہیں کہ هن من نساء الدنیا۔ منشآت کے معنی یہ ہیں۔ کہ بغیر ولادت کے ان کو پیدا کیا جائے گا۔
ولا جان ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات بھی انسان کی طرح مجامعت کرتے ہیں۔
الیاقوت ۔ جوہر لطیف ہوتا ہے جس پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی۔
مرجان ۔ چھوٹے سفید موتی کو کہتے ہیں۔ یاقوت میں وجہ تشبیہ صرف صفائی ہے سرخی نہیں ہے اور مرجان اگرچہ سرخ وسفید دونوں موتیوں پر بولا جاتا ہے لیکن یہاں سفید موتی مراد ہے۔ حدیث میں ہے۔ ان المرءة من نساء اهل الجنة یرے بیاض ساقها من وراء سبعین حلة حتی یری مخها۔
من دونهما ۔ دون کے معنی ادنیٰ کے ہیں اور علاوہ کے معنی بھی ہو سکتے ہیں بغیر فرق مراتب کے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں۔ جنتان من ذهب و جنتان من فضة للتابعین ۔
ونخل و رمان ۔ تفسیری عبارت میں اشارہ ہے فقہی اختلاف کی طرف۔ امام اعظمؒ کے نزدیک کھجور اور انار۔ فاکہہ میں داخل نہیں ہیں۔ اگر کوئی یہ حلف کرے کہ میں پھل نہیں کھاؤں گا۔ اور کھجور اور انار کھالے تو اس کی قسم ٹوٹے گی نہیں۔ لیکن صاحبین اور شوافع کے نزدیک ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں چیزیں فاکہہ میں داخل ہیں۔ سو یہاں تخصیص ذکری فضیلت کے لئے ہے اور امام اعظمؒ عطف مغایرت کے لئے مانتے ہیں۔ کیونکہ پھل سے مقصود غذائیت اور تفکہ ہوا کرتا ہے۔ برخلاف انار کے اس میں دوا بھی ہوتی ہے محض فاکھہ نہیں ہے۔
غرضیکہ اہل اصول نے کہا کہ جن چیزوں میں زیادتی ہوگی وہ بھی عطف میں داخل نہیں ہوگی۔ جیسے یہاں اور جس چیز میں کمی ہوگی وہ بھی عطف میں داخل نہیں ہوگی جیسے کوئی حلف کرے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو اس میں مچھلی داخل نہیں ہوگی۔ یا کوئی حلف کرے کہ میرے غلام آزاد ہیں تو مکاتب آزاد نہیں ہوں گے کیوں کہ دونوں جگہ اصل سے کمی ہے۔
خیرات ۔ خیرۃ کی جمع کہا جاتا ہے۔ امرۃ خیرۃ واخری شرۃ۔ یہ سکون عین کے ساتھ لغت ہے اور دوسرا لغت شدید عین کے ساتھ ہے۔ چنانچہ دوسری قراءت خیرات تشدید یا کے ساتھ ہے۔
مقصورات ۔ کہا جاتا ہے۔ امراۃ مقصورۃ و قصور پردہ نشین۔
الخیام ۔ ابوموسیٰؓ سے مرفوع روایت ہے۔ الخیمه درة مجوفة طوفها فی السماء ستون میلا فی کل زاویة منها للمومنین اهل الا یراهم لا خرون ۔ خیام کی اضافت یعنی نسبت قصور یعنی عورتوں کی طرف بمنزلہ پردہ کے ہے۔

متکئین ۔یعنی حال ہے جس کا عامل یتعمون محذوف ہے۔
عبقری ۔عجیب وغریب فرش وغیرہ کو کہتے ہیں زمخشری کہتے ہیں کہ جو شخص عبقر دلی طرف منسوب ہے اس کو عبقری کہتے ہیں۔ چنانچہ اہل عرب کا خیال تھا کہ جو شخص جناتی ہو اس کی طرف عجیب وغریب چیزیں منسوب ہو سکتی ہیں۔
طنافس ۔طنفس کی جمع ہے۔روئیں دار قالین۔
تبرک اسم ۔اس کے قریب آیت پہلے بھی گزر چکی ہے لفظ اسم کے معنی صفت کے بھی ہو سکتے ہیں جو موصوف کی علامت ہوا کرتی ہے جن حضرات کا خیال یہ ہے کہ تنزیہ دراصل ذات کی ہوا کرتی ہے۔ وہ لفظ اسم کو زائد کہتے ہیں۔لیکن ابلغ یہی ہے کہ زائد نہ کہا جائے۔ کیونکہ اسماء اور صفات الٰہیہ کی تنزیہ بھی حقیقۃً مقصود ہے۔ جب مسمی پاک ہے تو اسم بھی پاک ہے۔

﴿تشریح﴾ ....ولمن خاف ۔یعنی جس کو دنیا میں یہ ڈر لگا رہا ہے کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچا رہا اور پوری طرح تقویٰ کے راستوں پر چلا۔ اس کے لئے وہاں دوہرے عالی شان باغ ہوں گے جن میں مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں سایہ دار اور پھلوں سے لدی ہوئی ہوئیں ہوں گی اور ایسے چشمے رواں دواں ہوں گے جو کسی وقت تھمتے نہیں خشک نہیں ہوتے یہ دو باغ خواص مقربین کے لئے ہوں گے اور اعلیٰ قسم کے ہوں گے۔ اور آگے من دونھما سے جن دو باغوں کا ذکر آ رہا ہے۔ وہ عوام مؤمنین کے لیے ہوں گے۔
اور باغوں کے دوہرے ہونے کا مطلب ان کی تکریم واعزاز ہے۔ جیسا کہ دنیا میں اہل تنعم کے پاس منقولہ اور غیر منقولہ چیزیں متعدد ہوتی ہیں۔

اول کے دو باغ خواص کے لئے ہوں گے: ....اول تو اس آیت میں مؤمنین کی جو صفات بیان فرمائی گئی وہ خواص ہی میں پائی جاتی ہیں۔ دوسرے ان باغات کی جو خوبیاں بیان فرمائی گئی ہیں وہ بعد کے باغات کی نہیں ہیں۔ چنانچہ باغات میں ذواتا افنان کی تصریح ہے اور بعد کے باغوں میں تصریح نہیں ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ ان کا سایہ اور پھل اتنا نہیں ہوگا جتنا پہلوں کا ہے۔ البتہ بعد میں مدھا متان کی تصریح ہے اور اول میں نہیں۔ اس سے شبہ برتری کا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ بقرینہ مقام یہ صفت دونوں میں مشترک ہوگی۔
نیز یہاں لمن خاف سے اہل باغ کی تصریح ہے جو بعد میں نہیں ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعد والے باغ خاص نہیں ہوں گے بلکہ سب کے لئے عام ہوں گے اس لئے کسی خاص صفت کی تخصیص کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ علاوہ ازیں یہاں خوف کا لفظ کامل تقویٰ کو ظاہر کر رہا ہے لمن خاف۔ نیز یہاں جزائے احسان بمعنی اخلاص فرمایا گیا اور بعد میں نہیں فرمایا گیا۔

تخصیص کے قرائن ودلائل: ....یہ سب قرائن تخصیص ہیں، رہ گئے دلائل تخصیص وہ یہ ہیں۔
ا۔ درمنثور میں وجنا الجنتین ۔پھلوں کے چننے میں کسی طرح کی کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں بے تکلف حاصل ہو سکیں گے اور عورتیں باکرہ ملیں گی جن کی عصمت کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا۔
(۲) وجنا الجنتین ۔پھلوں کے چننے میں کسی طرح کی کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں بے تکلف حاصل ہو سکیں گے اور عورتیں باکرہ ملیں گی، جن کی عصمت کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا اور نہ انہوں نے اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ہوگا اور نہ کسی اور کی نظر ان پر پڑی ہوگی۔ وہ یاقوت ومرجان کی طرح خوش رنگ وبیش بہا ہوں گی۔

ظاہر آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جنات دونوں جنتی ہیں اور دونوں کو حوریں ملیں گی اور لم یطمثھن کے بلحاظ مجموعہ یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جو حوریں انسان کے لئے خاص ہوں گی ان کو کسی اور انسان نے نہیں چھوا ہوگا۔ اسی طرح جو حوریں جنات کے لیے مخصوص ہوگی ان کو کسی جن نے چھوا نہیں ہوگا کیونکہ تخصیص کے بعد انسان کی حوروں کو جن کے، اسی طرح جن کی حوروں کو انسان کے چھونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔

هل جزآء۔ یعنی کمال اخلاص کا صلہ کمال ثواب کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے اس میں جمال الٰہی اور دولت دیدار کی طرف اشارہ ہو۔

عام مومنین کے لئے دو باغ .... ومن دو نهما جنتان ۔ یہ دونوں باغ اصحاب یمین کے لئے ہوں گے جنت کی تمام نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ صرف نام کا اشتراک ہے۔

فيهن خيرات۔ خوش اخلاق، خوب سیرت، خوب صورت ہوں گی پردہ نشین ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ اچھی عورتوں میں یہی خوبیاں ہوتی ہیں۔

تبارك اسم ۔ یعنی جس اللہ نے اپنے وفاداروں کو ایسے ایسے انعام واحسان فرمائے غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصل خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے اور اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور جب نام میں یہ برکت ہے تو نام والے میں کیا کچھ برکت ہوگی۔ فسأل الله ان يجعلنا من افعل النعيم بفضل العميم وبجاه النبی الكريم۔

سُــورَةُ الْوَاقِعَةِ

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الْاٰيَةُ وَثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ الْاٰيَةُ وَهِيَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ اَوْ تِسْعٌ وَ تِسْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ **لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ** ﴿۲﴾ نَفْسٌ تُكَذِّبُ بِاَنْ تَنْفِيَهَا كَمَا نَفَتْهَا فِي الدُّنْيَا **خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ** ﴿۳﴾ هِيَ مُظْهِرَةٌ لِخَفْضِ اَقْوَامٍ بِدُخُوْلِهِمُ النَّارَ وَلِرَفْعِ اٰخَرِيْنَ بِدُخُوْلِهِمُ الْجَنَّةَ **اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا** ﴿۴﴾ حُرِّكَتْ حَرَكَةً شَدِيْدَةً **وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا** ﴿۵﴾ فُتِّتَتْ **فَكَانَتْ هَبَآءً** غُبَارًا **مُّنْۢبَثًّا** ﴿۶﴾ مُنْتَشِرًا وَاِذَا الثَّانِيَةُ بَدَلٌ مِنَ الْاُوْلٰى **وَّكُنْتُمْ** فِي الْقِيٰمَةِ **اَزْوَاجًا** اَصْنَافًا **ثَلٰثَةً** ﴿۷﴾ **فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ** وَهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهُ **مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ** ﴿۸﴾ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهِمْ بِدُخُوْلِهِمُ الْجَنَّةَ **وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ** الشِّمَالِ بِاَنْ يُّؤْتٰى كُلٌّ مِّنْهُمْ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ **مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ** ﴿۹﴾ تَحْقِيْرٌ لِشَانِهِمْ بِدُخُوْلِهِمُ النَّارَ **وَالسّٰبِقُوْنَ** اِلَى الْخَيْرِ وَهُمُ الْاَنْبِيَاءُ مُبْتَدَاٌ **السّٰبِقُوْنَ** ﴿۱۰﴾ تَاكِيْدٌ لِتَعْظِيْمِ شَانِهِمْ وَالْخَبَرُ **اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ** ﴿۱۱﴾ **فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ** ﴿۱۲﴾ **ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۱۳﴾ مُبْتَدَاٌ اَيْ جَمَاعَةٌ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ** ﴿۱۴﴾ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَهُمْ سَابِقُوْنَ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَهٰذِهِ الْاُمَّةُ وَالْخَبَرُ **عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ** ﴿۱۵﴾ مَنْسُوْجَةٍ بِقُضْبَانِ الذَّهَبِ وَالْجَوَاهِرِ **مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ** ﴿۱۶﴾ حَالَانِ مِنَ الضَّمِيْرِ فِي الْخَبَرِ **يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ** ﴿۱۷﴾ اَيْ عَلٰى شَكْلِ الْاَوْلَادِ لَا يَهْرَمُوْنَ **بِاَكْوَابٍ** اَقْدَاحٍ لَا عُرٰى لَهَا **وَّاَبَارِيْقَ** لَهَا عُرًى وَخَرَاطِيْمُ **وَكَاْسٍ** اِنَاءِ شُرْبِ الْخَمْرِ **مِّنْ مَّعِيْنٍ** ﴿۱۸﴾ اَيْ خَمْرٍ جَارِيَةٍ مِنْ مَّنْبَعٍ لَا يَنْقَطِعُ اَبَدًا **لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ** ﴿۱۹﴾ بِفَتْحِ الزَّايِ وَكَسْرِهَا مِنْ نَزَفَ الشَّارِبُ وَاَنْزَفَ اَيْ لَا يَحْصُلُ لَهُمْ مِنْهَا صُدَاعٌ وَلَا ذِهَابُ عَقْلٍ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا **وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا**

يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ لَهُمْ لِلْاِسْتِمْتَاعِ حُوْرٌ نِسَاءٌ شَدِيْدَاتُ سَوَادِ الْعُيُوْنِ وَ بَيَاضِهَا عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ ضِخَامُ الْعُيُوْنِ كُسِرَ عَيْنُهُ بَدَلَ ضَمِّهَا لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ مُفْرَدُهُ عَيْنَاءُ كَحَمْرَاءَ وَفِي قِرَاءَةٍ بِجَرِّ حُوْرٍ عِيْنٍ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ الْمَصُوْنِ جَزَآءً مَفْعُوْلٌ لَهُ وَ مَصْدَرٌ وَالْعَامِلُ مُقَدَّرٌ اَيْ جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُكِرَ لِلْجَزَاءِ وَجَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا فِي الْجَنَّةِ لَغْوًا فَاحِشًا مِّنَ الْكَلَامِ وَلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ مَا يُؤْثِمُ اِلَّا لٰكِنْ قِيْلًا قَوْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ بَدَلٌ مِّنْ قِيْلًا فَاِنَّهُمْ يَسْمَعُوْنَهُ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ شَجَرِ النَّبْقِ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ لَا شَوْكَ فِيْهِ وَّطَلْحٍ شَجَرِ الْمَوْزِ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ بِالْحَمْلِ مِنْ اَسْفَلِهِ اِلَى اَعْلَاهُ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ دَائِمٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ جَارٍ دَائِمًا وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَا مَقْطُوْعَةٍ فِيْ زَمَنٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ بِثَمَنٍ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ عَلَى السُّرُرِ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ اَيِ الْحُوْرَ الْعِيْنَ مِنْ غَيْرِ وِلَادَةٍ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عَذَارٰى كُلَّمَا اَتَاهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ وَجَدُوْهُنَّ عَذَارٰى وَلَا وَجَعَ عُرُبًا بِضَمِّ الرَّاءِ وَ سُكُوْنِهَا جَمْعُ عُرُوْبٍ وَهِيَ الْمُتَحَبِّبَةُ اِلٰى زَوْجِهَا عِشْقًا لَهُ اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ جَمْعُ تِرْبٍ اَيْ مُسْتَوِيَاتٍ فِي السِّنِّ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ صِلَةُ اَنْشَاْنَاهُنَّ اَوْ جَعَلْنَاهُنَّ وَهُمْ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ رِيْحٍ حَارَّةٍ مِّنَ النَّارِ تَنْفُذُ فِي الْمَسَامِ وَّ حَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ مَاءٍ شَدِيْدِ الْحَرَارَةِ وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ دُخَانٍ شَدِيْدِ السَّوَادِ لَّا بَارِدٍ كَغَيْرِهِ مِنَ الظِّلَالِ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ حَسَنِ الْمَنْظَرِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ مُنَعَّمِيْنَ لَا يَتْعَبُوْنَ فِي الطَّاعَةِ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ اَيِ الشِّرْكِ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بِفَتْحِ الْوَاوِ لِلْعَطْفِ وَالْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ وَ فِيْمَا قَبْلَهُ لِلْاِسْتِبْعَادِ فِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الْوَاوِ عَطْفًا بِاَوْ وَ الْمَعْطُوْفُ عَلَيْهِ مَحَلُّ اِنَّ وَاسْمُهَا قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتٍ لِوَقْتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ بَيَانٌ لِلشَّجَرِ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا مِنَ الشَّجَرِ الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ اَيِ الزَّقُّوْمِ الْمَاْكُوْلِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ بِفَتْحِ الشِّيْنِ وَضَمِّهَا مَصْدَرٌ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ اَلْاِبِلِ الْعِطَاشِ جَمْعُ هَيْمَانَ لِلذَّكَرِ وَهَيْمٰى لِلْاُنْثٰى كَعَطْشَانَ وَعَطْشٰى هٰذَا نُزُلُهُمْ مَا اُعِدَّلَهُمْ

یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۵۶﴾ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ۔

ترجمہ:..........سورہ واقعہ مکیہ ہے۔ بجز آیت افبھذا الحدیث الخ اور آیت ثلۃ من الاولین کے کل آیات ۹۶ یا ۹۷ یا ۹۹ ہیں۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جب قیامت واقع (قائم) ہوگی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکے گا۔ جس طرح کہ دنیا میں اس کو جھٹلا دیا کرتے تھے) پست کردے گی بلند کردے گی (لوگوں کو دوزخ میں داخل کر کے ان کی پستی ظاہر کردے گی اور دوسروں کو جنت میں داخل کر کے ان کی بلندی ظاہر کردے گی) جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا (سخت بھونچال آجائے گا) اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ (چورہ) ہو جائیں گے۔ پھر وہ غبار (گرد) پراگندہ ہو جائیں گے (پھیل کر دوسرا اذا پہلے سے بدل ہے) اور تم (قیامت میں) تین قسم کے ہو جاؤ گے چنانچہ جو داہنے والے ہیں (جن کے داہنے ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر آگے ہے) وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (جنت میں داخل ہونے سے ان کی شان بڑھ جائے گی) اور جو بائیں جانب والے ہیں (جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمالنامے ہوں گے) وہ بائیں والے کیسے برے ہیں (دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کی شان گھٹ جائے گی) اور جو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں (خیر کی طرف سبقت کرنے والے انبیاء یہ مبتداء ہے) وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں (السابقون تاکید ہے تعظیم شان کے لئے اور آگے خبر ہے) وہ تو خاص مقرب ہیں۔ جو "آرام باغوں" میں ہوں گے۔ ان میں سے بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا (مبتداء ہے یعنی پہلی امتوں کی جماعت) اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے (آنحضرت ﷺ کی امت میں سے اور سابقون پچھلی امتوں اور امت محمدیہ میں سے ہوں گے خبر آگے ہے وہ سونے سے بنے ہوئے تختوں پر (جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے) تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (یہ دونوں خبر کی ضمہ سے حال ہیں) ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آمدورفت کیا کریں گے (جو بچے ہی رہیں گے کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے) آبخورے (پیالے جن میں پکڑنے کی ہتھی نہیں ہوتی) اور جگ (جن میں پکڑنے کی ہتھنی اور پینے کی ٹونٹی ہوتی ہے) اور جام (شراب کے پیالے) بہتی شراب سے لبریز لئے ہوں گے (ایسی شراب جو صراحی سے نکلتی ہی رہے کبھی ختم نہ ہو) نہ اس شراب سے دردسر ہوگا اور نہ اس سے بہکیں گے (ینزفون فتحہ زا کے ساتھ نزف الشارب وانزف سے ماخوذ ہے یعنی نہ اس سے گرانی ہوگی اور نہ عقل میں فتور آئے گا جیسا کہ دنیا کی شراب میں یہ سب کچھ ہوتا ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو مرغوب ہوگا اور (ان کی لذت کے لئے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی (خوب سفید وسیاہ آنکھوں والی) عورتیں ہوں گی (عین کے معنی کشادہ چشم کے ہیں۔ ضمہ کی بجائے یا کے قرب ہونے کی وجہ سے عین پر کسرہ آ گیا حمراء کے وزن پر عیناء مفرد ہے ایک قراءت میں "حور عین" جر کے ساتھ ہے) جو چھپے ہوئے (محفوظ) موتیوں کی طرح ہوں گی یہ صلہ کے طور پر ہوگا (مفعول لہ یا مصدر ہے۔ عامل مقدر ہے یعنی جعلنا لھم ما ذکر للجزاء یا جزیناھم) ان کے اعمال کا۔ وہاں (جنت) میں نہ بک بک (فضول بات) سنیں گے اور نہ بیہودہ (گناہ) کی بات ہوگی بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی (سلاما۔ قیلا سے بدل ہے کیوں کہ جنتی سلام سنیں گے) اور جو داہنے والے ہیں کیسے اچھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بیری (کے درخت) بے خار ہوں گے (جن میں کانٹے نہیں ہوں گے) اور کیلے (کے درخت) تہ بتہ ہوں گے (جو نیچے سے اوپر تک مرتب ہوتے ہیں) اور لمبا (دائمی) سایہ ہوگا اور پانی چلتا ہوا (ہمیشہ جاری) ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو (کبھی) ختم نہ ہوں گے اور (قیمت کے ذریعے) روک ٹوک نہ ہوگی اور (تخت پر) اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے (یعنی عورتیں بغیر ولادت کے پیدا کیں) یعنی ہم نے ان کو کنوارا بنایا (ان کے شوہر جب بھی ان کے پاس آئیں گے انہیں باکرہ ہی پائیں گے۔ مگر وہ تکلیف کا باعث نہیں ہوں گی) محبوبہ ہیں (ضمہ را اور سکون را کے ساتھ جو بیوی شوہر کے لئے پسندیدہ محبوبہ ہو) ہم عمر ہیں (اتراب ترب

کی جمع ہے ہم عمر کو کہتے ہیں) یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں (انشانا ھن یا جعلنا ھن کا صلہ ہے اور دو اصحاب الیمین) ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور ایک بڑا طبقہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں، وہ لوگ ہوں گے (آگ کی آنچ جو مسامات میں گھستی چلی جائے) اور کھولتے ہوئے (تیز) پانی اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو بے حد کالا ہوگا جو اور سایوں کی طرح ٹھنڈا نہ ہوگا اور نہ فرحت بخش (خوش منظر) ہوگا وہ لوگ پہلے (دنیا) میں بڑی خوش حالی میں رہتے تھے (آرام سے، طاعت میں تعب برداشت نہیں کرتے تھے) اور بڑے بھاری گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہم دوبارہ جلائے جائیں گے (دونوں جگہ دونوں میں ہمزہ تحقیق اور دوسری میں ہمزہ تسہیل ہے اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف داخل ہے) اور کیا ہمارے اگلے دادا بھی (او فتحہ واو کے ساتھ عطف کے لئے ہے اور ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور یہاں اور پہلے استبعاد کے لئے بھی ہے اور ایک قراءت میں واو پر عطف کرتے ہوئے سکون واؤ ہے اور معطوف علیہ ان اور پر اس کے اسم کا محل ہوگا) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے وقت پر معین تاریخ کے (یعنی قیامت کے) دن پھر تم کو اے گمراہو جھٹلانے والو، درخت زقوم سے کھانا ہوگا (من زقوم، شجر کا بیان ہے) پھر اس (درخت) سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس (زقوم کے کھانے) پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا۔ پھر پینا بھی پینا (شین کے فتحہ، ضمہ کے ساتھ مصدر ہے) پیاسے اونٹ کا سا ہوگا (ھیم جمع ہے ھیمان مذکر کے لئے اور ھیمیٰ مونث کے لئے آتا ہے جیسے عطشیٰ) یہ دعوت ہوگی (نزل مہمانی کے طور پر جو کچھ پیش کیا جائے) ان لوگوں کی قیامت کے روز۔

تحقیق و ترکیب

اذا وقعت ۔ اذا کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ خالص ظرف جس میں شرط کے معنی نہیں ہیں اور عامل لیس ہے معنی نفی کی حیثیت سے گویا عبارت اس طرح ہوگی۔ **ینتفی التکذیب بوقوعها اذا وقعت** ۔

۲۔ اذکر عامل مقدر مانا جائے۔

۳۔ **اذا** کو شرطیہ مانا جائے اور جواب مقدر ہوا ای **اذا وقعت کان کیت و کیت** اس میں عامل بھی وہی ہوگا ۴۔ اذا شرطیہ ہو اور عامل بعد کا فعل ہو۔ مکی فرماتے ہیں۔ **والعامل فیها وقعت لانها قد یجازی بها فعمل فیها الفعل الذی بعد ها کما یعمل فی ما و من اللتین للشرط فی قولک ما تفعل افعل ومن تکرم اکرم** ۔

۵۔ **اذا وقعت** مبتدء ہو اور **اذا رجت** خبر ہو۔

۶۔ اذا ظرف ہو رجت کا اس صورت میں اذا ثانیہ بدل ہوگا یا تاکید۔

۷۔ اذا ظرف ہو رجت کا اس صورت میں اذا ثانیہ بدل ہوگا یا تاکید۔

۸۔ اذا میں عامل اصحب المیمنۃ کا مدلول ہو۔ **ای اذا وقعت بانت احوال الناس فیها** ۔

۹۔ اذا شرطیہ کا جواب، اصحاب المیمنۃ ہو اور قیامت کو وقوع سے تعبیر کرنے میں اس کے لامحالہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

کاذبة ۔ یہ لیس کا اسم ہے اور لوقعتها خبر مقدم ہے۔ لام بمعنی فی ہے اور مضاف مقدر ہے۔ **ای لیس کاذبة توجد فی وقت وقوعها** تفسیری عبارت میں مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کاذبۃ اسم فاعل ہے نفس مقدرہ کی صفت ہے اور عافیۃ کے وزن پر مصدر نہیں ہے کہ کذب یا تکذیب کے معنی میں لے کر کیونکہ فاعل کے وزن پر مصدر نادر ہے اگرچہ زمخشریؒ اجازت دے رہے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے کہ قیامت ہونے پر کوئی نفس کاذب نہیں ہوگا بلکہ صادق ہوگا۔ اس صورت میں لام وقتیہ ہوگا۔

خافضة۔ یعنی ترفع اقواما وتضع اخرین مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ خافضۃ مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور خفض ورفع سے اظہار مراد ہے۔

اذا رجت۔ نہایہ میں الرج کے معنی حرکت شدیدہ کے ہیں۔ یہ اذا پہلے اذا کا بدل یا ظرف ہے۔ خافضۃ رافعۃ دونوں کا بطریق تنازع کے

بست الجبال ۔ قاموس میں چٹکی سے مسلنے کے معنی یہ ہیں اور بست کے معنی صیرت کے بھی آتے ہیں۔ بس الغنم کے معنی بکریوں کے چلنے کے ہیں۔

ازوا جا ثلثة ۔ دو صنفیں جنتیوں کی اور ایک صنف جہنمیوں کی۔ فاصحاب المیمنۃ سے پہلے اجمال پھر تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ مبتداء ہے جس کی خبر ما اصحٰب المیمنة جملہ استفہامیہ ہے۔

والسابقون ۔ اعلیٰ قسم کے ہونے کے باوجود اس کو موخر کر دیا گیا۔ تاکہ یہ حضرات اعجاب نفس میں مبتلا نہ ہوں یا ترقی من الادنی الی الاعلیٰ کی رعایت کی گئی ہے اور اصحاب الیمین کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ ثانی السابقون تاکید ہے یا شعری شعری کے قبیل سے ہے۔ یا تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ السابقون الی الخیرات السابقون الی الجنات ۔

ثلة ضمہ کے ساتھ انسانوں کی جماعت اور فتحہ کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کہتے ہیں۔

قلیل من الاخرین ۔ چونکہ اس کا مصداق السابقون ہیں جو پچھلی امتوں اور امت محمدیہ دونوں پر مشتمل ہے اس لئے یہ حدیث ان امتی یکثرون سائر الامم کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ پچھلی امتوں کے سابقین اگرچہ اس امت کے سابقین سے زیادہ ہوں گے لیکن اس امت کے پیروکار پہلی امتوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔ حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے پیروکاران کی تعداد پہلی امتوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہو جائے گی۔ اگرچہ سابقین پہلی امتوں کے زیادہ ہوں گے۔ لیکن روح البیان کی یہ تاویل نص کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ قلیل من الاٰخرین مطلق ہے۔ سابقین اور تابعین دونوں کو شامل ہے تاہم مرفوع روایت یہ ہے کہ اولین وآخرین کا مصداق اس امت میں بھی متقدمین و متاخرین ہیں۔

بحر العلوم میں اسی کو مختار کہا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ ثلة من الاولین سے اصحاب المیمنہ اور قلیل من الاخرین سے السابقون مراد ہوں۔

مو ضونة ۔ اصل میں وضن زرہ بننے کو کہتے ہیں بطور استعارہ مطلق بننے کے معنی ہو گئے۔ یہ دونوں لفظ خبر کی ضمیر سے حال ہیں اور ضمیر متکئین سے حال متداخلہ بھی ہو سکتا ہے۔

ولدان مخلدون ۔ حوروں کی طرح غلمان بھی نئی مخلوق بغیر ولادت پیدا کی جائے گی۔ صحیح یہی ہے چنانچہ خازن نے اسی کو صحیح اور حق کو ظنا اس میں منحصر کہا ہے۔ یہ محض خدمت اور فرحت بلا شہوت کے لئے ہوں گے۔ کسی غلط خیال کا ایہام نہیں ہونا چاہیے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بچے جو کمسنی میں مر گئے تھے وہ غلمان ہوں گے لیکن آیت الذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کو رد کر دیا گیا ہے اور بعض کے نزدیک کفار کی چھوٹی اولاد غلمان ہوگی۔

لا ینزفون ۔ ابو عمروؒ، نافعؒ، ابن کثیرؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک فتحہ زا کے ساتھ ہے ثلاثی مجرد مجہول کے وزن پر نزف الشارب کے معنی بدمست ہونے کے ہیں۔ انزف کے معنی شراب ختم ہونے کے ہیں۔ لیکن مفسرؒ دونوں کو ہم معنی کہہ رہے ہیں۔ اور لا یصدعون ولا ینزفون دونوں کے معنی مفسرؒ نے لف ونشر مرتب طور پر بیان کئے ہیں۔

حور عین ۔ مبتداء ہے محذوف الخبر جس کی تقدیر مفسرؒ نے لھم سے کی ہے۔ حمزؒ اور ابو علیؒ کے نزدیک حور عین مجرور ہے۔ اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ جنات النعیم پر عطف کیا جائے ای ھم فی جنات النعیم و فاکھۃ ولحم و حور عین جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے۔
۲۔ باکواب پر عطف کیا جائے اس صورت میں یطوف کے معنی مجازی معنی ہوں گے ای یتنعمون فیھا باکواب۔
۳۔ حور عین۔ معطوف علیہ حقیقۃ ہو یعنی حور وغلمان دونوں کی آمدورفت ہوگی۔ جو مزید التذاذ کا باعث ہے۔
عین۔ عیناء کی جمع ہے۔ فعلاء کی جمع فعل کے وزن پر آتی ہے۔
ولا تاثیما۔ یعنی جو گناہ میں ڈال دے۔
سلاماً سلاما۔ اس کی کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔
۱۔ قیل سے بدل ہو ای لا یسمعون فیھا الا سلاما سلاما۔
۲۔ قیل کی صفت ہو۔
۳۔ قیل کی وجہ سے منصوب ہو ای الا ان یقولوا سلاما جیسا کہ زجاج کی رائے ہے۔
۴۔ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو جس کی حکایت قیلاً سے ہورہی ہے ای الا قیلا سلموا سلاما۔
مخضود۔ بعض نے کہا ہے کہ شاخوں کی کثرت اور اوپر نیچے ہونا مراد ہے۔
وطلح۔ کیلے کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک کیکر کے معنی ہیں۔
ممدود۔ طویل سایہ کے معنی بھی ہوسکتے ہیں، حدیث بخاری میں ہے۔ ان فی الجنۃ شجرا یسیر الراکب فی ظلھا مائۃ عام غرضیکہ امتداد زمانی بھی ہوسکتا ہے اور مکانی بھی۔
ولا ممنوعۃ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ لا تمتنع من احدا راد اخذھا۔
مرفوعۃ۔ سریر پر بچھانا مراد ہے یا گدوں کا ایک دوسرے پر تہ بتہ ہونا مراد ہے۔ یا رفیع القدر کے معنی ہیں جیسا کہ حدیث ترمذی ونسائی میں ہے کہ گدوں کی موٹائی، زمین وآسمان کی درمیانی مسافت پانچسو سال کے برابر ہوگی۔ اور بعض نے فرش سے عورتیں مراد لی ہیں، عرب عورتوں کو فرش اور لباس سے تعبیر کرتے ہیں اور مرفوعہ سے مراد حسن وجمال میں برتری ہے۔
عربا۔ نہایہ میں عربا کے معنی المراۃ حسناء المتحببۃ الی زوجھا لکھے ہیں اور ابن عباسؓ، حسنؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ سے بھی یہی منقول ہے۔
ابن ابی حاتم نے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ان عورتوں کی بات چیت عربی میں ہوگی۔
اترابا۔ حدیث میں ہے۔ یدخل اھل الجنۃ الجنۃ جردا مردا بیضاء مکحولین ابناء ثلثین اوقال ثلث و ثلثین علی خلق ادم ستون فی سبعۃ اذرع۔ دوسری حدیث میں ہے۔ من دخل الجنۃ من صغیرا و کبیر یرد الی ثلثین سنۃ فی الجنۃ لایزاد علیھا ابدا وکذلک اھل النار۔
لاصحاب الیمین۔ یہ انشأناھن کے متعلق ہے ای انشأناھن لاجل اصحاب الیمین اور اس کا تعلق اترابا سے بھی ہوسکتا ہے ای جعلناھن اترابا ای مساویات لاصحاب الیمین فی الطول والعرض والجمال۔
ثلۃ من الاولین۔ یہ پہلی آیت وقلیل من الاخرین کے معارض نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت کا تعلق مقربین سے ہے اور یہاں اصحاب الیمین کا بیان ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اولین سے یہاں متقدمین مراد ہوں۔ یعنی صحابہ اور تابعین۔ یہی صورت ثلۃ من الاخرین کی ہوگی کہ اس سے اصحاب الیمین مراد ہوں یا اس امت کے متاخرین جو صحابہ اور تابعین کے علاوہ ہوں۔ یہ مجموعہ پچھلی امتوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ھم جمیعا من امتی۔

فی سموم۔ آگ کی گرمی جو مسامات بدن میں گھس جائے اور بعض نے جہنم کی وادی یا جہنم کا نام کہا ہے۔

انھم کانوا ۔ یہ سبب عذاب کا بیان ہے امام رازیؒ اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ یہاں عذاب کا سبب تو ارشاد فرمایا گیا۔ لیکن ثواب کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ نہیں کہا گیا۔ انھم کانوا قبل ذلک شاکرین مذعنین ۔ کیونکہ ثواب تو محض فضل خداوندی کی وجہ سے ہے۔ لیکن عذاب عدل الٰہی کے تحت ہے۔ پس سبب فضل بیان نہ کرنے سے صاحب فضل کی تنقیص نہیں ہوتی۔ لیکن سبب عذاب بیان نہ کرنے سے ظلم کا ایہام ہوسکتا ہے۔ جو خلاف عدل ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں اصحاب الیمین کے لئے جزاء بما کانوا یعملون نہیں فرمایا گیا۔ جیسا کہ پہلے ''السابقون'' کے لئے فرمایا گیا تھا۔ تا کہ معلوم ہوجائے کہ سابقین کی جزاء میں تو کچھ اعمال کا دخل ہے بھی مگر اصحاب الیمین کے لئے تو صرف فضل الٰہی سبب ہے یہاں اعمال کا دخل نہیں ہے۔

مترفین ۔ مترف بروزن مکرم جو شخص عیش میں مست ہو کر طاعت کا تعب نہ اٹھا سکے ۔

عیش پروردہ ہرگز نہ بردراہ بہ دوست عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

علی الحنث العظیم ۔ اس کے معنی ذنب عظیم یا شرک کے ہیں۔ کیونکہ حنث کے معنی مضبوط عہد توڑنے کے ہیں چنانچہ شرک میں بھی نقض عہد ہوتا ہے۔ واقسموا باللہ جھد ایمانھم لا یبعث اللہ من یموت۔

اذا متنا ۔ مفسرؒ نے ترک الف کی دو صورتوں کو بیان نہیں کیا۔ حالانکہ ادخال الف اور ترک الف دو مستقل قراءتیں ہیں۔ ممکن ہے سابقہ بیانات پر اکتفا کرلیا ہو۔

و اباؤنا الاولون ۔ اس کا ضمیر ''لمبعوثون'' پر عطف ہوسکتا ہے۔ یعنی کیا اگلے لوگ بھی زندہ کئے جائیں گے اور مفسرؒ نے معطوف علیہ محل اور اس کے اسم کو جو کہا ہے تو معطوف کو خبر مقدم کرنے کی صورت میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اننا و اباؤنا لمبعوثون تفسیری عبارت وھو فی ذلک وفیما قبلہ کا مطلب یہ ہے کہ استفہام اوابا ؤنا اور ءاذا متنا میں استبعاد کے لئے ہے۔ اور نافعؒ، ابن عامرؒ کی قراءت سکون واو کے ساتھ قراءت متواترہ سبعیہ ہے۔ قاضی بیضاویؒ نے صاحب کشاف کی ترجمانی ان الفاظ سے کی ہے۔

والمعطوف علیہ الضمیر المستکن فی المبعوثون الخ وحسن العطف علی الضمیر فی المبوثون من غیر تاکید . بنحن الفاصل الذی ھو الھمزۃ کما حسن فی قولہ ما اشرکنا ولا اباؤنا لفصل لا الموکد للنفی ۔

قل ان الاولین ۔ یہ انکار قیامت کا رد ہے۔

الی میقات . ای فی وقت چونکہ مجموعون، سوق کے معنی کو متضمن ہے۔ اس لئے الیٰ کے ذریعہ تعدیہ کیا گیا ہے۔

الھیم ۔ مفسرؒ نے ھیمان کی جمع بیان کی۔ حالانکہ اھیم کی جمع ہے۔ کیونکہ ھیم اصل میں ھـمیم بروزن حمر تھا۔ ضمہ کو یاء کی وجہ سے کسرہ سے تبدیل کردیا گیا ہے۔ پس جس طرح حمر احمر اور حمرا کی جمع ہے۔ اسی طرح ھُیْمٌ اھیم کی جمع ہے۔

نزلھم ۔ نزل کہتے ہیں مہمان کے آتے ہی جو کچھ پیش کیا جائے۔ جہنمیوں کیلئے استہزاء ھذا نزلھم کہا گیا ہے۔

ربط آیات: .... مضامین کے اعتبار سے یہ سورت پچھلی سورت کے تقریباً مماثل ہے اور ترتیب کے لحاظ سے العجز علی الصدر کے طور پر تقریباً پچھلی سورت کے مقابل ہے چنانچہ سورۂ رحمٰن کے شروع میں قرآن کا ذکر آیا ہے اور یہاں سورت کے تقریباً آخر میں ہے۔ اسی طرح سورۂ رحمٰن میں دنیاوی نعمتوں کا بیان ہے جو دلائل قدرت بھی ہیں قرآن کے ذکر کے بعد آیا ہے اور یہاں قرآن کے ذکر سے پہلے ہے۔ وہاں دنیوی نعمتوں کا ذکر قیامت، دوزخ، جنت کے بعد اور یہاں پہلے آیا ہے اور بالکل ختم کے قریب معاد کی تفصیل مجملاً بیان فرمادی گئی ہے۔

روایات: ...... امام احمدؒ نے ابو ہریرہ سے تخریج کی کہ جب ثلة من الاولین مذکورہ نازل ہوا تو صحابہؓ پر بہت شاق ہوا پھر آیت ثلة من الاخرین نازل ہوئی۔

اور ابن مردویہؒ نے جابر سے نقل کیا ہے ثلة من الاولین نازل ہونے پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ثلة من الاولین و قلیل من الاخرین تو ایک سال بعد ثلة من الاخرین کا نزول ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من آدم الینا ثلة و امته ثلة ۔

عروہ بن رویمؒ سے نقل ہے کہ جب آیت ثلة من الاولین وقلیل من الاخرین نازل ہوئی تو عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ امنا بر سول ﷺ وصدقنا ومن ینجو منا قلیل اس پر آیت ثلة من الاولین وثلة من الاخرین نازل ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے عمرؓ کو بلا کر فرمایا۔ تمہارے مطابق یہ نازل ہوئی ہے۔ عمرؓ نے عرض کیا ہے کہ رضینا عن ربنا و تصدیق نبینا آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ من آدم الینا ثلة ومنا الی یوم القیامة ثلة ۔ اور مجاہدؒ، عطاؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں ثلے امت محمدیہ کے ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں "جمیعا من امتی" لیکن معتمد پہلا قول ہے۔

﴿تشریح﴾ .... اذا وقعت ۔ یعنی قیامت جب ہو پڑے گی۔ اس وقت کھل جائے گا کہ یہ چھوٹی بات نہ تھی اسے نہ کوئی ٹلا سکے گا اور نہ لوٹا سکے گا۔ اگر جھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولنا کیوں کو گھٹانا بھی چاہے تو نہ ہو سکے گا۔ قیامت کے دن بڑے بڑے متکبروں کو جو دنیا میں سربلند اور معزز سمجھے جاتے تھے "اسفل السافلین" میں دھکیل دیا جائے گا اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں حقیر و پست نظر آتے تھے۔ یہ دن ان کے ایمان وعمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کردے گا۔ قیامت کیا ہوگی۔ گویا ایک سخت زلزلہ ہوگا۔ جس سے پہاڑ تک ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔

مقربین۔ و کنتم ازواجا ثلثة ۔ قیامت میں لوگ تین حصوں میں بٹ جائیں گے۔ دوزخی، عام جنتی خاص جنتی جو جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوں گے۔ پہلے ان تینوں قسموں کا اجمالا پھر تفصیلا ذکر ہے۔ سورہ رحمٰن میں بھی ان تین قسموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ خواص مومنین کو مقربین اور سابقین اور عامہ مومنین کو اصحاب الیمین اور کفار کو اصحاب الشمال کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اذا وقعت سے لے کر ثلثة تک بعض حالات جیسے رجت وبست نفخہ اولی کے وقت کے بیان فرمائے ہیں۔ اور بعض واقعات جیسے خافضة، رافعة اور کنتم، ازواجا ثلثة نفخہ ثانیہ کے ہیں اور بعض احوال جیسے اذا وقعت اور لیس لوقعتها مشترک ہیں اور چونکہ نفخہ اولی سے نفخہ ثانیہ تک تمام وقت ممتد ایک وقت کے حکم میں ہے۔ اس لئے ہر جزء وقت کو ہر واقعہ کا وقت کہا جا سکتا ہے۔

اصحاب الیمین: .... فاصحب المیمنة ۔ جو لوگ عرش عظیم کی داہنی سمت میں ہوں گے ان کو عہد الست کے وقت آدمؑ کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور ان کا اعمالنامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی کامیابی کا کیا کہنا۔ حضور ﷺ نے شب معراج میں دیکھا تھا کہ حضرت آدمؑ داہنی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور بائیں جانب نظر کر کے رو پڑتے تھے اور گو یہ سب باتیں مقربین میں بھی مشترک ہیں۔ لیکن صرف انہی باتوں پر اکتفا کرنا بتلا رہا ہے کہ ان میں اصحاب الیمین سے اور کوئی قرب خاص کی بات نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے ان سے عوام سے مومنین مراد ہوں گے جن کو مجملا اچھا فرمایا۔ اس کے بعد فی سدر سے اس اجمال کی تفصیل ہے۔

اصحاب الشمال:...... واصحاب المشئمۃ۔ یہ لوگ آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے اور انہی کو دیکھ کر آدم روتے رہے عرش کے بائیں کھڑے کئے جائیں گے۔ اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ ان کی نحوست اور بد بختی کا کیا ٹھکانہ۔

تحقیق علمی:.......... لیکن جو کمالات علمیہ وعملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ لگا کر اصحاب یمین سے آگے نکل گئے وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب ووجاہت میں بھی سب سے آگے نکل گئے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ **وهم الانبياء والرسل و الصديقون والشهداء يكونون بين يدى ربهم عزو جل۔**

ثلة من الاولين ۔ اکثر مفسرینؒ نے آیت کی تفسیر میں دو احتمال لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ ثلۃ من الاولین سے پہلی امتوں کے حضرات اور قلیل من الآخرین سے امت محمدیہ کے افراد ہیں۔ جیسا کہ جابرؓ کی مرفوع روایت میں ہے اور وجہ اس کی بیشی کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلا زمانہ زیادہ گزرا ہے جس میں لاکھوں انبیاء ورسل اور کروڑوں ان کے اصحاب ہوں گے اور آنحضرت ﷺ کے بعد کا زمانہ کم ہے اور خواص ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں۔ اس لئے بہت سی امتوں کے خواص کا مجموعہ صرف امت محمدیہ کے حق میں عادۃً زیادہ ہی ہونا چاہیے۔

اور بعض نے ثلۃ من الاولین سے اس امت کے متقدمین اور **قليل من الاخرين** سے امت کے متاخرین مراد لئے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے۔

اور روح المعانی میں سند حسن کے ساتھ ابو بکرہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ هما جميعا من هذه الامة اور حافظ ابن کثیرؒ نے آیت کا ایک تیسرا مطلب یہ فرمایا ہے کہ ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔ ارشاد نبوی ﷺ **خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم** اس کا مؤید ہے۔ لیکن بعض اکابر نے "تفسیر منصور" پہلے معنی کو فرمایا ہے۔ اور ارشاد نبوی ﷺ **هما من هذه الامة** کی تاویل یہ کہ یہ آیت کی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ جس طرح پہلی امتوں کے اولین میں مقربین زیادہ اور آخرین میں کم رہے ہیں۔ اسی طرح اس امت میں بھی متقدمین میں مقربین زیادہ اور متاخرین میں کم ہوں گے۔ گو قرآن کا یہ مدلول نہ ہو۔

اور اسی طرح قلیل من الاخرین کا مقربین کے بارہ میں ہونا اور "ثلۃ من الاخرین" کا اصحاب الیمین کی شان میں ہونا بھی صاف مدلول قرآنی ہے۔

رہ گئی حدیث عمر جس کا بیان پہلے ہوا۔ جس میں ثلۃ اور قلیل دونوں کا مصداق ایک ہی فرمایا۔ اس کی بھی توجیہ کی جائے گی۔ کہ صحابہ نے اول مقربین کے بارہ میں جو قلیل من الاخرین سنا تو گمان ہوا کہ شاید یہی نسبت پہلی امتوں اور اس امت کے عوام مومنین میں بھی ہوگی کہ ان میں زیادہ اور اس امت میں کم ہوں۔ مگر دوسری آیت میں بتلا دیا گیا کہ یہ نسبت مقربین میں ہے لیکن اصحاب الیمین میں دوسری نسبت ہوگی۔

اور مذکورہ روایت میں جو **فسخت و قليل من الا خرين** الفاظ آئے ہیں تو سلف کی اصطلاح میں یہ نسبت متاخرین کے نسخ کے معنی عام ہیں یعنی توضیح مراد اور شبہ کے ازالہ کو بھی متقدمین نسخ کہہ دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت بقرۃ **لله ما فى السموات** کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں: علی سرر موضونۃ۔ یہاں سے نعمائے جنت کا بیان ہو رہا ہے سونے کے تاروں سے

بنے ہوئے تخت بیٹھنے کے لئے ہوں گے۔ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھا ہوگا اور خدمت گار لڑکے ہوں گے جو سدا ایک حالت پر رہیں گے صاف ستھری شراب کے چشمے ہوں گے جن کے پینے سے نہ سر گرانی ہوگی اور نہ بڑ لگے گی۔شراب نشہ سے خالی اور صرف لذت وسرور کے لئے ہو گی۔پسندیدہ میوے، مرغوب گوشت بلا تعب میسر ہوگا، چمکتے دمکتے موتیوں کی طرح حوریں ہوں گی۔کوئی لغو اور واہیات بات وہاں نہ ہوگی۔نہ کوئی جھوٹ بولے گا اور نہ کوئی کسی پر جھوٹی تہمت لگا سکے گا۔بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں ہوں گی۔جنتیوں کا آپس میں سلام ہوگا فرشتوں کی طرف سے سلام ہوگا اور سب سے بڑھ کر رب کریم کا سلام پہنچے گا جو سب سے بڑھ کر اعزاز ہوگا۔سلام کی یہ کثرت اس طرف اشارہ ہوگی کہ اب یہاں سلامتی ہی سلامتی ہے نہ کسی طرح کا آزار ہے اور نہ موت کا کھٹکا، قسم قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور باغات ہوں گے، وہاں نہ دھوپ ہوگی اور نہ اندھیرا۔نہ گرمی ہوگی اور نہ سردی، سورج نکلنے سے پہلے صبح کا سا سہانا معتدل وقت اور موسم رہے گا اور سایہ اتنا پھیلا ہوا ہوگا کہ بہترین تیز رفتار سوار متواتر سو برس دوڑتا رہے تو ختم نہ ہو، میوے ایسے کہ نہ اس سے پہلے توڑے گئے اور نہ دنیا کے موسمی میووں کی طرح ختم ہونے والے اور نہ ہی اس کے لینے میں کسی طرح کی روک ٹوک پیش آئے گی اور فرش فروش بے حد اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی، حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں نصیب ہوں گی وہاں ان کا قدرتی اٹھان ایسا ہوگا کہ ہمیشہ جوان اور خوبصورت بنی رہیں گی۔ان کی گفتگو ناز وانداز سے بے ساختہ دل لبھے گا اور باہم سب ہم عمر ہوں گی۔شوہروں کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔

مشکل کا حل:......... **ثلة من الاولين** ۔یعنی اصحاب الیمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بکثرت ہوں گے، بلکہ متاخرین میں اصحاب الیمین کی تعداد بہ نسبت متقدمین اصحاب الیمین کے زیادہ ہوگی۔چنانچہ احادیث میں تصریح ہے کہ مجموعہ مومنین اس امت کا پہلی امتوں کے مجموعہ مومنین سے زیادہ ہوگا۔اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اس امت کے اصحاب الیمین زیادہ ہوں گے، کیونکہ متقدمین میں مقربین کی کثرت تو خود آیت بالا سے ثابت ہے۔اور جب اصحاب الیمین مقربین سے مرتبہ میں کم ہیں تو ان کی جزا بھی کم ہوگی۔

سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ مقربین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ بیان کیا گیا ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہوا کرتا ہے اور اصحاب الیمین کی جزا میں اس سامان عیش کا زیادہ ذکر ہے جو دیہاتی قصباتی لوگوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے جس سے اشارہ ان دونوں کے فرق مراتب کی طرف ہے۔

واصحاب الشمال ۔یہاں سے تیسری قسم دوزخیوں کی تفصیل ارشاد ہے۔دوزخ کی آگ سے جو سیاہ دھواں اٹھے گا وہ اس میں رکھے جائیں گے جہاں کسی قسم کا نہ آرام ملے گا نہ ٹھنڈک پہنچے گی نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا اس کی تپش میں ذلیل وخوار بیٹھے رہیں گے، دنیا میں خوشحالی اور غرور کی وجہ سے انہوں نے اللہ ورسول سے ضد باندھی تھی یہ اس کا جواب ہے۔دنیا میں قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اس زندگانی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے ہمارا اور ہمارے ماں باپ دادوں کا مرنے کے بعد زندہ ہونا کہیں سمجھ میں آتا ہے؟

دوزخیوں کا حال پتلا ہوگا:......... **ثم انكم ايها الضالون** ۔دوزخیوں کا جب مارے بھوک کے برا حال ہوگا تو زقوم کا درخت چبانے کو ملے گا اور پیٹ کی دوزخ کو اس سے بھرنا ہوگا اور کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔مگر بے تابی میں پیاس کی شدت سے ایک دھوپ میں جھلسے ہوئے اونٹ کی طرح یہی پانی ایک دم چڑھاتا چلا جائے گا جس سے منہ جھلس کر جھن جائے گا اور اندر سے آنتیں کٹ کٹ کر باہر آپڑیں گی۔ انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے اور جانور سے بدتر سلوک ان کے ساتھ کیا جائے۔

لطائف سلوک:......... **والسابقون السابقون** ۔اس سے معلوم ہوا کہ مقربین کا مرتبہ عام صلحاء مومنین کے درجہ سے بڑھ کر ہے اور یہی تصوف کا مقصود ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ وَجَدْنَا عَنْ عَدَمٍ **فَلَوْلَا** هَلَّا **تُصَدِّقُوْنَ** ﴿٥٧﴾ بِالْبَعْثِ اِذِالْقَادِرُ عَلَى الْاِنْشَاءِ قَادِرٌ عَلَى الْاِعَادَةِ **اَفَرَئَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ** ﴿٥٨﴾ تُرِيْقُوْنَ الْمَنِىَّ فِىْ اَرْحَامِ النِّسَاءِ **ءَاَنْتُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ اِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ فِى الْمَوَاضِعِ الْاَرْبَعَةِ **تَخْلُقُوْنَهٗٓ** اَىِ الْمَنِىَّ بَشَرًا **اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ** ﴿٥٩﴾ **نَحْنُ قَدَّرْنَا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ** ﴿٦٠﴾ بِعَاجِزِيْنَ **عَلٰٓى** عَنْ **اَنْ نُّبَدِّلَ** نَجْعَلَ **اَمْثَالَكُمْ** مَكَانَكُمْ **وَنُنْشِئَكُمْ** نَخْلُقُكُمْ **فِىْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿٦١﴾ مِنَ الصُّوَرِ كَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ **وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ **فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴿٦٢﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِى الْاَصْلِ فِى الذَّالِ **اَفَرَئَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ** ﴿٦٣﴾ تُثِيْرُوْنَ الْاَرْضَ وَتُلْقُوْنَ الْبَذْرَ فِيْهَا **ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ** تُنْبِتُوْنَهٗ **اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ** ﴿٦٤﴾ **لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا** نَبَاتًا يَابِسًا لَا حَبَّ فِيْهِ **فَظَلْتُمْ** اَصْلُهٗ ظَلِلْتُمْ بِكَسْرِ اللَّامِ فَحُذِفَتْ تَخْفِيْفًا اَىْ اَقَمْتُمْ نَهَارًا **تَفَكَّهُوْنَ** ﴿٦٥﴾ حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِى الْاَصْلِ تَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ وَتَقُوْلُوْنَ **اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ** ﴿٦٦﴾ نَفَقَةَ زَرْعِنَا **بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ** ﴿٦٧﴾ مَمْنُوْعُوْنَ رِزْقَنَا **اَفَرَئَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ** ﴿٦٨﴾ **ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ** السَّحَابِ جَمْعُ مُزْنَةٍ **اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ** ﴿٦٩﴾ **لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا** مِلْحًا لَا يُمْكِنُ شُرْبُهٗ **فَلَوْلَا** فَهَلَّا **تَشْكُرُوْنَ** ﴿٧٠﴾ **اَفَرَئَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ** ﴿٧١﴾ تُخْرِجُوْنَ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ **ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ** كَالْمَرْخِ وَالْعَفَارِ وَالْكَلَخِ **اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ** ﴿٧٢﴾ **نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً** لِنَارِ جَهَنَّمَ **وَّمَتَاعًا** بُلْغَةً **لِّلْمُقْوِيْنَ** ﴿٧٣﴾ لِلْمُسَافِرِيْنَ مِنْ اَقْوٰى اَىْ صَارُوْا بِالْقَوِىِّ بِالْقَصْرِ وَالْمَدِّ اَىِ الْقَفْرِ وَهُوَ مَفَازَةٌ لَا نَبَاتَ فِيْهَا وَلَا مَاءَ **فَسَبِّحْ** نَزِّهْ **بِاسْمِ** زَائِدٌ **رَبِّكَ الْعَظِيْمِ** ﴿٧٤﴾ اَىِ اللّٰهِ **فَلَآ اُقْسِمُ** لَا زَائِدَةٌ **بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ** ﴿٧٥﴾ بِمَسَاقِطِهَا لِغُرُوْبِهَا **وَاِنَّهٗ** اَىِ الْقَسَمُ بِهَا **لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ** ﴿٧٦﴾ اَىْ لَوْ كُنْتُمْ مِنْ ذَوِى الْعِلْمِ لَعَلِمْتُمْ عِظَمَ هٰذَا الْقَسَمِ **اِنَّهٗ** اَىِ الْمَتْلُوَّ عَلَيْكُمْ **لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ** ﴿٧٧﴾ **فِىْ كِتٰبٍ** مَكْتُوْبٍ **مَّكْنُوْنٍ** ﴿٧٨﴾ مَصُوْنٍ وَهُوَ الْمُصْحَفُ **لَّا يَمَسُّهٗٓ** خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْىِ **اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** ﴿٧٩﴾ اَىِ الَّذِيْنَ طَهَّرُوْا اَنْفُسَهُمْ مِنَ الْاَحْدَاثِ **تَنْزِيْلٌ** مُنَزَّلٌ **مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿٨٠﴾ **اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ** الْقُرْاٰنِ **اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ** ﴿٨١﴾ مُتَهَاوِنُوْنَ مُكَذِّبُوْنَ **وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ** مِنَ الْمَطَرِ اَىْ شُكْرَهٗ **اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ** ﴿٨٢﴾ بِسُقْيَا اللّٰهِ حَيْثُ قُلْتُمْ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا **فَلَوْلَآ** فَهَلَّا **اِذَا بَلَغَتِ** الرُّوْحُ وَقْتَ النَّزْعِ **الْحُلْقُوْمَ** ﴿٨٣﴾ وَهُوَ مَجْرَى الطَّعَامِ **وَاَنْتُمْ** يَا حَاضِرِى الْمَيِّتِ **حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ** ﴿٨٤﴾ اِلَيْهِ **وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ** بِالْعِلْمِ **وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ** ﴿٨٥﴾ مِنَ الْبَصِيْرَةِ اَىْ لَا تَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ **فَلَوْلَآ** فَهَلَّا **اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ** ﴿٨٦﴾

٢ ع ٣٦ ١٥

مُعْجِزِيْنَ بِاَنْ تُبْعَثُوْا اَيْ غَيْرَ مَبْعُوْثِيْنَ بِزَعْمِكُمْ **تَرْجِعُوْنَهَا** تَرُدُّوْنَ الرُّوْحَ اِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ بُلُوْغِ الْحُلْقُوْمِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۸۷﴾ فِيْمَا زَعَمْتُمْ **فَلَوْلَا** الثَّانِيَةُ تَاكِيْدٌ لِلْاُوْلٰى وَاِذَا ظَرْفٌ لِتَرْجِعُوْنَ لِمُتَعَلَّقٍ بِهِ الشَّرْطَانِ وَالْمَعْنٰى هَلَّا تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ نَفَيْتُمُ الْبَعْثَ صَادِقِيْنَ فِيْ نَفْيِهِ اَيْ لِيَنْتَفِيَ عَنْ مَحَلِّهَا الْمَوْتُ **فَاَمَّا اِنْ كَانَ** الْمَيِّتُ **مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ** ﴿۸۸﴾ **فَرَوْحٌ** اَيْ فَلَهُ اسْتِرَاحَةٌ **وَّرَيْحَانٌ** رِزْقٌ حَسَنٌ **وَّ جَنَّةُ نَعِيْمٍ** ﴿۸۹﴾ وَهَلِ الْجَوَابُ لِاَمَّا اَوْلِاِنْ اَوْلَهُمَا اَقْوَالٌ **وَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ** ﴿۹۰﴾ **فَسَلٰمٌ لَّكَ** اَيْ لَهُ السَّلَامَةُ مِنَ الْعَذَابِ **مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ** ﴿۹۱﴾ مِنْ جِهَةِ اَنَّهُ مِنْهُمْ **وَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ** ﴿۹۲﴾ **فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ** ﴿۹۳﴾ **وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ** ﴿۹۴﴾ **اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ** ﴿۹۵﴾ مِنْ اِضَافَةِ الْمَوْصُوْفِ اِلٰى صِفَتِهٖ **فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ** ﴿۹۶﴾ تَقَدَّمَ

ترجمہ:.........ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے (عدم سے وجود بخشا ہے) تو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے (قیامت کی کیونکہ جو خدا تمہیں ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو (بیویوں کے رحم میں منی ڈالتے ہو) اس کو تم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور تسہیل کر کے اور ہمزہ مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے اور چاروں صورتوں میں بغیر الف داخل کیے پڑھا گیا ہے) آدمی بناتے ہو (یعنی منی کو انسان) یا ہم بنانے والے ہیں؟ ہم ہی نے تمہارے درمیان ٹھہرا رکھا ہے (قدرنا تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) موت کو اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں تمہاری جگہ تو اور تم جیسے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی بندر اور خنزیر کی شکل پر) اور تمہیں پہلی پیدائش کا علم ہے (نشاۃ ایک قراءت میں سکون شین کے ساتھ ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے (اس کی اصل میں تائے ثانیہ کو ذال بنا کر ادغام کر دیا ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو (نکالتے ہو) یا ہم اگانے والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں (بغیر دانہ بھوسہ کے) پھر تم رہ جاؤ (ظلتم اصل میں ظللتم تھا کسرہ لام کے ساتھ تخفیفاً لام کو حذف کر دیا۔ یعنی تم دن بھر رہو) حیران (تفکھون کی اصل میں دو تا تھیں ایک کو حذف کر دیا گیا اس پر تعجب کرتے ہوئے بول اٹھو گے) کہ ہم تو نٹے ہی میں رہ گئے (غلہ کی پیداوار میں) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (پیداوار سے خالی ہاتھ) اچھا یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو (مزن بمعنی بادل مزنۃ کی جمع ہے) یا ہم برسانے والے ہیں اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں (ایسا شور کہ پیا نہ جا سکے) سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو (سرسبز درخت کا چقماق بناتے ہو) اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے (جیسے مرخ، عفار، اور کلخ نامی درخت) یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے آگ کو (دوزخ کی) یاددہانی کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدہ (نفع) کی چیز بنایا ہے۔ مقوین بمعنی مسافرین ''اقوی القوم'' سے ماخوذ ہے یعنی قوم میدان میں چلی گئی۔ قویٰ قصر و مد کے ساتھ دونوں طرح ہے بمعنی کھلا میدان اور ایسا جنگل جس میں نہ گھاس ہو نہ پانی) سو اپنے عظیم الشان پروردگار (اللہ) کی (اسم زائد ہے) تسبیح (پاکی بیان کیجئے)۔ سو میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ستاروں کے چھپنے کی (غروب ہونے کے لئے ستاروں کے غائب ہونے کی) اور اگر غور کرو تم تو یہ (قسم) ایک بڑی قسم ہے (اگر تم سمجھدار ہو تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ قسم بہت بڑی ہے) کہ یہ (جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے) قرآن کریم ہے جو ایک محفوظ کتاب (مصحف) میں درج (لکھا ہوا) ہے کہ اس کو کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا (خبر ہے بمعنی نہی) بجز پاک فرشتوں کے جنہوں نے ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک کر رکھا ہے) یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا (بھیجا) ہوا ہے سو کیا تم اس کلام (قرآن) کو سرسری بات سمجھتے ہو (معمولی سمجھ کر جھٹلا رہے ہو) اور بنا

رہے ہوا پنی غذا (بارش یعنی اس کی شکر گزاری) کو جھوٹ (اللہ کے سیراب کرنے کو یہ کہہ کر فلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی ہے) سو جس وقت روح پہنچتی ہے (نزع کے وقت) حلق (کھانا گزرنے کی جگہ) تک اور تم (میت کے آگے کھڑے ہوئے) اس وقت تکا کرتے ہو (میت کی طرف) اور ہم اس شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (بلحاظ علم کے) لیکن تم سمجھتے نہیں ہو (لاتبصرون بصیرت سے ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہے) تو اگر تمہارا احساب کتاب ہونے والا نہیں (کہ قیامت میں تمہیں سزا ملے۔ یعنی تمہارے خیال میں قیامت کے دن تم اٹھائے نہیں جاؤ گے) تو تم اس روح کو پھر کیوں لوٹا نہیں لاتے (جان گلے تک آجانے کے بعد پھر اس کو واپس کیوں نہیں کر دیتے) اگر تم سچے ہو (اپنے اعتقاد میں۔ دوسرا لولا پہلے لولا کی تاکید ہے اور اذا، ترجعون کا ظرف ہے، جس سے دونوں شرطوں کا تعلق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر قیامت کے منکر ہو اور اس دعویٰ نفی میں سچے ہو تو روح کو کیوں نہیں لوٹا دیتے یعنی اس شخص کو پھر موت نہیں آنی چاہیے) پھر (مرنے والا) اگر مقربین میں سے ہے تو اس کے چین ہے (یعنی) اس کے لئے راحت ہے اور غذائیں ہیں (عمدہ رزق) اور آرام کی جنت ہے (یہ اما کا جواب ہے یا ان کا جواب ہے یا دونوں کا جواب ہے یہ تین قول ہیں) اور اگر وہ شخص داہنے والوں میں سے ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن وامان ہے (عذاب سے چھٹکارہ) تو داہنے والوں میں سے ہے (تیرا انہی میں شمار ہے) اور جو شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہو گی اور دوزخ میں داخل ہوگا۔ بلاشبہ یہ تحقیقی یقینی بات ہے (حق الیقین میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے) سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے)۔

تحقیق وترکیب:

افرءیتم۔ یہاں سے منکرین قیامت پر متعدد تردیدیں کی جارہی ہیں۔

ار ءیتم۔ بمعنی اخبرونی اس کا مفعول اول ماتمنون اور مفعول ثانی جملہ استفہامیہ ہے۔

تمنون۔ ایک قراءت فتحہ تا کے ساتھ ہے۔

ء انتم تخلقونه۔ اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ فعل محذوف کا فاعل ہو۔ ای تخلقونہ انتم۔ چونکہ فعل مابعد کے دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ اس لئے ضمیر بھی منفصل ہوگئی۔ یہ باب اشتغال کی قبیل سے ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ انتم مبتداء اور بعد کا جملہ خبر ہوا جو حرف استفہام کی وجہ سے پہلی صورت راجح ہے مفسرؒ نے بشرا سے اشارہ کیا ہے کہ منی پیدا کرنے سے انسان پیدا کرنا مراد ہے۔

وننشئکم فی ما لا تعلمون سے یہ مقصد ہے کہ غیر معہود طریقہ پر پیدا کر دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ذات وصفات دونوں میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ اس کی حکمت بالغہ کا اگر تقاضہ ہو تو یہ محال نہیں ہے۔

نشأۃ الاولیٰ۔ ابو عمرو ابن کثیر کی قرأت میں فتح شین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک سکون شین کے ساتھ ہے، حرث کے معنی کھیتی تیار کرنے کے ہیں، تفسیری عبارت میں لغوی معنی کی رعائت ہے تخم ریزی کے معنی زیادہ بہتر ہیں۔ حدیث میں ہے۔ لا یقول احدکم زرعت ولیقل حرثت

لمغرمون۔ غرام، تاوان، ڈنڈا کو کہتے ہیں۔

جعلناہ اجاجاً۔ چونکہ تاکید کی ضرورت نہیں تھی اس لئے یہاں لام نہیں لایا گیا۔ کیونکہ بارش بادل پر کسی کی ملکیت کا ایہام ہی نہیں۔ برخلاف زمین اور کھیتی کے ان میں دوسرے کی ملکیت کا شائبہ ہے۔ اس لئے وہاں لام تاکید لایا گیا ہے۔ اجاج اجج سے ہے آگ کی لپٹ کو کہتے ہیں جس سے منہ جل جائے قرینہ مقام کی وجہ سے شور وتلخ کے معنی ہیں۔

شجرتها۔ مرخ وعفار دونوں چقماق کی لکڑیاں یا پتھر ہوتے ہیں جن سے آگ کے شعلے اور چنگاریاں نکلتی ہیں پہلے زمانہ میں اسی سے آگ روشن کی جاتی تھی۔ اب دیا سلائی کی ڈبی نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

کلخ کے متعلق اہل مغرب وشام سے نقل کیا گیا ہے کہ ان کے یہاں بانس کی قسم سے ایک چیز ہوتی تھی۔ جس کے دو ٹکڑے ایک دوسرے پر مارنے

سے آگ کی چنگاریاں نکال کر آگ روشن کی جاتی تھی۔

للمقوین. مسافر کی تخصیص اس لئے کی کہ ان کو ضرورت زیادہ ہوتی ہے ورنہ مقیمین کے یہاں تو اکثر آگ رہتی ہی ہے۔ لق ودق چٹیل میدان کو قفاولا مفازہ کہتے ہیں۔

اسم ربك ۔ مفسر تو لفظ اسم زائد کہہ رہے ہیں۔ مگر زائد کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بے کار اور فضول لفظ ہے العیاذ باللہ۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اس لفظ کے بغیر عبارت اور معنی درست رہتے ہیں۔ گویا یہ لفظ ضروری نہیں ہے۔ لیکن دوسری رائے میں یہ ہے کہ یہ لفظ زائد نہیں ہے۔ بلکہ تنزیہ ذات کی طرح صفات واسماء الہیہ کی تنزیہ بھی مطلوب ومقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام کاغذ پر لکھا ہوا اگر کسی کو گندگی میں پڑا ملے اور وہ اس کو نہ اٹھائے تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی ایسی ہے جیسے اس کی ذات کی بے حرمتی کیونکہ اسم مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے لفظ اس کا ترف الف رسم الخط میں یہاں لکھا جائے گا۔ اور بسم اللہ میں کثرت استعمال کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

مو اقع النجوم ۔ غروب کی تخصیص اس لئے کہ اس میں موثر پر دلالت واضح ہے۔

وانہ لقسم لو تعلمون ۔ یہ دونوں جملہ معترضہ ہیں۔ پہلا تو قسم اور جواب قسم کے درمیان اور دوسرا موصوف صفت کے درمیان جیسا کہ صاحب کشاف نے تصریح کی ہے۔ اس کو ایک جملہ معترضہ سے زائد پر محمول نہ کیا جائے۔ جیسا کہ بعض حضرات کو آیت وانی سمیتھا مریم کی تفسیر میں صاحب کشاف پر شبہ ہو گیا ہے۔

لا یمسہ اگر اس کو جملہ خبریہ مانا جائے تو بغیر طہارت قرآن چھونے سے خبر کے جھوٹ ہونے کا شبہ ہوتا اس لئے مفسرؒ نے جملہ انشائیہ ''نہی'' سے تاویل کردی۔ لیکن صاحب مدارکؒ کہتے ہیں کہ جملہ موصوفہ کو جب کتاب کی صفت بنا دیا جائے جس سے لوح محفوظ مراد ہو تو پھر مطہرون سے فرشتے مراد ہوں گے۔

امام مالکؒ اور ایک جماعت کی رائے بھی یہی ہے اور انسؓ، قتادہؒ، سعید بن جبیرؒ، ابوالعالیہؒ سے بھی یہی روایت ہے اور لایمسہ کی ضمیر اگر قرآن کی طرف راجع ہو تو پھر اس آیت سے آئمہ اربعہ کے نزدیک بے وضو اور بے غسل قرآن چھونا جائز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کی ضمیر اگر قرآن کی طرف راجع ہو تو پھر لایمسہ نہی ہوگی یا نفی۔ یہاں قرآن کے چار اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک بغیر طہارت قرآن کسی الگ کپڑے کے ساتھ چھو سکتا ہے البتہ بے وضو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے حافظ کے لئے اور ناظرہ بغیر ہاتھ لگائے پڑھ سکتا ہے مگر مکروہ ہے اور شوافع اور مالکیہ کے یہاں کسی بے وضو بے غسل کو نہ قرآن چھونے کی اجازت ہے اور نہ اٹھانے کی۔ اور حنابلہ بے وضو اور جنبی کے لئے اجازت دیتے ہیں۔ مگر حیض ونفاس والی عورتوں کو اجازت نہیں دیتے۔ البتہ قرآن کی کتابت امام ابو یوسفؒ جنبی اور حائضہ کے لئے جائز مانتے ہیں جب کہ اوراق کسی دوسری چیز پر رکھے ہوں۔ امام محمدؒ بالکل اجازت نہیں دیتے۔

وتجعلون رزقکم ۔ مفسرؒ نے شکرہ مضاف محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ یعنی مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ اور بعض نے آسمانی رزق سے شکر مراد لیا ہے۔ ابن مردویہؒ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وتجعلون شکرکم پڑھا ہے یعنی بطور تفسیر کے۔

انکم تکذبون ۔ مفسرؒ نے بسقیا اللہ سے تکذبون کے مفعول محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سقیا ۔ اسم ہے اور مصدر مضاف الی الفاعل ہے۔ مطرنا بنوء کذا۔ ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ سالانہ منازل قمر ۲۸ ہوتی ہیں۔ ہر تیرہویں شب میں ایک ستارہ مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا ستارہ مشرق میں طلوع کرتا ہے۔ اہل مغرب بارش کی نسبت ستاروں کی طرف کرتے ہیں اور اسی کو موثر حقیقی سمجھتے ہیں۔ اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ موثر حقیقی صرف حق تعالیٰ ہیں۔ فی الجملہ اسباب کی تاثیرات کا انکار نہیں عالم اسباب میں علویات سفلیات پر موثر ہیں۔ مگر اصل ہاتھ ان کی پشت پر اللہ کا ہوتا ہے۔ البتہ سد ذرائع کے طور پر نجوم اور نجومیوں کے پاس تک جانے سے روک دیا گیا ہے۔

نوء۔اصلاح میں پچھتر کو کہتے ہیں۔

فلو لا اذا بلغت۔دراصل اس آیت کی ترتیب اس طرح ہے۔لو لا ترجعونها اذا بلغت الحلقوم ان کنتم غیر مدینین دوسرا لولا تاکید کے لئے ہے بقول زمخشریؒ۔

الروح۔دل سے جو لطیف بخار بنتا ہے اس کو روح کہتے ہیں نفس ناطقہ مراد نہیں۔کیونکہ اس کے اوصاف وہ نہیں جو بیان کئے جارہے ہیں۔

مدینین۔دین سے ہے جس کے معنی جزاء کے ہیں یعنی کیا قیامت نہیں آئے گی جس میں تمہیں کئے کا بدلہ ملے گا، گویا لازم کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ جزا وسزا نہ ہونے کا مطلب قیامت کا نہ ہونا ہے کیونکہ بعث کے لئے جزا وسزا لازم ہے۔پس لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہوگئی۔اور بعض نے غیر مدینین کے معنی غیر مربوبین کے لیے ہے۔وان السلطان رعیته اذا ساسهم۔

ترجعونها۔یعنی اگر بقول کفار کے نہ قیامت ہوگی نہ حساب کتاب اور نہ ہی خدا کوئی چیز ہے تو غرغرہ کی حالت میں جب دم واپسیں ہو تو کیوں نہیں مرنے والے کو بچا لیتے اور جب یہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ تمہارے اوپر ایک بالا دست طاقت ہے کہ اس کی چلتی ہے اور تمہاری کچھ نہیں چلتی۔ تفسیری عبارت ''المتعلق بہ الشرطان'' کا حاصل یہ ہے کہ ان کنتم غیر مدینین اور ان کنتم صادقین دونوں شرطوں کا تعلق ترجعون کے ساتھ ہے یعنی یہ دونوں الگ الگ جزاء ہے۔مفسرؒ کی عبارت میں قلب ہوگیا۔شرطوں کے جزاء سے متعلق ہونے کی بجائے کہنا چاہیے تھا کہ جزاء دونوں شرطوں سے متعلق ہے۔نیز بعد میں شرط وجزاء کی تقدیم تاخیر میں بھی تسامح ہوگیا۔یوں کہنا چاہیے تھا۔ان نفیتم البعث صادقین فی نفیه فهلا ترجعونها اس میں ان نفیتم البعث شرط اول ان کنتم غیر مدینین میں مذکور ہے اور صادقین شرط ثانی ان کنتم صادقین سے ماخوذ ہے اور تفسیری عبارت لینتفی علت ہے هلا ترجعونها جزاء کی اور محلها سے مراد بدن میت ہے۔

فروح و ریحان۔مفسرؒ نے فله سے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے جو مقدم ہونی چاہیے۔ریحان کے معنی بعض کے نزدیک خوشبو کے ہیں۔ابن جریرؒ نے ابوالعالیہؒ سے تخریج کی ہے۔ لم یکن احد من المقربین یفارق حتی یوتی بعض من ریحان الجنة فیشمه ثم یقبض۔

جملہ فروح وریحان اما کا جواب بھی ہو سکتا ہے۔اس صورت میں ان شرطیہ کی جزا محذوف ہوگی۔موجودہ عبارت دلالت کرنے کی وجہ سے یہ پہلی ترکیب ہی راجح ہے کیونکہ ان کی جزاء اکثر حذف ہوتی رہتی ہے۔

علامہ رضی کہتے ہیں کہ فروح اما کا جواب ہے اور ان کے جواب کی ضرورت نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان جئتنی اکرمک مجزوم جائز نہیں بلکہ مرفوع ہونا واجب ہے۔دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ ''فروح و ریحان'' ان کی جزاء ہو اور اما کا جواب محذوف مانا جائے۔تیسری ترکیب یہ ہے کہ یہ دونوں کا جواب ہو۔

من اصحاب الیمین مفسرؒ نے من تعلیلیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عجیب لطیفہ:.........تفسیر مدارک میں ہے کہ سورۂ اقتربت، سورۂ رحمٰن، سورہ واقعہ تینوں سورتوں میں کہیں لفظ اللہ نہیں ہے۔اور مفسر محقق تھانویؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ مجادلہ کی کوئی آیت لفظ اللہ سے خالی نہیں ہے۔واللہ اعلم باسرار کلامه اور ایسی پوری سورت کہ جس میں صرف ایک زیر ہو سورۃ اخلاص ہے۔

ربط آیات:.........پچھلی آیت میں کفار کے عذاب کی علت ان کا کفر وشرک اور انکار قیامت بیان فرمائی تھی۔آیت نحن خلقنکم سے بعض تصرفات الٰہیہ کا ذکر ہے چونکہ ان میں نعمت ہونے کی شان ہے اس لئے اس کے بعد کفر وشرک تعجب انگیز ہے اور چونکہ وہ دلائل قدرت بھی ہیں۔ اس لئے انکار قیامت کی گنجائش نہیں ہے پھر کیسے ان دونوں غلط باتوں کا ارتکاب کر رہے ہو؟ اور چونکہ دلائل عقلیہ سے توحید کا واجب اور قیامت

کا ممکن ہونا ثابت ہے اور امکان کے بعد اصل مدعا قیامت کا واقع ہونا ہے اور اس بارہ میں عقلی دلیل کے ساتھ قیامت واقع ہونے کے لئے نقلی دلیل کی بھی ضرورت ہے اور جس طرح قرآن قیامت کے امکان عقلی کو بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے واقع ہونے کو بھی بیان کرتا ہے لیکن ابھی منکرین کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں ہی کلام ہے۔ اس لئے آیت فلا اقسم الخ سے قرآن کی حقانیت کو اور پھر قیامت مجازات کے واقع ہونے کو ارشاد فرماتے ہیں۔ اس مضمون سے توحید بھی ثابت ہو رہی ہے۔

﴿تشریح﴾ .... نحن خلقنکم۔ یعنی اس بات کو تم کیوں نہیں مانتے۔ کہ پہلے بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کردے گا۔ پس نعمت ہونے کے اعتبار سے اس سے توحید اور دلیل قدرت ہونے کے لحاظ سے قیامت ثابت ہو رہی ہے۔

آگے پیدائش کے قدرے تفصیل ہے کہ بتلاؤ رحم مادر میں نطفہ سے کون انسان کو بناتا ہے۔ وہاں کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے کیونکہ جلانا مارنا سب ہمارے قبضہ میں ہے جب یہ سب باگ ڈور ہمارے قبضہ میں ہے تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ تمہاری ذات اور صورت جس طرح دونوں اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں ان کو باقی رکھنا بھی انہی کا انعام اور قدرت ہے۔

سائنسی ایجادات قدرت کا انکار نہیں، بلکہ اظہار کر رہی ہیں: .... آج کل مشینوں کے ذریعہ بچوں کا پیدا کرنا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ اول تو آلات کے ذریعہ جو کام انجام دیا جاتا ہے وہ صنعت کہلاتی ہے۔ تخلیق نہیں۔ تخلیق بلاواسطہ آلات ہوتی ہے۔ پھر مشین میں رکھے ہوئے انڈوں میں جان ڈال دینا تو مشین کا کام نہیں وہ صرف اللہ کا پوشیدہ ہاتھ ہے۔ تیسرے ان مشینوں کا مادہ اور خود انسانی دماغ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے بات گھوم پھر کر اللہ ہی پر پہنچتی ہے۔

غرض کہ اللہ چاہیں تو تم کو اٹھالیں اور تمہاری جگہ یہاں اور مخلوق بسا دیں۔ یا تمہیں کسی ایسے جانور کی صورت میں مسخ کر دیں جس کا تمہیں گمان بھی نہ ہو۔ اس لئے پہلی پیدائش پر دھیان کر کے دوسری کو بھی سمجھ لو۔

آفاقی دلائل قدرت: .... افرءیتم ما تحرثون۔ ان دلائل کے بعد اب آفاقی دلائل پر غور کرو۔ ہر چند تم زمین میں بیج ڈالتے ہو۔ لیکن اس کو پرورش کر کے زمین سے باہر نکالنا اور پھر لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے۔ کھیتی پیدا کر کے اس کو محفوظ رکھنا بھی اسی کا کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے۔ پھر تم سر پکڑ کر روو اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا نقصان ہو گیا۔ سچ پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔

افرءیتم الماء۔ یہ تیسری تنبیہ ہے یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے زمین کے خزانوں میں پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں پانی کے کتنے خزانے تمہارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ ہم چاہیں تو پانی کڑوا کر سکتے ہیں کہ پینے کے کام کا نہ رہے۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے جس کا بڑا فرد توحید ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پانی پی کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ الحمد للّٰہ الذی سقانا عذبا فراتا برحمتہ ولم یجعلہ ملحا اجاجا بذنوبنا (ابن کثیر) آگے چوتھی تنبیہ ہے۔

افرءیتم النار۔ عرب میں کئی درخت جن کا نام مفسرؒ نے لکھا ہے ایسے ہیں کہ جن کو رگڑنے سے آگ نکلتی ہے۔ جیسے ہمارے یہاں بانس، بتلاؤ کہ ان درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے تم نے یا ہم نے؟ سورہ یٰسین میں اس کا بیان گزرا ہے اس آگ کو دیکھ کر دوزخ کی آگ یاد کرنا چاہئے کہ یہ بھی اسی کا حصہ اور ادنیٰ نمونہ ہے۔

نیز اس میں سمجھدار کے لئے یہ نکتہ بھی قابل التفات ہے کہ جو سرسبز درخت سے آگ نکال سکتا ہے۔ وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے بھی قادر ہے۔

اور مسافروں اور جنگل والوں کو چونکہ آگ سے بہت کام پڑتا ہے بالخصوص جاڑے کے موسم میں۔ اس لئے بیان میں مسافروں کی تخصیص کردی ورنہ کام تو آگ سے سب کو ہی پڑتا ہے بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب لکھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کے بعد بلٰی انت یا رب کہنا چاہیے۔

آیت میں آگ کے دو فائدے بیان کئے گئے دوزخ کی یاد دینی فائدہ ہے اور دوسرا دنیاوی فائدہ ہے۔ پس جس ذات نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں اور اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان سے تمتع کیا۔ تمہیں اس کا شکرگزار ہونا چاہیے اور نادانوں کی خودساختہ خرافات سے اس کے نام کی پاکی بیان کرنی چاہیے۔

قرآن کلام الٰہی ہے:......... فلا اقسم۔ دلائل عقلیہ سے قیامت کا امکان ثابت ہونے کے بعد قرآن سے اس کا واقع ہونا ثابت ہے مگر تم قرآن ہی کو نہیں مانتے۔ سو میں قسم کھاتا ہوں کہ قرآن کریم ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جس کو پاکباز فرشتوں کے سوا کوئی شیطان وغیرہ چھو بھی نہیں سکتا۔ اس کے مضامین پر مطلع ہونا چہ معنی؟ پس وہاں سے یہاں تک خاص طور پر فرشتہ ہی کے ذریعہ ہے۔ اور یہی نبوت ہے اور شیاطین اس کو نہیں لاسکتے کہ کہانت وغیرہ کا احتمال نبوت میں خلل انداز ہوسکے۔ چنانچہ آیات نزل به الروح الامین و ما تنزلت به الشياطين میں اس کی صراحۃً تفصیل کردی اور خاص طور سے فرشتہ کا لانا اس لئے عرض کیا کہ اگر نبی کے علاوہ کسی فرشتہ کا بذریعہ کشف یا اخبار لوح محفوظ پر مطلع ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو وہ مستلزم نبوت نہیں۔ کیونکہ یہاں خاص اطلاع مقصود ہے اور وہ نبی ہی کو ہوسکتی ہے۔ لیکن فرشتہ کا لوح محفوظ پر مطلع ہونا مطلقاً تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس قید کی بھی حاجت نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی۔ پیغمبروں کے دلوں میں یا آیات قرآنیہ کے آسمان سے زمین پر آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی آنے کی۔ یا نفی کو نہی کے معنی میں لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کو بغیر طہارت و وضو کے چھونا نہیں چاہیے۔

لا اقسم ۔میں لا زائد ہے یا یہ مطلب ہے کہ مضمون اتنا واضح اور یقینی ہے کہ قسم کھانے کی حاجت نہیں ہے یہاں ستاروں کے چھپنے کی قسم ایسی ہی ہے جیسے سورۂ نجم کے شروع میں بیان ہوچکا ہے یعنی مطلقاً ستاروں کا غروب ہونا حضور ﷺ کے نبی اور خاتم النبیین ہونے کی نظیر ہے اور یوں تو قرآن کی ساری قسمیں ہی عظیم ہیں۔ لیکن کہیں مطلوب کے خاص اہتمام اور تنبیہ کے لئے عظیم ہونے کی تصریح بھی فرمادی۔ چنانچہ یہاں اور سورہ فجر میں مجملاً مقام کا حاصل وہی ہے جو سورۂ شعراء کے اخیر میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ یہ قرآن کوئی جادو ٹونا نہیں۔ کہ کاہنوں کی زٹیل اور بے سروپا باتیں ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں ہیں۔ بلکہ ایک مقدس معزز کتاب ہے جو کہ رب جہاں نے عالم کی ہدایت وتربیت کے لئے اتاری۔

دنیا کا نظام محکم:......... جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب وغریب نظام قائم کیا۔ یہ ستارے ایک اٹل قانون کے مطابق روزانہ اپنے غروب سے، اسی کو عظمت و وحدانیت اور قاہرانہ تصرف واقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ وبرتر ہستی کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہی اکیلا زمین، بادل، پانی، آگ، ہوا، مٹی اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا مالک ہے۔ کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو سورۃ کے شروع میں بیان ہوئے ہیں۔

باطنی نظام شمسی:......... اور کیا کوئی عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی جو قرآن کریم اور اس کی آیت اور تمام آسمانی صحیفوں سے عبارت ہے اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت اور رحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا وہی خدائے پاک ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے کس کی مجال ہے کہ اس کو بدل سکے، یا غائب کردے۔ اس کے انوار اور شعاعیں انہی دلوں میں پوری

طرح منعکس ہوتی ہے جو مانجھ کر پاک وصاف کر لئے جائیں۔ کیا ایسی دولت ہے، جس سے نفع اٹھانے میں تم سستی اور کاہلی کرو اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آ گیا۔ اس سے بارش ہوگئی۔ گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ جو کچھ ہے وہ پچھتر ہی کے کارنامے ہیں۔

اسی طرح اس باران رحمت کی قدر ومنزلت نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں ہے۔ سخت، بدبختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک عظیم نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ جھوٹ کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔ یہاں تک کہ توحید اور قیامت کے واقع ہونے کا بھی انکار کئے دے رہے ہو اور ایسی بےفکری اور بےخوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو کہ گو یا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار میں نہیں یا کبھی مرنا اور خدا کے یہاں جانا ہی نہیں۔

موت کا بھیانک منظر:........اچھا جس وقت کسی تمہارے عزیز اور قرابت دار کی جان نکلنے والی ہو سانس حلق میں اٹک جائے موت اور جان کنی کی سختیاں گزر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بےبسی اور درماندگی کا تماشا دیکھتے ہو اور دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے، تم تو صرف اس کی ظاہری حالت دیکھ رہے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر مطلع ہیں اور تم سے زیادہ اس کے حال سے واقف ہیں، تم اگر کسی دوسرے کے قابو میں نہیں ہو تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان اس کے بدن یا اپنی طرف کیوں نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل نخواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو، آنے والی سزا سے کیوں نہیں بچا لیتے، اگر اپنے ان دعوؤں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ، لیکن تم ایک سیکنڈ کے لئے روک نہیں سکتے ہو، اس کو اپنے ٹھکانہ پر پہنچنا ضروری ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی سچائی قرآن کریم ہے:........حاصل یہ ہے کہ قرآن سچا ہے وہ بعث کے واقع ہونے کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے پس جب مقتضی پایا جا رہا ہے اور مانع کوئی ہے نہیں تو بعث کا واقع ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ لیکن اس پر بھی بدستور تمہارا انکار کئے چلے جانا بدلالت حال اس کو مستلزم ہے کہ تم جان اور روح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو۔ یعنی اللہ اگر قیامت میں دوبارہ جان ڈالنا چاہے گا جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے مگر ہم ڈالنے نہیں دیں گے اور بعث نہیں ہونے دیں گے۔ تب ہی تو اتنے زور سے نفی کر رہے ہو۔ ورنہ جو شخص اپنے کو عاجز جانے وہ دلائل کے مقابلہ میں ایسے زور زبردستی کی بات کیوں کہے۔ اور اگر اپنے کو اتنا زوردار سمجھتے ہو تو اس کا اس سے اچھا کیا موقعہ ہوگا جب کہ تمہارا محبوب جان کنی کی کشاکش میں مبتلا ہے۔ ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ تم بھی اس کی بےبسی دیکھ کر دلگیر ہو رہے ہو اور تمہیں واقعی رحم اور ترس آ رہا ہے پس کیوں نہیں اس کی روح کو نکلنے سے روک لیتے اور کیوں نہیں اس کو بدن میں لوٹا دیتے۔ لیکن اگر سمجھتے ہو کہ تمہارا اس پر بس نہیں تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ بعث پر بھی تمہارا بس نہیں ہوگا۔ اللہ تو نقل روح پر دونوں حالت میں قادر ہے۔ داخل سے خارج اور خارج سے داخل دونوں اس کے زیر تصرف ہیں۔ لیکن تمہارا ایک میں عاجز ہونا بعینہ دوسرے میں عاجز ہونا ہے۔ پھر ایسے لایعنی دعوے کیوں کرتے ہو۔

مقام چونکہ قدرت کی نفی کا ہے اور علم کی نفی کو تعلق قدرت کی نفی کو مستلزم ہے اس لئے "نحن اقرب" میں بطور جملہ معترضہ لوگوں کے علم تام کی نفی فرما دی اور یہ دلیل کافی چونکہ منکرین کے لئے شافی نہ ہوئی۔ اس لئے بطور توبیخ لا تبصرون فرما دیا۔ نیز اس تقریر سے چونکہ اللہ کی قدرت بھی ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے بعث کے ساتھ اس سے توحید بھی ثابت ہو رہی ہے۔ آگے فرق مراتب کے ساتھ بعث کی تفصیل ہے۔

مقربین اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا ذکر:........فاما ان کان من المقربین۔ یعنی مرنے والا اگر مقربین میں سے ہے تو اعلیٰ درجہ کی روحانی جسمانی راحت وعیش کے سامانوں میں پہنچ جائے گا اور اصحاب الیمین سے ہے تب بھی کچھ کھٹکا نہیں۔ اگر فضل خداوندی یا توبہ کے سبب اول مغفرت ہو جائے تو یہ کہنا ابتداً ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنے والے کو یہ بشارتیں

مل جاتی ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو ان کی بدحالی کی پہلے ہی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ غرضیکہ انجام کی خبر مرنے سے پہلے ہی سنا دی جاتی ہے۔ لیکن اگر سزا کے بعد مغفرت ہو تو یہ خوشخبری پھر انتہاء ہوگی۔ اور اصحاب الیمین کے لئے روح وریحان کی صراحت نہ ہونا فرق مراتب کی طرف مشیر ہے کہ یہ مقربین سے کم درجہ ہیں۔

ان ھذا لھو حق الیقین ۔ جو کچھ مومنین اور مجرمین کو خبر دی گئی وہ بالکل یقینی ہے اسی طرح ہو کر رہے گا۔ تمہاری تکذیب سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ خواہ مخواہ شبہات پیدا کر کے اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری میں لگو، اللہ کی تسبیح وتحمید میں جٹ جاؤ کہ یہی وہاں کی بڑی تیاری ہے۔ اس طرح ان مکذبین کی دل آزاری بے ہودگیوں سے بھی یکسوئی رہے گی۔

بخاری کی آخری روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔ **کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم** ۔

لطائف سلوک ۔ **فاما ان کان من المقربین** ۔ اللہ کا مقرب وہی ہے جسے وہ اپنا بنا لے۔

سُــوْرَةُ الْحَدِيْدِ

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ نَزَّهَهُ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ فَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وَجِيءَ بِمَا دُوْنَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْاَكْثَرِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِيْ مُلْكِهِ **الْحَكِيْمُ** ﴿۱﴾ فِيْ صُنْعِهِ **لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيِيْ** بِالْاِنْشَاءِ **وَيُمِيْتُ** بَعْدَهٗ **وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۲﴾ **هُوَ الْاَوَّلُ** قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ بِلَا بِدَايَةٍ **وَالْاٰخِرُ** بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ بِلَا نِهَايَةٍ **وَالظَّاهِرُ** بِالْاَدِلَّةِ عَلَيْهِ **وَالْبَاطِنُ** عَنْ اِدْرَاكِ الْحَوَاسِ **وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۳﴾ **هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** الْكُرْسِيِّ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **يَعْلَمُ مَا يَلِجُ** يَدْخُلُ **فِي الْاَرْضِ** كَالْمَطَرِ وَالْاَمْوَاتِ **وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا** كَالنَّبَاتِ وَالْمَعَادِنِ **وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ** كَالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ **وَمَا يَعْرُجُ** يَصْعَدُ **فِيْهَا** كَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَالسَّيِّئَةِ **وَهُوَ مَعَكُمْ** بِعِلْمِهٖ **اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ﴿۴﴾ **لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** ﴿۵﴾ اَلْمَوْجُوْدَاتُ جَمِيْعُهَا **يُوْلِجُ الَّيْلَ** يُدْخِلُهٗ **فِي النَّهَارِ** فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ اللَّيْلَ **وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ** فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ النَّهَارَ **وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۶﴾ بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ **اٰمِنُوْا** دُوْمُوْا عَلَى الْاِيْمَانِ **بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا** فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ **مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ** مِنْ مَالِ مَنْ تَقَدَّمَكُمْ وَيَسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهِ مَنْ بَعْدَكُمْ نَزَلَ فِيْ غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ وَهِيَ غَزْوَةُ تَبُوْكَ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا** اِشَارَةٌ اِلٰى عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ **لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ** ﴿۷﴾ **وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ** خِطَابٌ لِلْكُفَّارِ اَيْ لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنَ الْاِيْمَانِ **بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ** بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الْخَاءِ وَبِفَتْحِهِمَا وَنَصْبِ مَا بَعْدَهٗ **مِيْثَاقَكُمْ** عَلَيْهِ اَيْ اَخَذَهٗ فِيْ عَالَمِ الذَّرِّ حِيْنَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ اى مُرِيْدِيْنَ الإيمَانَ بِهٖ فَبَادِرُوْا اِلَيْهِ هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ اٰيَاتِ الْقُرْآنِ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الكُفرِ اِلَى النُّوْرِ الإيمَانِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ فِى اِخرَاجِكُم مِنَ الكُفرِ اِلى الإيمَانِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَكُمْ بَعْدَ اِيمَانِكُم اَلَّا فِيهِ اِدغَامُ نُونِ اَن فِى لَامِ لَا تُنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِمَا فِيهِمَا فَيَصِلُ اِلَيهِ اَموَالُكُم مِن غَيرِ اَجرِ الاِنفَاقِ بِخِلَافِ مَالَوْ اَنفَقتُم فَتُوجَرُونَ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ لِمَكَّةَ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا مِنَ الفَرِيقَينِ وَفِى قِرَاءَةٍ بِالرَّفعِ مُبتَدَءٌ وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى الجَنَّةَ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ فَيُجَازِيكُم مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ بِاِنفَاقِ مَالِهٖ فِى سَبِيلِ اللّٰهِ قَرْضًا حَسَنًا بِاَن يُنفِقَهُ لِلّٰهِ تَعَالٰى فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَفِى قِرَاءَةٍ فَيُضَعِّفَهُ بِالتَّشدِيدِ مِن عَشرٍ اِلٰى اَكثَرَ مِن سَبعٍ كَمَا ذُكِرَ فِى البَقَرَةِ وَلَهٗٓ مَعَ المُضَاعَفَةِ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ مُقتَرِنٌ بِهٖ رِضًى وَاِقبَالٌ اُذكُرْ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ اَمَامَهُم وَ يَكُونُ بِاَيْمَانِهِمْ وَيُقَالُ لَهُم بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ اَى دُخُولُهَا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا اَبصِرُونَا وَفِى قِرَاءَةٍ بِفَتحِ الهَمزَةِ وَكَسرِ الظَّاءِ اَى اَمهِلُونَا نَقْتَبِسْ نَاخُذُ القَبَسَ وَالاِضَاءَةَ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ لَهُم اِستِهزَاءً بِهِم ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَرَجَعُوا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ وَبَينَ المُؤمِنِينَ بِسُوْرٍ قِيلَ هُوَ سُورُ الاَعرَافِ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ مِن جِهَةِ المُؤمِنِينَ وَظَاهِرُهٗ مِن جِهَةِ المُنَافِقِينَ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ عَلَى الطَّاعَةِ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِالنِّفَاقِ وَتَرَبَّصْتُمْ بِالمُؤمِنِينَ الدَّوَائِرَ وَارْتَبْتُمْ شَكَكتُم فِى دِينِ الاِسلَامِ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِىُّ الاَطمَاعُ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ المَوتُ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ الشَّيطَانُ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ بِاليَاءِ وَالتَّاءِ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِىَ مَوْلٰىكُمْ اَولٰى بِكُم وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ هِىَ اَلَمْ يَاْنِ يَحِنُّ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نَزَلَتْ فِى شَانِ الصَّحَابَةِ لَمَّا اَكثَرُوا المِزَاحَ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ بِالتَّخفِيفِ وَالتَّشدِيدِ مِنَ الْحَقِّ القُرآنِ وَلَا يَكُوْنُوْا مَعطُوفٌ عَلٰى تَخشَعَ كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ اليَهُودُ وَالنَّصَارٰى فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ الزَّمَنُ بَينَهُم وَبَينَ اَنبِيَائِهِم فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ لَم تَلِنْ لِذِكرِ اللّٰهِ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا خِطَابٌ لِلمُؤمِنِينَ المَذكُورِينَ اَنَّ اللّٰهَ يُحْىِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا بِالنَّبَاتِ فَكَذٰلِكَ يَفعَلُ بِقُلُوبِكُم بِرَدِّهَا اِلَى الخُشُوعِ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ الدَّالَّةِ عَلٰى قُدرَتِنَا بِهٰذَا وَغَيرِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

﴿۱۸﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ مِنَ التَّصَدُّقِ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الصَّادِ اَيِ الَّذِيْنَ تَصَدَّقُوْا وَالْمُصَّدِّقٰتِ اللَّاتِيْ تَصَدَّقْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيْفِ الصَّادِ فِيْهِمَا مِنَ التَّصْدِيْقِ الْاِيْمَانِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا رَاجِعٌ اِلَى الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ بِالتَّغْلِيْبِ وَعَطْفُ الْفِعْلِ عَلَى الْاِسْمِ فِيْ صِلَةِ اَلْ لِاَنَّهُ فِيْهَا حَلَّ مَحَلَّ الْفِعْلِ وَذِكْرُ الْقَرْضِ بِوَصْفِهِ بَعْدَ التَّصَدُّقِ تَقْيِيْدٌ لَهُ يُضٰعَفُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُضَعَّفُ بِالتَّشْدِيْدِ اَيْ قَرْضُهُمْ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ اَلْمُبَالِغُوْنَ فِي التَّصْدِيْقِ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ عَلَى الْمُكَذِّبِيْنَ مِنَ الْاُمَمِ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ النَّارِ.

ترجمہ: .... سورہ حدید مکیہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں بھی (یعنی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ لام زائد ہے اور من کی بجائے ما استعمال کیا گیا ہے اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اور وہ (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کاریگری میں) حکمت والا ہے آسمان وزمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی (پیدا کر کے) زندگی دیتا ہے اور وہی (اس کے بعد) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وہی اول ہے (سب سے پہلے جس کی کوئی ابتداء نہیں ہے) اور وہی آخر ہے (ہر چیز کے بعد ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے) اور وہی ظاہر ہے (دلائل کی روشنی میں) اور وہی (جو اس کی گرفت) سے مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا (دنیا کے دنوں کا اعتبار کرتے ہوئے اتوار سے شروع کر کے جمعہ تک پورا کر ڈالا) پھر عرش قائم ہوا (عرش سے کرسی مراد ہے اور قائم ہونا اس کے شایان شان ہے) وہ جانتا ہے زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے (جیسے بارش اور مردے) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے سبزیاں اور معدنیات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے (جیسے رحمت و زحمت) اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (جیسے اچھے و برے اعمال) اور وہ (اپنے علم سے) تمہارے ساتھ رہتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سب چیزیں (کل کی کل موجودات) لوٹ جائیں گی وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے) اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے) اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے (جو کچھ دل میں اسرار و اعتقادات ہوتے ہیں) تم لوگ ایمان لے آؤ (ایمان پر برقرار رہو) اللہ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو (یعنی وہ مال جو پہلوں سے تمہیں ملا ہے اور تم سے تمہارے بعد والوں کو ملے گا۔ یہ آیت غزوہ عسیرۃ یعنی غزوہ تبوک میں نازل ہوئی ہے) سو جو لوگ تم سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں (حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ ہے) ان کو بڑا ثواب ملے گا اور کیا سبب ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے (کفار کو خطاب ہے یعنی ایمان لانے سے تمہارے لئے کیا رکاوٹ ہے) اللہ پر حالانکہ رسول تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور تم سے لیا گیا تھا (اخذ ضمہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے اور دونوں فتحہ اور بعد کے نصب کے ساتھ بھی ہے) عہد (یعنی اللہ نے تم سے روز اول عہد لیا تھا جب کہ تم سے الست بربکم کہہ کر شہادت لی تھی تم سب نے اقرار کر لیا تھا) اگر تم ایمان لانا چاہو (ایمان لانے کا ارادہ کرو تو فوراً کاربند ہو جاؤ) وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف صاف آیات (قرآن) بھیجتا ہے تاکہ وہ (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے آئے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر (کفر سے ایمان کی طرف لانے میں) بڑا شفیق مہربان ہے اور تمہیں (ایمان لانے کے بعد) کیا رکاوٹ ہے کہ

خرچ نہیں کرتے (الا ان لاتھا، نون کالام میں ادغام کردیا گیا ہے) اللہ کی راہ میں حالانکہ سب آسمان وزمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا (مع ان تمام چیزوں کے جو آسمان وزمین میں ہی یعنی سارا مال اللہ کے پاس پہنچ جائے گا بغیر خرچ کے ثواب کے البتہ اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو تمہیں ثواب ملے گا) تم میں وہ لوگ برابر نہیں جو فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے۔ وہ لوگ درجہ میں بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے سب سے (دونوں فریقوں میں۔ اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ مبتداء ہے) اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (وہ ان پر تمہیں بدلہ دے گا) کوئی ہے جو اللہ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کرے) عمدہ طریقہ پر (صرف اللہ کے لئے صرف کرے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لئے بڑھاتا ہے (ایک قراءت میں فیضعفہ تشدید کے ساتھ ہے۔ ثواب کا بڑھانا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے) اور اس کے لئے (اس بڑھوتری کے) پسندیدہ اجر ہے (جس کے ساتھ خوشنودی اور عنایات بھی شامل ہوگی آپ یاد کیجئے جس دن آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے سامنے (آگے) اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں خوش خبری ہے ایسے باغوں (میں جانے) کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے جس روز منافق مرد اور عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر کرو (ہمیں دیکھو، ایک قراءت میں انظرونا فتحہ ہمزہ اور کسرہ ظا کے ساتھ ہے یعنی ہمارا انتظار کرو) ہم بھی کچھ روشنی حاصل کرلیں (شعلہ اور چمک حاصل کرلیں) تمہارے نور سے (ان کو جواب دیا جائے گا (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) تم پیچھے لوٹو پھر روشنی تلاش کرو (چنانچہ وہ پلٹیں گے) کہ فوراً ان کے (اور مسلمانوں کے) درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی (بعض کی رائے ہے کہ وہ دیوار اعراف ہوگی) جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب (مسلمانوں کے لئے) رحمت اور بیرونی جانب (منافقین کے لئے) عذاب ہوگا۔ یہ ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم (کہا ماننے میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی (نفاق) میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مصیبتوں) کے منتظر رہا کرتے تھے اور تم دین اسلام میں شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمناؤں (آرزوؤں) نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا (یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم (موت) آپہنچا اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان) نے اللہ کے معاملہ میں دھوکا میں ڈال رکھا تھا) غرض آج تم سے لیا نہیں جائے گا (یوخذ یا اور تا کے ساتھ ہے) فدیہ اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وہی تمہارا ساتھی (تمہارے لائق) ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ کیا ابھی وقت (زمانہ) نہیں آیا ایمان والوں کے لئے (صحابہ جب بکثرت ہنسی مذاق کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی) کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو نازل ہوا (نزل تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) دین حق اس کے سامنے جھک جائیں اور نہ ہو جائیں (تخشع پر عطف ہے) ان لوگوں کی طرح جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی (یعنی یہود ونصاریٰ) پھر ان پر ایک مدت دراز گزر گئی (ان کے اور انبیاء کے درمیان کا زمانہ) پھر ان کے دل سخت ہو گئے (اللہ کی یاد سے نرمائے نہیں) اور بہت سے آدمی ان کے نافرمان ہیں۔ یہ بات جان لو (مذکورہ مومنین کو خطاب ہے) کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کردیتا ہے (ہریالی اگا کر۔ ایسے ہی تمہارے دلوں کو خوف الٰہی کی طرف پلٹ سکتا ہے) ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیئے ہیں (جو ہماری قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں، یہاں بھی اور دوسرے مقامات میں بھی) تا کہ تم سمجھو۔ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد (تصدق سے ماخوذ ہے تا کو صاد میں ادغام کردیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ الذین تصدقوا) اور صدقہ کرنے والی عورتیں (جو خیرات کرتی ہیں، ایک قراءت میں دونوں لفظ تخفیف صاد کے ساتھ ہیں۔ یعنی ایمان کی تصدیق) اور اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں (مرد وعورتیں دونوں مراد ہیں بطور تغلیب کے اور فعل کا عطف الف لام کے تحت جو اسم ہے اس پر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اسم میں معنی فعل سرایت کر گئے ہیں اور صدقہ کے بعد قرض کو صفت کے ساتھ بیان کرنے سے صدقہ بھی اسم صفت کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے) وہ صدقہ بڑھا دیا جائے گا (ایک قراءت میں یضعف تشدید کے ساتھ ہے یعنی ان کا قرضہ) ان کے لئے اور ان کے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق ہیں (مبالغہ کا صیغہ ہے) اور تمام امتوں میں سے جھٹلانے والوں کے خلاف) گواہ ہوں گے اپنے پر

وردگار کے حضور، ان کے لئے ان کا ثواب اور ان کا نور ہوگا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو انہوں نے جھٹلایا (جن سے ہماری وحدانیت معلوم ہو رہی تھی) یہی لوگ دوزخی ہیں۔

تحقیق وترکیب: ...... سبح لله. سبح اگرچہ خود متعدی ہے لیکن لام زائد تاکید کے لئے ہے۔ جیسے نصحت لہ. یا لام تعلیلیہ مانا جائے یعنی تسبیح کی غرض صرف رضائے الٰہی ہے۔ کسی اور غرض کے لئے نہیں ہے یہ لفظ بعض سورتوں کے شروع میں صیغہ ماضی سے اور بعض میں صیغہ مضارع سے آیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کرنے کے لئے کہ اس کی تسبیح ہر حال میں ہے اور یہی تسبیح اختیاری ہے کہ ہر وقت اس کی تنزیہ کی جائے۔

سمٰوٰات ۔ عالم علوی اور ارض سے عالم سفلی مراد ہے اور چونکہ غیر ذوی العقول بہ نسبت ذوی العقول زیادہ ہیں۔ اس لئے سب کو ایک شمار کر کے ما لایا گیا۔ ذوی العقول کی تسبیح تو بالاتفاق قولی ہیں۔ البتہ غیر ذوی العقول کی تسبیح میں اختلاف ہے۔ بعض ان میں بھی تسبیح قولی مانتے ہیں۔ گو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان میں صرف تسبیح حالی ہوتی ہے۔ وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔

ھو الاول ۔ ابتدء حقیقی اور انتہا حقیقی صرف اللہ کے لئے ہے۔ حدیث اول ما خلق اللہ نوری کو ابتداء اضافی پر۔ اسی طرح جنت وجہنم کو انتہاء اضافی پر محمول کیا جائے گا۔ صرف وجود حقیقی ہی کے لئے بقاء حقیقی ذاتی ہے۔

فی ستة ایام. دن اور رات کا تعلق چونکہ زمانہ سے ہے اور زمانہ زمین کے سورج کے گرد گردش کرنے سے بنتا ہے۔ لیکن وہاں یہ سب کچھ نہیں تھا اس لئے مفسر نے تاویل کی کہ دنیا کے چھ دنوں کی مقدار مراد ہے اور اس میں تعینات فرض کر کے ان کا نام اتوار، جمعہ کر دیا گیا۔

ثم استوی ۔ یہ کنایہ ہے کہ اللہ کے علم وقدرت اور انفراد تدبیر سے ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ جلس فلان علی سریر الملک ۔ یعنی سلطنت و حکومت کی باگ دوڑ سنبھال لی۔ حالانکہ وہاں نہ تخت ہوتا ہے اور نہ بیٹھنا اور ثم عظمت کے لئے لایا گیا ہے۔

وما یعرج فیھا ۔ صرف اعمال حسنہ اوپر جاتے ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه ۔ اس لئے مفسرؒ کو اعمال سیئہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔

وھو معکم ۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں معیت سے مراد وہ نہیں جو عوام وخواص سمجھتے ہیں۔ بلکہ ذوق کشفی شہودی کی معیت ہے یعنی مراتب شہود کے اعتبار سے اللہ کی معیت ہمارے ساتھ ہے۔ ان کنتم فی المشھد الفعلی فانا معکم بالتجلی الذاتی ما اتقدم ولا ا تاخر عنکم۔

امنوا باللہ ۔ دلائل توحید کے بعد ایمان ورسالت وانفاق کا ذکر ہے۔ چونکہ مسلمان مخاطب ہیں۔ اس لئے مفسرؒ نے دوام ایمان اور بقاء ایمان مراد لیا ہے۔ کیونکہ دلائل توحید میں غور وفکر سے زیادتی اور دوام ایمان حاصل ہوتا ہے۔

مستخلفین ۔ یعنی جس طرح پہلوں کے پاس مال نہیں رہا۔ تمہارے اور تمہارے بعد والوں کے پاس بھی نہیں رہے گا، کیونکہ حقیقی ملکیت اللہ کی ہے انسان تو صرف خلیفہ تصرف ہے۔ اس لئے دوسرے کے مال میں انسان بخل کیوں کرتا ہے اور صرف بے جا کیسے کرتا ہے؟ سورۃ کو مکی ماننے کی صورت میں اس کو غزوہ تبوک سے متعلق کہنا مشکل ہے الا یہ کہ اس کو مکی ہونے سے مستثنیٰ کر لیا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، وعثمان غنیؓ نے اس میں بڑھ چڑھ کر مالی تعاون پیش کیا۔ چنانچہ موخر الذکر نے تین سو لدے ہوئے اونٹ اور ہزار دینار کی پیشکش کی۔

مدینہ سے چودہ مرحلہ کے فاصلہ پر شام کے ایک علاقے کا نام تبوک ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے غزوہ طائف سے واپسی پر ۹ھ میں بڑے اہتمام سے فوج کشی فرمائی۔ لیکن بیس روز قیام کے باوجود لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ جزیہ پر مصالحت ہوگئی۔ یہ آنحضرت کا سب سے آخری غزوہ ہے۔ جیسا کہ بدر کا معرکہ سب سے اول غزوہ شمار ہوتا ہے۔

ان کنتم مؤمنین۔ بظاہر اول کی آیت وما لکم تؤمنون میں اور اس آیت میں منافات معلوم ہو رہی ہے جس کا ایک جواب تو مفسر کی عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے کہ یہاں ارادہ ایمان مراد ہے اور پہلی آیت میں ایمان نہ لانے پر تعجب کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ایمان سے مراد حضرت موسیٰ وعیسیٰ پر ایمان لانا ہے جو مقتضی ہے آنحضرت پر ایمان لانے کے لئے جس پر اظہار تعجب پہلی آیت میں کیا گیا ہے)۔

وما لکم الا تنفقوا۔ یعنی مال تو بہر صورت چھوٹے گا۔ خواہ بلا اجر کے یا اجر کے ساتھ پھر اجر حاصل کر کے کیوں مال نہیں چھوڑتے۔ یعنی فی سبیل اللہ خرچ کر کے اس میں ایک چیز جاتی ہے تو دوسری آتی ہے۔

لا یستوی منکم من انفق۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ لا یستوی من انفق ومالم ینفق۔ لیکن مالم ینفق کی بجائے اولئک اعظم درجۃ پر اکتفا کر لیا گیا۔

اولئک اعظم۔ حضرت ابوبکرؓ نے سب سے اول مال کی پیش کش اور کل اثاث البیت لا حاضر کیا۔ جس سے ان کی امتیازی فضیلت ثابت ہوئی۔

وعد اللہ الحسنیٰ۔ یہ 'کل' مبتداء کی خبر ہے جس میں ضمیر محذوف ہے ای وعد اللہ الحسنی الجنۃ۔

من ذالذی۔ من استفہامیہ مبتداء ہے۔ یقرض اللہ صلہ ہے اور انفاق کو تنزلاً قرض فرمایا گیا۔ ورنہ حقیقی مالک تو اللہ ہے یا اس کے صلہ میں بڑھ چڑھ کر چونکہ صلہ ملتا ہے اس لئے قرض فرمایا گیا۔

فیضعفہ۔ ابو عمر اور اکثر قراء رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں اور عاصمؒ کے نزدیک نصب کی قرأت ہے۔ جواب استفہام کے طور پر۔ ابن عامر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ولہ اجر کریم۔ فیضعفہ سے مراد چونکہ اجر ہے۔ اس کے بعد ''اجر کریم'' بظاہر تکرار ہے۔ مفسرؒ نے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے رضائے الٰہی مراد ہے جو اجر وثواب سے بڑھ کر ہے۔ علامہ زمخشریؒ اس جملہ کو حالیہ کہتے ہیں۔ پس اجر بلحاظ کمیت تو مضاف ہوگا اور بلحاظ کیفیت کریم ہوگا۔ یعنی فی نفسہ بھی بہترین ہوگا اور بلحاظ مقدار بھی عظیم۔

یوم۔ اذکر محذوف کا مفعول ہے یا اجر کریم اور یضاعفہ کا ظرف ہے یا تقدیر اس طرح ہے یوجرون یوم تری۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس میں عامل یسعیٰ ہو۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ فیضاعفہ عامل ہو اور یسعیٰ حال ہو اور ''بین ایدیہم'' یسعی کا ظرف یا نورہم سے حال ہو۔

نورھم۔ نور ایمان وعمل مراد ہے۔ اسی لئے سامنے اور داہنی جانب کی تخصیص کی۔ کیونکہ نیکیاں اسی طرف ہوتی ہیں۔ گویا داہنے ہاتھ میں ایمان کی ٹارچ ہوگی کہ جس کی روشنی اور کرنیں سامنے کا راستہ دکھلا رہی ہوں گی۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تمام مستحقین مراد ہیں شرف کی وجہ سے ان دو جانبوں کا ذکر فرما دیا۔ تسمیہ الکل باسم الجزء کے طریقہ پر۔

وبایمانھم۔ مفسرؒ نے ویکون مقدر مان کر متعلق محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔ جو یسعیٰ کا معطوف علیہ ہے بین ایدیھم پر اس کا عطف درست نہیں کیونکہ سعی سامنے ہوا کرتی ہے داہنی جانب نہیں ہوتی۔

بشرا کم الیوم جنت۔ بشراکم مبتداء ہے جنات تقدیر مضاف خبر ہے اور الیوم ظرف ہے۔ پھر یہ جملہ یقال مقدر کا مفعول منصوب ہو جائے گا خالدین۔ حال ہے اس میں عامل مضاف محذوف ہے۔ ای بشراکم دخولکم جنات خالدین فیھا اس میں ضمیر مخاطب فاعل کو حذف کر دیا مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ پھر مضاف حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہو گیا۔ بشراکم کو عامل نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مصدر ہے اس کو عامل بنانے سے فصل باجنبی لازم آ جائے گا۔

انظرونا۔ یعنی ہماری طرف رخ کر کے ہمیں دیکھ لو تو چہروں کے نور سے ہمارا راستہ کٹ جائے گا۔

فضرب ۔ بظاہر یہ قیل ارجعوا وراء کم پر معطوف ہے اس طرح یہ استعارہ تمثیلیہ ہوا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جنت وجہنم کے درمیان اعراف قائم کردیا جائے گا جو حجاب ہوگا۔

بسور ۔ با زائد ہے سورالمدینہ شہر کی چار دیواری شہر پناہ کو کہتے ہیں یہاں مقام اعراف مراد ہے۔

له باب ۔ یہ جملہ سور کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے اور باب کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ماننا بہتر ہے کیونکہ ضمیر کا مرجع اقرب ہونا چاہیے۔ اور زید بن علیؒ اور عمر بن عبیدؒ نے فضرب کو معروف پڑھا ہے۔

باطنه ای باطن السور او الباب ۔

ینادونهم ۔ اول ضمیر منافقین کی طرف اور دوسری مومنین کی طرف راجع ہے۔

الم یان ۔ عام قراءت سکون، ہمزہ اور کسر نون کے ساتھ ہے باب رمی سے مضارع معتل ہے محذوف الیاء ای لم یجئ الخ آن یئین حان یحین کی طرح ہے بلحاظ وزن اور معنی کے جیسے غیر ناظرین اناہ۔

عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ قلوب کی قساوت یہ ہے کہ دل مضبوط ہو جائیں قرآن کی تلاوت سے بھی ان میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو۔ بلکہ تمکین واستقامت حاصل ہو جائے جیسے دل کا حال پہلے تھا وہی کیفیت رہے۔ جیسا کہ بعض کا مقولہ ہے۔ حالی قبل الصلوۃ کحالی فی الصلوۃ اس میں شہودی حالت کے استمرار کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے ہی قست قلوبهم میں بظاہر تقبیح ہے مگر فی الحقیقت تحسین ہے کیونکہ حالت تمکین وشہود کی طرف اشارہ ہے۔

بقلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ضعفاء مریدین کا حال بیان کررہی ہے جن میں ابھی حظوظ نفس کی طرف میلان باقی ہے، ذکر اللہ کرنے سے ان میں خشوع پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل صفوہ وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی محبت کی آگ میں بھسم اور خاک ہو جاتے ہیں۔

وما نزل من الحق ۔ ذکر اللہ سے مراد بھی اگر قرآن لیا جائے تو پھر یہ عطف ایک وصف کا دوسرے وصف پر ہو جائے گا، ورنہ عطف خاص علی العام ہوگا قرآن جامع ہے ذکر وعظ کو۔

اعلموا ۔ یہ مزاح کرنے والے لوگوں کو خطاب ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بلکہ جس طرح باران رحمت سے زمین لہلہا اٹھتی ہے اسی طرح ذکر وفکر وانابت سے دل کی کھیتیاں ہری بھری ہو جائیں گی۔

ان المصدقین ۔ ابن کثیر تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی تصدیق ایمان کرنے والے۔

واقرضوا ۔ یعنی اگرچہ لفظاً جمع مذکر ہے مگر مراد مذکر ومونث دونوں ہیں تغلیباً ورنہ اگر صرف مذکر مراد لئے جائیں گے تو صلہ کے تمام ہونے سے پہلے اس پر عطف لازم آئے گا۔ خطیب میں لکھا ہے کہ اقرضوا اللہ کا عطف معنی فعل پر ہو رہا ہے جو المصدقین میں ہے۔ کیونکہ الف لام معنی میں الذین کے ہے اور مصدقین اصدقوا کے معنی میں ہے۔ ای الذین اصدقوا واقرضوا اللہ تفسیری عبارت و ذکر القرض اس شبہ کا جواب ہے کہ مصدقین کے معنی صدقہ کے ہیں اور صدقہ اور قرض ایک ہے۔ پھر صدقہ کے بعد قرض کو کیوں ذکر کیا گیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ صدقہ کے لئے صفت حسن ثابت کرنے کے لئے بطور تمہید قرض کا ذکر کیا گیا ہے یعنی قرض حسنہ خوشدلی سے صدقہ کا نام ہے اس لئے تکرار نہیں رہا۔ کیونکہ پہلے مطلق صدقہ کا ذکر تھا اور یہاں صدقہ حسنہ مراد ہے۔

یضعف ۔ ابن عامرؒ، ابن کثیرؒ کی قراءت تشدید کے ساتھ یعنی اعمالنامہ میں نیکیاں دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جائیں گی۔

لهم ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فعل کی اسناد لهم کی طرف ہو سکتی ہے۔

والذین اٰمنوا ۔ الذین مبتداء اول، اولئک مبتدا ثانی، ہم مبتدا ثالث ہے اس طرح خبر تیسرے مبتداء سے مل کر دوسرے کی اور وہ پہلے مبتدا کی خبر ہو جائے گی۔ اور ہم ضمیر فصل بھی ہو سکتی ہے۔

صدیق ۔ اکثر ثلاثی سے آتا ہے صدیق مبالغہ ہے وہ تصدیق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوتا ہے جو نبوت سے نیچے ہے۔ یہاں عام تصدیق ایمانی مراد نہیں ہے۔

والشھداء ۔ اس کا پہلے پر عطف کیا جائے تو شہدا پر عطف تام ہوگا۔ لیکن اگر اس کو مبتداء بنایا جائے تو اس کی خبر کی دو صورتیں ہوں گی۔ **عند ربھم** بھی خبر ہو سکتی ہے اور **لھم اجر ھم** بھی خبر بن سکتی ہے خواہ پورا جملہ خبر ہو یا صرف لہم، اجرہم اس کا فاعل ہوگا۔ مفسرؒ نے **علی المکذبین** سے اشارہ کیا ہے شہداء شاہد کی جمع ہے بمعنی شہید۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت تسبیح کے حکم پر ختم ہوئی اور یہ سورت تسبیح کی خبر سے شروع ہو رہی ہے اور اس خبر اور دوسرے افعال وصفات سے مقصود توحید ثابت کرنا ہے۔ پھر آیت امنوا باللہ الخ سے توحید قبول کرنے کا حکم ہے اور توحید چونکہ اعتقاد رسالت کے بغیر معتبر نہیں اس لئے ایمان بالرسول کا حکم بھی شامل ہے۔ اسی کے ساتھ کمال ایمان کی ایک بڑی علامت انفاق کا حکم ہے جہاد میں جان و مال دونوں قربان کرنے پڑتے ہیں اور جہاد اشاعت اسلام میں معین ہوتا ہے۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ خود بھی ایمان لاؤ اور دوسروں کے ایمان لانے کی کوشش بھی جاری رکھو کہ ان کی خوبیوں پر اجر اور ان کے چھوڑنے پر ملامت ہے۔

اس کے بعد آیت یوم تری المومنین سے دو باتیں ارشاد فرمائی جا رہی ہیں۔ ایک کامل ایمان کا مطلوب و مامور بہ ہونا جس میں اقرار باللسان تصدیق بالجنان، عمل بالارکان تینوں کا مجموعہ مقصود ہے۔ اسی لئے منافقین پر عتاب کیا جا رہا ہے جنہیں نہ تصدیق حاصل ہے اور نہ خشوع وخضوع جس کی وجہ سے وہ ایمان اور کمالی ایمان دونوں سے محروم ہے۔ دوسرے ایمان کامل اور انفاق کی فضیلت اور بشارت ارشاد ہے ہر چند کہ یہ مضمون پہلی آیات میں بھی تھا۔ مگر تبعاً اور یہاں مستقل طور پر ''مقصود بنا کر'' ہے اور عنوان بھی مختلف ہے اس لئے تکرار نہیں کیا جا سکتا اور درمیان میں منافقین کے ساتھ اور اخیر میں مومنین کے ذکر کے بعد کفار کی مذمت وعقوبت کا بیان بطور مقابلہ ہے۔

روایات: .... مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ **انت الظاھر لیس فوقک شیء وانت الباطن فلیس دونک شیء** ۔ تو اس میں فوق سے مراد ظاہر ہونے میں فوق کی نفی ہے۔ اسی طرح دون کے معنی یہ ہیں کہ آپ سے بڑھ کر باطنی اور خفی ہونے میں کوئی نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ظاہر ہونا بھی سب سے بڑھ کر ہے۔ ذرہ ذرہ میں اسی کا جلوہ نمایاں ہے اور اس سے بڑھ کر باطن بھی کوئی بھی نہیں۔ اس کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔

قیل ارجعوا ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ **ان اللہ یعطی لکل مومن نورا ولکل منافق نورا فاذا استووا علی الصراط سلب اللہ نور المنافقین والمنافقات فقال المنافقون انظرونا نقتبس من نورکم وقال المومنون اقم لنا نورنا فلا یذکر عند ذلک احدا احدا** ۔

لیکن ابن جریر اور بیہقی کی روایت ہے **فقال المومنون ارجعوا وراء کم من حیث جئتکم من الظلمۃ فالتمسوا ھنالک الیوم** ۔

اور ابو امامہ کی روایت ہے۔ **قیل لھم ارجعوا وراء کم فالتمسوا نورا وھی خدعۃ اللہ تعالیٰ التی خدع بھا المنافقین حیث قال یخدعون اللہ وھو یخادعھم فیرجعون الی المکان الذی قسم فیہ النور فینصرفون الیھم** اور بقول صاوی یہ معنی ہیں کہ دور ہو جاؤ ذلت کے ساتھ ہمارے پاس تمہارے لئے نور نہیں ہے۔ گویا یہ ان کے ساتھ استہزاء ہوگا۔ کیونکہ وہ نہ اپنے موقف میں واپس جا سکتے ہیں۔ اور نہ دنیا میں۔

آیت الم یان للذین کے سلسلہ میں ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہؓ ہنس رہے ہیں۔ فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اللہ کا فرمان آ گیا جو اس بے فکری سے ہنس رہے ہو۔ تمہارے اس ہنسنے پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس ہنسنے کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا کہ جتنے ہنسے ہو اتنے ہی روؤ۔ صحابہؓ کے ایک گونہ خوشحال ہونے سے یہ ہنسی مذاق ہوئی۔ جس کی وجہ سے عبادت میں بھی سستی ہونے لگی تھی۔

ابن معودؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے مسلمان ہونے کے چار سال بعد یہ آیت عتاب نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾ .... سبح للہ۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ ہی کی زبان حال یا قال سے یا دونوں سے تسبیح کرتی ہے اور سب کے وجود وعدم کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ ہے۔ سب جگہ اسی کا حکم و اختیار چلتا ہے۔ کوئی طاقت اس کے تکوینی تصرف کو روک نہیں سکتی۔ جب کوئی نہ تھا تب بھی وہ موجود تھا اور کوئی نہ رہے تب بھی وہ موجود رہے گا۔ ہر چیز کی نمود و بود اسی کے وجود سے ہے۔ پھر اگر اس کا وجود ظاہر و باہر نہ ہو تو اور کس کا ہو گا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کے کنہ ذات اور صفات کی تہہ تک عقل وادارک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کر سکتا، نہ اپنی رائے و قیاس سے اس کی کچھ کیفیت بیان کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ بہر حال وہ اندر بھی باہر بھی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور کھلے چھپے سب احوال کا جاننے والا ہے۔ ظاہر غالب ایسا کہ اس سے اوپر کوئی طاقت نہیں۔ باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقعہ نہیں کہ اس کی آنکھ سے اوجھل ہو سکے۔

علم الٰہی کا احاطہ .... یعلم ما یلج۔ اس کے علم کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ بارش کا پانی اور بیج مثلاً زمین کے اندر جاتا ہے اور یہ کھیتی درخت وغیرہ جو کچھ اس سے باہر نکلتے ہیں وہ سب سے واقف ہے۔ آسمان سے فرشتے احکام، قضاء و قدر کے فیصلے، بارش وغیرہ جو چیزیں اترتی ہیں۔ اور اسی طرح جو اعمال اور فرشتے اوپر چڑھتے ہیں۔ سب کی اس کو خبر ہے۔ کسی وقت بھی اللہ تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو، جس حال میں ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ اور سب کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اس کی قلم سے نکل کر کہاں جا سکتے ہو، سب جگہ اسی کی حکومت ہے اور آخر سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہوگا۔

پہلے له ملك السموات فرمانا زندگی اور موت دینے کے سلسلہ میں تھا اور یہاں بعث و قیامت کی تحقیق لئے ہے اس لئے آیت میں تکرار نہیں رہا۔ اللہ کبھی رات بڑھاتا ہے دن گھٹا کر اور کبھی دن بڑھاتا ہے رات گھٹا کر وہ دلوں کے ارادوں، نیتوں، وسوسوں اور خطروں سے باخبر رہتا ہے۔

مال اللہ کا ہے اسی کی مرضی سے خرچ کرو: .... جو مال تمہارے پاس ہے وہ اللہ کا ہے۔ تمہاری امانت میں دے رکھا ہے کہ تم محض خزانچی ہو۔ جہاں مالک بتائے اس کی نیابت سے خرچ کرو۔ دیکھو یہ مال کبھی دوسروں کے ہاتھ میں تھا، تمہارے پاس آیا۔ ایسے ہی سمجھو کہ تمہارے پاس سے کہیں اور جائے گا۔ پس جب یہ مال اوروں کے پاس نہ رہا تو تمہارے پاس بھی نہیں رہے گا۔ تو ایسی بے وفا اور ہرجائی چیز سے دل لگانا کہاں کا انصاف ہے۔ اور ضروری اور مناسب موقعوں سے کترانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ لہذا جن لوگوں میں ایمان اور انفاق نہیں انہیں چاہیے کہ اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کریں۔ اور جن میں یہ صفت و خصلت موجود ہے۔ انہیں اسی راستہ پر قائم رہنا چاہیے۔

ایمان فطرت کی پکار ہے: .... ومالکم لا تؤمنون۔ اللہ پر ایمان لانے، یقین و معرفت کے راستوں پر چلتے رہنے سے کیا چیز رکاوٹ بن سکتی ہے۔ آخر اس میں سستی کیسی، جبکہ اللہ کا رسول تمہیں تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا اعتقاد تمہاری فطرتوں میں پیوست کر دیا گیا ہے اور جس کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ جس کا کچھ نہ کچھ اثر آج بھی قلوب سلیم میں پایا جاتا

ہے۔ پھر دلائل اور پیغمبروں کے ذریعے، اس ازلی پیمان وعہد کی یاددہانی بھی کرائی جاتی رہی اور پچھلے انبیاء نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ آخری پیغمبر کی پیروی کریں۔ چنانچہ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہوں نے خود آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر طاعت وفرمانبرداری اور اللہ کی راہ میں مال قربان کرنے کا پکا عہد کیا ہے۔ پس اس کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے جب کہ اللہ نے اپنا آخری کلام قرآن اتارا اور سچائی کے نشانات دیئے۔ جن سے تم کفر وجہل کی اندھیریوں سے نکل کر علم و ایمان کے اجالے میں آجاؤ، یہ اللہ کی کتنی بڑی مہربانی اور شفقت ہے۔ ورنہ انہی اندھیریوں میں پڑا چھوڑ کر تمہیں ہلاک کردیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا تو کیا ہوتا؟ اور یہ گفتگو تو ایمان نہ لانے کے متعلق تھی۔ لیکن اب اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کے متعلق ہم پوچھتے ہیں

اللہ کی راہ میں مال لگانا:........... وما لکم الا تنفقوا ۔ کہ جب مال تمہارا نہیں بلکہ اصل مالک اللہ ہے۔ پھر اس کے مال میں سے اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہوتا ہے۔ خوشی اور اختیار سے نہ دوگے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ خوش دلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر وافلاس سے نہ ڈرے زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک جب اللہ ہے تو کیا اس کے راستہ میں خوشی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہ سکتا ہے؟

لا یستوی منکم ۔ یہاں سے خرچ کرنے والوں کا فرق مراتب کا بیان ہے کہ نفس خرچ میں اگرچہ سب برابر ہوتے ہیں اور مستحق اجر وثواب لیکن مقدار اور موقع محل اور ضرورت بے ضرورت کے لحاظ سے خرچ کرنے کی قدر وقیمت مختلف ہوجایا کرتی ہے۔

فتح مکہ سے پہلے جان ومال نچھاور کرنے والوں کا جو مقام ہے ظاہر ہے کہ بعد والے اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ بقول روح المعانی اس وقت مسلمانوں کے کم اور کمزور ہونے کی وجہ سے جدوجہد کی ضرورت زیادہ تھی اور مال غنیمت کی امید بھی کم تھی اس لئے اس وقت قربانیوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ظاہر ہے کہ بعد میں وہ بات نہیں رہ سکتی تھی۔

اس آیت میں بعض حضرات نے فتح سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے۔ جیسا کہ بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غرض یوں تو اللہ کی راہ میں جب بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے اللہ اس کا بدلہ دنیا وآخرت میں دے گا۔ لیکن وقت کی پکار کو سمجھنے والے اور بروقت ساتھ دینے والے باحوصلہ اور اولوالعزم کہلائیں گے۔ اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں خلوص واخلاص کتنا ہے ہر ایک سے اسی کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا۔

من ذا الذی ۔ اس کو قرض کا نام اس لئے دیا کہ اس وقت جہاد میں جو کچھ تم صرف کروگے پھر تم ہی دولتوں کو برتوگے اور آخرت میں تو اس کے صلہ کا کیا ٹھکانہ! ورنہ مال اور غلام میں سود وبیاج کیسا جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا۔

ایمان کی تیز روشنی:........... یوم تری المومنین ۔ میدان حشر سے جنت میں جانے کے لئے جب پل صراط سے گزریں گے سخت اندھیرا ہوگا لیکن ایمان اور نیک عمل کی روشنی ساتھ ہوگی آگے بھی داہنے بھی۔ ایمان کی روشنی ممکن ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنی طرف کیونکہ نیکیاں داہنی طرف ہی جمع ہوتی ہیں غرض یہ روشنی ایمان وعمل کے لحاظ سے کم وبیش ہوگی اور رسول ﷺ کے طفیل میں اس امت کے ایمان وعمل کی روشنی ممکن ہے تیز ہو اوروں کی مانند۔ اور بعض روایات سے روشنی کا بائیں طرف ہونا بھی معلوم ہوتا ہے ممکن ہے اسی روشنی کا اثر سب طرف پھیل جائے جنت چونکہ رضائے الٰہی کی جگہ ہے اس لئے جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں پا گیا۔

جنت دوزخ کے درمیان اعراف:........... یوم یقول المنافقون ۔ جنتیوں ودوزخیوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی۔

جس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں مومنین داخل ہوکر منافقوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے اور دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہوگا۔

منافقین کی چیخ و پکار:.........اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الٰہی کا بھیانک نقشہ ہوگا جہاں تک کافروں اور کھلے منافقوں کا تعلق ہوگا وہ دونوں تو پہلے ہی جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اس لئے پل صراط پر ان کا الگ ذکر نہیں کیا۔ البتہ جو لوگ کسی پیغمبر کی امت میں ہوں گے سچے یا کچے انہیں پل صراط سے گزرنے کا حکم ہوگا۔ اس پر چڑھنے سے پہلے ایک اندھیرا گھیرے ہوئے ہوگا اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی اس روشنی میں چلنا چاہیں گے۔ لیکن مومنین تیزی سے آگے بڑھ جائیں گے جس سے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہر و تھوڑا سا انتظار کرو ہمیں بھی آنے دو تا کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں ساتھ ساتھ چل سکیں۔ آخر دنیا میں بھی تو ہم تمہارے ساتھ رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اب اس مصیبت کے وقت اندھیرے میں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا حق رفاقت یہی ہے؟

درمنثور کی روایت کے مطابق ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے منافقین کے پاس بھی ان کے ظاہری ایمان کی وجہ سے کچھ نور ہوگا۔ مگر اعتقاد میں مخلص نہ ہونے کی وجہ سے پھر کچھ دیر بعد وہ نور گل ہو جائے گا اس لئے اندھیرے میں وہ ہاتھ پیر ماریں گے۔ نیز منافقین کے خدع اور فریب کا بدلہ بھی ایسا ذو وجہین ہوگا کہ اول نور ملے گا پھر خلاف توقع بجھ جائے گا۔

غرض انہیں مومنین یا فرشتوں کی طرف سے جواب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے کہ اتنے میں دونوں فریق کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی۔ روشنی سے مراد ہے جو دنیا میں انہوں نے کمائی تھی وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے۔ یا پیچھے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔ منافقین تلاش نور میں وہاں جائیں گے وہاں نہ کچھ ملے گا پھر ادھر آئیں گے مگر دیوار حائل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ دیوار اعراف میں یہ دروازہ جنت میں جانے کے لئے ہوگا۔ ممکن ہے بات چیت کے لئے ہو

اہل ایمان کا جواب:......قالوا بلی۔ یعنی مسلمان منافقین سے جواب میں کہیں گے کہ دنیا میں یقیناً تم ہمارے ساتھ تھے مگر محض ظاہر کے لحاظ سے تھے اور فی الحقیقت تم گمراہی کے فتنہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر اندرونی حال یہ تھا کہ نفاق کا راستہ اختیار کر کے اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈالا، دوسروں کو چکمہ دیتے رہے اور توبہ کرنے کی بجائے راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر افتاد پڑتی ہے۔ تمہیں بھی دھوکہ رہا کہ آگے ان چالبازیوں کا خمیازہ بھگتنا نہیں بلکہ چند دنوں میں یہ قصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا آخر ہم بھی غالب ہوں گے۔ رہ گیا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔

انہیں خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور موت نے آ دبایا اور پکے دغاباز شیطان نے تمہیں ایسا کھودیا ہے۔ کہ اب کوئی سبیل چھٹکارہ کی نہیں۔ بے بالفرض اگر آج کچھ معاوضہ وغیرہ دے کر سزا سے بچنا چاہو تو وہ بھی نہیں ہے۔ اب تو تم سب کو اسی دوزخ میں رہنا ہے۔ یہی تمہارا ٹھکانہ اور ساتھی ہے۔ فالیوم الخ ارشاد باری ہے۔ یا مسلمان کہیں گے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ قلبی تصدیق اگر نہ ہو تو ایمان کالعدم ہے۔

قرآن اور ذکر اللہ کا اثر:......الم یان۔ یعنی وقت آ گیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد میں اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں اور نرم ہو کر گڑ گڑانے لگیں کیونکہ ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو کر نصیحت اور اللہ کی یاد کا اثر جلد قبول کرلے۔ پہلے یہ باتیں اہل کتاب اپنے پیغمبروں کی صحبت میں حاصل کیا کرتے تھے اب وہ تو بگل گئے اور سرکشی کی راہ پر چل نکلے۔ مسلمانوں کی باری آتی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع و خضوع کی خوبیوں سے آراستہ ہوں اور وہاں تک پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچ سکی۔ مثلاً پہلے لوگوں نے کفر و گناہ سے توبہ نہیں کی۔ ان کے دل سخت ہو گئے۔ مسلمان ایسا نہ کریں۔ انہیں کوتاہی کے بعد فوراً توبہ سے تلافی کرلینی چا

ہے۔ بعض دفعہ توبہ نہ کرنے سے پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی اور بعض اوقات کفر تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے گناہ کر کے یہ مت سمجھو کہ اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ اعلموا ان اللہ الخ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پیداوار کر کے زندہ کر دیتا ہے اسی طرح توبہ کرنے سے اللہ رحم کرے گا اور وہ اپنی رحمت سے دل مردہ کو پھر زندہ کر دے گا۔ کسی مردہ سے مردہ انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے سچی توبہ کر لے تو اللہ پھر اس کے قالب میں زندگی کی روح پھونک دے گا۔ جو لوگ اللہ کے راستہ میں خالص نیت سے اس کی خوشنودی کی خاطر خرچ کرتے ہیں اور کسی اور سے صلہ یا شکریہ کے طلب گار نہ ہوں۔ یوں سمجھا جائے گا کہ وہ اللہ کو قرض دے رہے ہیں۔ سو اطمینان رکھیں ان کا دیا ہوا ضائع نہ ہوگا۔ بلکہ کئی گنا کر کے لوٹایا جائے گا۔ دنیا کی گورنمنٹیں ہنگامی طور پر جنگی قرضے رعایا سے لیتی ہیں اور پھر سود در سود لوٹا کر دیتی ہیں۔

والذین امنوا ۔ یعنی اللہ کے ہاں یہی لوگ صدیق ہیں اور سرکاری گواہ ہیں۔ آخرت میں اپنے ایمان وعمل کے مطابق ثواب وروشنی مرحمت ہوگی

لطائف سلوک:......... الم یان ۔ اس میں خشوع کے ضروری ہونے کی تصریح ہے اور یہ کہ زیادہ غفلت سے قلبی قساوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کہ قساوت کا علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔

والذین امنوا ۔ میں مطلقاً مومنین کو صدیق فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ولایت کے درجات ہیں۔ اسی طرح صدیقیت کے بھی درجات ہیں۔ عامہ، خاصہ۔ پس نہ سب مومن ایک درجہ کے ہیں نہ سب صدیق وولی ایک مرتبہ کے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ اَیِ الْاِشْتِغَالُ فِیْهَا وَاَمَّا الطَّاعَاتُ وَمَا یُعِیْنُ عَلَیْهَا فَمِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ **كَمَثَلِ** اَیْ هِیَ فِیْ اِعْجَابِهَا لَكُمْ وَاِضْمِحْلَالِهَا كَمَثَلِ **غَيْثٍ** مَطَرٍ **اَعْجَبَ الْكُفَّارَ** الزُّرَّاعَ **نَبَاتُهٗ** النَّاشِیْ عَنْهُ **ثُمَّ يَهِيْجُ** يَيْبَسُ **فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا** فُتَاتًا يَضْمَحِلُّ بِالرِّيَاحِ **وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ** لِمَنْ اٰثَرَ عَلَيْهَا الدُّنْيَا **وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ** لِمَنْ لَمْ يُؤْثِرْ عَلَيْهَا الدُّنْيَا **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ** مَا التَّمَتُّعُ فِيْهَا **اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** لَوْ وُصِلَتْ اِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰی وَالْعَرْضُ السَّعَةُ **اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ** بِالْجَدْبِ **وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ** كَالْمَرَضِ وَفَقْدِ الْوَلَدِ **اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ** يَعْنِی اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا** نَخْلُقَهَا وَيُقَالُ فِی النِّعْمَةِ كَذٰلِكَ **اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا** كَیْ نَاصِبَةٌ لِلْفِعْلِ بِمَعْنٰی اَنْ اَیْ اَخْبَرَ بِذٰلِكَ تَعَالٰی لِئَلَّا **تَاْسَوْا** تَحْزَنُوْا **عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا** فَرَحَ بَطَرٍ بَلْ فَرَحَ شُكْرٍ عَلَی النِّعْمَةِ **بِمَآ اٰتٰىكُمْ** بِالْمَدِّ اَعْطَاكُمْ بِالْقَصْرِ جَاءَكُمْ مِنْهُ **وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ** مُتَكَبِّرٍ بِمَا اُوْتِیَ **فَخُوْرٍ ﴿۲۳﴾** بِهٖ عَلَی النَّاسِ نِ **الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ** بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ **وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ** بِهٖ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ **وَمَنْ يَّتَوَلَّ** عَمَّا يَجِبُ عَلَيْهِ **فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ** ضَمِيْرُ فَصْلٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِسُقُوْطِهٖ **الْغَنِيُّ** عَنْ غَيْرِهٖ **الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾** لِاَوْلِيَائِهٖ **لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا** الْمَلٰئِكَةَ اِلَی الْاَنْبِيَاءِ **بِالْبَيِّنٰتِ** بِالْحُجَجِ الْقَوَاطِعِ **وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ**

بمعنی الکتب **وَالْمِیْزَانَ** العدل **لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ** اخرجناہ من المعادن **فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ** یقاتل بہ **وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ** علم مشاھدۃ معطوف علی لیقوم الناس **مَنْ یَّنْصُرُهٗ** بان ینصر دینہ بآلات الحرب من الحدید وغیرہ **وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ** حال من ھاء ینصرہ ای غائبا عنھم فی الدنیا قال ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ ینصرونہ ولا یبصرونہ **اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾** لا حاجۃ لہ الی النصرۃ لکنھا تنفع من یاتی بھا **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ** یعنی الکتب الاربعۃ التورٰۃ والانجیل والزبور والفرقان فانھا فی ذریۃ ابراھیم **فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِیَّةَ** ھی رفض النساء واتخاذ الصوامع **ابْتَدَعُوْهَا** من قبل انفسھم **مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ** ما امرنا ھم بھا **اِلَّا** لکن فعلوھا **ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ** مرضاۃ **اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ** اذ ترکھا کثیر منھم وکفروا بدین عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ودخلوا فی دین ملکھم وبقی علی دین عیسیٰ کثیر منھم فآمنوا بنبینا **فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** بہ **مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** بعیسیٰ **اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ** محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعلیٰ عیسیٰ **یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ** نصیبین **مِنْ رَّحْمَتِهٖ** لایمانکم بالنبیین **وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ** علی الصراط **وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا یَعْلَمَ** ای اعلمکم بذلک لیعلم **اَهْلُ الْكِتٰبِ** التورٰۃ الذین لم یؤمنوا بمحمد ﷺ **اَنْ** مخففۃ من الثقیلۃ واسمھا ضمیر الشان والمعنی انھم **لَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ** خلاف ما فی زعمھم انھم احباء واھل رضوانہ **وَاَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ** یعطیہ **مَنْ یَّشَآءُ ؕ** فاتی المؤمنین منھم اجرھم مرتین کما تقدم **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾**

ترجمہ:............تم خوب سمجھ لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل کود اور زینت (آرائش) اور ایک دوسرے پر شیخی بگھارنا اور اموال واولاد میں ایک کا دوسرے پر زیادتی بیان کرنا ہے (یعنی ان چیزوں میں مشغول ہو جانا۔ البتہ نیک کام کرنا اور اس کی تیاری میں لگنا یہ آخرت کے کام ہیں) جیسے (یعنی دل کو لبھانے اور دل سے اتر جانے میں) مثل مینہ (بارش) کے ہے کہ کاشت کاروں (کھیتی باڑی کرنے والوں) کو بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی پیداوار (جو کچھ زمین سے نکلتی ہے) پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (ہواؤں سے مرجھا کر ریزہ ریزہ) اور آخرت میں شدید عذاب ہے (جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی) اور اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے (جو دنیا کو آپ پر ترجیح نہ دے) اور دنیا کی زندگانی (سے لذت اندوز ہونا) محض دھوکہ کا سامان ہے۔ تم اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف دوڑو، اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے (جب کہ آسمان وزمین کو ایک دوسرے کے برابر ملا لیا جائے۔ غرض بمعنی وسعت

ہے) ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور وہ اپنا فضل جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے (قحط سالی) اور نہ خاص تمہاری جانوں پر (جیسے بیماری اور اولاد کی موت) مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم نے ان جانوں کو پیدا کیا (بنایا، جیسے بیماری اور اولاد کی موت) مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم نے ان جانوں کو پیدا کیا (بنایا، اور نعمت کا حال بھی یہی ہے) یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تا کہ (کے فعل کا ناصب ہے۔ یعنی اللہ اس کی اطلاع اس لئے دے رہا ہے کہ) تم رنج نہ کرو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہی اور نہ اتراؤ (شیخی کے طور پر اترانا، البتہ بطور شکر نعمت خوش ہو سکتے ہیں) اس چیز پر جو تمہیں عطا فرمائی ہے (آتکم مد کے ساتھ ہے بمعنی اعطاکم اور بغیر مد کے بمعنی جاءکم ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے (عطیہ پر تکبر کرنے والے) شیخی (لوگوں کے سامنے) کرنے والے کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ خود بھی (واجبات میں) بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں (ایسے لوگوں کے لئے اس میں سخت وعید ہے) اور جو شخص (واجبات سے) اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ (ھو ضمیر ہے اور ایک قراءت میں ھو نہیں ہے) بے نیاز ہیں (سب سے) سزاوار حمد ہیں (اپنے دوستوں کے لئے) ہم نے اپنے رسولوں کو (جو فرشتے انبیاء کے پاس آئے) کھلے کھلے احکام (دلائل قطعیہ دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب (بمعنی کتب) اور عدل و (انصاف) کو اتارا، تا کہ لوگ اعتدال پر رہیں۔ اور (ہم نے لوہے کو پیدا کیا (کانوں سے برآمد کیا) جس میں سخت ہیبت ہے (کہ اس سے قتل کیا جا سکتا ہے) اور لوگوں کے لئے اور بھی طرح طرح کے منافع ہیں۔ تا کہ اللہ جان لے (مشاہدہ کر لے لیقوم الناس پر اس کا عطف ہے) کہ کون اس کی مدد کرتا ہے (لوہے وغیرہ کے ہتھیاروں سے اس کے دین کی مدد کر کے) اور اس کے رسولوں کی بغیر دیکھے (بالغیب ینصرہ کی ضمیر سے حال ہے یعنی دنیا میں رہ کر غائبانہ مدد کرتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی مدد تو کرتے ہیں اور اس کو دیکھتے نہیں) اللہ طاقتور زبردست ہے (اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تاہم جو اس کی مدد کرے گا اس کا اپنا فائدہ ہے) اور ہم نے نوحؑ و ابراہیمؑ کو پیغمبر بنایا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی (چاروں کتابیں تورات، زبور، انجیل، قرآن مراد ہیں کیونکہ یہ سب ابراہیمؑ کی اولاد ہیں) سو ان میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے نافرمان نکلے، پھر ان کے بعد اور پیغمبروں کے یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت و رحم پیدا کر دیا اور رہبانیت کو (جس میں بیویوں کو چھوڑ چھاڑ کر گرجوں کو اپنا لینا ہوتا ہے) انہوں نے خود ایجاد کر لیا (اپنی طرف سے) ہم نے ان پر اس کو واجب نہیں کیا تھا (اس کا حکم نہیں دیا تھا) لیکن انہوں نے (اس کو پسند کر لیا) اللہ کی خوشنودی کی خاطر مگر انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی (کیونکہ بہت سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور دین عیسیٰ کو بھی خیر باد کہہ بیٹھے اور بادشاہ وقت کے مذہب کو قبول کر لیا۔ البتہ بہت سے دین عیسوی کو اختیار کئے رہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے) سو ان میں سے جو لوگ (آنحضرت ﷺ پر) ایمان لے آئے۔ ہم نے ان کو ان کا صلہ دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔ اے (عیسیٰؑ پر) ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمد و عیسیٰ علیہما السلام) پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تم کو دوہرا حصہ عنایت کرے گا (کہ تم دونبیوں پر ایمان لائے ہو) اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا تم اس کو لے کر (پل صراط) چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ غفور الرحیم ہے۔ تا کہ اہل کتاب کو یہ معلوم ہو جائے (تورات والے جو آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائے) کہ ان کو (ان مخفف ہے اس کا اسم ضمیر شان ہے یعنی انہیں) دسترس نہیں ہے اللہ کے فضل پر ذرا بھی (ان کے زعم کے برخلاف کہ وہ اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہیں) اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے دے دے (عطا کر دے) وہ جس کو چاہے (چنانچہ اہل کتاب مومنین کو اس نے دوہرا اجر عنایت فرمایا، جیسا کہ بیان ہوا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تحقیق وترکیب .... **وتکاثر فی الاموال۔** مفسرؒ نے اس شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مال و اولاد فی نفسہ قابل مذمت نہیں بلکہ ان میں اشتغال اور وہ بھی ایسا کہ دین سے لاپرواہی ہو جائے مذموم ہے۔

کمثل۔ مفسرؒ نے ای ہی سے اشارہ کیا ہے کہ مثل مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔

اعجب الکفار۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ متعارف معنی مراد نہیں بلکہ کافر بمعنی حارث ہے قاموس میں ہے کہ کافر بمعنی زراع ہے۔ ابن مسعودؓ ازہری کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ کفر کے معنی چھپانے کے ہیں اور کاشت کار بھی بیج زمین میں چھپا دیتا ہے۔

الیٰ مغفرۃ۔ اسباب مغفرۃ یعنی استغفار اور اعمال صالحہ مراد ہیں۔

کعرض السماء۔ بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے جنت کا عرض بیان کیا گیا ہے۔ مگر طول نہیں بتلایا۔ مفسرؒ نے السعۃ کہہ کر اس کا جواب دے دیا کہ مطلق وسعت مراد ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ عرض کا جب یہ حال ہے تو طول ناقابل بیان ہے۔

فی الارض۔ یہ موقع خبر میں ہے۔ ای ما اصاب مصیبۃ ثابتۃ فی الارض اور الا فی کتاب موضع حال میں ہے۔ مفسرلی نے ویقال سے اشارہ کیا ہے کہ واو سبع معطوف محذوف ہے اور یہ کہ مصیبت سے مطلقاً حوادث مراد ہیں خیر ہوں یا شر۔ البتہ اہمیت کی وجہ سے خاص شر کو بیان فرمایا گیا ہے۔

لکیلا تأ سوا۔ یعنی دنیا کی ناپائیداری کا تصور کر کے مصیبت ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے اور جب اس پر کسی دائمی خیر کا مرتب ہونا معلوم ہو جائے تو رنج اور بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خوشی کے ناپائیدار ہونے کے تصور سے اتراہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

الذین یبخلون۔ مفسرؒ نے ''لہم وعید شدید'' سے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ومن یتول۔ اس کی جزاء قالوا بال علیہ'' محذوف ہے۔

رسلنا۔ علامہ زمخشریؒ نے ملائکہ بصیغہ جمع تفسیر کی ہے۔ کیونکہ آگے الکتاب بمعنی کتب ہے اور کتابیں ملائکہ کے ساتھ چونکہ آتی ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ رسل سے مراد فرشتے ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک انبیاء مراد ہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کے پاس وحی لانے والے صرف جبرائیلؑ ہیں۔ اس صورت میں معہم محذوف کے متعلق ہو کر حال ہوگا۔ ای انزلنا الکتاب حال کونہ اٰتلا وصائر الان یکون معہم اذا وصل الیہم یا کہا جائے کہ مع بمعنی الیٰ ہے۔

وانزلنا الحدید۔ یہاں انزلنا اپنے معنی میں ہے یا بمعنی انشاء ہے۔ مفسرؒ نے دوسرے معنی لئے ہیں۔

والمیزان۔ یہاں بھی میزان کے متعارف معنی ہیں۔ اور میزان کا اتارنا یعنی اس کے اسباب کا اتارنا مراد ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ترازو لے کر جبرئیل حضرت نوحؑ کے پاس آئے اور ان کو وزن رائج کرنے کو کہا۔ دوسرے معنی میزان کے عدل وانصاف ہیں۔ جیسا کہ مفسرؒ نے کہا ہے۔

وانزلنا الحدید۔ یہاں بھی حقیقۃً اتارنا مراد ہے یا مجازی معنی ہیں۔

ولیعلم اللہ۔ اللہ کا علم ومشاہدہ مراد نہیں۔ بلکہ مخلوق کا علم ومشاہدہ مطلوب ہے۔ اس لئے اب علم باری کے حادث ہونے کا شبہ نہیں رہتا۔ اور عطف کی تصحیح کے لئے عبارت کی تقدیر اس طرح ہوگی۔ انزل اللہ معہم ھذہ الاشیاء لتعامل الناس بالحق والعدل ولیعلم اللہ من ینصرہ اور بعض اس کا معطوف علیہ محذوف مان کر تقدیر عبارت اس طرح کرتے ہیں۔ انزلنا الحدید لیقاتلوا او یشفعوا اور یہ تقدیر لفظ'' من ینصرہ'' کے مناسب ہے۔ نیز لیعلم کے لام کو محذوف سے متعلق بھی کر سکتے ہیں۔ ای انزلہ اللہ لیعلمہ۔

بالغیب۔ فاعل یا مفعول سے حال ہے۔

ولقد ارسلنا۔ پہلے ارسلنا پر عطف ہے۔ مزید اہتمام کے لئے اس جملہ کو دہرایا گیا۔ اور حضرت نوحؑ چونکہ آدم ثانی سمجھے جاتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ عرب وروم اور بنی اسرائیل کے جداعلیٰ ہیں۔ اس لئے دونوں کو ذکر کیا ہے۔

ورھبانیۃ۔ ما اضمر عاملہ کے طور پر منصوب ہے۔ جیسا کہ اکثر کی رائے ہے اور بعض جعلنا کا مفعول مانتے ہوئے رافۃ پر عطف کرتے ہیں اور

ابتدعوھا اس کی صفت ہے۔ ای جعلنا فی قلوبھم رھبانیة مبتدعة رھبان راہب کی جمع ہے۔ دنیا سے الگ تھلگ ہو جانا۔
الا ابتغاء۔ مفسرؒ نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قتادہؒ اور ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور بعض استثناء متصل کہتے ہیں مفعول لہ ہے۔
ای ما کتبنا ھا علیھم بشئی من الا شئیا الا لا بتغاء مرضات اللہ اور کتب بمعنی قضی ہے یہ مجاہد کی رائے تھی۔
فما رعوھا۔ یعنی ایک تو بدعت کی اور پھر اس کو نبھا بھی نہ سکے۔
کفلین۔ دوہرا ایمان ہونے کی وجہ سے ثواب دوہرا ہوا۔
لئلا یعلم۔ یعنی لام زائد ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔ جیسے ما منعک الا تسجد میں لام زائد ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ان تتقوا اللہ وتؤمنوا برسولہ یوتکم کذا و کذا لیعلم اھل الکتاب ان عدم قدرتھم علیٰ شئیٍ من فضل اللہ الخ اور یہ لام حروف زوائد میں سے ہے اور بعض کی رائے ہے لام تینوں، افعال یؤتکم اور یجعل لکم اور یغفر لکم کے متعلق ہے بطور تنازع کے۔
ان لایقدرون۔ زمخشریؒ ضمیر شان مفرد اور قاضیؒ جمع مقدر کرتے ہیں لیکن قاضیؒ کی روایت بہتر ہے کیونکہ ضمیر شان یہاں کا مرجع نہیں ہے۔
لیکن مفسرؒ نے ضمیر شان تو مقدر مانی ہے۔ مگر اس کی تفسیر جمع کے ساتھ کی ہے۔ گویا ایک اصطلاح قائم کی ہے کہ ان مخففہ کے بعد مقدر ضمیر شان ہی ہوتی ہے۔ یا یہ کہ ضمیر شان میں عمدہ بات کی رعایت ہونی چاہیے۔ تذکیر و تانیث افراد و جمع کے لحاظ سے۔
نیز والمعنی انھم میں واؤ بمعنی او بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مفسر ضمیر شان کو بیان نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ حاصل معنی بیان کر رہے ہیں۔

ربط آیات:......... پچھلی آیات میں آخرت کے ثواب و عذاب کا ذکر تھا۔ آیت اعلموا سے آخرت کی اہمیت و پائیداری اور دنیا جو آخرت میں رکاوٹ بنے اس کی ناپائیداری اور ناقابل التفات ہونا ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔
آیت ما اصاب من مصیبة سے اول دنیا کی نعمتوں کا پھر دنیا کی مصیبتوں کا بیان ہے جو آخرت کی مشغولیت سے رکاوٹ کا باعث ہوں۔ یعنی جس طرح نعمت کے فنا ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت میں مخل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اسی طرح مصیبت کے مقدر ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت کے لئے مانع نہ ہونے دیا جائے اور نعمتوں کا مانع بننا چونکہ اکثر ہے اس لئے اس کے مقدر ہونے کی صورت میں اس کے رکاوٹ نہ بننے کو مکرر فرمادیا۔ نیز چونکہ نعمتوں سے فخر و بخل جیسی بری خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو کبھی کبھی اعراض حق تک پہنچ جاتی ہے اس لئے ان برائیوں پر بھی وعید فرمائی جا رہی ہے۔
اس کے بعد آیت لقد ارسلنا الخ سے دنیا کے ناقابل التفات اور آخرت کے اہتمام کے لائق ہونے کی تائید کی جا رہی ہے۔ یعنی اصل میں آخرت کو درست کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا گیا اور احکام دیئے گئے۔ اور دین کی اعانت کے لئے لوہے کو پیدا کیا۔ اگرچہ تبعاً اس میں دوسرے فوائد بھی رکھ دیئے ہیں، حاصل یہ کہ دنیا بالغرض اور آخرت بالذات مقصود ہے۔
پھر خصوصیت سے مخدوم نوح و ابراہیم علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے جن کی اصطلاحات کو بعض نے قبول کیا اور بعض بدستور محروم رہے۔

روایات:......... وانزلنا الحدید کے ذیل میں تفسیر کبیر میں ابن عمرؓ سے نقل ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ انزل اربع برکات من السماء الی الارض انزل الحدید والنار و الماء والملح۔
اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ثلثة اشیاء نزلت مع ادم السدان والکلبتان والمطرقة۔
رھبانیة ابتدعوھا۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے بنی اسرائیل نے رہبانیت کیسے اختیار کی ہے

میں نے عرض کیا۔ اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ظالم بادشاہوں کا تسلط ہوگیا اور وہ فسق و فجور میں مبتلا ہوگئے۔ جس پر اہل ایمان بگڑ گئے اور ان سے آمادہ جنگ ہوئے لیکن تین مرتبہ اہل ایمان کو شکست ہوئی اور وہ بہت کم رہ گئے۔ چنانچہ وہ ادھر ادھر منتشر ہو کر محمد ﷺ کی آمد کے منتظر رہے جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔ اس طرح وہ پہاڑوں میں روپوش ہوگئے اور رہبانیت کو اپنا بیٹھے، ان میں بعض عیسائی رہے اور بعض بد دین ہوگئے،

پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لئلا یعلم اھل الکتاب یعنی اگر اہل کتاب آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ لائے تو وہ دو چند اجر و مغفرت سے محروم رہیں گے جیسا کہ مدارک میں ہے۔

اور بقول قتادہؒ جب غیر مومن اہل کتاب نے مومن اہل کتاب کی اس خصوصی فضیلت پر حسد کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ مومن اہل کتاب نے جب اس فضیلت پر فخر کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾ .... اعلموا الخ انسان کی عمر کے تین دور ہوتے ہیں، بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ بچپن میں وہ کھیل کود، تماشہ کا شکار رہتا ہے۔ اور جوانی، بناؤ سنگار، وفیشن، عیش و عشرت، نام و نمود، تمناؤں امنگوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ پھر بڑھاپا آتا ہے، موت کے دن قریب آتے ہیں تو مال و اولاد کی فکر سوار ہو جاتی ہے کہ میرے پیچھے گھر بار بنا رہے اور اولاد کسی کی محتاج و دست نگر نہ رہے۔

حالانکہ یہ سب ٹھاٹھ باٹھ، ساز و سامان مٹنے والے ہیں۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیرا ہی اندھیرا ہے، کھیتی کو دیکھو کہ چند روزہ رونق اور بہار ہوتی ہے۔ پھر زرد پڑ جاتی ہے اور پھر پاؤں تلے روند کر چورا چورا ہو جاتی ہے پہلی شادابی اور ہریالی کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔

دنیا کی زندگانی چار دن کی چاندنی: .... دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا بھی کچھ یہی حال سمجھو کہ وہ ایک دغا کی پونجی اور دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اس کی عارضی بہار سے انسان فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں مرنے کے بعد کام نہیں آئیں گی۔ وہاں تو ایمان اور نیک عمل کی پوچھ گچھ ہوگی، جو شخص انہیں دنیا سے لے گیا سمجھو کہ بیڑا پار ہے۔ آخرت کی نعمتوں کے علاوہ مالک کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہوگی، لیکن جو ایمان و عمل سے محروم رہا اور کفر و نافرمانی کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جس نے ایمان کے ساتھ کچھ عملی کوتاہیاں بھی شامل کر لیں، اس کے لئے جلد یا بدیر دھکے کھا کر معافی ہے۔ وہ دنیا کا خلاصہ تھا اور یہ آخرت کا ہوا، غرض دنیا کے سامان عیش و طرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

سابقوا الخ دراصل ایمان و عمل حصول جنت کے اسباب ہیں۔ لیکن حقیقت میں جنت ملتی ہے۔ اللہ کے فضل و رحمت سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو جنت تو بجائے خود جہنم سے چھوٹنا بھی مشکل ہے۔ کسی اہل دل نے سچ کہا ہے "وہ فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں"۔ اس لئے اعمال پر کسی کو غرہ اور ناز نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے مشیت کا تعلق عمل سے کر دیا۔ اللہ اگر چاہتا تو یہ تعلق نہ کرتا۔ لان القدرۃ تتعلق بالضدین۔

ما اصاب الخ مصیبتیں داخلی ہوں یا خارجی سب مقدر ہیں۔ بیماریاں وغیرہ جو انسان کو پیش آتی ہیں یا قحط زلزلہ، ژالہ باری وغیرہ آفتیں جو ملک میں رونما ہوتی ہیں۔ وہ سب اللہ کے علم قدیم سے طے شدہ ہیں اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا علم چونکہ ذاتی ہے کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا۔ اس لئے اس میں کسی دشواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اپنے علم محیط کے مطابق واقعات سے پہلے لوح محفوظ میں کر دینا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

مایوسی اور ناز دونوں بے جا ہیں: .... لکیلا تاسوا۔ یعنی تمہیں اس سے اس لئے آگاہ کر دیا کہ تم سمجھ جاؤ کہ جو بھلائی مقدر رہے

وہ ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آسکتی، اللہ کے علم کے مطابق جو ٹھہر چکا ہے وہی ہو کر رہے گا، لہذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین اور مضطرب نہیں ہونا چاہیے۔ اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اترانا اکڑنا نہیں چاہیے بلکہ مصیبت وناکامی کے وقت صبر وتسلیم سے کام لو اور راحت وکامیابی کے وقت شکر وتحمید کو شعار بناؤ۔ البتہ مصیبت پر طبعی رنج وحزن کا اور نعمت پر طبعی مسرت کا مضائقہ نہیں۔

غرضیکہ مصائب وتکالیف، اسی طرح عیش وعشرت میں گھر کے حد اعتدال سے نہ بڑھے۔ خصوصا مال ودولت کے نشہ میں بالکل بد مست نہ ہو جائے۔ کیونکہ اکثر مالداروں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ برائی اور شیخی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے نام پر پیسہ جیب سے نہ نکلے کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہوگی اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی یہی سبق پڑھائیں گے۔

البتہ موقع پر خرچ کر ڈالنا ان باہمت اور باتوکل لوگوں کا کام ہے جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ نرمی سختی سب اسی مالک کی طرف سے ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی کے خرچ کرنے نہ کرنے سے اللہ کا کیا فائدہ یا نقصان؟ وہ تو بے نیاز اور بے پرواہ ذات ہے۔ ساری خوبیاں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ کسی فعل سے نہ اس میں کسی خوبی کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی۔ جو کچھ نفع نقصان ہے وہ خود تمہارا ہے خرچ کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے نہیں کرو گے تو پچھتاؤ گے۔

کتاب کے ساتھ اللہ نے ترازو اور لوہا ہی اتارا:......... **لقد ارسلنا** ۔ یعنی اللہ نے کتاب اس لئے اتاری کہ لوگ عقائد، اخلاق، اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں۔ افراط تفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور ترازو اس لئے پیدا کی۔ کہ خرید وفروخت، لین دین اور حقوق ومعاملات میں انصاف کا پلہ کسی کی طرف اٹھایا جھکا نہ رہے اور ممکن ہے ترازو سے مراد شریعت ہو جو تمام اخلاق قلبیہ اور قالبیہ کے حسن وقبح کو ٹھیک جانچ تول کر بتلا دیتی ہے۔

وانزلنا الحديد ۔ لوہے کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ زمین کی کانیں رکھ دیں۔ آج اسٹیل اور لوہا دنیا کی طاقت اور ترقی کا سرچشمہ ہے۔ مصنوعات سے لے کر سامان حرب تک سب کچھ اس سے تیار ہوتا ہے۔ جو لوگ آسمانی کتابوں سے درست نہ ہوں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں، ایسے ظالم، کجرو، سرکشوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اور خالص دینی جہاد کی مہم سر کرنے کے لئے لوہے کی تلواروں سے کام لینا پڑے گا۔

اس وقت یہ واضح ہو جائے گا کہ کون اللہ کے وفادار بندے ہیں جو ان دیکھے خدا اور آخرت کے غائبانہ اجر وثواب پر یقین کر کے اس کے دین اور رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور یہ جہاد کی تعلیم وترغیب اس لئے نہیں کہ اللہ کچھ تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ اس زبردست طاقتور ذات کو ایک کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہو سکتی ہے البتہ اس میں تمہاری وفاداری کا امتحان کرنا ہے تاکہ پورا اترنے پر اعلیٰ مقامات سے ہم کنار ہوں۔

اسلام نری رہبانیت سے روکتا ہے:......... **ثم قفينا على آثارهم** ۔ پچھلے پیغمبر اگلے پیغمبروں کے نقش قدم پر چلے، کیونکہ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی، پھر آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ کو انجیل مقدس دے کر بھیجا گیا ان کے حواری اور صحابی کو واقعی ان کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ لوگوں کے ساتھ محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے رہے۔ مگر آگے چل کر بے دین بادشاہوں سے تنگ کر ادھر دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر رہبانیت کی راہ لی۔ اور شہروں کے چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں کی سکونت اختیار کر لی۔ حالانکہ اللہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر ان کی نیت بخیر تھی۔ تاہم اس خود ساختہ طریقہ کو نبھا نہ سکے۔

بلاشبہ تارک الدنیا ہونا مستحسن ہے۔ مگر متروک الدنیا بن جانا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اختیاری فقر یقیناً اہل عزیمت کا شیوہ رہا ہے۔ مگر فقر اضطراری تباہی و ہلاکت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اللہ کا حکم کبھی نہیں رہا کہ اس طرح دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ رہیں اور حقوق ترک کر کے مصروف عبادت ہو جائیں۔ تاہم عیسائی راہبوں نے جب ترک دنیا کا نام اپنے اوپر رکھا پھر اس پردہ میں دنیا کمانا بڑا کمال ہے:۔ یہ رہبانیت بدعت لغوی تھی بدعت شرعیہ نہیں تھی۔ چونکہ کسی شریعت کے اہل حق بھی اہل بدعت نہیں ہوتے۔ چنانچہ آیت میں اس بدعت پر نہیں۔ بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر ملامت ہورہی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ بدعت شرعیہ نہیں تھی اور ایسی رہبانیت سے شریعت اسلامیہ میں بھی ممانعت نہیں ہے۔

چنانچہ آیت لاتحرموا طیبات ساتویں پارہ کی تفسیر میں دونوں قسم کی رہبانیت کا ذکر گزر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حلال چیزوں کو قربت کے اعتقاد سے چھوڑ دینا بدعت ورہبانیت ممنوعہ ہے اور بغیر اس اعتقاد کے کسی مصلحت کے پیش نظر جائز ہے۔

بدعات ورسوم میں فرق ہے:......... اسلام نے فطری اعتدال سے ہٹ کر رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ تاہم اس جذبہ رہبانیت کو پورا کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ رکھا ہے۔ ایک مجاہد سب حظوظ ولذات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستہ میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔

بدعت ایسے کام کو کہتے ہیں جس کی اصل کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے دور میں نہ ہو اور اس کو دین وثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ اہل حق اور اہل اللہ میں سے اگر کسی سے ایسا کوئی فعل سرزد ہو جائے تو سابقہ تفصیل کی روشنی میں خود ان سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ ممکن ہے وہ صورۃً رہبانیت ہو حقیقۃً نہ ہو۔ بدعت کا تعلق چونکہ فساد اعتقاد سے ہے۔ اس لئے بہت بچنا چاہئے برخلاف رسوم کے ان کا تعلق فساد عمل سے ہے اس لئے ان سے بھی احتراز ہونا چاہیے۔ البتہ رسوم کا معاملہ بدعات سے کم ہے۔

اکثر مطلق رہبانیت ناجائز صورت پر بولی جاتی ہے اور بعض روایات سے مطلق رہبانیت کی ممانعت اسی اصطلاح کے مطابق ہوتی ہے۔ البتہ بعض روایات میں خاص اسلام سے جو رہبانیت کی نفی معلوم ہورہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی شریعتوں میں وہ جائز تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچھلے مذہبی لوگوں میں وہ زیادہ پائی جاتی تھی، مسلمانوں میں ان کے متمدن مذہب کی وجہ سے کم ہوگئی۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ عیسائیوں کی دو قسمیں ہیں۔ متبع یعنی مومن اور غیر متبع۔ پھر متبعین کی دو قسمیں ہوئیں، راہب اور غیر راہب، پھر راہب بھی دو طرح کے ہوگئے، راہب مراعی، راہب غیر مراعی۔ اس آیت میں متبعین کا اور ان میں سے مترہبین کا اور ان میں سے مراعین کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور دوسری قسم کا حکم ان کے احکام کی علتوں سے معلوم ہوسکتا ہے چنانچہ غیر متبعین کا کافر ہونا اور اسی طرح غیر مراعین کا کافر ہونا خواہ وہ راہب ہوں یا غیر راہب۔ اسی طرح مراعین کا گو وہ راہب نہ ہوں مومن ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اہل کتاب ایمان لائیں تو دوہرا ثواب:......... یا ایھا الذین اٰمنوا۔ یعنی پیغمبر آخر الزمان کی پیروی کر کے نعمتوں کے مستحق بنو۔ پچھلی خطاؤں کی معافی اور ہر ہر عمل پر دوہرا ثواب لو۔ یہ ایسی روشنی ہے کہ جس سے تمہارا وجود منور ہو جائے گا اور آخرت میں بھی نور تمہارے آگے اور داہنی طرف چلے گا۔ روایات میں جن تین آدمیوں کو دوہرے ثواب کی بشارت دی گئی ہے ان میں مسلمان ہونے والے اہل کتاب بھی ہیں۔ اہل کتاب اگر آنحضرت ﷺ کی خبر سن کر اول انکار کردے پھر ایمان لے آئے تو چونکہ انکار کی وجہ سے کافر ہو گیا۔ اس لئے اس کے اور اعمال مستحق ثواب نہیں رہے۔ پھر اس کو دوہرے اجر کا مستحق کیسے کہا جائے؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کافر پھر جب مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی کالعدم نیکیوں پر پھر بدستور ثواب مرتب ہو جاتا ہے وہ اکہرا ہو یا دوہرا۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ اہل کتاب چونکہ پہلے انبیاء کے ساتھ آنحضرت ﷺ پر بھی ایمان لاتا ہے اس لئے دوہرے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔

لیکن دوسرے مشرک وکافر بھی جب مسلمان ہوتے ہیں تو آنحضرت ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر دونوں میں کیا فرق رہا۔ کتابی کی طرح غیر کتابی کو بھی مسلمان ہونے پر دوہرا اجر ملنا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ بلا شبہ مسلمان ہو جانے کے بعد تو ان دونوں میں فرق نہیں رہتا۔ مگر اسلام لانے سے پہلے کتابی کسی نبی پر ایمان رکھتا تھا اور غیر کتابی اس سے محروم تھا۔ اس لئے دونوں میں فرق کیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بلحاظ کیفیت غیر کتابی ثواب میں کتابی سے بڑھ جائے اور چونکہ اس کتابی کے مسلمان ہونے کے بعد پہلے ایمان کا بھی اعتبار ہو گیا۔ اس لئے اس کو یاایھا الذین امنوا سے خطاب کیا گیا۔ ورنہ اسلام نہ لانے کی صورت میں پہلا ایمان بھی کالعدم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ لئلا یعلم اھل الکتاب میں ایسے لوگوں کو صرف کتابی کہا گیا ہے مومن نہیں کہا گیا، یعنی ایسے اہل کتاب پچھلے پیغمبروں کے احوال سن کر پچھتاتے ہیں کہ افسوس ہم ان سے دور پڑ گئے۔ ہمیں نبیوں کی صحبت اور اس کی برکات سے محرومی ہوگئی۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ نے تمہیں تو ایسا رسول دیا ہے کہ اس کی صحبت میں پہلے سے دوگنا کمال حاصل ہو سکتا ہے، بزرگی مل سکتی ہے۔ اللہ کا فضل بند نہیں ہو گیا، لیکن سلف سے اس کی تفسیر پر منقول ہے کہ وہ اہل کتاب جو ایمان نہیں لائے وہ اللہ کے فضل پر دسترس نہیں رکھتے۔ یہ فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے، جس پر وہ چاہے کر دے۔

مثلاً جو کتابی آپ پر ایمان لے آئے ان پر یہ فضل کر دیا کہ انہیں دوہرا ثواب ملتا ہے اور خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ آخرت میں روشنی عطا ہوتی ہے اور جو ایمان نہیں لاتے وہ ان انعامات سے بھی محروم ہیں۔

لطائف سلوک:............اعلموا۔ اس میں دنیا سے زہد و بے رغبتی صراحۃً مذکور ہے۔

لکیلا تاسوا۔ اس میں تقدیر کو یاد کرنے سے حزن کا علاج ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ تقدیری فیصلہ ہماری مصلحت یقینی ہے۔ اگر چہ وہ تفصیلات ہمیں معلوم نہ ہوں۔

روح المعانی میں ہے **والمراد نفی الحزن المخرج الیٰ ما یذھل صاحبه عن الصبر والتسلیم لا مر اللّٰه و رجاء ثواب الصابرین ونفی الفرح المطغی الملھی عن الشکر واما الحزن الذی لایکاد الانسان یخلوا منه مع الاستسلام والسرور بنعمة اللّٰه والاعتداد بھا مع الشکر فلا باس بھما . عن ابن عباس انه قال یخلوا منه مع الاستسلام والسرور بنعمة اللّٰه والاعتداد بھا مع الشکر فلا باس بھما . عن ابن عباس انه قال فی الایة لیس احد الا وھو یحزن ویفرح ولکن من اصابته مصیبة جعلھا صبرا ومن اصابه خیر جعله شکرا۔**

ورھبانیة: جس رہبانیت کو اہل کتاب نے رضائے الٰہی کے لئے اختیار کیا تھا۔ اس پر ان کی مذمت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر مذمت فرمائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اوراد و نوافل کا پابند اور عادی ہو جائے تو اس کو چھوڑنا پسندیدہ نہیں ہے اور اس میں تمام اعمال و احوال محمودہ کی رعایت آگئی۔ ان میں خلل ڈالنا نہیں چاہیے۔

الحمدللہ کہ پارہ قال فما خطبکم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

پارہ نمبر ﴿۲۸﴾

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

فہرست پارہ ﴿قد سمع اللّٰہ﴾

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ثِنْتَانِ وَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم ﴿﴾

قَدْسَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ تُرَاجِعُكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ **فِیْ زَوْجِهَا** الْمُظَاهِرُ مِنْهَا وَكَانَ قَالَ لَهَا اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ وَقَدْ سَاَلَتِ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَاَجَا بَهَا بِاَنَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ عَلٰی مَا هُوَ الْمَعْهُوْدُ عِنْدَهُمْ مِنْ اَنَّ الظِّهَارَ مُوْجِبُ فُرْقَةٍ مُّؤَبَّدَةٍ وَهِیَ خَوْلَةُ بِنْتُ ثَعْلَبَةَ وَهُوَ اَوْسُ بْنُ الصَّامِتُ **وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی اللّٰهِ** وَحْدَتَهَا وَفَاقَتَهَا وَصَبِيَّةً صِغَاراً اِنْ ضَمَّتْهُمْ اِلَيْهِ ضَاعُوْا اَوْاِلَيْهَا جَاعُوْا **وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَ كُمَا** تَرَاجُعَكُمَا **اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ** ﴿۱﴾ عَالِمٌ **اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ** اَصْلُهٗ يَتَظَهَّرُوْنَ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِی الظَّاءِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِاَلِفٍ بَيْنَ الظَّاءِ وَالْهَاءِ الْخَفِيْفَةِ وَفِیْ اُخْرٰی كَيُقَاتِلُوْنَ وَالْمَوْضَعُ الثَّانِیْ كَذٰلِكَ **مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ** بِهَمْزَةٍ وَّيَاءٍ وَبِلَا يَاءٍ **وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ** بِالظِّهَارِ **لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ** كِذْباً **وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ** ﴿۲﴾ لِلْمُظَاهِرِ بِالْكَفَّارَةِ **وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا** اَیْ فِيْهِ بِاَنْ يُّخَالِفُوْهُ بِاِمْسَاكِ الْمُظَاهِرِ مِنْهَا الَّذِیْ هُوَ خِلَافُ مَقْصُوْدِ الظِّهَارِ مِنْ وَصْفِ الْمَرْاَةِ بِالتَّحْرِيْمِ **فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ** اَیْ اِعْتَاقُهَا عَلَيْهِ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا** بِالْوَطْیِ **ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ﴿۳﴾ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** رَقَبَةً **فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ** اَیِ الصِّيَامَ **فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ** عَلَيْهِ اَیْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا حَمْلاً لِلْمُطْلَقِ عَلَی الْمُقَيَّدِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ **ذٰلِكَ** اَیِ التَّخْفِيْفُ فِی الْكَفَّارَةِ **لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ** اَیِ الْاَحْكَامُ الْمَذْكُوْرَةُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ** بِهَا **عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۴﴾ مُؤْلِمٌ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ** يُخَالِفُوْنَ **اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا** اُذِلُّوْا **كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** فِیْ مُخَالَفَتِهِمْ رُسُلَهُمْ **وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ** دَالَّةٍ عَلٰی صِدْقِ الرَّسُوْلِ

وَلِلْكٰفِرِيْنَ بالْاٰيَاتِ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ ذَا وَهَانَةٍ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ
ع وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ بِعِلْمِهٖ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ
ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ نَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَمَّا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ مِنْ تَنَاجِيْهِمْ اَيْ تَحَدُّثِهِمْ
سِرًّا نَاظِرِيْنَ اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ لِيُوْقِعُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرِّيْبَةَ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ
اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُهُمْ اَلسَّامُ عَلَيْكَ اَيِ الْمَوْتُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا هَلَّا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ مِنَ التَّحِيَّةِ
وَاَنَّهٗ لَيْسَ بِنَبِيٍّ اِنْ كَانَ نَبِيًّا حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾ هِيَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰى بِالْاِثْمِ وَنَحْوِهٖ مِنَ الشَّيْطٰنِ بِغُرُوْرِهٖ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ
هُوَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ اَيْ اِرَادَتِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ
لَكُمْ تَفَسَّحُوْا تَوَسَّعُوْا فِي الْمَجْلِسِ النَّبِيِّ ﷺ اَوِ الذِّكْرِ حَتّٰى يَجْلِسَ مَنْ جَآءَكُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الْمَجَالِسِ
فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ فِي الْجَنَّةِ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا قُوْمُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَيْرَاتِ فَانْشُزُوْا
وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الشِّيْنِ فِيْهِمَا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ بِالطَّاعَةِ فِيْ ذٰلِكَ وَيَرْفَعُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
دَرَجٰتٍ ۭ فِي الْجَنَّةِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ اَرَدْتُّمْ
مُنَاجَاتَهٗ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ قَبْلَهَا صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ لِذُنُوْبِكُمْ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا
مَا تَتَصَدَّقُوْنَ بِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِمُنَاجَاتِكُمْ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ بِكُمْ يَعْنِيْ فَلَا عَلَيْكُمْ فِي الْمُنَاجَاةِ مِنْ غَيْرِ صَدَقَةٍ ثُمَّ
نُسِخَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ ءَاَشْفَقْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَّتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ
وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ اَيْ اَخِفْتُمْ مِنْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ لِلْفَقْرِ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا الصَّدَقَةَ وَتَابَ
اللّٰهُ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ عَنْهَا فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اَيْ دُوْمُوْا عَلٰى ذٰلِكَ
ع وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ......سورۂ مجادلہ مدنیہ ہے جس میں ۲۲ آیتیں ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے جھگڑ رہی تھی (اے پیغمبر! آپ سے بار بار عرض کر رہی تھی) اپنے شوہر کے معاملے میں (جس نے اس ظہار کرتے ہوئے انت علی کظھر امی کہہ دیا۔ اس پر عورت نے جب رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہوگئی ہے۔ جیسا کہ پہلے سے ان کا یہی دستور چلا آرہا تھا کہ ظہار سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ عورت خولہ بنت ثعلبہ تھی اور شوہر اوس بن صامت) اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی (اپنی تنہائی اور فاقہ اور کمسن بچوں کی کہ اگر شوہر کے پاس رہے تو ضائع ہو جائیں گے اور اس کے پاس رہے تو بھوکے مر جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو (بار بار کی بات چیت) سن رہا تھا اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا (جاننے والا) ہے۔ جو لوگ ظہار کرتے ہیں (یظھرون، اصل میں یتظھرون تھا۔ تا کو ادغام کردیا گیا۔ اور ایک قراءت میں ظا اور ھا اور خفیفہ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت یقاتلون کے وزن پر ہے اور دوسری جگہ بھی یہی تفصیل ہے) تم میں سے اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں۔ (اللائی ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ (ظہار کے ذریعہ) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ (غلط) بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے بخش دینے والے ہیں (ظہار کرنے والے کو کفارہ کے ذریعہ) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ پھر اپنی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ ظہار کے خلاف کرنا چاہتے ہیں اس طرح ظہار کی ہوئی بیوی کو روک کر، جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے۔ یعنی بیوی کا حرام ہو جانا) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے (یعنی غلام آزاد کرنا خاوند کے ذمہ ہے) اس سے پہلے کہ دونوں باہم (جماع کر کے) اختلاط کریں۔ اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام یا باندی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے در پے دو مہینہ کے روزے ہیں اس سے پہلے کہ باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ (روزے) بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے (یعنی جماع سے پہلے، مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے۔ ہر مسکین کو شہر کی زیادہ رائج غذا ایک مد دے کر) یہ (کفارہ میں سہولت) اس لئے ہے کہ اللہ و رسول پر تم ایمان لے آؤ اور یہ (مذکورہ احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ و رسول کی مخالفت (خلاف ورزی) کرتے ہیں وہ ایسے ذلیل (رسوا) ہوں گے جیسے ان سے پہلے (پیغمبروں) کی مخالفت کر کے ذلیل ہوئے ہیں۔ اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں۔ (پیغمبر کے سچے ہونے) پر اور (احکام کے) انکار کرنے والوں کو ذلت (ورسوائی) کا عذاب ہوگا۔ جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ جلائے گا۔ پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو جتلا دے گا جو اللہ نے محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔ کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی (آپ کو معلوم نہیں) کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو۔ اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر ان کو قیامت کے روز ان کے کئے ہوئے کام بتلا دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی۔ جن کو سرگوشی سے منع کیا گیا ہے پھر وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کردیا گیا تھا۔ اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ یعنی یہود جنہیں آنحضرت ﷺ نے ان سرگوشیوں سے منع کردیا تھا یہ یہود آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ مسلمانوں کو دکھلا کرتا کہ مسلمان وساوس میں گھرے رہیں) اور جب آپ کے پاس (اے پیغمبر) یہ لوگ آتے ہیں تو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں۔ جس سے آپ کو اللہ نے سلام نہیں فرمایا (یعنی کہتے ہیں السام علیک بمعنی موت) اور اپنے جی میں کہتے اللہ نے ہمارے اس کہنے پر کیوں سزا نہیں دی (اس طرح سلام کرنے پر، اگر یہ نبی ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ نبی نہیں ہیں) ان کے جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ اس میں داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو۔ جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ایسی (گناہ وغیرہ کی) سرگوشیاں محض شیطان (کے فریب) کی وجہ سے ہیں تا کہ مسلمانوں کے دل میں رنج نہ ڈالے۔ حالانکہ وہ بدوں اللہ کے ارادے کے ان کو کچھ

ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو (وسیع کردو)۔آنحضرت ﷺ کی مجلس یا مجلس ذکر مراد ہے تاکہ آنے والے کے لئے گنجائش ہو جائے۔ایک قراءت میں مجالس میں آیا ہے) تو تم جگہ کھول دیا کرو۔اللہ تعالیٰ تمہیں (جنت میں) کھلی جگہ دے گا۔اور جب یہ کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو (نماز وغیرا چھے کاموں کے لئے کھڑے ہو جاؤ) تو اٹھ کھڑے ہوا کرو (ایک قراءت میں دونوں جگہ ضمہ شین کے ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ (جنت میں) درجے بلند کرے گا۔تم میں ایمان والوں کے جو اس حکم کو ماننے والے ہیں) اور (بلند کرے گا) ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو (اس کا ارادہ ہو) تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات کر دیا کرو۔یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (گناہوں سے) پھر اگر تمہیں (خیرات کی) سہولت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ (تمہاری سرگوشی کو) معاف کرنے والا۔تم پر رحم کرنے والا ہے (یعنی بغیر خیرات سرگوشی کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔پھر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ ہو گیا) کیا تم ڈر گئے (دونوں ہمزاؤں کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور دوسری ہمزہ کے الف کے ساتھ اور بغیر الف کے تسہیل یہ ہے کہ یعنی گھبرا گئے) سرگوشی سے پہلے خیرات کرنے سے (غربت کی وجہ سے) سو جب تم (خیرات) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (یہ قانون واپس لے کر) تو تم نماز کے پابند رہو۔اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو (یعنی ان احکام کی پابندی رکھا کرو) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

تحقیق وترکیب:......... **قد سمع اللہ** بمعنی اجاب **تجادلک** مجادلہ کے معنی یہاں مجازاً مکالمہ کے ہیں یعنی بار بار کلام کرنا۔

الذین یظاھرون یقاتلون کے وزن پر عاصمؒ، ابوالعالیہؒ، حسینؒ کی قراءت ہے۔

من نساء ھم۔اس سے مراد بیوی ہے۔چنانچہ بقول صاحب ہدایہ باندی سے ظہار نہیں ہوتا۔نیز نساء کی اضافت ضمیر کی طرف ہے یعنی اپنی بیوی چنانچہ کسی عورت سے اگر اس کی اجازت کے بغیر کسی نے نکاح کر لیا اور پھر اس بیوی سے ظہار کیا۔ظہار کے بعد اس منکوحہ نے نکاح کی اجازت دی تو اس صورت میں ظہار نہیں ہوگا کیونکہ اجازت دینے سے پہلے یہ اس کی بیوی نہیں ہوئی تھی اس لئے ظہار بھی نہیں ہوگا۔

ما ھن امھٰتھم ۔یعنی بیوی حقیقۃً ماں نہیں ہوتی۔اس لئے حقیقی ماں سے حرام ہونے میں تشبیہ بھی دینی چاہیے الا یہ کہ شرعاً اجازت ہے جیسے رضاعی ماں کہنا یا امہات المومنین ازواج مطہرات کو کہنا۔

منکرًا من القول ۔یعنی شرعاً نا معقول بات ہے۔

زورًا۔ناحق بات ہے اور یہ اس لئے کہ تشبیہ سے مقصود اگرچہ طلاق ہے اور نا جائز و ناروا نہیں ہوتی لیکن منکوحہ کو ایک ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو ہمیشہ کے لئے حرام ہو بری بات سمجھی گئی اور جاہلیت کی یادگار ہے۔اصول فقہ کی کتابوں میں اس موقعہ پر یہ اشکال نقل کیا گیا ہے کہ شوافع کے اصول پر، حرام چیز کسی مشروع چیز کا سبب نہیں ہونی چاہیے۔حالانکہ ظہار کا منکر ہونا نص سے ثابت ہو رہا ہے۔پھر یہ کفارہ جیسے شرعی حکم کا سبب بنا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہماری گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ سبب مشروع ہو اور حکم بھی مطلوب ہو اور پھر سبب کی ممانعت کی جائے تو اس صورت میں حکم مشروع ہوگا یا نہیں مثلاً خرید و فروخت شرعاً جائز ہے اور اس سے ملکیت مطلوب ہوتی ہے پس فاسد خرید و فروخت کی وجہ سے آیا۔ملکیت ثابت ہوگی یا نہیں لیکن کفارہ میں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ وہ مطلوب نہیں ہے بلکہ ظہار پر سرزنش کرتے ہوئے مشروع ہوا ہے اس لئے اس کا سبب ہی ممنوع ہونا چاہیے جیسے قصاص کہ وہ قتل کی سزا ہے۔اسی لئے قصاص کا سبب یعنی ابتدائی قتل حرام ہے۔

والذین یظاھرون۔ظہار کی حقیقت یہ ہے کہ بیوی کو ماں کے اس کے کسی ایسے جزء کے ساتھ تشبیہ دینا جس کو بول کر ذات مراد لی جاتی ہے جیسے کہا جائے۔**انت علی کامی یا کظھر امی** اور نیت حرام ہونے کی کی جائے تو بالاجماع ظہار ہو جائے گا۔لیکن امام اعظمؒ اور امام

مالک نے ماں کے علاوہ دوسرے محرمات کو بھی ماں پر قیاس کیا ہے جیسے، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ اسی طرح رضاعی محرمات بھی اس میں داخل ہیں ۔امام شافعیؒ بھی ایک قول میں ہمارے شریک ہیں اور ایک دوسرے قول کے مطابق صرف ماں کے ساتھ ظہار خاص ہے۔ظہار کا حکم یہ ہے کہ بیوی کفارہ ادا کرنے تک حرام رہے گی۔اور اس کی حرمت چونکہ نص سے ثابت ہے اس لئے اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔

ظہار کے الفاظ بول کر کوئی طلاق کی نیت کرے تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور کوئی تعظیم وتکریم کی نیت سے کہے تو تکریم ہی سمجھی جائے گی اور اگر بغیر نیت یہ الفاظ کہہ دے تو کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا۔

ثم یعودون لما قالوا ایعنی لنقض ما قالوا مضاف محذوف ہے حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی بات کے برخلاف بیوی سے بیوی کے معاملات کرنا چاہے لیکن عود کی صورت کیا ہوگی؟ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔حسنؒ کے نزدیک صرف ہمبستری کے ذریعہ عود کہلائے گا۔امام مالکؒ کے نزدیک عزم جماع سے بھی عود ہو جائیگا۔امام اعظمؒ کے نزدیک دواعی جماع سے عود ہو جائیگا۔امام شافعیؒ کے نزدیک صرف بیوی رہنے دینے سے ہی عود ہو جائے گا۔یعنی ظہار کے فوراً بعد اگر شوہر اس کو طلاق نہ دے تو عود ہو جائے گا۔حنفیہ کی تائید ابن عباسؓ، حسنؒ قتادہ کے اقوال سے بھی ہوتی ہے اور سفیان ثوری کے نزدیک عود کے معنی یہ ہیں کہ اسلام لانے کے بعد جاہلیت کے اس ظہار کو پھر دہرائے۔اور ظاہریہ کے نزدیک عود کے معنی بار بار ظہار کے الفاظ کو دہرانے کے ہیں اور ابو مسلمؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ شوہر اپنے کہنے پر حلف کرلے۔

فتحریر رقبۃ۔یہاں سے کفارہ کی تین صورتوں کی تفصیل ہے۔یہ مبتداء ہے اس کی خبر علیھم محذوف ہے یا بقول مفسرؒ اعتاقھا علیہ پھر یہ جملہ موصول کی خبر ہو جائے گا۔اور فامعنی شرط کی وجہ سے ہے۔حاصل یہ ہے کہ جماع اور دواعی جماع کی اجازت غلام، باندی آزاد کرنے سے پہلے نہیں ہے۔تاہم کسی نے اگر ایسا کر لیا تو توبہ استغفار کیا جائے۔کفارہ صرف ایک ہی دینا پڑے گا خواہ بار بار جماع کرے اور اس حکم کی پابندی خاوند بیوی دونوں پر ہوگی۔بعض علماء کے نزدیک کفارہ سے پہلے صرف جماع کی ممانعت ہے دواعی جماع کی ممانعت نہیں ہے پھر غلام باندی عام ہیں۔ مسلمان ہو یا کافر چھوٹا ہو یا بڑا، گونگا ہو یا کانا، یا بہرا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کی ٹانگ کٹی ہوئی ہو۔غرضیکہ جس غلام باندی کی منفعت باقی ہو اس کو آزاد کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح مکاتب کو آزاد کرنا جس نے ابھی کچھ بدل کتابت ادا نہ کیا ہو یا اپنے آدھے غلام کو پہلے اور باقی کو بعد میں آزاد کرنے سے کفارادا ہو جائے گا۔البتہ بالکل غلام باندی جیسے نابینا، دیوانہ، دونوں ہاتھ یا پاؤں یا ایک ہی جانب کے ہاتھ پاؤں یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے کو آزاد کرنا یا مدبر غلام یا اسی مکاتب کو آزاد کرنا جس نے کچھ بدل کتابت ادا کر دیا ہو یا مشترک غلام کے ایک حصہ کو پہلے اور بقیہ کو بعد میں آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا۔یہ تمام تر تفصیل حنفیہ کے نزدیک رقبہ کے مطلق ہونے کی بنیاد ہونے پر ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ کے قتل پر قیاس کرتے ہوئے صرف مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے بلحاظ ذات غلام صحیح سلامت ہو جو کار آمد ہو۔ناقص اور عیب دار تا کافی ہوگا۔ **فمن لم یجد فصیام** یہ کفارہ کی دوسری صورت ہے۔غلام باندی کے نہ پائے جانے کی معنیٰ میں اختلاف ہے۔امام مالکؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ غلام باندی خواہ خدمت کے لئے ہوں یا ان کی قیمت خواہ وہ اپنی ضروریات کے لئے ہو۔ان دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں روزوں کے ذریعہ کفارہ ادا کیا جائے گا۔لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں زائد از ضرورت نہ ہوں تب روزے رکھائے جائیں گے۔البتہ حنفیہ کے نزدیک صرف غلام باندی کی موجودگی یا غیر موجودگی کا اعتبار کیا جائے گا قیمت پاس ہونے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔یعنی اگر غلام باندی موجود ہیں خواہ خدمتی ہیں تب انہیں آزاد کیا جائے گا۔ورنہ اگر ان کی قیمت ہو خواہ صرف سے زائد ہو بہر صورت روزوں کی اجازت ہوگی۔چنانچہ کفارہ کی منتقلی غریبوں کو کھانا کھلانے کی جانب یہ اس طرف مشیر ہے کہ کفارہ ظہار میں بعینہ غلام باندی کا اعتبار کیا گیا ان کی قیمت کا نہیں۔برخلاف کفارہ قتل کے اس میں یہ منتقلی نہیں ہے، اور دو ماہ کے روزے مسلسل ہونے ضروری ہیں۔درمیان میں رمضان اور پانچ ممنوعہ دن بھی نہیں آنے چاہئیں۔اسی طرح کسی عذر کی وجہ سے بھی اس تسلسل میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ورنہ بلا عذر ناغہ کی صورت میں بالا جماع دو ماہ کے از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے۔اور حنفیہ کے نزدیک عذر کی وجہ سے بھی ناغہ ہونے سے سابقہ روزے کالعدم ہو جائیں گے یہاں بھی روزے جماع اور دواعی

جماع سے پہلے مکمل کرنے ضروری ہوں گے۔اور بعض کے نزدیک صرف جماع سے پہلے روزے رکھنے ضروری ہیں۔اسی طرح حنفیہ مالکیہ کے نزدیک دن ورات دونوں میں بیوی سے بچنا ضروری ہوگا۔امام شافعیؒ کے نزدیک روزوں کے درمیان رات کو جماع کرنے سے روزوں کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔لیکن نص کا اطلاق حنفیہ کی تائید کررہا ہے۔امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں روزوں کو اگر از سر نو دہرایا گیا تو تمام روزے جماع سے موخر ہو جائیں گے۔لیکن اگر ان ادا کئے ہوئے روزوں کو معتبر مان لیا جائے تو کم از کم بعض روزے ہی مقدم ہو جائیں گے۔اس لئے من قبل ان یتما سا پر فی الجملہ عمل کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ ان روزوں کا اعتبار کرلیا جائے اور از سر نو روزے نہ رکھائے جائیں لیکن طرفین کا جواب یہ ہے کہ روزوں کے کفارہ میں دو چیزیں مقصود ہیں۔ایک تمام روزوں کا جماع سے پہلے ہونا اور دوسرے ان تمام روزوں کا جماع سے خالی ہونا۔پس مذکورہ صورت میں پہلا مقصد اگر چہ حاصل نہیں ہوا۔تاہم دوسرے مقصد کو سامنے رکھ کر روزوں کو از سر نو رکھنا چاہیے۔تاکہ ممکنہ حد تک نص پر عمل ہو سکے۔ **فمن لم یستطیع فاطعام** یہ کفارہ کی تیسری صورت ہے۔یعنی غلام باندی کو آزاد کرنے کی طرح اگر کوئی دو ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھ سکتا ہو۔بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں رکھ سکتا، یا دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔تو پھر تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔فی مسکین آدھا صاع گیہوں یا ایک جو یا کھجوروں کا دے دے یا اتنی قیمت ادا کردے یا دو وقتہ پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے۔تو حنفیہ کے نزدیک سب صورتیں جائز ہیں۔یعنی امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے پیمانہ کے حساب سے فی مسکین ایک رطل اور تہائی رطل جو اناج زیادہ کا استعمال ہوتا ہو دے دے۔اور فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے نہ اباحت ان کے نزدیک کافی ہے اور نہ قیمت کی ادائیگی جائز ہے اور چونکہ کھانا کھلانے میں **من قبل ان یتما سا** کی قید نہیں ہے۔اس لئے درمیان میں جماع حنفیہ کے نزدیک مخل کفارہ نہیں ہوگا۔لیکن امام شافعیؒ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے تیسری صورت کو پہلی دونوں صورتوں پر قیاس کر کے **من قبل ان یتما سا** کی شرط مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مطلق و مقید اگر دو واقعوں میں بھی الگ الگ ہوں گے تب بھی مطلق کو مقید سمجھا جائے گا برخلاف حنفیہ کے وہ ایک حادثہ میں بھی مطلق و مقید کو الگ الگ رکھتے ہیں اور راجح یہی اصول معلوم ہوتا ہے کیونکہ شارع کے نزدیک یہ قید اگر ضروری ہوتی تو مطلق کیوں ارشاد فرماتے ہیں۔پھر شوہر کے ظہار کے بعد کفارہ کی ادائیگی پر شوہر کو مجبور کرنا بیوی کا حق ہے۔صاحب کشاف اور صاحب مدارک دونوں نے فرمایا کہ عورت قاضی کے یہاں مرافعہ کرسکتی ہے اور قاضی شوہر کو مجبور کرے گا۔بلکہ کفارہ ظہار ہی ایسا کفارہ ہے جس میں خاوند کو جیل بھی بھیجا جاسکتا ہے تاکہ بیوی کی حق تلفی نہ ہو۔ان الذین یحادون اہل مکہ مراد ہیں۔اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے فتح وکامرانی اور دشمنوں کے ذلیل ورسوا ہونے کی بشارت ہے۔ **کبتوا کما**۔فی تحقق اور یقین کے لئے لائی گئی ہے۔

ونسوه ۔غفلت وتساہل مراد ہے۔

ما یکون ۔مانافیہ اور کان تامہ ہے اور من زائدہ ہے۔

نجوی ۔مصدر بمعنی تناجی، فاعل ہے۔سرگوشی اور پوشیدہ گفتگو کے معنی ہیں اس میں اللہ کے علم کی وسعت مقصود ہے۔

الا وهو ۔محل نصب میں ہے۔استثناء مفرغ حال ہے۔ابو جعفرؒ کی قراءت ماتکون ہے۔نجویٰ مونث ہونے کی وجہ سے لیکن عام قراءت بقول ابوالفضلؒ مذکر کے صیغہ سے ہے۔

ولا اکثر ۔عام قراءت جر کی ہے نجویٰ پر عطف کی وجہ سے۔لیکن حسنؒ، اعمشؒ، ابن ابی اسحٰق، ابوحیوہ یعقوبؒ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے نجویٰ کے محل پر عطف کرتے ہوئے من زائد ہوگا۔اور نجویٰ مصدر ہونے کی صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔

ای من ذوی نجوی اور بمعنی متناجین ہو تو پھر حذف مضاف کی ضرورت نہیں ہوگی۔اور دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ ادنیٰ مبتداء ہو اور الا ھو معھم اس کی خبر اور ولا اکثر کا عطف ادنیٰ مبتداء پر ہو۔

الم تر ۔یہود ومنافقین مراد ہیں۔

بما لم یحیک ۔ ذمی کافر کے سلام کے جواب میں علماء کی رائے مختلف ہے۔ ابن عباسؓ، شعبیؒ قتادہؒ ظاہر امر کی وجہ سے واجب کہتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں واجب نہیں ہے۔ صرف علیک جواب میں کہہ دینا کافی ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک حدیث کی وجہ سے جواب میں وعلیک کہنا واجب ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں علاک السلام کہنا چاہیے۔ یعنی سلامتی تجھ سے اٹھتی ہے۔ اور بعض مالکیہ کے نزدیک السلام علیک جواب دینا چاہیے۔ سلام کے معنی پتھر کے ہیں۔ یعنی تجھ پر پڑیں پتھر۔

انما النجویٰ من الشیطان ۔ یعنی غیبت اور آبروریزی کی باتیں مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے شیطانی جال ہے۔ جس میں خود سرگرشی کرنے والے پھنسیں گے۔ اہل معرفت کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی آبروریزی میں غوروخوص سے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

ولیس بضارھم شیئا الا باذن اللّٰہ ۔ اس میں غیبت چغلخوری کرنے والوں کے لیے تخویف ہے۔

تفسحوا ۔ صحابہ چونکہ مجلس نبوی کے لئے تنافس کرتے تھے اس لئے تفسح کا حکم دیا گیا ہے۔

یفسح اللّٰہ اسی طرح **یرفع اللّٰہ** دونوں مجزوم ہیں جواب امر جواب شرط کی وجہ سے انشزوا مجلس میں تنگی کی وجہ سے اٹھنے کو کہا جائے تو اس کی تعمیل مقصود ہے، یا اذان کے بعد نماز وجماعت میں سستی سے منع کرنا مقصود ہے۔

الذین اوتوا العلم ۔ عطف خاص علی العام ہے۔ اہل علم کی فضیلت اس سے واضح ہے۔

بین یدی نجوکم ۔ اس میں حضور ﷺ کی توقیر غرباء ومساکین کا انتفاع اور کثرت سوال سے روکنا اور مخلص ومنافق میں امتیاز اور محب دنیا اور محبّ آخرت میں فرق کرنے کے لئے صدقہ کا حکم دیا گیا۔ بعض کے یہ حکم واجب تھا اور بعض کے نزدیک مستحب۔

فان لم تجدوا ۔ اس کی خبر محذوف ہے، جس کی طرف سے مفسرؒ نے **فلا علیکم** سے اشارہ کیا ہے اور **فان اللّٰہ** الخ جزاء کی علت ہے۔

اذلم تفعلوا ۔ اس میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ ماضی ہے جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ اذ کے معنی میں ہے۔ تیسرے یہ ہے کہ ان شرطیہ کے معنی میں ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت کے آخر میں رسالت کا مضمون تھا۔ اور اس سورت کے شروع میں قد سمع اللّٰہ ہے جو مسائل توحید میں سے ہے اسی طرح پچھلی سورۃ کے اخیر میں اہل ایمان کی اخروی فضیلت کا بیان تھا۔ اس سورت کے شروع میں اہل ایمان پر دنیوی فضل کا بیان ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں جو سختی تھی اسلام نے اس کو نرم کردیا۔

آیت **ان الذین یحادون** میں اللہ ورسول کے خلاف کرنے والوں کے لئے وعید ہے خواہ وہ کافر ہوں یا منافق۔ بالخصوص یہود ان میں دونوں قسم کے مخالفین تھے۔

الم تر ان اللّٰہ یعلم سے سرگوشی کے سلسلہ میں پھر آیت **یا ایھا الذین اٰمنوا اذا قیل** الخ سے کچھ آداب مجلس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شانِ نزول: .... ایک بار اوس بن صامتؓ کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمبستری کی خواہش کی۔ بیوی نے معذرت کی۔ اوسؓ نے خفا ہو کر الفاظ ظہار **انت علی کظھر امی** کہہ دیئے۔ پرانے دستور کے مطابق ظہار کرنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ اس لئے خولہ صورت حال کی نزاکت سے پریشان ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لئے آپ نے رواج کے مطابق فرمادیا کہ **مااراک الاقد حرمت علیہ** ۔ یعنی میرے خیال میں تو شوہر کے لئے حرام ہوگئی۔ وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگی کہ پھر بچوں کا کیا ہوگا؟ اور عرض کیا "ما ذکر طلاقا" یعنی شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں کہا تھا۔ پھر طلاق کیسے ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ **ما امرت فی شانک بشیء حتی الاٰن** ۔ یعنی اس بارہ میں اب تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ خولہ بنت ثعلبہ نے

دعا کی۔ اللھم انی اشکوالیک اس پر آیات قد سمع اللہ ؒ نازل ہوئیں۔ خولہؓ کے بار بار اصرار کو مجادلہ کہا گیا ہے حقیقی جدال ونزاع مراد نہیں۔ ابن عباسؓ ما احسن عقلھا حیث جادلت مع رسول اللہ و لم تجادل مع اللہ بل شکت الیہ ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ انا سمعنا المجادلۃ مع الرسول ولم نسمع الشکوی الی اللہ واللہ قد سمعھا ۔ بہر حال جاہلیت میں بیوی کو ماں کہنے سے ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی تھی۔ ان آیات میں اصلاح کا حاصل یہ ہے کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے جب حقیقی ماں نہیں بن گئی تو اس کی ابدی حرمت بیوی میں کیسے آ گئی۔ سورۂ احزاب میں بھی فرمایا گیا ہے، وماجعل ازواجکم اللائی تظاھرون منھن امھاتکم ۔

سنہ ۴ھ یا ۵ھ میں غزوہ احزاب ہوا تو اس سلسلہ میں آیات ان الذین یحادون نازل ہوئیں۔ جس میں روئے سخن اہل مکہ کی طرف ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے بشارت ہے۔ آیت الم تر الی الذین یہود اور منافقین کے متعلق نازل ہوئی۔ مسلمانوں کو رنجیدہ اور کبیدہ کرنے کے لئے۔ چپکے چپکے کانا پھوسی کیا کرتے تھے اور کن انکھیوں سے مسلمانوں کو دیکھتے جاتے۔ تاکہ مسلمان خلجان اور وساوس میں پڑ جائیں۔ اسی طرح یہ دونوں مجلس نبوی میں آتے اور السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہتے ہیں جس کے معنی بددعا کے ہیں اور کھسر پھسر کرتے ہوئے کہتے۔ لولا یعذ بنا اللہ بما نقول اس پر آیت واذا جاءوک الخ نازل ہوئی علیٰ ہذا ایک مرتبہ آپ صفہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ مجمع زیادہ تھا۔ جو اہل بدر آئے انہیں کہیں جگہ نہ ملی اور نہ اہل مجلس مل کر بیٹھے۔ کہ جگہ کھل جاتی آپ نے دیکھا تو بعضوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرمادیا۔ منافقین طعن کرنے لگے کہ کہاں کا انصاف ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ اس پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھول دے۔ لوگوں نے جگہ کھول دی اس پر آیت یاایھا الذین امنوا اذا قیل الخ نازل ہوئی۔ اسی طرح کچھ مالدار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دیر تک سرگوشی کیا کرتے جس سے غرباء کو استفادہ کا کم موقع ملتا آپ کو بھی اسی طرح یہ طویل سرگوشی ناگوار گزرتی۔ بلکہ زید بن اسلم سے بلاسند فتح البیان میں منقول ہے کہ کچھ یہود و منافقین بلاضرورت بھی سرگوشی کیا کرتے تاکہ مسلمان آنحضرت سے ان کا قرب سمجھیں اور انہیں کسی ضرر کا ایہام ہو جائے۔ جس سے مخلصین کو تکدر رہتا۔ آیت نھوا عن النجویٰ میں اولاً اس سے روکا گیا ہے لیکن باز نہ آئے تو آیت اذا ناجیتم الرسول نازل ہوئی جس سے بدباطن لوگوں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ لیکن پھر بعض صاحب استطاعت مخلصین کو بھی صدقہ کی ادئیگی کی پابندی سے تنگی پیش آئی۔ چنانچہ سعد بن منصورؒ، حضرت علیؓ سے تخریج کرتے ہیں۔ ما عمل بھا احد قبلی ولا یعمل بھا احد بعدی کان عندی دینار ، فبعتہ بعشرۃ دراھم فکنت کلما نا جیت النبی ﷺ قد مت بین یدی نجویٰ درھما ثم نسخت فنزلت االشفقتم الخ ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں اذا کنتم ثلا ثۃ فلا یتنا جی اثنان دون الثالث الا با ذنہ ۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے یہ حکم ہر زمانہ اور ہر وقت کے لئے عام ہے۔ ابن عمر، امام مالک اور جمہور کی رائے یہی ہے خواہ سرگوشی واجب کے سلسلہ میں ہو یا مندوب ومباح کے متعلق ہو۔ کیونکہ رنجیدہ ہونے کا امکان سب میں ہے۔ البتہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ جب کہ مومن ومنافق حقیقۃً تھے اور منافق مسلمانوں کو ستانے کے لئے سازشیں کرتے تھے لیکن جب اسلام پھیل گیا اب یہ حکم نہیں ہے اور بعض حضرات اس کو سفر وغیرہ کے مخصوص حالات کے لئے مانتے ہیں۔ جہاں ایک دوسرے سے خطرہ ہو سکتا ہے لیکن وطن میں اور جہاں قابل اعتماد حمایتی موجود ہو اس پابندی کی ضرورت نہیں رہتی۔

﴿ تشریح ﴾: ....ظہار کا رواج اسلام سے پہلے عرب میں تھا اور اس سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ اوس بن صامت اور ان کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کے واقعہ ظہار نے ہمیشہ کے لئے اس کی سختی کو ختم کردیا۔ قد سمع کے یہی معنی ہیں اور خولہ کی فریاد باصرار کو مجادلہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حکم کا حاصل یہ ہے کہ ظہار میں ابدی حرمت کا کوئی سبب پایا نہیں جاتا۔ نہ حرمت نسبی ہے نہ حرمت سببی ہے۔ پھر ہمیشہ کے لئے حرمت کیسی کسی کو ماں کہہ دینے یا بیٹا کہہ دینے سے کوئی حقیقت تو تبدیل نہیں ہو جاتی۔ تاہم بے احتیاطی سے بولنے کی سزا یہ ہے کہ کفارہ دینے تک بیوی حرام رہے گی۔

ظہار کسے کہتے ہیں:..........حنفیہ کے نزدیک ظہار کسے کہتے ہیں۔ بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ایسے عضو سے حرام ہونے کی نیت سے تشبیہ دی جائے جس کی طرف اس کو دیکھنا منع ہے۔ ظہار کا حکم یہ ہے کہ کفارہ ہی بیوی کو حلال کرسکتا ہے۔ ظہار کے مختصر مگر ضروری مسائل یہ ہیں۔

احکام ظہار:..........۱۔ زیادہ تر کمر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہوگی کہ اکثر مجامعت کے وقت بیوی کمر پر لیٹتی ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ جیسے ماں کو اس نیت سے لٹانا حرام ہے۔ اسی طرح بیوی کو بھی حرام سمجھتا ہوں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کی تشبیہ میں بھی مناسبت نکال لی جائے گی۔

۲۔ منکم میں خطاب چونکہ مسلمان بالغوں کو ہے اس لئے کافر یا نابالغ مسلمان کا ظہار حقیقی نہیں۔

۳۔ نساء سے چونکہ منکوحہ بیویاں مراد ہیں۔ اس لئے اپنی باندی سے ظہار نہیں ہوگا۔

۴۔ ظہار کرنا گناہ ہے اور بعض کے نزدیک گناہ کبیرہ۔

۵۔ کفارہ ادا کئے بغیر بیوی سے صحبت اور اس کے دواعی حرام رہیں گے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ **فلا تقربها حتیٰ تفعل ما امرک الله** ۔

۶۔ کسی وجہ سے ایسی بیوی سے صحبت یا دواعی صحبت کا ارادہ نہ ہو اور اس کو خاوند طلاق دے دے یا بیوی مر جائے تو اس گناہ کی معافی توبہ سے ہو جائے گی کیونکہ کفارہ صحبت کے لئے شرط ہے گناہ کے لئے نہیں۔

۷۔ بغیر ارادہ صحبت اگر کفارہ ادا کرے تب بھی صحبت حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ کفارہ کے نفس وجوب کا سبب تو ظاہر ہے مگر وجوب ادا کا سبب ارادہ صحبت ہے۔ پس نفس وجوب کے بعد کفارہ ادا کرنا صحیح ہو جائے گا۔ البتہ اس کی ادائیگی بغیر ارادہ صحبت واجب نہ ہوگی بلکہ صرف توبہ کافی ہے۔ پس آیت میں عود کے ساتھ مقید کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کفارہ کے بغیر صحبت جائز نہیں ہے۔ نہ کہ بدوں ارادہ صحبت کے کفارہ بھی جائز نہیں غرضیکہ ارادۂ صحبت کے وقت تو ظہار کا تدارک کفارہ سے ہوگا اور بغیر ارادۂ صحبت کے توبہ سے تدارک ہو سکے گا۔

۸۔ غلام باندی آزاد کرنے یا روزے رکھنے کے درمیان اگر شوہر نے صحبت کرلی تو از سر نو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کھانا کھلانے کے درمیان صحبت کرلی تو تجدید کفارہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ گناہ ہوگا جس کے لئے توبہ کرنی ہے۔

۹۔ چونکہ فی زمانہ کہیں غلام باندی نہیں ہیں اس لئے کفارہ صرف روزوں اور کھانا کھلانے کے ذریعہ ادا ہوگا۔

۱۰۔ کچھ مسائل سورۂ نساء کفارہ قتل کے ذیل میں اور کچھ مسائل سورۂ مائدہ کفارۂ یمین کے تحت گزر چکے ہیں اور ظہار کے متعلق تفصیل سورۃ احزاب آیت ماھن امہاتہم الخ میں گزری ہے۔ **ان الله سمیع علیم** ۔ اللہ تو سب ہی کی سنتا دیکھتا ہے وہ اس عورت کی گفتگو کیوں نہیں سنتا جو آپ سے ہوئی بے شک وہ عورت مصیبت زدہ تھی جس کی فریاد رسی اور ہمیشہ کے لئے اس قسم کے واقعات سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ بتلا دیا۔

کفارہ ظہار میں سرزنش کا پہلو:..........**ما ھن امہاتہم**۔ بیوی اس کہہ دینے سے حقیقی ماں کیسے بن سکتی ہے؟ کہ حقیقی ماں کی طرح ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے۔ ہاں کوئی جب اپنی بدتمیزی سے ایک غلط اور نامعقول بیہودہ بات کہہ دے تو اس کی تادیب یہ ہے کہ کفارہ ادا کرے۔ عورت کو اس کے بغیر ہاتھ نہ لگائے، پر بیوی اسی کی رہی۔ محض ظہار سے طلاق نہیں پڑ گئی۔ زمانہ جاہلیت میں جو ایسی حالت ہو چکی وہ معاف ہے۔ لیکن اب احتیاط کرو۔ پھر بھی اگر کسی سے یہ غلط ہو جائے تو توبہ کرے اور بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ ادا کرے۔ ذٰلکم توعظون کفارہ، تنبیہ و نصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو اور دوسرے بھی باز رہیں۔

آداب مجلس اور معاشرتی اصلاح:............ان الذین یحادون ۔یہود و منافقین محض مسلمانوں کو پریشان اور شکستہ خاطر کرنے کے لئے فرضی سرگوشیاں کرتے اس پر سرزنش کی گئی ہے۔اسی طرح مجلسی آداب اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں پہلے تو علیک سلیک صحیح کرنے کا سبق دیا گیا۔اور پھر جگہ تنگ ہونے پر اولاتو آپ نے ممکنہ حد تک نئے آنے والوں کے لئے گنجائش پیدا کرنے کا حکم دیا جن کے دلوں میں جگہ تھی انہوں نے باہر بھی جگہ کھول دی۔لیکن جن کے دل تنگ تھے وہ گھٹتے رہے مگر اپنی جگہ سے کھسکے نہیں تو آپ نے تادیباان کو اٹھادیا اور نئے آنے والوں نے ان کی جگہ سنبھال لی تاکہ پرانوں کی طرح نئے لوگ بھی استفادہ کرسکیں۔جیسا کہ مدارس میں طلبہ اساتذہ سے بطور تناوب درسی استفادہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک جماعت جارہی ہے دوسری آرہی ہے یا ایک کتاب ختم ہورہی ہے اور دوسری شروع ہورہی ہے اس سے استفادہ محدود نہیں رہتا بلکہ وسیع ہوجاتا ہے۔سب کو موقع مل جاتا ہے مگر روگی دلوں کو یہ ناگوار ہوا۔اسی طرح بعض پیسہ والے آتے اور دوسروں پر رعب جماتے اور فرضی تقرب جتلانے کے لئے آنحضرت ﷺ سے طویل سرگوشی کرتے۔آپ غایت اخلاق سے ان کو روک تو نہیں سکتے۔مگر طبعاً ناپسند کرتے اور غریب عوام محروم رہتے۔کیونکہ جب سارا دن مجلس خاص چلتی رہے تو پھر مجلس عام کب ہوگی؟ اس لئے مصلحتاً اس پر روک لگانے کے لئے پیشگی رقم کی ادائیگی لازم کردی گئی۔جس سے غیر مخلصین کی بھیڑ تو چھٹ گئی مگر بعض درمیانی درجہ کے مخلصین کو تنگی ہونے لگی۔کہ وہ نہ تو پورے نادار تھے کہ رخصت سے فائدہ اٹھالیں اور نہ پورے مالدار کے بے دھڑک خرچ کر ڈالیں اور پھر سرگوشی کوئی اس درجہ کی چیز نہیں تھی کہ اس کو عبادت کا درجہ دے کر لازمی خرچ کیا جائے۔اس لئے جلد ہی اس پابندی کو واپس لے لیا گیا۔

احصاہ اللہ ونسوہ۔یعنی ان کو عمر بھر کے بہت سے کام یاد ہی نہیں رہے یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی۔لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں وہ سارا دفتر اس دن کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

مشورہ اور ارکان شوریٰ:............ما یکون من نجویٰ ۔مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو اختلاف کی صورت میں ترجیح دشوار ہوتی ہے۔اس لئے اہم معاملات میں طاق عدد رکھتے ہیں اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین پھر پانچ تھا۔اس لئے ان دو کو اختیار کر کے آگے تعمیم کر دی۔رہا حضرت عمرؓ کا خلافتی شوریٰ کو چھ افراد پر دائر کرنا جو طاق عدد نہیں ،اس لئے ہوگا کہ اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق یہی چھ حضرات تھے جن میں سے کسی ایک کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔پھر خلافت کا انتخاب انہی چھ میں سے ہورہا تھا۔ظاہر ہے کہ جس کا نام آتا ،رائے دینے والے تو اس کے سوا پانچ افراد ہی رہتے۔پھر بھی احتیاطاً حضرت عمرؓ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لئے عبداللہ بن عمرؓ کا نام لیا تھا۔ الم تر الی الذین نھوا ۔مجلس نبوی ﷺ میں بیٹھ کر ناحق اہل مجلس کا مذاق اڑاتے ،ان پر نکتہ چینیاں کرتے ،آپس میں کھسر پھسر کرتے اور آنکھوں سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے۔اور حضرت کی بات سن کر کہتے یہ مشکل کام ہم سے نہیں ہوسکے گا۔سورہ نساء میں ایسی سرگوشیوں سے منع بھی کیا جاچکا تھا۔مگر یہ موذی بے حیا پھر اپنی حرکتوں اور شرارتوں سے باز نہ آتے۔اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب:............حیوک بمالم یحیک بہ اللہ۔یہودی اور منافقین آپ کو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہہ کر سلام کرتے۔جس کا دھمکی آمیز جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔احادیث میں آتا ہے کہ آپ جواب میں صرف وعلیک فرمادیتے۔یعنی تمہاری پیش کش واپس، تمہیں ہی مبارک ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہودی کے السام کے جواب میں علیک السام واللعنۃ کہہ دیا آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔صدیقہؓ بولیں یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے خیال نہیں فرمایا اس نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خیال نہیں کیا میں نے کیا کہا؟ یعنی جواب میں صرف علیک کہہ کر اس کا تحفہ اسی کو واپس کردیا۔ہمیں اپنی زبان کو گندہ نہیں کرنا چاہیے۔فقہا نے لکھا ہے کہ کفار کے سلام کے جواب میں صرف علیک کہہ دیا جائے یا ہداک اللہ کہنا چاہیے لیکن اگر" آداب عرض ہے" بندگی بجالاتا ہوں، تو انہیں جملوں کو دہرانے کی اجازت

ہے۔ البتہ ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہیے اور سلام کے جواب میں سلام نہیں کہنا چاہیے کیونکہ کافر کی سلامتی کفر کی سلامتی ہے جو مطلوب نہیں۔ بلکہ ہدایت مطلوب ہے البتہ دفع ضرر کے لئے دونوں باتوں کی اجازت ہے۔

سرگوشی کی حدود:............**فلا تتنا جوا**۔ ممکن ہے اس پر کوئی شبہ کرے کہ منافقین کو **فلا تتنا جوا بالاثم** کہا گیا ہے۔ مگر وہ کہہ سکتے ہیں ہم تو بر وتقویٰ کی سرگوشی کرتے ہیں اثم وعدوان کی سرگوشی نہیں کرتے۔ کیونکہ صورۃً تو دونوں ایک سی ہیں۔ ان میں فرق وامتیاز معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ کہ بر وتقویٰ کے مضامین، سرگوشی کے لائق بہت کم ہیں۔ ایسی سرگوشی تو شاذ ونادر ہی کبھی ہوگی۔ برخلاف شرارت وخباثت کے کہ اس میں سرگوشی بکثرت ہوتی ہے پس دونوں میں یہی ایک امتیاز کافی ہے۔ پھر اس کے علاوہ قرائن خارجیہ خصوصی احوال بھی دونوں سرگوشیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر سکتے ہیں۔

انما النجوی من الشیطان۔ منافقین کی کانا پھوسی مسلمانوں کو دلگیر کرنے کے لئے تھی۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب شیطان کی شرارت ہے۔ اور وہ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا ہے۔ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو لاکھ منصوبے یہ گانٹھ لیں بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اس لئے دلگیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ احادیث میں ہے کہ مجلس میں ایک آدمی چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی نہ کریں اس سے تیسرا دلگیر ہوگا یہ مسئلہ بھی اس آیت کے تحت آسکتا ہے۔ یہ تو خلوت کا ادب تھا آگے جلوت کا ادب ارشاد ہے۔

اہل مجلس کی رعایت:............**واذا قیل لکم تفسحوا**۔ حضور ﷺ پرنور کی مبارک مجلس میں ہر شخص آپ کا قرب چاہتا ہے۔ جس سے مجلس میں کبھی تنگی پیش آتی حتیٰ کہ اکابر صحابہؓ کو حضور ﷺ کے قریب جگہ نہ ملتی۔ اس لئے یہ احکام سرزد ہوئے تاکہ سب کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے۔ اور نظم وضبط قائم رہے اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیے خواہ وہ بالکل اٹھ جانے کو کہے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کر دے۔ پھر یہ انتظام خواہ مجلسی مصالح کے پیش نظر ہے یا صدر مجلس کو کسی خاص مشورہ یا عبادت یا آرام کے لئے خلوت کی ضرورت ہے، جس کے بغیر وہ کام نہ ہو سکیں یا ادھورے ہوتے ہوں۔ بہر صورت تعمیل کرنی چاہیے کہ اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھلاتا بلکہ انتہائی نظم وشائستگی سکھلاتا ہے **یرفع اللہ الذین امنوا** سچا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب وتہذیب سکھلاتا ہے۔ اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم وایمان جس قدر کمالات ومراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر جھکتے ہیں اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں۔ **من تواضع للہ رفعہ اللہ**، یہ کام جاہل بددین، متکبروں کا ہے محض اتنی سی بات پر لڑ پڑے کہ مجھے کیوں یہاں سے اٹھا دیا، وہاں کیوں بٹھا دیا۔ مجلس سے کیوں الگ کر دیا۔ بہر حال منافقین وہ تو منکم کی قید کی وجہ سے اس وعدہ سے خارج ہیں۔ دوسرے بے علم مگر اہل ایمان کے لئے بلند درجات ہیں۔ تیسرے وہ جو جامع ہیں ایمان وعلم کے، ظاہر ہے کہ ان کے لئے مزید بلندی درجات ہے کیونکہ علم وایمان سے معرفت واخلاص زیادہ ہوگا جس سے عمل اور اس کے اجر میں ترقی لازمی ہے۔

رسول اللہ سے خصوصی گفتگو اور اس سے پہلے خیرات کی مصالح:............**فقد موا بین یدی نجوٰکم صدقۃ**۔ منافقین تو اپنی بڑائی جتلانے کے لئے سرگوشی کر کے آپ کا وقت خراب کرتے۔ اور بعض مسلمان بھی غیر اہم باتوں میں سرگوشی کر کے دوسروں کو استفادہ سے رکاوٹ کا سبب بنتے۔ مگر مروت واخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے۔ اس لئے سرگوشی سے پہلے خیرات کا حکم دیا گیا۔ آیت میں تو اس کی کوئی مقدار نہیں آئی لیکن روایات میں مختلف مقداریں ذکر کی گئی ہیں۔ کوئی معین مقدار مقرر نہیں۔ تاہم معتد بہ ہونی چاہیے اس صدقہ میں کئی فائدے تھے۔ اس طرح غریبوں کی امداد ہو جاتی تھی۔ مخلص وغیر مخلص میں امتیاز، غیر ضروری سرگوشی سے نجات، منافقین تو بخل کے مارے چھٹ گئے اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں اللہ کو پسند نہیں۔

فاذلم تفعلوا۔ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ اس پر صرف میں

نے عمل کیا ہے۔صدقہ دلانے کا جو مقصد تھا جب وہ حاصل ہو گیا۔تو اس وقتی حکم کو بھی اپنا لیا جائے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں ہیں۔انہی سے کافی تزکیہ نفس ہو جائے گا۔

لطائف سلوک:.........**ذلکم توعظون**۔مالی کفارہ کو وعظ وتنبیہ کا سبب کہنا اس کی دلیل ہے کہ اصلاح نفس میں مالی جرمانہ کی خاصی تاثیر ہے۔مشائخ بھی اس تدبیر سے معالجہ کرتے ہیں لیکن خود مشائخ کو وہ جرمانہ وصول نہیں کرنا چاہیے۔

وتناجوا بالبر والتقوی۔کسی مصلحت سے تخلیہ میں گفتگو کے جواز کی یہ اصل ہے مشائخ کا اس پر بھی عمل ہے۔

اذا قیل لکم تفسحوا۔یہ اپنے عموم کے اعتبار سے بعض آداب مجلس مشائخ پر روشنی ڈال رہی ہے۔

یرفع اللہ الذین امنوا سے معلوم ہوا کہ عوام وخواص کے مراتب کی رعایت ضروری ہے مگر اس کا مدار شیخ کی رائے پر ہے نہ کہ ان کے اصحاب کی آراء پر

فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ۔اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سے سرگوشی بڑی بھاری بات ہے اس کی جراءت نہیں کرنی چاہیے

ءاشفقتم ان تقدموا۔اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب شیخ کو ہدیہ دینے پر قادر نہ ہو شیخ کو اس کی تسلی کرنا زیبا ہے۔وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ **اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا** هُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **قَوْمًا** هُمُ الْيَهُوْدُ **غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَّا هُمْ** اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ **مِّنْكُمْ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَلَا مِنْهُمْ ۙ** مِنَ الْيَهُوْدِ بَلْ هُمْ مُذَبْذَبُوْنَ **وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ** اَيْ قَوْلِهِمْ اَنَّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۴﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ فِيْهِ **اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۵﴾ مِنَ الْمَعَاصِيْ **اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً** سِتْرًا عَنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ **فَصَدُّوْا** بِهَا الْمُؤْمِنِيْنَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَيِ الْجِهَادِ فِيْهِمْ بِقَتْلِهِمْ وَاَخْذِ اَمْوَالِهِمْ **فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ** ﴿۱۶﴾ ذُوْاِهَانَةٍ **لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** مِنْ عَذَابِهٖ **شَيْئًا ؕ** مِنَ الْاِغْنَاءِ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۱۷﴾ اُذْكُرْ **يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ** اِنَّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ **كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ** مِنْ نَفْعِ حَلْفِهِمْ فِي الْاٰخِرَةِ كَالدُّنْيَا **اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ** ﴿۱۸﴾ **اِسْتَحْوَذَ** اِسْتَوْلٰى **عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ** بِطَاعَتِهِمْ لَهٗ **فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ؕ** اَتْبَاعُهٗ **اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿۱۹﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ** يُخَالِفُوْنَ **اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ** ﴿۲۰﴾ اَلْمَغْلُوْبِيْنَ **كَتَبَ اللّٰهُ** فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اَوْ قَضٰى **لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ** بِالْحُجَّةِ اَوِ السَّيْفِ **اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ** ﴿۲۱﴾ **لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ** يُصَادِقُوْنَ **مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا** اَيِ الْمُحَآدُّوْنَ **اٰبَآءَهُمْ** اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ **اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ** بَلْ يَقْصُدُوْنَهُمْ بِالسُّوْءِ وَيُقَاتِلُوْنَهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ كَمَا وَقَعَ لِجَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ **اُولٰٓئِكَ** الَّذِيْنَ لَا يُوَادُّوْنَهُمْ **كَتَبَ** اَثْبَتَ **فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ** بِنُوْرٍ **مِّنْهُ ؕ** تَعَالٰى **وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ**

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ بِطَاعَتِہٖ وَرَضُوْا عَنْہُ، بِثَوَابِہٖ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ یَتَّبِعُوْنَ اَمْرَہٗ وَیَجْتَنِبُوْنَ نَھْیَہٗ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَلْفَائِزُوْنَ۔

ترجمہ: ...... کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر کی (یعنی منافقین) جو ایسے لوگوں (یہود) سے دوستی کرتے ہیں۔ جن پر اللہ نے غضب کیا ہے یہ لوگ (منافقین) نہ تو تم میں ہیں (مومنین میں) اور نہ ان میں ہیں (یعنی یہود میں بلکہ وہ ڈانواڈول ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں (یعنی اس پر کہ وہ مومنین ہیں) اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ اس بات میں جھوٹے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے بے شک وہ بڑے بڑے کام (گناہ) کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنی مال و جان کی حفاظت) کے لئے سپر بنا رکھا ہے۔ پھر (ان قسموں کے ذریعہ مسلمانوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں (جہاد سے قتل کرکے مال لوٹ کر) سو ان کے ذلت (اہانت) کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے مال واولاد اللہ (کے عذاب) سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (آپ یاد کیجئے) اس روز کو جب اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا۔ سو یہ اس کے حضور بھی قسمیں کھائیں گے (کہ وہ مومن ہیں) جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور وہ یوں سمجھیں گے کہ ہم بڑی عمدہ حالت میں ہیں (دنیا کی طرح آخرت میں بھی قسم کھانے سے فائدہ ہو جائے گا) خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط (قابو) کر لیا ہے (شیطان کی پیروی کرنے سے) سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ (پیروکار) ہیں۔ خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ سخت ذلیل (شکست خوردہ) لوگوں میں ہیں۔ اللہ نے یہ بات لکھ دی۔ (لوح محفوظ میں یہ فیصلہ فرمادیا) کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (دلیل سے یا تلوار کے ذریعہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ طاقت ور زبردست ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ و رسول کے برخلاف ہیں گو وہ (مخالفین) باپ بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں (مسلمانوں کے، بلکہ وہ ایمان کی رو سے ان کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی ٹھانے ہوئے رہتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ میں سے بہت سوں نے کر دکھایا ہے) ان لوگوں کے دلوں میں (جو اپنے عزیزوں سے بے تعلق ہو گئے) اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو مضبوط کر دیا ہے۔ اپنے فیض (نور) سے اور ان کو باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ (ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے) ان سے راضی ہوگا اور وہ (اس کے ثواب سے) راضی ہوں گے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے (اس کے حکم کی پابندی اور ان کی ممانعت سے پرہیز کرتے ہیں) خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا (کامیاب) ہے۔

تحقیق و ترکیب: ......**ما ھم منکم** ۔ اس جملہ میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ مستانفہ مانا جائے محل اعراب میں نہیں ہوگا ۔ یعنی منافقین نہ خالص مومن ہیں اور نہ خالص کافر ضمیر ہم منافقین کی طرف راجع ہے۔ اور منھم کی ضمیر یہود کافروں کی طرف راجع ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تولوا کے فاعل کے حال سے کو حال کہا جائے گا۔ اس صورت میں معنی وہی رہیں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو قوما کی صفت ثانیہ کہا جائے۔ اب ضمیر ہم کا مرجع قوم یہود ہوگی اور منہم کی ضمیر دوستی کرنے والوں کی طرف راجع ہوگی۔ یعنی یہود نہ مسلمانوں میں ہیں اور نہ منافقین میں۔ بلکہ اس کے باوجود منافق ان سے وابستہ ہیں۔ بقول ابن عطیہؒ اس صورت میں انتشار ضمائر لازم آئے گا۔ جو پہلی دونوں صورتوں میں نہیں ہے **شیئا**۔ مفسرؒ نے من الاغناء سے اس کے مفعول مطلق ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے۔ **ای شیئا من غنائہ یوم یبعثھم** ۔ مفسرؒ نے اذکر سے اس کے مفعول بہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن لن تغنی کا ظرف بھی ہو سکتا ہے۔

استحوذ ۔ یہ لفظ بغیر تعلیل کے اصل حالت میں ہے تعلیل کے بعد استحاذ ہوگا جیسے **استعاذ اور استقام حذت الابل** کے معنی اونٹ پر قابو یافتہ

ہونے کے ہیں۔

فانساھم ۔منافقین جوذکراللہ کرتے وہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے۔

فی الاذلین ۔فی بمعنی مع ہے یا منجملہ اذلین کے شمار کیا گیا۔

کتب اللہ ۔چونکہ کتب بمعنی قسم کو متضمن ہے۔اس لئے جواب لاغلبن تاکید کے لئے لایا گیا۔لیکن مفسرؒ نے کتب کو اپنے معنی میں رکھا ہے اور قضی کے معنی میں بھی لیا ہے۔اس وقت لاغلبن قسم محذوف کا جواب ہوجائے گا وایدھم بروح روح کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں۔حسنؒ نصرۃ کے معنی اور ربیع بن انسؒ قرآن اور اس کے دلائل مراد لیتے ہیں۔ابن جریج نور و برہان وہدایت کہتے ہیں اور بعض نے رحمت الٰہی اور بعض نے جبرئیل کو مصداق کہا ہے۔

شان نزول:......... عبداللہ بن نبتل منافق آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شریک ہوتا اور آپ ﷺ کی باتیں سن کر یہود کو پہنچایا کرتا۔ایک روز آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تشریف فرماتھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج ایسا شخص آئے گا جس کا دل جبار کا اور آنکھیں شیطان کی ہوں گی۔چنانچہ اس کے بعد عبداللہ بن نبتل آیا جس کی آنکھیں نیلی تھیں۔آپ نے اسی سے فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے برا بھلا کیوں کہتے ہیں؟ مگر وہ اور اس کے ساتھی مکر گئے اور حلفیہ انکار کرنے لگے۔اس پر آیات الم تر الیٰ الذین نازل ہوئیں۔

ولا کانوا اباء ھم چنانچہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے والد کو غزوہ احد میں قتل کیا۔اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق نے غزوہ بدر میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مقابلہ کی دعوت دی۔جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضور ﷺ سے یہ عرض کرتے ہوئے اجازت چاہی۔دعنی اکن فی الوھلۃ الاولیٰ۔مگر آنحضرت ﷺ نے یہ کہہ کر رد کردیا۔ متعنا بنفسک یا ابا بکر اما تعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی و بصری ۔ علیٰ ھذا مصعب بن عمیرؓ نے غزوہ حمد میں اپنے بھائی عبد بن عمیر کو مار ڈالا۔نیز حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو اور حضرت علیؓ،حمزہؓ،ابوعبیدہؓ نے خاندانی لوگوں کو عتبہ شیبہ ولید بن عقبہ کو غزوہ بدر میں قتل کر ڈالا۔

تشریح:.........منافقین چونکہ دوغلے ہوتے ہیں اس لئے جس طرح فی الواقع وہ پورے طور پر کسی کے ساتھ نہیں ہوتے۔اسی طرح کسی کو ان پر بھروسہ بھی نہیں ہوتا۔وہ بظاہر دونوں طرف ہاتھ رکھ کر دوہرا نفع لوٹنا چاہتے ہیں۔مگر فی الحقیقت دوہرے ٹوٹے میں رہتے ہیں۔اس لئے ما ھم منکم ولا منھم فرمایا گیا ہے۔اور بےخبری اور انجان پنے سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاجاتے ہیں۔تاکہ مسلمانوں کو اپنائیت کا یقین دلا کر اپنے اعتماد میں لے سکیں۔

اتخذوا ایمانھم جنۃ۔حالانکہ یہی سب سے زیادہ جھوٹے اور سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔اللہ کے حضور پہنچ کر بھی جھوٹی قسموں سے اپنا کام نکالنا چاہیں گے۔اس سے بڑھ کر پرلے درجہ کا جھوٹ اور کیا ہوسکتا ہے کہ اللہ کے آگے بھی پرانی خصلت سے باز نہ آئے اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں۔بڑی اچھی چال چل رہے ہیں۔شاید اتنا کہہ دینے سے رہائی مل جائے۔

استحوذ علیھم الشیطان یعنی شیطان جس پر قابو پالیتا ہے اس کا دل ودماغ اسی طرح مسخ وماؤف ہوجاتا ہے۔اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے شاید محشر میں بھی اسے جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بےحیائی حماقت کا بھانڈا پھوڑنا ہے کہ اس دیوانہ کو اتنا ہوش نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ چلے گا؟ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے۔دنیا میں تو تباہ ہوا ہی آخرت بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے اور نہ شدید عذاب سے چھٹکارا کی کوئی سبیل ہے۔

ان الذین یحادون ۔اللہ ورسول کا مقابلہ کرنے والے حق وصداقت کے خلاف جنگ کرنے والے سخت ناکام وذلیل ہیں۔اللہ کہہ چکا ہے کہ

آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہے گا اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔

لطائف سلوک: **استحوذ علیهم الشیطان** الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نسیان کو اگر شیطان کا اثر کسی وقت محسوس کرو تو اس کا تدارک ذکر اللہ سے کرلینا چاہیے۔

لا تجد قوما سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت الہیہ کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے مخالفین سے اس کو نفرت ہو جائے۔

وایدهم بروح منه۔ یہ روح نور قلب ہے جس کو سکینہ اور نسبت بھی کہتے ہیں اس سے قلب کی حیات وابستہ ہونے کی وجہ سے روح سے تعبیر فرمایا گیا۔

سُــورَةُ الْحَشْرِ

سُوْرَةُ الحَشرِ مَدَنِيَّةٌ اَربَعٌ وَّ عِشرُوْنَ ايَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ اَىْ نَزَّهَهُ فَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وَفِى الْاِتْيَانِ بِمَا تَغْلِيْبٌ لِلْاَكْثَرِ، **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** ﴿۱﴾ فِى مُلْكِهِ وَصُنْعِهِ **هُوَ الَّذِىْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** هُمْ بَنُوْ النَّضِيْرِ مِنَ الْيَهُوْدِ **مِنْ دِيَارِهِمْ** مَسَاكِنِهِمْ بِالْمَدِيْنَةِ **لِاَوَّلِ الْحَشْرِ** هُوَ حَشْرُهُمْ اِلَى الشَّامِ وَاٰخِرُهُ اَنْ جَلَاهُمْ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِى خِلَافَتِهِ اِلٰى خَيْبَرَ **مَاظَنَنْتُمْ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ** خَبَرُ اَنَّ **حُصُوْنُهُمْ** فَاعِلُهُ بِهِ تَمَّ الْخَبَرُ **مِّنَ اللّٰهِ** مِنْ عَذَابِهِ **فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ** اَمْرُهُ وَعَذَابُهُ **مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا** لَمْ يَخْطُرْ بِبَالِهِمْ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَقَذَفَ** اَلْقٰى **فِىْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ** بِسُكُوْنِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا اَلْخَوْفُ بِقَتْلِ سَيِّدِهِمْ كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ **يُخْرِبُوْنَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ مِنْ اَخْرَبَ **بُيُوْتَهُمْ** لِيَنْقُلُوْا مَا اسْتَحْسَنُوْهُ مِنْهَا مِنْ خَشَبٍ وَغَيْرِهِ **بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ** ﴿۲﴾ **وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ** قَضٰى **عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ** اَلْخُرُوْجَ مِنَ الْوَطَنِ **لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا** بِالْقَتْلِ وَالسَّبْىِ كَمَا فَعَلَ بِقُرَيْظَةَ مِنَ الْيَهُوْدِ **وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ** ﴿۳﴾ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا** خَالَفُوْا **اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** ﴿۴﴾ لَهُ **مَا قَطَعْتُمْ** يَا مُسْلِمِيْنَ **مِّنْ لِّيْنَةٍ** نَخْلَةٍ **اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ** اَىْ خَيَّرَكُمْ فِى ذٰلِكَ **وَلِيُخْزِىَ** بِالْاِذْنِ فِى الْقَطْعِ **الْفٰسِقِيْنَ** ﴿۵﴾ اَلْيَهُوْدَ فِى اِعْتِرَاضِهِمْ بِاَنَّ قَطْعَ الشَّجَرِ الْمُثْمِرِ فَسَادٌ **وَمَآ اَفَآءَ** رَدَّ **اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ** اَسْرَعْتُمْ يَا مُسْلِمِيْنَ **عَلَيْهِ مِنْ** زَائِدَةٌ **خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ** اِبِلٍ اَىْ لَمْ تُقَاسُوْا فِيْهِ مَشَقَّةً **وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۶﴾ فَلَا حَقَّ لَكُمْ فِيْهِ وَيَخْتَصُّ بِهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهُ فِى الْاٰيَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ

الْاَصْنَافِ الْاَرْبَعَةِ عَلٰى مَاكَانَ يُقَسِّمُهُ مِنْ اَنَّ لِكُلٍّ مِّنْهُمْ خُمُسَ الْخُمُسِ وَلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَاقِي يَفْعَلُ فِيْهِ مَا يَشَآءُ فَاَعْطٰى مِنْهُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَثَلَاثَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ لِفَقْرِهِمْ **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى** كَالصَّفْرَاءِ وَوَادِي الْقُرٰى وَيَنْبَعَ **فَلِلّٰهِ** يَاْمُرُ فِيْهِ بِمَا يَشَآءُ **وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي** صَاحِبِ **الْقُرْبٰى** قَرَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ **وَالْيَتٰمٰى** اَطْفَالِ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ هَلَكَتْ اٰبَآءُهُمْ وَهُمْ فُقَرَآءُ **وَالْمَسٰكِيْنِ** ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ **وَابْنِ السَّبِيْلِ** الْمُنْقَطِعِ فِيْ سَفَرِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَيْ يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ وَالْاَرْبَعَةُ عَلٰى مَاكَانَ يُقَسِّمُهُ مِنْ اَنَّ لِكُلٍّ مِّنَ الْاَرْبَعَةِ خُمُسَ الْخُمُسِ وَلَهُ الْبَاقِيْ **كَيْ لَا** كَيْ بِمَعْنَى اللَّامِ وَاَنْ مُقَدَّرَةٌ بَعْدَهَا **يَكُوْنَ** الْفَيْءُ عِلَّةَ الْقِسْمَةِ كَذٰلِكَ **دُوْلَةً** مُتَدَاوَلًا **بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰكُمُ** اَعْطَاكُمْ **الرَّسُوْلُ** مِنَ الْفَيْءِ وَغَيْرِهٖ **فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ لِلْفُقَرَآءِ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ اَعْجَبُوْا **الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾** فِيْ اِيْمَانِهِمْ **وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ** الْمَدِيْنَةَ **وَالْاِيْمَانَ** اَيْ اَلِفُوْهُ وَهُمُ الْاَنْصَارُ **مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً** حَسَدًا **مِّمَّآ اُوْتُوْا** اَيْ اٰتَى النَّبِيُّ الْمُهَاجِرِيْنَ مِنْ اَمْوَالِ بَنِي النَّضِيْرِ الْمُخْتَصَّةِ بِهٖ **وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ** حَاجَةٌ اِلٰى مَا يُؤْثِرُوْنَ بِهٖ **وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ** حِرْصَهَا عَلَى الْمَالِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ** مِنْ بَعْدِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا** حِقْدًا **لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾**

ترجمہ:.........سورۂ حشر مدنیہ ہے جس میں ۲۴ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمان وزمین میں جو کچھ ہیں (اللہ کی پاکیزگی، لام زائد ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے لایا گیا ہے) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور کاریگری میں) وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو (یہود میں سے بنی نضیر کو) ان کے گھروں (مدینہ کی رہائش گاہوں) سے پہلے ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا، (یہ اخراج شام کی طرف ہوا پھر آخر کار عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو خیبر میں جلاوطن کردیا) تمہارا گمان بھی نہ تھا (اے مسلمانو!) کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کو بچالیں گے (ان کی خبر ہے) انکے قلعے (یہ فاعل ہے جس سے خبر پوری ہوگی) اللہ (کے عذاب) سے سو اللہ (کا حکم اور عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا (مسلمانوں کی طرف سے انہیں وہم بھی نہ تھا) اور ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا (ڈال دیا۔ رعب، سکون عین اور ضمہ عین کے ساتھ بمعنی خوف ان کے سرکردہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے) وہ اجاڑ رہے تھے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ، اخرب سے ماخوذ ہے) اپنے گھروں کو (تا کہ جو اچھی اچھی چیزیں لکڑیاں وغیرہ لے جاسکیں) خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی سو اے دانشورو عبرت حاصل کرو اور اللہ اگر ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا (وطن سے نکالنا) نہ لکھ چکا ہوتا (فیصلہ کر چکا ہوتا) تو ان کو

دنیا ہی میں سزا دے دیتا (قتل اور گرفتار کرا کر جیسا کہ یہود قریظہ کے ساتھ کیا گیا) اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دینے والا ہے جو کھجوروں کے درخت (اے مسلمانو!) تم نے کاٹ ڈالے یا ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم سے ہے (اسی نے تم کو اجازت دی ہے) اور تا کہ (کاٹنے کی اجازت دے کر) کافروں کو ذلیل کرے (یہود کو ان کے اس نکتہ چینی کے جواب میں کہ پھل دار درخت کو کاٹنا پاپ ہے) اور جو اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوادیا سو تم نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے (اے مسلمانو! من زائدہ ہے) اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس سلسلہ میں کوئی محنت برداشت نہیں کی تھی) لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (لہٰذا تمہارا اس میں کچھ حق نہیں بیٹھتا بلکہ وہ حضور ﷺ کے لئے مخصوص ہے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کے لئے جن کا ذکر دوسری آیت میں آرہا ہے یعنی چار قسمیں جن پر آپ نے تقسیم فرمایا کہ ان میں سے ہر قسم کو پانچویں حصے سے میں پانچواں حصہ مرحمت فرمادیا باقی آپ کا ہے آپ جو چاہیں کریں، چنانچہ کچھ مہاجرین اور تین انصار کو ان کی غربت کی وجہ سے آپ نے عطا کیا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلوایا (جیسے صفراء، وادی قری، ینبع کے رہنے والوں سے) وہ اللہ کا حق ہے (جیسا چاہے حکم دے) اور رسول کا اور قرابت داروں کا (آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں) اور یتیموں کا (مسلمانوں کے وہ بچے جن کے باپ مرگئے اور وہ غریب ہیں) اور غریبوں (مسلمان حاجتمندوں) کا اور مسافروں کا ہے (جو مسلمان سفر میں ساتھیوں سے بچھڑ جائیں یعنی آنحضرت ﷺ اور چاروں قسمیں جن کو آنحضرت ﷺ نے مرحمت فرمایا یعنی ان چار قسموں کو خمس الخامس دیا اور باقی خود رکھا) تا کہ (کی بمعنی لام ہے اس کے بعد ان مقدر ہے) وہ قبضہ میں نہ آجائے تمہارے دولتمندوں کے اور رسول جو کچھ تم کو عنائتیں فرمادیا کریں (فئی وغیرہ میں سے) وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا کریں تم رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ان حاجتمندوں کے لیے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے یعنی تعجب کرو) جو مہاجرین اپنے گھروں سے اور اپنے محلوں سے جدا کردئے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں اور وہ اللہ ورسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں (ایمان کے لحاظ سے) اور ان لوگوں کے لئے جو دارالاسلام (مدینہ) اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں (یعنی انہیں اس سے الفت ہے انصار مراد ہے) ان سے پہلے ان کے پاس جو ہجرت کر کے آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے (یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے خاصۃ بنونضیر میں سے جو کچھ مہاجرین کو عطا فرمادیا) اور انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو (ایثار کی ہوئی چیز کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو) اور جو شخص طبعی بخل (حرص مالی) سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد ہیں (مہاجرین اور انصار کے بعد قیامت تک) جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ (عداوت) نہ ہونے دیجیے اے ہمارے پروردگار آپ بڑے شفیق اور رحیم ہیں۔

تحقیق وترکیب:.........لاول الحشر، اس کا تعلق اخرج سے ہے لام فوقیت کا ہے اور صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہو رہی ہے

ای للحشر الاول ۔ یہود مدینہ کے حشر چار ہیں پہلے بنونضیر کی جلاوطنی، پھر اہل خیبر کی جلاوطنی پھر اخیر زمانے میں قعر عدنان سے ایک آگ برآمد ہو کر لوگوں کو جمع کرے گی اور آخری حشر قیامت میں ہوگا، بنونضیر عام طور پر تو شام کے علاقہ اذرعات اور اریحا میں منتقل ہو گئے البتہ ابوالحقیق اور حی بن اخطب کے خاندان خیبر چلے گئے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بقول مفسر خیبر کی جانب جلاوطنی نہیں ہوئی بلکہ خیبر سے سب کو جلاوطن کیا گیا اسلئے تفسیری عبارت الی خیبر ہونی چاہیے تھی بنونضیر حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

مانعتهم حصونهم ۔ اس میں خبر مقدم ہے خطیب میں اس کی دو ترکیبیں لکھی ہیں ایک یہ کہ حصونہم مبتدا اور مانعتہم خبر مقدم ہے اور یہ

جملہ انہم کی خبر ہے دوسرا یہ کہ انہم کی خبر مانعتہم ہے اور حصونہم فاعل ہے جیسا کہا جائے ان زیدا قام ابوہ اور ان عمرا قائمۃ جاریتہ اس صورت میں حصونہم کا اعتماد مبتدا پر ہوگا۔

فاتاھم اللّٰہ مفسر رحمہ اللہ نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اسلئے اب یہ شبہ بھی نہیں کہ اللہ تو آنے جانے سے پاک ہے یہ اجسام اور حوادث کی صفات ہوتی ہیں کیونکہ امر الٰہی کا آنا مراد ہے تفسیری عبارت ''من جہۃ المؤمنین'' میں اضافت بیانیہ ہے یعنی عذاب الٰہی مؤمنین کی طرف سے آیا ہے، جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں تھا کعب بن اشرف جو یہود کا سرگروہ تھا اس کو محمد بن سلمہ انصاریؓ نے قتل کر ڈالا جو اس کے رضاعی بھائی تھے۔

من لینۃ مفسر نے نخلہ کہہ کر دونوں کے ہم معنی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ ابن عباس، عکرمہ، عطیہ، مجاہد، عمرو بن میمون، زہری سے منقول ہے کہ اللینۃ الوان النخل کلہا الا العجوۃ اور زمخشری لینۃ کے متعلق کہتے ہیں ماعدا العجوۃ والبریۃ وہما اجود النخل۔

فباذن اللّٰہ مفسر نے علت محذوفہ کی طرف اشارہ کیا ہے ای اذن لکم فی القطع لیخزی الخ وانتم منتھون عن الفساد فی الارض فنزلت ما افاء اللّٰہ، فیٔ کے معنی رجوع کے ہیں گویا اصل سے سارا مال اللہ کے رسول ﷺ اور مؤمنین کا تھا جس پر یہود قابض ہو گئے تھے اب پھر وہ مال مسلمانوں کے پاس واپس ہو گیا اور بے محنت ومشقت مل گیا اسی لئے لارکاب فرمایا (خیبر مدینہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر ہے) چنانچہ فئے اسی مال کو کہتے ہیں جو بغیر غزوہ اور جہاد کے حاصل ہو جائے وہ پیغمبر کے لئے خاصہ کہلاتا ہے پیغمبر جہاں چاہے اسکو صرف کرے اور اس کے خلفاء متولی اور نگران ہوتے ہیں اس مال کی مثال اس جیسی ہے جس کا مالک معلوم نہ ہو یا ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو، یا جزیہ کی رقم اور ذمیوں سے آمدنی یا زمین کا خراج، مال فئے کا حکم مال غنیمت جیسا نہیں کہ عام مجاہدین پر تقسیم ہو بلکہ وہ خاصہ ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال فئے مہاجرین میں تقسیم فرمایا اور انصار میں سے صرف تین غریبوں کو عنایت فرمایا یعنی بقول بغوی ابودجانہ اور سہل بن حنیف اور حارث بن الصمۃ کو، بقول زہری صرف اول الذکر دو کو دیا۔

من اھل القری ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے بنو قریظہ اور بنو نضیر مراد ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے.........اور فدک اور خیبر اور قری عرینہ اور ینبع بھی مراد ہیں، ینبع ایک قلعہ اور ڈیوڑھی سی تھی جس میں چشمے باغات اور کھیت تھے، مال فئے کی تقسیم میں اختلاف ہے، بعض نے تو ظاہر آیت کی وجہ سے چھ حصے کئے جن میں سے اللہ کا حصہ تو بیت اللہ، مساجد وغیرہ میں صرف کیا جائے گا اور بعض کی رائے ہے کہ اللہ کا ذکر تو بطور تعظیم وتبریک کے ہے، چنانچہ قرطبی نے شوافع کی رائے بتلائی کہ اس آیت سورۂ انفال کی آیت کے معنی ایک ہی ہیں یعنی فئے کے پانچویں حصے کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ چاروں مذکورہ اقسام پر تقسیم کر دیا جائے گا اور باقی حصے آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہوں گے وہ جہاں چاہیں رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کریں اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء قائم مقام ہونگے اور ان اوقاف کے متولی سمجھے جائیں گے، البتہ امام شافعی کے ایک قول میں تو آپ کے مال فئے کے مستحق جہاد میں شریک ہونے والے مجاہدین ہونگے اور دوسرے قول میں اس کا مصرف عامہ مسلمین کے مصالح ہونگے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے لیس لی من غنائمکم الا الخمس والخمس مردود فیکم، آنحضرت ﷺ کے قرابت دار بنو ہاشم اور بنو مطلب اس لئے مستحق ہیں کہ وہ زکوٰۃ وصدقات نہیں لیتے، اس لئے مال فئے میں ان کا حق رکھا گیا، بہر حال فئے میں فقراء کا استحقاق نہیں ہے اور ابن السبیل اگرچہ مالدار ہو وہ بھی مصرف ہے کیونکہ روپیہ سردست اسکے پاس نہیں ہے، قافلہ سے بچھڑ گیا ہے اور گھر سے بھی الگ ہے، مفسر نے ولہ الباقی مکرر لا کر اپنے مسلک کی رعایت سے تاکید کردی۔

للفقراء لفظ اخرجوا اس میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے مال پر اگر کفار کا غلبہ ہو جائے تو کفار مالک ہو جائیں گے، کیونکہ اللہ نے مہاجر مسلمانوں کو فقیر کہا، حالانکہ مکہ میں جائیداد اور مال ودولت رکھتے تھے، معلوم ہوا کہ کافروں کے قبضہ میں چلے جانے سے یہ فقیر ہو گئے۔

یبتغون یہ حال ہے اور ینصرون بھی اس پر معطوف ہو کر حال ہے، لیکن حال مقدرہ ہے ای ناوین نصرۃ اللہ ورسولہ اذ وقت خروجہم۔

والذین تبوّءو بقول زمخشری المھاجرین پر عطف ہے یعنی للفقراء المھاجرین پر عطف ہے گویا عطف مفردات ہے۔

یحبون حال ہے یا مبتداء اور یحبون اس کی خبر ہوگی، مفسرؒ نے الفوہ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ یہ آیت علفتھا تبناً وماءً بارداً کے قبیل سے ہے، کیونکہ تبوء کا تعلق صرف دار سے ہے اور الایمان کا عامل الفوہ محذوف ہے، الفتِ ایمانی مراد ہے، اختصار کلام کی وجہ سے ایسا عطف جائز ہے، اور بعض نے تقدیر عبارت اخلصوا الایمان نکالی ہے اور بعض نے تبوء کے معنی نزول کے لئے ہیں اور بطور مجاز نزول سے لزوم مراد لیا ہے، ای الزموا المدینۃ والایمان اور بعض نے عبارت اس طرح مانی ہے، تبوؤ دار الھجرۃ ودار الایمان، اول سے مضاف الیہ اور ثانی سے مضاف حذف کر دیا اور مضاف الیہ کے عوض مضاف پر الف لام داخل کر دیا، مہاجرین کے بعد اس آیت میں انصار کی منقبت ہے، ویؤثرون ای المھاجرین مفعول محذوف ہے

خصاصۃ، قاموس میں ہے کہ خصاص اور خصاصۃ کے معنی فقر وخلل کے ہیں۔

ومن یوق شح، یوق وقایہ سے مجہول صیغہ ہے، محفوظ رکھنا اور شح کہتے ہیں حرص وبخل، ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے۔

ربط آیات: ....پچھلی سورۃ مجادلہ کے آخری حصہ میں زیادہ تر منافقین کی مذمت اور ان کی یہود دوستی کا ذکر تھا، اب سورۃ حشر کی ابتدائی آیات میں یہود کی کچھ سزا کا اور منافقین کی دوستی کا کارآمد نہ ہونا بیان کیا جارہا ہے، اسی سزا کے ذیل میں یہود کی جلاوطنی اور بعض احکام فئے ارشاد فرمائے گئے ہیں اور سورت کے آخری حصہ میں مسلمانوں کو کفار کے طور وطریق سے بچنے کے لئے آخرت کی تیاری کا حکم ہے اور یہ کہ وہ احکام الٰہیہ کی مخالفت سے بچیں، اور تاکید وتقویت کے لئے صفاتِ جلالیہ اور جمالیہ کا بیان ہے، پس اس طرح اخیر کے حصہ میں ابتدائی اجمال فاعتبروا کی فی الجملہ تفصیل بھی ہوگئی۔

شان نزول وروایات: ....پوری سورۃ حشر یہود بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود سے صلح کا معاہدہ ہوگیا، اس صلح میں قبیلہ بنو نضیر بھی شریک تھا، جو مدینہ سے مشرقی جانب دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا، اسی اثناء میں عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے مسلمانوں کے دو خون ہوگئے۔ اس کے خون بہا کے سلسلہ میں بنو نضیر کو شامل کرنے کے لئے آپ ان کی ڈیوڑھی پر تشریف لے گئے، تو ان لوگوں نے بظاہر آمادگی ظاہر کر کے آپ کو تو ایک جگہ بٹھا دیا کہ ہم ابھی انتظام کئے دیتے ہیں اور خود ایک سازش میں لگ گئے کہ اوپر سے آپ پر چکی کا پاٹ لڑھکا دیا جائے، تاکہ آپ کا کام تمام ہوجائے، اور روز بروز کا یہ قصہ ختم ہو۔ لیکن بذریعہ وحی آپ کو اس منصوبہ کا علم ہوگیا تو آپ وہاں سے اٹھ آئے اور کہلا بھیجا کہ چونکہ تم نے نقضِ عہد کیا ہے، اس لئے تمہیں دس دن کی مہلت ہے، اس مدت میں جہاں چاہو چلے جاؤ، ورنہ اس مدت کے بعد پھر جو شخص نظر پڑے گا اس کی گردن ماردی جائے گی، چنانچہ بنو نضیر نے کہیں چلے جانے کا تہیہ کرلیا، لیکن عبداللہ بن ابی نے اور بقول محمد بن اسحٰق وغیرہ ودیعہ بن مالک اور سوید وداعل نے بھی ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ تم کہیں مت جاؤ، میرے ساتھ دو ہزار کی جمعیت ہے اپنی جان دے دیں گے مگر تم پر آنچ نہ آنے دیں گے، بنو نضیر اس بھرم میں آگئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جاتے، آپ سے جو ہوسکے کر لیجئے۔ یہ سن کر آپؐ نے چڑھائی کردی، وہ لوگ تو قلعہ بند ہوگئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے، سامنے نہیں آسکے، چنانچہ آپؐ نے ڈیوڑھی کا محاصرہ کرلیا اور باغات کو کٹوا دیا، درختوں کو جلوا دیا، آخر تنگ آکر انہوں نے کہیں نکل جانا منظور کرلیا، آپ نے فرمایا ہتھیاروں کے علاوہ سب کچھ لے جانے کی اجازت ہے، اس طرح کچھ لوگ شام اور کچھ خیبر چلے گئے، اور حرص اور حسد کی حد کردی کہ گھروں کی چوکھٹ، بازو، کڑی، تختے ایک ایک کر کے سب سامان لاد لے گئے یہ ابتدائی جلاوطنی ۴ھ میں ہوئی جو حشر اول ہے، پھر فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں سب کو شام کی طرف نکال دیا یہ حشر ثانی ہوا اسی لئے شام کو ارض المحشر بھی کہتے ہیں اس تفصیل

کے پس منظر میں بھی کچھ واقعات ہیں، مثلاً معاہدۂ صلح کا حاصل یہ تھا کہ یہود غیر جانبدار رہیں گے، نہ مسلمان ان سے مدد کے خواہاں ہونگے اور نہ یہود مسلمانوں کے دشمنوں سے ساز باز کریں گے چنانچہ بدر میں جب مسلمانوں کی فتح ہوئی تو کہنے لگے کہ محمد تو نبی موعود ہیں اور جب احد میں شکست ہوئی تو تردد میں پڑ گئے حتی کہ کعب بن اشرف چالیس سواروں کو ہمراہ لے کر مکہ گیا اور مشرکین سے بات چیت کی، قریش بولے کہ تم اور محمد دونوں اہل کتاب ہو ہمیں تم پر اطمینان نہیں، آج معاہدہ کر کے کل کو باہم مل بیٹھو گے اس لئے ہمارے بتوں کو سجدہ کرو تو ہم جانیں کہ تم قابل اعتماد ہو چنانچہ کعب بن اشرف وغیرہ نے بتوں کو سجدہ کرلیا، ادھر ابوسفیان نے کہا **نحن اهدی سبیلاام محمد**؟ کعب نے کہا انتم جس کو آیت **الم ترالی الذین اوتوا نصیبامن الکتاب یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدی من الذین امنوا سبیلا** میں ذکر فرمایا گیا چنانچہ کعبۃ اللہ کے سامنے قریش و یہود کا معاہدہ ہوگیا، معذرنے کعب کے رضاعی بھائی محمد بن مسلمہ انصاری کو مامور فرمایا انہوں نے اس کو گھات لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا اسکے بعد اکیس روز بنونضیر کا محاصرہ فرمایا، پندرہ روزہ لڑائی کے بعد بنونضیر لڑائی موقوف کرنے پر مجبور ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے جب باغات اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تو یہود کہنے لگے **یا محمد کنت تنھی عن الفساد فی الارض فمابال قطع النخل وتحریقھا** اور بعض مسلمانوں کو بھی اس میں تأمل ہوا تو آیت **ما قطعتم من لینۃ** الخ نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت کا دستورِ جنگ یہ تھا کہ مال غنیمت کا چوتھائی سردار کا ہوتا اور بقیہ مال کا زیادہ حصہ اغنیاء لے لیا کرتے اور تھوڑا بہت عام لڑنے والوں کے حصے میں آتا لیکن اسلام نے آکر غنیمت اور فئے دونوں کے اصول کو بدل دیا، آیت **ماافاء اللہ** سے **دولۃ بین الاغنیاء** تک اسی کارد اور قانون اصلاح کا بیان ہے، آیت **ما اتکم الرسول** عام ہے جہاد اور غیر جہاد تمام احکام امرونہی کو شامل ہے **للفقراء** حنفیہ نے اس سے استیلاءِ کفار کو سبب ملک قرار دیا ہے لیکن شوافع اشارۃ النص کے اس اصول کو نہیں مانتے ان کے نزدیک فقراء کہنا مال سے دور ہونے کی وجہ سے ہے **والذین جاء وا من بعدھم** حضرت عمر کا ارشاد ہے **دخل فی ھذاالفیء لکل من ھو مولود الی یوم القیامۃ فی الاسلام اسوعبت ھذہ الایۃ للمسلمین عامۃ**۔

﴿تشریح﴾:........ **فاعتبروا یااولی الابصار** یعنی دانشمندوں کو بنونضیر کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں تباہی مول لی، عبرت کہتے ہیں مماثل چیزوں میں غور و تامل کرنے کو، قیاس بھی اسی کی نظیر ہے۔

قیاس واعتبار کسے کہتے ہیں:........ چنانچہ شریعت میں احکام مشروعہ کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے جہاں جہاں وہ علت پائی جائے گی احکام بھی دائر رہیں گے، جیسا کہ واقعات کے اسباب ہوتے ہیں، جہاں وہ اسباب ہونگے وہاں قیاس کو بھی ان سے وابستہ مان لیا جائے گا، پس اس طرح قیاس کا حجت ہونا عقلی ہوا یعنی ایسی دلالۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے جو قیاس کے مشابہ ہے، بعینہٖ قیاس سے ثابت نہیں ہے، ورنہ دور لازم آئے گا، یا یوں کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ نے عبرت واعتبار کا حکم دیا ہے اور اعتبار کسے کہتے ہیں کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کو، اور یہ عام ہے خواہ قیاس ہو یا مثلیات دونوں کو عبرت واعتبار کہا جائے گا اس صورت میں قیاس کا حجت ہونا عبارۃ النص سے ثابت ہو جائے گا، بقول اکثر علماء کے یعنی بقول صاحب توضیح اشارہ النص سے قیاس کا حجت ہونا ثابت ہو جائے گا، بہرحال یہ دلیل عقل و نقل کی جامع ہے اسی لئے بعض اصولی تو اس کو عقلی دلیل کہتے ہیں اور بعض نقلی، صاحب مدارک اور قاضیؒ نے بھی اس سے استدلال کیا ہے البتہ قیاس کے حجت ہونے کی واضح نقلی دلیل حدیث معاذ ہے، اسی طرح معاملات وغیرہ کے بیشتر مسائل اجتہادی اور قیاسی ہیں، جیسا کہ حدیث ربوا اس کی شاہد ہے، اس لئے روافض وغیرہ کا قیاس واجتہاد سے انکار غلط ہے اور قرآن کی تفسیر کو رسول اللہ ﷺ اور اپنے ائمہ معصومین کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

جہاد میں دشمن کے مال کو کیوں تلف کیا جاتا ہے:......... ما قطعتم من لینۃ، اس سے کفار کے مال وجائیداد کو دار الحرب میں تباہ کرنے کی اجازت معلوم ہورہی ہے، تا کہ کفار غیظ میں مبتلا ہوں جیسا کہ صاحب کشاف اور قاضی بیضاوی نے تصریح کی ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک مسلمان عجوہ کھجور کا درخت اور دوسرا لینہ کھجور کا درخت کاٹ رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ کافروں کو جلانے کے لئے یہ درخت کاٹے ہیں اور فلاں فلاں درخت آپ کے لئے چھوڑ دیئے ہیں، چنانچہ اس سے نہ صرف اجتہاد کا جواز معلوم ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں بھی اجتہاد کی اجازت نکلی حتی کہ صاحب کشاف نے اپنے مسلک اعتزال کی رعائت کرتے ہوئے کل مجتھد مصیب پر اسی سے استدلال کیا ہے۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ کفار کو جلاوطن کرنا ابتدائے اسلام میں مشروع تھا لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا، حالانکہ صاحب ہدایہ نے فیئے کی بحث میں لکھا ہے "الاراضی للتی اجلوا عنہا اہلہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باقی ہے مگر اس اختلاف کے معلق کہا جاسکتا ہے کہ جن حضرات نے جلاوطن کرنے کو "امامنا" میں داخل سمجھا ہے انہوں نے من کی طرح اس کو بھی منسوخ کہا ہے اور جنہوں جائز کہا ہے انہوں اس کو ایسا سمجھا جیسا مقابلہ کے وقت بھاگنے لگیں، اور کسی مصلحت سے ان کا تعاقب نہ کیا جائے تو صلح کی طرح اور یہ چھوڑنا بھی جائز ہوگا، اسی طرح جلاوطن کرنا بھی گویا ان کو چھوٹ دینا ہے، بہر حال آنحضرت ﷺ کو بنونضیر سے پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو چالیس اونٹ اور بہت سامال اور زمین ہاتھ آئی، جو خالصہ میں شامل ہوئی اور مال غنیمت کی طرح اس میں سے خمس نہیں نکالا گیا، جس کی تفصیل آگے ہے۔

مال فیئے اور غنیمت میں فرق ہے:......... ما افاء اللہ سابقہ کاروائی تو بنونضیر کا جانی معاملہ تھا، یہاں سے مال کے متعلق معاملہ کا ذکر ہے دار الحرب سے جو مال قتال وجہاد کے نتیجے میں حاصل ہو وہ غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال بغیر قتال حاصل ہو وہ فیئے ہے، بنونضیر کا تمام مال اور باغ فدک اور نصف خیبر یعنی کتیبہ، وطیح، سلالہ کے علاقے سب فیئے میں داخل ہیں لیکن باقی نصف خیبر یعنی شق، نطاۃ کا علاقہ فیئے نہیں تھا، بلکہ جہاد وقتال کے بعد حاصل ہوا جیسا کہ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے صاحب ہدایہ کے مطابق امام صاحب کے نزدیک مال فیئے میں خمس نہیں ہے، البتہ جو علاقہ قتال کے بعد حاصل ہو اس میں تقسیم کے وقت خمس نکالا جاتا ہے، جس کے مصارف کا بیان سورۃ انفال میں گزر چکا ہے۔

فیئے اور غنیمت کے احکام:......... روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ مال فیئے کے مالک ہیں یا حاکم، اس میں جو مصارف آپ کو بطور واجب یا استحباب بتلائے گئے، ان کو ایسا سمجھنا چاہئے، جیسے اور لوگوں پر زکوۃ وخیرات کے احکام ہیں، البتہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد پھر ان میں وراثت اور ترکہ نہیں تھا بلکہ وہ وقف ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں روایات ہیں، آنحضرت ﷺ نے بنونضیر کے مال کا اکثر حصہ مہاجرین اور تین حاجتمند انصار کو تقسیم فرمادیا اور خیبر کی آمدنی سے فقرائے مہاجرین کی اور فدک سے مسافروں کی امداد فرماتے، آیت وما افاء اللہ میں اسی خصوصیت کا ذکر ہے کیونکہ بعض لوگوں نے عرض کیا تھا کہ وہاں کی زمین کیوں نہیں تقسیم کی گئی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس فتح میں مسلمانوں کو کچھ کرنا نہیں پڑا، اس لئے اس میں استحقاق جتلانا بھی بے محل ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے پیغمبر مالکانہ یا حاکمانہ تصرف کے مجاز بنائے گئے ہیں، آپ کے سالانہ خانگی اخراجات، مہاجرین اور مسافروں اور غرباء کی دیکھ بال اسی سے ہوگی، اور آپ کی وفات کے بعد اس کے مصارف بقول صاحب ھدایہ مصالح عامہ ہونگے مثلاً سرحدات کی حفاظت، پلوں، سراؤں کی تعمیر، علماء، عمال، قاضیوں کے وظائف، فوجیوں کے اخراجات، شہداء کی اولاد، وغیرہ کی پرورش، جہادی سامان کی فراہمی وغیرہ ضروریات اس سے پوری کی جائینگی، بلکہ خمس غنیمت کے جو مصارف یتیم مسکین ومسافر ہیں وہ بھی ان عام مصالح میں شمار ہونگے، اور جس طرح فقراء مہاجرین وانصار اس میں داخل ہیں، بعد میں ان کی نسلیں بھی اس میں داخل ہونگیں، کیونکہ مصالح عامہ میں وہ بھی آتے ہیں، البتہ امام اور خلیفہ ایسی زمین کا کسی کو مالک بنا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے

،جیسا کہ ردالمحتار اور درمختار کی فصل جزیہ کے قریب کی عبارت سے مفہوم ہورہا ہے، دوسری، چوتھی، پانچویں آیت میں ان سب کا ذکر ہے اور حضرت عمر کی روایت بھی اس کی مؤید ہے۔

مسلمانوں کا امام حاکمانہ اختیارات رکھتا ہے نہ کہ مالکانہ:......... البتہ ان مصارف کی تعیین اور تحدید امام کی رائے سے ہوگی، تاہم امام کو حاکمانہ اختیارات ہونگے، مالکانہ اختیارات نہیں ہونگے، اور حضور ﷺ کو مالکانہ اختیارات حاصل تھے، یعنی خرید وفروخت اور ہبہ وغیرہ بھی کرسکتے تھے، اور درمنثور کی روایت کے مطابق پہلے خمس غنیمت کے مصارف بھی وہی تھے جو فیئ کے مصارف ہیں، لیکن پھر حشر کی آیت سورۃ انفال کی آیت سے منسوخ ہوگئی اور ان کے لئے بھی خمس مقرر ہوگیا، مگر چونکہ سورۃ انفال کی آیت بظاہر غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اور بدر واقعہ بنونضیر سے پہلے ہے، اس لئے قتادہ کا یہ محل خلاف ظاہر معلوم ہوتا ہے، یہ گفتگو تو حنفیہ کے مسلک پر ہوئی، امام شافعیؒ کے نزدیک غنیمت کی طرح فیئ بھی خمس میں ہے، اور بقیہ چار خمس مذکورہ مصارف پر صرف ہونگے، جیسا کہ حدیث صحاح میں ہے، مالی مماافاء اللہ تعالیٰ **علیکم الا الخمس والخمس مردود علیکم**، پس فیئ میں بھی خمس ہوا، یہاں جن مصارف کا ذکر ہے وہ اسی خمس کے مصارف ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ **ماافاء اللّٰہ فللّٰہ وللرسول** الخ ظاہر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام "ماافاء اللّٰہ" کے یہ مصارف ہیں، صرف خمس کے مصارف نہیں ہیں، اور مذکورہ حدیث "**مالی مما افاء اللّٰہ الخ**" میں ممکن ہے کہ فیئ سے مراد غنیمت ہو۔

حنفیہ کا مسلک:......... شیخ ابوبکر رازی حنفی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ مال غنیمت خمس نکالنے کے بعد لشکریوں کا حق ہے کہ فیئ میں لشکر کا حق نہیں ہے، آنحضرت ﷺ فیئ میں مالکانہ تصرف کا حق رکھتے ہیں، اور آپ ﷺ کے جانشین حاکمانہ تصرف کے مجاز ہیں، مگر مصالح عامہ میں یہ حکم اموال منقولہ کا ہے، غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکریوں میں تقسیم کردے مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لئے رہنے دے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق میں بعض اکابر صحابہؓ کے مشورہ سے یہی عمل درآمد رکھا۔

اسی کے مطابق شیخ ابوبکر حصاصؒ نے آیت انفال **واعلموا** کو اموال منقولہ پر اور آیات حشر کو اموال غیر منقولہ پر محمول کیا ہے۔ اس طرح کی پہلی آیت **وما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ منھم** کو حکم فے پر اور دوسری آیت **ما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ** کو حکم غنیمت پر محمول کیا ہے اور ابھی گزرا کہ غنیمت کو لغۃً فیئ سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

شروع سورت میں واقعہ بنونضیر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مال فیئ کو آپ کی صوابدید پر رکھا ہے۔ اگر آپ مذکورہ لوگوں کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ خواہ یہ جہاد میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ کا حصہ تبرکاً کہا۔ البتہ کعبہ اور مساجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا مالکانہ اختیار اور ان کے قرابت داروں کا استحقاق آپ کی حیات تک ہے۔ اب صرف یتیم، مسکین، مسافر مصرف ہیں۔

حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو دولت مند ہونے کے باوجود اس مال میں سے دیا۔ کیونکہ قرابت داروں کو آپ کی نصرت تھی۔ امیر ہوں یا غریب۔ البتہ آپ کے بعد حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ آپ کے غریب صاحب حاجت قرابت داروں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ محقق تھانوی قدس سرہ نے سورہ براءت کی طرح اس مقام کو بھی غامض اور دقیق فرمایا ہے پس ان کے اس بیان کی تسہیل تو اور بھی ادق ہوگی۔

تفسیرات احمدیہ کی تحقیق انیق:......... صاحب تفسیرات نے اس مقام کی نزاکت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے۔ **اعلم ان ھھنا ابحاث الشریعہ و نکات لطیفۃ لا یحوم حولھا کل واحد من العلماء ویغفل عنھا جم کثیر من الاذکیا** ۔ طلبہ کے مطالعہ کے لئے کچھ اس کی تلخیص حاضر ہے۔ قرآن کریم میں دو جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ انفال میں لفظ غنیمت کے ساتھ وہاں فے کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور سورۂ حشر میں فے کے لفظ سے بیان کیا۔ یہاں غنیمت کا لفظ نہیں آیا اور غنیمت کے سلسلہ میں آیت **واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للّٰہ**

خمسه وللرسول ولذى القربىٰ واليتامى والمساكين وابن السبيل میں صرف خمس کے مصارف بیان کئے اور باقی چار خمس سے سکوت کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ لشکر کا حصہ ہے اور سورہ حشر میں فے کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے مگر خمس کو بیان نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سارا مال فے ان مصارف پر خرچ کیا جائے گا۔ نیز یہاں فقراء مہاجرین کا بھی اضافہ ہے اور فے کی دونوں آیتیں بلا فصل اور بغیر عطف کے ہیں۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو بقول کشاف و بیضاوی یہ ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مال فے بھی وہیں خرچ کریں جہاں خمس وغنیمت خرچ فرماتے ہیں۔ اہل بصیرت نے اسی کو پسند کیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلی آیت کا تعلق واقعہ نضیر سے ہے وہ مال رسول اللہ کا خاصہ ہے۔ اس میں کسی اور کا حق نہیں اور دوسری آیت میں عام غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ جو لشکر اسلام کی مدد سے حاصل کی جائے اور مصارف مذکورہ خمس غنیمت کے ہوں گے۔ کلی غنیمت کے نہیں ہوں گے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور یہی صاحب مدارک کے نزدیک مختار ہے۔ قاضی بیضاوی کے کلام سے غنیمت و فے میں فرق ہے۔ غنیمت تو وہ مال ہے جو جہاد وقتال سے حاصل ہو اور فے وہ مال ہے کہ کافر خود بھاگ کھڑے ہوں اور گھر بار چھوڑ جائیں۔ چنانچہ "واعلموا انما غنمتم" میں غنیمت کی نسبت صحابہ کی طرف کی گئی ہے جو مجاہدین تھے۔ اور ماافاء اللہ میں فے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ چنانچہ کتب حدیث میں دونوں کے ابواب الگ الگ قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح میں انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے آیت انما الصدقات الخ پڑھ کر فرمایا. هذه لهولا پھر آیت واعلموا انما غنمتم پڑھ کر فرمایا۔ هذه لهٰولاء پھر آیت ماافاء اللہ الخ پڑھی اور آیت والذين جاء وا من بعدهم پڑھ کر فرمایا۔ هذه استوعبت المسلمين كافة فلئن عشت فلياتين الراعي وهو بسر و حمير نصيبه منها لم يعرق فيها جبينه۔

فاروق اعظمؓ کی رائے:...... نیز حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے تین صفایا تھے۔ بنو نضیر، فدک، خیبر، بنو نضیر ہنگامی ضروریات کے لئے تھا۔ اور فدک مسافروں کے لئے اور خیبر کے حضور ﷺ نے تین حصے فرما رکھے تھے۔ دو تہائی مسلمانوں کی ضروریات کے لئے اور ایک تہائی خانگی اخراجات کے لئے تھا۔ اس میں جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو فقرائے مہاجرین پر صرف فرما دیتے۔ (ابوداؤد)

البتہ فقہاء کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ "باب الاستمان" میں ایک جگہ لکھتے ہیں "فبقی الکل فیئا وغنیمۃ" ممکن ہے اس لئے ہو کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یا دونوں کا حکم یعنی تخمیس الخمس ایک ہے۔ اسی طرح اہل اصول نے اشارۃ النص کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ **ان قوله تعالىٰ للفقراء المهاجرين لا يجاب معهم من الغنيمة لهم وفيه اشارة الى زوال املاكهم الى الكفار با لا ستيلاء** . اس سے بھی غنیمت و فے کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام:...... حاصل یہ نکلا کہ دونوں متحد ہیں تو پھر مصارف بھی وہی ہوں گے جو غنیمت کے ہیں اگر الگ الگ ہیں تو پھر فئے آپ کے صوابدید پر ہوگی۔ اللہ کا حصہ، حنفیہ اور شوافع دونوں کے نزدیک محض تبرک کا ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ کا حصہ شوافع کے نزدیک آپ کے بعد امام وقت کے لئے ہوگا مال غنیمت میں، لیکن حنفیہ کے نزدیک مال غنیمت اور مال صفی دونوں آپ کے بعد ساقط ہو جائیں گے، اسی طرح شوافع کے نزدیک ذوی القربیٰ کو بھی دیا جائے گا، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ حصہ آپ کی نصرت کی وجہ سے تھا، لیکن اب وہ بھی ساقط ہے البتہ کوئی حاجتمند ہو تو دیا جا سکتا ہے اور قرابت داروں میں صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب آتے ہیں، عبد شمس اور نوفل کی اولاد نہیں آتی، چنانچہ آپؐ نے حضرت عثمان اور جبیر بن مطعم کو خمس غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں دیا، اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ بنو ہاشم و بنو مطلب دونوں ہمارے ساتھ اسلام سے پہلے اور بعد میں اس طرح رہے جیسے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں گھسا دی جائیں، پس معلوم ہوا کہ قرابت حملیہ

مراد نہیں ہے بلکہ قرابت مودیہ مراد ہے، اور وہ آپ کی حیات کے بعد ختم ہو گئی، البتہ حاجت مند ہوں تو زکوۃ کے بجائے غنیمت میں شریک کیا جائے گا، چنانچہ زکوۃ مانگنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ "ان اللہ قد حرم علیکم عنھا لہ الناس وھو منکم بخمس الخمس" اس کے بعد آیت للفقراء میں فقراء کا بیان ہے، ان کی تین قسمیں ہیں، ایک مہاجرین جن کا بیان آیت والذین تبوؤ الدار میں ہے، اور تیسرے بعد میں قیامت تک آنے والے فقراء مہاجرین ہیں، جن کا ذکر آیت والذین جاء وا من بعدھم میں ہے (تفسیرات احمدیہ)

لطائف سلوک:............ ما ظننتم اس سے معلوم ہوا کہ تدابیر مستقل طور پر مؤثر نہیں ہوتیں، عارفین کا ایک حال یہی ہوتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار، عبرت کی حقیقت کسی کو اپنی نظیر کی طرف لوٹانا ہے، قرآن وحدیث میں صوفیاء کی تاویلات اگر شرائط کے مطابق ہوں تو وہ بھی عموم میں داخل ہیں، جنہیں اعتبارات کہا جاتا ہے۔

ماقطعتم، اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف مسلک بشرطیکہ شرعی حدود میں ہو اور خلوص سے ہو تو مضر نہیں اس میں صوفیاء کا مسلکی اختلاف بھی داخل ہے، اسلئے کسی کو کسی پر عیب لگانے کا حق نہیں ہے۔

ویؤثرون علی انفسھم، اس میں ایثار کی فضیلت ہے بشرطیکہ کوئی شرعی واجب نہ چھوٹے۔

یقولون ربنا، اس میں اسلاف کے لئے دعا کرنے کی ترغیب ہے اور صوفیاء کی تو عادت لازمہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے لئے دعا اور ایصال ثواب کرتے رہتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَهُمْ بَنُو النَّضِيْرِ وَاِخْوَانُهُمْ فِي الْكُفْرِ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ فِي الْاَرْبَعَةِ **اُخْرِجْتُمْ** مِنَ الْمَدِيْنَةِ **لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ** فِي خُذْ لَانِكُمْ **اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ** حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ الْمُوَطِّئَةُ **لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴿۱۱﴾ **لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ** جَاءُوا لِنَصْرِهِمْ **لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ** وَاسْتَغْنٰى بِجَوَابِ الْقَسَمِ الْمُقَدَّرِ عَنْ جَوَابِ الشَّرْطِ فِي الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ **ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ** ﴿۱۲﴾ اَيِ الْيَهُوْدُ **لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً** خَوْفًا **فِيْ صُدُوْرِهِمْ** اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ **مِّنَ اللّٰهِ** لِتَاخِيْرِ عَذَابِهٖ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ** ﴿۱۳﴾ **لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ** اَيِ الْيَهُوْدُ **جَمِيْعًا** مُجْتَمِعِيْنَ **اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ** سُوْرٍ وَفِي قِرَاءَةٍ جِدَارٍ **بَاْسُهُمْ** حَرْبُهُمْ **بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا** مُجْتَمِعِيْنَ **وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى** مُتَفَرِّقَةٌ خِلَافَ الْحِسْبَانِ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۱۴﴾ مَثَلُهُمْ فِي تَرْكِ الْاِيْمَانِ **كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا** بِزَمَنٍ قَرِيْبٍ وَهُمْ اَهْلُ بَدْرٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ **ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ** عُقُوْبَتَهٗ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۱۵﴾ مُؤْلِمٌ فِي الْاٰخِرَةِ مَثَلُهُمْ اَيْضًا فِي سِمَاعِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ وَتَخَلُّفِهِمْ عَنْهُمْ **كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۱۶﴾ كَذِبًا مِنْهُ وَرِيَاءً **فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ** اَيِ الْغَاوِيْ وَالْمُغْوِيْ

وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ اِسْمُ كَانَ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ الكَافِرِيْنَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ لِيَوْمِ القِيٰمَةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ تَرَكُوْا طَاعَتَهٗ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اَنْ يُقَدِّمُوْا لَهَا خَيْرًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ وَجُعِلَ فِيْهِ تَمْيِيْزٌ كَالْاِنْسَانِ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مُتَشَقِّقًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ الْمَذْكُوْرُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ فَيُؤْمِنُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ الطَّاهِرُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ السَّلٰمُ ذُوالسَّلَامَةِ مِنَ النَّقَائِصِ الْمُؤْمِنُ الْمُصَدِّقُ رُسُلَهٗ بِخَلْقِ الْمُعْجِزَةِ لَهُمْ الْمُهَيْمِنُ مِنْ هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ اِذَا كَانَ رَقِيْبًا عَلَى الشَّىْءِ اَىِ الشَّهِيْدُ عَلٰى عِبَادِهٖ بِاَعْمَالِهِمْ الْعَزِيْزُ الْقَوِىُّ الْجَبَّارُ جَبَرَ خَلْقَهٗ عَلٰى مَا اَرَادَ الْمُتَكَبِّرُ ؕ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ سُبْحٰنَ اللّٰهِ نَزَّهَ نَفْسَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ بِهٖ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُنْشِئُ مِنَ الْعَدَمِ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ التِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيْثُ وَالْحُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ تَقَدَّمَ اَوَّلُهَا.

ترجمہ:.........کیا آپ نے ان منافقین کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنے بھائی کفار اہل کتاب (بنو نضیر اور کفر میں ان کے دوسرے ساتھیوں) سے کہتے ہیں کہ اگر (چاروں جگہ لام قسمیہ ہے) تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے (ذلیل کرنے کے) معاملے میں ہم کسی کا کہنا نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی (اس میں لام قسم محذوف ہے) تو ہم تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے، اور اگر ان کی مدد کی بھی (ان کی مدد کے لئے آئے بھی) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (پانچوں جگہ جواب قسم کے ہوتے ہوئے جواب شرط مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے) پھر ان (یہود) کی کوئی مدد نہ ہوگی، بلاشبہ تم لوگوں کا خوف (ڈر) ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے (اللہ کا عذاب مؤخر ہونے کی وجہ سے) یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں، یہ (یہود) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے، مگر محفوظ بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں (جدار بمعنی دیوار، اور ایک قراءت میں جدر ہے) ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے، اے مخاطب تو ان کو متفق (متحد) خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے دل منتشر ہیں (گمان کے برخلاف مختلف ہیں) یہ اس لئے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے (ایمان نہ لانے میں بے عقلوں سے تمثیل دی ہے) ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں، مشرکین بدر جو حال ہی میں تھے) جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں (دنیا میں قتل وغیرہ کے ذریعے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (جو آخرت میں تکلیف دہ ہوگا، یہود کے لئے منافقین سے مثال دی گئی ہے، ان کی باتیں سن کر خلاف کرنے میں) شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (جھوٹ اور ریاکاری سے کہتا ہے) سو آخری انجام (دونوں بہکانے والے اور گمراہ، ایک قراءت میں رفع ہے کان کا اسم) کا یہ ہوا کہ دوزخ میں گئے، جہاں ہمیشہ رہیں گے، اور ظالموں

(کافروں) کی یہی سزا ہے، اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ، جنہوں نے (فرمانبرداری چھوڑ کر) اللہ سے لاپروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو (نیک کام آگے بھیجنے سے) لاپرواہ بنا دیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، دوزخی اور جنتی دونوں برابر نہیں ہیں، جنتی ہی کامیاب ہیں، اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر اتارتے (اور انسان کی طرح ان میں سمجھ داری دی جاتی) تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف کے مارے دب جاتا اور پھٹ جاتا (ٹکڑے ہو جاتا) اور یہ (مذکورہ) عجیب مضامین لوگوں کے لئے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں (اور ایمان لے آئیں) اللہ ہی ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے وہ پوشیدہ اور ظاہری (چھپی کھلی) چیزوں کا جاننے والا ہے وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اسکے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (نامناسب باتوں سے) پاک ہے، صحیح سالم (نقائص سے بری) اطمینان دلانے والا (معجزات کے ذریعے پیغمبروں کی تصدیق کرنے والا) نگہبانی کرنے والا (ھیمن یھیمن سے ماخوذ ہے، کسی کا نگران ہونا یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا محافظ) زبردست (طاقت ور) خرابی کو ٹھیک کرنے والا (مخلوق کے بگاڑ کو اپنے ارادہ کے مطابق درست کرنے والا) بالادست ہے (ناملائم باتوں سے) اللہ پاک ہے (اس نے اپنی پاکی بیان کی) لوگوں کے شرک سے۔ وہ معبود ہے پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا (ناپید سے پیدا کرنے والا) صورت بنانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں (ننانوے نام، جو احادیث میں آئے ہیں، حسنیٰ احسن کا مؤنث ہے) اسکی تسبیح کرتی ہیں آسمان وزمین کی سب چیزیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے، (شروع سورۃ میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں)۔

تحقیق وترکیب:............الم تر، مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں یا ہر سننے والا، عبداللہ بن ابی وغیرہ نے جو بنونضیر سے فریب کیا، اس کی طرف اشارہ ہے، منافقین اگرچہ قبیلہ خزرج کے ہیں مگر ان کو کفر کے اعتبار سے بھائی کہا۔

لئن اخرجتم، مفسر نے چار جگہ لام قسمیہ کہا، پانچویں جگہ "ان قوتلتم" ہے جہاں لام قسمیہ محذوف ہے یعنی قسم مقدر ہے ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے **لیولن الادبار** ۔یعنی جواب قسم مقدر موجود ہے اور جواب شرط محذوف ہے، اسی لئے مذکورہ افعال مرفوع ہیں جواب قسم ہونیکی وجہ سے پانچوں جگہ یعنی **لنخرجن لننصرن ، لایخرجون ، لا ینصروھم ،لیولن الادبار ،ثم لاینصرون** ۔یعنی ان کے مددگار منافقین جب خود شکست کھا جائیں گے تو یہود کس طرح منصور ہو سکتے ہیں۔

قلوبھم شتی ۔یعنی خلاف توقع ان کے دل غیر متحد ہیں۔

لایعقلون ،پہلے لایفقھون کہا اور یہاں لایعقلون کہا کیونکہ وہاں **لانتم اشد رھبة فی صدورھم من اللّٰہ** کہا تھا جو دلیل ہے اللہ کی نسبت ان کی جہالت کی، اس لئے وہاں عدم تفقہ مناسب تھا، اور یہاں تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی کہا ہے جو دلیل ہے ان کی بے عقلی کی۔ عقل اگر ہوتی تو دل بچھڑے ہوئے کیوں ہوتے۔

مثل الذین ، خبر ہے مبتدائے محذوف مثلھم کی کمثل الشیطان ، یہاں حقیقی شیطان مراد ہے، انسانی شیطان مراد نہیں ہے، یہود کی پہلی مثال تو مشرکین بدر سے دی گئی اور یہاں شیطان سے دی گئی۔

فکان عاقبتھما، کان کی خبر ہو کر منصوب ہے اور جملہ "انھما فی النار" موضع رفع میں ہے کان کا اسم ہونے کی وجہ ہے، لیکن قراءت رفع میں اس کا برعکس ہے۔

لغد، قیامت کا دن مراد ہے اور غد کہنا قرب کی وجہ سے ہے اور اسلئے کہ گویا کل مدت دو دن ہے ایک دن دنیا کا اور ایک دن آخرت کا اور نکرہ سے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے وجدنا ما عملنا ربحنا ما قدمنا خسرنا ما خلفنا (مدارک)۔

واتقوا اللہ، تاکید کے لئے تکرار ہے یا اول سے واجبات کی ادائیگی اور دوسرے سے منہیات سے باز رہنا مراد ہے۔
علی جبل، زہرۃ الریاض میں لکھا ہے کہ دنیا میں ہزاروں ٹیلوں کے علاوہ ۶۶۷۰ پہاڑ ہیں، مقصد قرآن کریم کی تعظیم ہے۔
عالم الغیب، غیب وشہادت سے مراد سرّ وعلانیہ یا دنیا وآخرت یا معدوم وموجود ہیں، (مدارک) اور بقول خطیب عالم غیب جو تمام مخلوق سے غائب ہو، یعنی غیب الغیب اور عالم شہادت جو بعض کو معلوم ومحسوس ہو، یہ تقسیم ظاہر ہے کہ مخلوق کے لحاظ سے ہے، اللہ کیلئے کوئی بھی چیز غائب نہیں ہے، اطلاقات شرع عرف کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔
المؤمن، ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو لوگوں کو ظلم سے امن دے اور اہل ایمان کو عذاب سے امن دے، یا انبیاء کی تصدیق بذریعہ معجزات کرے۔
المھیمن، مفیعل کے وزن پر تھا، ہمزہ کو یا سے تبدیل کر دیا، محافظ اعمال۔
الجبار، اصلاح حال بھی مراد ہو سکتی ہے کہ فقیر کو امیر اور شکستہ کو بہتر کر دے، اللہ کی صفت ہو تو مدح کیلئے اور مخلوق کی صفت ہو تو مذمت کیلئے ہے، (خطیب)
ھو اللہ۔ چونکہ آئندہ صفات، ذات الٰہی کیلئے آئینہ ہیں اس لئے پھر مکرر ذکر کر دیا۔

روایات: ......الم تر الخ یہ آیات واقعہ بنو نضیر کے بعد نازل ہوئیں، جیسا کہ الفاظ آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے، ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اسم اعظم کے متعلق پوچھا، تو فرمایا "علیک باخر الحشر" معقل بن یسارؓ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص صبح تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر سورۃ حشر کی یہ تین آیات پڑھے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں اور اس روز وفات ہو تو شہید ہوگا، اسی طرح شام کے پڑھنے سے، امام ترمذیؒ نے حسن غریب کہہ کر اس کی تخریج کی ہے، اور مدارک، خطیب، روح البیان میں جابر بن یزیدؒ سے نقل ہے کہ اس آیت کی رو سے اسم اعظم اللہ ہے۔

﴿تشریح﴾: ......عبداللہ بن ابی وغیرہ نے یہود بنی نضیر کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا نہ سمجھنا، اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کریں گے، یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے اس کے خلاف تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور ہم کسی کی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں، حق تعالیٰ نے بقسم اس کی تردید فرما دی، یعنی یہ بات منافق دل سے نہیں کہہ رہے ہیں، محض مسلمانوں کے اکسانے کیلئے باتیں بنا رہے ہیں اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کریں گے، چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور بنو نضیر محصور ہو گئے، مگر ایسی نازک صورتحال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا اور آخر کار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔

آزمائش کے وقت منافقین کا پول کھل گیا: ......ولئن نصروھم، اللہ کے لاینصرونھم فرمانے کے بعد ینصرونھم کا تو احتمال ہی نہیں، بفرض محال کہا جا رہا ہے تاکہ تمام شقوق واقعہ اور فرضیہ میں ان کا ناکارہ ہونا معلوم ہو جائے، بہر حال منافق بفرض محال یہود کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ وہی ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، ان کی مدد تو کیا کرتے خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ آسکے گا۔ یہ آیت اگر واقعہ سے پہلے نازل ہوئی تب تو توجیہ ظاہر ہے، لیکن اگر واقعہ ہو چکنے کے بعد نازل ہوئی تو پھر پچھلی صورت کا استحضار مقصود ہوگا، جس سے وعدہ خلافی اور ان کی ذلت کھل کر واضح ہو جائے اور یا آئندہ کے لئے منافقین کے ساتھ دینے کے موہوم احتمال کی نفی کرنی ہے۔
لانتم اشد رھبۃ، یعنی مسلمانوں کی شجاعت وبسالت سے تو ڈرتے ہیں، اسی لئے ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ کی عظمت سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا تو کفر ونفاق کیوں اختیار کرتے، گویا اللہ سے نہ ڈرنے کا مطلب ایمان نہ لانا ہے

، ورنہ طبعاً مخلوق کا ڈر اللہ سے زیادہ ہونا گناہ نہیں ہے۔

لایقاتلونکم جمیعا ، یعنی یہ لوگ چونکہ مسلمانوں سے خوف زدہ اور مرعوب ہیں، اس لئے الگ الگ یہود ومنافق تو کیا لڑتے بلکہ بھی کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے ، ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیوار کی آڑ میں چھپ کر لڑیں تو لڑیں، آخر ایسے لوگوں کا کیا شمار جن کے نزدیک چھتوں پر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پچکاریاں چلانا ہی سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔

مسلمانوں میں اختلاف کے باوجود مرکزی وحدت ہے جو کفار میں نہیں ہے۔ اور اوس وخزرج کی لڑائیوں سے یہ اندیشہ نہ کرنا کہ شاید مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی یہ کارنمایاں کرسکیں، کیونکہ باسھم بینھم شدید آپس میں ان کی لڑائیاں بڑی سخت اور بڑی تیز ہوتی ہیں مگر مسلمانوں کے سامنے پڑنے کا حوصلہ نہیں ہوتا، آ گیں تو ساری شیخی کرکری ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے بظاہر ایک ہو جانے سے بھی دھوکہ نہ کھانا یہ خیال نہ کرنا کہ بہت سے کمزور مل کر قوی ہو جاتے ہیں، کیونکہ تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی ، ظاہر میں یہ ایک دکھائی پڑتے ہیں، حقیقت میں ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، ہر چند کہ یہ اہل حق کے مقابلہ میں مشترک نظریہ رکھتے ہیں، مگر خود ان میں بھی تو اختلاف عقائد ہے اور وہی بنیاد ہے باہمی افتراق وعداوت کی ، ہر ایک اپنی غرض د ہوا کا بندہ اور نفسانی خواہشات میں ایک دوسرے سے الگ ہے، پھر حقیقی یک جہتی کہاں میسر آسکتی ہے، منافق وکافر ہزاروں بندوں میں بٹے ہوئے ہیں سچے مسلمان اللہ کی ایک رسی تھامے ہوئے ہیں، ان کا مرنا جینا ایک سے وابستہ ہے، اس لئے وہ نیک دل اور ایک دل ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اکثر بے دینوں کے دلوں میں اتفاق دیکھا جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ یہاں قاعدہ کلیہ بیان نہیں کیا جارہا ہے بلکہ ان کی نااتفاقی کا سبب بیان کیا جارہا ہے، باسھم میں باسبیہ ہے اور سبیت فی الجملہ اور بعض کے اعتبار سے بھی ہو تو صحیح ہے کمثل الذین من قبلھم یعنی ماضی قریب ۲ھ میں بدر کے معرکے میں جو کچھ مکہ کے بہادروں کی بنی اور ابھی قریبی زمانہ ۲ھ میں یہود بنی قینقاع اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں، کچھ ایسا ہی انجام بنی نضیر کا ہوا کہ دنیا میں بھی بے گھر در بدر اور رسوا ہوئے اور دوزخ کا عذاب تو نفع میں ہے ہی، اسی طرح دوسری مثال شیطان کی ہے جو منافقین پر منطبق ہے، شیطان پہلے انسان کو اپنے جال میں پھنساتا ہے اور پھنسنے کے بعد پھر کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں اور ریاو مکاری سے کہتا ہے کہ مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان خود ہی دوزخ کا کندہ بنایا اور انسان کو بھی لے ڈوبا ، بدر کے معرکہ میں بھی لوگوں کو اسی طرح شیطان بھڑ کاتا اور بڑھاتا رہا، یہی حال منافقوں کا ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ بنی نضیر کو بھرہ دے کر نکلوا دیا اور خود کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔

یاایھا الذین امنوا ، مسلمانوں کو اللہ سے ڈر کر نیکیوں کا ذخیرہ کرنا چاہئے ، سوچو کہ کل کیلئے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد تمہارے کام آوے، اللہ سے کوئی کام چھپا ہوا نہیں اس سے ڈرو، پرہیزگاری اختیار کرو اور نافرمانی سے بچو۔

لو انزلنا ۔ یعنی قرآن کی فی نفسہ تاثیر اتنی زبردست ہیکہ پہاڑ جیسی مضبوط چیز بھی ٹکڑے ہو جائے ، پہاڑ میں اگر سمجھ کا مادہ ہوتا تو وہ بھی کلام اور متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا، خوف کے مارے پارہ پارہ ہو جاتا، مگر انسان نے شہوت وبہیمت کے غلبہ سے استعداد فاسد کرلی ، جس کی وجہ سے وہ تاثر نہیں ہوتا، اس لئے چاہئے کہ فرمانبرداری کر کے نافرمانی سے بچ کر قرآن کی تاثیر دیکھے، یہ تو کلام کی عظمت تھی اور آگے ھو اللہ الخ سے متکلم کی عظمت کا بیان ہے۔

سُــوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحَنَةِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثَ عَشَرَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ **اَوْلِيَاۤءَ تُلْقُوْنَ** تُوْصِلُوْنَ **اِلَيْهِمْ** قَصْدَ النَّبِيِّ ﷺ غَزْوَهُمْ الَّذِيْ اَسَرَّهٗ اِلَيْكُمْ وَوَرّٰى بِخَيْبَرَ **بِالْمَوَدَّةِ** بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ كَتَبَ حَاطِبُ بْنُ اَبِيْ بَلْتَعَةَ اِلَيْهِمْ كِتَابًا بِذٰلِكَ لِمَا لَهٗ عِنْدَهُمْ مِنَ الْاَوْلَادِ وَالْاَهْلِ الْمُشْرِكِيْنَ فَاسْتَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ مِمَّنْ اَرْسَلَهٗ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَهٗ بِذٰلِكَ وَقَبِلَ عُذْرَ حَاطِبٍ فِيْهِ **وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۤءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ** اَيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَالْقُرْاٰنِ **يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ** مِنْ مَكَّةَ بِتَضْيِيْقِهِمْ عَلَيْكُمْ **اَنْ تُؤْمِنُوْا** اَيْ لِاَجْلِ اَنْ اٰمَنْتُمْ **بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا** لِلْجِهَادِ **فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۤءَ مَرْضَاتِيْ** وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهٗ اَيْ فَلَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ **تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ** اَيْ اِسْرَارَ خَبَرِ النَّبِيِّ اِلَيْهِمْ **فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۤءَ السَّبِيْلِ ﴿۱﴾** اَخْطَاءَ طَرِيْقَ الْهُدٰى وَالسَّوَاۤءُ فِي الْاَصْلِ الْوَسَطُ **اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ** يَظْفَرُوْا بِكُمْ **يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۤءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ** بِالْقَتْلِ وَالضَّرْبِ **وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۤءِ** بِالسَّبِّ وَالشَّتْمِ **وَوَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۲﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ** قَرَابَتُكُمْ **وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ** اَلْمُشْرِكُوْنَ الَّذِيْنَ لِاَجْلِهِمْ اَسْرَرْتُمُ الْخَبَرَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْاٰخِرَةِ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ **بَيْنَكُمْ** وَبَيْنَهُمْ فَتَكُوْنُوْنَ فِي الْجَنَّةِ وَهُمْ فِيْ جُمْلَةِ الْكُفَّارِ فِي النَّارِ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ** بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ قُدْوَةٌ **حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ** اَيْ بِهٖ قَوْلًا وَّفِعْلًا **وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۤؤُا** جَمْعُ بَرِيْءٍ كَظَرِيْفٍ **مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ** اَنْكَرْنَاكُمْ وَبَدَا

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَ اِبْدَالِ الثَّانِيَةِ وَاوًا **حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ** مُسْتَثْنٰى مِنْ اُسْوَةٍ اَىْ فَلَيْسَ لَكُمُ التَّاَسِّىْ بِهٖ فِىْ ذٰلِكَ بِاَنْ تَسْتَغْفِرُوْا لِلْكُفَّارِ وَ قَوْلَهٗ **وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ** اَىْ مِنْ عَذَابِهٖ وَ ثَوَابِهٖ **مِنْ شَىْءٍ** كَنّٰى بِهٖ عَنْ اَنَّهٗ لَا يَمْلِكُ غَيْرَ الْاِسْتِغْفَارِ فَهُوَ مَبْنِىٌّ عَلَيْهِ مُسْتَثْنٰى مِنْ حَيْثُ الْمُرَادِ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ ظَاهِرِهٖ مِمَّا يَتَاَسّٰى فِيْهِ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاسْتِغْفَارُهٗ قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ كَمَا ذُكِرَ فِىْ بَرَآءَةٍ **رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾** مِنْ مَقُوْلِ الْخَلِيْلِ وَمَنْ مَّعَهٗ اَىْ وَقَالُوْا **رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اَىْ لَا تُظْهِرْهُمْ عَلَيْنَا فَيَظُنُّوْا اَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيَفْتَتِنُوْا اَىْ تَذْهَبُ عُقُوْلُهُمْ بِنَا **وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۵﴾** فِىْ مُلْكِكَ وَصُنْعِكَ **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ** يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ جَوَابُ قَسَمٍ مُقَدَّرٍ **فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ** بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنْ كُمْ بِاِعَادَةِ الْجَارِّ **يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ** اَىْ يَخَافُهُمَا اَوْ يَظُنُّ الثَّوَابَ وَالْعِقَابَ **وَمَنْ يَّتَوَلَّ** بِاَنْ يُّوَالِىَ الْكُفَّارَ **فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ** عَنْ خَلْقِهٖ **الْحَمِيْدُ ﴿۶﴾** لِاَهْلِ طَاعَتِهٖ ع

ترجمہ:.........سورہ ممتحنہ مدنیہ ہے اس میں ۱۳ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں (کفار مکہ) کو دوست مت بناؤ کہ تم ان کو بھیجتے ہو پیغام (آنحضرت ﷺ کے ارادہ کے متعلق جو کفار مکہ پر چڑھائی کرنے کا تھا جسے مخفی طور پر تمہیں تو آپ ﷺ نے بتلا دیا تھا۔ مگر خیبر کی طرف توریہ کیا تھا دوستی کی وجہ سے اپنے اور ان کے درمیان، حاطب بن ابی بلتعہ نے اس مضمون کا خط کفار مکہ کو لکھا۔ کیونکہ ان کے اہل وعیال مشرکین کے پاس تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس خط کو واپس منگوا لیا بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو گیا۔ اور اس بارے میں حاطب کا عذر قبول فرما لیا) حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق (دین اسلام اور قرآن) کے جو تمہارے پاس آچکا ہے وہ شہر بدر کر چکے ہیں پیغمبر ﷺ کو اور تمہیں (مکہ سے تمہیں مجبور کر کے) اس بناء پر کہ تم ایمان لے آئے (یعنی تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے) اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے کی غرض سے میرے رستہ میں اور میری خوشنودی کی خاطر نکلے ہو (جواب شرط ماقبل سے معلوم ہو رہا ہے یعنی فلا تتخذوھم اولیاء) تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو۔ حالانکہ مجھے سب چیزوں کا بخوبی علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر کر کے کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا (آنحضرت ﷺ کی خبر انہیں چپکے چپکے پہنچائے گا) تو وہ راہ راست سے بہک گیا (ہدایت کے راستہ سے چوک گیا سواء اصل میں وسط کو کہتے ہیں) ان کو اگر تم پر دسترس (قابو) ہو جائے تو عداوت ظاہر کرنے لگیں اور تم پر (قتل اور مار دھاڑ سے) دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں بری طرح (گالم گلوچ کر کے) اور وہ اس بات کے خواہشمند (متمنی) ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار (قرابت دار) اور اولاد کام نہ آئیں گے (وہ مشرکین جن کی وجہ سے تم نے خبر چپکے سے پہنچائی ہے۔ عذاب آخرت سے) قیامت کے دن اللہ فیصلہ کرے گا (مجہول ومعروف دونوں قراءتیں ہیں) تمہارے درمیان (اور کافروں کے درمیان۔ تمہیں جنت میں اور ان کو کافروں کے ساتھ دوزخ میں بھیج کر) اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لئے ایک نمونہ ہے (اسوہ کسرہ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ دونوں جگہ بمعنی نمونہ) عمدہ ابراہیم میں (یعنی ان کے قول وفعل میں) اور ان مومنین میں جو ان کے ساتھ تھے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں (براء بری کی جمع ہے ظریف کی طرح) ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور

بغض ظاہر ہو گیا (ابدا دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو واؤ سے بدل کر ہے) جب تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا (یہ اسوہ سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی ابراہیم کی اس بات میں تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے کہ تم کفار کے لئے استغفار کرنے لگو اور ان کا یہ قول کہ اور تمہارے لئے مجھ کو اللہ کے آگے اختیار نہیں ہے (یعنی اس کے عذاب وثواب کا) کچھ بھی (یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ بجز استغفار کے میں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ پس یہ قول لاستغفرن پر معطوف و مرتب ہے اور بلحاظ مقصد مستثنیٰ ہے۔ اگر چہ بظاہر یہ آیت قل فمن یملک من اللہ شیئا کی وجہ سے قابل تقلید معلوم ہوتی ہے اور ابراہیم کا استغفار اس بات کے ظاہر ہونے سے پہلے ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جیسا کہ سورہ براءت میں گزر چکا ہے) اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں۔ اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (یہ دعائیہ جملے بھی چونکہ ابراہیم اور ان کے رفقاء کے ہیں۔ اس لئے پہلے قالوا مقدر ہے) اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا (یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ نہ دیجئے۔ ورنہ وہ خود کو برسر حق سمجھ بیٹھیں گے۔ پس اس طرح وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ یعنی ان کی عقلیں ہماری وجہ سے ماری جائیں گی۔ بلا شبہ آپ زبردست حکمت والے ہیں (اپنی سلطنت و صنعت میں) بے شک تمہارے لئے (اے امت محمد یہ! قسم مقدر کا یہ جواب ہے) ان لوگوں میں عمدہ نمونہ ہے یعنی اس شخص کے لئے (یہ بدل الاشتمال ہے ضمیر کم سے جار کو دوبارہ لا کر) جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے۔ (ان دونوں سے ثواب وعذاب کا دھیان کرتا ہو) اور جو شخص روگردانی کرے گا (کفار سے دوستی کر کے) سو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل بے نیاز اپنے فرمانبرداروں کے لئے) لائق ستائش ہے۔

تحقیق وترکیب:......... **الممتحنہ** ۔ کسرہ حا کے ساتھ ہو تو مومنین کے اعتبار سے ہے اور فتحہ حا کے ساتھ ہو تو ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط مراد ہوں گی۔ جو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی اور ابراہیم کی والدہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی تھی۔

لا تتخذوا عدوی ۔ محبت وعداوت دونوں میں اگر چہ منافات ہوتی ہے۔ دونوں یک جا نہیں ہو سکتیں۔ اور بظاہر ممانعت دونوں کے ممکن الاجتماع ہونے کو بتلا رہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایک حیثیت سے یقیناً دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ مگر دو حیثیتوں سے جمع ہو سکتی ہیں۔ یعنی دنیاوی لحاظ سے محبت ہو اور مذہبی لحاظ سے عداوت ہو۔ اس لئے آیت میں اس حیثیت سے جمع کرنے کو بھی منع کیا جا رہا ہے کہ ان سے دنیاوی محبت بھی نہ کرو۔ کہ وہ نہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں ظاہری تعلق مراد ہے ورنہ حاطب کا دل صاف تھا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ "**اما صاحبکم فقد صدق**" سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ کفار سے باطنی تعلق تو درکنار ظاہری محبت بھی نہیں ہونی چاہیے۔

عدو کم ۔ اضافت عہد کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

تلقون۔ مفسرؒ نے "قصد النبی" سے اس کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی تم نے آنحضرت ﷺ کی پوشیدہ خبر دشمنوں کو پہنچائی اور بالمودۃ میں باسببیہ ہے۔ حاطب یہ بدری ہیں اور قریش کے حلیف تھے مگر مخلص مسلمان بھی تھے۔

وورى بخيبر ۔ توریہ کہتے ہیں کہ پوشیدہ کے خلاف ظاہر کرنے کو کسی مصلحت سے ہو تو جائز ہے۔ اس کو قصد نہ ہونے کی وجہ سے کذب نہیں کہا جائے گا۔ خیبر کہنا تو صحیح نہیں، بلکہ غزوہ حنین کا توریہ کہنا صحیح ہے۔ چنانچہ بعض نسخوں میں خیبر کے بجائے **وورى الخيبر** کے الفاظ ہیں وہ الفاظ صحیح ہے۔ ایک عورت کے ذریعہ پیغام بھیجا گیا۔ جسے حضرت علیؓ اور مقدادؓ نے موقعہ پر پہنچ کر اس کے سر کے جوڑہ سے برآمد کر لیا۔

خرجتم ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ جہاداً مفعول لہ ہے۔ زمخشریؒ نے کنتم خرجتم جملہ شرطیہ ہے لاتتخذوھم کے فاعل سے حال کہا گیا ہے۔ لیکن بعد کے حضرات نے ان وصلیہ کے علاوہ شرط کو بغیر جواب حال بنانا صحیح نہیں مانا۔

سواء السبيل ۔ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ **سواء** بمعنی وسط جو ہدایت وصواب ہوتا ہے۔

لن تنفعکم۔ تفسیری عبارت میں" من العذاب فی الآخرۃ" کا تعلق لن تنفعکم سے ہے یوم القیامۃ اگر اس کا تعلق لن تنفعکم سے ہے تب تو اس پر وقف کیا جائے گا اور یفصل مستقل جملہ ہے لیکن اگر اس کا تعلق یفصل کے ساتھ ہو تو پھر ولا اولادکم پر وقف ہوگا۔ اور یوم القیامۃ جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

یفصل :ابو عمرؒ، علیؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ کے نزدیک مجہول صیغہ ہے۔ اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ لیکن ابن عامرؒ کے نزدیک مجہول تشدید کے ساتھ ہے ۔اور حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ معروف باب تفعیل اور عاصمؒ کے نزدیک ثلاثی سے معروف ہے۔

اسوۃ ۔امام راغبؒ کہتے ہیں کہ اسوۃ اور اُسوۃ، قدوۃ اور قُدوۃ کی طرح ہے۔ کسی دوسرے کی حالت کی نقل اتارنا خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ اور اسیٰ کے معنی حزن ورنج کے ہیں چھٹی ہوئی چیز پر غم کرنا۔

اذ قالوا ۔یہ ابراہیمؑ اور الذین معہ سے بدل اشتمال ہے قوم سے مراد نمرود اور اس کے پیروکار ہیں۔

الا قول ابراھیم ۔کافر کے لئے جب تک حتمی طور پر اس کا کافر ہونا معلوم نہ ہو۔ اگر چہ استغفار شرعاً عقلاً جائز ہے۔ لیکن جب حتمی طور پر اس کی ممانعت بھی ہو جائے۔ جیسا کہ ومن یتول فان اللہ ھو الغنی الحمید سے معلوم ہو رہا ہے۔ تو پھر اس کو اسوہ بنانا صحیح نہ ہوگا۔

ما املک لک ۔یہ الفاظ کنایہ ہیں اس سے کہ مجھے بجز استغفار کے کچھ اختیار نہیں ہے اور کنایہ کہتے ہیں کہ کسی لفظ کو غیر موضوع لہ معنی میں استعمال کیا جائے مفسرؒ نے اس موقعہ پر ایک شبہ کا دفعیہ کرنا چاہتے ہیں کہ وما املک لک من اللہ حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کا قول تو قابل تقلید ہے۔ حالانکہ اس کا عطف مستثنیٰ یعنی لاستغفرن لک پر ہو رہا ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ قول ثانی بھی پہلے قول کی طرح قابل تقلید نہیں ہے۔ جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں ان ظاہری معنی کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ جو معترض کے پیش نظر ہیں بلکہ معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ یعنی خاص ان کے لئے استغفار کا مالک ہوں۔ دوسرے کے لئے نہیں ہوں اور ظاہر ہے کہ کافر باپ کے لئے استغفار قابل تقلید نہیں ہے۔ پس تفسیری عبارت "فھو مبنی علیہ" کے معنی یہ ہیں کہ یہ قول پہلے قول لاستغفرن پر مرتب ہے۔ بطریق عطف کے یا بطور حالت کے گویا کہ ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ میں باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ حالانکہ میری طاقت اور وسعت میں سوائے استغفار کے سوا کچھ نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس مجموعہ کی حکایت فرما دی مفسرؒ کا قول فمن یملک لکم من اللہ شیئا۔ یہ آیت فتح سے استدلال ہے۔ مفسرؒ کے "یتاسی بہ فیہ" کہنے پر اور خطیب کہتے ہیں کہ ما املک یہ تتمہ ہے لاستغفرن کا اور مجموعہ کے استثناء سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے تمام احوال کا استثناء بھی ہو جائے۔ بہر حال اس آیت میں آنحضرت ﷺ کا حضرت ابراہیمؑ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کو قابل تقلید نمونہ نہیں مانا اور آنحضرت ﷺ کو وما اتاکم الرسول فخذوہ الخ میں مطلقا قابل تقلید مانا ہے۔

ربنا علیک توکلنا۔ اس سے پہلے مفسرؒ نے وقالوا مقدر مان کر اشارہ کیا ہے کہ یہ بھی پہلے قول کا معمول ہے۔ ای قالوا انا براء وقالوا ربنا علیک الخ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو حکم ہو تو سب باطل معبودوں سے ہٹ کر اللہ سے التجا کرو۔

لمن کان۔ مفسرؒ بدل اشتمال کہہ رہے ہیں مراد بدل البعض ہے۔ اور بقول علامہ رضی بدل الاشتمال کو بدل البعض کہہ سکتے ہیں اعادہ جار کی صورت میں اور جن حضرات نے ضمیر مخاطب سے بدل بنانے کو ناجائز کہا ہے اس سے بدل الکل مراد ہے اور سیبویہ کے نزدیک مطلقا بدل بنانا جائز ہے۔

ربط آیات:..........سورہ حشر میں منافقین اور یہود کی دوستی کی مذمت کی تھی۔ اس سورت کے اول وآخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کرنے اور خصوصیت سے مشرکہ عورتوں سے نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور مشرک ومومن عورتوں میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اظہار ایمان پر اکتفا ہو رہا ہے۔

شانِ نزول: .... سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ دو برس تک یہ صلح قائم رہی ہے۔ لیکن پھر کفار کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے نہایت خاموشی سے فوج جمع کر کے فتح مکہ کا ارادہ کیا۔ خبروں پر سخت پابندی کر دی گئی کہ کہیں کفار آپ کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع نہ کر دیں۔ اور اس طرح حرم شریف میں جنگ ناگزیر ہو جائے۔ مگر حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جو بدری مہاجر ہیں۔ مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ حضور ﷺ کو وحی سے یہ معلوم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، مقدادؓ وغیرہ کچھ صحابہ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ حاصل کر کے لے آؤ۔ یہ افراد تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک مقام پر پالیا۔ اس نے بہت لیت ولعل اور ردوکد کے بعد خط ان کے حوالہ کیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے حاطب کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ بولے یا رسول اللہ! میں نے کفر اختیار کیا ہے، نہ اسلام سے پھرا ہوں، سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں۔ وہاں ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ برخلاف دوسرے مسلمانوں کے ان کے تعلقات ایسے ہیں کہ ان کے بال بچوں کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ اس لیے میں نے کافروں پر احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ اس صلہ میں میرے بال بچوں کی خبر گیری کرتے رہیں گے۔ اور ان سے اچھا سلوک کریں گے اس طرح میرا فائدہ ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ فتح ونصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ سے کئے ہیں وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے کسی کے روکے نہیں رک سکتے۔ چنانچہ خط میں بھی یہی مضمون تھا کہ خدا کی قسم اگر رسول اللہ تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا اور جو وعدے ان سے کئے گئے ہیں پورے کر کے چھوڑے گا، بلاشبہ حاطب سے بڑی بھول اور غلطی ہوئی، چنانچہ حضرت عمرؓ تو اتنے برہم اور برافروختہ ہوئے کہ عرض کیا، یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو اس کی گردن ماردوں؟ مگر رحمۃ للعالمین نے فرمایا صدق حاطب لاتقولوا الا بخیرا اور فرمایا کہ حاطب اہل بدر میں سے ہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اللہ نے بدریین کی خطا معاف فرما دی ہو، سورت کی ابتدائی آیات اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... یخرجون الرسول۔ یعنی پیغمبر کو اور تمہیں کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترک وطن پر مجبور کر دیا گیا محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا پروردگار ہے کیوں مانتے ہو، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر دشمنی اور ظلم کیا ہوگا، مگر تعجب ہے کہ تم ایسوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو ہر چند کہ تمہاری نیت بخیر تھی جس کی وجہ سے تمہیں معاف کر دیا گیا مگر عمل یقیناً غلط تھا جس پر توبیخ کی جا رہی ہے، مگر تمہارا مکہ کے گھروں سے نکلنا میری خوشنودی کی خاطر تھا، اور میرے راستہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے لئے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہی دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا، اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو، تم کوئی کام دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کرنا چاہو تو کیا تم اس کو اللہ سے بھی چھپالو گے، کیا حاطب کی درپردہ کوشش کامیاب ہو گئی اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرما دیا اور راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔

و من یفعله۔ یعنی مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس سے چھپانے میں کامیاب ہو جاؤں گا سخت غلطی اور بڑی بھول ہے۔

ان یثقفو کم، ان کافروں سے بحالتِ موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو، تم خواہ کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کر دو گے، وہ کبھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، انتہائی رواداری کے باوجود تم پر اگر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں، زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذائیں پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں، کیا ایسے شریر اور بدباطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

لن تنفعکم ۔یعنی جن عزیزوں کی خاطر دشمنوں کے نام یہ خط لکھا گیا وہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے، اللہ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے اسی کے مطابق فیصلہ فرمائیگا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا، عزیز، قریب، ہٹا نہیں سکتا، پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اپنے اہل وعیال کی خاطر اللہ کو ناراض کرلے، یاد رکھو ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضا مندی ہے وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔

ابراہیم کے بہترین نمونہ ہونے کا مطلب: .... قد کانت لکم ۔یعنی ابراہیم اور ان کے ہمراہی مسلمانوں کا نمونہ سامنے رکھو، کہ اپنے اپنے وقت میں سب نے قولاً فعلاً سب نے اسی علیحدگی کا اعلان کیا اور کہہ دیا کہ لوگو تم اللہ سے منکر ہو اور اسکے احکام کی پروا نہیں کرتے تو ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں اور ذرہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے، اور یہ دشمنی اور عداوت اسی وقت ختم ہو سکتی ہے کہ جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں، تاہم اسی کے ساتھ ان کی اپنے باپ سے اتنی بات تو ہوئی جس سے بظاہر تعلق کا وہم ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کرونگا اور میں صرف دعا ہی کر سکتا ہوں، مجھے خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں کہ دعا قبول ہی کرالوں، یا باوجود ایمان نہ لانے کے تمہیں عذاب سے بچالوں، میں کسی نفع ونقصان کا ملک نہیں، اللہ جو کچھ پہنچانا چاہے اسے میں روک نہیں سکتا، حاصل یہ ہے کہ اتنی بات تو ابراہیم علیہ السلام نے البتہ کہی تھی، وہ بھی ممانعت معلوم ہونے سے پہلے جس کا مطلب تم میں سے بعض لوگ استغفار سمجھ گئے، حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں یعنی طلب ہدایت کہ جس کے نتیجہ میں مغفرت ہو سکے اور اس کی اجازت سب کو ہے، اور واقع میں اتنی سی بات قطع تعلق کے خلاف بھی نہیں تھی مگر صورۃً ظاہری تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے لحاظ سے صورۃً اس کو مستثنیٰ کیا جارہا ہے، نیز ہر چند کہ لفظاً مستثنیٰ مجموعہ ہے "لاستغفرن" الخ اور "ما املک" کا لیکن فی الواقع مستثنیٰ مجموعہ کا جزء اول ہے یعنی "لاستغفرن" اور دوسرا جزء " وما املک" تبعاً آگیا ہے، جیسا کہ مفسرؒ نے اس پر روشنی ڈالی ہے، خلاصہ یہ کہ ابراہیمؑ نے باپ کے لئے دعا چاہی تھی جب تک ان کو معلوم نہ تھا، تم کو معلوم ہو چکا، لہٰذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو اور اس استغفار کی تحقیق سورۂ براءت کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

مسلمانوں کا فتنہ بننا: .... لاتجعلنا فتنۃ ،یعنی کافروں کا تختہ مشق نہ بنا کہ ہمیں دیکھ کر کافر خوش ہوں، اسلام اور مسلمانوں پر آوازیں کسیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔

لقد کان لکم ،یعنی تمہیں اللہ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کی اگر امید ہے تو ابراہیم اور انکے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیے، دنیا تمہیں کتنا ہی متعصب اور تنگ دل کہے تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو، جو دنیا کے موحد اعظم نے اپنے طرزِ عمل سے قائم کر دیا، مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے، اگر اس کے خلاف چلو گے اور خدا کے دشمنوں سے یارا کرو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے، اللہ کو کسی کی دوستی، دشمنی کی کیا پرواہ، وہ تو بذاتِ خود تمام کمالات سے اور ہر طرح کی خوبیوں کا مالک ہے اس کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے۔

لطائف سلوک: .... ان کنتم خرجتم ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت الٰہی کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے مخالفین سے قطع تعلق ہو۔

لن تنفعکم ارحامکم، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی علائق کی رعایت دین میں ناجائز ہے۔

اذ قالوا لقومھم تا لاستغفرن ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغض فی اللہ شفقت وخیر خواہی کو قطع نہیں کرتا، برخلاف بغض نفسانی کے، اس میں شفقت نہیں رہتی۔

ربنا لا تجعلنا فتنۃ ،اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اسباب سے بھی بچنا چاہئے جن سے اہل حق پر اہل باطل ہونے کا شبہ ہو یا اہل باطل کو

اہل حق سمجھا جانے لگے، البتہ اسباب اگر غیر اختیاری ہوں تو ان سے بچنا یہ ہے کہ اللہ سے دعا کرے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مِنْ كُفَّارِ مَكَّةَ طَاعَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى **مَّوَدَّةً** بِاَنْ يَّهْدِيَهُمْ لِلْاِيْمَانِ فَيَصِيْرُوْا لَكُمْ اَوْلِيَاءَ **وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ** عَلٰى ذٰلِكَ وَقَدْ فَعَلَهٗ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لَّهُمْ مَا سَلَفَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۷﴾ بِهِمْ **لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ** مِنَ الْكُفَّارِ **فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ** بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الَّذِيْنَ **وَتُقْسِطُوْا** تَقْضُوْا **اِلَيْهِمْ** بِالْقِسْطِ اَيِ الْعَدْلِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ** ﴿۸﴾ الْعَادِلِيْنَ **اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا** عَاوَنُوْا **عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ** بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الَّذِيْنَ اَيْ تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ **وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۹﴾ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ** بِاَلْسِنَتِهِنَّ **مُهٰجِرٰتٍ** مِنَ الْكُفَّارِ بَعْدَ الصُّلْحِ مَعَهُمْ فِي الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى اَنَّ مَنْ جَاءَ مِنْهُمْ اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ يُرَدُّ **فَامْتَحِنُوْهُنَّ** بِالْحَلْفِ اَنَّهُنَّ مَا خَرَجْنَ اِلَّا رَغْبَةً فِي الْاِسْلَامِ لَا بُغْضًا لِاَزْوَاجِهِنَّ الْكُفَّارِ وَلَا عِشْقًا لِرِجَالٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَذَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَلِّفُهُنَّ **اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ** ظَنَنْتُمُوْهُنَّ بِالْحَلْفِ **مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ** تَرُدُّوْهُنَّ **اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ** اَيْ اَعْطُوا الْكُفَّارَ اَزْوَاجَهُنَّ **مَّآ اَنْفَقُوْا** عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهُوْرِ **وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ** بِشَرْطِهٖ **اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ **وَلَا تُمْسِكُوْا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ** زَوْجَاتِكُمْ لِقَطْعِ اِسْلَامِكُمْ لَهَا بِشَرْطِهٖ اَوِ اللَّاحِقَاتِ بِالْمُشْرِكِيْنَ مُرْتَدَّاتٍ لِقَطْعِ اِرْتِدَادِهِنَّ نِكَاحَكُمْ بِشَرْطِهٖ **وَسْئَلُوْا** اُطْلُبُوْا **مَآ اَنْفَقْتُمْ** عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهُوْرِ فِيْ صُوْرَةِ الْاِرْتِدَادِ مِمَّنْ تَزَوَّجَهُنَّ مِنَ الْكُفَّارِ **وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا** عَلَى الْمُهَاجِرَاتِ كَمَا تَقَدَّمَ اَنَّهُمْ يُؤْتُوْنَهٗ **ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ** بِهٖ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** ﴿۱۰﴾ **وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ** اَيْ وَاحِدَةٌ فَاَكْثَرُ مِنْهُنَّ اَوْ شَيْءٌ مِّنْ مُّهُوْرِهِنَّ بِالذَّهَابِ **اِلَى الْكُفَّارِ** مُرْتَدَّاتٍ **فَعَاقَبْتُمْ** فَغَزَوْتُمْ وَغَنِمْتُمْ **فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ** مِنَ الْغَنِيْمَةِ **مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا** لِفَوَاتِهٖ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَةِ الْكُفَّارِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۱﴾ وَقَدْ فَعَلَ الْمُؤْمِنُوْنَ مَا اُمِرُوْا بِهٖ مِنَ الْاِيْتَاءِ لِلْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ ثُمَّ ارْتَفَعَ هٰذَا الْحُكْمُ **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ** كَمَا كَانَ يُفْعَلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ وَّاْدِ الْبَنَاتِ اَيْ دَفْنِهِنَّ اَحْيَاءً خَوْفَ الْعَارِ وَالْفَقْرِ **وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ** اَيْ بِوَلَدٍ مَّلْقُوْطٍ يُنْسِبْنَهٗ اِلَى الزَّوْجِ وَوُصِفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيْقِيِّ فَاِنَّ الْاُمَّ

اِذَا وَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا **وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ** هُوَ مَا وَافَقَ طَاعَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى كَتَرْكِ النِّيَاحَةِ وَتَمْزِيْقِ الثِّيَابِ وَجَزِّ الشَّعْرِ وَشَقِّ الْجَيْبِ وَخَمْشِ الْوَجْهِ **فَبَايِعْهُنَّ** فَعَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ بِالْقَوْلِ وَلَمْ يُصَافِحْ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ **وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱۲﴾ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ** هُمُ الْيَهُوْدُ **قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ** اَيْ مِنْ ثَوَابِهَا مَعَ اِيْقَانِهِمْ بِهَا لِعِنَادِهِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عِلْمِهِمْ بِصِدْقِهٖ **كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ** الْكَائِنُوْنَ **مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ** ﴿۱۳﴾ اَيِ الْمَقْبُوْرِيْنَ مِنْ خَيْرِ الْاٰخِرَةِ اِذْ تُعْرَضُ عَلَيْهِمْ مَقَاعِدُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ كَانُوْا اٰمَنُوْا وَمَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ النَّارِ۔

ع ۲ ۷ ۸

ترجمہ:............اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے (اللہ کی اطاعت کی وجہ سے یعنی کفار مکہ سے) دوستی کردے (انہیں اسلام کی توفیق بخش دے کہ وہ تمہارے دوست بن جائیں) اور اللہ کو بڑی قدرت ہے (اس پر چنانچہ فتح مکہ کے بعد اللہ نے وعدہ پورا کردیا) اور معاف کرنے والا ہے (جو کچھ ان سے پہلے سرزد ہو چکا ہے، ان پر) رحم کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، ان (کافروں) کے ساتھ احسان وانصاف کا برتاؤ کرنے سے ("ان تبروھم" بدل اشتمال ہے "الذین" سے اور قسط بمعنی عدل ہے) جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تمہیں روکتا ہے، جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تمہارے گھروں سے تم کو نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد (اعانت) کی ہو، "ان تولوھم" بدل اشتمال ہے الذین سے یعنی ان کو دوست بنانے سے روکتا ہے) اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی کریگا سو وہ لوگ گناہگار ہونگے، اے اہل ایمان جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (جنہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا) ہجرت کر کے آئیں کفار کو چھوڑ کر، اس فیصلہ کے بعد جو صلح حدیبیہ کے موقع پر طے ہو گیا تھا کہ کافروں میں سے اگر کوئی مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا،) تو تم ان کا امتحان کرلیا کرو (یہ قسم دلا کر ان کا ہجرت کرنا صرف اسلام کی وجہ سے ہوا ہے، کافر شوہروں سے نفرت کی وجہ سے، اور مسلمانوں سے عشق ومحبت کی وجہ سے نہیں ہوا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مضمون کا حلف عورتوں سے لیتے تھے) ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، چنانچہ اگر تم انہیں مسلمان سمجھو (قسم سے تمہارا اطمینان ہو جائے) تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو نہ وہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں پر اور ان (کافروں) کو ادا کردو جو انہوں نے خرچ کیا ہے، (مہر اپنی عورتوں پر) اور تمہیں ان عورتوں سے (مشروط) نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو اور تم باقی مت رکھو (تشدید وتخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) کافر عورتوں کے تعلقات کو (کافر بیویوں کے کیونکہ اسلام نے اس رشتہ کو منقطع کردیا مع شرط کے یا ان بیویوں سے جو مشرکین سے جا ملیں مرتد ہو کر، کیونکہ ان کے ارتداد نے تمہارے نکاح کو مع شرط کے منقطع کردیا ہے) اور مطالبہ کرلو (مانگ لو) کافروں سے جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے (ان بیویوں پر مہر اس صورت میں کہ ان بیویوں نے مرتد ہو کر کافروں سے نکاح کرلیا ہو) اور وہ مانگ لیں جو کچھ ان کافروں نے ہجرت کرنے والی عورتوں پر خرچ کیا ہو جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ وہ خرچہ کو ادا کریں گے) یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان (اس کا) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم وحکمت والا ہے، اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بی بی ہاتھ نہ آئے (یعنی ایک یا ایک سے زائد بیوی، یا مہر میں سے کچھ لے کر چلی جائے) کافروں میں (مرتد ہو کر) چلی جانے سے پھر تمہاری نوبت آئے (غزوہ کر کے مال غنیمت میں تم نے حاصل کرلی ہو) تو جن کی بیویاں نکل گئی تھیں (غنیمت میں سے) جتنا انہوں نے

کیا تھا اتنا تم دے دو (کیوں کہ کافروں سے انہیں کچھ نہیں ملا) اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو (مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کفار اور مؤمنین کو مال دیا، اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا) اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ وہ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی، (جیسے زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا رواج تھا، عار اور فقر کے خیال سے ان کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا) اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی، جن کو ہاتھ پاؤں کے درمیان بنا لیا ہو (یعنی گری پڑی اولاد کو شوہروں کی طرف منسوب کر دیں اور حقیقی اولاد اس لئے کہا کہ ماں جب بچہ جنے گی تو بچہ اس کے ہاتھ پاؤں کے آگے ہی ولادت پائے گا) اور شرعی باتوں میں آپ کے خلاف نہیں کریں گی (مشروع باتیں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوں، مثلاً بیان کر کے نہ رونا، کپڑے وغیرہ نہ پھاڑنا اور بال نہ نوچنا اور نہ چہرہ کو پیٹنا) تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زبانی بیعت فرمایا، لیکن انہوں نے کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا) اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے، بلاشبہ اللہ غفور ورحیم ہے، اے اہل ایمان ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے (یعنی یہود) وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے، (یعنی ثواب سے، باوجود یکہ ان کا اس کا یقین ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتے ہوئے، حالانکہ ان کو آپ کے سچے ہونے کا یقین ہے) جیسا کہ کفار مایوس ہوں گے قبروں میں جا کر (یعنی آخرت کی بھلائی سے قبروں میں ناامید ہوں گے، جنت کا مقام ان کو دکھلایا جائیگا، جو بصورت ایمان ان کو نصیب ہوتا، اور دوزخ جس میں وہ جھونکیں جائیں گے)

تحقیق وترکیب: .... **عادیتم منهم** تفسیر کی عبارت "**طاعة الله عادیتم**" کی یہ علت ہے ای **عادیتموهم لاجل طاعة الله**

لاینهاکم الله، جو کفار مسلمانوں سے عداوت نہیں رکھتے یہ ان کے اچھے سلوک کا ایک صلہ ہے، ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے، جب کہ جہاد کی اجازت نہیں تھی پھر منسوخ ہو گیا، اور قتادہ آیت **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم** سے اس کو منسوخ مانتے ہیں، لیکن اکثر علماء تاویل اس حکم کو غیر منسوخ اور محکم مانتے ہیں، اور حاصل اس حکم کا کفار سے عداوت اور دوستی میں اعتدال ملحوظ رکھنا ہے، چنانچہ منقول ہے کہ قوم خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد وپیمان کیا تھا کہ ہم نہ مسلمانوں کے خلاف ہوں گے اور نہ دشمنان دین کا ساتھ دیں گے، ان کے متعلق یہ حکم ہے یا پھر ان عورتوں اور بچوں کے سلسلہ میں یہ حکم ہے جنہیں لڑائی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یا یوں کہا جائے کہ پچھلی آیت میں عام کفار کے متعلق حکم تھا، خواہ وہ مصلحت کنندہ ہوں لیکن اس آیت میں قبیلہ خزاعہ اور بنی الحارث جیسے لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا، جن سے معاہدہ صلح ہے، البتہ جو کافر حربی ہیں دوسری آیت میں ان کا ذکر ہے، ان سے بدستور جنگ رہے گی، گویا پہلی آیت ذمیوں سے متعلق ہے اور دوسری آیت کا تعلق حربیوں سے ہے، اس لئے صاحب ھدایہ نے باب الوصیۃ میں استدلال کرتے ہوئے کہا ہے "**ان الوصیة للذمی جائزة دون الحربی لانه نوع انسان**" نیز باب الزکوٰۃ میں ہے "**ان الصدقة النافلة یجوز اعطاء ها للذمی دون الحربی لانامانهینا عن البر فی حقهم بخلاف الزکوة لانها لایجوز الا لمسلم لحدیث معاذ خذها من اغنیاء هم وردها الی فقرائهم**.

"**ان تبروهم**" یہ "**الذین لم یقاتلوکم**" سے بدل ہے ای **لاینهاکم عن برهم**.

وتقسطوا الیهم ـ عدل وانصاف کرنے میں ان کی تخصیص نہیں، وہ تو ہر ایک کے ساتھ حتیٰ کہ قاتل کے ساتھ بھی کیا جائے گا، اسلئے اعطاء سے تفسیر کرنا بہتر ہوگا، ای **تعطوهم قسطا من اموالکم**۔ یعنی قسط کا "بر" پر عطف خاص کا عام پر عطف ہوگا،

اذا جاء کم المؤمنات، یعنی سرسری طور پر ان کے ایمان کو دیکھا جائے گا، صرف زبانی اقرار پر اکتفاء کرلیا جائے گا قلبی ایمان کی تحقیق

ضروری نہیں ہوگی، البتہ اس ہجرت کا سبب ایمان کے علاوہ اگر نجی تعلقات یا منافرت ہو تو پھر اس ہجرت کا اعتبار نہیں ہوگا، اور ہر چند کہ صلح حدیبیہ میں مکہ سے آنے والوں کے واپسی کی دفعہ عام تھی، جس میں مرد عورتیں سب داخل ہوتیں، لیکن آیت'' لاھن حل لھم ولاھم یحلون لھن '' سے معلوم ہوا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہیں خواہ تو اس کو ماقبل کا بیان مان لیا جائے یا بقول مدارک پہلے مطلق حکم منسوخ قرار دیا جائے، یہاں تین الفاظ سے ایمان کا ضروری ہونا معلوم ہو رہا ہے، (۱) اذا جاء کم المؤمنات، (۲) اللہ اعلم بایمانھن، (۳) فان علمتموھن مؤمنات۔ اور درمیان میں اللہ اعلم بایمانہن بطور جملہ معترضہ ہے کہ حقیقی ایمان کا پتہ تو اللہ کے سوا کس کو ہو سکتا ہے تم کلمہ شہادت کا اعتبار کر لو اور ایمان کی شرط اور حلفیہ بیان کی وجہ یہ ہے بعض گھریلو جھگڑوں میں عورتوں نے کافر شوہروں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ اگر تم نہیں مانتے تو ہم محمدؐ کے پاس چلی جائیں گی، دوسرا حکم ''اتوھم ما انفقوا'' سے مسلمانوں کو یہ دیا جا رہا ہے کہ اگر تم ان مسلمان مہاجرین عورتوں سے شادی کرنا چاہو تو پہلے ان کے سابقہ کافر شوہروں کو مہر ادا کر دو، پھر ان عورتوں سے شادی کر سکتے ہو، اس درمیانی معتدل حکم میں اسلام نے مسلمان بیوی اور کافر شوہر دونوں کی رعائت کر دی ہے، اگر صرف کافر شوہر کا لحاظ کر کے عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی جاتی تو اس میں عورتوں کی حق تلفی ہوتی، اور مسلمانوں کو مفت نکاح کی اجازت دے دی جاتی تو پہلے کافر شوہروں کا مالی نقصان ہوتا، اور ہجرت کی بنیاد صرف اسلام کو قرار دے کر بہت سے فتنوں کا سد باب کر دیا ہے، صاحب ھدایہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ''باب العدۃ'' میں کہا ہے، ان عند ابی حنیفۃؒ اذا اخرجت الحربیۃ الینا مسلمۃ جاز لھا التزوج من غیر عدۃ خلافا لھما و لہ قولہ تعالی لاجناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیتموھن اجورھن '' صاحب مدارک کی رائے بھی یہی ہے اور صاحب کشاف نے بھی اس کو ذکر فرمایا ہے، اور کہا ہے کہ انما قیدہ بایتاء المھور امالانہ یراد بہ ما یعطی لھن لیدفعنہ الی ازواجھن فیجب تقدیم ادائہ او یعطی لھن علی سبیل الفرض ثم یزوجھن علی ذلک او یذاناً بان ماا عطی ازواجھن لا یقوم مقام المھر۔ امام زاہد فرماتے ہیں کہ ''الایتاء ھھنا الالتزام والقبول، اس میں اختلاف ہے کہ یہ مہر واپس کرنا مسلمانوں پر واجب ہے یا مستحب اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ آیا صلح عام ہوئی تھی کہ مرد وعورت سب کو واپس کیا جائے گا، اور بعد میں عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے یا صلح صرف مردوں ہی کے بارے میں ہوئی تھی، اور عورتیں اس میں داخل ہی نہیں تھیں؟ جیسا کہ صلحنامہ کے ان الفاظ سے تخصیص معلوم ہوتی ہے علی انہ لایاتیک منا رجل وان کان علی دینک الا رددتہ'' اگر پہلی صورت ہے تو مہر کی واپسی واجب ہوگی ورنہ مستحب ہے، اس کے بعد آیت ''ولا تمسکوا'' سے تیسرا حکم دیا جا رہا ہے کہ کافرہ عورتوں سے نکاح مت کرو لیکن لفظ امساک بتلا رہا ہے کہ کافر عورتوں کو نکاح میں باقی رکھنے سے منع کیا جا رہا ہے، یہاں ابتداء نکاح کرنے سے منع نہیں کیا جا رہا ہے، مدارک میں ہے ''لاتکن بینکم وبینھن عصمۃ ولا علقۃ زوجیۃ'' یعنی جن مسلمانوں کی بیویاں مکہ رہ گئیں اور وہ کافر ہیں تو ان کو بیویاں مت بنائے رکھو بلکہ ان کو چھوڑ دو، کیونکہ دونوں کا وطن مختلف ہو گیا، ایک کا دار الاسلام اور دوسرے کا دار الحرب، اور مذہب بھی الگ الگ ہے، چنانچہ صحابہؓ نے ایسی بیویوں کو چھوڑ دیا، تفسیری عبارت ''لقطع اسلامکم لھا بشرطہ'' کا مطلب یہ ہے کہ مدخولہ ہونے کی صورت میں اسلام ان دونوں کو عدت میں جمع نہیں کیا گیا'' اوالاحقاف الخ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بیوی اگر مرتد ہو کر دار الحرب میں چلی گئی تو اس کو بھی بیوی نہ سمجھو، کیونکہ ارتداد نے یہ رشتہ منقطع کر دیا ہے، غیر مدخولہ ہونے کی صورت میں تو فوری تفریق ہو جائے گی اور مدخولہ ہونے کی صورت میں اگر عدت میں دوبارہ بھی یہ مسلمان ہو جائے تب بھی رجعت نہیں ہوگی۔

بشرطہ کا مطلب بشرط القطع ہے یعنی انقضائے عدت۔ پس اسلام تو سبب انقطاع ہوا اور عدت کا گزرنا شرط ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ عدت ختم ہونے تک جاری ہے۔ پس اگر عدت ختم ہونے سے پہلے عورت دوبارہ مسلمان ہو جائے امام شافعیؒ کے نزدیک بیوی اگر مدخولہ ہے تو بدستور بیوی رہے گی۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر غیر مدخولہ ہے تو مرتد ہوتے ہی تفریق ہو جائے گی۔ امام مالکؒ کے نزدیک مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں صورتوں میں تجدید نکاح ضروری ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اختلاف دارین کی وجہ سے عصمت ختم ہو جاتی ہے۔ اور مہاجرہ کے لئے عدت نہیں ہے

جیسا کہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا حکم مہر کے لین دین سے متعلق ہے۔ واسئلوا ما انفقتم یعنی از روئے عدل وانصاف جس طرح تمہیں اپنی کفر یا مرتد بیوی کے سلسلہ میں اپنے دیئے ہوئے مہر کے مطالبہ کا نئے کافر شوہروں سے حق ہے اسی طرح کافروں کو بھی حق ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے مہر کا مطالبہ تم سے کریں جنہوں نے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کی صورت میں تم سے شادی کرلی ہے۔ لیکن یہ حکم بھی اب منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ مسلمانوں نے تو اس پر عمل کرتے ہوئے مہر کی رقم کافروں کے پاس بھجوادی۔ مگر کافروں نے مرتد عورتوں کو مہر دینے سے انکار کردیا اس پر وان فاتکم نازل ہوئی۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر تمہاری ایک دو بیویاں یا پورا یا ادھورا مہر کفار کے قبضہ میں رہ جائے اور پھر تمہیں مہر کی ادائیگی کی نوبت پیش آجائے۔ تو کافر شوہروں کو تم بھی مہر ادا نہ کیا کرو۔ بلکہ ان مسلمان شوہروں کے حوالہ کردو۔ جن کے مہر کفار کے پاس رہ گئے ہیں۔ اس تبادلہ سے مسلمان بھائیوں کے نقصان کی تلافی ہوجائے گی۔ مفسرؒ نے او شیء من مھورھن میں اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے۔

فعاقبم۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ عاقبتم عقاب سے ہے۔ یعنی کفار سے انتقامی کاروائی کرکے جہاد کرو۔ حتیٰ کہ تمہیں مال غنیمت حاصل ہوجائے۔ جیسا کہ زجاجؒ کی رائے ہے اور بعض نے یہ معنی لیے ہیں کہ انجام تمہارے حق میں ہوجائے اور تم کامیاب ہوجاؤ اور عاقبت تمہارے ساتھ ہوجائے یعنی کفار سے تمہیں عقبیٰ اور غنیمت حاصل ہوجائے۔ حاصل دونوں توجیہوں کا ایک ہی نکلتا ہے اور بعض نے عقب کے معنی نوبت کے لئے ہیں یعنی تمہارے مہر کی ادائیگی کی نوبت آجائے لیکن اکثر نے پہلے ہی معنی لئے ہیں، چنانچہ مفسرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، بہر حال چھ مسلمان عورتیں مرتد ہوکر دارالحرب چلی گئیں جن کا مہر مسلمان شوہروں کو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت سے ادا فرمادیا۔ گویا یوں سمجھا جائے گا کہ کافر شوہروں نے جب مہر خود نہیں دیا تو ان سے حاصل کئے ہوئے مال غنیمت کا خمس نکالنے سے پہلے دین مہر مسلمانوں کو ادا کردیا گیا۔ کیونکہ وہ اسی دین کی ادائیگی ہے جو کفار پر واجب تھا۔ تفسیری عبارت لفواته علیھم کا مطلب یہی ہے۔

من الایتاء۔ اس کا تعلق اٰتو ھم ما انفقوا کے ساتھ ہے اور والمؤمنین کا تعلق فاتوا الذین ذھبت کے ساتھ ہے۔ ای ومن ایتاء المؤمنین مھر المرتدۃ لزوجھا الکافر من الغنیمۃ۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت جہاد غنیمت یا سنت کی وجہ سے فامتحنوھن اور اٰتو ھم ما انفقوا اور واسئلوا ما انفقتم اور یسئلوا ما انفقوا اور فاتوا الذین ذھبت ازواجھم سب احکام منسوخ ہوگئے ہیں کیونکہ یہ سب صورتیں معاہدہ کے تحت تھیں۔ لیکن جب معاہدہ نہیں رہا تو ذیلی دفعات بھی سب ختم ہوگئیں اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ عاقبتم کے معنی اگر غنمتم کے ہوں تو یہ حکم استحبابی ہے اور باقی ہے۔ اذا جاءک المومنات عورتوں میں چونکہ عام طور سے یہ برائیاں پائی جاتی ہوں گی۔ اس لئے آپ نے بیعت لیتے وقت ان سے باز رہنے کا عہد لیا۔

بین ایدیھن۔ حرامی بچہ کی نسبت خاوندوں کی طرف کردیتی تھیں۔ اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ کشاف اور مدارک نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ معروف کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ امام زاہد معروف سے مراد نوحہ نہ کرنا، کپڑے نہ پھاڑنا، نامحرم کے ساتھ عورت کا سفر نہ کرنا۔ صاحب کشاف نے روایت نقل کی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر مردوں کی بیعت کے بعد عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے یہ عہد لئے تھے۔ دراصل بیعت اور بیع دونوں کا ماخذ ایک ہے اور جس طرح بیع میں حوالگی ہوتی ہے اسی طرح بیعت میں بھی مرید خود کو شیخ کے حوالہ کردیتا ہے جس کا حاصل انقیاد کامل ہے۔ بیعت کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک بیعت اسلام یعنی اسلام عمدہ طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد بیعت کرنا۔ دوسرے بیعت امتثال۔ جیسے خلفاء اسلام سے رعایا کا بیعت کرنا۔ تیسرے بیعت ارادۃ ہوتی ہے اس آیت میں یہی مراد ہے۔ جسے بیعت سلوک کہنا چاہیے مردوں کی بیعت میں۔ مصافحہ شرط یا ضروری تو نہیں مگر قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ تاہم عورتوں کی بیعت میں اجازت نہیں ہے۔ اور حدیث میں جہاں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے تو محرم کی موجودگی ہوگی یا ممانعت سے پہلے کی بات ہوگی۔ البتہ قینچی کلاہ وغیرہ کا دینا۔ بعض آنحضرت ﷺ سے اور بعض حضرت علیؓ سے اور بعض مشائخ سے منسوب کرتے ہیں۔ لاتتولوا فاتحہ سورت کا مضمون

دہرایا گیا ہے۔ جس کو اصطلاح بلاغت میں رد العجز علی الصدر کہا جاتا ہے تو ماغضب اللہ سے یہود مراد ہیں یا تمام کفار اصحاب القبور مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ قبر سے موضع مراد ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ اصحاب القبور اہل قبور اور موتی ہیں۔ اذ تعرض ۔ یہ ظرف ہے پیشوا کا اور لو کانوا امنوا قید ہے مقاعدھم کی نسبت کی اور ما یصبرون کا عطف مقاعدھم پر ہے۔

شان نزول وروایات:...........لا ینھا کم اللہ۔ شروع سورت میں جو کفار سے مطلقا دوستی رکھنے کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں ذمی کافروں سے یعنی جن سے عہد صلح ہو گیا ہو ان سے تعلقات رکھنے کی اجازت دی جارہی ہے جیسے قبیلہ خزاعہ اور بنی حارث اس لئے یہ آیت محکم ہے۔ اس میں کافر عورتیں بچے بھی داخل ہیں۔ جن سے کوئی جنگی خطرہ نہیں ہوتا۔ اور بعض نے اس کے شان نزول میں قبیلہ بنت عبدالعزیٰ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ بحالت کفر اپنی بیٹی اسماءبنت ابوبکر کے پاس ہدایا لے کر ملنے آئے۔ مگر اسماءؓ نے نہ ہدایا قبول کئے اور نہ ماں کو ملنے کی اجازت دی اور دوسری آیت انما ینھا کم کفار حرب کے بارہ میں نازل ہوئی کہ ان سے تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

اذجاء کم المومنات ۔ صلح حدیبیہ کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جائے گا اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ چنانچہ کچھ مسلمان مرد مکہ سے مدینہ آئے تو انہیں شرط کے مطابق واپس کر دیا گیا۔ پھر کچھ عورتیں بھی آئیں تو ان کے عزیز واقارب نے ان کی واپسی کے لئے بھی درخواست کی۔ اس پر حدیبیہ ہی میں یہ آیتیں نازل ہوئی اور ان کو واپس کرنے سے منع کر دیا گیا۔ پس صلحنامہ کا عموم اس سے خاص اور منسوخ کر دیا گیا۔ ایسی عورتوں کے لئے کچھ شرائط اور احکام خاص بھی مقرر کر دیئے گئے۔ مثلا جو عورتیں مسلمان ہو کر آتیں ان سے حضرت عمرؓ حلفیہ بیان لیتے۔ کہ ماخرجت رغبۃ بارض عن ارض وباللہ ماخرجت عن بغض زوج وباللہ ماخرجت الاحبا اللہ ورسولہ۔ اور بقول عکرمہؒ ان سے کہا جاتا ماجاءک عشق رجال منا ولافرارامن زوجک ماجاءک الا حباللہ ورسولہ. منجملہ مہاجر عورتوں کے سبیعہ بنت الحارث اسلمیہ تھیں۔ ان کے شوہر کا نام مسافر مخزومی یا صیفی بن الراہب تھا۔ انہوں نے بیوی کی واپسی کی خواہش کی۔ مگر جبرائیل یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سبیعہ اسلمی سے حلفیہ بیان لیا کہ وہ مومنہ ہے اور آپ ﷺ نے مسافر مخزومی کو اس کا مہر وغیرہ ادا کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ سے ان کا نکاح ہو گیا۔ دوسرا حکم مشرک عورتوں کے اپنے نکاح میں نہ رکھنے کے بارہ میں ''ولا تمسکوا بعصم الکوافر'' نازل ہوا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ من کانت لہ امرأۃ کافرۃ بمکۃ فلا یعتدن بھا من نسائہ لان اختلاف الدارین قطع عصمتھا منہ۔ چنانچہ صحابہؓ نے کافر بیویوں کو جو مکہ میں رہ گئیں تھیں چھوڑ دیا اور مہر کے تبادلہ کے سلسلہ میں واسئلو اما انفقتم ولیسئلو اما انفقوا حکم نازل ہوا۔ لیکن کفار کی طرف سے جب مہر کی ادائیگی کی رکاوٹ ہوئی تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور مسلمانوں پر بھی مہر کی ادائیگی نہیں رہی۔ اس کے بعد بیعت کی شرائط واحکام بیان فرمانے لگے۔ مردوں کی بیعت کا ذکر تو سورہ فتح کی آیت ان الذین یبایعونک اور لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک میں آچکا تھا۔ مومن عورتوں کا ذکر آیت اذجاءک المؤمنات یبایعنک میں فرمایا جا رہا ہے۔ چنانچہ آنحضرت کوہ صفا پر تھے۔ اور حضرت عمرؓ آپ کے حکم سے نیچے کی جانب عورتوں سے بیعت لے رہے تھے۔ منجملہ عورتوں کے ہندہ بن عتبہ ابوسفیان کی بیوی بھی حاضر ہوئیں مگر آنحضرت ﷺ سے خائف چادر میں لپٹی ہوئی آئیں کہ پہچان نہ لی جائیں۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ابایعکن علی ان لایشرکن باللہ شیئا۔ تو اس پر ہندہ بولیں۔ واللہ لقد عبدنا الاصنام وانک لتاخذ علینا امرا ما رایناک اخذتہ علی الرجال تبایع الرجال علی الاسلام والجھاد ۔ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا۔ ولا یسرقن ۔ اس پر ہندہ نے عرض کیا۔ ان اباسفیان رجلا شحیح وانی اصبت من مالہ ھنات فما ادری آیحل لی ام لا۔ ابوسفیانؓ بولے۔ مااصبت من شئی فیما مضٰی غیر فھو لک حلال۔ یہ مکالمہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور پہچان کر فرمایا۔ وانک ھندہ بنت عتبۃ؟

بولیں، جی ہاں، اور عرض گذار ہوئیں؟ فاعف عما سلف یا نبی اللہ عفا اللہ عنک۔ آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ ولا یزنین کہنے لگیں۔ او تزنی الحرۃ۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ مازنت منھن امراۃ قط آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ولا یقتلن اولا دھن ہندہ بولیں ۔ ربینا ھم صغارا وقتلتھم کبارا فانتم وھم اعلم۔ یہ اس لئے کہا کہ ابوسفیان کا جوان بیٹا حنظلہ غزوہ بدر میں مارا جا چکا تھا۔ اس لئے یہ فقرے سن کر حضرت عمرؓ تو ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ بھی مسکرا دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ولا یاتین ببھتان۔ ہندہ نے عرض کیا۔ واللہ ان البھتان لامر قبیح وما تامرنا الا بالرشد ومکارم الاخلاق۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ولا یعصینک فی معروف۔ ہندہ بولیں واللہ ما جعلنا فجعلنا ھذا وفی انفسنا ان نعصیک فی شیٔ۔ ہندہ کی جراءت و بے باکی تو قابل داد ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کا تحمل ووقار اور وسعت اخلاق بھی بے مثال ہے۔ عورتوں سے بیعت لینے میں آپ ﷺ نے مصافحہ نہیں فرمایا چنانچہ حضرت عائشہؓ کے الفاظ یہ ہیں۔ واللہ ما اخذ رسول اللہ ﷺ علی النساء قط الابما امر اللہ عزو جل وما مست کف رسول اللہ ﷺ کف امراۃ قط دوسری روایت میں ہے۔ انہ ﷺ بایع النساء وبین یدیہ وایدیھن ثوب وکان بشرط علیھن. وفی روایہ ثوب قطری یا خذن بطرف منہ ویا خذون بطرف الاخر توقیا عن مساس ایدی الاجنبیات۔

﴿تشریح﴾:...... ایک تو رشتہ داروں کے چھوٹنے کا غم اگر چہ وہ کافر ہی سہی۔ دوسرے عام کافروں کی عداوت سن کر فکر ہو سکتی تھی۔ اس لئے عسی اللہ پر بشارت آمیز پیشین گوئی فرمائی جا رہی ہے کہ یہ عارضی جدائیگی ہے۔ اللہ کی قدرت ورحمت سے بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں۔ کل وہ مسلمان بن کر بہترین دوست ہو جائیں اور پھر تمہارے اور ان کے درمیان بدستور بلکہ پہلے سے بھی زیادہ برادرانہ اور دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر یہی ہوا کہ سب مکہ والے مسلمان ہو گئے تو جو ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے۔ اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے مطلب یہ ہے کہ قطع تعلق اگر ہمیشہ کے لئے کیا جاتا تب بھی حکم الٰہی ہونے کی وجہ سے واجب التسلیم اور واجب العمل تھا۔ لیکن اب تو یہ ترک موالات چند روزہ ہے۔ پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس لئے بحالات موجودہ، ترک موالات پر مضبوطی سے قائم رہو۔ جس کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے وہ اللہ سے اپنی خطا معاف کرالے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

امن پسند کفار سے رواداری برتنی چاہیے: ...... لا ینھا کم اللہ۔ یعنی سب کافر ایک طرح کے نہیں ہیں۔ لہٰذا سب کو ایک لاٹھی سے نہ ہنکاؤ۔ جو کافر مصالح اور غیر جانبدار ہوں کہ نہ تو مسلمان ہوئے اور نہ ہی مسلمانوں سے بیر رکھا اور نہ ان کے دشمنوں سے لگاؤ رکھا۔ ایسے کافروں سے بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ پس انصاف یہاں خاص انصاف یعنی احسان کا برتاؤ مراد ہے ورنہ عام انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلام کا معیار اخلاق کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ اگر کافروں کی ایک جماعت مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو کافروں کو بلا امتیاز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دو۔

اسلام عورتوں، بچوں، کمزوروں سے حد درجہ رعایت کرتا ہے: ...... ضروری ہے کہ عورت، مرد، بوڑھے، جوان، بچے معاند غیر معاند کے اعتبار سے ان میں فرق کیا جائے۔ البتہ جو کافر تم سے آمادہ پیکار ہوں ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا بے شک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے۔ یہ تو ہوا متحارب غیر متحارب مرد کافروں کا معاملہ۔ رہ گئیں عورتیں خواہ مکہ سے آنے والی ہوں یا رہ جانے والی۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ اذا جاء کم المومنات الخ ان سے متعلق احکام کا خلاصہ یہ ہے۔

ا۔ کسی کے دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن ظاہری طور سے ایسی آنے والی عورتوں کی جانچ کرلیا کرو کہ آیا واقعی مسلمان ہیں اور محض اسلام کی

خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض تو اس ہجرت کا سبب نہیں بنا۔ چنانچہ بہ نفس نفیس خود حضور ﷺ ایسی عورتوں سے بیعت لیتے اور کبھی حضرت عمرؓ آپ کی اجازت اور حکم سے جانچ کر کے بیعت لیتے۔

۲۔ خاوند بیوی میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو تو اختلاف دارین کے بعد نکاح کا تعلق قائم نہیں رہتا۔ نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔

۳۔ مسلمان عورت اگر کافر ملک کو چھوڑ آئے تو اس کا نکاح مسلمان سے ہو سکتا ہے۔ حاملہ ہونے کی صورت میں تو بالاجماع بچہ پیدا ہونے کے بعد اور حاملہ نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک بغیر عدت گزرے فوراً نکاح ہو سکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کر سکتی ہے

۴۔ کافرہ حربیہ کا شوہر اگر مسلمان ہو جائے تب بھی نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس پر کسی کے نزدیک عدت نہیں ہے یہ دونوں حکم اب بھی باقی ہیں۔

۵۔ مسلمان مہاجر عورت کو اس کے پہلے کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا تھا۔ دارالاسلام میں جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے۔ اگر کوئی خاص شخص نکاح کرے تو وہ واپس کرے۔ ورنہ بیت المال (شاہی خزانہ) سے دے دیا جائے۔ اور اب اس عورت کا جو مہر قرار پائے وہ الگ اپنے ذمہ رکھے تب اپنے نکاح میں لاسکتا ہے۔ لیکن یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسی وقت کے مخصوص حالات کے پیش نظر دیا گیا تھا۔ تاکہ مصالحت کنندگان کو نقصان نہ پہنچے اور انہیں اشتعال نہ ہو کہ صلح ٹوٹ جائے۔

۶۔ اسی طرح مسلمان شوہر کی حربی بیوی کا مہر، کافر، مسلمان کو ادا کریں۔ یہ حکم بھی اسی واقعہ کے ساتھ خاص تھا۔ اب وہ نہیں ہے۔

۷۔ کفار ایسی عورتوں کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں، تو جو مہر کفار کا مسلمانوں کے ذمہ ہے وہ ان کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دے دیا جائے۔ برابر کی صورت میں تو کوئی اشکال نہیں۔ البتہ کمی بیشی کی صورت میں جو کفار کا بچتا وہ کفار کو دے دیا جاتا اور جو اپنا بچتا اس کا مطالبہ کر دیا جاتا۔ یہ حکم بھی اسی وقت کے حالات کے پیش نظر تھا اور دلیل ان احکام کے خاص ہونے کی اجماع ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے پھر کبھی یہ برتاؤ نہیں کیا۔ جس سے ان احکام کا وقتی ہونا معلوم ہوا۔

شبہ کا جواب:...... لیکن اگر شبہ یہ ہو کہ اس تخصیص و نسخ سے تو عہد عام ٹوٹ گیا اور نقض عہد جائز نہیں۔ جواب یہ ہے کہ نقض عہد، عذر کے عہد میں جائز نہیں ہے اور یہاں عذر نہیں کیا گیا۔ پس بغیر عذر کئے تو نفس صلح کا ختم کرنا بھی جائز ہے۔ پھر صلح کے کسی خاص جزء کا رفع کر دینا تو اور بھی ہلکا اور سہل ہے۔ پھر دوسرا فریق اس میں مجبور نہیں کیا گیا۔ وہ اگر نہ مانتا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ صلح ختم ہو جاتی۔ لیکن جب فریق ثانی نے بھی مان لیا۔ خواہ اپنی کسی مصلحت سے یا یہ سمجھ کر مردوں کے زیادہ ہونے سے تو جنگ کا اندیشہ ہے۔ لیکن عورتیں اگر واپس نہ کی گئیں تو ان سے کوئی اندیشہ نہیں۔ غرضیکہ مان لینے کے بعد تو اب صلح متفق علیہ بھی ہوگئی۔ اذا اتیتموھن اجورھن یعنی مہر کی ادائیگی ہو یا اس کا التزام، اور یہ قید شرط کے درجہ میں نہیں۔ کیونکہ نکاح کا جائز ہونا مہر کی ادائیگی یا التزام پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہ قید لزوم کرنے کے لئے ہے۔ یعنی مہر نکاح کے لوازم میں سے ہے۔ خواہ وہ مقرر کیا ہوا ہو یا بلا تعین کے ہو۔ نقد ہو یا کپڑوں کے جوڑہ کی صورت میں۔

ولا تمسکوا بعصم الکوافر یعنی مسلمانوں کی جو بیویاں کفر کی حالت میں دارالحرب میں رہ گئیں۔ ان سے رشتہ نکاح ختم ہو گیا اور اب اس تعلق کا کوئی اثر باقی نہ سمجھو۔ اس کے لئے عدت بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایسے مرد کو اسی وقت ایسی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے جن سے اس کی بیوی کی عدت میں جائز نہ ہوتا۔ یہ عورت خود بخود نکاح سے الگ ہوگئی۔ اس کو طلاق دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ پھر بھی بعض صحابہ کا طلاق دینا اور آنحضرت ﷺ کا اس پر انکار نہ کرنا ممکن ہے اس لئے ہوا ہو کہ طلاق کے لغوی معنی مراد لئے ہوں۔ یعنی ترک تعلقات کا اظہار، طلاق شرعی مراد نہیں تھی۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور ﷺ کو صحابہ کے طلاق دینے کی اطلاع ہی نہ ہوئی ہو۔

قتل اولاد اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا:...... **ولا یقتلن اولادھن**۔ جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا۔ عرب میں بھی ہندوستان

کے قدیم ترین راجپوتوں میں بھی کہ رسمی ننگ وعار کے خیال سے لڑکیوں کو زندہ درگور کردیتے۔ اسی طرح قدیم ہندوستان میں مہر ووفا کی دیوی ظاہر کرنے کے لئے عورت مرد کی چتا پر بھینٹ چڑھ جاتی تھی۔ جس کو ستی ہونا کہتے تھے۔ عرب میں بعض اوقات فقر وفاقہ کے خوف سے بھی لڑکیوں کو بھی مارڈالتے۔ **ولا یاتین ببھتان** ۔ جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور یہ تھا کہ کسی غیر کا بچہ اپنا لائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے یا کسی سے بدکاری کر کے بچہ کو خاوند کا بتلا دیا۔ اس سے روکا جارہا ہے کہ اس میں زنا کا گناہ تو ہے ہی۔ بچہ کی نسبت دوسرے کی طرف کرنے کا گناہ الگ ہوا۔ جس کی وعید حدیث میں آئی یا ہاتھ پاؤں میں طوفان باندھنے سے مراد یہ ہے کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کردیں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسمیں کھالیں پچھلی آیت میں جو مہاجر عورتوں کی جانچ کو فرمایا تھا۔ ان آیات میں بتلا دیا کہ وہ جانچ یہ ہے کہ اگر وہ ان احکام کو قبول کرلیں تو مومنہ سمجھی جائے گی۔

لا تتولوا قوما۔ شروع سورت میں جو مضمون تھا۔ خاتمہ سورت پر پھر یاد دلایا کہ مومن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کے تعلق کو اصل سمجھے۔ اسی کے متعلق اوروں سے تعلق رکھے۔ اور وہی تعلق نہ ہو تو پھر کسی سے کیا رشتہ ناطہ؟

قد یئس الکفار۔ یعنی جس طرح منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا اور پھر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہی حال ان کافروں کا بھی ہے اور بعض حضرات نے من اصحاب القبور کو کفار کا بیان مانا ہے۔ یعنی جو کافر قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ جس طرح وہاں کا حال دیکھ کر وہ اللہ کی مہربانی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں۔ اسی طرح یہ کافر بھی آخرت کی طرف سے مایوس ہیں۔ پھر ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا معنیٰ؟ اس سے یہ سمجھا جائے کہ جن کافروں کی گمراہی اس درجہ کی نہ ہو۔ ان سے دوستی جائز ہے۔ کیونکہ مطلق کفر بھی دوستی سے مانع ہے۔ البتہ کفر میں جتنی شدت ہوگی۔ ممانعت میں بھی اتنی شدت آجائے گی۔ گویا دونوں کلیاں مشکک ہیں۔

لطائف سلوک:.......... **لا ینھاکم اللہ** ۔ اس میں بزرگوں کی اس عادت کا جواز نکل رہا ہے کہ وہ کفار سے نرم کلامی اور ملاطفت وملائمت کا برتاؤ کرتے اور ان کے ہدیہ کو قبول کرلیتے ہیں۔

فامتحنوھن۔ اس میں مرید کی جانچ اور آزمائش کا حکم ہے۔

یبایعنک۔ اس سے صحیح بیعت کی غرض وغایت صراحۃً معلوم ہورہی ہے اور ساتھ رسمی بیعت کا لایعنی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ جس میں نہ ایمان کا کماحقہ احترام ہو اور نہ عمل صالح کا اہتمام۔

واستغفر لھن۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید کے لے دعا کرنا منجملہ اس کے حقوق کے ہے۔

سُــوْرَةُ الصَّفِّ

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اَىْ نَزَّهَهٗ فَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وَجِيْءَ بِمَادُوْنَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْاَكْثَرِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِىْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۱﴾ فِىْ صُنْعِهٖ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ** فِىْ طَلَبِ الْجِهَادِ **مَالَا تَفْعَلُوْنَ** ﴿۲﴾ اِذَا انْهَزَمْتُمْ بِاُحُدٍ **كَبُرَ** عَظُمَ **مَقْتًا** تَمْيِيْزٌ **عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا** فَاعِلُ كَبُرَ **مَالَا تَفْعَلُوْنَ** ﴿۳﴾ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ** يَنْصُرُوَيُكْرِمُ **الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا** حَالٌ اَىْ صَافِّيْنَ **كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ** ﴿۴﴾ مُلْزَقٌ بَعْضُهٗ اِلٰى بَعْضٍ ثَابِتٍ وَ اذْكُرْ **اِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ** قَالُوْا اِنَّهٗ اٰدِرُ اَىْ مُنْتَفِخُ الْخُصْيَةِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ وَكَذَّبُوْهُ **وَقَدْ** لِلتَّحْقِيْقِ **تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ** اَلْجُمْلَةُ حَالٌ وَالرَّسُوْلُ يُحْتَرَمُ **فَلَمَّا زَاغُوْآ** عَدَلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِاِيْذَائِهٖ **اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ** اَمَا لَهَا عَنِ الْهُدٰى عَلٰى وَفْقِ مَا قَدَّرَهٗ فِى الْاَزَلِ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ** ﴿۵﴾ اَلْكَافِرِيْنَ فِىْ عِلْمِهٖ وَاذْكُرْ **اِذْقَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** لَمْ يَقُلْ يَاقَوْمِ لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ لَهٗ فِيْهِمْ قَرَابَةٌ **اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ** قَبْلِيْ **مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ** قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى **فَلَمَّا جَآءَهُمْ** جَآءَ اَحْمَدُ الْكُفَّارَ **بِالْبَيِّنٰتِ** اَلْاٰيَاتِ وَالْعَلَامَاتِ **قَالُوْا هٰذَا** اَيِ الْمَجِيْءُ بِهٖ **سِحْرٌ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ اَيِ الْجَائِىْ بِهٖ **مُّبِيْنٌ** ﴿۶﴾ بَيِّنٌ **وَمَنْ** لَا اَحَدٌ **اَظْلَمُ** اَشَدُّ ظُلْمًا **مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ وَوَصْفِ اٰيَاتِهٖ بِالسِّحْرِ **وَهُوَيُدْعٰىٓ اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۷﴾ اَلْكَافِرِيْنَ **يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا** مَنْصُوْبٌ بِاَنْ مُقَدَّرَةٌ وَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ **نُوْرَ اللّٰهِ** شَرْعَهٗ وَبَرَاهِيْنَهٗ **بِاَفْوَاهِهِمْ** بِاَقْوَالِهِمْ اَنَّهٗ سِحْرٌ وَشِعْرٌ وَكَهَانَةٌ **وَاللّٰهُ مُتِمُّ** مُظْهِرُ **نُوْرِهٖ** وَفِىْ قِرَآءَةٍ بِالْاِضَافَةِ **وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ**

﴿۸﴾ ذٰلِكَ هُوَالَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ يُعْلِيَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ الْمُخَالِفَةِ لَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ مُؤْلِمٍ فَكَاَنَّهُمْ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ تُؤْمِنُوْنَ تَدُوْمُوْنَ عَلَى الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَنَّهٗ خَيْرٌ لَّكُمْ فَافْعَلُوْهُ يَغْفِرْ جَوَابُ شَرْطٍ مُقَدَّرٍ اَىْ اِنْ تَفْعَلُوْهُ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ اِقَامَةٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَ يُؤْتِكُمْ نِعْمَةً اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ بِالنَّصْرِ وَالْفَتْحِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ لِدِيْنِهٖ وَفِىْ قِرَاءَ ةٍ بِالْاِضَافَةِ كَمَا كَانَ الْحَوَارِيُّوْنَ كَذٰلِكَ الدَّالُّ عَلَيْهِ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ اَىْ مِنَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ يَكُوْنُوْنَ مَعِىَ مُتَوَجِّهًا اِلٰى نُصْرَةِ اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ وَالْحَوَارِيُّوْنَ اَصْفِيَاءُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُمْ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَكَانُوْا اِثْنَىْ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الْحُوْرِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْخَالِصُ وَقِيْلَ كَانُوْا قَصَّارِيْنَ يَحُوْرُوْنَ الثِّيَابَ يُبَيِّضُوْنَهَا فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ بِعِيْسٰى وَقَالُوْا اِنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ لِقَوْلِهِمْ اِنَّهُ ابْنُ اللّٰهِ رَفَعَهُ اِلَيْهِ فَاقْتَتَلَتِ الطَّائِفَتَانِ فَاَيَّدْنَا قَوَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ عَلٰى عَدُوِّهِمْ الطَّائِفَةُ الْكَافِرَةُ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ غَالِبِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:...........سورۂ صف مکی ہے یا مدنی ہے، اس میں چودہ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، (اللہ میں لام زائد ہے اور من کی بجائے ما کالانا اکثریت کی تغلیب کے طور پر ہے) اور وہی (اپنے ملک میں) زبردست (صنعت میں) حکمت والا ہے، اے اہل ایمان (جہاد کی خواہش کے سلسلہ میں) ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو (جب تمہیں غزوہ احد میں شکست ہوئی) یہ بات بہت (بڑی) ناراضگی کی ہے (یہ تمیز ہے) اللہ پاک کے نزدیک کہ ایسی بات کہو (کبر کا فاعل ہے) جو کرو نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو پسند کرتا ہے (مدد اور اکرام کرتا ہے) ان لوگوں کو جو اس کے رستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں (صفا حال ہے ای صافین) کہ گویا وہ ایک عمارت ہے سیسہ پلائی ہوئی (ایک دوسرے میں جگی ہوئی مضبوط) اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذاء پہنچاتے ہو (لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کو فتق کی بیماری ہے یعنی ان کے خصیے بڑھے ہوئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں تھا، جھوٹ بکتے تھے، حالانکہ (قد تحقیق کے لئے ہے) تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (جملہ حال ہے اور رسول واجب الاحترام ہوتا ہے) پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے (موسیٰ کو ستانے کی وجہ سے حق سے ہٹ گئے) تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا (ہدایت سے پھیر دیا، تقدیر ازلی کے مطابق) اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا (جو علم الٰہی میں کافر ہوں) اور (یاد کیجئے) جب کہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا اے بنی اسرئیل (یا قوم نہیں فرمایا کیونکہ وہ ان کے قرابت دار نہیں تھے) میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، اپنے سے پہلی تورات کی تصدیق کرنے

والا ہوں، اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا، میں ان کی بشارت دینے والا ہوں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) پھر جب وہ (احمد) ان (کفار) کے پاس کھلی دلیلیں (نشانیوں اور علامات) لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ (یعنی جو لایا گیا) جادو ہے (ایک قراءت میں ساحر ہے یعنی قرآن لانے والا) کھلا ہوا، اور کون (کوئی نہیں) زیادہ ظالم ہے (ظلم میں بڑھ کر ہے) اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اسکی طرف کر کے اور اس کی آیات کو جادو کہہ کر) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا، یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بجھا دیں (ان مقدرہ کے ذریعہ یطفؤا منصوب ہے اور لام زائد ہے) اللہ کے نور (شریعت اور اسکے براہین) کو اپنے منہ سے (یہ کہہ کر کہ جادو ہے، شعر ہے، کہانت ہے) حالانکہ اللہ کمال تک پہنچا کر (ظاہر کر کے) رہے گا، اپنے نور کو (ایک قراءت میں "متم نورہٖ" اضافت کے ساتھ ہے) گو کافر (اس سے) کیسے ہی ناخوش ہوں وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام (اس کے مخالف) دینوں پر غالب (بلند) کر دے، گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں، اے اہل ایمان کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلادوں جو تم کو بچالے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) دردناک عذاب سے (گویا انہوں نے جواب میں کہا ہاں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تم ایمان لاؤ (ایمان پر جمے رہو) اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اس کے راستہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو (کہ یہ آیت تمہارے لئے بہتر ہے تو تم اس کو کرو) اللہ معاف کر دے گا (یہ جواب ہے شرط مقدر کا یعنی اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو بخش دیئے جائیں گے) تمہارے گناہ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہونگے، یہ بڑی کامیابی ہے (عطا فرمائے گا تمہیں ایک نعمت) اور بھی جس کو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور جلد کامیابی اور آپ مؤمنین کو (نصرت و فتح کی) خوشخبری سنا دیجئے۔ اے اہل ایمان تم اللہ کے مددگار بن جاؤ (اسکے دین کے، ایک قراءت میں انصار اللہ اضافت کے ساتھ ہے) جیسا کہ (حواری بھی ایسے ہی تھے جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ کے لئے کون میرا مددگار ہوتا ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں سے کون مددگار اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے) حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں (حواری حضرت عیسیٰ کے چیدہ لوگ تھے جو ان پر سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ بارہ افراد تھے، حواری، حور سے ماخوذ ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے) سو بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے (عیسیٰ پر ان کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں اور جن کو آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے) اور کچھ لوگ منکر رہے (کیونکہ یہ لوگ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں جن کو اس نے اپنے پاس بلا لیا ہے، چنانچہ ان دونوں فرقوں میں جنگ ہوئی) سو ہم نے ایمان والوں کی تائید کی (ان دونوں طبقوں میں سے) ان کے دشمنوں (کافر جماعت) کے مقابلہ میں سو وہ غالب ہو گئے۔

تحقیق وترکیب:

......سورۃ الصف، ابن عباسؓ اس کو مکی اور جمہور مدنی مانتے ہیں۔

مرصوص۔ الرص کے معنی ہیں تعمیر کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست اور مستحکم کرنے کے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پتھر کو پتھر پر رکھ کر پتھریاں اور روڑیاں ملا کر گارا ڈالنے کو اہل مکہ رصاص کہتے ہیں، امام راغبؒ بنیان مرصوص کے معنی مستحکم کے لیتے ہیں یہ کنایہ ہے جنگ میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر چلنے کے جیسا کہ فراءؒ کی رائے ہے، روح و صراح میں رص کے معنی چونہ سے گچ کرنے کے ہیں۔

لم تؤذوننی، یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لاتکونوا کالذین اذوا موسیٰ میں گزر رہا ہے اور عام اذیتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

الفسقین۔ یعنی علم الٰہی میں جو کافر ٹھہر چکے ہیں، ان کو ہدایت نہیں ہوتی، ورنہ بہت سے کافر ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں، حاصل یہ کہ معہود فاسق مراد ہیں، سب فاسق مراد نہیں ہیں، اس لئے اب کوئی شبہ نہیں رہتا۔

مصدقا، یہ اور مبشرا دونوں لفظ حال ہیں، رسول اللہ سے بتاویل مرسل اور وہی دونوں میں عامل ہے۔

من بعدی ،حضرت عیسیٰ کی ولادت اور آنحضرت کی ہجرت کے درمیان چھ سو بیس سال کا فصل ہے، چنانچہ انجیل یوحنا کے چودہویں اصحاح میں ہے وانا اطلب لکم الی ابی حتی یمنحکم ویعطیکم الفارقلیط حتی یکون معکم الی الابدو الفارقلیط هوروح الحق الیقین ۔اسی طرح پندرہویں اصحاح میں ہے" واما الفارقلیط روح القدس یرسله ابی باسمی ویعلمکم ویمنحکم جمیع الاشیاء وهو یذکر کم ما قلت لکم ہ پھر آگے چل کر لکھا ہے وانی قداخبرتکم بهذاقبل ان یکون حتی اذاکان ذلک تؤمنون۔ سولہویں اصحاح میں لکھا ہے ولکن اقول لکم الان حقا یقینا انطلاقی عنکم خیر لکم فان لم انطلق عنکم الی ابی لم یاتکم الفارقلیط وان انطلقت ارسلته الیکم فاذاهو یفید اهل العالم ویدینهم ویمنحهم یوفقهم علی الخطیئة والبر والدین" پھر کچھ آگے چل کر کہا ہے، فان لی کلاما کثیرا ارید ان اقوله لکم ولکن لایقتدرون علی قبوله والاحتفاظ له ولکن اذاجاء روح الحق الیکم یلهمکم ویؤید کم بجمیع الحق لانه لیس یتکلم بدعة من تلقاء نفسه (هذا مافی الانجیل)لیطفئوا ای یریدون ان یطفئوا لام تاکید کیلئے ایسے ہی زائد ہے جیسے لا ابالک میں تاکید اضافت کیلئے زائد ہے اور بعض نے تعلیلیہ مانا ہے اور خلیل وسیبویہ کے نزدیک یریدون مصدر کے حکم میں ہے اور لیطفئو اس کی خبر ہے ای ارادتهم الاطفاء نوره نور الله میں استعارہ تصریحیہ ہے اور اطفاء میں ترشیحیہ ہے اور بافواههم میں توریہ ہے، صاحب کشاف نے استعارہ تمثیلیہ مانا ہے کہ جس طرح افتاب کو پھونکوں سے بجھانیوالے کا حال ہے وہی حق کو باطل کرنے کی کوشش کرنیوالوں کا حال ہے، مقصود تہکم اور تحریہ ہے اور قرطبیؒ نے کہا ہے کہ اطفاء اور اخماد دونوں لفظ آگ یا دوسری روشن اور واضح چیزوں کے گل کرنے میں استعمال ہوتے ہیں لیکن دونوں میں من وجہ فرق یہ ہے کہ اطفاء چھوٹی چیزوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسے اطفاءت السراج کہا جائے، یہاں اخمدت السراج نہیں کہیں گے، نور اللہ سے کیا مراد ہے، ابن عباسؓ ابن زید کے نزدیک قرآن ہے اور سدی کے نزدیک اسلام اور ضحاک کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابن جحرؒ کے نزدیک حجۃ اللہ مراد ہے اور ابن عیسیٰ ناقل ہیں کہ یہ بطور تمثیل حق کے مٹانے کو نور شمسی کے گل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

متم نور ہ ۔بغیر اضافت کے مکیؒ، حفصؒ، حمزہؒ، علیؒ کی قراءت ہے۔

تنجیکم۔ عامرؒ فتحہ نون اور تشدید جیم کے ساتھ اور باقی قراءت سکون نون اور تخفیف جیم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ان کنتم تعلمون۔ مفسرؒ نے تعلمون کا مفعول مقدر مانا ہے۔ لیکن تعلمون کو بمنزلہ لازم کے بھی مانا جا سکتا ہے ان کنتم من اهل العلم ۔ پھر تقدیر مفعول کی ضرورت نہیں رہتی۔

یغفر ۔بعض کے نزدیک جواب امر بھی ہو سکتا ہے۔

تو منون ۔ سے جوامر آمنوا مفعول ہو رہا ہے۔

واخری ۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اخری فعل کا مقدر مفعول ہے۔ یہ فعل مقدر تیسرا جواب شرط ہوگا۔ پہلی دونوں نعمتیں اخروی ہیں۔ اور یہ تیسری نعمت دنیوی ہے۔

کماقال عیسیٰ ۔ مفسرؒ نے کما کے بعد کان مقدر نکالا ہے یعنی حواری بھی انصار اللہ ہے۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ مشبہ تو مومنین کا انصار اللہ ہونا ہے اور مشبہ بہ قول عیسیٰ ہے جو انہوں نے حواریوں سے فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ بے جوڑ ہے۔ لیکن مفسرؒ نے مشبہ بہ حواریوں کے انصار اللہ ہونے کو قرار دیا۔ جو قال عیسیٰ ابن مریم سے مفہوم ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بظاہر تو آیت میں قول عیسیٰ مشبہ بہ ہے لیکن معنی حواریوں کا انصار اللہ ہونا مشبہ بہ ہے۔ کما قال میں ما مصدریہ ہے یہ مع صلہ کے ظرف ہے اور بعض نے تقدیر عبارت قل لهم کما قال عیسیٰ بن مریم نکالی ہے۔

من انصاری۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ انصاری میں ایک مشارک کی اضافت دوسرے کی طرف ہو رہی ہے۔

حواری ۔ اگر آنکھوں کے سفید اور خوبصورت ہونے کی وجہ سے حواری یا حور کہا جاتا ہے۔ تو یہ وصف ذاتی ہوگا اور کپڑوں کو اجلا کرنے کی وجہ سے

اگر کہا جاتا ہے تو یہ وصف قائم بالغیر ہوگا۔

فاٰمنت ۔اس کا تعلق محذوف سے ہے۔تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **فلما رفع عیسیٰ الی السماء افترق الناس فیه فرقتین فامنت الطائفة** الخ عیسائیوں میں تین فرقے تھے۔ایک کہتا تھا کہ وہ خدا تھے جو اپنی جگہ چلے گئے۔دوسرا فرقہ کہتا تھا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے جو اپنے باپ کے پاس چلے گئے۔یہ دونوں فرقے گمراہ تھے۔اور تیسرا فرقہ ان کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتا تھا اور زندہ آسمان پر جانے کو مانتا تھا۔یہ جماعت مومن تھی۔جو پہلے تو دونوں کافر جماعتوں سے مغلوب رہی۔مگر آنحضرت ﷺ کی برکت سے اسلام آنے کے بعد معاملہ برعکس ہوگیا۔ **ایدنا الذین امنوا** کا یہی مطلب ہے۔

ربط آیات:.........سورۂ ممتحنہ میں کفار سے دوستی نہ کرنے کا حکم ہے۔سورۃ صف میں ان سے جہاد کا حکم ہے اور کچھ مضمون ذیلی فرمایا گیا ہے

شانِ نزول:.........بعض مسلمانوں نے خواہش کی کہ اگر ہمیں بہترین عمل معلوم ہو جائے تو ہم اس کے لئے مال وجان کی بازی لگادیں۔ لیکن جہاد کا حکم آیا تو یہ مسلمان ہچکچانے لگے۔اس پر آیت لم تقولون الخ اور یاایھا الذین امنوا ھل ادلکم نازل ہوئیں۔ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب غزوہ بدر کا ثواب بیان فرمایا تو بعض صحابہ نے کہا۔ **لئن لقینا قتالا لنفرغن فیه وسعنا** ۔لیکن غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اس آیت میں عار دلائی جارہی ہے، گویا زجر وتوبیخ فرمائی گئی۔اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ منافقین نے مسلمانوں سے ڈینگیں ماری تھیں۔کہ **ان خرجتم وقاتلتم خرجنا معکم و قاتلنا** لیکن جب حضور ﷺ اور صحابہ احد کے لئے روانہ ہوئے تو منہ چھپا کر بیٹھ رہے اور کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی ان کو مومن ظاہر حال کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ **یا ایھا الذین امنوا ھل ادلکم** ۔بعض نے اس کا نزول عثمان بن مظعون کے بارہ میں کہا ہے جب کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی۔ **لو اذنت لی فطلقت خولة وترھبت واختصیت وحرمت اللحم ولا انام اللیل ابدا** ۔تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ **ان من سنتی النکاح ولا رھبانیة فی الاسلام** ۔اس پر عثمان بن مظعون نے عرض کیا۔ **وددت یا نبی اللہ ان اعلم ای التجارات احب الی اللہ فاتجر فیھا** ۔اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن جہاد کو تجارت کہا گیا۔جیسا کہ **ان اللہ اشترٰی** الخ میں یہی مراد ہے۔

﴿تشریح﴾.........**لم تقولون ما لا تفعلون** ۔یعنی مسلمانوں کو لاف زنی اور دعویٰ کی باتوں سے ڈرنا چاہیے۔زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے لیکن اس کا نبھانا آسان نہیں ہے۔اللہ تو اس سے سخت ناراض اور بےزار ہوتا ہے کہ جو زبان سے کہے بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔اگر محبوب عمل کرنے کو ظاہر کیا تھا۔تو معلوم ہونے پر کیوں جی چرا بیٹھے اور کیوں اُحد سے بھاگ کھڑے ہوئے یعنی دیکھو سنبھل کر کہا کرو، پس یہاں ایک بات زبان سے نکال کر اس پر کاربند نہ ہونے پر اظہار بیزاری ہے۔قول بےعمل اور وعظ بلاعمل اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے وہ خارج ہے، آگے فرماتے ہیں کہ محبوب عمل کی فکر ہے تو لو ہم بتلائے دیتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اسکی راہ میں اس کے دشمنوں سے مقابلہ کے وقت آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جہاد میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

محض باتیں بنانا اور عمل سے جی چرانا کوئی وزن نہیں رکھتا:.........ہرچند کہ تم میں بعض اس معیار پر پورے بلکہ بڑھ کر اترے ہیں مگر بعض ایسے بھی نکلیں گے جن کے عمل نے ان کی زبانی دعووں کی تکذیب کر دکھائی۔آخر غزوہ احد میں وہ بنیان مرصوص کہاں گئی۔ خلاصہ یہ کہ عمل سے زیادہ زبانی دعوے نہ کرو۔بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو۔جو قوم کردار کی غازی ہوتی ہے وہ گفتار اور لن ترانیوں سے بچتی

ہے۔ اور زبانی جمع خرچ کرنے والے اور خالی ڈینگیں مارنے والے میدان عمل میں صفر رہا کرتے ہیں قوم موسیٰ کو نہیں دیکھا۔ جو زبان سے بہت بڑھ کر شیخی اور تعلی کی باتیں بناتے تھے۔ لیکن جہاں کوئی عمل کا موقعہ آیا فوراً پھسل گئے اور ستانے والی باتوں میں خوب جتے رہے۔ حضرت موسیٰ نے فہمائش بھی کی کہ روشن دلائل اور کھلے معجزات سے میرے سچے پیغمبر ہونے کا تمہیں یقین ہے۔ پھر بھی تم مجھے ستاتے ہو۔ یہ طرز عمل تو کسی عام خیر خواہ اور معمولی ہمدرد کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ چہ جائیکہ اللہ کے رسول کے ساتھ دل آزاری اور گستاخی کا برتاؤ کرنا۔ بے جان بچھڑے کو پوجنا اور اس کو اپنا اور موسیٰ کا خدا بتلانا۔ قوم عمالقہ سے جہاد کا حکم ہوا تو اذھب انت وربك فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون کہہ ڈالنا۔ انہی گستاخیوں اور بدعملیوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دل سیاہ اور سخت ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نیکی کی کوئی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول ﷺ کی ضد ہی کرتے ہیں اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے تو آخر مردود ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے۔

حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور آنحضرت کے متعلق بشارت:......... واذ قال عیسیٰ ابن مریم۔ حضرت موسیٰ کے بعد دوسرے اولوالعزم پیغمبر جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے وہ حضرت عیسیٰ ہیں تورات کے مصداق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس احکام اور خبروں پر یقین رکھتا ہوں۔ اور جو کچھ میری تعلیم اور عملدرآمد ہے۔ وہ فی الحقیقت انہیں احکام کے ماتحت ہے۔ جو تورات میں دیئے گئے اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے یہ مطلب لیا ہے کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے جن باتوں کی خبر تورات میں دی گئی ہے میں ان کا مصدق بن کر آیا ہوں۔ بہر حال تصدیق خاص مراد ہے۔ ورنہ نفس تصدیق میں تورات کی کیا تخصیص ہے تمام پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ نیز پچھلے پیغمبر اور کتاب کی تخصیص کے ساتھ اگلے پیغمبر کی بشارت سناتا ہوں۔ اس میں اپنی شریعت کی حدود اور دائرہ کار بھی بتلا دیا کہ آنے والے پیغمبر کے آنے تک میری شریعت رہے گی۔ آگے پیغمبر آخر الزمان کے اوصاف جمالی بیان فرمائے۔ اس سے جہاں ان کا تمام ادیان کے لئے ناسخ ہونا مقصود ہے۔ وہیں اپنی امت کو تکمیلی ہدایت کی ترغیب دینی بھی ہے کہ کہیں مجھ پر سردست ایمان لا کر قناعت نہ کر بیٹھیں۔ ان کو اگر نہ مانا تو میرا ماننا ہی کالعدم ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ کی زبانی ان بشارتوں کو خود اہل کتاب کے اقرار کے ساتھ بھی احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ تفسیر خازن میں ابوداؤد کی روایت نقل کی ہے کہ شاہ حبشہ میں جو ایک عیسائی عالم بھی تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت نقل کی ہے۔ شاہ حبشہ جو ایک عیسائی عالم بھی تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن سلام آنحضرت ﷺ کی صفات کا ذکر تورات میں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا تورات میں ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ وہ تورات کے مبلغ تھے۔

تمام انبیاء نے آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی:......... یوں تو دوسرے انبیاء بھی خاتم الانبیاء کی تشریف آوری کی خوشخبری برابر سناتے آئے ہیں۔ لیکن جتنے اہتمام اور صراحت کے ساتھ حضرت مسیح نے بشارت دی۔ وہ کسی اور سے منقول نہیں ہے قریب العہد ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات وانجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا اسلئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے اس صاف وصریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں وجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے۔ اس کے باوجود خاتم الانبیاء ﷺ کا یہ بھی معجزہ سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے ان محرفین کو اتنی قدرت نہیں دی کہ وہ تمام پیش گوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں۔ علماء اسلام نے موجودہ بائبل کے بیسیوں مقامات سے ان پیشین گوئیوں کو نکال کر دکھلایا۔ جس کا اعتراف یا تیم اقرار یاد

ریوں کو بھی کرنا پڑا کہ ان کا مصداق محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔

سب سے بڑے ظالم:........ومن اظلم۔یعنی جب اہل کتاب سے مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو رہا ایک طرف آسمانی کتابوں میں تحریف کر کے جو چیزیں ان میں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں ہیں ان کو درج کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا۔وھو یدعیٰ اس لئے بڑھایا کہ اس سے ان کی برائی ہوگی کہ وہ خود تو متنبہ ہوتے۔تنبیہ کے بعد بھی کوئی اثر نہ ہوا۔اور لا یھدی اس لئے بڑھا دیا کہ ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے اور ان کی اصلاح کی کیا امید اس لئے ان کے لئے قتال کی سزا تجویز کیا جانا ہی مناسب ہوا۔چنانچہ اب بھی اگر کسی کو اسلام کی خبر نہ پہنچی ہو تو پہلے اس کو اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔اگر کوئی پھر بھی انکار کر دے تو چونکہ بظاہر اصلاح سے ناامیدی ہوگئی۔اس لئے جہاد کی ضرورت ہے اور ممکن ہے لا یھدی سے ادھر اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور کتنی ہی تحریف وتاویل کریں۔لیکن اللہ ان کو کامیابی کی راہ نہیں دکھلائے گا۔گویا حضور ﷺ کو وہ چھپانا مٹانا چاہتے ہیں۔وہ چھپ یا مٹ نہ سکیں گے۔منکر زور لگایا کریں، برا مانا کریں۔اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔کوئی احمق سورج کے نور کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے تو کیا وہ بجھ جائے گا۔ھوالذی ارسل یعنی اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے مگر تمہارا فرض ہے کہ اس پر استقامت رکھتے ہوئے جان ومال سے جہاد کرو۔یہ سوداگری ایسی ہے جس میں خسارہ نہیں۔

نصر من اللہ ۔قرون اولیٰ کے ساتھ یہ وعدہ کیسی خوبی سے پورا ہوا۔آج بھی اگر مسلمان سچے مومن بن کر جہاد فی سبیل اللہ میں لگ جائیں تو کامیابی وکامرانی ان کے قدموں میں ہے۔

کونوا انصار اللہ۔مدینہ کے مسلمانوں نے اسلام کی جو غیر معمولی خدمات انجام دیں ان کے پیش نظر ان کا لقب انصار ہو گیا۔حواریین جو اپنے حسب نسب میں کچھ زیادہ معزز نہیں تھے۔مگر حضرت عیسیٰ کو قبول کیا اور ان کی دعوت پر لبیک کہا اس لئے وہ اس لقب کے مستحق ہوئے تو جاں نثار صحابہ نے آنحضرت ﷺ پر جان ومال لٹا دیا وہ اس لقب سے کیسے سرفراز نہ ہوتے؟

فآمنت طائفۃ ۔بنی اسرائی میں تین فرقے ہوگئے تھے۔ایک فرقہ برسر حق رہا اور دوسرے دو فرقے برسر باطل ہوگئے۔پھر حضرت مسیح کے بعد باہم دست وگریباں رہے۔آخر میں اللہ نے بچے کھچے صحیح العقیدہ عیسائیوں کو آنحضرت ﷺ کے اتباع کے طفیل دوسرے تمام عیسائیوں پر منصور اور غالب فرمایا۔

لطائف سلوک:........**یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون**۔اس میں اعمال اور کمال کے دعویٰ کی مذمت ہے۔

یقوم لم تو ذوننی۔اس عنوان سے معلوم ہو رہا ہے کہ شیخ کو ایذاء دینا مذموم ہے۔

واخریٰ تحبونھا نصر من اللہ ۔اس نصرت وغلبہ کا مطلوب ہونا چونکہ دین کی اعانت کے لئے ہے۔اس لئے معلوم ہوا کہ جس دنیا سے دین کی اعانت کی جائے وہ مذموم نہیں ہے۔

سُـــوْرَةُ الْجُمُعَةِ

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ يُنَزِّهُهٗ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ **مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ** فِىْ ذِكْرِ مَا تَغْلِيْبٌ لِلْاَكْثَرِ **الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ** اَلْمُنَزَّهِ عَمَّا لَايَلِيْقُ بِهٖ **الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ** ﴿۱﴾ فِى مُلْكِهٖ وَصُنْعِهٖ **هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ** اَلْعَرَبِ وَالْاُمِّىُّ لَا يَكْتُبُ وَلَا يَقْرَأُ كِتَابًا **رَسُوْلًا مِّنْهُمْ** هُوَ مُحَمَّدٌ ﷺ **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ** اَلْقُرْآنَ **وَيُزَكِّيْهِمْ** يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْكِ **وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ** اَلْقُرْآنَ **وَالْحِكْمَةَ** مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَىْ وَاِنَّهُمْ **كَانُوْا مِنْ قَبْلُ** قَبْلَ مَجِيْئِهٖ **لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۲﴾ بَيِّنٍ **وَّ اٰخَرِيْنَ** عَطْفٌ عَلَى الْاُمِّيّٖنَ اَىِ الْمَوْجُوْدِيْنَ مِنْهُمْ وَالْاٰتِيْنَ **مِنْهُمْ** بَعْدَهُمْ **لَمَّا** لَمْ **يَلْحَقُوْا بِهِمْ** فِى السَّابِقَةِ وَالْفَضْلِ وَهُمُ التَّابِعُوْنَ وَالْاِقْتِصَارُ عَلَيْهِمْ كَافٍ فِىْ بَيَانِ فَضْلِ الصَّحَابَةِ الْمَبْعُوْثِ فِيْهِمُ النَّبِىُّ ﷺ عَلٰى مَنْ عَدَاهُمْ مِمَّنْ بُعِثَ اِلَيْهِمْ وَاٰمَنُوْا بِهٖ مِنْ جَمِيْعِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لِاَنَّ كُلَّ قَرْنٍ خَيْرٌ مِمَّنْ يَلِيْهِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** ﴿۳﴾ فِىْ مُلْكِهٖ وَصُنْعِهٖ **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ** اَلنَّبِىُّ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهٗ **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** ﴿۴﴾ **مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ** كُلِّفُوا الْعَمَلَ بِهَا **ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا** لَمْ يَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهَا مِنْ نَعْتِهٖ ﷺ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ **كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا** اَىْ كُتُبًا فِىْ عَدَمِ اِنْتِفَاعِهٖ بِهَا **بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** اَلْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِىِّ ﷺ مُحَمَّدٍ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تَقْدِيْرُهٗ هٰذَا الْمَثَلُ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۵﴾ اَلْكَافِرِيْنَ **قُلْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْآ اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۶﴾ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيْهِ الشَّرْطَانِ عَلٰى اَنَّ الْاَوَّلَ قَيْدٌ فِى الثَّانِىْ اَىْ اِنْ صَدَقْتُمْ فِىْ زَعْمِكُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ

اللّٰہِ وَالْوَلِیُّ یُؤْثِرُالْاٰخِرَۃَ وَ مَبْدَؤُھَا الْمَوْتُ فَتَمَنَّوْہُ وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ مِنْ کُفْرِھِمْ بِالنَّبِیِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِکِذْبِھِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۷﴾ اَلْکَافِرِیْنَ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْہُ فَاِنَّہٗ وَالْفَاءُ زَائِدَۃٌ مُلٰقِیْکُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ فَیُجَازِیْکُمْ بِہٖ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ بِمَعْنٰی فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا فَامْضُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ اَیِ الصَّلٰوۃِ وَذَرُوا الْبَیْعَ اَیْ اُتْرُکُوْا عَقْدَہٗ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّہٗ خَیْرٌ فَافْعَلُوْہُ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ اَمْرُ اِبَاحَۃٍ وَابْتَغُوْا اَیْ اُطْلُبُوا الرِّزْقَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ تَفُوْزُوْنَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَخْطُبُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَقَدِمَتْ عِیْرٌ وَضُرِبَ لِقُدُوْمِھَا الطَّبْلُ عَلَی الْعَادَۃِ فَخَرَجَ لَھَا النَّاسُ مِنَ الْمَسْجِدِ غَیْرَ اِثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا اَیِ التِّجَارَۃِ لِاَنَّھَا مَطْلُوْبُھُمْ دُوْنَ اللَّھْوِ وَتَرَکُوْکَ فِی الْخُطْبَۃِ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الثَّوَابِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِّنَ اللَّھْوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱﴾ یُقَالُ کُلُّ اِنْسَانٍ یُرْزَقُ عَائِلَتَہٗ اَیْ مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

ترجمہ:........ سورۂ جمعہ مدنیہ ہے جس میں گیارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آسمان و زمین کی سب چیزیں پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کے لئے لایا گیا ہے۔ جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے (تمام نامناسب باتوں سے) زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور صنعت میں) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (عرب کے، امی سے کہتے ہیں جو کچھ نہ لکھ سکے اور نہ کسی کتاب کو پڑھ سکے) انہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا (یعنی محمد ﷺ) جو ان کو اللہ کی آیات (قرآن) پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (شرک سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانشمندی سکھلاتے ہیں (احکام کی باتیں) اور یہ لوگ (ان ثقیلہ تھا جس کو مخفف کیا گیا اس کا اسم محذوف ہے یعنی وانھم) پہلے سے (آپ کے تشریف لانے سے پہلے) کھلی (واضح) گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی (اس کا عطف امیین پر ہو رہا ہے یعنی موجود اور آئندہ لوگوں کے لئے) انہی میں سے (جو بعد میں آنے والے ہیں) جو ان میں شامل نہیں ہوئے (پہل کرنے میں اور اور فضیلت کے لحاظ سے یعنی تابعین ان پر اکتفا کرنا کافی ہے صحابہ کی فضیلت کے سلسلہ میں جن میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ دوسرے تمام ان لوگوں کے مقابلہ میں جن کی طرف آنحضرت ﷺ کا تشریف لانا ہوا اور وہ انس و جن میں سے قیامت تک آپ پر ایمان لاتے رہیں گے کیونکہ ہر پہلا قرن پچھلے قرن سے بہتر ہے) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنی سلطنت و صنعت میں) یہ اللہ کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو جس سے نوازا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ جن لوگوں کو تورات اٹھانے (اس پر عمل کرنے) کا حکم دیا گیا۔ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (عمل نہیں کیا حضور ﷺ کے اوصاف جو بیان فرمائے گئے انہیں نہیں مانا اور آپ پر ایمان نہیں لائے) ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے (بلحاظ نفع نہ اٹھانے کے) ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (جن سے آنحضرت ﷺ کی تصدیق ہوتی تھی مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ یعنی ہذا المثل) اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر یہ دعویٰ ہے کہ بلاشرکت غیرے تم اللہ کے مقبول ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو (تمنائے موت کے ساتھ دونوں

کا تعلق ہے اس طرح کہ پہلی شرط دوسری شرط کے لئے قید ہو رہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ ان صدقتم فی زعمکم انکم اولیاء اللہ۔ اور ولی وہ ہوتا ہے جو آخرت کو ترجیح دے، جس کا مبدأ موت ہے، للہذا تم موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ) اور وہ اس کی کبھی تمنا نہ کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں (حضور ﷺ کے ساتھ کفر کرنا جو ان کے جھوٹے ہونے کو مستلزم ہے) اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کافروں) کی۔ آپ کہہ دیجئے جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو (فا زائد ہے) آ پکڑے گی۔ پھر تم پیش کئے جاؤ گے ایسے کے سامنے جو پوشیدہ اور ظاہر (سرو علانیہ) جاننے والا ہے۔ پھر وہ تمہارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا (ان کا تمہیں بدلہ دے گا) اے اہل ایمان جب جمعہ کے روز (من بمعنی فی ہے) نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف چل پڑو (لگ جایا کرو) اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم میں کچھ سمجھ ہے (کہ یہ بہتر ہے تو تم اس کو کرو) پھر جب نماز پوری ہو چکے ہو تم زمین پر چلو پھرو (یہ حکم بطور اجازت ہے) اور تلاش کرو۔ (رزق ڈھونڈو) اللہ کی روزی اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم کو فلاح ہو (کامیابی ہو۔ آنحضرت ایک مرتبہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا اور حسب معمول جب اس کی منادی ہوئی تو لوگ سن کر مسجد سے دوڑ پڑے، بجز بارہ افراد کے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں (یعنی تجارت کی طرف کیونکہ صحابہ کا مطلوب وہی تھا نہ کہ لہو ولعب) اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے۔ وہ (مسلمانوں کے لئے) بدرجہا بہتر ہے ایسے مشغلہ اور تجارت سے اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے (بولتے ہیں کہ انسان اپنے متعلقین کو رزق دیتا ہے یعنی اللہ کا رزق)

تحقیق وترکیب:

.... سورۃ الجمعۃ مدنیۃ۔ اس کا مدنی ہونا بالا جماع ہے للہ لام زائد ہے یا لام تعلیلیہ ہے یعنی تسبیح صرف اللہ کے لئے کرتے ہیں کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔

فی الامیین ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت **لقد جاء کم رسول من انفسکم** الخ فرمایا گیا اور قبیلہ عرب سے آپ کا ہونا۔ اس میں عرب کی عزت افزائی ہے ورنہ آپ کی بعثت عام، آنحضرت ﷺ کا اُمّی ہونا کتب سابقہ میں آیا ہے۔ اور غالباً اس کی حکمت یہ ہے کہ آپ پر یہ رسمی علوم کے اکتساب کا شبہ بھی نہ رہے جس سے آپ کی صداقت اور اعجاز کلامی زیادہ واضح ہوگئی۔

واخرین منھم اس کا امیین پر عطف ہو تو مجرور ہوگا۔ ای **بعثہ فی اخرین من الامیین** اور **لما یلحقوا بھم** آخرین کی صفت ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آخرین کو یعلمھم کی ضمیر منصوب پر عطف کرتے ہوئے منصوب مانا جائے۔ ای ویعلم اخرین لم یلحقوا بھم یعنی قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے آپ ﷺ بالواسطہ معلم ہیں جیسا کہ صحابہ کے بلاواسطہ استاد ہیں۔ مفسرؒ نے امیین کی تفسیر موجودین سے اور آخرین کی تفسیر اٰتین کے ساتھ کی ہے، جس سے عموم بعثت ثابت ہوئی جو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

لما یلحقوا۔ یعنی بعد کے آنے والے صحابہ کے ہم پلہ نہیں ہوں گے اور چونکہ صحابہ کی یہ فضیلت مستمر اور دائمی ہے اسی لئے مفسرؒ نے لما کی تفسیر لم کے ساتھ کی ہے۔ تا کہ اس کا منفی ہونا عام رہے برخلاف لمّا کے وہ صرف متوقع الحصول کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اور بعض نے لما یلحقوا سے مراد فضیلت وشرف کی بجائے زمانہ اور وقت لیا ہے۔ یعنی صحابہ کا زمانہ بعد والوں نے نہیں پایا۔ اس صورت میں لما اپنے اصل معنی پر رہے گا۔ یعنی صرف متوقع الحصول کی نفی مراد ہوگی۔ اس صورت میں اگرچہ اس سے تابعی مراد ہیں مگر تبع تابعین سے بھی صحابہ بدرجہ اولیٰ افضل ہوں گے۔ اس طرح حدیث **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** سے صحابہ کی برتری تمام بعد والوں پر معلوم ہو رہی ہے کیونکہ ہر پہلا قرن بعد کے قرن سے قریب العہد نبوی کی وجہ سے ہوتا بہتر ہے۔ قرب زمانی کے ساتھ اگر قرب مکانی بھی ہو جائے تو نور علیٰ نور ہے۔ وہیں اس روایت سے درجہ بدرجہ قرنوں کی ترتیب بھی معلوم ہوتی ہے۔ بعض اہل لطائف وکشف تو یہاں تک محسوس کرتے ہیں کہ باسی کھانے میں بہ نسبت

تازہ کھانے کے زیادہ انوار و برکات ہوتے ہیں۔ عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے۔ اور زمانہ نبوت جوں جوں بعید ہوتا جائے گا۔ خیریت سے بھی بعد بڑھتا چلا جائے گا۔ یہی حال قلوب و اعمال کی نورانیت وظلمت کا ہے۔ بہر حال اول تو امیین کی تخصیص ذکری ہے۔ اس کا مفہوم مراد نہیں اور ہو بھی تو آیت وما ارسلنا ک الا کا فۃ للناس کے منطوق و معارض نہیں ہو سکتا۔ پھر مفسرؒ نے ''مبعوث فی الامیین'' اور مبعوث الی الامیین'' کے فرق کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

حملوا التوراۃ۔ یعنی بے عمل کتاب محض حمالہ بن کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ ان کو کفالہ ہونا چاہیے تھا۔

ان زعمتم۔ قول بلا دلیل کو زعم کہتے ہیں۔ یعنی غیر یقینی اٹکل پچو اقوال زعم کے دائرہ میں آتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ زعم مثلث الحرکات ہے۔ حق و باطل، جھوٹ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اس کا اکثری استعمال شک کے موقعہ پر آتا ہے حدیث میں ہے۔ بئس المطی الرجل زعم فتمنوا الموت۔ موت سے محبت طبعی مراد نہیں کیونکہ طبعاً موت تو مکروہ معلوم ہوا کرتی ہے بلکہ محبت عقلی مراد ہے جو علامت ولایت ہے لقاء محبوب چونکہ مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ موت ہے۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب کی رو سے پس موت بھی وصال حبیب کا زینہ ہونے کی وجہ سے مطلوب ہوئی البتہ جو موت کی آرزو دنیا کے مصائب و مشکلات سے گھبرا کر ہو۔ حدیث میں اس کو منع کیا گیا ہے۔ اس لئے اب آیت اور حدیث میں تعارض نہیں رہا۔ کیونکہ شوق آخرت میں موت کی آرزو پسندیدہ ہے۔ اس پر اجر شہادت کا وعدہ ہے اور جو موت کی خواہش جزع فزع کی وجہ سے ہو وہ ناپسندیدہ ہے۔

لا یتمنونہ ابداً۔ سورۃ بقرہ میں'' لن یتمنوہ ''فرمایا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہود سے موت کی تمنا تاکیداً بھی منفی ہے جیسا کہ بقرہ میں ہے۔ اور غیر موکدہ طریقہ پر بھی منفی ہے جیسے یہاں ہے۔ پس ہر حال میں ان سے موت کی تمنا کرنے کی امید نہیں ہے۔ یہ پیشین گوئی فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ممکن ہے یہود نے موت کی تمنا کی ہو۔ اس لئے اگر موت کی تمنا کی ہوتی تو ضرور منقول ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر وہ آرزو کرتے تو ضرور موت آجاتی مگر آپ سے مرعوب ہو کر ایسے ڈر گئے کہ دیوار بولے تو بولے لیکن وہ نہ بولے۔

اذا نودی۔ اس سے خطیب اور منبر کے سامنے اذان جمعہ مراد ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اذان آنحضرت ﷺ کے زمانے میں رائج نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں جب زیادہ لوگ ہو گئے اور کاروبار اور مشاغل بڑھ گئے تو صحابہؓ کے مشورہ سے پہلی اذان کا اضافہ کیا گیا۔ جو پہلے مقام زوراء پر چڑھ کر کہی جاتی تھی۔ اور چونکہ سب صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو گیا اور خلیفہ راشد کی سنت ہے۔ اس لئے حدیث علیکم بسنتی و سنۃ خلفاء الراشدین کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک آیت کا مصداق اب بھی اذان اول ہوگی۔

صاحب کشاف نے نکتہ چینی کرتے ہوئے اگرچہ کہا ہے کہ اذان اول آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی۔ حضرت عثمانؓ نے جاری فرمائی۔ جیسا کہ حجاج نے اپنے زمانہ میں خطبہ کی اذان اور اذان اول کے درمیان ایک درمیانی اذان کا اضافہ کیا تھا۔ پھر آیت کا مصداق اس کو کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ جس کا امام زاہد نے یہ جواب دیا ہے کہ اذان سے بعینہ یہ کلمات مراد نہیں بلکہ وقت کا شروع ہونا مراد ہے اور وہ خطبہ کی اذان پر ہوتا ہے۔ اس وقت دنیاوی معاملات کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر صاحب مدارک اور صاحب ہدایہ مطلق اذان سے اذان اول مراد لے رہے ہیں۔ نیز ذکر اللہ کے اطلاق سے امام اعظمؒ نے یہ سمجھا ہے کہ خطبہ میں صرف سبحان اللہ الحمد للہ پر بھی اگر اکتفا کر لیا جائے تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک طویل خطبہ شرط ہے جس کو عرف میں کہا جاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ دو خطبے فرماتے ہیں۔ پہلے خطبے میں حمد و صلوٰۃ اور وعظ ہونا چاہیے اور دوسرے خطبہ میں حمد و صلوٰۃ کے ساتھ خلفاء اور صحابہ کا ذکر بھی ہونا چاہئے۔ یہ تفصیل تو خطبہ کی ہے لیکن اگر ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ ہو تو چونکہ اسعوا جمع کا صیغہ ہے اس لئے اس کی رعایت ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا ہونا انعقاد جمعہ کے لئے ضروری ہے۔ لیکن امام اعظم امام کے علاوہ تین مقتدیوں کا ہونا ضروری فرماتے ہیں۔ کیونکہ مساعی تین ہونے چاہیں اور ذکر اللہ یعنی خطیب امام ان کے علاوہ ہونا چاہیے۔ نیز ''اذا نودی'' سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ منادی اور ہونا چاہیے اور مساعین اس کے علاوہ ہوں اور امام شافعیؒ کے نزدیک

جمعہ میں چالیس آدمیوں کا اجتماع ہونا چاہیے۔ نیز اگر مقتدی سجدہ میں جانے سے پہلے نماز سے ہٹ جائے تو پھر مستقل طور سے نماز ظہر ادا کرے اور سجدہ کے بعد اگر جماعت سے نکلے تو نماز جمعہ ہی پوری کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد نکل جانے سے نماز جمعہ پوری کرنی ہوگی۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے نکلنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

فاسعوا ۔ اس سے اذان جمعہ کے بعد، سعی یعنی نماز جمعہ کی تیاری کا واجب ہونا اور خرید و فروخت وغیرہ کاروبار کا ممنوع ہونا ثابت ہوا، لیکن اگر سعی جمعہ جاری رہتے ہوئے کوئی کاروباری معاملہ کیا جائے جس سے تیاری میں کوئی خلل نہ پڑے تو وہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ یا نماز جمعہ ہے۔ دونوں کا واجب ہونا اس سے ثابت ہوا۔ قرآن کریم میں یہی آیت ہے جس سے وجوب جمعہ ثابت ہوتا ہے۔ اور ذلکم خیر لکم اس کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ خیریت عام ہے واجب کو بھی شامل ہے۔

من یوم الجمعۃ ۔ اذا کا بیان ہے عرب اس دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے عبادتی اجتماع کی وجہ سے اس کا نام جمعہ رکھا۔ یہود کے یہاں یوم السبت اور نصاریٰ کے یہاں یوم الاحد مذہبی عظمت کے حامل رہے ہیں۔ لیکن جمعہ کی عظمت سب سے بالا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور تاریخی اہم واقعات سے ثابت ہے۔ منجانب اللہ امتوں کی رائے اور اجتہاد پر اس دن کے انتخاب کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن اسلام لانے والے حق کو پاسکے اور دوسرے چوک گئے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق اس بارہ میں یہ ہے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا دن ہے۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار کا دن ہے۔ اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے علماء اسلام کو بھی اس کی تعین میں مشکل پیش آئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور اس کے قائل ہو گئے کہ یوم السبت بار کا دن ہے۔ اور اس اشکال کو اس سے اور بھی تقویت زیادہ ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں۔ لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ عرب روز جاہلیت میں دنوں کے یہ نام نہیں تھے۔ جو ان کے یہاں بعد میں مستعمل ہوئے۔ تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضع ہیں۔ ورنہ پہلے عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔ عروبہ عبرانی لفظ ہے۔ جس کا مفہوم وہی ہے جو ہمارے محاورہ میں عرفہ کا ہے۔ اردو محاورہ میں ہر اسلامی تہوار سے ایک روز پہلے کو عرفہ بولتے ہیں۔ بعینہ یہی عرف عروبہ تھا۔ چونکہ یہود ہفتہ "یوم السبت" تعطیل کا دن مانتے تھے۔ اس لئے جمعہ کو عرب عروبہ کہتے تھے۔ چنانچہ یہ لفظ مسلمانوں میں بھی رائج رہا۔ بعض احادیث میں بھی یہی لفظ پایا جاتا ہے۔

بہر حال چونکہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے۔ اس لئے لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو یوم الاحد یعنی پہلا دن کہیں۔ علماء اسلام نے بھی عرف کا لحاظ رکھا۔ اور ہفتہ کو یوم السبت سمجھا اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی سے شروع مانا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بات خلاف تحقیق ہے۔ کیونکہ مسند امام شافعیؒ میں روایت ہے کہ "استواء علی العرش" جمعہ کے دن ہوا۔ اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ عالم کی تخلیق کی ابتدا سنیچر کے دن ہوئی لہٰذا ان دونوں روایتوں کی بنیاد پر ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ "یوم الاستواء" یعنی تخلیق عالم سے فراغت اور تعطیل کا دن جب جمعہ کا تھا اور تخلیق کا آغاز سنیچر سے ہوا۔ تو بلا تردد "یوم السبت" یقیناً جمعہ ہی کا نام ہے۔ ہفتہ یا اتوار کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ تخلیق عالم کی ابتداء ہی سے ہے۔ کیونکہ اس دن ہی اللہ کے استواء علی العرش کی عید تھی۔ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھ روز میں پیدا فرمایا اور صحاح کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو جمعہ کے روز پیدا فرما کر اس ساتویں روز عید منائی کہ سارے عالم پر اس کے استیلا اور غلبہ اور سلطنت کا اظہار ہو گیا۔ یہی ہے استواء عرش کی حقیقت۔ لیکن جمعہ کے دن حضرت آدم کی تخلیق پر شبہ ہے کہ پھر تو پورا ہفتہ سات دن تخلیق ہی میں گزرے۔ پھر یوم السبت یعنی تعطیل کا دن کہاں ہوا؟ لیکن تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ قدس سرہ نے اس کا حل یہ کیا ہے کہ وہ جمعہ جس میں حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی۔ ان چھ دنوں سے متصل جمعہ نہیں تھا۔ جن میں تخلیق عالم ہوئی۔ جیسا کہ عام طور پر علماء محدثین نے سمجھا ہے بلکہ بعد کا کوئی جمعہ ہوگا۔

اس طرح چھ دنوں میں تخلیق عالم بھی ہو جاتی ہے اور جمعہ کے تخلیق آدم بھی اور جمعہ یوم السبت بھی رہتا ہے اور کوئی خلجان نہیں رہتا۔

صحاح کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے ہمارے لئے جمعہ کو پسند فرمایا اور دوسری امتوں نے اس کو ٹال دیا۔ نصاریٰ نے اتوار کو یہود نے بار کو پسند کر کے تعطیل کا دن قرار دیا۔ محدثین نے اس کو دو توجیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ عید اور جشن کے دن کا انتخاب امتوں کی رائے اور اجتہاد پر رکھا گیا تھا۔ امت محمدیہ جواب کو پا گئی اور دوسری امتیں محروم رہیں۔ دوسری توجیہ یہ کہ حق تعالیٰ نے دوسری امتوں پر بھی جمعہ کا دن قرار دیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اپنی اغراض و مصالح کے پیش نظر اس کو پسند نہیں کیا۔ بلکہ انبیاء وقت کو اس میں تنگ کیا کہ وہ اس دن کو تعطیل کا دن نہ رہنے دیں۔ مگر امت محمدیہ نے اس نعمت کو برضا ورغبت قبول کر لیا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء ۔

اور سعی سے مراد مطلق چلنا نہیں ہے ورنہ فامشوا کہا جاتا ہے اور نہ دوڑ دھوپ یا بھاگنا مراد ہے کیونکہ حدیث میں ہے اذا اقيمت الصلوة فلا تاتوها تسعون۔ بلکہ جلد تیاری کرنا مقصود ہے۔ البتہ فی الجملہ لپک کر جمعہ کے لئے چلنا بہتر ہے۔ اسی طرح ''وذروا البيع'' سے مراد مطلق مشاغل دنیا چھوڑ دینا ہے۔ اور خرید و فروخت کی تخصیص اس لئے کی کہ اس وقت یہ بکثرت ہوتی ہے۔ یعنی دنیا کا کاروبار چھوڑ کر آخرت کے کاروبار میں لگو۔ اہل اصول کہتے ہیں کہ افعال شرعیہ خرید و فروخت وغیرہ سے چونکہ ممانعت ہو رہی ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت باصلہ مشروع اور بوصفہ غیر مشروع رہے گی، لیکن اگر خرید و فروخت نماز جمعہ کی تیاری میں مخل نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ نماز کے بعد یہ ممانعت اباحت سے بدل گئی۔ کیونکہ ممانعت کے بعد حکم اباحت کے لئے ہوا کرتا ہے۔ پس فاذا قضيت الصلوة فانتشروا في الارض وابتغوا من فضل الله ایسے ہی ہے جیسے دوسری جگہ اذا حللتم فاصطادوا فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ امام زاہد کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کی اجازت پر یہ آیت دلیل ہے۔ اور جو طلب حلال اور طلب علم دونوں کو فرض بعد الفرض کہتے ہیں وہ اس حکم کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن فانتشروا سے مراد اگر علماء صلحاء کی زیارت اور مریضوں کی عیادت ہو تو پھر یہ حکم مستحب ہوگا۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس وقت نکاح، ہبہ صدقہ کے علاوہ دوسرے معاملات کرنے سے فسخ ہو جائیں گے اور وہ سامان واپس کیا جائے گا اور سامان نہ ہوا تو قیمت یوم القبض دلائی جائے گی، عطاء سے منقول ہے کہ جب پہلی اذان ہو جائے تب خرید و فروخت، صنعت و حرفت، کتابت، سونا، بیوی کے پاس جانا، کھیل تفریح منع ہے۔

بہر حال اس سے اصولیوں کی یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قضاء کا لفظ بول کر ادا مراد لی جا سکتی ہے، جیسا کہ اس کا برعکس بھی صحیح ہے اور 'فا' بلا مہلت تفریع کے لئے ہے، یعنی نماز کے فوراً بعد کاروبار میں لگ جاؤ، اس میں اشارہ ہے کہ اس نماز کے بعد نماز فرض نہیں ہے، پس نماز جمعہ کے بعد ظہر نہ پڑھے، اور ''واذکروا اللہ'' کے معنی یہ ہیں کہ کاروبار میں لگنے کے بعد ذکر اللہ بالکلیہ مت چھوڑ دو، بلکہ ذکر خاص یعنی خطبہ نماز اگرچہ ہو گیا ہے تاہم ذکر عام ہر حال میں جاری رہنا چاہئے۔

واذا رأوا تجارة، جب نماز کے وقت کاروبار کی اجازت نہیں تو لہو ولعب اور خرافات کی کیسے اجازت ہوگی۔

''اولهوا'' میں او معنی واو ہے ممکن ہے بعض افراد خطبہ چھوڑ کر خرید و فروخت کے لئے اور بعض لوگ شادی بیاہ کے کھیل تماشہ میں شرکت کے لئے چلے گئے ہوں، صاحب مدارک کہتے ہیں ''وتركوك قائما'' سے معلوم ہوا کہ خطیب کھڑے ہو کر خطبہ دے اور نماز شروع ہونے کے بعد اگر مسلمان بازار چلے گئے تو قیام نماز مراد ہوگا، بظاہر آیت میں تمام مسلمانوں کو اگرچہ عام خطاب ہے لیکن مراد خاص مکلفین ہیں، یعنی آزاد، عاقل، بالغ، تندرست، مقیم، مسلمان مرد جس کی آنکھ، پاؤں سلامت ہوں، چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں الجمعة واجب على كل مسلم في جماعة الا على اربعة عبد مملوك او امرأة او صبي او مريض ،

یہ تخصیصات اس نص کو قطعیت سے خارج نہیں کریں گی، جیسے نماز، زکوٰۃ، حج، روزوں کی تخصیصات ان کی قطعیت کے خلاف نہیں ہیں، چنانچہ وجوب جمعہ کی جس طرح چھ شرائط ہیں اسی طرح ادائے جمعہ کے لئے بھی شرائط ہیں، جو حسب ذیل ہیں، شہر یا قریہ کبیرہ، جس میں شہری ضروریات مہیا ہوں، حاکم وقت، وقت ظہر، خطبہ، جماعت، اجازت عام، شہریت چونکہ ہر زمانہ کی مختلف رہی ہے، اسلئے کتابوں میں شہریت کی

مختلف تعریفیں ملتی ہیں، ان شرائط کے پائے جانے میں جن کو تامل رہا انہوں نے جمعہ کے بجائے ظہر کو اختیار کرلیا، اور بعض احتیاط الظہر بھی جمعہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں، پھر جہاں پہلے سے جمعہ باوجود شرائط نہ ہونے کے قائم ہو بعض اس میں نرمی کو پسند کرتے ہیں اور اس کو جاری رہنے دینے کو پسند کرتے ہیں، (تفسیرات احمدی، مکتوب فارسی مولانا قاسم نانوتویؒ)

وابتغوا، مفسر نے مقدر مانا ہے اور من فضل اللہ کو صلہ مانا ہے لیکن بعض نے فضل اللہ سے رزق مراد لیا ہے، مرفوع روایت میں ہے ''لیس یطلب دنیا ولکن حضور جنازۃ وعیادۃ مریض''

خیر الرازقین، غیر اللہ کو لغۃً رازق کہا گیا، حقیقی رازق اللہ ہے۔

ربط آیات:............سورۃ صف میں کفار کا مستحق قتل ہونا اور توحید ورسالت کا برحق ہونا بیان فرمایا گیا تھا اس سورۃ کی ابتداء میں توحید ورسالت کا اثبات اور منکرین کا مستحق مذمت ووعید ہونا ارشاد ہے اور چونکہ یہود کی دکھتی رگ حرص وطمع اور محبت دنیا ہے، اس لیے دوسرے رکوع میں احکام جمعہ کے ذیل میں مسلمانوں کو دنیا کی بجائے آخرت کی ترجیح کا حکم دیا گیا ہے، نیز دونوں صورتوں کے اخیر میں تجارت کا ذکر ہے، پہلی میں اخروی تجارت کا اور دوسری میں دنیاوی تجارت کا۔

شان نزول وروایات:............ان زعمتم انکم اولیاء، یہود خود کو ابناء اللہ واحبانہ کہتے تھے اور یہ کہ لایدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ، اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، مدینہ طیبہ میں غلہ کی کمی ہوگئی، لوگ بھوک سے پریشان تھے کہ دحیہ کلبی بن خلیفہ تجارتی سامان لے کر شام سے آئے، اور بازار میں ایسے وقت دف سے اعلان ہو رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، لوگ اعلان سنتے ہی خطبہ چھوڑ کر بازار کی طرف ہولئے، صرف بارہ حضرات جن میں عشرہ مبشرہ بھی تھے، خطبہ میں بدستور حاضر رہے، عشرہ مبشرہ کے علاوہ بلالؓ اور ابن مسعودؓ بھی تھے ایک روایت میں ابن مسعودؓ کے بجائے عمارؓ کا نام ہے، اور مسلم کی روایت میں جابرؓ کا نام بھی ہے، اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ بارہ مرد اور سات عورتیں رہ گئی تھیں، اور بعض نے آٹھ اور بعض نے چالیس افراد کا کہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لو خرجوا کلھم لاضطرم المسجد علیھم نارا اس زمانہ میں عید کی طرح جمعہ میں بھی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوا کرتا تھا، جانے والے یہ سمجھے کہ نماز تو ہو چکی ہے، خطبہ میں چلے جانے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے، تب یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد پھر نماز جمعہ سے پہلے خطبہ مقرر فرمادیا، لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے کہ خطبہ پہلے ہوتا تھا، تو جانے والوں کا ارادہ جلد واپسی کا ہوگا، پھر صحابہؓ کی ابتدائی حالت تھی اور زمانہ قحط کا تھا پھر اجلہ صحابہ بچے رہے، پھر اجتہادی خطا ہوئی، اس لئے گنجائش اعتراض بالکل نہیں ہے۔

﴿تشریح﴾............فی الامیین، عرب کو امی (ان پڑھ) اس لئے کہا کہ ان میں علم وہنر کچھ نہ تھا، اور نہ کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس تھی، معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے، پورے ملک میں شاید انگلیوں پر گنے جاسکتے ہوں، ان کی جہالت وحشت وبربریت ضرب المثل تھی، بت پرستی، اوہام پرستی، فسق وفجور کا نام ملت ابراہیمی رکھ چھوڑا تھا، تقریباً ساری قوم اسی طرح کی گمراہیوں میں بھٹک رہی تھی کہ اللہ نے اسی قوم میں سے ایک رسول بھیجا، جس کا امتیازی لقب نبی امی تھا مگر علوم الہیہ کی روشنی سے سارے عالم کو جگمگا دیا۔

خاتم النبیین اور امام اعظمؒ کے متعلق پیشین گوئی:............واخرین منھم، یعنی رسول قیامت تک آنے والی ساری دنیا کے لئے بھی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ سے اس دوسری قوم کی نسبت پوچھا گیا، تو آپؐ نے سلمان فارسی کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا

کہ علم یا دین اگر ثریا پر بھی پہنچے گا، تو اس کی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئے گا، شیخ جلال الدین سیوطی وغیرہ علماء کبار نے تسلیم کیا ہے کہ اس کا بڑا مصداق امام اعظم ابوحنیفہ ہیں جو فارسی النسل ہیں، تاہم فارس کی یہ تخصیص شرف کے لئے ہے حصر کیلئے نہیں ہے، چنانچہ آج دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خوشہ چیں پہنچ گئے ہیں، سارا عرب وعجم اسلام کے حلقہ بگوشوں سے بھرا ہوا ہے، نیز تقریباً دو تہائی مسلمان ابوحنیفہ کے ماننے والے ہیں۔

حملوا التوراۃ، بلاشبہ تورات جس کے بنی اسرئیل حامل بنائے گئے تھے، حکمت وہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا، مگر جب وہ اس سے مستفید نہ ہوئے تو وہی مثال ہوگئی "نہ محقق شدی نہ دانشمند، چار پایہ بروکتا بے چند" ایک گدھے پر علم وحکمت کی کتنی کتابیں لاد دو، بوجھ میں دبنے کے سوا اسے کچھ پتہ نہیں، وہ تو صرف گھاس کی تلاش میں ہے، اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ پیٹھ پر لعل وجواہر لدے ہوئے ہیں یا سنگریزے، وخزف، اگر وہ محقق اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں، لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں، تو یہ اور بھی زیادہ گدھا پن ہوگا۔

علامتِ ولایت: ....ان زعمتم۔ اس گدھے پن اور جہل مرکب اور حماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے ہم ہی بلاشرکت غیرے اللہ کے دوست اور ولی، اور جنت کے تنہا حقدار ہیں، بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے، لیکن واقعی دل میں اگر یہی یقین ہے اور اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو دنیا کے مکدر عیش سے دل برداشتہ ہوکر محبوب حقیقی کے اشتیاق میں اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے، جب کہ ارشاد نبوی ہے،

لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل، اسی طرح صحابہ کرامؓ اور اہل اللہ بھی وصالِ جاناں کے آرزومند رہتے ہیں، دنیا کی مصیبتوں اور سختیوں سے گھبرا کر نہیں کہ وہ تمنا تو ناپسندیدہ ہے بلکہ شوق محبوب اور لقاءِ آخرت میں موت کو عزیز محبوب سمجھتے تھے۔

غدا نلقی الاحبۃ (محمد اوحزبہ) اور یا حبذا الجنۃ وا قتربھا۔ طیبۃ وباردا شرابھا۔ نیز حبیب جاء علی نا قۃ اور یا بنی لا یبالی ابوک سقط علی الموت او سقط علیہ الموت۔ لیکن ان جھوٹے مدعیوں کے افعال وحرکات پر نظر ڈال کر دیکھو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے اور گھبرانے والا کوئی نہیں ہے، مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ بلکہ اس لئے کہ اول تو دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ دوسرے سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت ہم نے کئے ہیں یہاں چھوٹتے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ جو دم گزر رہا ہے، غنیمت ہے۔ گائے قصائی کے سامنے جانے سے جس طرح ڈرتی ہے وہی حال ان کا موت کے تصور سے ہے۔ کیونکہ ان کو اپنا انجام بد معلوم ہے۔ اس لئے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس آرزو کے لئے آمادہ نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی یہودی اس وقت اگر موت کی تمنا کرگزرتا تو فوراً اچھولگ کر ہلاک ہوجاتا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو جھوٹ موٹ بھی ہمت نہیں ہوئی۔ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے اس کو مباہلہ پر محمول کیا ہے۔

نشانِ عداوت:.........قل ان الموت۔ یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ ہزار کوشش کریں مضبوط قلعوں میں بند ہوکر بیٹھ رہیں۔ وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں۔ آخر مرنے کے بعد پھر وہی اللہ کی عدالت ہوگی اور تم ہوگے۔

اذا نودی۔ یہاں مسلمانوں کو برموقعہ ہدایت کی گئی کہ تم یہود کی طرح دنیا کے دھندوں میں لگ کر اللہ کی یاد اور موت کے تصور کو فراموش مت کرو خصوصیت سے جمعہ کا وقت بھی ایسا ہے کہ اس میں کاروبار زوروں پر ہوتا ہے۔ اس وقت تم دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی خطبہ کے وقت بات چیت کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوئیں۔ یعنی وہ

یہود کی طرح ہے جن کی مثال گدھے کی سی ہے۔

اذان و جمعہ کا حکم:............ **یا ایها الذین امنوا**۔ عام مخصوص البعض ہے کیونکہ بعض پر جمعہ فرض نہیں ہے اسی طرح ہر اذان کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ کاروبار کر کے بھی عام نمازوں میں جماعت مل سکتی ہے اور جمعہ ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے پھر کہاں ملے گا۔ اس لئے اذان جمعہ مراد ہے قرآن میں جس اذان کا ذکر ہے وہ خطبہ والی اذان ہے لیکن اس سے پہلے والی اذان جو صحابہ کے اجماع سے دور عثانی میں مقرر ہوئی۔ کاروبار کی ممانعت میں اس کا حکم بھی قدیم اذان خطبہ کی طرح ہے۔ علت کے اشتراک سے حکم بھی مشترک ہوا کرتا ہے۔ البتہ اتنا فرق رہے گا کہ یہ حکم اذان قدیم میں تو منصوص اور قطعی ہوگا۔ اور اذان اول جدید میں ظنی اور اجتہادی ہوگا۔ اس سے تمام اشکال رفع ہو گئے اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے۔ مگر نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی ایسے وقت میں پہنچ جانا چاہیے کہ خطبہ سن سکے اور جماعت میں شریک ہو سکے۔

لطائف سلوک:............ **اذ بعث فی الامیین رسولا**۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب عادیہ میں علم کا اضافہ موقوف نہیں ہے۔ پس اُمیت کے ساتھ ولایت جمع ہو سکتی ہے۔ یعنی امی شخص ولی ہو سکتا ہے۔ البتہ ضروری شرعی امور کا جاننا ضروری ہے۔ اگر چہ بغیر رسمی تعلیم کے ہو۔

ویزکیهم۔ روح المعانی میں بعض کا قول ہے کہ **یتلو علیهم** میں اشارہ ہے۔ افاضہ قالبیہ کی طرف اور **یزکیهم** میں افاضہ قلبیہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ایک فرد، توجہ اور رابطہ بھی ہے۔ اور رابطہ کا ثبوت نقلی دلیل پر موقوف نہیں۔ اس کی برکت مشاہدہ سے ثابت ہے۔

واخرین منهم۔ روح المعانی میں ہے کہ بعض کے نزدیک **یعلمهم** کی ضمیر مغلوب پر آخرین کے عطف میں اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کا فیضان امت پر قیامت تک جاری رہے گا اور اولیاء اللہ آپ کے وارث ہیں ان کا فیض بھی وفات کے بعد جاری رہتا ہے۔

مثل الذین حملوا التورة۔ اس میں اشارہ ہے اس شخص کی بدحالی کی طرف جو علم کے باوجود انکار کرے۔

ان زعمتم انکم اولیاء۔ اس سے معلوم ہوا کہ موت کی تمنا اگر چہ عقلی ہو۔ علامات ولایت میں سے ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدعی حال کا امتحان ہونا چاہیے۔

فاذا قضیت الصلوة۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دینی مصالح نشاط وفرحت کی خاطر بعض مباحات میں مشغول ہونا بھی مطلوب ہے بشرطیکہ دین پر ان مباحات کو ترجیح نہ دی جائے۔ اور روح المعانی میں ہے کہ اس عتاب میں اشارہ ہے کہ مریدین سے جب کوئی غلطی ہو جائے تو ان کی تادیب وتربیت کی جائے۔

سُــوْرَةُ الْمُنَافِقُوْنَ

سورة المنافقون مدنية احدىٰ عشرة اٰية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

اِذَا جَآءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا بِاَلسِنَتِهِمْ عَلٰى خِلَافِ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ يَعْلَمُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱﴾ فِيْمَا اَضْمَرُوْهُ مُخَالِفاً لِمَاقَالُوْهُ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سُتْرَةً عَنْ اَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَصَدُّوْا بِهَا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَىْ عَنِ الْجِهَادِ فِيْهِمْ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ اَىْ سُوْءُ عَمَلِهِمْ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِاللِّسَانِ ثُمَّ كَفَرُوْا بِالْقَلْبِ اَىْ اِسْتَمَرُّوْا عَلٰى كُفْرِهِمْ بِهٖ فَطُبِعَ خُتِمَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بِالْكُفْرِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ اَلْاِيْمَانَ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ لِحَمَالِهَا وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ لِفَصَاحَتِهٖ كَاَنَّهُمْ مِنْ عِظَمِ اَجْسَامِهِمْ فِىْ تَرْكِ التَّفَهُّمِ خُشُبٌ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ وَضَمِّهَا مُّسَنَّدَةٌ مُمَالَةٌ اِلَى الْجِدَارِ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ تُصَاحُ كَنِدَاءٍ فِى الْعَسْكَرِ وَاِنْشَادِ ضَالَّةٍ عَلَيْهِمْ لِمَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الرُّعْبِ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْهِمْ مَا يُبِيْحُ دِمَاءَ هُمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ فَاِنَّهُمْ يَفْشُوْنَ سِرَّكَ لِلْكُفَّارِ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَهْلَكَهُمْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾ كَيْفَ يُصْرَفُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ بَعْدَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا مُعْتَذِرِيْنَ يَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ عَطَفُوْا رُءُ وْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ يُعْرِضُوْنَ عَنْ ذٰلِكَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اِسْتَغْنٰى بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لِاَصْحَابِهِمْ مِنَ الْاَنْصَارِ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا يَتَفَرَّقُوْا عَنْهُ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالرِّزْقِ فَهُوَ الرَّازِقُ لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَغَيْرِهِمْ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اَىْ مِنْ غَزْوَةِ بَنِى

الْمُصْطَلِقِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ **لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ** عَنَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ **مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ** عَنَوْا بِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ**
الْغَلَبَةُ **وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾** ذٰلِكَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ**
تُشْغِلُكُمْ **اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ** الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ **وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ**
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا فِي الزَّكٰوةِ **مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ**
رَبِّ لَوْلَآ لَوْ بِمَعْنٰى هَلَّا اَوْ لَا زَائِدَةٌ وَلَوْ لِلتَّمَنِّيْ **اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ** بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي
الْاَصْلِ فِي الصَّادِ اَتَصَدَّقُ بِالزَّكٰوةِ **وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾** بِاَنْ اَحُجَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى
عَنْهُ مَا قَصَرَ فِي الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ اِلَّا سَاَلَ عِنْدَ الْمَوْتِ **وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ**
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ

ترجمہ:.........سورۂ منافقون مدنیہ ہے جس میں گیارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو (دلوں کے برخلاف زبانوں سے) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ تو اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے (جانتا ہے) کہ یہ منافق جھوٹے ہیں (زبان کے برخلاف جو کچھ چھپاتے ہیں اس میں) ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے (مال وجان کے لئے ڈھال) پھر یہ لوگ اللہ کی راہ میں (جہاد) سے روکتے ہیں۔ بے شک ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ ان (کی بدعملی) اس لئے ہے کہ یہ لوگ (صرف زبانی) ایمان لے آئے مگر کافر رہے (دل سے یعنی اپنے کفر پر جمے رہے) سو ان کے دلوں پر (ان کے کفر کی وجہ سے) مہر کردی گئی ہے اس لئے یہ (ایمان) کو نہیں سمجھتے اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد وقامت (خوب صورتی) میں آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں (تو فصاحت بلاغت کی وجہ سے) آپ ان کی باتیں سننے لگیں گویا یہ (ڈیل ڈول کے باوجود نا سمجھ ہونے میں) لکڑیاں ہیں (شین کے سکون وضمہ کے ساتھ) جو ٹیک دی گئی ہیں (دیوار کے سہارے کھڑی کردی گئی ہیں) ہر غل غپاڑہ کو (جو لشکر میں کسی منادی یا گم شدہ چیز کے اعلان کی وجہ سے ہو) اپنے اوپر خیال کرنے لگتے ہیں (دل میں رعب پیدا ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قتل کے بارے میں کوئی حکم آیا ہے) یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیے (کیونکہ کافروں سے آپ کے راز یہی اگلتے ہیں) اللہ انہیں غارت (برباد) کرے۔ یہ کہاں پھرے جاتے ہیں (دلیل قائم ہونے کے باوجود یہ ایمان سے کیسے روگردانی کررہے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (معذرت خواہ بن کر) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو پھیر لیتے ہیں (تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے) اپنے سر اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ بے رخی (اس سے کنارہ کشی) کرتے ہیں، تکبر کرتے ہوئے ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں (ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی) یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہ ہیں جو (اپنے انصار بھائیوں سے) کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ ورسول کے پاس (مہاجرین) ہیں، ان پر کچھ مت خرچ کرو۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر (تتر بتر) ہو جائیں گے۔ اور اللہ ہی کے ہیں سب آسمانوں اور زمین کے خزانے (رزق کے، لہٰذا مہاجرین وغیرہ کا وہی روزی رساں ہے) لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب (غزوہ بنی مصطلق سے) مدینہ لوٹ جائیں گے تو نکال باہر کرے گا عزت والا (مراد خود ہیں) وہاں سے ذلت والے کو (یعنی مسلمانوں کو) اور عزت (غلبہ) اللہ ہی کی ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔ لیکن منافقین (اس کو) جانتے نہیں ہیں۔ اے اہل ایمان تمہیں غافل نہ کرنے پائیں۔ تمہارے

مال واولاد، یاد الٰہی (پنج وقتہ نمازوں) سے اور جو ایسا کرے گا ایسے ہی لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ اور (زکوٰۃ میں) خرچ کرو۔ اس میں سے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ کیوں نہ (لولا بمعنی ھلا ہے یا لا زائد ہے اور لو تمنائیہ ہے) مجھ کو تھوڑے دنوں کی مہلت دے دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا (اصل میں تا کو صاد میں ادغام کر دیا، میں زکوٰۃ دے لیتا) اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا (حج کر لیتا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص زکوٰۃ حج میں کوتاہی کرتا ہے وہ مرنے کے وقت دنیا میں رہنے کی ضرور درخواست کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کا وقت آ جاتا ہے ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے (تعلمون تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے)۔

تحقیق وترکیب:

سورۃ المنافقون۔ اس کا مدنی ہونا اور گیارہ آیات پر مشتمل ہونا بالاجماع ہے۔

اذا جاء ک المنافقون۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء مراد ہیں۔ جواب شرط قالو ہے اور بعض نے محذوف کہا ہے۔ ای **فلا تقبل منهم** لیکن بعض نے **اتخذوا ایمانهم** کو جواب کہا ہے۔ مگر وہ بعید ہے۔

واللہ یعلم جملہ معترضہ ہے **نشهد** اور **واللہ یشهد** کے درمیان اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر یہ جملہ نہ لایا جاتا تو شبہ رہتا کہ ممکن ہے منافقین کا رسول اللہ کہنا فی نفسہ غلط ہے۔ اب اس وہم کا ازالہ کر دیا۔

ان المنافقین لکاذبون۔ یعنی اس قول میں کاذب نہیں۔ بلکہ ان کے دل میں جو رسالت کا انکار چھپا ہوا ہے اس میں جھوٹے ہیں۔ اس لئے نظام معتزلی کا صدق وکذب کی تعریف میں اعتقاد کے مطابق ہونے نہ ہونے کی قید لگا کر اس آیت سے استدلال کرنا غلط ہوگا۔ معلوم ہوا کہ صرف واقعہ کی مطابقت عدم مطابقت کا لحاظ کیا جائے گا۔ نہ صرف اعتقاد وواقعہ دونوں کی مطابقت غیر مطابقت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جس سے صدق اور کذب کے درمیان واسطہ ثابت کیا جا سکے اور مشہور جواب نظام کا یہ ہے کہ منافقین کا اس خبر کو شہادت کہنا یا اس کو شہادت کا نام دینا غلط بیانی ہے۔ کیوں کہ شہادت دل سے ہوا کرتی ہے اور ان کی یہ خبر دل سے نہیں ہے۔ بلکہ اوپر دل سے ہے۔ جس کو خبر کہنا چاہیے تھا۔ اور ایک جواب یہ بھی ہے کہ منافقین اس خبر واقعی کو صادق کے بجائے کاذب سمجھتے ہیں یعنی فی الواقع یہ کاذب ہیں۔ بلکہ اپنے زعم فاسد میں کاذب ہیں کہ انہوں نے خلاف واقعہ بات کہی ہے۔ یا **لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا** اور **ولئن رجعنا الی المدینة**۔ ان اقوال کے اعتبار میں کاذب ہیں۔ اس طرح یہ پانچ جواب ہو گئے ہیں۔ پہلا جواب مفسرؒ کا ہے۔

بانهم امنوا۔ مفسرؒ نے باللسان کہہ کر یہ شبہ دور کر دیا کہ منافقین کا دلی ایمان مراد نہیں۔ صرف زبانی اقرار مراد ہے۔

اتخذوا ایمانهم۔ اس آیت میں شہادت پر یمین کا اطلاق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ لفظ شہادت سے بھی یمین ہو جاتی ہے۔ جس کا پورا کرنا ضروری ہے ورنہ کفارہ ضروری ہوگا۔ چنانچہ کشاف، مدارک اور تفسیر زاہدیہ میں ایسے ہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ البتہ اگر ایمان سے مراد منافقین کا جھوٹا حلف لیا جائے۔ یا ایمان کسرہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر یمین کی بحث اس سے متعلق نہیں ہوگی۔

خشب مسندة۔ جس طرح بے کار لکڑی دیوار سے لگا کر ایک طرف رکھ دی جاتی ہے۔ یہی حال منافقین کے ناکارہ ہونے کا ہے۔ بلی کا گو لیپنے کا نہ پوتنے کا۔

کل صیحة، **یحسبون** کا یہ مفعول اول ہے اور علیہم مفعول ثانی ہے استغفرت میں ابتدا بالسکون ہے چونکہ ہمزہ استفہام سے ہو گیا ہے۔ اس لئے ہمزہ وصل کی ضرورت باقی نہیں رہی، ورنہ لفظ سواء کے بعد آنے کی وجہ سے تسویہ کے معنی بدستور ہیں۔ **لئن رجعنا**۔ صحیحین کی روایت میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی مراد ہے۔ لیکن امام نسائیؒ غزوہ تبوک سے واپسی کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اسی کو ترجیح دے رہے ہیں۔

عن ذکر اللہ۔ ابن مردویہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایت تخریج کرتے ہوئے اور ابن منذرؒ، عطاؒ اور ضحاکؒ سے تخریج کرتے ہوئے ذکر اللہ سے

پنجوقتہ نمازیں مراد لیتے ہیں۔

انفقوا ۔ابن منذر ضحاک سے زکوۃ اورنفقہ حج مراد لیتے ہیں۔اور ترمذی ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔ **من کان له مال یبلغه حج بیت ربه او مجیب علیه الزکوٰۃ فلم یفعل مال الر جعة عند الموت فقال به رجل یا ابن عباس اتق الله فانما یسا ل الر جعه الکفار فقال ساتلوا علیکم بذلک قراناً فقرأ الأیة۔** اس لئے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ اہل توحید نہیں ہیں۔ورنہ دنیا میں دوبارہ آنے کی تمنا کیوں کرتے۔اس آیت میں اشارہ ہے کہ طبعی موت آنے سے پہلے وجود حقیقی حاصل کرنے کے لئے ارادہ روحانی سے وجود مجازی کا انفاق کردینا چاہیے۔ورنہ حیات جاودانی سے محروم ہوکر جاہلیت کی موت مرے گا۔کیونکہ نفس اللہ کی معرفت سے جاہل ہے اور حیات ابدی معرفت حقیقی کا نام ہے۔اور وہ بلانفس وطبیعت کی موت کے حاصل نہیں ہوسکتی۔پس جوشخص اس موت ارادی کونہیں چکھے گا۔وہ طبعی موت کے وقت دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرے گا۔تاکہ برضاء ورغبت وجود مجازی کوتصدیق کردے اور وجود حقیقی سے ہمکنار ہوکر زمرہ صالحین میں داخل ہوجائے۔

لن یؤخر الله ۔یہ جملہ مستانفہ ہے نکرہ منفیہ ہونے کی وجہ سے عام ہے۔اس سوال کا جواب ہے کہ **هل یؤخر الا جل هذ االتمنی۔**

ربط آیات:.........سورہ صف میں یہود کا ذکر تھا۔اس سورۃ میں منافقین کا ذکر ہے جو اکثر یہود تھے۔نیز پچھلی صورت کے اخیر میں آخرت کو دنیا پر ایثار کرنے کا ذکر تھا۔اس سورت کے اخیر میں بھی یہی ذکر ہے۔اور یہ مضمون منافقین کے حال کے مطابق ہی تھا کیونکہ وہ مال واولاد پر گھمنڈ کیا کرتے تھے۔اس مال اولاد سے قلب کوغلو کے ساتھ وابستہ کرنے کی ممانعت ہے۔

شان نزول:.........غزوہ تبوک یا غزوہ بنی المصطلق میں جہجاہ بن اسید مہاجر اور سنان جہنی انصاری کے درمیان پانی پرلڑائی ہوگئی۔سنان انصاری عبداللہ بن ابی کا حلیف تھا۔مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا تو ایک مہاجر نے بڑھ کر سنان کوطمانچہ مارا۔تو عبداللہ اپنے حلیف کی حمایت میں بولا۔ **ما صحبنا محمد الا لنلطم وجوهنا الله ما مثلنا ومثلهم الا کما قال القائل سمن کلبک یا کلک اماوا لله لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الا عز منها الاذل** ۔پھر اپنے آدمیوں سے کہنے لگے۔ **ماذا فعلتم بانفسکم قد انزلتموهم بلادکم وقاسمتموهم فی اموالکم اماوالله لوامسکتم عنهم فضل الطعام لتحولوا من عند کم فلم تنفقوا علیهم حتی ینفضوا من حول محمد** ۔جس کا حاصل یہ ہے کہ تم نے ان پردیسیوں کوروٹیاں کھلاکھلا کر بگاڑ دیا۔اب مدینہ جاکر ان کوخرچ دینا بند کردو،یہ خود ہی چلے جائیں گے۔ورنہ ہم عزت والے جیں ان ذلیلوں کونکال دیں گے۔یہ باتیں زید بن ارقمؓ نے سن کر حضور ﷺ سے جاکہیں۔آپ ﷺ نے ابن ابی کوبلا کر پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور قسم کھابیٹھا۔زید بن ارقمؓ کواس سے بڑا رنج اور دکھ ہوا۔اس پر یہ آیتیں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے ابن ارقم کوبلا کر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے کان کی تصدیق فرمادی تب انہیں سکون ہوا۔عبداللہ کی باتیں جولوگوں نے سنی تھیں انہوں نے اس سے کہا بھی کہ توحضور ﷺ کے پاس جاکر توبہ کرلے۔مگر ان سے اس کا بھی انکار کردیا اور چونکہ سب منافقین دل سے اس کی باتوں پر راضی تھے۔ اس لئے سب کی طرف نسبت کردی گئی۔

﴿ تشریح ﴾.........قالوا نشهد۔یعنی منافقین کہتے ہیں کہ ہم دل سے آپ ﷺ کوسچا رسول سمجھتے ہیں۔فرمایا جھوٹ کہتے ہیں۔ان کا دلی اعتقاد نہیں ہے،واقع میں وہ آپ ﷺ کی رسالت کے قائل نہیں۔محض زبانی باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔اور ایک اسی بات پر کیا منحصر ہے،جھوٹ توان کے ضمیر میں پڑا ہوا ہے۔چنانچہ ایک واقعہ میں جس کا ذکر آرہا ہے۔صریح جھوٹ بولا کہ اللہ نے آسمان سے ان کی تکذیب کی۔

جھوٹی قسموں کو آڑ بنانا:......... **اتخذوا ایمانھم** ۔یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت سرزد ہوئی۔ اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا کھٹکا ہوا۔ فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر چھوٹ گئے۔ لوگ ان کو بظاہر مسلمان سمجھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی جھوٹی قسموں کا نقصان انہیں تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ یہ فساد دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اور برا کام کیا ہوگا۔

ذلک بانھم. یعنی گو زبان سے اظہار بیان کیا مگر دل سے بدستور منکر رہے اور ایمان کے دعویدار ہو کر کافروں کے کام کئے۔ اس بے ایمانی اور فریب و دغا کا یہ اثر ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اب اس حالت پر پہنچ کر ان کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے جب انسان کا دل برے کرتوتوں سے مسخ ہو جائے پھر نیک و بد سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ جب انسان کے دل تو واقعی مسخ ہو چکے مگر ڈیل ڈول تو دیکھو تو بڑے چکنے چپڑے، بات کرتے ہیں تو بڑی لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا رسیجھ جائے۔ ان کی مثال اس خشک اور بے کار لکڑی کی ہے جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے دیکھنے میں کیسی موٹی۔ مگر بے سہارا ایک سیکنڈ بھی کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں جلانے کے کام ضرور آسکتی ہے۔

منافق پرلے درجے کا بزدل ہوتا ہے:......... یہی حال منافقوں کا ہے اوپر سے خول بڑا اچھا مگر اندر سے خالی خولی کسی کام کے نہیں۔ صرف دوزخ کے ایندھن ہیں۔ بزدل، ڈرپوک اتنے کہ اگر کہیں شور سنیں تو دہل جائیں۔ اور سمجھیں کہ ہم پر بھی کوئی بلا آئی۔ ناپاک حرکتوں کی وجہ سے ہر وقت انہیں کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے کہیں ہماری مکاری کا پردہ چاک تو نہیں ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اب بھی وقت نہیں گیا۔ آؤ رسول اللہ ﷺ کے پاس چل کر اپنا قصور معاف کرالو۔ آپ کے استغفار کی برکت سے تمہاری خطا معاف ہو جائے گی۔ مگر کبر و نخوت کے مارے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے ہیں اور بڑی شان بے نیازی سے گردن ہلا کر سر گھما کر رہ جاتے ہیں۔

سواء علیھم ۔ممکن ہے آپ اپنے اخلاق و مروت سے ان کے طالب عفو ہوں۔ مگر یاد رہے اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے اور نہ ایسے بے توفیقوں کو ہدایت نصیب ہوا کرتی ہے۔ منافقین کے لئے یہ استغفار آپ کے لئے چاہے کسی منقبت کا باعث ہو مگر خود ان کے لئے بے سود ہے۔ چنانچہ **سواءٌ علیک** نہیں فرمایا۔ بلکہ **سواء علیھم** فرمایا ہے۔ **ھم الذین یقولون** ۔ یہ عبداللہ بن ابی کی اسی گفتگو کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔ مگر آنحضرت ﷺ کے بلانے پر وہ صاف مکر گیا۔ کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی میں جھوٹ کہہ دیا۔ لوگ زید پر آوازے کسنے لگے۔ وہ بے چارے سخت محجوب اور نادم ہوئے۔ یہ آیات نازل ہوئیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے تجھے سچا کر دکھایا۔

حقیقی عزت کا مالک:......... **وللّٰہ خزائن** ۔ یہ منافقین کا جواب ہے کہ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام زمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہی ہے۔ کیا وہ ان لوگوں کو بھوکوں مار دے گا۔ جو پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں۔ منافقین اگر ہاتھ کھینچ لیں گے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے ان پر بند کر دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں پر خرچ کرتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اسکی توفیق کے بغیر کوئی ایک پیسہ خرچ نہیں کر سکتا۔ اور انہیں خبر نہیں عزت والا کون ہے؟ اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے اور پھر اس تعلق سے رسول ﷺ اور ایمان والوں کی ہے۔ روایات میں ہے کہ ابن ابی کے یہ الفاظ جب اس کے بیٹے عبداللہ کو پہنچے جو نہایت مخلص مسلمان تھے تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور بولے کہ جب تک اقرار نہ کرے گا رسول ﷺ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے زندہ نہ چھوڑوں گا اور نہ مدینہ میں گھسنے دوں گا۔ آخر اقرار کرا کر چھوڑا۔

لا تلھکم اموالکم یعنی مسلمانوں کو یہود و منافقین کی طرح مال و اولاد کے گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بات بڑے خسارہ اور ٹوٹے کی ہے کہ "باقی" کو چھوڑ کر فانی میں انسان دل لگا بیٹھے۔ مال و اولاد وہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ بنا دے۔ اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں بھی قلبی سکون حاصل نہ ہوا۔

اللہ کے لئے مال خرچ کرنے سے اللہ کا نہیں انسان کا فائدہ ہے:.......... وانفقوا ۔ یہ جواب ہے منافقین کے قول لا تنفقوا کا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو۔ ورنہ موت سر پر کھڑی ہے اس وقت پچھتانا پڑے گا کہ ہم نے کیوں اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کیا۔ اس وقت کنجوس آرزو کرے گا کہ کچھ مہلت اور مل جاتی تو میں خیر خیرات کر کے نیک بنتا اور اللہ کے سامنے سرخرو ہوتا۔ لیکن وہاں تاخیر کیسی؟ جس شخص کی عمر جتنی لکھدی اور جو میعاد مقرر کردی اس کو پورا ہونے پر ایک لحہ کی ڈھیل نہیں ہوسکتی۔ ابن عباسؓ کے نزدیک یہ تمنا قیامت کے دن کرے گا۔ بہر حال اس تمنا کا کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ اللہ کو سب کی سب کچھ خبر ہے وہ جانتا ہے کہ اگر تمہیں دنیا میں بھیجا گیا ہے یا مہلت دی گئی تو کیا عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے۔

لطائف سلوک:......... هم الذین یقولون ۔ اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو مال و دولت کی کمی کے سبب اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔

لا تلهکم اموالکم ۔ اس میں غفلت کی مذمت ہے۔

سُــوْرَةُ التَّغَابُنِ

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يُنَزِّهُهُ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَاَتٰى بِمَا دُوْنَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْاَكْثَرِ **لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۱﴾ **هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ** فِي اَصْلِ الْخِلْقَةِ ثُمَّ يُمِيْتُهُمْ وَيُعِيْدُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ﴿۲﴾ **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ** اِذْ جَعَلَ شَكْلَ الْاٰدَمِيِّ اَحْسَنَ الْاَشْكَالِ **وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ** ﴿۳﴾ **يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۴﴾ بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ **اَلَمْ يَاْتِكُمْ** يَا كُفَّارَ مَكَّةَ **نَبَؤُا** خَبَرُ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ** عُقُوْبَةَ كُفْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا **وَلَهُمْ** فِي الْاٰخِرَةِ **عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۵﴾ مُؤْلِمٌ **ذٰلِكَ** اَيْ عَذَابُ الدُّنْيَا **بِاَنَّهٗ** ضَمِيْرُ الشَّانِ **كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** اَلْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ عَلَى الْاِيْمَانِ **فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ** اُرِيْدَ بِهِ الْجِنْسُ **يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا** عَنِ الْاِيْمَانِ **وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ** عَنْ اِيْمَانِهِمْ **وَاللّٰهُ غَنِيٌّ** عَنْ خَلْقِهٖ **حَمِيْدٌ** ﴿۶﴾ مَحْمُوْدٌ فِي اَفْعَالِهٖ **زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهُمْ **لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ** ﴿۷﴾ **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ** اَلْقُرْاٰنِ **الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ﴿۸﴾ اُذْكُرْ **يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ** يَغْبِنُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ بِاَخْذِ مَنَازِلِهِمْ وَ اَهْلِيْهِمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنُوْا **وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ فِي الْفِعْلَيْنِ **جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۹﴾ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** اَلْقُرْاٰنِ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَبِئْسَ**

الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾ ھی مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بقضائه وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ فی قولہ ان المصیبۃ بقضائه يَهْدِ قَلْبَهٗ للصبر علیها وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ البین اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ بان تطیعوهم فی التخلف عن الخیر کالجهاد والهجرة فان سبب نزول الآیة الاطاعة فی ذلک وَاِنْ تَعْفُوْا عنهم فی تثبیطهم عن ذلک الخیر معتلین بمشقة فراقکم علیهم وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لکم شاغلة عن امور الآخرة وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فلا تفوتوه باشتغالکم بالاموال والاولاد فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ناسخة لقوله اتقوا الله حق تقاته وَاسْمَعُوْا ما امرتم به سماع قبول وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا فی الطاعة خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ خبر یکن مقدرة جواب الامر وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ الفائزون اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا بان تتصدقوا عن طیب قلب يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وفی قراءة یضعفه بالتشدید بالواحدة عشرا الی سبع مائة واکثر وهو التصدق عن طیب قلب وَيَغْفِرْ لَكُمْ ما یشاء وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ مجاز علی الطاعة حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ فی العقاب علی المعصیة عٰلِمُ الْغَيْبِ السر وَالشَّهَادَةِ العلانیة وَهُوَ الْعَزِيْزُ فی ملکه الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ فی صنعه۔

ترجمہ:.........سورۃ تغابن مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔ جس میں اٹھارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور من کی بجائے ما لایا گیا اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔ سو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن (پیدائشی طور پر، پھر تمہیں موت دے کر پہلی حالت پر دوبارہ پیدا کرے گا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طریقہ پر پیدا کیا ہے۔ اور تمہارا عمدہ نقشہ بنایا (کیونکہ انسان کو بہترین شکل پر پیدا کیا گیا ہے) اور اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا جاننے والا ہے (یعنی دلی راز اور اعتقادات) کیا تمہیں (اے کفار مکہ) ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھا (دنیا میں کفر کی سزا بھگتی) اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہونے والا ہے۔ یہ (دنیا کی سزا) اس لئے ہے (ضمیر شان ہے) کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر کھلے دلائل لے کر آئے (ایمان کی واضح دلیلیں) سو ان لوگوں نے کہا کہ کیا آدمی (انسان کی جنس مراد ہے) ہم کو ہدایت کریں گے۔ غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا (ایمان سے) اور اللہ نے (ان کے ایمان کی) پرواہ نہ کی اور اللہ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز ستودہ صفات ہے (بہترین کارگزاری والا) یہ کافر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے ای انہم) ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

پھر جو کچھ تم نے کیا ہے سب کچھ تمہیں جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے سو تم اللہ، اس کے رسول اور نور (قرآن) پر ایمان

لاؤ۔ جو کہ ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (یاد کیجئے) جس روز ہم تم سب کو جمع کریں گے۔ جو جمع ہونے کا دن (قیامت) ہوگا۔ وہ یہی دن ہے سود وزیاں کا (مسلمان کافروں کو خسارہ میں ڈال دیں گے۔ ان کے جنت کے گھر اور بیویاں لے کر جوان کو ایمان لانے کی صورت میں ملتیں) اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو دور کردے گا۔ اور اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں یکفر اور یدخلہ دونوں فعل نون صیغہ متکلم کے ساتھ ہیں) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیات (قرآن) جھٹلائی ہوں گی۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے۔

کوئی مصیبت بدوں حکم (قضا) الٰہی کے نہیں آتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے (یہ سمجھتا ہے کہ مصیبت اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو (مصیبت پر صبر کرنے کی) راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم پہلوتہی کرو گے تو ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ صاف صاف (کھلے طور پر) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو (ان کا کہنا ماننے سے جہاد و ہجرت جیسے نیک کاموں میں پیچھے ہٹ کر، کیونکہ آیت کا شان نزول ایسے کاموں میں ان کا کہنا ماننا ہے) اور اگر تم ان کو معاف کردو (تم کو بھلے کاموں سے روکنے پر۔ ان سے جدائیگی کی مشقت پر رحم کھا کر) اور درگزر کردو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے تمہارے مال و اولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش ہے (آخرت کے کاموں سے رکاوٹ) اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے (لہذا اموال و اولاد میں مشغول ہو کر اس کو نہ گنوا بیٹھنا) سو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو (یہ آیت ناسخ ہے۔ آیت فاتقوا اللہ حق تقاتہ کی) اور سنو (جو کچھ تمہیں حکم دیا جارہا ہے قبولیت کے ساتھ) اور کہنا مانو (اور نیک کاموں میں) خرچ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (یکن مقدر کی خبر ہے اور جواب امر ہے) اور جو شخص نفسانی خواہش سے محفوظ رہا۔ سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے (کامیاب) ہیں۔

اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے۔ (خوش دلی سے خیرات کرو گے) تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا جائے گا (ایک قراءت یضعفہ تشدید کے ساتھ ہے ایک کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے زائد ثواب عطا کریگا۔ اور صدقہ خوش دلی سے ہونا چاہیے) اور تمہارے گناہ (اگر چاہے گا) بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا اقدر داں (فرمانبرداری کا صلہ دینے والا) بڑا بردبار ہے (قصوروں پر سزا دینے میں) پوشیدہ (مخفی) اور اعلانیہ (ظاہر) کا جاننے والا (اپنے ملک) میں زبردست (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب:.........سورۃ التغابن۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کو تغابن کہتے ہیں۔ اہل جنت کا دوزخیوں کے جنتی مقام پر قبضہ کر کے نقصان پہنچانا تو صحیح ہے۔ مگر جہنمیوں کے جنتیوں کے جہنمی مقام پر قبضہ کی صورت میں تغابن کہنا تحکم واستہزا کے طور پر ہے۔ یہ سورت مکی ہے بجز آیت یاایھا الذین امنوا کے وہ مدنی ہے۔

فمنکم کافر۔ ارادہ ازلی کے اعتبار سے کافر و مومن فرمایا۔ انسان کا عمل تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔ جس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) سعید ازلی ہو اور مرنے تک دنیا میں مومن رہے۔

(۲) شقی ازلی ہو اور اسی کے مطابق رہے۔

(۳) ازل میں سعید قرار دیا جائے اور دنیا میں کفر پر رہے مگر خاتمہ ایمان پر ہو۔ یہ تینوں صورتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(۴) ساری عمر مومن رہے اور آخر میں کفر پر مرے۔

غرضیکہ **انما العبرۃ بالخواتیم**۔ خاتمہ ہی سے تقدیری فیصلہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و کفر وغیرہ اعمال سب اللہ کی

مخلوق ہیں۔لیکن زمخشریؒ معتزلی ہونے کی وجہ سے فمنکم کافر کے معنی کفر کرنے والے کے لیتے ہیں یعنی انسان اس کو وجود میں لاتا ہے۔چنانچہ ان کی دلیل و اللہ بما تعملون بصیر ہے یعنی ایمان وکفر جو انسان کا عمل ہے اللہ اسے دیکھتا ہے۔یہ اللہ کے اعمال نہیں ہیں۔پس پہلی صورت میں فاتفصیلیہ ہوگا اور دوسری صورت میں تعقیبیہ ہوگا۔آیت فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا اور حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ اہل سنت کی تائید کرتی ہے۔ اور حدیث ان احدکم یعمل بعمل اھل الجنۃ حتی ما یکون بینہ ، وبینھا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعملبعمل اھل النار فید خلھا و ان احدکم فیعمل بعمل اھل النار حتی ما یکون بینہ وبینھما الا ذراع فیسبق علیھا الکتاب فیعمل بعمل اھل الجنۃ فیدخلھا ۔حاصل یہ ہے کہ اعمال میں دو نسبتیں ہوتی ہیں۔اللہ کی طرف ان کو موجود کرنے کی اور بندوں کی طرف ان کو عمل میں لانے کی پہلے کو خلق اور دوسرے کو کسب کہا جاتا ہے۔

فاحسن صورکم۔سورۂ تین میں ہے۔لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔اور دلیل اس کے احسن ہونے کی یہ ہے کہ انسان کسی دوسری مخلوق کی شکل اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔نیز انسان کا مستقیم القامت ہونا امتیازِ خصوصی ہے۔انسان کیسا ہی کریہہ النظر ہو جانوروں سے بہتر ہی سمجھا جائے گا۔

وبال۔وبال کے معنی بوجھ کے ہیں۔

وبیل۔اس کھانے کو کہتے ہیں کہ جو معدہ پر بار ہو وابل بوجھل بارش عقوبت اور سزا کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں ثقل معنوی ہوتا ہے۔

البشر۔ہمزہ انکاری ہے اور بشر فعل مضمر کا فاعل ہے۔ای یھدو ننا بشر اور چونکہ بشر اسم جنس ہے اس لئے ضمیر جمع لانا بھی صحیح ہوگا۔

زعم الذین۔زعم دو مفعول کی طرف متعدی ہے جن کے قائم مقام ان لن یبعثوا ہے۔اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔جیسے ابو حیانؒ کی رائے ہے اور قل بلیٰ بھی اس کا قرینہ ہے،اس لئے اس سے الذین کفروا من قبل مراد لینا مناسب نہیں ہے۔

یوم یجمعکم۔یہ ''لتنبؤن'' کا ظرف ہے اور درمیان میں جملے معترضہ ہیں یا یوم کو اذکر کا مفعول کہا جائے۔قیامت کا دن سارے عالم کے اجتماع کا دن کا ہوگا۔اس لئے یوم الجمع کہا ہے۔

یوم التغابن۔مفسرؒ نے یغبن المومنون سے اشارہ کیا ہے کہ باب تفاعل اپنے معنیٰ میں نہیں ہے،کیونکہ کافر کی جنتی جگہ چھن جانے سے تو اس کا غبن ہوگا،لیکن مومن کی دوزخی جگہ کافر کو مل جانے سے مومن کا غبن نہیں ہے،غبن باب ضرب سے ہے۔

یھد قلبہ:مصیبت کے وقت انا للہ کہے اور صبر کرے۔یا یہ مطلب ہے کہ انشراح قلب کے ساتھ مزید طاعت میں لگ جائے یا ہدایت سے مراد یہ یقین کرنا کہ جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی اور جو مقدر میں نہیں وہ آ نہیں سکتی۔

فان تولیتم۔جواب شرط مقدر ہے۔ای فلا ضرر ولا باس۔اور فانما علی رسولنا محذوف کی علت ہے۔

فلیتوکل۔توکل اخلاق کے بلند مقام میں سے ہے حدائق نہیں ہے۔التوکل ھو الثقۃ بما عند اللہ والیاس مما فی ایدی الناس۔اور بظاہر امر سے وجوب معلوم ہوتا ہے۔لیکن توکل کے بھی درجات ہیں۔عوام وخواص سب اپنے اپنے درجات کے اعتبار سے مکلف ہیں۔

فاتقوا اللہ۔مفسر اس کو ناسخ کہہ رہے ہیں۔جیسا کہ قتادہؒ، ربیعؒ، ابن الحسن اور سدی کی رائے ہے۔لیکن ابن عباسؓ دونوں آیات کو محکم فرماتے ہیں اور آیت نساء میں تقاتہ کی ضمیر اللہ کی طرف نہیں بلکہ تقویٰ کی طرف ہے۔اور حق تقویٰ بقدر استطاعت مراد ہے۔پس دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہی ہوگا۔ممکن ہے اول وہلہ میں صحابہ نے آیت نساء کا مفہوم ظاہری سمجھا ہو اور اس سے پریشان ہوگئے ہوں اور پھر دوسری آیت نازل ہونے پر اس کو نسخ سمجھ لیا ہے۔

خیراً لکم۔مفسرؒ ابو عبیدہ کا اتباع کرتے ہوئے یکن مقدر کی خبر مان رہے ہیں۔لیکن یہ ترکیب نادر ہے۔کیوں کہ کان مع اسم کے محذوف ہے

اور اس کی خبر موجود ہے۔ یہ ان اور لو کے بعد ہوا کرتا ہے۔ اس جملہ کی کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔
۱۔ سیبویہ کی رائے یہ ہے کہ فعل محذوف کا یہ مفعول ہے ای ایتوا خیراً لا نفسکم۔
۲۔ تقدیری عبارت یکن الا نفاق خیراً لکم ہو یعنی خیراً یکن کی خبر جیسا کہ ابوعبیدہ اور مفسر کی رائے یہ ہے۔
۳۔ کسائی اور فراء کے نزدیک یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای انفاقا خیراً۔
۴۔ کوفیوں کے نزدیک حال ہے۔
۵۔ انفقوا کا مفعول کہا جائے۔ ای انفقوا مالا خیر ابضاعته . ابن کثیرؒ اور ابن عامرؒ کے نزدیک باب تفعیل ۔ سے مشدد ہے۔

ربط آیات: .... سورۂ منافقین کے اخیر میں آخرت کی ترغیب اور اس کے چھوڑنے پر ترہیب تھی۔ اس سورت میں آخرت اختیار کرنے اور چھوڑنے والوں کی جزاء وسزا کا بیان ہے اور اسی سابقہ مضمون ترغیب وترہیب کی تکمیل ہے۔ اور چونکہ پچھلی سورتوں میں مشرکین، منافقین، مؤمنین کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے بھی اس سورت کو خاص طور سے سب سورتوں سے ربط ہے۔

شان نزول وروایات: .... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت یا ایھا الذین اٰمنوا ان من ازواجکم الخ ان اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ مگر ان کی بیویاں اور اولاد مانع ہوئیں۔ چنانچہ انہوں نے حاضر ہو کر جب دیکھا کہ لوگوں نے بہت کچھ احکام حاصل کر لیے ہیں تو انہیں غصہ آیا اور ان بیوی بچوں کو سزا دینی چاہی۔ تو پھر ان تعفوا کا حکم نازل ہوا۔ لیکن ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک اشجعی کے متعلق مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ اہل وعیال والے تھے، جب انہوں نے غزوہ بدر میں جانے کا ارادہ کیا تو سب رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہمیں کس پر چھوڑے جا رہے ہیں۔ عوف نے حضور ﷺ سے صورت حال عرض کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... ھو الذی خلقکم ۔ یعنی اللہ ہی نے سب آدمیوں کو پیدا کیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ سب اسی پر ایمان لاتے، مگر ہوا یہ کہ بعض پھر گئے، اور بعض ماننے والے رہے۔ بے شک اللہ نے انسان میں دونوں راستوں کی صلاحیت رکھی ہے۔ تاہم اس نے سب کو صحیح فطرت پر پیدا کیا۔ پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے ماحول سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی۔ اگرچہ ان دونوں کا علم اللہ کو پہلے سے تھا کہ کون کس طرف جائے گا۔ اور اسی کے مطابق انعام یا سزا کا مستحق ہوگا۔ یہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہو گا پس اللہ کے اس علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کے اختیار وارادہ کی قوت باقی نہ رہے۔ اور وہ یہ کہہ کر صاف بچ نکلنے کی کوشش کرے۔ کہ میں کیا کروں۔ میں تو قسمت کا مارا مجبور تھا۔

انسان "عالم صغیر" اور خلاصہ کائنات ہے: .... فاحسن صورکم ۔ صورت شکل میں یہی انسان سب سے بہتر ہے اور دماغی اور قلبی ملکات اور باطنی قوتوں میں یہی سارے عالم سے ممتاز بلکہ سارے جہان کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اسی لئے اہل حقیقت اس کو "عالم صغیر" کہتے ہیں۔ فقالوا۔ یعنی پچھلی قوم کے نانہجاروں نے پیغمبروں کے جواب میں بس یہی کہا کہ کیا ہمارے ہادی ہم جیسے ہی بھیجے گئے ہیں۔ اللہ کو اگر بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجا ہوتا۔ گویا وہ رسول ہونے کو انسان ہونے کے خلاف سمجھتے تھے، اسی لئے پیغمبروں کی باتیں ان کے گلے نہیں اتریں، تعجب ہے ان حضرات پر جو اس آیت سے رسول کو بشر کہنے والوں کے کفر کا اثبات کرتے ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ آیت اس کے برعکس ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسول کے بشر ہونے کا انکار کر دیں۔ تاہم کسی کی تکفیر میں یہ بڑی احتیاط کرنی چاہئے

کیونکہ اسلام میں داخل کرنے کی اگر ہمیں سعادت حاصل نہیں ہو سکتی تو کم از کم اسلام سے نکالنے کی خدمت تو انجام نہ دیں۔
ذلک یوم التغابن ۔یعنی قیامت ہار جیت کا دن ہوگا۔ ہارنا تو یہ ہوگا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے راس المال بھی گنوا بیٹھے۔ اور جیتنا ہی ہے کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے۔

قناعت ہی سے بڑی دولت وسلطنت ہے: .... **ما اصاب من مصیبۃ** ۔دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ کی مشیت سے ہوتی ہے، مسلمان کا جب اس پر پختہ یقین ہے تو پھر کسی مصیبت پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ راضی رہنا چاہیے۔ اللہ مومن کے دل کو صبر اور تسلیم ورضا کی خود دے دیتا ہے۔ جس سے عرفان کی راہیں کھل جاتی ہیں اور ملک قناعت حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ جو تکلیف ومصیبت اللہ نے بھیجی ہے وہ عین حکمت ہے، وہی جانتا ہے کہ کون تسلیم ورضا کی راہ پر چلا اور کس کا ظرف اسرار وحکم کی صلاحیت رکھتا ہے۔

واطیعوا اللہ ۔ ہر حال میں خواہ خوشی ہو یا غم، اللہ ورسول کا حکم مانو۔ پیغمبر تو نیک وبد سب سمجھا کر اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب اپنے نفع ونقصان کو خود سوچو۔ اللہ کو تمہاری اطاعت یا نافرمانی سے کوئی نفع نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ پھر لائق بندگی صرف اسی کی ذات ہے۔ نہ کوئی اور بندگی کے لائق ہے اور نہ کوئی بھروسہ کے قابل ہے۔

ان من ازواجکم ۔انسان بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر کبھی کبھی اللہ ورسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ بلکہ ان بندھنوں میں جکڑ بند ہو کر بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے اور برائیوں میں پڑ جاتا ہے اور ان کی بے جا فرمائشوں کا طومار کسی وقت دم نہیں لینے دیتا اور اسی چکر میں پڑ کر انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ پس ایسے اہل وعیال ظاہر ہے کہ انسان کے لئے پھندہ ہیں۔ وہ حقیقی دوست نہیں بلکہ جنجال ہیں۔ اور ایسے دوست نما دشمن ہیں۔ جن کی دشمنی کا بسا اوقات احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا کہ ذرا ہوشیار رہے اور ایسے رویہ سے بچو کہ جن میں دنیا تو سنورے یا نہ سنورے مگر عقبیٰ یقیناً برباد ہو جائے۔ اس آیت کے مفہوم میں نیک بیویاں اور صالح اولاد داخل ہیں۔ وہ تو غیر مترقبہ ہیں۔ اس لئے من ازواجکم فرمایا۔ جس میں من تبعیضیہ اسی فرق کو ظاہر کر رہا ہے۔

وان تعفوا ۔یعنی ہر چند کہ ایسے اہل وعیال دشمن ہیں۔ لیکن اس کا یہ اثر نہیں ہونا چاہئے کہ تم ان کے انتقام کے درپے ہو جاؤ۔ اس سے خانگی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جہاں تک شرع اور عقل اجازت دے۔ ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرو۔ اللہ ہی اس مہربانی کے بدلہ تم پر مہربانی فرمائے گا۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے یقیناً بندہ ان کو معاف نہیں کر سکتا۔ لیکن اول تو شرعاً عقلاً گنجائش ہونے کی قید لگا دی ہے۔ اس لئے شبہ نہیں رہتا، دوسرے ان حقوق کی معافی تو اللہ سے متعلق ہے۔ اگرچہ **تعفوا و تصفحوا و تغفروا** میں بندوں کی طرف اسناد مجازی ہے۔ گویا یوں کہنا چاہئے تھا۔ **لم تعاقبوا لم تثربوا ولم تحقدوا انما اموالکم واولادکم فتنۃ** ۔یعنی اہل وعیال میں اللہ آزمائش کرتا ہے کہ کون فانی چیزوں میں پھنس کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے اور کس نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے۔

لطائف سلوک ۔**ومن یومن باللہ یھد قلبہ** ۔اہل حال کے مآل کا اس میں اثبات ہو رہا ہے۔
فاتقوا اللہ ما استطعتم ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلوک وتربیت واصلاح میں تدریجی رفتار سے چلنا کافی ہے۔

سُـــوْرَۃُ الطَّلَاقِ

سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ ثَلَاثَ عَشَرَۃَ اٰیَۃً

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿﴾

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اَلْمُرَادُ وَاُمَّتُہٗ بِقَرِیْنَۃِ مَا بَعْدَہٗ اَوْ قُلْ لَھُمْ **اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ** اَرَدْتُّمْ **فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ** لِاَ وَّلِھَا بِاَنْ یَّکُوْنَ الطَّلَاقُ لَمْ تُمَسَّ فِیْہِ لِتَفْسِیْرِہٖ بِذٰلِکَ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ **وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ** اِحْفَظُوْا لِتَرَاجَعُوْا قَبْلَ فَرَاغِھَا **وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ** اَطِیْعُوْہُ فِیْ اَمْرِہٖ وَنَہْیِہٖ **لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ** مِنْھَا حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُھُنَّ **اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ** زِنًا **مُّبَیِّنَۃٍ** بِفَتْحِ الْیَاءِ وَکَسْرِھَا اَیْ بُیِّنَتْ اَوْ بَیِّنَۃٍ فَیَخْرُجْنَ لِاِقَامَۃِ الْحَدِّ عَلَیْھِنَّ **وَتِلْکَ** الْمَذْکُوْرَاتُ **حُدُوْدُ اللّٰہِ ۭ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ ۭ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ** الطَّلَاقِ **اَمْرًا** ﴿۱﴾ مُرَاجَعَۃً فِیْمَا اِذَا کَانَ وَاحِدَۃً اَوِ اثْنَتَیْنِ **فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ** قَارَبْنَ اِنْقِضَآءَ عِدَّتِھِنَّ **فَاَمْسِکُوْھُنَّ** بِاَنْ تُرَاجِعُوْھُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ** مِنْ غَیْرِ ضِرَارٍ **اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ** اُتْرُکُوْھُنَّ حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُھُنَّ وَلَا تُضَارُّوْھُنَّ بِالْمُرَاجَعَۃِ **وَّاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ** عَلَی الرَّجْعَۃِ اَوِالْفِرَاقِ **وَاَقِیْمُوا الشَّھَادَۃَ لِلّٰہِ ۭ** لَا لِلْمَشْھُوْدِ عَلَیْہِ اَوْلَہٗ **ذٰلِکُمْ یُوْعَظُ بِہٖ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا** ﴿۲﴾ مِنْ کَرْبِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ **وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۭ** یَخْطُرُ بِبَالِہٖ **وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ** فِیْ اُمُوْرِہٖ **فَھُوَ حَسْبُہٗ ۭ** کَافِیْہِ **اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ۭ** مُرَادَہٗ وَفِیْ قِرَآءَۃٍ بِالْاِضَافَۃِ **قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ** کَرُخَاءٍ وَشِدَّۃٍ **قَدْرًا** ﴿۳﴾ مِیْقَاتًا **وَالّٰٓـئِیْ** بِھَمْزَۃٍ وَیَآءٍ وَبِلَا یَآءٍ فِی الْمَوْضِعَیْنِ **یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ** بِمَعْنَی الْحَیْضِ **مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ** شَکَکْتُمْ فِیْ عِدَّتِھِنَّ **فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓـئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ۭ** لِصِغَرِھِنَّ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَالْمَسْئَلَتَانِ فِیْ غَیْرِ الْمُتَوَفّٰی عَنْھُنَّ اَزْوَاجُھُنَّ اَمَّاھُنَّ فَعِدَّتُھُنَّ مَا فِیْ اٰیَۃِ الْبَقَرَۃِ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَعَشْرًا **وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ** اِنْقِضَاءُ عِدَّتِھِنَّ مُطَلَّقَاتٍ اَوْ مُتَوَفًّی عَنْھُنَّ اَزْوَاجُھُنَّ **اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ ۭ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا** ﴿۴﴾ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ **ذٰلِکَ**

الْمَذْكُورُ فِي الْعِدَّةِ **اَمْرُ اللّٰهِ** حُكْمُهُ **اَنْزَلَهٗ اِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا ﴿۵﴾** **اَسْكِنُوْهُنَّ** اَيِ الْمُطَلَّقَاتِ **مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ** اَيْ بَعْضِ مَسَاكِنِكُمْ **مِّنْ وُّجْدِكُمْ** اَيْ سِعَتِكُمْ عَطْفُ بَيَانٍ اَوْ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهٗ بِاِعَادَةِ الْجَارِ وَ تَقْدِيرِ مُضَافٍ اَيْ مَكِنَةَ سِعَتِكُمْ لَا مَا دُوْنَهَا **وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۚ** الْمَسَاكِنَ فَيَحْتَجْنَ اِلَى الْخُرُوْجِ اَيِ النَّفَقَةِ فَيَفْتَدِيْنَ مِنْكُمْ **وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ** اَوْلَادَكُمْ مِنْهُنَّ **فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ** عَلَى الْاِرْضَاعِ **وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ** وَبَيْنَهُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ ۚ** جَمِيْلٍ فِيْ حَقِّ الْاَوْلَادِ بِالتَّوَافُقِ عَلٰى اَجْرٍ مَّعْلُوْمٍ عَلَى الْاِرْضَاعِ ، **وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ** تَضَايَقْتُمْ فِي الْاِرْضَاعِ فَامْتَنَعَ الْاَبُ مِنَ الْاُجْرَةِ مِنْ فِعْلِهٖ **فَسَتُرْضِعُ** لِلْاَبِ **لَهٗۤ اُخْرٰى ﴿۶﴾** وَلَا تُكْرَهُ الْاُمُّ عَلٰى اِرْضَاعِهٖ **لِيُنْفِقْ** عَلَى الْمُطَلَّقَاتِ وَالْمُرْضِعَاتِ **ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ** ضُيِّقَ **عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ** اَعْطَاهُ **اللّٰهُ** اَيْ عَلٰى قَدْرِهٖ **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾** وَقَدْ جَعَلَهٗ بِالْفُتُوْحِ **وَكَاَيِّنْ** هِيَ كَافُ الْجَرِّ دَخَلَتْ عَلٰى اَيِّ بِمَعْنٰى كَمْ **مِّنْ قَرْيَةٍ** اَيْ وَكَثِيْرٍ مِّنَ الْقُرٰى **عَتَتْ** عَصَتْ يَعْنِيْ اَهْلَهَا **عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا** فِي الْاٰخِرَةِ وَاِنْ لَّمْ تَجِئْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهَا **حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾** بِسُكُوْنِ الْكَافِ وَضَمِّهَا فَظِيْعًا وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ **فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا** عُقُوْبَتَهٗ **وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾** خَسَارًا وَهَلَاكًا **اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا** تَكْرِيْرُ الْوَعِيْدِ تَاكِيْدٌ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۛ** اَصْحَابَ الْعُقُوْلِ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ** نَعْتٌ لِّلْمُنَادٰى اَوْ بَيَانٌ لَّهٗ **قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾** هُوَ الْقُرْاٰنُ **رَّسُوْلًا** اَيْ مُحَمَّدًا مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ رَاٰى وَاَرْسَلَ **يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا كَمَا تَقَدَّمَ **لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** بَعْدَ مَجِيْءِ الذِّكْرِ وَالرَّسُوْلِ **مِنَ الظُّلُمٰتِ** الْكُفْرِ الَّذِيْ كَانُوْا عَلَيْهِ **اِلَى النُّوْرِ ؕ** الْاِيْمَانِ الَّذِيْ قَامَ بِهِمْ بَعْدَ الْكُفْرِ **وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ **جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾** هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ لَا يَنْقَطِعُ نَعِيْمُهَا **اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ** يَعْنِيْ سَبْعَ اَرَضِيْنَ **يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ** الْوَحْيُ **بَيْنَهُنَّ** بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْزِلُ بِهٖ جِبْرَئِيْلُ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلَى الْاَرْضِ السَّابِعَةِ **لِتَعْلَمُوْۤا** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ اَعْلَمَكُمْ بِذٰلِكَ الْخَلْقِ وَالتَّنْزِيْلِ **اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾**

ترجمہ:............سورۃ طلاق مدنیہ ہے جس میں ۱۲ آیت ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے پیغمبر مراد آپ اور آپ کی امت ہے جیسا کہ بعد میں جمع کے صیغوں سے معلوم ہو رہا ہے یا تقدیر عبارت قل لہم ہے) جب تم لوگ طلاق دو (طلاق دینے کا ارادہ کرو) عورتوں کو ان کے عدت سے پہلے طلاق دے دو (عدت کے اول طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہیے جس میں مرد بیوی کے پاس نہ گیا ہو جیسا کہ حدیث شیخین میں آیا ہے) اور عدت کو یاد رکھا کرو (عدت کی نگہداشت رکھو تاکہ رجعت، عدت ختم ہونے سے پہلے ہو سکے) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے (اور امر و نہی میں اس کی فرمانبرداری کرو) ان عورتوں کے ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں (عدت گزرنے تک) مگر وہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں (مبینۃ فتحہ یا اور کسرہ یا کے ساتھ یعنی بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا بیان کی گئی ہو۔ پس اس صورت میں ان پر حد قائم کرنے کے لئے نکلنا ہو گا) اور یہ سب اللہ کے مقرر کیے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے تجھے معلوم نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق کے بعد کوئی بات پیدا کرے (ایک یا دو طلاق ہونے کی صورت میں خاوند بیوی کو پھر ملا دے) پھر جب عورتیں عدت کو پہنچ جائیں (عدت گزرنے کا زمانہ قریب پہنچ جائے) تو ان کو روک سکتے ہو (ان سے رجعت کر کے) قاعدہ کے مطابق (تکلیف دیئے بغیر) یا قاعدہ کے موافق رہائی دے دو (عدت پوری ہونے تک اور رجعت کے لئے نہ ستاؤ) اور آپس میں سے دو معتبر گواہ (رجعت یا علیحدگی پر) کر لو اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو (مخالف یا موافق کے لئے نہیں) اس مضمون کی اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے۔ جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان (دل میں خطرہ) بھی نہیں ہوتا اور جو شخص (اپنے کاموں میں) اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے (یعنی اپنی مراد اور ایک قراءت میں "بالغ امرہ" اضافت کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا (جیسے خوشحالی اور تنگی، ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں (دونوں جگہ ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تم کو (ان کی عدت میں شک) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اسی طرح جن عورتوں کو حیض آیا ہی نہیں (کمسنی کی وجہ سے) ان کی عدت بھی تین مہینے ہے۔ اور یہ دونوں مسئلے اس وقت ہیں جب خاوند کا انتقال نہ ہوا ہو۔ لیکن وفات کی صورت میں ایسی عورتوں کی عدت وہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت **یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا** میں بیان کی گئی ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت (خواہ وہ عورتیں مطلقہ ہوں یا ان کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو ان کی عدت کا پورا ہونا) ان کا حمل کا پیدا ہو جانا۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے (دنیا و آخرت کے) ہر کام میں آسانی کر دے گا۔ یہ (عدت میں مذکور) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دے گا۔ اور اس کو بڑا اجر دے گا۔ تم ان (مطلقہ عورتوں) کو (اپنے مکانات میں سے) رہنے کی جگہ دو اپنی وسعت کے مطابق (یعنی جتنی تمہاری گنجائش ہو۔ یہ عطف بیان ہے یا ما قبل کا بدل ہے جار کا اعادہ کرتے ہوئے اور مضاف مقدر مان کر یعنی اپنی حیثیت کے موافق مکان دو، اس سے کم نہیں ہونا چاہیے) اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ۔ (مکان دے کر تاکہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں یا نفقہ دینے لگے۔ کہ فدیہ لینے پر تم سے مجبور ہو جائیں۔

اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو خرچ دو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لیے (تمہاری اس اولاد کو جو ان سے ہے) تو تم ان کو اجرت دو (دودھ پلائی کی) اور باہم (اپنے اور عورتوں کے درمیان مناسب مشورہ کر لیا کرو) جو اولاد کے حق میں بہتر ہو۔ دودھ پلانے کی اجرت طے کر کے) اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے (دودھ پلانے میں تنگی برتنے لگو۔ اس طرح کہ باپ تو اجرت سے ہاتھ کھینچ لے اور ماں دودھ پلانے سے دستبردار ہو جائے) تو دوسری صورت اس (باپ) کے لئے دودھ پلائے گی (ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا) خرچ کرنا چاہیے (مطلقہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر) وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق اور جس کی آمدنی کم (تنگ) ہو اس کو چاہیے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے گا (چنانچہ فتوحات کے ذریعہ اس وعدہ کو پورا فرما دیا ہے) اور کتنی ہی (کاف جارہ) ای بمعنی کم پر داخل ہوا ہے) بستیاں تھیں (یعنی بہت سے بستیاں تھیں) جنہوں نے سرتابی کی (یعنی بستی والوں نے سرکشی کی) اپنے پرور

دگار کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے، سو ہم نے ان کا سخت حساب کیا (آخرت میں وہ اگر چہ ابھی آئی نہیں، لیکن یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے) اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (نکرا سکون کاف اور ضمہ کاف کے ساتھ، عذاب جہنم مراد ہے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا (تباہی اور بربادی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (دوبارہ تاکید وعید کے لئے ہے) سو اللہ سے ڈرو۔ اے سمجھ دارو (عقلمندو) ایماندارو (منادیٰ کی صفت ہے یا اس کا بیان ہے) اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ (قرآن) بھیجا ہے ایک ایسا رسول یعنی محمد ﷺ یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای وارسل) جو تمہیں اللہ کے احکام سناتے ہیں پڑھ پڑھ کر صاف صاف (فتحہ یا اور کسرہ کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزرا) تا کہ ایمان داروں، نیکوکاروں کو (ذکر اور رسول آنے کے بعد) لے آئیں تاریکیوں سے (اس کفر کی جس پر وہ ہیں) نور کی طرف کفر کے بعد (جو انہیں ایمان حاصل ہوا ہے) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا۔ اللہ اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اچھی روزی دی (جنتی رزق جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کی طرح (سات) زمینیں بھی۔ احکام (وحی) نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سب میں (آسمانوں اور زمین میں جبرئیل ساتویں آسمان سے ساتویں زمین تک لاتے ہیں) تا کہ معلوم ہو جائے (محذوف کے متعلق ہے۔ ای اعلمکم بذلک الخلق و التنزیل) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

تحقیق وترکیب:......... **یا ایھا النبی**۔ حکم اگر چہ عام ہے۔ لیکن ندا آنحضرت ﷺ کے لئے خاص ہے جس کی دو توجیہوں کی طرف تو مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ ایک توجیہ تو المراد وامتہ کی ہے۔ یعنی عبارت میں واو اور معطوف محذوف ہیں۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ "یا ایھا النبی وامتہ" یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے سرابیل تقیکم الحر کم کو اصل میں الحر والبرد تھا اور بقول صاحب کشاف خطاب میں خصوصیت اس لئے ہے کہ آنحضرت ﷺ رئیس قوم تھے۔ چنانچہ رئیس قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ یا فلان افعلوا کیت وکیت حالانکہ مراد عام ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی "اذا طلقتم" صیغہ جمع کا قرینہ ہے اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ یا ایھا النبی قل لھم اذا طلقتم الخ عبارت مقدر مانی جائے اس صورت میں گویا حقیقۃ مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یا ایھا النبی کی طرح اذا طلقتم کا خطاب بھی آنحضرت ﷺ کو ہے اور صیغہ جمع تعظیماً لایا گیا ہے۔

طلقتم۔ مفسرؒ نے طلاق سے ارادہ طلاق مراد لیا ہے۔ تا کہ طلقتم کے بعد فطلقوھن صحیح ہو جائے ورنہ تحصیل کا اشکال رہتا ہے۔ کیونکہ طلاق پر طلاق کیسے مرتب ہو سکتی ہے۔ اور النساء سے مدخولہ عورتیں مراد ہیں جنہیں حیض آتا ہے۔ کیونکہ حاملہ اور آئسہ کا بیان آگے آ رہا ہے۔ لعدتھن ای مستقبلات لعدتھن۔ جیسے کہا جائے۔ **اتیتہ للیلۃ فبقیت من رمضان ای مستقبلا لھا**۔ ایک قراءت میں **فی قبل عدتھن** ہے یعنی ایسے وقت طلاق دو کہ عدت کا احصاء یعنی مکمل شمار ہو سکے اور یہ صورت بھی اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب طلاق عورت کے پاک رہنے کے زمانے میں دی گئی ہو۔ اور دونوں میں خاوند بیوی کے معاملات نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ پورے تین حیض عدت اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر بحالت حیض طلاق دی گئی تو پھر احصاء عدت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس حیض کو بھی طلاق میں شمار کیا جائے تو تین حیض سے کم عدت لازم آئے گی۔ اور نہ شمار کیا جائے تو عدت تین حیض سے بڑھ جائے گی۔ حالانکہ حیض تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا اگر بحالت وطی کر کے طلاق دی تو عدت تذبذب میں پڑ جائے گی کہ حاملہ ہو گئی ہو تو پھر عدت وضع حمل قرار دی جائے اور غیر حاملہ ہو تو عدت اور سمجھی جائے۔ غرضیکہ عورت معلقہ ہو کر رہ جائے گی نہ معتدہ کہلائے گی اور نہ شوہر والی بلکہ اوپر لٹکی رہے گی نیز مطلقہ مدخولہ ہونی چاہیے۔ نہ صغیرہ ہو اور نہ آئسہ اور نہ حاملہ۔ کیونکہ غیر مدخولہ کو طلاق دی جائے تو اس کی عدت ہی نہیں ہوتی اور باقی عورتوں کے لئے حیض نہیں ہے۔ پس غیر مدخولہ کو تو بحالت حیض بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح

باقی عورتوں کو ہمبستری کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔ جس کی تفصیلی بحث یہ ہے کہ وطی سے خالی طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے تو یہ طلاق احسن کہلاتی ہے اور غیر موطوءۃ کو ایک طلاق دی جائے خواہ بحالت حیض ہی ہو۔ یا موطوء یہ جب کہ وہ حیض والی ہو تو ایسے طہروں میں الگ الگ تین طلاقیں دینا جن میں ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ دونوں صورتیں طلاق احسن کہلاتی ہیں۔

لیکن بحالت حیض طلاق دینا یا وطی والے طہر میں طلاق دینا یا دو تین طلاقیں ایک دم طہر میں دے دینا، تینوں صورتیں طلاق بدعی کی ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک متعدد طلاقیں بدعی نہیں ہوں گی۔ بشرطیکہ بے وطی طہر میں ہوں۔ لیکن بقول صاحب کشاف امام مالک فرماتے ہیں کہ طلاق سنی بصرف ایک طلاق ہے وہ تین طلاقوں کو خواہ ایک دم دی جائیں یا الگ الگ مکروہ فرماتے ہیں۔ البتہ حنفیہ ایک طہر میں ایک سے زائد طلاق کو مکروہ فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ امام مالکؒ تو طلاق سنی میں وقت اور عدد دونوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ صرف ایک جماعت کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی۔ اگرچہ گناہ سے تاہم واقع ہو جائے گی۔ سعید بن المسیبؒ اور تابعینؒ کی ایک جماعت کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی امام محمدؒ امام زفرؒ کے نزدیک حاملہ سنی طلاق ایک ہی دی جائے۔۔ نیز ہمارے نزدیک اصح روایات میں مدخولہ کو طلاق بائنہ دینا مکروہ ہے۔ بہر حال حنفیہ کے نزدیک ''لعدتھن'' سے مراد حیض ہے جیسا کہ شان نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک طہر کے معنی ہیں اور ''**فطلقوھن لعدتھن**'' کے معنی **فی عدتھن** کے ہیں۔ لام وقتیہ ہے اور وقت طلاق بالاتفاق طہر ہے۔ اس لئے وہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مطلقہ کی عدت تین طہر ہیں۔ آیت ''ثلثۃ قروء'' کے معنی بھی طہر ہی کے لیتے ہیں۔ تفصیلات سورہ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور واحصوا العدۃ مردوں کو مخاطب احتیاطاً کیا گیا ہے کیونکہ عورتیں کم سمجھ ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ احصاء نہ کرسکیں غرضیکہ عدت میں احتیاط کی تاکید مقصود ہے کہ عورت کی حق تلفی نہ ہو اور انہیں ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

آیت میں دوسرا مسئلہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ زمانہ عدت میں عورت شوہر کے مکان سے بلا مجبوری نہ خود نکلے اور نہ شوہر وغیرہ اس کا نکالیں۔ البتہ عورت سے بدکاری، چوری سرزد ہو جائے تو دوسری بات ہے۔ اس وقت عورت کو باہر نکالا جاسکتا ہے۔ یا ''اتیان فاحشہ'' سے مراد بطور مبالغہ عورت کا باہر نکلنا ہوا ہو۔ یعنی عورت بے ضرورت باہر نکلے گی۔ تو یہ بھی فاحشہ شمار ہوگا۔ بہر حال معتدہ کے لئے سکنی کا ضروری ہونا آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور یہ عورت کو اس مسکن میں سکونت کی پابندی کرنی چاہیے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ ''باب العدۃ'' فرماتے ہیں علی ان تخرج المطلقۃ من البیت اور فرمایا۔ کہ **الفاحشۃ نفس الخروج و قیل الزنا فیخرجن لا قامۃ الحدو المعنی با عتبار الخروج والثانی با عتبار الا خراج ثم صرح فی بیوتھن بان البیت المضاف الیھا و ھو الذی تسکنہ فعلیھا ان تعتد فی المنزل الذی تضاف الیھا با لسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت لھذہ الایۃ۔**

اسی طرح صاحب ہدایہ نے باب الرجعۃ میں امام زفرؒ پر رد کرتے ہوئے فرمایا **لا یجوز المسافرۃ بالمطلقۃ الرجعیۃ حتی یشھد الی رجعتھا لقولہ تعالیٰ ولا تخرجوھن من بیوتھن الایۃ و ذلک لانہ لما منع الاخراج للزوج مطلقا والمسافرۃ نوع من الاخراج علم ان المسافرۃ بھا ممنوعۃ وانما جوزنا بالاشھاد۔** اور صاحب مدارک کہتے ہیں کہ بیوت کی اضافت عورتوں کی طرف سکنیٰ کے لئے ہے، ملک کے لئے نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سکنیٰ واجب ہے۔

کوئی اگر یہ حلف کرے کہ میں اپنے مکان میں داخل نہیں ہوں گا۔ تو اس صورت میں بھی حانث ہو جائے گا جب کہ دوسرے کے مملوکہ مکان میں سکونت رکھتا ہو اور اس میں داخل ہو جائے۔ نیز عورت کے اس سکونتی مکان پر زبردستی قبضہ کرنے کی صورت میں بھی اخراج کہلائے گا۔ یعنی جائز نہیں ہے۔ اور الفاظ بیت منزل دار میں جو فرق ہے اس کے پیش نظر آیت میں **من بیوتھن** کہنے اور **من دودھن یامن منا زلھم** نہ کہنے میں یہ اشارہ نکلتا ہے کہ صرف سکنی سے رجعت کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ اور بگڑا ہوا گھر پھر بن جائے۔ یا اس جملہ کو مستانفہ کہا جائے۔ اور صاحب کشاف اور صاحب مدارک کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کا تعلق پہلے پورے بیان سے ہے۔

مبینۃ ۔ ابن کثیرؒ ابو بکرؒ کے نزدیک فتحہ کے ساتھ ہے یعنی کھلی ہوئی بدکاری اور دوسرے قراء کے نزدیک کسر یا کے ساتھ ہے یعنی ظاہر کرنے والی عورت کی بدکاری۔ اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق رجعی یا بائنہ کی صورت میں بالکل باہر نہ نکلنا چاہیے البتہ عدت وفات ہو تو دن میں محنت مزدوری کے لئے احتیاط اور پردہ کے ساتھ باہر جاسکتی ہے۔ رات مکان عدت میں ہی گزارنی چاہیے۔ نیز طلاق بائنہ کی صورت میں مرد بھی اگر اسی مکان میں رہے تو مرد وعورت کے درمیان پردہ رہنا چاہیے۔ بلکہ ایسی عورت بھی اگر ساتھ رہے تو بہتر ہے جو عورت مرد کو حرامکاری سے روک سکے۔ لیکن مرد اگر آزاد منش ہو یا گھر تنگ ہو تو پھر مرد کو باہر ہی رہنا چاہیے۔

تیسری بات ان آیات میں یہ ارشاد فرمائی گئی کہ مرد خواہ مخواہ جاہلیت کے دستور پر عدت کو طول نہ دے۔ بلکہ زمانہ عدت میں اگر باہمی ملاپ کرنا مصلحت سمجھے تو حسن سلوک کی نیت سے رجعت کرلے۔ ورنہ عدت پوری ہوتے ہی عورت کو خوبصورتی سے رخصت کردے یعنی مہر متعہ دے کر اور حقوق پورے ادا کر کے الگ کردے۔ ''فامسکوھن بمعروف اوفارقوھن بمعروف'' میں یہ دونوں پہلو ذکر کردیئے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے بہت سے مواقع پر اس کا ذکر کیا ہے۔ منجملہ ان کے باب العنین میں ہے **لما فوت الامساک بالمعروف فینوب القاضی منابۃ فی التسریح بالاحسان**۔ علیٰ ہذا باب اللعان میں کہا **لما عجز عن الامساک بالمعروف باب القاضی منابۃ فی التسریح بالاحسان** ۔

واشھد ذوی عدل منکم یعنی وہ مسلمان منصف مزاج آدمیوں کی گواہی کرلو۔ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ دو آزاد گواہوں کو رجعت پر شاہد بنانا مراد ہے۔ تاکہ آئندہ بدکاری کی تہمت نہ رہے۔ یہ حکم بھی آیت اشھدو ا ذاتبایعتم کی طرح استحباب پر محمول ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کی ایک روایت کے مطابق واجب ہے۔ صاحب ہدایہ نے باب الرجعۃ میں تصریح کی ہے۔ ولنا اطلاق النصوص عن قید الاشھاد ۔ پھر آگے چل کر کہا۔ وما تلاہ محمول علیہ الا تریٰ انہ قرنہا بالمغاربۃ وھو فیھا مستحب اور تفسیر زاہدی میں ہے کہ آیت میں گواہ بنانے کو امساک اور مفارقت کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ اور مفارقت بغیر گواہی کے صحیح ہے۔ اسی طرح امساک بھی بغیر رجعت بھی بغیر گواہ صحیح ہونی چاہیے۔ اور صاحب اتقان کہتے ہیں کہ آیت مائدہ ذوی عدل منکم او اخران من غیرکم اس آیت اشھد واذوی عدل کے ذریعہ منسوخ ہے۔ یعنی اب ذمی کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ لیکن پہلی آیت کا تعلق وصیت سے ہے اور اس آیت کا تعلق رجعت سے ہے۔ اس لئے صاحب اتقان کا بیان شافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاص سبب کا اعتبار نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوا کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی آیت اگرچہ رجعت کے بیان میں ہے مگر الفاظ عام ہیں۔

واقیموا الشھادۃ للہ۔ اس میں پچھلے کلام کی روش تبدیل ہوگئی۔ یہاں گواہوں کو خطاب ہے۔ گواہی خالص خدا کے لئے ہونی چاہیے کسی کی جانب داری یا رعایت۔ پیش نظر نہیں ہونی چاہیے۔ ذلکم یوعظ بہ من کان یومن باللہ ۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفار شرائع احکام کے مکلف نہیں ہیں۔

بالغ امرہ۔ جمہور کے نزدیک بغیر اضافت کے اور حفص کے نزدیک اضافت کی صورت میں ہے۔

واللائی یئسن ۔ اکثر قراء کے نزدیک ہمزہ اور یا کے ساتھ ہے اور ورش اور بزی کے نزدیک بغیر یا کے ہے مطلقہ حائضہ کی عدت اور عدت وفات کا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں غیر حائضہ کی عدت کا بیان ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں۔ حیض نہ آنا کمسنی کی وجہ سے ہوگا۔ یا کبرسنی کی وجہ سے یا حاملہ ہونے کی وجہ سے پہلی دونوں صورتوں میں عدت تین مہینے ہوگی۔ اور تیسری صورت میں وضع حمل عدت ہوگی۔ سن ایاس میں اختلاف ہے بعض نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ سال مانا ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ جب حیض کی بندش ہوجائے۔ عمر خواہ کچھ ہو۔

ان ارتبتم۔ غیر حائضہ کی عدت میں شک مراد ہے۔ یا سن ایاس پر عورت پہنچنے کے بعد خون میں شبہ کرنے لگے کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اور بقول کشاف ومدارک کی جب شک کی حالت میں تین ماہ عدت ہے تو بلاشک یہ عدت بدرجہ اولیٰ ہوگی اور کم سنی کی وجہ سے غیر حائضہ کا حکم

والائی لم یحضن میں بیان کیا گیا ہے جس میں کمسن بھی داخل ہیں اور وہ عورت بھی جو سن بلوغ کو پہنچ گئی۔ مگر حیض ابھی نہیں آیا، صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔ **وان کانت لا تحیض من صغر واکبر فعدتها ثلثة اشهر ۔ لقوله تعالیٰ واللائی یئسن من الایة وکذا التی بلغت بالسن**

ولم تحض باخر الایة۔ صاحب ہدایہ کی ظاہری عبارت سے اگرچہ مفہوم ہوتا ہے کہ کمسن کبیر السن کی طرح آیت **اللائی یئسن** میں داخل ہے۔ لیکن امعان نظر سے دیکھا جائے تو بالغہ بالسن کی طرح کمسن آیت **اللائی لم یحضن** میں داخل ہے۔ آیت میں لف ونشر اس کا قرینہ ہے بہرحال مہینوں سے عدت کا ہونا اس کی دلیل ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے کیونکہ حیض نہ ہونے کی وجہ سے ہی عدت مہینوں میں تبدیل ہوگئی۔ ورنہ حائضہ کی عدت تو حیض سے شمار ہوتی ہے۔ گویا آزاد عورت جو من نساءکم کا مصداق ہے اس کا ہر مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہوا۔ اسی آئسہ باندی کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگئی۔ کیونکہ حیض میں تو تجزی ممکن نہیں۔ مگر مہینوں میں تجزی ہوسکتی ہے۔ **واللائی لم یحضن** مبتداء ہے۔ مفسرؒ نے اس کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جملہ " **فعدتهن ثلثة اشهر** " کی بجائے مفرد محذوف مانا جائے۔ مثلاً **فکذلک یا مثلهن** اور سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ **اللائی لم یحضن** کو **اللائی یئسن** پر عطف کیا جائے اور دونوں کی خبر **فعدتهن ثلاثة اشهر** ہے۔

واولات الاحمال ۔ یہ مبتدا ہے۔

اجلهن ۔ مبتداء ثانی ہے جس کی خبر ان یضعن ہے۔ پھر جملہ مبتداء اول کی خبر ہے۔ اس میں تیسری حالت حاملہ کا بیان ہے۔ عورت آزاد ہو یا باندی، مطلقہ ہو یا متوفی عنہا الزوج ہو چاروں صورتیں اس میں آجاتی ہیں۔ کیونکہ یہ آیت طلاق آیۃ بقرۃ والذین یتوفون الخ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ عموم اگرچہ دونوں آیتوں میں ہے لیکن بعد میں نازل ہونے کی وجہ سے آیت طلاق کے عموم کو ترجیح دی جائے گی۔ تاکہ ممکنہ حد تک دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے۔ چنانچہ غیر حاملہ کی عدت وفات چار مہینے دس دن ہوگی۔ اور حاملہ کی عدت طلاق ووفات دونوں وضع حمل ہوں گی۔ بیضاویؒ نے اس کی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ اول تو اولات الاحمال کا عموم ذاتی ہے۔ اور ازواجا کا عموم عرضی ہے" دوسرے آیت طلاق میں حکم معطل ہے برخلاف آیت بقرہ کے۔ نیز سبیعہ بنت الحارث کے شوہر کے انتقال سے چند روز بعد ہی بچہ پیدا ہوگیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے عدت ختم ہونے کا حکم دے دیا۔ چوتھے آیت طلاق موخر النزول ہے پس اس کی تقدیم تو تخصیص ہوگی۔ بقول صاحب کشاف وغیرہ ابن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ کی یہی رائے ہے۔ البتہ حضرت علیؓ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاملہ کو عدت وفات وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں سے جو مدت طویل ہو وہ گزارنی چاہیے۔ لیکن صاحب ہدایہؒ کہتے ہیں۔ **ان کانت حاملاً فعدتها ان تضع حملتها لقوله تعالیٰ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن** اور باندی کا حکم بھی یہی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علی کے جواب میں فرماتے ہیں۔ **لو وضعت و زوجها علی سریر لا نقضت عدتها وحل لها ان تزوج** ۔ پھر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ **اذا مات الصغیر من امرا ته ولها فعدتها ان تضع حملها وهذا عند ابی حنیفة و محمد و قال ابو یوسف عدتها اربعة اشهر و عشرا و هو قال الشافعی لان الحمل لیس بثابت النسب منه فصار کالحادث بعد الموت لهما اطلاق قوله تعالیٰ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن** ۔ اور صاحب ہدایہ فصل نفاس میں لکھتے ہیں۔ **ان العدة فی التوائبین تنقضی بالا خیر من الولدین اذا لحمل المضاف الیهن اعنی قوله حملهن یعم الکل** ۔ غرضیکہ آئسہ، کمسن، بالغہ بالسن کے عدت تین ماہ ہونے کا حکم بھی عام ہونا چاہیے۔ جس میں عدت طلاق اور عدت وفات دونوں آجائیں۔ آئسہ کی عدت وفات تین مہینے دس دن ہیں ہماری دلیل آیت حمل ہے۔ یہی رائے ابن مسعود کی ہے۔ آیت حمل خاص نہیں ہے بلکہ سورہ طلاق میں جن کا ذکر ہے سب کو عام ہے۔ لیکن امام زاہدؒ کی تفسیر ہے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ مطلقہ کی عدت کے ساتھ خاص ہے۔ طلاق ہی کی صورت میں یہ عدت ہوگی اور مطلقہ بھی مدخولہ ہونی چاہیے اور عدت وفات عام ہے جس میں ذوات الحیض، آئسہ صغیرہ مدخولہ سب داخل ہیں اور حاملہ کی عدت سب سے زیادہ عام ہے

جس میں حائضہ، آئسہ، صغیرہ، مدخولہ، غیر مدخولہ عدت وفات، طلاق سب آجاتی ہیں۔ لہذا عدت تین طرح کی ہوگی۔ خاص، عام، اعم۔

اسکنوھن من حیث سکنتم ۔اس آیت میں چند مسائل ہیں۔

ا۔عدت طلاق میں سکنی واجب ہے اور وہ حسب حیثیت ہوگا۔من حیث میں من تبعیضیہ ہے ای بعض مکان۔ جیسے **یغضوا من ابصارھم ای یغض ابصارھم** ۔قتادہؒ کہتے ہیں کہ ایک ہی مکان ہوتو اس کے کچھ حصہ میں معتدہ رہ سکتی ہے اور رازی کسائی کی رائے ہے کہ من صلہ کا ہے۔ یعنی ایک ہی جگہ دونوں کو رہنے کی اجازت ہے۔الحوفی، اور ابوالبقاء من ابتدائیہ مانتے ہیں۔ یعنی جس طرح تم رہتے ہو معتدہ کو اسی طرح رکھو۔ من وجدکم صاحب کشاف کے نزدیک **من حیث سکنتم** کا عطف بیان ہے اور ابوالبقاء بدل مانتے ہیں۔اور **من وجدکم** میں من بیانیہ ہے جیسا کہ صاف کشاف کی رائے ہے۔فخر الاسلام نے اقسام السنہ میں ذکر کیا ہے کہ اس آیت سے سکنی ونفقہ دونوں کا واجب ہونا معلوم ہوا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ **اذا ادی الرجل المھر اخرجھا شاء ولا یجوزلھا المنع لعموم قولہ اسکنوھن من حیث سکنتم** ۔ یہ آیت اگرچہ مطلقہ کے بارے میں ہے۔منکوحہ کے متعلق نہیں ہے۔تاہم لفظ عام ہے۔اسی پر عمل کیا جائے گا۔

۲۔مطلقہ حاملہ کا نفقہ بھی واجب ہے۔وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن۔ بچہ کی رعایت کے پیش نظر نفقہ رکھا گیا۔اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مطلقہ رجعیہ، بائنہ کے لئے بھی یہ نفقہ ضروری ہوگا عورت کے محبوس رہنے کی وجہ سے اور **وللمطلقات متاع بالمعروف** کی رو سے۔اور ان سے سکنی بھی ضروری ہوگا۔لیکن امام مالک، امام شافعی کے نزدیک اس آیت کی رو سے صرف حاملہ کے لئے نفقہ ضروری ہے۔جیسا کہ بیضاوی اور مدارک اور ہدایہ باب النفقہ میں ہے۔لیکن حسن کے نزدیک مطلقہ بائنہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی۔

فاطمہ بنت قیس کو طلاق ثلثہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔لاسکنی لک ولا نفقہ۔ ہماری دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو تسلیم نہیں کیا تھا۔فرمایا تھا۔ **لا ندع کتاب ربناولا سنة نبینا بقول امراۃ لا ندری صدقت ام کذبت حفظت ام نسیت سمعت النبی ﷺ یقول لھا السکنی والنفقہ**۔صاحب کشاف نے کہا ہے کہ چونکہ وہم ہوسکتا تھا کہ کہیں حاملہ کا زمانہ عدت طویل نہ ہوجائے اور اس کی وجہ سے زائد مدت ساقط ہوجائے۔اس لئے اللہ نے حاملہ کی قید لگائی، تخصیص مقصود نہیں ہے۔لیکن حاملہ کی عدت وفات کتنی ہے، اس میں اختلاف ہے ایک جماعت غیر حاملہ پر قیاس کرتے ہوئے کہتی ہے کہ حاملہ کے لئے عدت نہیں ہے۔اور حضرت علیؓ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک واجب ہے۔

۳۔مطلقہ اگر بچہ کو دودھ پلائے تو **فان ارضعن لکم فاٰتوھن اجورھن** کی وجہ سے اس کے لئے اجرت ہے۔لینفق ذوسعۃ کی وجہ سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔کہ نفقہ میں مرد کے حال کی رعایت کی جائے گی۔کرخیؒ کا قول بھی یہی ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک مرد وعورت دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی۔خصاف نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

چنانچہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو آپ نے یہ کہہ کر اجازت دی تھی۔ **خذی من مال زوجک ما یکفیک وولدک** جس سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے حال کی رعایت فرمائی۔اور آیت کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں۔فی الحال مرد کو وسعت کے مطابق مکلف کردیا گیا ہے۔لیکن بقیہ اس کے ذمہ قرض رہے گا۔صاحب ہدایہ نے باب النفقہ میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔لیکن صاحب کشاف ومدارک نے مطلقہ اور مرضعہ دونوں کے حق میں عام مانا ہے۔

بہرحال ماں پر بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ باپ کی ذمہ دودھ پلانے والی مقرر کرنا واجب ہے۔الا یہ کہ باپ محتاج ہو۔یا بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئے۔تو پھر منکوحہ ہونے اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اور ایک روایت کے مطابق مطلقہ بائنہ کی صورت میں بھی بلا اجرت ماں دودھ پلائے۔البتہ عدت کے بعد اپنے بچہ کو دودھ پلائے۔اسی طرح دوسری بیوی کا بچہ ہوتو دونوں صورتوں میں اجرت لے سکتی ہے ۔نیز اجرت کے سلسلہ میں دوسری عورت کے مقابلہ ماں کو ترجیح دی جائے گی۔الا یہ کہ زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے اور عدت کے بعد ماں کا مستحق

اجرت ہونا فان ارضعنکم کی فاء سے سمجھ میں ہو رہا ہے۔ کیونکہ وضع حمل کے بعد فاء آئی ہے اور وضع حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عدت کے بعد ماں کو اجرت دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ وہ مثل اجنبیہ کے ہوگئی ہے۔ اس سے مطلقاً دودھ پلانے والی کی اجرت کا جواز نکل آیا۔ البتہ آیت میں لفظ اجور ہے۔ اب آیا کھانا کپڑا بھی اجرت شمار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ تو استحساناً اجازت دیتے ہیں۔ لیکن صاحبین قیاس ظاہری کی رو سے ناجائز کہتے ہیں۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ آیت سورہ بقرۃ وعلی المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعروف کو دودھ پلایہ کی اجرت پر محمول نہ کیا جائے لیکن اگر یہ آیت اجرت پر محمول کی جائے۔ جیسا کہ فخر الاسلام بزودیؒ وغیرہ کی رائے ہے۔ جس کا ذکر اشارہ النص کی بحث میں ہے تو پھر امام اعظمؒ کی کھلی دلیل ہو جائے گی۔

دودھ پلائی کی اجرت سے متعلق چند جزئیات یہ ہیں۔

۱۔ فقہی کتابوں میں صراحت ہے کہ انا کو بچہ کو نہلانے، کپڑے دھونے اور کھانے کا بندوبست کرنا ضروری ہے اور یہ کل خرچہ بچہ کے باپ پر ہوگا۔

۲۔ ہاں مدت رضاعت کے بعد بکری وغیرہ کا دودھ پلائے یا غذا کا انتظام کرے تو اس کی ذمہ داری مرد پر نہیں ہوگی۔

۳۔ اور انا کا شوہر اپنے مکان میں اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ بچہ کے باپ کے مکان پر رہتے ہوئے نہیں کر سکتا۔

۴۔ لیکن بچہ کا باپ اگر دودھیاری کے شوہر کو اس کے اپنے مکان پر بھی صحبت کی اجازت نہ دے تو دودھیاری کا شوہر اجارہ کو مفسوخ کر سکتا ہے۔

۵۔ اسی طرح اگر انا بیمار پڑ جائے یا حاملہ ہو جائے تو بچہ والے بھی اجارہ منسوخ کر سکتے ہیں۔

من قرية مجاز مرسل کے طریقہ پر محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔ اور اعد اللہ کی ضمیر جمع اہل قریہ کی طرف راجع ہوگی۔ ذکرا رسولا مفسرؒ نے رسولا کی نو ترکیبوں میں سے ایک ترکیب بیان کی ہے چنانچہ ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ زجاجؒ اور فارسیؒ اس کو ذکرا مصدر کی وجہ سے منصوب مانتے ہیں۔ جیسے دوسری آیت میں ہے او اطعام فی يوم ذی مسغبة يتيما۔

۲۔ رسولا کو بطور مبالغہ ذکر قرار دے کر ذکر سے بدل مانا جائے۔

۳۔ رسولاً بدل ہو ذکراً سے حذف مضاف کے ساتھ ای انزل و اذکر رسولا۔

۴۔ رسولا اس محذوف کی صفت ہو۔

۵۔ رسولا، ذکر سے بدل ہو، حذف مضاف ہو، رسولا میں ای ذکر ذا رسول اس صورت میں ذا رسول، ذکرا کی صفت ہوگی۔

۶۔ رسولا بمعنی رسالة ہو۔ اس صورت میں بغیر تاویل کے رسولا میں بدل صریح ہو جائے گا۔ یا بقول فارسی کے بیان بھی ہو سکتا ہے باوجود نکرہ ہونے کے۔ لیکن يتلوا عليكم پر نظر کی جائے تو یہ ترکیب بعید معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ رسالت کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ الا یہ کہ مجاز اختیار کیا جائے۔

۷۔ جیسا کہ مفسرؒ نے کہا ہے کہ رسولاً فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

۸۔ رسولا کو منصوب علی الاغراء کہا جائے ای اتبعوا والزموا رسولا اسی طرح رسولا کے مصداق میں رائیں مختلف ہیں۔ آنحضرت ﷺ مراد ہیں یا قرآن کریم یا جبرئیل امین ہیں۔ زمخشریؒ کے نزدیک رسول ذکر سے بدل ہے۔ مراد جبرئیل ہیں کیونکہ وہی آیات اللہ تلاوت کرتے ہیں جو انزال ذکر ہے۔

ومن الارض مثلهن۔ عام قراء مثلهن کو منصوب کہتے ہیں۔ سبع معمولات پر عطف کرتے ہوئے یا فعل محذوف کا مفعول ہے۔ ای خلق مثلهن من الارض اور قراءت شاذ رفع کی بھی ہے۔ مبتداء موخر کو مانتے ہوئے من الارض خبر مقدم ہے۔ آسمانوں کے سات ہونے پر تو علماء اسلام کا اتفاق ہے اور یہ کہ سب اوپر نیچے ہیں لیکن زمین کے متعلق جمہور کی رائے تو یہ ہے کہ وہ بھی آسمانوں کی طرح اوپر نیچے سات ہیں اور فاصلہ سے ہیں۔ اور سب مخلوقات آباد ہیں۔ البتہ دین واسلام کی دعوت اوپر کے طبقہ پر رہنے والوں سے متعلق ہے۔ آثار و نقلیات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا یا آپ ﷺ کے علاوہ کسی نبی کا نیچے طبقوں کے لئے آنا ثابت نہیں ہے۔ اس طرح اور طبقات میں آفتاب و ماہتاب علیحدہ ہیں یا ان کا نور وہاں پہنچتا ہے، علماء دونوں طرف گئے ہیں۔ ضحاک کی رائے ہے کہ یہ سب زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ساتوں زمینیں طبقات کی صورت میں ہیں۔ بلکہ یہی زمین سات ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان قطعات کے درمیان سمندر اور دریا حائل ہیں اور ان سب پر آسمان تنا ہوا ہے لیکن قرطبیؒ روایات کی بناء پر جمہور کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

یتنزل الامر بینھن۔ علامہ بیہقیؒ نے ابوالضحیٰ کے طریق سے ابن عباسؓ کا اثر نقل کیا ہے اس کی سند بیہقی نے صحیح کہا۔ مگر شاذ بھی کہا ہے کیونکہ ابوالضحیٰ کا متابع نہیں ملا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگر اس کی مثل ابن عباس سے ثابت ہو تو کہا جائے گا کہ ممکن ہے انہوں نے اسرائیلیات سے اس کو لیا ہوگا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں اس پر بے نظر کلام فرمایا ہے۔ انہوں نے امام احمد، ترمذی کی مرفوع روایات کو ابو ہریرہؓ کی وجہ سے زمین کو سات طبقات پر مانا ہے۔ اور یہ کہ جس طرح آسمانوں میں اوپر نیچے کو احکام اترتے ہیں۔ اسی طرح زمین کے طبقات میں بھی اوپر کا طبقہ اصل ہے۔

اور نچلے طبقات میں تابع ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ **سید السموات السماء اللتی فیه العرش و سید الارضین التی انتم علیھا** ۔ جہاں اس سے آسمان اول اور زمین اول کی فضیلت دوسرے آسمانوں اور زمینوں سے ثابت ہو رہی ہے۔ ایسے ہی وہاں کے رہنے والے بھی دوسرے رہنے والوں سے افضل ہوں گے۔ اور اس زمین اول میں آنحضرت ﷺ مرکز نبوت ہیں اور شریعت اسلامیہ اصول شرائع ہے پس آپ اور آپ کی شریعت بھی سب زمینوں پر حاکم رہے گی۔ اور ابن عباسؓ کا اثر تو اگرچہ تواتر کو نہیں پہنچا اور نہ اس کے مضمون کو اجماعی کہا جاتا ہے۔ تاہم ایسے آثار کا انکار بھی مناسب نہیں۔ جب کہ اس آیت کے الفاظ بھی مشیر ہیں۔ أمہ حدیث نے اس اثر کی تصحیح کی ہے، اور بیہقی نے شاذ کہنے کے باوجود صحیح مانا ہے۔ اس لئے یہ شذوذ باعث طعن نہیں رہتا۔ کیونکہ شاذ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک ثقہ راوی دوسرے تمام ثقات کے برخلاف کوئی بات کہے۔ دوسرے یہ کہ کسی روایت کا راوی صرف ایک ثقہ شخص ہو۔ چنانچہ یہاں دوسری صورت ہے اور وہ صحیح ہی میں شمار ہوتی ہے پھر اس اثر سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی جلالت اور زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے لائق قبول ہے۔

ربط آیات:........سورۃ تغابن کے اخیر میں بعض بیویوں اور اولاد کا دینی اعتبار سے دشمن ہونا بتلایا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ ان کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں اس دشمنی کا خیال کرنے سے کوتاہی ہوتی۔ خاص کر جب مفارقت بھی ہو جائے۔ اس لئے سورہ طلاق میں مطلقہ عورتوں اور شیر خوار اولاد کے احکام سے اس کی تلافی کر دی ہے یعنی جب جدائی کے باوجود عورتوں کے حقوق نگہداشت کا حکم ہے تو موافقت کی صورت میں یہ حکم بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ ان احکام ذیل میں چار جگہ چونکہ تقویٰ کا حکم اور ترغیب ہے۔ اس لئے دوسرے رکوع کو پورا مضمون اس کی تاکید میں ہے۔ اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ دنیاوی معاملات کی رعایت بھی شریعت میں ضروری ہے۔

شان نزول وروایات:........امام مالکؒ، شافعیؒ، شیخین، ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ سب نے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ نے بحالت حیض بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے نہایت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ **لیرا جعھا ثم یمسکھا حتی تطھر ثم تحیض فتطھر فان بداله ان یطلقھا طاھرا قبل ان یمسھا فتلک العدة التی امر الله ان تطلق لھا النساء**۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت یاایھا النبی اذا طلقتم النساء پڑھ کر سنائی اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حفصہ کو طلاق دی یا دینی چاہی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی الا ان یا تین بفاحشة ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ **الفاحشة ان تبدو ا والمرأ ة اھل**

الرجل فاذا بذت عليهم بلسانها فقد حل لهم اخراجها ۔ اورابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ اورابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ خروجها من بيتها قبل انقضاء العدة هو الفاحشة بعد ذلک امرا ۔ فاطمہ بنت قیس کی طویل روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں انما النفقة والسكنى للمراة على زوجها ما كانت له عليها رجعة اذالم يكن فلا نفقه ولا مسكنى ۔ لیکن جو حضرات مطلقہ بائنہ اوروفات کے لئے بھی نان نفقہ مانتے ہیں۔ وہ امراً سے مراد یہ لیتے ہیں کہ شاید منجانب اللہ کوئی خاص حکم یا ناسخ آ جائے۔ ومن يتق الله عوف بن مالک اشجعیؓ کے صاحبزادہ سالمؓ کو کفار نے گرفتار کرلیا۔ اور حضرت عوف حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور لڑکے کی گرفتاری اور اپنے فاقہ کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اتق الله واكثر لا حول ولا قوة الا بالله العظيم، چنانچہ عوفؓ نے تعمیل ارشاد کی، یہ بھی اپنے مکان میں تھے کہ ان کے صاحبزادہ سالمؓ نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے دیکھا تو اس کے ساتھ سواونٹ بھی تھے۔ ہوا یہ کہ دشمن کی نظر بچا کر سواونٹ سمیت بھاگ آئے۔

ان ارتبتم ۔ محدثین کی ایک جماعت نے ابی بن کعب سے تخریج کی ہے کہ عورتوں کی عدت سے متعلقہ سورت بقرہ کی آیات جب نازل ہوئیں تو اہل مدینہ نے کہا کہ بعض عورتیں ابھی رہ گئی ہیں۔ جن کے احکام معلوم نہیں ہوئے۔ مثلاً چھوٹی بڑی عورتیں جن کو حیض نہیں آتا اور حاملہ عورتیں ان کے متعلق قرآن نازل نہیں ہوا۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس لئے ان ارتبتم سے شروع کیا۔ ورنہ اس کا مفہوم مراد نہیں ہے۔

حتی یضعن حملهن ۔ اسی نفقہ کے خاص حاملہ کے لئے مخصوص ہونے پر ائمہ ثلاثہ فاطمہ بنت قیس کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لیس علیہ نفقہ فرمادیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نفقہ صرف حاملہ کے لئے ہے۔ لیکن حنفیہ اس روایت کو مخدوش مانتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے خدشہ ظاہر کیا ہے اور آیت میں قید حمل احترازی نہیں ہے۔

ومن الا رض مثلهن . عن ابى هريرة قال بينما نبى الله ﷺ جالس و اصحابه اذا تى عليهم سحاب فقال النبى ﷺ هل ما تدرون ما هذا ؟ قالوا الله ورسوله اعلم قال هذه العنان هذه روايات الارض يسوقها الله الى قوم لا يشكرونه ولا يد عونه ثم قال هل تدرون ما فوقكم قالوا الله رسوله اعلم قال فانما الرقيع سقق محفوظ و موج مكفوف ثم قال هل تدرون ما بينكم وبينها قالوا الله ورسوله اعلم قال بينكم و بينها خمس ما ئة ثم قال كذلک قال هل تدرون ما فو ق ذلک قالوا الله ورسوله اعلم قال سما ء ان بعد ما بينهما خمس مائة سنة ثم قال كذلک حتى عد سبع سموات ما بين كل سمائين ما بين السماء وا لارض ثم قال هل تدرون ما فو ق ذلک قالوا الله ورسوله اعلم قال ان فوق ذلک العرش و بينه وبين السما ء بعد ما بين السمائين ثم قال هل تدرون ماالذى تحتكم قالوا الله ورسوله اعلم قال انها الارض ثم قال هل تدرون ما تحت ذلک قالوا الله ورسوله اعلم قال ان تحتها ارضا اخرى بينهما مسيرة خمس مائة حتى عد سبع ارضين بين كل ارضين مسيرة خمس مائة ثم قال والذى نفس محمد بيده لو انكم دليتم بحبل الى الارض السفلىٰ لهبط على الله ثم قرا ء هو الاول والا خر و الظاهر والباطن وهو بكل شئى عليم (احمد ، تر مذى) عن ابن عباس ان الله خلق سبع ارضين فى كل ارض ادم كادمكم و نوح كنوحكم و ابراهيم كا براهيمكم وعيسى كعيسكم ونبى كنبيكم . (در منشور)

﴿تشریح﴾: .... یاایها النبی نبی کو مخاطب بنا کر ساری امت سے خطاب ہے

احکام طلاق وعدت ۔ (۱) اگر کسی ضرورت یا مجبوری سے ان بیویوں کو طلاق دینے لگو جو مدخولہ (حقیقی یا حکمی ہوں) تو انہیں زمانہ عدت یعنی

حیض سے پہلے ایسے طہر میں طلاق دو جس میں صحبت نہ ہوئی ہو (عندالاحناف) یا یہ معنی ہیں۔ ابتداء عدت یعنی طہر میں طلاق دو (عندالشوافع)۔
۲۔ اور عدت کو یاد رکھو۔
۳۔ اللہ سے ڈرتے رہو یعنی طلاق اور عدت خلاف شرع صورتیں اختیار نہ کرو۔
۴۔ زمانہ نکاح کی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی عورتوں میں رہنے دو۔ باہر مت نکالو۔
۵۔ عورتیں خود بھی نہ نکلیں بلکہ حق شرعی سمجھ کر عدت گھر میں بسر کریں۔
۶۔ ہاں اگر بدکاری، چوری، وغیرہ کریں تو سزا کے لئے نکالی جاسکتی ہیں۔ یا بقول بعض اگر زبان درازی کریں اور ہر وقت رنجش وتکرار رکھیں تو نکال دینے کی اجازت ہے۔
۷۔ جو اس کی خلاف ورزی کرے گا۔ ظالم گنہگار ہوگا۔
۸۔ طلاق کے بعد شاید اللہ بہتر صورت نکال دے۔ اس میں طلاق رجعی کے بہتر پہلو کی طرف توجہ دلا کر رجعت کی ترغیب ہے۔
۹۔ عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کرنا چاہو تو جائز ہے۔
۱۰۔ چھوڑنا مصلحت ہو تو خوبصورتی سے شرعی دستور پر عورت کو رخصت کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے طریقہ پر عورت کو آدھ میں لٹکی ہوئی مت چھوڑ دو۔
۱۱۔ دونوں صورتوں میں دو معتبر آدمیوں کی گواہی کرالو۔
۱۲۔ گواہوں کو چاہیے کہ بلارو رعایت ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔
۱۳۔ اللہ اپنے سے ڈرنے والوں کو اخروی اور دنیوی نقصان سے بھی بچالیتا ہے اور انہیں رزق ایسی جگہ سے فراہم کر دیتا ہے جہاں ان کا وہم وگمان بھی نہ ہو۔ اخروی ضرر سے بچانا یہ ہے کہ اسے عذاب سے نجات ہو جائے اور رزق اخروی جنت اور نعمائے جنت ہیں اور دنیوی ضرر دو طرح کا ہے۔ ایک ضرر حسی جو اکثری ہوا کرتا ہے اس کا دفعیہ یہ ہے کہ بلا ٹل جائے۔ اور رزق حسی کی فراغت ہو جائے۔ دوسرے باطنی طور پر ضرر دفع ہو جائے کہ اس بلا پر صبر ہو جائے کہ یہ بھی نجات ہے اس کے اثر سے۔ اور قلیل رزق پر قناعت ہو جائے کہ یہ بھی اثر سکون وطمانیت کے لحاظ سے رزق حسی ہی کے حکم میں ہے اور اس کا لایحتسب اس لئے کہا کہ حصول طمانیت وسکون کا ظاہری ذریعہ تو فراوانی رزق ہوا کرتا ہے۔ مگر قناعت سے سکون حاصل ہو جانا خارج از گمان ہے۔
۱۴۔ اور تقویٰ کا ایک شعبہ توکل ہے۔ جو اللہ پر توکل کرے گا (اس کا اثر یہ ہے کہ اللہ اس کے لئے سب مہمات میں کافی ہو جائے گا۔ یعنی اصلاح مہمات کے لئے کافی ہونے کا اثر خاص ظاہر فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ کا کافی ہونا تو سارے عالم کے لئے عام ہے نیز یہ اصلاح مہمات بھی عام ہے خواہ حسی طور پر ہو یا باطنی ہو۔ کیونکہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اور اس نے ہر چیز کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے چنانچہ اصلاح مہمات کا وقت اور انداز بھی اسی کے ارادہ اور حکمت پر ہے۔
۱۵۔ مطلقہ بیویوں میں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تمہیں ان کی مدت کی تعیین میں شبہ ہو جیسا کہ تمہارے پوچھنے پر معلوم ہوا۔ ہاں تو ان کی مدت تین مہینے ہے۔
۱۶۔ اسی طرح جن بیویوں کو کمسنی کی وجہ سے ابھی حیض نہیں آیا تو ان کی عدت بھی تین مہینے ہے۔
۱۷۔ حاملہ بیویوں کی مدت بچہ پیدا ہو جانا ہے۔ بچہ مکمل ہو یا ناقص حتیٰ کہ ایک انگلی ہی سہی۔
۱۸۔ مطلقہ عورتوں کو اپنی مقدور کے مطابق رہائش کی جگہ بھی جہاں تم رہتے ہو۔ البتہ بائنہ ہونے کی صورت میں شوہر بیوی کے درمیان حائل کا ہونا ضروری ہے۔

۱۹۔ ان کو تنگ کر کے تکلیف نہ پہنچاؤ۔
۲۰۔ مطلقہ بیویاں اگر حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ان کو نان نفقہ کا خرچہ دو۔ اور بچہ جننے کی قید حاملہ کے لئے لگانا اس لئے ہے کہ غیر حاملہ بیویوں کا خرچ تین حیض یا تین مہینے کا ہوگا۔ اور اس تخصیص ذکری کا نکتہ یہ ہے کہ ممکن ہے، ابتداء عمل میں طلاق ہوئی تو بچہ پیدا ہونے کی مدت تین حیض یا تین مہینے کی نسبت غالباً زیادہ ہوگی۔ اور اتنے دنوں کا خرچہ نفس پر شاق ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس کو صراحۃ فرمادیا اور مطلقاً مطلقات کے لئے نفقہ و سکنیٰ حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ۔ ان کے نزدیک اسکنوھن کی ضمیر مطلقہ رجعیہ کی طرف راجع ہے۔ اگرچہ ان کن اولات حمل کی ضمیر ان کے نزدیک بھی مطلقاً مطلقات کی طرف راجع ہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اسکنوھن کے علاوہ سب ضمیر مطلقاً مطلقات کی طرف راجع ہیں کیونکہ خود امساک کا حکم رجعیہ کے مرجع ہونے کا قرینہ ہے۔
۲۱۔ مطلقہ بیویاں خواہ پہلے سے بچہ والی ہوں یا بچہ ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو۔ وہ اگر بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کو اجرت دینی چاہیے۔
۲۲۔ دودھ پلائی کی اجرت باہمی مشورہ سے طے کرلی جائے۔ کیونکہ بچہ دونوں کا ہے۔ دونوں ہی کے پیش نظر اس کی مصلحت ہونی چاہیے۔
۲۳۔ لیکن اگر اجرت کے معاملہ میں باہمی کشمکش ہو تو پھر دوسری کوئی عورت دودھ پلائے گی یعنی دوسری انا تلاش کرلو۔
اس خبر سے مقصود حکم ہے اور اس میں مرد کو کم اجرت دینے پر عتاب ہے کہ یہاں دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ آخر وہ بھی تو اجرت مانگے گی۔ مفت دودھ نہیں پلائے گی۔ پھر کیوں نہ ماں کو پوری اجرت دے دو۔ اسی طرح عورت کو زیادہ اجرت طلب کرنے پر عتاب ہے تو اگر نخرے کرتی رہے گی تو دوسری عورت موقعہ سے فائدہ اٹھالے گی۔ اس لئے تو ہی کیوں گراں بنتی ہے۔
۲۴۔ دودھ پلائی کی اجرت اور خرچہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق ادا کرے گا۔ امیر ہو تو امیرانہ، اور غریب ہو تو غریبانہ۔

مذکورہ احکام کی علت:............ آیت لا تدری جس میں طرح طلاق رجعی کی ترغیب کا پہلو ہے۔ اسی طرح آیت کی بقید احکام کی علت بھی ہے۔ خواہ صراحۃ، خواہ اشارۃ۔ مثلاً عدت کی نگہداشت کی علت تو اس طرح ہے کہ عدت یاد نہ رہی تو رجعت کیسے کرے گا۔ اور اس سے فائدہ کیسے اٹھائے گا۔ علیٰ ہذا دفعۃ تین طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ اگر طلاق متفرق طور پر دے گا تو رجعت کی گنجائش رہے گی۔ اور دفعۃ تینوں طلاق دے ڈالنے سے یہ مصلحت ختم ہوجائے گی۔ اسی طرح حالت حیض میں طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق کا سبب ممکن ہے۔ نفرت طبعی ہے۔ اور جب حالت طہر میں وہ نفرت چلی جائے گی اور نکاح میں رکھنے کا ارادہ ہوگا تو خواہ مخواہ اپنی حماقت پر حسرت وندامت ہوگی۔ اور گو بحالت حیض طلاق دینا رجعت کے لئے مانع نہیں ہے۔ لیکن اس طرح حسرت سے تو بچا رہے گا۔ علیٰ ہذا زمانہ عدت میں گھر سے باہر نہ نکالنے کی علت اس طرح ہوگی۔ کہ بعض دفعہ گھر سے نکال دینے کی صورت میں رجعت کرنے یا دوبارہ نکاح کرنے میں دشوار کاوٹ ہوجاتی ہے اور اس میں دونوں یا ایک کا نقصان ہے۔ اسی طرح خود عورت کے گھر سے نہ نکلنے کی علت اس طرح ہے کہ بعض دفعہ مرد کی نفرت عورت کے نکل جانے سے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن ایک جگہ رہنے میں ممکن ہے کہ مرد کو رجعت یا دوبارہ نکاح کرنے کا خیال پیدا ہوجائے۔ غرضیکہ لعل اللہ الخ کی حکمت سب عورتوں میں شامل ہے۔
وکاین من قریۃ۔ شرعی احکام کی بالخصوص عورتوں سے متعلق ہدایات کی پابندی کرو۔ اگر نافرمانی کروگے۔ تو یاد رہے کہ کتنی ہی بستیاں اللہ کی نافرمانی کا خمیازہ بھگت چکی ہیں۔ ہم نے ان کو سرکشی پر سختی سے جائزہ لیا اور ان کو ایسی آفت میں پھنسایا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔
ذکرا رسولا۔ ذکرا اگر بمعنی ذاکر ہو تو خود رسول مراد ہوں گے۔

زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں:............ ومن الارض مثلھن یہ سات زمینیں ممکن ہے نظر آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے

کہ نظر نہ آتی ہوں۔ مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ آج کل مریخ وغیرہ کی نسبت سائنسدانوں کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ، دریا، آبادیاں ہیں۔ باقی احادیث میں جوان زمینوں کا اس زمین کے نیچے ہونا آیا ہے ممکن ہے کہ وہ بعض حالات کے لحاظ سے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اوپر دکھائی دیتی ہیں۔

یتنزل الامر ۔عالم کے انتظام وتدبیر کے لئے اللہ کے احکام تکوینیہ وتشریعیہ آسمانوں اور زمینوں میں اترتے رہتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی موقوف روایت **سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وادم کادمکم** الخ مشکلات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کی سہل ترین توجیہ صاحب روح المعانی نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ **والمراد ان فی کل ارض خلفا یرجعون الیٰ اصل واحد رجوع بنی ادم فی ارضنا الیٰ ادم علیه السلام وفیهم افراد ممتازون علیٰ سائرهم کنوح وابراهیم وغیرهما فینا** ۔اور غالباً اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ کو یہ فرمانا پڑا۔ **لو حدثتکم بتفسیرها لکفرتم وکفرتم بتکذیبکم بها** (درمنثور)

اس سے زیادہ سمجھنے کی عام لوگوں میں چونکہ استعداد نہیں ہوتی۔ اس لئے نہ عوام کو اس میں پڑنا چاہیے اور نہ خواص کے بارے میں بدگمانی کرنی چاہیے۔ اور چونکہ بقول صاحب روح المعانی بعض نے اس حدیث کو موضوع شمار کیا ہے۔ اس لئے اہل علم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اس حدیث کے منوانے میں عوام پر زور دیں جب کہ اس کی صحت ہی پہلے سے مختلف رہی ہے۔ اور اس سورت کی آیات تقویٰ میں ایک بلیغ ربط یہ ہے کہ اول اتقوا اللہ میں حکم ہے۔ پھر **ومن یتق اللہ** دنیوی اخروی برکات کے لئے جامع ہے اور **ومن یتق اللہ یجعل له** میں دنیوی برکات کا اور **ومن یتق اللہ یکفر** الخ میں دنیوی برکات کا ذکر ہے۔ گویا پہلے اجمال ہوا پھر تفصیل وان اللہ قد احاط یعنی اللہ کی صفات علم وقدرت کے اظہار کے لئے یہ سارا تکوینی تشریعی نظام پھیلایا ہے۔ بقیہ صفات الٰہی انہی دو مرکزی صفتوں کے گرد گھومتی ہیں۔ صوفیاء جو **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف** بیان کرتے ہیں وہ اگرچہ محدثین کے نزدیک صحیح حدیث نہیں ہے۔ تاہم اس آیت کے مضمون سے ماخوذ ہو سکتی ہے۔ **واللہ اعلم وعلمه احکم** ۔

لطائف سلوک: ......لاتدری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کی مختلف شقوں میں اگر مختلف مصلحتیں ہوں تو کسی قطعی فیصلہ میں جلدی نہ کرے۔ اس میں مرید سے قطع تعلق بھی داخل ہے۔ اسی طرح اسباب معاش کا اہل وطن سے تعلق کا چھوڑنا بھی اس میں داخل ہے۔

ومن یتق اللہ ۔تقویٰ کی ان برکات کا اہل طریق ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

واتمروا بینکم بمعروف ۔عورت سے ناقص العقل ہونے کے باوجود مشورہ کرنے میں ان کی دلجوئی ہے اور بعض دفعہ ناقص سے بھی کامل رائے مل جاتی ہے۔ پس یہ دونوں پہلو اہل طریق کی عادت اور مطلوب میں داخل ہیں۔

وان تعاسرتم ۔سے معلوم ہوا کہ نہ خود ایسی تنگی میں پڑے اور نہ دوسرے کو ڈالے جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔ اہل طریق کا پورالحاظ رکھتے ہیں۔

قد انزل اللہ الیکم ذکرا ۔الخ رسولاً اگر ذکرا کی صفت ہو تو بطور سابقہ دونوں میں اتحاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شیخ کی صحبت اور گفتگو ذکر کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ بالواسطہ وہ بھی ذکر ہے۔

سُـورَةُ التَّحرِيم

سورة التحريم مدنية اثنتا عشرة اية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ مِنْ اَمَتِكَ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةِ لَمَّا وَاقَعَهَا فِيْ بَيْتِ حَفْصَةَ وَكَانَتْ غَائِبَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَيْهَا كَوْنُ ذٰلِكَ فِيْ بَيْتِهَا وَعَلٰى فِرَاشِهَا حَيْثُ قُلْتَ هِيَ حَرَامٌ عَلَيَّ **تَبْتَغِيْ** بِتَحْرِيْمِهَا **مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ** اَيْ رِضَاهُنَّ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾** غَفَرَ لَكَ هٰذَا التَّحْرِيْمَ **قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ** شَرَعَ **لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ** تَحْلِيْلَهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ وَمِنَ الْاَيْمَانِ تَحْرِيْمُ الْاَمَةِ وَهَلْ كَفَّرَ ﷺ قَالَ مُقَاتِلٌ اَعْتَقَ رَقَبَةً فِيْ تَحْرِيْمِ مَارِيَةَ وَقَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُكَفِّرْ لِاَنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ **وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ** نَاصِرُكُمْ **وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾** وَ اذْكُرْ **اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ** هِيَ حَفْصَةُ **حَدِيْثًا** هُوَ تَحْرِيْمُ مَارِيَةَ وَقَالَ لَهَا لَا تُفْشِيْهِ **فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ** عَائِشَةَ ظَنًّا مِنْهَا اَنْ لَا حَرَجَ فِيْ ذٰلِكَ **وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ** اَطْلَعَهُ **عَلَيْهِ** عَلَى الْمُنْبَأِ بِهٖ **عَرَّفَ بَعْضَهٗ** لِحَفْصَةَ **وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ** تَكَرُّمًا مِنْهُ **فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۳﴾** اَيِ اللّٰهُ **اِنْ تَتُوْبَاۤ** اَيْ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ **اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا** مَالَتْ اِلٰى تَحْرِيْمِ مَارِيَةَ اَيْ سَرَّكُمَا ذٰلِكَ مَعَ كَرَاهَةِ النَّبِيِّ ﷺ لَهٗ وَذٰلِكَ ذَنْبٌ وَ جَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ تَقَبَّلَا وَاَطْلَقَ قُلُوْبَ عَلٰى قَلْبَيْنِ وَلَمْ يُعَبِّرْ بِهٖ لِاِسْتِثْقَالِ الْجَمْعِ بَيْنَ تَثْنِيَتَيْنِ فِيْمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ **وَاِنْ تَظٰهَرَا** بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِي الظَّاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِدُوْنِهَا تَتَعَاوَنَا **عَلَيْهِ** اَيِ النَّبِيِّ فِيْمَا يَكْرَهُهٗ **فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ** فَصْلٌ **مَوْلٰىهُ** نَاصِرُهٗ **وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ** اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَحَلِّ اِسْمِ اِنَّ فَيَكُوْنُوْنَ نَاصِرِيْهِ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ** بَعْدَ نَصْرِ اللّٰهِ وَالْمَذْكُوْرِيْنَ **ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾** ظُهَرَاءُ اَعْوَانٌ لَهٗ فِيْ نَصْرِهٖ عَلَيْكُمَا **عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ** اَيْ طَلَّقَ النَّبِيُّ اَزْوَاجَهٗ **اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ** خَبَرُ عَسٰى وَالْجُمْلَةُ جَوَابُ الشَّرْطِ وَلَمْ يَقَعِ التَّبْدِيْلُ لِعَدَمِ وُقُوْعِ الشَّرْطِ **مُسْلِمٰتٍ** مُقِرَّاتٍ بِالْاِسْلَامِ **مُّؤْمِنٰتٍ** مُخْلِصَاتٍ **قٰنِتٰتٍ** مُطِيْعَاتٍ **تٰٓئِبٰتٍ**

عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ صَائِمَاتٍ اَوْ مُهَا جِرَاتٍ **ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا** ﴿۵﴾ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ** بِالْحَمْلِ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ** الْكُفَّارُ **وَالْحِجَارَةُ** كَاَصْنَامِهِمْ مِنْهَا يَعْنِىْ اَنَّهَا مُفْرِطَةُ الْحَرَارَةِ تَتَّقِدُ بِمَا ذُكِرَ لَا كَنَارِ الدُّنْيَا تَتَّقِدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِهٖ **عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ** خَزَنَتُهَا عِدَّتُهُمْ تِسْعَةَ عَشَرَ كَمَا سَيَاْتِىْ فِى الْمُدَّثِّرِ **غِلَاظٌ** مِنْ غِلَظِ الْقَلْبِ **شِدَادٌ** فِى الْبَطْشِ **لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ** بَدَلٌ مِنَ الْجَلَالَةِ اَىْ لَا يَعْصُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ **وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ** ﴿۶﴾ تَاْكِيْدٌ وَالْاٰيَةُ تَخْوِيْفٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عَنِ الْاِرْتِدَادِ وَلِلْمُنَافِقِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ دُوْنَ قُلُوْبِهِمْ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ** يُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ عِنْدَ دُخُوْلِهِمُ النَّارَ اَىْ لِاَنَّهٗ لَا يَنْفَعُكُمْ **اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۷﴾ اَىْ جَزَاءَهٗ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا** بِفَتْحِ النُّوْنِ وَضَمِّهَا صَادِقَةً بِاَنْ لَا يُعَادَ اِلَى الذَّنْبِ وَلَا يُرَادَ الْعَوْدُ اِلَيْهِ **عَسٰى رَبُّكُمْ** تَرْجِيَةٌ تَقَعُ **اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ** بِاِدْخَالِ النَّارِ **النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ** اَمَامَهُمْ وَيَكُوْنُ **بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ** مُسْتَاْنَفٌ **رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا** اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمُنَافِقُوْنَ يُطْفَأُ نُوْرُهُمْ **وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۸﴾ **يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ** بِالسَّيْفِ **وَالْمُنٰفِقِيْنَ** بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ **وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** بِالْاِنْتِهَارِ وَالْمَقْتِ **وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** ﴿۹﴾ هِىَ **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا** فِى الدِّيْنِ اِذْ كَفَرَتَا وَكَانَتِ امْرَاَةُ نُوْحٍ وَاسْمُهَا وَاهِلَةُ تَقُوْلُ لِقَوْمِهٖ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ وَامْرَاَةُ لُوْطٍ وَاسْمُهَا وَاعِلَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَضْيَافِهٖ اِذَا نَزَلُوْا بِهٖ لَيْلًا بِاِيْقَادِ النَّارِ وَنَهَارًا بِالتَّدْخِيْنِ **فَلَمْ يُغْنِيَا** اَىْ نُوْحٌ وَلُوْطٌ **عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ** مِنْ عَذَابِهٖ **شَيْئًا وَّقِيْلَ** لَهُمَا **ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ** ﴿۱۰﴾ مِنْ كُفَّارِ قَوْمِ نُوْحٍ وَقَوْمِ لُوْطٍ **وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ** اٰمَنَتْ بِمُوْسٰى وَاسْمُهَا اٰسِيَةُ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْنُ بِاَنْ اَوْتَدَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا وَاَلْقٰى عَلٰى صَدْرِهَا رَحًى عَظِيْمَةً وَاسْتَقْبَلَ بِهَا الشَّمْسَ فَكَانَتْ اِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وُكِّلَ بِهَا ظَلَّلَتْهَا الْمَلَائِكَةُ **اِذْ قَالَتْ** فِىْ حَالِ التَّعْذِيْبِ **رَبِّ ابْنِ لِىْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ** فَكَشَفَ لَهَا فَرَاَتْهُ فَسَهُلَ عَلَيْهَا التَّعْذِيْبُ **وَنَجِّنِىْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ** وَتَعْذِيْبِهٖ **وَنَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۱۱﴾ اَهْلِ دِيْنِهٖ فَقَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَهَا وَقَالَ ابْنُ كَيْسَانَ رُفِعَتْ اِلَى الْجَنَّةِ حَيَّةً فَهِىَ تَاْكُلُ وَتَشْرَبُ **وَمَرْيَمَ** عَطْفٌ عَلَى امْرَاَةِ فِرْعَوْنَ **ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا** حَفِظَتْهُ **فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا** اَىْ جِبْرَئِيْلَ حَيْثُ نَفَخَ فِىْ جَيْبِ دِرْعِهَا بِخَلْقِ اللّٰهِ فِعْلَهُ الْوَاصِلَ اِلٰى فَرْجِهَا فَحَمَلَتْ

بِعِيسٰى وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا بِشَرَائِعِهٖ وَكُتُبِهِ الْمُنَزَّلَةِ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ مِنَ الْقَوْمِ الْمُطِيْعِيْنَ۔ ع ۵ ۲۰

ترجمہ: .... سورۂ تحریم مدنیہ ہے، جس میں ۱۲ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اے نبی! اللہ نے جس چیز کو آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں (یعنی ماریہ قبطیہ جو آپ ﷺ کی حرم ہیں۔ حفصہؓ کی عدم موجودگی میں آپ نے ان سے زن وشوئی کے معاملات کر لئے۔ جب وہ آئیں اور دیکھا کہ یہ سب کچھ ان کے گھر اور بستر پر ہوا تو انہیں گراں گزرا، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو خوش کرنے کے لئے فرما دیا کہ ماریہ مجھ پر حرام ہیں) آپ ﷺ (اس کو حرام کر کے) اپنی بیویوں کی خوشنودی (رضامندی) حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (آپ کا یہ حرام کرنا بھی ہم نے معاف کر دیا) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے قسموں کا کھولنا مقرر (مشروع) فرمایا ہے (سورۂ مائدہ والا کفارہ ادا کر کے قسمیں کھولی جا سکتی ہیں۔ حرم کو حرام کرنا بھی اس قسم میں داخل ہے۔ کیا آنحضرت ﷺ نے کفارہ ادا فرمایا؟ مقاتل فرماتے ہیں کہ ماریہ کے سلسلے میں آپ نے غلام آزاد فرمایا اور حسن کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا۔ کیونکہ آپ کے لئے معافی ہو چکی) اور اللہ تمہارا کارساز (مددگار) ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے اور (یاد کرو) جب کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی بیوی (حفصہؓ) سے ایک بات چپکے سے فرمائی (ماریہؓ کو حرام کر لینا اور یہ کہ اس کو کسی سے کہنا مت) سو پھر جب اس بیوی نے وہ بات بتلا دی (عائشہؓ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں کیا حرج ہے) اور پیغمبر ﷺ کو اللہ نے اس (خبر) پر مطلع (آگاہ) کر دیا تو پیغمبر ﷺ نے (حفصہؓ کو) تھوڑی سی بات بتلا دی اور تھوڑی سی (مروت میں) ٹال گئے۔ سو پیغمبر ﷺ نے جب اس بیوی کو وہ بات جتلائی تو بیوی کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی، آپ نے فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (اللہ) نے خبر کر دی ہے۔ اے دونوں بی بیو! (حفصہؓ اور عائشہؓ) اگر تم اللہ کے آگے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں (ماریہؓ کے حرام کر دینے کی جانب یعنی آنحضرت ﷺ نے اس تحریم کو باوجود ناگوار سمجھنے کے تم دونوں کو چپکے سے بتلا دیا۔ اور یہ کوتاہی ہے، جواب شرط محذوف ہے۔ یعنی دونوں کی توبہ اللہ قبول فرمالے گا اور قلبین کی بجائے قلوب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لفظ ایک کلمہ کے حکم میں ہو اور اس میں دو جمع کا اکٹھا ہونا دشوار ہوتا ہے) اور اگر تم دونوں کاروائیاں کرتی رہیں (تظاھرا کی اصل تتظاھرا جس میں تائے ثانیہ کو ظا میں ادغام اور ایک قرأت میں بغیر ادغام ہے۔ تم دو بیویاں ایک دوسرے کی تائید کرتی رہیں) پیغمبر کے مقابلہ میں (اس کی مرضی کے خلاف) تو اللہ ہی (ہو ضمیر فصل ہے) پیغمبر کا رفیق (مددگار) ہے اور جبرئیل اور نیک بندے ہیں۔ (یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ اس کا عطف اسم ان کے محل پر ہے۔ یعنی یہ سب پیغمبر کے مددگار ہیں) اور ان کے علاوہ فرشتے (اللہ اور جبرئیل صالح المومنین کی مدد کے علاوہ) مددگار ہیں (ظہیر بمعنی ظھراء۔ تم دونوں بیویوں کے مقابلہ میں ان کی مدد حضور ﷺ کو حاصل رہے گی) اگر پیغمبر عورتوں (اپنی بیویوں) کو طلاق دے دیں تو بہت جلد بدل دے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قرائتیں ہیں) تم سے اچھی بیویاں (عسیٰ کی خبر ہے۔ اور جملہ جواب شرط ہے اور چونکہ شرط نہیں پائی گئی اس لئے تبدیلی کی نوبت بھی نہیں آئی) جو اسلام والیاں (اسلام کا اقرار کرنے والی) ایمان والیاں (اخلاص والی) فرمانبرداری کرنے والیاں (اطاعت گزار) توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں (روزہ دار یا ہجرت کرنے والیاں) ہوں گی۔ کچھ بیوائیں کچھ کنواریاں، اے ایمان والو! تم بچاؤ خود کو اور اپنے گھر والوں کو (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر آمادہ کر کے) اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی (کافر) اور پتھر ہیں (جیسے پتھروں کے بت یعنی وہ آگ انتہائی گرم ہوگی جو ان چیزوں سے دھونکائی جائے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہوگی جو لکڑیوں وغیرہ سے دہکتی ہے) جس پر فرشتے ہیں (جہنم پر مامور فرشتے جن کی تعداد سورۂ مدثر میں انیس ۱۹ آرہی ہے) جو تند خو (سخت مزاج) مضبوط (پکڑ میں) ہیں۔ جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس میں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے (ما امر، اللہ سے بدل ہے۔ یعنی حکم الٰہی سے باہر نہیں ہوتے) اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں (یہ جملہ تاکید ہے اس میں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے ڈراتا ہے۔ اور منافقین کو بھی ڈراتا ہے جو دل سے نہیں صرف زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں) اے کافرو! آج تم عذر مت کرو (کافروں سے دوزخ میں ڈالنے کے وقت یہ کہا جائے گا۔ یعنی

معذرت کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے) پس تم کو تو اس کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (نصوح فتحہ نون کے ساتھ اور ضمہ نون کے ساتھ۔ یعنی صادقہ کہ پھر نہ وہ قصور کرے۔ اور نہ اس کا ارادہ ہو) امید ہے (جو پوری ہو کر رہے گی) کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں پہنچائے گا۔ ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا (دوزخ میں لے جا کر) نبی کو اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو۔ ان کا نور ان کے سامنے (آگے) دوڑتا ہوگا اور ان کے داہنے۔ یوں دعا کرتے ہوں گے (جملہ مستانفہ ہے) اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھئے (جنت میں جانے تک اور منافقین کا نور گل ہو جائے گا) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے (ہمارے پروردگار) آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اے نبی! کفار سے (تلوار کے ذریعہ) اور منافقین سے (زبان اور دلیل سے) جہاد کیجئے اور ان پر (ڈانٹ ڈپٹ کر) سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا حال بیان فرماتا ہے وہ دونوں عورتیں، ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔ سو ان دونوں عورتوں نے ان دونوں خاوندوں کے ساتھ خیانت کی (بلحاظ دین کے کہ دونوں کافر ہو گئیں۔ نوح کی بیوی جس کا نام واہلہ تھا اپنی قوم سے کہنے لگی کہ نوح تو دیوانہ ہے۔ اور لوط کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا رات کو آنے والے والے مہمان کی اطلاع اپنی قوم کو آگ جلا کر اور دن کو آنے والے مہمان کی اطلاع دھواں کر کے کر دیا کرتی تھی) سو وہ دونوں نیک بندے (نوح ولوط) اللہ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے۔ اور حکم ہو گیا (ان دونوں بیویوں کے لئے) کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ (یعنی تو م نوح ولوط کے اور کافروں کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے (جو موسیٰ پر ایمان لائیں تھیں جن کا نام آسیہ تھا۔ فرعون نے اس کو چومیخا کر کے سزا دی اور ان کی چھاتی پر ایک بڑا پتھر بھاری رکھوا دیا اور ان کو دھوپ میں ڈال دیا، چنانچہ جب وہاں سے سنتری ہٹتے تو فرشتے سایہ کر کے کھڑے ہو جاتے) جب کہ اس بی بی نے (سزا کی حالت میں) دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں، اپنے قرب میں مکان بنائیے (چنانچہ جنت ان پر منکشف ہو گئی جسے دیکھ کر انہیں سزا ہلکی معلوم ہونی لگی) اور مجھ کو فرعون سے اور اس کی کاروائی (سزا) سے محفوظ رکھئے اور مجھ کو تمام ظالموں سے محفوظ رکھئے (جو فرعون کے طریقہ پر ہیں، چنانچہ اللہ نے ان کی روح قبض کر لی۔ اور ابن کیسان کہتے ہیں کہ وہ زندہ اٹھالی گئیں، وہ کھاتی پیتی ہیں) اور مریم کا حال بیان کرتا ہے (اس کا عطف امرأۃ فرعون پر ہے) جو عمران کی بیٹی تھی جنہوں نے اپنی ناموس کو محفوظ (برقرار) رکھا۔ سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی (یعنی جبرئیل نے ان کے گریبان میں پھونک ماری اللہ کے حکم سے جبرئیلی پھونک کا اثر رحم میں پہنچا جس سے عیسیٰ رحم میں ٹھہر گئے) اور مریم نے اپنے پروردگار کے پیغامات (احکامات شرع) کی اور اس کی کتب (منزلہ) کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں (فرمانبردار لوگوں) میں سے تھیں۔

تحقیق وترکیب:......... ماریہ قبطیہ۔ مقوقس نے شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیۃ پیش کی تھی۔ انہی کے بطن سے صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوئے۔

تحلة ایمانکم۔ فقہانے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی مباح چیز کو حرام کر لینا قسم ہے۔ جس کے لئے کفارہ ہوتا ہے۔ چونکہ حلال چیز کو حرام کر لینا غلطی تھی۔ اس لئے واللہ غفور رحیم فرمایا۔ اور بعض نے اس کے معنی یہ لئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے قسم سے بچنے کا ایک راستہ پیدا کر لیا کہ اگر کوئی انشاء اللہ کے ساتھ حلف کر لے تو حلف منعقد نہیں ہوتا۔ اس سے بھی حلال کو حرام کر لینے سے یمین کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ الفاظ استثناء کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ حانث نہیں ہوا جیسا کہ مدارک میں ہے۔ لہٰذا قاضی بیضاوی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حرام کرنے کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے یمین کا لفظ بھی فرمایا تھا۔ اس لئے یمین ہوئی صرف تحریم سے یمین نہیں ہوئی وجہ اس کے غیر صحیح ہونے کی یہ ہے کہ آیت میں تحریم کو یمین کہا گیا ہے، اس طرح قاضی کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں رہا کہ کفارہ واجب ہونے سے

یمین ہونا لازم نہیں آتا۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے صرف کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس پر یمین کا لفظ فرمایا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو قاضی کے ان دونوں کلاموں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

صاحب کشاف نے حلال کو حرام کرنے کی تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی کھانے کو حرام کرے تو قسم کھانا کھانے پر محمول ہوگی اور باندی کو حرام کر لینے کو اس سے محبت پر محمول کیا جائے گا اور بیوی کو حرام کرنے سے ایلاء ہو جائے گا جب کہ کوئی اور نیت نہ ہو۔ لیکن اگر ظہار کی نیت سے کہا تو طلاق بائنہ سمجھی جائے گی۔ اور دو یا تین طلاقوں کی نیت سے کہا تو وہی نیت معتبر ہوگی۔ اور اگر کہا کہ میں نے جھوٹ کہا تھا تو دیانۃً صحیح سمجھا جائے گا۔ البتہ قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ کہا کہ سب حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کو صرف کھانے پر محمول کیا جائے گا جب کہ کسی اور چیز کی نیت نہ ہو۔ ورنہ جو نیت کرے گا تو اسی کا اعتبار ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا یمین ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ سے یہی منقول ہے۔ صاحب ہدایہ باب الایلاء میں لکھتے ہیں۔ **اذ قال لامرأته انت علی حرام فان قال اردت الکذب فهو کما قال وقیل لا یصدق فی الفقهاء وان قال اردت الطلا ق فهی تطلیقة بائنة الا ان ینوی الثلث وان قال اردت الظهار الا عند محمد وان قال اردت التحریم ولم یر د شیئا فهو ایلاء ومنهم من یصرف لفظ التحریم الی الطلاق من غیر نیة بحکم العرف.**

اسی طرح فقہاء نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا بھی یمین کہلاتا ہے جس پر کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ مباح کو حرام کرنے سے اس کی ضد کا واجب ہونا لازم کہلاتا ہے۔ اگرچہ اس میں قسم کا لفظ نہ بولا جائے کیونکہ یہ یمین ہے۔ اور یمین اگر گناہ پر ہو تو اس سے بچنا اور اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور گناہ نہ ہو تو اس کو کرنا ضروری اور اس کے خلاف کرنے پر کفارہ لازم ہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے وہ تحریم حلال کو یمین نہیں سمجھتے۔ البتہ بیوی کو حرام کر لینے کی صورت میں کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر حرام کرنے سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق رجعی سمجھی جائے گی۔

اور حضرت علیؓ کے نزدیک تین طلاقیں اور زید کے نزدیک ایک طلاق بائنہ اور حضرت عثمانؓ کے نزدیک ظہار ہوگا۔ اور مسروق وشعبی کے نزدیک اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ آیت **لا تحرموا طیبات ما احل الله لکم** اور آیت **لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال و هذا حرام** کی وجہ سے۔ شوافع کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ کفارہ لازم ہونے سے یمین ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے حضور ﷺ نے یمین کا لفظ فرمایا ہو۔ چنانچہ عبدالرزاق شعبیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ **وحلف بیمین مع التحریم فعاقبه فی التحریم و جعل له کفارة الیمین**۔

لیکن قتادہ کے قول سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں۔ **حرمها فکانت یمینا**۔ الفاظ قرآنیہ حنفیہ کی تائید کرتے ہیں اور ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ ان کے پاس ایک صاحب آئے اور انہوں نے کہا۔ **جعلت امرأتی علی حرام** تو ابن عباسؓ نے فرمایا۔ تجھ پر بڑا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور نذر کا حکم یہ ہے کہ اگر گناہ کی نذر مانی ہے تو اس کو کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس پر کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر گناہ کے علاوہ کسی اور کام کی نذر کی تو اس کا کرنا لازم ہوگا اور اس کی خلاف ورزی سے کفارہ آ جائے گا۔ اور اگر نذر و یمین دونوں کسی نے کیں۔ تو پھر مقتضیٰ پر عمل واجب ہو جائے گا۔

والله غفور رحیم ۔ یعنی کفارہ امت کی تعلیم کے لئے ہے آپ کو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بعض کی رائے ہے کہ آپ نے کفارہ ادا فرمایا۔

اسر النبی ۔ ماریہ کے حرام کر لینے کو رازدارانہ طور پر آپ نے کہا تھا اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں کے والد کے خلیفہ ہونے کی بشارت دی تھی۔

فلما نبأت به ۔ مفسرؒ نے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ اول مفعول کی طرف خود اور دوسرے مفعول کی طرف حرف جر کے

ذریعہ متعدی، بھی تخفیفاً حرف جار حذف بھی ہو جاتا ہے اور مفعول اول بھی قرینہ لفظیہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس آیت میں یہ تینوں استعمال موجود ہیں۔ چنانچہ نبأت یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے مگر اول مفعول محذوف ہے اور مفعول ثانی مجرور بالباء ہے۔ ای نبأت به غیرها اور فلما نبأبه میں دونوں مفعول موجود ہیں اور من انبأک هذا میں بھی دونوں موجود ہیں۔ مگر جار محذوف ہے۔

اظهر ه الله علیه علی المنبأ به سے مراد حفصہ کو ماریہؓ کے حرام ہونے کی خبر ہے۔

واعرض عن بعض۔ اس سے مسئلہ خلافت بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا افشاء باعث فتنہ نہ ہو جائے۔ اس لئے اس پر عتاب ہوا۔

فقد صغت۔ فا تعلیلیہ ہے۔ ای ان تتوبا الی الله لا جل الذنب الذی صدر منکما وهو انه قد صغت۔

وذلک ذنب۔ یعنی حضور ماریہ کے حرام کرنے کو اگرچہ ناپسند فرماتے تھے۔ مگر دونوں بیویوں سے اس کو چپکے سے فرمایا۔ پس اس کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ جواب شرط کے متعلق خطیب کی رائے۔ ہے کہ محذوف میں قرینہ کی وجہ سے ای ان تتوبا کان خیرا لکما اور قلبا کما کی بجائے قلوبکما چونکہ سہل ہے اس لئے عربی مذاق کی رعایت کی گئی ہے حقیقۃً اگرچہ یہ ایک کلمہ نہیں ہے لیکن مضاف، مضاف الیہ کا جزو ہوتا ہے اس لئے اس کو حکماً ایک کلمہ کہا گیا ہے۔

تظهرا ابوعمرؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ، ابن عامر کے نزدیک یہ لفظ بغیر تشدید کے پڑھا گیا ہے۔

وجبریل۔ لعل اسم ان پر عطف بعض نحات کا مذہب ہے اور جبریل مبتداء صالح المؤمنین معطوف ہے اور ظهیر سب کی خبر ہو سکتی ہے۔

هو مولاه۔ سب کے ساتھ لگایا جائے گا۔

ظهیر۔ بروزن فعیل اس میں واحد وغیرہ یکساں ہیں۔

صالح المومنین۔ کے اضافہ میں آنحضرت ﷺ کی توقیر اور مسلمانوں کی تالیف مقصود ہے۔

عسیٰ ربه۔ لفظ اگر ترجی کے لئے ہو تو شبہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے جب طلاق نہیں دی تو یہ خبر غلط ہوگئی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ خبر شرط پر معلق تھی۔ پس نہ شرط ہوئی اور نہ خبر۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ عسیٰ تخویف کے لئے ہے۔

سئحت۔ ابن عباسؓ اس کے معنی روزہ دار کے فرماتے ہیں۔ کیونکہ سائح کہتے ہیں کہ جس کے پاس زاد نہ ہو۔ چنانچہ وہ زاد کے آنے تک رکا رہتا ہے روزہ دار کا حال بھی افطار تک رکے رہنے کا ہے۔

نصوحا۔ اکثر قراء کے نزدیک فتحہ نون کے ساتھ ہے۔ شکور کی طرح مبالغہ کے لئے ہے۔ یعنی پرخلوص دعا۔ اور ضمہ نون کے ساتھ مصدر ہے۔ دونوں متواتر قراء تیں ہیں۔ اخفش اس کے معنی صادق کے لیتے ہیں۔ روح البیان میں ہے۔ رجل صبور شکور ای بالغ فی النصح قاشانی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی طرح توبہ کے بھی مراتب ہیں۔ تقویٰ کا اول مرتبہ منکرات شرع سے بچنا اور آخری درجہ انانیت سے خالی ہو جانا ہے۔ اسی طرح توبہ کا اول درجہ گناہوں سے باز آجانا اور آخری درجہ وجود کے گناہ سے نکل جانا جو اہل تحقیق کے نزدیک سارے گناہوں کی جڑ ہے توبہ نصوح کے لئے تین شرطیں ہیں۔ فعل پر ندامت فعل کا ترک آئندہ نہ کرنے کا عزم۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ سے منقول ہے۔ التوبة النصوح ان یتوب العبد من العمل السیئ ثم لا یعود الیه ابدا اور ابن عباسؓ سے موقوف و مرفوع روایت میں بھی یہی ہے۔ ممکن ہے تیسری شرط خواص کی توبہ ہی ہوتا کہ اہلسنت کے اس مسلک کے خلاف نہ ہو کہ توبہ کے لئے ندامت اور نہ کرنے کا عزم شرط ہے۔

معتزلہ کے نزدیک توبہ کے لئے شرط ہے۔ مظالم کا رد اور آئندہ کے لئے اس گناہ کا ترک اور ندامت کا تسلسل۔ اور یہ اہلسنت کے نزدیک واجب نہیں جیسا کہ شرح مواقف میں ہے۔ اور حسنؒ کہتے ہیں کہ توبة النصوح هی ان یکون العبد نادماً علی ما مضی مجمعاً علی ان لا یعود فیه۔

ابن مسیب کہتے ہیں توبة تنصحون انفسکم عسیٰ ربکم۔ عسیٰ توقع کے لئے ہے لیکن واجب الوقوع ہے۔ کیونکہ کریم کا اطماع متیقن

ہوتا ہے۔

والذین امنوا۔ اگر اس کا عطف النبی پر ہے تو معہ پر وقف کیا جائے گا۔ اور نورھم یسعی جملہ مستانفہ ہوجائے گا یا حال ہوگا۔ یا الذین امنوا جملہ مبتدا اور نورھم الخ اس کی خبر ہے۔

اتمم لنا۔ اتمام سے مراد جنت میں جانے تک دوام ہے۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ منافقین کا نور بجھنے پر مومنین ڈر کر یہ دعا کریں گے۔

والمنافقین۔ ضرورت کے وقت منافقین کے ساتھ جہاد بالسیف کی بھی اجازت ہے۔

فخانتاھما۔ مفسرؒ نے فی الدین کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ خیانت سے زنا مراد نہیں ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ما ذنت امراۃ نبی قط چنانچہ اذ کفرتا تفسیری عبارت خانتا کی علت ہے یعنی کفر کی وجہ سے دینی خیانت کی۔

فنفخنا فیہ۔ نفخ فرج سے مراد نفخ جیب ودرع ہے۔ جیسے مفسرؒ نے اشارہ اور دوسرے حضرات نے تصریح کی ہے اور بقاعی فرج حقیقی مراد لیتے ہیں پھر تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

بخلق اللہ۔ اس کا تعلق نفخنا سے ہے بخلقنا کہنا چاہیے تھا۔

من القنتین۔ چونکہ ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں: اس لئے صلحا کا گھرانہ سمجھا جاتا تھا اور جمع مذکر لانے میں نکتہ یہ ہے کہ طاعت الٰہی میں مردوں سے کم نہیں تھیں۔

ربط آیات: ...... سورۂ طلاق کی طرح سورۂ تحریم میں بھی عورتوں سے متعلق مضامین ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں عام عورتوں کے احکام تھے اور اس میں خاص عورتوں کے۔ نیز پہلی سورت میں طلاق پر مرتب ہونے والے احکام کا بیان تھا اور اس میں ازواج مطہرات کو طلاق سے ڈرانا ہے اور جس طرح پہلی سورت کے اخیر میں اطاعت کی عام تاکید تھی۔ اسی طرح اس سورت میں ازواج کے خطاب کے بعد عام طور پر رجوع الی اللہ کی تاکید ہے۔ اس طرح دونوں سورتوں کے سب اجزاء باہم متناسب ہوگئے۔

شانِ نزول وروایات۔ مفسرؒ نے ماریہ قبطیہؓ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے تفصیلی روایت یہ ہے۔ ان النبی ﷺ کان یقسم بین نسائه فلما کان یوم حفصة استاذنت رسول اللہ ﷺ فی زیارة ابیھا فاذن لھا فلما خرجت ارسل رسول اللہ ﷺ الی جاریته ماریة القبطیه فادخلھا بیت حفصة فوقع علیھا فلما رجعت حفصة وجدت الباب مغلقا فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ ﷺ ووجهه یقطر عرقاً وحفصة تبکی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مایبکیک فقالت انما اذنت لی من اجل ذٰلک ادخلت امتک بیتی ثم وقعت علیھا فی یومی علیٰ فراشی اما رایت لی حرمة و حقا ما کنت تصنع ھذا بامراة منھن فقال رسول اللہ ﷺ الیس ھی جاریتی قد احلھا اللہ لی فھی حرام علی التمس بذلک رضاک فلا تخبری بھذا امرأة منھن فلما خرج رسول اللہ ﷺ قرعت حفصة الجدار الذی بینھا و بین عائشة فقالت الا ابشرک ان رسول اللہ ﷺ قد حرم علیه امته ماریة وان اللہ قد احنا منھا واخبرت عائشة بما رأت فلم تکتم فطلقھا رسول اللہ ﷺ بطریق الجزاء علی افشاء سترہ۔ یہاں تک تو روح البیان، خطیب وغیرہ کا بیان تھا آگے خطیب کی عبارت مختلف ہوگئی۔ اس میں یہ ہے۔ واخبرت عائشه فلم یزل نبی اللہ ﷺ حتیٰ حلف ان لا یقربھا ای الماریة۔ خطیب کی عبارت تو مفسرؒ کی موید ہے کہ ماریہ کی حرمت مراد ہے اور اسی سے رجعت کا حکم ہے۔ لیکن روح البیان کا بیان مفسر کے برعکس ہے۔ اس سے حفصہ کی حرمت ورجعت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ انه ﷺ کانت له امة یطأ فلم تزل به وحفصة وعائشة حتی حرمها فانزل الله یا ایها النبی .
لیکن تفسیرات احمدیہ میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے۔ انه علیه السلام خلا بمارية فی یوم عائشة وعلمت بذلک حفصه فقال لها اکتمی علی وقد حرمت ما رية علیٰ نفسی وابشرک ان ابا بکر وعمر یملکان بعدی امرأ تی فاخبرت به عائشة و کانتا متصا دقین منزلت فنزلت و قیل انه علیه لسلام دخل یوم علی حفصة یوم نوبتهاوکان عمر مر یضاً فذهبت لعیادة ابیهاعلی ما فی الحینی اولتاتی الطعام منه الی رسول الله ﷺ ما فی الزاهدی فطلب علیه السلام مارية القبطیة فی مکانها ولما عملت ذلک ثقل علیها فحرمها لا جلها و بشرها بخلا فة الشیخین فار ضا منا بذلک ستکمتا فلم تکتم فطلقها واعتزل نسا ء ہ و مکث تسعاو عشرین لیلة فی بیت مارية فنزل جبرئیل وقال راجعها فانها صرامة وانها لمن نساء ک فی الجنة هکذا فی الکشاف والمدارک او انه طلقها ولکن اشتکی منها هکذا فی الزاهدی وقد ذکرهو فی هذاالمقام وجوها شتیٰ وقصصاً مختلفة و حکایات طویلة۔
لیکن صحیح بخاری کی روایت اس سلسلہ میں دوسری ہے۔ عن جابر انه ﷺ کان یمکث عند زینب بنت جحش ویشرب عندها عسلا فواطئت به عائشة و حفصة فقلن له انا نشم منک ریح المغافیر فحرم العسل فنزلت یا ایها النبی ۔
امام نسائیؒ فرماتے ہیں۔ حدیث عائشة فی العسل فی غایة الجودة و حدیث مارية لم یا ت من طریق جید ۔
امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ الصحیح انها فی قصة العسل لا فی قصة مارية المروی فی غیر الصحیحین فانها لم یا ت من طریق صحیح ۔
تفسیرات احمدیہ میں اس کی تفصیل درج ہے۔ ان النبی ﷺ کان احب العسل فاذا دخل زینبؓ یوما قربته شراباً لطیفاً وا قدمته بین ایدی رسول الله ﷺ فشرب به واحسن علیه فثقلت تلک الحلة علی بعض الازواج اعنی عائشةؓ وحفصةؓ وغیرهما فحلفت بانه ان دخل علینا علیه السلام نقول له شاهدنا منک ریح المغفور فلما دخل علیه السلام قلن یارسول الله شاهدنا منک ریح المغفور فقال علیه السلام ما شربت المغفور ولکن شربت العسل فی بیت زینبؓ فقال حرمت نخلة الفرظ حرمت العسل علی نفسی فوالله لا کلُ فنزلت علی ماقالوا وقیل شراب العسل عند الحنفیة فواطات عائشة سودة و صفیة فقلن له انا نشم منک ریح المغافیر الخ صرح به فی البیضاوی بہت ممکن ہے کہ یہ سب واقعے ہوئے ہوں اور بعد میں یہ آیات نازل ہوئیں ہوں۔
فخانتا هما ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ خیانة امرأ ة نوح قولها انه مجنون وخیانة امرأ ة لوط ودلا لتها علی ضیفه۔
کلبیؒ کہتے ہیں۔ اسرتا النفاق واظهرتا الایمان۔
امرأة فرعون ۔ ابو ہریرہ سے منقول ہے۔ ان فرعون وتد لا مرا ٔته اربعة فی یدیها و رجلیها فکانوا اذا تفرقوا اظلتها الملائکة ۔ دوسری روایت ہے ، ان فر عون وتد لا امرأ ته او تاداو اوضعتها علی صدر ها رحیٰ واستقبل بها عین الشمس فر فعت رأسها الی السما ء فقالت رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنة فخرج الله بها عن بیتها فی الجنة ۔ اور سلمان کی روایت ہے ۔ کانت امرأ ة فر عون تعذب فاذا انصرفوا عنها اظلتها الملا ئکة باجنحتها و کانت تریٰ بیتها فی الجنة۔
اور حسن بن کیسان کہتے ہیں۔ رفعت الی الجنة وهی حیة تا کل و تشرب۔

﴿ تشریح ﴾ .... آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا۔ اس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا۔ پھر کئی روز یہی معمول ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کر تدبیر کی کہ آپ ﷺ وہاں شہد پینا چھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینب کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ نہیں پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینبؓ کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دلگیر ہوں گی۔ حفصہؓ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ اسی قسم کا قصہ ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جو آپ ﷺ کی حرم اور صاحبزادہ ابراہیم کی والدہ تھیں۔ اس میں بھی آپ ﷺ نے بقسم بیویوں کو مطمئن کر دیا۔ اور حفصہؓ کو منع کر دیا کہ دوسروں کے سامنے اس کا اظہار مت کرنا۔ مگر حضرت حفصہؓ نے یہ بات حضرت عائشہؓ سے ٹپک دی۔ آپ ﷺ نے حفصہؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم نے عائشہؓ سے یہ بات کیوں کہہ دی۔ حالانکہ میں نے منع کر دیا تھا اور وہ متعجب ہو کر بولیں۔ آپ ﷺ سے کس نے کہا۔ شاید عائشہؓ کی طرف خیال کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے۔

قسم کا حکم: .... تحلة ایمانکم۔ حلال اور مباح چیز کو مباح سمجھتے ہوئے اپنے اوپر پابندی عائد کر لینا کہ میں اس کام کو نہیں کروں گا تحریم حلال ہے۔ اگرچہ یہ پابندی صحیح مصلحت کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے، منع نہیں ہے۔ مگر حضور ﷺ کی رفعت کے شایان شان نہیں تھی کیونکہ اس میں بعض ازواج کی خوشنودی مزاج کی خاطر آئندہ امت کے لئے ایک اسوہ قائم ہوتا تھا۔ جو تنگی کا موجب ہوتا۔ اس لئے تنبیہ فرما دی کہ بیویوں کے ساتھ بے شک خوش اخلاقی کی ضرورت ہے مگر اس حد تک نہیں کہ ایک جائز چیز سے محروم ہو جائیں۔ خیر اس خلاف اولیٰ بات کو ہم معاف کئے دیتے ہیں۔

پہلی شریعتوں میں اس کا خلاف اولیٰ نہ ہونا آیت کل الطعام الخ پارہ لن تنالوا میں گزر چکا ہے اور تحریم حلال کے اقسام واحکام آیت لا تحرموا طیبات سورہ مائدہ میں گزر چکے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا ہوگا کہ میں اپنے اوپر شہد کو حرام کرتا ہوں۔ یا فرمایا ہوگا کہ واللہ میں شہد نہیں پیوں گا۔ بہر صورت یہ قسم ہے۔ اور چونکہ اس کا اثر تحریم ہے۔ یعنی اس سے بچنا ضروری ہے اس لئے اس کو تحریم سے تعبیر فرما دیا جس پر کفارہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غلام آزاد فرما دیا۔

آنحضرت ﷺ کی مروّت: .... عرف بعضہ واعرض عن بعض، یعنی آپ ﷺ کی غایت کرم اور اخلاق کی بات ہے کہ خلاف ورزی کرنے پر بیوی کی شکایت بھی کرنے بیٹھے تو آدھی بات کی اور آدھی کو گول کر گئے کہ شرمندگی اور خجالت زیادہ ہوگی۔ بس کچھ کہا اور کچھ نہیں کہا۔ تا کہ وہ سمجھیں کہ بس آپ کو اتنے ہی کی خبر ہوتی ہوگی تو شرمندگی کم ہوگی۔ اور بیویوں کو سنا دیا کہ وہ مجوب ہو کر تائب ہوں۔ پس جو بات اللہ و رسول نے ٹلا دی، ہم کیا جانیں؟ اسی لئے ٹلا دی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہو۔ تا کہ اور لوگ برا نہ مانیں۔ خلافت کا مضمون جو بعض روایات میں آیا ہے وہ بعض شیعہ حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس لئے خلافت بلافصل کے معاملہ میں انہیں مجوج ہونا چاہیے۔

ان تتوبا الی اللہ: .... حضرت، عائشہؓ وحفصہؓ کو فرمایا گیا کہ تمہارے دل اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کو ڈھلک گئے تھے یعنی یہ کہ دوسری بیویوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنالیں ہر ایک بیوی کی یہی تمنا تھی کہ وہ زائد از زائد حضور ﷺ کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات حاصل کر لیں۔ حب رسول اگرچہ نہایت مستحسن چیز ہے لیکن اس طور پر نہیں کہ دوسروں کے حقوق تلف ہو جائیں اور دوسروں کے دل ٹوٹیں کہ یہ چیزیں قبیح ہیں اور قبیح کا ذریعہ بھی قبیح ہوتا ہے مرد کے لئے یہ موقعہ تحمل وتدبر اور خوش اخلاقی کے اہتمام کا نازک ترین موقعہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ اس

نازک موقعہ پر بھی اسی غیر متزلزل ثبات قدمی کے ساتھ جمے رہے جس کی توقع سید الانبیاء ﷺ کی سیرت پاک سے ہوسکتی تھی۔ غرضیکہ اس لحاظ سے ازواج کو تنبیہ فرمائی گئی کہ محبت میں اعتدال ملحوظ رکھو اور بے اعتدالی سے پرہیز کرو۔

گھریلو نازک پیچیدگیاں:

.... وان تظاھرا علیہ۔ خاوند بیوی کے معاملات بعض مرتبہ ابتداء بہت معمولی نظر آتے ہیں۔ لیکن ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورتحال اختیار کرتے ہیں۔ خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے، اس لئے متنبہ فرمادیا کہ دیکھو اگر تم اس طرح کی کاروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں۔ تو یاد رکھو کہ ان سے پیغمبر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اللہ، فرشتے، نیک بندے، ایماندار لوگ جس کے رفیق کار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ ہاں تمہیں ضرر پہنچنے کا امکان ہے۔ اور بعض اسلاف نے صالح المومنین کا مصداق ابوبکرؓ، وعمرؓ کو کہا ہے۔ شاید صاحبزادیوں کی مناسبت سے ہو۔ انہیں ہی سے ہر ایک کی رفاقت حسب مراتب ہوگی۔ حق تعالیٰ کی رفاقت تو حقیقی ہے اور جبریل کی رفاقت واسطۂ فیض ہونے کی وجہ سے اور فرشتوں کی رفاقت سکینہ نازل کرنے کے اعتبار سے ہے اور مومنین کی رفاقت تابع ہونے کے لحاظ سے۔

عسیٰ ربہ ان طلقکن۔ یعنی یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر مردوں کو بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے اور تم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں۔ اس لئے مجبوراً ہماری باتیں سہی جائیں گی۔ یاد رکھو کہ اللہ چاہے تو پیغمبر کے لئے تم سے بہتر بیویاں پیدا کردے۔ اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔ ثیبات کا ذکر اس لئے ہے کہ بعض مرتبہ بعض مصالح کے لحاظ سے ان کو غیر شادی شدہ پر ترجیح دی جاتی ہے اور خیرا منکن سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالفعل ازواج سے بہتر کچھ عورتیں نہیں، ہاں اگر تبدیلی کی نوبت آتی تو اللہ تعالیٰ بہتر بیویاں دے سکتا تھا۔

یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم ۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کو دین کی راہ پر لائے سمجھا کر ڈرا کر، پیار سے مار سے، جس طرح سے ہوسکے۔ دیندار بنائے اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کمبختی ہے۔ یہ بے قصور ہے۔

ملائکۃ غلاظ۔ یعنی جہنم پر ایسے فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ نہ کسی پر رحم کھا کر چھوڑیں اور نہ کوئی ان کی زبردست گرفت سے چھوٹ کر بھاگ سکے۔ وہ نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور نہ سستی اور نہ ہی وہ اس کی تعمیل سے عاجز ہیں۔

نادر تحقیق:

.... توبۃ نصوحا۔ صدق دلی سے توبہ یہ ہے کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے اگر توبہ کے بعد اپنی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ گناہ چھوڑنے کے پختہ ارادے میں تحقیق یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنے کا ارادہ نہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن دل میں اگر گناہ خطور کرے تو قدرت ہوتے ہوئے پھر گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ بھی ضروری ہے۔ البتہ اگر قدرت نہ ہو تب بھی یہ ارادہ ضروری ہے کہ اگر قدرت ہوگی تب بھی گناہ نہیں کروں گا۔ اور دوزخ سے بچنے میں صرف توبہ کا ذکر اس لئے ہے کہ معصوم کے علاوہ کون ہے جس سے گناہ سرزد نہ ہو، اس لئے توبہ کی حاجت زیادہ عام ہوئی۔ اور چونکہ طاعت نہ کرنا معصیت ہے اور توبہ میں ترک معصیت ضروری ہے پس اس عموم میں فعل طاعت بھی آگیا۔ اس طرح یہ حکم طاعت بجالانے اور گناہ سے بچے رہنے کو کا عام ہوگیا۔

والذین امنوا ۔ یعنی نبی کا کہنا ہی کیا۔ اللہ ان کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہیں کرے گا بلکہ اعزاز واکرام سے نوازا گیا۔ یہاں صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانا ہے پیغمبر کا ذکر یقین کی تقویت کے لئے ہے۔ نبی جیسے نبی کا رسوا نہ ہونا یقینی ہے ایسا ہی مسلمانوں کی رسوائی نہ ہونا بھی یقینی ہے اور رسوائی سے خاص کفر کی رسوائی مراد ہے۔ آیت ان الخزی الیوم والسوء علی الکافرین کی رو سے۔ اسی طرح مومنین سے مطلق مومن مراد ہے اور یہ عام رسوائی قیامت میں ہوگی۔ اس لئے قیامت کی تخصیص کردی۔

ربنا اتمم ۔ قیامت میں ہر مومن کو کچھ نہ کچھ نور عطا ہوگا۔ منافقین کا نور جب گل ہونے لگے گا تب مومنین یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ نور ایمان

اخیر تک رکھئے۔ یا یہ معنی ہیں کہ نور ایمان دل میں ہے۔ دل بڑھے تو سارے بدن میں سرایت کرے اور گوشت پوست میں رچ جائے۔ اور یہ اتمام نور سب مومنین کے لئے عام ہے اور اس سے گنہ گار مسلمانوں کا دوزخ میں نہ جانا لازم نہیں آتا کیونکہ نور ایمان کے رہتے ہوئے بھی گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جانا ممکن ہے۔ رہا یہ شبہ کہ پھر نور باقی رہنے یا گل نہ ہونے سے کیا فائدہ؟ سو اول تو حکم ہے۔ کہ وہ نور اصل میں ان کے ایمان کی صورت مثالیہ ہو اور اس کا نور باقی رہنا جو ایمان کے لوازم میں سے ہے اور لوازم میں غایت کا سوال ہی زائد ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس نور سے انسیت ہونا بھی اس کی غایت ہے۔ یعنی کفار کی طرح گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں وحشت نہیں ہوگی۔

آیت یا ایھا الذین سے کفار کا مبغوض ہونا معلوم ہوا اس لئے حضور ﷺ کو بطور تفریح کے ارشاد ہے اور ان کے جہنمی ہونے کی اطلاع بھی ہے کہ کفار و منافقین سے سختی سے نبٹئے۔ گویا حضور ﷺ کی نرم خوئی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اوروں کو فرماتا ہے کہ تحمل کرو اور آپ ﷺ کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔ ہمارے پاس جب یہ آئیں گے تو ہمارے یہاں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی۔

انسان کا اپنا عمل اصل چیز ہے اور نسبتاً بعد کی چیز ہے:......... اوپر کی آیت قوا انفسکم و اھلیکم سے دو باتیں معلوم ہوئی تھیں، ایک گھر والے پر گھر والوں کی اصلاح کی ذمہ داری جو دلالت مطابقی کے طور پر ہے۔ دوسرے گھر والے کی خود اپنی اصلاح جو دلالت التزامی سے معلوم ہوئی۔ جو اگر چہ قوا انفسکم و اھلیکم کے عموم میں دلالت مطابقی کے طور بھی داخل ہو سکتی ہے۔ پس اس دوسری صورت کے واجب ہونے پر جس کا زیادہ مصداق عورتیں ہوتی ہیں۔ دو وسوسے ہو سکتے تھے ایک وسوسہ صلحاء کے متعلقین کو ہو سکتا تھا کہ اگر ہم صلحا نہ بھی ہوں تب بھی ان صالحین کے انتساب میں ہمارے لئے فلاح آخرت ہے۔ اسی طرح دوسرا وسوسہ غیر صلحاء کے متعلقین کو ہو سکتا تھا کہ اگر ہم نیک بھی ہو جا ئیں تب بھی ان غیر صلحاء کی شامت میں پھنسنا پڑے گا۔ اور ایک تیسرا شبہ کنواری یا بیوہ عورتوں کو بھی ہو سکتا ہے جو سر دست کسی صالح یا غیر صالح سے وابستہ نہیں ہیں۔ وہ یہ کہ شاید عورتوں کی کامل اصلاح مردوں کی اصلاح پر موقوف ہوگی۔ جب ہی تو مردوں کو اصلاح کا حکم ہوا ہے۔ ان شبہات کے رفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اجمالاً عورتوں کے چند قصے فرما دیئے ہیں۔

نوح ولوط کی بیویوں کے قصے تو پہلا شبہ دور ہو گیا۔ اور فرعون کی بیوی کے قصہ سے دوسرا وسوسہ دور ہو گیا اور حضرت مریم کے قصہ سے تیسرا وسوسہ رفع ہو گیا اور چونکہ پہلے وسوسہ میں زیادہ ابتلاء ہے۔ اس لئے اس کے دوہرے قصے بیان فرما دیئے۔ اور تیسرے وسوسہ میں مردوں کو خطاب کرنا تسہیل صلاح کے لئے ہے۔ یہ نہیں کہ صلاح کا توقف اصلاح پر ہے کہ اگر اصلاح ہوگی تو صلاح حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔

اچھی بری عورتیں اپنے اعمال پر نظر رکھیں:......... امرأت نوح و امرأت لوط۔ حضرت لوط اور نوح کیسے نیک بندے ہیں مگر دونوں کے گھروں میں بیویاں منافق تھیں۔ بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا۔ مگر دل سے کافروں کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا۔ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا۔ پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا۔ ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ پکی ایماندار، ان کا شوہر پکا باغی۔ مگر وہ بیوی خاوند کو خدا کے عذاب سے نہ بچا سکی اور نہ ہی خاوند کی شرارت وخباثت کے جرم میں بیوی کو کچھ آنچ آ سکی۔ یہ وہم نہ کیا جائے نوح ولوط کے بیویوں کے قصے ازواج مطہرات کے لئے سنائے۔ کیونکہ ان کے لئے تو سورۂ نور میں الطیبات للطیبین کہا جا چکا ہے اور اگر ایسا وہم کیا جائے۔ تو فرعون کی بیوی کی مثال معاذ اللہ کس پر چسپاں کی جائے گی۔

امرأۃ فرعون۔ حضرت موسیٰ کی انہوں نے پرورش کی تھی اور ان کی مددگار تھیں اور ان کی معتقد تھیں بعد میں جب فرعون کو یہ حال کھلا تو انہیں سخت اذیتوں میں مبتلا کیا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ حتیٰ کہ جان شیریں جان آفرین کے سپرد کر دی۔ حدیث میں ان کے ولی کامل ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔ اللہ نے بھی ان کے ساتھ مریم کا ذکر کیا ہے۔ فنفخنا فیھا۔ نفخ جبریلی جس کی برکت سے استقرار حمل ہوا حق تعالیٰ نے اپنی

طرف منسوب فرمایا کہ فاعل حقیقی اور موثر بالذات وہی ہیں۔ آخر ہر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کے سوا کون ہے؟ بعض مفسرین نے فروج کے معنی چاک گریباں کے لئے ہیں۔ یہ نہایت بلیغ کنایہ ہے۔ ان کی عفت و پاکدامنی سے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے گریبان تک بھی کسی کا ہاتھ پہنچنے نہیں دیا۔ عرب بولتے ہیں۔ فلان نقي الجيب ، طاهر الذيل۔ اردو میں بھی پاکدامنی کا لفظ عفت سے کنایہ ہوتا ہے اور دامن کی پاکی ناپاکی سے بحث نہیں ہوتی۔

لطائف سلوک:........ يا ايها النبي لم تحرم ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کی اتنی رعایت نہ کرو کہ اپنا دنیاوی نقصان ہونے لگے کہ اس سے دوسرے کے اخلاق بھی خراب ہوتے ہیں۔

اعرض عن بعض ۔ اہل اللہ کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے کہ دوسروں کو زیادہ خجل نہیں کرتے۔

توبوا الی اللہ ۔ توبہ خالص کے وجوب پر نص ہے۔

امرأۃ نوح ۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض صلحاء کے انتساب پر ناز نہ کرے جب تک اپنے پاس طاعت نہ ہو۔

پارہ نمبر ۲۹

تَبٰرَكَ الَّذِیْ

فہرست پارہ ﴿تبٰرک الذی﴾

تَبٰـرَكَ الَّـذِىْ

سُـوْرَةُ الْمُـلْكِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثُوْنَ اٰيَةً

بِسْـمِ اللّٰهِ الـرَّحْمٰنِ الرَّحِيْـمِ ٥

تَبٰرَكَ تَنَزَّهَ عَنْ صِفَاتِ الْمُحْدَثِيْنَ **الَّذِىْ بِيَدِهِ** فِىْ تَصَرُّفِهٖ **الْمُلْكُ** السُّلْطَانُ وَالْقُدْرَةُ **وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ﴿۱﴾ اِلَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ** فِى الدُّنْيَا **وَالْحَيٰوةَ** فِى الْاٰخِرَةِ اَوْ هُمَا فِى الدُّنْيَا فَالنُّطْفَةُ تَعْرِضُ لَهَا الْحَيٰوةُ وَهِىَ مَابِهِ الْاِحْسَاسُ وَالْمَوْتُ ضِدُّهَا اَوْعَدَمُهَا قَوْلَانِ وَالْخَلْقُ عَلَى الثَّانِىْ بِمَعْنَى التَّقْدِيْرِ **لِيَبْلُوَكُمْ** لِيَخْتَبِرَكُمْ فِى الْحَيٰوةِ **اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** اَطْوَعُ لِلّٰهِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِىْ اِنْتِقَامِهٖ مِمَّنْ عَصَاهُ **الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾** لِمَنْ تَابَ اِلَيْهِ **الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا** بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنْ غَيْرِمَمَاسَّةٍ **مَاتَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ** لَهُنَّ وَلَا لِغَيْرِهِنَّ **مِنْ تَفٰوُتٍ** تَبَايُنٍ وَعَدَمِ تَنَاسُبٍ **فَارْجِعِ الْبَصَرَ** اَعِدْهُ اِلَى السَّمَاءِ **هَلْ تَرٰى فِيْهَا مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾** صُدُوْعٍ وَشُقُوْقٍ **ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ** كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ **يَنْقَلِبْ** يَرْجِعْ **اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا** ذَلِيْلًا لِعَدَمِ اِدْرَاكِ خَلَلٍ **وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾** مُنْقَطِعٌ عَنْ رُؤْيَةِ خَلَلٍ **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا** الْقُرْبٰى اِلَى الْاَرْضِ **بِمَصَابِيْحَ** بِنُجُوْمٍ **وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا** مَرَاجِمَ **لِّلشَّيٰطِيْنِ** اِذَا اسْتَرَقُوا السَّمْعَ بِاَنْ يَّنْفَصِلَ شِهَابٌ عَنِ الْكَوْكَبِ كَالْقَبَسِ يُؤْخَذُ مِنَ النَّارِ فَيَقْتُلُ الْجِنِّىَّ اَوْ يُخبِلُهٗ لَا اَنَّ الْكَوْكَبَ يَزُوْلُ عَنْ مَكَانِهٖ **وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾** النَّارِ الْمُوْقَدَةِ **وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾** هِىَ **اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا** صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الْحِمَارِ **وَّهِىَ تَفُوْرُ ﴿۷﴾** تَغْلِىْ **تَكَادُ تَمَيَّزُ** وَقُرِئَ تَتَمَيَّزُ عَلَى الْاَصْلِ تَنْقَطِعُ **مِنَ الْغَيْظِ** غَضَبًا عَلَى الْكُفَّارِ **كُلَّمَآ اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ** جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ **سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ** سُؤَالُ تَوْبِيْخٍ **اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿۸﴾** رَسُوْلٌ يُنْذِرُكُمْ

عَذابَ اللّٰہِ تعالیٰ **قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَ نَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ** ما **اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ ﴿۹﴾** یَحتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ مِنْ کَلامِ الْمَلائِکَۃِ لِلْکُفَّارِ حِیْنَ اَخبَرُوْا بِالتَّکْذِیْبِ وَاَنْ یَکُوْنَ مِنْ کَلامِ الْکُفَّارِ لِلنُّذُرِ **وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ** اَیْ سِمَاعَ تَفَھُّمٍ **اَوْ نَعْقِلُ** اَیْ عَقْلَ تَفَکُّرٍ **مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوْا** حَیْثُ لا یَنفَعُ الاِعتِرافُ **بِذَنْبِہِمْ** وَھُوَ تکذِیبُ النُّذُرِ **فَسُحْقًا** بِسُکُوْنِ الحاءِ وَضَمِّھَا **لِاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۱﴾** فَبُعدًا لَھُم عَنْ رَحمَۃِ اللّٰہِ تعالیٰ **اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّہُمْ** یَخافُوْنَہٗ **بِالْغَیْبِ** فِیْ غَیْبَۃٍ عَنْ اَعْیُنِ النَّاسِ فَیُطِیْعُوْنَہٗ سِرًّا فَیَکُوْنُ عَلانِیَۃً اَوْلٰی **لَہُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾** اَیِ الجَنَّۃُ **وَاَسِرُّوْا** اَیُّھَا النَّاسُ **قَوْلَکُمْ اَوِ اجْہَرُوْا بِہٖ اِنَّہٗ** تَعالیٰ **عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾** بِمَا فِیْھَا فَکَیْفَ بِمَا نَطَقْتُمْ بِہٖ وَسَبَبُ نُزُوْلِ ذٰلِکَ اَنَّ الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ اَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ لا یَسْمَعْکُمْ اِلٰہُ مُحَمَّدٍ **اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ** مَا تُسِرُّوْنَ اَیْ اَیَنْتَفِیْ عِلْمُہٗ بِذٰلِکَ **وَہُوَ اللَّطِیْفُ** فِیْ عِلْمِہٖ **الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾** فِیْہِ لا **ہُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا** سَھْلَۃً لِلْمَشْیِ فِیْھَا **فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِہَا** جَوانِبِھَا **وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ** الْمَخلُوْقِ لِاَجْلِکُمْ **وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾** مِنَ الْقُبُوْرِ لِلْجَزاءِ **ءَاَمِنْتُمْ** بِتَحْقِیْقِ الْھَمْزَتَیْنِ وَتَسْھِیْلِ الثَّانِیَۃِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَھَا وَبَیْنَ الْاُخرٰی وَتَرْکِھَا وَاِبْدالِھَا اَلِفًا **مَّنْ فِی السَّمَآءِ** سُلْطَانُہٗ وَقُدْرَتُہٗ **اَنْ یَّخْسِفَ** بَدَلٌ مِنْ مَنْ **بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾** تَتَحَرَّکُ بِکُمْ وَتَرْتَفِعُ فَوقَکُمْ **اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ** بَدَلٌ مِنْ مَنْ **عَلَیْکُمْ حَاصِبًا** رِیْحًا تَرْمِیْکُمْ بِالْحَصْبَاءِ **فَسَتَعْلَمُوْنَ** عِنْدَ مُعَایَنَۃِ الْعَذَابِ **کَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾** اِنْذَارِیْ بِالْعَذَابِ اَیْ اَنَّہٗ حَقٌّ **وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ** مِنَ الْاُمَمِ **فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ ﴿۱۸﴾** اِنْکَارِیْ عَلَیْھِمْ بِالتَّکْذِیْبِ عِنْدَ اِھْلاکِھِمْ اَیْ اَنَّہٗ حَقٌّ **اَوَلَمْ یَرَوْا** یَنْظُرُوْا **اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَہُمْ** فِی الْھَوَاءِ **صٰٓفّٰتٍ** بَاسِطَاتٍ اَجْنِحَتَھُنَّ **وَّیَقْبِضْنَ** اَجْنِحَتَھُنَّ بَعْدَ الْبَسْطِ وَقَابِضَاتٍ **مَا یُمْسِکُہُنَّ** عَنِ الْوُقُوْعِ فِیْ حَالِ الْبَسْطِ وَالْقَبْضِ **اِلَّا الرَّحْمٰنُ** بِقُدْرَتِہٖ **اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾** الْمَعْنٰی لَمْ یَسْتَدِلُّوْا بِثُبُوْتِ الطَّیْرِ فِی الْھَوَاءِ عَلٰی قُدْرَتِنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِھِمْ مَاتَقَدَّمَ وَغَیْرَہٗ مِنَ الْعَذَابِ **اَمَّنْ** مُبْتَدأٌ **ہٰذَا** خَبَرُہٗ **الَّذِیْ** بَدَلٌ مِنْ ھٰذَا **ہُوَ جُنْدٌ** اَعْوَانٌ **لَّکُمْ** صِلَۃُ الَّذِیْ **یَنْصُرُکُمْ** صِفَۃُ جُنْدٍ **مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ** اَیْ غَیْرِہٖ یَدْفَعُ عَنْکُمْ عَذَابَہٗ اَیْ لَا نَاصِرَ لَکُمْ **اِنِ** مَا **الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾** غَرَّھُمُ الشَّیْطَانُ بِاَنَّ الْعَذَابَ لَا یَنْزِلُ بِھِمْ **اَمَّنْ ہٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ** الرَّحْمٰنُ **رِزْقَہٗ** اَیِ الْمَطَرَ عَنْکُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَیْہِ مَا قَبْلَہٗ اَیْ فَمَنْ یَّرْزُقُکُمْ اَیْ لَا رَازِقَ لَکُمْ غَیْرُہٗ **بَلْ لَّجُّوْا** تَمَادَوْا **فِیْ عُتُوٍّ** تَکَبُّرٍ **وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾** تَبَاعُدٍ عَنِ

الحقّ **اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا** وَاقِعًا **عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا** مُعْتَدِلًا **عَلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ﴿۲۲﴾** وَخَبَرُ مِنَ الثَّانِيَةِ مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَيْهِ خَبَرُ الْاُوْلٰى اَىْ اَهْدٰى وَالْمَثَلُ فِى الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ اَىْ اَيُّهُمَا عَلٰى هُدًى **قُلْ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَكُمْ** خَلَقَكُمْ **وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ** اَلْقُلُوْبَ **قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴿۲۳﴾** مَا مَزِيْدَةٌ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ مُخْبِرَةٌ بِقِلَّةِ شُكْرِهِمْ جِدًّا عَلٰى هٰذِهِ النِّعَمِ **قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ** خَلَقَكُمْ **فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴿۲۴﴾** لِلْحِسَابِ **وَيَقُوْلُوْنَ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** وَعْدُ الْحَشْرِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۲۵﴾** فِيْهِ **قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ** بِمَجِيْئِهٖ **عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴿۲۶﴾** بَيِّنُ الْاِنْذَارِ **فَلَمَّا رَاَوْهُ** اَىِ الْعَذَابَ بَعْدَ الْحَشْرِ **زُلْفَةً** قَرِيْبًا **سِيْٓئَتْ** اِسْوَدَّتْ **وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ** اَىْ قَالَ الْخَزَنَةُ لَهُمْ **هٰذَا** اَىِ الْعَذَابُ **الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ** بِاِنْذَارِهٖ **تَدَّعُوْنَ﴿۲۷﴾** اِنَّكُمْ لَا تُبْعَثُوْنَ وَهٰذِهٖ حِكَايَةُ حَالٍ تَاْتِىْ عُبِّرَ عَنْهَا بِطَرِيْقِ الْمُضِيِّ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهَا **قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِىَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِىَ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِعَذَابِهٖ كَمَا تَقْصِدُوْنَ **اَوْ رَحِمَنَا** فَلَمْ يُعَذِّبْنَا **فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴿۲۸﴾** اَىْ لَا مُجِيْرَ لَهُمْ مِنْهُ **قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ **مَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۲۹﴾** بَيِّنٍ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ اَمْ هُمْ **قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا** غَائِرًا فِى الْاَرْضِ **فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴿۳۰﴾** جَارٍ تَنَالُهُ الْاَيْدِىْ وَالدِّلَاءُ كَمَائِكُمْ اَىْ لَا يَاْتِىْ بِهٖ اِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَ اَنْ يَّبْعَثَكُمْ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يَّقُوْلَ الْقَارِئُ عَقِيْبَ مُعِيْنٍ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ كَمَا وَرَدَ فِى الْحَدِيْثِ وَتُلِيَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَجَبِّرِيْنَ فَقَالَ تَاْتِىْ بِهِ الْفُؤُوْسُ وَالْمَعَاوِلُ فَذَهَبَ مَاءُ عَيْنِهٖ وَعَمِىَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجُرْاَةِ عَلَى اللّٰهِ وَعَلٰى اٰيَاتِهٖ

ع ۲

سورۂ ملک مکیہ ہے جس میں تیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... وہ بڑا عالی شان ہے (مخلوق کی صفات سے پاک) جس کے قبضہ (تصرف) میں تمام ملک (سلطنت وقدرت) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت کو (دنیا میں) اور حیات کو پیدا کیا ہے (آخرت میں) یا موت وحیات دونوں دنیا میں پیدا کیں۔ چنانچہ نطفہ میں جان آتی ہے جس کے ذریعہ احساس ہوتا ہے اور موت، حیات کی ضد کا نام ہے یا اس کے عدم کا؟ اس میں دونوں قول ہیں۔ دوسری صورت میں خلق کے معنی تقدیر کے ہوں گے) تاکہ (دنیا میں) تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا (اللہ کا بہت فرمانبردار) ہے اور وہ (نافرمانوں سے انتقام لینے میں) زبردست (توبہ کرنے والوں) کو بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے (جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہیں) تو اللہ کی صنعت میں (آسمانوں اور دوسری چیزوں کی

بناوٹ میں) کوئی خلل (فرق اور بے تکا پن) نہیں دیکھے گا، سوتو پھر نگاہ ڈال کر (دوبارہ آسمانوں کو) دیکھ لے، کہیں تجھ کو (اس میں) کوئی خلل (پھٹن، شگاف) نظر آتا ہے؟ پھر بار بار (یکے بعد دیگرے) نگاہ ڈال کر دیکھ، نگاہ ذلیل ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی (کوئی خلل دکھائی نہ پڑنے کی وجہ سے) درماندہ بن کر (خلل نظر نہ آنے کی وجہ سے تھک کر) اور ہم نے (زمین سے) قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے (جس وقت سے وہ چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں تو ستارہ سے انگارہ کی طرح کا ایک ٹکڑا ابھرتا ہے اور وہ اس جن کو بھسم کر ڈالتا ہے یا اسے بدحواس بنا ڈالتا ہے یہ نہیں کہ ستارہ ٹوٹتا ہو) اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دہکتی آگ ہے) اور جو اپنے پروردگار کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ جب (یہ) لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑی زور کی آوازیں سنیں گے (جو گدھے کی آواز کی طرح کی دھاڑ ہوگی) اور وہ جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ پھٹ پڑے گی (ایک قرأت میں تتمیز اصلی حالت میں ہے۔ یعنی ٹکڑے ہو جائے گی) مارے غصہ کے (کفار پر) جب اس میں (ان کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اس سے (ڈانٹتے ہوئے) پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا (جو تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا) وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا مگر ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا تم بڑی غلطی میں پڑے ہو (ممکن ہے یہ اخیر جملہ فرشتوں نے کفار سے کہا ہو۔ جب کہ کافروں نے ان کو اپنے جھٹلانے کی خبر دی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار ہی کے کلام کا حصہ ہو جو انہوں نے پیغمبروں سے کیا) اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے (غور سے) یا سمجھتے (فکر و تامل کرتے) تو ہم اہل دوزخ نہ ہوتے۔ غرض اقرار کریں گے (مگر جب کہ اقرار سے کچھ فائدہ نہ ہوگا) اپنے جرم (پیغمبروں کو جھٹلانے) کا، سو لعنت ہو (سکون حا اور ضمہ حا کے ساتھ ہے) دوزخیوں پر (خدا کی مار ہو) بلاشبہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بے دیکھے (لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر بس مخفی طور پر اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں تو اعلانیہ اطاعت تو بدرجہ اولیٰ کرتے ہوں گے) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (جنت) ہے اور (لوگو) تم چھپا کر بات کرو، یا پکار کر کہو، وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے (سو تمہاری بات چیت سے وہ کیسے آگاہ نہیں ہوگا۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے ایک دوسرے سے یہ کہا تھا کہ آہستہ آہستہ باتیں کرو کہیں محمد کا خدا نہ سن لے) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے (تمہاری پوشیدہ باتیں یعنی کیا اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیز کی خبر نہیں ہے) اور وہ باریک بین ہے (بلحاظ علم کے) باخبر ہے (ایسی بات نہیں ہے) وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا (چلنے کے قابل نرم بنا دیا) سو اس کے راستوں (اطراف) میں چلو پھرو اور اس کی روزی میں سے (جو اس نے تمہاری خاطر پیدا فرمائی) کھاؤ پیو اور اس کے پاس (قبروں سے اٹھ کر جزا کے لئے) دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے اور دونوں کے ہمزہ کے درمیان الف کے ساتھ اور بغیر الف کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر ہے) اس ذات سے جو آسمان میں ہے (اس کی سلطنت وقدرت) کہ وہ تمہیں رہنے دے (من سے بدل ہے) زمین میں پھر وہ زمین تھرتھرانے لگے (ڈانواڈول ہو کر تمہارے اوپر آ جائے) یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم پر چلا دے (من سے بدل ہے) ہوائے تند (جس میں پتھریاں اڑ کر تمہیں لگیں) سو عنقریب (عذاب آنے پر) تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا (عذاب کے سلسلہ میں یعنی برحق تھا) اور ان سے پہلے (امتوں کے) جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا۔ سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ (تباہ کر کے جھٹلانے کا مزہ چکھا دیا یعنی عذاب برحق نکلا) کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے اوپر (ہوا میں) پر پھیلائے ہوئے (بازو کھولے ہوئے) ہیں اور سمیٹ لیتے ہیں (اپنے پر پھیلانے کے بعد، یقبضن بمعنی قابضات ہے) ان کے پروں کے پھیلانے اور سمیٹنے کے وقت) کوئی تھامے ہوئے نہیں بجز

رحمان (کی قدرت) کے بے شک وہ ہر چیز دیکھ رہا ہے (مطلب یہ ہے کہ کافر پرندوں کو ہوا میں دیکھ کر ہماری قدرت نہیں سمجھتے کہ ہماری پہلی کارروائی کر کے اور دوسرے طریقوں سے انہیں عذاب دے سکتے ہیں) ہاں کون ہے؟ (مبتداء) وہ (خبر) جو (ھذا سے بدل ہے) تمہارا لشکر (مددگار بن کر لکم الذی کا صلہ ہے) تمہاری حفاظت کرے (جند کی صفت ہے) ارحمٰن کے سوا (یعنی اس کے علاوہ کون اس کے عذاب کو تم سے دور کر سکتا ہے یعنی کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے) کافر تو نرے دھوکہ میں ہیں (شیطان نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ ان پر عذاب نہیں آئے گا) ہاں! وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچادے؟ اگر (رحمٰن) اپنی روزی بند کر دے (یعنی بارش روک لے۔ جواب شرط محذوف ہے، جس پر پہلا کلام دلالت کر رہا ہے۔ یعنی فمن یرزقکم حاصل یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی روزی رساں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جمے ہوئے (حد سے بڑھے ہوئے) ہیں۔ سرکشی (تکبر) اور نفرت (حق سے دوری) پر۔ سو کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہے یا وہ شخص جو سیدھا (میانہ روی کے ساتھ) ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو (دوسرے مـن کی خبر محذوف ہے جس پر چل کر مـن کی خبر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی اھـدیٰ اور یہ مثال مومن و کافر کی ہے کہ ان میں سے کون ہدایت پر ہے) آپ کہہ دیجئے کہ وہی ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (ما زائد ہے اور جملہ مستانفہ ہے، ان نعمتوں پر ان کا بہت کم شکر ادا کرنے کی اطلاع دینے کے لئے ہے) آپ کہئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس (حساب کے لئے) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا۔ اگر تم سچے ہو (اس میں) آپ کہئے کہ اس کے (آنے کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں پھر جب اس عذاب کو (حشر کے بعد) آتا ہوا (نزدیک) دیکھیں گے تو کافروں کے منہ بگڑ (کالے ہو) جائیں گے اور کہا جائے گا (داروغہ جہنم کی زبانی) یہی (عذاب) ہے وہ جس کو تم (ڈرانے کے وقت) کہا کرتے تھے (کہ تمہارا حشر نہیں ہوگا اور یہ آئندہ کے حال کی حکایت ہے۔ جس کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے یقینی ہونے کی وجہ سے آپ کہئے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے (مومنین کو عذاب کے ذریعہ جو تمہارا مقصد ہے) یا ہم پر رحم فرمادے (ہمیں عذاب نہ دے۔ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا (کوئی نہیں بچا سکتا) آپ کہئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اسی پر توکل کرتے ہیں سو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (تاء اور یاء کے ساتھ ہے عذاب آنے پر) کہ کون صریح گمراہی میں ہے (ہم یا تم یا وہ) آپ کہئے اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (زمین میں) نیچے کو غائب ہی ہو جائے، سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (جس تک ہاتھ اور ڈول پہنچ جائیں جیسا کہ عام طور پر پانی میں ہوتا ہے یعنی بجز اللہ کے کوئی نہیں لا سکتا۔ پھر کیسے قیامت میں اٹھنے کا انکار کر رہے ہو۔ قاری کے لئے مستحب ہے کہ معین پر پہنچنے کے بعد جواب میں اللہ رب العالمین کہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ یہ آیت ایک متکبر کے سامنے پڑھی گئی تو جواب میں کہنے لگا ہم پھاوڑوں اور کدالوں سے پانی نکال لائیں گے۔ چنانچہ فوراً اس کی آنکھ کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا خدا کی پناہ۔ اللہ اور اس کی آیات کے مقابلہ میں ایسی جرأت۔

تحقیق وترکیب:............ سورۃ الملک۔ اس سورۃ کا نام واقیہ اور منجیہ بھی ہے اور تورات میں اس کا نام مانعہ بھی آیا ہے۔ ابن شہابؒ اس کو مجادلہ کہا کرتے تھے۔

الـمـوت والـحـيـات. اہلسنت کے نزدیک یہ دونوں صفتیں علم وقدرت کے علاوہ ہیں اور حرارت وبرودت کی طرح دونوں وجودی ہیں۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ذات سے زائد ہوتی ہیں۔ ابن عباسؓ کلبیؒ مقاتلؒ فرماتے ہیں۔ ان الموت والحیات جسمان۔ البتہ معتزلہ کے نزدیک موت عدمی ہے۔ خواہ عدم سابق ہے یا عدم لاحق۔ پہلی صورت میں تقابل تضاد ہوگا اور دوسری صورت

میں تقابل عدم ملکہ نیز پہلی صورت میں خلق اپنے معنی میں رہے گا۔ لیکن دوسری صورت میں بمعنی قدر ہوگا۔ یعنی ارادۂ الٰہی کا تعلق جو موجودات اور معدومات دونوں سے ہوسکتا ہے۔

لیبلوکم. یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معلومات متجدد ہونے کی وجہ سے علمِ الٰہی کا تجدد لازم آتا ہے کیونکہ یہاں یہ مراد ہے کہ اللہ ایسا معاملہ کرتا ہے جیسے آزمائش کرنے والا کیا کرتا ہے۔

ایکم احسن عملا. **ایکم** مبتداء اور **احسن** خبر اور **عملا** تمیز ہے اور جملہ محل نصب میں **یبلوکم** کا مفعول ثانی ہے ابوالسعودؒ کہتے ہیں کہ تعلیق عمل اگر چہ افعال قلوب کا خاصہ ہے۔ لیکن **بلی** میں چونکہ انجام کا علم ہوتا ہے اس لئے بطور تمثیل یا استعارہ تبعیہ اس کو بھی افعال قلوب کے قائم مقام کرلیا جاتا ہے۔

سبع سمٰوات. کہا جاتا ہے کہ پہلا آسمان لپٹی ہوئی موج ہے اور دوسرا اسفید مرمر کا اور تیسرا لوہے کا اور چوتھا پیتل کا اور پانچواں چاندی کا اور چھٹا سونے کا اور ساتواں سرخ یاقوت کا ہے۔

طباقاً. **طبقه** کی جمع ہے جیسے رحبة کی جمع رحاب آتی ہے۔ یا **طبق** کی جمع ہے۔ جیسے: **جمل** اور **حبل** کی جمع **جمال** اور **حبال** آتی ہے یا مصدر ہے بطور مبالغہ **سمٰوات** کی صفت ہے یا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ **طابق النعل بالنعل** سے ماخوذ ہے۔ بقاعیؒ کہتے ہیں کہ آسمان کا ہر جز دوسرے جز کے مطابق ہے، کوئی جز خارج نہیں ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ زمین کو کروی مانا جائے اور آسمان و نیا زمین کے لئے محیط ہے۔ جس طرح انڈے کا چھلکا اپنی سفیدی اور زردی کے لئے محیط ہوتا ہے، بقیہ تمام آسمان بھی اسی طرح ایک دوسرے پر محیط ہیں اور عرش وکرسی ان پر محیط ہیں۔ ساتواں آسمان اس کے سامنے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسے ایک چھلہ میدان میں پڑا ہو، اہل ہیئت بھی یہی کہتے ہیں اور ظاہر شرع بھی اس کے موافق ہیں۔ **واللہ اعلم بحقیقة الحال.**

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کے درمیان فاصلے ہیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے چپکے ہوئے نہیں جو فلاسفہ کا نظریہ ہے۔

ماتریٰ. مفسرؒ نے **لھن** سے جملہ مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قاضی بیضاویؒ اس کو **سبع سموات** کی صفت مان رہے ہیں۔

فارجع البصر. یعنی بار بار کی نظر سے بھی کوئی عیب نظر نہیں آئے گا یہ جملہ **ماتریٰ** پر مرتب ہے۔

کرتین. **مرتین** کے معنی میں ہے۔ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے تثنیہ مراد نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے۔ جیسے **لبیک وسعدیک وحنانیک وھذا ذیک** میں کثرت مقصود ہوتی ہے۔ ورنہ تثنیہ حقیقی لینے کی صورت میں **ینقلب الیک البصر** سے تعارض ہوجائے گا۔ لیکن ابن عطیہؒ اس کے معنی **مرتین** کے لیتے ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ پہلی نظر تو آسمان کی زیبائش وآرائش دیکھنے کے لئے اور دوسری نظر ستاروں کی چال وگردش دیکھنے کے لئے ہے۔

من فطور. زمخشریؒ کہتے ہیں کہ فطر کی جمع ہے **فطره فانفطر** بمعنی شق۔

حسیر. بمعنی کلیل۔ فعیل بمعنی فاعل ہے۔

حسور کے معنی تھک جانے اور عاجز ہوجانے کے ہیں۔

سماء الدنیا. مصنفؒ نے اشارہ کیا ہے کہ آسمان کا قرب مطلق مراد نہیں بلکہ اضافی قرب یعنی بلحاظ زمین مراد ہے ورنہ عرش کے اعتبار سے تو یہ نسبت برعکس ہے۔ زحل ساتویں آسمان پر اور مشتری چھٹے پر اور مریخ پانچویں پر، آفتاب چوتھے پر، زہرہ تیسرے

پر، عطارد دوسرے پر اور چاند آسمان دنیا پر۔ اس طرح سبع سیارات اہل ہندسہ کے نزدیک سبع سمٰوات میں منتشر ہیں۔ ایک ایک ستارہ ایک ایک فلک ثوابت میں مانتے ہیں لیکن آیت میں صرف آسمان دنیا کی آرائش کا ذکر ہے یعنی خود اس میں کوئی ستارہ نہیں ہے یہ آسمان صاف ہے اوپر والے آسمانوں کے ستارے اس میں سے اہل دنیا کو دکھلائی دیتے ہیں۔

رجوما. رجم مصدر ہے بمعنی تیر جیسا کہ مدارک میں ہے اسی لئے مفسرؒ نے مراجم کہا مصدر مفعول مراد ہے چونکہ لفظ زینت تو یہ چاہتا ہے کہ ستارے اپنی جگہ برقرار رہیں۔ ورنہ آرائش کیسی اور شیاطین کا رجم چاہتا ہے کہ ستارے اپنی جگہ قائم نہ رہیں۔ دونوں باتوں کے جمع کرنے کی کیا صورت ہے؟ مفسرؒ نے اسی کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رجم ستاروں کے ٹکڑوں سے ہوجاتا ہے سارے ستاروں کے ٹوٹنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے آگ کی چنگاریاں اڑتی رہتی ہیں لیکن آگ بدستور قائم رہتی ہے۔

ان انتم. اگر یہ فرشتوں کا کلام ہے تو تقدیر عبارت قالت الخزنة ان انتم الخ ہوگی لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ہی کفار کا مقولہ ہے۔

فسحقا. صراح میں ہے کہ سحق کے معنی دوری کے ہیں۔ یہ منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ای الزمهم الله سحقاً اور یا مصدر کی وجہ سے منصوب ہے ای سحقهم الله سحقاً.

فی مناکبها. بقول بغوی منکب کے معنی جانب کے ہیں۔ منکب الرجل. الرمح نکباء. تنکب فلان بولتے ہیں۔

ء امنتم. اس میں پانچ قرائتیں ہوئیں۔ دو تحقیق ہمزہ کی اور دو تسہیل ہمزہ کی اور پانچویں ابدال ہمزہ کی۔

ان یخسف۔ یہ من سے بدل اشتمال ہے۔

حاصباً۔ صراح میں ہے کہ تخت ہوا جس میں سنگریزے برسیں۔

کیف نذیر. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نذیر بمعنی انذار ہے اور یا محذوف ہے۔

ویقبضن. مفسرؒ نے قابضات سے اشارہ کیا ہے کہ فعل اسم فاعل کی تاویل کر کے صافات پر عطف ہو رہا ہے اور دونوں کی تعبیر میں فرق کا نکتہ یہ ہے کہ اصل اڑنے میں پروں کا پھیلانا ہے اور پروں کا سمیٹنا خلاف اصل ہے پس اصل حالت کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اسم فاعل سے تعبیر کیا گیا ہے اور عارضی حالت کو فعل سے تعبیر کیا گیا جو حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

ام من. ام منقطعہ ہے۔ بمعنی بل من استفہامیہ پر داخل ہے۔ اس لئے بل اور ہمزہ دونوں کے ساتھ تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے من اگرچہ نکرہ ہے۔ لیکن سیبویہؒ کے نزدیک اس کو مبتداء بنانا صحیح ہے۔ جبکہ مبتداء اسم استفہام ہو اور دوسرے حضرات کے نزدیک ترکیب برعکس ہوگی یعنی هذا مبتداء ہے اور من خبر ہے۔

هو جندلکم. ینصرکم مفرد لایا گیا۔ لفظ جند کی رعایت ورنہ معنی کی رعایت سے ینصرونکم آنا چاہئے تھا چنانچہ مفسر نے اعوان سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ جند لفظ مفرد اور معنی جمع ہے اور لاناصر سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ من استفہام انکاری کے لئے ہے۔ ابوحیانؒ کہتے ہیں کہ ام منقطعہ بمعنی بل ہے ہمزہ استفہام کے معنی میں نہیں ہے۔ ورنہ دو استفہاموں کا اجتماع لازم آئے گا اور جملہ استفہامیہ کفار کے عقیدے کے پیش نظر لایا گیا وہ غیر اللہ کو ناصر، رازق مانتے تھے اور من موصولہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس وقت ہذا مبتداء اور الذی خبر، جملہ مل کر صلہ ہوجائے گا۔ بتقدیر القول ای ایعلم الذی یقال فی حقه هذا والذی هو جندلکم ینصرکم من دون الرحمن.

ام من هذا الذی یرزقکم. زمخشری من موصولہ کہتے ہیں۔

یمشی مکبا. مکب اسم فاعل ہے۔ اکب لازم کا جو کب کا مطاوع ہے کب متعدی آتا ہے کتبه الله اور اکب لازم آتا

ہے۔ اکب بمعنی سقط اگرچہ مشہور قاعدہ یہ ہے کہ ہمزہ تعدیہ کے لئے آیا کرتا ہے مگر یہاں برعکس ہے۔

امن یمشی. دوسرے من کے خبر کی ضرورت نہیں کہ **زید قائم ام عمرو** میں خبر محذوف ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ عمرو کا عطف زید پر عطف مفردات کے قبیل سے مان لیا جائے تو دونوں کی خبر واحد لائی جائے گی۔ کیونکہ **ام احد الشیئین** کے لئے ہوتا ہے یہاں بھی یہی توجیہ ہوسکتی ہے پھر مفسرؒ کی توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی اس آیت میں مشبہ بہ تو مذکور ہے مگر مشبہ محذوف ہے جیسا کہ سیاق دلالت کررہا ہے۔ مفسرؒ نے **ایھما اھدی** سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم تفضیل مراد نہیں ہے بلکہ مراد اصل فعل ہے۔

قلیلا ماتشکرون. **قلیلا** مصدر محذوف کی صفت ہے۔ای **شکرا قلیلا** اور ما زائد ہے تاکید قلت کے لئے اور جملہ حال مقدر ہے اور کفار اگر مخاطب ہیں تو قلیل کے معنی عدم کے ہوں گے ورنہ ظاہری معنی ہیں۔

ان کنتم صٰدقین. جواب شرط محذوف ہے **افبینوا وقته.**

فلما راوہ مجاہدؒ عذاب بدر مراد لیتے ہیں۔

زلفة. مصدر ہے مذکر و مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے۔

تدعون. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ادعاء بمعنی **دعویٰ** سے ہے مفعول مقدر ہے اور بعض نے **دعا** سے ماخوذ مانا ہے۔

فستعلمون. اکثر قراء کے نزدیک تاء کے ساتھ اور کسائی کے نزدیک یا کے ساتھ ہے۔

من ھو فی ضلال مبین. مفسرؒ نے **انحن** سے اشارہ کیا ہے کہ **من** استفہامیہ مبتداء ہے۔ **ھو** ضمیر منفصل ہے اور ظرف خبر ہے پھر جملہ قائم مقام مفعولین ہے **ستعلمون** کا اور **انتم** کا تعلق تا کی قرأت سے اور **ھم** کا تعلق یا کی قرأت سے ہے۔

غورا. یہ **اصبح** کی خبر ہے اور اسم فاعل کے ساتھ تاویل خبر کے صحیح کرنے کے لئے کی ہے اور مصدر مبالغہ کے لئے بھی ہوسکتا ہے اہل مکہ کے لئے پانی صرف بیر زمزم اور بیر معونہ میں تھا۔

معین. اس کا اصل **معیون** بروزن مفعول تھی۔ جیسے کہ مبیع کی اصل مبیوع تھی حرفی تعلیل ہوگی۔ بعض کے نزدیک **معن الماوٰی کثر** سے ماخوذ ہے۔ اس صورت میں فعیل کے وزن پر ہوگا مفعول کے وزن پر نہیں۔ اول صورت پر میم زائد اور دوسری صورت میں میم اصلی رہے گا۔

ربط آیات:............ سورۂ تحریم میں رسالت کے حقوق کا بیان ہوا تھا۔ اس سورت میں توحید کے حقوق ارشاد ہیں اور ان کے پورا کرنے نہ کرنے پر نتائج مرتب ہونے کا تذکرہ ہے نیز پہلی سورت میں خاص اہل سعادت وشقاوت کا ذکر تھا او اس سورت میں مطلقاً سعداء اور اشقیاء کا بیان ہے۔

فضائل وشان نزول:............ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان سورة من کتاب الله ماھی الاثلثون اية شفعت لرجل یوم القیامة فاخرجته من النار وادخلته الجنة وھی سورة تبارک.**

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میت جب قبر میں رکھ دی جاتی ہے تو عذاب اگر پاؤں کی جانب سے آنا چاہے گا تو یہ سورت رکاوٹ بن جائے گی۔ کیونکہ یہ شخص پاؤں پر کھڑے ہوکر رات میں تلاوت کرتا تھا اسی طرح سرہانے سے عذاب آنا چاہے گا ادھر سے بھی تلاوت کی وجہ سے رکاوٹ ہوجائے گی اور فرمایا۔ **ھی المانعة من عذاب الله وھی فی التوراة سورة الملک من قرأھا فی لیلة فقد اکثر واطنبت.**

ابن عباسؓ آنحضرتؐ سے نقل کرتے ہیں کہ وددت ان تبارک الملک فی قلب کل مومن واسرو اقولکم. مفسرؒ نے جوشان نزول ذکر کیا ہے وہ بقول بغوی ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

﴿تشریح﴾: .... تبارک الذی. اس میں اللہ کی صفات واعمال کا بیان ہے کہ اس نے موت وحیات کا یہ سارا نظام اس لئے کر رکھا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے، کون اچھے؟ تاکہ اس پہلی زندگی کے اس امتحان کا نتیجہ دوسری زندگی میں سامنے آ سکے۔ اگر فرض کرو پہلی زندگی نہ ہوتی تو کون عمل کرتا اور موت نہ آتی تو لوگ مبداء اور منتہی سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔ یا ایک دم اگر ساری دنیا پیدا ہوتی اور ایک ساتھ سب مر جاتے تب بھی آزمائش وعبرت حاصل نہ ہوتی۔ اب دونوں سلسلے تدریجاً جاری ہیں جو ہر آن موعظمت میں موثر ہیں۔

آسمان موجود ہیں یا نہیں؟: .... سبع سمٰوات. احادیث میں سات آسمان اور ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافتوں کا ذکر ہے۔ مگر مفسرینؒ نے اس کی کہیں تصریح نہیں کی کہ اوپر جو ہمیں نیلگونی نظر آتی ہے، وہی آسمان ہے ہوسکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگونی نور وظلمت کا مجموعہ ہو۔ جو آسمان کی چھت گیری ہو۔

بظاہر ماتریٰ فی خلق الرحمٰن الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بلاحجاب یا اس نیلگوں سقف کے حجاب میں سے اس طرح نظر آتا ہے کہ اگر اس میں کوئی عیب وخلل ہوتا تو نظر آ جاتا۔ رہا یہ شبہ کہ پھر دروازے نظر کیوں نہیں آتے؟ ممکن ہے دروازے اتنے بڑے نہ ہوں جو اتنی دور سے نظر آئیں اس پر پھر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید شقاق اور شقوق بھی چھوٹے ہوں تو جواب یہ ہے کہ عادتاً بڑی عمارت میں جب شگاف پڑتا ہے تو بڑا ہی شگاف پڑا کرتا ہے پھر وہ روزانہ بڑھا کرتا ہے پس یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا حالانکہ اب تک نظر نہیں آیا اور ایسے موقعوں پر ملازمت عادیہ کافی ہوتی ہے اور آسمان کا اگر غیر مرئی ہونا ثابت ہو جائے تو پھر عقلی نظر کو نظر حسی سے تشبیہ دیتے ہوئے فکر وتامل کرنے کے معنی لے لئے جائیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ آسمان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ بڑی گہری نظر سے دیکھا جائے تو اللہ کا کوئی کام خلاف حکمت معلوم نہیں ہوگا اور جس کو خلاف حکمت ہونے کا وہم ہوتا ہے وہ سطحی نظر کی وجہ سے ہوتا ہے تعمق کیا جائے تو حکمت کھل جائے گی۔

بہرحال قدرتی نظام میں ذرہ برابر فرق نہیں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، سات آسمان، اجرام علویہ تک سب چیزوں میں یکساں کاریگری دکھلائی یہ نہیں کہ بعض چیزوں کو حکمت وبصیرت سے اور بعض کو یوں ہی بے تکے پن سے بیکار وفضول بنا ڈالا ہو۔ جہاں کسی کو یہ وہم گزرے تو سمجھو کہ یہ اس کی عقل ونظر کا قصور وفتور ہے نیچے سے اوپر تک ساری کائنات ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی روزن یا دراڑ نہیں ہے ہر چیز ویسی ہی ہے جیسا اسے ہونا چاہئے تھا۔ آسمانوں کو دیکھو، کہیں اونچ نیچ یا خلل وشگاف نہیں بلکہ ایک صاف، ہموار، مربوط ومنظم چیز نظر آئے گی جس پر ہزاروں قرن گزر گئے۔ مگر مجال ہے کہیں کوئی فرق پڑا ہو اور بار بار دیکھو تب بھی کہیں کوئی رخنہ نہیں دکھائی دے گا۔ تمہاری نگاہ تھک جائے گی، آنکھیں چکرا جائیں گی اور لگاتار نظر ڈالنے سے نگاہیں ذلیل و ماندہ ہو کر ناکام واپس آ جائیں گی پر قدرتی نظام میں ادنیٰ جھول نظر نہیں آئے گا۔

ولقد زینا السماء. ادھر دنیا کے اس آسمان کی طرف رات کو نظر کرو، ستارے کیسے جگ مگ جگ مگ کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت اور منقش چادر معلوم ہوتی ہے آسمان کی شان، شوکت، چمک، دمک کے کیا کہنے۔

نہ ڈرنے کا انجام:............الم یاتکم نذیر. اس وقت یہ پوچھنا اور زیادہ ذلیل ومحجوب کرنے کے لئے ہوگا۔ چنانچہ نہایت حسرت وندامت کے ساتھ کھسیانے ہوکر وہ جواب دیں گے کہ بے شک! ڈرانے والے آئے تھے، ہم نے ان کی بات نہ مانی اور برابر انہیں جھٹلاتے رہے مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانے والے ہی سچے نکلیں گے اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقعہ کیوں ملتا۔

فاعترفوا. قیامت کے روز دوزخ میں دوزخی خود اقرار کرلیں گے کہ بے شک ہم مجبور ہیں یوں ہی بے مقصود ہم کو دوزخ میں نہیں ڈالا جارہا ہے۔ لیکن اس وقت اقرار سے کیا حاصل ارشاد ہوگا دفع ہوجاؤ۔ بالغیب کا ایک مطلب تو وہ ہے جو مفسرینؒ نے بیان فرمایا کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر خلوت وتنہائیوں میں اپنے خدا کو یاد کر کے خائف رہتے ہیں اور یا یہ مطلب ہے کہ گو اللہ کو دیکھا نہیں، وہ نظروں سے اوجھل ہے، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پیغمبروں کے بتلانے سے پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت وکبریائی کے تصور سے کانپتے ہیں اور اس کے عذاب کے دھیان سے بھی لرز جاتے ہیں۔

انہ علیم بذات الصدور. اللہ کو اگرچہ تم نہیں دیکھتے، مگر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور تمہاری خلوت وجلوت سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں جو خیالات اور سینوں میں جو راز ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے۔ غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں ہو تمہارا اور تمہارے اقوال وافعال ہر چیز کا خالق ومختار وہ ہے اس لئے اسے ہر چیز کا پورا پورا علم بھی ہے کیونکہ علم کے بغیر کسی چیز کا پیدا کرنا ہی ممکن نہیں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو پیدا کرے وہی نہ جانے۔

زمین پر تمہاری نہیں اللہ کی حکومت ہے:............ھو الذی جعل لکم الارض. انعامات الٰہی پر نظر ڈالو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ زمین تمہارے پھرنے، بولنے، جوتنے، کھانے کمانے کے لئے بنائی گئی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ جس نے تمہیں روزی دی ہے، ایک دن اس کے پاس جانا ہے اسی کے ساتھ اگر آسمانوں پر نظر ڈالوگے تو تمہیں اللہ کی شان تمہاری نظروں سے نظر آئے گی۔ زمین اگرچہ تمہارے لئے ذلیل وپامال ہے مگر اس پر حکومت آسمان والے کی ہے وہ اگر تم کو چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے۔ زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور تم اس میں اترتے جاؤ لہٰذا اس مالک مختار سے نڈر بن کر شرارتوں پر نہ اتر آؤ اور اس کی ڈھیل پر خود فریبی کا شکار نہ ہوجاؤ زمین پر چلو پھرو، کماؤ دھماؤ، مگر اللہ کو نہ بھولو، ورنہ وہ تم پر آندھی بھیج سکتا ہے، پتھروں کا مینہ برسا سکتا ہے، اس وقت کیا کروگے تمہاری ساری دوڑ دھوپ دھری رہ جائے گی آخر پہلی قوموں کی تباہی سے عبرت پکڑو۔

پرندے زمین پر گرتے نہیں ہیں:............اولم یروا الی الطیر. زمین وآسمان کے بعد اب درمیانی چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرو آسمان وزمین کے درمیان پرندوں کو دیکھو، کس طرح پر کھول یا سمیٹ کر ہوا میں تیرتے یا معلق رہتے ہیں اور ثقل طبعی اور سیلان مرکز کے باوجود کس طرح تھمے رہتے ہیں اور گرتے نہیں۔ زمین کی کشش اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ سکتی ہے مگر بتلاؤ رحمٰن کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضاء میں تھام رکھا ہے بلاشبہ رحمٰن نے اپنی رحمت وحکمت سے اس کی ساخت ایسی کی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔ پس وہ آسمان سے سرکشوں پر عذاب بھی اتار سکتا ہے مگر جس طرح پرندے رحمت سے تھمے ہوئے ہیں، اسی طرح عذاب بھی رحمت کے باعث رکا ہوا ہے۔

ھو جند لکم. رحمان سے الگ ہوکر اگر کسی کو کہیں سے مدد پہنچنے کی امید ہو تو وہ سخت دھوکا میں پڑا ہوا ہے وہ عذاب بھی نہ بھیجے محض اپنی روزی ہی روک لے تو کس کی مجال ہے کہ تم پر رزق کے دروازے کھول دے۔ دل میں تو منکرین یہی سمجھتے ہیں مگر شرارت

اور سرکشی سے دین فطرت کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں جو ناہموار راستہ پر اوراوندھا منہ ہوکر چلتا ہو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہوسکتی ہے مقصد اعلیٰ تک وہی پہنچے گا جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا چلے۔

ایک موحد اور مشرک کی چال الگ الگ ہے:............ایک موحد و مشرک کی چال میں جیسے دنیا میں فرق ہے، محشر میں بھی یہی ہوگا حالانکہ سننے کے لئے اللہ نے کام اور دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے کے لئے دل دیئے ہیں کہ ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگائیں اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگیں مگر شکر گزار بندے کم ہیں۔انسان غور کرے کہ ابتداء بھی اس سے ہوئی ہے اور انتہاء بھی اس پر ہوگی جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے اس لئے ایک دم بھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے تھا ہمہ وقت اسی کی فکر رہنی چاہئے تھی مگر کتنے ہیں ایسے بندے؟ رہا قیامت کے بارے میں، یہ پوچھتے رہتے ہیں سو اس کا بار بار جواب دیا جارہا ہے تاکہ ٹھیک ٹھیک ناپ تول کر اس کی تعیین اللہ کو معلوم ہے مجھے نہیں معلوم البتہ جو یقینی چیز آنے والی ہے اس سے خبردار کردینا اور خوفناک مستقبل کی نشاندہی میرا فرض منصبی ہے جو میں ادا کرچکا ہوں۔

فلما راوہ . منکرین اب تو جلدی مچارہے ہیں لیکن جب وعدہ قریب آئے گا، بڑے بڑے مشرکوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔

مسلمان آباد ہوں یا برباد، کافروں کو کیا فائدہ؟:............قل ارأیتم . یعنی اس وقت کفار اگرچہ تمنا کرتے ہیں کہ جلد مرمرا کر قصہ ختم ہوجائے لیکن حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ کہئے کہ میں اور میرے ساتھی بالفرض اگر دنیا میں سب ہلاک ہوجائیں، تمہارے خیال کے مطابق اور یا مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے فضل سے اللہ کامیاب و بامراد فرمائے ہمارے عقیدے کے مطابق غرض ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی ہو، تم بتلاؤ کہ تمہیں اس سے کیا فائدہ؟ دنیا میں ہمارا انجام کچھ بھی ہو، بہرحال آخرت میں ہمارے لئے بہتر ائی ہے اسی لئے ہم جدوجہد کررہے ہیں۔لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر وسرکشی میں تم نے کیا عافیت سوچی، جس دردناک عذاب کا آنا یقینی ہے اس سے بچنے کا راستہ کیا سوچا؟ ہماری فکر چھوڑو، اپنا انجام سوچو کافر کسی حالت میں بھی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔

ان اصبح . زندگی اور موت کے سب اسباب اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں ایک پانی ہی کو لے لو جس سے ہر چیز کی زندگی ہے۔ اگر دنیا کا سارا پانی زمین میں اتر جائے تو آخر وہ کون سی ہستی ہے جو اتنا صاف شفاف پانی مہیا کردے جو زندگی اور بقاء کے لئے کافی ہے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہوچکے اس وقت ہدایت ومعرفت کا نہ خشک ہونے والا چشمہ محمدی جاری کرکے ساری انسانیت اور عالم پر اللہ نے کتنا احسان عظیم فرمایا۔

لطائف سلوک:............وقالوا لو کنا. اس سے معلوم ہوا کہ فلاح کے دو طریقے ہیں۔ایک تقلید، دوسرے تحقیق۔بس جس مرید میں تحقیق کی قابلیت نہیں اس کو تقلید کرنی چاہئے شیخ سے مزاحمت یا دلیل کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

سُوْرَةُ نٓ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ اَحَدُ حُرُوْفِ الْهِجَاءِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْقَلَمِ** اَلَّذِيْ كَتَبَ بِهِ الْكَائِنَاتِ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾** اَيِ الْمَلَائِكَةُ مِنَ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ **مَآ اَنْتَ** يَا مُحَمَّدُ **بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾** اَيِ انْتَفَى الْجُنُوْنُ عَنْكَ بِسَبَبِ اِنْعَامِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا وَهٰذَا رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ **وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾** مَقْطُوْعٍ **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ** دِيْنٍ **عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾** مَصْدَرٌ كَالْمَعْقُوْلِ اَيِ الْفُتُوْنُ بِمَعْنَى الْجُنُوْنِ اَيْ اَبِكَ اَمْ بِهِمْ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾** لَهٗ وَاَعْلَمُ بِمَعْنٰى عَالِمٌ **فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ** مَصْدَرِيَّةٌ **تُدْهِنُ** تَلِيْنُ لَهُمْ **فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾** يَلِيْنُوْنَ لَكَ وَهُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى تُدْهِنُ وَاِنْ جُعِلَ جَوَابَ التَّمَنِّيْ الْمَفْهُوْمِ مِنْ وَدُّوْا قُدِّرَ قَبْلَهٗ بَعْدَ الْفَاءِ هُمْ **وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ** كَثِيْرِ الْحَلْفِ بِالْبَاطِلِ **مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾** حَقِيْرٍ **هَمَّازٍ** عَيَّابٍ اَيْ مُغْتَابٍ **مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾** سَاعٍ بِالْكَلَامِ بَيْنَ النَّاسِ عَلٰى وَجْهِ الْاِفْسَادِ بَيْنَهُمْ **مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ** بَخِيْلٍ بِالْمَالِ عَنِ الْحُقُوْقِ **مُعْتَدٍ** ظَالِمٍ **اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾** اٰثِمٍ **عُتُلٍّ** غَلِيْظٍ جَافٍ **بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾** دَعِيٍّ فِيْ قُرَيْشٍ وَهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ اِدَّعَاهُ اَبُوْهُ بَعْدَ ثَمَانِيْ عَشْرَةَ سَنَةً قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا لَا نَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَصَفَ اَحَدًا بِمَا وَصَفَهٗ مِنَ الْعُيُوْبِ فَاَلْحَقَ بِهٖ عَارًا لَا يُفَارِقُهٗ اَبَدًا وَتَعَلَّقَ بِزَنِيْمٍ الظَّرْفُ قَبْلَهٗ **اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾** اَيْ لِاَنْ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا** الْقُرْاٰنُ **قَالَ** هِيَ **اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾** اَيْ كَذَّبَ بِهَا لِاِنْعَامِنَا عَلَيْهِ بِمَا ذُكِرَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ ءَ اَنْ بِهَمْزَتَيْنِ مَفْتُوْحَتَيْنِ **سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾** سَنَجْعَلُ عَلٰى اَنْفِهٖ عَلَامَةً يُعَيَّرُ بِهَا مَا عَاشَ فَخُطِمَ اَنْفُهٗ بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ **اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ** اِمْتَحَنَّا اَهْلَ مَكَّةَ بِالْقَحْطِ وَالْجُوْعِ **كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ**

الْجَنَّةِ اَلْبُسْتَان اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا يَقْطَعُوْنَ ثَمْرَتَهَا مُصْبِحِيْنَ﴿۱۷﴾ وَقْتَ الصَّبَاحِ كَيْلَا يَشْعُرَلَهُمْ
الْمَسَاكِيْنُ فَلَايُعْطُوْنَهُمْ مِنْهَامَاكَانَ اَبُوْهُمْ يَتَصَدَّقُ بِهٖ عَلَيْهِمْ مِنْهَا وَلَايَسْتَثْنُوْنَ﴿۱۸﴾ فِيْ يَمِيْنِهِمْ بِمَشِيَّةِ
اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ اَىْ وَشَانُهُمْ ذٰلِكَ فَطَافَ عَلَيْهَاطَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ نَارٌ اَحْرَقَتْهَالَيْلًا وَهُمْ
نَآئِمُوْنَ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ﴿۲۰﴾ كَاللَّيْلِ الشَّدِيْدِ الظُّلْمَةِ اَىْ سَوْدَاءَ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ﴿۲۱﴾ اَنِ
اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ غَلَّتِكُمْ تَفْسِيْرٌ لِلتَّنَادِىْ اَوْ اَنْ مَصْدَرِيَّةٌ اَىْ بِاَنْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ﴿۲۲﴾ مُرِيْدِيْنَ
الْقَطْعَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهٗ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ﴿۲۳﴾ يَتَسَارُّوْنَ اَنْ لَّايَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ
عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ﴿۲۴﴾ تَفْسِيْرٌ لِمَاقَبْلَهٗ اَوْاَنْ مَصْدَرِيَّةٌ اَىْ بِاَنْ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ مَنْعٍ لِلْفُقَرَاءِ
قٰدِرِيْنَ﴿۲۵﴾ عَلَيْهِ فِىْ ظَنِّهِمْ فَلَمَّا رَاَوْهَا سَوْدَاءَ مُحْتَرِقَةً قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ﴿۲۶﴾ عَنْهَا اَىْ لَيْسَتْ هٰذِهٖ
ثُمَّ قَالُوْا لَمَّاعَلِمُوْهَا بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴿۲۷﴾ ثَمْرَتَهَابِمَنْعِنَا الْفُقَرَاءَ مِنْهَا قَالَ اَوْسَطُهُمْ خَيْرُهُمْ اَلَمْ
اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا هَلَّا تُسَبِّحُوْنَ﴿۲۸﴾ اللّٰهَ تَائِبِيْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴿۲۹﴾ بِمَنْعِ الْفُقَرَاءَ
حَقَّهُمْ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يَا لِلتَّنْبِيْهِ وَيْلَنَآ هَلَاكُنَا اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ﴿۳۱﴾
عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ﴿۳۲﴾ لِيَقْبَلَ تَوْبَتَنَاوَيَرُدُّ
عَلَيْنَاخَيْرًامِّنْ جَنَّتِنَارُوِىَ اَنَّهُمْ اُبْدِلُوْاخَيْرًا مِنْهَا كَذٰلِكَ اَىْ مِثْلَ الْعَذَابُ لِهٰؤُلَاءِ الْعَذَابُ لِمَنْ خَالَفَ
اَمْرَنَامِنْ كُفَّارِمَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴿۳۳﴾ عَذَابَهَا مَاخَالَفُوْا
اَمْرَنَاوَنَزَلَ لَمَّاقَالُوْا اِنْ بُعِثْنَا نُعْطٰى اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ
الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ﴿۳۵﴾ اَىْ تَابِعِيْنَ لَهُمْ فِى الْعَطَاءِ مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴿۳۶﴾ هٰذَا الْحُكْمُ
الْفَاسِدُ اَمْ بَلْ لَكُمْ كِتٰبٌ مُّنَزَّلٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ﴿۳۷﴾ تَقْرَءُوْنَ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ﴿۳۸﴾
تَخْتَارُوْنَ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عُهُوْدٌ عَلَيْنَابَالِغَةٌ وَاثِقَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مُتَعَلِّقٌ مَعْنًى بِعَلَيْنَا وَفِىْ هٰذَا الْكَلَامِ
مَعْنَى الْقَسَمِ اَىْ اَقْسَمْنَالَكُمْ وَجَوَابُهٗ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ﴿۳۹﴾ بِهٖ لِاَنْفُسِكُمْ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ
الْحُكْمِ الَّذِىْ يَحْكُمُوْنَ بِهٖ لِاَنْفُسِهِمْ مِنْ اَنَّهُمْ يُعْطَوْنَ فِى الْاٰخِرَةِ اَفْضَلَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ زَعِيْمٌ﴿۴۰﴾ كَفِيْلٌ
لَهُمْ اَمْ لَهُمْ اَىْ عِنْدَهُمْ شُرَكَآءُ مُوَافِقُوْنَ لَهُمْ فِىْ هٰذَا الْقَوْلِ يَكْفُلُوْنَ لَهُمْ بِهٖ فَاِنْ كَانَ كَذٰلِكَ فَلْيَاْتُوْا
بِشُرَكَآئِهِمْ الْكَافِلِيْنَ لَهُمْ بِهٖ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴿۴۱﴾ اُذْكُرْ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ
شِدَّةِ الْاَمْرِيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ يُقَالُ كَشَفَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ اِذَا اشْتَدَّ الْاَمْرُ فِيْهَا وَيُدْعَوْنَ

اِلَى السُّجُوْدِ اِمْتِحَانًا لِاِيْمَانِهِمْ **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾** تَصِيْرُ ظُهُوْرُهُمْ طَبَقًا وَاحِدًا **خَاشِعَةً** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُدْعَوْنَ اَىْ ذَلِيْلَةً **اَبْصَارُهُمْ** لَا يَرْفَعُوْنَهَا **تَرْهَقُهُمْ** تَغْشَاهُمْ **ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ** فِى الدُّنْيَا **اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾** فَلَا يَاْتُوْنَ بِهٖ بِاَنْ لَّا يُصَلُّوْا **فَذَرْنِىْ** دَعْنِىْ **وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ** اَلْقُرْاٰنِ **سَنَسْتَدْرِجُهُمْ** نَاْخُذُهُمْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا **مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِىْ لَهُمْ** اُمْهِلُهُمْ **اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾** شَدِيْدٌ لَا يُطَاقُ **اَمْ** بَلْ **تَسْئَلُهُمْ** عَلٰى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ **اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ** مِمَّا يُعْطُوْنَكَهٗ **مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾** فَلَا يُؤْمِنُوْنَ لِذٰلِكَ **اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ** اَىِ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ الَّذِىْ فِيْهِ الْغَيْبُ **فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾** مِنْهُ مَا يَقُوْلُوْنَ **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** فِيْهِمْ بِمَا يَشَاءُ **وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ** فِى الضَّجَرِ وَالْعَجَلَةِ وَهُوَ يُوْنُسُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ **اِذْ نَادٰى** دَعَا رَبَّهٗ **وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾** مَمْلُوْءٌ غَمًّا فِىْ بَطْنِ الْحُوْتِ **لَوْلَا اَنْ تَدٰرَكَهٗ** اَدْرَكَهٗ **نِعْمَةٌ** رَحْمَةٌ **مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ** مِنْ بَطْنِ الْحُوْتِ **بِالْعَرَآءِ** بِالْاَرْضِ الْفَضَاءِ **وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾** لٰكِنَّهٗ رُحِمَ وَنُبِذَ غَيْرُ مَذْمُوْمٍ **فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ** بِالنُّبُوَّةِ **فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾** الْاَنْبِيَاءِ **وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ** بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِهَا **بِاَبْصَارِهِمْ** اَىْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرًا شَدِيْدًا يَكَادُ اَنْ يُّصْرِعَكَ وَيُسْقِطَكَ عَنْ مَّكَانِكَ **لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **وَيَقُوْلُوْنَ** حَسَدًا **اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾** بِسَبَبِ الْقُرْاٰنِ الَّذِىْ جَاءَ بِهٖ **وَمَا هُوَ** اَىِ الْقُرْاٰنُ **اِلَّا ذِكْرٌ** مَوْعِظَةٌ **لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾** الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لَا يَحْدُثُ بِسَبَبِهٖ جُنُوْنٌ

سورۂ نون مکیہ ہے اس کی باون آیات ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:......... (نون مجملہ حروف ہجائیہ ہے جس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قلم کی (جس سے کائنات کا حال لوح محفوظ میں لکھا) اور (فرشتوں کے لوح محفوظ میں خیر وفلاح) لکھنے کی کہ آپ (اے محمد!) بفضل خدا مجنوں نہیں ہیں (یعنی آپ کو جنون نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ پر نبوت وغیرہ کا انعام فرمایا ہے۔ اس میں کفار کے قول "انہ لمجنون" کا رد ہے) اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم (موقوف) ہونے والا نہیں ہے، بلاشبہ آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سوعنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا؟ (مفتون، معقول کی طرح مصدر ہے، پس فتون بھی جنون ہوا یعنی یہ عارضہ آپ کو ہے یا ان کو ہے) آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی جانتا ہے۔ (اعلم بمعنی عالم ہے) تو آپ ان کی تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ (لـــو مصدریہ ہے) ڈھیلے (نرم) پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں (آپ سے نرمی کرنے لگیں۔ یدھنون، تدھن پر معطوف ہے اور اگر اس کو جواب تمنی مانا جائے جو تمنا ودوا سے مفہوم ہو رہی ہے تو یدھنون سے پہلے اور فا کے بعد ھم مقدر مانا جائے گا) اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت

قسمیں کھانے والا ہو (جھوٹا) بے وقعت (بے حیثیت) ہو عیب جو (نکتہ چین یعنی غیبت میں مبتلا) چغلیاں لگاتا پھرتا ہو (لوگوں میں فساد ڈالنے کے لئے لگائی بجھائی کرتا پھرتا ہو) نیک کام سے روکنے والا (مالی حقوق میں بخیل) ہو، حد سے گزرنے والا (ظالم) ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج وتندخو بدخصلت) ہو۔ اس کے علاوہ حرام زادہ ہو (جو قریش میں یوں ہی منسوب ہو یعنی ولید بن مغیرہ، جس کے باپ نے اٹھارہ سال بعد اس کو اپنی طرف منسوب کیا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ نے جس قدر اس کی برائی کی کسی اور کی بیان کی ہو۔ لہذا یہ عار ہمیشہ کے لئے اس کو لگ گئی اور "بعد ذلك" ظرف ہے۔ جس کا تعلق زنیم کے ساتھ ہے) اس وجہ سے کہ وہ مال واولا دوالا ہے (ان معنی میں لان کے ہے۔ اس کا تعلق اگلے جملے کے مدلول سے ہے) جب ہماری آیات (قرآن) پڑھ کر اس کے سامنے سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ (یہ) بے سند باتیں ہیں (یعنی ان آیتوں کی تکذیب اس لئے کرتا ہے کہ ہم نے اس پر مذکورہ انعام کیا ہے اور ایک قرأت میں أن دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے) ہم عنقریب اس کی ناک میں داغ لگائیں گے (اس کی ناک پر ہم ایسا نشان کر دیں گے جو زندگی بھر اس کے لئے عار رہے گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں اس کی ناک کٹی) ہم نے ان (اہل مکہ) کی قحط اور بھوک کے ذریعہ) آزمائش کر رکھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی کہ اس کا پھل توڑ لیں گے (درختوں سے اتار لیں گے) صبح چل کر (بالکل سویرے، اس لئے کہ کہیں فقیروں کو پتہ نہ لگ جائے) اور ان کو دینا نہ پڑے کیونکہ ان کا باپ غریبوں کو بہت صدقہ دیا کرتا تھا) اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا (یعنی قسم کی ساتھ انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔ جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی ان کی حالت یہ تھی) سو اس باغ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا (یعنی رات کو باغ میں آگ لگ گئی) اور وہ سو رہے تھے، پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کھیت کٹا ہوا (اندھیری رات کی طرح سیاہ ہو گیا تھا) سو صبح کے وقت وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو (کھلیان پر، یہ پکارنے کی تفصیل ہے۔ یا ان مصدریہ ہے یعنی اصل بان تھا) اگر تم کو پھل توڑنا ہے (توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو جواب شرط پر ماقبل دلالت کر رہا ہے) پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے (آہستہ آہستہ) باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج پہنچنے نہ پائے (ماقبل کی تفسیر ہے، یا ان مصدریہ ہے یعنی اصل میں بان تھا) اور اپنے کو اس کے (فقیروں کو) نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے تھے (اپنے گمان میں) پھر جب اس باغ کو دیکھا (سیاہ جلا ہوا) تو کہنے لگے یقیناً ہم رستہ بھول گئے (یعنی باغ ہمارا نہیں معلوم ہوتا پھر سوچ کے کہنے لگے) بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ فقیروں سے روک کر ہم بھی محروم رہ گئے) ان میں جو بھلا (اچھا) آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ اب تسبیح (توبہ اللہ سے) کیوں نہیں کرتے، سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بلاشبہ ہم قصوروار ہیں (فقیروں کا حق مار کر) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے۔ کہنے لگے ہماری کم بختی! بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے، شاید ہمارا پروردگار اس سے اچھا باغ بدلہ میں ہم کو دے دے۔ (یبدلنا، تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے) ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ (وہ ہماری توبہ قبول کر لے اور ہمارے باغ سے بڑھیا باغ ہمیں مرحمت فرما دے۔ نقل ہے کہ اس سے بڑھ کر انہیں باغ مل گیا) اسی طرح (جیسے ان کو عذاب ہوا) عذاب ہوا کرتا ہے (ہمارے حکم کے خلاف کرنے والوں کو خواہ وہ مکہ والے ہوں یا دوسرے) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے) کیا خوب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جان لیتے (ہمارے عذاب کو تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔ اگلی آیات مکہ والوں کے اس کہنے پر نازل ہوئیں کہ قیامت اگر نازل ہوئی تو ہمیں مسلمانوں سے بہتر حالت نصیب ہوگی) بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے (یعنی عطا کرنے میں فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے تابع کر دیں گے) تم کو کیا ہو گیا، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو (غلط) کیا (بلکہ) تمہارے پاس کتاب ہے (اتری ہوئی) جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ

چیز ہے جو تم پسند کرتے ہو (چاہتے ہو) کیا تمہارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر کھائی گئی ہیں اور وہ قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی مضبوط) ہوں (الی یوم القیامة بلحاظ معنی علینا سے متعلق ہے اور اس کلام میں قسم کے معنی ہیں۔ یعنی کیا ہم نے تمہارے خاطر قسم کھا رکھی ہے اور جواب قسم یہ ہے) کہ وہ چیزیں تم کو ملیں گی جو تم فیصلہ کر چکے ہو (اپنے متعلق) ان سے پوچھئے کہ ان میں اس کا (جو فیصلہ یہ اپنے متعلق کر رہے ہو کہ انہیں آخرت میں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ملے گا) کون ذمہ دار ہے۔ کیا (ان کے خیال میں) ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں (جو اس بات میں ان سے متفق ہوں اور اس کے ذمہ دار ہوں اگر واقعی ایسا ہے) تو ان کو چاہئے کہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں (جو ان کے ذمہ دار ہوں) اگر یہ سچے ہیں (یاد کیجئے) جس دن کہ سخت آفت ہوگی (قیامت کے روز حساب کتاب کی سختی مراد ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کشفت الحرب عن ساق. جب کہ گھسان کی لڑائی ہو رہی ہو) اور (ان کے ایمان کی آزمائش کے لئے) ان کو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا، سو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے (ان کی کمر تختہ ہو جائے گی) جھکی ہوں گی (یدعون کی ضمیر سے خاشعة حال ہے بمعنی ذلیل) ان کی آنکھیں (اوپر کو اٹھا نہیں سکیں گے) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے (پھر بھی سجدہ نہیں کرتے تھے کیونکہ نماز نہیں پڑھتے تھے) سو مجھ کو اور جو میرے اس کلام (قرآن) کو جھٹلاتے ہیں رہنے دیجئے ہم انہیں بتدریج لئے جا رہے ہیں (آہستہ آہستہ پکڑ رہے ہیں) اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت (ڈھیل) دے رہا ہوں۔ بلاشبہ میری تدبیر بڑی مضبوط (ناقابل شکست) ہے کیا آپ ان سے (تبلیغ احکام کے بدلہ) کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے (جو آپ کو دیں گے) دبے جاتے ہیں (اس لئے ایمان لا رہے ہیں) یا ان کے پاس غیب ہے (یعنی لوحِ محفوظ جس میں غیب کی باتیں ہیں) کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں (منجملہ ان کے ان کی یہ بات بھی ہے) سو آپ صبر سے بیٹھے رہئے اپنے رب کی تجویز پر (جو کچھ وہ چاہے) اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جایئے (بیزاری اور جلدی کرنے میں یونس علیہ السلام مراد ہیں) جبکہ اس نے (اپنے پروردگار سے) دعا کی اور وہ مارے غم کے گھٹ رہے تھے (مچھلی کے پیٹ میں سخت رنجیدہ تھے) اگر دستگیری نہ کرتی ان کے رب کی نعمت (رحمت) تو وہ ڈالے جاتے (مچھلی کے پیٹ سے) میدان (کھلی جگہ) میں بدحالی کے ساتھ (لیکن اللہ نے ان پر رحم کیا۔ اس لئے وہ بدحالی کے بغیر میدان میں ڈال دیئے گئے) پھر ان کے رب نے (نبوت کی وجہ سے) ان کو برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین (انبیاء) میں سے کر دیا اور کافر ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر (ضمہ یا اور فتحہ یا کے ساتھ ہے) گرا دیں گے، (یعنی گھور گھور کر ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے آپ کو پٹخ دیں گے اور مرتبہ سے گرا دیں گے) جبکہ یہ قرآن سنتے ہیں اور (حسد کے مارے) کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے (اس قرآن کی وجہ سے جو آپ پیش کر رہے ہیں) حالانکہ یہ (قرآن) نصیحت ہے تمام جہانوں کے لئے (انسان و جنات کے لئے قرآن کے پاس تو جنون پھٹک بھی نہیں سکتا)۔

تحقیق وترکیب:.........ن۔ قتادہؓ اور حسنؒ اور ابن عباسؓ سے ان کے معنی دوات کے اور ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ اس کے معنی مچھلی کے ہیں۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ رحمٰن، نصیر، ناصر، نور، اسماء حسنیٰ کا نور مراد ہے مفسرؒ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حرف ہجائیہ ہیں بعض نے اسم قرآن، اسم سورت کہا ہے اور بعض مچھلی یا دوات کے معنی لیتے ہیں۔ لیکن قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے۔

بمجنون. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ باسببیہ ہے۔ اس کا تعلق نفی سے ہے اور خبر کی ضمیر مستتر سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ ای ما انت **بمجنون متلبساً بنعمت ربک. انک لعلیٰ خلق عظیم.** قرآن کی صفت بھی عظیم ہے اور آپ کی شان بھی عظیم ہے اور آپ میں شکر نوح، خلتِ ابراہیم، اخلاصِ موسیٰ، وفاءِ عہد اسماعیل، صبر یعقوب و ایوب، معذرتِ داؤد، تواضع سلیمان و عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ اوصاف عالیہ جمع ہیں:

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کسی عارف نے خوب کہا ہے:

لکل نبی فی الانام فضیلۃ　　وجملتھا مجموعۃ لمحمد

نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بدی ہے دنیا تو خلق حسن کہلاتا ہے جیسا کہ **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** اور **جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا** فرمایا گیا ہے۔ لیکن نیکی کا صلہ نیک دینا اور بدی کو معاف کر دینا خلق کریم ہے۔ **واعف عن من ظلمک** ارشاد نبوی ﷺ ہے مگر بھلائی کا بدلہ زیادہ بھلائی سے دینا اور برائی کو محض معاف کر دینا ہی نہیں، بلکہ اس کے صلہ میں احسان کرنا یہ ہے خلق عظیم، جس کے حامل آنحضرت ﷺ ہیں فرماتے ہیں **احسن الیٰ من اساء الیک**:

بدی را بدی سھل باشد جزا　　اگر مردی احسن الی من اساءَ

بایکم المفتون. المفتون بمعنی جنون۔ ایکم خبر مقدم۔ **المفتون** مبتداء مؤخر ہے۔ جملہ محل نصب میں ہے ماقبل کا معمول ہے اور مفتون مصدر بمعنی فتون ہے جیسے معقول بمعنی عقل ہے۔ اس میں ابوجہل، ولید جیسے لوگوں کی طرف تعریض ہے۔

فیدھنون. یعنی تدھن کی طرح یہ بھی لو کے تحت میں ہے گویا دونوں چیزیں تمنا میں داخل ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کا سبب ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ **فیدھنون** کو جواب تمنی مانا جائے مبتداء مقدر مانتے ہوئے **ای فھم یدھنون.** اس پر زمخشریؒ نے اعتراض کیا ہے کہ جواب تمنی ہونے کی وجہ سے بتقدیر ان منصوب ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ یہاں مرفوع ہے؟ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جملہ اسمیہ جملہ تمنائیہ ہے۔

مھین. رائے وتدبیر میں یا اللہ کے نزدیک حقیر ہے۔ اگرچہ ولید اپنی قوم میں ذی عزت ہے اس لئے دونوں باتوں میں منافات نہیں ہے اور ابن عباسؓ مھین سے جھوٹا ہونا مراد لے رہے ہیں پس جھوٹا شخص تو لوگوں میں بھی حقیر سمجھا جاتا ہے۔

بنمیم. چغل خوری اگر برائی کے لئے ہو تو نہایت بری عادت ہے۔ حدیث میں ہے **لایدخل الجنۃ النمام.** لیکن اصلاح کے سلسلہ میں اگر ایک دوسرے کی بات نقل کی جائے تو وہ صرف نام کی چغلخوری کہلائے گی۔ حدیث میں ہے۔ **لیس النمام الذی یصلح بین الناس فیقول خیرا دینمی خیرا.**

زنیم. ولید فی الحقیقت صحیح النسب نہیں تھا مغیرہ نے ولید کو اٹھارہ سال بعد اپنا بیٹا کہا تھا۔

ان کان ذا مال وبنین. یعنی **لان کان ذا مال و بنین.** ہماری آیات کو جھٹلاتا ہے جس پر **اذا تتلی علیہ آیاتنا** دلالت کر رہا ہے یہ مطلب تو تفسیری عبارت کا ہے۔ لیکن مدارک میں ہے کہ **ان کان ذا مال وبنین لاتطع** سے متعلق ہے اور بقول مفسرؒ **ان کان ذا مال** "ایک قرأت میں دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ استفہام توبیخی ہے۔ یہ قرأت ابن عامر، شعبہ، حمزہ کی ہے اور بغیر ہمزہ کی قرأت پر یہ مفعول لہ ہوگا فعل مضمر عامل ہوگا۔ **ای یکفر ان کان ذا مال الخ** اور اس فعل مقدر کا قرینہ **اذا تتلی علیہ ایاتنا قال اساطیر الاولین** ہے۔ اس کو **اذا تتلی** یا **قال** کا معمول نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ **اذا** اپنے مابعد کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے اور مضاف الیہ مضاف سے پہلے عمل نہیں کرتا۔

علی الخرطوم. وسم کے معنی علامت نشان ہیں درندوں کی ناک کو خرطوم کہا جاتا ہے بلکہ ہاتھی کی سونڈ اور سور کی تھوتڑی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں استہزاءً فرمایا گیا۔ چنانچہ بدر میں جو زخم اس کی ناک پر لگا وہ نشانِ عار مدت العمر باقی رہا۔

بمشیۃ اللّٰہ. چونکہ انشاء اللہ مفید تعلیق ہے اس لئے استثناء سے تعبیر کیا گیا چنانچہ **لاخرجن ان شاء اللہ** اور **لاخرجن الا ان یشاء اللہ** ایک ہی حاصل ہے۔

کالصریم. لیل صریم کالی رات، اور بعض نے سفید دن کی طرح معنی لئے ہیں۔ یعنی سوکھ کر سفید ہو گیا اور ابن عباسؓ سے سیاہ راکھ کے معنی منقول ہیں۔

ان اغدوا. ان مفسرہ یا مصدریہ ہے۔

علی حرد. حرد کے معنی منع کے ہیں۔ حاردت السنة بارش رک جائے۔ حاردت الابل دودھ نہ دے۔

اوسطھم. بلحاظ رائے کے یا عمر کے اوسط کہا اور صاحب کشافؒ نے اعدل اور خیر کے معنی لئے ہیں۔

لولا تسبحون. تسبیح اور استثناء یعنی انشاء اللہ کہنا دونوں میں تعظیم کے معنی ہیں اس لئے تسبیح بول کر استثناء مراد ہے یا بقول مفسرؒ توبہ کرنے کے معنی ہیں۔

کذلک. مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ یہ مبتداء ہے العذاب خبر ہے۔

لو کانوا یعلمون. لو کا جواب مقدر ہے اور یعلمون کا مفعول محذوف ہے اور اس کو بمنزلہ لازم ہی کہہ سکتے ہیں۔ ای لو کانوا من اھل العلم لما خالفوا کالمجرمین. تفسیری عبارت تابعین کے معنی مساوین کے ہیں اور جب مساوات نہیں تو مجرمین مسلمین سے بدرجہ اولیٰ افضل نہیں ہوں گے۔

مالکم. یہ جملہ ہے اس لئے اس پر وقف مناسب ہے۔

ان لکم. لکم خبر مقدم اور ما اسم مؤخر ہے جس کے ساتھ لام تاکید ہے پھر یہ جملہ تدرسون کا معنی مفعول ہوگا۔ بظاہر یہاں ان بالفتحہ آنا چاہئے تھا۔ لیکن لام چونکہ مکسورہ کے ساتھ آتا ہے اس لئے یہاں مکسور لے آئے اور تدرسون اگرچہ افعال قلوب میں سے نہیں ہے معنی حکم کے متضمن ہونے کی وجہ سے لفظاً معلق عن العمل ہو گیا۔

بالغة. مفسرؒ نے لازم معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔

الیٰ یوم القیامة. بالغہ کے متعلق ہے یعنی قیامت تک رہنے والی قسم اور لکم سے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ ای ثابتة لکم علینا اور اس جملہ میں معنی قسم ہیں۔ ای اقسمنا لکم تفسیری عبارت "متعلق معنی بعلینا میں تعلق باصطلاح مراد نہیں کہ وہ فعل یا معنی فعل کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ تعلق اتصالی مراد ہے۔

سلھم. ضمیر متصل اول مفعول ہے اور مفعول ثانی جملہ ایھم زعیم ہے اور بذلک متعلق ہے زعیم کے اور سلھم لفظاً معلق عن العمل ہے استفہام کی وجہ سے۔

یکشف عن ساق. کنایہ اور استعارہ تمثیلیہ کیا گیا ہے دراصل کشف ساق شدت ومشقت کے وقت ہوا کرتا ہے۔

الی السجود. آخرت چونکہ دار التکلیف نہیں اس لئے سجدہ سے مقصود آزمائش ایمان ہے، سجدہ تکلیفی مراد نہیں۔ غرضیکہ غیر مخلصین کی کمر تختہ ہو جائے گی اور وہ سجدہ میں نہیں جا سکیں گے البتہ آئندہ سجدہ سے سجدۂ صلوٰتی مراد ہے لیکن مفسرین کا اتفاق اس پر ہے کہ پہلے سجدہ سے مراد یہی سجدۂ صلوٰۃ ہے۔

فذرنی. مفعول اول متصل ہے اور ومن یکذب مفعول پر معطوف ہے یا مفعول معہ ہے۔

سنستدرجھم. یعنی آہستہ آہستہ مجرمین کو پکڑ رہے ہیں لیکن بقول زمخشریؒ عذاب درجہ بدرجہ دینا مراد ہے چنانچہ اللہ بندوں کو تمام نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے مگر پھر بھی وہ نافرمانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ استدراج ہے بلکہ جوں جوں نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں معاصی بھی بڑھتے ہیں۔

ام عندھم الغیب. ابن عباسؓ لوحِ محفوظ مراد لیتے ہیں اور بعض نے عام مغیبات مراد لی ہے۔ چنانچہ فھم یکتبون اس کا قرینہ ہے۔

اذ نادیٰ مضاف محذوف سے منصوب ہے۔ ای لایکن حالک کحالہ فی وقت ندائہ مضاف محذوف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امر دینی کا تعلق ذوات سے نہیں بلکہ احوال سے ہوا کرتا ہے۔

فاجتباہ ربہ. مفسرؒ کے بالنبوۃ کہنے سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت یونسؑ کو نبوت اس کے بعد ملی جیسا کہ بعض مفسرینؒ کی رائے ہے لیکن اگر بعض کی رائے پر نبوت پہلے مانی جائے تو پھر مراتب ووحی مراد ہوں گے۔

لیزلقونلث. اکثر قراءؒ کے نزدیک ضمہ یا کے ساتھ اور نافعؒ کے نزدیک فتحہ کی قرأت ہے۔ اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ کھا جانے والی نظروں سے آپ کو گھورتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ آپ کو نظر لگا دینا چاہتے ہیں۔

لما سمعوا. اگر لما ظرفیہ ہو تو پھر لیزلقونلث کے ذریعہ منصوب ہوگا۔ لیکن اگر لما کو حرف مانا جائے تو اس کا جواب محذوف ہوگا اور دال بر جواب موجود ہے لیکن جو حضرات جواب کی تقدیم کی اجازت دیتے ہیں، وہ اسی کو جواب کہتے ہیں۔

ربطِ آیات:............سورۂ ملک میں زیادہ توجہ منکرین توحید کی طرف رہی۔ لیکن اس سورت میں زیادہ دھیان شان نبوت میں گستاخی کرنے والوں کی طرف ہے اور نبوت کا انکار چونکہ کفر ہے اس لئے بعض آیتوں میں ان کی دنیاوی اور اخروی سزاؤں کو بیان ہے۔

شانِ نزول و روایات:............ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ نون سے خاص مچھلی مراد ہے جس پر زمین رکی ہوئی ہے اور مفسرؒ کے نزدیک نٓ اسماء الٰہیہ کا اختصار ہے۔ روح البیان میں ہے کہ جب آیت لاتطع کل حلاف نازل ہوئی تو ولید اپنی ماں سے بولا۔ ان محمدا وصفنی بتسع صفات اعرفھا غیر التاسع منھا فان لم تصدقنی الخبر ضربت عنقک فقالت لہ ان اباک کان عنیناً فخفت علی المال لابن عمک یعنی یکون المال میراثالھم فاجزت فلان الغلام ومکنت من نفسی فانت منہ۔

لولا تسبحون. بعض کی رائے ہے کہ اس زمانہ میں سبحان اللہ ہی انشاء اللہ کے درجہ میں تھا۔

عسی ربنا ان یبدلنا. ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ وہ لوگ تائب ہوگئے تھے اور اللہ کو ان کا مخلص ہونا معلوم ہوگیا تو انہیں دوسرا باغ مرحمت ہوگیا جس کے انگوروں کا یہ حال تھا کہ اس کا ایک خوشہ ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔ بغویؒ اور زمخشریؒ نے ایسے ہی ذکر کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ اگر ہمارے نقصان کی تلافی ہوگئی تو ہم بھی اپنے باپ کی طرح عمل خیر کریں گے چنانچہ خوب دعا کی تو رات ہی کو بہترین باغ عنایت فرمادیا۔ وامر جبریل علیہ السلام ان یقتلع تلک الجنۃ المحترقۃ فیجعلھا بزغر من ارض الشام ویاخذ من ارض الشام فیجعلھا مکانھا.

افنجعل المسلمین. مقاتلؒ کہتے ہیں کہ جب آیت ان للمتقین نازل ہوئی تو کفار مکہ کہنے لگے۔ اول تو آخرت ہوگی نہیں، اگر ہوئی تو ہمیں ہی برتری حاصل رہے گی اور برتری نہ ہوئی تو برابری تو ضرور ہی رہے گی اس پر افنجعل المسلمین نازل ہوئی۔ یدعون الی السجود کعب احبارؒ سے نقل ہے۔ "واللہ مانزلت ھذہ الایۃ الا فی الذین یتخلفون عن الجماعۃ" اور ابن جبیرؒ فرماتے ہیں۔ کانوا یسمعون حی علی الفلاح یجیبون.

سنستدرجھم. حدیث میں ہے اذا رایت اللہ ینعم الی عبد وھو یقم علی المعصیۃ فاعلم انہ استدراج

یستدرج به العبد.

فاصبر لحکم ربك . غزوۂ احد میں جب کچھ صحابہؓ منافقین کے بہکانے میں آ کر بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ نے ان پر بددعا کرنے کا ارادہ کیا اس وقت یہ حکم نازل ہوا اور بعض کے نزدیک جب آپ اہل مکہ سے تنگ دل ہو گئے اور آپ نے ثقیف کے لئے بددعا کرنی چاہی تو کچھ نادانوں نے آپ پر خشت باری کر دی جس سے پائے مبارک لہولہان ہو گئے اس پر پھر آپ نے ان کے لئے بددعا کرنی چاہی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ غرض پہلی صورت میں آیت کو مدنی اور آخر صورت میں مکی ماننا ہوگا۔

﴿تشریح﴾:............ آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کو رنجیدہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کلمات تسلی ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس پر اللہ کا ایسا انعام ہو جس کو ہر آنکھ دیکھ رہی ہے۔ یعنی انتہائی فصاحت و بلاغت اور حکمت دانائی کہ موافق ومخالف سب کے دل موہ لئے اور ایسے پاکیزہ اخلاق کہ سب کو گرویدہ بنا لیا ایسی مقدس ہستی کو دیوانہ کہہ دینا کیا خود کہنے والوں کی دیوانگی کی دلیل نہیں ہے؟

رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانے ہیں:............ اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں بہت سے مصلحین اور رہنما گزرے ہیں کہ جن کو شروع شروع میں لوگوں نے دیوانہ کہہ کر پکارا مگر اس کے ساتھ تاریخ ہمیں یہ بھی بتلاتی ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں زمین وآسمان کا فرق رہا ہے۔ پس جس طرح پہلے مصلحین پر نکتہ چینی کرنے والوں کا انجام ہوا، وہی ان بدلگام لوگوں کا ہوگا کہ ان کا نام ونشان تک مٹ جائے گا لیکن آپ کا نام ونشان وکام جریدۂ عالم پر ہمیشہ سنہرے حرفوں میں لکھا رہے گا ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت ودانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور اجتماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی جس کی لازوال فضیلت وبرتری کو قلم ازل لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا بھلا کس کی مجال ہے کہ کچھ پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو بھی مٹا سکے۔

رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم:............ وانك لعلٰی خلق عظیم. کیا دیوانوں اور پاگلوں کا ایسا شاندار اور پائیدار مستقبل کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنوں کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے کسی نے دیکھی ہے پھر جس کا مرتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو، اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہئے، اللہ نے جن اعلیٰ اخلاق پر آپ ﷺ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان کا تصور کیا جا سکتا ہے، اسی طرح آپ کی زبان اگر قرآن ہے تو اس کی تفسیر آپ کے اعمال واخلاق میں پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی کہ کوئی چیز بھی آپ کو حدِ اعتدال سے ادھر ادھر نہیں کر سکتی یہ آپ کا خلق عالی ہی ہے جو جاہلوں اور کمینوں کی خفیف حرکتوں پر کان دھرنے نہیں دیتا۔ پھر کسی کے مجنون کہنے پر کیا التفات کریں گے بلکہ الٹی آپ ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں ہر وقت جان گھلائے جا رہے ہیں بلکہ سچ پوچھو تو ان نادانوں کی عقل سوز حرکتوں نے آپ کے کریمانہ اخلاق کو گدگدایا اگر یہ نالائقیاں نہ ہوتیں تو آپ کے اندرونی جوہر دنیا کے سامنے کیسے آتے۔ جہاں یہ ایک تکوینی پہلو ہے وہیں اخلاقی عظمت کا عمیق ترین پہلو یہ بھی ہے کہ آدمی دنیا کی حقیر ہستیوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اللہ کی عظمت وجلال کو ہرگز نہ بھولے یہ چیز جب تک دل میں رہے گی، عدل واخلاق کی میزان پورے طور پر ہاتھ میں رہے گی۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک عمدہ بات کہی ہے۔ سمی خلقه عظیماً اذ لم تکن له همة سوی الله

عاشر الخلق بخلقه وزايلهم بقلبه فكان ظاهره مع الخلق وباطنه مع الحق. یعنی حکماء نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے۔ عليك بالخلق مع الخلق وبالصدق مع الحق.

فستبصرون ويبصرون. یعنی عنقریب فریقین کھلی آنکھیں دیکھ لیں گے کہ ان میں سے کون ہوشیار رہا اور کس کی عقل ماری گئی تھی کہ پاگلوں کی طرح بہکی بہکی باتیں کرتا تھا۔ یوں اگرچہ پوری طرح کا علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ میں آنے والے ہیں اور کون بھٹکنے والے ہیں مگر نتائج جب سامنے آجائیں گے تو سب کو نظر آجائے گا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی راہ زنی پر ناکام و نامراد رہا اور چونکہ راہ راست پر آنے والے اور نہ آنے والے سب اللہ کے علم میں طے شدہ ہیں اس لئے دعوت وتبلیغ کے معاملہ میں کچھ رو رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو سیدھی راہ پر آنا ہوگا آکر رہے گا اور جو محروم ازلی ہوگا وہ کسی صورت ماننے والا نہیں ہے۔

مداہنت مذموم ہے، لیکن ملاطفت وحکمت مستحسن ہے:............ فلا تطع المكذبين. مشرکین نے جو آپ سے اپنے بتوں کے متعلق زبان بند رکھنے کی خواہش کی ہے اور ساتھ ہی یہ پیشکش کی کہ ہم آپ کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپ کے طور طریق سے تعرض نہ کریں گے تو ہرگز آپ ان کی باتوں میں نہ آیئے۔ کیونکہ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کر کے اپنی جگہ سے ہٹانے کی کوشش کرنا ہے یہ خود ایمان کی طرف آنا نہیں چاہتے بلکہ آپ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں آپ تو ہر طرف سے دھیان ہٹا کر اپنی دھن میں لگے رہئے، کام کئے جایئے کسی کو منوا دینے کے آپ ذمہ دار نہیں۔ اس تقریر سے مداہنت میں جو مذموم ہے اور ملاطفت وحکمت میں جو محمود ہے فرق واضح ہوگیا۔

مال ودولت کے بجائے اعمال واخلاق لائق توجہ ہونے چاہئیں:............ ولا تطع كل حلاف. ولید بن مغیرہ جس کے دل میں اللہ کے نام کی عظمت نہیں، جھوٹی قسمیں کھالینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور لوگوں کو اطمینان ویقین دلانے کے لئے بار بار قسمیں کھاتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوتا رہتا ہے اور ان بری خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے زمانہ ہے اس میں یہ ساری برائیاں موجود ہیں، ایک شخص محض اس وجہ سے کہ اس کے پاس مال واولاد ہے، اس لائق نہیں ہوجاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے عادات واخلاق ہیں جس میں شرافت وصداقت نہیں اللہ والوں کا کام نہیں کہ اس کی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔

انا بلوناهم. مال واولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں، نہ اللہ کے ہاں اس کی قدر وقیمت ہے اس لئے اس پر مغرور نہیں ہونا چاہئے یہ تو منجانب اللہ ان کی آزمائش ہے جو پہلے ہی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ایک مالدار کا انتقال ہوا اور ترکہ میں اس نے ایک باغ چھوڑا، جس میں کئی بھائی شریک رہے باپ اگرچہ غرباء پر بکثرت خیرات کیا کرتا تھا۔ مگر اولاد نے سوچا کہ اس طرح مال لٹانے اور برباد کرنے سے کیا فائدہ؟ ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ غرباء اور فقیروں کو دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار اور باغ کی بہار گھر ہی میں آجائے چنانچہ صبح ہی پھل توڑ کر گھر لے آنے کا مشورہ ہوا اور اس تدبیر پر اتنا یقین ہوا کہ انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔ مگر ہوا یہ کہ رات ہی کو بگولا اٹھا، باغ کو آگ لگی اور باغ سب صاف ہوگئے۔ سب بھائی قرارداد کے مطابق صبح باغ میں پہنچے تو دیکھ کر پہچان نہ سکے۔ سمجھے کہ ہم راہ بھول کر کہیں اور نکل آئے غور کیا تو پتہ چلا کہ جگہ تو وہی ہے مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور ہم محروم رہ گئے منجھلا بھائی ان میں زیادہ ہوشیار تھا۔ اس نے پہلے ہی مشورہ کے وقت متنبہ کیا تھا کہ تم اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو اور یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور غریبوں کی خدمت سے دریغ نہ کرو جب کسی نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا تو چپ ہو رہا اور انہی کا شریک حال ہوگیا۔ اب یہ تباہی دیکھ کر ان کو وہ بات یاد دلائی تو آخر

میں سب نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی زیادتی ہماری ہی تھی کہ غریبوں کا حق مارا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرص وطمع میں آ کر اصل بھی کھو بیٹھے یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصوروار ہیں تاہم اللہ سے ناامید نہیں ہیں کیا عجب ہے کہ وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بڑھ کر باغ ہم کو عطا کر دے۔

کذلک العذاب. یہ تو دنیا کے عذاب کی ایک ادنیٰ جھلک تھی جسے کوئی ٹال نہ سکا بھلا آخرت کی بڑی آفت کو کون ٹال سکتا ہے سمجھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔

کیا پرہیزگار اور گناہ گار دونوں برابر ہو سکتے ہیں: .... ان للمتقین. دنیا کے باغ وبہار کو کیا لئے پھرتے ہو جنت کے باغ ان سے کہیں زیادہ بہترین ہیں۔ جس میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں وہ خاص متقین کے لئے ہیں رہا کفار ومشرکین کا یہ سمجھ بیٹھنا کہ جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش وعشرت میں رکھا، آخرت میں بھی یہی وہ معاملہ رہے گا، بلکہ وہاں اگر مسلمانوں پر عنایت وبخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بڑھ کر ہوگی۔ اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمیشہ کا ایک وفادار غلام اور ایک نافرمان باغی دونوں انجام میں برابر ہو جائیں بلکہ مجرم اور باغی مزے میں اور وفادار محروم یا کمتر ہو جائیں۔ اس سے بڑھ کر خلاف فطرت وعقل کیا بات ہو سکتی ہے خیر اس بارے میں نقلی ہی دلیل اگر تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ۔ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائیں گی یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے قسم کھالی ہے کہ جو کچھ تم اپنے دل میں ٹھہرالو گے وہی دیا جائے گا اور جس طرح آج عیش وعشرت میں ہو، قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے جو شخص اس کو ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے، اسے سامنے کرو ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے ہاں! اگر محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کئے جا رہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کر دیں گے اور مرتبے دلا دیں گے تو اس کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ میں بلا لائیں اور اپنی من مانی کاروائی کرا دیں مگر یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں، وہ تمہاری کیا مدد کریں گے خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

قیامت میں تجلی ساق: .... یوم یکشف عن ساق. اس کا ذکر مرفوع حدیث شیخین میں اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق کی تجلی فرمائے گا۔ ساق کے معنی پنڈلی کے ہیں لیکن صفات وحقائق الٰہیہ میں سے کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے، جس کو کسی خاص مناسبت سے ساق فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے الفاظ وجہ اور ید ہیں۔ یہ ''متشابہات'' کہلاتے ہیں۔ جن کے لغوی معنی اگرچہ معلوم ہوتے ہیں مگر وہ مراد نہیں ہوتے ان پر بلاکم وکیف وبغیر چوں چرا ایسے ہی ایمان رکھنا چاہئے جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات، سمع بصر وغیرہ صفات پر رکھتے ہیں۔ غرض اور تجلی ساق کو دیکھتے ہی مومنین ومومنات تو سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو دنیا میں ریاکاری کا سجدہ کیا کرتا تھا اس کی کمر تختہ ہو کر رہ جائے گی اور کفار ومشرکین بدرجہ اولیٰ اس صفت سے محروم رہیں گے لیکن سجدہ کی طرف بلانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قیامت جب دار التکلیف نہیں، پھر سجدہ نماز کی طرف کیوں بلایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلائے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ سجدہ کا حکم ہوگا بلکہ خود اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ بے اختیار فوراً سجدہ میں گر پڑیں گے اور ممکن ہے کہ اس کی حکمت یہ ہو کہ مخلصین منافقین کفار میں عملی امتیاز وتفریق ہو جائے اس آیت کشف کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے متشابہات پر عجیب وغریب تبصرہ فرمایا ہے۔

سجدہ نہ کرنے کی سزا: .... خاشعة ابصارهم. یعنی قیامت میں ان کا یہ حال ہوگا کہ ندامت وشرمندگی کے مارے ان کی آنکھ نہ اٹھ سکے گی حالانکہ دنیا میں یہ حال تھا کہ اچھے خاصے تندرست ہوتے ہوئے بھی کبھی ایک سجدہ کی توفیق نہ ہو سکی حتیٰ کہ اپنی فطری

استعداد ہی کھو کر رکھ دی اب چاہیں بھی تو سجدہ نہیں کر سکتے۔

فــذرنــی. یعنی ان کو عذاب تو یقیناً ہوگا لیکن ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے میں ان سے خود نمٹ لوں گا اور اس طرح آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ ہی نہ چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر مگن رہیں گے لیکن اندر ہی اندر سکھ اور چین کی نیند حرام ہو جائے گی میری خفیہ تدبیر تو ایسی پکی ہے جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔

ام تسـئـلهـم. آپ کی بات کیوں نہیں مانتے آخر وجہ کیا ہے؟ کیا آپ ان سے اس پر کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ جس کے بوجھ میں وہ دبے جا رہے ہیں یا کہیں ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے جسے بحفاظت وہ لکھ لیتے ہیں اس لئے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے اور جب ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں تو پھر بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا کہا جائے۔

حضرت یونسؑ کا غم:.......... **وهو مكظوم. مكظوم** کے معنی مغموم کے ہیں اور وہ غم بھی کئی غموں کا مجموعہ تھا ایک غم قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک بلا اجازت صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا، ایک مچھلی کے پیٹ میں قید رہنے کا، دل ٹوٹا ہوا تھا کہ آیت کریمہ **لا الٰه الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين** کے الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔ جس کی برکت سے اللہ نے مچھلی کی قید تنہائی سے نجات دی۔ بفضل خداوندا گر دستگیری نہ ہوتی تو پھر اس چٹیل میدان میں پڑے رہتے اور وہ کمالات باقی نہ رہتے جواب تک قائم تھے مگر اللہ نے اس شکستگی کے صلہ میں مزید مراتب سے نوازا اور نیک شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔

آنحضرت ﷺ کو جلی کٹی نظروں سے دیکھنا یا نظر بد لگانا:.......... **وان يكاد الذين كفروا.** شروع سورت کی طرح پھر روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف ہو گیا۔ فرمایا کہ مخالفین کا حال تو یہ ہے کہ قرآن سن کر غصہ کے مارے جلی کٹی نظروں سے گھور گھور کر آپ کو دیکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے مرتبہ سے آپ گر جائیں اور زبان سے بھی آوازے کستے ہیں اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں اور قرآن کو عیاذاً باللہ دیوانہ کی بڑ۔ حالانکہ یہ سارے جہان کے لئے سرتاپا نصیحت ہے اور بعض نے **ليزلقونك** کا یہ مطلب لیا ہے کہ آپ کو نظر لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو جو نظر لگانے میں مشہور تھا اس کو اس پر آمادہ کر کے بلایا آپ ﷺ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اس نے آکر ہر چند زور لگائے مگر آپ کے لاحول پڑھنے سے ناکام و نامراد واپس چلا گیا آج کل مسمریزم ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے اس لئے نظر لگانے کے معاملہ پر رد وکد کرنا فضول ہے اور بے شمار واقعات تجربہ میں ہیں۔ پھر اس سے انکار نا انصافی ہے۔

لطائف سلوک:.......... **وانك لعلى خلق.** حضرت عائشہؓ اس کی تفسیر فرماتی ہیں۔ "**يرضى لرضاه ويسخط بسخطه**" اس میں تخلق باخلاق اللہ کی طرف اشارہ ہے جس کا کمال درجہ فنا ہے اور اس سے پہلے **ما انت بنعمة ربك بمجنون** فرمانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ سوء اخلاق ایک قسم کا جنون ہے۔

ولا تطع كل حلاف. اس میں اخلاق ذمیمہ کے اصول کا ذکر ہے اہل طریق کو ان سے بچنا چاہئے۔

يوم يكشف. احادیث میں حق تعالیٰ کی ساق فرمایا گیا ہے علماء تو اس کو متشابہات پر محمول کرتے ہیں مگر صوفیاء اس کو تجلی صور ہی کہتے ہیں بلکہ بعض اہل معرفت کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کی صورت میں یہ تجلی رونما ہوگی۔

ولا تكن كصاحب الحوت. اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مقام کے لئے صاحب حال کا فعل اور صاحب مقام اعلیٰ کے لئے صاحب مقام عالی کا فعل کبھی نقص ہوتا ہے جس سے منع کیا جاتا ہے۔

وان يكاد الذين. اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطن میں بھی تصرفات ہو سکتے ہیں اور وہ کیسی تاثیرات طبعیہ ہیں اہل حق پر غالب آ سکتے ہیں پس تاثیر نفسانی علامت ولایت نہیں ہے۔

سُوْرَةُ الْحَآقَّـةِ

سُوْرَةُ الْحَاقَةِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى اَوْاِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَآقَّةُ﴿۱﴾ اَلْقِيٰمَةُ الَّتِىْ يَحِقُّ فِيْهَا مَا اُنْكِرَ مِنَ الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ اَوِ الْمُظْهِرَةِ لِذٰلِكَ **مَا الْحَآقَّةُ﴿۲﴾** تَعْظِيْمٌ لِشَانِهَا وَهُمَا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ خَبَرِ الْحَاقَّةِ **وَمَآ اَدْرٰكَ** اَىْ اَعْلَمَكَ **مَا الْحَآقَّةُ﴿۳﴾** زِيَادَةُ تَعْظِيْمٍ لِشَانِهَا فَمَا الْاُوْلٰى مُبْتَدأٌ وَمَا بَعْدَهٗ خَبَرُهٗ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبَرُهَا فِىْ مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِىْ لِاَدْرٰى **كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ﴿۴﴾** الْقِيٰمَةِ لِاَنَّهَا تُقْرِعُ الْقُلُوْبَ بِاَهْوَالِهَا **فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ﴿۵﴾** بِالصَّيْحَةِ الْمُجَاوِزَةِ لِلْحَدِّفِى الشِّدَّةِ **وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ** شَدِيْدَةِ الصَّوْتِ **عَاتِيَةٍ﴿۶﴾** قَوِيَّةٍ شَدِيْدَةٍ عَلٰى عَادٍ مَعَ قُوَّتِهِمْ وَشِدَّتِهِمْ **سَخَّرَهَا** اَرْسَلَهَا بِالْقَهْرِ **عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ** اَوَّلُهَا مِنْ صُبْحِ يَوْمِ الْاَرْبَعَاءِ لِثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْ شَوَّالٍ وَكَانَتْ فِىْ عَجْزِ الشِّتَاءِ **حُسُوْمًا** مُتَتَابِعَاتٍ شُبِّهَتْ بِتَتَابُعِ فِعْلِ الْحَاسِمِ فِىْ اِعَادَةِ الْكَىِّ عَلَى الدَّاءِ كَرَّةً بَعْدَ اُخْرٰى حَتّٰى يَنْحَسِمَ **فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى** مَطْرُوْحِيْنَ هَالِكِيْنَ **كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ** اُصُوْلُ **نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴿۷﴾** سَاقِطَةٍ فَارِغَةٍ **فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ﴿۸﴾** صِفَةُ نَفْسٍ مُقَدَّرَةٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اَىْ بَاقٍ لَا **وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ** اَتْبَاعُهٗ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْقَافِ وَسُكُوْنِ الْبَاءِ اَىْ مَنْ تَقَدَّمَهٗ مِنَ الْاُمَمِ الْكَافِرَةِ **وَالْمُؤْتَفِكٰتُ** اَىْ اَهْلُهَا وَهِىَ قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ **بِالْخَاطِئَةِ﴿۹﴾** بِالْفَعْلَاتِ ذَاتِ الْخَطَاءِ **فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ** اَىْ لُوْطًا وَغَيْرَهٗ **فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً﴿۱۰﴾** زَائِدَةً فِى الشِّدَّةِ عَلٰى غَيْرِهَا **اِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَآءُ** عَلَا فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْجِبَالِ وَغَيْرِهَا زَمَنَ الطُّوْفَانِ **حَمَلْنٰكُمْ** يَعْنِىْ اٰبَاءَكُمْ اِذْ اَنْتُمْ فِىْ اَصْلَابِهِمْ **فِى الْجَارِيَةِ﴿۱۱﴾** السَّفِيْنَةِ الَّتِىْ عَمِلَهَا نُوْحٌ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَنَجَا هُوَ وَمَنْ كَانَ مَعَهٗ فِيْهَا وَغَرِقَ الْبَاقُوْنَ **لِنَجْعَلَهَا** اَىْ هٰذِهِ الْفِعْلَةَ وَهِىَ

اِنجاءُ الْمُؤمِنِينَ وَاِهلاكِ الْكَافِرِينَ **لَكُمْ تَذْكِرَةً** عِظَةً **وَّتَعِيَهَآ** لِتَحفظَهَا **اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ﴿۱۲﴾** حَافِظَةٌ لِمَا تَسمَعُ **فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ﴿۱۳﴾** لِلْفَصلِ بَيْنَ الخَلائِقِ وَهِيَ الثَّانِيَةُ **وَّحُمِلَتِ** رُفِعَتْ **الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا** دُقَّتَا **دَكَّةً وَّاحِدَةً﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴿۱۵﴾** قَامَتِ الْقِيَامَةُ **وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ﴿۱۶﴾** ضَعِيفَةٌ **وَّالْمَلَكُ** يَعْنِي الْمَلائِكَةَ **عَلٰۤى اَرْجَآئِهَا** جَوَانِبِ السَّمَاءِ **وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ** اَيِ الْمَلائِكَةُ الْمَذْكُورِينَ **يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴿۱۷﴾** مِنَ الْمَلائِكَةِ اَوْمِنْ صُفُوفِهِمْ **يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ** لِلْحِسَابِ **لَاتَخْفٰى** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴿۱۸﴾** مِنَ السَّرَائِرِ **فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ بِيَمِيْنِهِ فَيَقُوْلُ** خِطَابًا لِجَمَاعَتِهِ لِمَا سُرَّبِهِ **هَآؤُمُ** خُذُوا **اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴿۱۹﴾** تَنَازَعَ فِيهِ هَاؤُمُ وَاقْرَءُ وَا **اِنِّيْ ظَنَنْتُ** تَيَقَّنْتُ **اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴿۲۱﴾** مَرْضِيَّةٍ **فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا** ثِمَارُهَا **دَانِيَةٌ﴿۲۳﴾** قَرِيبَةٌ يَتَنَاوَلُ مِنْهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ فَيُقَالُ لَهُمْ **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا** حَالٌ اَىْ مُتَهَنِّينَ **بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴿۲۴﴾** الْمَاضِيَةِ فِي الدُّنْيَا **وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يَا** لِلتَّنْبِيهِ **لَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا** اَيِ الْمَوْتَةُ فِي الدُّنْيَا **كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴿۲۷﴾** الْقَاطِعَةُ لِحَيَاتِي بِاَنْ لَااُبْعَثَ **مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ﴿۲۹﴾** قُوَّتِي وَحُجَّتِي وَهَاءُ كِتَابِيَهْ وَحِسَابِيَهْ وَمَالِيَهْ وَسُلْطَانِيَهْ لِلسَّكْتِ تُثْبَتُ وَقْفًا وَوَصْلًا اِتِّبَاعًا لِمُصْحَفِ الْاِمَامِ وَالنَّقْلِ وَمِنْهُمْ مَنْ حَذَفَهَا وَصْلًا **خُذُوْهُ** خِطَابٌ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ **فَغُلُّوْهُ﴿۳۰﴾** اَجْمَعُوا يَدَيْهِ اِلٰى عُنُقِهِ فِي الْغُلِّ **ثُمَّ الْجَحِيْمَ** النَّارَ الْمُحْرِقَةَ **صَلُّوْهُ﴿۳۱﴾** اَدْخِلُوهُ **ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا** بِذِرَاعِ الْمَلَكِ **فَاسْلُكُوْهُ﴿۳۲﴾** اَىْ اَدْخِلُوهُ فِيهَا بَعْدَ اِدْخَالِهِ النَّارَ وَلَمْ تَمْنَعِ الْفَاءُ مِنْ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالظَّرْفِ الْمُقَدَّمِ **اِنَّهٗ كَانَ لَايُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴿۳۳﴾ وَلَايَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ﴿۳۵﴾** قَرِيبٌ يَنْتَفِعُ بِهِ **وَّلَاطَعَامٌ اِلَّامِنْ غِسْلِيْنٍ﴿۳۶﴾** صَدِيدُ اَهْلِ النَّارِ اَوْشَجَرٌ فِيهَا **لَّايَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ﴿۳۷﴾** الْكَافِرُونَ **فَلَآ** لَازَائِدَةٌ **اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ﴿۳۸﴾** مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ **وَمَالَا تُبْصِرُوْنَ﴿۳۹﴾** مِنْهَا اَىْ بِكُلِّ مَخْلُوقٍ **اِنَّهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴿۴۰﴾** اَىْ قَالَهُ رِسَالَةً عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى **وَّمَاهُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّاتُؤْمِنُوْنَ﴿۴۱﴾ وَلَابِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّاتَذَكَّرُوْنَ﴿۴۲﴾** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَازَائِدَةٌ مُؤَكِّدَةٌ وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ اٰمَنُوا بِاَشْيَاءَ يَسِيرَةٍ وَتَذَكَّرُوهَا مِمَّا اَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَيْرِ وَالصِّلَةِ

وَالْعَفَافِ فَلَمْ تُغْنِ عَنْهُمْ شَيْئًا بَلْ هُوَ **تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ** اَيِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ﴿۴۴﴾** بِاَنْ قَالَ عَنَّا مَالَمْ نَقُلْهُ **لَاَخَذْنَا** لَنِلْنَا **مِنْهُ** عِقَابًا **بِالْيَمِيْنِ﴿۴۵﴾** بِالْقُوَّةِ وَالْقُدْرَةِ **ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ﴿۴۶﴾** نِيَاطَ الْقَلْبِ وَهُوَ عِرْقٌ مُّتَّصِلٌ بِهٖ اِذَا انْقَطَعَ مَاتَ صَاحِبُهُ **فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ** هُوَ اِسْمُ مَا وَمِنْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ النَّفْيِ وَمِنْكُمْ حَالٌ مِنْ اَحَدٍ **عَنْهُ حٰجِزِيْنَ﴿۴۷﴾** مَانِعِيْنَ خَبَرُ مَا وَجُمِعَ لِاَنَّ اَحَدًا فِيْ سِيَاقِ النَّفْيِ بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَضَمِيْرُ عَنْهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ لَا مَانِعَ لَنَا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ الْعِقَابِ **وَاِنَّهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ** اَيُّهَا النَّاسُ **مُكَذِّبِيْنَ﴿۴۹﴾** بِالْقُرْاٰنِ وَمُصَدِّقِيْنَ **وَاِنَّهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴿۵۰﴾** اِذَا رَاَوْا ثَوَابَ الْمُصَدِّقِيْنَ وَعِقَابَ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهٖ **وَاِنَّهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **لَحَقُّ الْيَقِيْنِ﴿۵۱﴾** اَيْ لِلْيَقِيْنِ حَقُّ الْيَقِيْنِ **فَسَبِّحْ** نَزِّهْ **بِاسْمِ** زَائِدَةٌ **رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴿۵۲﴾**

ترجمہ:............سورۂ حاقہ مکیہ ہے۔۵۱ یا ۵۲ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ ہونے والی چیز (قیامت کہ اس میں تمام وہ باتیں محقق ہوجائیں گی جن کا انکار کیا گیا یعنی بعث حساب یا قیامت ان باتوں کو ظاہر کردے گی) کیسی کچھ ہے وہ چیز جو ہونے والی ہے (اس میں قیامت کا عظیم الشان ہونا جتلایا گیا ہے اور ما مبتداء اور الحاقۃ ثانیہ خبر ہے۔ یہ جملہ خبر ہے الحاقۃ اول کی اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ عظمت شان ہے۔ ما اول مبتداء اور ادراک خبر ہے اور ما ثانیہ مبتداء الحاقۃ خبر۔ جملہ ادری کے مفعول ثانی کے محل میں ہے) ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی چیز کی تکذیب کی (قیامت جو اپنی ہولناکی سے دلوں کو کھڑ کھڑا دے گی) سو ثمود تو ایک چیخ سے ہلاک کردیئے گئے (جو حد سے زیادہ شدید چنگھاڑ تھی) اور عاد ایک تیز وتند (زناٹے کی آواز) ہوا کے جھکڑ سے ہلاک کردیئے گئے (جو قوم عاد کے طاقتور ہونے کے باوجود انتہائی سخت تھی) کہ اللہ نے اس ہوا کو (زبردستی) ان پر مسلط کردیا تھا۔ سات رات اور آٹھ دن (۲۴ شوال بدھ کی صبح سے جاڑوں کے آخر میں) متواتر (مسلسل جیسا کہ لگاتار داغنے والا داغتا ہے آخر تک اسی طرح یہاں عذاب لگاتار رہا) سو تو اس قوم کو اس میں اس طرح پڑا ہوا دیکھتا ہے (گرا ہوا تباہ) کہ گویا وہ گری ہوئی (بالکل ٹوٹی ہوئی) کھجوروں کے تنے (جڑیں) ہیں۔ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (باقیۃ نفس مقدر کی صفت ہے اور تا مبالغہ کی ہے یعنی کوئی باقی ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں باقی) اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (اس کے پیروکاروں نے اور ایک قرأت میں فتحہ قاف اور سکون بـا کے ساتھ ہے۔ یعنی فرعون سے پہلے کافروں نے) اوندھی ہوئی بستیوں نے (یعنی اہل بستی نے، اس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں) بڑے بڑے قصور کئے (ایسے کام جو سراسر خطا ہیں) سو انہوں نے اپنے رب کے رسول (لوط وغیرہ) کا کہنا نہ مانا۔ سو اللہ نے ان کو بہت سخت پکڑ لیا (اوروں سے بڑھ چڑھ کر) ہم نے جب کہ پانی کو طغیانی دی (زمانہ طوفان میں پہاڑ وغیرہ ہر چیز پر پانی چڑھ گیا) ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے باپ دادا کو کہ تم ان کی پشتوں میں تھے) کشتی پر سوار کیا (جو نوح علیہ السلام نے تیار کی تھی، وہ اور ان کے ساتھ تو بچ گئے اور باقی سب ڈوب گئے) تاکہ ہم بنادیں، اس کو (یعنی مومنین کی نجات اور کافروں کی بربادی کی کارروائی کو) تمہارے لئے ایک یادگار (عبرت) اور یاد رکھیں (محفوظ کرلیں) یاد رکھنے

والے کان (جو سنی ہوئی باتوں کو محفوظ کر لیتے ہیں) پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی (مخلوق کے فیصلہ کے لئے نفخہ ثانیہ مراد ہے) اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے پھر دونوں ایک دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز (قیامت) ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس وقت نہایت بودا (کمزور) ہوگا اور فرشتے آسمان کے کناروں پر آ جائیں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو (مذکورہ فرشتے) اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (فرشتے آٹھ ہوں گے یا فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی) جس روز تم (حساب کے لئے) پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی بات پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہوگی۔ (تخفی تا اور یا کے ساتھ ہے) پھر جس شخص کا اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بول اٹھے گا (خوشی کی بات اپنی جماعت سے کرتے ہوئے) کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھ لو (کتابیہ میں ھاؤم اور اقرء وا کا تنازع ہو رہا ہے) میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے، غرض وہ شخص پسندیدہ (عمدہ) عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے (پھل) جھکے ہوئے ہوں گے (جو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے حاصل ہو سکیں گے۔ ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ (حال ہے، یعنی خوشی بخوشی) ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام میں (دنیا میں) کئے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ کہے گا (تنبیہ کے لئے ہے) کاش مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی (جو دنیا میں آ چکی تھی) خاتمہ کر دیتی (مجھے نیست و نابود کر دیتی پھر میرا بعث ہی نہ ہوتا) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ مجھ سے گیا گزرا ہوا (یعنی میری قوت اور دلیل کچھ بھی نہیں رہی۔ ان تمام الفاظ میں ھا سکتہ کی ہے۔ جو حالت وقف اور وصل دونوں میں برقرار رہتی ہے۔ مصحف عثمانی میں اسی طرح منقول ہونے کی وجہ سے لیکن بعض قراء نے بحالت وصل اس کو حذف کر دیا ہے) اس شخص کو پکڑو (داروغہ جہنم کو خطاب ہے) اور اس کو طوق پہنا دو (ہاتھوں کو گلے میں باندھ دو) پھر دوزخ میں (دہکتی ہوئی آگ) میں اس کو جھونک (ڈال) دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جو ستر گز ہے (فرشتہ کی ناپ سے) اس کو جکڑ دو (یعنی دوزخ میں جھونک کر زنجیروں میں جکڑ دو۔ ظرف مقدم میں فعل کے عمل کرنے سے فا مانع نہیں ہے) یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ غریب آدمیوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس شخص کا آج نہ کوئی دوست ہے (کہ جس سے اس کو نفع پہنچ جائے) اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے، بجز زخموں کے دھوون (دوزخیوں کے کچلہو یا دوزخی درخت) کے جس کو بڑے گناہگار (کافر) کے سوا کوئی کھا نہ سکے گا پھر میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے (یعنی ساری مخلوق کی) کہ یہ (قرآن) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم بہت کم سمجھتے ہو (دونوں فعل تا اور یا کے ساتھ اور ما زائد ہے تاکید کے لئے یعنی یہ لوگ ان باتوں کو تو مانتے ہیں اور انہیں یاد بھی رکھتے ہیں جو بہت معمولی ہیں، بمقابلہ آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات یعنی خیر اور صلہ اور عفاف کے، حالانکہ وہ باتیں ان کے لئے کچھ مفید نہیں بلکہ یہ) اللہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اگر یہ (نبی) ہمارے اوپر کچھ باتیں لگا دیتے (یعنی ایسی بات کہہ دیتے جو ہم نے نہیں کہی) تو ہم پکڑ لیتے (تھام لیتے سزاءً) ان کا داہنا ہاتھ (زور اور طاقت سے) پھر ہم ان کی رگ جان کاٹ ڈال دیتے (رگ دل جو دل سے وابستہ ہیں وہ کٹ جائے تو مر جائے) پھر تم میں کوئی (احد اسم ما ہے اور من زائد ہے تاکید نفی کے لئے اور معکم من احد سے حال ہے) ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا (روکنے والا یہ ما کی خبر ہے اور جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ احد نفی کے تحت ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عنہ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یعنی عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوتی) اور بلاشبہ یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ (اے لوگو!) تم میں تکذیب کرنے والے بھی ہیں (قرآن کی اور تصدیق

کرنے والے بھی) اور یہ قرآن کافروں کے لئے موجب حسرت ہے (جب وہ تصدیق کرنے والوں کا ثواب اور تکذیب کرنے والوں کا عذاب دیکھیں گے) اور یہ (قرآن) تحقیقی اور یقینی بات ہے، سو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے (لفظ اسم زائد ہے)

تحقیق وترکیب: .... الحاقة. بقول زمخشریؒ اصل میں "الحاقة ماهي" عبارت تھی۔لیکن دہشت زیادہ کرنے کے بجائے ضمیر اسم ظاہر لایا گیا۔اس پر تو اتفاق ہے کہ حاقہ قیامت کا نام ہے مگر حاقہ کہنے کی وجوہ میں اختلاف ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ حق بمعنی ثابت سے ماخوذ ہے قیامت کو واجب الوقوع ہونے کی وجہ سے حاقہ کہتے ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت میں حقائق محقق ہو جائیں گے۔تیسرے یہ کہ قیامت صادق اور یقینی چیزوں میں سے ہے چنانچہ اس کا ثواب وعذاب وغیرہ بھی وہ امور ہیں جن کا وجود ضروری ہے۔

وما ادراك. ادرى متعدی بدو مفعول ہے۔کاف مفعول اول اور ما الحاقه مفعول ثانی محل نصب ہے بخلاف الجار ہے۔کیونکہ مفعول ثانی کی طرف ما کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ولا ادراكم به میں ہے۔

بالطاغية. ابن عباسؓ اور قتادہؒ صیحہ کے معنی لیتے ہیں اور بعض یہ معنی لیتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی طغیانی کی وجہ سے تباہ ہو گئے اس صورت میں عافية کی طرح طاغية مصدر ہوگا لیکن معنی بعد کی عبارت کے مناسب نہیں ہے۔

ريح صر صر. صر بالفتح کے معنی چیخ کے ہیں اور بالکسر پالے کے معنی ہیں۔

عاتية. عتت کے معنی سے حد سے تجاوز کے ہیں اور بے اندازہ کے معنی بھی آتے ہیں۔جیسا کہ حدیث میں ہے۔ما ارسل الله سفة من ريح الا بمكيال ولا قطرة من ماء الا بمكيال الا يوم عاد ويوم نوح.

حسوما. ابن منذرؒ کی روایت میں ہے جمعہ کے دن سے عذاب شروع ہوا سات رات آٹھ دن رہا پھر سب مر گئے اور ہوا نے نعشوں کو سمندر میں پھینک دیا۔وہبؒ فرماتے ہیں کہ اسی لئے عرب ان دنوں کو "ايام عجوز" کہتے ہیں۔آخری جاڑوں کی وجہ سے اور یا اس لئے کہ ایک بڑھیا ہوا سے بچنے کے لئے ایک سرنگ میں گھس گئی مگر ہوا نے وہاں بھی اسے ہلاک کر دیا تھا۔حسوماً یہ نعت ہے سبع ليال وثمانية ايام کی۔يسخرها کے مفعول سے حال ہے۔حسوم کے معنی بار بار ٹکورے دینا حتیٰ کہ بیماری کا مادہ ختم ہو جائے۔مفسرؒ نے متتابعات سے مجاز مرسل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لگاتار ہوا کے جھونکوں کو داغنے کے ٹکوروں سے تشبیہ دی گئی ہی اور عطیہؒ نے حسوماً کے معنی شوم اور بدبختی کے لئے ہیں گویا ہوا نے ساری خیر ختم کر دی۔

نخل خاويه. خاويه کے معنی خالی کے ہیں اور بعض کے نزدیک ساقط کے معنی ہیں۔مفسرؒ نے شافعی المسلک ہونے کی وجہ سے عموم مجاز کے طور پر دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

من باقية. اى نفس باق اور استفہام انکاری ہے۔

ومن قبله. ابوعمرؒ اور کسائیؒ کے نزدیک کسر قاف کے ساتھ اور اکثر قراء کے نزدیک فتحہ قاف کے ساتھ ہے۔

والموتفكات. ایتفاک کے معنی انقطاع اور اکھاڑ پھینکنے کے ہیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو قوم گناہوں میں منہمک ہو کر تباہ ہو گئیں۔

بالخاطية. گناہگار چونکہ اہل بستی ہیں اس لئے مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ یہ موصوف کی صفت ہے۔شرک، بدکاری، تالیاں بجانا، گوز مارنا وغیرہ برائیوں میں یہ لوگ مبتلا تھے۔

حملناكم. مضاف محذوف ہے۔اى حملنا آباء كم. گویا باپ دادا کی پشتوں میں موجود ہونے کی وجہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ساری دنیا حضرت نوحؑ کے بعد سام، حام، یافث تینوں صاحبزادوں کی اولاد سے ہے۔

تعيها. دعى حفاظت کرنا، ایعاء حفاظت کرانا۔

نفخة واحدة. ابن عباسؓ نفخہ ثانیہ کے معنی فرماتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی حساب کتاب ہوگا اور بعض کے نزدیک نفخه اولیٰ مراد ہے۔

فيومئذ. اى اذا نفخ وحملت.

وقعت الواقعة. یہ ترکیب قائم القائم کی طرح بے فائدہ معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ قیامت کا علم ہے۔ اشتقاقی معنی مرادنہیں جس کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

علي ارجائها. دنیا کا ہولناک منظر دیکھنے کے لئے فرشتے کناروں پر آ جائیں گے۔

ويحمل عرش. حاملین عرش فرشتے "الامن شاء الله" کے تحت ہونے کی وجہ سے "فصعق من في السموات" سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ آٹھ فرشتے مینڈھوں کی شکل پر ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سر عرش سے ملے ہوئے اور پاؤں نچلی زمین پر ہوں گے اور پانچ سو سال کی مسافت کے برابر طویل سینگ ہوں گے اور کھر سے پیٹھ تک زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہوگا اور یہ کہ کسی کا چہرہ انسانی اور کسی کا شیر جیسا اور کسی کا بیل جیسا اور کسی کا گدھ جیسا ہوگا۔ ابن جریرؒ، ابن زیدؒ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اس وقت حاملین عرش چار ہیں اور قیامت میں آٹھ ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کا عدد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ البتہ آٹھ صفوں میں ہوں گے اور حسنؒ کہتے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد اللہ کو معلوم ہے۔

۸ ہیں یا ۸ ہزار یا آٹھ صفیں۔ امام رازیؒ آٹھ افراد ماننا اولیٰ کہتے ہیں۔

هاؤم. یہ فعل صریح ہے یا اسم فعل بہر دو صورت خذوا کے معنی ہیں۔ یہاں آیت میں اسم فعل ہے جس میں مد وقصر دونوں لغت ہیں۔ مفرد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب میں یہ دونوں لغت ہیں۔ کاف خطاب بھی اس کے ساتھ لگتا ہے جس میں واقع کی مطابقت کی جائے گی۔ جیسے هان، هاء ن، هاک، هاء ک اور کاف خطاب کی جگہ اگر ہمزہ ہوگی تو اس میں کاف جیسا تصرف کیا جائے گا۔ جیسے هاء یازید. هائ یاهند، هاء ما، هاؤم، هانون. یہ لغت القرآن ہے۔ لیکن اگر فعل صریح کے ساتھ ضمائر بارزہ مرفوعہ لگیں تو ان میں تین لغات ہوں گی۔ ایک یہ کہ عاطى يعاطى کی طرح هائ یازید، هائ یاهند، هائیا یازید ان، یا هندان هاء وایازیدون، هائین یا هندات کہا جائے۔ دوسرے یہ کہ هب کی طرح کہا جائے۔ هاهی، هاء ها، هاؤاهان. ایسے ہی ہیں جیسے هب هبی هبا هبوا. تیسرا لغت یہ کہ خف، خافي، خافا، خافوا، خفن کی طرح هاء، هائ، هاء ا، هاء وا، هان کہا جائے۔ اسی طرح اس لفظ کے مدلول میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ خذوا کے معنی میں ہے اور بعض نے تعالوا کے معنی لئے ہیں۔ اس صورت میں الیٰ کے ذریعہ متعدی ہوگا اور بعض نے قصد کے معنی لئے ہیں۔

كتابيه. یا کا فتحہ ظاہر کرنے کے لئے ان کلمات میں ہائے سکتہ لائی گئی ہے اور کوفیوں کے مذہب پر اول کو اور بصریوں کے مذہب پر دوسرے کو عامل مان کر دوسرے فعل میں ضمیر لائی جائے گی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی "هاؤم كتابي" اقرؤا واكتابيه پہلے کو حذف کر دیا گیا ثانی کی دلالت کی وجہ سے۔ کوفی اولیت کی اور بصری قرب کی رعایت کرتے ہیں ہائے سکتہ وقف میں ثابت اور وصل میں ساقط ہونی چاہئے۔ مگر مصحف عثمانی میں موجود ہونے کی وجہ سے ہر حال میں ها باقی رہے گی اور وقف کو وصل پر ترجیح دیتے ہوئے۔

انى ظننت. چونکہ الايمان بين الخوف الرجاء ہے اس لئے اللہ نے رجاء کو پورا کیا اور خوف سے بچالیا۔

راضية. فاعل بمعنی مفعول ہے۔ هنيئا حال اگر ہے تو هنيئا بمعنی متهنين ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ اى اكلا وشرباً هنيئا یا خود مصدر ہے۔ اى هننتم هنيئاً

سلطانيه. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ سلطانيه کی یہ دونوں تفسیریں ہیں۔ صاحب مفصلؒ نے لکھا ہے کہ جس متحرک پر حرکت اعرابیہ نہ ہو وہاں وقف باظہار جائز ہے۔ حرکت کو محفوظ رکھنے کے لئے اور باوجود یکہ ترک حاصل ہے مگر مصحف عثمانی کی وجہ سے وقف و وصل دونوں حالتوں میں ها باقی رہے گی بلکہ مثل متواتر سے بھی ها ثابت ہے۔ جیسا کہ زمخشریؒ نے ذکر کیا ہے اور بعض نے اصل کی

رعایت کرتے ہوئے حالت وصل میں حذف کردیا ہے۔

سبعون ذراعا. حسنؒ تو کہتے ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون سا ذراع مراد ہے۔ ابن عباسؓ فرشتہ کی ذراع فرماتے ہیں معروف بکالی" جو کہ کوفہ میں تھے وہ ذراع کے متعلق کہتے ہیں۔ سبعون باعاً والباع مابینک (الکوفۃ) وبین مکۃ، اورامام محمدؒ کی روایت سے ذراع کا طول مابین السماء والارض معلوم ہوتا ہے۔

فلیس لہ الیوم. یوم سے مراد آخرت ہے اور حمیم اور اس کے معطوفات لیس کا اسم ہے اور ظرف مقدم خبر ہے۔ دوزخیوں کے کھانے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے اور آیت "شجرۃ الزقوم طعام الاثیم اور الامن ضریع الخ" اور "اولئک مایاکلون فی بطونھم الی النار" میں بھی ہے، سب میں کوئی منافات نہیں بلکہ حصر اضافی ہے اور مقصد مشترک یہ ہے کہ وہ کھانا نفع سے خالی ہوگا۔

غسلین. ابن عباسؓ اس کے معنی صدید یعنی زخموں کا دھوون لے رہے ہیں۔

رسول کریم. یعنی بد خلقی سے کوسوں دور ہیں اور قرآن کلام الٰہی ہے اس کو اقوال رسول بلحاظ تبلیغ کہا گیا۔

تذکرون. تومنون اور تذکرون اہل کوفہ کی قرأت بالتخفیف ہے اور باقی قراء کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔

منہ الوتین. مفسرؒ نے ابن عباسؓ سے یہ تفسیر نقل کی ہے اور مجاہدؒ کہتے ہیں۔ ھو الحبل الذی فی الظھر.

عنہ حاجزین. ضمیر عنہ آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے یا قتل کی طرف۔

وانہ لتذکرۃ. یہ اور اس کے بعد کا عطف جواب قسم پر ہے پس یہ بھی منجملہ مقسم علیہ ہے۔

منکم مکذبین. مفسرؒ نے "مصدقین" سے اشارہ کیا ہے کہ آیت میں واو سمیت معطوف محذوف ہو رہا ہے۔

لحق الیقین. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ صفت موصوف کی طرف مضاف ہو رہی ہے معنی یہ ہوں گے کہ جو قرآن کو مضبوط پکڑ کر اس پر عمل پیرا ہوگا وہ اہل حق الیقین میں سے ہو جائے گا۔ یقین کے علی الترتیب تین مراتب ہیں علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین۔

ربط آیات:.........سورۂ نون میں رسالت کے اثبات کے ساتھ کفار کے مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت میں مجازات کی تحقیق اور اس کا وقت اور اس میں ہونے والے بعض واقعات کا ذکر ہے اور ختم سورت پر قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس سے مجازات کی تحقیق وتقریر بھی ہو رہی ہے کیونکہ قرآن اس پر دال ہے اور دلیل کی سچائی مدلول کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے نیز قرآن کی صداقت پچھلی سورت کے مضمون رسالت کے بھی مناسب ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.........الحاقۃ. قیامت کی وہ گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الٰہی میں طے ہو چکا تھا اس وقت حق ناحق بالکل کھلے طور پر الگ الگ ہو جائے گا اور تمام حقائق روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائیں گے اور قیامت کا انکار کرنے والے سب کے سب مغلوب ہو جائیں گے۔ جانتے ہو کہ وہ گھڑی کیسی ہے اور اپنے اندر کیا کچھ رکھتی ہے؟ اس کی کیفیات کا احاطہ شعور وادراک سے باہر ہے تاہم بطور تمثیل چند واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے قیامت کبریٰ کا ہلکا سا نمونہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قوم ثمود وعاد نے اس آنے والی ساعت کو جھٹلایا جس سے سارا عالم جھنجوڑ کر رکھ دیا جائے گا اور بڑی سے بڑی مضبوط مخلوق کو زیروزبر اور ریزہ ریزہ کر کے رکھ دے گی پھر دیکھ لو کہ دونوں کا انجام کیا ہوا؟

نافرمان قوموں پر عذاب الٰہی:.........قوم ثمود تو ایک بھونچال کی نذر ہوگئی جس سے سب تہ وبالا ہو کر رہ گئے اور قوم عاد پر ہوا کے ایسے سخت جھکڑ چلے کہ اور تو اور فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مقرر ہیں ان کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔ طاقت کے نشہ میں جو لوگ چور تھے ہوا کے تھپیڑوں نے انہیں اس طرح پچھاڑ کر رکھ دیا کہ گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں جس کا محض ٹھنڈ رہ گیا ہو۔ پس آج کیا ان کا نام ونشان اور بیج باقی ہے۔ پھر ان دونوں قوموں کے بعد فرعون بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا ہوا آیا اور اس سے پہلے قوم نوح و

شعیب ولوط بھی آئیں جو گناہوں میں غرق رہیں اور اپنے پیغمبروں کی نافرمان رہیں۔ خدا سے مقابلہ آرائی میں لگے رہے آخر خدا نے سب کو ایسا پکڑا کہ کسی کی کچھ پیش نہ چل سکی۔ طوفان نوح تو اتنا خطرناک اور بھیانک تھا کہ اگر اللہ اپنا فضل واحسان نہ کرتا تو بظاہر اسباب کوئی بھی انسان نہ بچتا۔ مگر ہم نے اپنی قدرت وحکمت سے نوح اور ان کے ساتھیوں کو بچالیا بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہوسکتی تھی مگر ''جسے خدا رکھے اسے کون چکھے'' اب رہتی دنیا تک لوگ اس کو یاد رکھیں اور جو کان معقول بات سننے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح یہاں پر فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو الگ الگ کر دیا گیا ہے، قیامت کے ہولناک حادثہ میں بھی یہی حال ہوگا۔ جب ''نفخہ اولیٰ'' ہوگا تو زمین اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا جو آسمان لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس درجہ مستحکم اور مضبوط ہو کہ کہیں ذرا سا بھی شگاف نہیں پڑا، اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور درمیان سے پھٹے گا تو فرشتے آسمان کے کناروں پر سمٹ آئیں گے نفخہ ثانیہ کے وقت اور عرش جس کو اب تک وہ چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں جن کی قوت وطاقت اور بزرگی کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے قیامت کے دن ان فرشتوں کو دوگنا کر دیا جائے گا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرشتوں کے آٹھ ہونے پر دقیق وبسیط بحث کی ہے۔ یہاں یہ وسوسہ ہوسکتا ہے کہ جب اذا نفخ سے نفخہ اولیٰ مراد ہے اور یومئذ اس کا بدل ہے اور وقعت اپنے معطوفات سمیت اس میں عامل ہے تو پھر عرش کا اٹھانا وغیرہ واقعات بھی نفخہ اولیٰ کے ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے، مگر قیامت ایک وسیع وقت ہے، اس کے تمام اجزاء حکم میں وقت واحد کے ہیں۔ اس لئے نفخہ ثانیہ کے واقعات کا ظرف نفخہ اولیٰ کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:............**یومئذ تعرضون.** غرض اس وقت اللہ کی عدالت میں حاضر کیے جاؤ گے اور نیکی بدی سب کچھ منظر عام پر آ جائے گی۔ کوئی چیز چھپ نہ سکے گی۔ جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہوگا جو اس کے مقبول اور نجات یافتہ ہونے کی علامت ہوگی وہ خوشی کے مارے ہر ایک کو دکھلاتا پھرے گا کہ آؤ میاں میرا اعمال نامہ تو ذرا پڑھو میں دنیا ہی میں سمجھتا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہوگا اور اس خیال سے میں ڈرتا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا۔

آج اس کا خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ بفضلہٖ میرا حساب صاف ہے۔

قطوفها دانية. جنت کے پھل ہر حال میں بسہولت حاصل ہوسکیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ دنیا میں تم نے اللہ کے لئے نفسانی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس کی تکلیفیں اٹھائی تھیں اس لئے آج خوب رچ بس کر کھاؤ پیو کوئی روک ٹوک نہیں نہ بدہضمی وغیرہ، نہ بیماری اور نہ اس کے ختم ہونے کا کھٹکا۔

دوزخیوں کی درگت:............**واما من اوتی کتابه بشماله.** جس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ آئی کمبختی۔ اس وقت حسرت سے آرزو کرے گا کہ کاش! یہ اعمالنامہ ہی نہ ملتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی اور ارے کاش! موت ہمیشہ کے لئے میرا قصہ ہی ختم کر ڈالتی کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا یا اب پھر موت آ کر میرا لقمہ کر لیتی۔ افسوس کہ آج میرے کچھ کام نہ آسکا، نہ آج میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے اور نہ عذر کی گنجائش ہے۔ فرشتوں کو ارشاد ہوگا کہ اسے پکڑو گلے میں طوق ڈال دو اور دوزخ میں لے جا کر جھونک دو اور ستر گز لمبی زنجیریں باندھ جوڑ کر ڈال دو کہ چلتے وقت حرکت نہ کر سکے اور تکلیف میں شدت محسوس کرے اتنی لمبی زنجیر کا راز اللہ کو معلوم ہے آگے دوزخیوں کی دنیاوی حالت کا بیان ہے کہ نہ انہوں نے دنیا میں رہ کر اللہ کو جانا، نہ بندوں کے حقوق پہچانے، خود تو محتاجوں کی مدد کیا کرتے تھے، دوسروں کو بھی ترغیب نہ دی، پھر نجات کیسی؟ اور عذاب میں تخفیف کیسی؟ اللہ کو جب

انہوں نے دوست نہ بنایا تو آج ان کا دوست کون بن سکتا ہے کہ جو مصیبت سے بچا سکے اور وقت پر کام آسکے اور کھانا اگرچہ تقویت کا باعث ہوتا ہے مگر انہیں کوئی ایسا مرغوب کھانا نہ مل سکے گا جو راحت وقوت کا باعث ہو۔ انہیں دوزخیوں کی پیپ ملے گی جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا اور وہ بھی ہم بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلے گا مگر کھا کر ظاہر ہوگا کہ اس کا عذاب بھوک کے عذاب سے کچھ سوا ہی ہے۔

قرآن کیا ہے:.........فلا اقسم. فرمایا کہ جنت وجہنم کا بیان کوئی شاعری نہیں ہے، نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں، بلکہ ہم قسمیہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کو ایک بزرگ فرشتہ لے کر آسمان سے ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا اور آسمان سے لانے والا اور زمین کو پہنچانے والا دونوں ہی رسول کریم ہیں۔ ایک کا کریم ہونا آنکھوں سے دیکھتے ہو اور دوسرے کا کریم ہونا پہلے کے بیان سے ثابت ہے۔ دراصل عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جن کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے، دوسرے گو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، مگر عقل وغیرہ سے انسان اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم جتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، تب بھی وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئے گی۔ لیکن حکماء کے دلائل وبراہین کے آگے ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعے حواس کی ان غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں ہے آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس طرح ہو بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی ہے جو غلطیوں سے اور کوتاہیوں سے مبرا ہے بلکہ تمام عقلی قوتوں کی اصلاح کر سکتی ہے۔

جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں، وہاں عقل کام دیتی ہے۔ ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے وہاں وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لئے یہاں "ما تبصرون وما لاتبصرون" کی قسم کھائی۔ یعنی جنت ودوزخ وغیرہ کے جو حقائق پہلی آیات میں بیان ہوئے ہیں اگر وہ محسوسات سے بلند ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو محسوس اور غیر محسوس چیزوں کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم ﷺ کا کلام ہے جو حواس اور عقل سے بالاحقائق کی وحی الٰہی سے خبر دیتا ہے جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض انہیں چیزوں کو رسول کریم ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے ماننے میں کیا تامل ہے۔

دنیا میں ہمیشہ اچھوں کی کمی رہی ہے:.........قليلا ما تؤمنون. یعنی قرآن کا کلام الٰہی ہونا کبھی کبھی اس کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آئی ہے جو ایمان ونجات کے لئے ناکافی ہے۔ پھر بھی آخر کار اس کو شاعری کہانت کہہ کر اڑا دیتے ہو۔ کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ شاعر کا شاعرانہ کلام ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ شعر میں وزن اور بحر ہوتی اور قرآن میں اس کا پتہ نہیں۔ دوسرے شاعروں کا کلام اکثر بے اثر ہوتا ہے اور ان کے اکثر مضامین محض خیالی اور وہمی ہوتے ہیں اور قرآن کریم سراسر حقائق ہے اور محکم اصولوں، قطعی دلیلیوں، یقینی حجتوں سے لبریز ہے۔ پورا دھیان دو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے، کیونکہ ان کا کلام جناتی ہوا کرتا ہے اور جناتی کلام معجزہ نہیں ہوتا کیونکہ ایک جن جس طرح ایک کاہن کو کلام سکھلاتا ہے دوسرا جن بھی ویسا ہی کلام دوسرے کاہن کو سکھلا سکتا ہے۔ برخلاف قرآن کریم کے سب جن وانس مل کر بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے نیز کاہنوں کے کلام میں بہت سے الفاظ محض تک بندی کے طور پر بالکل بے کار، بے فائدہ بھرتی کے ہوتے ہیں اور اس کلام الٰہی میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار وبے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں صرف چند مبہم معمولی خبریں ہوتی ہیں لیکن علوم عالیہ اور حقائق ان کے بس سے باہر کی بات ہے۔ برخلاف قرآن کریم کے، وہ ادیان وشرائع کے اصول وقوانین اور معاش ومعاد کے دستور وآئین اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں اور

فرشتوں، جنت ودوزخ کے بیانات پر مشتمل ہے اسی لئے سارے جہان کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔

جھوٹے اور سچے نبی کا فرق:............ولو تقول علینا. کسی کے گردن مارنے اور قتل کرنے کا دستور یہ تھا کہ جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھتا تھا تاکہ قتل سے پھر کر وہ آدمی بھاگ نہ جائے۔ اسی دستور پر فرمایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ کا رسول، اللہ پر جھوٹ بناتا تو اللہ اس کا دشمن ہو جاتا اور ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن مار دیتا۔ حاصل یہ ہے کہ بالفرض اگر رسول کوئی بات اللہ کی طرف غلط منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے تو فوراً اس پر عذاب آ جائے۔ غرضیکہ جھوٹے مدعی نبوت کو پنپنے نہیں دیا جاتا بلکہ فی الفور ہلاک کر دیا جاتا ہے یا اس کا جھوٹ ظاہر ہو جانے سے ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے۔ ورنہ وحی الٰہی سے امن اٹھ جائے اور ایسا التباس واشتباہ پڑ جائے جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی جو حکمت تشریع کے خلاف ہے لیکن جس کا رسول ہونا آیت وبراہین سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ کھلے ہوئے دلائل اور علانیہ قرائن اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بے ہودہ اور خرافات ہے کوئی عاقل اس کو لائق توجہ نہیں سمجھے گا اور نہ دین الٰہی میں کوئی اشتباہ والتباس ہوگا۔

ہاں البتہ معجزات وغیرہ سے اس کی صداقت ثابت ہونا بھی محال ہے۔ بلکہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے ایسی باتیں ظاہر کر دے جو اس کے جھوٹے دعویٰ کے برخلاف ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ کسی شخص کو کسی اعلیٰ منصب پر مقرر کرے اور سند وفرمان دے کہ کہیں اس کو روانہ کرے۔ اب اگر اس سے بادشاہ پر جھوٹ باندھنا ثابت ہو جائے یا خدمت میں کوئی خیانت اس سے سرزد ہو جائے تو فوراً اس کا تدارک کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ میرے لئے بادشاہ کا یہ فرمان ہے اور گورنمنٹ نے میرے ذریعہ یہ احکام دیئے ہیں تو کون اس کی بات پر دھیان دیتا ہے اور کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعووں کی تردید کرتا ہے بہر حال اس آیت میں حضور ﷺ کی نبوت پر استدلال نہیں ہے، بلکہ منشاء یہ ہے کہ کلام الٰہی ہے جس میں ایک شوشہ بھی نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے ملا نہیں سکتے اور نہ آپ کی یہ شان ہے کہ آپ کوئی بات اللہ کی طرف سے یوں ہی منسوب کر دیں۔

قرآن حقائق کا سرچشمہ ہے:............وانہ لتذکرہ. اللہ سے ڈرنے والے تو اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کرتے ہیں اور جن کے دل میں ڈر نہیں وہ ان کو جھٹلائیں گے مگر ایک وقت آنے والا ہے کہ یہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت وپشیمانی کا سبب ہوگا اس وقت وہ پچھتائیں گے کہ کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی حالانکہ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین میں سرتاسر سچ اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آدمی اس پر ایمان لا کر اپنے رب کی تسبیح وحمد میں مشغول ہو۔

لطائف سلوک:............ولو تقول علینا الخ جس طرح جھوٹے نبی کا حال ہے، اسی طرح جھوٹا مدعی ولایت ہلاک کیا جاتا ہے۔ مگر نبوت ایک امر ظاہر ہے اس کا جھوٹا مدعی ظاہراً بھی ہلاک ہوتا ہے اور ولایت باطنی امر ہے اس کا جھوٹا مدعی باطنی طور پر ہلاک ہوتا ہے جس کا پتہ اہل باطن کو چل جاتا ہے۔ اس کے آثار خذلان وظلمت ہے اس لئے اہل اللہ جس سے نفرت کریں اس سے بچنا چاہئے۔

وانہ لحق الیقین. صوفیاء کی اصطلاح میں یقین کے تین مراتب ہیں۔ سب سے اعلیٰ عین الیقین، اس سے کم حق الیقین، اس سے کم علم الیقین کا درجہ ہے۔ سورۂ تکاثر میں بھی علم الیقین کے یہی معنی ہیں۔

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَالَ سَآئِلٌ دَعَا دَاعٍ **بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ﴿۲﴾** هُوَالنَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ الْاٰيَةَ **مِّنَ اللهِ** مُتَّصِلٌ بِوَاقِعٍ **ذِى الْمَعَارِجِ﴿۳﴾** مَصَاعِدُ الْمَلٰئِكَةِ وَهِيَ السَّمٰوٰتُ **تَعْرُجُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ** جِبْرِيْلُ **اِلَيْهِ** اِلٰى مَهْبَطِ اَمْرِهٖ مِنَ السَّمَاءِ **فِىْ يَوْمٍ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَىْ يَقَعُ الْعَذَابُ بِهِمْ فِىْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴿۴﴾** بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْكَافِرِ لِمَا يُلْقٰى فِيْهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ اَخَفُّ مِنْ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ يُصَلِّيْهَا فِى الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِى الْحَدِيْثِ **فَاصْبِرْ** هٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْقِتَالِ **صَبْرًا جَمِيْلًا﴿۵﴾** اَىْ لَا فَزَعَ فِيْهِ **اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ** اَيِ الْعَذَابَ **بَعِيْدًا﴿۶﴾** غَيْرَ وَاقِعٍ **وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا﴿۷﴾** وَاقِعًا لَامَحَالَةَ **يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَىْ يَقَعُ **كَالْمُهْلِ﴿۸﴾** كَذَائِبِ الْفِضَّةِ **وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴿۹﴾** كَالصُّوْفِ فِى الْخِفَّةِ وَالطَّيْرَانِ بِالرِّيْحِ **وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا﴿۱۰﴾** قَرِيْبٌ قَرِيْبَهٗ لِاِشْتِغَالِ كُلٍّ بِحَالِهٖ **يُّبَصَّرُوْنَهُمْ** يُبْصِرُ الْاَحِمَّاءُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَيَتَعَارَفُوْنَ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ **يَوَدُّ الْمُجْرِمُ** يَتَمَنَّى الْكَافِرُ **لَوْ** بِمَعْنٰى اَنْ **يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ** بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا **بِبَنِيْهِ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ** زَوْجَتِهٖ **وَاَخِيْهِ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ** عَشِيْرَتِهٖ لِفَصْلِهٖ مِنْهَا **الَّتِىْ تُؤْوِيْهِ﴿۱۳﴾** تَضُمُّهٗ **وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ﴿۱۴﴾** ذٰلِكَ الْاِفْتِدَاءُ عَطْفٌ عَلٰى يَفْتَدِىْ **كَلَّا** رَدْعٌ لِمَا يَوَدُّهٗ **اِنَّهَا** اَيِ النَّارُ **لَظٰى﴿۱۵﴾** اِسْمٌ لِجَهَنَّمَ لِاَنَّهَا تَتَلَظّٰى اَىْ تَتَلَهَّبُ عَلَى الْكُفَّارِ **نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى﴿۱۶﴾** جَمْعُ شَوَاةٍ وَهِيَ جِلْدَةُ الرَّاسِ **تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى﴿۱۷﴾** عَنِ الْاِيْمَانِ

بِاَنْ تَقُوْلَ اِلَيَّ اِلَيَّ **وَجَمَعَ الْمَالَ فَاَوْعٰى﴿١٨﴾** اَمْسَكَهٗ فِيْ وِعَائِهٖ وَلَمْ يُؤَدِّ حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ **اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا﴿١٩﴾** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَتَفْسِيْرُهٗ **اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا﴿٢٠﴾** وَقْتَ مَسِّ الشَّرِّ **وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴿٢١﴾** وَقْتَ مَسِّ الْخَيْرِ اَيِ الْمَالِ لِحَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ **اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ﴿٢٢﴾** اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ **الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴿٢٣﴾** مُوَاظِبُوْنَ **وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴿٢٤﴾** هُوَ الزَّكٰوةُ **لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴿٢٥﴾** الْمُتَعَفِّفِ عَنِ السُّؤَالِ فَيُحْرَمُ **وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴿٢٦﴾** الْجَزَاءِ **وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ﴿٢٧﴾** خَائِفُوْنَ **اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ﴿٢٨﴾** نُزُوْلُهٗ **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** مِنَ الْاِمَاءِ **فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴿٣١﴾** الْمُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْاِفْرَادِ مَا ائْتُمِنُوْا عَلَيْهِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا **وَعَهْدِهِمْ** الْمَاْخُوْذُ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ **رٰعُوْنَ﴿٣٢﴾** حَافِظُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْجَمْعِ **قَآئِمُوْنَ﴿٣٣﴾** يُقِيْمُوْنَهَا وَلَا يَكْتُمُوْنَهَا **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴿٣٤﴾** بِاَدَائِهَا فِيْ اَوْقَاتِهَا **اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ﴿٣٥﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ** نَحْوَكَ **مُهْطِعِيْنَ﴿٣٦﴾** حَالٌ اَيْ مُدِيْمِي النَّظَرِ **عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ** مِنْكَ **عِزِيْنَ﴿٣٧﴾** حَالٌ اَيْضًا اَيْ جَمَاعَاتٌ حَلَقًا حَلَقًا يَقُوْلُوْنَ اِسْتِهْزَاءً بِالْمُؤْمِنِيْنَ لَئِنْ دَخَلَ هٰؤُلَاءِ الْجَنَّةَ لَنَدْخُلَنَّهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالٰى **اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ﴿٣٨﴾ كَلَّا** رَدْعٌ لَّهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِي الْجَنَّةِ **اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ** كَغَيْرِهِمْ **مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ﴿٣٩﴾** مِنْ نُطَفٍ فَلَا يُطْمَعُ بِذٰلِكَ فِي الْجَنَّةِ وَاِنَّمَا يُطْمَعُ فِيْهَا بِالتَّقْوٰى **فَلَآ** لَا زَائِدَةٌ **اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ** لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَسَائِرِ الْكَوَاكِبِ **اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ﴿٤٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ** نَاْتِيْ بَدَلَهُمْ **خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ﴿٤١﴾** بِعَاجِزِيْنَ عَنْ ذٰلِكَ **فَذَرْهُمْ** اُتْرُكْهُمْ **يَخُوْضُوْا** فِيْ بَاطِلِهِمْ **وَيَلْعَبُوْا** فِيْ دُنْيَاهُمْ **حَتّٰى يُلٰقُوْا** يَلْقَوْا **يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ﴿٤٢﴾** فِيْهِ الْعَذَابُ **يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ** الْقُبُوْرِ **سِرَاعًا** اِلَى الْمَحْشَرِ **كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ شَيْءٌ مَنْصُوْبٌ كَعَلَمٍ اَوْ رَايَةٍ **يُّوْفِضُوْنَ﴿٤٣﴾** يُسْرِعُوْنَ **خَاشِعَةً** ذَلِيْلَةً **اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ** تَغْشَاهُمْ **ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴿٤٤﴾** ذٰلِكَ مُبْتَدَأٌ وَّمَا بَعْدَهُ الْخَبَرُ وَمَعْنَاهُ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ

سورۂ معارج مکیہ ہے۔ جس میں ۴۴ آیات ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.........ایک درخواست کرنے والا درخواست کرتا ہے (دعا مانگنے والا دعا مانگتا ہے) اس عذاب کی جو کافروں پر ہونے والا ہے، جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے (نضر بن الحارث مراد ہے جس نے دعا کی تھی۔ **اللھم ان کان ھذا ھو الحق فامطر علینا**) جو اللہ کی طرف سے (اس کا تعلق واقع سے ہے) جو سیڑھیوں کا مالک ہے (فرشتوں کو آسمانوں پر چڑھانے والا ہے) چڑھ کر جاتے ہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے) فرشتے اور روح (جبرئیل) اس کے پاس (آسمان کے اس حصہ میں جہاں حکم الٰہی آتا ہے) ایسے دن میں ہوگا (اس کا تعلق محذوف سے ہے ای **یقع العذاب بھم فی یوم القیامة**) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (یہ مقدار کافروں کو وہاں کی سختی کی وجہ سے معلوم ہوگی، ورنہ مومن کے لئے وہ دن دنیا کی ایک فرض نماز سے بلکا پھلکا معلوم ہوگا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) سو آپ صبر کیجئے (یہ حکم جہاد کی مشروعیت سے پہلے کا ہے) بہترین صبر (جس میں حرف شکایت نہ آئے) یہ لوگ اس (عذاب) کو بعید دیکھ رہے ہیں (یعنی نہیں آئے گا) اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں (یعنی ضرور واقع ہوکر رہے گا) جس دن آسمان ہو جائے گا (اس کا تعلق محذوف یعنی یقع کے ساتھ ہے) تلچھٹ (پگھلی ہوئی چاندی) کی طرح اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (ہلکے ہونے اور ہوا میں اڑنے کے لحاظ سے روئی کی طرح ہو جائیں گے) اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (کیونکہ ہر ایک کو نفسا نفسی پڑی ہوگی) ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے (عزیز، قریب ایک دوسرے کو پہچان لیں گے مگر بات نہیں کرسکیں گے۔ جملہ مستانفہ ہے) مجرم (کافر) تمنا کرے گا کہ کاش وہ فدیہ میں دے دے اس روز کے عذاب سے (**یومئذ** کسرہ میم اور فتحہ میم کے ساتھ ہے) اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی، کنبہ کو (خاندان کو فصیلہ کہتے ہیں کیونکہ یہ اس سے نکلا ہے) جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے۔ پھر یہ اس کو بچالے (فدیہ دینا، اس کا عطف یفتدی پر ہے) یہ ہرگز نہ ہوگا (تمنا پر ڈانٹ ہے) وہ (آگ) ایسی شعلہ زن ہوگی (**لظی** جہنم کا نام ہے کیونکہ وہ کفار پر دہکے گی) کھال کو اتار دے گی) شواۃ کی جمع ہے سر کی کھال کو کہتے ہیں) وہ اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور بے رخی کی ہوگی (ایمان سے، یہ کہے گی کہ آ) اور (مال) جمع کیا ہوگا اور اٹھا اٹھا رکھا ہوگا (خزانہ میں محفوظ۔ اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا۔ انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (حال مقدرہ ہے جس کی تفسیر آگے ہے) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (تکلیف کے وقت) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے (خیر یعنی مال حاصل ہونے پر اللہ کا حق ادا کرنے میں) مگر وہ نمازی (مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ (پابندی) رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں مقررہ حق (زکوٰۃ) ہے سوالی غیر سوالی سب کے لئے (محروم جو سوال نہ کرنے کی وجہ سے محروم رہ جائے) اور قیامت (جزا) کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے (خائف) ہیں۔ واقعی ان کے پروردگار کا عذاب (نازل ہونا) بے خوفی کی چیز نہیں ہے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ہاں! جو اس کے علاوہ طلبگار ہو۔ ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں (حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے) اور اپنی امانتوں (ایک قرأت میں مفرد لفظ کے ساتھ ہے، یعنی دین و دنیا کی کوئی بھی امانت) اور اپنے عہد سے (جو اس پر ان سے لیا جائے) پاس (خیال) رکھنے والے ہیں اور اپنی شہادت کو (ایک قرأت میں جمع کے ساتھ ہے) ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (چھپاتے نہیں) اور اپنی نماز کی (بروقت) پابندی کرتے ہیں ایسے لوگ بہشت میں عزت سے داخل ہوں گے۔ سو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی جانب (طرف) دوڑے آرہے ہیں (حال ہے۔ یعنی نظر جمائے ہوئے) دائیں بائیں سے (آپ کی طرف) جماعتیں بن بن کر (یہ بھی حال ہے، یعنی حلقے بنا بنا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے اگر یہ جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا ان میں سے ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کرلیا جائے گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا (جنت میں جانے کی ہوس پر ڈانٹ ہے) ہم نے ان کو (اوروں کی طرح) ایسی چیز سے پیدا کیا، جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ (یعنی نطفہ سے پھر محض اس کی وجہ سے جنت میں جانے کی کیسے ہوس رکھتے ہیں ہاں تقویٰ کی بنیاد پر امید رکھی جاسکتی ہے) پھر (لا زائد

ہے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں، مغربوں کے مالک کی (آفتاب ماہتاب ستارے سب اس میں آ گئے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں سو آپ ان کو رہنے دیجئے (چھوڑیئے) اس شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو (واسطہ پڑے) جس میں ان سے (عذاب کا) وعدہ کیا جاتا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے نکل کر (محشر کی طرف) اس طرح دوڑیں گے۔ جیسے یہ کسی پرستش گاہ کی سمت (ایک قرأت میں دونوں حرفوں کا ضمہ ہے ایسی چیز جو کھڑی کی جائے جیسے جھنڈا وغیرہ) دوڑتے ہیں ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی (ذلیل) ہوں گی ان پر رسوائی چھائی ہوگی یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (ذلک مبتداء ہے اور بعد کا جملہ خبر ہے، مراد قیامت کا دن ہے)۔

تحقیق وترکیب:........ بعذاب. واقع باتعدیہ کے لئے ہے اور دعا بمعنی استدعا ہے۔ یا استعجل کے معنی کو متضمن ہے۔

واقع بمعنی سیقع ہے دنیاوی عذاب تو غزوۂ بدر کی صورت میں ہوا جس میں نضر بن حارث مارا گیا اور آخرت کا عذاب مزید برآں ہے۔

للکفرین. اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سائل کے متعلق ہو جو بمعنی دعا ہے۔ ای دعا لھم دوسرے یہ کہ واقع کے متعلق ہو اور اس میں لام علت ہے۔ ای نازل لاجلھم. تیسرے یہ کہ لام بمعنی علیٰ ہو۔ ای واقع علی الکافرین. چنانچہ حضرت ابی کی قرأت علی الکافرین سے اس کی تائید ہوتی ہے اس صورت میں اس کا تعلق واقع کے ساتھ ہوگا۔

لیس له. یہ عذاب کی دوسری صفت ہے جو اظہر ہے اور جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے یا عذاب سے یا ضمیر کافرین سے حال ہے۔

من اللّٰہ. اس کا تعلق واقع سے ہے اور لیس له جملہ معترضہ ہوگا عامل معمول کے درمیان جب کہ اس کو مستانفہ مانا جائے۔ لیکن عذاب کی صفت ماننے کی صورت میں معترضہ نہیں ہوگا۔

ذی المعارج. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ عروج کے معنی صعود کے ہیں اور بعض نے مومنین کے جنتی مدارج مراد لئے ہیں۔

والروح. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ عطف خاص علی العام ہے اور الیہ میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کی طرف فرشتوں کے صعود کرنے سے لازم آتا ہے کہ اللہ کسی مکان میں ہو۔ مفسرؒ نے مھبط امرہ سے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی مضاف محذوف ہے اور ''مہبط امر'' سے مراد آسمان ہے۔

مقدارہ الف سنة۔ یعنی فرشتوں کے علاوہ دوسری چیزوں کو دنیا کے وقت سے پچاس ہزار سال چڑھائی میں لگیں گے کیونکہ ہر زمین کا دل پانچ سو سال کی مسافت کا ہے۔ اسی طرح ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال مسافت ہے اسی طرح چودہ ہزار سال کی مسافت ہوگئی پھر ساتویں آسمان سے عرش تک چھتیس ہزار سال کی پس مجموعی مسافت پچاس ہزار سال ہوگئی جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے یا اس مقدار کا تعلق لفظ واقع سے ہے یعنی عذاب آخرت اتنے طویل دن میں واقع ہوگا اور یہ طوالت حقیقۃً ہوگی یا کفار کے اعتبار سے اضافی ہوگی کہ انہیں پچاس جگہوں میں رکھا جائے گا اس طرح کہ ہر جگہ میں ہزار سال پڑے رہیں گے برخلاف مومنین کے، انہیں قیامت کا دن مختصر معلوم ہوگا جیسے ظہر وعصر کا درمیانی وقفہ چنانچہ امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے ابوسعید خدریؓ سے مرفوع روایت اسی طرح نقل کی ہے۔

فاصبر. اس کا تعلق سال سے ہے یعنی اس کے تمسخرانہ سوال پر آپ صبر کیجئے۔ مقصود تسلی ہے۔

نراہ۔ صیغہ جمع میں تعظیم مقصود ہے۔

یوم تکون السماء. اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق لفظ قریبا سے ہو اور یہی ظاہر ہے البتہ نراہ کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہو جس پر لفظ واقع دلالت کر رہا ہے۔ ای یقع یوم الخ تیسرے یہ کہ اس کا تعلق بعد میں مقدر مانا جائے۔ ای یوم یکون السماء یکون کیت و کیت. چوتھے یہ کہ نراہ کی ضمیر سے بدل مانا جائے، جبکہ اس کا مرجع یوم القیامة ہے۔

کالمھل. حسنؒ نے پگھلی ہوئی چاندی کے معنی لئے ہیں۔ لیکن ابن عباسؓ تلچھٹ کے معنی لیتے ہیں۔

لایسئل حمیم. اس کے بعد یبصرونھم میں دونوں ضمیریں جمع ہیں کیونکہ حمیم، حمیما، دونوں نکرہ تحت النفی ہونے سے عام ہیں۔
یومئذ. اکثر قراء کے نزدیک کسرہ میم کے ساتھ ہے عذاب کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور نافعؒ، کسائیؒ کے نزدیک فتحہ کے ساتھ ہے مضاف الیہ کے معنی قبول کرنے کی وجہ سے۔
لفصیلته. فعیل بمعنی مفعول اولاد بھی والدین سے نکلتی ہے اور والدین اولاد سے جدا ہو جاتے ہیں اس لئے فیصلہ کیا جائے گا۔
کلا یہاں حقاً کے معنی میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جبکہ "ثم ینجیه" پر کلام پورا ہو جائے۔ لیکن اگر لا نافیہ کے معنی میں ہو تو پھر کلا پر کلام پورا ہوگا۔

انھا لظی. ضمیر جہنم کی طرف راجع ہے جو عذاب سے مفہوم ہو رہا ہے اور لظیٰ ان کی خبر اور نزاعۃ خبر ثانی ہے لظیٰ اصل میں لپٹ کو کہتے ہیں۔ جہنم کا علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے تانیث وعلمیت کی وجہ سے، اور بعض نے ضمیر قصد کی طرف راجع کی ہے اور بعض کے نزدیک ضمیر مبہم ہے جس کی ترجمانی خبر کر رہی ہے۔ جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے۔ پہلی صورت میں لظیٰ ان کی خبر ہوگا اور نزاعۃ خبر ثانی ہے یا مبتداء ہے محذوف کی خبر ہے ای ھی نزاعۃ یا لظی ضمیر منسوب سے بدل ہو اور نزاعۃ ان کی خبر ہو۔
تدعوا. دوزخ یا خزنہ جہنم کی طرف ضمیر راجع ہے۔
ھلوعا. حال مقدرہ ہے خلق سے ھلوع کہتے ہیں۔ ایسی حالت کو جو نہ خوشی کو سنبھال سکے اور نہ غمی کو۔ ناقه ھلوع، پھرتیلی اونٹنی۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اوصاف نہ خلقت کے وقت تھے نہ ولادت کے وقت۔
جزوعا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اذا جزوعا کا معمول ہے اور "جزوعا و منوعا" میں تین صورتیں ہیں۔ ھلوعا کی ضمیر سے دونوں حال ہوں۔ ای ھلوعا حال کو نہ جزوعاً وقت مس الشر و منوعا وقت الخیر. دوسرے یہ کہ کان یا صار مضمر کی خبر ہوں۔ ای اذا معه الشر کان جزوعاً و اذا معه الخیر کان منوعا. تیسرے یہ کہ یہ دونوں ھلوعا کی صفتیں ہوں۔
لامانا تھم. ابن کثیرؒ کے نزدیک مفرد اور باقی قراء کے نزدیک جمع کی قرأت ہے۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ امانت اسم جنس ہے۔ امانت منجانب اللہ احکام شرع ہیں اور مخلوق کی امانت مال وغیرہ کو ودیعت رکھنا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ امانت جوارح کی حفاظت اور عہد قلب کی حفاظت، توحید کے متعلق اور رعایت کسی چیز کی نگرانی، حفاظت اور دیکھ بھال کو کہتے ہیں چنانچہ احادیث میں خیانت کو منافق کی حفاظت کہا گیا ہے۔
یحافظون. پہلے دائمون فرمایا گیا۔ مفسرؒ نے دونوں میں فرق کی طرف اشارہ کیا ہے نماز کا دوبارہ ذکر اہتمام کے لئے ہے اور خود اس کلام میں بھی تاکیدات ہیں۔ مثلاً ضمیر کا مقدم کرنا، جار مجرور کا فعل پر مقدم کرنا بعض جملہ اسمیہ ہیں جن میں دوام وثبات ہے اور بعض فعلیہ ہیں جن میں استمرار تجددی ہے۔ فمال الذین. ما مبتداء الذین کفروا خبر ہے۔ ای ای شیء ثبت لھم وحملھم علی نظرھم الیک اور قبلک اور مھطعین اور عن الیمین وعن الشمال اور عزین چاروں حال ہیں۔ موصول سے عزین کے معنی جماعات کے ہیں۔ یہ جمع ہے۔ عزہ بمعنی جماعت کی اور حلقا سے اشارہ ہے کہ عزین متعلق ہے یمین کا اور یقولون سے مفسرؒ نے شان نزول اگلی آیت کا بیان کیا ہے اور فمال کا لام حضرت عثمانؓ کے مصحف کے اتباع میں علیحدہ لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا رسم الخط بھی ماثور اور توقیفی ہے۔ اس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں ہے۔ ابوالبقاء عزین کو مھطعین سے حال متداخلہ کہتے ہیں اور عن الیمین کا تعلق عزین سے ہے اور محذوف سے متعلق ہو کر حال بھی ہو سکتا ہے۔
مما یعلمون. یعنی گندے قطرہ سے پیدا کئے گئے جو عالم قدس کے شایان شان نہیں ہے پھر بغیر ایمان وعمل کس طرح جنت کا استحقاق سمجھتے ہیں ہاں صفات ملکیہ کے ساتھ البتہ استحقاق کہیں تو صحیح ہے۔
علی ان نبدل. چنانچہ مہاجرین وانصار کو اللہ نے نعم البدل بنا دیا۔
یومھم. یوم کی اضافت چونکہ سب انسانوں کی طرف صحیح ہے اور کفار منجملہ انسانوں کے ہیں اس لئے ان کی طرف

اضافت کردی گئی ہے یا کہا جائے کہ قیامت کا دن کفار کے حق میں یوم العذاب اور مومنین کے حق میں یوم الثواب ہے۔ گویا اس حیثیت سے دو دن ہو گئے اس لئے یوم کی اضافت صرف کفار کی طرف بلحاظ عذاب کے ہوئی۔

الی نصب. بت یا نشان۔ عام قرأۃ فتحہ اور سکون کے ساتھ اور ابن عامرؒ اور حفصؒ کے نزدیک دونوں حرف مضموم ہیں اور ابو عمران الجونیؒ اور مجاہدؒ دونوں حرفوں پر فتحہ پڑھتے ہیں اور حسنؒ وقتادہؒ ضمہ اور سکون اول کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اسم مفرد تیرتھ گاہوں اور مندروں میں جو جھنڈے لگے رہتے ہیں۔ لیکن ابو عمرؒ کہتے ہیں کہ جال کی ڈور کو نصب کہا جاتا ہے کہ شکاری شکار پھنسنے پر فوراً اس کی طرف لپکتا ہے لیکن دوسری قرأت یعنی ضمتین کی صورت میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسم مفرد ہو جس کے معنی بت کے ہیں جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ نصاب کی جمع ہے جیسے: کتاب کی جمع کتب۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نصب کی جمع ہو۔ جیسے: رہن کی جمع رہن۔ اور سقف کی جمع سقف۔ یہ ابوالحسنؒ کی رائے ہے اور انصاب جمع الجمع ہو گی۔ اور تیسری قرأت فتحتین کی، اس میں فعل بمعنی مفعول ہے جیسے قبض بمعنی مقبوض اور چوتھی قرأت دوسری قرأت کی تخفیف ہے۔ ابن عباسؓ نصب کے معنی جھنڈے کے اور بعض نے بت اور پوجا کے پتھر کے معنی لئے ہیں۔ جیسے: ماذبح علی النصب فرمایا گیا۔

یوفضون. بمعنی یسرعون یا یسبقون یا ینطلقون ہے جو قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔

ربط آیات: .... سورۂ حاقہ کی طرح اس سورت میں بھی مجازات کا اور بعض ایسے اعمال کا بیان ہے جو موجب مجازات ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... عذاب کی درخواست کرنے والے اگر پیغمبر ہیں تو تب مطلب یہ ہے کہ کفار پر عذاب الٰہی ضرور آئے گا کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا۔ لیکن اگر عذاب مانگنے والے کافر ہیں جیسا کہ فامطر علینا حجارۃ، او ائتنا بعذاب الیم سے معلوم ہوتا ہے گویا از راہ تمسخر انکار یہ کہا کرتے تھے تو پھر مطلب ہوگا کہ عذاب مانگنے والے دراصل ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے کسی کے روکے نہیں رک سکتی کفار کی عقل ماری گئی کہ اپنی طرف سے ایسی بات چاہ رہے ہیں۔

قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا؟ .... **تعرج الملائکة** ۔ فرشتوں اور مومنین کی ارواح آسمانوں کو طے کر کے درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل کرتی ہیں۔ یا اللہ کے بندے اس کی فرمانبرداری میں دل وجان سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر روحانی ترقیات کے زینے طے کر کے مقام قرب وشرف حضوری حاصل کرتے ہیں۔ اب آگے اعمال اور ان کے درجات میں فرق مراتب ہے کلمہ شہادت سے تو دم کے دم میں ترقی ہو جاتی ہے لیکن نماز کی ترقی میں ایک ساعت اور روزہ کی ترقی میں دن بھر، اور پورے روزوں کی ترقی میں مہینہ بھر اور حج کی ترقی میں سال بھر لگتا ہے یہی حال فرشتوں کے عروج کا ہے۔

خمسین الف سنة. یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک قیامت کا دن ہے جس کی مدت پچاس ہزار سال ہو گی اور تمام مخلوقات کی ارواح خدمت گار بن کر اس میں شامل رہیں گی اور اس عظیم کام کے سرانجام ہونے کے بعد ان کو عروج ہوگا۔ لیکن ایک مومن کے لئے یہ وقت نہایت ہلکا، پھلکا معلوم ہوگا۔

فاصبر. چونکہ تمسخر کے انداز میں کفار عذاب کے متعلق شور مچا رہے تھے اس لئے فرمایا آپ ان کے خیال میں نہ آجائیں بلکہ صبر واستقلال سے رہیں نہ تنگ دل ہوں اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر آئے آپ کا صبر، ان کا تمسخر ضرور رنگ لائے گا یہ تو قیامت کو بعید از امکان اور دور از عقل سمجھتے ہیں لیکن ہمیں تو اتنی قریب دکھائی دے رہی ہے کہ گویا آئی رکھی ہے۔

مفسرؒ مہل کا ترجمہ پگھلی ہوئی چاندی سے کر رہے ہیں اور بعض نے تلچھٹ ترجمہ کیا ہے۔

لایسئل حمیم. ہر ایک کو اپنی پڑی ہو گی، کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا اس وقت نظر آجائے گا کہ سب کی دوستی نکمی مجرم تو یہ چاہے گا کہ بس چلے تو ساری دنیا کو فدیہ میں دے ڈالے، اور جان بچ جائے۔ مگر نہ یہ ہوگا، نہ وہ مجرم کو دوزخ کہاں چھوڑ۔

کھال اتار کر کلیجہ اندر سے نکال لیتی ہے دوزخ کی ایک چیخ ہوگی جتنے لوگ دنیا میں حق سے منہ موڑ کر چلتے بنے اور مال بٹورنے میں لگے رہتے تھے وہ سب اس کی طرف کھچے چلے آئیں گے۔ مفسرؒ کے مطابق بعض آثار میں ہے کہ دوزخ لوگوں کو پکارے گی تو لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے کہ اتنے میں ایک لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح کھالے گی جس طرح جانور زمین سے دانہ چگ لیتا ہے۔

انسان جی کا کچا اور بے صبرا ہے:............ان الانسان ۔ یعنی انسان جی کا کچا، بے صبرا، بے توفیقا پیدا ہوا ہے۔ فقر، فاقہ، بیماری، سختی کوئی بھی حال ہو ایک دم گھبرا اٹھتا ہے بلکہ مایوس و بے ہمت ہو جاتا ہے گویا اب اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں رہی۔ لیکن مال و دولت، فراخی اور تندرستی ملتی ہے تو پھر نیکی کے لئے ہاتھ نہیں اٹھتا اور مالک کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی البتہ جو پکے نمازی ہیں، گنڈے دار نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز کی پابندی بھی رکھتے ہیں اور جب نماز پڑھتے ہیں تو نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کی یہ شان نہیں ہے۔ آگے ان کے اور اوصاف بیان فرمائے جا رہے ہیں منجملہ ان امانتوں اور عہدوں کی پاسداری بھی ہے۔ ان دو لفظوں میں اللہ اور بندوں کے سب حقوق آگئے کیونکہ آدمی کے پاس جتنی قوتیں ہیں سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ ان کو اسی کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہئے اور جو قول و قرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہئے۔

یحافظون. اس میں آداب ظاہری و باطنی سب کی رعایت آگئی یہاں تک جنتیوں کی آٹھ صفات بیان کی گئی ہے، جن کو نماز ہی سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

فمال الذین. یعنی کفار قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر آپ پر امڈے چلے آتے ہیں۔ پھر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔ کیا پھر بھی یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کر لئے جائیں گے ہرگز نہیں، اس خداوند عادل وحکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے **مھطعین** کا مفہوم دوسرا لیا ہے کہ یہ کافر قرآن سن کر کیوں بدکتے ہیں اور غول کے غول بنا کر کیوں آپ کے پاس سے بھاگتے ہیں اور اس نفرت و وحشت پر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص بے کھٹکے جنت میں جا گھسے، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

خلقنٰھم مما یعلمون. یعنی مٹی اور گندہ قطرہ سے بنا ہوا انسان بذات خود اس لائق کہاں کہ بہشت بریں کا مستحق ہو البتہ ایمان کی جلا اس قابل بنا سکتی ہے۔ یا **مما یعلمون** سے اوصاف قبیحہ مذکور مراد ہوں کہ ان کی موجودگی میں پھر جنت کے خواب کیسے دیکھ رہا ہے۔

رب المشارق والمغارب. کیونکہ نقطہ طلوع وغروب روزانہ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے جمع کے صیغے استعمال کئے گئے۔

بروں کو ہٹا کر اللہ اچھوں کو کھڑا کر سکتا ہے:............علی ان نبدل ۔ یعنی جب اللہ ان سے بہتر پیدا کر سکتا ہے تو خود ان کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا یا خیراً سے مراد دوبارہ پیدا کرنا ہے کیونکہ بہر حال آخرت کی زندگی دنیاوی زندگانی سے اکمل ہوگی یا یہ منشاء ہے کہ آپ ان کے تمسخر آمیز رویہ پر اور پھبتیوں سے ملول ورنجیدہ نہ ہو جایئے ہم اسلام کو ان سے بہتر خادم مہیا کر دیں گے۔ چنانچہ کفار وقریش کی جگہ اللہ نے انصار مدینہ کو کھڑا کر دیا اور اہل مکہ پھر بھی اللہ کے قبضہ سے باہر نہیں نکل سکے اور قسم سے بھی اس مضمون کو مناسبت ہے کہ جس طرح آئے دن روزانہ مشرق ومغرب ہم تبدیل کرتے رہتے ہیں ان کا بدل دینا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟

فذرھم . خیر اب تو تھوڑے دن کی ڈھیل ہے سزا بہر حال یقینی ہے لوگ قبروں سے نکل کر محشر کی طرف اس طرح کشاں کشاں دوڑیں گے جس طرح کبھی تیرتھ گاہ کی طرف پجاری عقیدت سے دوڑتے ہیں۔

لطائف سلوک:............ان الانسان خلق ھلوعاً الخ اس سے معلوم ہوا کہ طاعات وعبادات کو قوت قلبیہ میں بڑا دخل ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

سُوْرَةُ نُوْحٍ

سُوْرَةُ نُوْحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ اَىْ بِاَنْذَارِ **قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ** اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا **عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾** مُؤلِمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ **قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾** بَيِّنُ الْاِنْذَارِ **اَنِ** اَىْ بِاَنْ اَقُوْلَ لَكُمْ **اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ** مِنْ زَائِدَةٌ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ يُغْفَرُ بِهٖ مَا قَبْلَهٗ اَوْ تَبْعِيْضِيَّةٌ لِاِخْرَاجِ حُقُوْقِ الْعِبَادِ **وَيُؤَخِّرْكُمْ** بِلَاعَذَابٍ **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** اَجَلِ الْمَوْتِ **اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ** بِعَذَابِكُمْ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا **اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾** ذٰلِكَ لَاٰمَنْتُمْ **قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴿۵﴾** دَائِمًا مُتَّصِلًا **فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾** عَنِ الْاِيْمَانِ **وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ** لِئَلَّا يَسْمَعُوْا كَلَامِىْ **وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ** غَطَّوْا رُءُوْسَهُمْ بِهَا لِئَلَّا يَنْظُرُوْنِىْ **وَاَصَرُّوْا** عَلٰى كُفْرِهِمْ **وَاسْتَكْبَرُوا** تَكَبَّرُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ **اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾** اَىْ بِاِعْلَاءِ صَوْتِىْ **ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ** صَوْتِىْ **وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ** الْكَلَامَ **اِسْرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ** مِنَ الشِّرْكِ **اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ** الْمَطَرَ وَكَانُوْا قَدْ مُنِعُوْهُ **عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾** كَثِيْرَ الدُّرُوْرِ **وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾** جَارِيَةً **مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾** اَىْ تَامُلُوْنَ وَقَارَ اللّٰهِ اِيَّاكُمْ بِاَنْ تُؤْمِنُوْا **وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾** جَمْعُ طَوْرٍ وَّهُوَ الْحَالُ فَطَوْرًا نُطْفَةً وَطَوْرًا عَلَقَةً اِلٰى تَمَامِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ وَالنَّظَرُ فِىْ خَلْقِهٖ يُوْجِبُ الْاِيْمَانَ بِخَالِقِهٖ **اَلَمْ تَرَوْا** تَنْظُرُوْا **كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾** بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ **وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ** اَىْ فِىْ مَجْمُوْعِهِنَّ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ الدُّنْيَا **نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾** مِصْبَاحًا مُضِيْئًا وَهُوَ اَقْوٰى مِنْ نُوْرِ الْقَمَرِ **وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ** خَلَقَكُمْ **مِّنَ**

الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ اِذْ خَلَقَ اَبَاكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا **ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا** مَقْبُوْرِيْنَ **وَيُخْرِجُكُمْ** لِلْبَعْثِ **اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾**
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ مَبْسُوْطَةً **لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا** طُرُقًا **فِجَاجًا ﴿۲۰﴾** وَاسِعَةً **قَالَ**
نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا اَيِ السُّفْلَةُ وَالْفُقَرَاءُ **مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ** وَهُمُ الرُّؤَسَاءُ الْمُنْعَمُ
عَلَيْهِمْ بِذٰلِكَ وَوُلْدِ بِضَمِّ الْوَاوِ وَسُكُوْنِ اللَّامِ وَبِفَتْحِهِمَا وَالْاَوَّلُ قِيْلَ جَمْعُ وَلَدٍ بِفَتْحِهِمَا كَخَشَبٍ
وَّخُشْبٍ وَّقِيْلَ بِمَعْنَاهُ كَبُخْلٍ وَّبَخَلٍ **اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾** طُغْيَانًا وَّكُفْرًا **وَمَكَرُوْا** اَيِ الرُّؤَسَاءُ **مَكْرًا**
كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ عَظِيْمًا جِدًّا بِاَنْ كَذَّبُوْا نُوْحًا وَّاٰذَوْهُ وَمَنِ اتَّبَعَهٗ **وَقَالُوْا** لِلسُّفْلَةِ **لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ**
وَدًّا بِفَتْحِ الْوَاوِ وَضَمِّهَا **وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾** هِيَ اَسْمَاءُ اَصْنَامِهِمْ **وَقَدْ اَضَلُّوْا**
بِهَا **كَثِيْرًا ۚ** مِنَ النَّاسِ بِاَنْ اَمَرُوْهُمْ بِعِبَادَتِهَا **وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾** عَطْفٌ عَلٰى قَدْ اَضَلُّوْا
دَعَا عَلَيْهِمْ لِمَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ **مِمَّا** مَاصِلَةٌ **خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ
(خَطِيْئَاتِهِمْ) بِالْهَمْزَةِ **اُغْرِقُوْا** بِالطُّوْفَانِ **فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ** عُوْقِبُوْا بِهَا عَقِبَ الْاِغْرَاقِ تَحْتَ الْمَاءِ **فَلَمْ**
يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اَيْ غَيْرِ اللّٰهِ **اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾** يَمْنَعُوْنَ عَنْهُمُ الْعَذَابَ **وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى**
الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اَيْ نَازِلَ دَارٍ وَالْمَعْنٰى اَحَدًا **اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ**
وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ مَنْ يَّفْجُرُ وَيَكْفُرُ قَالَ ذٰلِكَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْاِيْحَاءِ اِلَيْهِ **رَبِّ اغْفِرْ لِيْ**
وَلِوَالِدَيَّ وَكَانَا مُؤْمِنَيْنِ **وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ** مَنْزِلِيْ اَوْ مَسْجِدِيْ **مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ** اِلٰى
يَوْمِ الْقِيَامَةِ **وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾** هَلَاكًا فَاُهْلِكُوْا

سورۂ نوح مکیہ ہے۔ جس میں ۲۸ یا ۲۹ آیات ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.........ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم ڈراؤ (یعنی ڈرانے کے ساتھ) اپنی قوم! کو اس سے پہلے کہ (اگر وہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر دردناک عذاب آئے (خواہ دنیا وآخرت میں تکلیف دہ ہو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف (کھلے طور پر) ڈرانے والا ہوں کہ تم (یعنی میں تم سے کہتا ہوں کہ) اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو تو وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا (من زائد ہے کیونکہ اسلام کی برکت سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے) اور تم کو (بغیر عذاب کے) مقررہ وقت (موت) تک مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (تمہارے عذاب کا اگر تم ایمان نہ لائے) جب آ جائے گا تو ٹلے گا نہیں اگر تم سمجھتے (اس کو تو ایمان لے آتے) نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن (ہمیشہ مسلسل) بلایا، سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے (ایمان سے) اور میں نے جب کبھی بلایا، تاکہ آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تاکہ میرا کلام نہ سن سکیں) اور اپنے کپڑے

لپیٹ لئے (سروں کو کپڑوں سے چھپالیا تا کہ مجھ کو دیکھ نہ سکیں) اور اصرار کیا (کفر پر) اور انتہائی تکبر کیا (ایمان لانے سے) پھر میں نے ان کو باآواز بلند (زور سے) بلایا۔ پھر میں نے ان کو اعلانیہ (آواز سے) بھی سمجھایا اور ان کو مخفی طریقہ پر بھی سمجھایا چنانچہ میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے (شرک کا) گناہ بخشواؤ، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، تم پر بارش بھیجے گا (وہ لوگ قحط سالی میں مبتلا تھے) کثرت سے (کافی مقدار میں) اور تمہارے مال واولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ اگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کا پاس نہیں کرتے (اللہ نے جو تمہیں وقار عطا کیا ہے، اس میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاؤ) حالانکہ اس نے تمہیں طرح بہ طرح بنایا (اطوار طور کی جمع ہے، جس کے معنی حال کے ہیں چنانچہ ایک کیفیت نطفہ کی تھی ایک حالت علقہ سے لے کر پیدائش کی تکمیل تک رہی پیدائش پر غور کرنا پیدا کرنے والے پر ایمان لانے کا سبب ہو جاتا ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں (تم نے دیکھا نہیں) کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے (تہہ بر تہہ) بنائے اور آسمان میں (یعنی ان کے مجموعہ میں جس کا ظہور آسمان دنیا میں ہو رہا ہے) چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا (روشن جو چاند کی روشنی سے زیادہ تیز ہے) اور اللہ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طور پیدا کیا (یعنی تمہارے باوا آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر تمہیں زمین ہی میں لے جائے گا (قبر کی صورت میں) اور تم کو باہر لے آئے گا (قیامت کے وقت) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (پھیلایا ہوا) فرش بنایا تا کہ تم اس کے کھلے (کشادہ) راستوں پر چلو پھرو۔ نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے (یعنی گھٹیا اور غریب) لوگوں کی پیروی کی کہ جن کے مال اولاد نے (رئیس لوگ جن پر اللہ نے مال واولاد کا انعام فرمایا، لفظ ولد ضمہ واؤ اور سکون لام کے ساتھ اور ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک پہلی صورت میں ولد کی جمع ہے جیسے خشب کی جمع خشب اور بعض جمع کے معنی پر کہتے ہیں۔ جیسے بخل کی معنوی جمع بخل ہے) انہی کو نقصان زیادہ پہنچایا۔ (بلحاظ سرکشی اور کفر کے) اور جنہوں (رئیسوں) نے بڑی بڑی تدبیریں کیں (نوح کو جھٹلایا، ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ستایا) اور جنہوں نے (کم درجہ کے لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ودکو (فتحہ واو اور ضمہ واو کے ساتھ ہے) اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق اور نہ نسر کو (یہ سب بتوں کے نام ہیں) اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا (کہ) انہیں بھی بت پرستی پر مجبور کر دیا اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے (قد اضلوا پر عطف ہو رہا ہے۔ حضرت نوحؑ پر جب یہ وحی آئی۔ انه لن یومن من قومک الا من قد امن تب انہوں نے یہ بددعا فرمائی) اپنے ان (ما صلہ ہے) گناہوں کی وجہ سے (ایک قرأت میں خطیئاتھم ہمزہ کے ساتھ ہے) غرق کئے گئے (طوفان میں) پھر آگ میں داخل کئے گئے (غرق کرنے کے بعد پانی کے نیچے آگ میں داخل کر کے عذاب دیا گیا) اور انہوں نے اللہ کے سوا کوئی حمایتی بھی نہ پایا (جو انہیں عذاب سے بچالیتا) اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں ایک باشندہ بھی زمین پر نہ چھوڑ (یعنی کسی بھی گھر میں رہنے والا ہو، حاصل یہ کہ کوئی بھی ہو) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے فاجر کافر اولاد ہی پیدا ہوگی۔ (یہ بددعا بھی اسی وحی کے بعد کی ہے جس کا بیان ہو چکا) اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو (جو مومن تھے) اور جو مومن میرے گھر (مکان یا مسجد) میں داخل ہیں اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کو (جو قیامت تک آنے والے ہیں) بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دیجئے۔ (چنانچہ سب تباہ ہوئے)۔

تحقیق وترکیب: ....ثمان. کسرہ نون یا ضمہ نون کے ساتھ ہے اور دونوں صورتوں پر اس کی اصل ثمانی ہے البتہ اگر اس کی یا کا حذف صرفی قاعدہ کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ قاض میں ہو۔ تب تو یہ کسرہ لفظ نون کے ساتھ ہوگا اور اعراب یائے محذوفہ پر ہوگا ورنہ حذف یاید اور دم کی طرح ہوگا اور یہ لفظ ضمہ نون کے ساتھ ہوگا اور اعراب خود اسی پر ہوگا۔

ان انذر. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ان مصدریہ ہے جو فعل مضارع کے لئے ناصب ہوتا ہے۔ ای ارسلناہ بان قلنا له انذر اور ان تفسیریہ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ ارسال میں قول کے معنی ہیں۔

ان اعبدوا. اس میں مفسرؒ نے ان تفسیریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اوران مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر حقوق العباد اسلام لانے کے بعد بھی مغفرت سے خارج رہتے ہیں۔تو پھر من ذنوبکم میں من تبعیضیہ رہے گا جس میں کافروں کے حقوق، جان ومال بھی آتے ہیں۔البتہ حلبی کافر جو مباح الدم والمال ہیں ان کے حقوق اسلام لانے سے معاف رہیں گے۔تاہم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی قوم کا فراہل ذمہ نہیں تھی۔اس لئے کہا جائے گا کہ من زائد ماننا بہتر ہے یعنی اسلام سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں حقوق العباد بھی معافی میں داخل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اسلام سے پہلے سب گناہ بھی مجموعہ کا بعض ہی ہیں۔اس لئے من تبعیضیہ لینا بھی باعث اشکال نہیں ہے۔

ان اجل اللّٰہ. بظاہر ویؤخرکم اور لایؤخر دونوں جملوں میں اختلاف نظر آتا ہے۔اس کے بعد دفعیہ کی طرف مفسرؒ اشارہ کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یؤخرھم سے مراد برتقدیر ایمان موت تک تاخیر بغیر عذاب ہے اور لایؤخرھم سے عدم ایمان کی صورت میں عدم تاخیر عذاب مراد ہے۔لیکن بعض کے نزدیک آسان توجیہ یہ ہے کہ اجل دوقسم کی ہوتی ہے۔اجل قریب غیر مبرم اور اجل بعید مبرم۔تاخیر کا حکم پہلی قسم پر اور تاخیر نہ ہونے کا حکم دوسری قسم پر ہے۔کیونکہ اجل اللہ میں اضافت عہدیہ ہے اور معہود اجل موت ہے۔ای امنوا قبل الموت تسلموا من العذاب فان اجل الموت اذا جاء لایؤخر ولا یمکنکم الایمان.

لو کنتم. مفسرؒ نے مفعول علم کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور جواب لو مقدر ہے۔اس میں طاعت پر مغفرت مرتب ہونے اور موت تک عذاب ملتوی ہونے کی طرف اشارہ ہوگا یا یہ کہ جب موت آجائے تو پھر ملتوی ہونے کی بات نہیں رہتی۔ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس فعل متعدی کو بمنزلہ لازم مان لیا جائے۔ای لو کنتم من اھل العلم.

لیلاً و نھاراً۔کنایہ ہے دوام سے۔

الافرارا. دعوت ایمان اگرچہ فرار کا سبب نہیں،لیکن فرار چونکہ دعوت کے سبب ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف نسبت کردی۔

واستکبروا. س ت طلب کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے اور جھارا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ای دعاء جھاراً یا زید عدل کی طرح حال ہے۔

استغفروا. محض استغفار مراد نہیں ہے کیونکہ کافر کا استغفار معتبر نہیں،بلکہ ایمان مطلوب ہے جو باعث مغفرت ہے یا بقول صاحب مدارک کہا جائے استغفار دوطرح کا ہوتا ہے۔ایک کفر سے استغفار،دوسرے گناہوں سے استغفار۔

مدرارا. مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں مذکرومؤنث برابر ہوتے ہیں۔

یرسل، یمددکم ،یجعل تینوں جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

رجا کے معنی اعتقاد اور وقار دراصل حلم سکون کو کہتے ہیں لیکن یہاں عظمت کے معنی مراد ہیں۔

مالکم جملہ خبریہ ہے اور لاترجون جملہ حالیہ ہے اور وقارا مفعول بہ ہے ترجون کا۔لیکن مفسرؒ نے ایاکم مفعول مقدر مانا ہے اور للّٰہ میں لام تبیین کا ہے اور وقار بمعنی توقیر ہے جس کا فاعل اللہ ہے۔گویا کفار نے جب "مالکم لاترجون للہ ان توقروا وتعظموا" سنا تو سوال ہوا کہ "لمن التوقیر" جواب میں "للّٰہ وقارا" فرمایا گیا۔اس صورت میں لام بمعنی من ہوگا۔ای وقارالکم کائنا من اللہ نیز لام کا تعلق ترجون کے ساتھ ہوگا اور من کے معنی میں ہوگا۔ای مالکم لاتاملون من اللہ توقیرا لکم بان تومنوا بہ فتصیروا موقرین عندہ، قاضی بیضاویؒ یہی معنی لے رہے ہیں اور دوسرے معنی یہ لیتے ہیں کہ وقارا سے مراد اللہ کی عظمت ہے اور لکم اس کا مفعول ہے۔ای مالکم لاتعتقدون عظمۃ اللہ تعالیٰ.

وقد خلقکم. حال ہے ترجون سے اور اطوارا تاویلی حال ہے۔ای منتقلین من حال الی حال.

وجعل الشمس. چونکہ "جعل القمر فیھن" میں فیھن آ گیا ہے،اس لئے یہاں مقدر کرلیا گیا۔چاند تو بالاتفاق اہل ہیئت کے نزدیک آسمان دنیا سے متعلق ہے۔البتہ شمس کے متعلق اختلاف ہے۔چوتھے یا پانچویں آسمان پر مانا گیا اور بعض کی رائے ہے کہ موسم سرما

میں چوتھے آسمان پر اور موسم گرما میں ساتویں آسمان پر رہتا ہے اور چاند سورج کا رخ اوپر کی جانب اور دونوں کی پشت زمین کی جانب ہے۔

واللہ انبتکم. نباتاً مجرد ہونے کے باوجود انبتکم کا مفعول مطلق ہے اور سیبویہؒ کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ انبتکم کی دلالت انبات پر دلالت تضمنی ہے۔فنبتکم نباتا میں نبات کی دلالت نبتم پر التزامی ہے۔

لکم الارض بساطا. زمین کی بساطت سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کروی نہیں ہے کیونکہ اگر کرہ بڑا ہو تو وہ بسیط ہوسکتا ہے۔اس لئے زمین کا کروی ہونا خلاف شرع نہیں ہے اور نہ اس نص کے منافی ہے۔

سبلا فجاجا. مفسرؒ نے واسعۃ سے اشارہ کردیا کہ فجاج صفت مشبہ ہے اور سبلا کی صفت ہے کشادہ راستہ کے معنی میں ہوکر بدل یا عطف بیان ہے۔

انھم عصونی. یہ بددعا کرنے کی تمہید ہے۔

وولدہ نافع ابن عامرؒ، عاصمؒ نے دونوں واؤ کو فتحہ پڑھا ہے اور باقی قراء ضمہ واو کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لام ساکن جیسے: خشب کی جمع خُشب ہے۔تفسیر کبیر میں ہے کہ ولد میں ایک لغت وُلد بھی ہے۔ یہاں یہ لفظ مفرد اور جمع دونوں ہوسکتا ہے۔قاموس میں ہے کہ ولد میں لام پر تینوں حرکات اور سکون ہوسکتا ہے اور مفرد وجمع دونوں بن سکتے ہیں۔

عظیما. بقول زمخشریؒ سے **عظیما ابلغ** ہے۔

ودا. اکثر قراء کے نزدیک فتحہ واو کے ساتھ اور نافع کے نزدیک ضمہ واو کے ساتھ ہے۔مردانہ صورت کا بت تھا اور سواع زنانہ شکل کا بت۔یغوث شیر کی شکل کا بت اور یعوق گھوڑے کی شکل کا بت تھا اور نسر گدھ کی شکل پر تھا۔یعوق و نسر کے ساتھ صرف نفی نہیں ہے انتہائی تاکید کی وجہ سے جس سے اشارہ ہے کہ ہر فرد مقصود ہے، مجموعہ مقصود نہیں ہے۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پانچوں حضرت آدمؑ کے صاحبزادوں کے نام ہیں جن میں سب سے بڑا ود تھا۔جیسا ابن زبیرؒ فرماتے ہیں۔نیز یہ سب اولیاء کاملین تھے۔ان کی وفات پر ان کے ماننے والوں کو انتہائی رنج والم ہوا تو پھر لوگوں نے ان کی مورتیاں تیار کرکے ان کے نام کے مندر بناڈالے اور پوجا پاٹ شروع کردی اور لوگ خدا کو چھوڑ بیٹھے حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی انہوں نے علم توحید بلند کیا تو لوگ بدکے اور مقابلہ آرائی شروع کردی۔

وقد اضلوا. فعل مقدر کا معمول ہے۔ای وقال وقد اضلوا. گویا قال نوح پر اس کا عطف ہے۔لیکن خبر کا انشاء پر اور انشاء کا خبر پر عطف جائز ہے تو پھر اس تکلف کی ضرورت نہیں۔مفسرؒ نے بان امروھم سے اشارہ کیا ہے کہ اضلو کی ضمیر رئوسا کی طرف راجع ہے بقول مقاتلؒ لیکن بتوں کی طرف سے بھی ضمیر راجع ہوسکتی ہے۔جیسا کہ آیت انھن اضللن میں ہے۔

ولا تزد الظلمین. اس میں واؤ حکایات کا ہے محکی کا نہیں ہے اس لئے اس کو انشاء کا عطف خبر پر نہیں کیا جائے گا بلکہ مفرد کا مفرد پر ہے۔نیز اس کا عطف محذوف پر بھی ہوسکتا ہے۔ای فاخذ بھم ولا تزد اس صورت میں واؤ محکی کا ہوجائے گا باوجود یکہ انبیاء رحمت وشفقت سے لبریز ہوتے ہیں مگر عبدالرزاقؒ، ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی جب ان کی طرف سے مایوسی ہوگئی، تب یہ بددعائیہ کلمات فرمائے۔

مما خطیئاتھم. اس میں ما زائد ہے تفسیری عبارت "ماصلۃ" کا یہی مطلب ہے۔

فادخلوا ناراً. یہاں برزخ کی آگ مراد ہے ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ "یعنی یغرقون من جانب ویحرقون من جانب اور مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ آخرت کی آگ مراد ہے اور فاتعقیبیہ اس لئے ہے کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان کا فاصلہ کالعدم ہے۔

دیارا. لغت میں دیار دار کو کہتے ہیں لیکن مراد گھر والے ہیں۔ بلکہ احدا کے مرادف ہے۔گویا دیار ان اسماء میں سے ہے جو نفی عام کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں۔چنانچہ کہتے ہیں مابالدیار دار پس دیار دار سے ماخوذ ہے۔اس لئے گھر میں آنے والے کو کہتے ہیں مگر مراد عام ہوتی ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں عذاب کے اسباب کا بیان تھا، جن سے ایک پیغمبر کی تکذیب ہے۔ اس سورت میں بھی قصہ نوحؑ کے ذیل میں اسی کا بیان ہے نیز اس سورت میں اخروی عذاب کے علاوہ دنیاوی عقوبت کا بھی ذکر ہے اور اس کے ذیل میں حضور ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ آپ کی قوم کی طرح قوم نوح نے بھی تکذیب کی تھی اس لئے پریشان اور مکدر نہ ہو جائیے۔

﴿تشریح﴾: .... من قبل ان یاتیھم. یعنی کفر کی بدولت دنیا میں طوفان کا اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہونے سے پہلے ان کو ڈرایئے ممکن ہے کہ سنبھل جائیں۔ یعنی ایمان کی بدولت پچھلی کوتاہیاں اور ان کی حق تلفیاں معاف کر دی جائیں گی اور کفر کی صورت میں جس عذاب سے دوچار ہوتے اس سے بچ جائیں گے۔

ویؤخر کم. یعنی جس طبعی موت آنے تک ڈھیل ہے۔ مقررہ وقت آنے پر عام قانون کے مطابق تمام جانداروں کو موت تو بہر حال آئے گی کفر کی حالت ہو یا ایمان کی۔ لیکن دونوں حالتوں میں فرق اتنا ہے کہ کفر میں دونوں عذاب ہوں گے اور ایمان کی بدولت دونوں عذاب سے محفوظ رہو گے اور دنیاوی سزا کی نفی خاص طور سے اس لئے کی گئی کہ بعض اوقات ایمان کے باوجود دنیوی کلفتیں بھی پیش آ جاتی ہیں۔ پس اس کی نفی سے ایمان لانے پر مزید فضل کا وعدہ ہے۔

مؤمن وکافر دونوں کو اگرچہ موت آتی ہے مگر دونوں کے ثمرات الگ الگ ہیں: .... اور ان اجل اللہ میں یہ نکتہ ہے کہ جس طرح مؤمن وکافر دونوں کو موت آتی ہے اسی طرح یہ نہ سمجھا جائے کہ مؤمن وکافر دونوں کو یکساں ثمرات ملتے ہیں۔ کیونکہ موت تو بتقاضائے حکمت ضروری ہے اس کا ٹلنا ایمان کے ثمرات سے نہ ہو اس لئے اس کا ترتب بھی ضروری نہیں البتہ عذاب سے بچنا یقیناً ثمرات ایمان سے ہے اور ان کا مرتب ہونا بھی ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آ کھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا، نہ ڈھیل دی جائے گی یا یہ مطلب ہوا کہ موت کا وقت معین پر آنا ضروری ہے، وہ ٹل نہیں سکتی۔

حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ نے ان آیات کی تشریح ایک اور طرح کی ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے سے انسانی نسل قیامت تک رہے گی لیکن سب بندگی چھوڑ دو گے تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ طوفان نوح میں یہی ہوا بھی کہ جس نے بندگی کی بچ گیا ورنہ تباہی کا شکار ہوا۔

لیلا و نھارا. نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ساڑھے نوسو برس سمجھاتے رہے:

اذا کان الطبائع طبائع سوء   فلا ادب یفید ولا ادیب

کا نقشہ رہا۔ جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ بارالٰہ! میں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی رات کی تاریکی اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا مگر ان پتھروں کے ایک جونک نہیں لگی۔ بلکہ ہوا یہ کہ جوں جوں تیری طرف آنے کو کہا گیا، یہ بدبخت اور زیادہ منہ پھیر کر بھاگے، میری طرف سے جتنی شفقت ودلسوزی کا اظہار ہوا، ان کی طرف سے اتنی ہی نفرت و بیزاری بڑھتی رہی حتیٰ کہ انہیں میری بات کا سننا تک گوارا نہیں ہے لوگ نہیں چاہتے کہ یہ آواز کان پر پڑے، کپڑے سے منہ ڈھانپ لیتے ہیں کہ کہیں ایک دوسرے کی صورت نہ نظر پڑ جائے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں کہ کسی وقت اگر ڈھیلی پڑ جائیں تو اس کپڑے سے کچھ روک ہو جائے۔ غرض کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی بھی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے اور کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور میری بات پر دھیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ مجمعوں اور جلسوں میں جا کر بھی ان کو سمجھایا اور علیحدگی میں بھی حق نصیحت ادا کیا، صاف صاف کھول کھول کر، اشاروں، کنایوں میں، زور سے اور

آہستہ، غرض ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لی، اور یہاں تک کہہ دیا کہ سینکڑوں برس سمجھانے کے بعد اب بھی اگر میری بات مان لی اور اپنے مالک کی طرف جھک گئے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کرالیں تو یاد رکھو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ پچھلے سب قصور یک قلم معاف کر دے گا اور تمہارے ایمان کی بدولت تمہاری قحط سالی دور ہو جائے گی اور موسلا دھار بارش سے تمہارے باغات، کھیت سیراب وشاداب ہو جائیں گے پیداوار، جانور، دودھ، گھی سب میں برکت ہوگی اور بانجھ عورتوں کی گود اولاد سے بھر جائے گی اور آخرت کی نعمتیں ان کے علاوہ ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:.........قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے زیادہ حریص تھے اس لئے یہ فرمایا گیا اس پر یہ شبہ کیا جائے کہ بسا اوقات ایمان واستغفار پر بھی دنیاوی نعمتیں مرتب نہیں ہوتیں، جواب یہ ہے کہ اول خاص طور پر ان لوگوں کے لئے وعدہ ہوگا اور اگر عام بھی ہو تب بھی ان سے چیزیں مل جانا یہ بھی وعدہ کا پورا ہونا کہلائے گا۔

امام اعظمؒ اسی آیت کے پیش نظر استسقاء کی حقیقت وروح، توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ فرماتے ہیں جس کی کامل صورت نماز ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس تقریر کو بلا انکار نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ استغفار بارش کا سبب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ استسقاء کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے اور صرف استغفار کیا۔ کسی نے کہا بھی **ما رأیناک استسقیت** فرمایا **استسقیت بجاری السماء التی ینزل بها المطر** اور تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ چنانچہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ **وانما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالیٰ استغفروا ربکم الخ**..... **وان صلوا واحد انا جاز ولیس الجماعة فیه مسنونة عندنا کما هو قولهما ولا خطبة ایضا کما قال محمد ان فیه خطبتین کخطبة العید وقال ابو یوسف انها الخطبة الواحدة وبهذا القدر تم المقصود.**

تفسیر مدارک وکشاف میں ہے کہ ایک شخص نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قحط سالی کی شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا **استغفروا اللہ**. دوسرے نے آکر فقر کی شکایت کی، تیسرے نے اولاد کم ہونے کی، چوتھے نے پیداوار کم ہونے کی۔ مگر انہوں نے سب کو استغفار کی تلقین فرمائی۔ اس پر ربیع بن صبیح نے عرض کیا کہ کیا سب تکالیف کا ایک ہی علاج ہے۔ امام موصوفؓ نے اپنی تائید میں یہی آیت پیش کی۔

دلائل قدرت:.........**مالکم لا ترجون**. اگر تم اللہ کی فرمانبرداری کرو گے تو اس کی بڑائی سے امید رکھنی چاہئے کہ وہ تمہیں بڑائی اور وقار عطا فرمائے گا اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت وجبروت سے کیوں نہیں ڈرتے۔ آخر تم نے ماں کے پیٹ میں طرح طرح کے رنگ بدلے اور مادۂ اصلی سے لے کر موت تک کتنی پلٹیاں انسان کھاتا ہے اور کتنے اتار چڑھاؤ سے گزرتا ہے پھر اوپر تلے آسمان کے کروں کو دیکھو، پھر چاند، سورج پر نظر ڈالو کہ سورج کتنا گرم اور تیز ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے جلتے چراغ کی تشبیہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے اور چاند کا نور اسی چراغ کی روشنی کا ٹھنڈا جھروکہ ہے۔

جعل لکم الارض بساطا. زمین لیٹنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کے قابل بنائی اور راستے ایسے بنا دیئے کہ کوئی شخص چاہے تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے۔

قال نوح. قوم کے رستے ہوئے ناسوروں کا ذکر فرمایا۔ جن میں سب سے بڑا ناسور نافرمان مالداروں کی بے جا پیروی کرنا ہے جس سے دین تباہ ہوتا ہے اور طرح طرح کی سازشوں کا شکار بنتے ہیں یہ لوگ دوسروں کو بہکاتے اور بھڑکاتے ہیں کہ اپنے معبودوں پر جمے رہنا اور نوحؑ کے بہکانے میں نہ آنا اور آنے والی نسلوں کو بھی یہی وصیت کرتے رہے۔ انہوں نے ہر مطلب کا ایک الگ بت بنا رکھا تھا۔ عرب میں بھی یہی وبا پھیلی۔ ہندوستان میں وشنو، برہما، اندر، شو، ہنومان وغیرہ ناموں سے کتنے ہی بتوں کی پرستش

ہزاروں برسوں سے ہوتی چلی آ رہی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے یہ اولیاء اللہ تھے، جن کی مورتیاں ان کے پرستاروں نے بنالی تھیں آگے چل کر ان کی پرستش ہونے لگی۔

استدراج:.......... ولا تزد الظالمین. یعنی اے اللہ! اب ان کی سزا یہ ہے کہ اپنی گمراہیوں میں ہمیشہ ہی بھٹکتے رہیں اور بطور استدراج انہیں اسی طرح سیدھی راہ نہ بن پڑے اور تیری معرفت سے بیناآشنا ہی رہیں، جیسا کہ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیز قدس سرہما کی رائے ہے اور عام مفسرین ظاہری معنی لے رہے ہیں کہ اے اللہ! ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے، تا کہ جلد ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے وحی سے مطلع ہو کر ہزار سالہ تجربہ کے نتیجہ میں مایوس ہو کر یہ بددعا فرمائی جس طرح جسم کا کوئی عضو گل سڑ جائے اور زندگی وصحت کی صلاحیت سے محروم ہو جائے تو پھر اس کا استیصال ہی بہتر ہے ورنہ سارا جسم گل سڑ کر تباہ ہو سکتا ہے اس کو بے رحمی وشقاوت نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ دعائے موسوی جو سورۂ یونس میں گزری وہ بھی اس قبیل سے تھی۔ بہر حال طوفان نوح آیا اور وہ لوگ بظاہر پانی میں ڈبو دیئے گئے مگر فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے اور پانی سے بجلی کی ایجاد نے تو کھول دیا ہے کہ خود پانی بھی بڑی تیز آگ ہے اسی عذاب الٰہی میں ان کے بت کچھ کام نہ آسکے سب کسمپرسی کی حالت میں یونہی مرکھپ گئے۔

وقال نوح. حضرت نوح علیہ السلام کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی اور عرض کیا۔ بارالٰہ! ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ ان کو باقی رکھا جائے۔ سب کا صفایا کر دے ورنہ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ جو کوئی بچے گا اس کی نسل بھی ''سانپ کا بچہ سانپ'' کا مصداق ہوگی اور موجودہ لوگ خود تو کیا ٹھیک ہوتے دوسروں کو بھی خراب کرنے کے درپے رہتے ہیں اس لئے ایمانداروں کی حفاظت کی خاطر بھی ان کا بیج مٹادے۔

رب اغفرلی. میرے پروردگار! میرے مرتبے کے لائق مجھ سے جو تقصیر ہوئی اپنے فضل سے اس کو معاف فرما اور میرے والدین اور میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں جو مومن ہو کر آئے بلکہ عام مومن ومومنات کی مغفرت فرمادے۔ اللھم اجعلنی منھم. آمین۔ اس دعا سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کے والدین مومن ہوں گے اور اگر ان کا غیر مومن ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اوپر کے آباؤ اجداد مراد ہوں گے اور تثنیہ مفرد کا نہیں بلکہ جنس کا مراد ہوگا۔

لطائف سلوک:.......... ثم انی دعوتھم جھاراً. اس سے حضرت نوح کی انتہائی شفقت معلوم ہوتی ہے اور جاہل کی ہدایت وارشاد میں ایسا ہی اہتمام ہونا چاہئے اور یہ تصدی یعنی درپے ہونا نہیں ہے، کیونکہ تصدی قصد ثمرہ میں ہوتی ہے اور یہ اہتمام قصد طریق میں ہے۔

ولا تذرن. اس سے معلوم ہوا کہ صلحاء کے آثار وتبرکات کا زیادہ اہتمام کرنا جب کہ اس میں دینی مفسدہ کا خطرہ ہو۔ واجب الترک ہے۔

ولا تزد الظٰلمین. پیغمبر اور صاحب وحی کے لئے تو مخالفین کے لئے گمراہی اور تباہی کی بددعا کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن دوسروں کو اس کا حق نہیں ہے جیسے بعض مدعیان مشیخت ولایت کر دیتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يَامُحَمَّدُ لِلنَّاسِ **اُوْحِيَ اِلَيَّ** اُخْبِرْتُ بِالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ **اَنَّهُ** الضَّمِيْرُ لِلشَّانِ **اسْتَمَعَ** لِقِرَاءَتِيْ **نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ** جِنٌّ نَصِيْبِيْنَ وَذٰلِكَ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ بِبَطْنِ نَخْلَةَ مَوْضَعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَهُمُ الَّذِيْنَ ذُكِرُوْا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ الْاٰيَةَ **فَقَالُوْٓا** لِقَوْمِهِمْ لَمَّا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ **اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾** يُتَعَجَّبُ مِنْهُ فِيْ فَصَاحَتِهٖ وَغَزَارَةِ مَعَانِيْهِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ** الْاِيْمَانِ وَالصَّوَابِ **فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ** بَعْدَ الْيَوْمِ **بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ** الضَّمِيْرُ لِلشَّانِ فِيْهِ وَفِي الْمَوْضَعَيْنِ بَعْدَهٗ **تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا** تَنَزَّهَ جَلَالُهٗ وَعَظَمَتُهٗ عَمَّا نُسِبَ اِلَيْهِ **مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً** زَوْجَةً **وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا** جَاهِلُنَا **عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾** غُلُوًّا فِي الْكَذِبِ بِوَصْفِهٖ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ **وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾** بِوَصْفِهٖ بِذٰلِكَ حَتّٰى بَيَّنَّا كِذْبَهُمْ بِذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى **وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ** يَسْتَعِيْذُوْنَ **بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ** حِيْنَ يَنْزِلُوْنَ فِيْ سَفَرِهِمْ بِمَخُوْفٍ فَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ شَرِّ سُفَهَائِهٖ **فَزَادُوْهُمْ** بِعَوْذِهِمْ بِهِمْ **رَهَقًا ﴿۶﴾** طُغْيَانًا فَقَالُوْا سُدْنَا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ **وَّاَنَّهُمْ** اَيِ الْجِنَّ **ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ** يَا اِنْسُ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾** بَعْدَ مَوْتِهٖ قَالَ الْجِنُّ **وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ** رُمْنَا اِسْتِرَاقَ السَّمْعِ مِنْهَا **فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا** مِّنَ الْمَلَائِكَةِ **شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾** نُجُوْمًا مُحْرِقَةً وَذٰلِكَ لَمَّا بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَّاَنَّا كُنَّا** اَيْ قَبْلَ مَبْعَثِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ** اَيْ نَسْتَمِعُ **فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾** اَيْ اُرْصِدَ لَهٗ لِيُرْمٰى بِهٖ **وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ** بَعْدَ

استراق السمع **بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا** ﴿۱۰﴾ خيرا **وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ** بعد استماع القرآن **وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ** اى قوم غير صالحين **كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا** ﴿۱۱﴾ فرقا مختلفين مسلمين وكافرين **وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ** مخففة اى انه **لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا** ﴿۱۲﴾ اى لا نفوته كائنين في الارض او هاربين منها الى السماء **وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى** القرآن **اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ** بتقدير هو بعد الفاء **بَخْسًا** نقصا من حسناته **وَّلَا رَهَقًا** ﴿۱۳﴾ ظلما بالزيادة في سيئاته **وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ** الجائرون بكفرهم **فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا** ﴿۱۴﴾ قصدوا هداية **وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا** ﴿۱۵﴾ وقودا وانا انهم وانه في اثنى عشر موضعا هى وانه تعالى الى قوله وانا منا المسلمون وما بينهما بكسر الهمزة استينافا وبفتحها بما يوجه به قال تعالى في كفار مكة **وَاَنْ** مخففة من الثقيلة واسمها محذوف اى وانهم وهو معطوف على انه استمع **لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ** اى طريقة الاسلام **لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا** ﴿۱۶﴾ كثيرا من السماء وذلك بعد ما رفع المطر عنهم سبع سنين **لِّنَفْتِنَهُمْ** لنختبرهم **فِيْهِ** فنعلم كيف شكرهم علم ظهور **وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ** القرآن **يَسْلُكْهُ** بالنون والياء ندخله **عَذَابًا صَعَدًا** ﴿۱۷﴾ شاقا **وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ** مواضع الصلاة **لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا** فيها **مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا** ﴿۱۸﴾ بان تشركوا كما كانت اليهود والنصارى اذا دخلوا كنائسهم وبيعهم اشركوا **وَّاَنَّهٗ** بالفتح وبالكسر استينافا والضمير للشان **لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ** محمد النبى صلى الله عليه وسلم **يَدْعُوْهُ** يعبده ببطن نخل **كَادُوْا** اى الجن المستمعون لقراءته **يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا** ﴿۱۹﴾ بكسر اللام وضمها جمع لبدة كاللبد في ركوب بعضهم بعضا ازدحاما حرصا على سماع القرآن قال مجيبا للكفار في قولهم ارجع عما انت فيه وفي قراءة **قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ** الها **وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا** ﴿۲۰﴾ **قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا** غيا **وَّلَا رَشَدًا** ﴿۲۱﴾ خيرا **قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ** من عذابه ان عصيته **اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ** اى غيره **مُلْتَحَدًا** ﴿۲۲﴾ ملتجأ **اِلَّا بَلٰغًا** استثناء من مفعول املك اى لا املك لكم الا البلاغ اليكم **مِّنَ اللّٰهِ** اى عنه **وَرِسٰلٰتِهٖ** عطف على بلغا وما بين المستثنى منه والاستثناء اعتراض لتاكيد نفي الاستطاعة **وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** في التوحيد فلم يؤمن **فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ** حال من ضمير من في له رعاية لمعناها وهى حال مقدرة والمعنى يدخلونها مقدرا خلودهم **فِيْهَآ اَبَدًا** ﴿۲۳﴾ **حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا** حتى ابتدائية

فِيهَا مَعْنَى الْغَايَةِ لِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا اَىْ لَا يَزَالُوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ اِلٰى اَنْ يَّرَوْا **مَا يُوْعَدُوْنَ** مِنَ الْعَذَابِ **فَسَيَعْلَمُوْنَ** عِنْدَ حُلُوْلِهِ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ اَوْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا﴿۲۴﴾** اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَى الْقَوْلِ الْاَوَّلِ اَوْ اَنَا اَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِيْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ فَنَزَلَ **قُلْ اِنْ** اَىْ مَا **اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ** مِنَ الْعَذَابِ **اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا﴿۲۵﴾** غَايَةً وَّاَجَلًا لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا هُوَ **عٰلِمُ الْغَيْبِ** مَا غَابَ بِهٖ عَنِ الْعِبَادِ **فَلَا يُظْهِرُ** يُطْلِعُ **عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا﴿۲۶﴾** مِنَ النَّاسِ **اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ** مَعَ اِطِّلَاعِهٖ عَلٰى مَاشَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةً لَّهٗ **يَسْلُكُ** يَجْعَلُ وَيَسِيْرُ **مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ** اَيِ الرَّسُوْلِ **وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴿۲۷﴾** مَلٰٓئِكَةً يَحْفَظُوْنَهٗ حَتّٰى يُبَلِّغَهٗ فِيْ جُمْلَةِ الْوَحْيِ **لِّيَعْلَمَ** اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ اَىْ اَنَّهٗ **قَدْ اَبْلَغُوْا** اَيِ الرُّسُلُ **رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ** رُوْعِيَ بِجَمْعِ الضَّمِيْرِ مَعْنٰى مَنْ **وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ** عَطْفٌ عَلٰى مُقَدَّرٍ اَىْ فَعَلِمَ ذٰلِكَ **وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴿۲۸﴾** تَمْيِيْزٌ وَّهُوَ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُوْلِ وَالْاَصْلُ اَحْصٰى عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ

ع ۲ ۹ ۱۲

سورۂ جن مکیہ ہے جس میں ۲۸ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:........... (اے محمد! آپ لوگوں سے) فرمادیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے (اللہ کا پیغام) کہ بلاشبہ (ضمیر شان ہے) جنات کی ایک جماعت نے (میری قرأت) سنی ہے (جنات نصیبین مراد ہیں، صبح کی نماز کا واقعہ ہے، مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ہوا تھا، اسی کا ذکر واذصرفنا الخ میں بھی گزر چکا ہے۔ چنانچہ ان جنات نے اپنی قوم سے جاکر) کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے (جس کی فصاحت اور معانی کا پھیلاؤ وغیرہ حیرت انگیز ہے) جو (ایمان و درستگی کی) راہ راست بتلاتا ہے۔ سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور (آج کے دن سے) ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور یہ واقعہ ہے (یہاں اور اس کے بعد، دونوں جگہ ضمیر شان ہے) کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے (اس کی عظمت وجلالت تمام نامناسب باتوں سے پاک ہے) نہ اس نے کسی کو بیوی (اہلیہ) بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو احمق (بے وقوف) ہوتے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں (بیوی بچہ کی نسبت کر کے انتہائی جھوٹ بکتے ہیں) اور ہمارا یہ خیال تھا کہ (ان مخففہ ہے تقدیر عبارت انہ ہے) انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہیں کہیں گے (اسی قسم کی جھوٹی باتیں نہیں لگائیں گے کہ ہمیں ان کا جھوٹ ظاہر کرنا پڑے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ پناہ لیا کرتے تھے۔ جنات میں سے بعض لوگوں کی (جب انسان سفر میں کسی خوفناک جگہ منزل کرتے تو ہر آدمی کی زبان پر ہوتا کہ میں یہاں کے بدقماش جنات کی شرارت سے یہاں کے سردار کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں) سو ان آدمیوں نے (شریر جنات سے سرداروں کی پناہ چاہ کر) ان کی بد دماغی اور بڑھادی (چنانچہ وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم جن وانس کے حاکم ہیں) اور ان (جنات) نے بھی ایسا ہی خیال کر رکھا تھا۔ جیسا کہ (اے انسانو!) تم نے خیال کر رکھا ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) اللہ تعالیٰ کسی کو (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ نہیں کرے گا (جن بولا کہ) ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی (چوری چھپے) سو ہم نے اس کو (فرشتوں کے) سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا (جلادینے والے ستاروں سے، یہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ہوا) اور ہم (حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے) آسمانوں کے موقعوں میں سننے کے لئے جابیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے

لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے (جو اس کے مارنے کے لئے مہیا کیا گیا) اور ہم نہیں جانتے کہ کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے (چوری چھپے سننے کے بعد) زمین والوں کو یا ان کے رب نے ان کو ہدایت (خیر) کا ارادہ فرمایا ہے اور (قرآن سننے کے بعد) بعض ہم میں نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں (یعنی غلط قسم کے لوگ) ہم مختلف طریقوں پر تھے (متفرق جماعتیں، کچھ مسلمان کچھ کافر) اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) ہم زمین میں اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر ہرا سکتے ہیں۔ یعنی (اللہ سے چھوٹ کر زمین میں یا بھاگ کر آسمان میں کہیں جا نہیں سکتے) اور ہم نے جب ہدایت (قرآن) کی بات سن لی تو اس کا یقین کرلیا۔ سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا تو اسے (فائے بعد ھو مقدر ہے) نہ کسی (کی نیکیوں کے گھٹنے) کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کہ ظلم کر کے برائی میں اضافہ کردیا جائے اور ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے راہ ہیں (اپنے کفر کی وجہ سے، حق سے ہٹے ہوئے) سو جو شخص مسلمان ہوگیا تو اس نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا (راہِ ہدایت اختیار کرلی) اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں (انا، انہم، انہ بارہ جگہ انہ تعالیٰ سے لے کر انا منا المسلمون تک اور ان کے درمیان ہمزہ مکسور کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ بھی توجیہ کی جاتی ہے) آگے کفار مکہ کے بارے میں ارشاد ہے) اور یہ لوگ (ان مخففہ ہے بوجہ ثقل کے جس کا اسم محذوف ہے ای وانہم۔ انہ استمع پر اس کا عطف ہوگا) اگر (اسلام کے) راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو سیراب کرتے بکثرت پانی سے (بارش کے ذریعہ، سات سال قحط کے بعد) تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں (کھلے طور پر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے شکر کی کیا حالت رہی ہے) اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر (قرآن) سے روگردانی کرے گا ہم اس کو (ن اور یا کے ساتھ ہے) داخل کریں گے سخت عذاب میں اور مسجدیں (نماز پڑھنے کی جگہیں) اللہ کی ہیں، سو اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کیا کرو (شرک کرتے ہوئے جیسا کہ یہود نصاریٰ اپنے کنیسوں، گرجوں میں داخل ہو کر شرک کرتے تھے) اور واقعہ یہ ہے کہ (انہ فتحہ ہمزہ اور کسرہ ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور ضمیر شان ہے) جب اللہ کا بندۂ خاص (محمد ﷺ) خدا کی عبادت کرنے (بطن نخلہ میں) کھڑا ہوتا ہے تو لوگ (یعنی جنات اس کی قرأت سننے کے لئے) اس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں (لبدا کسرۂ لام اور ضمہ لام کے ساتھ لبدۃ کی جمع ہے۔ قرآن سننے کے شوق میں ایک دوسرے کی گردن پر چڑھے جاتے ہیں) فرمایا (کفار کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مطالبہ کا آپ اپنی دعوت سے باز آجایئے اور ایک قرأت میں قل ہے) کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے مجھ کو (نافرمانی کی صورت میں) اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا میں کوئی پناہ (ٹھکانا) پا سکتا ہوں۔ لیکن پہنچانا (املک کے معمول سے استثناء ہے ای لا املک لکم الا البلاغ الیکم) اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغامات کا ادا کرنا (اس کا عطف بلاغا پر ہے اور مستثنیٰ اور استثناء کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ استطاعۃ کی نفی کی تاکید کے لئے) اور جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا نہیں مانتے (توحید کے متعلق یعنی ایمان نہیں لاتے) تو یقیناً ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ رہیں گے (یہ حال ہے لہ کی ضمیر سے جس کا مصداق من ہے معنی کی رعایت کرتے ہوئے اور یہ حال مقدرہ ہے۔ یعنی یدخلونہا مقدارا خلودھم) ہمیشہ یہاں تک کہ جب دیکھ لیں گے (حتیٰ ابتدائیہ ہے جس میں غایت کے معنی ہیں جو اس سے پہلے مقدر ہے۔ ای لایزالون علی کفرھم الی ان یروا) جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی عذاب) اس وقت جان لیں گے (عذاب آنے پر، غزوۂ بدر میں یا قیامت کے دن) کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے (کفار یا مومنین، پہلی رائے کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق میں یا وہ۔ چنانچہ کچھ کافر کہنے لگے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اس پر ارشاد ہوا کہ) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خبر نہیں کہ جس (عذاب) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے، یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے (جس کا پتہ اس کے سوا کسی کو نہیں ہے) غیب (جو بندوں سے اوجھل ہے) کا جاننے والا وہی ہے، سو وہ اپنے غیب پر (لوگوں میں سے) کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو، سو وہ (باوجود پیغمبر کو مطلع کرنے کے غیب کی باتوں میں سے جو چاہے بطور معجزہ کے بھیج دیتا ہے (چلاتا) ہے۔ پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے (جو پوری وحی پہنچانے

تک اس کی حفاظت کرتے رہیں) تاکہ (کھلے بندوں) اللہ کو معلوم ہو جائے (ان مخففہ ہے ای انہ) کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (ضمیر جمع لانے میں معنی من کی رعایت کی گئی ہے) اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس کا عطف مقدر پر ہے۔ای فعلم ذلک) اور اس کے ہر چیز کی تعداد معلوم ہے (تمیز ہے مفعول سے بدلی ہوئی اصل عبارت احصیٰ عدد کل شیء تھی)۔

تحقیق وترکیب:..........من الجن. جن کی تعریف یہ ہے۔جسم ناریة هوائية لها قدرة على التشكلات بالصور لشريفة والخسيسة وتحكم عليهم الصورة اور فرشتہ کی تعریف یہ ہے جسم نورانية لها قدرة على التشكلات بالصور الغير الخسيسة ولا تحكم عليهم الصور. اس سے دونوں میں فرق بھی واضح ہو گیا۔بعض کی رائے یہ ہے کہ جنات بلیس کی نسل ہے۔ان میں جو زیادہ شریر وسرکش ہوتے ہیں ان کو شیاطین کہا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جن جان کی اولاد اور شیاطین بلیس کی اولاد ہیں۔نفخہ اولیٰ پر ابلیس مع شیاطین مرجائیں گے اور نصیبین یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔

سفيهنا. سفیہ سے مراد اگر متمرد انسان ہو تب تو اضافت جنس کے لئے ہوگی اور سفیہ سے مراد اگر ابلیس ہو تو پھر اضافت عہد کے لئے ہوگی۔

على الله كذبا. یعنی پہلے ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جن خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے اس لئے شرک کو صحیح سمجھتے رہے۔مگر جب شرک کا غلط ہونا واضح ہوا تو معلوم ہوا کہ خدا کے معاملہ میں بھی جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔

وانه كان رجال. جنات کی گفتگو کے درمیان یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ بھی جنات کا کلام ہے۔

رجال من الجن. مفسرؒ نے جن کلمات کو نقل کیا ہے مسافران کو کہہ کر رات بھر آرام سے بسر کرتا۔بلکہ اگر کوئی راستہ بھٹکتا یا کسی کی کوئی چیز گم ہو جاتی تو جنات اس کی مدد کر دیتے۔سب سے پہلے اس بدعت کی ایجاد یمن کے قبیلہ بنوحنیفہ سے ہوئی بعد میں سارے عرب میں یہی خیال پھیل گیا اسلام نے آکر ان خیالات کی اصلاح کی کہ جن کا وجود اور ان کی قوت تو لائق تسلیم ہے مگر لائق ستعانت واستعاذہ صرف اللہ کی ذات ہے۔

فزادوهم رهقا. مفسرؒ نے رهقاً کی تفسیر سدنا کے لفظ سے فرمائی ہے۔صراح میں ہے کہ سدیسد کسرہ کے ساتھ بمعنی صارا سدیدا" ہے اور بعض کے نزدیک "سادیسود" سے ہے۔

انهم ظنوا. مفسرؒ نے ضمیر غائب جنات کی طرف اور ظننتم کی ضمیر خطاب انسانوں کی طرف راجع کی ہے لیکن اگر یہ جنات کا باہمی کلام ہے تو پھر ضمیریں برعکس ہوں گی۔

فوجدناها. یہ اگر متعدی بیک مفعول ہے تو پھر جملہ ملئت حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا لیکن اگر متعدی بدو مفعول ہے تو پھر یہ جملہ مفعول ثانی کی وجہ سے منصوب ہو جائے گا۔اور حرساً تمیز کی وجہ سے منصوب ہوگا۔جیسے کہا جاتا ہے کہ امتلاء ماء اناءً اور حرس اسم جمع ہے حارس کی۔جیسے خادم کی اسم جمع خدم ۔حارس بمعنی نگران حراست مصدر ہے اور شدید حرس کی صفت ہے بلحاظ لفظ کے اگر معنی کی رعایت کی جاتی پھر صفت شداد آتی۔

شهب. شهاب کی جمع ہے۔جیسے کتاب کی جمع کتب ہے۔جنات کا رجم اگرچہ مفسرؒ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد سے ملا رہے ہیں لیکن زمخشریؒ کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ شیاطین کا رجم پہلے ہی ہوا کرتا تھا۔جیسا کہ جاہلیت کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے البتہ ں میں شدت آنحضرت ﷺ سے شروع ہوئی معمر زہری سے بھی یہی نقل کرتے ہیں بلکہ لفظ ملئت سے بھی اس طرف اشارہ ہے کہ کثرت آنحضرت ﷺ کے وقت سے شروع ہوئی۔

شهاباً رصدا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ رصدا مصدر بمعنی مفعول ہے اور لہ کا تعلق رصدا سے ہے۔ دوسرے مفسرؒ رصد مصدر بمعنی اسم فاعل مانتے ہیں۔

اشرارید. بعض کے نزدیک یہ قول جنات کا ہے اور بعض ابلیس کا کہتے ہیں۔

رشد سے ایمان اور شرک سے کفر مراد ہے شر میں رفع زیادہ بہتر ہے فعل مضمر کی وجہ سے۔

منادون ذٰلك. منا خبر مقدم اور دون مبتداء مؤخر ہے غیر کے معنی میں اور اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے اس پر فتحہ ہے یا محذوف کی صفت ہے۔ ای ومنا فریق دون ذلک اور موصوف سے من تبعیضیہ کا حذف بکثرت ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ مناظعن اورمنا اقام ای منافریق ظعن.

کنا طرائق اس میں کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ کنا ذوی طرائق ای ذوی مذاهب مختلفه تقدیر عبارت ہوگی۔

۲۔ کنا فی اختلاف احوالنا مثل الطرائق المختلفة تقدیر مانی جائے۔

۳۔ کنا فی طرائق مختلفة تقدیر نکالی جائے۔

۴۔ تقدیر عبارت کانت طرائقنا قلادا هو. بحذف المضاف اور ضمیر مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہو۔

چنانچہ حضرت حسنؒ، سدیؒ کہتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات میں بھی قدریہ، جبریہ، رافضیہ وغیرہ مختلف مذہبی گروہ ہوتے ہیں۔

فلا یخاف. ای فهو لایخاف. پس یہ جملہ اسمیہ ہوگیا۔ ورنہ فا حذف ہونی چاہئے تھی اور جواب شرط کی وجہ سے جزم آنا چاہئے تھا۔ لیکن اس تقدیر پر کیا فائدہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سورت تجویز کی؟ جواب یہ ہے کہ اس طرف کلام سے تحقیق وتاکید مقصود ہے کہ مومن ضرور مستحق نجات ہے اور مومن کے لئے نجات مخصوص ہے دوسرے کے لئے نہیں۔ لاهو یخاف کے معنی یہ ہیں کہ غیرہ یکون خائفا. شروع سورت میں انه استمع صرف فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد انا سمعنا صرف کسرہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد وان المساجد میں صرف فتحہ ہمزہ ہے اور وانه لما قام میں دونوں وجہیں ہیں۔ پس اس طرح کل مواقع سولہ ہوئے۔ جن میں سے دو جگہوں میں فتحہ واجب ہے اور ایک جگہ کسرہ واجب ہوا اور تیرہ جگہیں ایسی ہیں جہاں فتحہ کسرہ دونوں جائز ہیں۔ بارہ جگہیں مفسرؒ علام نے بیان کی ہیں اور ایک جگہ ان کے بعد "انه لما قام" ہے۔ ابوعمرؒ اور نافعؒ اور ابن کثیرؒ اور ابوبکرؒ کے نزدیک کسرہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ "انا سمعنا" پر عطف کرتے ہوئے گویا کل جملے ان کے اقوال کی حکایت ہے اور سب جملے مستقل ہیں۔ وبفتحها بما یوجه به. یعنی فتحہ کی توجیہ جاری کرتے ہوئے فتحہ ہمزہ بڑھایا جائے گا اور فتحہ کی وجوہ دو ہیں، ایک یہ کہ "انه استمع" پر عطف کیا جائے۔ لیکن یہ وجہ انا لمسنا السماء اور انا کنا اور لاندری جیسے مواقع میں ٹوٹ جاتی ہے۔ جہاں ان کا عطف درست نہیں معنی غلط ہونے کی وجہ سے مگر پھر فتحہ پڑھا جارہا ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں قول مقدر مان لیا جائے۔ ای اوحی قولهم ذلک اور دوسری توجیہ فتحہ کی یہ ہوگی کہ ان کا عطف به پر ہوگا۔ "آمنا به" میں تقدیر جار کرتے ہوئے اور اَنْ اِنْ میں حرف جر کی تقدیر قیاس ہے یا جار مجرور کے محل پر عطف کیا جائے۔ ای صدقناه و صدقناه انه تعالیٰ جد ربنا وانه کان یقول سفیهنا.

وان لو استقاموا. اس میں ان مخففہ ہے، ضمیر اسم محذوف ہے جس کا مرجع قریش اور جن وانس ہیں اگرچہ بعض حضرات اس کو ضمیر شان کہتے ہیں۔ لیکن ضمیر شان بے ضرورت ہے۔

یسلکه. لفظ سلک مفعول ثانی کی طرف فی کے ذریعہ متعدی ہوا کرتا ہے اور یہاں براہ راست متعدی ہو رہا ہے۔ مفسرؒ اس کے جواب کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ بقول صاحب کشاف سلک دخل کے معنی کو متضمن ہے۔

صعدا. بطور استعارہ بمعنی مشقت ہے۔

ان المساجد. یہ حصہ بھی منجملہ وحی کے ہے مساجد جمع مسجد ہے اور مسجد مصدر میمی اور ظرف دونوں بن سکتا ہے اور ظروف کی صورت میں اعضاء سجود یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

وانہ لماقام. اس میں حجون کی طرف اشارہ ہے جہاں عبداللہ بن مسعودؓ بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ بارہ یا ستر ہزار جنات حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوئے یہ بیعت شق قمر کے موقعہ پر ہوئی۔ مفسرؒ اگرچہ بطن نخلہ کا نام لے رہے ہیں تاہم اس سے پہلے بھی بطن نخلہ میں سات یا نو جنات حاضر خدمت ہوئے تھے۔

کادوا یکون علیہ لبدا. اس کا قرینہ ہے کہ حجون کی بیعت مراد ہے، جس میں جنات کا جم غفیر حاضر ہوا تھا۔ لبدا کہتے ہیں ایک دوسرے پر تہ بر تہ ہونا۔ لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ لبدۃ کی جمع ہے، سدرۃ، غرفۃ کے وزن پر۔

قال انما ادعوا. عاصم، حمزہ کی قرأت پر قال کے بجائے قل ہے۔ غیبت سے خطاب کی طرف التفات کرتے ہوئے ادعوا مفسرؒ نے الھا نکال کر اشارہ کیا ہے کہ ادعو بمعنی اعتقد ہے اور دو مفعول کی طرف متعدی ہے اور اعبد کے معنی اگر لئے جائیں تو پھر اس تقدیر کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ضرا بطور مجاز مرسل ضر سے غی مراد ہے سبب بول کہ مسبب مراد لیا گیا ہے۔

الا بلاغا. یہ ملتحدا سے بدل بھی ہو سکتا ہے اور فراء کی رائے یہ ہے کہ یہ استثناء نہیں ہے بلکہ شرط و جزاء ہے ای ان لا ابلغ بلاغا. ای ان لم ابلغ لم اجد من دونہ ملتجاءً ولا مجیرا لی. حتی اذا راوا. یہ غایت برحال مقدرہ جو پہلے فی الدین سے مفہوم ہو رہا ہے کیونکہ خلود فی النار. دوام کفر کو مستلزم ہے کیونکہ ایمان سے خلود نار منقطع ہو جاتا ہے۔

فسیعلمون یہ اذا کا جواب ہے، اس آیت کے معنی مختلف ہیں اور آراء بھی مختلف ہیں۔ تاہم ظاہری معنی یہ نکل رہا ہے کہ مسجد میں دنیاوی گفتگو جائز نہیں ہے بلکہ درس وتدریس اور فیصل مقدمات کی اجازت بھی نہیں ہے حتی کہ تلاوت یا ذکر اتنی جہر سے کہ نماز میں خلل انداز ہو ناپسندیدہ اور موضوع مسجد سے خارج ہے اور بعض اہل علم نے اگر ان چیزوں کی اجازت دی ہے تو دنیا کی باتیں کرنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ اس آیت کی رو سے جب ذکر اللہ کے ساتھ دوسری باتیں جائز نہیں تو خاص دنیاوی باتیں کس طرح جائز ہوں گی۔ حدیث میں ہے۔ من تکلم بکلام الدنیا فی خمسۃ مواضع احبط اللہ من عبادۃ اربعین سنۃ. ا۔ مسجد۔ ۲۔ تلاوت قرآن۔ ۳۔ وقت اذان۔ ۴۔ مجلس علماء۔ ۵۔ زیارت قبور۔ تفسیر زاہدی میں ہے کہ ان المساجد للہ سے مراد مسجد حرام ہے کیونکہ وہ تمام مساجد کا قبلہ ہے اور بعض نے اس سے سجدہ کے اعضاء اور بعض نے سجدات مراد لئے ہیں اور سین محض تاکید کے لئے استیصال کے لئے نہیں ہے کیونکہ عذاب کے وقت بھی یہ علم حاصل رہتا ہے۔

من اضعف. من استفہامیہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور اضعف خبر ہے اور جملہ قائم مقام مفعولین کے لئے یعلمون کے اور من موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اضعف مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے اور جملہ صلہ ہے اور عائد محذوف ہے ورنہ صلہ طویل ہو جاتا اور ناصرا انا اکثر منک مالاً کی طرح تمیز ہے۔ ایسے ہی "اقل عددا" تمیز ہے مفسرؒ کے قول اول سے مراد بدر اور ثانی سے مراد قیامت ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین نے تعیین نہیں کی۔ بلکہ دونوں صورتوں میں دونوں توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

قل ان ادری. نضر بن حارث کے جواب میں کہا گیا ہے۔

اقریب. خبر مقدم ہے اور ما توعدون مبتداء موخر ہے اور قریب مبتدا بھی ہو سکتا ہے استفہام پر اعتماد کی وجہ سے اور ماتوعدون اس کا فاعل ہے۔ ای اقرب الذی توعدون جیسے کہا جائے اقائم ابوک اور ماتوعدون میں ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ سو تب عائد محذوف ہوگا اور مصدریہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس میں عائد کی ضرورت ہی نہیں۔ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ام بجعل لہ ربی امدا کے کیا معنی؟ کیونکہ آمد قریب اور بعید دونوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ تو دلو ان بینھما و بینہ امداً بعیدا. میں بعید کے لئے استعمال ہے جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وعدۂ قیامت کو قریب سمجھتے تھے۔ اس لئے آیت کے معنی یہ ہوں گے۔ ما ادری

هو حال متوقع في كل ساعة ام مؤجل ضربت له غاية.

فلا يظهر على غيبه. معتزلیہ اور کرامیہ اس سے کرامات اولیاء کے بطلان پر استدلال کرتے ہیں لیکن اہل حق کی طرف سے اس کے کئی جواب ہیں۔

ا۔ اول یہ ہے کہ بیان غیب سے مراد قیامت ہے جیسا کہ سیاق آیت دلالت کر رہا ہے پس ممکن ہے اللہ نے کسی پیغمبر یا فرشتہ کو اس کی اطلاع کر دی ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ رسول سے فرشتہ مراد ہو اور اظہار سے مرد ابلا واسطہ ہو۔ پس کرامات اولیاء اور ان کی اطلاعات مغیبات پر فرشتوں کی تلقین ہوتی ہوگی۔ جیسا کہ شیخ اکبر فتوحات میں لکھتے ہیں یا خواب کے ذریعہ ہوتی ہوگی جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

۳۔ شرح مقاصد میں ہے کہ غیب سے عام معنی مراد ہیں کیونکہ اسم جنس مضاف بمنزلہ معرف باللام کے ہوتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اصل میں مصدر ہو۔ ای لايطلع على غيبه احدا. پس یہ اس کے منافی نہیں کہ بعض کو بعض مغیبات کی اطلاع ہو جائے۔

۴۔ ولی کو معرفت ظن الغیب کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اس کو علم غیب نہیں کہا جائے گا اور اس آیت میں پیغمبر کے علاوہ کے لئے علم غیب کے اعلام کی نفی کی گئی ہے اور ممکن ہے حق اس سے متجاوز نہ ہو اور تفسیر مدارک میں تاویلات سے نقل کیا گیا ہے کہ آیت میں منجمین کی تکذیب پر دلالت ہے۔ حالانکہ منجمین کی خبر صحیح نکلتی ہے اسی طرح اطباء نباتات کی طبیعت و تاثیر سے واقف ہوتے ہیں اور یہ باتیں غور و فکر سے ہرگز نہیں معلوم ہوتیں بلکہ کسی نبی پر یہ علم اترا ہوگا جو بعد میں باقاعدہ ایک فن مدون ہو گیا۔

فلا يظهر. ابن شیخ کی رائے یہ ہے کہ اللہ اپنے مخصوص علم کو پیغمبر کو عطا فرما دیتا ہے البتہ جو علم غیب مختص ہوتا ہے وہ انبیاء کے علاوہ اوروں کو بھی معلوم ہو سکتا ہے خواہ انبیاء کے توسط سے یا دلائل قائم کر کے اور ترتیب مقدمات کے ذریعہ یا بطریق الہام کے۔ حاصل یہ کہ اپنے پسندیدہ پیغمبر کو اللہ چاہے تو بعض مغیبات سے دے سکتا ہے۔

يسلك من بين يديه یعنی کسی پیغمبر کو جب کوئی پوشیدہ راز بتلایا جاتا ہے تو فرشتے چاروں طرف سے اس کی حفاظت کرنے پر مامور کر دیئے جاتے ہیں شیطانی تصرف و گزند سے بچانے کے لئے اس آیت سے پیغمبروں کے لئے علم غیب متنازع فیہ پر استدلال کرنا کم فہمی ہے بلکہ اس سے تو اس کے خلاف ثابت ہو رہا ہے۔

ليعلم الله. اشکال یہ ہے کہ علم حادث کی غایت علم قدیم کس طرح ہو سکتا ہے مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ علم کا ظہور اور تعلق مراد ہے اور جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ليعلم کی ضمیر پیغمبر کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ عبدالرزاقؒ نے قتادہؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت۔ کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر جان لے کہ رسول نے اللہ کا پیغام دیا ہے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ جان جائے پیغمبر کی تکذیب کرنے والا کہ انہوں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا۔

واحاط. مفسرؒ تو علم مقدر پر عطف کر رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فلا يظهر پر عطف ہے۔ ای عالم الغيب فلا يظهر واحاط بما عند الرسول. البتہ چونکہ ماضی کا عطف مضارع پر مستحسن نہیں ہے، اس لئے مفسرؒ نے قد مقدر مان کر جملہ حالیہ قرار دیا ہے۔

عددا. یہ احصیٰ کے مفعول سے تمیز ہے اور بعض نے اس کو حال کہا ہے۔ ای معدودا.

ربط آیات:......... سورۂ نوح میں قوم نوح کے کفر و عقوبت کا حال سنا کر معاصر کفار کو ڈرانا تھا ایمان نہ لانے پر اور اس سورۂ جن میں جنات کے ایمان لانے کا بیان کر کے ایمان کی طرف ترغیب ہے جس میں توحید و رسالت و مجازات سب داخل ہیں گویا یہ تاثر دینا ہے کہ جب ناری الاصل مخلوق ایمان لے آئی تو ترابی الاصل مخلوق کو بطریق اولیٰ ایمان قبول کرنا چاہئے۔

شان نزول:............اس سورت کا شان نزول وہی ہے جو سورۂ احقاف کے آخر رکوع کی آیت **واذ صرفنا الخ** کی تمہید میں ذکر ہو چکا ہے بہر حال جب یہ جنات اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگے "**انا سمعنا قرآنا عجبا لخ**" تو اس پر **قل اوحی الی الخ** آیات نازل ہوئیں۔ چند واقعات کا ذکر ضروری ہے جن کا تفسیر سے تعلق ہے۔

ا۔آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں میں جا کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور کوئی عمومی بندش نہ تھی۔ مگر بعثت کے بعد سختی سے بندش کر دی گئی اور شہاب ثاقب کے ذریعہ مار بھگایا جانے لگا تو جنات میں تشویش ہوئی جس کی تفتیش میں نکلے تھے کہ آنحضرت ﷺ تک رسائی ہوگئی۔

۲۔زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کسی جنگل بیابان میں پڑاؤ ہوتا تو لوگ وہاں کے جناتی سردار سے پناہ چاہتے تھے۔

۳۔آنحضرت ﷺ کی بددعا سے کئی سال تک مکہ معظمہ میں قحط رہا۔

۴۔ابتدائی دعوت اسلام کے موقعہ پر مخالف کفار نے آنحضرت ﷺ پر ہجوم اور نرغہ کیا۔

ان المساجد لله. بعض صحابہؓ نے مسجد نبوی کے دور ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ نماز پڑھنے پر معذرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ **ان المساجد کلها لله** . اس پر تائید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز میں قرآن کریم پڑھ رہے تھے کچھ جنات کا گزر ہوا تو قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو بھی شوق دلایا کہ ہم نے عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو اپنی تاثیر سے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ معرفت الٰہی کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم نے تو سنتے ہی اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔ یقیناً یہ کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہوسکتا۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اس کے بعد بھی کئی بار خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے قرآن سیکھا۔

وانه تعالیٰ. یہاں سے آخر سورت تک جہاں جہاں تک ان آ رہا ہے اس میں ایک قرأت کسرہ کی ہے۔ اس صورت میں **قالوا** کے معمول ہو جائیں گے۔ لیکن فتحہ کی قرأت پر بقرینہ **قالوا** سب جگہ اذ کی وامقدر مانا جائے گا اور سب اس کے معمول ہو جائیں گے۔ ان دونوں توجیہوں پر جنات کا کلام ہونے کی وجہ سے حاصل ایک ہی رہے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی مذہبی گروہ بندی تھی اور انسانوں کی طرح مختلف نظریات رکھتے تھے۔

سفیهنا. اللہ کی شان میں ایسی بے ہودہ فضول باتیں اپنی طرف سے بے وقوف کہہ سکتا ہے ان سب میں شیطان بڑا بے وقوف ہے ممکن ہے یہاں وہی مراد ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سب انسان اور جنات کی اتنی بڑی تعداد اللہ کی جناب میں جھوٹی بات کہنے کی جرأت نہیں کریں گے جبکہ ان میں بہت سے یقیناً دانشمند بھی ہوں گے بس اسی فریب سے ہم مغالطہ میں آ گئے لیکن قرآن سن کر یہ تاریکی چھٹی اور ایسی اندھی تقلید سے نجات ملی۔

انسان پہلے جنات سے ڈرا کرتے تھے:............**وانه کان رجال**. دور جاہلیت میں جنوں سے غیب کی خبریں معلوم ہو جانے کا غلط عقیدہ ذہنوں میں جما ہوا تھا ان کو خوش کرنے کے لئے بھینٹ بھی چڑھایا کرتے تھے اور جنات کے سرداروں سے پناہ بھی چاہا کرتے تھے، جس سے جنات کی سرگردانی اور بھی بڑھ گئی تھی اور وہ سر چڑھنے لگے تھے اور اس طرح خود انسانوں کی گمراہی اور شرک

میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ بالآخر قرآن نے آکر ان سب خرابیوں کی جڑ کاٹی مسلمان جنات اپنی قوم سے کہنے لگے کہ کس طرح مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر ہوا اور یہ کہ آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا جتنے آچکے، بس آچکے۔ بہت سے انسان بھی انہیں باتوں کے قائل تھے مگر اب قرآن سن کر پتہ چلا کہ خدا نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو عقیدہ قیامت کا اعلان کرتا ہے۔ جس میں رتی رتی کا حساب دینا ہوگا چنانچہ آسمان کے قریب حسب معمول پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ آج کل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوتے ہیں اب غیب کی خبریں سننا تو کیا معنی؟ کسی کو پاس بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا ہے۔ جو ارادہ بھی کرتا ہے اسے انگارے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

شبہات کا ازالہ: .... وانا کنا نقعد. یہ مواقع آسمان کے اجزاء کے ہوں یا ہوا کے اجزاء کے یا کسی ملاء اور خلاء کے ہوں اور جنات اپنی لطافت اور ثقل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر اس طرح ٹھہر سکتے ہیں جیسے ہوا میں پرندے چلتے پھرتے ٹھہر جاتے ہیں۔ پہلے اتنی روک ٹوک اور سختی نہ تھی، کچھ پابندی کے باوجود گھات لگا کر کچھ سن آیا کرتے تھے مگر اب ناکہ بندی کا یہ حال ہے کہ جہاں کسی نے ذرا ارادہ کیا اور شہاب ثاقب کے آتشیں گولوں نے اس کا تعاقب کیا۔

آیت فمن یستمع الاٰن ۔ پھر اگر یہ شبہ ہو کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی تو شہاب بنتے تھے پھر تحقیق کیسی؟ جواب یہ ہے کہ پہلے اسباب طبعیہ کے ماتحت شہاب بنتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے بعد فرشتوں کا ان میں تصرف اور شیاطین کو رجم کرنا یہ خصوصی اثر مراد ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آخر یہ جدید انتظامات اور سخت پہرے خدا جانے کس مقصد کے لئے ہوتے ہیں۔ قرآن کا نازل ہونا اور پیغمبر عربی کا آنا ان کا سبب ہو۔ یہ تو ہماری سمجھ میں بھی آتا ہے مگر نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ لوگ قرآن کی ہدایات قبول کر کے راہ راست پر آجائیں گے اور اللہ کی خصوصی عنایات کے مستحق بنیں گے یا ان سے روگردانی کر کے پاداش کے طور پر تباہ و برباد ہوں گے؟ اس کا حال اللہ کے سوا کون جان سکتا ہے، شاید اس سے علم غیب کی نفی کی تقویت مقصود ہو لوگ تو علم غیب کی نسبت جنات کی طرف کرتے ہیں حالانکہ ہمیں اتنی بھی خبر نہیں ہے۔ جس طرح قرآن سے پہلے سب کی راہ ایک نہیں تھی، لوگ اچھے بروں میں بٹے ہوئے تھے، ہر ایک کی راہ الگ الگ تھی، اب قرآن آنے کے بعد سب کو نیک اور ایک ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن ہوگا اب بھی وہی کہ لوگ فرقوں میں بٹ جائیں گے تاہم یہ یقین کر لینا چاہئے کہ اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ کہیں زمین میں چھپ کر، نہ ادھر ادھر بھاگ کر، نہ ہوا میں اڑ کر۔

قرآن نازل ہونے کے بعد بھی لوگ دو طرح کے ہوگئے: .... وانا لما سمعنا. جنات میں اللہ نے سب سے پہلے ہمیں ہی قرآن سننے اور پیغمبر پر ایمان لانے کا موقعہ عنایت فرمایا ایک منٹ کی بھی دیر نہیں کی اللہ کے ہاں سچے ایماندار کے لئے کوئی کھٹکا نہیں اور نہ اس کی نیکی ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے اور نہ ہی ظلم و زیادتی کا امکان ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی غرض ایماندار آدمی نقصان، ذلت و رسوائی سب سے محفوظ ہے۔ بہرحال قرآن نازل ہونے کے بعد دو طرح کے لوگ ہوگئے۔ ایک پیغام الٰہی قبول کرنے والے اور سمع و طاعت سے گردن جھکانے والے یہ تو تلاش حق میں کامیاب کہلائیں گے۔ اور ایک وہ ہیں جنہوں نے ناانصافی اور کجروی کا راستہ اختیار کیا اور احکام الٰہی کی فرمانبرداری سے انحراف کیا یہ جہنم کے کندے اور دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

وان لو استقاموا. اس سے پہلے جنات کی گفتگو نقل کی گئی تھی اور یہاں سے حق تعالیٰ کی نصائح ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ انسان و جنات اگر سیدھی راہ چلتے ہیں تو ایمان و طاعت کی بدولت ان کے لئے ظاہری و باطنی برکات کی سیرابی ہے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہے کہ آیا نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر نعمت بجالاتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ

آنحضرت ﷺ کی بددعا سے اس وقت اہل مکہ قحط سالی کی گرفت میں آ گئے تھے۔ تنبیہ کا ماحصل یہ ہے کہ اگر اب بھی اپنی شرارت وسرکشی سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چل نکلیں تو ہم بارانِ رحمت سے ملک کو سرسبز وشاداب کر سکتے ہیں ورنہ اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکا بلکہ وہ ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہے۔

اسلام کا دوسرے مذاہب سے امتیاز:......... وان المساجد اور یادِ الٰہی کے لئے یوں تو کسی جگہ کی تخصیص نہیں ہے۔ ساری زمین ہی اس امت کے لئے مسجد بنا دی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح مندر اور گرجا کی قید نہیں ہے، یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ عبادت کے لئے ہر جگہ سر جھکا سکتی ہے۔ ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا. زمانِ عبادت تو اس امت کے لئے خاص ہے۔ مگر حدیث جعلت لى الارض كلها مسجد او طهورا کے لحاظ سے مکانِ عبادت میں تعمیم ہے۔ تاہم عبادت ہی کے لئے جو مکان مسجد کے نام سے خاص کئے جائیں ان کو اور زیادہ امتیاز اور شرف حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا ظلم عظیم اور بدترین شرک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید ہر جگہ ہے، شرک کی اجازت کہیں بھی نہیں بالخصوص مساجد جو اللہ کے نام تنہا اسی کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس میں شرکیہ راگ الاپنا حد درجہ گمراہی ہے۔ بعض مفسرین ''مساجد'' سے مراد وہ اعضاء لیتے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ خدا کے بنائے ہوئے اعضاء کو اور کے آگے کیوں جھکاتے ہو سر اللہ ہی کے آگے جھکنا چاہئے اور ہاتھ اسی کے آگے ٹیکنا چاہئیں۔

پیغمبر بھی دوسروں کی طرح اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے:......... وانه لما قام. محمد رسول اللہ ﷺ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں۔ مومنین تو قرآن سننے کے شوق وذوق میں اور کفار عناد میں ہجوم کرتے ہیں آپ کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مجھ پر بھیڑ کیوں کرتے ہو میں کوئی بری، نامعقول بات تو نہیں کہتا صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں گردانتا اس میں لڑنے جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ پھر بھی یاد رکھو، میرا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہے جو ہر قسم کی دوئی سے پاک اور بے نیاز ہے اس لئے مجھ پر تمہارے اس ہجوم کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ میں اپنے طریقہ سے دستبردار ہو جاؤں۔ یہ صحیح ہے کہ میرے اختیار میں نہیں کہ تم سب کو راہ پر لے آؤں یا نہ آنے کی صورت میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا دوں؟ یہ سب باتیں اللہ کے قبضہ کی ہیں۔ تمہارا نفع نقصان تو بجائے خود، میں تو خود اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں بالفرض میں اگر اپنے فرائض میں کوتاہی کروں تو نہ اللہ سے مجھے کوئی بچا سکتا ہے اور نہ کہیں بھاگ کر جا سکتا ہوں۔ میرے اختیار میں بس اس نے یہ دے رکھا ہے کہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں اسی فرض کی بجا آوری پر اس کی حمایت و پناہ میں رہ سکتا ہوں البتہ اللہ کی اور میری نافرمانی سے تمہیں نقصان ضرور پہنچے گا۔

ابلاغ اور رسالت میں فرق:......... ابلاغ اور رسالت میں تحقق کے لحاظ سے عموم خصوص من وجہ ہے اگر ایک حکم کا اعلان کیا جائے اور دوسرے احکام کا اعلان نہ ہو تو ابلاغ متحقق ہوگا رسالت متحقق نہ ہوگی اور اگر سب احکام خاص خاص لوگوں کو پہنچا دیئے جائیں مگر عام اعلان نہ ہو تو رسالت کا تحقق ہوگا، ابلاغ کا نہیں اس لئے دونوں کو جمع کر کے بتلا دیا کہ نبی کے ذمہ تمام احکام کا عام طور پر پہنچانا واجب ہے۔

علم غیب کی بحث:......... حتى اذا راوا. تم یہ سمجھ کر کہ محمد ﷺ کے ساتھی بہت تھوڑے سے ہیں اور وہ بھی کمزور، مجھ پر ہجوم کر کے چڑھ آتے ہو تو یاد رکھو، وقت آئے گا جب تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور کم تعداد ہیں؟ رہا یہ کہ یہ وعدہ کب پورا

ہوگا جلد یا بدیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا، قیامت کا ٹھیک وقت اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ ان مغیبات میں سے ہے جو اللہ کے لئے مختص ہیں وہ اپنے پورے بھید کسی کو نہیں دیتا ہاں! جو اس کے رسول ہیں ان کے منصب کے شایان شان بھیدوں کی خبر وحی کے ذریعہ ان کو دے دیتا ہے۔ خواہ وہ نبوت کے لئے متعلق ہوں۔ جیسے: پیشین گوئیاں خواہ فروغ نبوت سے ہوں جیسے علوم احکام اور وحی بڑے محفوظ طریقہ سے ان کو دی جاتی ہے۔ جس میں نہ بیرونی شیطانی کا دخل ہے اور نہ اندرونی نفسانی آمیزش ہے انبیاء کے علوم میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اوروں کی معلومات میں کئی طرح کے احتمالات ہوسکتے ہیں اس لئے محققین صوفیاء کہتے ہیں کہ ولی اپنے کشف والہام کو قرآن وسنت پر پیش کرے موافقت کی صورت میں قابل قبول ورنہ قابل رد...... علم غیب پر آیت **وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب الخ** (آل عمران) اور آیت **ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ** وغیرہ کے مواقع پر مفصل کلام گزر چکا ہے۔

وحی کی حفاظت:......... **لیعلم ان قد ابلغوا.** یعنی اتنے زبردست انتظامات اس لئے نہیں کہ اللہ دیکھ لے کہ فرشتوں اور پیغمبروں دونوں نے اپنے اپنے فرائض بلاکم وکاست ٹھیک ٹھیک انجام دیئے ہیں یوں ہر چیز اللہ کے قبضہ اور حکمرانی میں ہے وحی الٰہی میں تغیر وتبدل کا امکان ہی نہیں، تاہم یہ چوکی، پہرے، شان حکومت ظاہر کرنے اور سلسلہ اسباب کی حفاظت کے لئے بہت سی حکمتوں کے پیش نظر ہے ورنہ اللہ کو کچھ حاجت نہیں ہے آنحضرت ﷺ کے محافظ پہرہ دار چار تھے۔

یسلک. میں چوری اور التباس سے حفاظت مقصود ہے اور **احاط** سے وسائط کی حفاظت بلحاظ صلاحیت مراد ہے اور **احصی** سے نسیان سے حفاظت مقصود ہے۔ بس اس طرح اول سے آخر تک سب حفاظتیں آگئیں۔ حاصل یہ نکلا کہ قیامت کا علم نبوت کے علوم میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کا نہ ہونا نبوت میں رخنہ انداز نہیں اور نہ قیامت کے نہ واقع ہونے کو مستلزم ہے۔ البتہ آپ کو علوم نبوت عطا کئے جاتے ہیں اور وہی مقصد بعثت ہیں ان میں احتمال خطا نہیں ہے اس لئے ان سے مستفید ہونا چاہئے اور زوائد کی تحقیق میں نہیں پڑنا چاہئے۔ جنات کی تحقیق آکام المرجان اور تفسیر عزیزی میں ملاحظہ کی جائے۔

لطائف سلوک:........... **انہ کان رجال.** اس سے ان لوگوں کی مذمت واضح ہے جو خود کو زبردستی صوفیاء میں شمار کرتے ہیں اور ایسے ایسے تعویذات وعملیات میں مشغول رہتے ہیں جن میں جنات اور موکلوں کو نداء کی جاتی ہے اور ان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

قل انی لا املک. اس سے آنحضرت ﷺ کے قدرت مستقلہ اور علم محیط کی نفی صراحۃً معلوم ہورہی ہے پھر دوسرے تو کس شمار میں ہیں۔

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ اَوْاِلَّا قَوْلُهُ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اِلَى اٰخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ تِسْعَ عَشَرَةَ اَوْعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ النَّبِيُّ وَاَصْلُهُ الْمُتَزَمِّلُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الزَّايِ اَيِ الْمُتَلَفِّفُ بِثِيَابِهٖ حِيْنَ مَجِيْءِ الْوَحْيِ لَهٗ خَوْفًا مِنْهُ لِهَيْبَتِهٖ **قُمِ الَّيْلَ** صَلِّ **اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗ** بَدَلٌ مِّنْ قَلِيْلًا وَّقِلَّتُهٗ بِالنَّظَرِ اِلَى الْكُلِّ **اَوِ انْقُصْ مِنْهُ** مِنَ النِّصْفِ **قَلِيْلًا ﴿۳﴾** اِلَى الثُّلُثِ **اَوْ زِدْ عَلَيْهِ** اِلَى الثُّلُثَيْنِ وَاَوْ لِلتَّخْيِيْرِ **وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ** تَثَبَّتْ فِيْ تِلَاوَتِهٖ **تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا** قُرْاٰنًا **ثَقِيْلًا ﴿۵﴾** مَهِيْبًا اَوْشَدِيْدًا لِمَافِيْهِ مِنَ التَّكَالِيْفِ **اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ** الْقِيَامَ بَعْدَ النَّوْمِ **هِيَ اَشَدُّ وَطْاً** مُوَافَقَةَ السَّمْعِ لِلْقَلْبِ عَلٰى تَفَهُّمِ الْقُرْاٰنِ **وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾** اَبْيَنُ قَوْلًا **اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾** تَصَرُّفًا فِيْ اِشْغَالِكَ لَا تَفْرُغُ فِيْهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ **وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ** اَيْ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْ اِبْتِدَاءِ قِرَاءَتِكَ **وَتَبَتَّلْ** اِنْقَطِعْ **اِلَيْهِ** فِي الْعِبَادَةِ **تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾** مَصْدَرُ بَتَّلَ جِيْءَ بِهٖ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْزُوْمُ التَّبَتُّلِ هُوَ **رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾** مَوْكُوْلًا لَّهٗ اُمُوْرَكَ **وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ اَذَاهُمْ **وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾** لَا جَزَعَ فِيْهِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِقِتَالِهِمْ **وَذَرْنِيْ** اُتْرُكْنِيْ **وَالْمُكَذِّبِيْنَ** عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ اَوْ مَفْعُوْلٌ مَعَهٗ وَالْمَعْنٰى اَنَا كَافِيْكَهُمْ وَهُمْ صَنَادِيْدُ قُرَيْشٍ **اُولِي النَّعْمَةِ** التَّنَعُّمِ **وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾** مِنَ الزَّمَنِ فَقُتِلُوْا بَعْدَ يَسِيْرٍ مِّنْهُ بِبَدْرٍ **اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا** قُيُوْدًا ثِقَالًا جَمْعُ نِكْلٍ بِكَسْرِ النُّوْنِ **وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾** نَارًا مُحْرِقَةً **وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ** يُغَصُّ بِهٖ فِي الْحَلْقِ وَهُوَ الزَّقُّوْمُ اَوِ الضَّرِيْعُ اَوِ الْغِسْلِيْنُ اَوْ شَوْكٌ مِنْ نَّارٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يَنْزِلُ **وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾** مُؤْلِمًا زِيَادَةً عَلٰى مَاذُكِرَ لِمَنْ كَذَّبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يَوْمَ تَرْجُفُ** تَزَلْزَلُ **الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا** رَمْلًا مُجْتَمِعًا **مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾** سَائِلًا بَعْدَ اِجْتِمَاعِهٖ وَهُوَ مِنْ هَالَ يَهِيْلُ وَاَصْلُهٗ مَهْيُوْلٌ اِسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَى

الْهَاءِ وَحُذِفَتِ الْوَ اوُ ثَانِي السَّاكِنَيْنِ لِزِيَادَتِهَا وَقُلِبَتِ الضَّمَّةُ كَسْرَةً لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ **إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ** يَا أَهْلَ مَكَّةَ **رَسُولًا** هُوَ مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **شَاهِدًا عَلَيْكُمْ** يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا يَصْدُرُ مِنْكُمْ مِنَ الْعِصْيَانِ **كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿۱۵﴾** وَهُوَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ **فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿۱۶﴾** شَدِيدًا **فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ** فِي الدُّنْيَا **يَوْمًا** مَفْعُولُ تَتَّقُونَ أَيْ عَذَابَهُ أَيْ بِأَيِّ حِصْنٍ تَتَحَصَّنُونَ مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ **يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿۱۷﴾** جَمْعُ أَشْيَبَ لِشِدَّةِ هَوْلِهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَالْأَصْلُ فِي شِينِ شِيبَ الضَّمُّ وَكُسِرَتْ لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ وَيُقَالُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ يَوْمٌ يُشِيبُ نَوَاصِيَ الْأَطْفَالِ وَهُوَ مَجَازٌ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ فِي الْآيَةِ الْحَقِيقَةَ **السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ** ذَاتُ انْفِطَارٍ أَيْ انْشِقَاقٍ **بِهِ** بِذٰلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهِ **كَانَ وَعْدُهُ** تَعَالَىٰ بِمَجِيءِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ **مَفْعُولًا ﴿۱۸﴾** أَيْ هُوَ كَائِنٌ لَامَحَالَةَ **إِنَّ هٰذِهِ** الْآيَاتِ الْمُخَوِّفَةَ **تَذْكِرَةٌ** عِظَةٌ لِلْخَلْقِ **فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۱۹﴾** طَرِيقًا بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ **إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ** أَقَلَّ **مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ** بِالْجَرِّ عَطْفٌ عَلَىٰ ثُلُثَيِ وَبِالنَّصْبِ عَطْفٌ عَلَىٰ أَدْنَىٰ وَقِيَامُهُ كَذٰلِكَ نَحْوَ مَا أَمَرَ بِهِ أَوَّلَ السُّورَةِ **وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ** عَطْفٌ عَلَىٰ ضَمِيرِ تَقُومُ وَجَازَ مِنْ غَيْرِ تَاكِيدٍ لِلْفَصْلِ وَقِيَامُ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ كَذٰلِكَ لِلتَّاسِّي بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ لَايَدْرِي كَمْ صَلَّىٰ مِنَ اللَّيْلِ وَكَمْ بَقِيَ مِنْهُ فَكَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ كُلَّهُ احْتِيَاطًا فَقَامُوا حَتَّىٰ انْتَفَخَتْ أَقْدَامُهُمْ سَنَةً أَوْ أَكْثَرَ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ **وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ** يُحْصِي **اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَيْ أَنَّهُ **لَنْ تُحْصُوهُ** أَيِ اللَّيْلَ لِتَقُومُوا فِيمَا يَجِبُ الْقِيَامُ فِيهِ إِلَّا بِقِيَامِ جَمِيعِهِ وَذٰلِكَ يَشُقُّ عَلَيْكُمْ **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** رَجَعَ بِكُمْ إِلَى التَّخْفِيفِ **فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ** فِي الصَّلَاةِ بِأَنْ تُصَلُّوا مَا تَيَسَّرَ **عَلِمَ أَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ أَيْ أَنَّهُ **سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ** يُسَافِرُونَ **يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** يَطْلُبُونَ مِنْ رِزْقِهِ بِالتِّجَارَةِ وَغَيْرِهَا **وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ** وَكُلٌّ مِنَ الْفِرَقِ الثَّلٰثِ يَشُقُّ عَلَيْهِمْ مَاذُكِرَ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ بِقِيَامِ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نُسِخَ ذٰلِكَ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ **فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ** كَمَا تَقَدَّمَ **وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ** الْمَفْرُوضَةَ **وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ** بِأَنْ تُنْفِقُوا مَاسِوَى الْمَفْرُوضِ مِنَ الْمَالِ فِي سَبِيلِ الْخَيْرِ **قَرْضًا حَسَنًا** عَنْ طِيبِ قَلْبٍ **وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا** مِمَّا خَلَّفْتُمْ وَهُوَ فَصْلٌ وَمَابَعْدَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَةً يُشْبِهُهَا لِامْتِنَاعِهِ

مِنَ التَّعْرِيفِ وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ع ۲ ۱۴

ترجمہ:.........پوری سورۂ مزمل مکیہ ہے۔ بجز آیت ان ربک الخ کے مکیہ ہے اور یہ آیت مدنیہ ہے۔ کل آیات ۱۹ یا ۲۰ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

اے کپڑوں میں لپٹنے والے (نبی مزمل دراصل متزمل تھا، تا کو زا سے بدل کر ادغام کر دیا گیا۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت مارے ہیبت کے چادر اوڑھنے والا) رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی (تہائی) رات یعنی آدھی رات (یہ قلیلاً سے بدل ہے اور آدھی رات کو قلیل کہنا تمام رات کے اعتبار سے ہے) یا آدھی رات سے کچھ گھٹا کر (تہائی رات تک) یا آدھی رات سے کچھ بڑھا کر (دو تہائی رات تک او تخییر کے لئے ہے) اور قرآن کو خوب صاف صاف (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھا کرو۔ ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (جو پر ہیبت اور سخت ہوگا تکالیف کے لحاظ سے) بلاشبہ رات کو (سونے کے بعد) اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے (قرآن کے سمجھنے میں سننے کی اور دل کی موافقت رہتی ہے) اور بات خوب ٹھیک (نکھر کر) نکلتی ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے (کاموں کے ہجوم میں تلاوت کا موقعہ نہیں ملتا) اور اپنے رب کا نام لیتے رہئے (قرأت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھئے) اور (عبادت کے وقت) سب سے الگ ہو جایئے (بتل کا مصدر ہے، فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے اس وزن پر لایا گیا ہے (تبتل کا ملزوم ہے، وہ) مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ اسی کو اپنا کارساز کہئے (سب کام اسی کے حوالہ کیجئے) اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اہل مکہ آپ کو ستاتے ہیں) ان پر آپ صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ آپ ان سے الگ ہو جایئے (جس میں حرف شکایت زبان پر نہ آئے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں (ان کا مفعول بہ پر عطف ہے یا یہ مفعول معہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں ان قریشی سرداروں سے نمٹنے کے لئے کافی ہوں) ناز و نعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دیجئے اور ان لوگوں کو کچھ دنوں کی اور مہلت دے دیجئے (چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد غزوۂ بدر میں قریشی سردار مارے گئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں (وزنی انکال جمع ہے نکل بکسر نون کی) اور دوزخ (کی جلانے والی آگ) ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے (جو گلے میں پھندا لگا دے۔ زقوم یا ضریع یا غسلین یا آگ کے کانٹے مراد ہیں جو نہ نکلیں اور نہ اتریں) اور دردناک عذاب ہے (تکلیف دہ، مذکورہ مصیبتوں سے بڑھ کر پیغمبروں کو جھٹلانے والے کے لئے) جس دن کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں اور پہاڑ ریگ رواں (ریت کا تودہ) ہو جائیں گے۔ (جو جمع ہو کر بہہ جائے گا۔ مھیلاً باب ضرب سے ہے دراصل مہیول تھا یا پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ھا کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے پھر اجتماع ساکنین ہوا۔ واو زائد ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور یا کی مناسبت سے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا ہے) بے شک ہم نے (مکہ والو) تمہارے پاس ایک ایسے رسول (محمد ﷺ) بھیجے ہیں جو تم پر گواہی دیں گے (قیامت میں جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہوں گے) جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پس فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑ، پکڑ لیا۔ سو اگر تم نے (دنیا میں) کفر کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے (یوم، تتقون کا مفعول ہے یعنی اس دن کے عذاب سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس دن کے عذاب سے بچ کر کس قلعہ میں پناہ لو گے) جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا (شیبا، اشیب کی جمع ہے، بوڑھا ہونا ہول دلی سے ہوگا قیامت کا دن مراد ہے شیب کا شین اصل میں مضموم تھا۔ لیکن یا کی مناسبت سے اس پر کسرہ آ گیا سخت دن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے بچوں کو بوڑھا بنا دیا۔ یہ مجاز ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں حقیقۃً بوڑھا کر دینا مراد ہو) جس میں آسمان پھٹ جائے گا (ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) اس (دن کی سختی کی وجہ) سے بلاشبہ

اللہ کا وعدہ (اس عذاب کے آنے میں) ضرور ہو کر رہے گا (اسے کوئی ٹلا نہیں سکتا) یقیناً یہ (ڈرانے والی آیات) نصیحت (مخلوق کے لئے موعظت) ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف (ایمان وطاعت) کا راستہ اختیار کرلے۔ آپ کے پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات (جر کے ساتھ ثلثی پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ادنیٰ پر عطف ہے اور آنحضرت ﷺ کا قیام لیل بھی اسی کے مطابق تھا۔ جس کا حکم شروع سورت میں ہو چکا ہے) اور آپ کے ساتھیوں میں سے بعض آدمی کھڑے رہتے ہیں (طائفة کا عطف تقوم کی ضمیر پر ہو رہا ہے اور ضمیر متصل کی تاکید کے بغیر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ میں فاصلہ ہو گیا اور آپ کے اقتداء میں بعض صحابہؓ بھی رات کو ویسے ہی قیام کرلیا کرتے تھے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو چونکہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کتنی رات گئے تک نماز پڑھی اور کتنی رات رہ گئی، اس لئے احتیاطاً ساری رات کھڑے نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پاؤں پر ورم آ جاتا۔ ایک سال یا ایک سال سے زائد یہ سلسلہ رہا، پھر ان پر تخفیف کر دی گئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) دن رات کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو معلوم ہے کہ (ان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای انہ) تم اس کو منضبط نہیں کر سکتے (یعنی رات کے قیام کے لئے صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے تمام رات کھڑے رہتے ہیں جس سے تمہیں دشواری ہوتی ہے) تو اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (تمہیں سہولت دے کر) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو (نماز میں یعنی جتنی نماز پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو) اللہ کو معلوم ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انـــه) تم میں بعض بیمار ہوں گے اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے (تجارت وغیرہ کر کے روزی حاصل کریں گے) اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اور تینوں قسم کے لوگوں پر مذکورہ قیام لیل دشوار ہوگا۔ اس لئے سہولت کے مطابق قیام کی اجازت دے کر سہولت دے دی۔ پھر پنج وقتہ نمازوں کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا) سو تم لوگ جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور (فرض) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض دو (یعنی فرض کے علاوہ بھی خیر کے کاموں میں مال خرچ کیا کرو۔ اچھی طرح (خوش دلی سے) اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس پہنچ کر۔ اس سے اچھا (جو تم نے مال چھوڑا ہے۔ هـو ضمیر فصل ہے اور مابعد اگرچہ معرفہ نہ ہو سکنے میں معرفہ کے مشابہ ہے) اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کے لئے) غفور رحیم ہے۔

تحقیق وترکیب:............**المزمل** . حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ عکرمہ کہتے ہیں۔ **یا ایها المزمل بالنبوة والمدثر بالرسالة** اور عکرمہؒ سے یہ معنی بھی منقول ہیں کہ **یا ایها الذین زمل هذا الامر**. یعنی پہلے اس کو اٹھایا، پھر سست ہو گیا۔

۲۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ **یا ایها المزمل بالقران.**

۳۔ قتادہؒ کہتے ہیں۔ **یا ایها المزمل بثیابه**

قم الـیل . قیام سے تہجد کے لئے اٹھنا اور تہجد پڑھنا ہے۔

اوزد علیه. ای علی النصف علی الثلثین. غرض کہ آدھی رات یا کم وبیش وقت تک نوافل پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

الا قلیلا کل رات کے اعتبار سے نصف کو قلیل کہا گیا ہے اور **نصفه** بدل ہے۔ لیل سے اور **الا قلیلا** استثناء ہے۔ ای **نـصف الـلیـل الا قلیلا من النصف** حاصل یہ ہے کہ یا نصف شب قیام کیجئے یا اس سے کم وبیش اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منہ اور علیہ کی ضمیریں **اقـل مـن النصف** یعنی ثلث کی طرف راجع ہوں۔ اب اختیار ثلث اور اس سے کم یعنی ربع اور اس سے زائد یعنی نصف کے

درمیان رہے گا۔لیکن اولیٰ اور صواب وہی ہے جو مفسرؒ نے سلف کے مطابق اختیار کیا ہے چنانچہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ طبری نے اس پر جزم کیا ہے اور ابن ابی حاتمؒ، عطاءؒ، خراسانیؒ سے یہی معنی نقل کئے ہیں۔

رتل القران ترتیلا. ترتیل کہتے ہیں ٹھہر ٹھہر کر الگ الگ حروف ظاہر کر کے پڑھنا اور اصطلاح تجوید میں تدویر کہتے ہیں ترتیل کے مقابلہ میں روانی کے ساتھ پڑھنے کو اور حدر کہتے ہیں بہت جلد اور تیز پڑھنا۔مگر اس طرح کہ حروف کٹنے نہ پائیں اور مخارج و صفات کی رعایت رہے۔**یا ایھا المزمل** میں خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے۔مگر حکم میں آپ کے ساتھ امت بھی ہے۔اللہ نے رات کے قیام کا حکم دیا اور مقدار قیام میں اختیار دے دیا اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا۔حضرت علیؓ کے نزدیک ترتیل میں وقوف اور مخارج کی رعایت ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور قیام لیل سے مراد اگرچہ تہجد ہے تو وہ ابتداء اسلام میں واجب بلکہ بقول کشافؒ فرض تھا۔ بعد کی آیات سے فرضیت منسوخ ہوکر استحباب رہ گیا اور حسن فرماتے ہیں کہ تہائی رات کا قیام فرض تھا یا واجب اور اختیار کا تعلق مقدار سے ہے۔پھر دس سال بعد وہ بھی منسوخ ہوگئی کلبیؒ کہتے ہیں کہ پہلے صبح تک صحابہؓ قیام لیل فرماتے تھے اور بعض حضرات پہلے ہی سے تہجد کو نفل کہتے ہیں جس کا قرینہ اختیار ہے۔نیز اگلی آیت **فتھجد بہ نافلۃ لک** سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔

قولا ثقیلا. قتادہؒ فرماتے ہیں کہ واللہ قرآن کے فرائض وصدور ثقیل ہیں۔مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے احکام حلال وحرام ثقیل ہیں۔مقاتلؒ اوامر ونواہی اور صدور کی وجہ سے قرآن کو ثقیل کہتے ہیں اور بعض ثقیل کے معنی کریم لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قرآن ثقیل ہے دلیل کے لئے اگر توفیق نہ ہو اور نفس اگر مزکی نہ ہو تو اس کو اٹھا نہیں سکتا اور بعض نے وحی مراد لی ہے۔

ناشئۃ اللیل. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ **عافیۃ** کی طرح **ناشئۃ** مصدر ہے۔**منشاء بمعنی قام و نھض.**

وطاً کسر واو اور فتحہ طاء کے ساتھ۔ابوعمروؒ۔ابن عامرؒ کی قرأت پر مد کر کے پڑھا گیا ہے۔ **مواطاۃ** بمعنی موافقت قرآن فہمی کے لئے زبان اور کان دونوں ہی کی موافقت دل سے ہونی چاہئے اور وہ دن کے مقابلہ میں رات کو زیادہ ہوتی ہے۔مجاہدؒ کہتے ہیں۔ان **واطو اسمعک و بصرک و قلبک بعضہ بعضاً.** دوسری قرأت باقی قرأت کی فتحہ واو اور سکون کے ساتھ ہے۔یعنی کلفت و مشقت یعنی رات کو نماز پڑھنا دن کے مقابلہ میں دشوار ہے۔حدیث میں ہے۔**اللھم واشدد وطئک علی مضر.**

واقوم قیلا. رات میں سکون کی وجہ سے الفاظ صاف سنائی دیتے ہیں۔

واذکر اسم ربک. زمخشریؒ کہتے ہیں۔**دم علی ذکری** اسی طرح ذکر بھی عام ہے، تسبیح وتہلیل، تکبیر تلاوت قرآن کو۔

وتبتل الیہ تبتیلا. بتل کے معنی دنیا سے دل برداشتہ ہونے کے ہیں۔حاصل یہ ہے کہ دنیا سے بالکلیہ منقطع ہوکر اللہ سے لو لگالینا۔باب تفعیل، فواصل آیات کی رعایت سے لایا گیا۔تبتیل کے لئے تبتل لازم ہے۔بتول اس عورت کو کہتے ہیں جو مردوں سے بالکل بے توجہ ہے، اور نیشاپوریؒ کہتے ہیں کہ "**وتبتل نفسک**" نہیں کہا گیا۔کیونکہ تبتل خود مقصود بالذات ہے اس لئے پہلے تبتل بیں مقصود بالذات کو ظاہر کر دیا۔پھر آگے **رب المشرق** سے باعث تبتل کو بتلا دیا۔مفسرؒ لفظ مصدر سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ دو وجہ سے لفظ تبتیل لایا گیا۔

۔لفظی اعتبار سے تو اصل کی گئی۔

۱۔اور معنوی لحاظ سے تبتیلا مصدر لایا گیا جو ملزوم ہے اور فعل تبتل لایا گیا جو لازم ہے۔**رب المشرق** خبر ہے مبتداء محذوف **ھو** کی یا مبتداء ہے جس کی خبر **لا الہ الا ھو** ہے۔

و کیلا. بولتے ہیں۔ **و کلہ الی نفسہ وامر موکول الی رائک وکل وکول** کے معنی کام کسی کے حوالہ کردینا۔

اولی النعمۃ. زمخشریؒ کہتے ہیں۔ **نعمۃ** بالفتح تنعم کے اور بالکسر انعام کے اور بالضم حسرت کے معنی میں ہے۔

یوم ترجف لدینا کا تعلق اور یوم ظرف کا ناصب ایک ہی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **استقر بھم عندنا ماذکر یوم ترجف یا ذرنی** کا ظرف ہے یا دونوں کا ظرف ہے۔

کثیباً. **کثب الشئی**. کسی چیز کو جمع کرنا۔ فعیل بمعنی مفعول ہے۔

فعصیٰ فرعون الرسول. اس میں الف لام عہد ذکری ہے **رسولا** کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ نکرہ ہے جب معرفہ کی صورت میں دوبارہ ذکر کیا جائے تو قاعدہ کے مطابق دونوں کا مصداق ایک ہوتا ہے۔

فکیف تتقون ان کفرتم. بقول واحدیؒ آیت میں تقدیم تاخیر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **فکیف تتقون یوما یجعل الولدان شیبا ان کفرتم**.

یوما یجعل. یہ منصوب محذوف الجار ہے۔ **ای ان کفرتم بیوم القیامۃ**. عام مفسرینؒ کی رائے یہ ہے کہ **یوما** کے بعد جملہ اس کی صفت ہے اور عائد محذوف ہے۔ **ای یجعل الولدان فیہ**. جیسا کہ ابوالبقاء کہتے ہیں۔ **یجعل** میں ضمیر کا مرجع حق تعالیٰ ہیں اور بہتر صورت یہ ہے کہ **یجعل** میں عائد مضمر ہو اور فاعل ہو اور **یجعل** کی نسبت **یوم** کی طرف بطور مبالغہ ہے یعنی قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا بنادے گا اور زید بن علیؓ کی قرات میں یوم کی اضافت جملہ کی طرف ہے اور فاعل ضمیر باری تعالیٰ ہے اور **جعل** بمعنی **تصییر** ہے۔

شیبا. مفعول ثانی ہے جو اشیب کی جمع ہے۔

السماء. مبتداء ہے خبر **منفطر** ہے **بہ ای بسبب ذلک الیوم**.

فمن شاء اتخذ. اس پر اشکال یہ ہے کہ **اتخذ الی ربہ سبیلا**. اگر جواب ہے تو اس کی شرط کہاں ہے؟ کیونکہ شاء شرط نہیں بن سکتا۔ تاوقتیکہ اس کا مفعول مذکور نہ ہو اور اگر مجموعہ جملہ کو شرط بنایا جائے تو جواب کہاں ہے؟ جواب میں پہلی صورت اختیار کی جائے گی اور شاء کا مفعول محذوف ہوگا۔ **ای فمن شاء النجاۃ اتخذ الی ربہ سبیلا** یا تقدیر عبارت **فمن شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا اتخذ الی ربہ سبیلا** ہوگی۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اتخاذ سبیل سے مراد تقرب الی اللہ ہے جو اوامر کے امتثال اور نواہی کے اجتناب سے حاصل ہوتا ہے۔

تقوم ادنیٰ. اس پر شبہ یہ ہے کہ دوثلث رات اور نصف شب سے تو اقلیت واضح ہے۔ مگر اقلیت ثلث سے بھی کم کیسے ہوسکتی ہے۔ جبکہ ثلث لیل سے کم کرنے کا حکم نہیں تھا بلکہ صحابہ کو دو ثلث اور نصف اور ایک ثلث میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا ہوتا۔ اشکال یہ قرأت جر کی صورت میں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ادنیٰ کے معنی قرب کے ہیں اور استعارہ اقل سے ہے کیونکہ دو چیزوں میں جب مسافت کم ہوتی ہے تو ان کے درمیان تاخیر بھی اقل ہوجاتا ہے اور اکثر کی صورت میں اکثر رہتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ آپ تہائی نصف، دو تہائی رات کے قریب قیام فرماتے ہیں۔ ادنیٰ سے تعبیر اس لئے فرمادیا کہ کیونکہ وقت کی تعیین میں اس دور میں تخمینی اور تقریبی تھی۔ تحقیق نہیں تھی اور شریعت نے اتنی تدقیقات کا مکلف قرار نہیں دیا۔ الفاظ "**نصف و ثلث**" ابوعمرو نافع، ابن عامر کے نزدیک بالجر ہیں اور باقی قراء کے نزدیک نصب کی قرأت ہے۔

وطائفۃ. اس کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر بغیر ضمیر منفصل کی تاکید کے ہے۔ تفسیر کی عبارت "**للفصل**" کا مطلب یہ ہے کہ یہ جواز فاصلہ ہوجانے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ عطف کے لئے ضمیر منفصل لانا ضروری ہے۔ تفسیر میں جو ایک سال مدت بتلائی ہے یہ پوری

سورت کے مکی ہونے پر ہے اور "او اکثر" میں چھ مہینہ کا اضافہ ہے۔ کل مدت سولہ ماہ یہ بھی سورت کے مکی ہونے کی تقدیر پر ہے لیکن آیت "ان ربک" مدنیہ ہونے کی صورت میں دس سال مدت ہوگی اور "فخفف عنھم" بظاہر ضمیر اگرچہ پوری رات قیام کرنے والوں کی طرف راجع ہے لیکن معتمد علیہ بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ دونوں تخفیف میں داخل ہیں۔

لن تحصوہ. احصاء کے معنی پورا پورا لحاظ کرنے کے ہیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **وصول الی اللّٰہ،** سالک کے سلوک پر نہیں ہے بلکہ فضل الٰہی پر ہے۔ کتنے سالک رجعت کا شکار ہوگئے اور حصول سے محروم رہ گئے۔ **لیس کل من سلک وصل لا کل من وصل اتصل ولا کل من اتصل انفصل فاقرء وا تسمیۃ الکل باسم الجزو** کے طور پر قرأت سے مراد نماز ہے یا نماز میں قران پڑھنا مراد ہے اور بعض نے صرف مغرب وعشاء کی نمازیں مراد لی ہیں، پہلی اور آخری سورت میں امر استحباب کے لئے ہوگا۔ لیکن درمیانی دوسری صورت میں حکم وجوبی ہے۔ [1]

---

[1] اگر نماز میں قرأت قرآن مراد ہے تو اس آیت کی وجہ سے وہ فرض ہے۔ جیسا کہ صاحب مدارک اور فقہاء اور اصولیوں کی رائے ہے اور نماز کے علاوہ اگر قرأت مراد ہے تو پھر یہ حکم استحبابی ہے یا نماز تہجد بقدر ہمت مراد ہے۔ جیسا کہ صاحب کشاف اور بیضاوی کی رائے یہی ہے اور بقول مدارک دوسرا فاقرء وا پہلے کی تاکید ہے اور نماز روزہ سے مراد فرائض ہیں۔ آیت کے مدنیہ ہونے کی تقدیر پر ورنہ آیت اگر مکیہ ہے تو پھر صدقۃ الفطر مراد ہوگا۔ جیسا کہ صاحب کشاف کی رائے اور واقرضوا اللّٰہ سے صدقات نافلہ مراد ہوں گے۔ بلکہ بقول بیضاوی بہتر یہ ہے کہ اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی مراد لی جائے اور امام زاہد کی رائے ہے کہ فاقرء وا سے مراد نوافل ہیں اور اقیموا الصلوٰۃ وتہجد کے لئے ناسخ ہے اور قرض حسن سے مراد عطیات ہیں۔ جن میں نہ احسان جتلانا ہو، نہ اذیت رسانی، آیت فاقرء وا سے مراد نماز میں قرأت کا فرض ہونا ہے۔ چنانچہ اہل اصول نے لفظ ما کے عموم سے سورہ فاتحہ کے فرض نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ البتہ نظم آیت سے یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ اس سے نماز کی قرأت مراد ہے۔ تاہم یہ کہا جائے گا کہ آیت سے چونکہ مطلق قرأت کی فرضیت معلوم ہو رہی ہے اور قرأت کی فرضیت نماز ہی میں ہوتی ہے۔ نماز سے باہر کسی کے نزدیک بھی قرأت فرض نہیں۔ اس لئے آیت میں نماز ہی کی قرأت کی فرضیت مراد ہوگی یا مقام کی تقریر اس طرح کی جائے گی کہ ابتداء آدھی تہائی رات قیام لیل ضروری تھا۔ جس میں صرف قرأت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ رکوع سجدہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ رتل کا عطف قم اللیل پر بھی بتلا رہا ہے کہ بعد میں وارکعوا واسجدوا سے نماز میں رکوع وسجدہ کی فرضیت ہوئی۔ پس آیت فاقرء وا سے طول قرأت کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور نفس قرأت کی فرضیت باقی رہ گئی۔ البتہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وغیرہ احادیث کی رو سے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب رہے گا۔ تاکہ آیت سے مطلق قرأت کی فرضیت اور روایت سے فاتحہ کا واجب ہونا بھی ثابت ہو اور دونوں نصوص کی حیثیت کا فرق بھی ملحوظ رہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے وہ حدیث مذکور کی وجہ سے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو نماز میں فرض فرماتے ہیں اور امام مالک کے نزدیک سورۂ فاتحہ اور سورت دونوں کا پڑھنا حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب والسورۃ کی وجہ سے فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دونوں واجب ہیں۔ البتہ بلاتعیین مطلق قرأت فرض ہے۔ فرضیت توما کے عموم قطعی ہونے کی وجہ سے ہے اور وجوب روایت کے ظنی ہونے کی وجہ سے اس طرح سے آیت وروایت دونوں کا حق ادا ہو جاتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ عام ظنی ہوتا ہے اس لئے آیت وروایت دونوں ان کے نزدیک برابر ہیں۔ حدیث مذکور سے آیت کے عموم کی تخصیص ہوگی۔ غرضیکہ قرأت کی فرضیت غیر فرضیت اس مختلف فیہ اصل پر متفرع ہے۔ پھر فرضیت کی مقدار کتنی ہے؟ اکثر کی رائے تو ایک طویل یا تین چھوٹی آیات ہیں اور بعض نے مطلقاً ایک آیت مانی ہے، خواہ لمبی ہو یا چھوٹی۔ تاہم اگر کسی نے ایک آیت سے کم بھی تلاوت کی تو اس صورت میں عام ظنی ہو جائے گا اور امام شافعی سے معارضہ نہیں ہو سکے گا۔ بزدویؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ایک آیت سے کم مقدار کو عرف میں قرأت نہیں کہا جاتا اور عرف حقیقۃ لغوی سے فائق ہوتا ہے۔ رہا صرف بسم اللّٰہ الخ پڑھ لینا اس لئے کافی نہیں ہے کہ اس کا قرآن ہونا خود مختلف فیہ ہے۔ احتیاطاً نماز کے جواز کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ یا جواب میں یوں کہا جائے کہ شبہ ما کے عموم میں ہوا ہے۔ امر کے وجوب میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے آیت سے مطلق قرأت کی فرضیت اور روایت سے فاتحہ کا وجوب معلوم ہو رہا ہے۔ پھر امام صاحب کے نزدیک چونکہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے، اس لئے قدرت ہوتے ہوئے قرآن کو غیر عربی میں پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی البتہ عاجز کی بات مجبوری کی ہے۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک نماز غیر نماز میں قادر اور عاجز دونوں کے لئے جائز ہے۔ بعد میں امام صاحب نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔ تاہم اس کو عادت بنالینا اور معمول کو لینا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ایسی عبارت میں پڑھنا بھی درست نہیں جو محتمل المعانی یا مؤول ہو اور بعض نے یہ قید لگائی کہ دانستہ غیر عربی میں پڑھنے سے نماز نہ پڑھے، ورنہ جنون سمجھا جائے گا۔ جس کی دوا ہونی چاہئے یا پھر زندیق

ثم نسخ ذلك . امام شافعیؒ نے اہل علم سے نقل کیا ہے کہ سورۂ مزمل کی آخری آیات نے قیام لیل منسوخ کر دیا ہے۔ مگر **فاقرء وا ما تیسر** کی وجہ سے بقدر یسر یعنی ہے۔ باقی قیام مذکور منسوخ ہوا۔ مطلق قیام منسوخ نہیں ہوا۔

واتوا الزکوٰة. اگر وجوبی زکوٰۃ مراد ہے تو یہ آیات مدنی ہوں گی۔ لیکن اگر پوری سورت مکی ہو تو کہا جائے گا کہ اصل زکوٰۃ مکہ میں شروع ہو چکی تھی۔ مگر اس کا اتمام مدینہ میں ہوا۔ یا زکوٰۃ سے مراد صدقہ نفلی ہے۔

وما تقدموا. ما شرطیہ ہے اور **تجدوہ** جواب شرط اور **عندا للّٰہ، تجدوہ** کا ظرف ہے یا ضمیر سے حال اور خیرا تجدوہ کا مفعول ثانی ہے اور ہو مفعول اول کی تاکید ہے اور **اعظم** کا عطف **خیر** پر ہے اور **اجرا** تمیز ہے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ ابوالسمال نے "**ھو خیر و اعظم اجر**" کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ مبتداء خبر ہے۔ تفسیری عبارت میں ایک اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ضمیر فعل دو معرفوں کے درمیان ہوا کرتی ہے لیکن یہاں معرفہ اور نکرہ کے درمیان ہو رہی ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ خیرا معرفہ اگرچہ نہیں مگر معرفہ کے مشابہ ضرور ہے کیونکہ یا تو اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے ساتھ جب **من** لفظاً ہو یا تقدیراً تو اس پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ خود معرفہ پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا اور یہاں **من** مقدر ہے۔ چنانچہ "**مما خلفتم**" میں مفسرؒ نے **من** کو ظاہر کر دیا ہے۔

ربط آیات:.........سورۂ جن میں کفار کو توحید و رسالت و مجازات پر ایمان لانے کی ترغیب تھی۔ اس سورۂ مزمل میں ان کے ایمان نہ لانے پر آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے اور تسلی کی تقویت کے لئے آپ ﷺ کو ذکر کی کثرت اور رات کو نوافل و تہجد پڑھنے کا حکم ہے اور اسی کے ضمن میں ان تینوں مضامین کا اثبات بھی ہے۔ شروع سورت کے ایک سال بعد آخری آیت نازل ہوئی جس میں قیام لیل کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا گیا۔ بعض کے قول پر صرف امت سے اور بعض کے قول پر آنحضرت ﷺ سے بھی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

شان نزول و روایات:.........مکہ کے غار حرا میں آنحضرت ﷺ بعثت سے پہلے ریاضت و مجاہدہ کرنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے ایک دفعہ جبریلؑ کو مہیب شکل میں دیکھا اور آپ پر آیات اقراء نازل ہوئیں تو آپ اس خوفناک حالت سے دہشت ناک

ہوگا جسے نقل کر دینا چاہئے۔ البتہ قرآن میں صرف معنی کی رعایت کرنے پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ پھر **فاقرء وا ما تیسر** کی تحقیق لازم آئی کہ لفظ کی رعایت کی گئی اور اگر لفظ کی رعایت کی جائے اور غیر عربی کا عربی کے قائم مقام مانا جائے تو آیت میں حقیقت و مجاز دونوں کا جمع کرنا لازم آئے گا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآنیت میں معنی کی تحقیق تو "**من القرآن**" میں لفظ **من** کی وجہ سے ہے۔ تبعیضیہ ہے۔ پس معنی بھی قرآن کا بعض ہے۔ اس طرح نظم قرآن کا اعتبار کرتے ہوئے عربی میں اجازت سے حقیقۃ و مجاز کا جمع کرنا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حقیقی معنی لے کر مجازی معنی قیاس سے ثابت کئے جائیں گے۔

لیکن اگر **فاقرء وا** سے مراد قرآن کی تلاوت بطور استحباب ہو تو اس کی کتنی مقدار ہونی چاہئے۔ اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے تین آیات، بعض نے سو آیات، بعض نے دو سو آیات بتلائی ہیں۔ انس بن مالکؓ کی روایت ہے۔ **من قرء کل یوم خمس ایات لم یکتب من الغافلین ومن قرء مائة اية یکتب من المطیعین ومن قرء مائتی اية لم یخاصم القران معه یوم القیامة ومن قرء خمس مائة اية یکتب له قنطار من الاجر.** اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ابن عمرؓ سے فرمایا۔ **اختم فی کل شهر مرة فقال ازداد طاقة فقال فی کل عشرین مرة فقال ازداد طاقة فقال فی کل عشرة مرة فقال ازداد طاقة فقال فی کل سبعة ایام ولا تزد.**

قرآن کا ختم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ختم احزاب، جو قرآن کی سات منزلوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یہ نہایت مفید اور دافع بلیات ہے۔ جمعہ کے روز سے شروع کیا جائے۔ پہلے دن فاتحہ سے سورۂ انعام تک، پھر سورۂ انعام سے سورۂ یونس تک پھر سورۂ یونس سے طٰہٰ تک۔ پھر عنکبوت تک۔ پھر زمر تک، پھر واقعہ تک، پھر ختم تک اور دوسرا ختم "فمی بشوق" کہلاتا ہے۔ یعنی جمعہ کے دن فاتحہ سے شروع کر کے مائدہ تک، پھر یونس تک، پھر بنی اسرائیل تک، پھر شعراء تک، پھر والصافات تک، پھر قاف تک، پھر آخر تک۔ ۱۲ منہ۔

ہوکر گھر واپس تشریف لائے اور اپنی بیوی خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا۔ زملونی زملونی لقد خشیت علی نفسی. حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے عرض کیا۔ ''کلا واللہ لایخزیک اللہ ابدا انک تصل الرحم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق. غرض کہ مزمل اسی کیفیت کی طرف مشیر ہے۔ سورۂ مزمل ابتدائی سورتوں میں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک شب چادر اوڑھے استراحت فرمارہے تھے۔ اس لئے آپ کو مزمل خطاب کرکے تہجد کے لئے اٹھایا گیا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ قریش نے دارالندوہ میں جمع ہوکر مشورہ کیا کہ آپ کے لئے کوئی لقب تجویز کرنا چاہئے۔ کسی نے کاہن کہا، کسی نے جادوگر، کسی نے شاعر اور کسی نے مجنون۔ زیادہ رجحان ساحر کہنے کی طرف ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا تو غمگین اور رنجیدہ ہوئے اور کپڑا اوڑھ کر آپ لیٹ رہے جیسا کہ مغموم آدمی لیٹ رہتا ہے اس پر ملاطفت کے لئے حق تعالیٰ نے اس عنوان سے آپ کو خطاب فرمایا۔ حضرت علیؓ ایک مرتبہ گھر سے خفا ہوکر مسجد میں آ کر لیٹ گئے آنحضرت ﷺ نے آ کر فرمایا۔ قم یا ابو تراب. یہاں بھی حق تعالیٰ نے یا ایھا المزمل قم اللیل فرمایا کہ ان باتوں سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اٹھئے اور عبادت وریاضت میں لگئے۔

ورتل القران ترتیلا. ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کو صاف صاف پڑھنا چاہئے۔ **ولا تنثوہ کنثر الدقل ولا تھزہ ھز الشعر قفوا عند محابیہ وحرکوبہ القلوب ولا یکون ھم احدکم اخر السورۃ.**

یوما یجعل الولدان. طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ پڑھتے ہوئے فرمایا۔ **ذلک یوم القیامۃ حین یقال لادم قم فابعث عن ذریتک بعثا الی النار قال منکم کم یارب قال من کل الف تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین.**

انک تقوم ادنیٰ. امام احمدؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ نے حضرت عائشہؓ سے تخریج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ **ان اللہ قد فرض قیام اللیل فی اوائل ھذہ السورۃ فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حولا حتی انتفخت اقدامھم وامسک اللہ خاتمتھا فی السماء اثنی عشر شھر اثم انزل اللہ التخفیف فی اخر ھذہ السورۃ فصار قیام اللیل تطوعاً** اور سعید بن جبیر سے ابن جریرؒ نے تخریج کی ہے کہ **مکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذہ الحال عشر سنین یقوم اللیل کما امروا کانت طائفۃ عن اصحابہ یقومون معہ فانزل اللہ بعد عشر سنین ان ربک یعلم الخ فخفف اللہ عنھم بعد عشر سنین** اور بعض نے درمیانی وقفہ سولہ ماہ بتلایا ہے۔

واتوا الزکوٰۃ . ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ **ماسوی الزکوۃ من صلۃ الرحم وقری الضیف.**

﴿تشریح﴾:............ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ اس سورہ میں خرقہ پوشی کے لوازم وشروط بیان ہوئے ہیں۔ گویا یہ سورت اس شخص کی ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ کیونکہ مزمل لغت عرب میں کشادہ کپڑا اپنے اوپر لپیٹنے والے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ بھی تہجد وتلاوت کے وقت اسی ہیئت سے بیٹھتے تھے نیز جو لوگ کپڑے میں لپٹے رات کو آرام کرتے ہیں ان کو تنبیہ ہے کہ انہیں ایک معتدبہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزارنا چاہئے ہاں کبھی ناغہ ہوجائے اور اتفاق سے رات کو نہ اٹھ سکے تو معاف ہے۔

وحی کا ثقل:............ **ورتل القران.** یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھئے اس طرح پڑھنے سے فہم وتدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے ذوق شوق میں ترقی ہوتی ہے نماز کے علاوہ تلاوت کا حکم بھی یہی ہے تخصیص محض مقام کی وجہ سے ہے۔ آگے اس کی علت ارشاد ہے کہ ہم عنقریب تم پر ایک بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ جس کے سامنے راتوں کو جاگنا اور شب بیداری آسان ہے۔ قرآن مسلسل وحی کی صورت میں نازل ہوگا جو اپنی قدر ومنزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی، وزنی اور کیفیات کے لحاظ سے بہت بھاری ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ قرآن نازل ہونے کے وقت آپ کو بے حد گرانی اور سختی ہوتی تھی حتیٰ کہ جاڑے کے موسم میں آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے۔ اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو اونٹ جیسا طاقتور اور متحمل جانور تحمل نہیں کرسکتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ

کی ران زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی کہ وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ زید بن ثابتؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران پھٹ جائے گی اس کے علاوہ عرب کی سنگلاخ زمین میں اور اس ماحول میں قرآن کی دعوت وتبلیغ اور اس کے حقوق کو پوری طرح ادا کرنا کوئی آسان کام اور کھیل نہیں تھا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے برداشت کرنا درحقیقت لوہے کے چنے چبانا تھا اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ پر بھاری تھا تو دوسری حیثیت سے کافروں پر اور منکروں پر شاق تھا غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن نازل ہو چکا، رات کو اس کی تلاوت کیا کرو۔

رات کا جاگنا دشوار بھی ہے اور آسان بھی: ....اس ارشاد الٰہی میں تسہیل کا پہلو بھی ہے اور علت کا پہلو بھی۔ تسہیل کی تقریر یہ ہے کہ آپ رات کے قیام کو شاق نہ سمجھیں۔ ہم تو اس سے بھی بھاری کام آپ سے لینے والے ہیں اور علت کی تقریر اس طرح ہوگی کہ آپ کو رات کے قیام کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ آپ ریاضت ومجاہدہ کے خوگر ہو جائیں اور نفس میں قوت وکمال پیدا ہو کر وحی جیسی بوجھل چیز کے سنبھالنے کی صلاحیت اور عادت ہو جائے آگے ان ناشئة الیل الخ میں دوسری علت ارشاد ہے۔ یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور خواہشات نفس آرام ونیند پامال کی جاتی ہیں۔ تاہم اس وقت کی خوبی یہ ہے کہ سکون کا وقت ہونے کی وجہ سے دعا اور ذکر سیدھا دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ زبان اور دل ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے دل اور ذہن میں جمی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ وقت دنیا کے ہنگاموں اور شور وشر کے کم ہونے اور آسمان سے خداوند قدوس کے نزول اجلال کے برکات اور اثرات اترنے کا ہوتا ہے۔ جس سے دل میں عجیب کیفیت ولذت اور سرور وانبساط پیدا ہوتا ہے۔ غرضیکہ دنیا کے بکھیڑوں سے نجات کی وجہ سے ایک قسم کی فراغت اور فرصت رہتی ہے اور ذکر وفکر میں بااطمینان خوب جی لگتا ہے۔ اسی لئے جس نے جو کچھ پایا وہ رات ہی کو پایا ہے یہ دوسری بات ہے کہ زمانہ کے انقلاب سے رات کا سکون ہنگاموں سے بدل گیا ہے بلکہ حد سے زیادہ رنگ رلیاں اور کھیل تماشے، تفریحات اور رنگ رلیاں رات ہی کو رہتے ہیں۔

شب بیداری کی تیسری حکمت: ....ان لك فی النهار سے تیسری علت ارشاد ہے۔ یعنی دن میں اور بہت سے کام رہتے ہیں۔ دنیاوی کام جیسے مہمات خانہ داری کی تدابیر گو وہ بھی بالواسطہ دینی ہوں اور براہ راست دینی مصروفیات جیسے تبلیغ و جہاد کے مشاغل، تاہم بلاواسطہ پروردگار کی عبادت ومناجات کے لئے رات کا وقت مخصوص رکھنا مناسب ہے، اگر عبادت میں مشغول رہ کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیام شب کے علاوہ عام اوقات میں بھی ذکر اللہ کرو اور سب سے قطع کر کے اسی کے ہو رہو۔ یعنی تعلق مع اللہ سب پر غالب رکھو ان سب ہدایات کا تسلی میں دخیل اور موثر ہونا ظاہر ہے آگے توحید کی تاکید ہے۔

رب المشرق. مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے۔ یعنی دن ورات کا مالک وہی ہے زمین وزمان اسی کے ہیں لہٰذا اسی کی رضا جوئی میں لگے رہنا چاہئے۔ بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر ہونا چاہئے وہ جب کارساز ہے تو پھر دوسروں سے کٹ جانے کی کیا پرواہ ہے۔ رہا کفار جو آپ ﷺ کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ان باتوں پر صبر کرو اور خوبصورتی سے ان سے الگ ہو جاؤ۔ ان کی شکایت اور انتقام کی فکر نہ کرو یہ مطلب نہیں کہ بالکل حالات سے بھی بے خبر ہو جاؤ یا ان کی نصیحت اور خیراندیشی سے بھی بے تعلق ہو جاؤ۔ غرض جس طرح بن پڑے یہ کام تو بدستور کرتے رہیں اور کبھی جوش انتقام ہو تو یہ سمجھ لیجئے کہ ان کے لئے ہم کافی ہیں۔

ذرنی الخ یعنی تھوڑی بہت ڈھیل کی بات الگ ہے ورنہ حق وصداقت کو جھٹلانے والے جو عیش وآرام کی زندگی گزار رہے

ہیں ان کو میرے حوالے کیجئے میں خودنمٹ لوں گا۔آگے عذاب کی کچھ تفصیل ہے۔

یوم ترجف. یعنی عذاب کی تمہیداس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہوجائیں گی اوروہ کانپ کرگر پڑیں گے اورریت کے تودوں کی طرح ریزہ ریزہ ہوکررہ جائیں گے،جن پرقدم نہ جم سکے۔

اللہ کے باغی بچ کرکہاں جاسکتے ہیں: ....فکیف تتقون. یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی جلیل القدر پیغمبر ہیں توجس طرح ان کی قوم تکذیب کی پاداش میں مبتلا ہوئی،آپ کی قوم کیسے بچ سکتی ہے اور بالفرض دنیا میں بچ بھی گئے تواس دن سے کیسے بچوگے،جس کی شدت اوردرازی بچوں کوبوڑھا کردینے والی ہوگی خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں مگراس دن کی سختی اور لمبائی کابھی اثرہوگا اللہ کا یہ وعدہ اٹل ہے،وہ ضرورہوکررہے گا۔خواہ تم کتنا ہی بعیدازامکان سمجھو۔

ان ھذہ تذکرۃ ۔ ہماراکام نصیحت تھا وہ کردی اب جواپنا فائدہ چاہے اس پرعمل کرے اوررب تک پہنچ جائے راستہ کھلا ہوا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ اللہ کا کچھ فائدہ ہے،سودفعہ اپنا فائدہ سمجھوتواس پرچلو۔

ان ربک یعلم. سال بھرشب بیداری کاحکم رہا لیکن بعد میں تسہیل کی جارہی ہے۔بعض صحابہؓ تو پہلے حکم پراس سختی سے عمل کررہے تھے کہ رات کوسرکے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ آنکھ لگ جائے اورنیند کا غلبہ ہوتوجھٹکا لگ کرآنکھ کھل جائے اس لئے اس میں سہولت کردی گئی ہے۔

دشواری کے بعدآسانی: ....واللہ یقدر الیل والنھار. یعنی رات دن کی پوری پیمائش تواللہ کومعلوم ہے وہی ایک خاص انداز سے ان کوگھٹا تا بڑھا تا رہتا ہے اورکبھی دونوں کوبرابرکردیتا ہے۔روزانہ آدھی تہائی دوتہائی رات کاٹھیک ٹھیک اندازہ مشکل تھا اورگھڑی گھنٹوں کا سامان نہیں تھا اس لئے صحابہؓ کوبڑی دشواری تھی۔اس لئے آسانی فرمائی جارہی ہے کہ اب نہ تہجد فرض ہے اورنہ وقت اورمقدارتلاوت کی کوئی تحدید ہے کیونکہ آخرانسان کبھی بیماربھی ہوتا ہے کبھی سفرمیں بھی جانا ہوتا ہے،خواہ وہ علم کی تلاش میں ہو یاجہاد کے لئے تجارت کے لئے ہو یا کسی اورکام کے لئے۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ شب بیداری سخت دشوارہوگی اس لئے تخفیف کی جاتی ہے کہ نماز میں جس قدرقرآن پڑھنا آسان ہو،پڑھ لیا کرو۔خودکوزیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ہاں فرض نمازیں اہتمام سے پڑھتے رہواورباقاعدہ زکوٰۃ اداکرتے رہو اوراللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ چوکوان باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی اس کوقرض دینا ہے۔بندوں کواگرقرض حسنہ دیا جائے تووہ بھی اس کے عموم میں داخل ہوسکتا ہے۔تم جونیکی یہاں کروگے وہ سب اللہ کے ہاں پہنچ رہی ہے جووقت پرتمہارے کام آئے گی۔

واستغفروا اللہ . یعنی احکام بجالاکرپھراللہ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگووہ کون ہے جودعویٰ کرسکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کاحق اداکردیا ہے بلکہ اللہ کاجتنا بڑا بندہ ہوتا ہے اسی قدراپنے کوتقصیروارسمجھتا ہے اوراپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔

اے کریم!غفوررحیم!سب کی خطائیں معاف فرمااورسب کے صدقہ میں اس عبداثیم کوبھی نوازدے۔

لطائف سلوک: ....یا ایھا المزمل سے سبحا طویلا تک صوفی کے مشاغل بیان فرمائے گئے ہیں اوران ناشئۃ اللیل میں شب بیداری کا اندرونی داعیہ اوران لک فی النھار میں خارجی داعیہ ارشادفرمایا گیا ہے پس اس سے رات اورخلوت کے اسراربھی معلوم ہوگئے۔

علم ان لن تحصوہ. اس میں مجاہدہ اوراورادکی سہولت کی رعایت ہے جیسا کہ محققین بھی برتاؤکرتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ النَّبِيُّ وَاَصْلُه الْمُتَدَثِّرُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ اَيِ الْمُتَلَفِّفِ بِثِيَابِه عِنْدَ نُزُوْلِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ **قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾** خَوِّفْ اَهْلَ مَكَّةَ بِالنَّارِ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا **وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾** عَظِّمْ عَنْ اِشْرَاكِ الْمُشْرِكِيْنَ **وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾** عَنِ النَّجَاسَةِ اَوْقَصِّرْهَا خِلَافَ جَرِّ الْعَرَبِ ثِيَابَهُمْ خُيَلَاءَ فَرُبَّمَا اَصَابَتْهَا نَجَاسَةٌ **وَالرُّجْزَ** فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَوْثَانِ **فَاهْجُرْ ﴿۵﴾** اَيْ دُمْ عَلٰى هَجْرِه **وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾** بِالرَّفْعِ حَالٌ اَيْ لَا تُعْطِ شَيْئًا لِتَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ وَهٰذَا خَاصٌّ بِه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ مَاْمُوْرٌ بِاَجْمَلِ الْاَخْلَاقِ وَاَشْرَفِ الْاٰدَابِ **وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾** عَلَى الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِيْ **فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾** نُفِخَ فِي الصُّوْرِ وَهُوَ الْقَرْنُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ **فَذٰلِكَ** اَيْ وَقْتُ النَّقْرِ **يَوْمَئِذٍ** بَدَلٌ مِّمَّا قَبْلَهٗ الْمُبْتَدَاءُ وَبُنِيَ لِاِضَافَتِه اِلٰى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ **يَوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾** وَالْعَامِلُ فِيْ اِذَامَادَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَةُ اَيِ اشْتَدَّ الْاَمْرُ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾** فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ يَسِيْرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ فِيْ عُسْرِه **ذَرْنِيْ** اُتْرُكْنِيْ **وَمَنْ خَلَقْتُ** عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ اَوْمَفْعُوْلٌ مَّعَهٗ **وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾** حَالٌ مِنْ مَنْ اَوْمِنْ ضَمِيْرِهِ الْمَحْذُوْفِ مِنْ خَلَقْتُ اَيْ مُنْفَرِدًا بِلَا اَهْلٍ وَّلَامَالٍ وَّهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ **وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾** وَاسِعًا مُّتَّصِلًا مِنَ الزُّرُوْعِ وَالضُّرُوْعِ وَالتِّجَارَةِ **وَّبَنِيْنَ** عَشَرَةً اَوْ اَكْثَرَ **شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾** يَشْهَدُوْنَ الْمَحَافِلَ وَتُسْمَعُ شَهَادَتُهُمْ **وَّمَهَّدْتُّ** بَسَطْتُّ **لَهٗ** فِي الْعَيْشِ وَالْعُمْرِ وَالْوَلَدِ **تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا** لَا اَزِيْدُهٗ عَلٰى ذٰلِكَ **اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا** اَيِ الْقُرْاٰنِ **عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾** مُعَانِدًا **سَاُرْهِقُهٗ** اُكَلِّفُهٗ **صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾** مَشَقَّةً مِّنَ الْعَذَابِ اَوْجَبَلًا مِّنْ نَّارٍ يَصْعَدُ فِيْهِ ثُمَّ يَهْوِيْ اَبَدًا **اِنَّهٗ فَكَّرَ** فِيْمَا يَقُوْلُ فِي الْقُرْاٰنِ

الَّذِی سَمِعَهُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **وَقَدَّرَ** ﴿۱۸﴾ فِی نَفْسِهٖ ذٰلِكَ **فَقُتِلَ** لُعِنَ وَعُذِّبَ **كَیْفَ قَدَّرَ** ﴿۱۹﴾ عَلٰی اَیِّ حَالٍ كَانَ تَقْدِیْرُهٗ **ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ** ﴿۲۰﴾ **ثُمَّ نَظَرَ** ﴿۲۱﴾ فِی وُجُوْهِ قَوْمِهٖ اَوْفِیْمَا یَقْدَحُ بِهٖ **ثُمَّ عَبَسَ** قَبَضَ وَجْهَهٗ وَكَلَحَهٗ ضَیِّقًا بِمَا یَقُوْلُ **وَبَسَرَ** ﴿۲۲﴾ زَادَ فِی الْقَبْضِ وَالْكُلُوْحِ **ثُمَّ اَدْبَرَ** عَنِ الْاِیْمَانِ **وَاسْتَكْبَرَ** ﴿۲۳﴾ تَكَبَّرَ عَنِ اتِّبَاعِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **فَقَالَ** فِیْمَاجَاءَ بِهٖ **اِنْ مَا هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ** ﴿۲۴﴾ یُنْقَلُ عَنِ السَّحَرَةِ **اِنْ مَا هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ** ﴿۲۵﴾ كَمَاقَالُوْا اِنَّمَایُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ **سَاُصْلِیْهِ** اُدْخِلُهٗ **سَقَرَ** ﴿۲۶﴾ جَهَنَّمَ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاسَقَرُ** ﴿۲۷﴾ تَعْظِیْمٌ لِشَانِهَا **لَا تُبْقِیْ وَلَاتَذَرُ** ﴿۲۸﴾ شَیْئًا مِنْ لَحْمٍ وَّلَا عَصَبٍ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ ثُمَّ یَعُوْدُ كَمَاكَانَ **لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ** ﴿۲۹﴾ مُحْرِقَةٌ لِظَاهِرِ الْجِلْدِ **عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ** ﴿۳۰﴾ مَلَكًا خَزَنَتُهَا قَالَ بَعْضُ الْكُفَّارِ وَكَانَ قَوِیًّا شَدِیْدَا الْبَاسِ اَنَا اَكْفِیْكُمْ سَبْعَةَ عَشَرَ اَكْفُوْنِیْ اَنْتُمْ اِثْنَیْنِ قَالَ تَعَالٰی **وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً** اَیْ فَلَایُطَاقُوْنَ كَمَایَتَوَهَّمُوْنَ **وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ** ذٰلِكَ **اِلَّا فِتْنَةً** ضَلَالًا **لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا** بِاَنْ یَقُوْلُوْا لِمَ كَانُوْا تِسْعَةَ عَشَرَ **لِیَسْتَیْقِنَ** لِیَسْتَبِیْنَ **الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَیِ الْیَهُوْدُ صِدْقَ النَّبِیِّ فِی كَوْنِهِمْ تِسْعَةَ عَشَرَ الْمُوَافِقِ لِمَا فِی كِتَابِهِمْ **وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا** مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ **اِیْمَانًا** تَصْدِیْقًا لِمُوَافَقَةِ مَااَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِمَا فِی كِتَابِهِمْ **وَّلَایَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ** مِنْ غَیْرِهِمْ فِی عَدَدِ الْمَلٰٓئِكَةِ **وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** شَكٌّ بِالْمَدِیْنَةِ **وَّالْكٰفِرُوْنَ** بِمَكَّةَ **مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا** الْعَدَدِ **مَثَلًا** سَمَّوْهُ لِغَرَابَتِهٖ بِذٰلِكَ وَاُعْرِبَ حَالًا **كَذٰلِكَ** اَیْ مِثْلَ اِضْلَالِ مُنْكِرِ هٰذَا الْعَدَدِ وَهُدٰی مُصَدِّقِهٖ **یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَمَایَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ** الْمَلَائِكَةَ فِی قُوَّتِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ **اِلَّا هُوَ وَمَاهِیَ** اَیْ سَقَرُ **اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ** ﴿۳۱﴾ **كَلَّا** اِسْتِفْتَاحٌ بِمَعْنٰی اَلَا **وَالْقَمَرِ** ﴿۳۲﴾ **وَالَّیْلِ اِذ** ابِفَتْحِ الذَّالِ **دَبَرَ** ﴿۳۳﴾ جَاءَ بَعْدَ النَّهَارِ وَفِی قِرَاءَةٍ اِذْ اَدْبَرَ بِسُكُوْنِ الذَّالِ بَعْدَهَا هَمْزَةٌ اَیْ مَضٰی **وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ** ﴿۳۴﴾ ظَهَرَ **اِنَّهَا** اَیْ سَقَرَ **لَاِحْدَی الْكُبَرِ** ﴿۳۵﴾ الْبَلَایَا الْعِظَامِ **نَذِیْرًا** حَالٌ مِنْ اِحْدٰی وَذُكِّرَ لِاَنَّهَابِمَعْنَی الْعَذَابِ **لِّلْبَشَرِ** ﴿۳۶﴾ **لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ** بَدَلٌ مِنَ الْبَشَرِ **اَنْ یَّتَقَدَّمَ** اِلَی الْخَیْرِ اَوِ الْجَنَّةِ بِالْاِیْمَانِ **اَوْیَتَاَخَّرَ** ﴿۳۷﴾ اِلَی الشَّرِّ اَوِالنَّارِ بِالْكُفْرِ **كُلُّ نَفْسٍ بِمَاكَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ** ﴿۳۸﴾ مَرْهُوْنَةٌ مَاخُوْذَةٌ بِعَمَلِهَا فِی النَّارِ **اِلَّآ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ** ﴿۳۹﴾ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَنَاجُوْنَ مِنْهَا كَائِنُوْنَ **فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ** ﴿۴۰﴾ بَیْنَهُمْ **عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ** ﴿۴۱﴾ وَحَالُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ لَهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِ الْمُوَحِّدِیْنَ مِنَ النَّارِ **مَاسَلَكَكُمْ** اَدْخَلَكُمْ **فِیْ**

سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ فِي الْبَاطِلِ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ اَلْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ اَلْمَوْتُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَالْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَالْمَعْنٰى لَا شَفَاعَةَ لَهُمْ فَمَا مُبْتَدأٌ لَهُمْ خبرُهُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اِنْتَقَلَ ضَمِيْرُهُ اِلَيْهِ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ حَالٌ مِّنَ الضَّمِيْرِ وَالْمَعْنٰى اَيُّ شَيْءٍ حَصَلَ لَهُمْ فِيْ اِعْرَاضِهِمْ عَنِ الْاِتِّعَاظِ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ وَحْشِيَّةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ اَسَدٍ اَيْ هَرَبَتْ مِنْهُ اَشَدَّ الْهَرَبِ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ اَيْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِاِتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ كَلَّا رَدْعٌ عَمَّا اَرَادُوْهُ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ اَيْ عَذَابَهَا كَلَّا اِسْتِفْتَاحٌ اِنَّهٗ اَيِ الْقُرْاٰنَ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ عِظَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ قَرَأَهٗ فَاتَّعَظَ بِهٖ وَمَا يَذْكُرُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى بِاَنْ يُّتَّقٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ بِاَنْ يَّغْفِرَ لِمَنِ اتَّقَاهُ

ترجمہ:............سورۂ مدثر مکیہ ہے۔جس میں ۵۵ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

اے کپڑے میں لپٹنے والے (نبی یہ لفظ دراصل متدثر تھا۔تا کو دال میں ادغام کردیا گیا ہے۔یعنی وحی نازل ہونے کے وقت کپڑے میں لپٹنے والے) اٹھیے پھر ڈرایئے (اہل مکہ اگر ایمان نہ لائیں تو انہیں دوزخ سے ڈرایئے) اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کیجئے (مشرکین کے شرک سے بالا بتلایئے) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (گندگی سے یا اپنے کپڑے چھوٹے بنایئے۔عربوں کی طرح نہیں کہ وہ تکبر کی وجہ سے بڑے ڈھیلے ڈھالے پہنتے تھے کہ اکثر نجاست آلودہ ہوجاتے تھے) اور بتوں سے (آنحضرت ﷺ نے اس کی تفسیر بت ہی کے ساتھ فرمائی ہے) الگ رہئے (یعنی چھوڑے رکھئے) اور کسی کو اس لئے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو (تستکثر رفع کے ساتھ حال ہے یعنی کسی کو کوئی چیز اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ دے یہ حکم حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔کیونکہ آپ کو بہترین اخلاق اور عمدہ آداب کا پابند کیا گیا ہے) اور اپنے رب کے لئے (احکام ومنہیات پر) صبر کیجئے، پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا (نفخۂ ثانیہ مراد ہے) سو (وہ وقت صور پھونکنے کا یعنی) وہ دن ایک سخت دن ہوگا (اذا میں عامل مدلول جملہ ہے یعنی اشتد الامر) کافروں پر جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (اس سے معلوم ہورہا ہے کہ وہ دن مومنین پر آسان ہوگا سخت ہونے کے باوجود) مجھ کو رہنے دیجئے (چھوڑیے) اور اس شخص کو جسے میں نے پیدا کیا ہے (مفعول پر عطف ہے یا مفعول معہ ہے) اکیلا (یہ من سے حال ہے یا خلقت کی ضمیر محذوف سے حال ہے یعنی یکہ وتنہا تھا بغیر اہل اور مال کے۔ولید بن مغیرہ مراد ہے) اور اس کو کثرت مال دیا (نہایت پائیدار کھیتی باڑی اور دودھ بوند اور تجارت) اور بیٹے (دس یا زیادہ) جو بلائے جاتے (محفلوں میں اور ان کی گواہی معتبر ہوتی) اور سب طرح کا سامان (عیش،عمر، اولاد) اس کے لئے مہیا کردیا۔پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ہرگز نہیں (زیادہ نہیں دوں گا) وہ ہماری آیات (قرآن) کا مخالف (دشمن) ہے۔میں عنقریب اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (صعود سے عذاب کی مشقت یا آگ کا پہاڑ مراد ہے جس پر وہ چڑھے گا، پھر گرے گا۔بس یہی ہوتا رہے گا) اس شخص نے سوچا (آنحضرت ﷺ سے قرآن سن کر جو کچھ کہتا ہے) پھر

ایک بات تجویز کی (اپنے دل میں اس کے متعلق) سواس پر خدا کی مار (لعنت عذاب) کیسی تجویز کی (کس حال پر تجویز کی) پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ پھر منہ بنایا (اپنی قوم کے سامنے۔ یا اس پر عیب جوئی کی گئی) پھر منہ بسورا (یعنی منہ بنایا اور برا سا بنایا۔ اپنی بات سے تنگدل ہوتے ہوئے) اور زیادہ منہ بسورا (خوب ٹیڑھا ترچھا کیا) پھر منہ پھیرا (ایمان لانے سے اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے سے) اور تکبر کیا پھر بولا (وحی کی نسبت) کہ یہ تو جادو ہے (جادوگروں سے) منقول۔ پس یہ تو آدمی کا کلام ہے (چنانچہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ کوئی انسان پیغمبر کو سکھلاتا ہے) میں اس کو عنقریب دوزخ میں داخل کروں گا، اور تمہیں پتہ ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (اس میں دوزخ کا ہولناک ہونا بتلانا ہے) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی (گوشت ہڈی میں سے کچھ بھی، مگر اس کو ختم کردے گی۔ پھر از سر نو سب چیزیں جوں کی توں ہو جائیں گی) وہ بدن کی ہئیت بگاڑ دے گی (کھال جلا ڈالے گی) اس پر انیس فرشتے ہوں گے (جہنم کے داروغہ ایک کافر جو نہایت طاقتور تھا کہنے لگا کہ میں ان میں سے سترہ کو کافی ہو جاؤں گا اور دو سے تم بنٹ لینا اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ) اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں (یعنی ان میں اتنی طاقت نہیں جیسا کہ انہیں وہم ہو رہا ہے) اور ہم نے جو ان کی تعداد ایسی رکھی ہے وہ صرف کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہے (تا کہ وہ یہ کہیں کہ وہ انیس کیوں ہیں) اس لئے کہ اہل کتاب یقین کرلیں (یعنی یہود پیغمبر کو سچا سمجھ لیں ان فرشتوں کی تعداد انیس ہونے میں جو ان کی کتاب کے موافق ہے) اور (اہل کتاب میں سے) ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے (یقین زیادہ ہو جائے۔ کہ جو حضور ﷺ بیان فرما رہے ہیں وہی ان کی کتاب میں ہے) اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک نہ کریں (جو مومن اہل کتاب کے علاوہ ہوں، فرشتوں کی تعداد کی نسبت) اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے (مدینہ میں شکی ہیں) اور (مکہ کے) کافر کہنے لگیں کہ اللہ کا کیا مقصد ہے۔ اس (تعداد) عجیب سے (غرابت کی وجہ سے اس کو مثل کہا گیا، اور اس پر حال کا اعراب لایا گیا ہے) اسی طرح (یعنی ان منکرین عدد کی گمراہی اور ماننے والوں کی ہدایت کی طرح) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو (فرشتوں کی طاقت اور ان کے معاونین کو) بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور یہ (دوزخ) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔ سچ (کلا استفتاح کے لئے بمعنی الا ہے) قسم ہے چاند کی اور رات کی (اذا فتحہ کے ساتھ ہے) جب جانے لگے (دن جانے کے بعد اور ایک قراءت میں اذا دبر سکون ذال کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہمزہ ہے جانے کے معنی میں) اور صبح کی جب روشنی ہو جائے کہ وہ (دوزخ) بڑی بھاری چیز (مصیبت) ہے جو بڑا ڈراوا ہے (نذیرا، احدیٰ سے حال ہے اور مذکر اس لئے لایا گیا کہ عذاب کے معنی میں ہے) انسان کے لئے یعنی تم میں (یہ بشر سے بدل ہے) جو آگے کو (بھلائی یا جنت کی طرف ایمان لاکر) یا پیچھے کو ہٹے (برائی یا دوزخ کی طرف کفر کے ذریعہ) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے محبوس ہوگا (دوزخ میں اپنے اعمال میں ماخوذ) مگر داہنے والے (مومنین کہ وہ دوزخ سے چھٹکارا پاکر) بہشتوں میں ہوں گے (ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کرتے ہوں گے۔ دوزخیوں (اور ان کے حال) کی (اور مسلمانوں کے دوزخ سے نکل آنے کے بعد دوزخیوں سے پوچھیں گے) کہ تمہیں دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے کہ نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور (غلط) مشغلوں میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت (بعث و جزا) کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (فرشتوں، نبیوں، نیکوں کی سفارش مراد ہے یعنی ان کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی) تو ان کو کیا ہوا کہ (ما مبتداء لھم اس کی خبر محذوف کے متعلق ہے اور محذوف کی ضمیر خبر کی طرف راجع ہے) اس نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں (ضمیر سے حال یعنی نصیحت سے کنارہ کشی کرکے انہیں کیا ہاتھ آیا) کہ وہ گویا وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے دوڑے جا رہے ہیں بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے

دیئے جائیں (یعنی اللہ کی طرف سے انہیں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا حکم ہوا۔ جب کہ مشرکین کہا کرتے تھے۔ **لن نو من لک حتی تنزل علینا کتا بانقروہ**) ہرگز نہیں، بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے ہرگز نہیں (استفتاح کے لئے ہے) یہ (قرآن) نصیحت (موعظت) ہے جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے (پڑھ کر عبرت حاصل کرلے) اور یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے (یا اور تا کے ساتھ قراءت ہے) جب تک اللہ نہ چاہے۔ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے (اپنے سے ڈرنے والے کو بخش دیتا ہے۔)

تحقیق وترکیب:.........**المدثر**. دراصل **متدثر** تھا۔ **مدثر دثار** سے ماخوذ ہے جس کے معنی اوپر کے لباس کے ہیں اور شعار کہتے ہیں بدن سے متصل لباس کو۔ جمہور کی رائے ہے کہ سب سے اول اقرأ نازل ہوئی۔ پھر تین سال بعد **فترۃ وحی** کے بعد **یا ایھا المدثر** نازل ہوئی۔ ممکن ہے اس سے آیات مراد ہوں۔ ورنہ سب سے پہلے پوری سورت سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

فانذر. اگرچہ آنحضور ﷺ کی دونوں شانیں ہیں۔ بشیر ونذیر۔ لیکن ابتداء صرف انذار پر اکتفا مناسب تھا پھر بعد میں "**انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً**" ارشاد الٰہی ہوا۔

فکبر. ابو الفتح موصلیؒ کی رائے ہے کہ یہ فا زائد ہے اور زجاجؒ کہتے ہیں کہ فا معنی جزائیت کے لئے ہے۔ **ای قم فکبر ربک** اور بعد کے جملوں کی بھی یہی تاویل ہوگی اور صاحب کشافؒ کہتے ہیں کہ فا معنی جزائیت کے لئے ہے۔ "**ای شئی کان فلا تدع تکبیرۃ**" اور تکبیر سے تکبیر افتتاح صلوٰۃ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لیکن اس وقت نماز فرض نہیں ہوئی تھی، اس لئے مفسر نے شرک سے تبری کے معنی لئے ہیں۔

آیت **ربک فکبر** میں صفت قلب ہے، الٹا پڑھنے سے بھی یہی جملہ بنتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تعمیل حکم کرتے ہوئے اللہ اکبر کہا۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی سن کر نعرہ لگایا اور خوش ہوئیں اور سمجھ گئیں کہ یہ وحی ہے۔ علماء نے اس کو تکبیر نماز پر بھی محمول کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکن ہے۔ کیونکہ نماز کی جو شرائط ہیں وہی اس کی شرائط ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک تکبیر نماز کی شرط خارجی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی فرض کا تحریمہ کرے تو اس سے نوافل پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں **وذکر اسم ربہ فصلی** ہے۔ یعنی نماز کو ذکر کے بعد فرمایا گیا جس سے مراد تکبیر ہے اور فا کے ذریعہ صلوٰۃ کا عطف کیا گیا ہے جس سے دونوں میں مغایرت معلوم ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ارکان نماز کی طرح تکبیر میں تکرار نہیں ہے اور شرائط نماز کی رعایت اس لئے کی گئی کہ تکبیر قیام نماز سے متصل ہے۔ تکبیر کے سلسلہ میں منقول تو اللہ اکبر ہے۔ مگر طرفین کے نزدیک **اللہ اجل اللہ اعظم الرحمن اکبر**. **لا الہ الا اللہ**، **اللہ الکبیر** وغیرہ کہنا بھی جائز ہے۔ لیکن ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر تکبیر اچھی طرح کہہ سکتا ہے تو صرف **اللہ اکبر** یا **اللہ الا کبر** یا **اللہ الکبیر** کہنا جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف پہلے دو لفظوں سے اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف پہلے لفظ سے جائز ہے۔ لیکن طرفینؒ فرماتے ہیں کہ مقصود تعظیم ہے اس لئے سب الفاظ صحیح ہیں بلکہ امام اعظمؒ تو صرف لفظ اللہ کہنے کی بھی اجازت دیتے ہیں اسی طرح صرف **اللھم** کہنا بھی جائز ہے۔ البتہ **اللھم اغفرلی** میں چونکہ دعا بھی ہے اس لئے کافی نہیں ہے۔

فطھر. زہریؒ نے پانی سے پاک کرنے کے معنی لئے ہیں اور ابن عباسؓ اور طاؤس سے دامن چھوٹا رکھنے کے معنی ہیں۔ اور مجاہد اصلاح عمل مراد لیتے ہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ **صل فیا بک طاھرۃ**. پہلے معنی شبہ ہیں "**وثیابک فطھر**" میں کئی احتمال ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ **قصرھا فانہ القی** واقعی ایک معنی یہ ہیں۔ **اصلح اعمالک فطھر نفوسک من**

العادات المستقذرہ ایک معنی یہ ہیں۔ اصلح اھلک یعنی کتابیہ سے نکاح نہ کرو بغیر مہر نکاح نہ کرو، چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھو۔ لیکن اکثر کی رائے کپڑوں کو پاک رکھنے کی ہے پھر یہ حکم اگرچہ تمام اوقات میں ہے مگر ربک فکبر سے متصل ہونے کی وجہ سے نماز کے وقت کپڑوں کی پاکی مراد ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ یجب علی المصلی ان یقدم الطھارۃ من الا حداث و الانجاس قال اللہ وثیابک فطھر . وان کنتم جنباً فاطھروا. نیز ستر بھی ہر وقت واجب ہے برخلاف کپڑوں کی پاکی کے۔ وہ نماز کے ساتھ خاص ہے چنانچہ بیضاویؒ وغیرہ تصریح کرتے ہیں۔ ان التطھیر واجب فی الصلوٰۃ محبوب فی غیر ھا. پھر کپڑے پر اگر نجاست غلیظہ قدر درہم سے کم ہے، یا نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم پر لگی ہوئی ہے تو نماز صحیح ہوجائے گی۔ ورنہ دہرانی پڑے گی۔ نجاست مرئیہ میں تو اس کے عین کا ازالہ ضروری ہے خواہ اس کا نشان یا اثر رہے لیکن غیر مرئی نجاست میں تین دفعہ دھوکر نچوڑ دینا کافی ہے پھر حنفیہ کے نزدیک پانی اور پانی جیسی رقیق چیزوں سے پاکی حاصل ہوسکتی ہے۔

فاھجر. بت پرستی چھوڑنے کے حکم سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ پہلے بت پرستی کرتے تھے اس لئے مفسرؒ نے "دم علی ھجرۃ" سے تفسیر کی ہے۔ کہ جس طرح آپ اب تک اس سے بچے رہے آئندہ بھی بچے رہیں ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔

ولا تمنن. یعنی احسان کے بدلہ کی نیت سے احسان کرنا اگرچہ دوسروں کے لئے جائز ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق کے خلاف ہوتے ہوئے خاص طور پر آپ کو منع کردیا گیا ہے اور بعض نے ممانعت کو عام رکھتے ہوئے ممانعت تنزیہی قرار دی ہے اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ آپ کسی کو کچھ مرحمت فرما کر بطور ریا زیادہ ظاہر نہ کیجئے۔

فی الناقور . فاعول کے وزن پر نقر سے ماخوذ ہے بمعنی قرع یعنی کھٹکھٹانا، مراد آواز کرنا ہے صور اسرافیل یعنی ان کی آواز مراد ہے۔ منقار مرغ کی چونچ کو کہتے ہیں۔ ناقور سینگ جیسا ہے۔ جس کی وسعت زمین وآسمان کے برابر ہے اس میں سوراخ ہیں جس میں ارواح عالم ہوں گی ہر سوراخ سے روح نفخۂ ثانیہ کے بعد نکل کر اپنے اپنے جسام میں پہنچ جائیں گی جس سے ان میں زندگی کی لہر دوڑ جائے گی اور مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

فذلک یومئذ یوم عسیر . ذلک سے وقت نقر کی طرف اشارہ ہے اور یومئذ ذلک سے بدل ہے اور چونکہ یوم اذا اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہے۔ اس لئے فتحہ پر مبنی ہوگیا معرب نہیں رہا اور اس پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ ای اذا نقرفی الصور اور یومئذ خبر کا ظرف مستقر بھی ہوسکتا ہے۔ ای وقت النقر وقت عسیر حال کون ذلک الوقت یوم القیامۃ اور اذا نقر کا عامل مدلول جملہ ہے۔ یعنی اشتد الا مر اذا نقر غیر یسرا ای یسیر علی المؤمنین فی وقت عسرۃ علی الکافرین .

وحیداً. یہ من خلقت میں من سے حال ہے ای ذرنی والذی ھو کذا حال کونہ وحیدا اور جب کہ معطوف علیہ سے حال نہ بنایا جاسکتا ہو۔ تب بھی صرف معطوف سے حال بنانا جائز ہے۔ یا خلقت کی ضمیر محذوف سے بھی حال ہوسکتا ہے ای خلقتہ وحیداً اسی طرح خلقت کی ضمیر متکلم سے بھی حال ہوسکتا ہے ای خلقتہ وحدی اور ذرنی کی ضمیر منسوب سے بھی حال ہوسکتا ہے۔ وحید سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس کا لقب بطور مدح وحید تھا یہاں تہکما بطور مذمت وحید فرمایا گیا۔ ولد الزنا ہونے کی وجہ سے یعنی بلا باپ کے تنہا ہے، یا شرارت میں یکتا ہے۔

ضروع . سے مراد ذوات فروع یعنی دودھ والے جانور ہیں۔

وبنین شھوداً. مجاہد سے منقول ہے کہ دس لڑکے تھے۔ اور سعید بن جبیر تیرہ کہتے ہیں۔ ان میں سے خالد، ہشام، ولید بن

ولید تین مسلمان ہوگئے تھے۔ اور شہود اس لئے کہا کہ مالدار ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی رہتے تھے۔ کسب معاش کے لئے سفر میں جانے کی حاجت نہیں تھی۔ یا اپنی وجاہت کی وجہ سے مجامع میں بلائے جاتے تھی۔

کلا. حق تعالیٰ نے پھر ولید کو نقصان میں مبتلا کر دیا کہ فقیر ہو کر مرا۔

سارھقه صعوداً. امام احمدؒ وغیرہ نے ابو سعیدؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جہنم کے پہاڑ پر چڑھنا اور گرنا ہوتا ہی رہے گا۔

وما ادراک ماسقر. ما مبتداء ادراک خبر ہے اسی طرح ما مبتداء سقر خبر ہے یا برعکس ترکیب کر لی جائے اور یہ جملہ ادری کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

لا تبقی و لا تذر. حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہیں اور عامل معنی تعظیم ہیں جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے اور ان کا مفعول محذوف ہے۔ ای **لا تبقی ما القی فیھا و لا تذرہ بل تھلکه** اور بعض نے تقدیر عبادت اس طرح مانی ہے۔ **لا تبقی علی من القی فیھا و لا تذر غایة العذاب الا وصلته الیه** اور دوسری ترکیب یہ ہے۔ کہ **لا تبقی و لا تذر** جملہ مستانفہ ہوا۔

لواحة للبشر. عام قرأت رفع کی مبتداء مضمر کی خبر ہے۔ ای **ھی لواحة** اس وقت قرأت سے **لا تبقی** کے مستانفہ کی تاکید ہو جائے گی لیکن حسن بن ابی عیلہ، زید بن علی، عطیہ عوفی کی قرأت نصب کی ہے اس میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ **سقر** سے حال ہے اور معنی تعظیم اس میں عامل ہوں جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

۲۔ **لا تبقی** سے حال ہو۔

۳۔ **لاتذر** سے حال ہو۔

علامہ زمخشریؒ اس کا نصب اختصاص تہویل کی وجہ سے مانتے ہیں اور شیخ جرجانیؒ نے حال موکدہ کہا ہے وہ فرماتے ہیں **لان النار التی لا تبقی و لا تذر لا تکون الا مغیرة للبشر** اور **لواحة** مبالغہ کا وزن ہے اس میں دو صورتیں ہیں:۔

۱۔ **لاح یلوح ای انھا تظھر للبشر.** حسن ابن کیسانؒ کی یہی رائے ہے۔

۲۔ جمہورؒ کے نزدیک یہ **لوحه** سے ماخوذ ہے جس کے معنی سیاہ کر دینے اور بدل دینے کے ہیں اور بعض لوح کے معنی شدت پیاس کے لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے **لاحه العطش و لوحه ای غیرہ.**

لوح یعنی جو کی ہوا البشر جمع ہے۔ بشرہ کی یعنی کھال کا رنگ بدل دینے والی اور یا انسان مراد ہے اور لام **للبشر** میں تقویت کا ہے۔ جیسے **ان کنتم للرؤیا** میں لام تقویت کے لئے ہے اور یہ نصب کی قراءت **لاتبقی** کے محل میں ہونے کی تقویت کر رہی ہے۔ اسی طرح **علیھا تسعة عشر** میں بھی حال اور استیناف کی ترکیب ہو سکتی ہے۔ ایک داروغہ جہنم اور اس کے ساتھ اٹھارہ فرشتے ہیں اور بعض نے انیس فرشتے نقیب مانے ہیں اور بعض انیس ہزار فرشتے مانتے ہیں۔ **وما یعلم جنود ربک الا ھو** سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ صحیح بات یہ ہوگی کہ انیس فرشتے نقیب اور رئیس کے درجہ کے ہوں۔ لیکن مجموعہ کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ اس پر ابوالاشر نامی ایک کافر جو بڑا طاقتور تھا کہنے لگا کہ ان میں سے سترہ کو تو میں کافی ہوں باقی دو فرشتوں کا اور لوگ انتظام کر لیں۔ یہ اس کی بکواس ابوجہل کے اس کہنے پر ہوئی تھی۔ **اما یستطیع کل عشرة منکم ان یاخذوا احدا منھم وانتم الدھم.**

الا فتنة. جعل کا مفعول ثانی ہے حذف مضاف کے ساتھ ای **الا سبب فتنة** اور **للذین** فتنہ کی صفت ہے۔ اور فرشتوں کی یہ تعداد دو وجہ سے فتنہ ہے۔ ایک تو اس لئے کہ کفار مذاق اڑاتے تھے کہ اس سے زائد فرشتے کیوں نہیں ہو سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ اتنی تھوڑی تعداد ہے۔ جس سے ساری دنیا کے مجرموں کو کیسے سزا دی جا سکتی ہے؟

یستیقن ۔ اس کا تعلق جعلنا کے ساتھ ہے یعنی اللہ کا اس تعداد کی اطلاع دینا اہل کتاب میں یقین پیدا کرنے کے لئے ہے اور کافروں کے لئے فتنہ ہونا اس میں آڑے آتا گویا اصل عبارت اس طرح تھی ۔ وما جعلنا عدتھم الا تسعة عشرة ۔ لیکن تسعة عشر کی بجائے فتنة للذین کفروا ۔ کہہ دیا گیا کیونکہ تھوڑی تعداد کافروں کے لئے فتنہ بنی ہوئی تھی ۔ اس لئے حاصل مضمون یہ ہوگا ۔ ولقد جعلنا عدتھم عدة من شانھا ان یفتتن بھا لا جل استیقان المؤمن وحیرة الکافرین ۔ یہاں اہل کتاب سے مراد یہود ہیں۔

ولا یرتاب الذین اوتوا الکتاب ۔ اس میں یہود کے علاوہ دوسرے اہل کتاب نصاریٰ مراد ہیں اس لئے دونوں جگہ تغائر ہوگیا پس تعارض کا شبہ نہیں رہے گا اور مومنین سے مراد اہل اسلام ہیں ۔ اس لئے " اوتوا الکتاب " اور "مومنون" میں تکرار نہیں رہے گا۔

فی قلوبھم مرض بالمدینة ۔ اس لئے کہا کہ نفاق مدینہ ہی میں رونما ہوا۔

بھذا مثلا ۔ مثلاً حال ہے ھذا سے ای ھذا حال کونه مشابھا للمثل مفسرؒ نے لغرابته سے وجہ شبہ کی طرف اشارہ کردیا۔ "ماذا اراد اللہ'' میں ما مبتداء ذا خبر اور اراد اللہ صلہ ہے ۔ اور مثلا " ھذہ ناقة اللہ " کی طرح تمیز بھی ہوسکتی ہے چونکہ انیس فرشتوں کی تعداد باعث حیرت بنی ہوئی تھی ۔ اس لئے اس کو مثل سے تعبیر فرمایا گیا۔

وما یعلم جنود ربك ۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے حق تعالیٰ سے آسمانی مخلوق کی تعداد پوچھی ارشاد ہوا اثنا عشر سبطاً عدد کل سبط عدد التراب ۔ اسرار محمدیہ میں ہے کہ کوئی مکان یا گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں ایسی مخلوق آباد نہ ہو جن کی شمار اللہ ہی جانتا ہے۔

کلا ۔ منکرین کے لئے ڈانٹ ڈپٹ کا کلمہ ہے بمعنی الا تنبیہ ہے اور علامہ رضی بمعنی حقاً کہتے ہیں۔

واللیل اذا دبر ۔ ابوعمرؒ، ابن کثیرؒ، ابن عامرؒ، کسائیؒ، ابوبکرؒ کے نزدیک دبر بغیر ہمزہ کے ہے ۔ دبرنی فلان ای جاء خلفی ۔ چنانچہ دن کے بعد رات آتی ہے ۔ پس " واللیل اذا دبر " کے معنی دن کے جانے کے بعد رات آنے کے ہیں ۔ قطرب سے ایسے ہی منقول ہے ۔ لیکن نافعؒ حمزہؒ، حفصؒ کے نزدیک اذ سکون ذال کے ساتھ اور ادبر ہمزہ کے ساتھ ہے ادبار جانے کے معنی ہیں۔

لاحدی الکبر ۔ یعنی بکثرت بلاؤں میں سے سقر ایک بلا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جہنم کے سات طبقات میں سے ایک کا نام سقر ہے، دوسرے کا لظی، تیسرے کا حطمة، چوتھے کا سعیر، پانچویں کا ھاویه، چھٹے کا جہنم ۔ الکبر جمع ہے کبریٰ کی اور جمع مطرد فعل فعلة کے وزن پر آتی ہے ۔ ہاں الف کو تا کی جگہ کرلیا ہے۔

نذیراً للبشر ۔ اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ احدی سے تمیز ہو یعنی تعظیم کے متضمن ہونے کی وجہ سے ای اعظم الا کبر انذاراً ۔ پس نذیر بمعنی انذار ہے۔
۲۔ نذیر، مصدر ہو بمعنی انذار اور فعل مضمر کی وجہ سے منسوب ہو جیسا کہ فراء کی رائے ہے۔
۳۔ فعیل بمعنی مفعل ہو، اس صورت میں بقول زجاجؒ انھا کی ضمیر سے حال ہوجائے گا۔
۴۔ قم کے فاعل سے حال ہو جو شروع سورت میں ہے۔
۵۔ احدی کی ضمیر حال ہو یعنی تعظیم کے متضمن ہونے کی وجہ سے گویا عبارت اس طرح ہوئی ۔ اعظم الا کبر منذرة.
۶۔ انذر کی وجہ سے منسوب ہو جو شروع سورت میں ہے۔

۷۔الکبر سے حال ہو۔
۸۔ضمیر کبر سے حال ہو۔
۹۔احدی الکبر سے حال ہو، ابن عطیہؒ یہی کہتے ہیں۔
۱۰۔اعنی مضمر کی وجہ سے منسوب مانا جائے۔

اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہوسکتی ہیں رہا نذیر کا مذکر ہونا ذوالحال مؤنث ہونے کے باوجود بتاویل عذاب ہے لمن شاء منکم یہ جار مجرور سے بدل ہے۔

کل نفس . یعنی ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے ماخوذ ہوگا بجز اصحاب الیمین کے اس میں استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے اور منفصل بھی اور اصحاب یمین سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامے ہوں گے اور بعض نے کہا ہے فرشتے یا بچے اصحاب یمین میں آ گئے۔

لم نک من المصلین الخ سے جہنم میں جانے کی وجوہ بتلائیں یعنی ہم نیک اعمال نہیں کرتے تھے۔صاحب کشاف کی رائے ہے کہ سب جہنمیوں کو ان چاروں اعمال کے مجموعہ کی وجہ سے بھی عذاب ہوسکتا ہے اور یہی احتمال ہے کہ بعض کو بعض اعمال کی وجہ سے اور بعض کو دوسرے اعمال کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ بہرحال اس آیت سے امام شافعیؒ وغیرہ استدلال کرتے ہیں کہ کفار اعمال فرعیہ کے بھی مکلف ہیں۔لیکن احناف کے نزدیک کفار مکلف بالاصول نہیں فروع کے احتمال کے وہ مکلف نہیں کیونکہ اعمال کا درجہ ایمان کے بعد ہے۔ غرض یہ کہ کفار، ایمان اور معاملات وعقوبات وعبادات کے اخروی مواخذہ کے اعتبار سے بالاتفاق مکلف ہیں۔لیکن دنیا میں ان کی ادائیگی کے مکلف نہیں۔البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک دنیا میں بھی مکلف ہیں چنانچہ قاضی بیضاویؒ نے اپنے مسلک کی رعایت کرتے ہوئے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔لیکن امام زاہدؒ نے اپنے مسلک کی رعایت سے جواب دیا ہے کہ آیت میں قبولیت اعمال کی نفی کی گئی ہے ادائیگی کی نفی مراد نہیں ہے۔لیکن بظاہر حق بات وہ معلوم ہوتی ہے جو صاحب توضیح نے فرمائی کہ آیت سے مواخذہ اخروی کا ہونا مفہوم ہو رہا ہے نہ کہ دنیاوی ادائیگی کا البتہ تلویح میں یہ بات صاف کردی کہ بحالت کفر اعمال کا معتبر نہ ہونا بالاتفاق ہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف نہیں کہ اسلام لانے کے بعد ان اعمال کی قضا نہیں کی جائے گی۔ بلکہ ثمرہ اختلاف صرف اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ آیا کفر کے علاوہ ان احکام پر بھی آخرت میں مؤاخذہ ہوگا یا نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ان احکام کو واجب اعتماد نہ کرنے پر تو بالاتفاق مواخذہ ہوگا۔ہاں محض اعمال نہ کرنے پر مواخذہ ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے اور آیت دونوں حضرات کا مستدل بن سکتی ہے۔اور لم نک من المصلین کی یہ توجیہ کرنا کہ لم نک من المعتقدین فرضیة الصوۃ . بطور مجاز ہوگا جو بغیر دلیل ثابت نہیں ہوگا۔

رھینۃ . قاضی فرماتے ہیں کہ رھین بمعنی مرھونۃ ایسا ہی ہے۔جیسے تشیمۃ ، بمعنی شتم ہے۔فعیل بمعنی مفعول نہ کہا جائے کیونکہ وہ مؤنث نہیں آتا۔

اصحاب الیمین . اس کا مصداق بقول حضرت علیؓ مسلمان بچے ہیں۔کیونکہ وہ مکلف نہیں جو اپنے اعمال میں ماخوذ اور گروی ہوں۔

فی جنات . مفسرؒ نے پہلے کائنون سے متعلق محذوف ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے پھر یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہوجائے گا اور جملہ استینافیہ کہلائے گا۔سوال مقدر کا جواب ہے۔ ای ماشانھم ، نیز فی جنات، اصحاب الیمین سے یا یتسائلون کے فاعل سے حال ہو۔جیسا کہ ابوالبقاءؒ کی رائے ہے اور یسائلون کا ظرف بنانا اور بھی بہتر ہے اور تساؤل اہل جنت کا حقیقۃً

باہمی ہوگا اور یتساء لون بمعنی یسئلون غیرہم کہا جائے۔

ماسلککم فی سقر. اہل جنت کا اہل جہنم سے یہ پوچھنا پہلے تساؤل کے علاوہ ہے جو باہمی تھا اس لئے اس آیت اور "فی جنٰت یتساء لون" میں تعارض کا شبہ نہیں رہا مفسر علامؒ "ویقولون لھم الخ" سے اس شبہ کا ازالہ کرر ہے ہیں۔

و کنا. جہنمیوں کی کہانی ان کی اپنی زبانی ہے پہلا جملہ عام اور دوسرا جملہ خاص گمراہی کا بیان ہے۔

فمـا تـنفعھم. اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کے لئے شفاعت نافع ہوگی۔حدیث میں ہے ان مـن امتـی مـن یدخل الـجنة بشفاعت اکثر من ربیعة و مضر. بظاہر شبہ ہوسکتا ہے کہ کلام مقید میں نفی قید کی ہوا کرتی ہے پس معلوم ہوا کہ کفار کے لئے شفاعت ہوگی مگر نافع نہیں ہوگی حالانکہ اہل سنت کا مسلک مطلق شفاعت کی نفی کا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں قید اور مقید دونوں کی نفی مقصود ہے۔ ای لا شفاعة لھم. یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری آیت میں ہے۔ فـمـا لنا من شافعین اور مقصود کفار کے اس قول کا رد کرنا ہے۔ ھـؤ لا ء شـفـعاء نا عند اللہ. نیز اس آیت سے مومنین کے لئے شفاعت کا نافع ہونا اس قاعدہ کی بنیاد پر نہیں ہے کہ کسی چیز پر نص کرنا اس کے خلاف کی نفی پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہاں کفار کی مذمت ہے، اور مذمت مومنین سے فرق کر کے ہوسکتی ہے۔ نیز مومنین کے لئے شفاعت کا مفید ہونا بکثرت آیات وروایات سے بھی ثابت ہے۔ لیکن معتزلہ کے نزدیک فساق مومنین کے لئے رفع درجات اور زیاتی ثواب کی شفاعت تو ہوسکتی ہے مگر عذاب سے بچنے کے لئے شفاعت نہیں۔ چنانچہ صاحب کشافؒ کہتے ہیں کہ اس آیت میں شفاعت کے مفید ہونے کی دلیل ہے یعنی زیادتی درجات کے لئے کیونکہ صغائر معتزلہ کے نزدیک بلا توبہ بھی مطلقاً معاف ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو۔ لیکن کبائر توبہ سے پہلے معاف نہیں ہوسکتے اور توبہ کے بعد شفاعت کی حاجت نہیں رہتی البتہ ثواب زیادہ ہونے کے لئے معتزلہ کا استدلال ان آیات سے ہے۔ لا یـقـبـل مـنـھـا شـفـاعـة ، ما للظالمین من حمیم و لا شفیع یطاع. لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ نصوص عام نہیں کہ تمام افراد اور تمام اقوال واوقات مراد ہوں اور اگر عام ہی مان لیں تو ان سے مراد کفار ہیں تا کہ دونوں قسم کی نصوص جمع ہو جائیں۔

فما لھم عن التذکرہ. اس میں لھم کا تعلق محذوف ہے۔ ای حصل لھم اور اس سے محذوف کی ضمیر مستقر خبر یعنی جار مجرور کی طرف راجع ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب خبر جار مجرور ہوتی ہے تو اس کا متعلق وجوباً محذوف ہوا کرتا ہے اور اس کی جگہ ضمیر لے لیتی ہے اس لئے اس کو ظرف یا جار مجرور مستقر کہا جاتا ہے۔

من قسورہ. بمعنی شیر زمخشریؒ کہتے ہیں کہ قسر سے فعولة کا وزن ہے بمعنی فھد شیر کے معنی منقول ہیں۔ مجاہدؒ، عطاؒ، ابو ہریرہ ابوموسیؓ سے رمـاة کے معنی منقول ہیں۔ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ مـا اعـلـم بـلـغـة احـد من العرب ان القسورة الا سدھم عصبة الرجال.

ربط آیات:......... سورہ مزمل کا مقصود اصل تو آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے اور کفار کو ڈرانا تبعاً تھا۔ سورہ مدثر میں اس کا برعکس ہے۔ اس لئے سورہ مزمل میں زیادہ آیات تسلی کی اور انذار کی کم تھیں اور اس سورۃ میں اس کا عکس ہے۔ سورہ مدثر میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے بالاجمال ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

شان نزول وروایات:......... صحیحین کی روایت میں فترۃ وحی کا حال ان الفاظ میں ہے۔ فبـیـنـا انا امشی سمعت صوتاً مـن الـسـمـاء فاذا لملک الذی جاء نی بحراء قاعد علی کرسی بین السماء و الارض مخففت منه فجئت اھلی

فقلت زملونی زملونی فانزل اللہ یا ایھا المدثر قم فانذر الی قولہ فاھجر ثم حمی الوحی وتتابع۔

اورطبرانی کی روایت ہے۔ ان الولید ابن المغیرۃ صنع لقریش طعاماً فلما اکلو قال ماتقول فی ھذا الرجل فقال بعضھم ساحر و قال بعضھم کاھن وقال بعضھم شاعر فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحزن وقنع راسہ وتدثر فنزل یا ایھا المدثر الی قولہ ولربک فاصبر۔

مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ خود ولید آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کو قرآن سنایا جس سے وہ متاثر ہوا مگر ابوجہل نے ورغلا دیا اور قریش میں تذکرہ ہوا کہ اگر ولید مسلمان ہوگیا تو کام بگڑ جائے گا اس لئے سب جمع ہوئے اور باہمی گفتگو چلی کسی نے آپ کو شاعر کہا، کسی نے کاہن وساحر بتلایا۔ مگر ولید بولا کہ میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سن رکھی ہیں قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت لوگوں نے خود اس کی رائے پوچھی کہنے لگا سوچ لوں چنانچہ سوچ ساچ کر کہنے لگا کہ مجھ کو سحر معلوم ہوتا ہے جس کی تاثیر سے دوستوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے حالانکہ اس سے پہلے سحر کی نفی کر چکا تھا مگر برادری کو خوش کرنے کے بات بنادی ذرنی سے ساصلیہ سقر تک یہی مضمون ہے۔

زہریؒ سے منقول ہے کہ اول ما نزلت سورت اقراء باسم ربک الی ما لم یعلم فحزن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جعل یعلو شراھق الجبل فاتاہ جبریل انک نبی اللہ فرجع الی خدیجۃ وقال دثرونی وصبوا علی ماءً باردًا تنزل یا ایھا المدثر۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ قلنا یا رسول اللہ کیف نقول اذا دخلنا فی الصلوٰۃ فانزل اللہ وربک فکبر فامرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نفتتح الصلوٰۃ بالتکبیر۔ بہرحال اس سورت کی ابتدائی آیات ابتداء نبوت میں نازل ہوئیں۔ اور سورت کا بقیہ حصہ بعد میں نازل ہوا اور اتقان میں ہے کہ سورۂ مدثر کا نزول سورہ مزمل کے بعد ہوا۔ یعنی سورہ مدثر کا بقیہ حصہ سورہ مزمل کے بعد نازل ہوا۔

۳۔ آیت علیھا تسعۃ عشر جب نازل ہوئی تو ابوالاشد بولا کہ اے قریش! تم گھبرانا نہیں میں دس فرشتوں کو داہنے ہاتھ کے اور نو کو بائیں ہاتھ کے دھکے سے گرادوں گا اور ابوجہل نے تو یہاں تک بڑ لگائی کہ کل انیس فرشتے ہی تو ہیں اور تم بہت ہو۔ کیا دس دس آدمی مل کر بھی ایک ایک فرشتے کو کافی نہیں ہوں گے اس پر وما جعلنا اصحب النار الخ نازل ہوئی۔

لیستیقن الذین ترمذی نے جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ بعض یہود نے بعض صحابہؓ سے دریافت کیا۔ ھل تعلم نبیکم عدد خزنۃ جھنم؟ قالوا لاندری حتی نسالہ فجاء وا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا کم عدد خزنۃ جھنم؟ قال تسعۃ عشر. آیت ''ان یوتی صحفا منشرۃ'' کے متعلق قتادہؓ نے فرمایا کہ قال قائلون من الناس للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سرک ان تبایعک فاتنا بکتاب خاصۃ یا مرنا باتباعک۔ اسی طرح ھو اھل التقوی واھل المغفرۃ کے متعلق حدیث میں ہے۔ یقول اللہ تعالیٰ انا اھل ان اتقی فمن اتقی ان یشرک بی غیری فانا اھل ان اغفر لہ۔

﴿تشریح﴾: ......قم فانذر. یعنی وحی کے بوجھ اور فرشتے کی ہیبت سے گھبرایئے نہیں بلکہ منصب نبوت کی ذمہ داری سنبھالئے اور راحت وآرام سب چھوڑ کر لوگوں کو کفر ومعصیت کے انجام بد سے ڈرائیں۔ ابتداء نبوت میں چونکہ ایک آدھ ہی مسلمان تھے اس لئے ڈرانے پر اکتفا کیا گیا اور بشارت کا ذکر نہیں فرمایا۔ وربک فکبر. اللہ کی بڑائی بولنے ہی سے دوسروں کے دل میں اس کی عظمت وبزرگی اور خوف پیدا ہوسکتا ہے۔ بلکہ تمام اعمال واخلاق سے پہلے اللہ کی تعظیم وتقدیس کی معرفت ہے۔ غرض کہ اللہ کے کمالات

اور انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز کے اندر اور باہر اس کی کبریائی کا اعلان واظہار تمہارا کام ہے۔

کپڑوں اور نفس کی صفائی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے:............**وثیابك فطهر**. یعنی دعوت توحید کے بعد نماز کا نمبر آتا ہے اس کے لئے کپڑوں کی پاکی شرط ہے اور جب کپڑوں کی پاکی ضروری ہوگی تو بدن کی طہارت بدرجہ اولی ضروری ہوگی۔ اس لئے اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی بعض اہل علم نے اس سے نفس کی صفائی مراد لی ہے کہ گندے اخلاق سے ان کو بچاؤ اور بت پرستی سے الگ رکھو۔ حاصل یہ کہ ظاہری وباطنی، حسی ومعنوی ہر قسم کی آلودگیوں سے مکمل پرہیز رکھو۔ اس کے بغیر اللہ کی بڑائی اس کے شایان شان دلنشین نہیں ہوسکتی۔ ان آیات میں خطاب اگرچہ خاص ہے مگر احکام عام ہیں۔

ولا تمنن تستكثر. اس میں اولوالعزمی اور مکارم اخلاق کی تعلیم ہے کہ دوسروں پر خرچ کرنا بدلہ کی نیت سے نہیں ہونا چاہئے بلکہ عالی ظرفی کے تقاضہ سے دوسروں پر دادودہش ہونی چاہئے اس کی مختلف تفسیریں اور بھی کی گئیں مگر یہ تشریح بے تکلف معلوم ہوتی ہے۔

ولربك فاصبر. یعنی دعوت وتبلیغ کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر صبر وبرداشت سے کام لیجئے اس طرح ان آیات میں اپنی اور دوسروں کی اصلاح آگئی۔

آگے **فاذ انقر** سے نہ ماننے والوں کے لئے وعید ہے صور پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا مگر صرف نافرمانوں کے حق میں، لیکن فرمانبردار اس کی سختیوں سے محفوظ رہیں گے۔

ذرني ومن خلقت. یوں تو ہر انسان اپنی ماں کے پیٹ سے اکیلا اور خالی ہاتھ آتا ہے کوئی ساز وسامان لے کر نہیں آتا۔ لیکن یہاں ولید بن مغیرہ مراد ہے جو اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیاوی ثروت کے لحاظ سے بھی وہ عرب میں یکتا شمار کیا جاتا تھا حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے سرکشوں کے بارے میں جلدی نہ کیجئے اور نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگ دل ہوجیئے۔ بلکہ انہیں ہمارے حوالہ کیجئے ہم ان کی خاطر خواہ مزاج پرسی کردیں گے۔ آپ اس غم میں نہ پڑیئے۔

لالچی کی نیت کبھی نہیں بھرتی:............**وبنين شهودا**. یعنی انتہائی مالدار ہونے کی وجہ سے اس کے دسوں بیٹے ہر وقت نظروں کے سامنے رہتے محفلوں اور مجمعوں میں بلائے جاتے اور زینت محفل بنتے تھے کام کاج کے لئے نوکر چاکر آگے رہتے۔ ان کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور اتنا کچھ دینے پر بھی اس کی طمع پوری نہیں ہوتی تھی بلکہ اور مال ودولت بٹورنے کی فکر میں رہتا۔ یا آنحضرت ﷺ جب کبھی بہشت کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے تو کہنے لگتا کہ اگر یہ صحیح ہے تو یقین ہے کہ مجھے بھی یہ نعمتیں ضرور ملیں گی غرض کہ موجودہ نعمتوں کا حق تو کیا ادا کرتا بڑھوتری کی فکر میں رہتا ہے۔

كلا انه كان لأيتنا. یعنی جب وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی خیالی جنت بسائے چنانچہ اس کے بعد جو پھر دیوالیہ ہونا شروع ہوا تو بڑی ذلت وفقر کی حالت میں جان دی۔

سارهقه۔ یعنی سخت ترین مصائب میں گرفتار ہوگا یا دوزخ کے پہاڑ پر چڑھائے اور گرائے جائیں گے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہوگی۔

ولید پلید کی خباثتیں:............**انه فكر**. ایک مرتبہ ولید آنحضرت ﷺ کا قرآن سن کر متاثر ہوا مگر قریش میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہوگیا تو بڑی خرابی کی بات ہوگی۔ سب جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق تبصرے ہوئے۔ کسی نے

آپ کو شاعر، کسی نے کاہن کہا مگر ولید نے یہ کہہ کر تردید کر دی کہ میں خود شعر اور کہانت سے واقف ہوں۔قرآن نہ شعر ہے اور نہ کہانت۔لوگوں نے کہا کہ آخر پھر تیری کیا رائے ہے؟ کہنے لگا کہ ذرا سوچ لوں پھر کچھ منہ بنا کر کہنے لگا کہ جادو معلوم ہوتا ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔حالانکہ پہلے جادو ہونے کی تردید بھی کر چکا تھا۔بلکہ کلام الٰہی ہونے کا اقرار کر چکا تھا مگر اب برادری کو خوش کرنے کے لئے یہ بات بنادی۔یعنی ولید پلید نے سوچ کر ایک بات گھڑلی کہ قرآن جادو ہے خدا غارت کرے کیسی لغو بات کہی اور خدا غارت کرے کہ لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے بروقت کیسی بڑہانک دی کہ سن کر سب خوش ہو جائیں۔الفاظ کے دہرانے میں یہ نہ کفر ہے کہ قرآن کو جادو کہنا بے تکا پن ہے۔کیونکہ جادو ظاہر امور عادیہ میں سے ہونے کی وجہ سے خاص ایک حد تک اس کا اثر رہتا ہے۔لیکن اس میں طاقت نہیں ہوتی کہ حاضرین کے علاوہ سارے غائبین پر بھی اثر انداز ہو جائے اور ماضی و مستقبل دونوں اس طرح اس کے زیر اثر آ جائیں کہ نہ پہلے اس جیسا کوئی کلام لا سکا اور نہ آئندہ اس جیسا کوئی کلام لا سکے گا اور جھوٹ سے کسی میں ایسا دعوے کرنے کی ہمت و جرأت نہیں ہوتی اور بالفرض کوئی کر بھی لے تو جلد ہی اس کی قلعی کھل جائے گی اور لوگ تکذیب کر دیں گے اس لئے اس مہمل تجویز کو ن نہایت تعجب خیز فرمایا۔

قرآن کی ہر زمانہ میں غیر معمولی تاثیر اس کے جادو ہونے کی تردید کرتی ہے:

..........ان ھذا الا قول البشر. یعنی ولید نے مجمع پر نگاہ ڈالی اور خوب سامنہ بنایا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ قرآن کو ناپسند کرتا ہے پھر پیٹھ بھی پھیر لی تا کہ دیکھنے والوں کو یقین ہو جائے کہ اسے قرآن سے نفرت ہے اور وہ دل سے قرآن کو جادو بتا رہا ہے۔چنانچہ نہایت تکبر آمیز انداز میں بولا کہ بس یہ قرآن ایک جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور انسانی کلام ہے۔جس سے دوستوں عزیزوں میں تفریق ہو جاتی ہے۔

ساصلیہ سقر. یہاں سے ولید کی اخروی سزا کا بیان ہے۔یعنی عنقریب ہم اس کو جہنم رسید کر کے تکبر کا مزہ چکھائیں گے وہاں دوزخیوں کی کوئی چیز بھی صحیح سلامت نہیں بچے گی سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا اور پھر بدن کی کھال دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آ جائے گی پھر اس کو جلایا جائے گا اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا ان آیات کی تفسیر اور طرح بھی کی گئی ہے۔مگر سلف سے اسی طرح منقول ہے۔اور "لواحة للبشر" کا مطلب یہ ہے کہ بدن کی کھال آگ میں جھلس کر حیثیت بگاڑ دے گی۔حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جیسے دہکتا ہوا لوہا سرخ نظر آتا ہے آدمی کی پنڈلی پر کھال سرخ نظر آئے گی۔

دوزخ میں انیس ۱۹ فرشتے کیوں مقرر ہیں؟:

..........علیھا تسعة عشر. دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کی ایک بھاری جماعت مقرر ہو گی انیس فرشتے خازن اور افسر ہوں گے اور افسر اعلیٰ مالک کہلائیں گے یوں تو ایک فرشتہ بھی اپنی غیر معمولی طاقت وقوت کے بل پر بہت کچھ کر سکتا ہے۔لیکن اپنے مقررہ دائرہ میں رہ کر ہی اس کی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔حضرت عزرائیل لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جان، آن واحد میں لے سکتے ہیں مگر ایک بچے میں جان نہیں ڈال سکتے۔حضرت جبرائیل پلک جھپکنے پر وحی لا سکتے ہیں مگر بارش کا ایک قطرہ نہیں برسا سکتے۔حق تعالیٰ نے جس طرح جسم انسانی میں ہر عضو سے ایک کام مقرر کیا ہے۔آنکھ سننے اور سونگھنے اور کان دیکھنے اور بولنے کا کام نہیں کر سکتے۔ہاتھ پاؤں سونگھنے کا کام نہیں کر سکتے۔اسی طرح حق تعالیٰ نے دوزخیوں کے لئے طرح طرح کے عذاب مقرر کئے وہ سب ایک ہی فرشتہ سے متعلق نہیں کئے جا سکتے بلکہ ہر فرشتہ سے متعلق عذاب کی ایک خاص نوع ہو گی اور عذاب کی انیس قسمیں کیا ہیں جن پر انیس فرشتے مامور ہو گئے اور اتنی ہی تعداد کیوں رکھی گئی۔اس پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عمیق ولطیف کلام فرمایا ہے اور حضرت تھانویؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کفار کو اصل عذاب عقائد حقہ کی مخالفت پر ہو گا جن میں سے عقائد قطعیہ نو ہیں:۔

۱۔ اللہ پر ایمان لانا۔ ۲۔ عالم کو حادث ماننا۔ ۳۔ فرشتوں کو ماننا۔ ۴۔ آسمانی کتابوں کو ماننا۔ ۵۔ پچھلے پیغمبروں کو ماننا۔ ۶۔ تقدیر کو برحق ماننا۔ ۷۔ قیامت۔ ۸۔ جنت۔ ۹۔ جہنم کا یقین رکھنا۔ باقی عقائد انہی کی طرف راجع ہیں اور یہ وہ عقائد ہیں جن سے عملیات کا تعلق نہیں۔ لیکن جن عقائد کا تعلق اعمال سے ہے وہ دس ہیں۔ پانچ کا تعلق مامورات سے اور پانچ کا منہیات سے ہے۔ مامورات کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ ان کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ وہ شعائر اسلام یہ ہیں:۔

۱۔ کلمہ شہادت کا اقرار کرنا۔ ۲۔ نمازوں کی اقامت۔ ۳۔ ایتائے زکوۃ۔ ۴۔ رمضان کے روزے۔ ۵۔ حج بیت اللہ۔ اور پانچ عقائد کا تعلق منہیات سے ہے یعنی ان کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے:۔

۱۔ کفریات۔ ۲۔ قتل بالخصوص قتل اولاد۔ بہتان۔ ۳۔ زنا۔ ۴۔ چوری۔ ۵۔ عصیان فی المعروف۔ جس میں غیبت، ظلم، یتیموں کا مال چھین لینا وغیرہ سب آ گیا۔ اس طرح یہ مجموعہ عقائد انیس ہو گئے۔ پس ممکن ہے ایک ایک عقیدہ پر ایک ایک فرشتہ مقرر ہو اور ان سب میں بڑا عقیدہ توحید ہے اس پر مامور فرشتہ بھی سب سے بڑا یعنی مالک ہوگا۔

دوزخ پر مامور انیس فرشتوں کی حکمت:......... وما جعلنا عدتهم. خازنین جہنم، کے انیس ہونے کو سن کر کافر ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں یہ انیس ہمارا کیا کرلیں گے۔ بہت سے بہت یہ ہوگا کہ ہر فرشتہ کے مقابلہ میں دس دس جٹ جائیں گے۔ ایک پہلوان نے ڈینگ ماری کہ سترہ کو تو اکیلا میں ہی کافی ہوں، دو کا تم مل کر صفایا کر دینا۔ اس آیت کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ وہ انیس ہیں مگر یہ دھیان رہے کہ آدمی نہیں بلکہ وہ فرشتے ہیں جن کی قوت وطاقت معلوم۔ پھر اس طرح کے تمسخر کا کیا موقعہ! بلکہ اس طرح تعداد میں منکروں کی جانچ کرنی ہے کہ دیکھیں کون سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی ٹھٹھا کرتا ہے۔ اور اس تعداد میں یہ بھی حکمت ہے کہ اہل کتاب کو قرآن کی حقانیت کا یقین ہو جائے گا کہ یہی تعداد صحیح اور واقعہ کے اور آسمانی کتابوں کے عین مطابق ہے اور یہ دیکھ کر پھر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو ان کے بیان میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا اور نہ وہ مشرکین کے تمسخر سے دھوکہ میں پڑیں گے۔

اہل کتاب کے یقین کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی کتابوں میں بھی یہی عدد لکھا ہوگا اس لئے فوراً مان لیں گے اب اگر ان کی کتابوں میں یہ عدد نہ ہو تو ممکن ہے ان کی کتابیں ضائع ہونے سے اس عدد کا ذکر بھی ضائع ہو گیا ہو۔ اور دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ عدد تو ان کی کتابوں میں نہ ہو لیکن وہ فرشتوں کی غیر معمولی قوت کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے اور امور توقیفیہ بھی ان کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اس لئے ان کے پاس انکار کا کوئی مبنیٰ نہیں تھا۔ پس آیت میں لفظ استیقان سے مراد انکار واستہزاء نہ کرنا ہوگا۔ تاہم پہلی توجیہ ظاہر ہے۔

ایمان میں زیادتی وکمی:......... اسی طرح اہل ایمان کے ایمان میں زیادتی کی بھی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اہل کتاب کے یقین کو دیکھ کر کیفیت کے لحاظ سے ان کا ایمان بھی قوی ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ باوجود یہ کہ اہل کتاب سے ملتے جلتے نہیں۔ مگر پھر بھی آپ کی وحی پچھلے انبیاء کے موافق ہے اس لئے ضرور آپ بھی برحق نبی ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہوگی کہ جب کوئی نیا مضمون آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتا تھا اور مسلمان اس کی تصدیق کرتے تھے تو اس صورت میں بلحاظ کمیت بھی ایمان میں اضافہ ہوتا تھا اور یقین کے اثبات اور شک کی نفی میں اگرچہ باہمی تلازم ہے۔ تاہم تاکید کے لئے لایرتاب بڑھا دیا۔ تاکہ دونوں باتوں کی تصریح ہو جائے۔

في قلوبهم مرض. مرض سے مراد شک وشبہ ہے۔ یعنی حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی بعض تو منکر ہو جاتے ہیں اور بعض متذبذب ومتردد ہو جاتے ہیں۔ اور مکہ میں لوگ ایسے ہوں گے اور مرض سے نفاق بھی مراد ہو سکتا ہے اس صورت میں یہ ایک طرح کی پیشین

گوئی ہوگی کہ دیکھو آگے چل کر مدینہ میں منافقین ہوں اور یہ بات کہیں گے۔ مومنین اور اہل کتاب کے شک اور اس کی نفی کو الگ الگ بیان فرمایا گیا دونوں کو یک جان نہیں کیا گیا کیونکہ مومنین کا یقین، اور شک کی نفی تو شرعی مراد ہے اور اہل کتاب کا یقین اور شک کی نفی لغوی ہے۔

ماذا اراد اللہ ۔ دوزخ کے داروغہ انیس ہوں یہ بے تکی بات بھلا اللہ کیوں کرتا! معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کی طبعزاد باتیں ہیں۔ جواب میں فرماتے ہیں۔

حاکمانہ جواب:......... کذلک یضل اللہ ۔ یعنی ایک ہی چیز ہوتی ہے جس سے بد استعداد گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور سلیم الفطرت انسان فلاح یاب اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ جس کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے اور اسے توفیق نصیب ہوتی ہے اس کے تو ایمان ویقین میں ترقی ہوتی ہے اور جسے ماننا ہی نہ ہو وہ کام کی بات کو بھی ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔ یوں تو اللہ کے بے شمار فرشتوں کے لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے۔ انیس فرشتے تو افسر اعلیٰ ہوں گے۔ لیکن ان کے ساتھ اعوان وانصار کا عملہ کتنا ہوگا؟

مسلم کی روایت ہے کہ جہنم کے ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے تھامے ہوں گے اور پھر مقصود اصلی لوگوں کی عبرت ونصیحت کے لئے دوزخ کا حال بیان کرنا ہے۔ فرشتوں کی کمی زیادتی یا اس کی حکمت کے بیان کرنے نہ کرنے پر وہ موقوف نہیں ہے پس عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ زوائد پر نظر نہ کرتے ہوئے مقصود اصلی پر نظر رکھی جائے تاکہ لوگ غضب الٰہی سے ڈر کر نافرمانی سے باز رہیں۔

آگے کلا والقمر سے قسموں سے کلام کو مؤکد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت میں جو بڑی بڑی ہولناک چیزیں پیش آنے والی ہیں دوزخ ان میں سے ایک مصیبت ہوگی اور چونکہ اس ڈرانے کا انجام قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اس لئے ایسی چیزوں کی قسم کھائی گئی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہیں۔ چنانچہ چاند کا بڑھنا پھر گھٹنا، اس دنیا کی نشو ونما کا ایک نمونہ ہے اور اس کے آہستہ آہستہ ختم ہو جانے کا یہاں تک کہ چاند کے محاق کی طرف یہ عالم بھی فانی محض ہو جائے گا۔ اسی طرح اس دنیا کو آخرت کے ساتھ حقائق کے منور ومنکشف ہونے میں ایسی ہی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ گویا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گزر جانے اور اس عالم آخرت کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے۔

مقربین اور اصحاب الیمین:......... الا اصحاب الیمین. اصحاب الیمین کی تشریح سورہ واقعہ میں گزر چکی ہے۔ البتہ اصحاب الشمال کے مقابل ایسا مفہوم مراد ہے جس میں مقربین بھی شامل ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ مومنین دوزخ کے حبس سے محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ روز الست بھی وہ حضرت آدمؑ کی پشت کی داہنی جانب سے نکلے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور پھر حشر کے موقف میں بھی عرش کے داہنی سمت بہشت بریں میں کھڑے ہوں گے اور اعمالنامہ بھی ان کا داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ لوگ جنت کے باغات میں آزادی اور خوش عیشی سے رہیں گے آرام اور بے فکری کی فضا میں آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گنہگاروں کا حال دریافت کریں گے اور پھر معلوم ہونے پر خود گنہگاروں سے براہ راست مخاطب ہوں گے کہ میاں دنیا میں اتنے کامیاب ہوتے ہوئے یہاں دوزخ میں کیسے آپڑے۔ وہ دنیا کا اپنا حال بیان کریں گے کہ ہم نے اللہ کا حق پہچانا، نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بری صحبتوں میں رہ کر شبہات کے دلدل میں دھنستے چلے گئے اور سب سے بڑی کمبختی یہ ہوئی کہ ہمیں یقین نہیں ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنے والا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کئے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی۔ یہاں آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین ہو گیا جن کو جھٹلایا کرتے تھی یعنی دنیا میں مرتے دم تک نافرمانی سے باز نہ آئے اور اسی حالت میں جان دی اس لئے دوزخ میں آنا پڑا۔

کفار کیا فرعی احکام کے مکلّف ہیں:............ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہورہا ہے کہ کفار مکلّف بالفروع ہیں کیونکہ سقر میں دو چیزیں ہوں گی۔ایک عذاب دوسرے عذاب کی زیادتی۔پس ممکن ہے ان اعمال کا مجموعہ عذاب اور زیادتی عذاب کے مجموعہ کا سبب اس طرح ہو کہ کفر وانکار تو نفس عذاب کا سبب ہو اور نماز وغیرہ اعمال سبب ہوں زیادتی عذاب کے اور غیر مکلّف بالفرع ہونے کے معنی یہ ہوں کہ ان فروع پر نفس عذاب نہیں ہوگا۔البتہ عذاب کی زیادتی اس لئے ہوگی کہ آخر اصول کے ضمن میں ان فروع کے بھی تو مکلف تھے۔پس ضمنی تکلیف زیادتی کا سبب ہوئی۔

فما تنفعهم شفاعة الشافعين . کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کرے گا اور کرے گا تو قبول نہیں ہوگی ان بدنصیبوں کو دیکھو کہ مصیبتیں سامنے ہیں مگر نصیحت سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔بلکہ نصیحت سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور حق کا شور وغل اور شیران خدا کی آوازیں سن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں گدھا اول تو حماقت وبلادت میں مشہور ہے۔دوسرے شہری گدھا نہیں بلکہ جنگلی گدھا فرض کیا گیا جس کو گورخر کہتے ہیں۔وہ تو خواہ مخواہ ہی بدکتا رہتا ہے۔تیسرے کہیں شیر سے اگر اس کا پالا پڑ جائے تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے۔

سخن سازی بہانہ بازی:............ **بل يريد** . پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے۔بلکہ ہر شخص کی آرزو یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے کھلے ہوئے صحیفے اتریں اور انہیں پیغمبر بنا دیا جائے یا پیغمبر کے اتباع کا حکم دیا جائے۔**حتى نوتى مثل ما اوتى رسل الله حتى تنزل علينا كتا بانقرؤه** ۔آگے جواب میں فرماتے ہیں۔**كلا الخ** ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔اول تو ان کی درخواستیں بے تکی اور بے ہودہ اور پھر مقصد بھی نہیں کہ اس کے بعد مان جائیں گے۔بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب آخرت سے ڈرتے نہیں اور نہ ان میں حق کی طلب ہے۔بس یہ درخواست بھی محض تعنت کے طور پر ہے رہا ہر ایک کی مستقل کتاب کے لئے فرمائش ہو یہ بھی دفع الوقتی ہے۔ورنہ ایک کتاب قرآن ہی سب کے لئے کافی ہے۔قرآن اگرچہ ایک پر اترا،مگر کام تو سب کے آتا ہے اللہ کی یاد،اللہ کی مشیت اور توفیق کے تابع ہے اور مشیت اس کی حکمت کے تابع ہے اور حکمت کا احاطہ کوئی کر نہیں سکتا۔اللہ ہی سب کی صلاحیت اور لیاقت سے واقف ہے۔اسی کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

هو اهل التقوىٰ . انسان خواہ کتنا ہی گناہ کرے گا لیکن جب اللہ سے ڈرے گا اور تقویٰ کی راہ پر چلے گا تو اللہ بھی توبہ قبول کرلے گا اور سب گناہ بخش دے گا۔انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر اس آیت کی تلاوت کے بعد بطور وضاحت یہ عبارت ارشاد فرمائی۔**قال ربكم عزو جل انا اهل ان تقى فلا يشرک بى شئى فاذا اتقانى العبد فانا اهل ان اغفرله** . اے اللہ! ہم سب کے گناہ معاف فرما۔

لطائف سلوک:............ **ولا تمنن تستكثر** . روح المعانی میں بعض کی تفسیر نقل کی ہے کہ آپ کسی سے زیادہ کمانے کی نیت سے کچھ عطا مت کیجئے اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اپنے دیئے ہوئے کو زیادہ مت سمجھو اور بعض نے کہا ہے کہ اپنی نیکیوں کو زیادہ سمجھ کر مت جتلاؤ۔ان سب صورتوں میں اخلاق وطریق کی تعلیم ہے۔

فما لهم عن التذكرة . ان آیات میں کاملین کی پیروی سے عار کرنے اور اپنے نفس کے لئے احوال وواردات کی توقع رکھنے کی مذمت ہے۔

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ زَائِدَةٌ فِي الْمَوْضَعَيْنِ **اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾** الَّتِي تَلُوْمُ نَفْسَهَا وَاِنِ اجْتَهَدَتْ فِي الْاِحْسَانِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اَيْ لَتُبْعَثُنَّ دَلَّ عَلَيْهِ **اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ** اَيِ الْكَافِرُ **اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾** لِلْبَعْثِ وَالْاِحْيَاءِ **بَلٰى** نَجْمَعُهَا **قٰدِرِيْنَ** مَعَ جَمْعِهَا **عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾** وَهُوَ الْاَصَابِعُ اَيْ نُعِيْدُ عِظَامَهَا كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكَبِيْرَةِ **بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ** اللَّامُ زَائِدَةٌ وَنَصْبُهٗ بِاَنْ مُقَدَّرَةٍ اَيْ اَنْ يُّكَذِّبَ **اَمَامَهٗ ﴿۵﴾** اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ دَلَّ عَلَيْهِ **يَسْئَلُ اَيَّانَ** مَتٰى **يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾** سُوَالُ اسْتِهْزَاءٍ وَتَكْذِيْبٍ **فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾** بِكَسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا دَهِشَ وَتَحَيَّرَ لِمَا رَاٰى مِمَّا كَانَ يُكَذِّبُ بِهٖ **وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾** اَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْءُهٗ **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾** فَطَلَعَا مِنَ الْمَغْرِبِ اَوْ ذَهَبَ ضَوْءُهُمَا وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾** الْفِرَارُ **كَلَّا** رَدْعٌ عَنْ طَلَبِ الْفِرَارِ **لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾** لَا مَلْجَاَ يُتَحَصَّنُ بِهٖ **اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ن الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾** مُسْتَقَرُّ الْخَلَائِقِ فَيُحَاسَبُوْنَ وَيُجَازُوْنَ **يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ م بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾** بِاَوَّلِ عَمَلِهٖ وَاٰخِرِهٖ **بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾** شَاهِدٌ تَنْطِقُ جَوَارِحُهٗ بِعَمَلِهٖ وَالْهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ فَلَابُدَّ مِنْ جَزَائِهٖ **وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾** جَمْعُ مَعْذِرَةٍ عَلٰى غَيْرِ قِيَاسٍ اَيْ لَوْ جَاءَ بِكُلِّ مَعْذِرَةٍ مَّا قُبِلَتْ مِنْهُ قَالَ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ **لَا تُحَرِّكْ بِهٖ** بِالْقُرْاٰنِ قَبْلَ فَرَاغِ جِبْرَئِيْلَ مِنْهُ **لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾** خَوْفَ اَنْ يَّنْفَلِتَ مِنْكَ **اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ** فِيْ صَدْرِكَ **وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾** قِرَاءَتَكَ اِيَّاهُ اَيْ جَرَيَانَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ **فَاِذَا قَرَاْنٰهُ** عَلَيْكَ بِقِرَاءَةِ جِبْرَئِيْلَ **فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾** اِسْتَمِعْ قِرَاءَتَهٗ فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ ثُمَّ يَقْرَاُ **ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا**

بَيَانَهٗ ﴿۲۰﴾ بِالتَّفْهِيْمِ لَكَ وَالْمُنَاسَبَةُ بَيْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَمَاقَبْلَهَا اَنَّ تِلْكَ تَضَمَّنَتِ الْاِعْرَاضَ عَنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذِهٖ تَضَمَّنَتِ الْمُبَادَرَةَ اِلَيْهَا بِحِفْظِهَا **كَلَّا** اِسْتِفْتَاحٌ بِمَعْنٰى اَلَا **بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ** ﴿۲۱﴾ الدُّنْيَا بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ **وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ** ﴿۲۱﴾ فَلَا تَعْمَلُوْنَ لَهَا **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ** اَيْ فِيْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ **نَّاضِرَةٌ** ﴿۲۲﴾ حَسَنَةٌ مُّضِيْئَةٌ **اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ** ﴿۲۳﴾ **وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ** ﴿۲۴﴾ كَالِحَةٌ شَدِيْدَةُ الْعُبُوْسِ **تَظُنُّ** تُوْقِنُ **اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ** ﴿۲۵﴾ دَاهِيَةٌ عَظِيْمَةٌ تَكْسِرُ فَقَارَ الظَّهْرِ **كَلَّآ** بِمَعْنٰى اَلَا **اِذَا بَلَغَتِ** النَّفْسُ **التَّرَاقِيَ** ﴿۲۶﴾ عِظَامَ الْحَلْقِ **وَقِيْلَ** قَالَ مَنْ حَوْلَهٗ **مَنْ رَاقٍ** ﴿۲۷﴾ يُرْقِيْهِ لِيَشْفٰى **وَّظَنَّ** اَيْقَنَ مَنْ بَلَغَتْ نَفْسُهٗ ذٰلِكَ **اَنَّهُ الْفِرَاقُ** ﴿۲۸﴾ فِرَاقُ الدُّنْيَا **وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ** ﴿۲۹﴾ اَيْ اِحْدٰى سَاقَيْهِ بِالْاُخْرٰى عِنْدَ الْمَوْتِ اَوِ الْتَفَّتْ شِدَّةُ فِرَاقِ الدُّنْيَا بِشِدَّةِ اِقْبَالِ الْاٰخِرَةِ **اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ** ﴿۳۰﴾ اَيِ السَّوْقُ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى الْعَامِلِ فِيْ اِذَا الْمَعْنٰى اِذَا بَلَغَتِ النَّفْسُ الْحُلْقُوْمَ تُسَاقُ اِلٰى حُكْمِ رَبِّهَا **فَلَا صَدَّقَ** الْاِنْسَانُ **وَلَا صَلّٰى** ﴿۳۱﴾ اَيْ لَمْ يُصَدِّقْ وَلَمْ يُصَلِّ **وَلٰكِنْ كَذَّبَ** بِالْقُرْاٰنِ **وَتَوَلّٰى** ﴿۳۲﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ **ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى** ﴿۳۳﴾ يَتَبَخْتَرُ فِيْ مَشْيَتِهٖ اِعْجَابًا **اَوْلٰى لَكَ** فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْكَلِمَةُ اِسْمُ فِعْلٍ وَاللَّامُ لِلتَّبْيِيْنِ اَيْ وَلِيَكَ مَاتَكْرَهُ **فَاَوْلٰى** ﴿۳۴﴾ اَيْ فَهُوَ اَوْلٰى بِكَ مِنْ غَيْرِكَ **ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى** ﴿۳۵﴾ تَاكِيْدٌ **اَيَحْسَبُ** يَظُنُّ **الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى** ﴿۳۶﴾ هَمَلًا لَا يُكَلَّفُ بِالشَّرَائِعِ اَيْ لَا يَحْسَبُ ذٰلِكَ **اَلَمْ يَكُ** اَيْ كَانَ **نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى** ﴿۳۷﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ **ثُمَّ كَانَ** الْمَنِيُّ **عَلَقَةً فَخَلَقَ** اللّٰهُ مِنْهَا الْاِنْسَانَ **فَسَوّٰى** ﴿۳۸﴾ عَدَّلَ اَعْضَاءَهٗ **فَجَعَلَ مِنْهُ** مِنَ الْمَنِيِّ الَّذِيْ صَارَ عَلَقَةً اَيْ قِطْعَةَ دَمٍ ثُمَّ مُضْغَةً اَيْ قِطْعَةَ لَحْمٍ **الزَّوْجَيْنِ** النَّوْعَيْنِ **الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى** ﴿۳۹﴾ يَجْتَمِعَانِ تَارَةً وَيَنْفَرِدُ كُلٌّ مِنْهُمَا عَنِ الْاٰخَرِ تَارَةً **اَلَيْسَ ذٰلِكَ** الْفَعَّالُ لِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ **بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى** ﴿۴۰﴾ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلٰى

ترجمہ: ....سورہ قیامہ مکیہ ہے۔ اس میں چالیس آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحیم الرحیم۔

(دونوں جگہ لا زائد ہے) میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے (باوجود نیکی میں بے حد کوشش کرنے کے پھر خود کو ملامت کرتا ہے۔ جواب قسم محذوف ہے۔ یعنی "لتبعثن" جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) کیا انسان (کافر) کا گمان یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں قطعاً جمع نہیں کریں گے (دوبارہ زندہ کرنے اور جانے کے لئے) کیوں نہیں (ہم ضرور جمع کریں گے) کیونکہ ہم (ہڈیوں کو جمع کرنے کے ساتھ) اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلی کے پوروں تک جمع کر دیں (یعنی جب پوروں کی ہڈیاں ہم ٹھیک ٹھاک کر دیں گے تو بڑی کیسے نہیں کریں گے) بلکہ بعض دفعہ آدمی یوں چاہتا ہے کہ گناہ کرتا رہے (لام زائد ہے

اوران مقدر کے ذریعہ منسوب ہے۔ تقدیر عبارت ان یکذب ہے) اپنی آئندہ زندگی میں بھی (مراد قیامت ہے جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا (ہنسی مذاق اور انکار کے طریقہ پر) سو جب آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی (برق راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، جس چیز کو جھٹلایا تھا اس کو سامنے دیکھ کر ہکابکا رہ جائے گا) اور چاند بے نور ہو جائے گا (اندھیرا ہو جائے گا، روشنی چلی جائے گی) اور سورج اور چاند ایک طرح کے ہو جائیں گے (چنانچہ پچھم سے نکلیں گے یا دونوں میں روشنی نہیں رہے گی اور یہ قیامت کے روز ہوگا) اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر جاؤں (بھاگوں) ہرگز نہیں۔ (نکل بھاگنے کی جستجو پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے (بچ نکلنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے) صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی اس دن ٹھکانا ہے (مخلوق حساب کتاب کے لئے پیش ہوگی) اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا (اعمال کا شروع آخر) جتلا دیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا (اس کے کام کی گواہی خود اس کے اعضاء دیں گے۔ بصیرۃ میں ۃ مبالغہ کے لئے ہے۔ بہر حال عمل کا بدلہ ضرور ہوگا) اگر چہ وہ اپنے حیلے بہانے کرے گا (معاذیر معذرت کی جمع ہے خلاف قیاس یعنی پورا حیلہ بھی کرے گا تب بھی کچھ کارگر نہیں ہوگا۔ حق تعالیٰ پیغمبر سے ارشاد فرماتے ہیں) اے پیغمبر! آپ نہ ہلایا کیجئے (جبرائیل کے قرآن سنانے سے پہلے) اپنی زبان قرآن کو جلدی لینے کے لئے (اس ڈر سے کہ کہیں قرآن چھوٹ نہ جائے) یقیناً ہمارے ذمہ ہے (آپ کے سینہ میں) اس کو جمع کر دینا اور اس کو پڑھوا دینا (آپ کو اس کی قرأت آپ کی زبان پر جاری کر کے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (آپ کے سامنے جبرائیل سے پڑھوا کر) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے (یعنی جبرائیل کی قراءت سنا کیجئے۔ چنانچہ پہلے حضور ﷺ سنتے تھے پھر خود پڑھتے تھے) پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ (آپ ﷺ کو سمجھا دینا اور پچھلی آیت اور اس آیت میں مناسبت یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کی آیات سے اعراض تھا اور اس آیت میں ان کو حفظ کر کے شوق ظاہر کرنا ہے۔ اے منکرو! ہرگز نہیں (کلا بمعنی الا کلمہ استفتاح ہے) بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو (دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ ہے) اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو (اس کے لئے کام نہیں کرتے) بہت سے چہرے اس روز (قیامت میں) تروتازہ (بارونق) ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بے رونق (پیلے بے حد پژمردہ) ہوں گے۔ گمان (یقین) کر رہے ہوں گے ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (سخت جھٹکے کا جس سے کمر کا منکا ٹوٹ کر رہ جائے گا) ہرگز ایسا نہیں (کلا بمعنی الا) جب جان ہنسلی (حلق کی ہڈی) تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے (ارد گرد لوگ کہتے ہیں) کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے (کہ جس کے جھاڑنے سے شفا ہو جائے) اور وہ گمان کر لیتا ہے (جس کا سانس ہنسلی تک آ جائے وہ یقین کر لیتا ہے) کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے (دنیا سے رخصت ہونا ہے) اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے (جان نکلتے وقت پنڈلی ایک دوسری پر چڑھتی ہے۔ یا دنیا سے روانگی اور آخرت کی آمد کی شدتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں) اس روز تیرے پروردگار کے حضور جانا ہے (مساق بمعنی سوق ہے۔ یہ جملہ اذا کے عامل پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی سانس جب گلے میں اٹک کر رہ جائے تو اللہ کے حکم کی طرف روانگی شروع ہو جاتی ہے تو اس سلسلے میں اس (انسان) نے نہ تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن (قرآن کی) تکذیب کی تھی اور (ایمان سے) منہ موڑا تھا۔ پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا (خود پسندی کے ساتھ ناز وانداز سے چلتا تھا) تیری کمبختی پر (یہاں غائب کے صیغے سے خطاب کی طرف التفات ہے اور کلمہ اولیٰ اسم فعل ہے اور لام بیانیہ ہے۔ یعنی تیری شامت آ گئی) کمبختی آنے والی ہے (یعنی دوسرے کی بجائے تو بھی اس کا مستحق ہے) پھر تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے (یہ تاکید ہے) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (فضول کسی شریعت کا پابند نہ ہو۔ یعنی انسان کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے) کیا یہ شخص ایک قطرہ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا۔ (یا اور تا کے ساتھ ہے، رحم میں ٹپکایا گیا) پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر اللہ نے (اس سے انسان) بنایا، پھر اعضاء (مناسب طور پر) ٹھیک ٹھاک کئے۔ پھر اس کی (یعنی اس منی کی جو علقہ یعنی خون کی پھٹک، پھر مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی ہو گئی تھی) دو قسمیں (نوعیں) کر دیں مرد و عورت (کبھی دونوں ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی الگ الگ) کیا وہ (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کر دے (آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ضرور قدرت رکھتا ہے۔)

تحقیق وترکیب:............ لا اقسم ۔ قسم کے ساتھ کلام عرب میں لا زائد آتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لا زائد نہیں ہے بلکہ نفی کے معنی ہیں یعنی قسم کھانے کی حاجت نہیں کیونکہ مضمون ظاہر وباہر ہے۔

اللوامۃ صیغہ مبالغہ ہے۔یعنی انسان خواہ نیک کام کرے پھر بھی نفس ملامت کرتا ہے کہ زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور برائی کرنے پر تو خیر ملامت کرتا ہی ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔کہ **اللوامۃ ھی اللتی تلوم علی الخیر والشر یقول لو فعلت کذا وکذا** ۔ حضرت حسنؒ سے منقول ہے۔**ان المؤمن لا تراہ الا یلوم نفسہ ما اردت بکلمتی ما اردت بحدیثی نفسی والا اراہ الا یعبا بتھا وان الفاجر یمضی قد مالا یعاتبھا نفسہ** ۔ اور نیکیوں پر نفس کا ملامت کرنا بطور ترغیب ہوتا ہے کہ اور زیادہ نیکیاں کی جائیں۔

الن نجمع ۔ ہمزہ اور لام کے درمیان نون نہیں لکھا ہے بلکہ ہمزہ اور لام ملا کر لکھے ہوئے ہیں۔ان مخففہ ہے۔ضمیر شان اسم ہے اور لن اور اس کے بعد کی عبارت خبر کی جگہ ہے۔یہاں حرف نفی فاصل ہے اور پھر یہ جملہ حسب کا ایک مفعول ہے یا دونوں مفعول علی اختلاف الاقوال بلیٰ قادرین نفی کے بعد اثبات کیا جارہا ہے، عام قرأت قادرین نصب کی ہے۔اس میں دو قول ہیں۔زیادہ مشہور یہ ہے کہ فعل مقدر کے فاعل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ **ای بلیٰ نجمعھا قادرین** اور دوسرا قول یہ ہے کہ کان مضمر کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ **ای بلیٰ کنا قادرین فی الا بتداء** ۔ اور ابن علیہؒ قادرون رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں، مبتداء محذوف کی خبر ہو کر **ای بلیٰ نحن قادرون** مفسرؒ نے "**مع جمعھا**" سے اشارہ کیا ہے۔آیت کے مطلب کی طرف یعنی ہم ہڈیوں کو جمع کرنے کے ساتھ پوروں کے درست کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

لیفجر ۔ لام زائد ہے اور ان مقدر ہے۔ **ای یرید الا نسان ان یفجر امامہ** ۔مفسرؒ کی یہ توجیہ بہتر ہے بہ نسبت اس توجیہ کے کہ مفعول لہ کو مقدر مانا جائے اور یوں تقدیر نکالی جائے۔ **یرید الا نسان شھواتہ ومعاصیہ** ۔ نیز اس توجیہ سے بھی بہتر ہے کہ فعل کو بمنزلہ لازم کہا جائے یا مصدر کے معنی میں لے کر مبتداء کہا جائے اور تقدیر عبارت اس طرح نکالی جائے۔ **اراۃ الا نسان کائنۃ لیفجر امامہ** ۔ مفسرؒ نے "**ان یکذب**" سے اشارہ کیا کہ فجور کے معنی تکذیب کے ہیں۔لفظ امامہ اس کا مفعول ہے اور ضمیر انسان کی طرف ہے۔چنانچہ ابن عباسؓ اس سے کافر منکر قیامت مراد لیتے ہیں۔

برق البصر ۔ نگاہ پتھرا جائے، ایک جگہ جم کر رہ جائے۔یعنی آدمی دیکھ کر ہکا بکا رہ جائے لفظ برق میں دونوں لغت مفسرؒ نے بتلادیئے۔

وجمع الشمس والقمر ۔ یعنی ایک ہی سمت سے دونوں کا نکلنا مراد ہے۔اس طرح خوف بھی اس صورت کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے صرف محاق کے معنی لے کر اہل ہیئت اور نجوم کی اصطلاح مراد نہ لی جائے اور یا کہا جائے کہ خسف تو نصف مہینہ میں ہوجائے گا اور چاند سورج کا جمع ہونا آخر ماہ میں ہوگا۔یا جمع کرنے سے مراد دونوں کو بے نور کردینا ہو یا ایک ہی آسمان میں دونوں کا جمع حقیقی مراد ہو۔عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ **یجمعان یوم القیامۃ ثم یقذ فان فی البحر فیکو نان نار اللہ الکبریٰ**۔

المفر مصدر ہے اسم ظرف نہیں ہے۔

لا وزر ۔ بقول زمخشریؒ پناہ گاہ کے معنی ہیں وزر بمعنی ثقل سے ماخوذ ہے لا کی خبر محذوف ہے۔ای **لا وزر لہ المستقر** مبتداء ہے اور **الی ربک** خبر مقدم ہے اور مصدر بمعنی استقرار بھی ہوسکتا ہے پھر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

بماقدم واخر ۔ مجاہدؒ وابن عباسؓ فرماتے ہیں۔**ما قدم عملہ الصالح والسئی الذی عملہ فی حیاتہ وما اخر**

سنہ الذی یعمل بھا بعد موتہ حسنۃ او سیئہ اور بعض نے ما قدم سے عمل کا کرنا اور اخو سے عمل کا چھوڑ نا مراد لیا ہے۔

علی نفسہ بصیرۃ ۔بصیرۃ کا مؤنث صیغہ اس لئے ہے کہ انسان سے اس کے اعضاء مراد ہیں یا ہائے مبالغہ مانی جائے جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ اعضائے بدن ہی گواہی کے لئے کافی ہوں گے کسی اور شاہد کی حاجت نہیں۔ابن عباسؓ،سعید بن جبیرؒ،مقاتلؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

معاذیرہ ۔معاذر کی جمع ہے معذرۃ کی جمع بنانے پر صاحب کشافؒ نے اعتراض کیا ہے کہ معاذیر معذرۃ کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے اسم جمع ہے یعنی خلاف قیاس جمع مانا جاسکتا ہے۔جیسے منکر اور مرسل کی جمع مناکیر اور مراسیل ہیں۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ "القی معاذیرہ" میں استعارہ تبعیہ ہے کہ معذرت پیش کرنے کو القاء سے تعبیر کیا ہے۔جس کے معنی کنویں میں پانی تلاش کرنے کے لئے ڈول ڈالنے کے ہیں۔

لا تحرک بہ لسانک ۔ جبرائیل امین کے وحی لانے پر آنحضرت ﷺ جلد یاد کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ ذہول نہ ہوجائے۔اس لئے زبان جلد چلاتے جس سے یکسوئی میں فرق آتا۔اس لئے فرمایا گیا کہ پہلے باطمینان سن لیجئے محفوظ بعد میں کردیا جائے گا بیک وقت دو کاموں کی طرف توجہ کرنے سے تعب بھی ہوگا اور کام بھی سلیقہ سے نہیں ہوگا۔غرض کہ آپ کامل توجہ سے پہلے سن لیجئے پڑھوانا یاد کرانا اور سمجھا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے۔اس سے تعلیم میں شوق کا پسندیدہ ہونا جہاں معلوم ہوا وہیں قرآن شریف کا اتنا تیز پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں ناپسندیدہ ہونا بھی معلوم ہوا۔

متقدمین روافض یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن کو ردوبدل کردیا گیا ہے اور دلیل میں آیت لا تحرک الخ کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت ماقبل سے بے ربط ہے۔حالانکہ کلام الٰہی بے ربط ہونا چاہئے۔پس معلوم ہوا کہ تحریف ہوئی ہے۔امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بطور جواب وجوہ مناسبت متعدد بیان کی ہیں۔مفسرؒ بھی۔ "والمناسبۃ" سے اسی کی کوشش فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی آیات میں کافروں کی آیات الٰہی سے بے توجہی ارشاد فرمائی گئی اور اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے شوق ورغبت کو آیات الٰہی کے سلسلہ میں بیان فرمایا جارہا ہے۔لیکن قاضی بیضاویؒ کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ آیت "لا تحرک الخ" میں بھی خطاب اسی عام انسان کو ہے جس کا ذکر قیامت کے ذیل میں اوپر سے آرہا ہے۔کہ اے انسان! تو اپنے اعمال نامہ کے پڑھنے میں جلدی نہ کر، پہلے سن لے پھر مکمل طریقہ سے اتمام حجت کرکے تیرا اطمینان کردیا جائے گا۔اگلی آیات کلا بل تحبون الخ کا تعلق بھی اسی مضمون قیامت سے ہے۔اس طرح کلام نہایت مربوط ہوجاتا ہے۔

ثم ان علینا بیانہ ۔ علماء اصول نے بیان کی پانچ صورتیں بیان فرمائی ہیں ۱۔بیان تقریر۔۲۔بیان تفسیر۔۳۔بیان تغییر۔۴۔بیان ضرورت۔۵۔بیان تبدیل۔پہلی دو صورتوں کا اعتبار تو متصلاً منفصلاً دونوں طرح ہوتا ہے۔اور تیسری قسم صرف کلام میں متصل ہونے پر معتبر ہے۔اور پانچویں قسم صرف مفصولاً معتبر ہوگی۔نیز پانچویں قسم کا تعلق کلام سے نہیں ہوتا بلکہ سکوت وغیرہ سے ہوا کرتا ہے۔لیکن فخر الاسلامؒ بیان تغییر کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ متصلاً اور منفصلاً معتبر ہونا چاہئے۔کیونکہ آیت میں "ثم ان علینا بیانہ" فرمایا گیا ہے اور ثم تراخی کے لئے آتا ہے۔نیز حقیقۃ مراد پر اعتقاد کے لئے تو مجمل خطاب بھی کافی ہوتا ہے۔بیان مراد کا انتظار کرتے ہوئے اور متشابہ میں بیان کا انتظار نہ ہونے کے باوجود مجمل سے خطاب صحیح ہے۔لیکن شرح فخر الاسلام میں یہ لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے "فاتبع قرانہ" فرمایا ہے اور مجمل کی اتباع بغیر بیان نہیں ہوسکتی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراخی کا تعلق بیان تقریر و تبدیل سے تو ہوسکتا ہے مگر بیان تغییر سے نہیں۔اس لئے شیخ فخر الاسلام کا فرمانا صحیح نہ رہا۔الا یہ کہ کہا جائے کہ اتباع کا تعلق صرف اس حصہ سے ہے جو محتاج

بیان نہ ہو۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جب ہم قرآن پڑھیں تو جتنا اتباع ہو سکے آپ کیجئے اور جو نہ ہو سکے تو ہم اس کو بیان کر دیں گے۔ یا یوں کہا جائے کہ اتباع کا حکم ہی بشرط بیان ہے اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مطلق اتباع کا حکم دیا ہے اعتقاداً ہو یا عملاً پھر مطلق بیان کا وعدہ بھی بیان فرمالیا اس کا تحقق کہیں تو بیان تقریر کی صورت میں ہوگا اور کہیں بیان تغییر کی صورت میں اور کہیں بیان تفسیر کی شکل میں۔ غرض سب بیانات کا مفصولاً ہونا صحیح ہو گیا۔ لیکن یہ تقریر ثم کو اپنے معنی پر رکھنے کی صورت میں ہوگی۔ لیکن امام زاہد کی رائے ہے کہ ثم بمعنی مع ہے۔ جیسے ثم کان من الذین امنوا میں ہے۔ اب مطلب ہوگا کہ آپ قرأت سنیئے اس کے ساتھ بیان کی ذمہ داری ہماری ہے۔ پس حضور کا قولی یا فعلی بیان بھی اللہ ہی کا بیان سمجھا جائے گا۔

الیٰ ربھا ناظرۃ. شرح عقائد نفسی میں مومنین کو آخرت میں دیدار الٰہی کے ہونے پر نقلی دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی ہے۔ اس سے پہلے جملہ " وجوہ یومئذ ناظرۃ" میں وجوہ مبتداء اور ناظرۃ خبر ہے۔ اور " الیٰ ربھا ناظرۃ" جملہ اسمیہ یا ظرفیہ حال واقع ہو رہا ہے۔ ناظرۃ کی ضمیر مستتر سے نظارۃ بمعنی تروتازہ اور نظر کے معنی دیکھنے کے ہیں۔ پس آیت میں مومنین کا دیدار سے مشرف ہونا اور " وجوہ یومئذ باسرۃ" اگلی آیت سے کفار کا اس نعمت سے محروم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن لغت میں نظر کے معنی انتظار کے بھی ہیں۔ اس وقت یہ لفظ خود متعدی ہوتا ہے جیسے ومایـنظرون الا صیحۃ واحدۃ اور تفکر کے معنی بھی آتے ہیں اس وقت فی کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے کہا جاتا ہے نـظرت فی الدمیر الفلانی اور کبھی راحت ومہربانی کے معنی میں بھی آتا ہے لام کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔ نـظـر الا میـر لفلان اور جب دیکھنے کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے تو الیٰ کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔ نظرت الیٰ من حسن اللہ وجھہ. چنانچہ شرح مواقف میں اس کو یقینی دلیل کہا گیا ہے۔ مشہور حدیث انـکـم ستـرون ربـکـم کما ترون القمر لیلۃ البدر سے بھی رویت باری تعالیٰ ثابت ہو رہی ہے جس کو کیس آثار صحابہؓ نے نقل فرمایا ہے اور یہ کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لیکن معتزلہ نے بعد میں انکار کیا ہے کیونکہ علامہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ یہاں دیکھنے کے معنی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ تو تقدیم جار کی وجہ سے حصر کے ساتھ یہ معنی ہوں گے کہ صرف اللہ کو دیکھیں گے اور کچھ نہیں دیکھیں گے۔ حالانکہ یہ غلط بیانی ہوگی۔ اس لئے بقول صاحب کشاف یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ نظر سے مراد انتظار لی جائے اور کہا جائے کہ وجہ سے مراد ذات ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جنت کی نعمت وکرامت کا انتظار صرف اللہ سے کریں گے۔ لیکن قاضی بیضاوی نے زمخشری کی اس بات کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ وجـــہ سے جملہ اور ذات مراد لینا بعید ہے۔ کیونکہ انتظار اور رجاء کی نسبت وجـہ کی طرف نہیں کی جاتی اور نظر جب الـیٰ کے ساتھ متعدی ہے تو انتظار کے معنی نہیں بلکہ رؤیت کے معنی آتے ہیں۔ رہا دیدار الٰہی کا حصر، عشاق کے لئے صحیح ہے کیونکہ وہ اس استغراق میں دوسری طرف التفات نہیں کریں گے۔ البتہ زمخشری کے قول کی تقریر اگر اس طرح کی جائے کہ "وجوہ یومئذ ناظرۃ الی ربھا" جملہ ایسا ہے کہ جیسے کہا جائے انـا الیٰ فلان نـاظـر مـایـصنع. یعنی توقع اور انتظار میں مستعمل ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ نظر بمعنی انتظار لیا جا رہا ہے تو پھر قاضی کی گرفت سے زمخشری بچ جائیں گے۔ تاہم اہل سنت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے۔ منـہـم مـن یـنظرہ فی صبح و مساء ومنـم مـن یـنظرہ فی کل سبعۃ ومنھم من ینظرہ فی کل شھر ومنھم من ینظرہ فی کل سنۃ ومنھم من ینظرہ فی العمر مرۃ. جیسا کہ امام زاہدی بھی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ترمذی اور حاکم ابن عمر سے تخریج کرتے ہیں۔ قـال الـنبی صلی اللہ عـلیـہ وسلم الی ربھا ناظرۃ تنظر کل یوم فی وجہ اللہ اور ابن مردویہ انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ ینظرون الیٰ ربھم بلا کیفیۃ ولا حد محدود ولا صفۃ ملومۃ . اور ابن جریر حسنؓ سے تخریج کرتے ہیں۔ کہ الیٰ ربھا ناظرۃ تنظر الی الخالق اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ تـنـظر الیٰ وجہ ربھا باصرۃ . پھر نظر کے حقیقی معنی چھوڑ کر کنایہ لینا خلاف اصل ہے۔ علاوہ ازیں یہ

مقام مدح ہے یہاں انتظار وتوقع کے معنی نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ نیز وجہ کے ساتھ نظر کا جوڑ خود دیکھنے کے معنی ظاہر کر رہا ہے۔ جیسا کہ آیت فالقوہ علیٰ وجہ ابی یات بصیرا اور قد نری تقلب وجھک فی السماء میں ہے۔ معتزلہ کا دوسرا استدلال دیدار الٰہی کی نفی پر آیت لا تدرکہ الا بصار وھو یدرک الا بصار سے ہے۔ نیز چونکہ رویت میں رائی اور مرئی دونوں کا کسی مکان یا چیز میں ہونا پھر آمنے سامنے ہونا اور دونوں کے درمیان مناسب مسافت کا ہونا جو شرط ہے وہ حق تعالیٰ میں محال ہے۔ اس لئے رویت بھی محال ہوئی۔ جہاں تک آیت کا تعلق ہے۔ اول تو ادراک اور رویت میں فرق ہے ادراک کہتے ہیں خاص رویت کو جو بطور احاطہ کے ہو۔ پس ادراک کی نفی سے مطلق رویت کی نفی کیسے لازم آئی خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہو جاتی۔ دوسرے ابصار سے رؤیت کی نفی بطور استغراق ہو رہی ہے یہ بھی مسلم نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ آیت میں تمام اوقات دیکھنے کی نفی کی جا رہی ہے یہ بھی نہیں بلکہ صرف دنیا میں دیکھنے کی نفی مقصود ہے اور آخری تیسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ تمام شرائط ہمارے لئے ہیں لیکن بعض کے لئے ان شرائط کو لازم کرنا غائب کو شاہد وحاضر پر قیاس کرنا ہے آخر حق تعالیٰ اب بھی تو ہم کو دیکھتے ہیں حالانکہ ہمیں اللہ کے ساتھ ان میں سے کوئی نسبت بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں مذکور ہے۔ اور فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں کہ آیت وجوہ یومئذ ناظرۃ تو مسئلہ رویت میں محکم ہے۔ سلف اس کو ظاہر ہی پر محمول کرتے ہیں۔ اس لئے اس پر اعتقاد واجب ہے باقی دیکھنے کی کیا کیفیت ہوگی۔ وہ متشابہات کی طرح اللہ کے حوالے کرنی چاہئے۔ بہر حال اللہ کی رویت عقلاً ممکن ہے۔ اس لئے اس کو ماننا بھی صحیح ہے اور چونکہ نقل سے ثابت ہے اس لئے ماننا واجب ہے۔ ہاں! عقلاً ناممکن ہوتی تو پھر قاعدہ کے اعتبار سے نقلیات میں تاویل کی جاتی۔

بلغت التراقی گلے میں دائیں بائیں دو ہنسلیاں ہوتی ہیں جن کو ترقوتان کہنا چاہئے قرب کی وجہ سے گلے کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔

وقیل من راق. یا تو اس وقت اعزہ کے اظہار ہمدردی کے الفاظ مراد ہیں اور یا فرشتے ثواب اور عذاب کے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس روح کو کون لے جائے گا؟ رقی کے معنی صعود کے ہوئے۔

والتفت الساق. مفسرؒ نے پہلے معنی حقیقی بیان فرمائے اور دوسرے معنی مجازی لئے ہیں۔

المساق. مصدر میمی ہے۔ تفسیری عبارت ہذا الخ سے مراد الی ربک یومئذ ہے۔

اولیٰ لک. فعل ماضی کا اسم ہے محل اعراب میں نہیں ہے۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جو مفہوم سیاق کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی یہ کلمہ بددعائیہ ہے۔ اور " واللام للتبیین" ای تبیین المفعول جیسے "ھیت لک" میں لام ہے اور لام زائد بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور بعض اس کو فعل ماضی دعائیہ کہتے ہیں۔ ولی سے ماخوذ ای ولاک اللہ ما تکرھہ۔ اصمعیؒ کا قول قاربہ ما یھلکہ بھی اسی کے قریب ہے۔ جوہری نے بھی اس کو پسند کیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اسم وزن فعل ہے جس کے معنی ویل کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فعلی کے وزن پر ہے " آل یؤل" سے بمعنی "ابقاک النار" لیکن سب سے بہتر تاویل یہ ہے کہ یہ اسم تفضیل ہے مبتدا مقدر کی ہے۔ ای النار اولیٰ لک وانت احق بھا. تین جگہ یہ حکم یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا تجدید کے لئے۔ ای ویل لک فی القبر ویل لک حین البعث ویل لک فی النار.

سدی. قاموس میں مہمل کے معنی بالکلیہ متروک کے ہیں۔

الزوجین. افراد مراد نہیں بلکہ مرد عورت کی نوع مراد ہے۔ پس اگر کسی کے دو بچے اور ایک بچی یا اس کا برعکس بھی پیدا ہو جائے تب بھی کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

الیس ذلک بقادر . روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو سبحانک اللھم بلیٰ کہتے۔ (ابوداؤد، حاکم) ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ سبح اسم ربک الا علیٰ امام پڑھے یا اور کوئی تو اس کو سبحان ربی الا علیٰ کہہ لینا چاہئے۔ اور جو لا اقسم الخ پڑھے اس کو سبحانک اللھم بلیٰ کہنا چاہئے، وہ امام ہے یا اور کوئی۔ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص " والتین والزیتون " تا آخر پڑھے تو اس کو الیس اللہ باحکم الحاکمین " پر بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاھدین کہنا چاہئے۔ اسی طرح سورہ مرسلات پڑھتے ہوئے فبای حدیث بعدہ یؤ منون پر پہنچے تو اس کو امنا باللہ کہنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہ الفاظ تنزیہہ وتقدیس شمار کئے گئے ہیں لیکن بحالت نماز فقہاء اجازت نہیں دیتے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت " مدثر " میں آخرت کے احوال کی کچھ تفصیل تھی اور آخر میں " لا یخا فون الا خرۃ " ارشاد ہوا تھا۔ اس سورت " قیامہ " میں آخرت ہی کے حالات کی تفصیل ہے اور آخرت کے مقدمہ یعنی موت کا نقشہ بھی کھینچ کر فرمادیا اور بعث وقیامت کی مناسبت سے آخر سورت میں ابتداء تخلیق کا حال بھی مذکور ہے۔

شان نزول وروایات: .... صحیحین وسنن میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیعالج من التنزیل شدۃ فکان یحرک بہ لسانہ وشفتیہ مخافۃ ان ینفلت منہ یرید ان یحفظ فانزل اللہ تعالیٰ " لا تحرک بہ لسانک " فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلک اذا اتاہ جبریل علیہ السلام اطرق وفی روایہ استمع فاذا ذھب قراٰہ کما وعد اللہ عزوجل . شیخینؒ کی ایک روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ثم ان علینا بیانہ کے معنی ہیں ان بلسانک اور " وجوہ یومئذ ناضرۃ " سے متعلق اور " الیس ذلک بقادر " سے متعلق روایات " عنوان تحقیق " میں گزر چکی ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... لا اقسم. عرف وعادت یہ ہے کہ کسی کام کے یقینی بنانے کے لئے بطور تاکید قسم کا استعمال کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس عرف کی رعایت فرمائی اور متعدد جگہ قسم کا استعمال فرمایا لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے معبود کی یا کسی محترم معظم شخصیت کی، یا کسی اہم محبوب، نادر چیز کی قسم کھایا کرتے ہیں۔ شریعت نے غیر اللہ کی قسم کھانے کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے، وہ اپنے علاوہ چیزوں کی قسم کھائے تو کوئی حرج نہیں۔ عام طور سے قرآن میں جو قسمیں استعمال ہوئی ہیں وہ عنداللہ محبوب ہیں یا کسی اعتبار سے منفعت بخش اور وقیع ہیں۔ تا کہ مقسم علیہ کے لئے شاہد وحجت کے طور پر کام دے سکیں۔

قسموں کی مناسبت: .... یہاں حق تعالیٰ قیامت کی قسم کھارہے ہیں جو عقلاً ممکن ہے اور پیغمبر صادق ومصدوق کی خبر سے یقین الوقوع ہے۔ جس کے سچے ہونے پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ قیامت کی یہ قسم اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے۔ پھر فصحاء وبلغاء نے قسم اور مقسم علیہ میں مناسبت کی رعایت کی ہے۔ یہاں جواب قسم محذوف ہے یعنی کہ تم میرے پیچھے ضرور اٹھائے جاؤ گے اور بھلے برے کا حساب ضرور ہوگا۔ پس قسم اور مضمون قسم میں مناسبت واضح ہے۔ کیونکہ بعث ومجازات کا ظرف روز قیامت ہے۔ دوسری قسم " نفس لوامہ " کی کھائی گئی ہے۔ محققین کی رائے ہے انسان کا نفس اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہوگئے ہیں۔ اگر نفس عالم بالا کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت وفرمانبرداری اور اتباع شریعت میں اسے سکون وچین محسوس ہوتا ہو تو اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ . لیکن اگر سفلی کی طرف جھک پڑا اور

دنیا کی لذات وخواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا تو وہ نفس امارہ ہے جو برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے۔ وما ابری نفسی ان النفس لا مارة بالسوء الا مارحم ربی اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت وغضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہوکر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور برائی، کوتاہی ہوجانے پر شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ بلکہ غلبہ خیر میں غائت اخلاص سے نیکی کرنے پر بھی خود کو ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اس کام میں فلاں خرابی رہ گئی۔ غرض یہ لوامہ کہلاتا ہے اور اس کا یہ رخ مطمئنہ سے مل جاتا ہے۔ پس اس قسم کو بھی جواب سے مناسبت ہے کیونکہ ایسا نفس ہی بعث کو مانتا ہے یعنی اگر فطرت صحیح ہو تو انسان کا اپنا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ اور اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔

اللہ کا کمال قدرت:.........ایحسب الانسان ۔ انسان یہ سوچتا ہے کہ جب ہڈیوں تک کا چورا ہوگیا اور ان کے ریزے مٹی میں اس کے ذرات کے ساتھ شامل ہوگئے تو بھلا اب کس طرح اکٹھے کرکے جوڑ دیئے جائیں گے؟ یہ بات تو محال معلوم ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم تو انسان کی پور پور جمع کریں گے۔ پور پور سے تمام بدن مراد ہے جیسا کہ بطور محاورہ کہا جاتا ہے کہ میرے پور پور میں درد ہے۔ نیز پوریوں میں چھوٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ کاریگری اور کمال ہے باریک کام زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ پس یہ بتلانا ہے کہ انسان کی ساری چابک دستیاں قدرت کی چابک دستی کا کرشمہ ہیں اور یہ جو ذات اس مشکل کام پر قادر ہے وہ آسان کام پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔

قیامت کے ڈر سے عیش میں کھنڈت پڑتی ہے:.........بل یرید الانسان ۔ یعنی قیامت اور بعثت کو دلیل سے ثابت ہونے کے باوجود بعض آدمی اس لئے نہیں مانتے کہ قیامت اور اس کے حساب کتاب کا اعتقاد دل میں بٹھلانے سے خوف پیدا ہوگا اور خوف ہوگا تو گل چھلے نہیں اڑا سکے گا اور پوری بے باکی، آزادی اور ڈھٹائی نہیں ہوسکے گی۔ اس لئے یہ چاہتا ہے کہ قیامت کا دھیان تک نہ آنے دوں تاکہ اگلی باقی ماندہ زندگی کرکری نہ ہوجائے اور مزے سے عیش وعشرت کے ساتھ گزرے۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دو بارہ نیست

اس لئے تمسخرانہ انداز میں قیامت کو ماننے والوں سے پوچھتا ہے کہ وہ تمہاری قیامت کب آئے گی؟ میاں ذرا کیلنڈر میں دیکھ کر اس کا دن تاریخ تو بتاؤ؟ آگے جواب ہے۔ "فاذا برق البصر" یعنی جن چیزوں کو جھٹلا رہا تھا دفعۃً جب وہ چیزیں سامنے آجائیں گی تو ایک دم ہکا بکا رہ جائے گا۔ یا اللہ کی جلالی اور قہری تجلی کے آگے نگاہ پڑ نہیں سکے گی اور آنکھیں چندھیا جائیں گی چاند بے نور ہوجائے گا چاند کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ عرب قمری حساب رکھتے تھے۔ ان کو چاند دیکھنے کا زیادہ اہتمام رہتا اور ایک چاند کیا سورج کا بھی یہی حال ہوگا۔ دونوں ایک ہی حال میں ہوں گے۔ حدیث بخاری "تکوران" ہے۔ اور ابن عباسؓ تکویر کے معنی اظلمت فرماتے ہیں۔

این المضر ۔ یعنی آج تو اس دن کا انکار کررہا ہے اور جب وہ دن آئے گا تو کہے گا کہاں بھاگوں، کدھر جاؤں، کس جگہ پناہ ملے گی؟ ارشاد ہوگا آج نہ بھاگنے کا موقعہ اور نہ سوال کرنے کا وقت آج تو سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا ہے اور اسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہی جو کچھ چاہے گا فیصلہ فرمائے گا اگلے پچھلے، نیک وبد، سب اعمال جتلا دیئے جائیں گے۔

انسان کی حالت توحید کی دعوت ہے:.........ولو القی معاذیرہ ۔ اکثر مفسرین اس کا تعلق ینبؤ الانسان سے مانتے ہیں۔ یعنی انسان کو جتلانے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ خود اپنی حالت پر مطلع ہوجائے گا اگرچہ بہانے سازی سے وہاں بھی نہیں چوکے گا۔ مثلاً: کفار کہیں گے واللہ ربنا ماکنا مشرکین اور یوں تو جس انسان کا ضمیر بالکل مسخ نہ ہوگیا ہو، اس میں کچھ انصاف موجود ہو تو وہ یہاں

دنیا میں بھی اپنی حالت سے خوب واقف ہوتا ہے۔ گو دوسروں کے آگے کتنے ہی حیلے حوالے کر کے بات کو رلانے کی کوشش کرے غرض کہ انسان اپنے احوال کو قیامت میں خوب جان لے گا۔ اس لئے یہ جتلانا اس کے بتلانے کے لئے نہیں بلکہ اتمام حجت اور قطع جواب کے لئے اور چپکانے کے لئے ہوگا۔ مگر شاہ صاحب اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ انسان اپنے احوال میں غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جان لے اور یہ سمجھ جائے کہ سب کو اسی کے پاس جانا ہے اور جو کہے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا تو یہ سب کے سب بہانے ہیں۔

کلام الٰہی مربوط ہے:......... **لا تحرك به لسانك**. حضور ﷺ نزول وحی کے وقت جبرائیل کی موجودگی میں سن کر یہ کوشش بھی ساتھ ساتھ کرتے تھے کہ اس کو پڑھ کر یاد بھی کرلوں تاکہ بعد میں ذہول نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں سننا، پڑھنا، یاد کرنا، سمجھنا اتنی باتیں بیک وقت جمع ہو کر سخت الجھن کا باعث ہوتیں۔ اس لئے حق تعالیٰ آپ کو پریشانی سے بچا رہے ہیں کہ آپ خالی توجہ سے سن لیجئے۔ آگے سب چیزوں کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور ﷺ یکسو ہو کر وحی کو سن لیتے اور جبرائیل کے ساتھ پڑھنا آپ نے چھوڑ دیا یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے۔ اس وقت زبان سے ایک لفظ نہیں دہرایا۔ لیکن فرشتے کے چلے جانے کے بعد لفظ بہ لفظ پوری وحی مکمل ترتیب کے ساتھ ایک زیر زبر کی تبدیلی کے بغیر فر فر سنا دی اور سمجھا دی۔ یہ دنیا میں **ینبؤا الانسان بما قدم واخر** کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فروگذاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کر دے۔ کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے پچھلے اعمال سب کو جمع کر کے ایک وقت میں سامنے کر دے اور ان کو خوب طرح یاد دلا دے اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کر کے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرما دے۔ بے شک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ زیادہ پر قادر ہے۔ اس تقریر سے یہ آیات پہلی آیات سے پوری طرح مربوط ہو گئیں اور قدماء روافض کا یہ الزام غلط ہو گیا کہ ان آیات کی بے ربطی بتلا رہی ہے کہ قرآن میں ضروری رد و بدل ہوا ہے۔

انسان بالطبع عجلت پسند ہے:......... **كلا بل تحبون العاجلة**. انسان کی طبیعت اور ضمیر میں جلد بازی داخل ہے "**خلق الانسان من عجل**". "**وكان الانسان عجولا**." فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ نیکیوں کے حامل ہیں۔ جلدی کرتے ہیں۔ جس کی ایک مثال ابھی **لا تحرك به لسانك لتعجل به** میں گزری ہے اور برے آدمی ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آئے۔ خواہ اس کا نتیجہ تباہی و ہلاکت ہو، پس اے لوگو! تمہارا قیامت سے انکار ہرگز کسی صحیح دلیل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ دنیا میں منہمک ہونے کی وجہ سے ہے دنیا چونکہ نقد النقدی ہے اس لئے مرغوب ہے اور آخرت ادھار سودا ہے اس لئے بودا ہے۔

وجوه يومئذ. مؤمنین کے چہرے قیامت کے دن ہشاش بشاش اور تر و تازہ ہوں گے اور محبوب حقیقی کے دیدار سے ان کی آنکھیں روشن ہوں گی۔ عنوان تحقیق میں آیات و روایات اور اجماع سے آخرت میں دیدار الٰہی کا ہونا بیان ہو چکا ہے۔ جن گمراہوں کی قسمت میں یہ دولت نہیں وہ جانیں اور ان کا انکار **اللهم لا تحرمنا من هذه النعمة التي ليس فوقها نعمة ووجوه يومئذ باصرة**.

جان کنی کا ہولناک منظر:......... غیر مؤمنین کے چہرے اداس اور مرجھائے ہوئے ہوں گے اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ اب ایسے عذاب سے سابقہ پڑنے والا ہے جو کمر توڑ کر رکھ دے گا فرماتے ہیں۔ "**كلا اذا بلغت التراقي**" یہ عذاب آخرت کچھ دور نہیں۔ اس کی پہلی منزل موت بالکل قریب ہے گویا یہ چھوٹا سا ایک نمونہ ہے منازل آخرت کا جہاں روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچے اور سانس حلق میں رکنے لگے، سمجھ کہ سفر آخرت شروع ہو گیا۔ ایسے میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو لوگ تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے

ہیں یہاں کوئی ہے دم کر کے اس کے دم کو بچالے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رحمت اور عذاب کے فرشتے باہم پوچھتے ہیں کہ کون اس کی روح نکال کرلے جائے گا گویا راقی، رقیۃ بھی منتر جنتر سے نہیں۔ بلکہ رقی سے ماخوذ ہوگا غرض کہ مرنے والا اب سمجھ لے گا کہ اب تو سب کو چھوڑ چھاڑ جانا ہی ہے، یا یہ کہ روح اب بدن کو چھوڑ کر رخصت ہورہی ہے۔ چنانچہ سکرات کی کیفیات لوگوں پر مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پر مختصر اور سہل اور بعض پر نہایت طویل وکریہہ۔ کبھی مارے سختی کے پنڈلی پر پنڈلی چڑھتی ہے اور کبھی نچلے حصہ کے بے جان ہوجانے سے بے اختیار ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پرگر جاتی ہے اور چونکہ محاورات عرب میں ساق بڑی بھاری مصیبت سے بھی کنایہ ہوتا ہے۔ اس لئے آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سختی پر سختی کے ڈوب آرہے ہوں گے دنیا کے چھوٹنے کا غم الگ عزیزوں کی جدائیگی کا پس منظر الگ، دشمنوں کے طعن وتشنیع کی فکر الگ اور سب سے بڑھ کر قبر وآخرت کے ہولناک مناظر کی دہشت سوار ہے۔ سفر آخرت کی ابتداء ہوچکی ہے۔ گویا اب بندہ اپنے رب کی طرف کھنچنا شروع ہوگیا ہے مگر افسوس کہ " فلا صدق و لا صلی" اپنی حماقت وغفلت سے نہ کوئی سامان سفر پہلے سے مہیا کیا گیا اور نہ کوئی زادراہ اور توشہ ساتھ لیا۔ بلکہ سارا وقت وہاں کے لئے تکلیف وہ سامان جمع کرنے میں لگایا پیغمبروں کو سچا سمجھنے اور ان پر یقین کی بجائے ان کو جھٹلاتا رہا اور نمازوں میں مالک کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑے رہا۔ اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنی شرارت وسرکشی پر اکڑتا اور اتراتا رہا اور اپنے متعلقہ لوگوں کے پاس جاکر اس طرح ظاہر کرتا کہ گویا بہت بڑی بھاری اور ہنرمندی کا کام کررہا ہے۔ فرماتے ہیں۔" اولیٰ لک فاولی" او بدنصیب! اب تیری شامت آئی۔ ایک دفعہ نہیں بار بار کمبختی پر تو نہیں سمجھا اس لئے تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا اور کون مستحق ہوگا۔ شاید یقین وایمان نہ لاتے اور نماز پڑھنے اور پھر جھٹلانے اور منہ موڑ لینے پر یہ خرابیاں بیان فرمائی ہوں اور لفظ ثم سے ان چیزوں سے قابل فخر سمجھنے پر زیادہ خرابی کی طرف اشارہ ہو۔ جیسا کہ ثم ذھب الیٰ اھله کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔

قیامت کی عقلی دلیل:.........ایحسب الا نسان ۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا اس پر کچھ کرنے نہ کرنے کے احکام کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ افحسبتم انما خلقنکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون ۔ مرنے کے بعد کچھ پوچھ گچھ، حساب کتاب نہیں ہوگا۔ انسان اپنی ابتدائی خلقت پر غور نہیں کرتا کہ وہ پہلے عدم سے باپ کی کمر سے ہوتے ہوئے ماں کے رحم میں نطفہ کی بوند بن کر منتقل ہوا۔ پھر نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں منتقل ہوا، اور پھر گوشت کی بوٹی بنا اور ہڈیوں اور کھال سے بڑھ کر ایک ڈھانچہ تیار ہوا اور ظاہری جوڑ بند، اندرونی قوتیں سب ٹھیک ٹھاک کردیں غرض کہ ایک بے جان نطفہ سے اچھا خاصا، جیتا جاگتا انسان بن گیا اور مرد وعورت کے امتیازات وخصوصیات جداگانہ کردیں۔ پھر یہ انتقالات کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے قبر، حشر نشر میں تبدیل ہوجائے تو کیا بعید ہے؟ جو ذات انسان کو پہلی مرتبہ بنانے پر قادر ہے کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ سبحانک اللھم فبلی ۔

لطائف سلوک:.........لا اقسم بالنفس اللوامه ۔ نفس کی تین حالتیں ہیں:۔

۱۔ نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا ہے۔
۲۔ نفس مطمئنه ۔ جو بھلائی پر جمائے۔
۳۔ نفس لوامه ۔ پہلی دونوں متقابل حالتوں کے بیچ میں یہ تیسری حالت ہے کہ برائیوں کے کرنے پر شرمندہ ہو اور اچھائی کے چھوڑنے پر پچھتائے۔

سُوْرَةُ الْاِنْسَانِ مَكِّيَّةٌ اَوْمَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ قَدْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ اٰدَمَ **حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ** اَرْبَعُوْنَ سَنَةً **لَمْ يَكُنْ** فِيْهِ **شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴿۱﴾** كَانَ فِيْهِ مُصَوَّرًا مِّنْ طِيْنٍ لَايُذْكَرُ اَوِالْمُرَادُ بِالْاِنْسَانِ الْجِنْسَ وَبِالْحِيْنِ مُدَّةَ الْحَمْلِ **اِنَّاخَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ** اَخْلَاطٍ اَىْ مِنْ مَّاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْأَةِ الْمُخْتَلِطَيْنِ الْمُمْتَزِجَيْنِ **نَّبْتَلِيْهِ** نَخْتَبِرُهُ بِالتَّكْلِيْفِ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ اَوْحَالٌ مُّقَدَّرَةٌ اَىْ مُرِيْدِيْنَ ابْتِلَاءَهٗ حِيْنَ تَاَهُّلِهٖ **فَجَعَلْنٰهُ** بِسَبَبِ ذٰلِكَ **سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴿۲﴾ اِنَّاهَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ** بَيَّنَّالَهٗ طَرِيْقَ الْهُدٰى بِبَعْثِ الرُّسُلِ **اِمَّاشَاكِرًا** اَىْ مُؤْمِنًا **وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴿۳﴾** حَالَانِ مِنَ الْمَفْعُوْلِ اَىْ بَيَّنَّالَهٗ فِىْ حَالِ شُكْرِهٖ اَوْكُفْرِهِ الْمُقَدَّرَةِ وَاِمَّا لِتَفْصِيْلِ الْاَحْوَالِ **اِنَّآ اَعْتَدْنَا** هَيَّأْنَا **لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاْ** يُسْحَبُوْنَ بِهَافِى النَّارِ **وَاَغْلٰلًا** فِىْ اَعْنَاقِهِمْ تُشَدُّ فِيْهَا السَّلَاسِلُ **وَّسَعِيْرًا﴿۴﴾** نَارًا مُسَعَّرَةً اَىْ مُهَيَّجَةً يُعَذَّبُوْنَ بِهَا **اِنَّ الْاَبْرَارَ** جَمْعُ بَرٍّاَوْبَارٍّ وَّهُمُ الْمُطِيْعُوْنَ **يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ** هُوَاِنَاءُ شُرْبِ الْخَمْرِ وَهِىَ فِيْهِ وَالْمُرَادُ مِنْ خَمْرٍ تَسْمِيَةٌ لِّلْحَالِ بِاِسْمِ الْمَحَلِّ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ **كَانَ مِزَاجُهَا** مَاتُمْزَجُ بِهٖ **كَافُوْرًا﴿۵﴾ عَيْنًا** بَدَلٌ مِنْ كَافُوْرًا فِيْهَا رَائِحَتُهٗ **يَّشْرَبُ بِهَا** مِنْهَا **عِبَادُ اللّٰهِ** اَوْلِيَائُهٗ **يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا﴿۶﴾** يَقُوْدُوْنَهَاحَيْثُ شَاءُوْا مِنْ مَنَازِلِهِمْ **يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ** فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ **وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا﴿۷﴾** مُنْتَشِرًا **وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ** اَىِ الطَّعَامِ وَشَهْوَتِهِمْ لَهٗ **مِسْكِيْنًا** فَقِيْرًا **وَّيَتِيْمًا** لَااَبَ لَهٗ **وَّاَسِيْرًا﴿۸﴾** يَعْنِى الْمَحْبُوْسَ بِحَقٍّ **اِنَّمَانُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ** لِطَلَبِ ثَوَابِهٖ **لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَاشُكُوْرًا﴿۹﴾** شُكْرًا فِيْهِ عَلَى الْاِطْعَامِ وَهَلْ تَكَلَّمُوْا بِذٰلِكَ اَوْعَلِمَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ فَاَثْنٰى عَلَيْهِمْ بِهٖ قَوْلَانِ **اِنَّانَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا** تَكْلَحُ الْوُجُوْهُ فِيْهِ اَىْ كَرِيْهُ الْمَنْظَرِ لِشِدَّتِهٖ

قَمْطَرِيْرًا﴿۱۰﴾ شَدِيْدًا فِي ذٰلِكَ **فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ** اَعْطَاهُمْ **نَضْرَةً** حُسْنًا وَاِضَاءَةً فِيْ وُجُوْهِهِمْ **وَّسُرُوْرًا﴿۱۱﴾ وَجَزٰهُمْ بِمَاصَبَرُوْا** بِصَبْرِهِمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ **جَنَّةً** اُدْخِلُوْهَا **وَّحَرِيْرًا﴿۱۲﴾** اُلْبِسُوْهُ **مُّتَّكِـِٕيْنَ** حَالٌ مِّنْ مَّرْفُوْعِ اُدْخِلُوْهَا الْمُقَدَّرَةِ وَكَذَالَا يَرَوْنَ **فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ** السُّرُرِ فِي الْحِجَالِ **لَايَرَوْنَ** يَجِدُوْنَ حَالٌ ثَانِيَةٌ **فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴿۱۳﴾** اَيْ لَاحَرًّا وَّلَابَرْدًا وَّقِيْلَ الزَّمْهَرِيْرُ الْقَمَرُ فَهِيَ مُضِيئَةٌ مِنْ غَيْرِ شَمْسٍ وَّلَاقَمَرٍ **وَدَانِيَةً** قَرِيْبَةً عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ لَايَرَوْنَ اَيْ غَيْرَ رَائِيْنَ **عَلَيْهِمْ** مِنْهُمْ **ظِلٰلُهَا** شَجَرُهَا **وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا﴿۱۴﴾** اُدْنِيَتْ ثِمَارُهَا فَيَنَالُهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ **وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ** فِيْهَا **بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ** اَقْدَاحٍ بِلَاعُرًى **كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ** اَيْ اِنَّهَا مِنْ فِضَّةٍ يُرٰى بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا كَالزُّجَاجِ **قَدَّرُوْهَا** اَيِ الطَّائِفُوْنَ **تَقْدِيْرًا﴿۱۶﴾** عَلٰى قَدْرِرِيِّ الشَّارِبِيْنَ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَّلَا نَقْصٍ وَّذٰلِكَ اَلَذُّ الشَّرَابِ **وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا** اَيْ خَمْرًا **كَانَ مِزَاجُهَا** مَاتُمْزَجُ بِهِ **زَنْجَبِيْلًا﴿۱۷﴾ عَيْنًا** بَدَلٌ مِّنْ زَنْجَبِيْلًا **فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا﴿۱۸﴾** يَعْنِيْ اَنَّ مَاءَهَا كَالزَّنْجَبِيْلِ الَّذِيْ تَسْتَلِذُّبِهِ الْعَرَبُ سَهْلُ الْمَسَاغِ فِي الْحَلْقِ **وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ** بِصِفَةِ الْوِلْدَانِ لَايَشِيْبُوْنَ **اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ** لِحُسْنِهِمْ وَانْتِشَارِهِمْ فِي الْخِدْمَةِ **لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا﴿۱۹﴾** مِنْ سِلْكِهٖ اَوْمِنْ صَدَفِهٖ وَهُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ فِيْ غَيْرِ ذٰلِكَ **وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ** اَيْ وُجِدَتِ الرُّؤْيَةُ مِنْكَ فِي الْجَنَّةِ **رَاَيْتَ** جَوَابُ اِذَا **نَعِيْمًا** لَايُوْصَفُ **وَّمُلْكًا كَبِيْرًا﴿۲۰﴾** وَاسِعًا لَا غَايَةَ لَهٗ **عٰلِيَهُمْ** فَوْقَهُمْ فَنَصْبُهٗ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ وَهُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ بَعْدَهٗ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الْيَاءِ مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهٗ خَبَرُهٗ وَالضَّمِيْرُ الْمُتَّصِلُ بِهٖ لِلْمَعْطُوْفِ **عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ** حَرِيْرٌ **خُضْرٌ** بِالرَّفْعِ **وَّاِسْتَبْرَقٌ** بِالْجَرِّ مَا غَلُظَ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَهُوَ الْبَطَائِنُ وَالسُّنْدُسُ الظَّهَائِرُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَكْسُ مَاذُكِرَ فِيْهِمَا وَ فِيْ اُخْرٰى بِرَفْعِهِمَا وَ فِيْ اُخْرٰى بِجَرِّهِمَا **وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ** وَفِيْ مَوْضَعٍ اٰخَرَ مِنْ ذَهَبٍ لِلْاِيْذَانِ بِاَنَّهُمْ يُحَلَّوْنَ مِنَ النَّوْعَيْنِ مَعًا وَمُفَرَّقًا **وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴿۲۱﴾** مُبَالَغَةً فِيْ طَهَارَتِهٖ وَنَظَافَتِهٖ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا **اِنَّ هٰذَا** النَّعِيْمَ **كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴿۲۲﴾ اِنَّا نَحْنُ** تَاكِيْدٌ لِاِسْمِ اِنَّ اَوْ فَصْلٌ **نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا﴿۲۳﴾** خَبَرُ اِنَّ اَيْ فَصَّلْنَاهُ وَلَمْ نُنَزِّلْهُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** عَلَيْكَ بِتَبْلِيْغِ رِسَالَتِهٖ **وَلَاتُطِعْ مِنْهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴿۲۴﴾** اَيْ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ عَنْ هٰذَا الْاَمْرِ وَيَجُوْزُ اَنْ يُّرَادَ كُلُّ اٰثِمٍ وَكَافِرٍ اَيْ لَا تُطِعْ اَحَدَهُمَا اَيًّا فِيْمَا دَعَاكَ اِلَيْهِ مِنْ اِثْمٍ اَوْ كُفْرٍ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ فِى الصَّلٰوةِ **بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴿۲۵﴾** يَعْنِى الْفَجْرَ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ **وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ** يَعْنِى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ **وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا﴿۲۶﴾** صَلِّ التَّطَوُّعَ فِيْهِ كَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ثُلُثَيْهِ اَوْ نِصْفِهٖ اَوْ ثُلُثِهٖ **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ** الدُّنْيَا يَخْتَارُوْنَ عَلَى الْاٰخِرَةِ **وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا﴿۲۷﴾** شَدِيْدًا اَىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَعْمَلُوْنَ لَهٗ **نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ** قَوَّيْنَا **اَسْرَهُمْ** اَعْضَاءَهُمْ وَمَفَاصِلَهُمْ **وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ** جَعَلْنَا **اَمْثَالَهُمْ** فِى الْخِلْقَةِ بَدَلًا مِّنْهُمْ بِاَنْ نُّهْلِكَهُمْ **تَبْدِيْلًا﴿۲۸﴾** تَاكِيْدٌ وَّوَقَعَتْ اِذَا مَوْقِعَ اِنْ نَحْوَ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى لَمْ يَشَاْ ذٰلِكَ وَاِذَا لَمَّا يَقَعْ **اِنَّ هٰذِهٖ** السُّوْرَةَ **تَذْكِرَةٌ** عِظَةٌ لِّلْخَلْقِ **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴿۲۹﴾** بِالطَّاعَةِ **وَمَا تَشَآءُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ اِتِّخَاذَ السَّبِيْلِ بِالطَّاعَةِ **اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ** ذٰلِكَ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمًا﴿۳۰﴾** فِى فِعْلِهٖ **يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ** جَنَّتِهٖ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **وَالظّٰلِمِيْنَ** نَاصِبُهٗ فِعْلٌ مُّقَدَّرٌ اَىْ اَعَدَّ يُفَسِّرُهٗ **اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴿۳۱﴾** مُؤْلِمًا وَّهُمُ الْكٰفِرُوْنَ

ع ۲ / ۹ / ۲۰

ترجمہ: ....سورہ انسان مکیہ یا مدنیہ ہے۔ جس میں ۳۱ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے شک انسان (آدم) پر ایک ایسا وقت آ چکا ہے (چالیس سال) جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا (گارے کا پتلا بنا ہوا تھا جو نا قابل ذکر تھا یا عام جنس انسان مراد ہے اور حین سے مراد زمانہ حمل لیا جائے) ہم نے اسی (عام انسان) کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (مرد وعورت کے باہمی اختلاط سے جو مرکبہ تیار ہوا) اس طرح کہ ہم اس کو مکلف بنائیں۔ (شرعی احکام کا پابند کر کے دیکھیں۔ جملہ مستانفہ ہے یا حال مقدر ہے۔ یعنی ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس کو اہل ہونے پر مکلف بنائیں) تو ہم نے اس کو سنتا، دیکھتا (اسی وجہ سے) بنایا۔ ہم نے اس کو رستہ بتلایا (پیغمبروں کو بھیج کر ہدایت کی رہنمائی کی) یا تو وہ شکر گذار (مومن) بنا اور یا ناشکرا ہو گیا (دونوں لفظ مفعول سے حال ہیں یعنی اس کے مقدر کفر وشکر کی حالت میں اس کو واضح کر دیا اور اما تفصیل احوال کے لئے ہوتا ہے) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں (جن سے وہ دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے) اور طوق (گلے میں پڑے ہوں گے جن میں زنجیریں بندھی ہوں گی) اور دہکتی آگ (تیز شعلہ والی، دہکتی ہوئی جس سے عذاب دیا جائے گا) تیار کر رکھی ہیں، نیک لوگ (بریابار کی جمع ہے فرمانبردار مراد ہیں) پئیں گے ایسے جام شراب سے (کاس شراب کا پیمانہ جب کہ اس میں شراب موجود ہو مگر مراد خود شراب ہے محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے اور من تبعیضیہ ہے) جس میں کافور کی آمیزش (ملاوٹ) ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (کافور سے بدل ہے۔ اس میں کافور کی مہک ہوگی) اللہ کے بندے (نیک لوگ پئیں گے۔ جس کو بہا کر لے جائیں گے (اپنے مکانوں میں جہاں چاہیں گے گھمائیں گے) وہ لوگ واجبات کو (اللہ کی اطاعت میں) پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام (پھیلی ہوئی) ہوگی اور وہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا (باوجودیکہ کھانے کی طرف شوق ورغبت ہوتی ہے) کھلاتے ہیں غریب (فقیر) یتیم (بن باپ بچہ) اور قیدی (حق میں پکڑے ہوئے کو) ہم تو محض اللہ کی خوشنودی (ثواب حاصل کرنے) کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں گے اور نہ شکریہ (کھانا کھلانے پر، اہل جنت نے یہ کلام کیا، یا اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات سے یہ جان کر تعریف فرمائی۔ اس میں دونوں رائے ہیں) ہم ڈرتے ہیں خدا کی جانب کے ایک سخت دن سے (جس دن چہرے سیاہ پڑ جائیں گے یعنی جھلس جائیں گے

مارے سختی کے) جونہایت سخت (شدید) ہوگا۔ سواللہ تعالیٰ ان کواس سخت دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اوران کو مرحمت (عطا) فرمائے گا تازگی (رونق اور چہروں کی رونق) اورخوشی اوران کی پختگی کے بدلہ میں (برائیوں سے بچنے کے سلسلہ میں) ان کو جنت (میں داخل کرے گا) اورریشمی لباس (پہنائے گا) عنایت فرمائے گا اس حال میں کہ وہ تکیہ لگائے ہوں گے (یہ اور لا یرون دونوں ادخلوھا مقدرسے حال ہیں) مسہریوں (چھپرکھٹوں) پر نہ وہاں پائیں گے (یرون بمعنی یجدون حال ثانیہ ہے) تپش اور نہ جاڑا (یعنی گرمی سردی کچھ نہیں ہوگی اور بعض نے زمہریر سے چاند مرادلیا ہے۔ یعنی جنت میں بغیر سورج چاند کے روشنی رہے گی) اور جھکے ہوں گے یعنی نزدیک (لا یـــرون کے محل۔ یعنی غیر رائین پر اس کا عطف ہورہا ہے) ان پر درختوں کے سائے اوران کے میوے ان کے اختیاری ہوں گے (قریب لٹکے ہوئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے سب طرح حاصل ہوسکیں) اوران کے پاس چاندی کے برتن پیش کئے جائیں گے اور کانچ کے پیالے (کوکب جس پیالہ میں پکڑنے کی ہتھی بنی ہوئی نہ ہو) جو کانچ چاندی سے تیار ہوئی ہوگی (یعنی چاندی کے پیالے ہوں گے جس میں شیشہ کی طرح باہر سے اندر کا حصہ نظر آجائے گا) جن کو (گھمانے والوں نے) اندازہ سے بھرا ہوگا (پینے والوں کے مطابق زیادہ نہ کم اور ایسی شراب عمدہ ہوتی ہے) اوران کو اور بھی جام شراب پلایا جائے گا۔ جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ ایسے چشمے سے (زنجبیلا سے عینا بدل ہے) جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا (یعنی اس کا پانی سونٹھ جیسا ہوگا، جس کو عرب پسند کرتے ہیں اور بسہولت گلے سے نیچے اترتا جاتا ہے) اور ایسے لڑکے لے کر آمدورفت کریں گے جو سدا لڑکے ہی رہیں گے (نوعمر ہی رہیں گے جوان نہیں ہوں گے) تو اگر دیکھے تو انہیں (خوب صورتی اور خدمت کے لئے چلت پھرت کی رو سے) بکھرے ہوئے موتی سمجھے (جو لڑی اور سیپی سے بکھر جائیں دوسری حالتوں کے مقابلہ میں یہ حالت سب سے خوبصورت ہوتی ہے) اور تو اس جگہ کو دیکھے (یعنی جنت میں تم کو دیکھنے کا اگر اتفاق ہو) تو تجھ کو دکھائی دے (اذا کا جواب ہے) بڑی نعمت (جس کی خوبی بیان نہیں ہوسکتی) اور بڑی سلطنت (بے انتہا وسیع) ان جنتیوں پر (یہ منصوب ظرفیت کی وجہ سے ہے اور بعد والے مبتدا کی خبر ہے اور ایک قرأت میں سکون یا کے ساتھ مبتدا ہے اور مابعد خبر ہے اور اس کی متصل ضمیر معطوف علیہم کی طرف لوٹے گی) باریک ریشم کے سبز (رفع کے ساتھ) کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (۔جر کے ساتھ موٹے ریشمی کپڑے جو استر میں کام آتے ہیں اور سندس جو ابرے میں کام آتے ہیں اور ایک قراءت میں اس کے برعکس ہے، اور تیسری قرأت دونوں کے رفع کے ساتھ ہے اور چوتھی قرأت دونوں کے جر کی ہے (اوران کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے (دوسری جگہ سونے کے کنگن آئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ دونوں طرح کے ہوں گے۔ خواہ دونوں ایک ساتھ ہوں یا الگ الگ) اوران کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کے لئے دے گا (پاکیزگی اور صفائی میں انتہا پر پہنچی ہوئی برخلاف شراب دنیا کے یہ (نعمتیں) تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت قبول ہوئی۔ ہم نے (نحن اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل) آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے (ان کی خبر ہے۔ یعنی الگ الگ کر کے ہم نے اتارا ہے (ایک دم نہیں اتار دیا) سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (تبلیغ رسالت پر) جمے رہئے اوران (کفار) میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے (یعنی عتبہ بن ربیعہ، اور ولید بن مغیرہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیجئے اور فاسق و کافر بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ یعنی آپ کسی کا بھی کہنا نہ مانیئے۔ وہ کسی برائی کی طرف بلائے یا کفر کی طرف اور (نماز میں) اپنے رب کا نام لیا کیجئے۔ صبح شام (فجر، ظہر، عصر میں) اور کسی قدر رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی مغرب وعشاء میں) اور رات کے بڑے حصے میں تسبیح و تقدیس کیا کیجئے (نوافل پڑھا کیجئے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے یعنی دو تہائی رات یا آدھی رات یا تہائی رات) یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں (آخرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں) اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (جو نہایت سخت یعنی قیامت کا دن ہے اس کے لئے کوئی عمل نہیں کرتے ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے (اعضا اور جوڑ) اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ (تن وتوش میں ان کی بجائے لے آئیں ان کو ہلاک کر کے) بدل دیں (یہ تاکید ہے۔ اوران کی بجائے اذا آیا۔ چنانچہ ان یشا یذھبکم آیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے یہ نہیں چاہا۔ اور اذا واقع ہونے والی بات کے لئے آتا ہے) یہ (سورت)

نصیحت ہے (مخلوق کے لئے وعظ ہے) سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف (اطاعت) کا رستہ اختیار کرلے اور تم کوئی چیز چاہ نہیں سکتے (تااوریا کے ساتھ ہے فرمانبرداری کا راستہ اپنانا) بدون اللہ کے چاہے۔ اللہ (اپنی مخلوق کے متعلق) بڑا علم والا (اپنے کام میں) بڑی حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کردے (یعنی جنت میں، مراد مومنین ہیں) اور ظالموں کے لئے (اس کا ناصب فعل مقدر ہے یعنی اعدّ جس کی تفسیر آگے ہے) اس نے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے (تکلیف دہ ظالم سے کافر مراد ہیں۔)

تحقیق وترکیب: ....**ھل اتی.** استفہام تقریری ہے۔ ابوالسعو داور تفسیر کبیر دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ **ھل اتی علی الا نسان** اور **ھل اتاک حدیث الغاشیة** دونوں جگہ ھل بمعنی قد ہے "**علی الا نسان**" مفسرؒ نے پہلے لفظ سے حضرت آدمؑ اور دوسرے لفظ سے مراد عام انسان لیا ہے۔ حالانکہ مشہور قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے تو اس سے پہلا ہی شخص مراد ہوتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔ دوسرے **الا نسان** سے پہلے مضاف محذوف مان لیا جائے۔ **ای خلقنا ذریة الا نسان** اور اضافت ادنیٰ تعلق کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ قتادہ، عکرمہ، شعبی انسان سے مراد آدم لیتے ہیں۔ چالیس سال ان کا پتلا مکہ اور طائف کے درمیان پڑا رہا پھر روح ڈالی گئی۔ اور ضحاک ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ چالیس سال گارا رہا پھر اور چالیس سال اور تغیر ہوا۔ مجموعی مدت چار چلے ہوئی۔

حین من الدھر . بغوی چالیس اور ابن عباسؓ ایک سو بیس سال فرماتے ہیں۔

لم یکن شیئا مذکورا . عالم ارواح عالم اجسام سے پہلے ہے مگر وہاں ہونا قابل ذکر نہیں کہلائے گا جب تک عالم اجسام میں نہ ہو۔ مفسرؒ نے فیہ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ جملہ **حین** کی صفت ہے، عائد محذوف ہے اور انسان سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ **ای اتی علیه حین غیر مذکورا .**

امشاج . شجت الشئی کے معنی مخلوط ہونے کے ہیں یہ مشج یا مشیج کی جمع ہے اور مرد و عورت کے نطفہ کے مجموعہ کی وجہ سے جمع استعمال کی گئی گویا ایک سے زائد پر جمع بول دی گئی ہے یا اس کے مختلف اجزاء مراد ہیں گویا ہر جزو کو ایک عضو قرار دیا گیا ہے اور زمخشری یہ کہتے ہیں کہ افعال کا وزن کبھی مفرد کے لئے نادر طریقہ پر آتا ہے۔ سیبویہ کی رائے بھی یہی ہے جیسے لفظ امام۔

نبتلیه یہ **خلقناہ** کے فاعل سے حال ہے۔ **ای خلقناہ حال کو نه . مبتلین** دوسری صورت یہ ہے کہ انسان سے حال ہو۔ کیونکہ جملہ میں دو ضمیریں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ذوالحال کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ پھر رحم مادر میں نطفہ کے مختلف تصرفات اگر **نبتلیه** کے معنی ہیں تب تو یہ حال مقدرہ کہلائے گا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ لیکن اگر ابتلائے سے مراد مکلف کرنا ہے تو بہر حال مقدرہ ہوگا۔ اسی طرح اختبار کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک خیر و شر دونوں کو عام جیسے کلبی کی رائے ہے۔ دوسرے بقول حسن خوشحالی میں صبر مراد ہو۔ اور مقاتل یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد عمل کا مکلف بنانا مراد ہے اور بعض امر و نہی کا پابند ہونا مراد لیتے ہیں۔ تفسیری عبارت ''**حین تاھله**'' کا مطلب یہ ہے کہ اہلیت پیدا ہونے کے بعد مکلف بنایا جائے۔

سمیعاً بصیرا . زیادہ منافع کا تعلق چونکہ دونوں اعضا سے ہے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی گئی۔ پھر سماعت کو پہلے اس لئے بیان کیا کہ خطابیات میں سماعی چیزیں نافع ہوتی ہیں۔ نیز سمعی آیات عینی آیات کے مقابلہ میں واضح ہوتی ہیں اور بصارت سے عام بصیرت مراد ہے۔ پس تعمیم بعد التخصیص ہو جائے گی۔

اما شاکرا و اما کفورا . یہاں شاکر کے وزن پر کافر نہیں فرمایا تو اصل کی رعایت کرتے ہوئے نیز شاکر کے مقابلہ میں کافر چونکہ زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کفور مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ آگے دونوں کے بدلہ کو لف ونشر غیر مرتب کر کے بیان کیا۔ تاکہ کافر کی سزا کا بیان مستقل رہے۔

من کاس . شراب سے بھرا ہوا پیمانہ روح البیان کے مطابق شیشہ کا پیمانہ اور مجازاً شراب کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

کافورا. عطاءؒ کہتے ہیں کہ کافور کی نہر بھی جنت میں ہوگی پانی میں ملا کر پلایا جائے گا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ کافور کی آمیزش کردی جائے گی اس پر مشک کی مہر لگی ہوگی یا ملاوٹ نہیں بلکہ کافور کی مہک اور خوشبو آئے گی۔ عبداللہؓ نے اس کو قافورا پڑھا ہے۔

یشرب بھا. اس میں با زائد بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ابن ابی عینیہ کی قراءت "یشربھا" اس پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز باء من کی معنی میں بھی ہو سکتی ہے۔ نیز اس سے حالیت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ "ای ممـــــزوجة بھـــــا" چوتھی صورت یہ ہے۔ کہ با کا تعلق "یشرب" سے ہو اور ضمیر کاس کی طرف راجع ہو۔ "ای یشربون العین بذلک الکاس" اور باالصاق کے لئے ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ "یشربون" معنی "یلتذون" کو متضمن ہو۔ ای یلتذون بھا شاربین. چھٹے یہ کہ یرٹون کے معنی کو متضمن ہو۔ ای یرٹون بھا.

ویطعمون الطعام. پہلے حق تعالیٰ نے جود و بذل کو بیان فرمایا ہے یہاں اس کی تکمیل کا بیان ہے کہ ان میں خلوص ہوتا ہے ریا کاری نہیں ہوتی۔ عطاء کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے مزدوری کر کے کچھ جو حاصل کئے اور ان کو پیس کر کچھ حریرہ تیار کیا کہ ایک مسکین آ گیا۔ آپ نے اس کو مرحمت فرمادیا پھر دوبارہ کچھ تیار کیا پھر کوئی یتیم مسکین آ گیا آپ نے وہ بھی عنایت فرمادیا پھر تیسری مرتبہ تیار کیا، تو ایک مشرک قیدی آ گیا آپ نے وہ بھی دے ڈالا۔

علی حبه. علیٰ بمعنی مع اور ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔ لیکن ضمیر اللہ کی طرف بھی قرینہ حالیہ کی وجہ سے راجع ہو سکتی ہے۔

واسیرا. جو کسی حق میں گرفتہ ہو جیسے: غلام، قیدی، تاوان اور ڈنڈ بھرنے والا۔ مجاہد مسجون اور ابن عباسؓ مشرک مراد لیتے ہیں۔

لا نـریـد. حقیقۃً انہوں نے یہ کلام کیا ہے یا مجازاً کلام مراد ہے۔ سعید بن جبیرؒ دوسری شق کو ترجیح دے رہے ہیں اس سے کلام نفسی پر بھی دلالت ہوتی ہے۔

عبوساً قمطریراً. برا سا منہ بنانا۔

ظلالھا. چونکہ جنت میں سورج اور دھوپ نہیں ہے اس لئے سایہ کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ظلال کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے مفسرؒ درخت کے معنی لے رہے ہیں۔

ویطاف. چونکہ یہاں گھومنے والے بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جو چیزیں گھمائی جائیں گی وہ مقصود ہیں۔ اس لئے صیغہ مجہول لایا گیا۔ آگے "ویطوف علیھم ولدان" میں اس کے برعکس مقصد ہے اس لئے معروف صیغہ لایا گیا ہے۔

کانت. یہ تامہ ہے ضمیر اسم ہے جو اانی اور اکواب کی طرف راجع ہے۔

قواریرا. قارورہ کی جمع ہے شیشہ کا جام۔ یہ لفظ دوبارہ لایا گیا۔

من فضة صفت کی تمہید کے لئے گویا جام کی صفائی اور چمک تو آئینہ جیسی ہوگی اور سفیدی نرمی چاندی جیسی۔

قـدروھـا. یعنی جام و مینا کو گردش میں لانے والے اتنے ہی شراب پیش کریں گے جتنی ضرورت ہوگی اور یا اہل جنت کی طرف ضمیر راجع ہے کہ وہ جتنی خواہش کریں گے جام میں اتنی ہی شراب آئے گی۔

زنـجـبـیلا عیـنـا. زمخشریؒ کہتے ہیں کہ زنجبیل کے چشمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذائقہ اور خوشبو تو زنجبیل کی طرح ہو اور بسہولت گلے سے اترنے میں سلسبیل ہوگا۔ زجاج سلسبیل، سلامت کی وجہ سے مانتے ہیں اور ابو عبیدہؒ شیریں اور عمدہ ہونے کے معنی لیتے ہیں اور مقاتلؒ کہتے ہیں دنیا کی زنجبیل کی طرح نہیں ہوگی۔

ولـدان. یہ غلمان جنت کی نئی مخلوق ہوگی جو سدا بہار رہے گی اور حسن کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے معصوم بچے ہوں گے در منظوم کی بجائے در منثور سے تشبیہ کی وجہ خدمت گاری کے وقت چلتا پھرتا آتا جاتا ہے جنت کی ہر چیز خوبصورت ہوگی خدمت گار بھی خوبصورت ہوں گے اس لئے کوئی ناپاک خیال دل میں لانا گندہ ذہنی اور بد باطنی ہوگا۔

اذا رایت ثم. رأیت بمنزلہ لازم ہے اس لئے مفعول کی ضرورت نہیں اور ثم ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔

عـالیھم نافع، حمزہ، سکون یا اور کسرہ ہا کے ساتھ اور باقی قراء فتحہ اور یا ضمہ ھا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ ہائے کنایہ کا

قاعدہ ہے کہ یا ساکنہ کی صورت میں مکسور اور یائے متحرکہ ہونے کی صورت میں مضموم ہوتی ہے۔ نافع اور حمزہ کی قراءت پر مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ **عالیھم خبر مقدم** . **ثیاب مبتداء** مؤخر ہو۔ دوسرے یہ کہ **عالیھم مبتداء** اور **ثیاب فاعلیت** کی وجہ سے مرفوع ہو۔ جیسا کہ اخفش کی رائے ہے۔ تیسرے یہ کہ **عالیھم** منصوب ہو لیکن سکون تخفیف کی وجہ سے ہے یہ رائے ابوالبقاء کی ہے اسی طرح نصب کی قراءت پر بھی کئی توجیہات ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ظرف خبر مقدم اور **ثیاب مبتداء** مؤخر ہو۔ ای **فوقھم ثیاب** . کیونکہ بقول ابوالبقاء عالی بمعنی **فوق** ہے۔ ابن عطیہ اس کو ظرف مان کر منصوب مانتے ہیں بمعنی فوق۔ اور شیخ کی رائے یہ ہے کہ عالی اور عالیہ اسم فاعل ہیں ان کو ظرف بنانے کے لئے کلام عرب سے منقول ماننا ہوگا یعنی اصل کلام **عالیک او عالیتک ثوب تھا**۔ لیکن اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسم فاعل کا وزن ظرف کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ **خارج الدار الداخل الدار باطن الدار ظاھر الدار**. یہاں "**عالیھم ثیاب**" بھی اسی قبیل سے ہے اور نصب کی صورت میں دوسری ترکیب یہ ہے کہ **عالیھم** کی ضمیر سے حال ہو اور تیسری ترکیب یہ ہے کہ **حسبتھم** کے مفعول سے حال ہو اور چوتھے یہ کہ مضاف مقدر سے حال ہو۔ **ای رایت اھل نعیم وملک کبیر** . پس **عالیھم** اہل سے حال ہو جو مقدر ہے۔ زمخشری نے ان تینوں ترکیبوں کو اس طرح ذکر کیا ہے۔ **وعالیھم بالنصب علی انه حال من الضمیر فی یطوف علیھم او من حسبتھم ای یطوف علیھم والدان عالیا . المعطوف علیه ثیاب او حسبتھم لؤلؤا عالیا لھم ثیاب ویجوز ان یراد اھل تنعیم.**

خضر واستبرق . ابوعمرو، ابن عامر نے اول مرفوع اور ثانی مجرور پڑھا ہے۔ اور ابن کثیر وشعبہ کی قراءت اس کے برعکس ہے۔ اور نافع وحفص دونوں کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ حمزہؒ اور کسائیؒ دونوں کو مجرور پڑھتے ہیں۔ ابن کثیر شعبہ کی قرأت پر ''سندس'' کی صفت ہونے کی وجہ سے ''**خضر**'' مجرور ہے اور ''**استبرق**'' مرفوع ہے ثیاب پر عطف کی وجہ سے ''**حلوا**'' اس کا عطف **یطوف علیھم** پر ہے لفظاً ماضی اور معناً مستقبل ہے۔ اور ''اساور'' **حلوا** کا مفعول ثانی ہے اور ''**حلوا**'' بمعنی **یحلون** ہے۔

من فضة . دنیا میں مستطیع امراء کے یہاں ایک ایک چیز کے کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں جنت میں بھی اسی طرح ہوں۔ یا بعض چیزیں سونے کی اور بعض چاندی کی۔ یا چاندی کی چیزیں ابرار کے لئے یا نوکروں چاکروں کے لئے اور سونے کی چیزیں مقربین اور مخدومین کے لئے ہوں گی۔

انا نحن . ضمیر کے تکرار میں تاکید اور اختصاص ہے۔

ولا تطع منھم . عتبہ نے تو آنحضرت ﷺ کو اپنی بیٹی بیاہ دینے کا لالچ دیا تھا اور ولید نے بہت سے مال کا لالچ دیا تھا۔ اور **آثم** اور **کفور** سے مراد عام بھی ہوسکتی ہے۔ زمخشریؒ یہ کہتے ہیں کہ او تخییر کے لئے آتا ہے۔ **ولا تطع احدھما** کے معنی دونوں کی فرمانبرداری سے روکنے کے ہیں۔ کیونکہ او دونوں میں سے ایک کے لئے ہے اور جب نفی کی جائے گی تو دونوں کی نفی ہو جائے گی کیونکہ ایجاب جزئی کی نقیض سلب کلی ہوتی ہے۔

فاسجد له ۔ فا شرطیت کے معنی بتلا رہی ہے۔ **ای مھما یکن من شئی فصل من اللیل**. بہرحال تہجد مراد ہے۔ خواہ پہلے آپ کے لئے واجب تھا بعد میں نفل ہوگیا یا شروع ہی سے نفل رہا۔

یوماً ثقیلا. ثقل وخفت ذوات کی صفات میں ہوا کرتے ہیں نہ کہ معانی میں لیکن یہاں دن کو مجازاً بھاری کہہ دیا ہے۔

شددنا اسرھم . قاموس میں اس کے معنی اعضاء کے ہیں مجاہد وابوہریرہ نے بھی یہی تفسیر فرمائی زمخشری **اسر** کے معنی ربط کے لیتے ہیں **اسر الرجل** یعنی قید کر دیا۔

اذا شئنا . زمخشری کہتے ہیں کہ یہاں ان کا موقعہ ہے جیسے **ان تتولوا یستبدل** . **ان یشاء یذھبکم** کیونکہ محتمل جگہ **ان** اور محقق جگہ **اذا** لانا چاہئے۔ پس حق تعالیٰ بجائے آدم کے **اذا** لا کر اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہماری قوت وقدرت کے آگے گویا محتمل بھی متحقق ہوگیا ہے اور زمخشریؒ اس میں یہ نکتہ بتلاتے ہیں کہ یہ وعید ہے بطور مبالغہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ گویا اس کا وقت معین ہو چکا ہے۔

وما تشاء ون ۔ اس میں بندہ کی مشیت کا ناکافی ہونا بتلا دیا کہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے نہ بندہ مختار مطلق ہے، اور نہ مجبور محض ہے۔ بلکہ اس کا معاملہ بین بین ہے بندہ کی مشیت کا خالق اللہ ہے اور کاسب بندہ ہے۔ اس لئے یہ آیت معتزلہ کے برخلاف اہل سنت کی دلیل ہے۔ پس زمخشریؒ کا یہ توجیہ کرنا الا ان یشاء اللہ بقھر ھم علیھا کھلی تحریف ہے۔ وما تشاؤن کا مفعول محذوف ہے جس کی طرف مفسرؒ نے اتخاذ السبیل بالطاعۃ سے اشارہ کیا ہے۔

والظٰلمین ۔ اس کا ناصب اعد محذوف ہے جس کی تفسیر اعد مذکور کر رہا ہے۔ لیکن خود اعد مذکور کو عامل نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ اعد متعدی بنفسہٖ نہیں ہوتا بلکہ بواسطہ لام کے متعدی ہوا کرتا ہے۔ یہ تقدیر ایسے ہی ہے جیسے زید امررت بہ کی تقدیر ؒ جاوزت زیدا ؒ ہے۔

ربط آیات: .... سورہ قیامۃ میں مجازات کا اثبات زیادہ اور کچھ اس کی تفصیل تھی۔ اس سورہ انسان میں زیادہ تر مجازات کی تفصیل ہے جس سے مقصود جزائے ایمان کی ترغیب ہے اور سورۃ کے شروع اور اخیر میں مجازات کا امکان واثبات بیان فرمایا گیا ہے کفار کے انکار مجازات سے چونکہ آنحضرت ﷺ رنجیدہ ہوتے تھے اس لئے درمیان میں انا نحن نزلنا سے آپ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ھل اتی علی الانسان ۔ بلاشبہ پیدائش سے پہلے انسان کا کچھ نام ونشان نہیں تھا پہلے نطفہ، اس سے پہلے غذا، اس سے پہلے جماد تھا۔ غرض کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا وہ حالت بھی اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔

امشـــاج کے معنی مخلوط کے ہیں۔ اول تو مرد وعورت کی الگ الگ مختلف رنگ کی منی کا اختلاط، پھر ہر ایک کی منی بھی مختلف غذاؤں کا جوہر ہے اور وہ غذائیں بھی مختلف عناصر سے مرکب ہیں پھر اس ناپاک بوند سے جما ہوا خون، پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا کتنے ہی الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے کہ دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا یہ تو سمیع و بصیر ہے اور دوسرے سب اس کے آگے اندھے بہرے ہیں۔ لیکن مفسرؒ نبتلیہ کے معنی یہ لے رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو اس لئے بنایا اور اسے آنکھ کان دیئے کہ ہم اس کی آزمائش وامتحان کرنا چاہتے ہیں۔ تکالیف شرعیہ کا بوجھ رکھ کر دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کی وفاداری اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

انسان کی فطرت یکساں طور پر رہنما ہے: .... انا ھدینٰہ السبیل ۔ انسان کو فطری سلامتی، پیدائشی عقل وفہم اور عقلی ونقلی دلائل نیکی کی راہ سمجھانے کے لئے دیئے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر ہی چلتے لیکن خارجی اثرات اور ماحول سے متاثر ہو کر ایک ڈگر پر نہ رہ سکے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا اور بعض نے حق پوشی اور ناشکری پر کمر باندھ لی۔ آگے چل کر جو لوگ رسم و رواج کے بندھنوں میں بندھے رہے اور لکیر کے فقیر بنے رہے وہ اللہ کی حکومت اور اس کے اقتدار کے خلاف رہے حق اور اہل حق کی عداوت ودشمنی کی آگ بھڑکاتے رہے۔ کبھی بھول کر بھی اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا اور نہ کبھی اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی طوق وسلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ آگے نیک کردار انسان کی جزا ہے کہ ایسے لوگ جنت کی بہاریں لوٹیں گے شراب کے جام نوش کریں گے، جن میں کافور کی آمیزش ہوگی یہ دنیا کا کافور نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ جنتی کافور ہوگا۔ جنت کے ایک خاص چشمہ کا ٹھنڈا، خوشبودار، سفید رنگ اور مفرح ہونے کی وجہ سے کافور نام ہوگا۔ مشروبات میں خاص کیفیات پیدا کرنے کے لئے بعض مناسب چیزوں کے ملانے کی عادت دنیا میں بھی ہے۔ اور چشمہ بن کے بہنے کا مطلب درمنثور کی روایت کی مطابق یہ ہے کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی۔ جدھر وہ چھڑیوں سے اشارہ کر دیں گے یہ نہریں اسی طرف ہولیں گی۔ بہرحال یہ خاص جام اللہ کے خاص مقرب بندوں کو ملیں گے جس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ درجہ کے ہوں گی پس اس سے ابرار کی بشارت میں تقویت ہوگئی اور اگر

ابرار اور ''عباد اللہ'' کا مصداق ایک ہی ہو تو دو جگہ بیان کرنے سے الگ الگ مقصود ہوگا۔ ایک جگہ اس کی آمیزش کو بتلانا ہے اور دوسری جگہ اس کی کثرت اور تسخیر بتلائی ہے۔ آخر اسباب عیش کی کثرت بھی تو فرحت بخش اور لذت آفرین ہوا کرتی ہے۔

دنیا میں ابرار کا حال اور آخرت میں ان کی شان: .... یوفون بالنذر . ابرار کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ وہ اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اپنی لازم کی ہوئی چیز کا دھیان رکھتے ہیں تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کس طرح نظرانداز کرسکتے ہیں اور قیامت کے دن سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ جس کی آفت اور سختی سے کوئی نہ بچ سکے گا الا من شاء اللہ . اور تیسرا وصف ان کا جود وسخا ہے کہ اپنی ضرورت کے باوجود اللہ کی محبت کے جوش میں نہایت خلوص وشوق سے مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں۔ اور قیدیوں میں مسلمان ہی کی قید نہیں۔ بلکہ غیر مسلم قیدی بھی نیک سلوک اور ہمدردی کا مستحق ہے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے خاص طور سے بھلائی کی ہدایت فرمائی تھی اور صحابہؓ نے بڑی اعلیٰ حوصلگی سے اس کی تعمیل کی حالانکہ یہ قیدی غیر مسلم تھے اور مسلمان بھائی کا حق تو اور زیادہ ہے اور اگر ''اسیر'' کے مفہوم میں کچھ اور توسع کرلیا جائے تو غلام اور مقروض بھی اس کے تحت آسکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تو ایک طرح سے قیدی ہیں بلکہ طالبان علم اور طالبان سلوک بھی اس کا مصداق ہوسکتے ہیں کیونکہ وہ بھی تو علم مولیٰ میں گرفتہ رہتے ہیں اور یہ کھلانے والے زبان حال یا قال سے اپنے اس ارادہ کا اظہار بھی کردیتے ہیں کہ محض اللہ کے لئے کھانا کھلانے کا بندوبست کیا ہے۔ کچھ بدلہ یا حسن صلہ پیش نظر نہیں ہے البتہ یہ کہنے کے لئے دوسرے سے ترغیب کا باعث ہوسکتا ہے جو مستحسن ہے اور بدلہ یا صلہ کا تو سوال ہی کیا یہاں تو پروردگار اور اس دن کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔ جس دن تیور چڑھے ہوئے اور پیشانی پر بل ہوں گے یہاں تو اخلاص کے بعد بھی ڈرلگا رہتا ہے وہ کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اخلاص وغیرہ میں کمی رہ جائے اور الٹا منہ پر ماردیا جائے۔

جنت کی نعمتیں اور عیش وعشرت: .... فوقھم اللہ . اللہ اپنے ان خاص بندوں کو ان خدشات وخطرات سے محفوظ ومامون رکھے گا، جن سے وہ ڈر رہے تھے اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا ہوگا۔ آخر دنیا میں رہ کر یہ اللہ والے بھی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کرکے گناہوں سے بچے رہے اور اطاعت پر جمے رہے پھر اللہ بھی انہیں عیش کرنے کے لئے جنت کے باغ، لباس ہائے فاخرہ عنایت فرمائے گا۔ وہ امیروں، بادشاہوں کی طرح آرام کے ساتھ مسند نشین رہیں گے۔ جنت کا موسم سبحان اللہ کیا کہنے۔ دنیا میں بھی اس کی نظیر معتدل مقامات پر موجود ہیں۔ جہاں نہ گرمی کی تکلیف اور نہ سردی کی موسم نہایت صاف ستھرا '' بلدۃ طیبۃ ورب غفور'' ۔

ودانیۃ علیھم ظلالھا . جنتی درختوں کی ڈالیاں اور پھل پھول ان پر جھکے ہوئے ہوں گے کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس طرح چاہیں گے بے تکلف حاصل کرسکیں گے ممکن ہے درختوں کی شاخوں کو ''ظلال'' فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ درختوں کا سایہ مراد ہو کیونکہ اس کے لئے آفتاب یا دھوپ ہی کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ روشنی کا ہونا کافی ہے کسی طرح کی بھی ہو۔ دنیا میں بھی سونے اور آرام کرنے کے لئے ہلکے اور ماند بلب لگائے جاتے ہیں۔ وہاں آبخورے شیشے کے ہوں گے اور شیشے چاندی کے ہوں گے۔ دنیا کے شیشے میں سفیدی نہیں ہوتی اور چاندی میں صفائی نہیں ہوتی کہ آرپار نظر آجائے۔ اس لئے جنت میں دونوں وصفوں سے مرکب برتن تیار ہوں گے اور مناسب اندازہ کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو جام میں خواہش سے زیادہ بھریں گے کہ بچ جائے اور نہ کم ہوگا کہ تشنگی رہ جائے۔ بلکہ ہر شخص کے ذوق اور خواہش کے مطابق جام آئے گا تاکہ کسی قسم کی بھی بے لطفی نہ ہوسکے یہ جام تو کافوری شراب کا تھا۔ دوسرا جام سونٹھ کی چاشنی سے لئے ہوئے ہوگا۔ سونٹھ عرب کو بہت پسند ہے۔ کیونکہ اس کی تاثیر گرم ہے۔ حرارت غریزیہ کو بڑھاتی ہے اور منہ کا ذائقہ بھی بدلنا مقصود ہوتا ہے۔ مگر کافور کی طرح سونٹھ بھی دنیا کی نہیں ہوگی۔ بلکہ کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ سلسبیل کو زنجبیل کہنے لگے۔ اصل میں تو

یہ چشمہ بڑے عالی مرتبہ لوگوں کے لئے ہوگا جن کو مقربین کہا جاتا ہے مگر ابرار بھی فیضاب ہوں گے سلسبیل صاف بہتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ "ولدان مخلدون" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں کے پاس سدا رہیں گے۔ اور "لؤلؤا منثورا" سے تشبیہ نہایت بلیغ ہے۔ غلمان اپنی آب وتاب، حسن و جمال کے ساتھ ادھر ادھر پھرتے ہوئے یوں معلوم ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی 'واذا رایت' جنت کا کیا پوچھنا، دیکھو تو یوں معلوم ہو کہ ایک بڑی بھاری نعمت اور عظیم الشان سلطنت ہے۔ وہاں کی پوشاک باریک اور دبیز ریشمی کپڑے، غالیچے ہوں گے۔

"وحلوا اسا ورمن فضة" اس سورت میں تین دفعہ چاندی کے برتن، زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور دوسری سورت میں سونے کا پس یا تو دوہرا سامان مراد ہے۔ جیسے امراء کے یہاں ہوتا ہے۔ اور یا بعض چیزیں سونے کی موزوں رہتی ہیں اور بعض چیزیں چاندی کی مناسب ہوا کرتی ہیں یا پھر فرق مراتب کے ساتھ یہ چیزیں عطا ہوں گی رہا مردوں کے لئے زیورات کا معیوب ہونا۔ سو جیسا دیس ویسا بھیس ایک چیز دنیا میں عیب ہے، وہاں عیب نہیں ہے ان سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا جام محبوب حقیقی کی طرف سے عطا ہوگا۔ جس میں نہ سرگرانی ہوگی، نہ بدبو، بدذائقہ۔ بلکہ نہایت فرحت بخش کہ پی کر دل دماغ باغ باغ ہوجائے۔ شراب کا ذکر اس سورت میں تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ غرض ہے۔ پھر اول میں یشربون ہے اور دوسری جگہ یسقون ہے۔ جو اکرام کو بتلا رہا ہے۔ تیسری جگہ سقاهم ربهم فرمایا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہوگا غرض کہ اس طرح مضمون میں تکرار نہیں رہا۔ آگے مزید نوازش و عزت افزائی اور دل خوش کرنے کے لئے ان هذا الخ فرمایا گیا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ، اور تمہاری کوشش کا صلہ ہے ظاہر ہے کہ اس کو سن کر اہل جنت خوشی سے مست ہو جائیں گے۔

قرآن پاک کا تھوڑا تھوڑا اترنا ہی حکمت ومصلحت ہے:............انا نحن نزلنا. اچھے برے کاموں کے بدلہ کا ذکر ہوگیا مخالفین کی سزا آپ نے سن لی اب آپ مطمئن ہو کر کام میں لگ گئے اس سے طاعت واطمینان کو اور تقویت ہوگی۔ قرآن بہت ہی مصالح اور حکم کے پیش نظر تھوڑا تھوڑا اترا ہے آپ دل مضبوط رکھئے۔ لوگ آہستہ آہستہ نیک وبد کو سمجھ لیں کہ جنت کن اعمال کی وجہ سے ملتی ہے اگر پھر بھی یہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو اپنے رب کے حکم پر جمے رہئے۔ ان کی باتوں پر کان نہ دھریئے جیسا کہ ولید وغیرہ کافر مختلف طریقوں سے آپ کو پرچانے کی کوشش کر رہے ہیں ہمہ وقت اللہ کو یاد رکھئے وہی سب زخموں کا مرہم ہے نماز مغرب وعشاء یا تہجد پڑھا کیجئے۔

وسبحه ليلا اگر پہلے جملہ سے مراد نماز مغرب وعشاء ہے تو اس سے مراد نماز تہجد ہوسکتی ہے پہلے جملہ سے تہجد اور اس جملہ سے تسبیح وتہلیل مراد ہوگی یعنی تہجد وتسبیحات پڑھیے۔

ان هؤلاء۔ یہاں سے پھر مضمون تسلی ہے کہ آپ کی نصیحت جو ان پر مؤثر نہیں ہوتی۔ اس کا سبب حب دنیا ہے جس میں یہ گرفتار ہیں دنیا چونکہ نقد ہے اس لئے مرغوب ومحبوب ہے اور آخرت ادھار ہے اس لئے اس سے غافل ہیں۔ حالانکہ وہ دن بڑا سخت ہوگا اس کی فکر ہونی چاہئے مگر سمجھتے ہیں کہ مر گل گئے پھر کون دوبارہ ویسا ہی بنا کر کھڑا کرے گا۔ فرماتے ہیں 'نحن خلقنا هم' پہلے بھی ہم نے پیدا کیا، جوڑ بند درست کئے، اب ہماری قدرت کہیں چلی گئی۔ دوبارہ بنانا تو پہلے کی نسبت سہل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی پیدائش تدریجی تھی اور اب دفعی ہوگی مگر ہم جب چاہیں اسی بستی کو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔ دوسرا مطلب تبدیلی کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر یہ نالائق سے باز نہ آئے تو ہم دوسری مخلوق بھی ان کی جگہ لا سکتے ہیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہوگی۔

انسان کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع ہے:............ان هذه تذكرة. آپ کا کام صرف فہمائش ونصیحت ہے۔ زور د

زبردستی کرنا نہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کردیجئے۔ جو چاہے گا اپنا رستہ اللہ کی طرف بنالے گا خود آپ کا چاہنا بھی اللہ کے چاہنے کے تابع ہے بندہ حق کی مشیت کے بغیر کر ہی کیا سکتا ہے وہ ہر شخص کی صلاحیت سے واقف ہے اسی کے مطابق وہ ہر ایک کو موقعہ دیتا ہے۔ جس میں استعداد اچھی ہوتی ہے ان کو نیکی کی توفیق دے دیتا ہے اور اپنی رحمت وفضل کا مستحق بنادیتا ہے اور بدفطرت کے لئے دردناک سزا تیار ہے۔

لطائف سلوک:............**انما نطعمکم الخ** اس میں اخلاق کی ترغیب ہے۔

وسقاھم ربھم شرابا طھورا. شراب کی یہ تیسری قسم پہلی دوقسموں سے بڑھ کر ہے جس میں سے ایک کافوری اور دوسری زنجبیلی تھی۔ لیکن اس میں طہوریت کے ساتھ حق تعالیٰ کا ساقی ہونا بتلایا جارہا ہے اور بعض نے اس کو شراب روحانی سے تعبیر کیا ہے یعنی **تجلی ربانی**۔ ممکن ہے ابن فارض کے اس شعر میں شراب مراد ہو

سقونی وقالوا لا تغنن ولو سقوا جبال حنین ماسقونی تغنت

ابویزیدؒ سے کسی نے اس آیت کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ایسی شراب مراد ہے جو غیر کی محبت سے پاک ہو اور فرمایا کہ یہ شراب اس کے مخصوص بندوں کو نصیب ہوتی ہے اور اللہ ہی پلاتا ہے شراب جب پی لیتے ہیں تو مست ہوجاتے ہیں اور جب مست ہوجاتے ہیں تو اڑنے لگتے ہیں اور جب اڑنے لگتے ہیں تو واصل ہوجاتے ہیں اور جب واصل ہوجاتے ہیں تو وصل سے ہمکنار ہوکر **فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر** کا مصداق ہوجاتے ہیں۔

اور بعض اہل اللہ نے ان شرابوں سے متبادر شراب مراد نہیں لی بلکہ ان ارواح پر انوار کا فیضان ایسے پانی کے مشابہ ہے جو پیاس کو بجھادیتا ہے اور بدن کی تقویت کا باعث بن جاتا ہے اور پانی جس طرح مختلف ہوتے ہیں یہی حال ان انوار علویہ کا ہے ان میں سے بعض کافوری ہیں جن کا مزاج بارد ویابس ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مناسب ہے جو دنیا میں مقام حزن وبقاء اور انقباض سے آشنا ہے اور بعض انوار زنجبیلی ہیں جن کا مزاج حار ویابس ہے، یہ ایسے حضرات کے حصہ میں آئیں گے جو جسم وجسمانیات سے کم لگاؤ رکھنے والے اور اللہ کے علاوہ سے بے توجہ رہے ہیں۔ اسی طرح انسانی روح ترقی کے منازل طے کرتی کرتی نور مطلق تک پہنچ جاتی ہے یہ صدیقین کی شراب ہے اور پہلی شرابیں ابرار کی تھیں۔ لیکن صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اگر اس کو حقیقۃً حسی شراب پر محمول کرلیا جائے تو پھر حسی شراب جس کے انکار کی حاجت نہیں رہ جاتی۔

فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا. سبیل اللہ سے مراد طریق صوفیاء ہے۔ جو اللہ کی ذات وصفات کا طالب ہو وہ اس راستہ پر چلے۔

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ اَيِ الرِّيَاحُ مُتَتَابِعَةٌ كَعُرْفِ الْفَرَسِ يَتْلُوْ بَعْضُهُ بَعْضًا وَنَصْبُهُ عَلَى الْحَالِ **فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾** اَلرِّيَاحُ الشَّدِيْدَةُ **وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾** اَلرِّيَاحُ تُنْشِرُ الْمَطَرَ **فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾** اَىْ اٰيَاتُ الْقُرْاٰنِ تُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ **فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾** اَيِ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِلُ بِالْوَحْيِ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ يُلْقُوْنَ الْوَحْيَ اِلَى الْاُمَمِ **عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾** اَىْ لِلْاِعْذَارِ وَلِلْاِنْذَارِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ ذَالِ نُذُرًا وَقُرِئَ بِضَمِّ ذَالِ عُذُرًا **اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ** اَىْ كُفَّارَ مَكَّةَ مِنَ الْبَعْثِ وَالْعَذَابِ **لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾** كَائِنٌ لَامَحَالَةَ **فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾** مُحِيَ نُوْرُهَا **وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾** شُقَّتْ **وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾** فُتِّتَ وَسُيِّرَتْ **وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾** بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلًا مِنْهَا اَىْ جُمِعَتْ لِوَقْتٍ **لِاَىِّ يَوْمٍ** لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ **اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾** لِلشَّهَادَةِ عَلٰى اُمَمِهِمْ بِالتَّبْلِيْغِ **لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾** بَيْنَ الْخَلْقِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ اِذَا اَىْ وَقَعَ الْفَصْلُ بَيْنَ الْخَلَائِقِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾** تَهْوِيْلٌ لِشَانِهٖ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾** هٰذَا وَعِيْدٌ لَّهُمْ **اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾** بِتَكْذِيْبِهِمْ اَىْ اَهْلَكْنَاهُمْ **ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾** مِمَّنْ كَذَّبُوْا كَكُفَّارِ مَكَّةَ فَنُهْلِكُهُمْ **كَذٰلِكَ** مِثْلَ فِعْلِنَا بِالْمُكَذِّبِيْنَ **نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾** بِكُلِّ مَنْ اَجْرَمَ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ فَنُهْلِكُهُمْ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾** تَاكِيْدٌ **اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾** ضَعِيْفٍ وَّهُوَ الْمَنِىُّ **فَجَعَلْنٰهُ فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾** حَرِيْزٍ وَّهُوَ الرَّحِمُ **اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾** وَهُوَ وَقْتُ الْوِلَادَةِ **فَقَدَرْنَا** عَلٰى ذٰلِكَ **فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾** نَحْنُ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾** مَصْدَرُ كَفَتَ

بِمَعْنٰی ضَمٍّ اَیْ ضَامَّةً **اَحْيَاۤءً** عَلٰی ظَهْرِهَا **وَّاَمْوَاتًا﴿۲۶﴾** فِیْ بَطْنِهَا **وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ** جِبَالًا مُرْتَفِعَاتٍ **وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّاۤءً فُرَاتًا﴿۲۷﴾** عَذْبًا **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۲۸﴾** وَيُقَالُ لِلْمُكَذِّبِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ **اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ **تُكَذِّبُوْنَ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ﴿۳۰﴾** هُوَ دُخَانُ جَهَنَّمَ اِذَا ارْتَفَعَ افْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَقٍ لِعَظْمَتِهٖ **لَّا ظَلِيْلٍ** كَنِيْنٍ يُظِلُّهُمْ مِنْ حَرِّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ **وَّلَا يُغْنِیْ** يَرُدُّ عَنْهُمْ شَيْئًا **مِنَ اللَّهَبِ﴿۳۱﴾** لِلنَّارِ **اِنَّهَا** اَیِ النَّارُ **تَرْمِیْ بِشَرَرٍ** هُوَ مَا تَطَايَرَ مِنْهَا **كَالْقَصْرِ﴿۳۲﴾** مِنَ الْبِنَاءِ فِیْ عَظْمِهٖ وَارْتِفَاعِهٖ **كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ** جَمْعُ جِمَالَةٍ جَمْعُ جَمَلٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ جِمَالَةٌ **صُفْرٌ﴿۳۳﴾** فِیْ هَيْئَتِهَا وَلَوْنِهَا وَفِی الْحَدِيْثِ شِرَارُ جَهَنَّمَ اَسْوَدُ كَالْقِيْرِ وَالْعَرَبُ تُسَمِّیْ سُوْدَ الْاِبِلِ صُفْرًا لِشَوْبِ سَوَادِهَا بِصُفْرَةٍ فَقِيْلَ صُفْرٌ فِی الْاٰيَةِ بِمَعْنٰی سُوْدٍ لِمَا ذُكِرَ وَقِيْلَ لَا وَالشَّرَرُ جَمْعُ شَرَرَةٍ وَالشِّرَارُ جَمْعُ شِرَارَةٍ وَالْقِيْرُ الْقَارُ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۳۴﴾ هٰذَا** اَیْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ﴿۳۵﴾** فِيْهِ بِشَیْءٍ **وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ** فِی الْعُذْرِ **فَيَعْتَذِرُوْنَ﴿۳۶﴾** عَطْفٌ عَلٰی يُؤْذَنُ مِنْ غَيْرِ تَسَبُّبٍ عَنْهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِیْ حَيِّزِ النَّفْیِ اَیْ لَا اِذْنَ فَلَا اِعْتِذَارَ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ** اَيُّهَا الْمُكَذِّبُوْنَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ **وَالْاَوَّلِيْنَ﴿۳۸﴾** مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ قَبْلَكُمْ فَتُحَاسَبُوْنَ وَتُعَذَّبُوْنَ جَمِيْعًا **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ** حِيْلَةٌ فِیْ دَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ **فَكِيْدُوْنِ﴿۳۹﴾** فَافْعَلُوْهَا **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِیْ ظِلٰلٍ** اَیْ تَكَاثُفِ اَشْجَارٍ اِذْ لَا شَمْسَ يُظِلُّ مِنْ حَرِّهَا **وَّعُيُوْنٍ﴿۴۱﴾** نَابِعَةٍ مِنَ الْمَاءِ **وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ﴿۴۲﴾** فِيْهِ اَعْلَامٌ بِاَنَّ الْمَاْكَلَ وَالْمَشْرَبَ فِی الْجَنَّةِ بِحَسْبِ شَهَوَاتِهِمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسْبِ مَا يَجِدُ النَّاسُ فِی الْاَغْلَبِ وَيُقَالُ لَهُمْ **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۤـًٔا** حَالٌ اَیْ مُتَهَنِّيْنَ **بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۴۳﴾** مِنَ الطَّاعَاتِ **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِيْنَ **نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا** خِطَابٌ لِلْكُفَّارِ فِی الدُّنْيَا **قَلِيْلًا** مِنَ الزَّمَانِ وَغَايَتُهٗ اِلَی الْمَوْتِ وَفِیْ هٰذَا تَهْدِيْدٌ لَّهُمْ **اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا** صَلُّوْا **لَا يَرْكَعُوْنَ﴿۴۸﴾** لَا يُصَلُّوْنَ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۹﴾ فَبِاَیِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ** اَیِ الْقُرْاٰنِ **يُؤْمِنُوْنَ﴿۵۰﴾** اَیْ لَا يُمْكِنُ اِيْمَانُهُمْ بِغَيْرِهٖ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ تَعَالٰی بَعْدَ تَكْذِيْبِهِمْ بِهٖ لِاشْتِمَالِهٖ عَلَی الْاِعْجَازِ الَّذِیْ لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ

ترجمہ: ....سورہ مرسلات مکیہ ہے۔ جس میں ۵۰ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

قسم ہے ان ہواؤں کی جو آگے پیچھے بھیجی جاتی ہیں (مسلسل جیسے گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے لائن لگائے ہوئے ہیں۔ عرفاً حال کی وجہ

سے منصوب ہے) پھر ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں (آندھی بن کر) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں (بارش کو منتشر کرتی ہیں) پھر ان آیات کی قسم جو فیصلہ کن ہوتی ہیں (قرآنی آیات جو حق و باطل، حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی ہیں) پھر ان فرشتوں کی جو پیغام وحی لانے والے ہیں (یعنی جو فرشتے انبیاء ورسل کے پاس وحی لاتے ہیں کہ وہ اپنی امتوں کو پہنچائیں) توبہ کے لئے یاد کرانے کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف عذر قبول کرنے کے لئے اور ڈرانے کے لئے اور ایک قرأت میں **نذرا** اور **عذرا** ضمہ ذال کے ساتھ ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (مکہ کے کافرو! دوبارہ زندہ ہونے اور عذاب کی نسبت) وہ ضرور ہونے والی ہے (لامحالہ) سو جب ستارے بے نور (گل) ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا (ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) اور پہاڑ جب اڑتے پھریں گے (چورہ ہو کر رواں دواں ہو جائیں گے) اور جب سب پیغمبر مقررہ وقت پر جمع کئے جائیں گے (اقتت واو کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے ساتھ جو واؤ سے بدلا ہوا ہے یعنی بروقت جمع ہوں گے) کس دن کے لئے (بڑے ہی دن کے لئے) پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے (امتوں کو تبلیغ کرنے کے سلسلہ میں گواہی کے لئے) فیصلہ کے دن کے لئے (مخلوق کے درمیان اس سے اذا کا جواب نکل آتا ہے یعنی مخلوق کا فیصلہ ہو کر رہے گا) اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (قابل ہیبت ہے) اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) کیا ہم پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے ہیں (ان کے جھٹلانے کی وجہ سے ان کو برباد نہیں کر دیا) پھر پچھلوں کو بھی ان کے ساتھ ساتھ کر دیں گے (جو جھٹلانے والے ہیں جیسے کفار مکہ ان کو بھی تباہ کر دیں گے) اسی طرح جیسے جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا ہے (ہم مجرموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں (یعنی آئندہ جو بھی جرم کرے گا اسے ہم مٹا کر چھوڑیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (تاکید ہے) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا (منی سے جو حقیر ہے) پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقررہ تک ایک محفوظ جگہ نہیں رکھا (رحم میں برقرار رکھا) غرض ایک اندازہ ٹھہرا (جننے تک) سو ہم کیسے اچھے اندازے ٹھہرانے والے ہیں۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا (کفت یعنی ضم کا مصدر ہے یعنی ضامۃ) زندوں کو (اوپر کے حصہ میں) اور مردوں کو (نچلے حصہ میں) اور ہم نے اس میں اونچے اونچے (نہایت بلند) پہاڑ بنائے اور ہم نے تم کو میٹھا (شیریں) پانی پلایا۔ اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی (قیامت کے روز جھٹلانے والوں سے کہہ دیا جائے گا) جاؤ اس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو تین شاخے سائبان کی طرف (جہنم کا دھواں جب اٹھے گا تو زیادہ ہونے کی وجہ سے تین طرف پھٹ جائے گا) جس میں نہ سایہ ہے (جو اس دن کی تپش بچا کر سایہ کا کام دے سکے) اور نہ وہ (آگ کی) لپیٹ سے بچ سکتا ہے (کچھ بھی رکاوٹ نہیں کرتا) وہ (آگ) انگارے برسائے گی (جو اس سے اتنے بڑے اڑیں گے) جیسے بڑے بڑے محل (ڈیل ڈول کی عمارت) جیسے اونٹ (جمالۃ کی جمع ہے اور جمالۃ جمل کی جمع ہے اور ایک قرأت میں جمالۃ ہے) کالے کالے (شکل اور رنگت کے لحاظ سے حدیث میں ہے۔ جہنم کی چنگاریاں بھٹی کی طرح سیاہ ہوں گی۔ اہل عرب کالے کو صفر ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ کالا اور مٹیا دونوں رنگ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض کی رائے ہے کہ آیت میں صفر کے معنی سود کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ اور شرر شررۃ کی جمع ہے اور شرار جمع شرارہ کی اور قیر قار کو کہتے ہیں) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ (قیامت کا روز) وہ ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے (کچھ بھی) اور نہ ان کو اجازت ہوگی (عذر کی) سو معذرت بھی نہ کر سکیں گے (یوذن پر عطف ہو رہا ہے بغیر سبب میں شرکت کے۔ اس لئے یہ نفی ہی میں داخل رہے گا۔ یعنی نہ ان کو اجازت ہوگی اور نہ وہ عذر کر سکیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تم کو (اے اس امت کے جھٹلانے والو!) اور اگلوں کو جمع کر لیا ہے (تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو پس تم سب کا حساب کتاب بھی ہوگا اور عذاب بھی ایک ساتھ) سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو (اپنے سے عذاب دفع کرنے کا حیلہ) تو مجھ پر تدبیر چلا لو (یعنی ضرور کر ڈالو) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ پرہیزگار لوگ سایوں میں (گھنے درختوں میں کیونکہ وہاں سورج یا دھوپ تو ہوگی نہیں کہ اس کی گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ حاصل کیا جائے) اور (پانی کے بہتے) چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں کھانا پینا سب کی خواہشات کے مطابق ہوگا برخلاف دنیا

کے جو اکثر لوگوں کی رعایت سے ہوتا ہے اور ان سے کہہ دیا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیو (حال ہے یعنی خوشی بخوشی) اپنے (نیک) اعمال کے صلہ میں۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ان متقیوں کو دیا ہے) اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔ تم کھالو برت لو (دنیا میں کافروں کو خطاب ہے) تھوڑے دن اور (بس مرنے تک اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) تم پاپی ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو (نماز پڑھو) تو نہیں جھکتے (نماز نہیں پڑھتے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو تو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے (قرآن کو جھٹلا کر پھر دوسری کتابوں پر کس طرح ایمان لایا جاسکتا ہے کیونکہ جو شان اعجازی اس میں ہے اوروں میں نہیں ہے۔)

تحقیق وترکیب:.........**والمرسلات**. پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں مگر سب کا موصوف محذوف ہے بعض نے سب جگہ ریاح مقدر مانا ہے اور بعض نے سب جگہ ملائکہ اور بعض نے کہیں ریاح کو اور کہیں ملائکہ کو مقدر مانا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے سب سے نرالا طرز اختیار کیا ہے۔ پہلی تین قسموں کا موصوف ریاح کو بنایا ہے۔ اس کے بعد چوتھے نمبر پر **فارقات** کا موصوف قرآن پاک کو بنایا اور پانچویں قسم کا موصوف ملائکہ۔

عرفاً قاموس میں ہے کہ عرف گھوڑے کی گردن کے بالوں کو کہتے ہیں۔ یہ لغوی معنی ہیں پھر تتابع کے معنی حقیقۃ عرفیہ بن گئی قاموس میں ہے "**طار القطان عرفا**" یعنی آگے پیچھے ہو کر کونجیں اڑیں۔ اسی طرح "**جاء القوم عرفا**" کے معنی ہیں اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ ہوائیں نفع بخش ہیں اور روح البیان میں ہے کہ مرسلات مرسلۃ کی جمع ہے بمعنی طائفہ۔ گویا فرشتے سالانہ روزانہ ہر وقت یکے بعد دیگرے آتے ہی رہتے ہیں۔ گھوڑے کی گردن پر جو تسلسل کے ساتھ بال ہوتے ہیں ان کو مرسلات کہتے ہیں۔ فرشتوں کے لئے نہایت بلیغ تشبیہ ہے اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مرسلات فرشتے ہیں اور عرف نکر کی ضد ہے۔ یعنی جو فرشتے اوامر ونواہی لاتے ہیں۔ مفسرؒ نے ہوائیں مراد لے کر حال کی وجہ سے منصوب کہا ہے اور فرشتے مراد لینے سے مفعول لہ ہو جائے گا۔

النا شرات. نرم ہوائیں جو بارش لاتی ہیں، یا فرشتے مراد ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں یا اللہ کے احکام دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

الملقیات. ابن کثیرؒ تو اس پر اجماع نقل کر رہے ہیں کہ فارقات اور ملقیات سے مراد فرشتے ہیں۔

عذراً او نذراً. یعنی محققین کا اعذار، اور مبطلین کا انداز، منجانب اللہ معلوم ہوا کہ **عذرا، نذرا** دونوں مصدر ہیں۔ اگرچہ پہلے **عذرا** کا مصدر ہونا خلاف قیاس ہے۔ دونوں مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور معلل بہ ملقیات ہے اور اعذار سے مراد مخلوق کے عذر زائل کرنا اور انذار کے معنی ڈرانے کے ہیں اور مدارک میں ہے کہ **عذر نذر** مصدر ہیں۔ عذر کے معنی برائی دور کرنے کے ہیں۔ **یاذکرا** سے دونوں بدل ہیں اور ذکر سے مراد وحی ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ **عذیر ونذیر** کی جمع ہے۔ جن کے معنی عاذر اور منذر کے ہیں۔ اس صورت میں دونوں حال کی وجہ سے منصوب اور ابن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوبکر کے نزدیک **نذرا** ضمہ ذال کے ساتھ ہے اور حسن کی قرأت میں **عذرا** بھی بطریق شذوذ ضمہ ذال کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اقتت. ابوعمروؒ علی نے اصل پر واؤ کے ساتھ اور باقی چھ قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

لای یوم اجلت. **جار مجرور**، **اجلت** کے متعلق ہے۔ جملہ مستانفہ ہے یا قول محذوف کا مقولہ ہے۔ **ای یقال لای یوم** اور یہ قول حال ہو جائے گا۔ **اقتت** کے نائب فاعل سے "**لیوم الفصل**" سے استفہام تحویل وتعظیم کے لئے ہے۔

عبارت "**ویوخذمنه جواب اذا**" زمخشری کی رائے کے مطابق۔

و ماادراك. **ما** استفہامیہ مبتداء اور **ادراک** جملہ اس کی خبر ہے اور کاف مفعول اول ہے اور **یوم الفصل** جملہ قائمقام مفعول ثانی ہے۔ پہلا استفہام استبعاد وانکار کے لئے اور دوسرا تعظیم کے لئے ہے۔ مفسرؒ کی عبارت دوسرے استفہام سے متعلق ہے پہلے کو بیان نہیں کیا۔

ویل یومئذ. مبتداء اگرچہ نکرہ ہے لیکن ثبات ہلاکت ودوام کے لئے رفع کی طرف عدول کرلیا گیا ہے "سلام علیک" میں بھی یہی صورت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ویل کلمہ عذاب ورسوائی ہے۔ اس سورت میں دس بار لایا گیا اس لئے تکذیب کرنے والوں کے بار بار طمانچے لگائے جائیں تاکہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں۔

الم نهلك. استفہام تقریری ہے یعنی نفی کے بعد جو چیز ہے اس کے اقرار کے لئے ہے اولین سے مراد حضرت آدم کے وقت سے آنحضرت ﷺ کے وقت تک کفار ہیں اور آخر میں امت محمدیہ کے کافر۔ کذلك ای فعلنا فعلا مثل هذا الفعل ۔ تفسیر کی عبارت میں موصوف محذوف ہے۔

کفاتا. فعال کا وزن کبھی ثلاثی مجرد کئے لئے آتا ہے الکفت کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ مصدر بمعنی مشتق ہے۔

انطلقوا. یہ تاکید ہے پہلے انطلقوا کی۔

ذی ثلاث شعب. بقول مفسرؒ دھواں مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی زبان ہوگی، جو کفار کا احاطہ کرلے گی۔ اور مومن ظل عرش میں ہوں گے۔

لا ظلیل. یہ ظل کی صفت ہے اور صفت موصوف کے درمیان نفی کے افادہ کے لئے واسطہ نہیں ہوتا پہلی صفت کو اسم اور دوسری کو فعل لاکر اشارہ کیا ہے کہ نہ اس میں سایہ کی شان ہوگی اور نہ لپٹوں سے بچاؤ کی کوئی صورت متجدد اور حادث ہوگی بطور تحکم اس کو ظل کہہ دیا ہے۔

کنین. کے معنی ساتر اور روک کے ہیں۔

ترمی بشرر. عام قرأت تو یہی ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کی قرأت شاذ میں دونوں را کے درمیان الف اور شین مکسور ہے اور مفتوح بھی۔ شرر جمع شررة کی اور شرار بھی شررة کی جمع ہے جیسے رقبة کی جمع رقاب ہے۔ شرارة چنگاری کو کہتے ہیں۔ ان شراروں کو پہلے تو بڑائی میں محل سے تشبیہ دی پھر رنگ اور کثرت وتسلسل میں اونٹوں سے تشبیہ دی۔ جس طرح جمالات قراءت سبعہ میں ہے۔ اسی طرح اخوان اور حفص نے جمالة پڑھا ہے۔ جمالة جمع ہے اور اس میں تاء تانیث جمع کی ہے جمل، جمال، جمالة بولتے ہیں۔ جیسے ذکر ، ذکار ، ذکارة، اسی طرح حجر ، حجار ، حجارة بولتے ہیں۔ عام نحاۃ کی رائے یہی ہے۔ لیکن ابو البقاء ذکارة اور حجارة کی طرح جمالة کو اسم جمع مانتے ہیں البتہ جمالات جمالة کی جمع بھی ہوسکتی ہے اور جمال کی جمع بھی ہوسکتی ہے یعنی جمل کی جمع الجمع اور یہ بھی ممکن ہے کہ جمل مفرد کی جمع ہو۔

- صفر. حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حجازی معنی میں ہے۔

هذا یوم لا ینطقون. دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ عندربکم تختصمون . لیکن دونوں میں تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ قیامت میں مختلف اوقات میں مختلف احوال پیش آئیں گے جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

فیعتذرون . مفسرؒ ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں کہ فا یا واؤ کے ذریعہ عطف کرنا معطوف کے نصب کو چاہتا ہے پھر آیت میں رفع کیسے آیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ نصب اس وقت آتا ہے جب کہ نفی سے متسبب ہو جیسے لا یقضی علیهم فیموتوا میں نصب ہے کہ موت معطوف کا سبب منفی ہے۔ لیکن جہاں معطوف متسبب نہ ہو جیسے یہاں لا یؤذن لهم فیعتذرون میں تو نصب کی بجائے رفع آئے گا اور کتاب سمین میں لکھا ہے کہ " فیعتذرون" میں رفع دو طرح ہے۔ ایک تو یہ کہ جملہ مستانفہ مانا جائے۔ ای فهم یعتذرون . ابوالبقاء اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ کفار ایسی گفتگو نہیں کرسکیں گے جو ان کے لئے نافع ہو، یا یہ معنی ہیں کہ بعض جگہ بولیں گے اور بعض جگہ نہیں بولیں گے اور دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ بقول مفسرؒ یؤذن پر معطوف ہو پس منفی ہوگا اس پر اگر نصب ہوتا تو پھر یہ مسبب عنہ ہوتا۔ ابن عطیہ یہ کہتے ہیں کہ "فیعتذرون " جواب نفی کے موقعہ پر اس لئے منصوب نہیں ہوا کہ پھر فواصل آیات کی رعایت نہ رہتی گویا اس توجیہ کا حاصل محض مناسبت لفظی ہوا اور یہ کہ رفع ونصب دونوں یکساں جائز ہیں حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔

جمعنا کم . یوم الفصل کی تقریر اور بیان ہے۔ یعنی فیصلہ کے لئے تمہیں جمع کیا جائے گا اور ''والا ولین'' کا عطف کم پر ہوگا۔ یا یہ کہ مفعول معہ ہے اور قول مقدر کا معمول ہے۔ بقول قرطبی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ویقال لهم هذا یوم یفصل فيه بین الخلائق فکیدونی . یعنی اپنے لئے کوئی تدبیر نکالو اور دیکھو کسر مت چھوڑنا۔

فبحسب ما یجد الناس یہ دنیا کے میووں کا بیان ہے کہ موسم پر ملتے ہیں بے موسم نہیں ملتے'' کلوا واشربوا ''مفسر نے پہلے '' یقال لهم'' سے اشارہ کر دیا۔ کہ ضمیر متقین سے حال ہے۔ جو '' في ظلال'' ظرف میں ہے۔ ای هم مستقرون في ظلال مقولا لهم ذلک اور بعض کے نزدیک یہ کلام مستانف ہے۔

انا کذلک . اس تشبیہ پر یہ اشکال ہوسکتا ہے۔ کہ '' متقین و محسنین '' تو ایک ہی ہیں۔ پس تشبیہ بنفسہ ہوگئی؟ جواب یہ ہے کہ متقین سے اعلیٰ اور کمال درجہ کے لوگ مراد ہیں اور محسنین ان سے کم پس دونوں کے اوصاف میں تو فرق رہا مگر مراتب و درجات برابر کر دیئے گئے۔

فبای حدیث . مفسر نے جو مدعا رکھا ہے کہ قرآن کی موجودگی میں دوسری کتابوں پر ایمان لانا ممکن نہیں ہے مفسر کی دلیل اس کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ ہر چند قرآن دوسری کتابوں سے معجزہ میں بڑھا ہوا ہے مگر پھر بھی ایک شخص زیادہ معجز کو چھوڑ کر کم معجزہ پر ایمان لاتا ہے اس لئے مفسر کی تعلیل نتیجہ خیز نہیں رہتی۔ مفسر کو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ قرآن چونکہ دوسری کتابوں کا مصدق ہے وہ سب کتابیں اس میں موجود ہیں اس لئے اس کی تکذیب کے بعد ان کی تصدیق و ایمان کا سوال ہی نہیں رہتا۔

ربط آیات:...........سورہ انسان کی طرح اس سورہ مرسلات میں بھی قیامت کا واقع ہونا اور ان کے احوال اسباب کیفیات کا بیان ہے تاہم دونوں میں یہ فرق ہے کہ سورہ انسان میں زیادہ ترغیبی مضامین تھے اور اس سورت میں زیادہ تر مضامین ترہیبی ہیں۔ اس لئے دس مرتبہ آیت ویل یؤمئذ للمکذبین کو دہرایا گیا ہے اور چونکہ جھٹلانے کا تعلق ہر جگہ الگ الگ بات سے ہے۔ اس لئے معنی اس کو تکرار بھی نہیں کہہ سکتے۔ البتہ ظاہر ہے کہ تکرار جب کہ مفید تاکید ہو تو وہ بھی قابل اعتراض نہیں رہ جاتا جیسا کہ سورہ رحمٰن میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

شان نزول:...........سورہ مرسلات آنحضرت ﷺ پر '' لیلة الجن '' میں نازل ہوئی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ہمسفر تھا۔ منیٰ کے ایک غار میں ہم ٹھہرے کہ یہ سورت نازل ہوئی ہم ابھی اس کے ورد ہی میں تھے کہ اچانک ایک سانپ برآمد ہوا ہم اس کے مارنے کے لئے جھپٹے کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وقیتم شرها کما وقیت شرکم . چنانچہ منیٰ کا یہ غار '' غار المرسلات '' سے موسوم ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مرسلات سے فرشتے مراد ہیں، جو احکام شرع لانے والے ہیں اسی طرح قتادہؒ فارقات سے آیات قرآنی مراد لیتے ہیں اور ابن عباسؓ فرشتے مراد لیتے ہیں۔ جو حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں اور مجاہدؒ ہوائیں مراد لیتے ہیں جو بادلوں کو پراگندہ کر دیتی ہیں۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ فارقات و ملقیات سے بالا جماع ملائکہ مراد ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:...........والمرسلات شروع میں ہوا بھینی بھینی اور خوشگوار چلتی ہے جس سے لوگوں کو اچھی توقعات وابستہ ہو جاتی ہیں مگر پھر کچھ دیر بعد ہی وہ ہوا تیز آندھی اور طوفان کی خوفناک کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس سے لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ پس دنیا و آخرت کا بھی یہی حال ہے کتنے ہی کام ہیں جنہیں لوگ مفید سمجھ کر کرنے لگ جاتے ہیں اور مستقبل کی توقعات قائم کر لیتے ہیں لیکن قیامت میں وہی کام خطرناک رنگ میں جب سامنے آئیں گے تو لوگ چیخ اٹھیں گے۔

مختلف قسمیں اور ان کی مضمون قسم سے مناسبت:............والنشرات. جولطیف ہوائیں بخارات کی شکل میں اوپر اٹھتی ہیں اور بادلوں کو فضا میں پھیلا دیتی ہیں پھر حکم الٰہی کے مطابق انہیں مختلف حصوں میں بانٹ دیتی ہیں اور بارش ہوجانے پر پھر ان بادلوں کو ادھر ادھر، تتر بتر کر دیتی ہیں اور کچھ بادلوں کی خصوصیات نہیں بلکہ چیزوں کی مختلف کیفیات، مثلاً: خوشبو، بدبو وغیرہ بھی ہوا کی بدولت پھیل جاتی ہیں۔ غرض کہ جمع وتفریق جو ہوا کا ایک خاصہ ہے وہ آخرت کا ایک نمونہ بھی ہے "حشر و نشر" میں یہی جمع تفریق کا منظر سامنے آجائے گا۔ چنانچہ آگے ارشاد ہے "ھذا یوم الفصل جمعنٰکم والاولین" البتہ مفسر آیات قرآنی "الفارقات" کا مصداق قرار دے رہے ہیں یعنی جس طرح دنیا میں ان سے حق ناحق الگ ہوجاتا ہے آخرت میں بھی اسی طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیں گی۔

فالملقیات. یعنی ان ہواؤں سے اللہ کی یاد دل میں آجاتی ہے دو وجہ سے اگر خوف ناک ہوائیں ہیں تو آثار خوف نمایاں ہو کر توبہ واستغفار کی توفیق ہوگی اور وہ ہوائیں فرحت بخش ہوئیں تو شکر نعمت کے جذبات دل میں موجزن ہوں گے اور اپنی تقصیرات پیش نظر ہوں گی۔ نیز یہ ہوائیں وحی کی آواز بھی کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں گی۔ لیکن مفسرؒ اس سے فرشتے مراد لے رہے ہیں۔

بہر حال روح المعانی میں ان پانچوں قسموں میں تین قسموں کے احتمالات کی تفصیل مذکور ہے اور "عذراً او نذراً" کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وحی کے ذریعہ حق تعالیٰ کو کافروں کا یہ الزام اتارنا منظور ہے کہ سزا کے وقت یہ نہ کہیں کہ ہمیں خبر نہیں تھی۔ اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈرسنانا ہے۔ تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو کلام الٰہی امر و نہی، عقائد واحکام پر مشتمل ہے وہ عذر کرنے کے لئے ہے کہ اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے لئے دستاویز اور عذر ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم سے کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے چھوڑ دیا اور جو حصہ کلام کا منقول اور واقعات سے متعلق ہے وہ عموماً خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے ہے اور اس سورت میں زیادہ تر مکذبین ومنکرین کی طرف رخ تھا اس لئے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بہر حال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوائیں شاہد ہیں کہ ایک دن ضرور ایسا آنا چاہئے کہ مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکلیہ مامون ومطمئن کر دیا جائے۔

قیامت کا ہولناک نقشہ:............فاذا النجوم. سو جب تارے بے نور ہوجائیں، آسمان پھٹ پڑیں اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں اور پیغمبر آگے پیچھے مقررہ وقت کے مطابق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ دربار الٰہی میں پیش ہوں اس وقت سب کا فیصلہ ہوجائے گا۔ اور جانتے ہو کہ ان سب باتوں کو کس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے؟ یاد رکھو اس دن آخری اور دوٹوک فیصلہ ہوگا اس کی حکمت ہی کا تقاضا ہے کہ یہ فیصلہ دنیا کی بجائے آخرت میں ہو ورنہ اللہ چاہتا تو ہر چیز کا فیصلہ ہاتھوں ہاتھ ہوجاتا۔

مکرر آیات کے ہر جگہ نئے معنی:............ویل یومئذ. اس فیصلہ کے دن کی نسبت بس اتنا سمجھ لو کہ جھٹلانے والوں کو اس روز بڑی بدبختی اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا خلاف توقع جب ایک دم حالات سامنے آجائیں گے تو ہوش اڑ جائیں گے اور سخت مایوسی اور بدحواسی طاری ہوجائے گی۔

الم نھلک الاولین. لوگ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ سب آدمی ایک دم کیسے مرجائیں گے اور کیسے یقین کیا جائے کہ اتنی بڑی دنیا ختم ہوجائے گی؟ دوزخ کا خیال اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور مصنوعی ہیں۔ اس کا جواب فرمایا جا رہا ہے کہ پہلے کتنے آدمی اور قومیں تباہ وبرباد ہوچکیں اور آج تک بھی موت وتباہی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ پس جب پرانے مجرموں کی نسبت ہماری یہ عادت

معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ اب ہم ان کافروں کو بھی ان ہی کے پیچھے چلتا کر دیں گے آخر ہماری قدرت میں کچھ فرق آ گیا ہے۔

ویل یومئذ. ایسے جھٹلانے والوں کی اس روز اچھی طرح خبر لیں گے اور خاص درگت بنائیں گے۔

الم نخلقکم. ماں کے رحم اور بچہ دانی میں اکثر نو مہینے تک اس پانی کی بوند کو بتدریج مختلف مراحل سے گزار کر جیتا جاگتا اچھا خاصا انسان بنا دیا جاتا ہے۔ اس سے اللہ کی عظیم قدرت اور کاریگری کا اندازہ کر لو اور یہ کہ کیا دوبارہ انسان کو زندہ نہیں کیا جا سکتا اور ''قدرنا'' کے معنی اندازہ کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی کیسے صحیح اندازہ سے ہم نے انسان کو بنا دیا کہ اتنی سی مدت میں کوئی ضروری چیز نہیں رہ گئی اور کوئی بے کار چیز زائد نہیں آ گئی۔

ویل یومئذ للمکذبین. جو لوگ مر کر زندہ ہونے کو محال سمجھا کرتے اور اس عقیدہ کا مذاق اڑایا کرتے وہ اس وقت اپنے لچر شبہات پر شرمندہ ہوں گے اور کف افسوس ملیں گے۔

مر کر جب زمین ہی ٹھکانا ہے تو پھر دوبارہ اسی سے اٹھانا کیوں مشکل ہے؟:.........الم نجعل الارض.

زمین کو دیکھو زندہ بھی اسی پر رہتے ہیں اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی مٹی سے ملی اور مر کر بھی اسی میں کھپتا ہے۔ جب یہی ٹھکانا ہے، پھر دوبارہ اسی سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا؟ پھر جو خدائے قادر نے اسی زمین پر پہاڑ جیسے مضبوط، وزنی، سخت، دیوہیکل پیدا کر دیئے جو ذرا بھی اس سے مس نہیں ہوتے اور اسی زمین میں پانی جیسی سیال اور رقیق و نرم چیز پیدا کر دی جو بہتا رہتا ہے اور پینے والے آسانی سے پی جاتے ہیں۔ پس اللہ جب اسی ذرا سی زمین پر اپنی قدرت کے متضاد کرشمے دکھلاتا رہتا ہے کیا وہ قیامت میں نجات و عذاب کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا؟ پھر ایسی ہستی کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیا معنی؟

ویل یومئذ للمکذبین. ان جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی جو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں ساری دنیا کو ثواب و عذاب دینا کیسے ہو سکے گا؟

انطلقوا. کفار سے قیامت کے روز کہا جائے گا چلو ذرا اپنے جھٹلانے کا انجام بھی دیکھ لو وہ سامنے جو دوزخ کا دھواں اٹھ رہا ہے جسے تم سائبان سمجھو گے بقول قتادہؓ پھٹ کر اس کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے ہر ایک کو تین طرف سے گھیر لے گا۔ ایک ٹکڑا سر پر اور دو ٹکڑے دائیں بائیں۔ حساب سے فارغ ہوتے ہی یہ منکرین تو اسی دھوئیں کے سائبان میں رہیں گے اور ایمان دار عرش بریں کے سایہ میں بآرام و اطمینان کھڑے ہوں گے۔ وہ دھواں بس نام کو سایہ ہوگا ورنہ بیرونی واندرونی تپش و تمازت رہے گی اور اس سے اڑتی ہوئی چنگاریاں یا انگارے بڑے بڑے محل کے برابر ہوں گے۔ دھوئیں کو محل سے تشبیہ اگر بلندی میں ہے تب تو اونٹ سے بڑے اور پھیلے ہوئے ہونے میں ہوگی لیکن اگر محل سے تشبیہ بڑے ہونے میں ہے تو پھر اونٹ کے ساتھ تشبیہ ڈھولے اور مٹیالے ہونے میں ہوگی جو سیاہی کے قریب ہوتا ہے اور یا دونوں ملا کر یہ مطلب ہوگا کہ پہلے دھواں محل کے برابر آئے گا اور پھر مختلف ٹکڑے ہو ہو کر اونٹ کی طرح ہو جائے گا اونٹوں کے ساتھ اہل عرب کی رعایت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ویل یومئذ للمکذبین. ان جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہوگی جو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اول تو قیامت آئے گی نہیں اور آئی بھی تو یار لوگ مزہ میں رہیں گے۔

قیامت کی ہیبت اور دہشت:.........ھذا یوم لا ینطقون.

روز محشر کفار کہیں بول بھی نہ سکیں گے اور کہیں بولیں گے بھی تو بے فائدہ اس لئے بولنا نہ بولنا برابر رہے گا کیونکہ اب معذرت اور توبہ کا وقت گذر چکا ہے اب ان لوگوں کی تباہی کا وقت آ گیا ہے

جنہوں نے اللہ احکم الحاکمین کی بارگاہ کو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں کی طرح وہاں بھی کچھ دے دلا کر، زبان چلا کر چھٹی ہو جائے گی۔

هٰذا يوم الفصل ۔ پہلے سب کو اکٹھا کر کے آخری فیصلہ سنا دیا جائے گا پھر ان کو الگ الگ کر دیا جائے گا اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ لو ہم نے تمہیں جمع کر دیا ہے اور اب آپس میں صلاح کرلو اور جو تدبیریں ہماری گرفت سے نکلنے کی ذہن میں آئیں کر دیکھو۔

ويل يومئذ للمكذبين . ان بدبختوں کی آج شامت آئے گی، جو دوسروں کے سہارے تک رہے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہمیں چھڑا لیں گے۔

دوزخیوں سے جنتیوں کا تقابل: .... ان المتقين . ترہیب کے بعد ترغیبی مضمون ہے ارشاد ہے کہ دوزخیوں کے سایہ کا ذکر تو گزر چکا۔ لیکن جنتیوں کو عرش کا اور پھر جنت کا سایہ نصیب ہوگا کھانے پینے اور فواکہات کی افراط اور بہتات ہوگی اور جتلا دیا جائے گا کہ فضل الٰہی سے یہ تمہارے کیے کا پھل ہے اپنی محنت کا پھل کھا کر اب مگن رہو۔

ويل للمكذبين . مگر ان لوگوں کی کمبختی آگئی جو دنیا میں کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد اگر دوبارہ زندہ ہونا پڑا تو یار لوگ وہاں بھی مزے میں رہیں گے اب مسلمانوں کو سکھ میں اور خود کو دکھ میں دیکھ دیکھ کر اور بھی جلیں بھنیں گے۔

كلوا و تمتعوا . یعنی اے مکذبین! دنیا میں چندے مزے اڑالو آخر یہ کھایا پیا سب نکلے گا تم پکے مجرم ہو اس لئے سزا بھی پکی ہونی چاہئے اور جس طرح پھانسی پانے والے سے آخری طور پر اس کی خواہش کو پوچھا جاتا ہے اسی طرح ان کو آخری موقعہ دیا جارہا ہے۔

ويل للمكذبين . بربادی ہے ان لوگوں کی جو دنیا کی بہاروں اور مزوں پر ریجھ رہے تھے اور جس کو ریشم کی ڈوری سمجھ کر گلے میں ڈالا تھا وہ کالا ناگ تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ نماز میں خاص طور سے یا عام احکام میں اللہ کے آگے جھکو تو نہیں جھکتے۔

ويل يومئذ. لیکن آخر کو یہ لوگ پچھتائیں گے کہ کیوں نہ اللہ کے آگے جھکے وہاں سر جھکاتے تو آج سر بلند ہوتے۔

فبای حديث. قرآن جیسی معجز کتاب بھی اگر ان پر اثر انداز نہ ہوسکی تو پھر آخر کس بات پر ایمان لائیں گے قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آئے گی جس کے یہ منتظر ہیں؟ **اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل.**

لطائف سلوک: .... انطلقوا الىٰ ظلّ . روح المعانی میں ہے کہ تین کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ نفس کے لئے تین حجابات ہیں جو انوار قدس میں مانع ہیں۔ (۱) حس (۲) خیال (۳) وہم اور یہ محل علم ہیں اور یا اس لئے ہے کہ عذاب تک لے جانے والی تین قوتیں ہیں ۱۔ وہمیہ ۲۔ غضبیہ ۳۔ شہویہ۔ اور یہ محل عمل ہیں۔

واذا قيل لهم . یعنی تواضع وخشوع اختیار کرو اور کبر ونخوت کو چھوڑ دو جو قبول حق سے مانع ہے۔

(تم بحمد الله وبفضله لحصة من التفسيرات الا حكاميه ومن البيان والمسائل السلوك

والفوائد العمالى وغيرها (لسابع عشر رمضان ۱۳۹۷ھ يوم الجمعه)

پارہ نمبر ﴿۳۰﴾
عَمَّ

فہرست پارہ «عم»

سُوْرَةُ النَّبَامِکِّیَّةٌ اِحْدٰی وَاَرْبَعُوْنَ اٰیَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَمَّ عَنْ اَیِّ شَیْءٍ **یَتَسَآءَلُوْنَ**﴿۱﴾ یَسْأَلُ بَعْضُ قُرَیْشٍ بَعْضًا **عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ**﴿۲﴾ بَیَانٌ لِذٰلِکَ الشَّیْءِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَفْخِیْمِهٖ وَهُوَمَاجَاءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَی الْبَعْثِ وَغَیْرِهٖ **الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ**﴿۳﴾ فَالْمُؤْمِنُوْنَ یُثْبِتُوْنَهٗ وَالْکَافِرُوْنَ یُنْکِرُوْنَهٗ **کَلَّا** رَدْعٌ **سَیَعْلَمُوْنَ**﴿۴﴾ مَایَحِلُّ بِهِمْ عَلٰی اِنْکَارِهِمْ لَهٗ **ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ**﴿۵﴾ تَاکِیْدٌ وَجِیْءَ فِیْهِ بِثُمَّ لِلْاِیْذَانِ بِاَنَّ الْوَعِیْدَ الثَّانِیْ اَشَدُّ مِنَ الْاَوَّلِ ثُمَّ اَوْمَأَتَعَالٰی اِلَی الْقُدْرَةِ عَلَی الْبَعْثِ فَقَالَ **اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا**﴿۶﴾ فِرَاشًا کَالْمَهْدِ **وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا**﴿۷﴾ یُثَبِّتُ بِهَا الْاَرْضَ کَمَایُثَبِّتُ الْخِیَامُ بِالْاَوْتَادِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِیْرِ **وَّخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا**﴿۸﴾ ذُکُوْرًاوَّاِنَاثًا **وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا**﴿۹﴾ رَاحَةً لِاَبْدَانِکُمْ **وَّجَعَلْنَاالَّیْلَ لِبَاسًا**﴿۱۰﴾ سَاتِرًا بِسَوَادِهٖ **وَّجَعَلْنَا النَّهَارَمَعَاشًا**﴿۱۱﴾ وَقْتًالِّلْمَعَایِشِ **وَّبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا** سَبْعَ سَمٰوٰتٍ **شِدَادًا**﴿۱۲﴾ جَمْعُ شَدِیْدَةٍ اَیْ قَوِیَّةٍ مُّحْکَمَةٍ لَایُؤَثِّرُفِیْهَا مُرُوْرُ الزَّمَانِ **وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا** مُّنِیْرًا **وَّهَّاجًا**﴿۱۳﴾ وَقَّادًا یَعْنِی الشَّمْسَ **وَّاَنْزَلْنَامِنَ الْمُعْصِرَاتِ** السَّحَابَاتِ الَّتِیْ حَانَ لَهَا اَنْ تَمْطُرَکَالْمُعْصِرِ الْجَارِیَةِالَّتِیْ دَنَتْ مِنَ الْحَیْضِ **مَآءً ثَجَّاجًا**﴿۱۴﴾ صَبَابًا **لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا** کَالْحِنْطَةِ **وَّنَبَاتًا**﴿۱۵﴾ کَالتِّبْنِ **وَّجَنّٰتٍ** بَسَاتِیْنَ **اَلْفَافًا**﴿۱۶﴾ مُلْتَفَّةً جَمْعُ لَفِیْفٍ کَشَرِیْفٍ وَّاَشْرَافٍ **اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ** بَیْنَ الْخَلَائِقِ **کَانَ مِیْقَاتًا**﴿۱۷﴾ وَقْتًا لِلثَّوَابِ وَالْعِقَابِ **یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ** الْقَرْنِ بَدَلٌ مِّنْ یَّوْمِ الْفَصْلِ اَوْبَیَانٌ لَهٗ وَالنَّافِخُ اِسْرَافِیْلُ **فَتَاْتُوْنَ** مِنْ قُبُوْرِکُمْ اِلَی الْمَوَاقِفِ **اَفْوَاجًا**﴿۱۸﴾ جَمَاعَاتٍ مُّخْتَلِفَةً **وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ** بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ شُقِّقَتْ لِنُزُوْلِ الْمَلَائِکَةِ **فَکَانَتْ اَبْوَابًا**﴿۱۹﴾ ذَاتَ اَبْوَابٍ **وَّسُیِّرَتِ الْجِبَالُ** ذُهِبَ بِهَا عَنْ اَمَاکِنِهَا **فَکَانَتْ سَرَابًا**﴿۲۰﴾

هَبَاءً اَىْ مِثْلِهِ فِىْ خِفَّةِ سَيْرِهَا **اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾** رَاصِدَةً اَوْ مُرْصَدَةً **لِّلطّٰغِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ فَلَايَتَجَاوَزُوْنَهَا **مَاٰبًا ﴿٢٢﴾** مَرْجِعًا لَّهُمْ فَيَدْخُلُوْنَهَا **لّٰبِثِيْنَ** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَىْ مُقَدَّرٌ لُبْثُهُمْ **فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾** دُهُوْرًا لَانِهَايَةَ لَّهَا جَمْعُ حُقْبٍ بِضَمِّ اَوَّلِهٖ **لَايَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا** نَوْمًا **وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾** مَايُشْرَبُ تَلَذُّذًا **اِلَّا** لٰكِنْ **حَمِيْمًا** مَاءً حَارًّا غَايَةَ الْحَرَارَةِ **وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مَايَسِيْلُ مِنْ صَدِيْدِ اَهْلِ النَّارِ فَاِنَّهُمْ يَذُوْقُوْنَهٗ جُوْزُوْا بِذٰلِكَ **جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾** مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ فَلَا ذَنْبَ اَعْظَمُ مِنَ الْكُفْرِ وَلَا عَذَابَ اَعْظَمُ مِنَ النَّارِ **اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ** يَخَافُوْنَ **حِسَابًا ﴿٢٧﴾** لِاِنْكَارِهِمُ الْبَعْثَ **وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **كِذَّابًا ﴿٢٨﴾** تَكْذِيْبًا **وَكُلَّ شَىْءٍ** مِنَ الْاَعْمَالِ **اَحْصَيْنٰهُ** ضَبَطْنَاهُ **كِتٰبًا ﴿٢٩﴾** فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِنُجَازِىَ عَلَيْهِ وَمِنْ ذٰلِكَ تَكْذِيْبُهُمْ بِالْقُرْاٰنِ **فَذُوْقُوْا** اَىْ فَيُقَالُ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عِنْدَ وُقُوْعِ الْعَذَابِ عَلَيْهِمْ ذُوْقُوْا جَزَاءَكُمْ **فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾** فَوْقَ عَذَابِكُمْ **اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾** مَكَانَ فَوْزٍ فِى الْجَنَّةِ **حَدَآئِقَ** بَسَاتِيْنَ بَدَلٌ مِّنْ مَفَازًا اَوْ بَيَانٌ لَّهٗ **وَاَعْنَابًا ﴿٣٢﴾** عَطْفٌ عَلٰى مَفَازًا **وَّكَوَاعِبَ** جَوَارِىَ تَكَعَّبَتْ ثُدِيُّهُنَّ جَمْعُ كَاعِبٍ **اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾** عَلٰى سِنٍّ وَاحِدٍ جَمْعُ تِرْبٍ بِكَسْرِ التَّاءِ وَسُكُوْنِ الرَّاءِ **وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾** خَمْرًا مَالِئَةً مَحَالَّهَا وَفِى الْقِتَالِ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ **لَايَسْمَعُوْنَ فِيْهَا** اَىِ الْجَنَّةِ عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْاَحْوَالِ **لَغْوًا** بَاطِلًا مِّنَ الْقَوْلِ **وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾** بِالتَّخْفِيْفِ اَىْ كِذْبًا وَبِالتَّشْدِيْدِ اَىْ تَكْذِيْبًا مِنْ وَاحِدٍ لِغَيْرِهٖ بِخِلَافِ مَايَقَعُ فِى الدُّنْيَا عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ **جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ** اَىْ جَازَاهُمُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ جَزَاءً **عَطَآءً** بَدَلٌ مِّنْ جَزَاءً **حِسَابًا ﴿٣٦﴾** اَىْ كَثِيْرًا مِنْ قَوْلِهِمْ اَعْطَانِىْ فَاَحْسَبَنِىْ اَىْ اَكْثَرَ عَلَىَّ حَتّٰى قُلْتُ حَسْبِىْ **رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** بِالْجَرِّ وَالرَّفْعِ **وَمَابَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ** كَذٰلِكَ وَبِرَفْعِهٖ مَعَ جَرِّ رَبِّ السَّمٰوٰتِ **لَايَمْلِكُوْنَ** اَىِ الْخَلْقُ **مِنْهُ** تَعَالٰى **خِطَابًا ﴿٣٧﴾** اَىْ لَايَقْدِرُ اَحَدٌ اَنْ يُّخَاطِبَهٗ خَوْفًا مِّنْهُ **يَوْمَ** ظَرْفٌ لِلَايَمْلِكُوْنَ **يَقُوْمُ الرُّوْحُ** جِبْرِيْلُ اَوْ جُنْدُ اللّٰهِ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا** حَالٌ اَىْ مُصْطَفِّيْنَ **لَايَتَكَلَّمُوْنَ** اَىِ الْخَلْقُ **اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ** فِى الْكَلَامِ **وَقَالَ قَوْلًا صَوَابًا ﴿٣٨﴾** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةِ كَاَنْ يَشْفَعُوْا لِمَنِ ارْتَضٰى **ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ** الثَّابِتُ وُقُوْعُهٗ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾** مَرْجِعًا اَىْ رَجَعَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِطَاعَتِهٖ لِيَسْلَمَ مِنَ الْعَذَابِ فِيْهِ **اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ** اَىْ كُفَّارَ مَكَّةَ **عَذَابًا قَرِيْبًا** اَىْ عَذَابَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الْاٰتِىْ وَكُلُّ اٰتٍ قَرِيْبٌ **يَّوْمَ** ظَرْفٌ لِعَذَابًا بِصِفَتِهٖ **يَنْظُرُ الْمَرْءُ** كُلُّ امْرِءٍ **مَاقَدَّمَتْ يَدٰهُ** مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ **وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يَا** حَرْفُ تَنْبِيْهٍ **لَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾**

يَعْنِيْ فَلَا أُعَذَّبُ يَقُوْلُ ذٰلِكَ عِنْدَ مَايَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْبَهَائِمِ بَعْدَ الْاِقْتِصَاصِ مِنْ بَعْضِهَا لِبَعْضٍ كُوْنِيْ تُرَابًا

سورہ نبا مکیہ ہے جس میں ۴۱ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

ترجمہ:.......... یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں (قریش ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں) اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں (یہ اس چیز کا بیان ہے اور استفہام اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اور وہ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا قرآن ہے جس میں قیامت وغیرہ کا بیان ہے) جس میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں (مومن تو اس کو ثابت کرتے ہیں لیکن کافر انکار کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (کہ ان کے انکار پر کیا بلا نازل ہوتی ہے) پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یہ تاکید ہے اور ثـم سے اشارہ ہے کہ دوسری وعید پہلی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر آگے حق تعالیٰ قیامت پر قدرت کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ ارشاد ہے) کیا ہم نے زمین کو فرش (مثل بستر) اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا (ان سے زمین تھم گئی جیسے خیمہ کھمبوں پر تھما ہوتا ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے) اور ہم ہی نے تمہیں جوڑہ جوڑہ (مرد وعورت) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت (بدن کے آرام) کی چیز بنایا۔ اور ہم ہی نے رات کو پردہ (اپنی اندھیر میں چھپا دینے والی چیز) بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت (دھندہ کرنے کے لئے) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے (شـداد، شـديـدة کی جمع ہے یعنی نہایت طاقتور جس پر پرانا ہونے کا کچھ اثر نہیں پڑتا) اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ (دہکتا ہوا یعنی آفتاب) بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے برسایا (جو بادل برسنے کے قریب ہوتے ہیں۔ وہ اس جوان لڑکی کی طرح ہوتے ہیں جو قریب الحیض ہو) بہت سا پانی (موسلا دھار بارش) تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ (جیسے گیہوں) اور بھوسہ (تنکے) اور گنجان باغ پیدا کریں (لپٹے ہوئے۔ لـفيف کی جمع ہے جیسے شـــريف کی جمع اشـــراف ہے) بے شک فیصلہ کا دن (مخلوق کے درمیان) ایک مقررہ وقت ہے (ثواب وعذاب کے لئے) یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا (صور کے معنی سینگ کے ہیں" يوم الفصل " کا بدل یا بیان ہے اور صور پھونکنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے) پھر تم لوگ (اپنی قبروں سے موقف کی طرف) گروہ در گروہ (مختلف جتھے) ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ فرشتوں کے اترنے کے لئے پھٹ جائے گا) پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے (اپنی جگہ سے ٹل جائیں گی) اور ریت کی طرح ہو جائیں گے۔ (غبار یعنی ہلکے پھلکے) بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (تاک میں ہے یا کمین گاہ ہے) سرکشوں کا ٹھکانہ (کافر اس سے نکل کر جا نہیں سکیں گے، اسی قرارگاہ میں گھسیں گے) جس میں وہ رہیں گے (حال مقدر ہے یعنی ان کا رہنا طے ہے) مدتوں (بے انتہا زمانہ حقب کی جمع ہے جو ضمہ اول کے ساتھ ہے) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا (جو مزے کے لئے پی جائے) بجز گرم (کھولتے ہوئے) پانی اور پیپ کے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ جو کچلہوں دوزخیوں سے بہے گا وہ ان کو دیا جائے گا۔ ملے گا ان کو یہ) پورا بدلہ ملے گا (جو ان کے قصوروں کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ کفر سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اور دوزخ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے) وہ لوگ حساب کا اندیشہ (خوف) نہیں رکھتے تھے (قیامت کو نہ ماننے کی وجہ سے) اور ہماری آیات (قرآن) کو خوب جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے (اعمال کی) ہر چیز کو دیکھ کر ضبط کر رکھا ہے (لوح محفوظ میں تاکہ اس پر ہم بدلہ دے سکیں گے، انہیں اعمال میں سے، ان کا قرآن کو جھٹلانا ہے) سو مزہ چکھو (یعنی ان سے آخرت میں ان پر عذاب ہونے کے وقت کہا جائے گا کہ اپنا بدلہ چکھو) کہ ہم تمہارے عذاب (پر عذاب) کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بلاشبہ کامیابی ہے (جنت میں کامیابی کا مقام) یعنی باغ (مـفـــازا کا یہ بدل ہے یا بیان) اور انگور اور نوخیز عورتیں (جن کی

چھاتیاں ابھری ہوئی ہوں گے۔ کاعب کی جمع ہے) جو ہم عمر ہوں گی (ہمسن ترب کی جمع ہے جو کسر تا اور سکون را کے ساتھ ہے) اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب ہوں گے (پیالے شراب سے لبریز۔ سورہ محمد میں وانھر من خمر ہے) وہاں نہ کوئی بیہودہ (غلط) بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (تخفیف کے ساتھ یعنی جھوٹ اور تشدید کے ساتھ تشدید کے ساتھ ہے یعنی ایک دوسرے کو جھٹلانا۔ اور دنیا میں شراب پینے کے وقت اس کے خلاف ہوتا ہے) یہ بدلہ ملے گا (یعنی اللہ انہیں یہ صلہ عطا فرمائے گا) آپ کے رب کی طرف سے انعام (جزاء کا بدل ہے) کافی (بہت زیادہ جیسے بولتے ہیں اعطانی فاحسبنی یعنی مجھے اتنا دیا کہ میں نے حسب یعنی بس کہہ دیا) جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا (جر اور رفع کے ساتھ ہے) اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں۔ رحمن ہے کسی (مخلوق) کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا۔ کہ عرض معروض کر سکے (یعنی کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ دہشت سے اس کے آگے بات کر سکے) جس روز (لا یکون کا ظرف ہے) روح (جبرائیل یا لشکر خدائی) اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (حال ہے بمعنی مصطفین) کوئی (مخلوق) بول نہ سکے گی۔ مگر یہ کہ اللہ کسی کو بات کرنے کی اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (مومن ہو یا فرشتہ وہ مثلاً ایسے شخص کے لئے سفارشی ہوں جس کے لئے اللہ اجازت دے دے) یہ دن یقینی ہے (اس کا ہونا واقعہ ہے۔ یعنی روز قیامت) سو جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا رکھے (اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کی پناہ میں ہو جائے تاکہ عذاب سے محفوظ رہ سکے) ہم نے ان (مکہ کے کافروں) کو نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (یعنی قیامت کے آنے والے عذاب سے اور جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ قریب ہوتی جاتی ہے) جس دن (عذاب کا ظرف ہے مع اپنی صفت کے) ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لے گا۔ جو (اچھے برے کام) اس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے اور کافر کہے گا اے (حرف تنبیہ ہے) کاش میں مٹی ہو جاتا (یعنی میں عذاب سے بچ جاتا۔ یہ اس وقت کہے گا جب حق تعالیٰ جانوروں کا ایک دوسرے سے قصاص لینے کے بعد فرمائیں گے تم سب مٹی ہو جاؤ)۔

تحقیق وترکیب: .... عم یہ لفظ اصل میں عن ما تھا۔ وصف غنہ میں نون میم شریک ہونے کی وجہ سے نون میم میں ادغام ہو گیا، پھر لم، بم قیم وغیرہ کی طرح اس میں سے بھی الف حذف ہو گیا۔ اہل عرب کثرت استعمال کی وجہ سے آٹھ جگہ ما موصولہ کے الف کو گرا دیتے ہیں۔ عن، من، با، فی علی، الی حتی۔

یتساءلون۔ آپس میں قریش پوچھ پاچھ کرتے یا آنحضرت ﷺ یا مسلمانوں سے قیامت کا استہزاء کرتے ہوئے چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

النبا العظیم۔ یہ عطف بیان ہے اور یہاں استفہام حقیقی نہیں بلکہ تفخیم سے کنایہ ہے۔

سیعلمون۔ یعنی مرنے کے بعد اس انکار کی جو کچھ سزا ملے گی اس سورت کو سورت تساؤل بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں غیر ضروری سوالات پر ناگواری کا اظہار کرنا ہے کہ یہ کافرانہ اور فاسقانہ طرز ہے۔ ثم سے مراد ناگواری ہے۔

الم نجعل الارض۔ یعنی جس کی قدرت کے یہ نو عظیم شاہکار ہیں۔ جن کا تذکرہ اگلی آیات میں فرمایا جارہا ہے۔ کیا قیامت اس کی قدرت سے باہر ہے۔ نجعل کا مفعول اول ارض اور مھاد مفعول ثانی ہے۔ کیونکہ جعل بمعنی تصییر ہے۔ لیکن اگر خلق کے معنی میں ہو تو پھر مھادا اور اوتادا حال مقدرہ ہو جائیں گے اور سباتا بظاہر مفعول ثانی ہے۔ مھاد مھد سے ہے۔ یعنی گہوارہ۔ اور سباتا بروزن غراب ہے۔ سبت قتل کی طرح ہے۔ راحت گہری نیند کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہ بھی باعث راحت ہوتی ہے۔

معاشا۔ مصدر میمی ہے یہاں بتقدیر مضاف ظرف واقع ہو رہا ہے اور اسم مکان بھی ہو سکتا ہے۔

وھاجا۔ چونکہ یہ سراجا کی صفت ہے۔ جعلنا کا مفعول ثانی نہیں ہے۔ اس لئے مفسرؒ نے جعلنا بمعنی خلقنا لیا ہے۔ ورنہ

مفعول اول نکرہ ماننا پڑے گا۔

المعصرات. بادل کے معنی ہیں۔ اگر چہ بادل معصورہ ہوتے ہیں عاصرہ اور معصرہ نہیں ہوتے یا اس میں ہمزہ حینونۃ کی مانی جائے۔ یعنی تعدیہ کی نہیں ہے۔ جیسے احصد الذرع بولتے ہیں یعنی کھیتی پکنے کے قریب ہوگئی۔ اس میں ہمزہ فاعل کے ذی ماخذ بنانے کے لئے بھی مانی جاسکتی ہے جیسے اعسر، ایسر، الحم اطفل میں ہے۔ امام راغبؒ صاحب مفردات کہتے ہیں کہ المعصر جوان عورت جو شباب میں داخل ہو۔

ثجاجا. ثج متعدی سے ماخوذ ہے۔ لازم ومتعدی دونوں طرح آتا ہے۔ ثجه، ثج دونوں صورت میں ہے۔

الفافا. گھنے اور تہ برتہ۔ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ الفاف اور ملتفة کا واحد نہیں ہے جیسے اذرغ کا واحد نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ لف بکسر لام کی جمع ہے۔ جزع اجزاع اور سر، اسرار کی طرح۔ تیسرے یہ کہ لفیف کی جمع جیسے شہید، اشہاد، شریف، اشراف یالف کی جمع ہے اور وہ لفاء کی جمع بمعنی گھنا درخت۔

ان یوم الفصل. کفار کے قیامت کے بارے میں منکر ہونے کی وجہ سے ان لایا گیا ہے۔

میقاتا. ظرف زمان ہے فتحت مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اذا السماء انفطرت. اذا السماء انشقت کی وجہ سے یہاں پر آسمان کا پھٹنا مراد ہے۔ متعارف معنی کھلنے کے مراد نہیں۔

سرابا. دوپہر کو سخت دھوپ میں جو ارتعاشی کیفیت ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں جو پانی کی لہروں جیسی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن صاحب قاموس کے نزدیک لغت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ سراب یعنی ریت سے تشبیہ پر محمول کرلیا جائے کہ وہ پہاڑ محض خیالی رہ جائیں گے جیسے: ریت خیالی پانی ہوتا ہے۔

مرصادا. مفسرؒ نے اشارہ فرمایا ہے کہ ارصاد مبالغہ کے اوزان میں سے ہے بمعنی راصد اور للطاغین متعلق ہے یا اس کی صفت ہے اور مآبا کے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔ اس وقت مرصاد اسے بدل الکل ہوجائے گا۔ نیز مرصاد ظرف بھی ہوسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ وصدق الشئی ارصده اذا ترقبته فهی راصدة . یا بمعنی مرصد ہے ای معدة لهم کہا جاتا ہے ارصدت له، اعددت له مرصاد بمعنی انتظار کنندہ۔

لبثین. حال ہے یدخلونها کی ضمیر سے للطاغین کی ضمیر سے۔

احقابا اس میں کئی صورتیں ہیں:۔

۱۔ حضرت حسنؓ سے مروی ہے۔ ان الله لم یجعل لا هل النار مدة بل قال لا بثین فیها احقا باو لیس للاحقاب عدة الا الخلود. حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔ لو علم اهل النار انهم یلبثون فی النار عدد حصی الدنیا لفر حوا ولو علم اهل الجنة انهم یلبثون عدد حصی الدنیا لحزنوا.

۲۔ لفظ احقاب کی مدت خاص پر دلالت نہیں کرتا۔ البتہ حقب تنہا ہی مدت کے لئے ہے۔ پس آیت میں انواع عذاب کی فوقیت ہے۔ لیکن جہنم میں ٹھہرنے کی فوقیت نہیں ہے۔

۳۔ یہ آیت دوسری آیت لن نزید کم الا عذابا سے منسوخ ہے یعنی عذاب کی تحدید نہیں رہی۔ خطیب میں ہے کہ ایک حقب اسی ۸۰ سال مدت ہے اور ہر سال بارہ مہینہ کا اور ہر مہینہ تیس ۳۰ دن کا اور ہر روز ہزار سال کا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ بہرصورت معتزلہ کے لئے اس آیت سے استدلال کا موقعہ نہیں۔ کہ دوزخ ایک مدت کے بعد ختم ہوجائے گی۔

لایذوقون . اس کی کئی ترکیبیں ہیں:۔

ا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

۲۔ لٰبثین کی ضمیر سے حال متداخلہ ہو۔ ای لا بثین غیر ذائقین ۔احقاب کی صفت ہو۔

۳۔بردا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ برد کے معنی نیند کے ہیں ۔کسائیؒ ،ابوعبیدہؒ بھی یہی کہتے ہیں ۔اہل عرب کا محاورہ ہے۔منع البرد البرد یعنی ٹھنڈک سے نیند اڑ گئی ۔اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نیند کے بعد ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پیاسا سو جائے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔لغتہ ہذیل میں برد کے معنی نیند کے ہیں۔

الا حمیما. مفسرؒ نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔لیکن و لا شراباً کے عموم سے استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے لیکن استثناء کلام غیر موجب میں ہو رہا ہے۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ شراباً سے بدل بنایا جائے۔

غساقا. اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ لیکن حمزہؒ ،علیؒ ،حفصؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔

جزاء وفاقاً. مفسرؒ نے پہلے عبارت " جوزوا" نکال کر اشارہ کر دیا کہ فعل محذوف کا یہ مفعول مطلق ہے اور " مرافقاً لعلهم" سے اشارہ ہے۔کہ یہ جزاء کی صفت ہے بتاویل اسم فاعل اور حذف مضاف کی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ای ذاوفاق. یا بطور مبالغہ مصدر ہی رکھا جائے۔

کذاباً. زمخشریؒ کہتے ہیں کہ فعال فعل کی جگہ کلام عرب میں بکثرت آتا ہے۔لیکن ابن مالکؒ تسہیل میں لکھتے ہیں کہ یہ قلیل ہے۔ کتاباً بمعنی احصیناه کا مفعول مطلق ہے کیونکہ احصاء اور کتابت دونوں کے معنی ضبط کرنے کے ہیں۔پس نفس فعل میں مجاز ہوگا۔ جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے۔دوسرے یہ کہ معنی احصاء کا مفعول مطلق کہا جائے ۔اس صورت میں نفس مصدر میں مجاز ہوگا۔تیسری صورت یہ ہے کہ منصوب علی الحال ہو ای مکتوباً فی اللوح اور بعض کتاب سے اعمال نامہ مراد لیتے ہیں۔

لن نزیدکم . قرآن میں دوزخیوں کے لئے یہ سب شدید وعید ہے۔

مفازا. مصدر یا ظرف ہے۔

حدائق. مفازا سے بدل البعض ہوگا اگر مفازا ظرف ہو ورنہ مصدر ہونے کی صورت میں بدل اشتمال ہوگا۔

کواعب . روح البیان میں ہے کعبت المراة کعوبا کے معنی چھاتی ابھرنے کے ہیں ۔یعنی ٹخنے کی طرح گول سڈول ہونے کے ہیں۔

کذاباً. کسائیؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے کیونکہ فعالا ثلاثی کا مصدر ہے۔مفاعلت کے لئے مطرداً آتا ہے۔اور باقی قراء کے نزدیک بالتشدید آتا ہے۔عطاء زمخشریؒ کہتے ہیں کہ عطاء ، جزاء کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔مگر قاضی اس سے متفق نہیں ہیں۔کیونکہ مصدر اس وقت عامل بن سکتا ہے۔جب کہ مفعول مطلق نہ ہو۔

حسابا. بمعنی کافی . احسبت فلانا . یعنی میں نے اس کو کافی دے دیا۔حتی کہ وہ حسبی کہنے لگا اور ابن قتیبہؒ کی پیروی کرتے ہوئے مفسرؒ عطاء کثیر کے معنی لے رہے ہیں۔

رب السمٰوات. تفسیر کبیر میں ہے کہ اس میں تین قراءتیں ہیں:۔

ا۔ابن کثیرؒ ،نافعؒ ،ابوعمرؒ کے نزدیک رب اور رحمن دونوں میں رفع ہے۔

۲۔عاصمؒ عبداللہؒ بن عامر کے نزدیک دونوں میں جر ہے۔

۳۔حمزہؒ، کسائیؒ کے نزدیک اول میں جر اور دوسرے میں رفع ہے۔ پھر رفع کی قراءت میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔رب السمٰوات مبتداء اور رحمٰن خبر اور لا یملکون سے استیناف ہو۔

۲۔رب السمٰوات مبتداء اور رحمٰن اس کی صفت ہو اور لا یملکون خبر۔

۳۔رب السمٰوات خبر ہو، هو مبتداء محذوف کی۔ اسی طرح رحمن سے پہلے هو محذوف ہو۔

۴۔الرحمٰن اور لا یملکون دونوں خبر ہوں اور جر کی قراءت پر ربِّ سے بدل ہوجائے گا۔ لیکن تیسری قراءت پر ترکیب اس طرح ہوگی کہ ربِّ سے رب السمٰوات بدل ہونے کی وجہ سے رب کی صفت ہے۔

الرحمٰن . ابن عامرؒ، عاصمؒ کے نزدیک ماقبل کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور ابن کثیرؒ نافعؒ ابوعمرؒ کے نزدیک ماقبل کی صفت یا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور تیسری قراءت حمزہؒ، کسائیؒ کی جس میں اس کو مبتداء محذوف کی خبر یا غیر محذوف کے لئے مبتداء مانتے ہوئے مرفوع پڑھا جائے۔

خطابا. یعنی بطور اعتراض ونکتہ چینی کوئی اللہ کے آگے بات نہیں کرسکے گا۔ لیکن شفاعت اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ تو بطور خشوع وخضوع ہے۔

یقوم الروح. مراد جبرائیلؑ ہیں یا اللہ کی ایک خاص مخلوق ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوع نقل ہے کہ الروح جند من جنود اللہ لیسو بملائکۃ لھم روس وایدی وارجل اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی امام غزالیؒ احیاء میں فرماتے ہیں الملک الذی یقال لہ الروح وھو الذی یولج الارواح فی الا جسام فانہ یتنفس فیکون فی کل نفس من انفاسہ روح فی جسم وھو حق یشاھدہ ارباب القلوب ببصائرھم.

لایتکلمون. یہ لا یملکون کی تاکید ہے یعنی اتنے مقرب ہوتے ہوئے بھی ان کی مجال نہیں کہ چوں کرسکیں۔ پھر اللہ کے آگے اور کس کا حوصلہ ہے کہ بول سکے؟ اور شفاعت بھی جب بلا اجازت نہیں ہوسکے گی تو اور کلام کا تو سوال ہی کیا؟

ذلک الیوم . مبتداء خبر ہے اور الحق صفت ہے الیوم کی یا ذلک کی خبر ہے اور الیوم صفت ہوجائے گی۔

عذاباً قریبا. یعنی قریب ہونا اس لئے ہے کہ مستقبل قریب ہی ہوتا جاتا ہے۔ نیز عذاب کی ابتداء موت سے شروع ہو جائے گی اور موت قریب ہے۔ آگے" یوم ینظر" عذاب کا ظرف بھی ہے اور صفت بھی ای عذابا کائنا یوم ینظر المرء اور مرء سے عام انسان مراد ہے یا الف لام سے عموم مراد لی جائے اور نظر کے معنی دیکھنے کے ہیں۔

ما قدمت. ما موصولہ ہونے کی صورت میں ینظر کا مفعول ہے اور ما استفہامیہ اگر ہے تو پھر یہ قدمت کا مفعول ہوگا۔ اور ہاتھوں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اکثر کام ہاتھ سے ہی کئے جاتے ہیں۔

ترابا. ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ یحشر الخلق کلھم یوم القیامۃ البھائم والدواب والطیر . فیبلغ من عدل اللہ ان یا خذا لجماء من القرناء ثم یقول کونی تربا فذلک حین یقول الکافر یا لیتنی کنت ترابا.

ربط آیات:............اس سورت کا مضمون بھی وہی ہے جو سورہ مرسلات کا ہے۔ یعنی آخرت اور قیامت کا بیان اور اس کو ماننے نہ ماننے کے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کرنا اسی کو نباء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے سورت کا نام ''سورۃ النباء'' اور چونکہ اسی میں منکرین کج کاؤ نکالتے ہیں اور پوچھ گچھ کرتے رہتے تھے۔ اس لئے اس کا نام ''سورۃ التساؤل'' بھی ہے۔

شان نزول:.......... سورہ قیامۃ سے سورہ نازعات تک سب سورتوں کا مضمون یکساں معلوم ہوتا ہے اور یہ سب سورتیں مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔

﴿تشریح﴾:.......... عم یتساء لون . یعنی یہ لوگ کسی بات کی کھوج لگانے میں مصروف ہیں۔کیاان میں اتنی سمجھ ہے اور کیا خود وہ ایسی چیز ہے جو پوچھ پاچھ سے ان کی سمجھ میں آجائے گی ہرگز نہیں۔ورنہ بے دیکھے ایمان لانے کا مطالبہ پھر کیسا؟ بڑی خبر سے قیامت اور آخرت کی خبر مراد ہے جس کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سنتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر اور مومنین سے پوچھ گچھ کرتے تھے کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ اور بھائی کبھی پہلے بھی تم نے سنا ہے کہ مرکر کوئی زندہ ہوا یا ہوگا؟ بھلا کہیں سمجھ میں آتا ہے کہ جو ہڈیاں گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکیں۔ان میں پھر نئے سرے سے جان پڑے گی۔کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ دنیا کا یہ سارا جما جمایا نظام الٹ پلٹ ہو جائے اور جب قیامت کو آنا ہی ہے تو اب تک کیوں نہیں آگئی۔تاکہ نیک و بد کا پتہ اسی دنیا میں چل جاتا، پھر آئی تو کیا فائدہ؟ اور جانتے ہو کہ کس چیز کے بارے میں سوال کرر ہے ہو؟ وہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ نہایت عظیم الشان چیز ہے۔

قیامت کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں:.......... هم فیه مختلفون . یعنی قیامت اور آخرت کے متعلق لوگ مختلف قسم کے نظریات اور افکار رکھتے ہیں۔ان چہ میگوئیاں کرنے والوں میں بھی کوئی تو عیسائی خیالات سے متاثر ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا مانتا ہے۔مگر جسمانی زندگی نہیں بلکہ روحانی زندگانی مانتا ہے اور کوئی صرف بدن کے اٹھنے کا قائل ہے۔کوئی آخرت کے متعلق ڈانواڈول کہ وہ ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟" ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین " یعنی قیامت کی نسبت جھٹ پٹا سا خیال تو آتا ہے مگر وجدان پر زور دیتے ہیں تو یقین نہیں آتا۔شک اور تذبذب کی سی کیفیت ہے۔نہ مانتے بن پڑتا ہے نہ انکار کرتے۔اور کوئی بالکل صفائی سے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بس جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی زندگانی ہے۔مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ما هی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدهر . ان هی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین. اور جو کچھ لوگ ان کی طرح دہریے تو نہ تھے۔خدا کو مانتے تھے مگر دوبارہ جی اٹھنے کو ناممکن سمجھتے تھے۔یعنی جب ہڈیوں تک کا نام ونشان نہ رہے پھر دوبارہ زندگی کا لباس پہن لے یہ بات جیسے: مشاہدہ میں نہیں آتی ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔من یحی العظام وهی رمیم . غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

بعض تو محض مجازات عقلی مانتے ہیں اور بعض صرف خیالی اور وہمی مانتے ہیں اور بعض حسی مانتے ہیں اور بعض ان تینوں کے علاوہ معاد مانتے ہیں اور بعض تناسخ اور آواگون کے قائل ہیں۔یوں ہی سب انکل کے تیر چلا رہے تھے علم ہوتا تو سب ایک ہی بات مانتے جیسا کہ مؤمنین، وہ اسی بات کو مان رہے ہیں جس کو از آدم تا ایں دم سارے نبی کہتے چلے آئے یعنی جسم روح کا دوبارہ جی اٹھنا اور اللہ کے حضور کی پیشی وغیرہ۔

قیامت جب حقیقت بن کر سامنے آئے گی:.......... کلا سیعلمون . یعنی انبیاء کی متفقہ ہدایت وتعلیم کے باوجود اس عقیدہ کو نہیں مانیں گے، ہرگز نہیں مانیں گے اور اپنی بے اصل اور غلط باتوں پر بضد رہیں گے۔سو وہ وقت دور نہیں کہ جب وہ ہولناک منظر سامنے آجائے گا اور وہ چیز جس کے بارے میں یہ فضول چہ میگوئیوں میں الجھ رہے ہیں حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔تب معلوم ہو جائے گا۔کہ قیامت کیا ہے اور اس کا انکار ہٹ دھرمی کے سوا کیا تھا؟ اس وقت پیغمبر کا ایک ایک حرف صحیح

نکلے گا۔ لفظ کلا کا تکرار اور ثم بعض حضرات کے نزدیک تاکید کے لئے ہے۔ لیکن بعض حضرات نے پہلے جملہ کو برزخ کے اثبات پر اور دوسرے کو قیامت کے اثبات پر محمول کیا ہے۔ عالم برزخ کی مجازات تو خیال کرنے کے مثل ہوگی اور قیامت کی جزاء وسزا حقیقی ہوگی۔ کیونکہ وہاں روح کا تعلق بدن سے اگر چہ ہوگا۔ لیکن اس تعلق کے باوجود روح پر تجرد غالب رہے گا اور غلبہ تجرد کے باوجود تعلق کی کیفیت اس روز کھل جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں تو روح کا بدن سے تعلق غالب اور تجرد مغلوب ہے۔ لیکن عالم برزخ میں اس کا برعکس ہوگا۔ یعنی تجرد غالب اور تعلق مغلوب ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ یہ عالم ظاہر ہے۔ اس لئے یہاں اجسام ظاہر اور ارواح مخفی ہیں اور وہ عالم ارواح وحقائق ہوگا۔ اس لئے وہاں معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ پس تعلق کی جامعیت اور تجرد کا غلبہ، قیامت سے پہلے اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

ایک علمی نکتہ:......... یہاں سورہ نباء میں چونکہ اہل ایمان مخاطب ہیں جو قیامت کے قائل ہیں۔ اس لئے سیعلمون میں سین لایا گیا جو قربت پر دلالت کرتا ہے۔ برخلاف سورہ تکاثر کے وہاں کفار مخاطب ہیں۔ جو منکر قیامت ہیں۔ اس لئے ان کی رعایت سے "سوف تعلمون" لایا گیا۔ جو بعد پر دلالت کرتا ہے، انهم یرونه بعیداً ونره قریباً. اس کے بعد "الم نجعل الارض" سے بطور استفہام اقراری نو چیزیں ارشاد فرمائی جارہی ہیں۔ جن پر عوام کے ذہن میں دنیا کا مدار ہے۔ ان چیزوں میں سب کی شرکت مانتے ہوئے پھر سب سے علیحدگی تجویز کرنا گویا اجتماع ضدین کرنا ہے۔ زمین کو انسان کے لئے فرش بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر سکون واطمینان سے آرام کرتے ادھر لیٹتے اور کروٹیں لیتے ہیں۔ کھیتی، باڑی، صنعت وحرفت، تجارت، کاروبار، مرنا جینا، سب کچھ اسی پر کیا جاتا ہے۔ مسلم غیر مسلم سب اس میں شریک ہیں۔ اب یہیں سے قیامت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ تاکہ وہاں نیک وبد کا امتیاز ہو سکے۔ مومن کے لئے ارشاد ہے۔ من عمل صالحاً فلا نفسهم یمهدون اسی طرح کفار کے حق میں فرمایا گیا۔ لهم من جهنم مهاد.

زمین کی حرکت وسکون:......... والجبال اوتاداً۔ ابتداء میں زمین کو پیدا کر کے جب پانی پر بچھایا گیا تو ہوا سے پانی میں تموجی لہریں اور زمین میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہوئی۔ یعنی کشتی کی طرح زمین ڈانواڈول ہونے لگی۔ اس اضطرابی کیفیت کو دور کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے۔ جنہوں نے زمین کے لئے میخوں کا کام کیا اور زمین کو قرار آ گیا۔ یاد رہے کہ پہاڑوں سے زمین کی ذاتی حرکت وسکون ہرگز ہٹانا نہیں ہے۔ بلکہ حرکت عرضی کو سکون سے بدلنا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمومی نفع میں بھی مسلم وکافر یکساں شریک ہیں ان میں کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ نیک وبد میں امتیاز کے لئے آخرت ہو جو جنت ودوزخ میں بٹی ہوئی ہو، ایک فرمانبرداروں کا مسکن ہو اور دوسری جگہ نافرمانوں کا ٹھکانا۔

دنیاوی رشتے ناطے آخرت میں ایک حد تک ختم ہو جائیں گے:......... وخلقنا کم ازواجاً. ازواج سے مراد اگر مرد وعورت کے انسانی جوڑے ہیں۔ تب تو ان قدرتی حکمتوں اور مصلحتوں کی طرف اشارہ ہوگا۔ جن سے یہ جوڑے وابستہ ہو کر پر سکون زندگانی گزارتے ہیں۔ ومن اٰیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیها. مثلاً: دونوں میں میل ملاپ، نسل، رشتے ناطے، متعلقات، ایک دوسرے کے حقوق، دکھ سکھ میں شرکت وغیرہ ایسے فوائد ہیں جن سے نیک وبد سب مستفید ہوتے ہیں۔ یہ رشتے ناطے بس دنیا ہی تک ہیں۔ اگر آخرت میں بھی یہ رہیں تو بسا اوقات ایک رشتہ دار کی تکلیف کا اثر دوسرے رشتہ دار کو ہونے سے اس کا عیش مکدر ہو جاتا۔ اس لئے اللہ نے آخرت میں رشتوں کو منقطع کر دیا۔ تاکہ جو عیش میں ہے وہ اپنی جگہ مگن رہے اور جو مصیبت میں ہے

،وہ خود بھگتنا رہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینهم** اور **لا یسئل حمیما حمیما** اسی طرح ازواجاً سے مراد شکلوں، رنگوں کا اختلاف بھی ہوسکتا ہے۔ **وجعلنا نومکم سباتاً** یعنی نیند سے تکان دور ہوکر آرام وسکون ملتا ہے۔ اور انسان چاق وچوبند، تازہ دم ہوجاتا ہے۔ نیند نہ ہو تو زندگی اجیرن ہوکر رہ جاتی ہے۔ کھانا نہ کھانے سے طبیعت اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنی کہ جاگنے سے ہوتی ہے۔ آگے ارشاد ہے۔

دنیا میں سونے اور آخرت میں نہ سونے کی حکمت:.......... **وجعلنا اللیل لباساً**. رات کے لباس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پردہ داری اور راز داری کے کام رات کو باطمینان کیے جاسکتے ہیں۔ بیویوں سے ملنا اور اچھے بری مشورے، راز ونیاز اور مخالفین سے چھپنا، عیش وعشرت، رنگ رلیاں، چوری، خیانت، تہجد ومراقبہ وغیرہ بہت سے کام رات کو بحسن وخوبی ہوتے ہیں۔

اللیل للعاشقین ستراً یالیت او قاته تدوم

اور ظاہر ہے کہ آخرت ان دونوں کاموں میں مختلف ہونی چاہیے۔ یعنی وہاں نیند اور سونا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ نیک آدمی تو ہمہ وقت خوشی میں مست رہے گا۔ نیند کی اول تو وہاں ضرورت نہیں پڑے گی۔ دوسرے نیند کی وجہ سے بڑے بڑے فوائد اور دائمی اجر سے محروم ہوجائے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ **لا یمسنا فیها نصب و لا یمسنا فیها لغوب** اور بدآدمی ہے تب بھی، رنج والم اور دکھ درد سے ایک لحہ بھی اسی فرصت نہیں ملنی چاہیے، پھر نیند کہاں؟ اسی طرح قیامت کے تمام حالات سب پر عیاں اور ظاہر رہنے چاہئیں۔ تاکہ اہل جنت کی عزت بھی نمایاں ہو اور اہل دوزخ کی رسوائی بھی کھلے عام ہوسکے۔ غرض کہ ہر چیز طشت از بام ہوجائے۔ کوئی چیز بھی چھپی نہ رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ مجلس نکاح رات کو منعقد ہونی چاہیے یا دن کو فرمایا رات کو کیونکہ ادھر رات کو لباس اور ادھر "**هن لباس لكم**" عورتوں کو لباس فرمایا ہے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے سے مناسبت ہے۔

جنت میں دن رات نہ ہونے کی حکمت:.......... **وجعلنا النهار معاشا**. یعنی رات تو آرام کی خاطر اور پرسکون بنانے کے لئے تاریک رکھی ہے۔ لیکن دن اس لئے روشن کردیا کہ تم زیادہ آسانی سے روزی اور کمائی کا دھندہ کرسکو اور رات دن کا یہ مسلسل الٹ پھیر کرتے رہنے کے بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً: یہی کہ یہ سب کچھ بے مقصد اور اتفاقیہ نہیں ہورہا ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے بڑی حکمت یہ کام کررہی ہے کہ تم نہ مسلسل کام کرسکتے ہو کہ تھک کر چور ہوجاؤ۔ اور نہ بالکل سکون ہی کی نذر ہوجاؤ، ورنہ معطل ہوکر رہ جاؤ گے۔ زندگی نام ہے حرکت کا۔ اس لئے حرکت رہنی چاہیے اور سکون حرکت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن آخرت میں چونکہ جنتیوں کو نعمت کی تلاش نہ ہوگی اور نہ جہنمیوں کو مصیبت کی تلاش ہوگی۔ اس لئے کہ وہاں دن کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ **شمسا و لا زمهریرا**. رات دن کی مناسبت سے آگے زمین وآسمان کا ذکر ہے۔ **وبنینا فوقکم سبعاً شداداً**. آسمانوں کی مضبوطی کا حال یہ ہے کہ قرنہا قرن گزرنے پر بھی آج تک کہیں اس میں رخنہ یا شگاف نہیں آیا اور اس کی سرحدات بھی اتنی مستحکم ہیں کہ مجال ہے کہیں کوئی فرق آلے۔ بے شمار ستاروں اور سیاروں میں سے نہ کوئی ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور نہ زمین پر آتا ہے۔ حالانکہ ان کی حرکات مختلف سمتوں میں بھی ہوتی ہیں۔ دنیا میں مومن وکافر برابر ان سے استفادہ کررہے ہیں، کوئی فرق نہیں ہے اس لئے آخرت ہونی چاہیے۔ جہاں جاکر ان میں فرق کھلے۔ چنانچہ جنتی بھی حسب مراتب مختلف درجات میں ہوں گے۔ اور جہنمی بھی اسی طرح مختلف درجات میں ہوں گے۔

نظام شمسی میں قدرت الٰہی:............وجعلنا سراجاً وھاجاً ۔وھاج انتہائی گرم اور نہایت روشن کو کہتے ہیں اور سورج میں یہ دونوں وصف بدرجہ کمال موجود ہیں۔سورج جس کو نیرّ اعظم کہا جاتا ہے۔کتنا بڑا کرہ ہے؟اس کا قطر زمین سے ۱۰۹ گنا بڑا ہے اور اس کا حجم زمین کے حجم سے (۳۳۳۰۰۰) ہزار گنا ہ زیادہ ہے اور اس کا درجہ حرارت (۱۴۰۰۰۰۰۰) ڈگری سینٹی گریڈ ہے اور اس کی روشنی کا یہ حال ہے۔کہ زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہونے کے باوجود انسان اگر اس پر براہ راست نظر جمانے کی کوشش کرے تو اپنی آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھے اور اس کی تپش کا یہ حال ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں درجہ حرارت (۱۴۰) ڈگری فائرن ہائڈ تک پہنچ جاتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل وکرم ہے کہ ہماری زمین اس سے اتنے فاصلے پر رکھی گئی ہے کہ قابل برداشت گرمی سردی کی وجہ سے اس پر رہنا ممکن ہوسکا۔نہ اتنے قریب کہ جل بھن کر رہ جائیں اور نہ اتنی دور کہ برف کی طرح جم کر رہ جائیں۔غرض کہ سورج بڑی طاقت کا خزانہ ہے۔اس سے کھیتیاں اور پھل پک رہے ہیں۔سمندروں سے بھاپ اٹھ رہی ہے اور وہ ہواؤں کے ذریعہ زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر بارش کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔قدرت نے کتنی زبردست بھٹی تیار کی ہے کہ اربوں سال سے نظام شمسی میں مختلف اقسام کی شعاعیں،روشنی،حرارت پھینکے چلی جارہی ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین.

بہر حال سورج کا فیض ساری دنیا کو پہنچ رہا ہے۔اس لئے آخرت کا ہونا ضروری ہوا کہ جہاں دوزخ کی سخت گرمی اور حرارت سے جھلس جائیں گے۔وہاں ساکنان جنت جمال الٰہی کے نور سے مستفید ہوں گے۔

بارش بے شمار نعمتوں کا مجموعہ ہے:............وانزلنا من المعصرات. نچڑنے والی بدلیوں،یا نچوڑنے والی ہواؤں سے بارش اور پیداوار کا جو نظام اللہ نے قائم کر رکھا ہے اس سے اس کی قدرت وحکمت کے حیرت انگیز کمالات سامنے آتے ہیں۔

لنخرج بہ حبا و نباتا و جنات الفافا. اس سے گنجان باغ اور گھنے درخت مراد ہیں۔یا یہ مطلب ہے کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کردیئے برخلاف قیامت کے وہاں نیک اعمال لوگوں کو باغ وبہار ملیں گے اور بدکار لوگوں کو آگ، چنگاریوں،دھوئیں سے پالا پڑے گا۔ انطلقوا الی ظل ذی ثلث شعب .

دلائل قدرت قیامت کی دلیل ہیں:............قدرت کی یہ عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر منکرین کو یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنی آنکھیں کھول کر اپنی پیدائش،سونے،جاگنے اور دن رات کے اس انتظام اور زمین،آسمان،پہاڑوں کو دیکھو اور سورج جیسے ہیبت ناک کرہ کو دیکھو،بادلوں سے برسنے والی بارش اور اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھو تو صاف سمجھ میں آجائے گا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت کا مالک ہے۔کیا اس کو دوبارہ زندہ کر دینا اور حساب کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا۔اور نیز یہ بات کیا اس کی حکمت کے خلاف نہ ہوگی۔کہ اتنے بڑے کارخانے کو یونہی بے نتیجہ چھوڑ دیا جائے۔یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہئے۔اسی کو ہم آخرت کہتے ہیں۔جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔

بہر حال یہ سب کچھ نہ اس کی زبردست قدرت کے بغیر وجود میں آسکتا ہے اور نہ اس باقاعدگی کے ساتھ جاری رہ سکتا ہے۔ نیز اس کا کوئی کام بے مقصد و بے حکمت نہیں ہے۔یہ بات بس ایک نادان ہی کہہ سکتا ہے کہ جو قدرت ان ساری چیزوں کو وجود دینے اور فنا کر دینے پر قادر ہے۔وہ دوبارہ پیدا کر دینے پر قادر نہیں ہے اور یہ بات بھی ایک ناسمجھ ہی کہہ سکتا ہے کہ جس دانا اور بینا ذات نے کوئی کام بھی اس کائنات میں بے مقصد نہیں کیا اس نے انسان کو اپنی بے شمار مخلوقات پر بے مقصد ہی تصرف کے اختیارات دے ڈالے

ہیں اور انسان دنیا میں رہ کران چیزوں کو کیسے ہی استعمال کرے کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔ کوئی کتنی بھلائیاں یا برائیاں کرتے کرتے مرجائے اسے کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ یوں ہی مٹی میں مل کر ختم ہوجائے گا۔

قیامت عقلاً بھی ضروری ہے:......... ان یوم الفصل الخ اس فیصلہ کے دن نیک و بد میں پورا امتیاز کردیا جائے گا اور ایک کو دوسرے سے بالکل الگ کردیا جائے گا کہ کسی طرح کا اشتراک باقی نہ رہے۔ نیکی اور بدی اپنے اپنے مراکز میں پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ اتنا کامل امتیاز و افتراق دنیا میں رہتے ہوئے نہیں ہوسکتا۔ مذکورہ بالا نعمتوں میں سب کا اختلاط و اشتراک بھی بیان ہوچکا ہے۔ اور یہ اشتراک وافتراق دونوں نقیض اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں دنیا میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ لامحالہ اشتراک کے لئے دنیا اور افتراق کے لئے آخرت ہونی چاہئے جس کو یوم الفصل کہا گیا۔

یوم ینفخ فی الصور. نفخ صور سے آخری مرتبہ پھونکنا مراد ہے۔ جس کے اثر سے یکا یک مردے جی اٹھیں گے اور یہ ٹولیاں لوگوں کے عقائد و اعمال کے لحاظ سے ہوں گی۔ اسی وقت آسمان پھٹ کر ایسا ہوجائے گا کہ گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔

قیامت میں مختلف کیفیات ظاہر ہوں گی:......... وسیرت الجبال. جس طرح چمکتی ریت پر پانی کا گمان ہوجاتا ہے۔ یہی حال قیامت قائم ہونے پر ہوگا کہ ریت کے تودے پہاڑ معلوم ہوں گے۔ دراصل یہ قیامت کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں آخری نفخ صور کی کیفیت کا بیان ہے۔ اس کے بعد نفخۂ ثانیہ کی کیفیات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کے ریت ہوجانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر ریت بن جائیں گے۔ اس طرح کہ گویا یہاں پہلے کبھی پہاڑ تھے ہی نہیں۔

ان جھنم. جس طرح گھات میں شکار اچانک پھنس کر رہ جاتا ہے۔ جتنا پھڑ پھڑائے گا، ناچے کودے گا، اتنا ہی الجھے گا۔ یہی حال خدا کے باغیوں سرکشوں کا ہوگا کہ منکر ہونے کی وجہ سے دوزخ ان کے لئے گھات ثابت ہوگی۔ وہ انہی کی تاک میں ہے۔ حقب کہتے ہیں نہ ختم ہونے والی مدت کو۔ قرن پہ قرن گذرتے چلے جائیں گے۔ مگر ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔

کیا جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی؟:......... کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی کیونکہ احقاب یعنی "مدتیں" کبھی نہ کبھی ختم تو ہوں گی۔ ان کا سلسلہ لامتناہی تو نہیں چل سکتا۔ بلکہ کسی نہ کسی حد تک ختم ہوجائے گی۔ لیکن یہ بنیاد سراسر کمزور بے جان ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ حقب کہتے ہیں ایسی مدت کو جو کبھی ختم نہ ہو۔ پھر انہوں نے اس لفظ سے یہ کیسے سمجھ لیا اور استدلال کیسے کر بیٹھے؟ دوسرے قرآن کریم میں چونتیس جگہ جہنم کے لئے خلود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہمیشہ کے ہیں۔ پھر ان میں سے تین مقامات میں لفظ ابد کا اضافہ بھی فرمادیا گیا ہے۔ بلکہ سورہ مائدہ میں تو ایک جگہ یہاں تک فرمادیا گیا ہے کہ وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر ہرگز نہیں نکل سکیں گے۔

تیسرے یہ کہ "جنت وجہنم" دونوں کے لئے سورہ ہود میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ خالدین فیھا مادامت السموات والارض پھر دونوں میں اس فرق کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر دوزخ باقی نہیں رہے گی۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو ان پر رد کرتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ بالفرض اگر ایک حقب کی مدت معلوم بھی ہو تب بھی احقاب کی مدت کا معلوم ہونا کیسے ثابت ہوا۔ نیز بعض مفسرینؒ کی رائے ہے کہ یہاں دوزخیوں کے لئے دوزخ میں ٹھہرنے کی مدت بیان کرنا مقصود ہی نہیں۔ بلکہ یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں تھوڑی مدت کو سیکنڈوں منٹوں سے اور اس سے زیادہ کو گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں سے اور اس سے زیادہ کو سالوں اور قرنوں سے تعبیر کرنے کا جو دستور رائج ہے دوزخ میں یہ سب پیمانے بے کار ہوجائیں گے۔ وہاں لامتناہی

مدت کو احقاب سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ وہاں کا پیمانہ ہوگا۔ علاوہ ازیں فراءنحوی کی رائے تو یہ ہے کہ احقاب کا تعلق لا بثین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ لا یذوقون کے ساتھ ہے۔ یعنی اتنی مدت تو آگ کی تپش سے جھلتے رہیں گے اور ٹھنڈے پانی کے نام تک سے آشنا نہ ہوں گے۔ پھر کہیں مدتوں بعد ان کو طبقہ زمہریر میں ڈالا جائے گا اور اس سخت عذاب کے بعد پھر آگ کے عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ غرض ابدالآباد تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا اور چونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ لھم شراب من حمیم اس لئے یہاں بھی لاشرابا کے ساتھ الا حمیما کا استثناء فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے۔ نہ خوشگوار چیز پینے کو ملے گی۔ جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ جائیں گی اور دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی راد پیپ، کچلہو پلائی جائے گی۔ اول تو پینا مشکل اور اگر کچھ زہر مار کر بھی لیں گے تو پیتے ہی زہر تمام بدن میں سرایت کر جائے گا۔ غساق آنکھ کے میل اور ڈھیڈ کو بھی کہتے ہیں۔ بلکہ ہر سڑی ہوئی بدبودار چیز کو غساق کہا جاتا ہے۔

کیا کفر وشرک محدود اور سزا لامحدود ہے:............جزاء وفاقاًانھم کانوا لا یرجون حسابا۔ بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ کفر وشرک تو محدود لگتے ہیں۔ لیکن دوزخ کی سزا غیر محدود کی بھاری ہے۔ ان آیات میں اسی کا ازالہ ہے کہ کفر وشرک محدود نہیں بلکہ لا محدود جرم تھا۔ کیونکہ اول تو ایمان وکفر کا تعلق اللہ کی ذات وصفات سے ہے اور وہ لا متناہی ہے پس ایمان وکفر بھی لا متناہی ہوں گے۔ دوسرے انہیں روز حساب اور قیامت کی توقع ہی نہیں تھی۔ کہ خوف کے مارے برا کام نہ کرتے یا ثواب کی امید پر بھلا کام کرتے۔ پس ان کے اعمال کا محدود اور وقتی ہونا لاچاری سے تھا۔ کچھ امید وخوف کے سبب سے نہیں تھا۔ بلکہ ''عصمت بی بی از بے چارگی'' کے طور پر تھا۔ دنیا میں وہ یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے کہ وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔ جب انہیں خدا کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ تیسرے کفر وشرک اور ان کے اعمال، ان کی روحوں میں سرایت کر چکے تھے اور طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ پس جب روح ابدی ہے تو طبیعت اور اعمال بھی اس کے تابع ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اعمال جوارح کو متناہی کہا جائے گا۔ مگر تکذیب وتصدیق تو روح وقلب کا مشل ہے۔ وہ روح کے ساتھ دوامی ہوگا۔ پس اس کی سزا بھی دوامی ہی ہوگی۔

کفر وشرک کا تعلق دل سے ہے پھر حسی سزائیں کیوں؟:............وکذبوا باٰیتنا کذابا یعنی جس چیز کی انہیں امید نہ تھی وہی چیز سامنے آ گئی اور جس کو جھٹلاتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لی۔ اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکرتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ کفر وشرک تو افعال قلوب میں سے ہیں۔ جن کا دل سے تعلق ہے، جوارح اور اعضاء سے تعلق نہیں۔ پھر دوزخ کی ظاہری حسی سزائیں کیوں دی جائیں گی؟ وکل شیء احصیناہ میں اس کا جواب ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی کے مطابق باقاعدہ دفاتر میں ان کے اندراجات ہیں۔ اچھا یا برا کوئی بھی عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ اقوال وافعال، حرکات وسکنات حتیٰ کہ خیالات وافکار تک مکمل ریکارڈ ہم تیار کرتے جا رہے تھے۔ لیکن کافر اپنی بے وقوفی سے یہ سمجھے تھے کہ جو کچھ چاہیں کرتے رہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حالانکہ صرف حاکم کا جاننا کافی ہوتا ہے۔ دوسروں پر ظاہر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں اور اللہ رتی رتی سے باخبر ہے۔ اس لئے رتی رتی کا بھگتان کرنا ہوگا۔

فلن نزید کم الا عذابا۔ یعنی جس طرح تم گناہ میں برابر بڑھتے جا رہے تھے۔ اسی طرح ہم بھی عذاب میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ موت حائل ہو جانے سے ان کا بڑھنا تو رک گیا اور ہمارا بڑھنا جاری رہا کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ زدنا ھم عذابا فوق العذاب۔

شبہ کا جواب:............ البتہ گنہگار اہل ایمان کی یہ کیفیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کی ارواح تو ایمان کی وجہ سے پاک تھیں صرف اعضاء مجرم تھے جن کی سزا محدود اور وقتی ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ مصیبت وکلفت جب دائمی ہوجاتی ہے تو پھر وہ مصیبت نہیں رہ جاتی۔ بلکہ عادت اور طبیعت بن جاتی ہے۔ اس لئے دوزخی کافروں کو کچھ عرصہ کے بعد وہاں کی تکالیف، تکالیف نہیں معلوم ہونی چاہئیں؟ جواب یہ ہے کہ راحت وتکلیف کا احساس بدن کی کھال کو ہوا کرتا ہے۔ زخم کی کھال اگر گل جائے یا مردہ ہوجائے تو اس کا احساس یقیناً ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر نئی کھال آجائے تو احساس بھی تازہ اور نیا ہوجاتا ہے جو پہلے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ دوزخ میں بھی یہی ہوگا۔ بدلنا هم جلودا غیر ها لیذو قوا العذاب. دوسرا جواب یہ ہے کہ سوء مزاج اگر متفق ہو تب تو تکلیف کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن سوء مزاج مختلف ہونے کی صورت میں تکلیف واحساس بدستور رہتا ہے۔ چنانچہ دوزخ میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ عالم آخرت کو دنیا پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ یہاں کے تقاضے اور ہیں اور وہاں کے طور طریق دوسرے ہیں۔

اور دوزخیوں کے عذاب کی زیادتی کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ ان کے مخالفین اہل ایمان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ان للمتقین مفازا. متقین کا لفظ " لا یرجون حساباً" کے مقابل آیا ہے۔ اس لئے معنی میں بھی تقابل کا لحاظ ہوگا۔

جنتیوں کی عمر میں فرق کا نکتہ:............ کواعب اترابا. نوخاستہ عورتیں جن کی جوانی پورے ابھار پر ہوگی اور وہ سب آپس میں ہم سن ہوں گے، یا اپنے شوہروں کی ہم سن ہوں گی۔ کیونکہ سب ارواح کا اپنے بدن سے تعلق ایک ہی وقت یعنی نفخۂ ثانیہ پر ہوگا۔ گویا سب کی پیدائش بیک وقت ہوگی۔ انا انشانھن انشاءً فجعلنا ھن ابکارا عربا اترابا لا صحاب الیمین اور یہ جنتی بیویاں مردوں کی ہم جنس اور ہم عصر ہوں گی تا کہ لطف دوبالا رہے۔ کیونکہ ناجنس سے جس طرح عیش مکدر ہوجاتا ہے، عمر کے تفاوت سے بھی بے لطفی رہتی ہے۔ اسی لئے جوان اور بوڑھوں میں زیادہ جوڑ اور میل ملاپ نہیں ہوتا۔ اور مرد وعورت کی عمر کچھ تفسیروں میں تینتیس سال لکھی ہے اور بعض روایات میں عورتیں سترہ اٹھارہ سال کی بتلائی گئی ہیں اور مرد تینتیس سال کے سو مردوں کو پختہ میوے جیسا سمجھنا چاہئے اور عورتوں کو اس پھل کی طرح جس کا کچا پکے سے بہتر ہوتا ہے۔ جیسے کھیرا ککڑی وغیرہ۔

وکاساً دھاقا. شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ہوں گے۔ ایک پر ایک لگاتار دیئے جائیں گے۔ لفظ " دھاقاً" میں دونوں مفہوم داخل ہیں اور مقصد تفریح وقوت میں اضافہ ہوگا۔

دنیا اور جنت کے لذائذ میں فرق:............ یہ سب سامان عیش وعشرت دنیا کے سامان سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہوگا نہ کہ حقائق وکوائف کی۔ بقول ابن عباسؓ حقائق میں بڑا فرق ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی چیزوں کا خاصہ ان کی کثیف عنصری مواد پر صورت نوعیہ مرتب ہونے سے ہوتا ہے۔ لیکن بہشت کے لطیف مواد مثالیہ میں خاصہ، اسماء الٰہیہ اور حقائق قدسیہ کی تجلیات کی تاثیر سے پایا جائے گا۔ دنیا میں بھی اگرچہ اسماء الٰہیہ کی تاثیرات ہی ظہور کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن آخرت اور دنیا میں کمال ظہور، طہارت نشاط، لطافت مواد کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرق مراتب نکنی زندیقی

اسی لئے ارشاد فرمایا۔ لا یسمعون فیھا لغوا ولا کذابا. قرآن کریم کے متعدد مقامات پر یہ بات جنت کی بڑی نعمتوں

میں شمار کی گئی ہے کہ آدمی کے کان وہاں گندی، جھوٹی، بیہودہ باتوں کے سننے سے محفوظ رہیں گے وہاں نہ کوئی یاوہ گوئی ہوگی اور نہ فضول گپ بازی، نہ کوئی کسی سے جھوٹ بولے گا، نہ کسی کو جھٹلائے گا۔ یہاں گالم گلوچ، بہتان، افتراء تہمت اور الزام تراشیوں کا جو طوفان برپا ہے اس کا کوئی نام ونشان وہاں نہ ہوگا۔

جنت کی نعمتوں میں فرق طبعی اسباب سے نہیں ہے بلکہ فضل الٰہی سے ہوگا:.........اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیا میں جس طرح مختلف ملکوں کی آب وہوا اور موسموں کے اثرات پڑتے ہیں اور ان سے سردی، گرمی، ارزانی، گرانی ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح جنت میں بھی یہ کیفیات ہوں گی۔ فرمایا نہیں، بلکہ **جزاء من ربك عطاء حسابا**. یعنی رتی رتی کا حساب ہوکر بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا اور یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت الٰہی سے ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں ہے۔ آدمی کا اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچنا ہی مشکل ہے۔ رہی جنت تو وہ اس کے فضل اور رحمت سے ملتی ہے۔ اسی کو ہمارے عمل کا بدلہ کہنا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔ "یا" جزاء" کے بعد "عطا حسابا" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو صرف وہی جزاء نہیں دی جائے گی جس کے وہ مستحق تھے۔ بلکہ ان کو بھرپور اور مزید انعام دیا جائے گا برخلاف جہنمیوں کے۔ ان کی نسبت صرف اتنا فرمایا گیا کہ ان کے کرتوتوں کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ یعنی جرائم کے مطابق نپا تلا بدلہ دیا جائے گا، نہ کم نہ زیادہ۔

رب السمٰوات والارض وما بينهما الرحمٰن لا يملكون منه خطابا. یعنی جہاں ایک طرف نوال وجمال اتنا، وہاں دوسری طرف عظمت وجلال کا حال بھی یہ ہے کہ کوئی اس کے آگے چوں نہیں کرسکتا اور اس کے رعب کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ از خود اللہ کے حضور زبان کھول سکے یا عدالت کے کام میں لب ہلا سکے۔

روح سے کیا مراد ہے؟:.........**يوم يقوم الروح الخ** روح سے مراد عام جاندار ہیں یا ''روح القدس'' جبرائیل امین ہیں اور یا وہ ''روح اعظم'' مراد ہے جس سے بنیادی حصوں کا انشعاب ہوا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ روح سے مراد وہ لطیفہ دراکہ ہے جو ہر مخلوق کو عطا ہوا ہے۔ خواہ وہ آسمان ہو یا زمین، پہاڑ ہوں یا درخت، ہوا ہو یا پتھر، اسی لطیفہ دراکہ کی وجہ سے ہر چیز وقف تسبیح ہے۔ **و ان من شئ الا يسبح بحمده، كل قد علم صلوته وتسبيحه** . اسی کو سورہ یسین میں "**ملكوت كل شئ**" تعبیر فرمایا گیا ہے۔ دراصل یہ لطیفہ ایک نورانی جوہر ہے جو تمام جواہر واعراض سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی کی وجہ سے قیامت میں نیک اعمال، کعبہ معظمہ، آسمان، زمین، دن، رات گواہی دیں گے یا شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ مؤذن کی اذان جہاں جہاں پہنچتی ہے وہ سب چیزیں قیامت میں گواہی دیں گی۔ ہر چیز کو مناسب شکل عطا کی جائے گی۔ اور انسان اور دوسری مخلوق کی ارواح کے بدن سے تعلق میں یہ فرق ہے کہ انسان کے لئے تو دوامی تعلق ہے اور حلول سریانی کے مشابہ ہے۔ کہ تمام قوائے طبعیہ نباتیہ، حیوانیہ میں آکر اپنے حکم کے تابع کر دیتا ہے اور دوسری چیزوں کا تعلق غیر دوامی اور حلول طریانی کے مشابہ ہے۔ چنانچہ بعض اوقات اس کا اثر دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے کہ درخت اور پتھر انبیاءؑ کو سلام کلام کرتے ہیں اور ان کے احکام بجالاتے ہیں۔ قیامت کے روز یہ تعلق قریب قریب دوامی اور حلول سریانی کے مشابہ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب بہت سے عجائبات ظاہر ہوں گے۔ راز اس میں یہ ہے کہ روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے اس تعلق کا اثر ظاہر ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کی روحانیت کا غلبہ اسی طرح قیامت کے قریب احکام روح کا غلبہ ہوگا۔ اس لئے خوارق ظاہر ہوں گے اور ہر چند کے اللہ کی عظمت وجلال ذاتی ہے۔ لیکن اس کا کمال ظہور قیامت کے روز ہوگا۔

شفاعت کے لئے دوشرطیں ضروری ہیں:........... لا یتکلمون الامن الخ سب دم بخود رہیں گے۔ کسی کی مجال نہیں ہوگی شفاعت کے لئے لب کشائی کر سکے۔ الا یہ کہ دوشرطیں پائی جاتی ہوں ایک یہ جس کو جس کے حق میں شفاعت کی اجازت ملے گی وہی شفاعت کر سکے گا اور اسی کے حق میں شفاعت کر سکے گا۔ نہ دوسرا کوئی شفاعت کر سکے گا اور نہ دوسرے کے حق میں شفاعت ہوگی۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ سفارش بھی صحیح ہو اور بے جا نہ ہو۔ یعنی کافر ومشرک کے بارے میں سفارش نہ ہو۔ بلکہ گنہگار مسلمان کے لئے ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن حق کا روز ہوگا۔ وہاں ناحق کی بات نہیں چلے گی دنیا کی طرح نہیں۔ جس میں جھوٹ سچ سب غلط ہوتا ہے۔ نیز اسی روز اچھے برے، نیک وبد میں امتیاز ہو جائے گا۔ اگر چہ دنیا میں سب گڈ مڈ رہے ہیں۔ "عذابا قریبا" سے مراد برزخ کا عذاب ہے جو ہر شخص کو مرنے کے بعد پیش آئے گا۔

برزخی عذاب ساری دنیا کو دکھلانے کی ضرورت نہیں:.......... اس برزخی عذاب کے لئے سارے عالم کبیر کو خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ عالم صغیر میں ہر شخص کی انفرادی موت ہی کافی ہے۔ کیونکہ برزخی عذاب کی حقیقت گناہوں اور برے کاموں کی حقیقت اسی مردے پر ظاہر کرنا ہے۔ جس پر یہ بدعملیاں غالب تھیں تاکہ یہ ڈراؤنی شکلیں اس کی قوت خیالیہ پر چھائی رہیں۔ حقیقی عذاب کہ جس میں تمام اہل حق اور گواہ جمع ہوں اور اگلے پچھلوں کا مجمع اللہ کے دربار عام میں جمع ہو اور حق تعالیٰ بے حجاب تجلی فرمائیں۔ وہ یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں دو ہاتھوں سے مراد نیکی اور بدی کی قوتیں ہیں، اور نیکیوں بدیوں کو آگے بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ نیکی کی نورانیت اور بدی کی ظلمت اس کی ذات میں پیدا ہو چکی تھی۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی محبت دل میں نہ جم جائے۔ اس عمل کی تقویم یا ترجیح اس وقت تک ممکن نہیں۔ اور عالم مثال میں اس کے مناسب ایک شکل وصورت ہوتی ہے۔ پس جب انسان کا نفس دنیا کے ادراک وتصرفات سے فراغت کے بعد بالکلیہ آخرت کے ادراکات وتصرفات کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس وقت ان کو دیکھے گا۔ اور عذاب کی اس قسم کے مقائل فلاسفہ اور حکماء بھی ہیں اور خواب پر قیاس کرتے ہوئے اس کو واقعی جانتے ہیں۔ بلکہ صرف اتنا ہے کہ خواب کے عذاب سے تو جاگتے ہی خلاصی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نفس عالم شاہد کے ادراکات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن برزخی عذاب سے اس طرح کی خلاصی ممکن نہیں ہے کیونکہ وہاں بیداری نہیں ہے اور عذاب قیامت وآخرت کو تو کسی کی عقل ادراک ہی نہیں کر سکتی۔ بہر حال برزخی عذاب فعل واقع ہونے سے قریب ہے۔ اور بلحاظ تصور وتصدیق کے بھی قریب ہے۔ تاہم صحیح ایمان اور درست اعتقاد کی بدولت اس برزخی عذاب قریب سے بھی نجات ملے گی۔ کیونکہ اعمال بد کی اشکال بد اگر چہ گنہگار کی ذات میں ظلماتی صورت میں مرتسم ہیں۔ لیکن آفتاب ایمان کا نوران تاریک بدلیوں کو پھاڑ کر رکھ دے گا۔ برخلاف کافر کے۔ اس کے پاس ذرہ بھر ایمان کا نور نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف کفر وبدعملی کی ظلمتیں ہوں گی۔ اس لئے وہ یاس وحسرت سے پکار اٹھے گا۔ "یالیتنی کنت ترابا" کاش میں دنیا میں پیدا ہی نہ ہوتا یا مر کر مٹی ہو جاتا اور دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

قیامت کے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے:.......... رہا یہ عذاب قیامت کو قریب کیسے کہا گیا ہے۔ حالانکہ ابھی تو نہ معلوم قیامت میں کتنا وقت ہے؟ جواب یہ ہے کہ انسان کو وقت کا احساس اسی وقت تک رہتا ہے۔ جب تک وہ دنیا کے ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب صرف روح باقی رہ جائے گی تو وقت کا احساس وشعور ختم ہو جائے گا۔ قیامت میں جب انسان اٹھے گا تو اسے یوں محسوس ہوگا۔ کہ اسے ابھی کسی نے سوتے سے جگا دیا ہے۔ اسے یہ بالکل احساس نہیں ہوگا کہ وہ ہزار ہا سال کے بعد زندہ ہو رہا ہے اور خاک ہونے کی تمنا کرنا اس۔ لئے ہوگا کہ خاکی انسان کی اصل خاک ہی ہے، گویا وہ بھی مرکب عنصر ہے۔ عنصر بسیط نہیں ہے۔ یہ

ایسے ہی ہے جیسے: سفر میں کسی کو حادثہ پیش آ جائے اور یہ کہنے لگے۔ کہ کاش میں گھر سے ہی باہر نہ نکلتا، حالانکہ وہ یہ بھی آرزو کر سکتا تھا کہ میں راستہ ہی سے واپس ہو جاتا یا آگے ہی نہ بڑھتا۔ مگر مصیبت سے انتہائی دوری حاصل کرنے کے لئے یہ جملہ کہتا ہے۔ دوسرے یہ بھی سمجھے گا کہ اس وقت یہ ساری مصیبت میری روح کے باقی رہنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر میں صرف بدن یا خاک ہوتا تو یہ بھیانک آفت میں کیوں پھنستا۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع وموقوف روایت ہے کہ جانوروں سے قصاص اور بدلہ لینے کے بعد حکم ہوگا کہ خاک ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ دیکھ کر کافر غبطہ کریں گے کہ کاش ہماری رہائی کی بھی یہی صورت ہو جاتی۔ اور بعض صوفیاء کا خیال ہے کہ خاک ہونے سے مراد خاکساری اور فروتنی ہے کہ کبر وغرور نہ کرتا تو اس آفت سے بچ جاتا۔ اسی طرح کافر سے مراد ابلیس بھی ہو سکتا ہے کہ آدمؑ اور اولاد آدم پر نوازشوں کو دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ میں ناری نہ ہوتا بلکہ خاکی ہوتا۔ اس سے پہلے جملہ خلقتنی من نار و خلقته من طین کا ردعمل ظاہر ہوگا۔

خلاصہ سورت: .... آنحضرت ﷺ کی ابتدائی دعوت کے تین بنیادی اصول تھے:۔

ا۔ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

۲۔ اللہ نے محمد ﷺ کو اپنا رسول بنایا ہے۔

۳۔ دنیا کی زندگی کے بعد ایک دوسرا عالم آئے گا جس میں ہر چیز پہلی آیت پر پیش ہو کر اللہ کے آگے حساب کتاب دے گی اور اس کے مطابق اس پر جزاء وسزاء ہمیشہ کے لئے مرتب ہو جائے گی۔ مومن وصالح سدا جنت میں رہیں گے۔ اور کافر ہمیشہ اور مومن اور فاسق علی الحساب دوزخ میں رہیں گے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کسی نہ کسی درجہ میں مشرکین مکہ اس کو مانتے تھے۔ بلکہ اس کو خالق، رازق، رب اعلیٰ بھی مانتے تھے۔ البتہ وہ اور ہستیوں کو بھی خدائی صفات، اختیارات اور الوہیت میں شریک گردانتے تھے

دوسری بات کو بھی اگرچہ وہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ مگر اس کو کیا کریں کہ محمد (ﷺ) کی چالیس سالہ زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے سامنے تھا۔ جس میں کہیں انہیں انگلی ٹیکنے کی جگہ نہ ملی۔ بلکہ آپ کی نیک چلنی، راست روی، دانشمندی پاکیزگی اخلاق، عالی ظرفی کے سب قائل تھے۔ اس لئے دوسروں کو قائل کرنا تو بجائے خود، وہ اپنے طور پر بھی سوچتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ سب باتوں میں تو سچے ہوں مگر صرف پیغمبری کے دعویٰ میں جھوٹے ہوں۔

لیکن خیر یہ دونوں باتیں تو کسی نہ کسی درجہ میں گلوگیر ہو ہی رہی تھیں۔ سب سے زیادہ انہیں تیسری بات نے مشکل میں ڈال رکھا تھا۔ وہ سب سے زیادہ حیرانی وتعجب میں مبتلا تھے۔ مرنے کے بعد جوں کا توں دوبارہ زندہ ہونے کو خارج از عقل اور ناممکن سمجھ کر مذاق اڑاتے تھے۔ تاہم یہ اسلام کا بنیادی پتھر تھا۔ اس کے بغیر اگلی عمارت کا اٹھنا ممکن نہ تھا۔ اور اسلام جو انقلاب لانا چاہتا تھا یعنی دنیا میں خدا پرستی، صالح معاشرہ خدا ترسی وہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک آخرت کا اعتقاد مکمل طور پر ان کے ذہن نشین نہ کر دیا جاتا۔ اسی لئے ابتدائی مکی سورتوں میں پورا زور اسی عقیدہ آخرت کے دلوں میں جاگزیں کرنے پر صرف کیا گیا اور ساتھ ساتھ درمیان میں توحید ورسالت کو بھی بالا اختصار مدلل طور پر جما دیا گیا۔ آخرت کے یقین کو مختلف مگر نہایت مؤثر انداز میں بار بار دہرایا گیا۔ تا کہ بنیاد مضبوط ومستحکم ہو جائے۔

چنانچہ سورہ نبا میں سب سے پہلے "عم یتساء لون" میں ان غیر معمولی چہ چوں کی طرف اشارہ کیا گیا۔ جن سے مکہ کی فضا گونج رہی تھی۔ پھر انکار کرنے والوں کے آگے کائنات کی تو بڑی بڑی چیزوں کو رکھ کر پوچھا گیا۔ کہ کیا تم ان چیزوں کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ

سکتے کہ جس کامل قدرت والی ہستی نے یہ ساری چیزیں پیدا کیں، کیا وہ قیامت قائم کرنے اور عالم کو حساب کتاب کے لئے دوبارہ کھڑے کرنے پر قادر نہیں ہے اور جس حکمت ودانائی سے اس جہان کو بنایا ہے اور اس کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کی ہر چیز اور ہر کام تو سلسلہ اسباب سے بندھا ہوا ہے اور کوئی نہ کوئی مقصد رکھتا ہے۔ مگر خود یہ عالم بے مقصد ہے؟ آخر اس بات میں کیا تک نظر آتا ہے کہ پہلے تو انسان کو اس بزم کا صدر نشین بنا کر امتیازی اختیارات دے دیئے جائیں اور اپنی نیابت کا منصب حوالہ کر دیا جائے اور آگے چل کر اسے یونہی مہمل طور پر ختم ہونے دیا جائے۔ اچھے کام پر انعام نہ بگاڑنے پر انتقام۔

افحسبتم انما خلقنا کم عبثا وانکم الینا لا ترجعون.

فرماتے ہیں، تم اقرار کرو یا انکار، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فیصلہ کا دن ٹھیک وقت پر آ کر رہے گا۔ پس صور پھونکنے کی دیر ہے۔ تم مانو یا نہ مانو، سب کچھ تمہارے سامنے آ کر رہے گا۔

اس کے بعد جھٹلانے والوں کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری ایک ایک حرکت ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہے اور دوزخ ایسوں کی گھات میں لگی ہوئی ہے چھوڑے گی نہیں۔ اسی طرح ذمہ داریوں کا احساس کر کے جنہوں نے دنیا میں رہ کر آخرت سنوارنے کی فکر رکھی اور کوشش کی انہیں بھرپور بدلہ ہی کی نہیں۔ بلکہ زائد انعام واکرام کی توقع رکھنی چاہئے۔

پھر خاتم سورت پر قیامت کی عدالت عالیہ کا قانون عدل ارشاد فرمایا گیا۔ کہ یہ مت سمجھ لینا کہ دنیا کی طرح وہاں زور زبردستی چل جائے گی۔ اور لوگ اس طرح سزا سے بچ نکلیں گے۔ ہرگز نہیں بلا اجازت کوئی زبان نہیں کھول سکے گا اور نہ بلا استحقاق واہلیت کسی کی سفارش ہوگی۔ یعنی گنہگار مسلمان سفارش کے قائل ہوں گے...... باغی کافر ومشرک اس کے مستحق نہ ہوں گے۔

اور اس تنبیہ کے ساتھ سورت ختم کر دی کہ "**یوم الفصل**" کو دور نہ سمجھو بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ اب خواہ ان کو مان کر اللہ تک رسائی کی کوشش کرو اور یا پھر یہاں تک انجام کے لئے تیار ہو جاؤ کہ انکار کے نتیجہ میں، سب کئے دھرے پر پچھتا کر کہنا پڑے گا کہ اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

فضائل سورت:............ **من قرء سورة عم سقاه الله برد الشراب يوم القيامة** . (بیضاوی) ارشاد ہوا کہ جو کوئی شخص سورہ عم پڑھے گا۔ اللہ اس کو قیامت کے دن ٹھنڈے پانی سے سیراب فرمائے گا۔

لطائف سلوک:............ **ان للمتقين مفازا** . جنت کے نعمتوں کو کامیابی فرمانے سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو اپنے کو اس سے مستغنی ظاہر کرتے ہیں اور مغلوب الحال اس سے مستثنیٰ ہیں۔

سُوْرَةُ وَالنَّازِعَاتِ

سُوْرَةُ وَالنَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ اَلْمَلَائِكَةِ تَنْزِعُ اَرْوَاحَ الْكُفَّارِ **غَرْقًا﴿۱﴾** نَزْعًا بِشِدَّةٍ **وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴿۲﴾** اَلْمَلَائِكَةُ تَنْشِطُ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَیْ تَسُلُّهَا بِرِفْقٍ **وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴿۳﴾** اَلْمَلَائِكَةُ تَسْبَحُ مِنَ السَّمَاءِ بِاَمْرِهٖ تَعَالٰى اَیْ تَنْزِلُ **فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا﴿۴﴾** اَیِ الْمَلَائِكَةُ تَسْبِقُ بِاَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَى الْجَنَّةِ **فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴿۵﴾** اَلْمَلَائِكَةُ تُدَبِّرُ اَمْرَ الدُّنْيَا اَیْ تَنْزِلُ بِتَدْبِيْرِهٖ وَجَوَابُ هٰذِهِ الْاَقْسَامِ مَحْذُوْفٌ اَیْ لَتُبْعَثُنَّ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ وَهُوَ عَامِلٌ فِیْ **يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴿۶﴾** اَلنَّفْخَةُ الْاُوْلٰى بِهَا يَرْجُفُ كُلُّ شَیْءٍ اَیْ يَتَزَلْزَلُ فَوُصِفَتْ بِمَا يَحْدُثُ مِنْهَا **تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴿۷﴾** اَلنَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ وَبَيْنَهُمَا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنَ الرَّاجِفَةِ فَالْيَوْمَ وَاسِعٌ لِّلنَّفْخَتَيْنِ وَغَيْرِهِمَا فَصَحَّ ظَرْفِيَّتُهٗ لِلْبَعْثِ الْوَاقِعِ عَقِيْبَ الثَّانِيَةِ **قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴿۸﴾** خَائِفَةٌ قَلِقَةٌ **اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴿۹﴾** ذَلِيْلَةٌ لِهَوْلِ مَا تَرٰى **يَقُوْلُوْنَ** اَیْ اَرْبَابُ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ اِسْتِهْزَاءً وَّاِنْكَارًا لِّلْبَعْثِ **ءَاِنَّا** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِی الْمَوْضَعَيْنِ **لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ﴿۱۰﴾** اَیْ اَنُرَدُّ بَعْدَ الْمَوْتِ اِلَى الْحَيٰوةِ وَالْحَافِرَةُ اِسْمٌ لِاَوَّلِ الْاَمْرِ وَمِنْهُ رَجَعَ فُلَانٌ فِیْ حَافِرَتِهٖ اِذَا رَجَعَ مِنْ حَيْثُ جَاءَ **ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً﴿۱۱﴾** وَفِیْ قِرَاءَةٍ نَاخِرَةً بَالِيَةً مُتَفَتِّتَةً نُحْيٰى **قَالُوْا تِلْكَ** اَیْ رَجْعَتُنَا اِلَى الْحَيَاةِ **اِذًا** اِنْ صَحَّتْ **كَرَّةٌ** رَجْعَةٌ **خَاسِرَةٌ﴿۱۲﴾** ذَاتُ خُسْرَانٍ قَالَ تَعَالٰى **فَاِنَّمَا هِیَ** اَیِ الرَّادِفَةُ الَّتِیْ يَعْقُبُهَا الْبَعْثُ **زَجْرَةٌ** نَفْخَةٌ **وَّاحِدَةٌ﴿۱۳﴾** **فَاِذَا هُمْ** اَیْ كُلُّ الْخَلَائِقِ **بِالسَّاهِرَةِ﴿۱۴﴾** بِوَجْهِ الْاَرْضِ اَحْيَاءً بَعْدَ مَا كَانُوْا بِبَطْنِهَا اَمْوَاتًا **هَلْ اَتٰىكَ** يَا مُحَمَّدُ **حَدِيْثُ مُوْسٰى﴿۱۵﴾** عَامِلٌ فِیْ **اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴿۱۶﴾** اِسْمُ الْوَادِیْ بِالتَّنْوِيْنِ وَتَرْكِهٖ فَقَالَ **اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴿۱۷﴾** تَجَاوَزَ الْحَدَّ فِی الْكُفْرِ **فَقُلْ هَلْ لَّكَ** اَدْعُوْكَ **اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى﴿۱۸﴾**

وَفِى قِرَاءَةٍ بِتَشدِيدِ الزَّاى بِإِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِى الْأَصْلِ فِيهَا تَطْهُرُ مِنَ الشِّرْكِ بِأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ **وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ** أَدُلُّكَ عَلَى مَعْرِفَتِهِ بِالْبُرْهَانِ **فَتَخْشَىٰ**﴿۱۹﴾ فَتَخَافَهُ **فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ**﴿۲۰﴾ مِنْ آيَاتِهِ التِّسْعِ وَهِيَ الْيَدُ أَوِ الْعَصَا **فَكَذَّبَ** فِرْعَوْنُ مُوسَى **وَعَصَىٰ**﴿۲۱﴾ اللّٰهَ تَعَالَى **ثُمَّ أَدْبَرَ** عَنِ الْإِيمَانِ **يَسْعَىٰ**﴿۲۲﴾ فِى الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ **فَحَشَرَ** جَمَعَ السَّحَرَةَ وَجُنْدَهُ **فَنَادَىٰ**﴿۲۳﴾ **فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ**﴿۲۴﴾ لَا رَبَّ فَوْقِى **فَأَخَذَهُ اللّٰهُ** أَهْلَكَهُ بِالْغَرَقِ **نَكَالَ** عُقُوبَةَ **الْآخِرَةِ** أَى هٰذِهِ الْكَلِمَةِ **وَالْأُولَىٰ**﴿۲۵﴾ أَى قَوْلَهُ قَبْلَهَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرِى وَكَانَ بَيْنَهُمَا أَرْبَعُونَ سَنَةً **إِنَّ فِى ذٰلِكَ** الْمَذْكُورِ **لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ**﴿۲۶﴾ اللّٰهَ تَعَالَى **ءَأَنتُمْ** بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَالِ الثَّانِيَةِ أَلِفًا وَتَسْهِيلِهَا وَإِدْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْأُخْرَى وَتَرْكِهِ أَى مُنْكِرُ وَالْبَعْثِ **أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ** أَشَدُّ خَلْقًا **بَنَاهَا**﴿۲۷﴾ بَيَانٌ لِكَيْفِيَّةِ خَلْقِهَا **رَفَعَ سَمْكَهَا** تَفْسِيرٌ لِكَيْفِيَّةِ الْبِنَاءِ أَى جَعَلَ سَمْتَهَا مِنْ جِهَةِ الْعُلُوِّ رَفِيعًا وَقِيلَ سَمْكُهَا سَقْفُهَا **فَسَوَّاهَا**﴿۲۸﴾ جَعَلَهَا مُسْتَوِيَةً بِلَا عَيْبٍ **وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا** أَظْلَمَهُ **وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا**﴿۲۹﴾ أَبْرَزَ نُورَ شَمْسِهَا وَأُضِيفَ إِلَيْهَا اللَّيْلُ لِأَنَّهُ ظِلُّهَا وَالشَّمْسُ لِأَنَّهَا سِرَاجُهَا **وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحَاهَا**﴿۳۰﴾ بَسَطَهَا وَكَانَتْ مَخْلُوقَةً قَبْلَ السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ دَحْوٍ **أَخْرَجَ** حَالٌ بِإِضْمَارِ قَدْ أَى مُخْرِجًا **مِنْهَا مَاءَهَا** بِتَفْجِيرِ عُيُونِهَا **وَمَرْعَاهَا**﴿۳۱﴾ مَا تَرْعَاهُ النَّعَمُ مِنَ الشَّجَرِ وَالْعُشْبِ وَمَا يَأْكُلُهُ النَّاسُ مِنَ الْأَقْوَاتِ وَالثِّمَارِ وَإِطْلَاقُ الْمَرْعَى عَلَيْهِ اسْتِعَارَةٌ **وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا**﴿۳۲﴾ أَثْبَتَهَا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ لِتَسْكُنَ **مَتَاعًا** مَفْعُولٌ لَهُ لِمُقَدَّرٍ أَى فَعَلَ ذٰلِكَ مُتْعَةً أَوْ مَصْدَرٌ أَى تَمْتِيعًا **لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ**﴿۳۳﴾ جَمْعُ نَعَمٍ وَهِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ **فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ**﴿۳۴﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ **يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ** بَدَلٌ مِنْ إِذَا **مَا سَعَىٰ**﴿۳۵﴾ فِى الدُّنْيَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ **وَبُرِّزَتِ** أُظْهِرَتِ **الْجَحِيمُ** النَّارُ الْمُحْرِقَةُ **لِمَن يَرَىٰ**﴿۳۶﴾ لِكُلِّ رَاءٍ وَجَوَابُ إِذَا **فَأَمَّا مَن طَغَىٰ**﴿۳۷﴾ كَفَرَ **وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا**﴿۳۸﴾ بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ **فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ**﴿۳۹﴾ مَأْوَاهُ **وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ** قِيَامَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ **وَنَهَى النَّفْسَ** الْأَمَّارَةَ **عَنِ الْهَوَىٰ**﴿۴۰﴾ الْمُرْدِى بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ **فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ**﴿۴۱﴾ وَحَاصِلُ الْجَوَابِ فَالْعَاصِى فِى النَّارِ وَالْمُطِيعُ فِى الْجَنَّةِ **يَسْأَلُونَكَ** أَى كُفَّارُ مَكَّةَ **عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا**﴿۴۲﴾ مَتَى وُقُوعُهَا وَقِيَامُهَا **فِيمَ** فِى أَىِّ شَيْءٍ **أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا**﴿۴۳﴾ أَى لَيْسَ عِنْدَكَ عِلْمُهَا حَتَّى تَذْكُرَهَا **إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا**﴿۴۴﴾ مُنْتَهَى عِلْمِهَا لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ **إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ** إِنَّمَا يَنْفَعُ إِنْذَارُكَ **مَن يَخْشَاهَا**﴿۴۵﴾ يَخَافُهَا **كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ**

يَلْبَثُوْآ فِيْ قُبُوْرِهِمْ اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴿۴۶﴾ اَىْ عَشِيَّةَ يَوْمٍ اَوْ بُكْرَتَهُ وَصَحَّ اِضَافَةُ الضُّحٰى اِلَى الْعَشِيَّةِ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمُلَابَسَةِ اِذْهُمَا طَرَفَا النَّهَارِ وَحَسَّنَ الْاِضَافَةَ وُقُوْعُ الْكَلِمَةِ فَاصِلَةً

ترجمہ:............سورہ والنازعات مکیہ ہے جس میں ۴۶ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی جان) سختی (بڑی شدت) سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں (مسلمانوں کی ارواح کو خوش کر دیتے ہیں یعنی آسانی سے روح قبض کرتے ہیں) اور وہ تیرتے ہوئے چلتے ہیں (فرشتے جو حکم الٰہی سے تیرتے ہیں یعنی آسمان سے اترتے ہیں) پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں (فرشتے مومنوں کی روحوں کو جنت میں لے جانے کے لئے سبقت کرتے ہیں) پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (فرشتے دنیا کے انتظامات کرتے ہیں۔ یعنی انتظام کے لئے اترتے ہیں۔ ان قسموں کا جواب محذوف ہے یعنی اے کلمہ کے نہ ماننے والو! تم ضرور قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اور اگلے جملے میں عامل بھی یہی ہے) جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (پہلا صور جس سے ہر چیز ہل جائے گی یعنی زلزلہ میں آجائے گی۔ اس لئے صور کو اسی سے متصف کر دیا) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آئے گی (دوسرا صور، ان دونوں کے درمیان چالیس سال فاصلہ رہے گا اور یہ جملہ راجفۃ سے حال ہے قیامت کے دن یہ دونوں مرتبہ صور بھی پھونکیں گے اور دوسرے کام بھی ہوں گے اس لئے دوسرے صور کے بعد جو "بعث ہوگا یہ اس کا ظرف بھی ہوسکتا ہے) بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے (خوف وقلق میں مبتلا ہوں گے) ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی (دہشت ناک منظر دیکھ کر کانپ رہی ہوں گی) کہتے ہیں (دل اور آنکھ رکھنے والے بطور مذاق، قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کیا ہم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں جگہ الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے (یعنی کیا مرے بعد پھر دہرا کر زندہ ہوں گے۔

حافر کہتے ہیں اول دفعہ کو، چنانچہ کہا جاتا ہے۔ رجع فلان فی حافرتہ جب کوئی پہلی جگہ پلٹ جائے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (ایک قراءت میں "ناخرۃ" ہے ٹوٹ پھوٹ کر پھر جلائے جائیں گے) کہتے ہیں (یہ پہلی زندگی کی طرف واپسی) اس صورت میں یہ واپسی (جب کہ یہ صحیح ہو) بڑے خسارہ کی ہوگی (گھاٹا رہے گا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) بس وہ (یعنی وہ دوسرا نفخہ جس کے بعد بعث ہوگا) ایک سخت آواز ہوگی (اور جب نفخہ ہوگا) پس لوگ (مخلوق) فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے (روئے زمین پر زندہ ہو کر، زمین کے اندر سے مردے نکلیں گے) کیا آپ کو (اے محمد!) موسیٰ کا قصہ (یہ فی میں عامل ہے) پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوی میں پکارا (وادی کا نام ہے تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ارشاد فرمایا) کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے (کفر کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے) سو اس سے کہو، کیا تجھ کو اس کی خواہش ہے (تجھ کو اس کی دعوت دوں) کہ تو درست ہو جائے (ایک قراءت میں تشدید زکرتے ہوئے تائے ثانیہ کے ادغام کے ساتھ، کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے شرک سے پاک ہو جائے) اور میں تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں (دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کے لئے) تو تو ڈرنے لگے۔ پھر اس کو بڑی نشانی دکھلائی (نو نشانیوں میں سے، ید بیضا تھا یا عصا) سو (فرعون نے موسیٰ کو) جھٹلایا اور کہنا نہ مانا (اللہ کا) پھر (ایمان) سے جدا ہو کر کوشش کرنے لگا (ملک میں فساد کی) اور (جادوگروں اور لشکریوں کو) جمع کیا۔ پھر آواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں (مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں) سو اللہ نے اس کو پکڑ لیا (غرق کر کے ہلاک کر دیا) سزا میں اس (پچھلے) کلمہ کی اور پہلی بات کی (یعنی پہلے ما علمت لکم من الٰہ غیری کہا تھا۔ ان دونوں باتوں کے درمیان چالیس سال کا فصل تھا) بے شک اس (مذکورہ) واقعہ میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہو بھلا تمہارا (دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدلتے ہوئے۔ اور ہمزہ مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کئے یعنی اے منکرین

قیامت!) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے) اللہ نے اس کو بنایا (یہ آسمان کی کیفیت کا بیان ہے) کہ اس کی سمت کو بلند کیا (آسمان بنانے کی کیفیت کی تفصیل ہے۔ یعنی اس کے اوپر کا رخ نہایت اونچا بنایا اور بعض نے سمک کے معنی چھت کہتے ہیں) اور اس کو ٹھیک ٹھاک (بلا عیب) بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا (آفتاب کے نور کو چمکایا۔ اور رات کی نسبت آسمان کی طرف کی ہے کیونکہ رات آسمان کا سایہ ہے اور آفتاب کی نسبت بھی آسمان کی طرف کی ہے) اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا ہے (پھیلا دیا ہے۔ جو آسمان سے پہلے پیدا تو ہو چکی تھی مگر پھیلائی نہیں گئی تھی) نکالا (قد مقدر مان کر حال ہے یعنی مخرجا) اس کا پانی (اس سے چشمے جاری کر کے) اور چارہ (درخت، گھاس جو چوپائے کھاتے ہیں اور انسانوں کے لئے خوراک اور پھل اور لفظ مرعی بولنا بطور استعارہ ہے) اور پہاڑوں کو قائم کر دیا (زمین کو ٹھہرانے کے لئے ان کو جما دیا) فائدہ پہنچانے کے لئے (فعل مقدر کا یہ مفعول لہ ہے ای فعل ذلک متعة. یا مفعول مطلق ہے بمعنی تمتیعاً) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے (انعام، نعم کی جمع ہے اونٹ، گائے، بکری) سو جب وہ بڑا ہنگامہ (دوسرا نفخہ) آئے گا یعنی جس دن انسان یاد کرے گا (یوم اذا سے بدل ہے) اپنے کئے کو (دنیا میں اچھے برے کام کو) اور دوزخ (جلا دینے والی آگ ظاہر کر دی جائے گی دیکھنے والوں کے سامنے (ہر دیکھنے والے کے اور اذا کا جواب آئے ہے) جس شخص نے سرکشی (کفر) کی ہوگی اور دنیا کی زندگانی کو (خواہشات کی پیروی کر کے) ترجیح دی ہوگی۔ سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس (امارہ) کو خواہش سے روکا ہوگا (جو خواہشات برباد کرنے والی ہیں) سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا (خلاصہ جواب یہ ہے کہ نافرمان دوزخ میں اور فرمانبردار جنت میں جائے گا) یہ لوگ (کفار مکہ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی (کس وقت قائم ہوگی) سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق (یعنی آپ کو اس کی خبر نہیں کہ آپ بتلا سکیں) آپ کا مدار صرف آپ کے پروردگار کی طرف ہے (یعنی اس کا علم اللہ کو ہے کسی دوسرے کو نہیں) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (آپ کے ڈرانے کا نفع) اس شخص کو ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں (قبروں کے اندر) ٹھہرا تا ہوا ہے (یعنی ایک ہی دن کی شام صبح مراد ہے۔ اور ضحیٰ کی اضافت عشیة کی طرف باہم ملابست کی وجہ سے صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں دن کے کنارے ہیں۔ اور کلمہ فاصل کی وجہ سے اضافت میں حسن آ گیا ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... **والنازعات.** ان تمام صفات کا موصوف **الملائکة** محذوف ہے۔ **نزع** کے معنی سختی سے کھینچنے کے ہیں۔ اور **غرقا** کے معنی اور زیادہ شدت کے ہیں۔ اس لئے بحذف زوائد یہ مفعول مطلق ہو جائے گا۔ یا نفوس کا اجسام میں ڈوبا ہوا ہونا مراد ہے۔

والناشطات نشطا کے معنی کسی چیز کو نرمی سے نکالنے کے آتے ہیں۔ جیسے ڈول کنویں سے بسہولت نکالا جاتا ہے۔ **نشط الدلو من البیر** کہا جاتا ہے۔ ارواح مومنین کو بھی فرشتے اسی طرح نکالتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے ماثور ہے۔ **ھی الملائکة تنشط ارواح الکفار مابین الا ظفار والجلد حتی یخرج.**

السابحات. **سبح الغواص الذی یخرج الشئی من اعماق البحر.** کہا جاتا ہے اسی طرح فرشتے احکام الٰہی نہایت تیزی سے پہنچاتے ہیں۔

السابقات. کفار کو دوزخ کی طرف اور مومنین کو جنت کی طرف لے کر لپکتے ہیں۔

المدبرات. یعنی عالم کی تدبیر وانتظامات جو فرشتے کرتے ہیں۔ روح البیان میں ہے۔ **ثم ان النفوس الشریفة لا یبعدان یظھر منھا اثار فی ھذا العالم سواء کانت مفارقة عن الا بدان او لا فتکون مدبرات فاذا کان التدبیر بید الروح وھو فی ھذا الموطن فکذا انتقل منه الی البرزخ بل ھو بعد مفارقة البدن اشدتاثیر الان الجسد حجاب**

فی الجملة الا ترے ان الشمس اشد احراقا اذا لم یحجبها غیام او نحوہ . یا نفوس غازیہ مراد ہیں۔ جن کے یہ اوصاف بیان کئے جارہے ہیں۔ یا غازیوں کے گھوڑوں کے صفات بیان کی جارہی ہیں اور یا ستاروں کی یہ کیفیات ارشاد فرمائی جارہی ہیں۔ جیسا کہ قاضی بیضاویؒ نے بیان فرمایا ہے۔ تدابیر کی اسناد ملائکہ یا نفوس قدسیہ وغیرہ کی طرف مجازی ہے ورنہ مدبر حقیقی حق تعالیٰ ہیں۔ گویا یہ اسباب عادیہ محض عادیہ ہیں اور جواب قسم محذوف کا مخاطب مفسر علام نے کفار مکہ کو مانا ہے۔ کیونکہ مومنین ان باتوں کے منکر نہیں ہیں بلکہ مقر ہیں۔ اس لئے ان کے لئے قسمیہ جملوں کی حاجت نہیں ہے۔

یوم ترجف الراجفة ۔ یہ منصوب جواب قسم محذوف کی وجہ سے ہے راجفة سے مراد بھاری اجسام ہیں۔ جیسے: زمین، پہاڑ، وغیرہ جو نفخہ اولیٰ میں متزلزل ہوجائیں گے۔

تتبعها الرادفة . یہ حال ہے راجفة سے مراد نفخہ ثانیہ ہے اور چونکہ قیامت کا دن بڑا وسیع ہوگا۔ اس لئے حال کی مقارنت صحیح ہے اور بعث کی ظرفیت بھی درست ہے۔

واجفة. بمعنی شدید الاضطراب . وجیف سے ماخوذ ہے قلوب کی صفت ہے۔ اس لئے قلوب باوجود نکرہ کے مبتداء اول ہے اور ابصار ھا مبتداء ثانی اور خاشعة خبر ہے ابصار ھا کے بعد مضاف محذوف ہے۔ ای ابصار ھا اصحاب القلوب خاشعة .

الحافرہ. پہلی حالت کی طرف پلٹنے کے معنی ہیں۔ الٹے پاؤں واپس ہونا۔ رجع فلان فی حافرتہ ای طریقة التی جاء فیھا فحفرھا یہ اسناد مجازی ہے عیشة راضیة کی طرح ایک قراء حفرة بمعنی محفورة بھی ہے۔ کہا جاتا ہے حضرة اسنانہ وخفرت حفراً و حفرة .

ء اذا کنا عظاما نخرہ . نخرة بمعنی بالیة . نافعؒ، ابن عامرؒ، کسائیؒ نے اذا کنا پڑھا ہے اور حجازی ابن عامرؒ، شامیؒ، حفصؒ، روحؒ کے علاوہ قراء نے ناخرة بھی پڑھا ہے۔ لیکن صفت مشبہ ہونے کی وجہ سے پہلی قراءت ابلغ ہے۔ اذا کرة خاسرة ای ذات خسران او خسران صاحبھا . یہ جملہ بطور استہزاء کہیں گے۔ جمہورؒ کے نزدیک اذا حرف جواب وسزا ہے اور بعض کے نزدیک کبھی اذا جواب کے لئے نہیں ہوتا اور حسن خاسرہ بمعنی کا ذبہ لیتے ہیں۔

زجرة واحدہ. اس کا تعلق محذوف عبارت سے ہے۔ ای لا تستصعبوھا فما ھی الا صیحة واحدة او تحسبوا تلک الکرة صعبة فانہ ھنیة سھلة فی قدرتہ . اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے۔

بالساھرة. ہموار صاف زمین کو ساہرہ کہتے ہیں گویا اس میں ریت رواں ہے عین معاھرة رواں پانی اور عین نائمة وہ پانی جو رواں نہ ہو یا چٹیل میدان کو ساھرہ اس لئے کہتے ہیں کہ راہرو ڈر کے مارے سوتا نہیں ہے۔ اور قتادہؒ نے جہنم کا نام کہا ہے اور بعض نے شام کا ایک پہاڑ مانا ہے۔ جس کو اللہ قیامت میں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے پھیلائے گا۔ اور بعض نے چاندی کی زمین مانی ہے جو اس وقت اللہ پیدا فرمائے گا۔ لیکن ابن عباسؓ اور قتادہؒ مجاہدؒ اس سے روئے زمین کے معنی مراد لیتے ہیں۔ جس پر سوتے جاگتے ہیں۔ اور سفیان شام کی سرزمین کو۔ اور بیہقی وہب بن منبہ سے بیت المقدس مراد ہونا نقل کرتے ہیں۔

ھل اتاک. اگر یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہلے سے معلوم تھی تب تو ھل بمعنی قد ہے ورنہ استفہام کے لئے ہے۔

اذناداہ . اذ کا عامل حدیث ہے۔ اتاک عامل نہیں ہے کیونکہ دونوں کا وقت ایک نہیں ہے۔

طوی. وادی کا نام اس لئے طویٰ ہے کہ بنی اسرائیل کی شرارتیں یہاں ناکام ہوگئیں اور برکات نبوت یہاں اتریں اور علماء کہتے ہیں کہ یہاں تورات نازل ہونے کے بعد عذاب استیصال ختم کردیا گیا۔ ایلہ اور مصر کے درمیان یہ وادی تھی۔

اذھب . ای قلنا اذھب او ان اذھب. چنانچہ عبداللہ کی قراءت بھی ان اذھب ہے اور یہ ان مصدریہ ہوگا۔

ھل لک. چونکہ اس کے معنی ادعوک ہیں اس لئے اس کے صلہ میں الیٰ صحیح ہوگیا۔

تزکی بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے اس کے معنی شرک سے بچنا نقل کئے ہیں یعنی کلمہ توحید کا اقرار۔

واھدیک اس کا عطف تزکی پر ہے۔ حجازیؒ اور یعقوبؒ تزکی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ تفسیری عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرک سے پاک صاف ہونے کے بعد ہی عرفان حاصل ہوسکتا ہے۔ پس توحید واجب بالذات اور معرفت واجب بالعرض ہوئی۔ نیز حذف مضاف کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فتخشیٰ. معلوم ہوا کہ خشیت معرفت کے بعد ہوئی ہے۔

فاراہ الایة الکبریٰ. اس کا عطف محذوف پر ہے۔ ای فذھب الیه وقال له ما ذکر فطلب منه ایته فراہ الخ ضمیر مستتر کا مرجع حضرت موسیٰ اور ضمیر بارز کا مرجع فرعون ہے۔ جو مفعول اول ہے اراہ کا اور مفعول ثانی الایة ہے تفسیری عبارت وھی الیدو العصا میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے دست مبارک اور عصا میں اگر چہ رنگ کی تبدیلی دونوں میں مشترک ہے۔ لیکن عصا میں تغیر ذاتی بھی ہوجاتا تھا۔ جو زیادہ عجیب اور نشان قدرت ہے۔ گویا عصا کا سانپ بن جانا اصل معجزہ ہے اور یا کہا جائے کہ دونوں نشان مل کر ایک معجزہ تھے۔

ثم ادبر یسعیٰ. ایمان سے برگشتہ ہونا مراد ہے اور یا اژدہے سے ڈر کر بھاگنا مراد ہے۔

فحشر. جادوگروں کو برہان سے اور لشکریوں کو سنان سے مقابلہ کے لئے جمع کیا۔ جادوگر ستر ۷۰ اسرائیلی اور بہتر ۷۲ قبطی تھے۔

فقال انا ربکم الاعلیٰ. حضرت موسیٰ نے فرعون سے جب کہا۔ رب ارسلنی الیک فان امنت بربک تکون اربع مائة سنة فی النعیم والسرور ثم تموت فتدخل الجنة. تو فرعون نے ہامان سے مشورہ کیا۔ ہامان بولا۔ اتصیر عبدا بعد ما کنت ربا۔ اس پر فرعون نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا، یعنی تمام بتوں اور مورتیوں کے مقابلہ میں خود کو سب سے بڑا کہا۔

نکال الاخرۃ. ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے وہی دو کلمے مراد ہیں جو تفسیر کی عبارت میں ذکر کئے گئے ہیں۔ لیکن نکال اولیٰ سے مراد غرق اور نکال اخریٰ سے مراد عذاب دوزخ بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو فعل مقدر کا۔

رفع سمکھا. آسمان کے دل کو سمک کہا جاتا ہے بمعنی ثخن، یا زمین سے آسمان تک بلندی مراد ہے جو پانچ سو سال ہے۔

فسوّٰھا. یعنی اس کی گولائی برابر کردی ستاروں سے آراستہ کردیا۔ سوی فلان امرہ کے معنی مکمل طور پر درست کرنے کے ہیں۔

اغطش لیلھا. غطش اللیل. کے معنی اندھیرا ہونے کے ہیں اور رات آجانے کی وجہ سے اندھیرا ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔ مفسرؒ کا اندھیرے کو ظل سا کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اندھیرا زمین کا ظل ہوتا ہے۔

ضحٰھا. اور سورج کی روشنی چونکہ صبح کو ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔

والارض بعد ذٰلک دحٰھا. آیت ثم استوی الی السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے پیدا ہوئی اور اس آیت میں بعد ذلک سے بعد میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مفسرؒ نے اس کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہوئی ہے اور اس کی موجودہ ہیئت اور شکل بعد میں ہوئی۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور زمخشریؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن آیت ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا بچھانا بھی پہلے ہوچکا ہے۔ چنانچہ حاکم کی مرفوع روایت بھی ہے۔ انه خلق الارض فی یوم الاحد و الاثنین وخلق الجبال والاکام فی یوم الثلثا و الاشجار فی الاربعا وخلق السماء فی الخمیس والجمعة پہلے یہ کہنا چاہئے کہ یہاں الارض فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای تذکر و تدبر، او اذکر الارض بعد ذلک اور ما اضمر عامله علی شرط التفسیر مانا جائے تو اس میں فی نفسہ آسمان کی تخلیق کی طرف نہیں۔ بلکہ آسمان کی تخلیق کے ذکر کی طرف اشارہ ہے۔

اخرج. یہ دحٰر کا بیان بھی ہوسکتا ہے۔ اسی لئے حرف عطف نہیں لایا گیا۔

مرعاھا. انسانی غذا پر اس کا اطلاق مجاز مرسل ہے یعنی مقید بول کر مطلق مراد لیا گیا ہے یا استعارہ تصریحیہ ہے کہ انسانی غذا کو جانوروں کے چارہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا کافر چوپاؤں کے درجہ میں ہیں۔

والجبال. ایک قراءت میں لفظ ارض اور الجبال مرفوع ہیں لیکن یہ مرجوح ہے۔ کیونکہ اس کا عطف فعلیۃ پر ہے۔

الطامة. صحاح میں ہے کہ ہر چیز کی زیادتی اور غلبہ مراد ہے۔ الداھیۃ العظمی التی تطم سائر الطامات اور کبریٰ سے مراد قیامت یا نفخہ ثانیہ ہے اور یا وہ وقت ہے جس میں جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔

یتذکر الانسان. انسان اپنی غفلت سے جن اعمال کو بھول جائے گا ان کو نامہ اعمال میں مدون ومرتب پائے گا۔ یہ جملہ اذا سے بدل ہے اور ماسعی میں ما موصولہ ہے۔

وبرزت الجحیم لمن یریٰ. ایک قراءت میں برزت معروف ہے اور یریٰ کی بجائے رای اور لمن تری ہے اور ضمیر جحیم کی طرف راجع ہے اور یا آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے یعنی آپ کفار کو ملاحظہ فرمائیں گے۔ جواب اذا محذوف ہے اور یا آئندہ جملہ تفصیلیہ جواب ہے۔

ھی الماویٰ. ای ھی ماواہ الف لام اور اضافت کے قائم مقام ہے۔ اہل کوفہ کے نزدیک اور بصریوں کے نزدیک ھی الماویٰ لہ اصل ہے اور ھی ضمیر فعل یا مبتداء ہے۔

فان الجنۃ. تفسیری عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اما تفصیلیہ نہیں ہے بلکہ محض تاکید کے لئے ہے۔ تاہم اس میں تکلف ہے بہتر یہی ہے کہ جواب محذوف مانا جائے۔

مرساھا. مرسی السفینۃ کے معنی کشتی کے منتہیٰ اور مستقر کے ہیں۔ مرسیٰ مصدر بمعنی ارساء ہے۔

فیم انت. خبر مقدم مبتداء مؤخر ہے اور من ذکراھا کا تعلق وھی ہے جو خبر متعلق ہے۔ استفہام انکاری ہے۔ ای ما انت من ذکراھا لھم وتبیین وقتھا فی شئی ولیس لک علم بھا حتی تخبر ھم بہ.

ذکریٰ. بمعنی ذکر جیسے بشریٰ بمعنی بشارۃ اور بعض کے نزدیک فیم سے ان کے سوال کا انکار ہے۔ اور انت من ذکراھا جملہ مستانفہ ہے ای انت ذکر من ذکراھا. یعنی آپ چونکہ خاتم الانبیاء ہیں۔ اس لئے علامت قیامت ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ اس کا تعلق کفار کے سوال سے ہے۔ بہر صورت الیٰ ربک منتھا ھا اس کا جواب ہے۔ اس صریح آیت کے بعد یہ کہنا آنحضرت ﷺ کو تمام مغیبات کا علم ہو گیا تھا کس طرح درست ہے؟ چنانچہ انما انت منذر سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ انذار کا حصر اسی وقت صحیح ہوگا جب کہ علم یقینی کی نفی ہو اور انذار میں یقین کو دخل بھی نہیں ہے۔ منذر کو اس کا علم ہوئے بغیر بھی انذار ہو سکتا ہے۔ یقین کے علم پر انذار موقوف نہیں ہے۔

من یخشاھا. صاحب خشیت کی تخصیص بلحاظ نفع کے ہے۔ ابوعمرؒ منذر تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لیکن اصل یہی ہے کہ اسم فاعل جب کہ بمعنی حال ہو تو عامل مانا جائے اضافت نہ مانی جائے۔ البتہ ابوحیانؒ کہتے ہیں کہ اسماء میں اضافت اصل ہے۔ اور ان کا عامل ہونا مضارع کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

الا عشیۃ. نصب اور تنوین کے ساتھ ہے مضاف الیہ یعنی نوم کے عوض ہیں۔

او ضحاھا. ای ضحی العشیۃ. ایک ظرف کی اضافت دوسرے ظرف کی ضمیر کی طرف مجازی ہے باہمی ملابست کی وجہ سے۔ رہا یہ شبہ کہ ضحیٰ تو یوم کا ہوا کرتا ہے نہ کہ عشیۃ کا پھر ضحیٰ کی اضافت عشیۃ کی طرف کیسی؟ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای عشیۃ یوم یعنی یوم منصوب ہے عشیۃ کی تفسیر ہونے کی وجہ سے اور چونکہ عشیۃ اور ضحیٰ دونوں ایک ہی دن کے ہیں۔ اس لئے دونوں میں ملابست کی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف اضافت صحیح ہو گئی۔ اگر بلا اضافت ذکر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ صبح شام الگ الگ دن کے

صبح شام مراد ہوتے۔ یا عشیۃ سے مراد ایک مستقل دن اور ضحیٰ سے مراد ایک مستقل دن ہوتا۔ تسمیۃ الکل باسم الجزء کے طریقہ پر۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں خلاف منشاء ہوتیں اور چونکہ دوسری آیات پر الف آ رہا ہے۔ اس لئے ضحیٰ کی اضافت سے حسن پیدا ہو گیا ہے۔

ربط آیات: ....سورہ نباء کی طرح اس سورت میں بھی کچھ واقعات اور ء انتم اشد الخ میں امکان عذاب اور هل اتک الخ میں منکرین کے لئے تخویف ہے اور ان کی تکذیب پر آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے۔

شان نزول: .... بقول ابن عباسؓ یہ سورہ نباء کے بعد نازل ہوئی۔ پس اس کے مضمون سے اس کے ابتدائی زمانہ کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... والنازعات میں ان فرشتوں کی قسم کھائی جا رہی ہے جو کفار کی رگوں میں گھس کر ان کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالتے ہیں اور والناشطات میں ان فرشتوں کی قسم کا ذکر ہے۔ جو مومن کے جسم سے جان کی گرہ کھول دیتے ہیں کہ پھر وہ اپنی خوشی سے عالم بالا کی طرف دوڑتے ہیں۔ یعنی نیک تو خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے اور بد، بدکتا اور بھاگتا ہے۔ اور گھسیٹا جاتا ہے۔

والسابحات۔ میں ان فرشتوں کی قسم ہے جو مقربین کی ارواح کو لے کر آسمان کی طرف بسرعت تیرتے ہیں۔ پھر ان ارواح کے بارے میں جو حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لئے بڑی تیزی سے لپکتے ہیں اور دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

فالمدبرات امرا۔ میں ان فرشتوں کا ذکر ہے جو نیک و بد ارواح کے سلسلہ میں تدبیر و انتظام میں لگ جاتے ہیں اور ظاہر یہی معنی ہیں۔ لیکن مطلق فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جو تکوینی تدابیر و انتظام میں مصروف رہتے ہیں۔ نازعات وغیرہ الفاظ کی تشریحات علماء نے اور طرح بھی کی ہے۔ بہر حال فرشتوں کے یہ احوال قیامت و بعث سے تعلق رکھتے ہیں۔ راجفہ سے مراد پہلا بھونچال۔ نفخہ اولیٰ ہے اور رادفہ سے یکے بعد دیگرے مسلسل بھونچال مراد ہیں۔

یا نفخۂ ثانیہ جب کہ دل مارے دہشت کے دھڑکتے ہوں گے اور آنکھیں مارے ذلت و ندامت کے جھکی پڑیں گی۔ اور زبان سے یہ کہتے جائیں گی۔ یہ قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم الٹے پاؤں زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ہم تو نہیں سمجھتے کھوکھری ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائے گی۔ ایسا ہوا تو ہمارے لئے بڑے خسارہ اور ٹوٹے کی بات ہوگی۔ پھر تو ہماری خیر نہیں کیونکہ ہم نے اگلی زندگی کے لئے کوئی سامان نہیں کیا۔ کفار کا یہ کہنا مسلمانوں کے اس خیال کا مذاق اڑانے کے لئے ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے اور یہ اس زندگی کو ناممکن سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک کچھ مشکل نہیں۔ یہ سب کام ایک دم کے ہیں۔ جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا۔ اسی دم سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔

اللہ کی ایک جھڑکی: .... ھل اتک الخ آگے اللہ کی ایک ڈانٹ اور جھڑکی کا ذکر ہے۔ جو فرعون جیسے متکبر کو دی گئی۔ یا منکروں کو سنانا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے بڑے سے بڑے منکروں کا انجام کیا ہوا؟ اور اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے بڑی تسلی بھی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جب فرعون کے پاس فہمائش کرنے پہنچے۔ تو اس سے فرمایا کہ اگر تو اپنا بھلا چاہتا ہے اور کچھ سنوارنے کا ارادہ رکھتا ہے تو میں تیری رہنمائی کر سکتا ہوں۔ جس سے تیرے دل میں اللہ کا ڈر اور اس کی کامل معرفت حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ کامل معرفت کے بغیر خوف و خشیت نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کا مقصد صرف بنی اسرائیل کو آزاد کرانا ہی نہیں تھا۔ بلکہ بڑا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی۔ اسی سلسلہ میں عصا اور ید بیضا کا معجزہ بھی دکھلایا تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ مگر وہ ملعون کہاں ماننے والا تھا؟ لوگوں کو جمع کرنے اور جادوگروں سے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے چلا اور رزورداری سے اعلان کیا کہ سب سے بڑا

رب تو میں ہوں۔ پھر موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے؟ فرعون کا خود کو اعلیٰ کہنا قید احترازی کے طور پر نہیں۔ کہ دوسرے غیر اعلیٰ رب کا ہونا لازم آئے۔ بلکہ بطور مدح قید واقعی کے درجہ میں بڑھایا ہے۔ بس اس نعرہ کا نکلنا تھا کہ اس کی سرزنش کا پورا انتظام ہو گیا۔ جس نیل کا اس کو ناز تھا اسی میں اس کو ڈبو دیا گیا اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ کسی کے دل میں ڈر ہو تو اس کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت و نصیحت کی باتیں ہیں اسی درمیانی قصہ کے بعد۔

قیامت کے ہونے میں آخر کیا تردد ہے:............ءانتم اشد الخ سے سابقہ مضمون قیامت پر شروع ہو گیا۔ یعنی تمہارا پیدا کرنا اور وہ بھی دوسری مرتبہ آسمان، زمین، پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جب اتنی بڑی چیزوں کا پیدا کرنے والا اس کو مانتے ہو۔ پھر اپنے دوبارہ پیدا ہونے میں کیا تردد ہے؟ آسمان ہی کو لے لو۔ کتنا بڑا، اونچا، مضبوط، صاف، ہموار اور کس درجہ مرتب و منظم ہے؟ کس درجہ باقاعدگی اور زبردست انتظام کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات دن کا سلسلہ قائم ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں اس کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ قیامت کے استبعاد کا یہ عقلی جواب ہے اور نقلی جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اور ان بڑی چیزوں کا پیدا کرنا فی نفسہ سخت ہے۔ ورنہ اللہ کی قدرت کے لحاظ سے سب یکساں ہیں اور اصل استدلال اگرچہ آسمان کی پیدائش سے ہے۔ لیکن زمین کو بھی اس لئے شامل کر دیا کہ اس کے سب احوال ہمہ وقت پیش نظر رہتے ہیں۔ پھر وہ آسمان سے کم سہی۔ مگر انسان کی پیدائش سے بہر حال اشد ہے۔

امام راغبؒ کی تحقیق:........ امام راغبؒ نے وحی کے معنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں۔ پس اس سے، اس تحقیق میں مدد مل سکتی ہے جو جدید نظریہ کے مطابق یہ ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے آسمانی جرم کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا ہے۔

متاعًا لکم. یعنی ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے ہے۔ ورنہ تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے؟ اس سے جہاں تمہیں شکر گزاری کا موقع ملتا ہے وہیں اس بات کی شہادت ہے کہ وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ روح پھونک سکتا ہے۔

فاذا جاء ت الطامة. قیامت کے بڑے ہنگامہ میں تمہارا سب کیا کرایا سامنے آ جائے گا۔ اگر ابھی تیاری نہ کر لی تو پھر پچھتانا پڑے گا۔ اور دوزخ اس طرح منظر عام پر آ جائے گی کہ دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جائے گی اور جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہو گی اور دنیا میں کھو کر آخرت کو فراموش کر دیا ہو گا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گی۔ ہاں مگر جو اس بات سے ڈرا کہ مجھے ایک روز حساب کے لئے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس ڈر سے نفس کی لگام تھامے رہا۔ ایسے بے قابو ہونے نہیں دیا۔ نہ اس کے تابع رہا۔ بلکہ اس کو اللہ کے تابع رکھا تو اس کا مقام جنت کے سوا کہاں ہو سکتا ہے؟

یسئلونک. منکرین قیامت کی گھڑی پوچھتے ہیں؟ اس کا ناپ تول وقت اللہ کے سوا کس کو معلوم؟ یہ آپ کا کام نہیں آپ تو قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرائیے۔ اب جس کے دل میں کچھ خوف ہو گا یا اس کی استعداد ہو گی وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر تیاری کر لے گا۔ یہ تخصیص محض نتیجہ اور ثمرہ کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ نا اہل تو انجام سے غافل ہو کر ابھی اسی بحث میں لٹکے ہوئے اور الجھے ہوئے ہیں کہ قیامت کس گھڑی اور کس ساعت میں آئے گی۔

خلاصۂ کلام:........ اس سورت میں قیامت اور مرنے کے بعد کی زندگی اور اس سے متعلق کچھ احوال کا بیان ہے۔ نیز یہ کہ اللہ اور اسکے رسول کو جھٹلانے کا کیا انجام ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ روح قبض کرنے والے فرشتوں کی قسم کھا کر یقین دلایا گیا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہو گی اور مرنے کے بعد والی زندگی ضرور پیش آ کر رہے گی۔ کیونکہ جن فرشتوں کے ہاتھوں آج جان نکالی جاتی ہے ان ہی کے ہاتھوں

دوبارہ جان ڈالی بھی جاسکتی ہے اور جو فرشتے آج اس عالم کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہی فرشتے کل اسی کے حکم سے کائنات کا یہ نظام درہم برہم کر کے ایک دوسرا نظام بھی قائم کرسکتے ہیں۔ یہ فرشتے اگرچہ نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ پھر آگے یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ کام جسے تم ناممکن سمجھتے ہو اللہ کے لئے کیا مشکل ہے؟ کہ اس کے لئے کسی بڑی تیاری کی ضرورت پڑے۔ بس ایک جھٹکے سے یہ سارا نظام لپٹ جائے گا اور دوسرے جھٹکے میں تم یکا یک دوسری زندگی میں آجاؤ گے۔ اس وقت انکار کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوں گے اور سہمی ہوئی نگاہوں سے وہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے جس کو ان ہونی بات سمجھتے تھے۔

پھر حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ مختصر بیان کر کے رسول کو جھٹلانے والوں اور ہدایت سے روگردانی کرنے والوں اور اپنی چالاکیوں اور سازشوں کا تانا بانا بننے والوں کو چونکایا گیا ہے کہ تم اپنی اس روش سے باز آجاؤ۔ ورنہ تمہیں بھی یہ روز بد دیکھنا پڑے گا۔

اس کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونے کے دلائل کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ارشاد ہے کہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنا زیادہ سخت کام ہے یا اس عظیم کائنات کو جو آسمان، زمین، پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ جس خدا کے لئے یہ کام مشکل نہیں اس کے لئے تمہاری دوبارہ پیدائش آخر کیوں مشکل ہوگی؟ اس کے بعد اس سروسامان کی طرف توجہ پھیر دی گئی ہے۔ جو دنیا میں انسان وحیوان کی زندگی کے لئے فراہم کیا گیا ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑی حکمت کے ساتھ کسی نہ کسی مقصد کے لئے بنائی گئی ہے۔ پس کیا اس حکیمانہ نظام میں انسان جیسی برتر مخلوق کو ذمہ داریاں اور اختیارات سونپ کر یہ زیادہ شایان عقل معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اختیارات کے استعمال کا محاسبہ کیا جائے یا اس کو یوں ہی شتر بے مہار چھوڑ دیا جائے کہ وہ زمین میں کھاپی کر اور ہر طرح کے کام کر کے یونہی مر کھپ کر ختم ہو جائے اور اس سے کچھ حساب نہ لیا جائے؟ اس سوال پر بحث کرنے کی بجائے آئندہ آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب آخرت برپا ہوگی تو انسان کے دائمی اور ابدی مستقبل کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کس نے دنیا میں بندگی کی بجائے خدا سے بغاوت و سرکشی کی اور دنیا ہی کی لذتوں اور فائدوں کو مقصود بنالیا۔ اور کس نے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کی بری خواہشات سے بچا۔ جو شخص ضد اور ہٹ دھرمی سے پاک ہو کر ایمانداری کے ساتھ غور کرے گا۔ اسے خود بخود اس کے سوال کا جواب مل جائے گا۔ کیونکہ عقل و منطق اور اخلاق کی رو سے انسان کو ذمہ داریاں سپرد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آخر کار اس سے محاسبہ کیا جائے اور اسے سزا یا جزا کا مستحق گردانا جائے۔ آخر میں کفار کے اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس بات کا تعلق پیغمبر سے کچھ نہیں ہے۔ اس کا کام تو صرف خبردار کر دینا ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا۔ اس بات میں کوئی اہمیت نہیں کہ کب آئے گا۔ اہمیت اس کی ہے کہ تم نے تیاری کیا کی ہے؟ جس کا جی چاہے اس سے ڈر کر اپنی روش درست کرلے اور جس کا جی چاہے یونہی وقت گنوا دے۔ وقت جب آئے گا تو وہی لوگ جو اس دنیا کی زندگانی پر مر مٹتے تھے۔ اور اسی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ وہ محسوس کریں گے کہ دنیا میں وہ صرف گھڑی بھر ٹھہرے تھے۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اس چند روزہ زندگی کی خاطر انہوں نے کس طرح ہمیشہ کے لئے اپنا مستقبل برباد کرلیا۔

فضائل سورت:............ من قرا سورة النازعات كان فيمن حبسه الله في القبر وفي القيامة حتى يدخل الجنة قدر صلوٰة المكتوبة فرمایا کہ جو نازعات پڑھے گا اللہ اسے جنت میں داخل ہونے تک برزخ اور قیامت میں صرف ایک فرض نماز کی مقدار محبوس رکھے گا۔ (یہ حدیث موضوع ہے۔)

لطائف سلوک:............ واما من خاف الخ اس میں نفس کو خلاف شرع کاموں اور خواہشات سے روکنے کی فضیلت ظاہر کی ہے۔

سُوْرَةُ عَبَسَ

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ اِثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَحَ وَجْهَهُ **وَتَوَلّٰى﴿۱﴾** اَعْرَضَ لِاَجَلِ **اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴿۲﴾** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَقَطَعَهُ عَمَّا هُوَ مَشْغُوْلٌ بِهٖ مِمَّنْ يَّرْجُوْ اِسْلَامَهُ مِنْ اَشْرَافِ قُرَيْشٍ الَّذِيْ هُوَ حَرِيْصٌ عَلٰى اِسْلَامِهِمْ وَلَمْ يَدْرِ الْاَعْمٰى اَنَّهُ مَشْغُوْلٌ بِذٰلِكَ فَنَادَاهُ عَلِّمْنِيْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَيْتِهٖ فَعُوْتِبَ فِيْ ذٰلِكَ بِمَا نَزَلَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَهُ اِذَا جَاءَ مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِيْ فِيْهِ رَبِّيْ وَيَبْسُطُ لَهُ رِدَاءَهُ **وَمَا يُدْرِيْكَ** يُعْلِمُكَ **لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى﴿۳﴾** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الزَّايِ اَيْ يَتَطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَا يَسْمَعُ مِنْكَ **اَوْ يَذَّكَّرُ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ اَيْ يَتَّعِظُ **فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴿۴﴾** اَلْعِظَةُ الْمَسْمُوْعَةُ عَنْكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ تَنْفَعَهُ جَوَابُ التَّرَجِّيْ **اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى﴿۵﴾** بِالْمَالِ **فَاَنْتَ لَهُ تَصَدّٰى﴿۶﴾** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الصَّادِ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا تُقْبِلُ وَتَتَعَرَّضُ **وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى﴿۷﴾** يُؤْمِنَ **وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى﴿۸﴾** حَالٌ مِنْ فَاعِلِ جَاءَ **وَهُوَ يَخْشٰى﴿۹﴾** اللّٰهَ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ يَسْعٰى وَهُوَ الْاَعْمٰى **فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴿۱۰﴾** فِيْهِ حُذِفَ التَّاءُ الْاُخْرٰى فِي الْاَصْلِ اَيْ تَتَشَاغَلُ **كَلَّآ** لَا تَفْعَلْ مِثْلَ ذٰلِكَ **اِنَّهَا** اَيِ السُّوْرَةَ اَوِ الْاٰيَاتِ **تَذْكِرَةٌ﴿۱۱﴾** عِظَةٌ لِّلْخَلْقِ **فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴿۱۲﴾** حَفِظَ ذٰلِكَ فَاتَّعَظَ بِهٖ **فِيْ صُحُفٍ** خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّهَا وَمَا قَبْلَهُ اِعْتِرَاضٌ **مُّكَرَّمَةٍ﴿۱۳﴾** عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى **مَّرْفُوْعَةٍ** فِي السَّمَاءِ **مُّطَهَّرَةٍ﴿۱۴﴾** مُنَزَّهَةٍ عَنْ مَسِّ الشَّيَاطِيْنِ **بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ﴿۱۵﴾** كَتَبَةٍ يَنْسَخُوْنَهَا مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴿۱۶﴾** مُطِيْعِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ **قُتِلَ الْاِنْسَانُ** لُعِنَ الْكَافِرُ **مَآ اَكْفَرَهٗ﴿۱۷﴾** اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ اَيْ مَا حَمَلَهُ عَلَى الْكُفْرِ **مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴿۱۸﴾** اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ ثُمَّ بَيَّنَهُ

فَقَالَ **مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾** عَلَقَةً ثُمَّ مُضْغَةً اِلٰى اٰخِرِ خَلْقِهٖ **ثُمَّ السَّبِيْلَ** اَیْ طَرِيْقَ خُرُوْجِهٖ مِنْ بَطْنِ اُمِّهٖ **يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾** جَعَلَهٗ فِىْ قَبْرٍ يَّسْتُرُهٗ **ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾** لِلْبَعْثِ **كَلَّا** حَقًّا **لَمَّا يَقْضِ** لَمْ يَفْعَلْ **مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾** بِهٖ رَبُّهٗ **فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ** نَظَرَ اِعْتِبَارٍ **اِلٰى طَعَامِهٖ ﴿۲۴﴾** كَيْفَ قُدِّرَ وَدُبِّرَ لَهٗ **اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ** مِنَ السَّحَابِ **صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ** بِالنَّبَاتِ **شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾** كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ **وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾** هُوَ الْقَتُّ الرَّطْبُ **وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾** بَسَاتِيْنَ كَثِيْرَةِ الْاَشْجَارِ **وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾** مَّا تَرْعَاهُ الْبَهَائِمُ وَقِيْلَ التِّبْنُ **مَّتَاعًا** مُتْعَةً اَوْ تَمْتِيْعًا كَمَا تَقَدَّمَ فِى السُّوْرَةِ قَبْلَهَا **لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾** تَقَدَّمَ فِيْهَا اَيْضًا **فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾** النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ **يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ** زَوْجَتِهٖ **وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾** يَوْمَ بَدَلٌ مِّنْ اِذَا وَجَوَابُهَا دَلَّ عَلَيْهِ **لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾** حَالٌ يَّشْغَلُهٗ عَنْ شَاْنِ غَيْرِهٖ اَىْ اِشْتَغَلَ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهٖ **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾** مُضِيْئَةٌ **ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾** فَرِحَةٌ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾** غُبَارٌ **تَرْهَقُهَا** تَغْشَاهَا **قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾** ظُلْمَةٌ وَسَوَادٌ **اُولٰٓئِكَ** اَهْلُ هٰذِهِ الْحَالَةِ **هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾** اَىِ الْجَامِعُوْنَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْفُجُوْرِ

ع ۲ ۵

سورہ عبس مکیہ ہے جس میں ۴۲ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:.........چیں بہ جبیں ہوگئے (پیغمبر ﷺ کی پیشانی پر بل آگئے) اور منہ پھیرلیا (رخ موڑلیا، اس بناء پر کہ) جب ان کے پاس نابینا حاضر ہوا (عبداللہ بن ام مکتوم، جن کے آنے سے آپ کی اس توجہ میں خلل پڑا جو آپ اشراف قریش سے اسلام قبول کرنے کی توقع میں صرف فرمارہے تھے اور آپ ان کے مسلمان ہوجانے کے لئے کوشاں تھے حالانکہ نابینا کو آپ کی اس مشغولیت کی خبر نہیں تھی اس لئے عرض گزار ہوئے کہ حضور مجھے احکام الٰہی سکھلایئے۔ حضور ﷺ اٹھ کر مکان میں تشریف لے گئے۔ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے جو اس سورت میں عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی وہ نابینا حاضر خدمت ہوتے تو آپ یہ فرماکر خیر مقدم فرماتے کہ مرحبا ہو تمہاری وجہ سے حق تعالیٰ نے مجھے سرزنش فرمائی اور اپنی چادر ان کے لئے بچھادیا کرتے) اور آپ کو کیا خبر (پتہ) شاید کہ وہ سنور جاتا (یزکی کی اصل میں تا تھی جو زا میں ادغام ہوگئی۔ یعنی آپ کا ارشاد سن کر ممکن تھا کہ وہ برائیوں سے پاک صاف ہوجاتا) یا نصیحت قبول کرلیتا (یذکر۔ اس کی اصل میں تا تھی جس کو ذال میں ادغام کردیا گیا۔ یعنی وعظ حاصل کرلیتا) سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ مند ہوتا (یعنی آپ کے وعظ سے نفع ہوتا۔ ایک قرات میں فتنفعه کا نصب جواب ترجی کے طور پر ہے) جو شخص کہ (مال کی وجہ سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی فکر میں پڑ رہے ہیں (ایک قراءت میں تصدیٰ میں صاد کی تشدید ہے اس کی اصل میں تائے ثانیہ کا ادغام ہورہا ہے یعنی آپ اس کی طرف توجہ فرمارہے ہیں) حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ سنورے (ایمان لائے) اور جو شخص آپ کی خدمت میں دوڑتا ہوا آتا ہے (جاء کے فاعل سے حال ہے) اور وہ ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے۔ یہ حال ہے فاعل یسعیٰ سے

اس سے مراد نابینا ہیں) سو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (اس کی اصل سے دوسری تاء کو حذف کردیا گیا ہے یعنی آپ بے التفاتی کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہ کیجئے (اس قسم کی باتوں سے احتراز کیجئے) بلاشبہ (یہ سورت یا آیات) نصیحت کی چیز ہے (مخلوق کے لئے موعظت ہے) سو جس کا جی چاہے قبول کرلے (اس کو محفوظ کرکے فائدہ اٹھائے) وہ ایسے صحیفوں میں ہے (ان کی یہ خبر ثانی ہے اور اس سے پہلے جملہ معترضہ ہے۔ اللہ کے یہاں) جو مکرم ہیں بلند مرتبہ ہیں (آسمان میں) مقدس ہیں (شیطان کی پہنچ سے پاک) جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں (جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں) کہ وہ مکرم نیک ہیں (اللہ کے فرمانبردار فرشتے) آدمی (کافر) پر خدا کی مار کہ وہ کیسا ناشکرا ہے (استفہام توبیخ کے لئے ہے یعنی کس وجہ سے وہ ناشکرا ہوگیا) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا استفہام تقریر کے لئے، پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ) نطفہ سے، اس کی صورت بنائی، پھر اس کو انداز سے بنایا (اول جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی۔ یہاں تک کہ بناوٹ پوری کردی) پھر اس کا رستہ (ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا) آسان کردیا۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (قبر میں ڈال کر چھپادیا) پھر جب اللہ چاہے گا تو (قیامت کے لئے) دوبارہ اس کو زندہ کردے گا، ہرگز نہیں (یقیناً) جو اس کو حکم دیا گیا تھا (اللہ کی طرف سے) اس کو بجا نہیں لایا (پورا نہیں کیا) سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر (عبرت) کرے کہ (کس طرح اس کے لئے بندوبست اور انتظام کیا ہے) ہم نے عجب طور پر (بادل سے) پانی برسایا، پھر عجب طور پر (سبزی اگا کر) پھاڑا۔ پھر اس میں غلہ (گیہوں، جو) اور انگور اور سبزی (تازہ ترکاری) اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ (جس میں گھنے درخت ہوں) اور میوے اور چارہ پیدا کیا (جس کو جانور کھاتے ہیں اور بعض کے نزدیک بھوسا مراد ہے) فائدہ کے لئے (متاعاً بمعنی متعة یا بمعنی تمتیعاً ہے جیسا کہ اس سے پہلی سورت میں بیان ہوچکا ہے) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے (جن کا بیان پہلے ہوچکا ہے) پھر جب کانوں کو بہرا کردینے والا شور برپا ہوگا) (نفخہ ثانیہ) جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، اپنی بیوی، اولاد سے بھاگے گا (یوم بدل ہے اذا کا۔ اس کے جواب پر اگلا جملہ دلالت کررہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی مصروفیت ہوگی جو اس کو دوسری طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں دے گی (یعنی ہر ایک کو ایسی حالت درپیش ہوگی جو دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دے گی۔ ہر شخص اپنے بکھیڑے میں پھنسا ہوگا) بہت سے چہرے اس روز روشن (چمکتے ہوئے) خنداں، شاداں ہوں گے (خوش بخوش یعنی مومنین) اور بہت سے چہروں پر اس روز دھول (گرد) پڑی ہوگی، ان پر کدورت (ظلمت اور سیاہی) چھائی ہوگی یہی لوگ (جو اس حالت والے ہوں گے) کافر، فاجر ہیں (یعنی کفر و گناہ دونوں کے حامل ہوں گے۔

تحقیق وترکیب: ....عبس۔ آنحضرت ﷺ کو خطاب کی بجائے ضمائر غائبہ سے مخاطبت میں جو اکرام آمیز ناگواری ہے اس کا لطف ظاہر ہے۔ ایک قراءت عبّس کی تشدید کے ساتھ مبالغہ کے لئے ہے۔

ان جاءہ۔ مفسرؒ نے اس سے پہلے لاجل نکال کر اشارہ کردیا کہ عبس و تولی دونوں فعلوں کا تنازع ہورہا ہے اور ان جاءہ بتقدیر اللام تولی کی علت ہے بقول بصریین۔ البتہ کوفیوں کے نزدیک عبس کی علت ہے اور ایک قراءت میں أأن دو ہمزہ اور درمیان کے الف کے ساتھ ہے اور اعمیٰ لانے میں عبداللہ کے معذور اور قابل ہمدردی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ نابینا ہونے کی وجہ سے آپ نے لائق التفات نہیں سمجھا۔

وما یدریك۔ اس میں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ ناگواری میں قدرے اضافہ کے لئے۔ ما استفہامیہ ہے اور یدریک جملہ خبر ہے۔ کاف مفعول اول اور جملہ ترجی مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔ اور ترجی کا تعلق اعمیٰ سے کرنا مناسب ہے۔ آنحضرت ﷺ سے متعلق کرنا شایان شان نہیں ہے۔ اور بعض نے کافر کی طرف ضمیر راجع کی ہے۔ یعنی آپ اس کی ہدایت کی فکر

میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا معلوم وہ ہدایت قبول بھی کرلے گا۔ قرأت عام میں تنفعه مرفوع ہے یذکر پر عطف کرتے ہوئے۔ لیکن عاصم لعل کا جواب مانتے ہوئے منصوب پڑھتے ہیں۔

تصدی۔ اکثر قراء کے نزدیک ایک تاء کے ساتھ ہے۔ لیکن نافع، ابن کثیرؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں تُصَدّٰی ہے۔

وما علیك الایزکی۔ یعنی کافر اگر اسلام نہیں لاتا تو آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ پھر کیوں اس کی فکر میں پڑے ہو۔

یخشی۔ اللہ سے ڈرنا مراد ہے یا کفار کا خوف یا راستہ کی مشکلات سے گھبرانا مراد ہے۔

فانت عنه تلھٰی۔ الفاظ تصدی وتلهی میں اس طرف اشارہ ہے کہ محض امراء کی طرف التفات منشاء عتاب نہیں۔ بلکہ دل سے ان کی طرف جھکنا اور غریب سے بے اعتنائی قابل تنبیہ ہے۔

کلا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ہمیشہ محتاط رہے۔

انها تذکرة فمن شاء ذکره۔ دونوں ضمیریں قرآن یا مذکورہ عتاب کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔ پہلی ضمیر کا مؤنث ہونا خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

فی صحف۔ ان کی خبر ثانی ہے یا محذوف کی خبر ہے اور صحف سے انبیاء سابقین کے صحیفے مراد ہیں یا فرشتے جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں اور فمن شاء ذکره جملہ معترضہ ہے جس پر بقول صاحب تلویح فا داخل کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن علامہ زمخشریؒ بھی اس کو صحیح نہیں مانتے ہیں اور جملہ مستانفہ کہتے ہیں۔ حالانکہ سورہ نحل کی آیت فاسئلوا اھل الذکر کو جملہ معترضہ کہہ رہے ہیں۔

سفرة۔ یہ سافر کی جمع ہے جیسے کاتب کی جمع کتبة آتی ہے۔ سفرت بین القوم اسفر سفارة بمعنی اصلحت بینهم۔ اسفرة المراة ای کشفت نقابها اور مختار میں ہے کہ سفر الکتاب ای کتبه۔ ضرب سے آتا ہے۔ انبیاء یا ملائکہ یا امت کے افراد مراد ہیں۔

کرام بررة۔ کرامت بمعنی توقیر۔ یعنی اللہ کے نزدیک محترم اور مومنین پر مہربان۔ اور بررة جمع بار کی ہے: جیسے کافرو ساحر، فاجر کی جمع کفرہ وسحرہ وفجرہ ہیں۔ کہا جاتا ہے بروبار جب کہ اہل صدق ہو۔ برفلان فی یمینه بمعنی صدق اور فلان یبر خالقه ویتبرره بمعنی یطیعه۔

قتل الانسان۔ بظاہر بددعا عاجز کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔ لیکن اللہ قادر مطلق ہے اس کی طرف سے بددعا کے کیا معنی؟ اسی طرح تعجب ناواقف کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تعجب کیسے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک انسانی روش کلام پر اترا ہے۔ تمام باتوں کی رعایت اسی لحاظ سے ہے۔ اس سے ناراضگی کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

من ای شیئ۔ اس میں تحقیر کی طرف اشارہ ہے۔

من نطفة۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔ ما لا بن ادم اوله نطفة واخره جیفة قذرة وهو مائل للقذرة۔

خلقه فقدره۔ یعنی اللہ کا انعام ہے کہ انسان کو وجود عطا کیا اور مرحلہ اور وجود کی منزلیں طے کرائیں۔ اعضاء صحیح سلامت، شکل وصورت مناسب عطا فرمائی۔

ثم السبیل یسره۔ انسان کی پیدائش حیرت ناک طور پر عجیب وغریب ہے۔ ذراسی بے احتیاطی دونوں کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ بچہ دانی کا منہ نہ کھلے، بچہ قدرتی طور پر الٹا نہ ہوجائے تو کوئی بھی لقمہ اجل بن سکتا ہے۔ یا سبیل کی خیر وشر کی طرف

قدرت انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔اور السبیل ما اضمر عاملہ کی وجہ سے منصوب ہے۔مبالغہ فی التیسیر کے لئے اور اضافت کی بجائے الف لام سے معرفہ لانے میں سبیل کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے اور سبیل خیر وشر مراد لیتے ہیں۔اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا محض ایک رہ گذر ہے منزل مقصود نہیں۔اسی لئے آگے فرمایا۔

ثم اماتہ الخ ۔موت اور قبر کو نعمت شمار کیا گیا ہے۔کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کا پیش خیمہ ہے اور قبر درندوں وغیرہ سے نعش کے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہے۔

ثم اذا شاء انشرہ ۔ معلوم ہوا کہ بعث کا وقت متعین نہیں ہے محض تابع مشیت ہے۔

کلا ۔ بمعنی **حقاً** کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ اس کا تعلق بعد کی عبارت سے ہے۔اسی لئے اس پر وقف کرنا مناسب نہیں ہے۔بلکہ صرف زجر ہے۔یعنی انسان نے کبر ونخوت کی وجہ سے اب تک اللہ کی اطاعت حسب الامر نہیں کی۔بلکہ کچھ نہ کچھ کوتاہی ہوتی رہی ہے۔نطفہ سے لے کر قبر تک،مہد سے لے کر لحد تک اور آدم سے تا ایں دم ہر شخص کوتاہی کا مرتکب رہتا ہے اور **لم یفعل** کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ لما میں ما نافیہ ہے اور لم کی طرح نفی غیر منقطع کے لئے ہے اور بہ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ما موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے انسان کافر کی طرف ضمیر راجع ہے جس کا ذکر پہلے گزرا۔

فلینظر الانسان ۔انسان کی ذات سے متعلق انعامات کے بعد یہاں سے خارجی انعامات کا ذکر ہے۔چنانچہ وجود کے بعد بقاء وجود کے سروسامان کئے۔کھانا فراہم کیا جو بقاء کا سبب ہے۔

پھر آگے **انا صببنا الماء** سے کھانے کے اسباب کی بحث شروع کر دی اور کوفیوں نے انا فتحہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔طعام سے بدل استعمال کرتے ہوئے بہر حال مون سون اٹھتا ہے،بارش برستی ہے۔جو نطفہ کی طرح بظاہر قوت فاعلی اور مؤثر ہے۔

ثم شققنا الارض ۔ اور زمین قوت منفعلہ ہے رحم کی مانند۔جس کے انفعال کا یہ حال ہے کہ ایک معمولی سی کمزور کونپل سے پھٹ جاتی ہے اور شق کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہے۔

وقضبا۔ مصدر ہے۔کٹے بعد دیگرے پھلوں کا اترنا۔جس کو رطبہ بھی کہتے ہیں۔اور حسنؒ فرماتے ہیں کہ چوپاؤں کی گھاس کو کہتے ہیں۔

غلبا۔ **غلباء** کی جمع ہے۔جس عورت کی گردن موٹی اور مضبوط ہو۔قاموس میں ہے کہ غلب،فرح کی طرح ہے۔موٹی گردن،غلباء، گھنا باغ۔

ابا ۔اب سے ماخوذ ہے بمعنی قصد،چارہ بھی مقصود ہوتا ہے۔

متاعا ۔ مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ مفعول لہ اور مفعول مطلق دونوں ہوسکتا ہے اور عامل محذوف ہے۔ **ای فعل ذلک متاعا او متعکم تمتیعاً**۔

الصاخۃ ۔ معاش کے بعد یہاں سے معاد کا ذکر ہے۔**صاخۃ** ایسے شور کو کہتے ہیں جس سے کان پھٹنے لگیں۔مجازاً نفخہ مراد ہے۔

یفر المرء۔ ہر شخص نفسانفسی میں مبتلا ہوگا اور دوسروں کے حقوق طلبی کے ڈر سے گریزاں ہوگا۔ **یوم بدل الکل یا بدل البعض** ہے اذا سے اور عائد محذوف ہے۔ **ای یفر فیہ** لیکن لفظ **یغنیہ اذا** اور یوم میں عامل نہیں ہوسکتا۔کیونکہ صفت ہے اور صفت کا معمول اس کے عامل پر مقدم نہیں ہوسکتا۔اور ترتیب میں زیادہ محبوب چیزوں کو مبالغہ کے لئے مؤخر کیا گیا ہے۔گویا **ترقی من الادنی الی الاعلیٰ** ہو رہی ہے۔اور ایک قرأت میں **یعینہ** ہے۔جس کے معنی فکرمند کرنے کے ہیں۔

مسفرۃ. اسفار الصبح سے ماخوذ ہے اور وجوہ اگرچہ نکرہ ہے۔ لیکن تقسیم کے موقعہ میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہے۔ مسفرۃ خبر ہے اور یومئذ متعلق ہے۔ ان آیات میں سعداء اور اشقیاء کی تقسیم ہے۔ جس طرح یہ لوگ کفر و فجور کا مجموعہ ہیں۔ اسی طرح جزاء بھی غبرۃ اور قترۃ کا مجموعہ ہوگی اور کفار سے بڑھ کر مومنین کے لئے تین اوصاف فرمائے۔

مسفرۃ . ضاحکۃ . مستبشرۃ .

ربط آیات:............اس سورت کے سیاق وسباق میں جس طرح قیامت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کے آخر میں بھی یہی مضمون ہے اور چونکہ اس میں کافر کی شدید سزا کا ذکر ہے۔ اس لئے سورت کے درمیان میں شکر کے مقتضیات اور موانع کا ذکر کر کے کفر کی شدت بیان فرمادی اور ایسے شدید الکفر لوگوں کی ہدایت کے سلسلہ میں حضور پر نور ﷺ کو اہتمام اور کاوش فرمانے میں چونکہ کوفت ہوتی تھی۔ حتی کہ ایک بار اسی بناء پر ایک نابینا صحابی کا ایسے موقعہ پر آ کر درمیان میں بولنا موجب کلفت ہوا۔ اس لئے شروع سورت میں ایک محبوبانہ انداز سے جس کو لوگ عتاب کہتے ہیں۔ اس درجہ کفار کا اہتمام فرمانے سے منع فرمادیا اور طالبان حق کے حال پر توجہ مبذول فرمانے کا حکم دے دیا۔ اس طرح اول سورت، درمیان سورت کی اور درمیان سورت آخر سورت کی تمہید ہے اور سورت کا آخر مقصود اصلی ہے۔

شان نزول:............مفسرینؒ ومحدثین بالا تفاق اس سورت کا شان نزول بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ رؤسا اور قریش کے ممتاز سردار حاضر تھے۔ بعض روایات میں ان میں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ یعنی ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شیبہ اور حضور ﷺ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ فرمارہے تھے۔ کہ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتومؓ ایک نابینا صحابی حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور آپ سے اسلام یا آیات قرآنی کے سلسلہ میں کچھ پوچھنا چاہا۔ حضور ﷺ کو ان کی یہ مداخلت بے جا اور ناگوار معلوم ہوئی۔ اس لئے آپ نے ان سے بے رخی برتی۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس تاریخی واقعہ سے اس سورت کا زمانہ نزول بآسانی معین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بقول حافظ ابن حجرؒ اسلم بمکۃ قدیماً اور بقول حافظ ابن کثیرؒ ھو من اسلم قدیماً . یہ ثابت ہے کہ ابن ام مکتوم بالکل ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ اسی طرح جن روایات میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ارشدنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ علمنی مما علمک اللہ یعنی وہ قرآن کی ایک آیت کا مطلب دریافت کرنا چاہتے تھے ان بیانات سے ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے ادھر آیت "لعلہ یزکی" کا مطلب ابن زیدؒ "لعلہ یسلم" بیان کرتے ہیں اور ارشاد الٰہی وما یدریک لعلہ یزکّٰی اویذکر فتنفعہ الذکری اور اما من جاء ک یسعٰی وھو یخشٰی بھی اسی طرف مشیر ہے کہ ان میں طلب حق کا صادق جذبہ موجزن تھا۔ پھر جن نمایاں کفار کے نام ابھی گزرے ہیں ان کے شریک مجلس ہونے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب کہ ان کفار کی آمد ورفت آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتی رہتی تھی اور کشمکش اتنی نہ بڑھی تھی کہ ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہو گیا ہو۔ بلکہ کچھ نہ کچھ میل جول تھا۔ یہ سب اس بات کے قرائن ہیں کہ یہ سورت بالکل ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے اور اس سورت کا نام سورہ نازعات اور سورہ عم (نبا) کی طرح پہلے لفظ کے اعتبار سے ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... حافظ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ حضرت خدیجہؓ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ ان کی ماں ام مکتوم اور حضرت خدیجہؓ کے والد چونکہ دونوں بہن بھائی تھے۔ پس اس رشتہ کے بعد اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضور ﷺ نے ان کو معمولی اور غریب آدمی سمجھ کر بے رخی برتی ہوگی۔ کیونکہ یہ خاندانی آدمی اور آنحضرتؐ کے نسبتی برادر تھے۔ کوئی گرے پڑے آدمی نہ تھے۔ البتہ کچھ روکار ایسا بن گیا تھا کہ ایک عامی آدمی ظاہر اُدھوکہ میں مبتلا ہوسکتا تھا۔ کہ ایک طرف سربرآوردہ لوگوں کی جماعت ہے اور دوسری طرف خستہ حال نابینا شخص گرتا پڑتا آتا ہے۔ آپ اس کی طرف جو التفات نہیں فرماتے۔ اس سے ایک غریب کے مقابلہ میں طاقت وروں کی ترجیح کا تصور ابھرتا دکھائی دیتا ہے جو آئندہ کے لئے بری مثال بن سکتی تھی۔ پھر ابن ام مکتومؓ کے نابینا ہونے کی وجہ سے دوسروں کے لئے شاید اتنے کارگر ثابت نہ ہوتے۔ جتنا کہ ان سرداروں میں سے کسی کے ہدایت پانے کی صورت میں متوقع ہوسکتی تھی۔ اس لئے حضور ﷺ کو ابن ام مکتومؓ کی مداخلت بے جا معلوم ہوئی۔

ایک واضح مثال: .... اس کو ایسے سمجھا جائے جیسے طبیب کے سامنے دو مریض ہوں۔ ایک تپ دق کا اور دوسرا نزلہ زکام کا۔ پس طبیب پہلے دق کے مریض کی طرف توجہ کرے گا۔ ایسے میں نزلہ کا مریض اگر اپنی بات شروع کردے تو طبیب کو ناگوار ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح حضور ﷺ نے کفر کو خطرناک سمجھتے ہوئے اپنے اجتہاد سے اس کو لائق اہتمام سمجھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے اس رائے کو اجتہادی لغزش قرار دیتے ہوئے جو ارشاد فرمایا۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ مرض کی شدت اس وقت بعث تقدیم و ترجیح ہوا کرتی ہے۔ جب کہ مریض علاج کا خواہش مند ہو یا کم از کم مخالف نہ ہو۔ ورنہ خواہش مند مریض کا علاج مقدم ہوگا خواہ مرض خفیف ہو۔ کیونکہ پہلی صورت میں خود علاج اور اس کا فائدہ موہوم ہے اور دوسری صورت میں فائدہ یقینی ہے اور ظاہر ہے کہ ترجیح یقینی کو ہونی چاہئے نہ کہ موہوم کو۔

دو اجتہاد: .... پس ایک اجتہاد کی طرف حضور ﷺ کا ذہن مبارک گیا۔ مگر اس سے زیادہ بہتر رائے کی طرف حق تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ گویا لغزش تو ہوئی، مگر فوراً سنبھال لیا گیا۔ پھر عبس کا انداز بیان ایک عجیب لطف رکھتا ہے۔ گویا دکھلانا یہ ہے کہ ترش روئی اور بے رخی حضور ﷺ سے نہیں بلکہ کسی اور شخص سے سرزد ہوئی ہے۔ اس طرز بیان سے حضور ﷺ کو نہایت لطیف طریقہ سے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جو آپ کے کرنے کا نہیں تھا۔ آپ کے اخلاق عالیہ کو جاننے والا یہی خیال کرے گا۔ کہ یہ آپ کا نہیں بلکہ کسی اور کا کام ہے یعنی کہنے والا مخاطب کے مرتبہ کی رعایت کرتے ہوئے رودررو اس بات کے کہنے میں حیا محسوس کرتا ہے۔

محققانہ کلام: .... حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ یہ کلام گویا اوروں کے سامنے گلہ ہے۔ رسول کا اسی لئے غائب کا صیغہ لیا گیا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس میں آپ کی انتہائی تکریم اور متکلم کی حیا کا اظہار ہے کہ عتاب کے وقت بھی رودررو آپ کی طرف نسبت نہیں کی گئی۔ اسے کہتے ہیں غصہ میں لگاوٹ کی ادا۔

آگے **وما یدریک** میں بطریق التفات خطاب فرمایا گیا۔ تاکہ حضور ﷺ سے حق تعالیٰ کی بے رخی اور بے التفاتی کا شبہ نہ ہو۔ پھر اگلا مضمون بھی پچھلے مضمون سے ہلکا ہے۔ اس لئے خطاب کرنے میں بلاغت آ گئی۔

لعلہ یزکی او یذکر الخ کا حاصل یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کی پوری اصلاح ہوجاتی یا کچھ اصلاح ہوتی۔ بہر حال نفع ہی ہوتا۔ اور ہر چند کہ ذکریٰ، تذکر سے پہلے ہے۔ مگر تذکر یعنی نصیحت قبول کرنا۔ ذکریٰ کے نفع سے بعد میں ہے۔ اس لئے کلمہ **فا** لایا گیا اور **لعل** مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی ان صحابی سے نفع کے محض گمان پر بھی بے توجہی نہیں ہونی چاہئے تھے۔ چہ جائیکہ نفع یقینی ہو اور دائمی سے

تعبیر کرنے میں التفات اور توجہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی حالت قابل رحم وکرم ہے۔

تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا۔ یا تمہاری تکوینی بات اس کے کان میں پڑتی۔ وہ اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا۔ آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آجاتی۔

وما علیک الا یزکی۔ جو لوگ اپنے غرور وشیخی سے حق کی پروانہیں کرتے۔ ان کا تکبر انہیں اللہ ورسول کے آگے جھکنے نہیں دیتا۔ آپ ان کے اسلام لانے کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ ذمہ داری نہیں کہ آپ ان لا پرواہ متکبروں کی فکر میں اس درجہ منہمک ہوں۔

وھی یخشی۔ یعنی نابینا اللہ سے ڈرتا ہے۔ یا اسے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی ملاقات میسر نہ ہو، پھر اندھا ہے۔ کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی سے ٹکرا جائے، یا یہ سمجھ کر کہ آپ کے پاس جا رہا ہے۔ دشمن ستانے لگیں۔

دعوت وتبلیغ کا ایک اہم نکتہ:.......... فانت عنہ تلھی۔ ان آیات میں آپ کی اجتہادی لغزش اور چوک پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ اگرچہ کفر کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اس کے علاج کو مقدم سمجھ رہے ہیں اور ایک مسلمان کی اصلاح کو غیر اہم اور مؤخر، لیکن یہاں طالب اور غیر طالب کے معاملہ پر اگر آپ نظر فرماتے تو معاملہ برعکس محسوس ہوتا۔ یہی وہ اصل نکتہ ہے جو تبلیغ ودعوت کے سلسلہ میں نگاہ مبارک سے اوجھل ہوگیا۔ اس پر گرفت فرماتے ہوئے ارشاد ہے کہ داعی حق کی نظر میں حقیقی اہمیت کس کی ہونی چاہئے۔ اور کس کی نہیں ہونی چاہئے نظر اس پر رہنی چاہئے کہ کس میں طلب حق کی سچی پیاس اور جستجو ہے اور کس میں حق کے برخلاف جذبات موجود ہیں اس پر نظر نہیں ہونی چاہئے کہ کون مفید ہوسکتا ہے اور کون نہیں! بلکہ اصل مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ کون سنورتا ہے اور کون بگڑتا ہے؟ پہلا آدمی کتنا ہی اپاہج اور بظاہر نکما ہو مگر وہی قیمتی ہے اس پر دھیان دینا چاہئے اور توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ دعوت وتبلیغ کا اصل منشاء ہی اصلاح ہے اور اس شخص کا ظاہری حال اصلاح پذیر ہے۔ چنانچہ یہی نابینا بزرگ زرہ پہنے جھنڈا ہاتھ میں لئے جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ برخلاف دوسرے شخص کے وہ معاشرہ میں کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو مگر جب وہ سنورا ہوا نہ ہو بگڑا ہوا ہو تو اس کی ظاہر ازروش بتلا رہی ہے کہ جب وہ خود سدھرنا نہیں چاہتا تو اس کی اصلاح کی فکر میں سراسر وقت کو ضائع کرنا ہوگا۔ اگر وہ سنورنا نہیں چاہتا نہ سنورے کہ اس کا اپنا نقصان ہے۔ داعی حق پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ وہ جب اس متاع گراں مایہ کا قدردان ہی نہیں تو اس کو سنبھال کر کیا رکھے گا؟ قدر گوہر شاہ بداند یا بداند جوہری۔

دوسرا اہم پہلو:.......... یہاں معاملہ کا ایک دوسرا رخ بھی قابل لحاظ ہے کہ اس معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب امیروں کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں اور شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو نقصان دعوت اسلام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جن کی ان چند متکبروں کے مسلمان ہونے سے توقع کی جاسکتی ہے۔

کلا انھا تذکرۃ۔ خدا کو بھولے ہوئے اور اپنی دنیوی وجاہت پر پھولے ہوئے لوگوں کو بے جا اہمیت نہ دیجئے۔ اسلام کی دولت ایسی سستی نہیں کہ جو اس سے منہ موڑے اس کے آگے خوشامد کر کے پیش کی جائے۔ اور نہ تمہاری یہ شان ہے کہ ان مغرور لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی ایسے انداز سے کوشش کرو جس سے یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ تمہاری کوئی غرض ان سے اٹکی ہوئی ہے۔ یہ مان لیں گے تو تمہاری دعوت فروغ پاسکے گی ورنہ ناکام ہو جائے گی۔ حق ان سے اتنا ہی بے نیاز ہے جتنے یہ حق سے بے نیاز ہیں۔

فمن شاء ذکرہ ۔ یعنی یہ شیخی خورے اگر قرآن نہ پڑھیں اور اس کی نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی نقصان کریں گے، قرآن کو کسی کی کیا پرواہ۔ آپ کو اس درجہ ان کے گرویدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک عام نصیحت تھی وہ کردی گئی۔ جو اپنا فائدہ چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے اور عمل کرے۔

بغیر طہارت قرآن چھونا جائز نہیں:............ فی صحف مکرمۃ ۔ کیا ان سر پھرے مغروروں کی وجہ سے قرآن کی عزت ووقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیات آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوتی ہے اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت واحترام اور پاکیزگی کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک خالص حق کی تعلیم پیش کی گئی ہے۔

جن آلودگیوں سے دنیا کی دوسری مذہبی کتابیں لوگوں کی نادانی کی وجہ سے آلودہ کردی گئی ہیں۔ ان کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی قرآن کریم میں داخل نہیں ہوسکا۔ انسانی تخیلات ہوں یا شیطانی توہمات ان سب سے یہ پاک صاف ہے **صحف مطہرۃ** کا مضمون **لا یمسہ الا المطھرون** کے مطابق ہے۔ آسمانوں میں فرشتے جو قرآن لکھتے ہیں۔ وحی اس کے موافق ہی نازل ہوتی ہے اور دنیا میں بھی قرآن کو اوراق میں لکھنے اور جمع کرنے والے بزرگ ترین پاکیزہ، نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی تحریف و تبدیلی اور کمی بیشی سے اس کو محفوظ رکھا۔ یہاں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک **کرام** یعنی معزز اور دوسرے میں **بررۃ** یعنی نیک پہلے لفظ سے تاثر دینا کہ وہ اس قدر معزز ہیں کہ جو امانت ان کے سپرد کی گئی ہے، ذرہ بھر خیانت ان سے سرزد نہیں ہوسکتی۔ اور دوسرے لفظ سے یہ بتلانا ہے...... کہ ان صحیفوں کو لکھنے اور ان کی حفاظت کرنے اور ان کو رسول تک پہنچانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کا حق پوری دیانتداری سے سرانجام دیتے ہیں۔

قرآن خود معظم ہے وہ کسی کی تکریم کا محتاج نہیں:............ اصل سررشتہ کلام سے اگر جوڑا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں محض قرآن مجید کی عظمت، وتعریف مدنظر نہیں ہے۔ بلکہ جو متکبر حقارت کے ساتھ اس دعوت سے منہ موڑ رہے تھے انہیں صاف صاف جتلا دینا ہے کہ یہ عظیم المرتبہ کتاب اس سے بدرجہا بلند اور برتر ہے کہ تمہاری خدمت میں اسے پیش کرکے توقع رکھی جائے کہ تم اسے شرف قبولیت عطا کروں گے۔ یہ تمہاری نہیں بلکہ تم اس کے سرتا سر محتاج ہو۔ خم کردو۔ ورنہ جس قدر تم اس سے بے نیاز بنتے ہو اس سے بہت زیادہ تم سے بے نیاز ہے۔ تمہاری تحقیر سے اس کی عظمت میں ذرہ برابر فرق نہیں آئے گا۔ البتہ تمہاری بڑائی کا سارا گھمنڈ خاک میں ملا کر رکھ دیا جائے گا۔

قتل الانسان ۔ شروع سورت سے اب تک آنحضرت ﷺ کی طرف روئے سخن تھا۔ اب یہاں سے ان کافروں کی طرف عتاب کا رخ پھر گیا ہے۔ جو حق سے بے نیازی برت رہے ہیں اگرچہ اس سے پہلے کلام میں بھی درپردہ انہیں پر عتاب تھا۔ بلکہ آپ بھی انہی کی وجہ سے گرفت میں آ گئے۔ کیونکہ پچھلے کلام کا انداز بیان یہ تھا کہ اے پیغمبر! ایک طالب حق کو چھوڑ کر آپ یہ کن لوگوں پر اپنی توجہ صرف کررہے ہیں جو دعوت حق کے نقطۂ نظر سے بالکل بے قدر و قیمت ہیں۔ ان کی یہ حیثیت نہیں کہ آپ جیسا عظیم المرتب پیغمبر، قرآن جیسی بلند مرتبہ چیز کو ان کے آگے پیش کرے۔

قرآن کا ادیبانہ طرز کلام:............ قرآن مجید میں ایسے مقامات پر انسان سے مراد نوع انسان کا ہر فرد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ناپسندیدہ صفات کی مذمت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ انسان کا لفظ کہیں تو اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کے اکثر افراد

میں وہ مذموم صفات پائی جاتی ہیں اور کہیں اس کے استعمال کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مخصوص لوگوں کو تعین کے ساتھ اگر ملامت کی جائے تو ان میں ضد پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے نصیحت کا یہ طریقہ زیادہ مؤثر سمجھا گیا ہے کہ عمومی انداز میں بات کہی جائے گی۔

ما اکفرہ. یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ انسان کس چیز سے پیدا ہوا ہے؟ ایک ناچیز، بے قدر، بلکہ گندی بوند سے جس میں حس وشعور، حسن عقل وادراک کچھ نہ تھا، سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا، پس جس کی حقیقت اتنی ہو، کیا اسے طمطراق زیبا ہے؟ کہ پیدا کرنے والا حقیقی منعم۔ ایسی عظیم الشان نعمت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ احسان فراموش انسان کچھ تو شرمایا ہوتا۔ کفر سے مراد حق کا انکار ہے اور اپنے محسن کی ناشکری بھی اپنے خالق ومالک ورازق کے مقابلہ میں بہیمانہ روش بھی، حاصل یہ کہ آخر کس بل بوتے پر کفر کرتا ہے؟

مغرور انسان اپنی حقیقت پر نظر رکھے:............**من نطفة خلقه فقدره**. ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء ایک خاص ڈھنگ اور انداز سے رکھے۔ کوئی چیز یونہی بے ڈھنگی، بے تکی اور خلاف حکمت نہیں رکھ دی ماں کے پیٹ ہی میں اس کی تقدیر بھی طے کر دی۔ اس کی جنس کیا ہوگی، اس کا رنگ قد روقامت کیا ہوگا۔ جسامت کیسی اور طاقت کس قدر ہوگی۔ اس کے اعضاء کس حد تک صحیح سالم اور کس حد تک ناقص ہوں گے۔ اس کی آواز کیسی ہوگی۔ اس کے ذہن اور دماغ کی صلاحیتیں کیا ہوں گی۔ کس سرزمین، کس خاندان اور کس ماحول میں پیدا ہوگا اور کس طرح پرورش وتربیت پائے گا۔ کیا بن کر اٹھے گا۔ اس کی شخصیت کی تعمیر میں موروثی اثرات، ماحول کے اثرات اور اس کی اپنی خواص کا کیا اور کتنا اثر ہوگا۔ دنیا کی زندگی میں کیا کردار ادا کرے گا اور کتنا وقت اسے زمین پر نام کرنے کے لئے دیا جائے گا۔ اور اس تقدیر سے بال برابر بھی ہٹ نہیں سکتا۔ نہ اس میں ردوبدل کر سکتا ہے۔ پھر کیسی عجیب جرات ہے کہ جس خالق کی بنائی ہوئی تقدیر کے آگے یہ بے بس اتنا ہے اس کے مقابلہ میں کفر کرتا ہے۔

ثم السبيل يسره. یعنی اچھے برے کی تمیز، نیک وبد کی سمجھ بوجھ، ایمان وکفر کی پہچان انسان کو دے دی جاتی ہے اور وہ تمام اسباب ووسائل فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ جن سے وہ کام لے گا۔ اگر زمین پر اس کے لئے یہ سروسامان مہیا نہ کر دیا جاتا اور یہ امکانات پیدا نہ کر دیئے جاتے تو اس کے جسم کی اور ذہن کی ساری قوتیں بے کار بات ہوتیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو یہ موقعہ بھی دے دیا کہ ایمان وکفر، طاقت ومعصیت میں سے جو راہ بھی اختیار کرنا چاہے کر سکے۔ اس نے دونوں راستے اس کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔ اور ثم **السبيل يسره** کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے انسان کی پیدائش آسان کر دی۔

انسان کی بے بسی:............**ثم اماته فاقبره**۔ یعنی انسان اپنی پیدائش اور تقدیر کے معاملہ ہی میں نہیں۔ بلکہ اپنی موت کے معاملہ میں بھی پیدا کرنے والے کے آگے بے بس اور اس کے اٹل قانون کا پابند ہے نہ اپنے اختیار سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ اپنے اختیار سے مر سکتا ہے اور نہ اپنی موت کو ایک لمحہ کے لئے ٹال سکتا ہے۔ جس وقت جہاں جس حال میں بھی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ اسی وقت، اسی جگہ اور اسی حال پر یہ مر کر رہتا ہے۔ اسی لئے جس نوعیت کی قبر بھی اس کے لئے طے کر دی جاتی ہے۔ اسی نوعیت کی قبر اسے نصیب ہوتی ہے۔ زمین کا گڑھا ہو یا سمندر کی گہرائیاں، آگ کا الاؤ ہو یا کسی درندہ کا پیٹ۔ غرض انسان خود تو درکنار، ساری دنیا بھی مل کر اگر چاہے تو کسی شخص کے معاملہ میں خالق کے اس فیصلہ کو بدل نہیں سکتی۔

ثم اذا شاء انشره. یعنی جس خدا نے انسان کو جلایا اور مارا۔ اور اسی کو اختیار ہے کہ جب وہ چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے۔ غرض انسان کی مجال نہیں کہ جب اس کا خالق دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا چاہے تو یہ اٹھنے سے انکار کر سکے۔ آخر جب اسے پہلے

پیدا کیا گیا تھا تو اسے پوچھ کر پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ اس سے رائے نہیں لی گئی تھی۔ کہ تو پیدا ہونا چاہتا ہے یا نہیں؟ یہ انکار بھی کرتا تو پیدا ہو کر رہتا۔ اسی طرح اب دوبارہ پیدائش بھی اس کی مرضی پر موقوف نہیں ہے کہ یہ مر کر اٹھنا چاہے تو اٹھے اور اٹھنے سے انکار کر دے تو یہ نہ اٹھے۔ خالق کی مرضی کے اس معاملہ میں بھی یہ قطعی بے بسی ہے۔ جب وہ بھی چاہے گا اسے اٹھا کر کھڑا کر دے گا اور اس کو اٹھنا ہوگا۔ خواہ یہ راضی ہو یا نہ ہو۔ بہر حال جس کے قبضہ میں پیدا کر کے دنیا میں لانا، پھر مار کر برزخ میں لے جانا، پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا ہو۔ کیا اس کی نعمت سے اعراض وانکار اور اس کی نعمتوں کا استحقار کسی آدمی کے لئے زیبا ہے؟

ہر چیز اللہ کے حکم کے آگے سرنگوں ہے۔ مگر انسان سرکش ہے:............ کلا لما یقض ما امرہ ۔ یعنی انسان نے اپنے مالک کا حق ہرگز نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا۔ حکم سے مراد وہ حکم بھی ہے جو اللہ نے فطری ہدایت کی صورت میں ہر شخص میں ودیعت فرمایا ہے اور وہ حکم بھی ہے جس کی طرف انسان کا اپنا وجود اور زمین سے لے کر آسمان تک کائنات کا ذرہ اشارہ کر رہا ہے۔ اور وہ حکم بھی ہے جو اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ بھیجا اور ہر دور کے صالحین کے ذریعہ پھیلایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے کلا لما یقض ما امرہ کو "ثم اذا شاء انشرہ" سے متعلق مانا ہے۔ یعنی اللہ جب چاہے گا۔ زندہ کر کے اٹھا دے گا۔ مگر ابھی ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو تکوینی اور تقدیری حکم ہے وہ پورا نہیں ہوا۔ الغرض جو حقائق اوپر کی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ان کی بناء پر فرض تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق کی فرمانبرداری کرتا۔ مگر اس نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور بندہ ہونے کا جو تقاضا تھا وہ پورا نہیں کیا۔

انسان کی بقا کے لئے سامان زندگی:............ فلینظر الا نسان ۔ پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔ اب اس کی زندگی اور بقا کے سامان یاد دلائے جا رہے ہیں۔ خوراک جس کو وہ ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ اس پر ذرا غور تو کرے کہ آخر یہ پیدا کیسے ہوتی ہے۔ اگر خدا نے اس کے اسباب فراہم نہ کئے ہوتے۔ تو کیا انسان کے بس میں یہ تھا کہ زمین پر غذا وہ خود پیدا کر لیتا۔

انا صببنا الماء بارش کے تکوینی نظام الٰہی پر نظر ڈالی جائے تو عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ سورج کی گرمی سے بے حد وحساب مقدار میں سمندروں سے پانی بھاپ بنا کر اٹھایا جاتا ہے۔ پھر اس سے کثیف بادل بنتے ہیں، پھر ہوائیں ان کو لے کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلاتی ہیں۔ پھر عالم بالا کی ٹھنڈک سے وہ مون سون از سر نو پانی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور ہر علاقہ میں ایک خاص حساب سے برس جاتا ہے۔ پھر وہ پانی زمین پر تو براہ راست برستا ہی ہے۔ زیر زمین کنوؤں اور چشموں کی شکل بھی اختیار کرتا ہے۔ دریاؤں، ندی نالوں کی شکل میں بہتا ہے اور پہاڑوں پر برف کی شکل میں جم کر پگھلتا ہے اور برسات کے موسم کے علاوہ دوسرے موسموں میں بھی دریاؤں میں رواں دواں ہوتا ہے۔ کیا یہ سارے انتظامات انسان نے خود کئے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا خالق اس کی رزق رسانی کے لئے یہ انتظامات نہ کرتا۔ تو کیا انسان زمین پر جی سکتا تھا؟

قدرت کی کرشمہ سازی:............ ثم شققنا الارض ۔ گھاس کے تنکے کی کیا مجال تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا۔ یہ قدرت کے ہاتھ ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، میوے، پھل، پھلواریاں برآمد ہوتی رہتی ہیں۔ جو بیج یا گٹھلیاں یا نباتات کی سبزیاں انسان زمین میں بوتا ہے یا ہواؤں اور پرندوں کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے زمین کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ قدرت کے پوشیدہ ہاتھ ان کی کونپلوں کو باہر نکال دیتے ہیں۔ انسان اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ زمین کو کھود دیتا ہے، زمین میں ہل

چلا دیتا ہے اور خدا کے پیدا کردہ بیج زمین میں بکھیر دیتا ہے۔ اس کے سوا سب کچھ کام خدا کا ہے۔ بے شمار قسم کی نباتات کے بیج پیدا کرنا خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی لئے ان تخموں میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ وہ زمین میں پہنچ کر پھوٹیں اور ہر تخم سے اسی کی جنس کی نباتات اُگے۔ اور اسی نے زمین میں یہ خاصیت پیدا کی کہ پانی سے مل کر وہ ان بیجوں کو کھول دے اور ہر جنس کی نباتات کے لئے اس کے مناسب حال غذا پہنچائے اور ان کو نشوونما دے۔ یہ تخم ان خاصیتوں کے ساتھ اور زمین کی یہ بالائی تہیں ان صلاحیتوں کے ساتھ خدا نے تمہارے نفع کے واسطے پیدا فرمائی ہیں۔

متاعا لکم ولانعامکم. بعض چیزیں تمہارے اور بعض چیزیں تمہارے جانوروں کے کام آتی ہیں۔ یعنی خوراک کا یہ سامان خدا نے تمہارے ہی لئے نہیں۔ بلکہ جن جانوروں سے تمہیں گوشت، چربی، دودھ، دہی، مکھن، گھی وغیرہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے لئے بھی ان سے چارہ کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ ان جانوروں سے انسانی معیشت کی ہزاروں اور خدمتیں بھی وابستہ ہیں۔ گویا ان کی خوراک بھی بالواسطہ انسان ہی کی خوراک ہے۔ پس کیا یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ تم اس تمام تر سروسامان سے نفع اندوز ہوتے رہو اور جس خدا کے رزق پر پل رہے ہو اسی سے کفر کرو؟

فاذا جاءت الصاخة. نفخ صور کا قیامت خیز کڑ کا مراد ہے جس سے کان پھٹ جائیں۔ اس کے بلند ہوتے ہی تمام مردے جی اٹھیں گے۔ صاخه. بظاہر یہ نفخہ اولی کی صفت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس سے عالم کی فنا کا تعلق ہے لیکن یہ واقعات نفخہ ثانیہ کے ہیں تو پھر کافروں کے لحاظ سے نفخہ ثانیہ کی صفت بھی صحیح ہے۔

قیامت کی ہوش ربا حالت کو دیکھ کر قریب ترین عزیز بھی آنکھیں چرالیں گے:.........یوم یفر المرء .

اس روز ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی۔ وہ عزیز واقارب جو دنیا میں سب سے زیادہ پیارے تھے ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے۔ بلکہ مصیبت میں مبتلا دیکھ کر ان کی مدد کو دوڑنے کی بجائے انسان الٹا ان سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنی گمراہیوں اور گناہوں کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالنے لگے۔ یا اس کی نیکیوں میں سے فرمائش نہ کرنے لگے، یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے۔ بھائی کو بھائی سے، اولاد کو ماں باپ سے شوہر کو بیوی سے اور ماں باپ کو اولاد سے خطرہ ہوگا۔ کہ اب ہمارے خلاف مقدمات کے یہ گواہ بننے والے ہیں۔ ان خیالات سے ایک دوسرے سے آنکھ چرائیں گے۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ عجیب نفسا نفسی کا وقت ہوگا۔

لکل امرء منهم یومئذ شان . نسائی، ترمذی وغیرہ میں روایات ہیں کہ حضور اکرم فداہ امی وابی نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب ننگ دھڑنگ اٹھیں گے۔ حضرت عائشہؓ یا حضرت سودہؓ یا کسی اور صحابیہ نے گھبرا کر پوچھا کہ یارسول اللہ! اس روز ہمارے ستر سب کے سامنے کھلے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمایا کر ارشاد فرمایا کہ اس وقت کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ گویا مارے دہشت کے اپنے آپے کی خبر بھی نہ ہوگی۔

وجوہ یومئذ مسفرة. قیامت کے دن مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور انتہائی مسرت سے فرحاں وشاداں ہوں گے اور کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی۔ اس پر فسق وفجور کی تاریکی اس ظلمت کو اور تیرہ وتاریک کر دے گی۔

اولئک هم الکفرة الفجرة. جو ٹھیٹ کافر ہیں۔ ان کو کتنا ہی سمجھاؤ، ذرا نہیں پسیجتے، نہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ مخلوق خدا سے شرماتے ہیں۔

خلاصہ کلام: ....سورۂ عبس کے ابتدائی مضمون کے سرسری انداز بیان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک نابینا صحابی سے بے رخی اور بے التفاتی برتنے پر اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے خطاب میں بے رخی برتی گئی ہے۔ مگر مجموعی سورت کے مضمون پر گہری نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل روئے عتاب کفار سرداران قریش کی طرف ہے۔ جو اپنے مغرورانہ گھمنڈ اور اپنی متکبرانہ ہٹ دھرمی کی بناء پر صداقت اور آنحضرت ﷺ کی دعوت حق سے بے نیازی برت رہے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا نابینا صحابی سے بے التفاتی فرمانا کچھ ان کی عزت یا تحقیر کی بناء پر نہیں تھا۔ اور نہ قریش کے سرداروں کی طرف جھکاؤ ان کے مالدار ہونے کی بناء پر تھا۔ اگرچہ بادی النظر میں ایک رخ دیکھنے والے کی نظر میں یہ ہی نکل سکتا ہے۔ مگر دراصل معاملہ کی نوعیت اس طرح ہے کہ جب کوئی داعی اپنی دعوت لے کر اٹھتا ہے تو فطری طور پر اس کا رجحان باثر اور مقتدر لوگوں کی طرف ہوتا ہے۔ تاکہ دعوت کے حلقہ اثر میں زور پیدا ہو جائے اور دعوت عام ہو جائے۔ کیونکہ کمزور بلکہ معذور یا عام لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ابتداءً رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی طرز عمل ہوگا۔ جس کا منشاء اس اخلاص اور دعوت حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا۔ بڑے لوگوں کی توقیر اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر ہرگز پیش نظر نہ تھی۔ اللہ نے آپ کے سامنے صحیح دعوت کا یہ طریقہ رکھا کہ اس راہ میں ہر وہ شخص قیمتی ہے اور اہمیت رکھتا ہے جو حق کا جویا اور طالب راہ مولیٰ ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی بے اثر، کمزور بلکہ معذور ہو۔ لیکن جو شخص حق سے بے نیاز یا کنارہ کش ہو وہ غیر اہم ہے۔ خواہ معاشرہ میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لئے عمومی رنگ میں دعوت تو سب ہی کے لئے ہے۔ مگر مرکز توجہ آپ کے وہ لوگ ہوتے جائیں جن میں قبول حق کی آثار کی پائی جاتی ہو اور آپ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں۔ جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ بات سمجھتے ہوں کہ ان کو آپ کی نہیں، بلکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد آیت قتل الانسان الخ سے براہ راست عتاب کا رخ ان کفار کی طرف پھر گیا ہے۔ جو حضور ﷺ کی دعوت حق کا انکار کر رہے تھے۔ اس میں پہلے تو ان کے اس رویہ پر ملامت کی گئی ہے۔ جو وہ اپنے خالق و رازق پروردگار کے مقابلہ میں برت رہے تھے۔ اور آخر میں ان کو خبردار کر دیا گیا کہ قیامت کے روز وہ اپنی روش کا ہولناک انجام دیکھ لیں گے۔

فضائل سورت: ....من قرء سورة عبس جاء يوم القيامة ووجهه ضاحكة مستبشرة فرمایا۔ جو شخص سورۂ عبس پڑھے گا۔ اللہ قیامت میں اس کو ہشاش چہرہ کے ساتھ لائے گا۔ (حدیث موضوع ہے۔)

لطائف سلوک: ....عبس وتولى. اس سے ثابت ہوا کہ کسی شخص سے عذر یا ناواقفی کے باعث کوئی خلاف ادب یا بے تمیزی کی بات سرزد ہو جائے تو اسے درگزر کر دینا چاہئے اس سے روگردانی یا ناراضگی نہیں ہونی چاہئے۔

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ ايَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ لُفِفَتْ وَذُهِبَ بِنُوْرِهَا **وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ** ﴿۲﴾ اِنْقَضَتْ وَتَسَاقَطَتْ عَلَى الْاَرْضِ **وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ** ﴿۳﴾ ذُهِبَ بِهَا عَنْ وَّجْهِ الْاَرْضِ فَصَارَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا **وَاِذَا الْعِشَارُ** النُّوْقُ الْحَوَامِلُ **عُطِّلَتْ** ﴿۴﴾ تُرِكَتْ بِلَا رَاعٍ اَوْبِلَا حَلْبٍ لَمَّا دَهَا هُمْ مِّنَ الْاَمْرِ وَلَمْ يَكُنْ مَّالٌ اَعْجَبَ اِلَيْهِمْ مِّنْهَا **وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ** ﴿۵﴾ جُمِعَتْ بَعْدَ الْبَعْثِ لِيَقْتَصَّ لِبَعْضٍ مِنْ بَعْضٍ ثُمَّ تَصِيْرُ تُرَابًا **وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ** ﴿۶﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اُوْقِدَتْ فَصَارَتْ نَارًا **وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ** ﴿۷﴾ قُرِنَتْ بِاَجْسَادِهَا **وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ** الْجَارِيَةُ تُدْفَنُ حَيَّةً خَوْفَ الْعَارِ وَالْحَاجَةِ **سُئِلَتْ** ﴿۸﴾ تَبْكِيْتًا لِقَاتِلِهَا **بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ** ﴿۹﴾ وَقُرِئَ بِكَسْرِ التَّاءِ حِكَايَةً لِّمَا تخاطب بِهٖ وَجَوَابُهَا اَنْ تَقُوْلَ قُتِلْتُ بِلَا ذَنْبٍ **وَاِذَا الصُّحُفُ** صُحُفُ الْاَعْمَالِ **نُشِرَتْ** ﴿۱۰﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ فُتِحَتْ وَبُسِطَتْ **وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ** ﴿۱۱﴾ نُزِعَتْ عَنْ اَمَاكِنِهَا كَمَا يُنْزَعُ الْجِلْدُ عَنِ الشَّاةِ **وَاِذَا الْجَحِيْمُ** النَّارُ **سُعِّرَتْ** ﴿۱۲﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اُجِّجَتْ **وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ** ﴿۱۳﴾ قُرِّبَتْ لِاَهْلِهَا لِيَدْخُلُوْهَا وَجَوَابُ اِذَا اَوَّلَ السُّوْرَةِ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا **عَلِمَتْ نَفْسٌ** اَىْ كُلُّ نَفْسٍ وَقْتَ هٰذِهِ الْمَذْكُوْرَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **مَّآ اَحْضَرَتْ** ﴿۱۴﴾ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ **فَلَآ اُقْسِمُ** لَا زَائِدَةٌ **بِالْخُنَّسِ** ﴿۱۵﴾ **الْجَوَارِ الْكُنَّسِ** ﴿۱۶﴾ هِىَ النُّجُوْمُ الْخَمْسَةُ زُحَلُ وَالْمُشْتَرِىْ وَالْمِرِّيْخُ وَالزُّهَرَةُ وَعَطَارِدٌ تَخْنُسُ بِضَمِّ النُّوْنِ اَىْ تَرْجِعُ فِىْ مَجْرَاهَا وَرَاءَهَا بَيْنَا تَرَى النَّجْمَ فِىْ اٰخِرِ الْبُرْجِ اُذْكُرْ رَاجِعًا اِلٰى اَوَّلِهٖ وَتَكْنِسُ بِكَسْرِ النُّوْنِ تَدْخُلُ فِىْ كِنَاسِهَا اَىْ تَغِيْبُ فِى الْمَوَاضِعِ الَّتِىْ تَغِيْبُ فِيْهَا **وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ** ﴿۱۷﴾ اَقْبَلَ بِظَلَامِهٖ اَوْ اَدْبَرَ **وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ** ﴿۱۸﴾ اِمْتَدَّ حَتّٰى يَصِيْرُ نَهَارًا بَيِّنًا **اِنَّهٗ** اَىِ الْقُرْاٰنُ **لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ** ﴿۱۹﴾ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ جِبْرِيْلُ اُضِيْفَ اِلَيْهِ

لِنُزُوْلِهٖ بِهٖ **ذِىْ قُوَّةٍ** اَىْ شَدِيْدِ الْقُوٰى **عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ** اَىِ اللّٰهِ تَعَالٰى **مَكِيْنٍ**﴿۲۰﴾ ذِىْ مَكَانَةٍ مُتَعَلِّقٌ بِهٖ عِنْدَ **مُطَاعٍ ثَمَّ** اَىْ تُطِيْعُهُ الْمَلَائِكَةُ فِى السَّمٰوٰتِ **اَمِيْنٍ**﴿۲۱﴾ عَلَى الْوَحْىِ **وَمَا صَاحِبُكُمْ** مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَطْفٌ عَلٰى اِنَّهٗ اِلٰى اٰخِرِ الْمُقْسَمِ عَلَيْهِ **بِمَجْنُوْنٍ**﴿۲۲﴾ كَمَا زَعَمْتُمْ **وَلَقَدْ رَاٰهُ** رَاٰى مُحَمَّدٌ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِىْ خُلِقَ عَلَيْهَا **بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ**﴿۲۳﴾ الْبَيِّنِ وَهُوَ الْاَعْلٰى بِنَاحِيَةِ الْمَشْرِقِ **وَمَا هُوَ** اَىْ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ **عَلَى الْغَيْبِ** مَاغَابَ مِنَ الْوَحْىِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ **بِضَنِيْنٍ**﴿۲۴﴾ بِمُتَّهَمٍ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالضَّادِ اَىْ بِبَخِيْلٍ فَيَنْقُصُ شَيْئًا مِّنْهُ **وَمَا هُوَ** اَىِ الْقُرْاٰنُ **بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ** مُسْتَرِقِ السَّمْعِ **رَّجِيْمٍ**﴿۲۵﴾ مَرْجُوْمٍ **فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ**﴿۲۶﴾ فَاَىَّ طَرِيْقٍ تَسْلُكُوْنَ فِىْ اِنْكَارِكُمُ الْقُرْاٰنَ وَاِعْرَاضِكُمْ عَنْهُ **اِنْ** مَا **هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ** عِظَةٌ **لِّلْعٰلَمِيْنَ**﴿۲۷﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ **لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ** بَدَلٌ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **اَنْ يَّسْتَقِيْمَ**﴿۲۸﴾ بِاتِّبَاعِ الْحَقِّ **وَمَا تَشَآءُوْنَ** الْاِسْتِقَامَةَ عَلَى الْحَقِّ **اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۲۹﴾ الْخَلَائِقِ اِسْتِقَامَتَكُمْ عَلَيْهِ

ع ۶

سورہ تکویر مکیہ ہے اس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:........سورج جب بے نور ہو جائے گا (لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی گل ہو جائے گی) اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے (زمین پر گر کر بکھر جائیں گے) اور پہاڑ جب چلائے جائیں گے (زمین سے اکھاڑ کر اڑے پھریں گے) اور دس مہینے کی گابھن (حاملہ) اونٹنیاں جب چھٹی پھریں گی (بغیر چرواہے کے یا دودھ دوہے بغیر دہشت ناک حالات کی وجہ سے۔ حالانکہ اہل عرب کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی عجیب مال نہیں ہے) اور وحشی جانور سب جمع ہو جائیں گے۔ (دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تا کہ ان سے ایک دوسرے کا قصاص لے کر انہیں مٹی کر دیا جائے) اور جب دریا بھڑکائے جائیں گی (لفظ فجرت تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی سمندر دھونکا کر آگ بنا دیئے جائیں گے) اور جب روحیں ملا دی جائیں گی (اپنے اپنے بدنوں سے وابستہ ہو جائیں گی) اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے) (جس کو عار کے خوف یا محتاجگی کی وجہ سے زندہ درگور کر دیا ہوگا) پوچھا جائے گا (اس کے قاتل کو دہشت زدہ کرنے کے لئے) کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی (ایک قرأت میں قتلت کسرہ تاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اس سے خطاب کو نقل کرتے ہوئے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں بلا قصور ماری گئی ہوں) اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کھول دیئے اور پھیلا دیئے جائیں گے) اور آسمان جب کھینچ دیا جائے گا (اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا جیسے بکری سے کھال کھینچ دی جاتی ہے) اور جب دوزخ دہکائی جائے گی (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے، یعنی بھڑکا دی جائے گی) اور جنت جب نزدیک کر دی جائے گی (جنتیوں کے قریب ان کو داخل کرنے کے لئے لے آئی جائے گی۔ شروع سورت کے اذا اور اس کے معطوفات کا جواب آئندہ ہے) ہر شخص جان لے گا (یعنی ہر آدمی ان مذکورہ چیزوں کے وقت یعنی قیامت میں واقف ہو جائے گا۔ ان اچھے برے) اعمال سے جو وہ لے کر آیا ہے۔ تو میں قسم کھاتا ہوں (اس میں لا زائد ہے) ان ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں۔ چلتے رہتے ہیں، جا چھپتے ہیں (اس سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ عطارد پانچ ستارے مراد ہیں۔ تخنس ضمہ نون کے ساتھ پیچھے لوٹنے کے معنی ہیں۔ ان برجوں میں کہ ستارے آخر برج میں دکھائی دیں تکنس کسرہ نون کے ساتھ۔ اپنی جگہ چھپنے کے معنی ہیں۔

یعنی اپنی جگہ پوشیدہ میں غائب ہو جائے) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (اندھیرے کے ساتھ آئے یا جائے) اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے۔ (پھیلتی چلی جائے، حتیٰ کہ دن چمکنے لگے) کہ یہ (قرآن) ایک فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے جو معزز ہے (اللہ کے نزدیک جبرائیل مراد ہیں، کلام کی نسبت ان کی طرف لانے کی وجہ سے کی گئی ہے) جو طاقت ور (نہایت قوت والا ہے) مالک عرش (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک ذی مرتبہ ہے (عزت مند، اس کا تعلق عند کے ساتھ ہے) وہاں (اس کا حکم مانا جاتا ہے آسمانوں میں فرشتے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں) امانت دار ہے (وحی لانے کے سلسلہ میں) اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد ﷺ مراد ہیں، اس کا عطف انــه پر ہے آخر مضمون قسم تک ہے) جنون والے نہیں ہیں (جیسا کہ تمہارا خیال ہے) اور انہوں نے اس کو دیکھا بھی ہے (محمد ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل وصورت میں) صاف کنارہ پر (مشرقی بلندی پر واضح طریقہ سے) اور وہ (محمد ﷺ) مخفی باتوں پر (وحی اور آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں پر) بخل کرنے والے بھی نہیں ہیں (ظنین کے معنی متہم کے ہیں، البتہ ایک قرأت میں ضنین ضاد کے ساتھ ہے۔ یعنی وحی کے سلسلہ میں بخیل نہیں ہیں کہ کچھ کم کر کے ظاہر کریں) اور یہ (قرآن) شیطان کی بات نہیں (چوری چھپے سنی ہوئی) جو مردود (راندہ) ہے۔ تم لوگ کدھر جارہے ہو (قرآن کے انکار اور اپنی پہلوتہی کے معاملہ میں کہاں جارہے ہو) بس یہ تو دنیا جہان کے (انسان وجنات) کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے (یہ عــالـمـیـن سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ ہے) سیدھا چلنا چاہے (حق کی پیروی کرتے ہوئے) اور تم (استقامت حق کے سلسلہ میں) کچھ نہیں چاہ سکتے۔ بدون اللہ رب العالمین کے چاہے ہوئے (تمہاری استقامت حق کو۔)

تحقیق وترکیب: .... **کورت.** **کورت العمامه** کے معنی پگڑی لپیٹنے کے ہیں۔ مفسرؒ نے معنی مجازی کی طرف اشارہ کیا ہے یہاں مجاز فی الطرف کے ساتھ مجاز فی الاسناد بھی ہو رہا ہے یا مضاف مقدر مانا جائے۔ لففت کی بجائے مفسرؒ کو لفت کہنا چاہئے تھا۔

ای لف بعضها ببعض ورمی بها فی البحر ثم یر سل علیها ریحا دبوراً فتضر بها فتصیر نارا.

الــعشــار. جمع ہے عشــراء کی نفاس اور نفساء کی طرح ہے ان دونوں الفاظ کی اور کوئی نظیر نہیں ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ عشراء دس مہینہ کی گابھن اونٹنی کو کہتے ہیں۔

عطلت. یعنی ایسی قریب الولادت اونٹنی بڑی قیمتی اور عزیز ہوتی ہے۔ مگر قیامت کی دہشت ناکی کے مارے کسی کو بھی اس کا ہوش نہیں رہے گا۔ اس میں اہل عرب کے مذاق کی رعایت سے عشر کی تخصیص کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ صورت نفخہ اولیٰ کے وقت ہو۔ پھر ان سب جانوروں کو نیست ونابود کر دیا جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک وہ جانور پھر بھی باقی رہ جائیں گے جن کو لوگ پالتے تھی۔ جیسے مور، کبوتر، چڑیں، مرغیاں وغیرہ۔

سجرت. قرطبیؒ نے جواس کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک رائے وہ ہے جو مفسرؒ اختیار کر رہے ہیں کہ سمندر پانی سے لبریز ہو جائیں گے اور رل مل کر سب ایک ہو جائیں گے۔ پھر ان کو آگ میں تبدیل کر کے دھونکا دیا جائے گا سائنس نے پانی سے بجلی نکال کر قرآن کی اس خبر کی تصدیق کر دی ہے۔

الــمـوء دة. لڑکی کو اگر باقی رکھنا مقصود ہوتا تب تو اس کو کمبل کا لباس پہنا کر بکری، اونٹ چرانے کے لئے جنگلوں میں چھوڑ دیا جاتا۔ ورنہ داماد آنے کی عار یا فقر وفاقہ کے اندیشہ سے چھ سال کی عمر میں اس کو اپنے ہاتھوں بنا سنوار کر زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ عرب جاہلیت کی رسم قدیم ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی رائج تھی۔ اسلام نے آکر اس رسم بد کی بیخ کنی کر ڈالی۔

سـئـلـت. اصل استفسار قاتل، مجرم سے ہونا چاہئے جس کی یہاں نفی نہیں ہے۔ تاہم زندہ در گور لڑکی سے قرین مقدمہ کی حیثیت سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کوئی جرم کیا تھا۔ جس کی پاداش میں اس طرح ماری گئی۔ مگر اس کے بیان سے جس کا انکار مجرم نہیں کر سکے گا ثابت ہوگا کہ بے قصور ماری گئی ہے۔

علمت نفس . مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نفس نکرہ ہونے کی وجہ سے عام ہے۔ جیسا کہ **تمرۃ خیر من جراء ۃ** میں اثبات کے موقعہ پر عام ہے۔

الخنس . شمس وقمر کے علاوہ پانچ ستاروں کے یہ اوصاف ہیں۔ خنس کے معنی رجعت **قهقری** ، گردش اور چلنے کے معنی ہیں۔ قرطبیؒ نے ان ستاروں کی تخصیص کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک وجہ تو بقول بکر بن عبداللہ المزنی یہ ہے کہ یہ وہ ستارے ہیں جو سورج کے سامنے نہیں ہوتے اور دوسری وجہ بقول ابن عباسؓ یہ ہے کہ یہ ستارے مجرہ کو قطع کرتے ہیں اور حسنؒ وقتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ ستارے دن میں چھپے اور رات میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اور کنس کا مطلب یہ ہے کہ غروب کے وقت یہ نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

صحاح میں ہے خنس سے مراد سیارے ہیں، ثوابت مراد نہیں ہے۔ فراءؒ کہتے ہیں کہ جس طرح ہرن جھاڑیوں میں چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح ان ستاروں کا حال ہوتا ہے یعنی دیکھنے والوں کو آنکھ مچولی کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ اور یہ ہیئت حرکات تدویر یہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ سورج میں تدویری حرکت نہیں۔ اس لئے اس کے لئے رجعت بھی نہیں...... اور چاند میں اگرچہ تدویری صورت ہوتی ہے۔ مگر تیز رفتاری کی وجہ سے رجعت محسوس نہیں ہوتی، یہ سب گفتگو یونانی قدیم فلسفہ کی بنیاد پر ہے۔ جس میں آسمانوں کے لئے حرکات تدویری مانی گئی ہیں۔ سائنسی مشاہدات اگرچہ اس سے مختلف ہیں۔ لیکن قرآن کی بیان کردہ حقیقتیں بدستور رہیں گی۔

اذا عسعس . یہ لفظ اضداد میں سے ہے آنے جانے کے معنی ہیں۔ لیکن آیت **واللیل اذا یغشی** اور **واللیل اذا سجی** کی وجہ سے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

امام راغبؒ کہتے ہیں کہ **عسعس** کے معنی معمولی تاریکی کے ہیں۔ جو ابتدائی اور آخری شب دونوں حصوں میں صادق آتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک معنوی ہے۔

اذا تنفس . اصل معنی سانس باہر آنے کے ہیں۔ صبح ظاہر ہونے سے استعارہ کیا گیا ہے۔ پہلے جملہ سے مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں اگر ابتدائے شب مراد ہے تو یہاں صبح کا آغاز مراد ہے اور اگر آخر شب مراد ہو تب بھی وہ صبح کے مجاور اور قریب ہوتی ہے۔ ایک کا آخر اور دوسرے کا شروع ہونے کی وجہ سے **ذی قوۃ** جیسا کہ قوم ثمود پر عذاب لانے کے وقت اور آسمانوں پر جانے آنے میں ان کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عندذی العرش . لفظ عند سے مکانیت کا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے قرب ومرتبہ مراد ہے۔ اس کا تعلق نحوی مکین کے ساتھ ہے یعنی اس کا حال ہے۔ اصل میں یہ وصف تھا مگر مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہو گیا۔

مطاع ثم . ثم ظرف مکان بعید کے لئے ہے۔ مطاع عامل ہے۔

و ما صاحبکم . اس سے مراد آنحضرت (ﷺ) ہیں۔ اس کا عطف انہ الخ پر ہے۔ جس سے حضرت جبرائیل مراد ہیں۔

لقدراٰہ . اس کا عطف بھی انہ پر ہے۔ بقول ابن عباسؓ غار حرا پر آنحضرت ﷺ نے جبرائیل کو اصل شکل میں دیکھا۔ زمین وآسمان کے درمیان کرسی نشین تھے۔ ان کے بدن پر چھ سو بازو تھے۔ اور ناحیۃ المشرق سے مراد طلوع آفتاب کی جانب ہے۔ اور بعض حضرات نے اس دیکھنے سے مراد سدرۃ المنتہٰی پر دیکھنا لیا ہے۔

بضنین . ابو عمروؒ اور ابن کثیرؒ اور کسائیؒ ظا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ظنہ سے ماخوذ ہے بمعنی تہمت۔ اور باقی قراء کے نزدیک ضنین ہے بمعنی بخیل۔ یعنی آپ کو جو حکم دیا گیا اس کو بلا کم وکاست پہنچاتے ہیں بخل نہیں فرماتے۔ ابو عبیدہؒ دو وجہ سے پہلی قراءت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ کہ کفار آنحضرت ﷺ کو وحی سے متعلق کذب سے متہم کرتے تھے۔ وحی کے متعلق بخل کا الزام نہیں دیتے تھے۔ اس لئے نفی بخل کے مقابلہ میں نفی تہمت زیادہ مناسب ہے۔ دوسرا قرینہ **علی الغیب** ہے۔ کیونکہ بخل **علی** کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا۔ بلکہ با کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔

فاین تذھبون . این ظرف مکان مبہم کے لئے ہے اور تذھبون سے منصوب ہے۔ یعنی حضور ﷺ پر الزام تراشی کر کے کدھر جا رہے ہو۔

الا ان یشاء . مکیؒ کہتے ہیں کہ ان اور انما دونوں با مضمر مان کر موضع جر میں ہیں۔ ای الا بان اور با مصاحبت کے لئے ہوگی یا سببیہ ہوگی۔ یہ ترکیب اقرب ہے۔

ربط آیات: ....پچھلی اور اگلی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کا ذکر ہے اور آخر سورت میں اس کی تقویت کے لئے قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس میں قیامت کی تیاری کی تاکید ہے۔

شان نزول و روایات: ....سورت کے انداز بیان اور مضمون سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے۔ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں۔ اذا الشمس سے لے کر اذا البحار سجرت تک چھ آیات وہ ہیں جن کا نظارہ دنیا میں ہوگا۔ اور اذا النفوس زوجت سے اذا الجنۃ ازلفت تک چھ آیات آخرت سے متعلق ہیں۔ اسی طرح ابی بن کعب سے تخریج ہے کہ لوگ بازاروں میں ہوں گے کہ اذا الشمس کورت کا منظر سامنے آجائے گا۔ اسی طرح دوسری نشانیوں کا ظہور ہوگا۔ ''سورہ تکویر'' پہلے جملہ کے لفظ ''کورت'' کی وجہ سے نام ہوا۔ جس کے معنی لپیٹی گئی کے ہیں۔

﴿تشریح﴾: ....اذا الشمس کورت . بظاہر اس عالم رنگ و بود کا قیام نظام شمسی سے وابستہ ہے۔ قیامت کا مطلب اس شیرازہ بندی کو کھول دینا ہے۔ اس لئے سورج کے بے نور کر دیئے جانے کے لئے ''تکویر'' ایک بے نظیر استعارہ ہے کیونکہ عمامہ پھیلا ہوا ہوتا ہے جس کو سر کے گرد لپیٹا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس روشنی کو جو سورج سے نکل کر سارے جہاں میں پھیلی ہوتی ہے قیامت کے روز یہ روشنی سورج پر لپیٹ دی جائے گی اور اس کا پھیلنا بند ہو جائے گا۔ گویا اس کی لمبی شعاعیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی اور سورج بے نور ہو کر بے نور ٹکیہ کی طرح رہ جائے گا یا بالکل نابود ہو جائے گا۔

واذا النجوم انکدرت . تاروں کے منکدر اور منتشر ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس بندش کے ذریعہ اپنے نظام شمسی سے جڑے ہوئے ہیں وہ کھل جائے گی اور سارے ستارے کائنات میں بکھر جائیں گے اور سورج کی طرح ان کی روشنی بھی ماند پڑ کر مائل بکدورت ہو جائے گی۔

زمینی چیزیں بھی تہ و بالا ہو جائیں گی: ....واذا الجبال سیرت . پہاڑوں کے ریگ رواں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی کشش ختم ہو جائے گی اور پہاڑ زمین پر یا ہوا میں بادلوں کی طرح بے وزن ہو کر اڑتے پھریں گے۔

واذا العشار عطلت . عربوں کے نزدیک اونٹنیاں بہترین مال شمار ہوتی تھیں اور وہ بھی ایسی گابھن جو بیانے کے قریب ہوں، دودھ اور بچہ کی توقع پر زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ لیکن قیامت کی ہولناکیوں کے وقت ایسے نفیس و عزیز مال کو بھی کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہوگا کہ وہ ایسے بہترین مال کی فکر کرے۔ عربوں کو قیامت کی سختیوں کا تصور دلانے کے لئے اس سے بڑھ کر موثر اور کیا طرز بیان ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ ٹرین، ٹرک، بسیں، موٹریں چلنے کے بعد...... اونٹنیاں بیکار ہو گئیں محض ظرافت کی بات ہے۔

واذا الوحوش حشرت . وحشی جنگلی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں۔ مضطرب و بے قرار ہو کر مصیبت کے وقت دوسرے پالتو جانوروں کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت نہ سانپ ڈستا ہے اور نہ شیر پھاڑتا ہے۔ بعض مفسرینؒ نے

حشرت کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لئے ہیں۔

واذا البحار سجرت. تسجیر کے معنی تنور میں آگ دہکانے کے ہیں۔ قیامت کے روز سمندروں میں آگ کا بھڑک اٹھنا بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پانی جس کی ترکیب آکسیجن اور ہائیڈروجن دو ایسے گیسوں سے ہوتی ہے جس میں سے ایک آگ بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے۔ ان دونوں کی ترکیب سے پانی بنتا ہے جو آگ بجھا دیتا ہے۔ اللہ اپنی قدرت سے اگر پانی کی اس ترکیب کو بدل دے اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھڑ کنے اور بھڑکانے میں مصروف ہو جائیں جوان کی اصل بنیادی خاصیت ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی استعجاب نہیں رہتا۔ یا یوں کہا جائے کہ جس طرح وحشی غیر وحشی سب جانور گڈمڈ ہو جائیں گے۔ اسی طرح اول دریاؤں میں طغیانی آئے گی اور زمین میں دراڑ پڑ جائیں گے جس سے شور و شیریں دریا مل کر سب ایک ہو جائیں گی۔ جس کا ذکر اگلی سورت کی آیت **واذا البحار فجرت** میں آ رہا ہے اس کے بعد سارا پانی انتہائی حرارت کی وجہ سے ہوا، اور پھر آگ میں تبدیل ہو جائے گا۔ جیسا کہ فلاسفہ قدیم استحالہ عناصر کی بحث میں کہتے ہیں۔

قیامت کا دوسرا مرحلہ:......... **واذا النفوس زوجت.** یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلہ کا بیان ہے۔ اس آیت کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو مفسر علامؒ فرما رہے ہیں کہ جانیں جسموں سے چھوڑ دی جائیں گی۔ یعنی دنیا میں جس طرح انسان جسم و روح کے ساتھ زندہ ہے۔ اسی طرح پھر از سر نو زندہ کر دیئے جائیں گے۔ اور دوسرا مطلب وہ ہے جو دوسرے مفسرینؒ نے لیا ہے۔ یعنی مختلف قسم کے اصناف الگ الگ گروہوں میں ملا دیئے جائیں گے۔ یعنی مسلمانوں میں اور کافروں میں، اسی طرح نیک نیکوں میں، بدبدوں میں ملا کر جماعت جماعت بنا دیئے جائیں گے۔ غرض عقائد، اعمال و اخلاق کے لحاظ سے الگ الگ ٹولیاں کر دی جائیں گی۔

زندہ در گور لڑکیوں کی بپتا:......... **واذا الموؤدة سئلت.** یعنی بیٹی کو زندہ گاڑ دینے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل نفرت ہوں گے۔ ان سے رخ دے کر یہ بھی نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم بچی کو آخر کیوں قتل کر دیا؟ بلکہ ان سے نگاہیں پھیر کر خود معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس قصور میں تو بے چاری ماری گئی اور اپنی دکھ بھری بپتا سنائے گی کہ ظالم ماں باپ نے بے بس بے زبان کے ساتھ کیا ستم ڈھایا۔ افسوس کہ جاہلیت نے عرب کو کتنی اخلاقی پستی میں لا کھڑا کیا تھا کہ وہ اپنی ہی اولاد کو نہایت بے رحمی سے اپنے ہاتھوں میں کس طرح گڑھوں میں دھکیل دیتے۔ اور حضور اکرم ﷺ معاشرے کے اس ناسور کو مندمل فرمانا چاہتے تو ان کے آڑے آتے۔ نیز یہی بات قیامت کے ضروری ہونے کی دلیل بھی ٹھہرتی ہے۔ آخر اس زندہ در گور لڑکیوں کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہئے اور ایسے ظلموں کی پاداش کا بھی تو کوئی موقعہ ہونا چاہئے۔ دفن ہونے والی معصوم لڑکی کی چیخ و پکار، فریاد سننے والا تو کوئی دنیا میں نہ تھا۔ نہ ماں باپ کا دل پسیجتا تھا اور نہ خاندان میں کوئی ملامت کرنے والا اور ہاتھ پکڑنے والا تھا۔ دوسروں کو تو خیر کیا پڑی تھی۔ پھر کیا خدا کی خدائی میں بھی یہ زور و ظلم، بے انصافی ہی رہ جانا چاہئے۔

ایک لڑکی کی دکھ بھری داستان:......... حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے اپنی جاہلیت کا واقعہ خود ہی بیان کیا کہ میری ایک بیٹی مجھ سے بہت مانوس تھی۔ ایک روز میں اسے اپنے ساتھ لے کر چلا۔ راستہ میں مجھے ایک کنواں نظر پڑا۔ میں نے فوراً ہی اسے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ وہ ہائے ابا ہائے ابا کہتی رہی۔ مگر میں نے ایک نہ سنی۔ رحمۃ للعالمین یہ سن کر رو ئے اور آپ ﷺ کے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا بھئی، تو نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسے مت

روکو۔ جس چیز کا اسے شدید احساس ہے اسے پوچھنے دو۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنا واقعہ پھر بیان کر۔ اس نے دوبارہ بیان کیا۔ آپ سن کر اس قدر روئے کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ جو کچھ جاہلیت میں ہوگیا، اللہ نے اسے معاف کردیا۔ اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر۔

دراصل معاشی ابتری اور بدحالی بھی عربوں کو مجبور کررہی تھی کہ وہ اولاد کو کم کریں۔ بیٹوں کو تو اس امید پر پالتے تھے کہ وہ آگے چل کر معاش میں ہاتھ بٹائیں گے۔ مگر بیٹیوں کا بوجھ تو ساری عمر خود اٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ ملک کی عام بدامنی میں لڑکے تو قوت بازو اور ڈھال بنتے تھے۔ لیکن لڑکیاں تو اور الٹی وبال جان بنتی تھیں۔ وہ دشمن پر اقدام یا دفاع کیا کرتیں، ان کے اغواء کا شکار ہوجاتیں، اور اپنی بہادری کے بے جا گھمنڈ کے نشہ میں داماد سے دبنے کو عار سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ رسم بد پڑگئی تھی کہ کبھی تو زچگی کے وقت ہی لڑکی کو دبایا جاتا اور اگر کبھی اس کا موقعہ نہ ہوتا تو کچھ مدت لڑکی جنجال بنی رہتی اور جب موقعہ ہاتھ آتا تو پہلی فرصت میں اس کام سے اطمینان کا سانس لیا جاتا۔

عرب میں عام معاشرہ کے بگڑے ہوئے مزاج کی تصویر تو یہی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ لوگوں کو اس کی قباحت کا احساس بھی رہتا۔ چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ بن ناجیۃ المجاشعیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں۔ مثلاً: میں نے (۳۶۰) لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا اور ہر لڑکی کو بچانے کے لئے دو اونٹ فدیہ میں صرف کئے۔ تو کیا اس پر مجھے اجر ملے گا؟ فرمایا: ہاں! اللہ نے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔ یہ اسی کا ثمرہ ہے۔

اسلام کی عظیم الشان برکات:............ یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ نہ صرف اس نے اس سنگدلانہ رسم کا خاتمہ کیا۔ بلکہ بیٹی کو ایک مصیبت کی بجائے ایک نعمت قرار دیا اور اس کی تعلیم وتربیت کے ساتھ پرورش کر کے اس کا گھر بسادینا بہت بڑی نیکی کا کام قرار دیا۔ اس سلسلہ میں چند ارشادات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ من عال ثلث بنات او مثلهن من الا خوات فاد بهن و رحمهن حتى يغنيهن الله اوجب الله له الجنة فقال رجل يارسول الله، او اثنتين قال او اثنتين حتى لو قالوا او واحدة فقال واحدة.

جس نے تین بیٹیوں یا بہنوں کو پرورش کیا۔ ان کو ادب سکھلایا اور ان سے شفقت آمیز برتاؤ کیا۔ یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہوگئیں تو اللہ اس کے لئے جنت واجب کردے گا۔ ایک شخص بولا۔ یارسول اللہ! اور دو؟ فرمایا وہ بھی۔ اور لوگ ایک کے بارے میں کہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ ایک کے بارے میں بھی یہی فرماتے ہیں۔

۲۔ من كان له ثلاث بنات و صبر عليهن و كساهن من جدته كن له حجابا من النار.

جس کے تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے۔ اپنی حیثیت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے۔ تو وہ اس کے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔

۳۔ من عال جاريتين حتى تبلغ جاء يوم القيامة انا وهكذا وهتم اصابعه.

جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو قیامت کے دن میرے ساتھ وہ اس طرح ہوگا جیسے یہ انگلیاں ملی ہوئی ہوں۔

۴۔ ان النبی صلى الله عليه وسلم قال سراقة بن جعشم الا ادلك على اعظم الصدقة او من اعظم قال بلىٰ يارسول

اللہ قال بنتیک المردود الیک لیس لھا کاسب غیرک.

حضور ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے پوچھا کہ میں تم سب سے بڑا صدقہ نہ بتادوں؟ عرض کیا یارسول اللہ! ضرور بتلایئے۔ فرمایا کہ تیری دو بیٹیاں تیرے گھر ضرور ہیں اوران کے تیرے علاوہ کوئی کمانے والا نہ ہو۔

۵. من کانت لہ انثی فلم یئد ھا و لم یھنھا و لم یؤثر ولدہ علیھا ادخلہ الجنۃ.

جس کے یہاں لڑکی ہواور وہ اس کو زندہ دفن نہ کردے نہ ذلیل کر کے رکھے اور نہ بیٹے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

اسلام کی یہی تعلیم ہے جس کے متعلق دنیا کی ان تمام قوموں کا نقطہ نظر بدل کر رکھ دیا۔ جنہوں نے اسلام سے فیض حاصل کیا۔

قیامت کی ہولناکی کا نقشہ:............واذا السماء کشطت. یعنی جس طرح جانور کی کھال اتارنے کے بعد تمام رگ ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کھل جانے کے بعد سب چیزیں نظر آجائیں گی اور جو کچھ نگاہوں سے اب تک پوشیدہ رہا سب عیاں ہو جائے گا۔ اب تو بادل، چاند، سورج اور ستارے، گرد وغبار خلا نظر آتا ہے۔ لیکن اس وقت خدا کی خدائی سب کے سامنے بے حجاب ہو جائے گی اور غمام کا نزول ہوگا۔ جس کا ذکر آیت یوم تشقق السماء بالغمام میں ہوا ہے۔

واذا الجحیم سعرت. قیامت میں مقدمات کی ساعت کے وقت جہنم کی دہکتی آگ بھی سب کو نظر آرہی ہوگی اور جنت بھی ساری نعمتوں کے ساتھ سب کے سامنے آموجود ہوگی۔ تاکہ اچھے برے سب جان لیں کہ اب ہمیں کہاں جانا ہے۔ اور کس چیز سے محروم ہونا ہے۔

فلا اقسم. خنس اور کنس دونوں لفظ سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ان ستاروں کی مخصوص چال مراد ہے۔ مغرب سے مشرق کو اگر یہ ستارے چلیں تو یہ سیدھی راہ ہوتی اور کبھی ٹھٹک کر الٹے پھرتے ہیں اور کبھی سورج کے پاس آکر کچھ دن غائب رہتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں کہ و الیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس میں کہ سورج کو تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی گئی ہے اور طلوع سے پہلے اس کے نور پھیلنے کو مچھلی کے سانس سے منسوب کیا کہ جس طرح مچھلی پانی میں چھپ کر چلتی ہے اور اس کے سانس سے پانی اڑ کر پھیلتا ہے۔ یہی حال سورج کا طلوع اور روشنی سے پہلے ہوتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صبح دم سے مراد نسیم صبح ہے جو موسم بہار میں چلتی ہے۔ ان قسموں کی مناسبت اگلے مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، پھرنا، لوٹنا اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے۔ اگلے انبیاءؑ پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت تک اس کے آثار باقی رہنے اور پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے فترت کے تاریک دور کا نمونہ رات کا آنا ہے کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے۔ اس کے بعد صبح صادق کی پو پھٹنا حضور ﷺ کی آمد اور قرآن کا نزول ہے جس نے ہر چیز کو روز روشن کی طرح نور ہدایت سے منور کر دیا۔ گویا دوسرے انبیاءؑ اگر مثل ستاروں کے تھے تو آپ ﷺ آفتاب درخشاں۔

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

حتی اذا ظلمت فی الکون عم ھداھا للعالمین واحییت سائر الامم

اور بعض کی رائے ہے کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا نمودار ہونا قرآن کے نور سے کفر کی ظلمت دور ہونے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر سے قسم اور مضمون میں

مناسبت زیادہ واضح ہے۔

جبرائیل امین اور رسول کریم ﷺ: ....انه لقول رسول کریم . یعنی اللہ کا کلام جو بندوں تک پہنچا۔اس میں دو واسطے ہیں۔ایک وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل امین اور دوسرے خود سرور عالم ﷺ یہاں حضرت جبرائیل کی صفات کا بیان ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان دونوں واسطوں کی خوبیاں معلوم ہو جانے کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔آخر راوی کی مضبوطی اور کمزوری روایت پر اثر انداز ہوتی ہے۔پس جبرائیل جب ''کریم'' یعنی انتہائی متقی اور پاکباز اور قوی الحفظ اور ضابط اور قوت بیانیہ رکھنے والے ہیں۔اللہ کے یہاں سب سے مقرب اور فرشتوں میں مسلم ہیں۔پھر ان کے معتبر ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

اسی طرح وما صاحبکم الخ میں آنحضرت ﷺ کی شان کا ذکر ہے کہ تمہیں ان کے چالیس سالہ دور کا تجربہ ہے۔کبھی ان میں جھوٹ، فریب، دیوانہ پن کی بات نہیں دیکھی۔ہمیشہ ان کی دانائی، امانت، صداقت مسلمہ رہی۔اب اسے بلاوجہ جھوٹا، دیوانہ کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ایسے شخص کو دیوانہ کہنا یا سمجھنا خود دیوانگی ہے۔قرآن کو قول رسول کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ جبرائیل کا کلام ہے یا حضور ﷺ کا اپنا تصنیف کردہ ہے۔بلکہ قول رسول کہنے کا یہ منشاء ہے کہ آپ یہ کلام الٰہی بحیثیت محمد بن عبداللہ پیش نہیں کر رہے ہیں۔بلکہ رسول اور پیغامبر ہونے کے لحاظ سے نقل فرما رہے ہیں۔پس دونوں واسطے محض ناقل ہیں۔

ولقد راٰہ. بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دو مرتبہ جبرائیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا ہے۔چھ سو بازوؤں کے ساتھ زمین وآسمان کی ساری فضا کو گھیرے ہوئے ہیں۔یہاں مشرقی کنارہ پر دیکھنا بیان کیا گیا ہے اور صاف طور پر دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو دیکھنے میں کسی طرح کا اشتباہ واقع نہیں ہوا۔
(سورہ نجم میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔)

رسول کریم ﷺ نہ اپنے ظن وتخمین سے کہتے ہیں اور نہ وحی کے بیان کرنے میں بخل کرتے ہیں:......وما هو علی الغیب بضنین ۔اللہ کے اسماء وصفات ہوں یا احکام شرع گذشتہ اور آئندہ واقعات ہوں، یا موت کے بعد کے احوال اور جنت ودوزخ کے حالات۔سب غیب کی ہی باتیں ہیں۔ان کے بتلانے میں آپ ذرہ بھر بخل نہیں کرتے اور نہ نذرانہ بخشش یا اجرت کا مطالبہ کرتے ہیں۔اور بظنین کی قرات ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ وحی کی قطعیت سے فرماتے ہیں۔ظن وتخمین اور گمان سے نہیں فرماتے ۔برخلاف کاہن کے کہ وہ غیب کی ایک نامکمل جزئی بات اگر بتلاتا بھی ہے تو سو جھوٹ ملا کر کہتا ہے اور اس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخیل ہوتا ہے کہ بغیر مٹھائی یا نذرانہ کے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا۔پس کہاں پیغمبر کا مقام اور کہاں ایک کاہن کی حیثیت؟ دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔

اس آیت سے مسئلہ علم غیب پر استدلال کرنا قطعاً غلط ہے۔کیونکہ جہاں تک علم ذاتی کا تعلق ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ طور پر حق تعالیٰ کی ساتھ خاص ہے، حضور ﷺ کو علم عطائی حاصل ہے۔البتہ اس میں گفتگو ہے کہ وہ عطائی علم بھی محیط ہے یا غیر محیط؟ علم محیط ثابت نہیں ہے۔آیت لا اعلم الغیب اور لو کنت اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر وما مسنی السوء. اور روایت لاتدری ما احدثوا بعدک کی وجہ سے اور غیر محیط علم ماننا قائلین محیط کے لئے مفید نہیں ہے اور نہ غیر محیط عالم کو عالم الغیب کہا جائے گا۔ورنہ دوسروں کو بھی عالم الغیب کہنا پڑے گا۔جو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔

قرآن کو شیطان کا کلام کیسے کہا جا سکتا ہے:............وما هو بقول شیطان رجیم ۔ یعنی تمہارا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ شیطان آ کر آنحضرت ﷺ کے کان میں یہ باتیں پھونک دیتا ہے۔ بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگا۔ جس میں سراسر انسان کا فائدہ اور اس ملعون کی مذمت وقباحت ہو۔ وہ جاہلانہ رسموں اور بداخلاقی اور بدکرداری سے روک کر پاکیزگی عدل وانصاف اور خداپرستی اور اخلاق فاضلہ کی طرف رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔

فاین تذهبون ۔ یعنی حضور ﷺ کے بارے میں جب جھوٹ، دیوانگی، کہانت وغیرہ کا شائبہ اور احتمال ہی نہیں۔ تو پھر اب حق وصداقت کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے۔ پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر تم لوگ کدھر بہکے جا رہے ہو؟

ان هو الاذکر للعالمین ۔ قرآن کی ہدایت وتعلیمات اور اس کے مضامین واحکام میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہان کے لئے ایک سچا اور مکمل دستور العمل ہے جس سے فلاح دارین وابستہ ہے۔

لمن شاء منکم ان یستقیم ۔ جو لوگ نصیحت کا راستہ چلنا چاہیں اور کجی اور عناد کی راہ چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہی کے لئے خاص طور سے قرآن نفع بخش ہو سکتا ہے۔ وما تشاؤن الخ قرآن کریم اگرچہ فی نفسہ ایک نصیحت نامہ ہے۔ لیکن اس سے اثر پذیری اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ جن میں صلاحیت ہوتی ہے مشیت الٰہی ان سے متعلق ہو جاتی ہے اور جن میں یہ مادہ اور استعداد نہیں ہوتی، مشیت ان سے متعلق نہیں ہوتی اس لئے وہ محروم ہی رہتے ہیں۔ ان آیات میں یہ دونوں نکتے نہایت اہم ہیں۔

خلاصہ کلام:............اس سورت میں آخرت اور رسالت وقرآن سے متعلق تین مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ شروع کی چھ آیات میں قیامت کے پہلے مرحلہ کا ذکر ہے۔ پھر واذا النفوس زوجت سے سات آیات میں قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے۔ آخرت کا یہ سارا نقشہ کھینچ کر انسان کو یہ سوچنے کا موقعہ دیا گیا ہے کہ اس وقت ہر شخص جان جائے گا کہ کون لے کر آیا ہے؟ اس کے بعد آیت فلا اقسم الخ سے رسالت سے متعلق مضمون ہے۔ کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ وہ کسی دیوانہ کی بڑ اور کوئی شیطانی وسوسہ نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے عالی مقام بزرگ امانت دار پیامبر کا بیان ہے جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے آسمان کے کنارے پر دن کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے صاف صاف دیکھا ہے۔ تم اس کی تعلیم سے کہاں مڑ رہے ہو؟

اور ان هو الاذکر سے قرآن کی شان کا ذکر ہے کہ یہ ایک نصیحت نامہ ہے جس سے نفع اٹھانے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک خود انسان کا اپنا ارادہ جو ظاہری سبب ہے اور دوسرے مشیت الٰہی جو حقیقی سبب ہے۔

فضائل سورت:............من قرء سورة التکویر اعاذه الله ان یفضحه حین نشر مخیفته فرمایا۔ جو شخص سورہ تکویر پڑھے گا اللہ اس کو اعمال نامے کھلنے کے وقت رسوائی سے بچا لے گا۔ (حدیث موضوع)

لطائف سلوک:............واذا النفوس زوجت ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ یقون الرجل الصالح مع الرجل الصالح فی الجنة ویقون الرجل السوء مع الرجل السوء فی النار فذلک تزویج النفوس ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ المرء مع من احب ۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا وآخرت دونوں جگہ لوگوں میں باہمی مناسبت دیکھی جاتی ہے۔ اور یہی مناسبت شیخ ومرید کے میان مدار نفع ہے۔

سُـــوْرَةُ الْاِنْفِــطَارِ

سورة الانفطار مكية تسع عشرة اٰية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴿۱﴾ اِنْشَقَّتْ **وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ﴿۲﴾** اِنْقَضَّتْ وَتَسَاقَطَتْ **وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴿۳﴾** فُتِحَ بَعْضُهَا فِىْ بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَّاحِدًا وَاخْتَلَطَ الْعَذْبُ بِالْمِلْحِ **وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ﴿۴﴾** قُلِبَ تُرَابُهَا وَبُعِثَ مَوْتَاهَا وَجَوَابُ اِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا **عَلِمَتْ نَفْسٌ** اَىْ كُلُّ نَفْسٍ وَقْتَ هٰذِهِ الْمَذْكُوْرَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **مَّا قَدَّمَتْ** مِنَ الْاَعْمَالِ **وَ مَا اَخَّرَتْ﴿۵﴾** مِنْهَا فَلَمْ تَعْلَمْهُ **يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ** الْكَافِرُ **مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴿۶﴾** حَتّٰى عَصَيْتَهُ **الَّذِىْ خَلَقَكَ** بَعْدَ اَنْ لَّمْ تَكُنْ **فَسَوّٰىكَ** جَعَلَكَ مُسْتَوِى الْخَلْقِ سَالِمَ الْاَعْضَاءِ **فَعَدَلَكَ﴿۷﴾** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ جَعَلَكَ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ مُتَنَاسِبَ الْاَعْضَاءِ لَيْسَتْ يَدٌ اَوْرِجْلٌ اَطْوَلَ مِنَ الْاُخْرٰى **فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا** زَائِدَةٌ **شَآءَ رَكَّبَكَ﴿۸﴾ كَلَّا** رَدْعٌ عَنِ الْاِغْتِرَارِ بِكَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى **بَلْ تُكَذِّبُوْنَ** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ **بِالدِّيْنِ﴿۹﴾** الْجَزَاءِ عَلَى الْاَعْمَالِ **وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴿۱۰﴾** مِنَ الْمَلَائِكَةِ لِاَعْمَالِكُمْ **كِرَامًا** عَلَى اللّٰهِ **كَاتِبِيْنَ﴿۱۱﴾** لَهَا **يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴿۱۲﴾** جَمِيْعَهُ **اِنَّ الْاَبْرَارَ** الْمُؤْمِنِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فِىْ اِيْمَانِهِمْ **لَفِىْ نَعِيْمٍ﴿۱۳﴾** جَنَّةٍ **وَّاِنَّ الْفُجَّارَ** الْكُفَّارَ **لَفِىْ جَحِيْمٍ﴿۱۴﴾** نَارٌ مُحْرِقَةٌ **يَّصْلَوْنَهَا** يَدْخُلُوْنَهَا وَيُقَاسُوْنَ حَرَّهَا **يَوْمَ الدِّيْنِ﴿۱۵﴾** اَلْجَزَاءِ **وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ﴿۱۶﴾** بِمُخْرَجِيْنَ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ **مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴿۱۸﴾** تَعْظِيْمٌ لِّشَانِهِ **يَوْمَ** بِالرَّفْعِ اَىْ هُوَ يَوْمُ **لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا** مِنَ الْمَنْفَعَةِ **وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴿۱۹﴾** لَا اَمْرَ لِغَيْرِهٖ فِيْهِ اَىْ لَمْ يمكن اَحَدٌ مِّنَ التَّوَسُّطِ فِيْهِ بِخِلَافِ الدُّنْيَا

سورہ انفطار مکیہ ہے جس میں ۱۹ آیات ہیں **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**۔

ترجمہ:.......... جب آسمان پھٹ پڑے گا اور ستارے جب جھڑ پڑیں گے (ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے) اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (ایک دوسرے میں مل کر سب ایک سمندر ہو جائیں گے۔ شیریں اور شور پانی رل مل جائے گا) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (مٹی الٹ کر مردے زندہ ہو کر، اذا اور اس کے تمام معطوفات کا جواب آ گے ہے۔) ہر شخص جان جائے گا (مذکورہ باتوں کے وقت قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا) اپنے پچھلے (اعمال) کو اور اگلے اعمال کو (جو ابھی نہیں کئے) اے انسان! (کافر) تجھے کس چیز نے دھوکا میں ڈال رکھا ہے ایسے رب کریم کے ساتھ (تا آنکہ اس کا نافرمان ہو گیا ہے) جس نے تجھ کو بنایا ہے (حالانکہ تو پہلے موجود نہیں تھا) پھر تجھے ٹھیک طور پر مکمل کر لیا (ٹھیک طریقہ پر صحیح الاعضاء بنا دیا) پھر تجھے اعتدال پر بنایا (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی تیری بناوٹ معتدل اور اعضاء متناسب بنائے۔ یہ نہیں کہ ہاتھ یا پاؤں میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہو) جس صورت میں (مـــا زائد ہے) چاہا تجھے چھوڑ دیا ہرگز نہیں (اللہ کے کرم کے بھولنے پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ تم (کفار مکہ) جھٹلاتے ہو (سزائے اعمال کو) اور تم پر یادر کھنے والے (اعمال کے فرشتے) معزز (اللہ کے نزدیک) لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب (تمام) اعمال کو جانتے ہیں۔ نیک لوگ (مومن جو اپنے ایمان میں سچے ہوں) بلاشبہ آسائش (جنت) میں ہوں گے اور یقیناً بدکار (کفار) دوزخ (جلانے والی آگ) میں ہوں گے وہ اس میں بسیں گے (اس میں داخل ہو کر جھلسیں گے) قیامت (بدلہ) کے روز اور وہ اس سے باہر (خارج) ہوں گے۔ اور آپ کو کچھ (پتہ) خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیسا ہے؟ پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے؟ (اس میں قیامت کی عظمت شان ہے) وہ ایسا دن ہے (یہ مرفوع ہے ای ھـو یـوم) جس میں کسی شخص کے (نفع) کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ کی ہوگی (دوسرے کی کچھ نہ چلے گی یعنی وہاں کسی کا واسطہ نہ رہے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔)

تحقیق وترکیب:.......... **انتثرت**. موتیوں کا لڑی سے بکھر جانا، ستاروں کے ٹوٹنے سے استعارہ ہے۔ مشبہ بہ کے لوازم میں سے انتشار کا ذکر ہے۔ استعارہ تخیلیہ ہو گیا۔

بعثرت. قبر کی مٹی کا الٹ پلٹ ہو جانا۔

علمت نفس. علم تفصیلی مراد ہے۔ ورنہ اجمالی علم تو رہنے کے وقت ہی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب یہ مذکورہ باتوں کا ظہور ہو چکے گا اور اعمال نامے سامنے آ جائیں گے اس وقت کھل کر نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور تہویل کی غرض سے سب چیزوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔

مـا قدمت واخرت. تاویلات النجمیہ میں ہے کہ **قدمت** سے وہ اعمال مراد ہیں جو فعلیت میں آ چکے اور **اخرت** سے وہ اعمال مراد ہیں جو بالقوۃ نیت وارادہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے **ما قدمت من خیر و ما اخرت من صدقة صالحة تعمل بعدها**.

مـا غـرك. **ما** استفہامیہ مبتداء ہے اور **غرك** خبر ہے۔ یعنی **ای شـئ خـدعک و جـراک عـلی عصیانه وامنک من عقابه**.

عدلك. اگر یہ لفظ اعتدال سے ماخوذ ہے تب تو تناسب اعضاء بیان کرنا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک آنکھ بڑی، ایک چھوٹی ہو اور نہ یہ کہ فی نفسہ تو دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ مگر پورے جسم کے تناسب سے بہت چھوٹی ہیں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کا تناسب بھی اس انداز سے بنایا ہے۔ لیکن یہ لفظ اگر عدول سے ماخوذ ہو تو پھر مطلب یہ ہوتا کہ انسان کو اس کی اپنی اصلی صورت نوعیہ یا صنفیہ پر بنایا ہے۔

یہ نہیں کہ اس سے عدول کر کے دوسرے جانوروں کو صورت نوعیہ دے دی ہو۔

فی ای صورة . اس میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ اس کا تعلق رکبک کے ساتھ ہواور ما زائدہ ہو۔اور شاء صورة کی صفت ہے۔ رکبک کا بیان ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے واؤ نہیں لایا گیا۔تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔عدلک رکبک فی ای صورة من الصور العجیبة الحسنة التی شاء ھا. دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ حال ہونے کی بناء پر ہو۔ ای رکبک حال کونک حاصلا فی بعض الصور. اور تیسری صورت یہ ہے۔کہ اس کا تعلق عدل کے ساتھ کیا جائے۔لیکن اس میں اشکال یہ ہوگا کہ فی ای استفہام کی وجہ سے صدارت کلام کو چاہتا ہے۔اس لئے ماقبل کا معمول نہیں بن سکتا۔

ماتفعلون ۔اس میں ما اگرچہ افعال قلوب وجوارح سب کو عام ہے۔مگر صرف افعال جوارح مراد ہیں۔کراماً کاتبین انہیں کی کفایت کرتے۔دونوں کا بھید اللہ جانتا ہے۔لیکن کشف الابرار میں لکھا ہے کہ باطنی اعمال کی بھی خوشبو یا بدبو ان کو آجاتی ہے اور وہ اس لحاظ سے ان کو بھی لکھ لیتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔کل ذکر یشعربه قلبک تسمعه الملائكة الحفظة فان شعورهم يقارن شعورک حتى اذا غاب ذكرک عن شعورک بذها بک فی المذکور بالكلية غاب عن الحفظة ايضا وما دام القلب يلتفت الى الذكر فهو معرض عن الله لا ن المقصود هو الفنافی الله والفناء لا يحصل الا اذا لم يبق للسالک عين ولا اثر الخ...... والقرب هو ان يكون محوا فی ذاته تعالیٰ فانيا فيه فاذا حصل له القرب لم يبق ذاكر لا ان بقاء الذاكر علامة الا ثنينية بل ينعدم ويفنی فی المذكر.

ان الابرار یہ کتاب اعمال کی وجہ کا بیان ہے ای لیجازی الابرار بالنعیم یصلونها یہ مجرور سے حال ہے اور جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔

ما استفہامیہ مبتداء ہے اور ادراک خبر ہے اور کاف مفعول اول اور مایوم الدین جملہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔پہلا استفہام انکاری اور دوسرا تعظیم وتبدیل کے لئے ہے معنی یہ ہوئے کہ آپ کو قیامت کی شدت معلوم نہیں۔ہمارے بتلانے سے البتہ معلوم ہوسکتی ہے۔

یوم لا تملک. لفظ یوم موضوع ہونے کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے یا یوم سے بدل ہے اور نصب کی صورت میں اذکر مقدر مان کر، بدل ہے۔

شیئا. یعنی مستقلاً کوئی مالک نہیں ہے اس لئے شفاعت کی نفی نہیں ہے کیونکہ وہ باجازت ہوتی ہے۔

والا مر یومئذ للہ . یعنی دنیا میں اللہ نے جس طرح مالک بنادیا تھا۔آخرت میں کسی کو مالک نہیں بنائے گا۔

ربط آیات:............سورہ انفطار میں بھی پچھلی اور اگلی سورتوں کی طرح قیامت ومجازاۃ کا ذکر ہے اور درمیان میں غفلت پر ڈانٹ ڈپٹ ہے۔

شان نزول:............سورہ تکویر اور سورہ انفطار کا مضمون بہت حد تک یکساں ہے۔اس لئے دونوں کا زمانہ نزول بھی قریب قریب ہی ہوگا۔انفطار کے معنی پھٹنے کے ہیں۔اس سورت میں آسمان پھٹنے کا ذکر ہے۔

﴿تشریح﴾:............ واذا البحار فجرت ۔ پہلی سورت میں سمندروں میں آگ بھڑکانے کا ذکر تھا۔اس سورت میں سمندروں کے ابل پڑنے کا ذکر آیا۔اس کے پردے پھٹ جائیں گے اور ساری زمین پانی کا تختہ ہوکر رہ جائے گی۔یہ قیامت کے عظیم زلزلہ کا اثر ہوگا۔اور پردہ پھٹنے سے پانی اندر بھی اتر سکتا ہے۔جہاں بے انتہا گرم لاوا کھول رہا ہے۔اس طرح تمام سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی۔غرض کہ ان آیات میں قیامت کے پہلے مرحلہ کا بیان ہے۔

آگے واذا القبور بعثرت. میں قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے یعنی زمین کی تہ میں بھری ہوئی چیزیں اور قبر کے مردے سب باہر نکل پڑیں گے۔

علمت نفس. اچھے برے کام شروع عمر میں یا آخر عمر میں کئے یا نہیں کئے ان کے اثرات اپنے پیچھے چھوڑے یا نہیں چھوڑے۔غرض کہ انسانی اعمال نامہ ترتیب کے ساتھ تاریخ وار سب کا سب سامنے آجائے گا۔

انسان کی خودفریبی:............ یا یھا الا نسان . اے انسان! اول تو اس محسن پروردگار کے عظیم احسان کا تقاضہ یہ تھا کہ تو شکر گزار اور احسان مند ہو کر اس کا فرمانبردار بنتا اور اس کی نافرمانی کرتے تجھے شرم آتی۔مگر تو اس دھوکہ میں پڑ گیا کہ تو جو کچھ بھی بنا ہے خود ہی بن گیا ہے اور تجھے کبھی بھی یہ خیال نہ آیا کہ وجود بخشنے والے کا احسان مانے۔دوسرا تیرے رب کا یہ کرم ہے کہ دنیا میں تو جو کچھ چاہتا ہے کہ کر گزرتا ہے۔قدرت کی طرف سے تجھے مجبور نہیں کیا جاتا۔بلکہ پوری آزادی دے دی جاتی ہے جسے تو رب کریم کی کمزوری سمجھ بیٹھا ہے۔

انسان خودفریبی کا شکار ہے:............ الذی خلقلث ۔ یہ اللہ کے عظیم کرم کا اجمالی ذکر ہے۔یعنی رب کریم کیا اس بات کا مستحق تھا کہ انسان اپنی حماقت سے اس کے حلم پر مغرور ہو جائے اور اس کے کرم کا جواب اپنے کفر وطغیان سے دے۔اس کے کرم کو دیکھ کر تو اسے شرمانا اور اس کے حلم کو دیکھ کر اسے ڈرنا چاہئے تھا۔یقیناً وہ حلیم وکریم ہے۔مگر حکیم ومنتقم بھی ہے۔لہذا اس کی ایک صفت پر بھروسہ کر کے دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لینا خودفریبی اور دھوکہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔اس نے انسان کو وجود بخشا، اعضاء کے جوڑ بند درست کئے۔انہیں حکمت آمیز تناسب بخشا۔مزاج اور اختلاط میں موزونیت بخشی۔اگرچہ امتیاز کے لئے سب کی صورتیں الگ الگ بنائیں۔اور تھوڑے فرق سے شکلیں، رنگ روپ مختلف رکھے۔لیکن بحیثیت مجموئی انسان کو سب جانداروں سے بہتر بنایا۔وہ چاہتا تو گدھے، کتے، بلے کی صورت میں بنا دیتا۔لیکن راست قامت صاف بدن کا بہترین نمونہ تجویز فرمایا۔پس کیا اس بہترین انعام کا یہی صلہ ہے کہ انسان اس کی سرکشی اور سرتابی کرے۔

انسان کا سر اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے تھا:............ کلا بل تکذبون . یعنی کوئی معقول وجہ اس دھوکہ اور بہکنے کی نہیں ہے۔انسان کو وجود خود بتلا رہا ہے کہ وہ خود نہیں بن گیا اور نہ ماں باپ نے اس کو بنایا ہے۔مختلف عناصر کے جڑ جانے سے اتفاقاً بھی انسان پیدا نہیں ہو گیا۔دوسرے تمام جانداروں کے مقابلہ میں اس کی بہترین ساخت اور برتر قوتیں اس کی شاہد ہیں کہ خدائے حکیم نے یہ مکمل انسانی شکل بخشی ہے۔عقل سلیم کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کا سر ان انعامات واحسانات کو دیکھ کر جھک جاتا۔اللہ کی حکمت و دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ جسے عقل دی جائے اسے اس اعمال کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جائے، اختیارات دیئے جائیں، خود اس سے حساب بھی مانگا جائے اور جسے نیکی بدی کی طاقت دی جائے اسے ان پر بدلہ بھی ملے۔یہ تمام حقیقتیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔مگر پھر بھی

انسان یوم الحساب پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ خود کو آزاد سمجھتا ہے اور کسی باز پرس اور جزاء وسزا کا دھیان نہیں کرتا۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ بس مر گئے قصہ ختم ہو گیا۔ زندگی میں جو چاہوں کروں ۔ میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ انسان اس حماقت آمیز فریب میں مبتلا ہے کہ اس دار العمل کے پیچھے کوئی دار الجزاء نہیں ہے۔ اس بے بنیاد خیال نے اسے غافل اور اخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد اور خدا کے عدل و انصاف سے بے خوف اور نڈر بنا دیا ہے۔

انسان کی ساری زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے:............ان علیکم لحافظین ۔ یعنی تم حساب وسزا کو جھٹلاؤ، مذاق اڑاؤ۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے رب نے تمہیں شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ ہر شخص پر راست باز فرشتے نگران مقرر کر رکھے ہیں ۔ جو پوری غیر جانبداری سے تمہارے سب اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں ۔ تم کہیں بھی ہو تمہاری زندگی کی ہر نقل وحرکت منضبط ہو رہی ہے۔ پھر کیا تمہارا خیال ہے کہ اس قدر اہتمام کے باوجود یہ سارے دفتریوں ہی بے کار چھوڑ دیئے جائیں گے، ہرگز نہیں، ہر شخص کے اعمال اس کے سامنے آئیں گے اور ان کا اچھا برا پھل چکھنا پڑے گا۔ وہ لکھنے والے فرشتے نہایت دیانت دار ہیں۔ کسی کی رو رعایت ان کے پیش نظر نہیں۔ انہیں کسی سے ذاتی محبت یا عداوت نہیں کہ بے جا رعایت یا مخالفت سے کچھ کا کچھ لکھ ڈالیں ۔ نہ خائن ہیں کہ غلط سلط اندراجات کر دیتے ہوں ۔ رشوت خور بھی نہیں کہ کچھ لے دے کر مخالف یا موافق جھوٹی رپورٹیں کر دیتے ہوں۔

غرض کہ اس قسم کی ساری اخلاقی کمزوریوں سے وہ بالاتر ہیں ۔ اس لئے ان کی جملہ کارروائی قابل اطمینان ہے ۔ پھر ان فرشتوں کو انسان کے جملہ حالات کی اطلاع رہتی ہے۔ وہ ہر جگہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں کہ کسی کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اس کی نگرانی کی جارہی ہے۔ انہیں لوگوں کی نیتوں کا حال بھی معلوم رہتا ہے کہ کون کس نیت سے کام کر رہا ہے۔ اس لئے ان کی روئداد کا کوئی پہلو تشنہ اور نامکمل نہیں رہتا۔ بلکہ فائل مکمل قلم بند ہوتی ہے۔ سورہ کہف اور سورہ ق میں بھی یہ تفصیل اس کی گزر چکی ہے۔

انسان کا کامل حال فرشتوں کے سامنے رہتا ہے:............یعلمون ماتفعلون ۔ میں کلمہ کے ظاہر سے عموم معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی کوئی حالت بھی کراماً کاتبین سے مخفی نہیں رہتی ۔ لیکن ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے یعنی دلوں کا بعض حال انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ظاہری اور باطنی اعمال سے واقف ہوتے ہیں ۔ مگر بعض اعمال قلبیہ کا علم صرف اللہ کو ہے۔ چنانچہ بدور سافرہ میں علامہ سیوطیؒ سے حدیث موضوع منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر خفی جس کو حفظہ بھی نہیں سنتے ۔ ذکر جلی سے ستر درجہ فضیلت میں بڑھ کر ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عموماً دلوں کا حال انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ بعض احوال تک ان کی رسائی نہ ہوتی ہو یہ ممکن ہے۔ چنانچہ احادیث میں صراحتاً آتا ہے کہ نیکی کے عزم پر بھی ثواب ملتا ہے۔ تبریز شیخ عبد العزیز دباغ میں اس قسم کے اسرار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن اگر حدیث مذکور صحیح نہ ہو تو پھر استثناء کی کوئی حاجت نہیں رہ جاتی ۔

جنت اور اس کی بہار دائمی ہے:............ان الابرار لفی نعیم ۔ جنت میں ہر قسم کی اور سدا نعمتیں ہوں گی۔ وہاں سے نکلنے یا نعمتوں کے چھن جانے کا کوئی کھٹکا نہیں رہے گا۔ ورنہ پھر مکمل راحت کیا ہوئی ؟ یہی دوزخ کا حال ہوگا کہ ہمیشہ کے لئے عذاب بھگتنا ہوگا۔ نہ بھاگ کر دوزخ سے بچ سکیں گے اور نہ اس میں داخل ہونے کے بعد نکلنے کی کوئی راہ مل سکے گی۔ ورنہ مکمل سزا کیا ہوئی؟

وما ادراك ۔ یعنی دوزخ اور اس کی سزاؤں کی شدت تصور اور عقل کی گرفت میں نہیں آ سکتی۔ تم کتنا ہی سوچو پھر بھی اس ہولناک دن کی کیفیت پوری طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ وہاں عاجزی، خوشامد اور چاپلوسی کچھ کام نہ آسکے گی۔ اور نہ صبر واستقلال کارگر ہوگا۔ سب رشتے ناطے بے کار ہو جائیں گے۔ ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہوگا۔

یوم لا تملك ...... وہاں کسی کی یہ مجال نہ ہوگی کہ کسی کو اس کے نتائج اعمال بھگتنے سے بچا سکے۔ کوئی بااثر، زور آور یا اللہ کا لاڈلا ایسا نہ ہوگا کہ اللہ کے آگے آڑ لگا کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ دے کہ میرے فلاں عزیز کو بخشنا ہی ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں بادشاہوں کا حکم ان کی رعایا پر اور ماں باپ کا اپنی اولاد پر اور آقا کا نوکر پر چلتا ہے۔ مگر وہاں شہنشاہ مطلق کے آگے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ ہر طرح اسی کا حکم چلے گا۔ شفاعت کی نوعیت بھی دھاندلی یا زور آوری کی نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام:............حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

من سره ان ینظر الی یوم القیامة کانه رای عین فلیقرء اذا الشمس کورت واذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت.

ترجمہ:۔ جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں کی طرح دیکھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ سورہ تکویر وانفطار وانشقاق کو پڑھ لے۔

قیامت کی منظر کشی کا حاصل یہ ہے کہ انسان کا سب کچھ کیا دھرا سامنے آ جائے گا۔ پھر انسان کی اس خود فریبی پر متنبہ کیا گیا ہے جو وہ اپنے رب کریم کے ساتھ برت رہا ہے۔ جس نے اسے وجود بخشا اور بہتر سے بہتر جسم واعضاء شکل وصورت عطا کی۔ آخر انسان اس دھوکہ میں کیوں ہے کہ اس کا پروردگار بس کریم ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا کہ وہ انصاف کرنے والا بھی ہے۔ اس کی ساری زندگی کی مسل تیار کی جارہی ہے۔ اس کی ایک ایک نقل وحرکت کو ریکارڈ کیا جارہا ہے اور لکھنے والے معتبر غیر جانب دار دیانت دار فرشتے ہیں جو ایک ایک جزئی اعمال نامے میں درج کررہے ہیں۔ پس یہ سارا طومار کس لئے ہے؟ یقیناً ایک دوسرا جہان حقیقی سامنے آنے والا ہے جس میں نیکیوں کا پھل جنت کی عیش وعشرت کی صورت میں اور بدیوں کا بھگتان دوزخ اور اس کی بے پناہ مصیبتوں کی شکل میں حاصل ہو کر رہے گا۔ اس روز کوئی کسی کے لئے سہارہ نہیں بن سکے گا۔ سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔

فضائل سورت:............**من قرء سورة انفطرت کتب الله له بعدد کل قطرة من السماء حسنة وبعدد کل قطرة حسنة** . جو شخص سورہ انفطار پڑھے گا اللہ بارش کے قطرات اور قطروں کی تعداد کے برابر نیکیاں اس کی لکھ لے گا۔

لطائف سلوک:............**وان علیکم لحافظین** ۔ اعمال کے اندراج واحتساب کا مراقبہ اور استحضار اصلاح حال میں نہایت مؤثر ومفید ہے۔

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتٌّ وَثَلَاثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ اَوْ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ **لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى** اَىْ مِنَ **النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ﴿۲﴾** الْكَيْلَ **وَاِذَا كَالُوْهُمْ** اَىْ كَالُوْا لَهُمْ **اَوْ وَّزَنُوْهُمْ** اَىْ وَزَنُوْا لَهُمْ **يُخْسِرُوْنَ﴿۳﴾** يَنْقُصُوْنَ الْكَيْلَ اَوِ الْوَزْنَ **اَلَا** الْاِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٌ **يَظُنُّ** يَتَيَقَّنُ **اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ﴿۵﴾** اَىْ فِيْهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَّوْمَ** بَدَلٌ مِّنْ مَّحَلِّ لِيَوْمٍ فَنَاصِبُهٗ مَبْعُوْثُوْنَ **يَقُوْمُ النَّاسُ** مِنْ قُبُوْرِهِمْ **لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۶﴾** الْخَلَائِقُ لِاَجْلِ اَمْرِهٖ وَحِسَابِهٖ وَجَزَائِهٖ **كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ** اَىْ كُتُبَ اَعْمَالِ الْكُفَّارِ **لَفِىْ سِجِّيْنٍ﴿۷﴾** قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الشَّيَاطِيْنِ وَالْكَفَرَةِ وَقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ اَسْفَلَ الْاَرْضِ السَّابِعَةِ وَهُوَ مَحَلُّ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ﴿۸﴾** مَاكِتَابُ سِجِّيْنٍ **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴿۹﴾** مَخْتُوْمٌ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴿۱۱﴾** اَلْجَزَاءِ بَدَلٌ اَوْ بَيَانٌ لِلْمُكَذِّبِيْنَ **وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ** مُتَجَاوِزِ الْحَدِ **اَثِيْمٍ﴿۱۲﴾** صِيْغَةُ مُبَالَغَةٍ **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا** الْقُرْاٰنُ **قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴿۱۳﴾** اَلْحِكَايَاتُ الَّتِىْ سُطِرَتْ قَدِيْمًا جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ اَوْ اِسْطَارَةٍ بِالْكَسْرِ **كَلَّا** رَدْعٌ وَّزَجْرٌ لِّقَوْلِهِمْ ذٰلِكَ **بَلْ** سكته **رَانَ** غَلَبَ **عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** فَغَشَّاهَا **مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۱۴﴾** مِنَ الْمَعَاصِىْ فَهُوَ كَالصَّدَاءِ **كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴿۱۵﴾** فَلَا يَرَوْنَهٗ **ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴿۱۶﴾** لَدَاخِلُوا النَّارِ الْمُحْرِقَةِ **ثُمَّ يُقَالُ** لَهُمْ **هٰذَا** اَىِ الْعَذَابُ **الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴿۱۷﴾ كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ** اَىْ كُتُبَ اَعْمَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فِىْ اِيْمَانِهِمْ **لَفِىْ عِلِّيِّيْنَ﴿۱۸﴾** قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الْخَيْرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمُؤْمِنِىْ الثَّقَلَيْنِ وَقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ فِىْ

السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحتَ العَرشِ **وَمَآ اَدْرٰلكَ** اَعلَمَكَ **مَا عِلِّيُّوْنَ**﴿۱۹﴾ مَا كِتَابُ عِلِّيِّينَ هُوَ **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ**﴿۲۰﴾ مَختُومٌ **يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ**﴿۲۱﴾ مِنَ المَلَائِكَةِ **اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ**﴿۲۲﴾ جَنَّةٍ **عَلَى الْاَرَآئِكِ** السُّرُرِ فِي الحِجَالِ **يَنْظُرُوْنَ**﴿۲۳﴾ مَا اُعطُوا مِنَ النَّعِيمِ **تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ**﴿۲۴﴾ بَهجَةَ التَّنَعُّمِ وَحُسنَهُ **يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ** خَمرٍ خَالِصَةٍ مِنَ الدَّنَسِ **مَّخْتُوْمٍ**﴿۲۵﴾ عَلٰى اِنَائِهَا لَا يَفُكُّ خَتمَهُ اِلَّا هُمْ **خِتٰمُهٗ مِسْكٌ** اَى اٰخِرُ شُربِهٖ يَفُوحُ مِنهُ رَائِحَةُ المِسكِ **وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ**﴿۲۶﴾ فَليَرغَبُوا بِالمُبَادَرَةِ اِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَمِزَاجُهٗ** اَى مَا يُمزَجُ بِهٖ **مِنْ تَسْنِيْمٍ**﴿۲۷﴾ فُسِّرَ بِقَولِهٖ **عَيْنًا** فَنَصبُهٗ بِاَمدَحُ مُقَدَّرًا **يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ**﴿۲۸﴾ اَى مِنهَا اَو ضُمِّنَ يَشرَبُ مَعنٰى يَلتَذُّ **اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا** كَاَبِي جَهلٍ وَّنَحوِهٖ **كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** كَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَّنَحوِهِمَا **يَضْحَكُوْنَ**﴿۲۹﴾ اِستِهزَاءً بِهِمْ **وَاِذَا مَرُّوْا** اَيِ المُؤمِنُونَ **بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ**﴿۳۰﴾ اَى يُشِيرُ المُجرِمُونَ اِلَى المُؤمِنِينَ بِالجَفنِ وَالحَاجِبِ اِستِهزَاءً **وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا** رَجَعُوْا **اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ**﴿۳۱﴾ وَفِي قِرَاءَةٍ فَكِهِينَ مُعجِبِينَ بِذِكرِهِمُ المُؤمِنِينَ **وَاِذَا رَاَوْهُمْ** رَاَوُا المُؤمِنِينَ **قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ**﴿۳۲﴾ لِاِيمَانِهِمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالٰى **وَمَآ اُرْسِلُوْا** اَيِ الكُفَّارُ **عَلَيْهِمْ** عَلَى المُؤمِنِينَ **حٰفِظِيْنَ**﴿۳۳﴾ لَهُمْ اَو لِاَعمَالِهِمْ حَتّٰى يَرُدُّوهُمْ اِلٰى مَصَالِحِهِمْ **فَالْيَوْمَ** اَى يَومَ القِيٰمَةِ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ**﴿۳۴﴾ **عَلَى الْاَرَآئِكِ** فِي الجَنَّةِ **يَنْظُرُوْنَ**﴿۳۵﴾ مِن مَّنَازِلِهِمْ اِلَى الكُفَّارِ وَهُمْ يُعَذَّبُونَ فَيَضحَكُونَ مِنهُمْ كَمَا ضَحِكَ الكُفَّارُ مِنهُمْ فِي الدُّنيَا **هَلْ ثُوِّبَ** جُوزِيَ **الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ**﴿۳۶﴾

سورہ مطففین مکیہ یا مدنیہ ہے اس میں ۳۶ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... بڑی خرابی ہے (یہ کلمہ عذاب ہے یا جہنم کی وادی کا نام ہے) ناپ تول میں کوتی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے (علیٰ بمعنی من) ناپ کر لیں تو پورا (ناپ) لیں اور جب ان کو ناپ کر (کالو ھم کی تقدیر کالوا لھم ہے) یا تول کر دیں (وزنوھم کی تقدیر وزنوا لھم ہے) تو گھٹا دیں (ناپ تول میں کوتی کر دیں) کیا (استفہام توبیخی ہے) ان لوگوں کو اس کا گمان (یقین) نہیں کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گی ایک بڑے سخت (قیامت کے) دن میں جس روز (یہ لیوم کے محل سے بدل ہے لہذا اس کا ناصب مبعوثون ہے) تمام آدمی (اپنی قبروں سے) کھڑے کئے جائیں گے رب العالمین کے سامنے (تمام مخلوق اللہ کی کچہری میں حساب کتاب اور صلہ کے لئے) ہرگز نہیں (یقیناً) بدکار (کافر) لوگوں کا اعمال نامہ سجین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ یہ شیاطین اور کافروں کا دفتر اعمال ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے جہاں ابلیس اور اس کا لشکر رہتا ہے) اور آپ کو معلوم

ہے کہ سجین (یعنی رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) لگا ہوا دفتر ہے اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز قیامت کو جھٹلایا کرتے تھے (الذین بدل ہے المکذبین سے) اس کو تو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو، مجرم ہو (مبالغہ کا صیغہ ہے) جب اس کے سامنے ہماری آیات (قرآن) پڑھی جاتی ہیں تو یوں کہہ دیتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں (اساطیر اسطورہ یا اسطارہ کی جمع ہے، پرانے قصے کہانیاں) ہرگز ایسا نہیں (ان کی اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے (غالب آ کر چھا گیا ہے) ان کے اعمال کا (گناہوں کا میل کچیل) ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) یہ لوگ اپنے پروردگار سے اس روز (قیامت کے دن) روک دیئے جائیں گے (اللہ کے دیدار سے محروم رہیں گے) پھر یہ دوزخ (کی دہکتی آگ) میں داخل ہو جائیں گے پھر (ان سے) کہا جائے گا کہ یہی (عذاب) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) نیک لوگوں کا اعمال نامہ (یعنی ایمانداروں کے اعمال نامے) علیین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ فرشتوں، انسان وجنات کے اچھے اعمال کا دفتر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ایک جگہ ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب (فرشتے) دیکھتے ہیں، بلاشبہ نیک لوگ بڑی آسائش (جنت) میں ہوں گے مسہریوں (چھپر کھٹ) پر معائنہ کرتے ہوں گے (عطا کی ہوئی نعمتوں کا) اے دیکھنے والے! تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت (نعمتوں کی تروتازگی اور رونق) محسوس کرے گا۔ ان کو پینے کے لئے نکھری ہوئی شراب (میل کچیل سے صاف ستھری) سربمہر ملے گی (جس کی مہر وہ خود کھولیں گے) اس کا اخیر مشک ہوگا (یعنی پینے کے بعد اس میں مشک کی مہک آئے گی) اور حریص لوگوں کو اس میں حرص کرنی چاہئے (لہٰذا انہیں اللہ کی فرمانبرداری کی طرف لپکنا چاہئے) اور اس کی آمیزش (ملاوٹ) تسنیم سے ہوگی (جس کی تشریح آگے آتی ہے) ایسا چشمہ (امدح مقدر سے منصوب ہے) جس سے مقرب بندے پئیں گے (بھا یعنی منھا ہے یا یشرب. متضمن ہے معنی یسلتذ کے) جو لوگ مجرم تھے (جیسے: ابوجہل وغیرہ) وہ ایمان والوں (عمار۔ بلال وغیرہ) سے ہنسا کرتے تھے (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) اور جب ان (مومنین) کے سامنے سے گزرا کرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے (یعنی مجرمین مومنین کا مذاق اڑانے کے لئے آنکھیں مارا کرتے تھے) اور جب اپنے گھروں کو جاتے (پلٹتے) تو دل لگیاں کیا کرتے تھے (ایک قراءت میں فکھین ہے تعجب کے ساتھ مومنین کا ذکر کرتے تھے) اور جب (مومنین کو) دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (محمد ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) حالانکہ یہ (کفار) ان (مومنین) پر نگران کار بنا کر نہیں بھیجے گئے (مسلمانوں اور ان کے اعمال کی دیکھ بھال کے لئے کہ ان کو اپنے مصالح کی طرف پھیر دیں سو آج (قیامت کے روز) ایمان دار کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (جنت میں) دیکھ رہے ہوں گے (اپنے محلات سے کفار کو جو مبتلائے عذاب ہوں گے۔ اس لئے وہ کفار پر اسی طرح ہنسیں گے۔ جس طرح کفار دنیا میں ان پر ہنسا کرتے تھے) واقعی کفار کو اپنے کئے کا خوب بدلہ (صلہ) ملا۔

تحقیق وترکیب:......... ویل. بددعائیہ کلمہ ہے مرفوع ہونے کی صورت میں مبتداء ہے۔ چنانچہ مکیؒ کہتے ہیں کہ ویل وغیرہ اگر مضاف نہ ہوں تو ان میں رفع مختار ہوتا ہے۔ اگرچہ نصب بھی جائز ہو۔ لیکن مضاف یا معرفہ ہونے کی صورت میں نصب مختار ہوگا۔ جیسے ویلکم لا تفترو ا اور ویل دوزخ کی وادی کا نام بھی ہے جس کی گہرائی چالیس سال کی مسافت ہوگی۔ دونوں معانی کا جمع کرنا بھی ممکن ہے۔

المطففین . تطفیف کے معنی ناپ تول میں کمی کرنا۔ طفیف بمعنی حقیر اسی لئے بولا جاتا ہے۔ **دون الطفیف ای الشئی التافۃ لقلۃ. اذا اکتا لوا علی الناس** بقول فراءؒ **علی** بمعنی **من** ہے۔ **اکتلت منہ وعلیہ** دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ یا اکتیال

بمعنی تحامل کو متضمن ہے اس لئے علی لایا گیا ہے۔ یا لوگوں پر جو اپنا حق آتا ہے اس کا وصول کرنا مراد ہے۔ اس لئے علی الناس کہنا صحیح ہے، اور بقول زمخشریؒ علی کا تعلق یستوفون سے بھی ہوسکتا ہے اور تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔

کالو ھم. مفسرؒ نے لازم محذوف مانا ہے اور ضمیر ھم منصوب ہے۔ یہ ضمیر مرفوع واؤ کی مؤکد نہیں ہے یا تقدیر عبارت او کالوا مکیلھم ہے مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

الا یظن . الا تنبیہ کے لئے نہیں بلکہ توبیخ کے لئے ہے۔ ظن بمعنی یقین کے لئے ہے۔ لیکن اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ظن لایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ قیامت کے سلسلہ میں یقین تو رہا درکنار، ان کو تو ظن بھی حاصل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یقین تو بجائے خود، قیامت کا تو گمان بھی ڈرانے کے لئے کافی ہے۔

اولئك. کفار کے بعد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

یوم یقوم . یہ مبعوثون سے منصوب ہے اور یا یوم سے بدل ہے۔ چنانچہ قرأت جر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس آیت میں انکار اور تعجب اور لفظ ظن اور یوم کہنے اور رب العالمین لانے سے کوتی کرنے کے متعلق ممانعت میں مبالغات ہیں۔ کلا بمعنی حقا ہے یعنی کلام مستانف ہے۔ اس لئے اس پر سے پہلے وقف ضروری ہے اور یہ کلمہ ردع وزجر بھی ہوسکتا ہے ای لیس الا مر علی ماھم علیہ اس صورت میں اس پر وقف کیا جائے گا۔

کتاب الفجار . مفسرؒ نے اعمال مضاف محذوف مانا ہے تاکہ ظرفیت الشئی لنفسہ لازم نہ آئے۔ لیکن کتاب بمعنی کتب لینے کی بجائے اگر اعمالنامہ مراد لیا جائے تو پھر ظرفیت الکل للجزء ہوگی اور کتاب بمعنی کتابت یا بمعنی مکتوب ہو تو پھر ظرف کتابت یا ظرف اعمال مکتوبہ ہوگا اور سجین ایک خاص مقام کا نام بھی ہے جو شیاطین وبدکاروں کا قید خانہ ہوگا۔

کتاب مرقوم . یہ سجین کا بیان نہیں۔ بلکہ کتاب الفجار کی تفسیر ہے یعنی صاف لکھائی یا نشان وعلامت کے معنی ہیں جس کو دیکھتے ہی ہر شخص سمجھ لے کہ یہ خراب اعمال نامہ ہے۔

الذین . یہ صفت مخصصہ ہے یا موضحہ یا صفت ذام ہے۔

اساطیر . یعنی عقلی دلائل جس طرح ان کے لئے بے کار ہیں۔ اسی طرح نقلی دلائل بھی عبث سمجھتے ہیں۔

ران . رین زنگ کو کہتے ہیں۔ حفصؒ کے علاوہ دوسرے قراء نے تشدید راء کے ساتھ پڑھا ہے۔ معلوم ہوا کہ کام کی کثرت سے ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے خواہ وہ اچھے کام ہوں یا برے کام۔ چنانچہ گناہ کرتے کرتے قلب پر زنگ آ جاتا ہے اور مہر لگ جاتی ہے۔ جس کو دوسری آیات میں بل طبع اللہ اور ختم اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لمحجوبون. امام مالکؒ، امام شافعیؒ اس سے مومنین کے لئے رویت باری کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دیدار الٰہی کا انکار کرتے ہیں وہ مضاف مقدر مانتے ہیں۔ ای انھم عن کرامۃ ربھم لمحجوبون اور بعض کہتے ہیں کہ اول سب کو رویت ہوگی پھر کفار کو حجاب ہو جائے گا جس سے حسرت وندامت ہوگی۔

لفی علیین. اعلیٰ مقام جمع کے صیغہ سے ہے اس کا لفظی مفرد نہیں ہے۔ عشرین وثلثین کی طرح بلند مقام یا بلند مراتب کا سبب ہونے کی وجہ سے اس کو علیین کہتے ہیں۔

ارائك . اریکہ اس کو مسند کہتے ہیں جو دلہنوں کے لئے سجائی جاتی ہے۔

تعرف. یعقوبؒ نے فعل مجہول کے ساتھ اور نضرۃ مرفوع پڑھا ہے۔

مختوم . سیل بند چیزیں نفیس بھی ہوتی ہیں اور اصلی بھی، ان میں آمیزش کا شبہ نہیں ہوتا۔ سورہ محمد میں اگر چہ انھار من خمر فرمایا گیا ہے۔ لیکن ان پر مہر کرنا مراد نہیں۔ بلکہ شراب کے پیالوں میں مہر لگی ہوئی، اور شراب بھری ہوئی مراد ہے۔

ختامہ مشک کی مہر مراد ہے۔ چنانچہ کسائی خاتمہ پڑھتے ہیں اور یا شراب پینے کے بعد مشک کی مہک مراد ہے۔

فلیتنافس . تنافس اگر نفسانی ہو تو برا ہے اور رحمانی ہو تو بہترین ہے۔

و مزاجہ . مفسرؒ نے اسم آلہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے امام۔

من تسنیم . یہ مصدر ہے سنمہ بمعنی رفعہ جنت کا چشمہ مراد ہے جو ہوا میں جاری رہے گا، جیسے شبنم ہوا کرتی ہے، ضرورت کے مطابق اس سے برتنوں میں پانی آجائے گا۔ یشرب بھا. با بمعنی من ہے۔ جیسے یشرب بھا عباد اللہ میں ہے یا یشرب متضمن مانا جائے...... یلتذ کے معنی کو یا با کو زائد کہا جائے اور عینا منصوب ہے بطور مدح کے یا تسنیم سے حال ہونے کی وجہ سے۔ حاصل یہ ہے کہ عام جنتیوں کو شراب میں تسنیم ملا کر پلائی جائے گی۔ لیکن مقربین کو خالص پلائی جائے گی۔

ان الذین اجرموا . ابرار کے بعد مجرمین کا ذکر ہے۔ پھر آگے مومنین کے لئے تسلی کا مضمون ہے۔

یتغامزون . آنکھ مارنے اور مٹکانے کو غمز کہا جاتا ہے۔

فکھین . یعنی اپنی بلندی اور کافروں کی پستی پر جنتی خوش ہوں گے۔

وما ارسلوا . یعنی خدا نے کافروں کو مسلمانوں پر مسلط کر کے نہیں بھیجا ہے۔

فالیوم . یضحکون سے منصوب ہے اور مبتداء پر مقدم کرنے میں یہاں کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں ہے۔ برخلاف زید قام فی الدار کے اس میں فی الدار زید قام کہنا جائز نہیں ہے۔

ھل ثوب . یہ جملہ استفہامیہ ینظرون سے متعلق ہو سکتا ہے حذف جار کے بعد محلاً منصوب ہے اور قول مقدر بھی مانا جاسکتا ہے۔ ای یقولون ھل ثوب الکفار اور پہلی صورت میں تقدیر عبارت ہوگی۔ ینظرون ھل جوزی الکفار اور بعض اس کو جملہ مستانفہ کہتے ہیں۔ اور حمزہؒ کسائی لام کو ثاء میں ادغام کر کے پڑھتے ہیں۔

ربط آیات:...... اگلی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورۃ تطفیف میں بھی مجازات اعمال کا بیان ہے اور چونکہ قیامت میں عدل وانصاف ہوگا اس لئے خصوصیت سے اہتمام کے ساتھ ناپ تول میں انصاف کی تعلیم ہے اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے شروع سورت میں وعید شدید فرمادی۔

روایات:...... اہل مدینہ ناپ تول میں فرق کرتے تھے۔ اس پر اس سلسلہ میں آیت ویل للمطففین نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کے اس طرح فرمانے سے بعض حضرات نے اس کا نزول مان لیا ہے۔ لیکن سورت کے انداز بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ مکہ معظمہ کے ابتدائی حالات میں نازل ہوئی ہے اور حضرات صحابہ تمام یکساں مواقع کو شان نزول ہی میں داخل سمجھتے ہیں۔ مفسر نے دونوں قول بیان کر دیئے ہیں۔

سجین . ابن عمرؓ، مجاہدؒ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ زمین کے ساتویں طبقہ میں ہے جہاں کفار کی ارواح قید ہوتی ہیں۔ اور براءؓ کی مرفوع روایت ہے کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے اور علیین عرش کے نیچے ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ کعبؓ وقتادہؒ کہتے ہیں کہ علیین سے قائمۃ العرش مراد ہے۔ ابن عباسؓ جنت، اور ضحاکؒ سدرۃ المنتہیٰ اور بعض اہل معانی کہتے ہیں کہ انتہائی علو اور شرف مراد ہے۔

بل ران ۔ ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے۔کہ **ان العبد اذا اذنب ذنبا نکتت فی قلبه نکتة سوداء فان تاب ونزع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتی تعلوا قلبه فذلک الران الذی ذکر اللّٰه فی القرآن**.

ختامه مسک۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔کہ **الرحیق الخمر** اور **مختوم** کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ذائقہ بے شک مشک کا ہوگا۔

فکھین ۔حدیث میں ہے۔ **ان الدین بدا غریبا وسیعود غریبا کما بدا یکون القابض علی دینه کالقابض علی الجمر**. اور فرمایا گیا۔کہ **یکون المومن فیھم اذل من الامة** اور فرمایا گیا **العالم فیھم انتن من جیف حمار** لیکن آخرت میں اس کا ردعمل دیکھ کر مومنین مسرور ہوں گے۔

﴿تشریح﴾:............ **ویل للمطففین** . ڈنڈی مارنے والا چوری چھپے کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا۔ بلکہ ناپ تول میں ہاتھ کی صفائی دکھا کر خریدار کے حصہ سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے۔جس سے اس بے چارہ کو پتہ نہیں لگتا کہ تاجر کتنا گھاٹا دے گیا اس کٹوتی کے سلسلہ میں کساد بازاری آتی ہے اور اقتصادی ڈھانچہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔اس لئے قرآن کریم میں کئی جگہ ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ ناپ تول کرنے کو فرمایا گیا ہے۔

لین دین میں برابری اور یکسانیت ہونی چاہئے:............ اور اگرچہ دوسروں سے اپنا حق پورا لینا برا نہیں ہے۔لیکن یہاں ذکر کرنے سے مقصود کم دینے کی نفی کرنا ہے پورا لینے کی نفی کرنا نہیں ہے۔یعنی دینے لینے کے باٹ اور ناپ یکساں ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ خود تو دوسرے کی رعایت نہ کرے اور دوسرے سے رعایت کا خواستگار ہو۔ برخلاف رعایت کرنے والے کے۔اس میں اگر ایک عیب ہے تو دوسرا نہیں ہے۔اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ برا نہیں۔اسی لئے لینے میں صرف ناپ کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔دوسرے یہ کہ عرب میں اور خصوصاً مدینہ میں زیادہ تر ناپ رائج تھا۔ نیز اس کے علاوہ اور وجوہ تحقیق بھی نکل سکتی ہیں۔ البتہ کم دینا قبیح ہے۔اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں شقوں کو صراحۃً الگ الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔تاکہ دونوں کی برائی مستقلاً معلوم ہو جائے۔

حدیث میں ارشاد ہے۔

خمس بخمس مانقض العھد قوم الا سلط اللّٰه علیھم عدوھم وما حکموا بغیر ما انزل اللّٰه

الا فتنا فیھم الفقر وما ظھرت فیھم الفاحشة الا فتنا فیھم الرك ولا تطففوا الکیل الا منعوا

النبات واخذوا السنین ولا منعوا الزکواة الا حبس منھم القطر۔

ترجمہ:...... پانچ باتیں پانچ باتوں کے بدلہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اس پر اللہ دشمن مسلط کر دیتا ہے اور احکام الٰہی کے خلاف فیصلے کرنے سے فقر پیدا ہوتا ہے اور فحش کاری سے مری پھیل جاتی ہے۔ ناپ تول میں کمی سے پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ اور قحط سالی آ جاتی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے سے بارش بند ہو جاتی ہے۔

الا یظن الخ یعنی اگر انہیں اس کا خیال بھی ہوتا کہ قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہو کر تمام حقوق وفرائض کا حساب دینا ہے تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے اور قیامت کے دن کو بڑا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں کل عالم کا حساب کتاب خدا کی عدالت میں بیک وقت لیا جائے گا اور ثواب وعذاب کے اہم فیصلے ہوں گے۔

سجین کیا ہے اور کہاں ہے؟:............ **کلا ان کتاب الفجار** . یہ گمان ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دنیا میں جرائم کرنے کے بعد یہ یوں ہی چھوٹ جائیں گے اور ان کو خدا کے سامنے جواب دہی کے لئے حاضر نہ ہونا پڑے گا۔ یقیناً یہ فیصلہ اور پیشی کا دن ضرور آتا ہے اور اس کے لئے سب نیکوں بدوں کے اعمال نامے اپنے دفتروں میں مرتب کر کے رکھے ہیں۔

سجین سجن سے ماخوذ ہے جس کے معنی جیل خانہ کے ہیں۔ یہ ایک دفتر ہے جس میں دوزخیوں کے نام اور کام کے رجسٹر محفوظ ہیں۔ کراماً کاتبین ان پر علامات اور نشانات لگادیتے ہیں۔ جس سے اعمال ناموں میں امتیاز ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کفار کی ارواح بھی محبوس رکھی جاتی ہیں۔ بعض سلف کی رائے یہ ہے کہ یہ مقام زمین کے ساتویں طبق کے نیچے ہے۔

کل معتداثیم . یعنی قیامت کا انکار اللہ کی ربوبیت اور اس کے عدل وانصاف اور اس کی قدرت وحکمت کا انکار ہے اور اس انکار کے بعد ظاہر ہے کہ گناہوں پر دلیری جس قدر بھی ہو کم ہے۔

اساطیر الاولین. یعنی ایسا شخص قرآن اور اس کی نعمت سن کر کہتا ہے کہ ایسی باتیں تو لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں وہی پرانی کہانیاں قصے انہوں نے نقل کر دیئے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور افسانوں سے ڈرنے والے کہاں؟

قرآن افسانہ کی کتاب نہیں ہے:............ **کلا بل ران** یعنی قرآن کے انکار کی وجہ فی الحقیقت یہ نہیں کہ وہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ ارتکاب کر رہے ہیں ان کا زنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے۔ اس لئے انہیں حقیقت افروز باتیں بھی افسانہ نظر آتی ہیں۔ حقائق صحیحہ کا انعکاس آئینہ دل میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ نشان مٹ جاتا ہے۔ ورنہ جوں جوں بندہ گناہ کرتا جائے گا۔ وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کا دل بالکل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس کو نیکی بدی، اچھائی برائی کی تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔ بلکہ یہ اثر بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کی نظر میں بھلائی برائی بن جاتی ہے اور برائی بھلائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ انتہائی خطرناک حالت ہے جس میں توفیق وہدایت بالکلیہ سلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ **اللھم احفظنا منھا**. ان جھٹلانے والوں کا حال بھی یہی ہو گیا کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے یہ اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

کلاانھم . یعنی انکار وتکذیب کرنے والے اپنے انجام بد سے بےفکر نہ ہو جائیں۔ دیدار الٰہی کا جو شرف نیک لوگوں کو حاصل ہو گا اس سے یہ بدبخت یقیناً محروم رہیں گے اور صرف یہی حرماں نصیبی نہیں ہو گی۔ بلکہ ان کو دوزخ کا کندہ بنایا جائے گا۔

علیین کیا ہے اور کہاں ہے؟:............ **کلا ان کتاب الابرار** . بدکاروں کے بعد نیکوں کاروں کے نتائج کا اعلان ہو رہا ہے۔ یعنی اچھے بروں کا انجام یکساں ہو جائے گا یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ نیکوں کے اعمال نامے اور ارواح مسلمین علیین میں رہیں گے ......اور پہلے ان کی ارواح وہیں رکھی جائیں گی۔ پھر اپنے اپنے مقامات پر پہنچادی جائیں گی۔ اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق رکھا جاتا ہے۔ بہرحال علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے جہاں مقربین کی ارواح قیام پذیر رہتی ہیں۔

یشھدہ المقربون ۔ مقرب فرشتے یا مقرب بندے مؤمنین کے اعمال نامے دیکھنے کے لئے وہاں رہتے ہیں۔ جنت میں

ابرار مسہریوں پر بیٹھ کر دیدار الٰہی اور مناظر کی سیر سے مسرور ہوں گے اور عیش وعشرت کے آثار ان کے چہروں سے ٹپکتے ہوں گے۔

رحیق مختوم۔ یوں تو شراب کی نہریں ہر جنتی کے گھر میں بہتی ہوں گی۔لیکن نادر شراب سربمہر رہے گی اور اس اعلیٰ شراب پر مشک کی نفیس ترین سیل لگی ہوگی۔اور یا یہ مطلب ہے کہ یہ شراب جب پینے والوں کے حلق سے اترے گی تو اس میں مشک کی خوشبو مہکے گی۔دنیا کی شرابوں کی طرح اس میں بدبو کا بھپکا رانہیں اٹھے گا اور نہ پیتے ہوئے بدذائقہ اور بدمزہ ہوگی اور نہ اس میں سڑاند محسوس ہوگا۔ بلکہ دماغ معطر رہے گا۔

وفی ذٰلک فلیتنافس. یعنی دنیا کی گندی شراب تو لائق التفات نہیں ہوتی۔مگر یہ شراب طہور تو اس لائق ہوگی کہ اس پر طلب گاروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جائیں گے۔

ومزاجہ من تسنیم۔تسنیم کے معنی بلندی کے ہیں۔ممکن ہے نہر تسنیم بلندی سے بہتی ہو۔مقرب لوگوں کو تو خالص تسنیم کی شراب ملے گی اور ابرار کو اس کی ملفوفی دی جائے گی۔جو بطور عرق گلاب وغیرہ ان کی شراب میں آمیزش ہوگی۔

دوسروں پر ہنسنے کا انجام بد:.........ان الذین اجرموا . دنیا میں نیک و بدلوگوں کا جو طرز عمل رہا ہوگا۔آخرت میں اس کا ردعمل ظاہر ہوگا۔دنیا میں کچھ بے وقوف لوگ مسلمانوں پر اس لئے ہنستے تھے کہ انہوں نے جنت کی خیالی لذتوں کی خاطر یہاں کی محسوس نعمتوں کو چھوڑ دیا ہے۔چنانچہ جب مسلمانوں کے پاس سے ہو کر یہ لوگ گزرتے تھے۔تو تمسخرانہ انداز میں آنکھ مارتے ہوئے جایا کرتے تھے اور جب اپنے گھروں اور مجلسوں میں لوٹتے تو یہ سوچتے ہوئے پلٹتے کہ مسلمان کتنے احمق ہیں کہ جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم ہوگئے اور آج ہم نے مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔بس مزہ آگیا اور ان پر پھبتیاں اور آوازے کس کر خوب لطف آگیا اور ان کی اچھی گت بنادی غرض کہ کافر خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کستے تھے اور اپنے عیش وعشرت پر مغرور ومفتوت ہوکر یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا ہی طور طریق ٹھیک ہے تب ہی تو ہمیں یہ نعمتیں مل رہی ہیں۔

واذا راوھم . یعنی مسلمانوں کو دیکھ کر کافر طعن کرتے تھے کہ ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ جنت دوزخ کے چکر میں پڑ کر دنیاوی فائدوں اور لذتوں سے محروم ہوگئے۔اور ہر قسم کی مشکلات ومصائب کو دعوت دے رکھی ہے۔بھلا نقد کے ہوتے ہوئے ادھار کو ترجیح دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔موہوم توقعات کے خیال سے موجود عیش کو تج دیا ہے اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال رکھی ہے اور خود کو کھپا رکھا ہے اور لاحاصل مشقتوں کو کمالات حقیقی کا نام دے لیا ہے۔کیا یہ کھلی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھر بار اور عیش و آرام کو قربان کر کے ایک شخص کے پیچھے ہولیے۔اور اپنے آبائی مذہب ودین کو بھی چھوڑ بیٹھے۔

ایک سبق آموز نصیحت:.........وما ارسلوا علیھم حافظین . اس مختصر جملہ میں ان مذاق اڑانے والوں کو بڑی سبق آموز تنبیہ کی گئی ہے۔یعنی بالفرض مسلمانوں کی راہ غلط ہے۔لیکن وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں۔جس چیز کو وہ حق سمجھتے ہیں وہ اس پر گامزن ہیں تم ان پر فوجدار کیوں ہو۔آخر یہ لوگ مسلمانوں کے نگہبان کیوں بنے۔اپنی احمقانہ تباہ کاریوں سے تو آنکھیں بند ہیں۔اپنی اصلاح کی تو فکر نہیں اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ بتلا رہے ہیں اور جو انہیں نہیں چھیڑتا اسے چھیڑ رہے ہیں۔اور جو انہیں تکلیف نہیں دیتے، انہیں ستا رہے ہیں۔

فالیوم الذین۔یعنی قیامت کے دن مسلمان کافروں پر ہنسیں گے۔کہ یہ لوگ کتنے ناسمجھ اور احمق ہیں۔جنہوں نے

ناپائیدار اور فانی دنیا میں دل لگائے رکھا۔ اور آخرت کی پائیدار باقی رہنے والی نعمتوں کو نظر انداز کئے رکھا۔ نفیس چیزوں کے مقابلہ میں خسیس چیزوں پر اکتفا کر لیا۔ آج دوزخ کا دائمی عذاب کس طرح بھگت رہے ہیں۔ غرض مسلمان اپنی خوش حالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کریں گے۔

هل ثوب الكفار۔ یعنی آخر مل گیا نہ کافروں کو اپنی کرنے کا پھل۔ اس فقرہ میں ایک لطیف طنز ہے کہ جو کافر دنیا میں مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے۔ آج ان کا حال مضحکہ خیز ہو رہا ہے۔ اب مسلمان ان کی گذشتہ حماقتوں کو یاد کر کے ہنستے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ان کے اعمال کا انہیں خوب ثواب ملے گا۔

خلاصہ کلام:............اس سورت میں بھی زیادہ تر آخرت ہی کا بیان ہے۔ شروع کی چھ آیات میں کاروباری لوگوں کی اس عام بے ایمانی پر گرفت کی جارہی ہے۔ جو لین دین کے وقت کرتے رہتے ہیں۔ لیتے ہیں تو ناپ تول پورا کرتے ہیں۔ لیکن دیتے وقت دونوں میں کٹوتی کرتے ہیں۔ بہر حال معاشرے کی بے شمار خرابیوں میں سے یہ خرابی بھی آخرت سے غفلت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب تک لوگوں کو یہ احساس نہ ہو کہ خدا کے سامنے سب کو پیش ہونا ہے اور کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہے۔ اس وقت تک یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے معاملات میں کامل امانت و دیانت کا راستہ اختیار کریں۔ آدمی میں سچی دیانت داری صرف خدا کے خوف اور آخرت کے یقین ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد ساتویں آیت سے سترہویں آیت تک واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ بدکار لوگوں کی مسلیں تیار ہو کر محفوظ ہو رہی ہیں۔ جن کے مطابق آخرت میں ان کو انتہائی تباہی سے دوچار ہونا ہوگا۔ پھر اٹھارہویں آیت سے اٹھائیسویں آیت تک نیکو نیکوکاروں کے شاندار نتیجہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے دفتر اعمال پر بھی مقرب فرشتے مامور ہیں۔ پھر آخر میں ایمانداروں کو تسلی دی گئی ہے اور کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم آج مسلمانوں کا مذاق اڑالو۔ مگر قیامت کے روز اس کا انجام بد بھی تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ اس وقت اہل ایمان تم پر ہنسیں گے اور اپنی آنکھیں اور دل ٹھنڈا کریں گے۔

فضائل سورت:............من قرا سورة المطففين سقاه الله تعالىٰ من الرحيق المختوم . جو شخص سورہ مطففین پڑھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نفیس سربمہر شراب سے سیراب فرمائے گا۔

لطائف سلوک:............كلا بل ران . اس آیت سے گناہوں اور شرک وکفر کی ظلمت کا قلب میں ہونا صراحۃً معلوم ہو رہا ہے صوفیاء کے کلام میں بھی بکثرت اس کا ذکر ہے۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ثَلٰثٌ اَوْ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ **وَاَذِنَتْ** سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِي الْاِنْشِقَاقِ **لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾** اَيْ حَقَّ لَهَا اَنْ تَسْمَعَ وَتُطِيْعَ **وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾** زِيْدَ فِيْ سَعَتِهَا كَمَا يُمَدُّ الْاَدِيْمُ وَلَمْ يَبْقَ عَلَيْهَا بِنَاءٌ وَّلَا جَبَلٌ **وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا** مِنَ الْمَوْتٰى اِلٰى ظَاهِرِهَا **وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾** عَنْهُ **وَاَذِنَتْ** سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِيْ ذٰلِكَ **لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾** وَذٰلِكَ كُلُّهٗ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَوَابُ اِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ تَقْدِيْرُهٗ لَقِيَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهٗ **يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ** جَاهِدٌ فِيْ عَمَلِكَ **اِلٰى لِقَاءِ رَبِّكَ** وَهُوَ الْمَوْتُ **كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾** اَيْ مُلَاقٍ عَمَلَكَ الْمَذْكُوْرَ مِنْ خَيْرٍ اَوْ شَرٍّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ **فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ** كِتَابَ عَمَلِهٖ **بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾** وَهُوَ الْمُؤْمِنُ **فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾** هُوَ عَرْضُ عَمَلِهٖ عَلَيْهِ كَمَا فُسِّرَ فِيْ حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَفِيْهِ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ وَبَعْدَ الْعَرْضِ يَتَجَاوَزُ عَنْهُ **وَّيَنْقَلِبُ اِلٰى اَهْلِهٖ** فِي الْجَنَّةِ **مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾** بِذٰلِكَ **وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾** هُوَ الْكَافِرُ تُغَلُّ يُمْنَاهُ اِلٰى عُنُقِهٖ وَتُجْعَلُ يُسْرَاهُ وَرَاءَ ظَهْرِهٖ فَيَاخُذُ بِهَا كِتَابَهٗ **فَسَوْفَ يَدْعُوْا** عِنْدَ رُؤْيَةِ مَا فِيْهِ **ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾** يُنَادِيْ هَلَاكَهٗ بِقَوْلِهٖ يَا ثُبُوْرَاهُ **وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾** يَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِيْدَةَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِ الصَّادِ وَتَشْدِيْدِ اللَّامِ **اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ** عَشِيْرَتِهٖ فِي الدُّنْيَا **مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾** بَطَرًا بِاتِّبَاعِهٖ لِهَوَاهُ **اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾** يَرْجِعَ اِلٰى رَبِّهٖ **بَلٰىۚ** يَرْجِعُ اِلَيْهِ **اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾** عَالِمًا بِرُجُوْعِهٖ اِلَيْهِ **فَلَاۤ اُقْسِمُ** لَا زَائِدَةٌ **بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾** هُوَ الْحُمْرَةُ فِي الْاُفُقِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ **وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾** جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا **وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾** اِجْتَمَعَ

وَتَمَّ نُوْرُهٗ وَذٰلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبِيْضِ **لَتَرْكَبُنَّ** اَيُّهَا النَّاسُ اَصْلُهٗ تَرْكَبُوْنَنَّ حُذِفَتْ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الْاَمْثَالِ وَالْوَاوُ لِاِلْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ** ﴿۱۹﴾ حَالًا بَعْدَ حَالٍ وَهُوَ الْمَوْتُ ثُمَّ الْحَيَاةُ وَمَا بَعْدَهَا مِنْ اَحْوَالِ الْقِيَامَةِ **فَمَالَهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **لَايُؤْمِنُوْنَ** ﴿۲۰﴾ اَيْ اَيُّ مَانِعٍ لَّهُمْ مِّنَ الْاِيْمَانِ اَوْ اَيُّ حُجَّةٍ لَّهُمْ فِي تَرْكِهٖ مَعَ وُجُوْدِ بَرَاهِيْنِهٖ **وَ** مَالَهُمْ **اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَايَسْجُدُوْنَ** ﴿۲۱﴾ السجدة ۱۳ يَخْضَعُوْنَ بِاَنْ يُّؤْمِنُوْا بِهٖ لِاِعْجَازِهٖ **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ** ﴿۲۲﴾ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَايُوْعُوْنَ** ﴿۲۳﴾ يَجْمَعُوْنَ فِي صُحُفِهِمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيْبِ وَاَعْمَالِهِمُ السُّوْءِ **فَبَشِّرْهُمْ** اَخْبِرْهُمْ **بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** ﴿۲۴﴾ مُؤْلِمٍ **اِلَّا** لٰكِنِ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ** ﴿۲۵﴾ غَيْرُ مَقْطُوْعٍ وَّلَا مَنْقُوْصٍ وَّلَا يُمَنُّ بِهٖ عَلَيْهِمْ ۲۵ ع ۹

سورہ انشقاق مکیہ ہے جس میں ۲۳ یا ۲۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:............ آسمان جب پھٹ جائے گا اور سن لے گا (پھٹنے کا حکم سن کر مان لے گا) اپنے پروردگار کا حکم اور وہ اس لائق ہے (یعنی سننا اور ماننا اس کے لئے لائق ہے) اور زمین جب کھینچ کر بڑھادی جائے گی (چمڑے کی طرح اس کی وسعت بڑھ جائے گی، اس پر کوئی عمارت اور پہاڑ نہیں رہے گا) اور اگل دے گی اپنے اندر کی چیزیں (مردے باہر کردے گی) اور خالی ہوجائے گی اور سن لے گی (سن کر مان جائے گی) اپنے پروردگار کا حکم اور وہ اس لائق ہے (یہ تمام باتیں قیامت کے دن ہوں گی۔ اذا اور اس کے معطوف کا جواب محذوف ہے بعد کی عبارت اس پر دلالت کررہی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **لقی الا نسان عمله**) اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے (مرنے) تک (کام میں) کوشش کررہا ہے، پھر اس سے جاملے گا (یعنی قیامت میں اپنے اس اچھے برے کام سے جاملے گا) پس جس شخص کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں آئے گا۔ (یعنی مؤمن) سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا (صرف اس کو نامہ اعمال دکھلا کر درگزر کردیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ جس کے حساب میں پوچھ گچھ کا سلسلہ ہوگا وہ تباہ ہوجائے گا) اور (جنت میں) اپنے متعلقین کے پاس (اس کی وجہ سے) خوش خوش واپس ہوگا۔ لیکن جس شخص کا اعمال نامہ پیٹھ پیچھے سے ملے گا (یعنی کافر جس کا داہنا ہاتھ گردن پر اور بایاں کمر کے پیچھے بندھا ہوگا جس سے وہ نامہ عمل تھامے ہوگا) سو وہ (دیکھتے ہی) موت کو پکارے گا (ہائے تباہی چلائے گا) اور دوزخ (کی دہکتی ہوئی آگ) میں داخل ہوگا۔

ایک قرأت میں ضمہ یا اور فتحہ صاد اور تشدید لام کے ساتھ) یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش بخوش رہا کرتا تھا (نفس کی پیروی پر اترایا کرتا تھا) اس نے خیال کررکھا تھا کہ اس کو (ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے اصل انه تھا) لوٹنا نہیں (اپنے پروردگار کے پاس جانا نہیں) کیوں (رب کے پاس لوٹنا) نہیں؟ اس کا پروردگار اس کو خوب دیکھتا تھا (اس کے پاس لوٹنے کو جانتا تھا) سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں (لا زائد ہے) شفق کی (سورج غروب ہونے کے بعد کی سرخی) اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے (جانور وغیرہ جن پر رات آتی ہے) اور چاند کی جب وہ پورا ہوجائے (اس کا نور مکمل ہوجائے۔ چاندنی راتوں میں) کہ تم لوگوں کو ضرور الٹ پلٹ ہونا ہے (اس کی اصل لتر کبو ننن تھی۔ نون رفع کو مسلسل نونوں کی وجہ سے حذف کردیا گیا اور واؤ انعقاد ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگیا) ایک حالت سے دوسری حالت پر (مختلف کیفیات پر یعنی موت پر دوبارہ زندگی۔ پھر اس کے بعد احوال قیامت) سو ان لوگوں

(کافروں) کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے (یعنی ایمان لانے میں آخر کیا رکاوٹ ہے یا ایمان چھوڑنے کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے۔ جب کہ اس کے موجود ہونے کے دلائل پائے جاتے ہیں) اور (انہیں کیا ہو گیا کہ (جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو کیوں نہیں جھکتے (تواضع اختیار کر کے قرآن کے اعجاز کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے) بلکہ یہ کافر (قیامت وغیرہ کو) جھٹلاتے ہیں، اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں (اپنے اعمال ناموں میں کفر و تکذیب اور برے اعمال) سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری (اطلاع) سنا دیجئے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے، ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں ہے (نہ موقوف ہوگا اور نہ کم اور نہ اس کا ان پر احسان جتلایا جائے گا۔)

تحقیق وترکیب:............**انشقت**. دوسری آیت میں ہے۔ **یوم تشقق السماء بالغمام** دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ **تنشق بالمجرة** . مجرہ کہکشاں کو کہتے ہیں۔ بہر حال اس کے بعد فرشتے اعمال نامے لے کر اتریں گے۔

واذا الارض. بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسری زمین ہوگی اور زمین سے مردوں کی طرح دفائن وخزائن بھی نکل پڑیں گے۔ اس وقت دجال کا ظہور بھی ہوگا۔ **یا ایھا الا انسان**، بقول سعیدؒ وقتادہؒ جنس انسان مراد ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اسود بن عبدالاسد مراد ہو اور بعض کے نزدیک ابی بن خلف اور بعض کے نزدیک تمام کفار مراد ہیں۔

انلئ کادح . **کدحه** بمعنی خدشہ۔ تعب ومشقت اٹھانا۔

فملقیه. اس کا عطف **کادح** پر ہو سکتا ہے اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ ای **فانت ملاقیه** . پہلی صورت میں مفرد کا مفرد پر اور دوسری صورت میں جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا۔ اور بعض نے اس کو اذا کا جواب مانا ہے اور ضمیر کا مرجع رب ہے۔ اور یا کدح ہے لیکن کدح کیونکہ فعل ہونے کی وجہ سے غیر باقی ہے۔ اس سے **قدح** کا ملنا ممکن نہیں۔ اس لئے جزاء قدح مراد ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے "**ملاق عملک**" سے اشارہ کیا ہے۔ اور امام رازیؒ نامہ اعمال کا ملنا مراد لیتے ہیں۔

بالشفق. ابن عمرؓ وابن عباسؓ شفق احمر مراد لیتے ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور صاحبینؒ اور ایک روایت امام اعظمؒ کی بھی ہے اور اسی پر فتوے ہے۔ لیکن ابو ہریرہؓ شفق ابیض مراد لیتے ہیں۔ امام اعظمؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ اگرچہ امام صاحبؒ نے اس سے رجوع فرمالیا ہے۔

وما وسق. **وسقه** . **فاتسق** . **واستوسق** کے معنی جمع کرنے اور چھپانے کے ہیں۔

مستوسقات لویجده سائقا. یا **وسیقه** سے ماخوذ ہے۔ اونٹوں کو ہٹانا۔

عن طبق. طبقہ کی جمع ہے۔ یعنی مختلف قسم کے اطباق اور **طبقا اطباق السماء بعد طبق** کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ جو شب معراج میں ہوا۔ جب کہ **لتر کبن** ۔ ابن کثیرؒ اور حمزہؒ اور کسائیؒ کی قراءت فتحا کی ہے۔ جس کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہوں تو اس صورت میں حالات شریفہ اور مراتب عالیہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

فمالهم. **فا** ترتیب کے لئے ہے۔ تغیرات علویہ اور سلفیہ، عظیم القدرت خالق پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے عاقل سے بعید ہے کہ اس پر ایمان نہ لائے اور اس کی اطاعت نہ کرے۔

لا یسجدون. اگر سجدہ تلاوت مراد ہے تب تو سجدہ اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ ورنہ انقیاد اور فرمانبرداری مراد ہے۔ غرض کہ اہل زبان پر تو اس کی بلاغت اثر انداز ہونی چاہئے۔ امام اعظمؒ اس سے سجدہ تلاوت کے واجب ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کو سن کر سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق نقل ہے۔ **انه سجد فیها وقال والله ما سجدت فیها**

الا بعد ان رایت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد فيها وعن ابن عباس ليس في المفصل سجدة وعن الحسن ايضا هي غير واجبة. احناف اور شوافع کے نزدیک قرآن میں چودہ سجدے ہیں۔ البتہ شوافع کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ نہیں ہے اور سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔ لیکن حنفیہ دوسرے سجدے کو سجدہ صلوٰۃ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں رکوع اسی کا قرینہ ہے۔ نیز شوافع کے نزدیک سورہ حم سجدہ میں ان كنتم اياه تعبدون پر سجدہ ہے۔ جیسا کہ ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ لیکن حنفیہ کے یہاں بعد کی آیت لا يسئمون پر سجدہ ہے۔ جیسا کہ ابن عمرؓ کا قول ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ بعد کی آیت کو شامل کیا جائے۔ کیونکہ سجدہ کی تاخیر جائز ہے تقدیم جائز نہیں ہے اور حدیث السجدة علىٰ من سمعها وعلى من تلاها کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک قاری اور سامع دونوں پر سجدہ واجب ہے۔ کیونکہ علی وجوب کے لئے آتا ہے اور سامع میں مقتدی کی قید ہے۔ نیز جب اس آیت کی رو سے مطلق سامع پر سجدہ واجب ہے تو قاری پر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ اور سجدہ تلاوت کی شرائط بعینہ شرائط نماز ہیں مثلاً: طہارت۔ استقبال قبلہ ستر عورت وغیرہ۔ البتہ سجدہ تلاوت صرف دو تکبیروں کے درمیان ہوگا نہ تحریمہ ہے نہ تشہد اور نہ سلام ہوگا خواہ کھڑے ہو کر تکبیر کہتے ہوئے، سجدے میں جائے یا بیٹھے ہوئے۔ امام کے تلاوت کرنے سے خود اس پر اور مقتدیوں اور نماز کے باہر سننے والے پر سجدہ کرنا ضروری ہوگا۔ البتہ رکوع میں سجدہ تلاوت کا تداخل ہوسکتا ہے۔ مجلس یا آیت سجدہ بدلنے سے دوسرا سجدہ واجب ہو جائے گا البتہ ایک ہی مجلس میں ایک آیت سجدہ بار بار پڑھی اور پھر بار بار سجدہ نہیں کیا تو آخر میں ایک ہی سجدہ کافی ہو جائے گا۔ البتہ اگر پہلے سجدہ کر کے پھر دوبارہ تلاوت کرے تو دوسرا سجدہ کرنا ہوگا۔ علیٰ ہذا آیت سجدہ ایک ہے اور مجالس متعدد تو سجدے بھی متعدد ہو جائیں گے۔

بما يوعون. ایعاء کے معنی برتن میں جمع کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ فرماتے ہیں۔ مما يسرون ويكتمون في صدور هم من الكفر و العداوة الا الذين. مفسرؒ نے لکن سے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے اور کفار میں سے اگر ایمان لانے والے اور تائب مراد ہوں تو پھر استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے۔

غير ممنون. من معنی قطع سے ہے اور منۃ سے اگر مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان پر اجر کا احسان نہیں جتلایا جائے گا۔ پہلے معنی ابن عباسؓ سے منقول ہیں اور دوسرے معنی حسن بصریؒ سے نقل ہیں۔ مفسر نے عموم مشترک کے طور پر دونوں معنی لئے ہیں۔

ربط آیات:......... سورہ انشقاق میں بھی پچھلی سورتوں کی طرح مجازات کی تفصیل ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کی ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات:......... الارض مدت. جابرؓ سے مرفوع روایت ہے۔ تمد الارض يوم القيامة مد الا ديم ثم لايكون لا بن ادم فيها الا موضع قدميه. حسابا يسيرا. صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ قال النبی صلی الله علیه وسلم من نوقش في الحساب عذب قالت فقلت اليس الله يقول فسوف يحا سب حسابا يسيرا قال ذلک ليس بالحساب لكن ذلک العرض ومن نوقش في الحساب هلک. لن يحور. قال ابن عباس ما عرفت تفسيره حتى سمعت اعرابية تقول لبنتها حوری ای ارجعي. لا يسجدون انه عليه السلام قراء اقترب فسجد من المؤمنين وقريش تصفق رؤ سهم فنزلت وعن انس صليت خلف ابي بكر و عمر و عثمان فسجدوا وقد صرح في الحسيني ان ابا هريرة سجد على قوله لا يسجدون وعليه اجعم وسجد بعضهم علىٰ اخر السورة.

﴿تشریح﴾:.........اس عبارت کے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ نہیں توڑے گئے تھے۔ بلکہ ان کا سارا زور اور آخرت اور قیامت کے انکار پر تھا۔ وہ اس پر کسی طرح یقین کر لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کہ قیامت کوئی چیز ہے اور سب کو خدا کے آگے حساب کے لئے پیش ہونا ہے۔

اذا السماء انشقت. آسمان کے پھٹنے کا حکم تکوینی مراد ہے۔ اور یہ کہ آسمان باوجود عالی شان ہونے کے اسی لائق ہے کہ اپنے مالک وخالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چوں چرا نہ کرے۔

پورا کرۂ زمین ہموار میدان ہو جائے گا:.........واذا الارض مدت. قیامت کے دن تمام انسانوں کو جو روز اول سے قیامت تک پیدا ہوئے ہوں گے بیک وقت زندہ کر کے خدا کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ اتنی بڑی آبادی کو جمع کرنے کے لیے ظاہر ہے کہ سمندر، دریا، پہاڑ، جنگل، گھاٹیاں، اونچ نیچ سب دور کر کے پورے کرہ زمین کو ایک ہموار میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اور یا اس پوری سرزمین کو ربڑ کی طرح وسیع اور کشادہ کر دیا جائے گا۔ تاکہ اس پر سارے انسان کھڑے ہونے کی جگہ تو پا سکیں جیسا کہ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز زمین ایک دسترخوان کی طرح پھیلا کر بچھا دی جائے گی۔ پھر انسانوں کے لیے اس پر صرف قدم رکھنے کی جگہ ہوگی۔ آیت "یوم تبدل الارض" کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تبدیلی ذاتی اور وصفی بھی ہو یا صرف وصفی۔ والقت. زمین مردوں کے اجزا اور خزانے سب کے سب اُگل دے گی اسی طرح اعمال کی جو شہادتیں اس کے اندر موجود ہوں گی وہ بھی سب باہر آجائیں گی کوئی چیز چھپی یا دبی نہ رہ جائے گی بس خالی زمین رہ جائے گی۔

انسان محنت کر کے اپنی عاقبت سنوارتا یا بگاڑتا ہے:.........یاایھا الانسان. یعنی یہ سارا جہاں جب اللہ کی تکوین کے زیر نگین ہے پھر اے انسان! تجھے کیا ہے کہ تو اس کے حکم تشریعی سے سرتابی کر سکے۔ وہ ساری تگ ودو اور دوڑ دھوپ جو انسان دنیا میں کر رہے ہیں اور یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہے۔ لیکن فی الحقیقت شعوری اور غیر شعوری طور پر کشاں کشاں وہ اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہے اور آخرکار ایک دن وہیں پہنچ کر اعمال کی جواب دہی کے لیے پیش ہونا ہے انسان دنیا میں اپنی استعداد کے مطابق مختلف قسم کی جدوجہد کر رہا ہے کوئی اللہ کی اطاعت وفرمابرداری میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے اور کوئی اس کی نافرمانی اور بدی میں جان کھپاتا ہے اسی طرح گویا اپنے رب کے پاس پہنچنے کا راستہ فراہم کر رہا ہے جہاں پہنچ کر اسے اعمالنامہ کے مطابق جزا یا سزا بھگتنی پڑے گی۔

آسان حساب:.........حسابا یسیرا. آسان حساب کا مطلب یہ ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو نماز میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ "خدایا مجھ سے ہلکا حساب لے" آپ نے جب سلام پھیرا تو میں نے اس کا مطلب پوچھا آپ نے فرمایا کہ حساب سے مراد یہ ہے کہ بندے کے نامۂ اعمال کو دیکھا جائے گا اور اس سے درگزر کیا جائے گا اے عائشہؓ! اس روز جس سے پوچھ گچھ کی گئی وہ مارا گیا بہرحال آسان حساب کی مختلف صورتیں ہوں گی اول تو یہی کہ سرسری طور پر اعمال کی پیشی ہوگی ان پر نہ مناقشہ ہوگا اور نہ عذاب دوسری صورت تو یہ ہے کہ عذاب تو ہوگا مگر دوامی عذاب نہیں۔ لہٰذا اعمال کے مطابق وقتی عذاب ہوگا پہلی صورت خواص کے لیے اور دوسری عام مومنین کے لیے ہوگی اور جن بدکاروں سے بات بات پر گرفت ہوگی وہ سخت حساب کا شکار ہوں گے۔

نیکوں اور بدوں کے مختلف انجام: .... وینقلب. اپنے لوگوں کا مطلب وہ رشتہ دار متعلقین اور ساتھی ہیں جن کو اسی کی طرح معاف کر دیا ہوگا اور مسرور ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ نہ اسے سزا کا خوف رہے گا اور نہ اللہ کی خفگی کا کھٹکا نہایت اطمینان وسکون سے اپنے عزیزوں دوستوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئے گا۔

وراء ظھـــرہ. بدکاروں کا نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا گویا فرشتے سامنے سے اس کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے اور اس طرح کراہیت کا اظہار کیا جائے گا۔ یا پیچھے کو مشکیں بندھی ہوئی ہوں گی۔ اس لیے نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے دینے کی نوبت پیش آئے گی۔ داہنی جانب اور اس کے فرشتے اسی طرح بائیں جانب اور اس سے متعلق فرشتے چونکہ پہلے ہی اچھائی برائی میں امتیاز کے لیے طے شدہ ہیں۔ اس لیے اس کا اظہار اس موقعہ پر بھی ہوگا۔

بل ھو ثبورا. عذاب کی ہولناکی کو دیکھ کر اضطراراً موت مانگے کہ شاید اسی کی بدولت اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے۔

انہ کا ن فی اھلہ ثبورا. یعنی بدکار کا حال دنیا میں نیکوکاروں سے مختلف تھا۔ نیک لوگ تو اپنے گھروں میں خوف خدا کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے کہ کہیں انہیں پھنس کر، وران کی دنیا بنانے کے پیچھے اپنی عاقبت نہ برباد کریں۔ لیکن بدکار آدمی دنیا میں آنند کے تار اور چین کی بانسری بجاتا تھا اور لوگوں کے حقوق مار کر حرام خوریاں کر کے خوب عیش اڑاتا تھا اور بال بچوں کو مزے کی زندگی بسر کراتا تھا اور کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا تھا کہ خدا کو اس کا حساب بھی دینا ہے آج اس کا بدلہ یہ ہے کہ سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا۔ اور جو دنیا میں رہ کر آخرت کے غم میں گھلے جا رہے تھے وہ آج مطمئن ومسرور ہوں گے کافر دنیا میں مسرور رہتا ہے اور مومن آخرت میں مسرور ہوں گے۔ انہ ظن. اس بدبخت کو کبھی یہ خطرہ بھی نہیں گزرا کہ خدا کے پاس مجھے واپس بھی جانا ہے اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اس لیے گناہوں اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔

اللہ کے عدل وانصاف کا تقاضا: .... کا ن بہ بصیرا. اللہ کے انصاف اور اس کی حکمت سے بعید تھا کہ جو کرتوت وہ کر رہا تھا ان کو وہ نظر انداز کر دیتا۔ اور اس سے باز پرس نہ کرتا۔ بھلا جو خدا انسان کو پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا رہا۔ کہ اس کا بدن کس کس چیز سے بنا اس کی روح کہاں سے آئی اس نے کیا کیا عقیدے رکھے کیا کیا عمل کئے، دل میں کیا بات رہی زبان سے کیا بات کہی، ہاتھ یا کان سے کیا کام کئے، مرنے کے بعد روح کہاں پہنچی۔ بدن کے اجزا بہہ کر کہاں کہاں گئے؟ کیا اتنی واقفیت کے بعد یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسے یوں ہی مہمل چھوڑ دے گا۔ اور اپنے سامنے دودھ کا دودھ پانی کا پانی نہیں کرے گا۔

بـــالشـفـق. سورج ڈوبنے کے بعد شفق کی سرخی پھر اجالا پن، دن کے بعد رات کی تاریکی اور اس میں بہت سے انسانوں اور جانوروں کا تلاش معاش میں سرگرداں رہنے اور ادھر ادھر منتشر ہونے کے بعد اپنے ٹھکانوں پر سمٹ آنا۔ اور چاند کا ہلال سے درجہ بدرجہ بڑھ کر بدر کامل ہونا یہ وہ چند چیزیں ہیں جو اس بات کی علانیہ شہادت دے رہی ہیں کہ جس کائنات میں انسان رہتا ہے اس میں کہیں ٹھہراؤ نہیں ہے ایک مسلسل تغیر اور درجہ بدرجہ تبدیلی ہر طرف پائی جاتی ہے لہٰذا منکرین قیامت کا یہ خیال صحیح نہیں کہ موت کی آخری ہچکی آتے ہی معاملہ ختم ہو جائے گا بلکہ جس طرح اس ناسوتی زندگی کے بچپن سے لے کر موت تک مختلف مراحل طے کئے ہیں اسی طرح موت سے برزخ تک اور دوبارہ زندہ ہو کر حشر تک اور وہاں سے حساب کتاب، جزا، سزا تک بے شمار مراحل اور منزلیں طے کرنی لازمی ہیں اس مضمون پر تین قسمیں کھا کر یقین دلایا گیا ہے۔ فمالھم لایومنون. انسان ایک معمولی سفر پر جاتا ہے تو اس کے لیے مناسب تیاری اور زادراہ فراہم کرنا ہوتا ہے اور یہ سفر تو نہایت طویل اور منزل انتہائی کٹھن ہے اسکی تیاری تو مکمل اور وہاں کے شایان شان توشہ ہونا چاہیئے۔

قرآن کے ادب کا تقاضہ:......... واذا قرئ. یعنی اگر ان کی عقل ان حالات کا ادراک نہیں کرسکتی تو انہیں لازم تھا کہ قرآن پاک سے روشنی حاصل کرتے۔ لیکن اس کے برعکس ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان سن کر بھی ذرا عاجزی اور انکساری کا اظہار نہیں کرسکتے۔ ان کے دل میں خوف خدا پیدا نہیں ہوتا اور اس کے آگے نہیں جھکتے۔ حتیٰ کہ مسلمان قرآن کی آیات سن کر جب سجدہ تلاوت کرتے ہیں تو انہیں سجدہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی ان میں سے مغرور سر جھکانے کی بجائے تمسخرانہ انداز سے زمین کی مٹی پیشانی سے لگالیتا ہے۔

بل الذین کفروا. یعنی اتنا ہی نہیں کہ قرآن کی آیات سن کر جھکتے نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ان کو زبان سے جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو کچھ بغض وعناد اور نفرت کا خمار بھرا ہوا ہے اسے تو خدا ہی خوب جانتا ہے۔

فبشرھم. اس لیے انہیں خوشخبری سنا دیجئے کہ جو کچھ وہ بو رہے ہیں اس کا پھل ضرور ملے گا اور نتائج عمل سے محروم نہیں رہیں گے۔

خلاصۂ کلام:.......... شروع کی پانچ آیات میں قیامت کی کیفیات اور اس کے برحق ہونے کی دلیل فرمائی گئی ہے چنانچہ آسمان کا پھٹنا۔ زمین پھیلا کر ہموار میدان کر دینا، زمین میں جو کچھ چیزیں ہیں۔ ان کو باہر نکال دینا حتیٰ کہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہ جائے گا یہ قیامت کی کیفیات ہیں اور دلیل کا حاصل یہ ہے کہ آسمان زمین سب اللہ کے کلام کے آگے مسخر ہیں اور چونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں اس لیے ان کے لیے سراسر یہی موزوں ہے کہ وہ حکم رب کے آگے سرتابی نہ کرسکیں بلکہ سرنگوں رہیں۔

اس کے بعد چھٹی آیت سے انیسویں آیت تک یہ ارشاد ہے کہ انسان خواہی نخواہی اپنی اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں جہاں سے رب کی پیشی میں کھڑا ہونا ہے پھر انسان دو حصوں میں بٹ جائیں گے جن کے اعمالنامے داہنے ہاتھوں میں ہوں گے۔ وہ تو پیشی کے ساتھ ہی چھوٹ جائیں گے اور کچھ تھوڑی بہت سزا ہوگی لیکن جس کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا۔ ان کا حال تو یہ ہوگا کہ وہ موت کو غنیمت سمجھیں گے۔ لیکن انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اس بھلاوے میں رہے کہ انہوں نے جواب دہی کے لیے کبھی خدا کے حضور حاضر ہونا نہیں ہے۔ حالانکہ ان کا رب سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اعمال کی بازپرس سے بچ جائیں جس طرح سورج چھپنے کے بعد شفق کا نمودار ہونا۔ دن کے بعد رات کا آنا اور اس میں انسان اور حیوانات کا اپنے بسیروں کی طرف چلنا اور چاند کا ہلالی سے ماہ کامل بننا یقینی ہے اسی طرح ان کا دنیاوی زندگی سے آخرت کی جزا سزا تک مرحلہ وار پہنچنا بھی ہے۔

آخر میں ان کفار کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے جو قرآن سنکر اللہ کے آگے سرنگوں ہونے کی بجائے الٹا جھٹلانے لگتے ہیں اسی طرح جو لوگ ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں انہیں بے حساب اجر کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

فضائل سورت:.......... من قرء سورۃ انشقت اعاذہ اللہ تعالیٰ ان یعطیہ کتا بہ من ورائہ.

ترجمہ:..... جو شخص سورہ انشقت پڑھے گا اللہ اسے نامہ عمال پشت کی جانب سے دیئے جانے سے محفوظ رکھے گا

لطائف سلوک:.......... لتر کبن طبقا عن طبق. ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی مراتب قرب میں مرحلہ وار ترقی مراد ہے آپ کے عرفاء کے مراتب واحوال کی بھی یہی شان ہے۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴿۱﴾ لِلْكَوَاكِبِ اِثْنَا عَشَرَ بُرْجًا تَقَدَّمَتْ فِي الْفُرْقَانِ **وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴿۲﴾** يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **وَشَاهِدٍ** يَوْمِ الْجُمُعَةِ **وَّمَشْهُوْدٍ﴿۳﴾** يَوْمِ عَرَفَةَ كَذَا فُسِّرَتِ الثَّلٰثَةُ فِي الْحَدِيْثِ فَالْاَوَّلُ مَوْعُوْدٌ بِهٖ وَالثَّانِيْ شَاهِدٌ بِالْعَمَلِ فِيْهِ وَالثَّالِثُ يَشْهَدُهُ النَّاسُ وَالْمَلَائِكَةُ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ صَدْرُهٗ اَيْ لَقَدْ **قُتِلَ** لُعِنَ **اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴿۴﴾** الشَّقِّ فِي الْاَرْضِ **النَّارِ** بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنْهُ **ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴿۵﴾** مَاتُوْقَدُ فِيْهِ **اِذْهُمْ عَلَيْهَا** اَيْ حَوْلَهَا عَلٰى جَانِبِ الْاُخْدُوْدِ عَلَى الْكَرَاسِيِّ **قُعُوْدٌ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ** بِاللّٰهِ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِالْاِلْقَاءِ فِي النَّارِ اِنْ لَّمْ يَرْجِعُوْا عَنْ اِيْمَانِهِمْ **شُهُوْدٌ﴿۷﴾** حُضُوْرٌ رُوِيَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْجَى الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُلْقِيْنَ فِي النَّارِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِهِمْ قَبْلَ وُقُوْعِهِمْ فِيْهَا وَخَرَجَتِ النَّارُ اِلٰى مَنْ ثَمَّ فَاَحْرَقَتْهُمْ **وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَمِيْدِ﴿۸﴾** الْمَحْمُوْدِ **الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴿۹﴾** اَيْ مَا اَنْكَرَ الْكُفَّارُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَّا اِيْمَانَهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ** بِالْاِحْرَاقِ **ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ﴿۱۰﴾** اَيْ عَذَابُ اِحْرَاقِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَقِيْلَ فِي الدُّنْيَا بِاَنْ خَرَجَتِ النَّارُ فَاَحْرَقَتْهُمْ كَمَا تَقَدَّمَ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ** بِالْكُفَّارِ **لَشَدِيْدٌ﴿۱۲﴾** بِحَسَبِ اِرَادَتِهٖ **اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ** الْخَلْقَ **وَيُعِيْدُ﴿۱۳﴾** فَلَا يُعْجِزُهٗ مَا يُرِيْدُ **وَهُوَ الْغَفُوْرُ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمُذْنِبِيْنَ **الْوَدُوْدُ﴿۱۴﴾** الْمُتَوَدِّدُ اِلٰى اَوْلِيَائِهٖ بِالْكَرَامَةِ **ذُو الْعَرْشِ** خَالِقُهٗ وَمَالِكُهٗ **الْمَجِيْدُ﴿۱۵﴾** بِالرَّفْعِ الْمُسْتَحِقُّ لِكَمَالِ صِفَاتِ الْعُلُوِّ **فَعَّالٌ لِّمَا**

يُرِيدُ﴿۱۶﴾ لَايُعۡجِزُهٗ شَيۡءٌ **هَلۡ اَتٰىكَ** يَا مُحَمَّدُ **حَدِيۡثُ الۡجُنُوۡدِ**﴿۱۷﴾ **فِرۡعَوۡنَ وَثَمُوۡدَ**﴿۱۸﴾ بَدَلٌ مِنَ الۡجُنُوۡدِ وَاسۡتَغۡنٰى بِذِكۡرِ فِرۡعَوۡنَ عَنۡ اَتۡبَاعِهٖ وَحَدِيۡثُهُمۡ اَنَّهُمۡ اُهۡلِكُوۡا بِكُفۡرِهِمۡ وَهٰذَا تَنۡبِيۡهٌ لِمَنۡ كَفَرَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَالۡقُرۡاٰنِ لِيَتَّعِظُوۡا **بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِيۡ تَكۡذِيۡبٍ**﴿۱۹﴾ بِمَا ذُكِرَ **وَّاللّٰهُ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ مُّحِيۡطٌ**﴿۲۰﴾ لَاعَاصِمَ لَهُمۡ مِنۡهُ **بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ**﴿۲۱﴾ عَظِيۡمٌ **فِيۡ لَوۡحٍ** هُوَ فِي الۡهَوَاءِ فَوۡقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ **مَّحۡفُوۡظٍ**﴿۲۲﴾ بِالۡجَرِّ مِنَ الشَّيَاطِيۡنِ وَمِنۡ تَغَيُّرِ شَيۡءٍ مِّنۡهُ وَطُوۡلُهٗ مَابَيۡنَ السَّمَاءِ وَالۡاَرۡضِ وَعَرۡضُهٗ مَابَيۡنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَهُوَمِنۡ دُرَّةٍ بَيۡضَاءَ قَالَهُ ابۡنُ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا

سورۂ بروج مکیہ ہے جس میں ۲۲ آیات ہیں
بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:.........قسم ہے برجوں والے آسمان کی (ستاروں کے بارہ برج ہیں جن کا بیان سورۂ فرقان میں گزر چکا ہے) اور اس (قیامت کے) دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے (جمعہ کے) دن کی اور اس دن کی جس میں حاضری ہوتی ہے (یعنی عرفہ کا روز، حدیث میں تینوں کی تفسیر اسی طرح آئی ہے پس قیامت کا دن وعدے کا دن ہے اور دوسرا دن عمل کا شاہد ہے اور تیسرے دن میں لوگ اور فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جواب قسم کا ابتدائی حصہ محذوف ہے یعنی لقد) ملعون ہوئے خندق (گڑھے) والے، آگ والے (بدل اشتمال ہے) بہت سے ایندھن کی (وہ چیز جس سے آگ جلائی جائے) جب کہ وہ اس خندق کے آس پاس (گڑھے کے اردگرد کرسیوں پر) بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (ایمان سے نہ ہٹنے کی صورت میں آگ میں جھونک کر سزا دینا) وہ دیکھ رہے تھے (موجود تھے۔ روایت ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو جنہیں اس آگ میں جھونکا گیا تھا نجات دے دی۔ اس طرح کہ آگ میں گرنے سے پہلے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ بیٹھے ہوؤں کی طرف لپکی اور انہیں بھسم کر ڈالا) اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لائے تھے جو (اپنے مسلک میں) زبردست اور اپنی ذات میں لائق حمد (محمود) ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور اللہ سب دیکھ رہا ہے (یعنی کفار نے مومنین کا رد صرف ان کے ایمان کی وجہ سے کیا ہے) جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں پر (آگ میں جلا ڈالنے کا) ظلم وستم توڑا ہے۔ اور پھر اس سے تائب نہ ہوئے یقیناً ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے (ان کے کافر ہونے کی وجہ سے) اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے (جو مسلمانوں کو آگ میں جلانے کے بدلہ میں آخرت میں ہوگی اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا ہی میں یہ سزا ہو چکی ہے کہ اس آگ نے باہر آ کر انہیں کو بھسم کر ڈالا ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ان کے لیے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور حقیقت (کفار کیلئے تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے (اس کے ارادہ کے مطابق) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے (مخلوق کو) اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا (وہ اپنے ارادہ میں عاجز نہیں ہوا ہے) وہی (گنہگار مومنوں کو) بخشنے والا ہے (اپنے اولیاء سے کرامت کے ذریعہ) محبت کرنے والا ہے۔ عرش والا ہے (اس کا خالق اور مالک ہے) عظمت والا ہے (یہ رفع کے ساتھ ہے۔ صفات عالیہ کے کمال کا مستحق ہے) جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے (اسے کوئی ہرا نہیں سکتا) کیا تمہیں (اے محمد!) لشکر کی خبر پہنچی ہے فرعون اور ثمود کے (جنود سے بدل ہے فرعون کے ذکر کے

بعد اس کے پیروکاروں کے ذکر کی ضرورت نہیں اور وہ خبر یہ ہے کہ وہ کفر کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ اور قرآن کے ساتھ کفر کرنے والوں کو اس میں تنبیہ ہے کہ وہ عبرت پکڑیں) بلکہ یہ کافر (ان باتوں کے) جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے (ان کو اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک باعظمت (بلند مرتبہ) قرآن ہے۔ لوح (ساتوں آسمان سے اوپر جو فضا) میں محفوظ ہے (جر کے ساتھ جو شیاطین اور کسی قسم کے ردوبدل سے محظوظ ہے۔ اس کی لمبائی آسمان زمین کے برابر اور چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر سفید موتی کا بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔

تحقیق و ترکیب: .... البروج. برج کے معنی ظاہر کے ہیں۔ برج سے ماخوذ ہے۔ حقیقۃ عرفیہ کے طور پر قصر عالی اور قلعہ معلّی کو کہتے ہیں۔ یہاں استعارہ تصریحیہ ہے۔ آسمان میں سورج کے منازل سیر مراد ہیں۔ ان بروج و منازل میں ثوابت تو مستقل قیام پذیر ہیں اور سیارات کی گردش رہتی ہے جیسا کہ محلات میں اکابر واشراف کا قیام اور آمد ورفت رہا کرتی ہے۔

علم ہیئت کی رو سے نویں یا آٹھویں آسمان میں اگر چہ یہ برج ہیں۔ لیکن چونکہ تمام آسمان آئینہ کی طرح شفاف اور صاف ہیں اس لیے السماء سے مراد جنس فلک ہے کہ دیکھنے والے کو سب میں نظر آتے ہیں۔ چھ دوائر عرض سے بارہ برج اس طرح متشکل ہوتے ہیں کہ ایک قطب دائرہ معدل النہار اور دائرہ منطقۃ البروج پر گزرتا ہے اور دوسرا خط نقطہ ربیعی اور خریفی پر گزرتا ہے اور باقی خطوط ان کے درمیان مان کر خربوزہ کی قاشوں کی طرح فرض کر لیا جاتا ہے ان بروج کے نام یہ ہیں

حمل۔ ثور۔ جوزاء۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بروج سے مراد منازل قمر ہوں اور وہ اٹھائیس ہیں اس لیے چاند اٹھائیس روز میں ان کو طے کرتا ہے اور ایک تا دو روز نظر نہیں آتا۔ اسی طرح دوسرے بڑے ستارے بھی ان منازل سے گزرتے ہیں ان منازل کو بروج ظاہر ہونے کی وجہ سے کہا گیا۔ حسی طور پر یہ منازل ظاہر نہیں۔ مگر علم ہیئت کے لحاظ سے ظاہر ہیں تیسری صورت یہ ہے کہ بروج سے مراد آسمان کے وہ دروازے اور راستے ہوں جن سے مصائب اور بلاؤں کا نزول ہوتا ہے۔

شاھد و مشھود ۔ جمعہ اور عرفہ کا دن مراد ہے۔ اور شاہد سے مخلوق اور مشہود سے عجائبات وغرائب ہو سکتے ہیں اور ان دونوں کو نکرہ ابہام فی الوصف فی الکثرت کے لیے ہوگا۔ اور شاہد سے نبی کریمؐ اور مشہور سے امت محمد یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یا پھر شاہد سے امت محمد یہ اور مشہور سے دوسری امتیں۔ شاہد سے ہر نبی اور مشہود سے اس کی ذات مراد لی جائے۔ اسی طرح شاہد سے خالق اور مشہود مخلوق یا اس کا برعکس بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ علی ہذا شاہد سے ملائکہ حفظہ اور مشہود سے مکلّف بندے اور شاہد سے یوم النحر یا عرفہ۔ اور مشہود سے حجاج یا روز جمعہ مراد ہوں۔ یا شاہد سے ہر روز اور مشہود سے روزانہ کی مخلوق مراد ہوگی۔ جواب ''ثمہ قتل اصحاب الاخدود'' سے پہلے مفسرؒ لقد محذوف مان کر نحو کے اس قاعدہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ماضی مثبت اگر معمول مقدم نہ ہو اور اس کو جواب قسم بنایا جائے تو اس پر لام اور قد دونوں لانے ضروری ہیں، ایک پر اکتفاء جائز نہیں۔ الا یہ کہ جواب قسم فاصلہ سے ہو جیسے والشمس وضحها والقمر اذاتلها والنهار اذا کے بعد قد افلح بغیر لام آرہا ہے یا ضرورت کی وجہ سے بھی لام حذف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ''قتل اصحاب الاخدود'' جواب محذوف کی دلیل ہے۔ ای انهم ملعونون کمالعن اصحاب الاخدود. اور جواب قسم محذوف ہوگا۔ ای الا مر حق فی جزاء. بہر حال قتل الخ بددعائیہ جملہ نہیں ہے۔

اخدود. خد کو کہتے ہیں جس کے معنی سرنگ کے ہیں۔ جیسا کہ الحق اور الاحقوق کے بھی یہی معنی ہیں۔

بالمومنین شھود. بادشاہ حمیرہ کی طرف سے خندق پر پہرہ دار مقرر تھے۔ کہ مومنین بھاگ نہ سکیں یا قیامت میں ہاتھ پاؤں

کی گواہی دینا مراد ہے۔

الا ان یؤمنوا۔ اگر چہ ان کا ایمان لانا ماضی میں ہو چکا تھا لیکن مستقبل کا صیغہ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی اصل ناگواری آئندہ ایمان پر برقرار رہنے میں تھی۔ اگر بالفرض وہ مرتد ہو جاتے تو پھر گذشتہ ایمان لائق درگزر رہتا۔ اور یہ استثناء ایسا ہی ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے۔

لاعیب فیھم غیران سیوفھم بھن فلول من خرائب الکتائب العزیز الحمید

غالب ہونے کی وجہ سے اس کے عتاب سے ڈرنا اور محمود ہونے کی وجہ سے اس کے ثواب سے امید رکھنی چاہیے۔

ان الذین فتنوا۔ اس سے عام کافر مراد ہیں جو مسلمانوں کو ستاتے ہوں۔ یا اصحاب الاخدود مراد ہیں۔ جن پر وہ آگ پلٹ پڑی اور وہ اس میں خود بھی بھسم ہو گئے۔

ان بطش۔ سخت پکڑ کو کہتے ہیں۔

ذوالعرش. ایک قرأت ذی العرش ہے۔ رب کی صفت ہو جائے گی اور عرش کے مجازی معنی ملک کے بھی ہو سکتے ہیں۔

المجید. حمزہؒ۔ کسائیؒ رب یا عرش کی صفت مانتے ہوئے مجرور پڑھتے ہیں۔

بل الذین اس میں احزاب ہے کہ کفار مکہ کی حالت سابق کفار کی حالت سے بدتر ہے۔

قران مجید۔ ایک قراءت اضافت کے ساتھ بھی ہے۔ ای قران رب مجید۔

لوح محفوظ۔ نافعؒ محفوظ رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ قرآن کی صفت ہے۔ اور لوح کو لُوح بھی پڑھا گیا ہے۔ ساتویں آسمان سے اوپر کی فضا جہاں لوح محفوظ ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورتوں میں مومن و کافر دونوں کی مجازات کا بیان تھا۔ سورہ بروج میں کفار کی مخالفت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو تسلی اور کفار کے لیے عذاب کی وعید ہے۔ پہلے لفظ کی وجہ سے اس کا نام سورہ بروج ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے۔ جب مسلمانوں پر انتہائی مظالم کر کے ایمان سے روکا اور برگشتہ کیا جا رہا تھا۔

روایات: .... والیوم الموعود۔ ابو مالک اشعریؓ اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ الشھود سے یوم النحر اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں شاھد سے مراد اللہ اور مشھود سے قیامت کا دن ہے اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں شاھد سے جمعہ اور مشھود سے عرفہ کا دن مراد ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ یوم موعود قیامت کا روز اور یوم مشھود عرفہ اور شاہد جمعہ ہے۔ اور وجہ مناسبت میں مطرد ہونا لازم نہیں ہے۔

اصحاب الاخدود۔ اس بارہ میں مرفوع روایت ہے۔ ان ملکا کان لہ ساحر فلما کبر ضم الیہ غلاماً یعلمہ وکان فی طریقہ راھب فمال قلبہ الیہ فرای فی طریقہ یوما دابۃ عظیمۃ قد حبست الناس فاخذ حجرًا وقال اللھم ان کان امر الراھب احب الیک من امر الساحر فاقتل ھذہ الدابۃ حتی یمضی الناس فرماھا فقتلھا وکان الغلام یبری الاکمہ والابرص ویشفی من الادواء وھی جلیس الملک فابراہ فسالہ عمن ابراہ فقال ربی فغضب فعذبہ تدل علی الغلام فعذبہ مذلی علی الراھب فقدم بالمستشار وارسل الغلام الی جبل لیطرح من ذروتہ فدعا فوحیف بالقوم فھلکو ونجا واجلسہ فی سفینۃ لیغرق فدعا فانکفت السفینۃ بمن معہ فغرقوا ونجا فقال للملک

لست بقاتلي حتى تجمع الناس وتقبلني وتاخذ سهمامن كنانتي وتقول باسم الله رب الغلام ثم ترميني به فرماه فوقع في صدغه ومات فامن الناس فامر باخاديد واوقدت فيهاالنارحران فمن لم يرجع منهم طرحه فيها حتى جاءت امراة معها صبي فتقاعست فقال الصبي يا اماه اصبري فانك على الحق فاقتحمت وعن عليؓ ان بعض ملوك المجوس خطب بالناس وقال ان الله احل نكاح الاخوات فلم يقبلوه فامر باخاديد النار وطرح فيها من ابى وقيل لماتنصر نجران خزاهم ذونواس اليهودى من حمير فاحرق في الاخاديد من لم يرتد. (بیضاوی)

﴿تشریح﴾: ....ذات البروج . ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، حسنؒ، بصریؒ، ضحاکؒ، سدیؒ اس سے آسمانی عظیم الشان ستارے مراد لیتے ہیں۔ اگر چہ مفسرؒ علام نے ہیئت کی اصطلاح پر تفسیر کی ہے۔ ان قسموں کو جواب قسم سے یہ مناسبت ہے کہ ان قسموں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان کا مالک ہے۔ پس ایسے مالک کی مخالفت باعث لعنت وسزا ہو جاتی ہے۔

اصحاب الاخدود ۔ متعدد واقعات وروایات میں آئے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اسی طرح کے مظالم بار بار دہرائے گئے ہیں۔ ایک واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ کسی زمانہ میں ایک بادشاہ کے پاس ایک جادوگر رہتا تھا۔ وہ جب بوڑھا ہوا تو بادشاہ سے عرض گزار ہوا کہ کسی لڑکے کو جادو سیکھنے کے لیے مقرر کیجئے۔ بادشاہ نے مقرر کر دیا۔ وہ لڑکا روزانہ ساحر کے پاس آیا جایا کرتا۔ اتفاق سے راستہ میں ایک درویش راہب بھی رہتا تھا۔ لڑکا اس کے پاس آتے جاتے مانوس ہو گیا اور ایمان لے آیا۔ تا آنکہ اس کی وجہ اور تربیت سے صاحب کرامت ہو گیا۔ بادشاہ نے جب اس کی کرامتوں اور ایمان کا چرچا سنا اور یہ کہ سب راہب کی فقیرانہ صحبت کا اثر ہے۔ تو اس نے پہلے تو راہب کو مار ڈالا۔ پھر لڑکے کو قتل کرنے کی مختلف تدبیریں کیں۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار خود لڑکے نے ہی کہا کہ اگر بادشاہ مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجمع میں میرے خدا کا نام لے کر میرے تیر مارے تو کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا مر گیا۔ اس سے لوگوں میں شورش ہوئی اور بیک وقت سب پکار اٹھے۔ کہ ہم بھی اس لڑکے کے خدا پر ایمان لے آئے۔ درباری لوگ بولے کہ یہ آپ نے کیا انقلاب برپا کر دیا.... یہ سن کر بادشاہ غضب ناک ہو گیا۔ اور سڑک کے کنارے گڑھے کھدوا ڈالے۔ پھر ان میں آگ بھروادی اور ایمان لانے والوں کو ان میں جھونک دیا۔

دوسرا واقعہ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ کسی ایرانی بادشاہ نے شراب پی کر اپنی بہن سے زنا کیا اور دونوں میں ناجائز تعلقات ہو گئے۔ لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ تو بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ خدا نے بہن سے نکاح حلال کر دیا ہے لوگوں کے گلوں سے جب یہ بات نہ اتری تو طرح طرح سے ان پر جبر کیا گیا۔ یہاں تک کہ جو اس کی اس بات سے انکار کرتا تو اسے پہلے سے تیار کئے ہوئے گڑھے میں دھکیل دیتا۔ چنانچہ بقول حضرت علیؓ اسی وقت سے مجوسیوں میں محرمات سے نکاح کا رواج ہوا ہے۔

تیسرے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حمیر یعنی یمن کا بادشاہ شبان نامی ایک دفعہ یثرب (مدینہ) گیا۔ جہاں اس نے یہود مذہب قبول کر لیا اور پھر یمن پہنچ کر اس مذہب کی زور شور سے اشاعت کی۔ نجران پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنا چاہا مگر لوگ جب نہ مانے تو بہت سوں کو آگ کے گڑھوں میں پھینک دیا اور بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح بیس ہزار لوگ تباہ وبرباد ہو گئے لیکن اہل نجران میں بعض لوگ بچ بچا کر بھاگ نکلے اور انہوں نے قیصر روم یا شاہ حبش سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ ان عیسائی سلطنتوں نے یمن پر عظیم حملہ کیا۔ جس میں ستر ہزار افواج نے حصہ لیا۔ شاہ یمن مارا گیا اور اس طرح یمن بھی سلطنت حبشہ کا ایک حصہ بن گیا۔ حبشی عیسائیوں نے نجران پر قبضہ کرنے کے بعد کعبہ کی شکل کی ایک عمارت بنا ڈالی۔ جسکو وہ مکہ کے کعبہ کی جگہ مرکزی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کو حرام قرار دیا گیا۔ سلطنت روم بھی اس کعبہ کے لیے مالی اعانت کرتی تھی مناظرہ کی غرض سے آنحضرت ﷺ

کی خدمت میں پادریوں کا جو وفد سعید، عاقب، اسقف کی قیادت میں آیا تھا وہ اسی کعبہ نجران سے متعلق تھا۔ سورہ آل عمران میں جس مباہلہ کا ذکر ہے وہ بھی اسی وفد کے ساتھ پیش آیا تھا۔

وھم علی ما یفعلون۔ یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر مشیر خندقوں کے اردگرد نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

اچھائی کے سوا ان میں کوئی برائی نہ تھی:.......... وما نقموا۔ حالانکہ ان بے چاروں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی اندھیریوں سے نکل کر ایسے زبردست اور اچھے خدا پر ایمان لے آئے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ حالات سے باخبر ہے۔ پس جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم میں کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں، آگ میں جلایا جائے۔ تو کیا یہ ظلم وستم یوں ہی رائے گاں جائے گا؟ بلکہ وہ ان ظالموں کو عبرت ناک سزائیں دے گا۔ چنانچہ ان کی لگائی ہوئی آگ اتنی پھیلی کہ فوراً ان کو جلا کر بھسم کر ڈالا۔ ان خبروں کا ذکر اگرچہ روایات میں نہیں ہے۔ تاہم بعض اکابر نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ان الذین فتنوا۔ یعنی سزا کی خصوصیت کچھ ان سرنگوں والوں کے ساتھ ہی نہیں۔ بلکہ جو لوگ بھی انہیں حق سے برگشتہ کرنے میں لگے رہیں گے اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے جیسے قریش مکہ ان کے لیے بھی آگ کا لاوا تیار ہے۔ اور دوزخ میں طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے یہ دوزخ کی عام آگ کے علاوہ کوئی خاص آگ ہو جو ان کی سزا کے جواب میں انہیں بھگتنی پڑے گی۔

ذلک الفوز الکبیر۔ یعنی مسلمان دنیا کی تکالیف سے نہ گھبرائیں آخرت کی بڑی کامیابی انہی کے لیے ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کا عیش یا تکلیف سب ہیچ ہے۔

ان بطش ربک لشدید۔ ظالم اللہ کی شدید پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔

انہ ھو یبدیٔ ویعید۔ پہلی مرتبہ سے دنیا کا اور دوسری مرتبہ سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ جلائے گا۔ لہٰذا مجرمین اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ مر کر جب ہم خاک ہو جائیں گے اور ہمارا نام ونشان نہ رہے گا۔ پھر ہم کیسے ہاتھ لگیں گے۔

اللہ کی شانیں:.......... وھو الغفور۔ یعنی اللہ میں جہاں شان جلالی ہے وہیں شان جمالی بھی ہے جس طرح اس کی سخت گیری اور انتقام کی کوئی حد نہیں۔ اسی طرح اس کی بخشش ومحبت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مالک عرش کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی سلطنت کا اصل فرمانروا وہی ہے۔ سرکشی کرنے والا اس کی پکڑ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اور "مجید" کہہ کر انسان کے کمینہ پن پر متنبہ کرتا ہے کہ ایسی بزرگ وبرتر ہستی کے مقابلہ میں گستاخی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

فعال لما یرید۔ سے یہ بتلانا ہے کہ وہ اپنے علم وحکمت کے موافق جو چاہے کر ڈالے اسے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اور نہ کوئی اسے روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے۔ پوری کائنات میں کسی کی یہ مجال نہیں کہ اللہ جس کام کا ارادہ کرے اس میں وہ مانع اور مزاحم ہو سکے۔ بہرحال نہ اس کے انعام واکرام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہیے اور نہ اس کے انتقام سے بے خوف وبے فکر رہنا چاہیے۔ بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جمال وجلال پر نظر رہنی چاہیے اور خوف کے ساتھ رجا اور رجا کے ساتھ خوف کو دل میں جگہ دیئے رکھے۔ الایمان بین الخوف والرجاء.

ھل اتٰک. ان لوگوں کی طرف سلسلہ کلام کا رخ ہے جو اپنی طاقت کے نشہ میں خدا کی سرزمین پر سرکشیاں کر رہے ہیں۔ انہیں فرمایا جارہا ہے کہ ایک مدت تک ان پر ہمارے انعامات کا دروازہ کھلا رہا اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں پہنچتی تھیں۔ گو پھر ان کے کفر طغیان اور اپنے طاقت ور چشموں کے بل پر سرکشی کا انجام بد کیسا دہکتا نصیب ہوا۔

بل الذین کفروا۔ کفار ان قصوں سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عتاب الٰہی سے ذرا نہیں ڈرتے بلکہ اور الٹے ان قصوں اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ البتہ اس جھٹلانے کی سزا بھگتنی ضرور ہی ہے۔ اللہ کے قبضۂ قدرت سے نہ وہ نکل سکتے ہیں اور نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

بل ھو قران مجید۔ قرآن جھٹلانے کی چیز نہیں ہے اور نہ وہ احمقوں کے جھٹلانے سے متاثر ہوسکتا ہے کہ اس کی شان میں فرق آجائے۔ اس لیے اس کو جھٹلانا سراسر حماقت ہے۔ بہر حال قرآن کا لکھا انمٹ اور اٹل ہے۔ خدا کی اس لوح محفوظ میں جس کے اندر کوئی ردو بدل نہیں ہوسکتا۔ تمام دنیا مل کر بھی اس کی بات توڑنا چاہے تو نہیں توڑ سکتی۔ جو بات اس میں لکھ دی گئی ہے وہ پوری ہو کر رہے گی۔ غرض لوح بھی محفوظ اور قرآن بھی محفوظ۔

خلاصہ کلام: ....سورۂ بروج میں ایک طرف تو کفار کو ان کے انجام بد سے خبردار کیا جارہا ہے جو وہ اہل ایمان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور دوسری طرف اہل ایمان کو بشرطیکہ وہ ثابت قدمی دکھلائیں بہترین اجر وثواب کی تسلی دیتا ہے اور یہ کہ اللہ ظالموں سے بدلہ لے کر رہے گا۔

چنانچہ اس ذیل میں خندق والوں کا قصہ سنایا گیا۔ جس میں چند باتیں مومنوں اور کافروں کے ذہن نشین کرائی گئی ہیں ایک یہ کہ جس طرح وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہوئے۔ اسی طرح قریش مکہ بھی اس مار اور پھٹکار کے مستحق بن رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس طرح اہل ایمان نے اس وقت جان دینا گوارا کیا۔ مگر ایمان سے پھرنا منظور نہ کیا۔ اسی طرح اب بھی اہل ایمان کے لیے یہی راستہ کھلا ہوا ہے۔ انہیں دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ خدا ساری کائنات کا مالک اور اپنی ذات میں مستحق حمد ہے۔ وہ کافروں اور مومنوں دونوں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ کافروں کو کفر کی وجہ سے دوزخ کی سزا تو دے گا ہی لیکن ضروری ہے کہ ان کے ظلم وستم کی سزا بھی آگ کی صورت میں انہیں بھگتنی پڑے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان وعمل کو جنت کا بہترین بدلہ دیا جائے۔ اس کے بعد کفار کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ تمہیں اگر اپنے طاقتور جنوں کا زعم ہے تو یاد رکھو فرعون اور ثمود کا کیا انجام ہوا، جو بڑے جتھے والے تھے۔ اللہ کی قدرت سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے گھیرے سے نکل کر کہاں جاسکتے ہو۔ اور قرآن کی باتیں اٹل ہیں جس کی تم تکذیب کرتے ہو اور وہ لوح محفوظ میں پوری طرح محفوظ ہے۔ اس لیے ردو بدل کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

فضائل سورت: ....من قراسورة البروج اعطاه الله بعدد كل جمعه و عرفة تكون فى الدنيا عشر حسنات.

ترجمہ: ..... جو شخص سورۂ بروج پڑھے گا اس کو دنیا کے جمعوں اور عرفوں سے دس گنا ثواب ملے گا۔ (موضوع)

لطائف سلوک: ....**ذٰلك الفوز الكبير۔** جنت کو بڑی کامیابی فرمانے سے ان پر زور ہورہا ہے۔ جو جنت سے بے نیازی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ البتہ غلبۂ حال والے اس سے خارج ہیں۔

سُوْرَةُ الطَّارِقِ

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ اَصْلُهُ كُلُّ اٰتٍ لَيْلًا وَمِنْهُ النُّجُوْمُ لِطُلُوْعِهَا لَيْلًا **وَمَآ اَدْرٰكَ** اَعْلَمَكَ **مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾** مُبْتَدأٌ وَخَبَرٌ فِي مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِي لِاَدْرِى وَمَابَعْدَ مَاالْاُوْلٰى خَبَرُهَا وَفِيْهِ تَعْظِيْمٌ لِّشَانِ الطَّارِقِ الْمُفَسَّرِ بِمَابَعْدَهٗ هُوَ **النَّجْمُ** اَيِ الثُّرَيَّا اَوْ كُلُّ نَجْمٍ **الثَّاقِبُ ﴿۳﴾** الْمُضِيْءُ لِثَقْبِهِ الظَّلَامَ بِضَوْئِهِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ **اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾** بِتَخْفِيْفِ مَافَهِيَ مَزِيْدَةٌ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ وَاللَّامُ فَارِقَةٌ وَبِتَشْدِيْدِ هَا فَاِنْ نَافِيَةٌ وَلَمَّا بِمَعْنَى اِلَّا وَالْحَافِظُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ **فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ** نَظَرَ اِعْتِبَارٍ **مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾** مِنْ اَيِّ شَيْءٍ جَوَابُهٗ **خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾** ذِيْ اِنْدِفَاقٍ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ فِيْ رَحِمِهَا **يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ** لِلرَّجُلِ **وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾** لِلْمَرْاَةِ وَهِيَ عِظَامُ الصَّدْرِ **اِنَّهٗ** تَعَالٰى **عَلٰى رَجْعِهٖ** بَعْثِ الْاِنْسَانِ بَعْدَ مَوْتِهٖ **لَقَادِرٌ ﴿۸﴾** فَاِذَا اعْتُبِرَ اَصْلُهٗ عُلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى ذٰلِكَ قَادِرٌ عَلٰى بَعْثِهٖ **يَوْمَ تُبْلَى** تُخْتَبَرُ وَتُكْشَفُ **السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾** ضَمَائِرُ الْقُلُوْبِ فِي الْعَقَائِدِ وَالنِّيَّاتِ **فَمَالَهٗ** لِمُنْكِرِ الْبَعْثِ **مِنْ قُوَّةٍ** يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ **وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾** يَدْفَعُهٗ عَنْهُ **وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾** اَلْمَطَرِ لِعَوْدِهٖ كُلَّ حِيْنٍ **وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾** الشَّقِّ عَنِ النَّبَاتِ **اِنَّهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾** يَفْصِلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ **وَّمَاهُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾** بِاللَّعِبِ وَالْبَاطِلِ **اِنَّهُمْ** اَيِ الْكُفَّارُ **يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾** يَعْمَلُوْنَ الْمَكَائِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾** اَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَايَعْلَمُوْنَ **فَمَهِّلِ** يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ** تَاكِيْدٌ حَسَّنَهٗ مُخَالَفَةُ اللَّفْظِ اَيْ اَنْظِرْهُمْ **رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾** قَلِيْلًا وَّهُوَ مَصْدَرٌ مُّؤَكِّدٌ لِمَعْنَى الْعَامِلِ مُصَغَّرُ رُوْدًا وَاَرْوَادٌ عَلَى التَّرْخِيْمِ وَقَدْ اَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّنُسِخَ الْاِمْهَالُ بِاٰيَةِ السَّيْفِ اَيْ بِالْاَمْرِ بِالْجِهَادِ وَالْقِتَالِ

سورۂ طارق مکیہ ہے جس میں ۱۷ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والی چیز کی (دراصل رات کو ہر آنے والی چیز کو طارق کہتے ہیں۔ ستارا بھی رات کو نمودار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی طارق کہتے ہیں) اور دیکھ معلوم ہے کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے (یہ مبتداء و خبر مل کر ادری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے اور اول ما کے بعد لفظ ادرک تا کی خبر ہے اور اس میں طارق کی جملہ عظمت شان ہے۔ جس کی تشریح آگے آ رہی ہے کہ وہ) ستارہ ہے (خاص ثریا یا عام ستارہ) روشن (چمک دار جو اپنی روشنی سے اندھیرے کو پھاڑ ڈالتا ہے اور جواب قسم آگے ہے) کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر کوئی نگہبان نہ ہو (لا میں تخفیف ہے اور ما زائدہ اور ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے۔ ای انہ. پس لام ان مخففہ اور ان نافیہ میں فرق کرنے والا ہے اور لما تشدید کے ساتھ ہونے کی صورت میں ان نافیہ ہوگا۔ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اور حافظ سے مراد محافظ فرشتے ہیں جو ان کے اچھے برے کام کی نگرانی کرتے ہیں) پھر انسان (بنظر عبرت) بھی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (اس سوال کا جواب آگے ہے) وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (جو مرد سے اچھل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے) جو (مرد کی) پیٹھ سے اور سینہ کی ہڈیوں سے نکلتا ہے (عورت کی چھاتی کی ہڈیوں سے) یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسے دوبارہ پیدا کرنے (انسان کو مرنے کے بعد جلانے) پر قادر ہے (باعتبار اس اصلیت کے معلوم ہوا کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جلا سکتا ہے) جس روز جانچ پڑتال ہوگی (سب قلعی کھل جائے گی) پوشیدہ اسرار کی (جو دلوں میں عقیدے اور نیتیں تھیں) اس وقت (منکر بعث) انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا (عذاب سے بچانے والا) اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا (جو عذاب کو دفع کر دے) قسم ہے آسمان کی جو بارش برسانے والا ہے (بار بار ہونے کی وجہ سے بارش کو مرجع سے تعبیر کیا ہے) اور قسم ہے زمین کی جو (گھاس پھونس نکلنے سے) پھٹ جاتی ہے۔ یہ (قرآن) ایک جچی تلی بات ہے (جو حق ناحق کے درمیان فیصلہ کن ہے) اور وہ ہنسی مذاق (کھیل تفریح) نہیں ہے۔ یہ (کفار) کچھ چالیں چل رہے ہیں (آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں) اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں (ڈھیل دے رہا ہوں جس کی انہیں ہوا بھی نہیں ہے) پس چھوڑ دیجئے (اے محمد!) ان کافروں کو چھوڑ دیجئے ان کے حال پر (یہ تاکید ہے جس کا حسن لفظی فرق سے بڑھ گیا ہے۔ یعنی ان کو مہلت دے دیجئے) ذرا کی ذرا (تھوڑی سی یہ معنی عامل کی تاکید کے لیے مصدر ہے۔ رودا۔ ارواد کی تصغیر رویدا ہے اس کی ترخیم ہو رہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے بدلہ میں ان کو سزا دے ڈالی اور مہلت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ آیت سیف یعنی جہاد وقتال کے حکم کے ذریعہ)

تحقیق وترکیب: .... الطارق۔ مفسرؒ نے اصل معنی نجم کے اعتبار سے فرمایا ہے ورنہ طارق کے حقیقی معنی دھکینے کے ساتھ مارنے اور کوٹنے کے ہیں۔ طریق راستے کو بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ مطروق ہوتا ہے۔ گویا پہلے سالک طریق کے معنی ہوئے۔ پھر رات کو آنے والے کے معنی ہوئے۔ پھر ستارہ کے معنی میں استعمال ہو گیا۔ اس لیے کہ ستارہ جنات کے مارا جاتا ہے۔

ما ادرٰک۔ استفہامیہ ہے اور ادرک خبر ہے۔

ماالطارق۔ ما تعظیم کے لیے ہے۔

النجم۔ اس کے تین معنی ہیں۔ مطلق ستارہ یا خاص ثریا۔ یا خاص زحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

ان کل نفس لما۔ لما کی دو قراءتیں ہیں۔ تخفیف کی صورت میں ان مخففہ ہوگا جس کا قرینہ لام ہے اور لما مشدد ہونے کی صورت میں ان نافیہ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اول بصریوں کی اور دوسری کوفیوں کی رائے ہے۔

حافظ۔ بمعنی رقیب ہے۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ بعض فرشتے اعمال کی کتابت پر مامور ہوتے ہیں اور بعض فرشتے انسان کی

حفاظت پر دن رات میں دس دس فرشتوں کی ڈیوٹیاں ہر انسان کے لیے ہوئی ہیں اور مومن کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتوں کی جماعت مقرر رہتی ہے۔ یہاں دونوں قسمیں مراد ہوسکتی ہیں اور مطلق فرشتے بھی بلکہ حق تعالیٰ بھی کہ اصل محافظ وہی ہیں۔

من ماء دافق ۔ مرد کی منی ہو یا عورت کی، دافق نہیں ہوتی بلکہ مدفوق ہوتی ہے۔ اس لیے ذی اندفاق کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ لابن اور تامر کی طرح یہ صیغہ فاعل کے لیے نہیں بلکہ نسبت کے لیے ہے۔ اور لیث نے دافق کے معنی منصب کے لیے ہیں مگر وہ ثابت نہیں ہیں اور دافق کو اپنے معنی میں رکھتے ہوئے نسبت مجازی بھی ہوسکتی ہے۔ اور ابن عطیہ کی رائے یہ ہے کہ منی کو حقیقۃً دافق کہنا بھی صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا بعض حصہ دافق اور بعض مدفوق ہوتا ہے۔ اور من ماء کی بجائے من مائین نہیں کہا۔ کیونکہ دونوں رحم میں مخلوط ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہو جاتے ہیں اور دونوں کے جز ثومے مل جاتے ہیں۔

من بین الصلب والترائب ۔ صلب ۔ میں چار لغت ہیں صُلب ۔ صُلُب ۔ صَلَب ۔ صالب ریڑھ کی ہڈی اور ترائب سینہ کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ قاضی بیضاویؒ یہ فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت کی منی کا تعلق اگرچہ بدن کے تمام اعضاء سے ہے۔ کیونکہ منی چوتھے ہضم کا نتیجہ ہے۔ لیکن دماغ سے اس کا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ اس کی تولید میں دماغ کا زیادہ دخل ہے اور نخاع دماغ کی نیابت کرتی ہے۔ جس کی مختلف شاخیں چھاتی میں مل جاتی ہیں اسی لیے قرآن کریم میں ان دونوں اعضاء کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قلب و نخاع اور قوائے دماغیہ سب ہی اس کی تولید میں معاون ہوتے ہیں۔ لیکن ترائب کے لفظ سے قلب و جگر اور پیٹھ سے مراد نخاع ہے جو دماغ سے وابستہ ہے۔ اس طرح یہ دونوں اعضاء جامع ہو جائیں گے۔ سارے نظام بدن کو۔

یوم تبلی ۔ یہ ظرف ہے رجعہ کا۔ ذات الرجع اس سے حرکات فلکیہ مراد ہوسکتی ہے قدیم فلاسفہ کے نظریہ پر۔ یا بارش مراد ہے کہ اس کے ذریعہ زمینی پانی کا لوٹ پھیر ہوتا رہتا ہے۔

ذات الصدع ۔ زمین کھود کر پانی نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح زمین کو پھاڑ کر سبزہ وغیرہ کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔

واکید ۔ جزاء کید مراد ہے یا صورت کید مراد ہے یعنی کفار کے ساتھ استدراجی کاروائی۔

امھلھم ۔ مھل اور امھل کے معنی اگرچہ ایک ہی ہیں۔ مگر لفظی فرق سے تحسین کلام پیدا ہوگئی اور اس تکرار سے تسکین خاطر مقصود ہے۔

رویدا ۔ مصدر تاکید کے لیے ہے رودا یا ارواد سے حروف زائدہ کی ترخیم کر دی گئی ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں مومنین کے لیے تسلی اور کفار کے لیے وعید تھی۔ اس سورت میں وعید کی تحقیق کے سلسلہ میں اعمال کا محفوظ رہنا بیان فرمایا گیا ہے اور بعث کا امکان بلکہ اس کا وقوع اور بعث کی دلیل یعنی قرآن کی حقانیت کا بیان ہے اور یہ بیان پچھلی سورت کے اخیر میں بھی تھا۔ اور اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے نیز اس سورت کے انداز بیان سے یہ بات واضح ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جب کہ کفار قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی دعوت کو زک کر دینے کے لیے ہر قسم کی چالیں چل رہے تھے۔

روایات: .... حافظ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ۔ من الملائکۃ من یحفظ عملھا من خیر و شر . اور قتادہؓ سے منقول ہے ۔ یحفظون عملک ورزقک واھلک.

﴿تشریح﴾: .... حافظ سے مراد جس طرح محافظین فرشتے ہیں ۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ حقیقی محافظ وہی ہیں۔ کائنات کی ہر چیز چھوٹی بڑی کی دیکھ بھال اور حفاظت اسی کی ذات سے وابستہ ہے ہر چیز کو اسی سے وجود ملا ہے۔ وہی ہر چیز کو سنبھالے ہوئے ہے۔ زندگی کا سروسامان اسی کی طرف سے ہے۔ اللہ نے اس پر ہر ستارے کی قسم کھائی ہے۔

ستاروں کی شہادت: .... اربوں کھربوں ستارے اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ کوئی ان کو بنانے والا ہے جس نے ان کو نور عطا کیا ہے اور اتنے بڑے کروں کو فضا میں معلق کر چھوڑا ہے۔ کسی ستارے کی مجال نہیں کہ وہ اپنی مقررہ گردش میں کسی سیارے سے ٹکرا جائے۔ بے شمار سیاروں کی بے شمار گردشیں ہیں۔ مگر ان کی رفتار میں سرمو فرق نہیں آسکتا۔ اور ستاروں کا نمودار ہونا گو شب میں معلوم ہوتا

ہے مگر محفوظ ہمہ وقت رہتے ہیں۔پس جو ذات آسمانی ستاروں کی حفاظت کرتی ہے۔اسے تمہاری اور تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کیا دشوار ہے۔یہ اعمال بھی ستاروں کی طرح اگرچہ محفوظ رہتے ہیں۔مگر نامۂ اعمال کا ظہور خاص قیامت میں ہوگا۔اس لیے انسان کو آخرت کی فکر رکھنی چاہیے۔اور قیامت کو اگر وہ مستبعد سمجھتا ہے تو اس کو اپنی ابتداء پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور وہ کون ہے جو باپ کے خارج ہونے والے اربوں جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کو اور ماں کے اندر سے بکثرت نکلنے والے بیضوں میں سے ایک بیضہ کا انتخاب کرکے دونوں کو جوڑ دیتا ہے اور اس طرح انسان کا استقرار حمل ہو جاتا ہے۔

علماء طبیعات کہتے ہیں کہ مرد وعورت کے مادہ منویہ کا تعلق تمام بدن سے ہے۔لیکن صلب وترائب کی تخصیص اس لیے ہے کہ اعضائے رئیسہ قلب ودماغ اور جگر کا اس میں زیادہ دخل ہے۔پس دماغ کا تعلق بواسطہ نخاع (حرام مغز) ریڑھ کی ہڈی سے اور قلب وجگر کا تعلق ترائب سے ہے اور چونکہ صلب سے صرف دماغ کا تعلق ہے اس لیے اس کو مفرد لیا گیا اور ترائب سے قلب وجگر دونوں کا تعلق ہے۔اس لیے اس کو جمع لایا گیا ہے۔چنانچہ اگر ہاتھ پاؤں کٹ جائیں مگر اعضائے رئیسہ سلامت رہیں تب بھی مادہ منویہ بدستور بنتا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ براہ راست اعضاء رئیسہ سے اس کا مخصوص تعلق ہے۔

پھر کون ہے جو استقرار حمل کے بعد درجہ بدرجہ ماں کے پیٹ میں نشوونما دے کر ایک جیتا جاگتا بچہ بنا دیتا ہے۔پھر ماں کے رحم ہی میں اس کے جسم کی ساخت، جسمانی۔ذہنی صلاحیتیں عطا کرتا ہے۔پھر کون ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک مسلسل اس کی نگرانی کرتا ہے۔طرح طرح کی آفات اور مصائب وحادثات سے بچاتا ہے اور قدم قدم پر زندگی کے سروسامان عطا کرتا ہے۔یہی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ اسے موت کے بعد پلٹ کر وجود میں لاسکتا ہے۔حالانکہ انسانی نقطۂ نظر سے پہلی دفعہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں دوبارہ بنانا مشکل نہیں ہے۔صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی پیدائش تدریجی تھی اور دوسری پیدائش دفعی ہوگی۔پس دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کے انکار کے لیے آدمی کو سرے سے اس کا انکار کرنا ہوگا کہ خدا اسے وجود میں لایا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور صلاحیتوں کا پیدا ہونا اور اس کا ایک زندہ ہستی کی حقیقت سے باقی رہنا عقل کے لیے بدرجہا زیادہ قابل قبول ہے اور معقول، بہ نسبت اس کے انسان یا ساری کائنات ایک حادثہ اور اتفاقی حادثہ قرار دیا جائے۔

قیامت کے روز سب کی قلعی کھل جائے گی:......... یوم تبلی السرائر۔یعنی اس روز سب کی قلعی کھل جائے گی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں گی یا چھپ کر کی ہوں گی۔سب ظاہر ہو جائیں گی اور سب اترے پترے کھل جائیں گے۔غرض وہ اعمال جو دنیا میں ایک راز بن کر رہ گئے اور وہ معاملات بھی جو ظاہری روکار کے ساتھ تو دنیا کے سامنے آئے۔مگر ان کے پیچھے جو اغراض و خواہشات اور ارادے کام کررہے تھے اور وہ باغی محرکات جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئے وہاں سب کھل کر سامنے آجائیں گے اور جانچ پڑتال صرف اعمال کی ظاہری سطح کی نہیں ہوگی۔بلکہ وہ مقاصد اور نیتیں بھی برملا کردی جائیں گی۔بلکہ جو نتائج وثمرات دنیا میں اس فعل کے بعد پھیلے اور وہ کہاں کہاں پہنچے اور کتنی مدت تک رہے۔جو بیج دنیا میں بویا گیا تھا اس کی فصل کس کس شکل میں کب تک کٹتی رہی اور کون کون اسے کاٹتا رہا، یہ سب راز واسرار اُگل دیئے جائیں گے۔کسی جرم کو چھپایا نہ جاسکے گا۔

فماله من قوة۔اس وقت نہ مجرم اپنی طاقت وقوت سے مدافعت کرسکے گا اور نہ کسی حمایتی کا زور چل سکے گا کہ سزا سے بچ جائے۔والسماء ذات الرجع. ذات الرجع کے معنی پلٹنے اور لوٹنے کے ہیں مراد بارش ہے۔کیونکہ وہ ایک دفعہ اور یک لخت ہی برس کر نہیں رہ جاتی بلکہ موسم میں یا بے موسم تھم تھم کر برستی ہے۔نیز سمندروں کا پانی بھاپ اور مون سون بن کر اُٹھتا رہتا ہے اور لوٹ پھر کر وہی برستا رہتا ہے۔

قرآن سچائی اور حقیقت ہے:......... انه لقول فصل. قرآن جو قیامت کے حالات اور احکام بیان کرتا ہے وہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔بلکہ سچائی، جھوٹ اور حق وباطل میں دوٹوک فیصلہ ہے جس طرح آسمان سے بارش برسنا اور زمین سے پیداوار اگنا اگر

ایک سچی اور سنجیدہ حقیقت ہے۔ اسی طرح قرآن کا یہ بیان ایک اٹل حقیقت ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔ پھر جس طرح بارش کے نتیجہ میں پیداوار اُگ ہے۔ اسی طرح قیامت سے پہلے ایک غیبی بارش آئے گی جس کے اثر سے مردے زمین سے نکل پڑیں گے اور قسم اور جواب قسم کی مناسبت اس طرح ہے کہ بارش سے مادی سرسبزی آتی ہے اور قرآن کے فیضان سے کشت زار ایمان لہلہا اُٹھتی ہے۔ انهم یکیدون. مخالفین طرح طرح کے داؤ پیچ کرتے رہتے ہیں اور قسم قسم کے شکوک وشبہات نکال کر حق کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے روکتے ہیں۔ قرآنی دعوت کو پامال کرنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں، ایک سے ایک جھوٹا الزام تراش کر قرآن اور پیغمبر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھونکوں سے یہ چراغ گل ہو جائے اور اللہ کی مخفی تدبیر یہ ہے کہ ان کی چالوں کے تار پود بکھر جائیں اور آخر کار یہ منہ کی کھا کر رہیں اور اپنے بنے ہوئے جال میں خود پھنس کر رہ جائیں اور وہ نور پھیل کر رہے جسے یہ بجھانے کے لیے پورا زور لگا رہے ہیں۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ کس کی چال کامیاب رہے گی؟ لامحالہ یہی ناکام ونامراد رہیں گے۔

فمهل الكافرين. یعنی ذرا انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو، یہ جو کچھ کرنا چاہیں انہیں کرنے دو آپ جلدی نہ کریں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ جلد ہی انجام ان کے سامنے آ جائے گا اور انہیں پتہ لگ جائے گا کہ میری لطیف تدبیر کے آگے ان کی چالیں کہاں تک کارگر ہوئیں۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ مرنے کے بعد انسان کو خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن ایک فیصلہ کن بات ہے جسے کفار کی باتیں زک نہیں دے سکتیں۔

آسمانی ستاروں کو دیکھ کر یقین کرو کہ آسمان کے بے شمار ستاروں کے نظام کی نگرانی جس ذات کے ہاتھ میں ہے وہی انسان اور کائنات کی ہر چیز کی نگرانی کر رہی ہے۔ انسان خود اپنی بناوٹ اور اس کے اُتار چڑھاؤ پر غور کرے کہ کس طرح ایک بوند سے اسے جیتا جاگتا جاندار بنا دیا ہے۔ پس کیا جو اس کے وجود وعدم کے اتنے مراحل طے کر سکتا ہے کیا وہ اس کو دوبارہ جلانے پر قادر نہیں ہے؟ اور یہ نشاۃ ثانیہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ جو بہت سے سربستہ راز جن پر دنیا میں پردہ پڑا رہا۔ وہ پردہ اُٹھا کر ان کی جانچ پڑتال کرنی ہے اور انسان کو ان کے نتائج سے دوچار ہونا ہے جسے کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی۔

پھر ارشاد ہوا کہ جس طرح آسمان سے بارش برسنا، زمین سے فصلوں اور درختوں کا اُگنا ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے کوئی کھیل مذاق نہیں۔ اسی طرح قرآن جن حقائق پر روشنی ڈالتا ہے وہ بھی پختہ اور یقینی بات ہے۔ کفار اگر یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ وہ اپنی چالوں میں کامیاب ہو جائیں گے تو وہ جان لیں کہ اللہ بھی ان سے بے فکر نہیں ہے۔ اب دیکھیں کس کی چال کامیاب رہتی ہے؟ آخر میں یہ کہہ کر حضور کی تسلی فرمائی گئی ہے کہ آپ ذرا ٹھہریں۔ گھبرائیں نہیں۔ انہیں اپنی سی کرنے دیں۔ اس میں مخالفین کے لیے در پردہ دھمکی بھی ہے کہ ذرا دیر نہیں لگے کہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پالا ان کے ہاتھ پر ہے یا قرآن اور مسلمانوں کے۔

فضائل سورت:............ **من قرء سورة الطارق اعطاه الله تعالى بعدد كل نجم فى السماء عشر حسنات.**

ترجمہ:...... جو شخص سورۃ طارق پڑھے گا اللہ اس کو آسمانی ستاروں سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔ (موضوع)

لطائف سلوک:............ **ان كل نفس لما عليها حافظ فلينظر الانسان.** اس میں مبداء اور معاد کے مراقبہ کے مفید ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

سُورَةُ الْاَعْلٰی

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اَیْ نَزِّهْ رَبَّكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ وَلَفْظُ اِسْمٍ زَائِدَةٌ **الْاَعْلَى** ﴿۱﴾ صِفَةٌ لِرَبِّكَ **الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی** ﴿۲﴾ مَخْلُوْقَهٗ جَعَلَهٗ مُتَنَاسِبَ الْاَجْزَاءِ غَيْرَ مُتَفَاوِتٍ **وَالَّذِیْ قَدَّرَ** مَاشَاءَ **فَهَدٰی** ﴿۳﴾ اِلٰی مَاقَدَّرَهٗ مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ **وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی** ﴿۴﴾ اَنْبَتَ الْعُشْبَ **فَجَعَلَهٗ** بَعْدَ الْخُضْرَةِ **غُثَآءً** جَافًا هَشِيْمًا **اَحْوٰی** ﴿۵﴾ اِسْوَدًا يَابِسًا **سَنُقْرِئُكَ** الْقُرْاٰنَ **فَلَا تَنْسٰٓی** ﴿۶﴾ مَاتَقْرَؤُهٗ **اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ** اَنْ تَنْسَاهُ بِنَسْخِ تِلَاوَتِهٖ وَحُكْمِهٖ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ مَعَ قِرَاءَةِ جِبْرِيْلَ خَوْفَ النِّسْيَانِ فَكَاَنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ لَاتَعْجَلْ بِهَا اَنَّكَ لَاتَنْسٰی فَلَاتُتْعِبْ نَفْسَكَ بِالْجَهْرِ بِهَا **اِنَّهٗ** تَعَالٰی **يَعْلَمُ الْجَهْرَ** مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ **وَمَا يَخْفٰی** ﴿۷﴾ مِنْهُمَا **وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰی** ﴿۸﴾ لِلشَّرِيْعَةِ السَّهْلَةِ وَهِیَ الْاِسْلَامُ **فَذَكِّرْ** عِظْ بِالْقُرْاٰنِ **اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی** ﴿۹﴾ مَنْ تَذْكُرُهُ الْمَذْكُوْرَ فِیْ **سَيَذَّكَّرُ** بِهَا **مَنْ يَّخْشٰی** ﴿۱۰﴾ يَخَافُ اللّٰهَ تَعَالٰی كِنَايَةً فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ **وَيَتَجَنَّبُهَا** اَیِ الذِّكْرٰی يَتْرُكُهَا جَانِبًا لَا يَلْتَفِتُ اِلَيْهَا **الْاَشْقَی** ﴿۱۱﴾ بِمَعْنَی الشَّقِیِّ اَیِ الْكَافِرُ **الَّذِیْ يَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰی** ﴿۱۲﴾ هِیَ نَارُ الْاٰخِرَةِ وَالصُّغْرٰی نَارُ الدُّنْيَا **ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا** فَيَسْتَرِيْحُ **وَلَا يَحْيٰی** ﴿۱۳﴾ حَيَاةً هَنِيْئَةً **قَدْ اَفْلَحَ** فَازَ **مَنْ تَزَكّٰی** ﴿۱۴﴾ تَطَهَّرَ بِالْاِيْمَانِ **وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ** مُكَبِّرًا **فَصَلّٰی** ﴿۱۵﴾ اَلصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَذٰلِكَ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ مُعْرِضُوْنَ عَنْهَا **بَلْ تُؤْثِرُوْنَ** بِالتَّحْتَانِيَةِ وَالْفَوْقَانِيَةِ **الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** ﴿۱۶﴾ عَلَی الْاٰخِرَةِ **وَالْاٰخِرَةُ** الْمُشْتَمِلَةُ عَلَی الْجَنَّةِ **خَيْرٌ وَّاَبْقٰی** ﴿۱۷﴾ **اِنَّ هٰذَا** اَیْ فَلَاحَ مَنْ تَزَكّٰی وَكَوْنُ الْاٰخِرَةِ خَيْرًا **لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی** ﴿۱۸﴾ اَلْمُنَزَّلَةِ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ **صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰی** ﴿۱۹﴾ وَهِیَ عَشْرُ صُحُفٍ لِاِبْرَاهِيْمَ وَالتَّوْرٰةُ لِمُوْسٰی

سورۂ اعلیٰ مکیہ ہے جس میں انیس آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:.........آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یعنی نامناسب باتوں سے اللہ کو پاک سمجھئے۔لفظ اسم زائد ہے) جو عالی شان ہے (یہ ربک کی صفت ہے) جس نے پیدا کیا۔ پھر تناسب کے ساتھ بنایا (اپنی مخلوق کے اجزاء متناسب رکھے انہیں بے جوڑ نہیں رکھا) اور جس نے (جو چاہا) تجویز کیا پھر راہ دکھائی (اچھی بری اور تقدیر کی طرف) اور جس نے چارہ (گھاس پھوس) اُگایا۔ پھر اس کو (ہریالی کے بعد) کوڑا کرکٹ (خشک) سیاہ (کالا سوکھا ہوا) کر ڈالا۔ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے۔ پھر آپ (پڑھے ہوئے کو) نہیں بھولیں گے۔ سوائے اس کے جو اللہ چاہے (کہ آپ اس کو بھول جائیں۔ تلاوت یا حکم منسوخ ہونے کی وجہ سے۔ آنحضرت ﷺ حضرت جبرائیل سے زور زور سے پڑھا کرتے تھے بھول جانے کے ڈر سے گویا آپ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے۔ آپ بھولیں گے نہیں۔ اس لیے زور سے پڑھ کر تعب نہ اٹھایئے) وہ ظاہر (قول اور فعل) کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ (ان میں سے) پوشیدہ ہے اس کو بھی جانتا ہے اور ہم آسان طریقہ (سہل شریعت اسلام) کی سہولت آپ کو دیتے ہیں۔ لہذا آپ (قرآن کی) نصیحت پر عمل کیا کیجئے۔ اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (اس شخص کے لیے جس کو آپ نصیحت کریں جس کا ذکر آگے ہے) وہی نصیحت مانتا ہے جو ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے یہ ایسا ہی ہے جیسے فذکر بالقران من یخاف وعید فرمایا گیا ہے) اور اس سے گریز کرتا ہے (نصیحت کو چھوڑ دیتا ہے اس سے بے توجہی برتتے ہوئے) بدنصیب (بدبخت کافر) جو بڑی آگ میں جائے گا (دوزخ کی آگ سے دنیا کی آگ چھوٹی ہوتی ہے) پھر نہ اس میں مرے گا (کہ آرام پالے) اور نہ جئے گا (مزے کی زندگی) فلاح پا گیا (بامراد ہوا) جس نے پاکیزگی اختیار کی (ایمان کے ذریعہ طہارت حاصل کر لی) اپنے رب کا نام لیتا رہا (تکبیر پڑھتا رہا) اور نماز پڑھتا رہا (پنجوقتہ۔ یہ باتیں آخرت کی ہیں اور کفار مکہ اس سے مکرتے ہیں) مگر تم دنیا کی زندگانی کو (یاء اور تاء کے ساتھ) ترجیح دیتے ہو (آخرت کے مقابلہ میں) حالانکہ آخرت میں (جس میں جنت ہے) بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ یہ مضمون (پاکیزگی اختیار کرنے سے فلاح پانا اور آخرت کا بہترین اور پائیدار ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی کہی گئی ہے (جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکے ہیں) ابراہیم وموسیٰ کے صحیفوں میں (ابراہیم کے دس صحیفے اور موسیٰ کی تورات)

تحقیق وترکیب:.........**مکیہ**. جمہور کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے۔ لیکن ضحاکؒ مدنیہ کہتے ہیں۔

سبح اسم. لفظ اسم مفسرؒ نے صلہ قرار دیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اسم کو زائد نہ مانا جائے اور علو سے مراد علو مرتبی ہے علو مکانی مراد نہیں ہے. چنانچہ جس طرح اللہ کی ذات کا احترام واجب ہے اس کے نام پاک کا احترام بھی ضروری ہے۔ اسے گندی جگہ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ ایک قراءت **سبحان ربی الاعلیٰ** ہے۔

اعلیٰ. رب کی صفت تعلیلیہ ہے۔ حکم تعلیل کی وجہ اس کا عالی مرتبہ ہونا ہے۔ یہ اسم کی صفت نہیں ہے اجنبی کے فعل کی وجہ سے ورنہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہا جائے۔ **جاء نی غلام هند العاقل الحسنة**

الذی خلق. یہ تسبیح کی دلیل ہے یعنی خالق کی تسبیح ہی ہونی چاہئے۔

والذی قدر. ہر شخص کی تقدیر الگ الگ بنائی. کسائیؒ قدر کو تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

غثاء. کوڑا کرکٹ۔ خشک گھاس وغیرہ۔ دنیا کی متاع کا بھی یہی حال ہے کہ بہار کے بعد اس پر خزاں آتی ہے۔

سنقرئک. قرآن جس طرح فی نفسہ معجزہ ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے امی ہونے کے باوجود

اس کو پڑھا۔ یاد رکھا۔ امت کے کمسن بچوں کا یاد کر لینا بھی حیرت ناک ہے اور بعض نے فلا تنسیٰ کو نہی قرار دیا ہے۔ اس میں الف آیات کے فاصلہ کی رعایت سے ہے۔

الا ماشاء الله. منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یا بطور قلت وندرت کے بھولنا مراد ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز میں بھول گئے۔ ابی ابن کعب نے یہ سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ مگر دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں بھول گیا تھا۔

انه یعلم الجهر. احوال ظاہری باطنی مراد ہیں یا قراءت جہری وسری مراد ہے۔ یا یہ کہ کسی حصہ کا باقی رکھنا اور کسی حصہ کا منسوخ کرنا مصلحت ہے۔ اللہ سب سے واقف ہے۔

و نیسرك للیسریٰ. اس کا عطف سنقرئك پر ہے۔ یعنی وحی کا حفظ کرنا یا دین کا آسان ہوجانا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فیسر لک نہیں فرمایا گیا۔ ضحاکؒ یسریٰ کے معنی شریعت حنیفیہ اور سہلہ کے لیتے ہیں۔ اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ جنت کی سہولت مراد ہے اور بعض عرفیہ یسریٰ یعنی اعمال خیر مراد لیتے ہیں۔

ان نفعت الذکریٰ. یعنی قبولیت کی صلاحیت نصیحت کے کارگر ہونے کے لیے ضروری ہے ورنہ نصیحت ''گوئے برگنبدا'' کا مصداق رہتی ہے۔ تاہم مطلق نصیحت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ناصح کے لیے تو اجر وثواب یقینی اور جس کو نصیحت کی جاتی ہے۔ نہ معلوم کون سی گھڑی اور کون سا کلمہ اس کو سنوار دے۔ اسی لیے قاموس میں ان نفعت میں ان بمعنی قد ہے مفسرؒ نے نفعت کا مفعول ''من تذکرہ'' محذوف مانا ہے۔ جو سیذکر سے مفہوم ہورہا ہے۔

الاشقیٰ. مطلقاً کافر مراد ہیں۔ یا خاص کافر ولید یا عتبہ مراد ہیں۔

لا یموت فیها و لا یحییٰ. موت وحیات کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مطلق موت وحیات مراد نہیں ہے۔ بلکہ خاص وہ موت جس کی وجہ سے موجودہ حالت سے آرام مل جائے۔ اسی طرح وہ زندگی جو نافع ہو مراد ہے اور ان دونوں کی نفی ہوسکتی ہے جسے ادھ مرا کہتے ہیں۔ مبتلائے آلام شخص کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کے نفس کو نہ بالکلیہ موت آتی ہے کہ عقوبات حجاب سے چھٹکارا مل جائے اور نہ قلب میں حیات ایمانی ہے۔ کیونکہ آخرت دار العمل نہیں دار الجزاء ہے۔ اور قاشانیؒ کہتے ہیں کہ **لا یموت لا متناع انعدامه و لا یحیی بالحقیقة لهلاکه الروحانی.** امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی روح گلے میں پھنس کر رہ جائے گی نہ نکلتی ہے کہ موت واقع ہوجائے اور نہ واپس ہوتی ہے کہ بدن میں زندگی کی لہر دوڑ جائے۔

من تزکیٰ. کفر ومعصیت سے تزکیہ مراد ہے یا قویٰ کی کثرت سے طہارت باطنی۔ یا نماز کے لیے طہارت ظاہری اور زکوٰۃ کی ادائیگی۔ قاضیؒ اور زمخشریؒ اس آیت سے متعدد مسائل نکالتے ہیں۔ تزکیٰ کے ایک معنی کفر ومعصیت سے پاک صاف ہونے کے ہیں۔ ایک معنی نماز کے لیے پاکی اور طہارت کے ہیں اور ایک معنی زکوٰۃ کے ہیں۔ اور ایک معنی یہ ہیں کہ ذکر لسانی اور ذکر قلبی مراد ہے۔ اور صاحب ہدایہؒ نے تکبیر افتتاح مراد لی ہے۔ صاحب کشافؒ کہتے ہیں کہ فصلیٰ کے عطف سے معلوم ہوا کہ تکبیر افتتاح نماز کا رکن نہیں۔ دوسرے تعظیمی الفاظ سے بھی تحریمہ ہوسکتی ہے۔ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس میں معاد اور اللہ کے آگے پیشی مراد ہے۔ اور بعض کے نزدیک صدقۃ الفطر اور تکبیرات عیدین مراد ہیں۔

و ذکر اسم ربه. تکبیر تحریمہ۔ یا ذکر لسانی اور ذکر قلبی مراد ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تزکیٰ سے صدقۃ الفطر اور ذکر اسم سے عیدین اور فصلیٰ سے نماز عیدین مراد ہے۔

بـل تـؤثرون. ابن عمرؓ یا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔اس کا خطاب شقی لوگوں کو ہے یا سب کو کیونکہ دنیا کا انہماک کم وبیش سب میں ہوتا ہے۔

خیر وابقیٰ. آخرت کی نعمتیں بالذات لذیذ، خالص اور دائمی ہوں گی۔

ان ھٰذا. مضمون سابق امور دیانت کا جامع اور کتب سابقہ کا نچوڑ ہے۔

ربط آیات:........پچھلی سورتوں میں مجازات کا بیان تھا۔اس سورت اعلیٰ میں فلاح اعلیٰ کا مقصود اصلی ہونا اور اس کی راہ بتلانا ہے۔یعنی تسبیح، معرفت، ذات، صفات، تزکیہ، ذکر و نماز اور آخرت کی مقصودیت کے ذیل میں دنیا کا فانی اور ناپائیدار ہونا بتلایا گیا ہے اور فلاح کا راستہ قرآن کی تذکیر سے پچھلی سورت میں بھی قرآن کی حقانیت اسی لیے بیان کی تھی۔اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:........قالت عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرء في الاولىٰ من الوتر بسبح اسم ربك الاعلىٰ وفي الثانية بقل ياايها الكافرون وفي الثالثةبقل هو الله احد و المعوذ تين. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت میں علوم وخیرات ہونے کی وجہ سے بکثرت اس کی تلاوت کرتے تھے۔نیز اس کی کثرت تلاوت سے حافظہ زیادہ ہوتا ہے۔حدیث میں ہے کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ نازل ہونے پر حضور ﷺ نے فرمایا۔اجعلوھا فی سجودکم. ابن عباسؓ سبح کے معنی صل بامر ربک الاعلیٰ فرماتے ہیں۔ فذکر ان نفعت۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تبلیغ ودعوت اور تذکیر ونصیحت میں حد درجہ حریص تھے۔مگر جس قدر آپ جدوجہد فرماتے اتنی ہی ضدی لوگ مخالفت کرتے جس سے آپ بے حد رنجیدہ ہوتے۔اس لیے فرمایا گیا کہ آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔صلاحیت مند لوگوں کو فہمائش کرتے رہئے۔

النار الکبریٰ. قال عليه السلام ناركم هذه جزء من سبعين جزء من نار جهنم اومافي الدرك الاسفل منها. فصلّى۔حضرت علی عمر و بن عبدالعزیز نے پنجوقتہ نمازیں مراد ہیں اور اس سے تحریمہ کے شرط ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یعنی وہ رکن نہیں ہے۔ابوسعید خدری مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اعطى صدقة الفطر و خرج الى العيد فصلّى. اور ابن مردودیہ ناقل ہیں۔كان صلى الله عليه وسلم يقرء الأية ثم يقسم الفطرة قبل ان يغدوا الى الفطر. ابن عمرؓ فرماتے ہیں انها نزلت في زكٰوة الفطر نیز وعن ابن مسعود امرو تصدق ثم صلى ثم قرء هذه الاية. ممکن ہے اس پر یہ شبہ ہو کہ سورت جب کہ مکیہ ہے پھر صدقۃ الفطر اور نماز عید کا کیا سوال؟ لیکن اول تو بقول ضحاکؒ سورت مدنی ہے۔دوسرے جمہور کے قول پر پیشگی احکام بھی ہو سکتے ہیں۔چنانچہ محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ حکم نافذ ہونے سے پہلے وحی آسکتی ہے۔چنانچہ سورۂ بلد کی آیت وانت حل بهٰذا البلد مکی ہے۔حالانکہ مکہ میں داخلہ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقعہ پر ہوا ہے۔

﴿تشریح﴾:........سبح اسم ربك الاعلىٰ. اللہ کے لیے احادیث میں اسماء حسنیٰ ذکر کیے گئے ہیں۔وہ ننانوے نام توصیفی ہیں۔اس لیے اپنی طرف سے کوئی ایسا لفظ اللہ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔جس سے کوئی نقص یا شرک یا گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔یا کسی غلط عقیدے کی نسبت اس کی ذات، صفات افعال کی طرف کی جائے۔اسی طرح ایسے الفاظ جو مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتے ہوں جیسے: رؤف، رحیم، کریم، سمیع، بصیر وغیرہ۔ان میں بھی احتیاط کا پہلو پیش نظر رہنا چاہیے کہ دونوں کے لیے طریقہ استعمال الگ الگ رہنا چاہیے۔نیز اللہ کا نام ادب واحترام کے ساتھ لیا جائے جس میں موقعہ ومحل بھی موزوں ہو اور جگہ بھی مناسب ہو ہنسی مذاق یا ناگواری کے ساتھ نام نہ لیا جائے اور نہ بیت الخلاء وغیرہ گندی جگہ میں اس پاک نام کی بے حرمتی کی جائے۔لکھے ہوئے نام کا ادب واحترام بھی

ملحوظ رہے۔ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کا حکم حضور ﷺ نے اس آیت کے بعد ہی دیا ہے۔

عالم کی ہر چیز نہایت حکمت ودانائی سے بنائی گئی ہے: .... فسوّی۔ یعنی ہر چیز کو اللہ نے نچے تلے انداز پر پیدا فرمایا ہے کہ اس سے بہتر انداز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس سے یہ بھی اشارہ نکلتا ہے کہ یہ عالم کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ بڑے ہی دانا حکیم کا کارنامہ ہے اور نہ ہی بہت سے خالقوں کی کارگزاری کا یہ ثمرہ ہے۔ ورنہ یہ حسن وخوبی اور کمال و جمال اس کائنات میں پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

والذی قدر۔ یعنی عالم تقدیر الٰہی کے تحت بنایا گیا ہے۔ یہاں کی ہر چیز سوچ بچار کر منصوبہ بند طریقہ سے بنائی گئی ہے۔ یہ نہیں کہ کیف ما اتفق عالم اور اس کی تمام چیزیں پیدا ہو گئیں بلکہ ٹھیک ٹھیک ہر چیز کا اندازہ اور تخمینہ ہے۔ جس کو سامنے رکھ کر اس کو بنایا گیا ہے۔

فھدی۔ یعنی کسی چیز کو یونہی پیدا کر کے نہیں چھوڑ دیا کہ جس غرض کے لیے اس چیز کو بنایا ہے اور پھر اس کے لیے اس کی پوری پوری رہنمائی کی گئی ہے۔ اس کام کے نفع نقصان کے سارے پہلو کھول دیئے گئے۔ چاند، سورج، ستارے، آسمان، زمین، پہاڑ، درخت، کھیت، آگ، مٹی، ہوا کو بھی اغراض کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی طرف ان کی ہدایت کے سروسامان بھی فراہم کر دیئے گئے اور وہ چیزیں ان کاموں کو سرانجام دیتی ہیں۔

فطری ہدایت: .... حتی کہ ایک دہریہ بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مختلف قسم کے جانوروں کو ایسا الہامی علم حاصل ہے جو انسان کو اس کے حواس تو درکنار دوسرے آلات کے ذریعہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ آخر جانوروں اور انسانوں کا بچہ پیدا ہوتے ہی دودھ پینا سیکھ لیتا ہے۔ حالانکہ دنیا بھر کے دانشور مل کر بھی اگر چاہیں تو بچہ کو ماں کے پستان منہ میں تھامنا اور اس سے دودھ کی دھار چوسنا نہیں سکھلا سکتے۔ اسی طرح انسان کی آنکھ، ناک، کان، دل، دماغ، پھیپھڑے، گردے، جگر، معدہ، آنتیں، رگیں، شریانیں، پٹھے سب اسی طرح فطری ہدایت کے مطابق اپنا اپنا کام کیے جا رہے ہیں۔ جب کہ انسان کو اس کے افعال کی خبر ہی نہیں ہوتی اور نہ اس کے ارادہ سے اعضاء کام کرتے ہیں۔ بچپن، جوانی، بڑھاپے میں جتنے تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں انسان کی حس اور ادراک کو دخل نہیں ہوتا۔ گو فطری ہدایت جو اللہ کی طرف سے ودیعت کی جاتی ہے وہ برابر اپنا کام انجام دیتی رہتی ہے۔ لیکن ان غیر اختیاری افعال کے علاوہ ایک درجہ انسان کے عقل وشعور کا بھی ہوتا ہے جس میں اس ہدایت کا انداز دوسرا ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ بے بسی اور بے اختیاری کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں ایک قسم کے انسانی اختیار کو دخل ہو جاتا ہے۔ انسان اس اختیاری ہدایت سے منہ موڑ لینے کے لیے خواہ کتنی ہی حجت بازیاں کرے۔ لیکن بات قابل تسلیم نہیں کہ جس خدائے حکیم نے اس کائنات میں ہر ایک چیز کے لیے اس کی ساخت وحیثیت کے مطابق ہدایت کا اعلیٰ انتظام کر دیا ہے۔ اس نے انسان کے لیے یہ تقدیر تو بنا دی کہ وہ اپنے اختیار سے دنیا میں تصرفات کرے۔ مگر اس نے انسان کو اس کے اختیار کو صحیح یا غلط استعمال کرنے کے طریقوں سے آگاہ نہ کیا ہو۔ بھلا جس قدرت نے اربوں کھربوں خلال دنیا میں پیدا کر دیے۔ تاکہ انسان کو دانت کریدنے کے لیے ادنیٰ سی تکلیف نہ ہو کیا وہ قدرت انسان کی ابدی تکلیف رفع کرنے کا بندوبست نہیں کرے گی۔ جس خالق حکیم نے انسان کے جوتے چمکانے کے لیے بے شمار پالش ڈبیاں فراہم کر دی ہوں وہ اس کی روح کی جلا کے لیے کوئی انتظام نہیں کرے گی۔

بہار اور خزاں کی کرشمہ سازیاں:............ اخرج المرعی۔ انسانی غذاؤں کے لیے سبزی اور جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا۔

فجعلہ غثاء احوی. اللہ اپنی قدرت کے مختلف کرشمے دکھلاتا ہے۔ وہ اگر بہار لاسکتا ہے تو خزاں کی بے رونقی بھی لاسکتا ہے۔ وہ تازگی اور شادابی کے لیے اگر ہر طرف ہریالی اُگا سکتا ہے تو دوسری طرف خزاں کے تھپیڑوں سے اس ہریالی کو خشکی سے بھی تبدیل کرسکتا ہے۔ ہواؤں سے ہر طرف خاک اڑنے لگتی ہے۔

فلاتنسی. ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ قرآن کے الفاظ بار بار دہراتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اطمینان دلایا کہ آپ یاد کرنے کی فکر میں نہ پڑیں۔ بلکہ خاموشی سے سنتے رہا کیجئے یہ ہمارا ذمہ ہے کہ ہم بھولنے نہیں دیں گے۔ اس سے پہلے سورۂ طٰہٰ اور قیامۃ میں بھی یہی مضمون گزر چکا ہے۔ پس جس طرح ایک معجزہ ہے۔ اسی طرح اس کی یادداشت اور حفظ بھی ایک معجزہ ہے۔ جو کسی دوسری آسمانی اور غیر آسمانی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ الا ماشاء اللہ. کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ قرآن کا لفظ بلفظ آپ کے حافظہ میں محفوظ ہو جانا آپ کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ اللہ اگر اسے چاہے تو بھلا سکتا ہے۔ ولئن شئنا لنذھبن بالذی او حینا الیک اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی وقتی طور پر آپ کو نسیان ہو جاتا اور آپ کا کسی وقت کسی آیت یا لفظ کو بھول جانا اس وعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ ہاں جن آیتوں کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہوگا وہ بھی الا ماشاء اللہ میں داخل ہیں۔ گویا وہ ایک قسم کا نسخ ہوگا۔

قرآن کا اللہ حافظ ہے:............ انہ یعلم الجھر وما یخفی. اللہ جو چونکہ سب کی مخفی استعداد اور ظاہری اعمال کو جانتا ہے۔ اس لیے وہ اس کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا۔ رہا یہ کہ ایک حکم نازل کر کے پھر اس کو منسوخ کرنے کے کیا معنی؟ سو اللہ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرسکتا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیے، اور کون سا حکم ہنگامی اور وقتی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ آپ کا زور زور اور بار بار پڑھنا جو ظاہر ہے اور بھول جانے کا کھٹکا جو مخفی ہے وہ سب ہمیں معلوم ہے۔ آپ مطمئن رہیئے بھولیں گے نہیں۔

ونیسرک للیسری. یعنی قرآن پاک کو یاد رکھنا اور اللہ کی معرفت وعبادت اور معاملات سب آسان و سہل کر دیئے جائیں گے اور مشکلات دور کر دی جائیں گی۔

فذکر. اللہ نے جب آپ پر اس قدر احسانات فرمائے ہیں پس ان کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس فیض کو عام کیجئے اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش کیجئے۔

ان نفعت الذکری. ایک دعوت وتبلیغ ہوتی ہے یعنی احکام پہنچانا اور نافرمانی کی صورت میں عذاب سے ڈرانا وہ ہر ایک کو ضروری ہے۔ اس میں نفع کے گمان کی قید اور شرط نہیں ہے۔ البتہ وعظ وتذکیر یعنی نصیحت دہرانا یہ اس وقت لازم ہے جب کہ مخاطب کے قبول کر لینے کا گمان غالب ہو اور ممکن ہے یہ شرط محض تذکیر کی تاکید کے لیے ہو۔ یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تذکیر کرنی چاہیے اور یہ یقینی ہے کہ دنیا میں تذکیر کسی نہ کسی کو ضرور نفع دے گی۔ گو ہر ایک کو نفع نہ دے بہر حال حکم کو کسی ضروری چیز پر معلق کرنے سے حکم بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

دعوت وتبلیغ کا ایک نکتہ:............ یا پہلے جملہ ونیسرک سے مربوط کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم آپ کو تبلیغ دین کے معاملہ میں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ سو جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے آپ انہیں سمجھائیں۔ بلکہ آسان طریقہ متعین کیے دے رہے ہیں اور وہ یہ کہ جو سننے کے لیے تیار ہو اسے سنایئے اور جو ماننے کے لیے تیار ہو اسے منوایئے۔ اب یہ کون اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے

تیار ہے اور کون نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا اندازہ عام تبلیغ ہی سے ہوسکتا ہے۔ اس لیے عام تبلیغ تو جاری رکھی جائے مگر اس سے تمہارا مقصود ان لوگوں کی تلاش ہونی چاہیے جو فائدہ اٹھانے کا جوہر رکھتے ہوں۔ ایسے ہی لوگ فی الحقیقت لائق التفات ہونے چاہئیں۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کے پیچھے پڑنا جن کے متعلق تجربہ سے واضح ہو جائے کہ وہ کوئی نصیحت قبول کرنا نہیں چاہتے لاحاصل ہے۔

سیذکر من یخشیٰ. سمجھانے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خوف خدا اور اپنے انجام کی فکر ہو کہ کہیں میں غلط راستہ پر تو نہیں جا رہا ہوں۔ وہی اللہ کے بندہ کی نصیحت کو توجہ سے سنے گا جو اسے ہدایت وگمراہی کا فرق اور فلاح وسعادت کا راستہ بتلا رہا ہو۔ یتجنبها الاشقیٰ. بھلا جس بدبخت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے اور اسے خوف خدا اور انجام کا ڈر نہیں وہ کہاں سمجھتا اور نصیحت کی طرف دھیان دیتا ہے؟ اور وہ بے شک ٹھیک بات سمجھنے کی کب کوشش کرتا ہے۔

ثم لایموت فیها. نہ اسے موت ہی آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے اور نہ جینے کی طرح جیئے گا کہ زندگی کا لطف حاصل ہو۔ بلکہ ادھر میں لٹکا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت کافر ومشرک کی ہے۔ مومن فاسق تو مقرر سزاؤں کے بعد نجات پالیں گے۔

اصل کامیابی کس کی ہے؟:......... قد افلح. ظاہری، باطنی، حسی، معنوی نجاستوں سے پاک ہو اور اپنے قلب وقالب کو عقائد صحیح، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ سے آراستہ کیے ہو تو وہ کامیاب ہے۔ حقیقی کامیابی آخرت کی سرخروئی ہے۔ دنیا کی خوشحالی میسر ہو یا نہ ہو۔

واذکر اسم. پاک صاف ہو کر تکبیر تحریمہ کہی پھر نماز پڑھی۔ حنفیہ نے اس سے دو مسئلے اخذ کیے ہیں۔ اول یہ کہ تحریمہ میں خاص لفظ اللہ اکبر کہنا فرض نہیں ہے۔ مطلق اللہ کی بڑائی کسی لفظ سے ظاہر کرنا کافی ہے۔ بشرطیکہ اس میں کسی اپنی غرض کا اظہار نہ ہو۔ البتہ احادیث صحیحہ کی وجہ سے اللہ اکبر کہنا سنت یا واجب کہلائے گا۔ دوسرے یہ کہ تکبیر تحریمہ نماز کے لیے شرط ہے رکن نہیں۔ کیونکہ فصلی کا پہلے جملہ پر عطف ہو رہا ہے۔ جس سے مغائرت معلوم ہوتی ہے اور بعض حضرات نے اس جملہ سے صدقۃ الفطر، نماز عید، تکبیرات عید مراد لی ہے۔ بہرحال آیت کا منشاء یہ ہے کہ وہ بندہ صرف اللہ کی یاد کر کے نہیں رہ گیا بلکہ نماز کی پابندی سے اس نے ثابت کر دیا کہ وہ عملاً اللہ کا فرمانبردار، اطاعت گزار ہے۔

بل تؤثرون. یعنی تمہیں جب آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش وآرام کو بلحاظ اعتقاد یا عمل آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ دنیا حقیر وفانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اتنی بہترین چیز کو چھوڑ کر ارذل ترین کو اختیار کر رہے ہو۔

ان هذا. یعنی قد افلح سے وابقی تک یہ مضمون کوئی نادریات یا منسوخ حکم نہیں۔ بلکہ پچھلی کتابیں بھی یہ حکم دے رہی ہیں۔ بعض ضعیف روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو دس صحیفے اور حضرت موسےؑ کو تورات کے علاوہ دس مزید صحیفے عطا کیئے گئے ہیں۔

خلاصہ کلام:......... مضمون سورت پر غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی ہے۔ کیونکہ سنقرئك فرمانا ایسا ہی ہے جیسے آیت اقرا باسم ربك اور آیت لاتحرك میں فرمایا گیا ہے۔ جس سے آیت کی ابتدائی حالت معلوم ہو رہی ہے۔ چنانچہ پھر کبھی آپ کو وحی یا قرآن یاد رکھنے میں دقت پیش نہیں آئی اس سورت میں تین مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت سبح الخ میں توحید کے مضمون کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ یعنی کوئی بات بھی خداوندی عظمت کے خلاف زبان پر نہیں آنی چاہیے۔ دنیا میں جس قدر بھی فاسد عقائد پیدا ہوئے ہیں ان سب کی جڑ بنیاد اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی نہ کسی غلط تصور پر ہے جس نے غلط نام کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس لیے عقیدہ کا صحیح ہونا سب سے اہم ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ جل شانہ کو صرف اسماء حسنیٰ ہی سے یاد کیا

جائے۔ اس کے بعد تین آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ ہی نے کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا۔ اس کے تناسب کو قائم رکھا۔ اس کی تقدیر بنائی۔ اسے اس غرض کو انجام دینے کی راہ بتلائی جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے۔ اللہ ہی کامل قدرت سے زمین پر نباتات پیدا کرتا ہے۔ ہر طرف ہریالی اور سبزی کا منظر ہوتا ہے۔ پھر انہیں خس وخاشاک میں بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ بہار وخزاں دونوں اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اسکے بعد آیت سنقرئک سے دوسرا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ یعنی آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ اتنا بڑا قرآن لفظ بہ لفظ کس طرح آپ کو یاد رہے گا۔ کیونکہ یہ ہمارا کام ہے اس کو محفوظ کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔ اسی طرح دوسروں کو نصیحت کرنے کے سلسلہ میں اس نکتہ کو پیش نظر رکھیے۔ نصیحت چونکہ فی نفسہ مفید چیز ہے۔ اس لیے آپ نصیحت کرتے رہیے۔ یہ نہ سمجھے کہ وہ سب کو مفید ہوتی ہے اور سب ہی مان لیں گے۔ جسے اللہ کا ڈر اور انجام کی فکر ہوگی وہ نصیحت قبول کرلے گا۔ حاصل یہ ہے کہ تذکر کی شرط نہ پائے جانے سے کہیں اگر تذکر کا ترتب نہ ہو۔ تب بھی تذکیر فی نفسہ نافع ہے اور واجب ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بہر حال آپ کے ذمہ ہر ایک کو راہ راست پر لے آنا نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا کام بس حق کی تبلیغ کر دینا ہے اور دعوت کا سیدھا سادا طریقہ یہ ہے کہ جو نصیحت سننے اور ماننے کے لیے آمادہ ہو اسے نصیحت کی جائے اور جو اس کے لیے تیار نہ ہو۔ اس کے پیچھے نہ پڑا جائے جس کے دل میں گمراہی کے برے انجام کا خوف ہوگا وہ حق سن کر قبول کرلے گا اور جو بد بخت اس سے گریزاں ہوگا وہ اپنا انجام بد ضرور دیکھ لے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنی ہی تکمیل کیجئے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے۔ ہم آپ کے معاون ہیں اور فی نفسہ وہ ضروری بھی ہے۔ سورت کے خاتمہ پر ارشاد ہے کہ فلاح وکامیابی ان لوگوں کے لیے ہے۔ جو عقائد واخلاق اعمال کی پاکیزگی اختیار کریں اور اپنے پروردگار کی یاد کر کے نماز پڑھیں۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں سارا غم بس دنیا کا ہے۔ اسی کے راحت وآرام اور لذتوں اور آسائشوں کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ حالانکہ دنیا فانی اور اس کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ اصل فکر آخرت کی ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ باقی ہے اور اس کی نعمتیں بدرجہا بہترین اور یہ حقیقت صرف قرآن ہی کی زبان سے بیان نہیں ہو رہی ہے بلکہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں بھی ان حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ گویا یہ ایک پرانی سچائی ہے جس پر تمام سچے کاربند رہے ہیں۔

فضائل سورت:............ **من قرأ سورة الاعلیٰ اعطاه الله عشر حسنات بعدد كل حرف انزله الله علیٰ ابراهيم و موسیٰ علیهما السلام.**

ترجمہ:...... جو شخص سورۂ اعلیٰ پڑھے گا۔ اس کو اللہ پاک حضرت ابراہیم وحضرت موسےٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے ہر حرف کے بدلہ میں دس گنا ثواب عطا کرے گا۔ (موضوع)

لطائف سلوک:............ **قد افلح من تزکیٰ الخ.** یہ آیت اعمال مقصودہ اہل طریق کی جامع ہے۔

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ قَدْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴿۱﴾ الْقِيَامَةِ لِاَنَّهَا تَغْشَى الْخَلَائِقَ بِاَهْوَالِهَا **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ** عَبَّرَبِهَا عَنِ الذَّوَاتِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ **خَاشِعَةٌ﴿۲﴾** ذَلِيْلَةٌ **عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴿۳﴾** ذَاتُ نَصَبٍ وَتَعَبٍ بِالسَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ **تَصْلٰى** بِضَمِّ التَّاءِ وَفَتْحِهَا **نَارًا حَامِيَةً﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ﴿۵﴾** شَدِيْدَةِ الْحَرَارَةِ **لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ﴿۶﴾** هُوَ نَوْعٌ مِنَ الشَّوْكِ لَاتَرْعَاهُ دَابَّةٌ لِخُبْثِهٖ **لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴿۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ﴿۸﴾** حَسَنَةٌ **لِّسَعْيِهَا** فِي الدُّنْيَا بِالطَّاعَةِ **رَاضِيَةٌ﴿۹﴾** فِي الْاٰخِرَةِ لِمَارَاَتْ ثَوَابَهٗ **فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴿۱۰﴾** حِسًّا وَّمَعْنًى **لَّا تَسْمَعُ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **فِيْهَا لَاغِيَةً﴿۱۱﴾** اَيْ نَفْسٌ ذَاتُ لَغْوٍ اَيْ هَذَيَانٌ مِّنَ الْكَلَامِ **فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴿۱۲﴾** بِالْمَاءِ بِمَعْنَى عُيُوْنٍ **فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ﴿۱۳﴾** ذَاتًا وَّقَدْرًا وَّمَحَلًّا **وَّاَكْوَابٌ** اَقْدَاحٌ لَاعُرٰى لَهَا **مَّوْضُوْعَةٌ﴿۱۴﴾** عَلٰى حَافَاتِ الْعُيُوْنِ مُعَدَّةٌ لِشُرْبِهِمْ **وَّنَمَارِقُ** وَسَائِدُ **مَصْفُوْفَةٌ﴿۱۵﴾** بَعْضُهَا بِجَنْبِ بَعْضٍ يَّسْتَنِدُ اِلَيْهَا **وَّزَرَابِيُّ** بُسُطٌ طَنَافِسُ لَهَاخَمْلٌ **مَبْثُوْثَةٌ﴿۱۶﴾** مَبْسُوْطَةٌ **اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ نَظَرَ اعْتِبَارٍ **اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ﴿۲۰﴾** اَيْ بُسِطَتْ فَيَسْتَدِلُّوْنَ بِهَاعَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَوَحْدَانِيَّتِهٖ وَصُدِّرَتْ بِالْاِبِلِ لِاَنَّهُمْ اَشَدُّ مُلَابَسَةً لَّهَا مِنْ غَيْرِهَا وَقَوْلُهٗ سُطِحَتْ ظَاهِرٌ فِيْ اَنَّ الْاَرْضَ سَطْحٌ وَعَلَيْهِ عُلَمَاءُ الشَّرْعِ لَاكُرَةٌ كَمَا قَالَهٗ اَهْلُ الْهَيْئَةِ وَاِنْ لَّمْ يَنْقُضْ رُكْنًا مِّنْ اَرْكَانِ الشَّرْعِ **فَذَكِّرْ** هُمْ نِعَمَ اللّٰهِ وَدَلَائِلَ تَوْحِيْدِهٖ **اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴿۲۲﴾** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالصَّادِ بَدَلَ السِّيْنِ اَيْ بِمُسَلَّطٍ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ تَوَلّٰى** اَعْرَضَ عَنِ الْاِيْمَانِ **وَكَفَرَ﴿۲۳﴾** بِالْقُرْاٰنِ **فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ﴿۲۴﴾** عَذَابَ الْاٰخِرَةِ وَالْاَصْغَرُ عَذَابُ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ **اِنَّ**

اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ رُجُوْعَهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ جَزَاءَ هُمْ لَانَتْرُكُهُ اَبَدًا

سورۂ غاشیہ مکیہ ہے اس میں ۲۶ آیتیں ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:.........آپ کو اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے (مراد قیامت ہے کیونکہ وہ اپنی ہولناکیوں سے سارے جہان کو گھیرے گی) بہت چہرے اس روز (دونوں جگہ چہروں سے مراد ذوات ہیں) ذلیل ہوں گے سخت مصیبت جھیلتے خستہ ہوں گے (طوق وسلاسل میں مصیبت وتعب اٹھائے ہوں گے) شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تصلیٰ ضمہ تاء اور فتحہ تاء کے ساتھ) کھولتے ہوئے (انتہائی گرم) چشمہ کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ خاردار سوکھی گھاس (جس کو انتہائی خراب ہونے کی وجہ سے جانور بھی نہیں چھوتے) کے سوا کوئی کھانا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ جو نہ موٹا کرے اور نہ بھوک مٹائے۔ بہت سے چہرے بارونق (کھلے ہوئے) ہوں گے (دنیا میں فرمانبرداری کی) اپنی کارگزاری پر (آخرت میں ثواب دیکھ کر) خوش ہوں گے بہشت بریں میں ہوں گے (جو حسی اور معنوی طور پر بلند ہوگی) نہیں سنیں گے (یا اور تا کے ساتھ ہے) وہاں کوئی بیہودہ بات (لغو چیز یعنی فضول گفتگو) اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (جن میں پانی رواں ہوگا۔ عین بمعنی عیون ہے) اس میں اونچی مسندیں ہوں گی (جو اپنی ذات اور مرتبہ اور محل کے لحاظ سے بلند ہوں گی) ساغر (ایسے جام جن میں ٹونٹی نہ ہو) رکھے ہوئے ہوں گے (چشموں کے کنارے پینے کے لیے مہیا) گاؤتکیوں کی قطاریں لگی ہوئی ہوں گی (گدی لگانے کے لیے برابر برابر رکھے ہوئے) اور نفشین قالین (روئیں دار ریشمی گدے) سب طرف بچھے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا یہ لوگ (کفار مکہ بنظر عبرت) اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ (پھیلائی گئی۔ غرض کہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت سمجھ لینی چاہیے تھی۔ پہلے اونٹ کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ وہ ان سب چیزوں سے زیادہ اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور سطحت سے بظاہر زمین کا منبطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علماء کی رائے بھی ہے۔ بقول اہل ہیئت زمین کروی نہیں ہے۔ اگر چہ اس نظریہ سے بھی شرعی احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا) چھا تو آپ (ان کو) نصیحت کیے جایئے (اللہ کی نعمتیں اور دلائل توحید ذکر کر کے) آپ تو بس ہیں ہی نصیحت کرنے والے کچھ ان پر مسلط نہیں ہیں (ایک قراءت میں بجائے سین کے صاد کے ساتھ ہے۔ بمعنی تذلیل یہ فرمان جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) ہاں (مگر) جو شخص منہ موڑے گا (ایمان سے روگردانی گا) اور (قرآن سے) کفر کرے گا تو اللہ اس کو بھاری سزا دے گا (آخرت کی اور قتل وقید کی دنیاوی سزا ہلکی ہے) ان لوگوں کا آنا (مرنے کے بعد پلٹنا) ہمارے ہی پاس ہوگا۔ پھر ان کا حساب لینا ہمارا ہی کام ہے (یعنی اس کا بدلہ جس کو نظر انداز بالکل نہیں کیا جائے گا)

تحقیق وترکیب:.........مکیة. یہ متفق علیہ مکی ہے۔

الغاشیة. غشیان کے معنی چھپانے کے ہیں۔ قیامت کا دن یا دوزخ کی آگ مراد ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یوم یغشاهم العذاب اور تغشیٰ وجوههم النار.

وجوه. یہ جملہ مستانفہ ہے۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔ ای ما حدیث الغاشیة لفظ وجه یہاں اور آئندہ آیات میں بطور مجاز مرسل کے مستعمل ہے۔ تسمیة الکل باسم اشرف الجزء. چہرہ اشرف اجزاء ہونے کے علاوہ بدن کی تکلیف وراحت کا اثر سب سے پہلے اس پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

عاملة ناصبة. دوزخ کی مصیبتوں سے تھکا ماندہ ہونا مراد ہے اور دنیا کے لاحاصل محنت ومشقت سے خستہ ہو جانا مراد ہے۔

تصلیٰ. ابو عمروؒ، یعقوبؒ، ابوبکرؒ نے ضمہ تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصلاح اللہ سے ماخوذ ہے۔ داخل کرنے کے معنی ہیں۔ اور بعض نے تصلیٰ تشدید کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ پڑھا ہے۔

انية. انتہائی گرم کے معنی ہیں۔من ضريع. قریش اس کوشبرق کہتے ہیں۔مجاہدؒ کہتے ہیں۔هو نبت ذو شوك تسميه القريش الشبرق فاذا هاج سمره الضريع وهو اخبث الطعام وابشعه. جب تک یہ گھاس ہری ہوتی ہے تو اونٹ کھا لیتے ہیں لیکن سوکھنے کے بعد بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں یہ آگ کا درخت ہوگا جو ان کو کھلایا جائے گا اور زقوم و غسلین دوسرے دوزخیوں کی خوراک ہوگی۔

لا يسمن. کھانا کھانے کی یہی دو غرضیں ہوا کرتی ہیں۔لیکن دوزخ کا یہ کھانا قطعاً ناکارہ ہوگا۔

وجوه يومئذ۔دوزخیوں کے بعد جنتیوں کا ذکر ہے۔اور وجوہ نکرہ ہونے کے باوجود مبتداء ہے۔کیونکہ موضع تنوین میں ہے۔لاتسمع تا کے ساتھ نافعؒ پڑھتے ہیں۔اور ابن کثیرؒ،ابوعمروؒ،رولیسؒ یا کے ساتھ مجہول پڑھتے ہیں۔اور لا غيته فاعل ہوگا۔اور پہلی صورت میں ضمیر مخاطب فاعل لاغية مفعول ہوگا اور لاغية بمعنی لغو ہے۔یا کلمہ ذات لغو ہے یا بمعنی نفسا تلغوه ہے۔بہرحال جنت لغوگوئی کی جگہ نہیں ہوگی۔

عين جاريه. گڑھے کی صورت نہیں۔بلکہ ابدی چشمہ رواں دواں ہوگا۔

سرر مرفوعة. ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔الواحها من ذهب مكللة بالزبرجد والدر والياقوت مرتفعة في السماء مالم يجئي اهلها فاذا اراد ان يجلس عليها صاحبها تراضعت حتى يجلس عليها ثم ترفع الیٰ موضعها.

اكواب. بغیر ٹونٹی کا برتن تاکہ جس جانب سے چاہیں پی لیں۔

نمارق. نمرق کی جمع ہے بمعنی تکیہ۔

زرابی. زربیہ کی جمع ہے۔نفیس فرش جس کے پھندنے اور جھالر لٹکے ہوئے ہوں۔جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔زمخشریؒ عمدہ بستر کے معنی لیتے ہیں۔امام راغبؒ کہتے ہیں کہ مطلق کپڑے کے معنی تھے۔پھر فرش کے لیے یہ لفظ مستعار ہوگیا۔

افلاينظرون. ہمزہ کا مدخول محذوف ہے۔فاعاطفہ ہے۔تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اعموا افلا ينظرون. استفہام انکاری توبیخ کے لیے ہے۔اونٹ کی تحقیق عرب کے عجیب الخلقت جانور ہونے کی وجہ سے ڈیل ڈول ایسا ہے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ یہ کسی کے قبضہ میں نہیں آئے گا۔مگر ایک چوہے کا بچہ بھی اگر نکیل پکڑے تو اس کے پیچھے پیچھے ہولے۔بوجھ اٹھانے میں اور سفر طے کرنے میں انتھک۔مگر پانی اور خوراک کے معاملہ میں انتہائی صابر شاکر اور قناعت پسند کہ دو دو ہفتہ بھوک پیاس برداشت کر لیتا ہے۔اور معمولی خوراک سے بھی خوش ہو جاتا ہے۔لمبی گردن سے وقار ٹپکتا ہے مگر نہایت مسکین۔پاؤں سے کسی کو روندتا نہیں۔مگر غصہ آجائے تو کاٹ پھانٹ کر رکھ دیتا ہے۔شتر کینہ مشہور ہے۔اپنی ہیئت کذائی سے نہایت بے ذوق معلوم ہوتا ہے۔مگر سریلی آواز اور خوش الحانی۔ حدی خوانی سے خوش مذاق انسانوں کی طرح متاثر ہوتا ہے۔غرضیکہ ان ساری خوبیوں کا کوئی جانور نہیں۔اس لیے عرب اس کو بڑی نعمت سمجھتے ہیں اس کو سفينته البر کہا جاتا ہے اور سخت دل بھی ہے اور قتل کی دیت میں اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

ابل. اسم جمع ہے اس کا کوئی لفظی مفرد نہیں ہے۔بعیر ناقہ،جمل مفرد معنوں میں۔اور بعض کے نزدیک بطور استعارہ ابل سے مراد بادل ہے۔

كيف خلقت. كيف منصوب ہے۔خلقت کا حال ہونے کی وجہ سے اور یہ جملہ الابل بدل الاشتمال ہونے کی وجہ سے محل جر نہیں ہے۔اور ينظرون متعدی الیٰ کے ذریعہ اور كيف خلقت کی طرف بطور تعلق کے متعدی ہے۔اہل عرب الیٰ کو كيف پر داخل کر کے کہتے ہیں۔انظر الى كيف يضع اور كيف حال سے سوال کے لیے آتا ہے۔اس میں خلقت عامل ہوگا اور تعلق کے بعد استفہام اپنے حقیقی معنی پر نہیں رہتا۔

سطحت. ان چاروں افعال کی ایک قراءت مرفوع بھی ہے۔ضمیر منصوب مرفوع ہوگی۔ای افلا ينظرون الیٰ انواع المخلوقات من البسائط والمركبات ليتحققوا كمال قدرة الخالق فلا ينكروا اقتداره على البعث. عرب چونکہ

اکثر خانہ بدوش رہتے تھے اور سفر پسند تھے۔ اور انسان جب اس طرح آبادی سے باہر ہو کر فضا میں نظر عبرت ڈالتا ہے تو سب سے پہلے اس کی نظر اپنی سواری پر جاتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اوپر دیکھتا ہے تو آسمان پر نگاہ جاتی ہے۔ پھر جب دائیں بائیں نظر ڈالتا ہے تو پہاڑ نظر پڑتے ہیں اور جب نگاہ نیچی کرتا ہے تو زمین دکھائی پڑتی ہے اس سے تنہائی میں نظر وفکر کرنے کا امتحان معلوم ہوا۔

امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا کروی ہونا دلیل سے ثابت ہے اگر چہ بظاہر آیت سے اس کا مسطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زمین چونکہ عظیم کرہ ہے۔ اس لیے کروی ہونا اور زمین کا مسطح ہونا دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ زمین کروی ہے۔ مفسر علامؒ نے کروی ہونے کے نظریہ کی تردید نہیں کی بلکہ گنجائش دی ہے تاہم علمائے ہیئت یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ سیلابوں، طوفانوں، ہواؤں کی وجہ سے زمین حقیقی کرہ نہیں رہی بلکہ قدرتی طور پر سطحیت آ کر رہائش کی صورت پیدا ہوگئی۔

انما انت مذکر۔ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔

لست علیھم بمصیطر۔ ہشام وغیرہ اس کو اصل یعنی سین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور حمزہ اشمام کرتے ہیں۔ باقی قراء صاد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مفسر اس کو حکم جہاد کی وجہ سے منسوخ فرما رہے ہیں۔ لیکن دوسرے بعض مفسرین نہیں مانتے۔ کیوں کہ جہاد اس کے منافی نہیں ہے۔ دعوت دین کو قبول کرنا اختیاری ہوتا ہے جبری نہیں۔

الامن تولی۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ الا استثناء منقطع کے لیے ہے۔ لیکن متصل بھی ہو سکتا ہے۔ ای **فذکرھم الامن قطع طمعک من ایمانه**۔ اور بعض تقدیر عبارت اس طرح نکالتے ہیں کہ **لست بمسلط علیھم الامن تولی** گویا کفار سے جہاد کرنا ان پر تسلط ہے۔ اور بعض **فذکر** سے استثناء مانتے ہوئے تقدیر عبارت اس طرح کرتے ہیں۔ **فذکر الامن تولی وفاجر فاستحق العذاب الاکبر**۔ گویا درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ لیکن الاتنبیھی۔ کی قراءت پہلے احتمال کی تائید کرتی ہے۔

ایابھم۔ ایک قراءت تشدید یا کی ہے فیعال فیعل کا مصدر ہے۔ ایاب سے ماخوذ ہے یا اوب سے فعال کا وزن ہے دیوان کی طرح پہلا واو یا سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پھر سید، مرمی، مضی کی طرح ادغام کر دیا گیا ہے اور خبر کی تقدیم تخصیص اور مبالغہ فی الوعید کے لیے ہے۔

ربط آیات:.......... پچھلی سورت میں آخرت کی تسلی کا بیان ہے۔ اس سورت غاشیہ میں آخرت کی تیاری کرنے، نہ کرنے والوں کی جزاء سزا کا بیان ہے اور قیامت کی تقریر کے لیے قدرت کا اثبات اور آخر میں منکرین کی طرف سے رنجش پر آنحضرتؐ کی تسلی فرمائی جارہی ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جب کہ آپ تبلیغ عام شروع کر چکے تھے اور بالعموم وہ لوگ اسے سنکر نظرانداز کر دیتے تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.......... **حدیث الغاشیه**۔ یعنی قیامت کی بات سننے کے لائق ہے اور قیامت نام ہے کل نظام عالم کے درہم برہم ہو جانے کا۔ اس لیے غاشیہ فرمایا کہ تمام مخلوق پر چھا جائے گی اور اس کا اثر عالمگیر ہوگا۔

دوزخیوں کا حال:.......... **وجوہ یومئذ خاشعة**۔ انسان کا چہرہ چونکہ تمام اعضاء میں نمایاں ہوتا ہے اور اس پر کیفیات نمایاں ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اشخاص وافراد کی بجائے پیرایہ تعبیر میں چہرہ مہرہ کو لے لیا جاتا ہے اور **خاشعة** آخرت کی خستگی اور درماندگی مراد ہے اور یا دنیا کی مصائب سے تھک کر چور ہونا مراد ہے یقیناً بہت سے کافر **خسر الدنیا والآخرة** ہوتے ہیں کہ نہ یہاں کا چین نہ وہاں کا آرام۔

من عین انیة۔ دوزخ کی گرمی سے بے تاب ہو کر پیاس پیاس پکاریں گے تو کھولتا ہوا تیز گرم پانی دیا جائے گا جسے پیتے ہی منہ میں چھالے پڑ جائیں گے اور آنتیں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی پھر ٹھیک کر دی جائیں گی اور یہی ابد تک سلسلہ چلتا رہے گا **من ضریع** ایک خاردار درخت یا گھاس ہے جو ایلوے سے زیادہ تلخ اور مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے بڑھ کر گرم ہوگا جو بھوک سے بلبلانے والے

دوزخیوں کو زہر مار کرنے کے لیے دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں کہیں زقوم فرمایا گیا اور کہیں غسلین کہا گیا۔ لیکن ان سب بیانات میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے دوزخیوں کو مختلف درجات کے لحاظ سے یہ چیزیں دی جائیں گی اور ایک ہی شخص کو مختلف اوقات میں یا بیک وقت یہ سب چیزیں دی جائیں گی۔ یا ایک ہی چیز پر مختلف کیفیات کی وجہ سے یہ مختلف نام دیئے گئے ہوں۔ کھانا کھانے کا اصل مقصد بھوک کی تکلیف کا دفعیہ اور بدن کی تقویت وفربہی ہوتا ہے۔ سوان دونوں کی صراحۃً نفی فرمادی۔ رہ گئی لذت سو وہ اس کے نام ہی سے کافور ہے۔

جنتیوں کا حال: .... وجوہ یومئذ ناعمة. دوزخیوں کے بعد یہاں سے جنتیوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ کہ ایمان وعمل کے سلسلہ میں جو محنتیں اور مشقتیں دنیا میں اٹھا کر آئے ہیں۔ ان کے شاندار نتائج دیکھ کر یہ لوگ نہایت مسرور ہوں گے کہ انہوں نے اپنی انتھک کوششوں اور خواہشات نفس کی قربانیوں کا بھرپور صلہ اور احکام الٰہی کی اطاعت اور معاصی سے بچنے کا انعام پالیا اور سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں ٹھکانے لگیں اور محنتوں کا پھل بہت خوب ملا۔

لا تسمع فیها لا غیة. گالی، گفتار، بدکلامی تو درکنار کوئی لغوبات بھی وہاں نہیں سنی جائے گی۔ ہر شخص چین کی بانسری بجا رہا ہوگا اور اپنی کھال میں مست اور مگن ملے گا۔

بہشت آنجاکہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد

فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو یہ ایک عظیم نعمت ہے۔ دوزخیوں کا حال اس کے برعکس ہوگا۔ وہ دنیا کی طرح ہر وقت بک بک جھک جھک کریں گے جو مصیبتوں کو دوبالا کر دیتا ہے۔

عین جاریة. کوئی خاص چشمہ ہوگا یا جنس مراد ہے کہ پانی کے چشمے بہتے ہوں گے۔

اکواب موضوعة. یعنی جام لبالب تیار ملیں گے کہ جب اور جتنا چاہیں پی لیں۔

ونمارق. مسندیں نہایت قرینہ اور سلیقہ سے بچھی ہوئی اور گاؤتکیئے ترتیب سے لگے ہوئے ہوں گے تاکہ جس وقت اور جہاں چاہیں آرام کر سکیں۔ دنیا میں خوشحال اہل ثروت کے یہاں بھی یہی طور طریقے ہوتے ہیں۔

قدرت کی کرشمہ سازیاں: .... افلاینظرون. آخرت کی باتیں سن کر کفار کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا جا رہا ہے کیا تم نے دنیا میں قدم قدم پر قدرت الٰہی کے تماشے نہیں دیکھے۔ کیا انہوں نے کبھی نہیں سوچا کہ یہ اونٹ کیسے بن گئے؟ یہ آسمان کیسے بلند ہو گئے؟ یہ پہاڑ کیسے کھڑے ہو گئے؟ جب یہ سب چیزیں آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کوئی خواب وخیال نہیں پھر قیامت کے آنے میں کیوں تامل ہے؟ دوزخ اور جنت کی دنیا کیوں نہیں بن سکتی؟ اگر ان کے دماغ ہے اور اس میں بھیجہ اور بھیجہ میں عقل ہے تو انہیں سوچنا چاہیے کہ جو کچھ چیزیں موجود ہیں آخر کس طرح وجود میں آگئیں۔ بھلا "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی" کا مصداق عرب میں جن خصوصیات کے جانور کی ضرورت تھی۔ وہی عجیب الخلقت جانور بنادیا۔ بے ستون آسمان تان دیے۔ چاند، سورج روشنی کے لیے اور ستارے خوشنمائی کے لیے فضا میں معلق کر دیئے۔ اور سانس لینے کے لیے فضا میں ہوا بھری پڑی ہیں۔ مخلوق کے رہنے کے لیے زمین بچھا دی۔ جس کی پیداوار اور پانی کے چشموں پر زندگی کا انحصار ہے۔ کیا یہ سب کچھ قادر حکیم کی کاریگری کے بغیر ہو گیا؟ عقل وانصاف سے کام لیا جائے۔ ضد اور ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ جس طرح یہ سب ناممکن اس کی قدرت سے ممکن ہو گیا۔ اسی طرح جن چیزوں کے آئندہ ہونے کی خبر دی جا رہی ہے وہ بھی ضرور ہو کر رہے گی۔ مگر تعجب ہے کہ ان چیزوں کو دیکھ کر بھی اللہ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے۔ جس سے قیامت کے عجیب وغریب انتظامات کا سمجھ میں آجانا سہل ہو جاتا۔

نصیحت کرنے میں تاثیر کا انتظار کرنا چاہیئے:........... فذکر. یہ لوگ روشن دلائل کے ہوتے ہوئے جب غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں پریشان نہ ہوں۔ یہ نہیں مانتے نہ مانیں۔ آپ کے سپرد نہ ماننے والوں کو منوانا نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کا کام تو صرف یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح اور غلط راستے دکھلا دو اور ان کو ان کے انجام سے باخبر کردو۔ آپ اسی کام کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ سمجھنا نہیں چاہتے تو ان پر داروغہ بنا کر آپ کو نہیں بھیجا گیا ہے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں۔ یہ کام مقلب القلوب کا ہے۔ آپ کا جو کام ہے جس کو اب تک کیے جارہے ہو برابر اسی کو کرتے رہیئے۔

الا من تولیٰ. کی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں اور اس کی آیات کا انکار کرنے والوں کو اللہ کے حوالہ کیجئے۔ وہ اس کے سخت ترین عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ انہیں ایک نہ ایک دن ہمارے پاس آنا ہے اور ہمیں ان سے پائی پائی کا حساب چکانا ہے۔ غرض حال کا کام آپ کیے جایئے اور مستقبل ہمارے حوالہ کیجئے۔

خلاصۂ کلام:.......... شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و دعوت کا زیادہ زور دو بنیادی باتوں پر رکھا ہے۔ ایک توحید۔ دوسرے آخرت۔ منکرین نے بھی زور شور سے ان دونوں حقیقتوں کا انکار جاری رکھا۔ اس سورت میں بھی روئے سخن انہیں لوگوں کی طرف ہے۔ چنانچہ آپ کے واسطہ سے سب سے پہلے ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں اس وقت کی بھی کچھ خبر ہے جب سارے جہان پر چھا جانے والی آفت نازل ہوگی؟ اس وقت تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے اور دونوں کا انجام الگ الگ سامنے آجائے گا دوزخ میں جانے والوں کا انجام انتہائی بھیانک ہوگا اور جنتی عالی شان محلات میں عیش وعشرت کے ساتھ رہیں گے۔

اس کے بعد عنان توجہ اپنی قدرت کی کرشمہ سازیوں کی طرف پھیر دی گئی ہے۔ فرمایا کہ کیا یہ لوگ جہاں پر نظر ڈال کر ان چیزوں کو نہیں دیکھتے، جن سے ان کو واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ صحرانوردوں کو زندگی بھی اونٹوں سے سابقہ رہتا ہے جو ان کے لیے سفائنی امیر ہیں اور قدرت نے اس عجیب الخلقت جانور کو ایسی خصوصیات کا حامل بنایا ہے۔ جو صحرائی زندگی کے لیے درکار تھیں۔ اسی طرح سفر کرتے وقت آنکھوں کے سامنے ادھر آسمان ہوتا ہے۔ درمیان میں پہاڑ، نیچے زمین۔ ان تینوں چیزوں میں انہیں غور کرنا چاہیئے کہ یہ آسمان کا سائبان کیسے تن گیا ہے۔ یہ دیو قامت پہاڑ کیسے کھڑے ہوئے؟ زمین کیسے بچھ گئی؟ کیا ان سے اللہ کی قدرت وحکمت کا پتہ نشان نہیں ملتا۔ پس اس سے اس کی یکتائی اور قدرت ثابت ہوتی ہے پھر آخر کون سی معقول بنیاد پر قیامت اور جزا وسزا کا انکار کر رہے ہیں؟ کیا ہماری قدرت میں کچھ فرق آجائے گا؟ یا مقدر، مقدر ہونے سے خارج ہو جائے گا؟

شروع سورت کی طرح پھر آخر میں آپ کی طرف التفات فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ آپ زبردستی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ منوا کہ چھوڑیں۔ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے وہ کیئے جایئے آخر یہ ہمارے پاس تو آئیں گے ہی۔ ہم خود نمٹ لیں گے۔

فضائل سورت:.......... من قرء سورۃ الغاشیۃ حاسبہ اللّٰہ حسابًا یسیرًا۔

ترجمہ:...... جو شخص سورہ غاشیہ پڑھے گا اللہ اس کا حساب آسان لے گا۔ (حدیث موضوع)

لطائف سلوک:.......... وجوہ یومئذ خاشعۃ. روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ضلالت اور اہل بدعت بھی اس میں داخل ہیں کہ ان کی عبادت ومساعی بھی رائیگاں چلی جائیں گی۔

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُوْنَ ايَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ اَیْ فَجْرَ كُلِّ يَوْمٍ **وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾** اَیْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ **وَّالشَّفْعِ** الزَّوْجِ **وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾** بِفَتْحِ الْوَاوِ وَكَسْرِهَا لُغَتَانِ الْفَرْدِ **وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾** اَیْ مُقْبِلًا وَّمُدْبِرًا **هَلْ فِیْ ذٰلِكَ** الْقَسَمِ **قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ﴿۵﴾** عَقْلٍ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اَیْ لَتُعَذَّبُنَّ يَا كُفَّارُ مَكَّةَ **اَلَمْ تَرَ** تَعْلَمْ يَا مُحَمَّدُ **كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ** هِیَ عَادُ الْاُوْلٰی فَاِرَمَ عَطْفُ بَيَانٍ اَوْبَدَلٌ وَّمُنِعَ الصَّرْفُ لِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّانِيْثِ **ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾** اَیِ الطُّوْلِ كَانَ طُوْلُ الطَّوِيْلِ مِنْهُمْ اَرْبَعَ مِائَةِ ذِرَاعٍ **الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ﴿۸﴾** فِیْ بَطْشِهِمْ وَقُوَّتِهِمْ **وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا** قَطَعُوا **الصَّخْرَ** جَمْعُ صَخْرَةٍ وَاتَّخَذُوْهَا بُيُوْتًا **بِالْوَادِ ﴿۹﴾** وَادِی الْقُرٰی **وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾** كَانَ يَتِدُ اَرْبَعَةَ اَوْتَادٍ يَّشُدُّ اِلَيْهَا يَدَیْ وَرِجْلَیْ مَنْ يُعَذِّبُهُ **الَّذِيْنَ طَغَوْا** تَجَبَّرُوْا **فِی الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾** اَلْقَتْلَ وَغَيْرَهُ **فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ** نَوْعَ **عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾** يَرْصِدُ اَعْمَالَ الْعِبَادِ فَلَايَفُوْتُهُ مِنْهَا شَیْءٌ لِيُجَازِيَهُمْ عَلَيْهَا **فَاَمَّا الْاِنْسَانُ** الْكَافِرُ **اِذَا مَا ابْتَلٰهُ** اِخْتَبَرَهُ **رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ** بِالْمَالِ وَغَيْرِهٖ **وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ** ضَيَّقَ **عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا** رَدْعٌ اَیْ لَيْسَ الْاِكْرَامُ بِالْغِنٰی وَالْاِهَانَةُ بِالْفَقْرِ وَاِنَّمَا هُمَا بِالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ لَايَتَنَبَّهُوْنَ لِذٰلِكَ **بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾** لَايُحْسِنُوْنَ اِلَيْهِ مَعَ غِنَاهُمْ اَوْلَا يُعْطُوْنَهٗ حَقَّهٗ مِنَ الْمِيْرَاثِ **وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ** اَنْفُسَهُمْ وَلَاغَيْرَهُمْ **عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ** الْمِيْرَاثَ **اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾** اَیْ شَدِيْدًا لِّلَمِّهِمْ نَصِيْبَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ مِنَ الْمِيْرَاثِ مَعَ نَصِيْبِهِمْ مِنْهُ اَوْمَعَ مَالِهِمْ **وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾** اَیْ كَثِيْرًا فَلَايُنْفِقُوْنَهٗ وَفِیْ قِرَاءَةٍ

بِالْفَوْقَانِيَةِ فِي الْاَفْعَالِ الْاَرْبَعَةِ **كَلَّا** رَدْعٌ لَّهُمْ عَنْ ذٰلِكَ **اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا**﴿۲۱﴾ زُلْزِلَتْ حَتّٰى يَنْهَدِمَ كُلُّ بِنَاءٍ عَلَيْهَا وَيَنْعَدِمُ **وَّجَآءَ رَبُّكَ** اَيْ اَمْرُهٗ **وَالْمَلَكُ** اِيِ الْمَلَائِكَةُ **صَفًّا صَفًّا**﴿۲۲﴾ حَالٌ اَيْ مُصْطَفِيْنَ اَوْذَوِيْ صُفُوْفٍ كَثِيْرَةٍ **وَجِاْىْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ** تُقَادُ بِسَبْعِيْنَ اَلْفِ زِمَامٍ كُلُّ زِمَامٍ بِاَيْدِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَهَا زَفِيْرٌ وَّتَغَيُّظٌ **يَوْمَئِذٍ** بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابُهَا **يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ** اَيِ الْكَافِرُ مَافَرَّطَ فِيْهِ **وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى**﴿۲۳﴾ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَايَنْفَعُهٗ تَذَكُّرُهٗ ذٰلِكَ **يَقُوْلُ** مَعَ تَذَكُّرِهٖ **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **لَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ** الْخَيْرَ وَالْاِيْمَانَ **لِحَيَاتِيْ**﴿۲۴﴾ الطَّيِّبَةِ فِي الْاٰخِرَةِ اَوْوَقْتَ حَيَاتِيْ فِي الدُّنْيَا **فَيَوْمَئِذٍ لَّايُعَذِّبُ** بِكَسْرِ الذَّالِ **عَذَابَهٗٓ** اَيِ اللّٰهِ **اَحَدٌ**﴿۲۵﴾ اَيْ لَايَكِلُهٗ اِلٰى غَيْرِهٖ **وَّ** كَذَا **لَايُوْثِقُ** بِكَسْرِ الثَّاءِ **وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الذَّالِ وَالثَّاءِ فَضَمِيْرُ عَذَابَهٗ وَوَثَاقَهٗ لِلْكَافِرِ وَالْمَعْنٰى لَايُعَذَّبُ اَحَدٌ مِّثْلَ تَعْذِيْبِهٖ وَلَايُوْثَقُ مِثْلَ اِيْثَاقِهٖ **يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ**﴿۲۷﴾ الْاٰمِنَةُ وَهِيَ الْمُؤْمِنَةُ **ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ** يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ عِنْدَ الْمَوْتِ اَيْ اِرْجِعِيْ اِلٰى اَمْرِهٖ وَاِرَادَتِهٖ **رَاضِيَةً** بِالثَّوَابِ **مَّرْضِيَّةً**﴿۲۸﴾ عِنْدَ اللّٰهِ بِعَمَلِكِ اَيْ جَامِعَةً بَيْنَ الْوَصْفَيْنِ وَهُمَا حَالَانِ وَيُقَالُ لَهَا فِي الْقِيَامَةِ **فَادْخُلِيْ فِيْ** جُمْلَةِ **عِبٰدِيْ**﴿۲۹﴾ الصَّالِحِيْنَ **وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ**﴿۳۰﴾ مَعَهُمْ

ع ۳۰ | ۱۴

سورۂ فجر مکیہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں ۳۰ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.........قسم ہے (ہر روز) فجر کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جفت (جوڑ) اور طاق (وتر واو کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں لغت ہیں بے جوڑ عدد کو کہتے ہیں) اور رات کی جب وہ رخصت ہو رہی ہو (یعنی آ جا رہی ہو) کیا اس (قسم) میں کسی صاحب عقل کے لیے کافی قسم ہے (حجر بمعنی عقل جواب قسم محذوف ہے یعنی اے مکہ کے کافرو! تمہیں ضرور سزا دی جائے گی) آپ نے (اے محمدؐ) دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے عاد، ارم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا (ارم سے مراد عاد اولیٰ ہے۔ اس لیے یہ اس کا عطف بیان یا بدل ہے۔ علمیت اور تانیث کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے) جو اونچے ستون جیسے قد و قامت والے تھے (عماد سے مراد لمبائی ہے۔ چنانچہ ان میں قد آور آدمی چار سو ہاتھ کا ہوتا تھا) جن کے مثل دنیا میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی (بلحاظ طاقت و قوت کے) اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراش دیں (کاٹ دیں) چٹانیں (صخرة کی جمع ہے۔ چٹانیں کاٹ کر گھر بنائے) وادی (قریٰ) میں اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (جو سزا دینے کے وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر چومیخا کیا کرتا تھا) یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سرکشی (بربادی) مچا رکھی تھی ملکوں میں اور بہت فساد (قتل و غارت) برپا کر رکھا تھا۔ آخر کار آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا (ایک خاص قسم کے عذاب میں مبتلا کر دیا) یقیناً آپ کا رب گھات لگائے ہے (بندوں کے اعمال کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ کسی عمل سے نظر چوکتی نہیں۔ لہٰذا وہ ان اعمال کا بدلہ بھی ضرور دے گا) مگر انسان (کافر) کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش (امتحان) میں ڈالتا ہے اور اسے (مال وغیرہ سے) عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا۔ اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کی روزی اس پر تنگ (کم) کر دیتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ میرے رب نے

مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز ایسا نہیں (یہ ڈانٹ ہے یعنی کسی کو مالدار کر دینا اکرام اور فقیر کر دینا اہانت نہیں ہے بلکہ اکرام واہانت تو فرمانبرداری اور نافرمانی کی وجہ سے ہوگی۔ البتہ کفار مکہ اس نکتہ سے بے خبر ہیں) بلکہ یہ لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے (مالدار ہونے کے باوجود اس پر احسان نہیں کرتے یا اس کا حق میراث نہیں دیتے) اور مسکین کو کھانا کھلانے پر اکساتے نہیں (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو) اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (اپنے حصہ میں سب عورتوں اور بچوں کے حقوق سمیٹ کر مار لیتے ہو، یا مالدار ہوتے ہوئے انتہائی لالچی ہو) اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہیں (اس میں سے خرچ کرنے کا نام ہی نہیں لیتے ایک قراءت میں چاروں افعال تا کے ساتھ ہیں) ہرگز ایسا نہیں (ان کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) جب زمین پے بہ پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنادی جائے گی (زلزلے آئیں گے جن سے ساری عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائیں گی) اور آپ کا رب (اس کا حکم) جلوہ فرما ہوگا۔ اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے (یہ حال ہے یعنی صف بستہ ہو کر لائن لگا کر) اور دوزخ اس روز سامنے لائی جائے گی (ستر ہزار لگاموں میں کھینچ کر، اس طرح کہ ہر لگام ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں تھمی ہوگی۔ بھبکتی اور شوں شاں کرتی ہوئی) اس روز (اذا کا بدل ہے۔ اس کا جواب آگے ہے) انسان کو سمجھ آئے گی (کافر اپنی کوتاہی سمجھ لے گا) اور اس وقت سمجھنے کا کیا موقعہ (استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی اس روز سمجھنا مفید نہیں ہوگا) وہ کہے گا (اس سمجھنے کو یاد کر کے) اے کاش (تنبیہ کے لیے ہے) میں نے پیشگی (بھلائی اور ایمان کا) کچھ کام کیا ہوتا اپنی اس زندگی کے لیے (آخرت کی بہترین زندگی کے لیے یا دنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے) پھر اس دن نہ تو کوئی عذاب دے سکے گا (لایعذب کسرہ ذال کے ساتھ ہے) اللہ کے عذاب جیسا عذاب (یعنی وہ اللہ کے سوا کسی کے حوالہ نہیں کیا جائے گا) اور نہ کوئی باندھنا کوئی باندھے گا (وثاقه کسرہ ثا کے ساتھ ہے) اللہ جیسا باندھنا (ایک قرأت میں فتحہ ذال فتحہ ثا کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں عذابه اور وثاقه کی ضمیر کافر کی طرف راجع ہوگی حاصل یہ ہے کہ اللہ کا سا عذاب کوئی نہیں کر سکے گا اور نہ اس کا سا باندھنا کوئی کر سکے گا) اے نفس مطمئن! (مامون یعنی مومن) چل اپنے رب کی طرف (مرنے کے وقت یہ کہا جائے گا یعنی اللہ کے حکم وارادہ کی طرف جا) اس طرح کہ تو اس سے (ثواب پر) خوش اور وہ تجھ سے خوش (تیرا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی وجہ سے۔ یعنی تجھ میں دونوں خوبیاں ہوگئیں یہ دونوں حال ہیں اور قیامت کے روز اس نفس مطمئن سے کہہ دیا جائے گا) پھر تو میرے (نیک) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں (ان کے ساتھ) داخل ہو جا۔

تحقیق وترکیب:......... مكية. جمہور کے نزدیک سورۂ فجر مکی ہے۔ لیکن علی بن ابی طلحہؒ کے نزدیک مدنی ہے۔

والفجر. بقول ابن عباسؓ روزانہ کی فجر مراد ہے یا نماز فجر یا یوم النحر یا محرم کے پہلے دن کی فجر مراد ہے۔

ليال عشر. امام احمدؒ کی مرفوع روایت میں ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔ مجاہدؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ کا قول بھی یہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عشرہ محرم مراد ہے یا رمضان کا عشرہ اخیر مراد ہے۔

والشفع والوتر. تمام عالم مراد ہے۔ کیونکہ کوئی چیز ان دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا شفع سے مراد مخلوق ہو۔ جیسا کہ من كل شئ خلقنا زوجين فرمایا گیا ہے۔ اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ ہوں۔ چنانچہ روایت ہے ان الله وتر ويحب الوتر. اور بعض نے شفع سے عناصر اربعہ یا بارہ برج مراد لیے ہیں اور وتر سے مراد سات آسمان یا سات سیارے لئے ہیں اور بعض نے شفع اور وتر نمازیں مراد لی ہیں اور بعض نے شفع سے دسویں ذی الحجہ اور وتر سے نویں ذی الحجہ مراد لی ہے۔ مرفوع روایت کی وجہ سے حمزہؒ اور کسائیؒ کے علاوہ فراءؒ نے الوتر فتحہ ثانی کے ساتھ پڑھا ہے اور جبر و خبر کی طرح وتر میں بھی دونوں لغت ہیں۔

اذا يسر. مطلقاً چلنا یا رات کو چلنا۔ اس میں یا تخفیفا حذف کر دی گئی اور رؤس آیات کی وجہ سے کسرہ پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔

لیکن نافعؒ، ابو عمرؒ فواصل کی رعایت کرتے ہوئے صرف حالت وقف میں حذف کرتے ہیں اور ابن کثیرؒ، یعقوبؒ بالکل حذف نہیں کرتے اور قراءت میں یسر تنوین کے ساتھ ہے۔

فی ذٰلک قسم. ذٰلک سے قسم یا مقسم بہ کی اشارہ ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے جیسے کہا جائے **الم انعم علیک** جب کہ مخاطب پر انعام کر چکا ہو۔ یا تاکید مقصود ہو کہ اگر عقل مند ہو گے تو اس قسم کی عظمت کو سمجھو گے۔

حجر کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ عقل بھی چونکہ برائیوں سے باز رکھتی ہے اس لیے عقل کو حجر کہا گیا ہے۔ مفسرؒ جواب قسم محذوف مان رہے ہیں۔

بعاد. یعنی عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح قوم عاد ہوئیں۔ جس طرح بنو ہاشم اپنے جد اعلیٰ کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی طرح عاد قوم کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔

ارم. ارم بن سام کی طرف منسوب عاد اولیٰ مراد ہیں یا ارم شہر کی طرف منسوب عاد اخریٰ مراد ہیں۔ بہر حال بتقدیر مضاف عطف بیان ہوگا یا بدل۔

ذات العماد. بلند عمارت یا بلند مرتبت تھے اور بعض کے نزدیک عاد کے دو بیٹے تھے۔ شداد اور شدید دونوں میں ملکی اقتدار پر جنگ ہوئی۔ شدید مارا گیا اور شداد سلطنت پر قابض ہوگیا۔ اسی نے اپنے نام پر عدن میں جنت شداد بنائی تھی۔ جس کا نام ارم رکھا۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ اپنی اس جنت میں اس کو داخل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ کہ صیحہ آسمانی سے ہلاک ہوگیا۔ اور عبداللہ بن قلابہ کہتے ہیں کہ اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا کہ ہلاک ہوگیا۔ لیکن محققین مفسرین ان سب باتوں کو نا قابل اعتبار اسرائیلی افسانے قرار دیتے ہیں۔

وثمود. پہاڑوں کو تراش کر رہائشی بستیاں بنانا سب سے پہلے ثمود نے کیا ہے۔ سترہ سو اور بعض کے نزدیک سات ہزار بستیاں بسائیں۔

وادیٔ قری. شام کی جانب مدینہ کے قریب حصہ کو وادیٔ قریٰ کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک پہاڑوں کے درمیانی حصہ کو وادی کہتے ہیں۔

ذی الاوتاد. وتد کھونٹے کو کہتے ہیں۔ کھونٹوں کی کثرت سے مراد لشکر ہے یا مجرم کو لٹا کر چاروں ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھوکنے کی سزا مراد ہے۔ جس کو چومیخا کرنا کہتے ہیں۔

سوط عذاب. قسم قسم کا عذاب مراد ہے یا چمڑے کے کوڑوں کی سزا ہے۔ سوط کے معنی خلط کرنے اور ملانے کے ہیں اور بعض اس کو تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ ان کو دنیاوی سزا اخروی سزا کے مقابلہ میں ایسی ہوئی جیسے کوڑے تلوار کے مقابلہ میں۔ **بالمرصاد.** رصد سے مفعال کے وزن پر ایسا ہی ہے جیسے وقت سے میقات گھات کے معنی میں اور بعض نے اس کو مطعان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ مانا ہے۔ اس میں با تجرید کے لیے ہے۔

فاما الانسان. اس کا تعلق ان ربک لبالمرصاد کے ساتھ ہے گویا بقول قاضی عبارت اس طرح ہے۔ **لقد بعاالمرصاد فی الأخرۃ فلایرید الاالسعی لھا فاما الانسان فلایرید الاالدنیا و لذ اتھا.** میں فا متضمن نفی شرط کو ہے اور اذا ظرفیہ ہے۔

کلابل لاتکرمون. فراءؒ کہتے ہیں کہ یہاں کلا بمعنی **لم یکن ینبغی للعبد ان یکون ھکذا** ہے۔ ابن عامر اور کوفی **اکرمن** اور **اھانن** وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر یا کے پڑھتے ہیں اور نافع حالت وقف میں بغیر یا کے پڑھتے ہیں اور ابن عامرؒ فقدر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ولا تحاضون. یعنی ان کا فعل ان کے قول سے زیادہ برا ہے۔ اور کوئی لاتحاضون کی بجائے لایحاضون پڑھتے ہیں۔ اس کا مفعول تعمیم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کیا اور یہی کہہ سکتے ہیں کہ ملزوم کو لازم کر لیا گیا ہے۔

اکلالما. لما. کے معنی جمع کرنے کے ہیں یعنی حرام حلال کو جمع کرنے میں عورتوں اور بچوں کا حق مارتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ حلال وحرام کو جانتے ہوئے بھی دونوں میں فرق نہیں کرتے۔

دکادکا. یہ تاکید نہیں ہے بلکہ استیعاب کے لیے جیسے اتیتہ با با با کہا جائے۔

وجاء ربك. مفسرؒ مضاف مقدر مان رہے ہیں۔ لیکن بغیر تقدیر مضاف کے معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا آنا اس کے شایان شان ہوگا۔ یا جلوہ فرمانے کے معنی ہیں پہلی توجیہ حسنؒ سے منقول ہے اور زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اظہار حکومت کا عنوان ہے بطور تمثیل کے۔

وجیئی یومئذ. ابن مسعودؓ کی رائے مفسرؒ کی تائید میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوزخ کے آنے سے جمع ہونا مراد ہے اور بعض حضرات اظہار دوزخ مراد لے رہے ہیں۔

وانی له الذکری. یعنی نصیحت حاصل ہوگی مگر مفید اور نافع نہ ہوگی۔ اب دونوں جملوں میں تضاد نہیں رہا۔ جو حضرات توبہ کے غیر واجب القبول ہونے کے قائل ہیں۔ وہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تذکر توبہ ہے مگر قبول نہیں ہے۔

لحیاتی لام تعلیلیہ ہے یا توقیت کے لیے ہے۔ جیسے اقم الصلوٰة لدلوك الشمس میں لام توقیتہ ہے۔ صاحب کشافؒ نے اس سے بندہ کے بااختیار اور صاحب قدرت ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن قاضی بیضاویؒ نے اس کو رد کر دیا۔ کیونکہ تمنی کے لیے کسی چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ معدوم کی تمنا بھی ہو سکتی ہے۔

لایعذب عذابه. عذابه اور وثاقه کی ضمیریں اللہ کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قیامت میں عذاب و وثاق کا مکمل اختیار صرف اللہ کو ہوگا اور یہ ضمیریں انسان کی طرف اگر راجع ہوں تو معنی ہوں گے کہ انسان کو اللہ جیسا عذاب کوئی نہیں دے سکے گا۔ کسائی اور یعقوبؒ نے ان دونوں الفاظ کو مجہول پڑھا ہے۔

یاایتھا النفس. سلسلہ اسباب وہیات میں نفس انسانی واجب الوجود کی طرف ترقی پذیر رہتا ہے اور وصول الی اللہ تک مضطرب رہتا ہے۔ وصول الی اللہ ہونے تک اس کو اطمینانی کیفیت میسر آتی ہے اور اس کا اضطراب اور بے قراری اطمینان سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حق الیقین حاصل ہو جانے کے بعد شکوک وشبہات سے نفس مطمئن ہو جاتا ہے اور ایک قراءت ایتھا النفس الآمنة کی ہے یعنی بے خوف وخطر نفس جس کو آخرت میں رنج وحزن نہیں ہوگا۔ یہ ندا منجانب اللہ یا منجانب الملائکہ ہوگی۔

ارجعی الی ربك. لفظ رجوع سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ارواح عالم قدس میں ابدان سے پہلے موجود تھیں کیونکہ رجوع پہلی حالت پر لوٹنے کو کہتے ہیں۔ لیکن بعث بھی مراد ہے جس میں پہلی جیسی حالت پیدا ہونا ہوگا۔

فادخلی فی عبادی. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نفس سے ذات مراد ہے اور بیضاویؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نفس سے روح مراد ہے اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ فی جسد او فی زمرة عبادی اور ابن عباسؓ وعکرمہؒ نے وجماعة فی عبدی پڑھا ہے۔ پہلا فادخلی الی کے ذریعہ اور دوسرا فادخلی متعدی فی نفسہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں ظرف حقیقی نہیں ہے۔ دخلت فی غمار الناس کی طرح ہے اور دوسری صورت میں ظرف حقیقی ہے۔ لیکن نفس سے بعض مومنین مراد ہوں گے۔ جو زمرہ عباد صالحین میں داخل ہوں گے۔ لیکن نفس سے اگر روح مراد ہو تو پھر ظرفیت حقیقی ہو جائے گی۔ عبادی میں اضافت تشریفی ہے۔

ربط آیات:............سورۂ غاشیہ میں نیک وبد انسانوں کی مجازات کا ذکر تھا۔ سورہ فجر میں ان اعمال کا ذکر زیادہ تر مقصود ہے جو جزاو سزا میں دخیل ہیں اور بطور عقیدہ تباہ قوموں کا ذکر ہے جو اعمال بد کا شکار ہوئے۔ اور آخرت میں تتمہ کے طور پر اچھے بروں کی بعض جزا کا بیان ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے اور وجہ تسمیہ واضح ہے۔

روایات:............**والفجر**. ابن عباسؓ روانہ کی صبح مراد لیتے ہیں یا یوم النحر یا پہلی محرم کی فجر مراد ہے۔

ولیال عشر. امام احمدؒ کی مرفوع روایت ہے کہ ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔ دوسری روایت محرم کے پہلے عشرہ کی ہے۔

والشفع والوتر. جابرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ عشرہ سے عشرہ ذی الحجہ مراد ہے۔ اور شفع سے یوم النحر اور وتر سے عرفہ کا دن مراد ہے۔ اور عمرانؓ بن حصین نماز مراد لیتے ہیں۔ خواہ شفع نماز ہو یا وتر رکعت اور بعض شفع سے مخلوق اور وتر سے اللہ مراد لیتے ہیں۔

وجآیئ یومئذ بجهنم. ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ستر ہزار لگاموں میں جہنم کو تھام کر لایا جائے گا اور عرش کے بائیں جانب روک دیا جائے گا۔ ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ اس آیت کے اترنے پر آنحضرتؐ کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا اور صحابہؓ کو بھی شاق گزرا۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ جہنم کس طرح لائی جائے گی۔ **قال یوتی بها تقاد بسبعین الف زمام یقود بکل زمام سبعون الف ملک فتشرد شردةلو ترکت لاحترقت اهل للجمع ثم تعرض لی جهنم فتقول مالی ولک یا محمد ان الله قد حرم لحمک علی فلایبقی احد الاقال نفسی الامحمد فیقول یارب امتی امتی.**

یاایتها النفس المطمئنة. معرفت ویقین اور شہود کے بعد نفس نور قلب سے منور ہو جائے گا۔ اور رذائل نفس نکل کر فضائل حمیدہ سے متصف ہو جائے گا۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ **اذا توفی العبدالمؤمن ارسل الله له ملکین وارسل الیه بتحفة من الجنة فیقول اخرجی ایتهاالنفس المطمئنة اخرجی الی روح وریحان وربک راض فتخرج کاطیب ریح مسک وجده احدفی انفه والملائکة علی ارجاء السماء یقولون قد جاء من الارض روح طیبة ونسمة طیبة فلاتمر بباب الافتح لها ولا بملک الاصلی علیها ثم یوتی بهاالی الرحمٰن جل جلاله فتسجد له ثم یقال لمیکائیل اذهب بهذه النفس فاجعلها مع النفس المومنین ثم یومر فیوسع علیه قبره سبعین ذرا عا عرضه وسبعون ذرا عاطوله فان کان معه شئی من القراٰن کفاه نوره وان لم یکن جعل له نورا فی قبره مثل الشمس ویکون مثله مثل العروس ینام فلایوقظه الااحب اهله الیه واذاتوفی الکافر ارسل الله له ملکین و ارسل معهاقطعة من کساء انتن من کل انتن اخشن من کل خشن فیقال ایتها النفس الخبیثة اخرجی الی جهنم وعذاب الیم وربک علیک غضبان وروی عن ابی بکرؓ انه سال عن ذلک رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ان الملک سیقولها لک عندموتک وقال الحسن اذااراد الله قبضها اطمانت الی الله ورضیت عن الله ورضی الله عنها.**

ارجعی الی ربك.قال ابن عباس و ابن مسعود ارجعی یانفس الی صاحبک ای جسدک الذی کنت فیه فیامرالله الا رواح ان ترجع الی الاجساد. عکرمہؓ ضحاکؒ کلبیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

﴿تشریح﴾:............اس سورت کا مضمون بتلا رہا ہے کہ مکہ کے مسلمانوں پر ظلم کی چکی چلنی شروع ہو چکی تھی۔اسی لیے عاد وثمود اور فرعون کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

چار قسمیں اور ان کی نوعیت:............ والفجر. متعدد قسمیں کھا کر یقین دلایا جا رہا ہے کہ محمد رسول اللہ کا پیغام برحق ہے۔کیا کسی صاحب فہم کے لیے یہ قسمیں کافی نہیں ہیں کہ آپ کے پیغام حق کے یقین دلانے کے لیے کیا پھر بھی کسی قسم کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

و الیل اذا یسر. شب معراج میں حضورؐ کے تشریف لے جانے کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔عام مفسرینؒ نے اس کے معنی رات کے گزرنے یا اس کی تاریکی پھیلنے کے لیے ہیں۔گویا صبح کے مقابلہ میں طاق کی قسم کھائی گئی۔اور لیال عشر سے بھی ممکن ہے۔مطلقاً دس راتیں مراد ہوں۔چنانچہ ان کے افراد و مصادیق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے۔مہینہ کے شروع کی دس راتوں کا حال یہ ہے کہ وہ اول میں روشن ہوئی ہیں پھر تاریک ہو جاتی ہیں۔لیکن اخیر کی دس راتوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہو جاتی ہیں۔اور درمیان کی دس راتوں کا حال.....ان دونوں سے جداگانہ ہے۔انسان کو بھی اسی طرح اپنے عیش و آرام میں مگن اور مصیبت و آلام کی مستقل گھٹن میں نہیں رہنا چاہیئے یہ سمجھ کر کہ اب یہ حالت بدل کر دوسری حالت میں پیش نہیں آسکتی۔بلکہ یہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جس طرح عالم میں اللہ نے ہر چیز کا مقابل پیدا کیا ہے۔اسی طرح مختلف متضاد احوال میں بھی وہ اپنی حکمت کی ادل بدل کرتا رہتا ہے۔اس لیے آدمی کو کسی ایک حال پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا چاہیئے۔

فجر کا وہ سہانا وقت جب صبح کی پو پھٹتی ہے اور رات کی اندھیری میں سے دن کی روشنی ایک سفید دھاری کی شکل میں مشرق کی طرف دکھائی پڑتی ہے۔اول اس کی قسم کھائی۔پھر دس راتوں کی قسم کھائی۔یہ کون سی راتیں ہیں؟ مہینہ کی تینوں دہائیوں پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ پورے مہینہ کی راتیں اس میں آسکتی ہیں۔کیونکہ پہلی دس راتوں میں چاند ایک باریک ناخن کی شکل سے شروع ہو کر آدھے سے زیادہ تک روشن ہو جاتا ہے۔دوسری دہائی میں راتوں کا زیادہ حصہ منور رہتا ہے اور آخری دہائی میں چاند چھوٹے سے چھوٹا اور راتیں تاریک سے تاریک ہوتی جاتی ہیں اس طرح نور وظلمت کچھ فرق کے ساتھ پورے مہینہ دائر وسائر رہتی ہے۔پھر جفت وطاق کی قسم کھائی۔اس میں کائنات کی سب چیزیں آسکتی ہیں۔کیونکہ ہر چیز یا تو جوڑ والی ہے یا بے جوڑ۔تاریخیں بھی طاق اور جفت ہوتی ہیں۔

غرضیکہ دن ورات کا ہر تغیر ایک نئی کیفیت لے کر آتا ہے۔آخر میں رات کی قسم کھائی جب وہ سٹک رہی ہوتی ہے اور دنیا پر چھائی ہوئی اندھیری صبح کی پو پھٹنے سے رخصت ہو رہی ہے اور یہ چاروں قسمیں اس پر کھائی گئی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام جزا وسزا برحق ہے۔کیونکہ جن چیزوں کو قسمیں کھائی گئی ہیں۔ان کو دیکھ کر کائناتی نظام میں بے تکا پن معلوم نہیں ہوتا۔بلکہ ہر کام میں ایک قرینہ اور سلیقہ معلوم ہوتا ہے۔کائنات کی ہر نقل وحرکت بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کا پتہ دیتی ہے۔یہاں جو کچھ ہو رہا ہے منصوبہ بند طریقہ پر ہو رہا ہے۔یہ نہیں کہ ابھی رات ہو رہی ہے اور ابھی اچانک سورج سر پر کھڑا ہو۔یا ہلال یکا یک چودھویں کا چاند بن جائے۔یا رات مستقل طور پر ڈیرے ڈال لے اور سرکنے کا نام ہی نہ لے۔یا دونوں میں تبدیلی کا کوئی باقاعدہ نظم ہی نہ ہو اور تاریخوں کا کیلنڈر جام ہو کر رہ جائے۔غرض کہ انسان دن ورات کی اس گردش کی باقاعدگی کو اگر آنکھیں کھول کر دیکھ لے اور دماغ کو کچھ سوچنے کی تکلیف بھی دے تو اسے قدم قدم پر نظر آئے گا کہ یہ زبردست نظم وضبط ایک قادر مطلق کا قائم کردہ ہے۔جس کے قیام سے مخلوق کی بے شمار مصلحتیں وابستہ ہیں۔پس اب بھی اگر کوئی جزا وسزا کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا کو اس ساری کائنات کو ایک بار بنانے پر تو قادر مانتا ہے مگر دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں مانتا۔کہ اسے سزا وجزا کے لیے پیش ہونا پڑے۔یا پھر وہ خدا کو حکیم ودانا نہیں مانتا۔بلکہ سمجھتا ہے کہ اسنے

انسان کو یوں ہی بے مقصد بناڈالا۔ کہ کھاپی کر یوں ہی ایک دن ختم ہو جائے اور کچھ حساب کتاب دینا نہ پڑے۔اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات سوچ لینے والا شخص بڑا احمق ہی ہو سکتا ہے۔

قیامت کے واقع ہونے پر تاریخ سے استدلال:............**الم تر کیف فعل ربك**۔رات دن کے اس تمام سے استدلال کے بعد اب جزاوسزا کے یقینی ہونے پر تاریخی واقعات کو شہادت میں پیش کیا جارہا ہے۔ان چند معروف قوموں کی افسوسناک بربادی سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ کائناتی نظام کسی اندھے بہرے قانون فطرت پر نہیں چل رہا۔ بلکہ دانش وبینش اور حکمت ومصلحت سے لبریز قانون کارفرما ہے۔اور قانون فطرت کے ساتھ قانون اخلاقی بھی دائروسائر ہے۔جس کا لازمی تقاضا مکافات عمل اور جزاوسزا ہے۔جن قوموں نے بھی آخرت سے بے فکر اور سزا جزا کے خیال سے بے گانہ ہو کر نظام زندگی بنایا چلایا۔انہیں انجام کار تباہی وبربادی کا منہ دیکھنا پڑا۔اور آخر کار ان پر عذاب کا کوڑا برسا یہ مسلسل تاریخی تجربہ بتلا رہا ہے کہ آخرت کا انکار بالآخر تباہی کا سبب بنتا رہا ہے۔پس آخرت ایک حقیقت ہے اور جس طرح کسی بھی حقیقت سے ٹکرانے کا انجام برا ہوا کرتا ہے اسی طرح عقیدۂ آخرت سے ٹکرانے کا انجام بھی یقیناً برا ہوگا۔ نیز جن لوگوں پر عذاب کا کوڑا برسا ان سے صدیوں پہلے بہت سے لوگ اس فساد کے بیج بو کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان پر کوئی عذاب نہ آیا تھا۔خدا کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی وقت ان سب کی بازپرس بھی ہو اور وہ بھی اپنے کیے کی سزا پائیں ان دونوں سچائیوں کا سراغ ان گزشتہ واقعات میں صاف طور پر ملتا ہے۔

عاد، ارم کون تھے؟:............**بعاد ارم.** عاد ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف اس کی نسل کی نسبت کرتے ہوئے قوم عاد کہا جاتا ہے۔حضرت ہودؑ اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے لیکن قوم نے جب ان کی دعوت کی مخالفت کی تو ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا اور وہ ہلاک ہوئے جن کو سورہ نجم میں **وانه اهلك عادا الاولیٰ** کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔

ارم بھی ایک شخص کا نام تھا جو عاد کے اجداد میں سے تھا ''عاد ارم'' کی اضافت متقدمین عاد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور اس قوم کے جو لوگ بچ بچا کر کہیں نکل گئے اور بعد میں ان کی نسل آباد ہوئی۔ان کو ''عاد اخریٰ'' کہا جاتا ہے۔یا کہا جائے کہ قدیم عاد کے یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہوئے جو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی تھی ''قوم ثمود'' بھی اسی سامی نسل کی ایک ضمنی شاخ ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قوم عاد میں شاہی خاندان کو ارم کہا جاتا تھا۔اور ''ذات العماد'' ان کو اس لیے کہا گیا کہ سب سے بلند ستونوں یا بلند عمارتوں یا بلند خیموں کے موجد یہی لوگ تھے یا ان کے غیر معمولی ڈیل ڈول کی وجہ سے ان کو یہ لقب ملا۔دنیا میں غیر معمولی طاقت وقوت اور عالی شان عمارتوں کی وجہ سے ان کو بے مثال سمجھا گیا ہے۔اس وقت دنیا میں ان کی ٹکر کی دوسری کوئی قوم نہ تھی۔

وثمود. اس قوم نے جن پہاڑوں کو تراش تراش کر مضبوط عمارتیں بنائیں۔اس حصہ کو وادی قریٰ کا نام دیا گیا۔

وفرعون ذی الاوتاد. ذی الاوتاد کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں ممکن ہے اس کے عظیم لشکر کو خیموں سے تشبیہ دیتے ہوئے ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔تخت سلطنت کے لیے لشکر ہی کیل کانٹے ہوتے ہیں۔یا لشکروں کی کثرت بیان کرنی ہو کہ جہاں جس طرف نظر اٹھاؤ ان کے کھونٹے گڑے ہوئے اور ان کے خیمے نصب رہتے تھے یا ان کے چومیخا کرنے کی سزا کی طرف اشارہ ہو جس سے لوگوں پر ان کا رعب داب قائم ہو گیا تھا اور ''اہرام مصر'' بھی مراد ہو سکتے ہیں جو میخوں کی طرح زمین پر صدیوں سے بنے کھڑے ہیں اور فراعنہ مصر کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔

سرکش قوموں کا انجام:............الذین طغوا فی البلاد ۔یعنی ان قوموں نے عیش وعشرت اور زور وقوت کے نشہ میں مست ہوکر دنیا میں خوب اودھم مچائی اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا کوئی ان کے سروں پر حاکم ہی نہیں ہمیشہ دنیا میں یوں ہی مزے کرنا ہے اور کبھی اس ظلم وشرارت کا خمیازہ انہیں بھگتنا نہیں پڑے گا۔ آخر جب ان کے کفر وشرک اور جور وستم کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور مہلت ودرگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ پانی سر سے گزر گیا۔ دفعۃً خدائے قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسادیا اور ان کی سب قوت وطاقت خاک میں ملادی اور ان کا ساز وسامان کچھ کام نہ آیا۔

ان ربک لبالمرصاد. یعنی جس طرح کوئی موقعہ تاک کر اور گھات لگا کر بیٹھتا ہے کہ موقعہ ملنے پر مناسب تدبیر سے چوکتا نہیں ہے۔ یہی صورت حال ان ظالموں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ہے جو دنیا میں فساد برپا کیے رکھتے ہیں۔ انہیں قطعاً اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ خدا ہماری پوری حرکات کو دیکھ رہا ہے۔ وہ نہایت بے خوفی اور بے فکری سے روز بروز زیادہ سے زیادہ شرارتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ حد آجاتی ہے جس سے آگے اللہ انہیں بڑھنے نہیں دینا چاہتا۔ اسی وقت اچانک ان پر عذاب کا کوڑا برسنا شروع ہوجاتا ہے۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی۔

ناشکرا اور بے صبر انسان:............فاما الانسان. کردار کے بعد اب انسان کے گفتار کا حال بتلایا جارہا ہے۔ چنانچہ انسان کی عام اخلاقی حالت پر تنقید کرتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ جن لوگوں پر یہ رویہ ہو بھلا ان سے کیوں نہ باز پرس کی جائے اور عقل کس طرح اس بات کو معقول باور کرسکتی ہے کہ انسان سب کچھ کرکے دنیا سے رخصت ہوجائے اور اسے نتائج عمل بھگتنے نہ پڑیں۔

فیقول ربی اھانن. اصل یہ ہے کہ اس دنیا کی موجودہ راحت وتکلیف ہی کو عزت اور ذلت کا معیار سمجھتا ہے اور نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہورہی ہے۔ نعمت سے نواز کر اس کی شکرگزاری کو اور مصیبت کو بھیج کر اس کے صبر ورضا کی جانچ کی جارہی ہے۔ یہاں کا عارضی عیش وآرام معزز ومقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ بلکہ اصل معیار فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔ مگر انسان اپنے اعمال وافعال پر نظر نہیں کرتا اور الٹا اللہ رب العالمین پر الزام دھرتا ہے۔ انسان کی یہ کتنی کوتاہ نظری ہے کہ دنیا پر اس قدر ریجھا ہوا ہے کہ کوئی چیز اسے ملتی ہے تو بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ مجھے خدا نے عزت دار بنادیا ہے اور نہ ملے تو کہتا پھرتا ہے کہ خدا نے مجھے ذلیل کردیا۔ حالانکہ اصل وہ نہیں ہے جسے وہ سمجھ رہا ہے۔ بلکہ یہ دنیا صرف آزمائش گاہ ہے۔ کسی کو دے کر آزمائش کی جارہی ہے اور کسی سے چھین کر آزمائش کی جارہی ہے۔ دولت وطاقت دینے میں اس کا امتحان ہے۔ کہ دیکھیں یہ شکرگزاری کرتا ہے یا ناشکری۔ تنگ دستی اور افلاس دے کر یہ جانچ کرنی ہے کہ یہ صبر وقناعت کے ساتھ راضی برضا رہتا ہے۔ یا جزع فزع سے کام لیتا ہے۔ یا شکوے شکایت کرتا پھرتا ہے۔ حدود جواز میں رہتے ہوئے اپنی مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے یا اخلاق و دیانت کی سب حدیں پھلانگ جاتا ہے اور خدا پر الٹا الزام دھرنے لگتا ہے۔

ایک بہت بڑا دھوکہ:............کلابل لاتکرمون الیتیم. یعنی جب تم یتیموں، مسکینوں کی عزت نہیں کرتے تو اللہ کے یہاں تمہاری عزت کیوں ہو؟ عزت وذلت کا معیار وہ نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے، یعنی دنیا کا ملنا نہ ملنا۔ تم سخت دھوکہ اور غلط فہمی میں ہوکر اخلاقی بھلائی اور برائی کی بجائے مالی اونچ نیچ کو معیار بنا رکھا ہے۔ کسی کا باپ زندہ رہتا ہے۔ تب تو تمہارا برتاؤ ان بچوں کے ساتھ اور ہوتا ہے۔ اور جب باپ مرجاتا ہے تو ایک دم تمہاری نظر پھر جاتی ہے، نگاہیں بدل جاتی ہیں۔ خود اپنے پیسے سے مسکین کی خبرگیری کی توفیق تو کیا ہوتی محتاجوں کی خبرگیری کے لیے دوسروں کو بھی اکسایا نہیں جاتا، غرض نہ خود تم بھوکے ننگوں کو کھلانے پلانے پر آمادہ ہوتے ہو اور نہ

دوسروں کو اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔

وتاکلون التراث. مرے مردوں کی میراث لینے میں حلال وحرام حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں کرتے۔عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم رکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میراث صرف مردوں کا حق ہے۔جو کنبہ کی حفاظت کرتے ہیں۔لڑائیاں لڑتے ہیں۔ان میں جو زیادہ اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔وہ ساری میراث سمیٹ لیتے ہیں۔یتیموں مسکینوں کا حصہ بھی ہڑپ کر لیتے ہیں۔حقوق واخلاق کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں نہیں رہ گئی تھی۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔

مال کی محبت ہی سب سے بڑا فتنہ ہے:........وتحبون المال. یعنی اصل جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل محبت وحرص سے لبریز ہے۔جائز، ناجائز، حلال وحرام کی تمہیں کوئی فکر نہیں۔بس کسی طرح مال ہاتھ آنا چاہئے اور ایک پیسہ بھی کسی کار خیر میں خرچ نہیں ہونا چاہیے۔مال ودولت کی اتنی محبت جو پرستش کی حد تک پہنچ جائے۔وہ کافر ہی کا شیوہ ہوسکتا ہے۔کلا اذا دکت. یعنی تم دنیا میں سب کچھ کرتے رہو اور اس کی باز پرس کا وقت کبھی نہ آئے یہ تمہارا خیال غلط ہے۔جزاوسزا کی بات کوئی خیالی بات نہیں ہے۔بلکہ وہ ہو کر رہے گی۔یہ سارا نظام عالم بکھر جائے گا۔سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے اور زمین ایک ہموار چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا۔

وجاء ربک. حق تعالیٰ کے آنے کا مطلب اس کی قہری تجلی ہے جو اس کے شایان شان ہوگی اور فرشتوں کی قطاریں انتظامات پر مامور ہوں گی۔جہنم کو بھی اپنی جگہ سے کھینچ کر لایا جائے گا۔

یوم یتذکر الانسان. اس وقت انسان سمجھے گا کہ میں دنیا میں کیا کر کے آیا ہوں اور اپنی غفلت اور غلطیوں پر نادم ہوگا۔مگر اس کی ندامت لاحاصل۔جب سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہاتھ سے نکل چکا۔آخرت دار العمل نہیں، بلکہ دار الجزا ہے۔اسے ہوش تو آیا اور وہ سمجھا کہ انبیاء کا راستہ ہی صحیح تھا اور اس کی راہ غلط مگر اس وقت ہوش میں آنے اور نصیحت پکڑنے کا کیا فائدہ؟

یقول یالیتنی قدمت لحیاتی. یعنی آخرت میں جب غفلت کا پردہ چاک ہو کر حقیقت سامنے آئے گی اس وقت انسان پکار اٹھے گا کہ افسوس میں نے دنیا سے کوئی نیکی یہاں نہیں بھیجی جو آج یہاں کام آتی۔کاش خالی ہاتھ آنے کی بجائے کچھ نیکیاں ہاتھ پلے ہوتیں تو یہ پچھتاوانہ ہوتا۔

فیومئذ لایعذب. اس روز اللہ کی طرف سے ایسی سخت سزا اور قید ہوگی جس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔جسمانی اذیت کے ساتھ انتہائی روحانی کرب وبے چینی ناقابل بیان ہوگی۔

نفس مطمئنہ کیا ہے؟:........یاایتھا النفس المطمئنۃ. طاغوت اور مجرموں کے حال کے بعد ان اطاعت شعار اور وفا کیش لوگوں کا ذکر ہے۔جنہیں دنیا میں اللہ کی یاد سے چین واطمینان ملتا رہا۔وہاں ان کے نفس سے کہا جائے گا کہ جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے رہا اب اسی کے مقام قرب کی طرف چل۔اس کے پسندیدہ بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اور جنت العالیہ میں داخل ہو جا۔بعض روایات میں ہے کہ یہ بشارت مومن کو دنیا ہی میں سنادی جاتی ہے۔بعض عارفین کو اس کا مشاہدہ بھی ہوا ہے اور ممکن ہے کہ بشارت موت کے وقت ہی ہو اور قیامت اور بعث کے وقت بھی ہو اور اللہ کی عدالت میں پیشی کے وقت بھی ہو۔ہر مرحلہ پر اسے اطمینان دلایا جائے گا کہ تو اللہ کی رحمت کی طرف جارہا ہے۔اس لیے گھبرانے کا سوال ہی نہیں۔نفس مطمئنہ، نفس لوامہ، نفس امارہ، کی تحقیق سورہ قیامت میں گزر چکی ہے۔

خلاصۂ کلام:............ اہل مکہ آخرت کی جزاء سزا کے بالکلیہ منکر تھے۔اس لیے اس سورت میں اس کو استدلال سے ثابت فرمایا گیا ہے۔چنانچہ سب سے پہلے چار قسمیں کھا کر سوالیہ پیرایہ میں پوچھا گیا ہے کہ جس چیز کا تم انکار کر رہے ہو۔کیا یہ سب چیزیں اس کے برحق ہونے کے شہادت دینے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا خدا کے اس حکیمانہ نظام کو دیکھنے کے بعد بھی کسی اور شہادت کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ جس خدا نے یہ نظام قائم کیا ہے۔اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ دوسرا جہان سامنے لائیں جس میں انسان کے اعمال کی باز پرس ہو۔اس کے بعد بطور مثال قوم عاد و ثمود و فرعون کے تاریخی انجام کا ذکر ہے کہ جب وہ حد سے نکل گئے اور خدا کی زمین کو فساد سے لبریز کر دیا تو ان پر عذاب الٰہی کا کوڑا برس گیا۔جس سے ثابت ہوا کہ اس کائنات میں ایک حکیم و دانا فرمانروا کی حکمرانی ہے۔جس کے عدل و انصاف کی چھاپ انسانی تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔پس جب انسان کو اس نے تصرفات و اختیارات سے نوازا ہے تو اس کا محاسبۂ عمل بھی عقل و حکمت کا تقاضا ہے۔اس کے بعد عام انسانی معاشرہ کی اخلاقی حالت کا جائزہ لیتے ہیں۔عرب کی دو حالتوں پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ایک یہ کہ وہ شخص دنیا کی دولت وعزت ہی کو سب کچھ مقصود سمجھتے تھے اور اس کو بھول گئے تھے کہ نہ تو دولت کی فراوانی معراج ترقی ہے اور نہ رزق کی تنگی قعر مذلت بلکہ کبھی یہ دونوں باتیں محض آزمائش کے لیے ہوتی ہیں کہ دیکھیں کون کس حالت میں کیا کرتا ہے؟

دوسری بات یہ کہ باپ کے مرتے ہی ان کی نظریں یتیم سے پھر جاتی تھیں۔یتیموں، غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔جس کا بس چلتا مردے کی میراث ہڑپ کر لیتا۔اور کمزور حقدار کی آواز دب جاتی۔اس کی فریاد صدا بصحرا ہو جاتی۔غرض حرص وطمع کا نہ ختم ہونے والا چکر چلتا ہی رہتا اور قوی قوی تر،اور کمزور کمزور تر ہو جاتا۔یہ معاشرہ کا اخلاقی ناسور تھا۔اخیر میں زور اس طرف دیا گیا کہ محاسبہ ضرور ہوگا اور اس دن ہوگا جب عدالت عالیہ قائم ہوگی اور جو بات آج سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ رہے ہیں۔اس روز وہ خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔مگر بے فائدہ اس دن انسان پکار اٹھے گا کہ کاش میں نے آج کے لیے دنیا میں کچھ کیا ہوتا۔مگر یہ پچھتانا سب بے سود۔البتہ جن خوش نصیبوں نے پوری طمانیت قلب اور شرح صدر کے ساتھ آسمانی صحیفۂ ہدایت کو قبول کیا ہوگا۔خدا ان کی فرمانبرداری سے راضی ہوگا اور وہ خدا کے پسندیدہ بندوں میں جا شامل ہوں اور خاص جنت میں داخل ہو جائیں۔

فضائل سورت:............ من قرء سورة الفجر في الليالي العشرة غفرله ومن قرء هافي سائر الايام كانت له نورا يوم القيامة.

ترجمہ:......جو شخص ذی الحجہ کی دس راتوں میں سورۂ فجر پڑھے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

لطائف سلوک:............ فاما الانسان اذا ما ابتلٰه الخ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے سلسلہ میں داخل ہونے سے مال میں ترقی اور رزق میں برکت ہوگی جو اس کے سلسلہ مقبول ہونے کی دلیل ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ محض جہالت کی بات ہے۔

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ عِشْرُوْنَ ايَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

لَآ زَائِدَةٌ **أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾** مَكَّةَ **وَاَنْتَ** يَامُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **حِلٌّ** حَلَالٌ **بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾** بِاَنْ يَّحِلَّ لَكَ فَتُقَاتِلَ فِيْهِ وَقَدْ اَنْجَزَلَهُ هٰذَا الْوَعْدَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ بَيْنَ الْمُقْسَمِ بِهٖ وَمَاعَطَفَ عَلَيْهِ **وَوَالِدٍ** اَىْ اٰدَمَ **وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾** اَىْ ذُرِّيَّتَهُ وَمَا بِمَعْنٰى مَنْ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** اَىِ الْجِنْسَ **فِىْ كَبَدٍ ﴿۴﴾** نَصَبٌ وَّشِدَّةٌ يُكَابِدُ مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَشَدَائِدَ الْاٰخِرَةِ **اَيَحْسَبُ** اَىْ اَيَظُنُّ الْاِنْسَانُ قَوِىُّ قُرَيْشٍ وَهُوَ اَبُو الْاَشَدَّيْنِ كَلَدَةَ بِقُوَّتِهٖ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَىْ اَنَّهُ **لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾** وَاللّٰهُ قَادِرٌ عَلَيْهِ **يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ** عَلٰى عَدَاوَةِ مُحَمَّدٍ **مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾** كَثِيْرًا بَعْضُهُ عَلٰى بَعْضٍ **اَيَحْسَبُ اَنْ** اَىْ اَنَّهُ **لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۷﴾** فِيْمَا اَنْفَقَهُ فَيَعْلَمُ قَدْرَهُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِقَدْرِهٖ وَاِنَّهُ لَيْسَ مِمَّا يَتَكَثَّرُبِهٖ وَمُجَازِيَهُ عَلٰى فِعْلِهِ السَّيِّءِ **اَلَمْ نَجْعَلْ** اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَىْ جَعَلْنَا **لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾** بَيَّنَّالَهُ طَرِيْقَيِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ **فَلَا** فَهَلَّا **اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾** جَاوَزَهَا **وَمَآ اَدْرٰكَ** اَعْلَمَكَ **مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾** الَّتِىْ يَقْتَحِمُهَا تَعْظِيْمٌ لِّشَانِهَا وَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ وَبَيَّنَ سَبَبَ جَوَازِهَا بِقَوْلِهٖ **فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾** مِنَ الرِّقِّ بِاَنْ اَعْتَقَهَا **اَوْ اِطْعٰمٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾** مَجَاعَةٍ **يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾** قَرَابَةٍ **اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾** اَىْ لُصُوْقٍ بِالتُّرَابِ لِفَقْرِهٖ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بَدَلَ الْفِعْلَيْنِ مَصْدَرَانِ مَرْفُوْعَانِ مُضَافُ الْاَوَّلِ لِرَقَبَةٍ وَيُنَوَّنُ الثَّانِىْ فَيُقَدَّرُ قَبْلَ الْعَقَبَةِ اِقْتِحَامٌ وَالْقِرَاءَةُ الْمَذْكُوْرَةُ بَيَانُهُ **ثُمَّ كَانَ** عَطْفٌ عَلَى اقْتَحَمَ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ الذِّكْرِىْ وَالْمَعْنٰى كَانَ وَقْتَ الْاِقْتِحَامِ **مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا** اَوْصٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا **بِالصَّبْرِ** عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ **وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾** الرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ **اُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ **اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾** الْيَمِيْنِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾** الشِّمَالِ **عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾** بِالْهَمْزَةِ وَبِالْوَاوِ بَدَلَهُ مُطْبَقَةٌ

ع ۱۵

سورۂ بلد مکیہ ہے اس میں ۲۰ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.........**لا** (زائد ہے میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی کہ آپ کے لئے (اے محمد) اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے (کہ اس میں آپ کے لئے لڑائی جائز ہوگی اور آپ وہاں جنگ کریں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وعدہ پورا ہوا۔ پس یہ جملہ دو قسموں کے درمیان جملہ معترضہ ہے) اور قسم ہے باپ (آدم) اور اولاد آدم کی (یعنی ذریت آدم کی اور ما معنی میں من کے ہے) کہ ہم نے (جنس) انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (کہ دنیا بھر کی مصائب اور آخرت کی شدائد جھیلتا رہتا ہے) کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے (قریش کا طاقت ور آدمی یعنی ابوالاشد بن کلدۃ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال کرتا ہے) کہ اس پر (ان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے یعنی انـــہ تھا) کوئی قابو پا نہ سکے گا (حالانکہ وہ اللہ کے بس میں ہے) کہتا ہے کہ میں نے (محمد کی دشمنی میں) اتنا ڈھیروں مال (بڑی مقدار میں) خرچ کر ڈالا ہے۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا (یعنی اس کے خرچ کرنے کو کہ وہ اس کی مقدار بتلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ اللہ اس مال کی مقدار سے واقف ہے اور اس سے بھی کہ وہ مال زیادہ نہیں تھا۔ اور یہ کہ اللہ اس کے برے کرتوت کا بدلہ ضرور دے گا) کیا ہم نے (استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے بنایا ہے) اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے دونوں راستے اسے دکھا دیئے ہیں (یعنی بھلائی برائی دونوں کی راہ بتلا دی) مگر اس نے دشوار گھاٹی سے گزرنے (پار ہونے) کی ہمت نہ کی۔ اور آپ کو معلوم (خبر) ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے (کہ جس کو وہ دشوار سمجھتا ہے۔ اس میں اس کی اہمیت کا اظہار ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے پار ہونے کے سبب کو آگے بیان کیا جا رہا ہے) کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا ہے (غلامی سے رہائی دلائی ہے) یا فاقہ (بھوک) کے دن کسی رشتہ (قرابت) دار یتیم کو یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے (جو محتاجگی کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہے۔ اور ایک قرأت میں بجائے دونوں فعلوں کے دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ اول مصدر یعنی فک مضاف ہے رقبۃ کی طرف اور ثانی مصدر یعنی اطعام منون ہے۔ لہٰذا عقبہ سے پہلے اقتـــحـــام مقدر مانا جائے گا۔ اور مذکورہ قرأت اس کا بیان ہے) پھر ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو (آپس میں) صبر کرنے (طاعت پر جمے ہونے اور معصیت سے رکے رہنے) کی تلقین کی اور ایک نے دوسرے پر ترحم (مخلوق سے رحم دلی) کی فہمائش کی۔ یہی لوگ (جو مذکورہ بالا خوبیوں کے مالک ہیں) داہنے بازو والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیت کے منکر ہیں وہ بائیں بازو والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (مؤصدۃ ہمزہ کے ساتھ ہے اور اس کے بدلہ میں واو کے ساتھ ہے یعنی تہ بہ تہ)۔

تحقیق وترکیب:.........**مـــکـیـة** اتقان میں بجز پہلی چار آیات کے اس سورت کو مدنی کہا گیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک پوری سورت مدنی ہے۔ ھذا البلد سے مراد جب مکہ معظمہ ہے تو یہ آخری قول صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

لا اقسم مفسرؒ لا کو زائد کہہ رہے ہیں۔ لیکن لا کو غیر زائد بھی مانا جا سکتا ہے۔ یعنی اگلا مضمون ظاہر و باہر ہونے کی وجہ سے محتاج قسم نہیں ہے۔

بھـذا البـلـد مکہ معظمہ چونکہ مہبط وحی اور رحمت الٰہی کا گہوارہ ہے اور حرم امن اور مثابۃ للناس اور قبلہ عالم ہے جس کی محاذات میں بیت المعمور ہے اور دنیا بھر کے پھل پھلاری وہاں پہنچنے کا وعدہ ہے۔ وہاں خاص حدود میں شکار کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی فضائل ہیں اس لئے اس بلد امین کی قسم کھائی گئی ہے۔

وانت حل اگر حل حلول سے ماخوذ نہیں تو ایک وجہ فضیلت مزید ہو جائے گی کہ آپ کے تشریف فرما ہونے کی وجہ سے یہ شہر محترم اور لائق قسم ہے کیونکہ مکین کی برتری مکان پر اثر انداز ہوا کرتی ہے۔ اور اگر یہ لفظ حلال سے ماخوذ ہے تو اس میں وقتی طور پر آپ کے لئے جنگ کی اجازت ہوگی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں آپ کے لئے فتح مکہ کی پیشین گوئی ہوگی جو اللہ نے سچ کر دکھائی۔ کفار میں سے عبداللہ بن خطل اور تعیس بن خالد وغیرہ قتل ہوئے اور شرحبیل بن زید وانـــت حـل بـھـذا البلد کے یہ معنی لیتے ہیں کہ کفار اس بلد امین میں شکار وغیرہ کو حرام جانتے ہیں۔ لیکن آپ کی آبرو ریزی قتل اور اس شہر سے نکالنے کو حلال سمجھتے ہیں۔

ووالد وما ولد والد سے جنس والد یا آدم یا ابراہیم علیہم السلام مراد ہیں۔ اسی طرح ولد مطلقاً اولاد نسل مراد ہے۔ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ بہر حال انسان جو قدرت کا شاہکار ہے اس کی ان دونوں حالتوں کے عجیب ہونے کی وجہ سے قسم کھائی ہے۔ وہ خاص صورتیں ہوں یا عام انسان۔

فی کبد. کبد الرجل۔ اذا وجعت کبده یکابد۔ کابدة الامر سختی اور شدت کے معنی ہیں۔ چنانچہ انسان کا مبداء ظلمت رحم ہے اور زندگی بھر مصائب دنیا اور اخیر میں موت کی نا قابل برداشت کیفیت یہ سب مکابد ہیں۔ اس میں آنحضرتؐ کے لئے تسلی ہے مکابد قریش کے اعتبار سے۔

ایحسب الانسان ابوالاشد بن کلدہ اتنا طاقتور تھا کہ بیل کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی مل کر چمڑے کو کھینچتے تو چمڑہ پھٹ جاتا۔ مگر ابوالاشد ٹس سے مس نہ ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ نے کشتی میں کئی مرتبہ اس کو پٹک دیا۔ مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لایا۔

مالا لبدا ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے یا آنحضرتؐ کی دشمنی میں خرچ کرتا تھا۔

لم یره احد یعنی کیا ہم اس کے خرچ کئے ہوئے کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زیادہ مال خرچ کو اول تو جھوٹ کہتا ہے دوسرے زیادہ خرچ بھی کرے تو وہ قابل فخر نہیں۔ جب کہ اللہ ورسول کی دشمنی میں خرچ کرتا ہے۔ تیسرے اللہ کی سزا سے بھی واقف ہے۔ اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ کیا اللہ اس کو دیکھ نہیں رہا ہے اور اس سے حساب کتاب نہیں لے گا؟

الم نجعل له الخ دو آنکھیں تماشائے قدرت دیکھنے کے لئے اور زبان دل کی ترجمانی کے لئے اور دو ہونٹ اور ان کی حرکت بولنے، کھانے پینے کے لئے ہے۔

النجدين نجد بلند چیز کو کہتے ہیں۔ نجدین سے پستان مراد ہیں اور طریق خیر وشر مراد ہے۔ جیسے سورۂ دہر میں ہے۔ انا هديناه السبيل اما شاكرا و اما كفورا ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کا قول بھی یہی ہے۔

فلا اقتحم العقبة عقبہ پہاڑی گھاٹی، دشوار گزار راستہ۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ بیان میں یا بدل مبدل منہ کے درمیان یعنی آپ اس کی دشواری اور ثواب نہیں جانتے۔ مفسرؒ فلا کی فهل سے تعبیر کر کے اشارہ کر رہے ہیں کہ لا بمعنی هلا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ فلا اپنی اصل پر ہے۔ یعنی نفی کے لئے۔ رہا یہ کہ لا استعمال میں مکرر آتا ہے۔ جیسے فلا صدق ولا صلی میں ہے۔ کہا جائے گا کہ یہاں بھی معنی مکرر ہے۔ ای فلافك رقبة ولا اطعم مسكينا بہر حال طاعت بجالانا اور محرمات سے بچنا نفس پر نہایت شاق ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے ان بين العبد والجنة سبع عقبات۔

فك رقبة او اطعام. ابوعمروؒ، ابن کثیرؒ، کسائیؒ، کے نزدیک دونوں ماضی کے صیغے ہیں

اقتحم سے بدل ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک دونوں مصدر ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ پہلا مصدر ہے یعنی فک، رقبة کی طرف مضاف ہے اور دوسرا مصدر یعنی اطعام با تنوین ہے۔ تفسیری عبارت فیقدر قبل العقبة اقتحام کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ مبتداء محذوف کی عبارت اس طرح ہوگی ما ادراك ما اقتحام العقبة هو فك رقبة او اطعام اور تقدیر مضاف کی ضرورت اس لئے ہوئی۔ تاکہ مفسِر اور مفسَر میں مطابقت ہو جائے۔ کیونکہ مفسر یعنی فک مصدر ہے اور مفسَر یعنی عقبہ مصدر نہیں ہے پس عین کی تفسیر مصدر سے لازم آ جائے گی جو صحیح نہیں ہے۔ اور مسبغة، مقربة، متربة مفعلات ہیں۔ اول سغب سے ماخوذ ہے بھوکا ہونا۔ دوسرا قرب سے ماخوذ ہے قرب نسبی مراد ہے اور تیسرا ترب سے ماخوذ ہے جس کے معنی محتاج ہونے کے ہیں۔

ثم كان ثم ترتیب ذکری کے لئے ہے۔ ترتیب زمانی کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہوتا ہے۔ زمخشریؒ یہ کہتے ہیں کہ ثم ایمان کے بعد رتبی بتلانے کے لئے لایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایمان کا درجہ آزادی اور صدقہ سے بڑھ کر ہے۔

اصحاب الميمنة بمعنی یمین داہنی جانب کے ہیں یا بمعنی یمن وبرکت ہے۔ اسی طرح مشئمه بمعنی شمال بائیں جانب ہے یا بمعنی شوم نحوست ہے۔ مؤمنین کو اولئک سے اور کفار کو ضمیر هم سے بیان کرنے میں دونوں کے فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

عليهم یہ خبر ثانی ہے یا مستانفہ ہے۔ نار مؤصدة او صدت الباب دروازہ بند کر دینا۔ ابوعمروؒ، حمزہؒ، حفصؒ نے ہمزہ کے

ساتھ پڑھا ہے۔ اصدت الباب سے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ربط آیات: .... سورۂ فجر کی طرح اس سورۂ بلد میں بھی ان اعمال کا ذکر ہے جن کی سزا جزاء آخرت میں ہوگی۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں برے اعمال کا ذکر زیادہ تھا اور یہاں زیادہ تر اچھے اعمال کا ذکر ہے۔ نیز اس سورت کی تمہید میں بعض اچھے اعمال کے مقتضیات کا بیان ہے۔ اور آخر میں اچھے برے کاموں کی جزا سزا کا بیان ہے اس سورت کا اندازہ یہاں بھی اس کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ بھی ابتدائی سورتوں میں ہے۔ جب کہ کفار مکہ حضور کی دشمنی پر تلے ہوئے تھے اور وہ ظلم وزیادتی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کے اطمینان کے لئے روشن مستقبل کی نشاندھی کی گئی ہے۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: .... لا اقسم مفسرؒ تو لا کو زائد فرما رہے ہیں۔ لیکن بسا اوقات سلسلۂ کلام کا آغاز ''نہیں'' سے کیا جاتا ہے۔ اور پھر قسم سے بات شروع کی جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے کوئی غلط بات کہی جا رہی تھی۔ جس کی تردید مقصود ہے پس انکار کا تعلق پچھلے کلام سے ہوگا۔ جملہ قسمیہ سے اس کا تعلق نہیں ہوگا۔ اب رہا یہ کہ کس بات کی تردید کرنی ہے۔ سو اگلا مضمون اس پر روشنی ڈال رہا ہے۔ یعنی کفار یہ کہتے تھے کہ زندگی کا جو ڈیرہ چل رہا ہے کہ کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ اور جب وقت آجائے تو مر جاؤ۔ یہی ٹھیک ہے۔ اب خواہ مخواہ محمد کے کہنے سے مرنے کے بعد کا بھی غم سوار کر لینا اور اپنے مزے کو کرکرا کر لینا۔ یہ بات گلے سے نہیں اترتی۔ لا کے ذریعہ اس غلط نظریہ کی تردید کی جا رہی ہے۔ اور جزا وسزا کی حقیقت کو قسم سے مؤکد کیا جا رہا ہے۔ ھذا البلد اس سے مکہ معظمہ مراد ہے اور وجہ تخصیص اس شہر کی عظمت وخصوصیات ہیں۔

ایک جملہ کے تین معانی:

.... وانت حل اس جملہ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آپ چونکہ اس بستی میں مقیم ہیں اس لئے اس کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مکہ مکرمہ چونکہ حرم ہے یہاں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی تھی۔ آپ کے لئے مختصر وقت میں قتال کی اجازت ہو گئی تھی۔ چنانچہ بعض سنگین مجرموں کو خاص دیوار کعبہ کے پاس قتل کیا گیا۔ پھر بعد میں قیامت تک کے لئے سابقہ ممانعت بدستور قائم کر دی گئی۔ تیسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں جنگلی جانوروں اور درختوں، گھاس پھوس تک کو تو پناہ ملی ہوئی ہے۔ ان کو مارنے کاٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن نہیں امان ملی تو آپ کو نہیں ملی۔ آپ کو مار ڈالنے کے منصوبے ہیں۔ اگرچہ لفظاً تینوں معنی کی گنجائش ہے۔ تاہم تیسرا مفہوم زیادہ میل کھاتا ہے۔ پہلی صورت میں قسم کی مناسبت ظاہر ہے کہ شہر پہلے ہی سے محترم مگر آپ کے تشریف فرما ہونے سے اور بھی لائق صد احترام ہو گیا۔ اور دوسری صورت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدائد اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان دشمنوں کی طرف سے اس شہر میں بے پناہ سختیاں جھیل رہا تھا۔ بطور جملہ معترضہ وانت حل بھذا البلد فرما کر آپ کی تسلی فرمائی گئی۔ گو آج یہ نادان آپ کے ساتھ ناروا سلوک کر رہے ہیں۔ مگر وہ دن دور نہیں جب آپ کا اس شہر میں فاتحانہ داخلہ ہوگا اور اس مقام کی اصل تقدیر وتطہیر کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی آپ کو اجازت ہوگی۔ جس کا ظہور ۸ھ میں فتح مکہ کے موقعہ پر ہوا۔

انسان کی دکھ بھری زندگی:

.... لقد خلقنا الانسان یہ ہے وہ مضمون جس پر تین قسمیں کھائی گئی ہیں۔ یعنی دنیا میں انسان چین کی بانسری بجانے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ ابتداء سے انتہا تک یہ دنیا محنت ومشقت جھیلنے اور سختیاں برداشت کرنے کی جگہ ہے۔ کبھی مرض میں مبتلا ہے۔ کبھی رنج وفکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ عمر بھر میں شاید کوئی لمحہ ایسا آتا ہو جب یہ تمام خرخشوں اور آفتوں سے بالکلیہ یکسو ہو کر بے فکری کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ کرنے سے اور انسان کی پیدائشی ساخت پر نظر کرنے سے صاف عیاں ہے کہ وہ ان بکھیڑوں سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ مکہ کا شہر گواہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے اپنی جان کھپائی تھی تب یہ بسا اور عرب کا مرکز بنا۔ اب بھی سنگلاخ زمین میں سب سے برگزیدہ انسان ظلم وستم کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اور ایک بڑے مقصد کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں جھیل رہا ہے۔ جنگلی جانوروں اور درختوں، گھاس پھوس کے لئے پناہ ہے مگر امن وامان نہیں ہے تو اس بہترین

انسان کے لئے نہیں۔ یوں بھی ماں کے پیٹ سے لے کر قبر کی گود تک انسان قدم قدم پر مشکلات سے دوچار رہتا ہے۔ ایک پریشانی سے نہیں نکلتا کہ دوسری آفت گھیر لیتی ہے۔ کتنا ہی ناز پروردہ اور آرام کے گہوارہ میں زندگی بسر کرنے والا شخص ہو مگر پیدائش کے جھمیلوں سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتا۔ زچگی کے وقت دیکھا جائے تو موت وحیات کے درمیان بال سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا۔ پھر پیدا ہونے پر بھی کافی چوکسی اور نگہداشت نہ کی جائے تو پڑے پڑے ہی سسک سسک کر دم توڑ سکتا ہے۔ پھر چلنے کے قابل ہونے پر بھی قدم قدم پر گرتا ہے۔ چلتا کم ہے گرتا زیادہ ہے۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی میں کتنے موڑ آتے ہیں اور کتنی گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ غرباء کی پریشانیاں جتنی ہیں۔ ان سے زیادہ الجھنیں امراء اور سلاطین کو پیش آتی رہتی ہیں۔ غرض کوئی شخص بے غل وغش چین کا سانس نہیں لیتا۔ کیونکہ انسان کی پیدائش ہی مشقت میں ہے۔ آیت کا ٹکڑا انسان کی غم آگیں زندگی کا کتنا بلیغ مرقع ہے۔

انسان کی بڑی بھول: ....ایحسب الانسان انسان کی رنج اندوہ سے بھری ہوئی زندگی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس میں خاکساری اور عاجزی پیدا ہوتی اور خود کو وابستہ قضا وقدر سمجھ کر پابند وفا ہوتا اور وہ ہر وقت اپنے عجز وضعف کو محسوس کر کے وقف اطاعت رہتا۔ لیکن یہ اس کی کتنی بڑی بھول ہے کہ وہ برابر سرکشی میں مصروف رہتا ہے۔ کیا وہ اس فریب میں مبتلا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں ہے۔ وہ جو کچھ چاہے کرے، کوئی اس کو پکڑنے والا یا نیچا دکھانے والا نہیں ہے۔ کیا وہ نظر نہیں کرتا کہ اللہ کی تقدیر سے کس طرح بندھا ہوا ہے۔ تقدیر کے آگے اس کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ خدائی طاقتوں کے مقابلہ میں اس میں کتنا دم خم ہے۔ بیماری کا ایک ہی جھٹکا اچانک اسے اپاہج بنا کر رکھ دیتا ہے۔ زلزلہ کی ایک جنبش، آندھی کا ایک جھونکا، سمندروں کی ایک لہر انسان کی بے بسی بتلانے کے لئے کافی ہے۔ تقدیر کی ایک گردش اسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر انسان کے دماغ میں یہ ہوا کہاں سے بھر گئی کہ وہ مطلق العنان ہے۔ اھلکت مالا لبدا اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اور عداوت میں اور گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں بے تکے پن سے بے دریغ مال خرچ کرنے کو بہتر سمجھتا ہے اور فخریہ کہتا ہے کہ میں نے اتنا مال لٹا دیا۔ اور پھونک دیا ہے اور یہ مال کسی نیک کام میں نہیں۔ بلکہ دولتمندی کی نمائش اور فخر ومباہات کے لئے ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کیا اس کے بعد بھی میرے مقابلہ میں کوئی کامیاب ہو سکتا ہے؟ حالانکہ جلد ہی اسے پتہ لگ جائے گا کہ نہ صرف یہ کہ سارا خرچ برباد ہوا بلکہ الٹا وبال جان ہوا۔ اس ایک فقرے میں زمانہ جاہلیت کی فضول خرچیوں کا پس منظر سامنے آ گیا۔

انسان کی فضول خرچیاں: ....ایحسب ان لم یرہ احد کیا یہ فضول خرچیاں کر کے اترانے والا یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے اوپر اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ جتنا مال جس جگہ اور جس وقت سے خرچ کیا ہے اسے سب پتہ ہے۔ دولت کہاں سے آئی۔ کن کاموں میں اسے کھپایا۔ کس مقصد کے لئے یہ سارے جتن کئے۔ سب اللہ کے سامنے ہے۔ جھوٹی شیخی بگھارنے سے کوئی فائدہ نہیں کیا وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے ہاں اس کی کوئی قدر وقیمت ہوگی یا دنیا کی طرح خدا بھی اس کے دھوکہ میں آ جائے گا؟ الم نجعل له عینین جس نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں دیں، کیا وہ دیکھتا نہ ہوگا؟ بینائی دینے والا بینا نہیں ہوگا؟ ولسانا وشفتین بولنے اور کھانے پینے کے لئے زبان اور ہونٹ دیئے۔ وھدینه النجدین یعنی اسی طرح اللہ نے انسان کو محض عقل وفکر دے کر چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ برائی بھلائی کے دونوں راستے نمایاں کر کے رکھ دیئے۔ تا کہ وہ سوچ سمجھ کر ان میں سے جس کو چاہے اپنی ذمہ داری پر اختیار کرے اور بعض نے نجدین سے مراد عورت کے دونوں پستان لئے ہیں۔ جن سے بچے دودھ پی کر پلتے ہیں۔

دشوار گزار گھاٹی: ....فلا اقتحم العقبة اقتحام کے معنی خود کو دشواری میں ڈالنے کے ہیں اور عقبہ کے پہاڑی گھاٹی کے ہیں چنانچہ انسان شیطانی اور نفسانی خواہشات کو تج کر راہ حقانی اختیار کرے۔ اس آویزش اور کشاکش کو گھاٹی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی اتنے انعامات واحسانات کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ نفس اور انسانی شیطان کو پچھاڑ کر راہ ہدایت قبول کر لیتا۔ گویا اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک پستی کا، اور دوسرا بلندی کا۔ اول راستہ آسان ہے کہ اس میں ملنے کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف لڑھکنا ہی

کافی ہوتا ہے۔ اس نے اس راہ کو اختیار کرلیا۔ اور بلندی کی راہ دشوار گزار ہے۔ اس میں چڑھنا پڑھتا ہے اس کو ترک کردیا۔ غلاموں کو آزاد کرانا یا قرضداروں کو رہائی دلانا اور قحط سالی میں بھوکوں کی خبر گیری کرنا یتیموں کی پرورش، قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا، تنگ دست محتاج کی دیکھ بھال۔ یہ ہیں وہ شاق گھاٹیاں جو نفس پر گراں گزرتی ہیں۔ **یقول اھلکت مالا لبدا** فخر و نام آوری کے لئے انسان کی فضول خرچیوں کے ذکر کے بعد اس کے مقابلہ میں مال خرچ کرنے کے جو صحیح مواقع ہیں ان کی نشاندہی کی جارہی ہے۔ **ثم کان من الذین امنوا** یعنی ان اعمال کے قبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے کہ اس کے بغیر نہ کوئی نیکی، نیکی کہلانے کی مستحق ہے اور نہ وہ قبولیت کا درجہ پاسکتی ہے۔ وہی عمل لائق نجات ہے۔ جو ایمان کے ساتھ ہو۔ **وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة** یعنی وہ ایک دوسرے کو صبر اور رحم دلی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ایک مؤمن کی پوری زندگی میں قدم قدم پر صبر کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ایمان کا راستہ اختیار کرتے ہی صبر کی آزمائش شروع ہوجاتی ہے۔ خواہ وہ مصائب پر صبر ہو یا طاعات کے بجالانے پر یا گناہ اور فسق و فجور سے بچنے پر، اسی طرح رحم دلی معاشرہ ایمانی کا لازمی حصہ ہے۔ ارحموا من فی الارض یرحم من فی السماء **اصحاب المیمنة**، اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کا ذکر سورۂ واقعہ میں تفصیلاً آچکا ہے۔

خلاصۂ کلام:......... کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر پورے طور پر تلے ہوئے تھے اور ہر قسم کے ظلم و ستم کو انہوں نے اپنے لئے حلال کرلیا تھا۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس میں سب سے پہلے شہر مکہ اور اس میں آپ پر کئے گئے مظالم اور پورے انسانوں کی حالت کو شاہد بنا کر یہ کہا گیا ہے کہ دنیا انسان کے لئے عشرت گاہ نہیں ہے کہ محض مزے اڑانا ہی وہ اپنا نصب العین بنالے۔ بلکہ اس کی پیدائش تک مشقت و تکلیف میں ہوئی ہے۔ اس کا اپنا مستقبل بھی محنت و مشقت کا طالب ہے۔ پھر آگے چل کر اس کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا گیا ہے کہ یہاں انسان ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اس سے اوپر کوئی بالا طاقت موجود ہے جو اس کے ہر کام کی نگرانی اور اس پر دارو گیر کرنے والی ہے۔ پھر آگے چل کر انسان کی مسرفانہ فضول خرچی پر شکوہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بڑائی کی نمائش کرتے ہوئے اپنی شاہ خرچیوں پر کس طرح فخر کرتا ہے اور کس طرح لوگ اس کو داد دیتے ہیں۔ مگر نہیں دیکھتے کہ کوئی اس کو دیکھ رہا ہے کہ یہ مال کہاں سے آیا اور کہاں خرچ ہورہا ہے؟ اس کے بعد ایک بہت بڑی حقیقت کو ایک چھوٹے سے فقرے میں سمو دیا گیا ہے کہ خدا نے انسان کے لئے سعادت اور شقاوت کے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ ان کو دیکھنے اور ان پر چلنے کے وسائل بھی فراہم کردیئے ہیں۔ اب یہ انسان کی اپنی کوشش اور محنت ہے کہ وہ سعادت کی راہ چل کر اچھے انجام کو پہنچتا ہے یا شقاوت کی راہ اپنا کر برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ اللہ نے تو اسے علم کے ذرائع اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں دے کر دونوں راہیں بتلادی ہیں۔ ایک راہ وہ ہے جو اخلاق کی بلندیوں کی طرف اسے لے جاتی ہے جو دشوار گزار گھاٹی کی طرح ہے کہ اس پر چلنے کے لئے انسان کو اپنے نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ اور دوسرا راستہ اخلاقی پستیوں کی طرف جاتا ہے۔ وہ آسان ہے اس پر جانے کے لئے کوئی تکلیف اٹھانی نہیں پڑتی۔ بلکہ نفس کو خوب لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ پہلی گھاٹی پر چڑھنے کی بجائے دوسرے کھڈ میں گرنے کو پسند کرتا ہے۔ پھر آگے چل کر اس گھاٹی کی نشاندہی فرمائی گئی۔ جس پر چڑھ کر انسان بلندیوں کو چھوسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان فخر و مباہات، ریاء و نمود کی بجائے اپنا سرمایہ یتیموں مسکینوں کی امداد پر خرچ کرے۔ اور اللہ اور اس کے دین پر پورا ایمان رکھے اور ایمانداروں کے ساتھ مل کر صبر و رحم دلی کی تلقین کرتا رہے۔ اچھے لوگوں کا راستہ اختیار کرنے سے اللہ کی رحمتوں کا مستحق بنے گا۔ اور دوسرا راستہ اختیار کرنے سے دوزخ کی آگ نصیب ہوگی۔ جس سے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ سارے دروازے بند ہوں گے۔

فضائل سورت:......... **من قرء سورة لا اقسم بهذا البلد اعطاه الله تعالى الامان من غضبه يوم القيامة**

ترجمہ: جو شخص سورۂ بلد پڑھے گا اسے اللہ قیامت کے دن اپنے غضب سے امان عطا فرمائے گا۔ (حدیث موضوع)۔

لطائف سلوک:......... **فلا اقتحم العقبة** اس میں مجاہدات کی تلقین ہے۔ اگرچہ اس میں مشقت و دشواری ہے۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ خَمْسَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ ضَوْءِ هَا **وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾** تَبِعَهَا طَالِعًا عِنْدَ غُرُوْبِهَا **وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾** بِارْتِفَاعِهٖ **وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾** يُغَطِّيْهَا بِظُلْمَتِهٖ وَاِذَا فِى الثَّلٰثَةِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا فِعْلُ الْقَسَمِ **وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾** بَسَطَهَا **وَنَفْسٍ** بِمَعْنٰى نُفُوْسٍ **وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾** فِى الْخِلْقَةِ وَمَا فِى الثَّلٰثَةِ مَصْدَرِيَّةٌ اَوْ بِمَعْنٰى مَنْ **فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿۸﴾** بَيَّنَ طَرِيْقَيِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاَخَّرَ التَّقْوٰى رِعَايَةً لِرُءُوْسِ الْاٰيِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ **قَدْ اَفْلَحَ** حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ لِطُوْلِ الْكَلَامِ **مَنْ زَكّٰهَا ﴿۹﴾** طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ **وَقَدْ خَابَ** خَسِرَ **مَنْ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾** اَخْفَاهَا بِالْمَعْصِيَةِ اَصْلُهٗ دَسَّسَهَا اُبْدِلَتِ السِّيْنُ الثَّانِيَةُ اَلِفًا تَخْفِيْفًا **كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ** رَسُوْلَهَا صَالِحًا **بِطَغْوٰهَآ ﴿۱۱﴾** بِسَبَبِ طُغْيَانِهَا **اِذِ انْبَعَثَ** اَسْرَعَ **اَشْقٰهَا ﴿۱۲﴾** وَاسْمُهٗ قُدَارٌ اِلٰى عُقْرِ النَّاقَةِ بِرِضَاهُمْ **فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ** صَالِحٌ **نَاقَةَ اللّٰهِ** اَيْ ذَرُوْهَا **وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾** وَشُرْبَهَا فِىْ يَوْمِهَا وَكَانَ لَهَا يَوْمٌ وَّلَهُمْ يَوْمٌ **فَكَذَّبُوْهُ** فِىْ قَوْلِهٖ ذٰلِكَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى الْمُرَتَّبِ عَلَيْهِ نُزُوْلُ الْعَذَابِ بِهِمْ اِنْ خَالَفُوْهُ **فَعَقَرُوْهَا** قَتَلُوْهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءُ شُرْبِهَا **فَدَمْدَمَ** اَطْبَقَ **عَلَيْهِمْ رَبُّهُمُ** الْعَذَابَ **بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا ﴿۱۴﴾** اَيِ الدَّمْدَمَةَ عَلَيْهِمْ اَيْ عَمَّهُمْ بِهَا فَلَمْ يُفْلِتْ مِنْهُمْ اَحَدًا **وَلَا** بِالْوَاوِ وَالْفَاءِ **يَخَافُ** تَعَالٰى **عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾** تَبِعَتَهَا

ع ۱۵ / ۱۲

سورہ والشمس مکیہ ہے جس کی پندرہ آیات ہیں۔

ترجمہ .... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورج اور اس کی دھوپ (روشنی) کی قسم اور چاند کی قسم ہے کہ اس کے پیچھے آتا ہے (سورج ڈوبنے کے بعد چاند نکلتا ہے) اور دن کی قسم جب کہ وہ خوب روشن کر دیتا ہے (چڑھ کر) اور رات کی قسم جب کہ وہ ڈھانک لیتی ہے (اپنی اندھیری سے چھپا دیتی ہے اور اذا تینوں جگہ ظرفیت کے لئے ہے۔ فعل قسم اس میں عامل ہے) اور آسمان کی اور اس

ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا ہے اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بچھایا (پھیلایا) ہے اور نفس انسانی (نفس بمعنی نفوس) اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ہموار کیا (بناوٹ اور تینوں جگہ ما مصدر یہ ہے یا بمعنی من ہے) پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری اس کو الہام کردی (خیر وشر کے دونوں راستے بتلادیئے اور تقویٰ کا ذکر آخر میں اس آیت کی وجہ سے کیا ہے اور جواب قسم آگے ہے) یقیناً وہ بامراد ہوا (کلام طویل نہ ہو جائے اس لئے لام حذف کردیا ہے) جس نے نفس کو پاک کرلیا (گناہوں سے بچالیا) اور نامراد (ناکام) ہوا جس نے اس کو دبادیا (گناہ کرکے اس کی صلاحیت کو مخفی کردیا۔ اس کی اصل دسسہا تھی۔ دوسرا سین تخفیف کے لئے الف سے بدل دیا) قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو) جھٹلادیا۔ اپنی شرارت (سرکشی) کی وجہ سے جب کہ (پھر کر جلدی سے) اٹھا اس قوم کا سب سے زیادہ بدبخت (جس کا نام قدار تھا قوم کی رائے سے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لئے) تو اللہ کے رسول نے (صالح) ان لوگوں سے فرمایا کہ خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی سے (اسے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کے پانی پینے سے (اس کی باری کے دن کیونکہ ایک روز اس کی باری تھی اور ایک دن اوروں کی) مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹا قرار دیا (کہ خدا کی طرف سے یہ نہیں ہے کہ اگر انہوں نے مخالفت کی تو ان پر عذاب آئے گا) پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا (پانی اپنے لئے مخصوص کرلینے کی خاطر اونٹنی کو ختم کردیا) آخرکار ان پر ایسی آفت توڑی (ڈھائی) ان کے رب نے (عذاب کی) ان کے گناہ کی پاداش میں ایک ساتھ سب کو چھونک کر خاک کردیا (یعنی سب کو ایسا ختم کر ڈالا کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچا) اور اللہ نے (واو اور فا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اس کے انجام (نتیجہ) کی پرواہ نہیں کی۔

تحقیق وترکیب: .... **والشمس** اس سورت میں سات چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔

ضحی کے معنی چمکنے، روشن ہونے کے ہیں بعض کی رائے ہے **ضحوہ** دن چڑھنے کا وقت اور **ضحی** زیادہ دن چڑھنے کا وقت اور **ضحاء** قریب دوپہر کا وقت، مفسرؒ **ضحی** کے معنی چمکنے، روشن ہونے کے لے رہے ہیں۔ اس کے معنی دھوپ کے اور پورے دن کے بھی آتے ہیں۔ گویا رات کو عالم پر موت اور دن کو زندگی طاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح جواب قسم سے مناسبت ظاہر ہے۔

والقمر اذا تلاھا سورج غروب ہونے کے بعد چاند نکلنا اگرچہ شروع مہینہ میں ہوتا ہے۔ مگر مفسرؒ نے **والقمر اذا اتسق** کی رعایت کرتے ہوئے تفسیر کی ہے۔ **اذا** بعض کے نزدیک تینوں جگہ ظرف کے لئے ہے اور خلیلؒ کے نزدیک **فاء** اور **ثم** کی طرح عطف کے لئے ہے۔ تاکہ جواب ایک اور قسمیں متعدد نہ ہو جائیں۔ مگر پہلے حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر عطف کے لئے کہا جائے۔ تو عاملین پر عطف لازم آجائے گا۔ کیونکہ **والیل** واو قسمیہ کی وجہ سے مجرور ہے اور **اذا یغشی** فعل **اقسم** مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ پس اگر **والنھار اذا تجلی** میں واو عاطفہ ہوگا تو **نھار** کا عطف **اللیل** پر مجرور ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اور **اذا یغشی** میں منصوب ہے۔ اس لئے **ان فی الدار زیدا والحجرۃ عمرا** کی طرح ہو جائے گا۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ واو قسمیہ بمنزلہ **یا** اور فعل کے ہے۔ گویا نصب وجر انہی کا عمل ہے۔ یہ سمجھا جائے گا کہ ایک عامل کے دو عمل ہو گئے۔ جیسا کہ **ضرب زید عمروا وبکرا خالدا** البتہ آیت **فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس والیل اذا عسعس** سے اشکال ہوگا۔ کیونکہ اس میں فعل قسم مذکور ہے۔ اس لئے اس میں یہ عذر نہیں چل سکے گا۔ تاہم تحقیقی بات یہ ہے کہ عامل ظرف فعل قسم سے نہیں ہے۔ کیونکہ حال واستقبال سے زمانہ کی تقیید مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ ظرف معمول ہے مضاف مقدر کا۔ تقدیر عبارت **"وتعظمہ اللیل"** ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے قسم کھانے سے اس کی تعظیم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بات بھی بحث طلب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں اظہار عظمت کے لئے مستعار ہوتی ہیں۔ پس ان کی تقیید معنی مرادی کے جزو کی حیثیت سے ہو سکتی ہے اور تقدیر عظمت لغو ہو جائے گی۔ پس اس طرح **اذا** بطور بدل مطلق وقت کے معنی میں ہو جائے گا۔

ای و ' الیل وقت غشیانہ۔ مفسرؒ اذا کا عامل مقدر فعل قسم کو مان رہے ہیں۔اس میں اشکال یہ ہے کہ فعل قسم انشاء ہے جس کا زمانہ حال ہوتا ہے۔اس لئے وہ اذا میں کیسے عمل کرسکتا ہے۔جس کا زمانہ استقبال ہوتا ہے۔ورنہ عامل اور معمول کے زمانے مختلف ہوجائیں گے جو محال ہے۔لیکن جواب یہ ہے کہ مستقبل چیز کی فی الحال قسم کھانا صحیح ہے مثلاً: کہا جائے۔ اقسم باللہ اذا طلعت الشمس پس قسم کھانا تو اس وقت ہوا اور طلوع شمس مستقبل میں ہوگا۔

وما بناھا بقول فراءؒ اور زجاجؒ ما مصدریہ ہے لیکن زمخشریؒ وغیرہ کہتے ہیں فالھمھا کی وجہ سے معنی ٹھیک نہیں ہوں گے۔اور نہ نظم کلام درست رہے گا۔کیونکہ اس طرح اسم کا فعل پر عطف ہوجائے گا۔نیز یہاں الھم کا فاعل نہیں ہے نہ ظاہر نہ ضمیر مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ما کے صلہ پر عطف ہے۔ما اور صلہ دونوں پر عطف نہیں ہے۔عبارت اس طرح ہوگی۔وتسویتھا فالھامھا اور من بناھا کی بجائے مابناھا اس لئے کہا کہ وصفی معنی لینے مقصود تھے۔بہر حال سواھا اور الھمھا میں اگر اللہ کو فاعل مضمر مانا جائے اور نفس کی تنکیر تکثیر کے لئے ہو یا تعظیم کے لئے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا۔

فالھمھا فجورھا وتقواھا اس میں تعقیب عرفی ہے۔اس لئے اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ نفس کا تسویہ تو روح سے پہلے ہوتا ہے اور الہام بالغ ہونے کے بعد ہوتا ہے۔یا یوں کہا جائے کہ نفس کے تسویہ سے اعضاء کی تعدیل مراد ہے جس میں قوت مفکرہ بھی داخل ہے اور الہام سے مراد یہ ہے کہ نفس کو اچھائی برائی کی کیفیت معلوم ہوجائے،فجور تقویٰ کی تفسیر ابن عباسؓ نے خیر وشر کے طریقوں سے کی ہے طاعت ومعصیت مراد لی جائے۔

قد افلح، لقد افلح تھا لام اختصاراً حذف کردیا۔

من زکھا مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے اور ضمیر بارز نفس کی طرف راجع ہے اور تطہیر کی اسناد بھی نفس کی طرف ہے۔جیسا کہ حسنؒ سے منقول ہے۔لیکن ضمیر مستتر اللہ کی طرف اور ضمیر بارز من کی طرف راجع ہوسکتی ہے۔اور تانیث معنی نفس کی وجہ سے ہے۔حق تعالیٰ تکمیل نفس کی ترغیب ومبالغہ کے لئے ایسی چیزوں کی قسمیں کھا رہے ہیں۔جو اللہ کے موجود وجوب اور اس کے کمالات کی دلیلیں ہیں جو قوت نظریہ کا کمال ہے اور اللہ کی بڑی نشانیوں کی تذکیر فرمائی گئی ہے جو قوت عملیہ کا کمال ہے۔

من دسھا تقفی اور تقفیض کی طرح دس کی اصل دسس تھی۔

کذبت ثمود فجور وتقویٰ کی مناسبت سے قوم ہود اور حضرت صالح کا ذکر فرمایا گیا ہے۔تاکہ دونوں باتوں کا نمونہ سامنے آجائے۔

بطغوٰھا دراصل طغیاھا تھا۔اسم وصفت میں فرق کرنے کے لئے یا کو واو سے تبدیل کردیا اور رجعی کی طرح ایک قرأت میں طغوی بھی ہے۔مضاف مقدر ہے ای ذی الطغوی یا طغی سے بطور مبالغہ نفس عذاب مراد لیا جائے۔

اذانبعث یہ کذبت کا ظرف ہے۔یا طغوی کا اور اشقیٰ انبعث کا فاعل ہے اشقی سے مراد قدار اور اس کے ساتھی ہیں کیونکہ اسم تفضیل واحد وجمع دونوں کی گنجائش رکھتا ہے۔

ناقۃ اللہ مفسرؒ نے ناصب محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس میں اضافت تشریفیہ ہے۔

فکذبوہ یعنی سابقہ تکذیب کرنے سے باز نہیں آئے۔

فدمدم "ناقۃ مدمومہ" اونٹنی جب اس پر چربی چڑھ جائے دمدم تکرار فعل کے لئے ہے۔

ولا یخاف میں واو حالیہ ہے نافع بن عامر فلا پڑھتے ہیں عطف کے ساتھ۔

عقبھا یعنی عذاب کے عواقب کی اللہ نے پرواہ نہیں کی۔

رابطِ آیات: .... اس سورت کا طرز بیان بتلا رہا ہے کہ یہ سورت بھی مکہ کی ابتدائی ان سورتوں میں ہے جب کہ آپ کی مخالفت زورشور سے [illegible] بالکل واضح ہے۔ پہلی سورت میں ایمان وکفر کے اعمال کی مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت میں **کذبت ثمود** [illegible] سنانے کے لئے کفری اعمال پر دنیاوی مجازات کو قصداً ذکر کیا گیا ہے۔ اور نفس کی قسم کے ذیل میں کفر وایمان کے اعمال اور ان کی اخروی مجازات مجملاً بیان کردی گئی ہے۔

روایات: .... (۱) عن عمران بن حصین قال علیه السلام مجیبا عن سوال سئل عن القضاء والقدر لای شیٔ قضی علیهم ومضی فیهم وتصدیق ذلك فی کتاب الله ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقوٰها۔

(۲) عن الطبرانی انه صلی الله علیه وسلم اذا قرء فالهمها فجورها وتقوٰها وقف. ثم قال اللهم ات نفسی تقوٰها وزکها انت خیر من زکها انت ولیها ومولٰها وفی مسلم انه صلی الله علیه وسلم کان یدعوا بهذاالدعاء۔

﴿ تشریح ﴾: .... **ضحی** کے معنی وقت چاشت کے ہیں جب کہ سورج کچھ بلند ہوجاتا ہے اور اس میں روشنی کے ساتھ قدرے گرمی آجاتی ہے۔ اس لئے پورے معانی کی رعایت دھوپ کے ترجمہ میں ہوجاتی ہے۔ **اذا تلاها** سورج ڈوبنے کے بعد چاند کی چاندنی پھیل جاتی ہے۔ **اذا یغشاها** کی اصل حقیقت سورج کا نیچے اتر جانا ہے۔ جس کی وجہ سے سورج کی روشنی زمین کے اس حصہ میں نہیں پہنچتی جہاں رات آتی ہے۔ اس لئے رات کے آنے، سورج کے ڈوبنے اور اس کی روشنی رات بھر غائب رہنے کی کیفیت کو اس طرح تعبیر کیا کہ رات سورج کو ڈھانک لیتی ہے۔ یعنی رات کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کی روشنی کا کچھ نشان نہ رہے۔ **وما بناها** مخلوق کی آرائش کے لئے اللہ نے آسمان کو خیمہ اور چھت کی طرح تان دیا۔ ان تینوں الفاظ **بناها، طحاها، سواها** میں **ما** اگرچہ بعض مفسرینؒ نے مصدر یہ لیا ہے۔ لیکن بمعنی **من** لینا زیادہ اچھا ہے جس سے مراد اللہ ہے۔ نفس کے تسویہ اور ہموار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بدن انسانی اور اس کے تمام جوڑ بند اور اعضاء متناسب بنائے۔ اسی طرح اندرونی قوتیں بھی موزونیت کے ساتھ عطا کیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس میں فساد وگناہ کو اس کی اصل فطرت نہیں بنایا۔ بلکہ اس کی ساخت فطری طور پر سیدھی راہ چلنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اندرونی یا بیرونی خرابی اگر آتی ہے تو خارجی عوامل سے آتی ہے۔ آیات وروایات سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

برائی اچھائی کا الہام: .... **الهمها فجورها وتقوٰها.** **لهم** کے معنی نگلنے کے آتے ہیں لهم الشیٔ والفهم دونوں طرح کہا جاتا ہے۔ الهمته الشیٔ کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلاں چیز اس کو منگوادی کسی تصور وخیال کا غیر شعوری طور پر منجانب اللہ کسی کے دل ودماغ میں آجانا اس کو اصطلاحی طور پر الہام کہا جاتا ہے۔ فطری الہام اللہ نے ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور نوعیت کے اعتبار سے ودیعت فرمایا ہے۔ **الذی اعطی کل شیٔ خلقه ثم هدیٰ** چاند، تارے، سورج، آسمان، زمین، ہوائیں، بادل، جمادات، نباتات، جانور سب ہی کو ان کے مناسب فطری الہامات سے قدرت نے نوازا ہے اور وہ اپنے اپنے دوائر میں مصروف عمل ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی وجود ہے۔ اس حیثیت سے اس کو مختلف الہامی علوم دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح اس کا ایک عقلی وجود ہے۔ اس لحاظ سے بھی خدا نے اس کو الہامی رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ جس کی بدولت وہ مسلسل اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدن میں ترقی کرتا ہے۔ ان دونوں حیثیتوں کے علاوہ انسان میں ایک حیثیت اخلاقی ہے۔ اس لحاظ سے بھی نفس انسانی میں اللہ نے نیکی بدی دونوں کے رجحانات اور میلانات رکھ دیئے ہیں۔ جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ اجمالی طور پر بھلائی

برائی میں تمیز کرنے کی اللہ نے سمجھ دی ہے۔ پھر انبیاء اور آسمانی تعلیمات نے اسے کھول کھول کر بتلا دیا کہ یہ برائی کا راستہ ہے اور یہ نیکی کا طریقہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر انسان کے لاشعور میں اللہ نے یہ بات القا کر دی ہے کہ فلاں اخلاق اچھے ہیں اور فلاں برے ہیں۔ اور یہ کہ اچھے برے اعمال واخلاق یکساں نہیں ہیں۔ فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے۔ یہ چیز انسان کے لئے اجنبی نہیں ہے بلکہ خالق نے پیدائشی طور پر برے بھلے کی تمیز اس کو عطا کر دی ہے۔ غرضیکہ دل میں نیکی کا رجحان اور بدی کا میلان اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ سابق روایت نشاندہی کر رہی ہے۔ ہاں نیکی کا القاء فرشتہ کے ذریعہ اور بدی کا القاء شیطان کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ پھر وہ رجحان و میلان کبھی انسان کے ارادہ واختیار سے عزم کے درجہ میں پہنچ کر فعل صادر ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پس افعال کا خالق تو اللہ اور کاسب بندہ ٹھہرتا ہے۔ غرض اللہ نے انسان کو خیر وشر کا امتیاز اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا فرمایا ہے اور یہ ایک عالمی حقیقت ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا خیر وشر کے تصور سے کبھی بھی خالی نہیں رہی۔ دنیا میں کبھی کوئی ایسا معاشرہ نہیں ہوا جس میں بھلائی برائی پر بھلے برے اثرات مرتب کرنے کی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ پس اس حقیقت کا مسلمہ عالمگیر ہونا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے۔

کون کامیاب ہے اور کون ناکام؟:............قد افلح یہ ہے وہ مضمون جس پر ایک دہائی سے زیادہ قسمیں کھائی گئی ہیں۔ قرآن جن حقائق کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس کی تائید میں وہ انسان کے اردگرد اور خود اس کے اندر کی چیزوں کو شہادت میں پیش کیا کرتا ہے۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر یہاں بھی دو متضاد چیزیں پیش کی گئی ہیں۔ جن کے نتائج وثمرات بھی ظاہر ہیں۔ کہ یکساں نہیں ہوں گے بلکہ مختلف ہوں گے۔ ایک طرف سورج اور اس کی تیز اور گرم دھوپ ہے۔ دوسری طرف چاند اور اس کی ہلکی ٹھنڈی روشنی ہے۔ دونوں کے اثرات الگ الگ وقت میں مختلف ہوتے ہیں۔ ایک طرف دن ہے اور دوسری طرف رات ہے دونوں کا وقت بھی الگ الگ اور نتائج وثمرات بھی متضاد۔ علیٰ ہذا ایک طرف آسمان اور اس کی بلندی ہے اور دوسری طرف زمین اور اس کی پستی ہے۔ دونوں کے اثرات اور کام ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ ان آفاقی شہادتوں کے بعد اب خود انسان کے اندر غور کر لیا جائے تو نظر آجائے گا کہ اعضاء اور حواس اور ذہنی قوتوں کے موزوں امتزاج سے درست کر کے اس میں بھلائی کے رجحانات اور برائی کے میلانات رکھ دیئے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ پس اگر چاند، سورج، دن، رات، آسمان، زمین یکساں نہیں ہیں تو تقویٰ وتزکیہ اور فسق وفجور کیسے یکساں ہو سکتے ہیں؟ انسان اس دنیا میں بھی نیکی بدی کو یکساں نہیں سمجھتا۔ جس چیز کو وہ نیکی سمجھتا ہے وہ اسے قابل قدر مستحسن انعام سمجھتا ہے اور جس چیز کو بدی سمجھتا ہے وہ اس کے نزدیک قابل مذمت اور لائق سرزنش ہوتی ہے۔

کون سی چیز نیکی ہے اور کون سی چیز بدی ہے:............لیکن کون سی چیز تقویٰ ہے اور کون سی فجور ہے۔ اس کا فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں رکھا۔ بلکہ اس خالق کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کو تقویٰ وفجور کا الہام کیا ہے۔ اس نے دونوں کے نتائج بھی الگ الگ رکھے ہیں۔ جو نفس کو پاک رکھے اور سنوارے یعنی قوائے شہوانیہ اور غضبیہ کو قوائے عقلیہ کے آگے جھکا دے اور عقل کو شریعت کے آگے سرخم کر دے۔ اس کا انجام فلاح ہے اس کا قالب تابعدار اور قلب وروح تجلی الٰہی سے منور ہو جائیں گے۔ لیکن فسق وفجور کا نتیجہ یہ ہے کہ جو فطری صلاحیت اور استعداد کو دبا کر گھونٹ دے گا وہ نامراد ہوگا۔ تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو برائیوں سے محفوظ رکھ کر تقویٰ کی بلندی پر پہنچائے اور بھلائی کی نشوونما کرے اور نفس کے نامراد اور خاک میں ملا دینے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی باگ ڈور شہوت وغضب کے ہاتھ میں سراسر تھما دے، نہ شریعت کی پرواہ کرے اور نہ عقل ودانش کی رعایت رکھے۔ خواہش کی پیروی میں جانوروں کی طرح آزاد

ہو جائے۔ظاہر ہے کہ جو شخص نفس میں پائی جانے والی نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور ان کو نشو ونما دینے کے بجائے الثا ان کو دبا دے۔ بلکہ بہکا کر برائی کے میلانات کی طرف نفس کی لگام پھیر دے اور برائی کو اپنے او پر اس طرح طاری کر لے کے نیکی دب کر اور چھپ کر رہ جائے تو اس سے بڑھ کر نامرادی کیا ہوگی۔خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی حکمت بالغہ سے نفس انسانی میں خیر وشر کی متضاد اور متقابل قوتیں رکھی ہیں۔اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔اس طرح ان مختلف اعمال پر مختلف نتائج وثمرات بھی اس نے رکھے ہیں اور اعمال کے مطابق ثمرات کا رکھنا عین حکمت ہے۔

ایک تاریخی نظیر:..........اذانبعث مذکورہ بالا اصولوں کی وضاحت اور تائید کے لئے ایک تاریخی نظیر بیان کی جارہی ہے۔پہلی آیت میں ہر چند کہ یہ بتلایا گیا تھا کہ تقویٰ وفجور کا الہام اجمالی فطری ہے۔لیکن جہاں تک اس کی تفصیلات کا تعلق ہے وہ وحی الٰہی سے ہے۔جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے اور فجور کا تعلق کن کن چیزوں سے ہے۔جن سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔انسان اگر وحی الٰہی کی اس واضح ہدایات کو قبول نہ کرے تو وہ نہ فجور سے بچ سکتا ہے اور نہ تقویٰ کا راستہ پا سکتا ہے۔اسی طرح ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا لازمی نتیجہ فلاح ہے اور فسق وفجور کا نتیجہ نامرادی اور بربادی ہے۔چنانچہ قوم ثمود کی تاریخی نظیر سے بھی یہ دونوں باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔کیونکہ اس قوم کا حال عربوں کے لئے جانا پہچانا تھا۔تجارت کے لئے شام کو جاتے ہوئے یہ بستی سرراہ پڑتی ہے۔جس کا ذکر اشعار جاہلیت میں بھی ملتا ہے۔قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور اپنی سرکشی اور تمرد کی وجہ سے ان کی بات مان کر ہی نہیں دی۔اور کسی طرح بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ نہیں اپنائی۔سورۂ اعراف میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے۔

فرمائشی معجزہ:..........حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ سن کر ان سے قوم نے نشان اور معجزہ کی فرمائش کی۔اور پتھر سے گائے اور اونٹنی برآمد کرنے پر اصرار کیا۔چنانچہ حسب فرمائش بطور معجزہ برآمد ہوگئی۔چارہ کے لئے تو وہ جنگل نکل جاتی اور پانی کا یہ انتظام ہوا کہ چشمہ کا ایک دن اونٹنی کے لئے مخصوص رہا اور ایک دن دوسرے تمام جانوروں کے لئے باری کا مقرر ہوا اور آگاہ کر دیا گیا کہ کسی نے برے ارادہ سے اونٹنی کو ہاتھ لگایا تو اس پر عذاب آجائے گا۔کچھ دن تو ڈر کر پابندی کرتے رہے۔لیکن آخر کار صورت حال سے تنگ آکر قدار بن سالف نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔اس طرح وہ غائب یا ہلاک ہوگئی اور اس کا بچہ اس پتھر میں غائب ہوگیا جہاں سے وہ برآمد ہوئی تھی۔

ولا یخاف عقبٰھا یعنی دنیا کے فرمانرواؤں کو جس طرح کسی کو سزا دینے کے بعد کبھی اندیشہ لاحق ہوا کرتا ہے کہ کہیں ردعمل کے طور پر ملک میں شورش نہ ہو جائے یا نظم حکومت میں کوئی خلل نہ پڑ جائے۔اللہ کا اقتدار سب سے اعلیٰ ہے اسے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ یہ قوم یا اس کے حمایتی اس کا پیچھا کریں گے۔

خلاصۂ کلام:..........اس سورت کا عمودی مقصد نیکی بدی کا امتیاز بتلانا تھا۔اور اس فرق سے انکار اور بدی پر چلتے رہنے اور اصرار کرنے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈرانا ہے۔اس سورت کی پہلی دس آیات میں تین باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ایک یہ کہ چاند، سورج، رات، دن، زمین، آسمان جس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے آثار ونتائج میں متضاد ہیں۔یہی حال نیکی بدی اور ان کے اثرات کے تضاد کا ہے۔نیکی بدی نہ صورۃ یکساں ہیں اور نہ حقیقۃ۔پھر ان کے نتائج میں یکسانیت کیسے آسکتی ہے۔دن اگر رات، یا رات اگر دن نہیں ہو سکتی۔اسی طرح دن کے اثرات رات میں اور رات کے نتائج دن میں اگر نمایاں نہیں ہو سکتے۔تو نیکی بدی، یا بدی

نیکی کیسے بن سکتی ہے۔اسی طرح نیکی پر بدی کے اور بدی پر نیکی کے ثمرات کیسے مرتب ہو سکتے ہیں۔ورنہ کانٹوں کی جگہ پھول اور پھول کی جگہ کانٹے اگنے چاہئیں۔

دوسری بات یہ سمجھائی ہے کہ انسان کو محض جسمانی اعضاء اور ذہنی قوتیں دے کر بالکل بے خبر دنیا میں نہیں چھوڑا بلکہ لاشعوری طور پر فطری الہام سے نیکی بدی کا فرق بتلا دیا۔اور خیر وشر کا فی نفسہ احساس دلا کراتا را ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسان اپنا مستقبل بنانا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال کرے ۔ہاتھ پاؤں چلائے۔دیکھنا یہ ہے کہ اچھے برے رجحانات میں سے کس کو ابھارتا اور کس کو دباتا ہے۔اچھے رجحانات ابھارنے اور برے رجحانات دبانے سے اسے فلاح نصیب ہوگی۔لیکن اچھائی کے جذبہ کو اگر برائی کا داعیہ ابھارے گا تو یقیناً نامراد ہوگا۔

ان تینوں مضامین کے نصف آخری نیکی بدی کے انجام کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک تاریخی نظیر پیش کی گئی ہے۔کہ اللہ کا رسول صالح اپنی قوم ثمود کے پاس یہ پیغام لایا کہ فطری الہامی علم جو نیکی بدی میں فرق کرنے کے لئے انسان کو ملا ہے صرف وہ کافی نہیں ہے۔ ی لئے انسان نیکی بدی بھلے برے کا معیار تجویز کرنے میں ہمیشہ چوکنا رہا اور گمراہی کے غار میں گرتا رہا۔اس کا صحیح پیمانہ تو خالق کائنات ی بتلا سکتا ہے۔جس طرح آنکھ کی روشنی کے لئے باہر فضا کا روشن ہونا بھی ضروری ہے، باہر اندھیرا ہوگا تو نور نظر بھی کام نہیں دے گا۔یہی عال نور بصیرت کا ہے کہ اس فطری ہدایت کے ساتھ وحی کی روشنی بھی ناگزیر ہے۔اگر وحی کی واضح ہدایات نہیں تو کتنے اشراقین تباہی کے نار میں جا پڑے۔حضرت صالحؑ بھی ثمود کے پاس یہی روشنی لے کر تشریف لائے اور ان کا منہ مانگا معجزہ دکھلا دیا۔مگر قوم نے غیبت خسران کی راہ اپنائی۔تباہی کا نتیجہ ان کے سامنے تھا۔اہل مکہ کو صاف طور پر تو یہ نہیں کہا کہ تمہارا حشر بھی یہی ہوگا۔مگر جب حال ان کا وہی ہے تو نتیجہ بھی ظاہر ہے وہی ہوگا۔

ضائل سورت:............ **من قرء سورة الشمس فكانما تصدق بكل شئ طلعت عليه الشمس والقمر** ترجمہ: جو ئص سورۂ والشمس پڑھے گا تو سمجھا جائے گا کہ جتنی چیزوں پر چاند سورج طلوع ہوئے ہیں۔اس نے اتنا صدقہ کیا ہے۔

طائف سلوک:............ **ونفس وما سواها** یعنی نفس کو اس طرح سنوارا کہ وہ بار امانت اٹھانے کے لائق ہو گیا۔آگے چل کر ں کے لئے دو راستے ذکر کئے گئے۔یعنی تقویٰ اور فجور اور نفس کو ان دونوں کا الہام کیا گیا اور ایک تیسرے نفس کی حیثیت ان دونوں التوں کے درمیان بنائی۔پس نفس اگر نافرمانی اور گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے ''نفس امارہ بالسوء'' کہا جاتا ہے۔اور پرہیز گاری کی رف مائل ہوتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔لیکن اگر نفس گناہ کر کے جلد پشیمان ہو جائے تو اس کو ''لوامہ'' کہا جاتا ہے۔کیونکہ وہ ذکو ملامت اور خواہشوں کی مذمت کرتا ہے اور اپنے شیطان پر لعنت بھیجتا ہے اور اپنی شہوت پر غصہ اور لذتوں پر نفرین کرتا ہے اور جو گناہ یا اس سے تائب ہو جاتا ہے پھر جب اس کی خالص توبہ کامل ہو جاتی ہے تو اس کے لئے پھر اپنی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے۔تا کہ ہیں پہلی حالت کی طرف رجعت نہ ہو جائے۔اب اس کے لئے اس حالت پر برقرار رہنا آسان ہو جاتا ہے۔تاہم چوکنا رہنے کی رورت ہے۔تاوقتیکہ ملکۂ راسخہ حاصل نہ ہو جائے۔پھر بھی جب تک دار التکلیف میں ہے۔رجعت کا کھٹکا لگا رہتا ہے اللہ سے رتا ہے۔نفس پر مختلف احوال اسی طرح طاری رہتے ہیں۔جس طرح بدن پر مختلف حالات اور عوارض لاحق ہوتے ہیں۔**فالهمها جورها وتقوٰها** نفس کی طرف فجور وتقویٰ کی اضافت سے بعض حضرات نے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ نفس کو اس فجور وتقویٰ کا الہام جاتا ہے جس کی اس میں پہلے سے استعداد ہوتی ہے۔

سُوْرَةُ وَاللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴿۱﴾ بِظُلْمَتِهٖ كُلَّ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ **وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى﴿۲﴾** تَكَشَّفَ وَظَهَرَ وَاِذَا فِي الْمَوْضَعَيْنِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا فِعْلُ الْقَسَمِ **وَمَا** بِمَعْنٰى مَنْ اَوْ مَصْدَرِيَّةٌ **خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴿۳﴾** اٰدَمَ وَحَوَّاءَ اَوْكُلَّ ذَكَرٍ وَكُلَّ اُنْثٰى وَالْخُنْثَى الْمُشْكِلُ عِنْدَنَا ذَكَرٌ اَوْاُنْثٰى عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَحْنَثُ بِتَكْلِيْمِهٖ مَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ ذَكَرًا وَّلَااُنْثٰى **اِنَّ سَعْيَكُمْ** عَمَلَكُمْ **لَشَتّٰى﴿۴﴾** مُخْتَلِفٌ فَعَامِلٌ لِلْجَنَّةِ بِالطَّاعَةِ وَعَامِلٌ لِلنَّارِ بِالْمَعْصِيَةِ **فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى** حَقَّ اللّٰهِ **وَاتَّقٰى﴿۵﴾** اللّٰهَ **وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴿۶﴾** اَیْ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِي الْمَوْضَعَيْنِ **فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى﴿۷﴾** لِلْجَنَّةِ **وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ** بِحَقِّ اللّٰهِ **وَاسْتَغْنٰى﴿۸﴾** عَنْ ثَوَابِهٖ **وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ** نُهَيِّئُهٗ **لِلْعُسْرٰى﴿۱۰﴾** لِلنَّارِ **وَمَا** نَافِيَةٌ **يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى﴿۱۱﴾** فِي النَّارِ **اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴿۱۲﴾** لتبين طَرِيْقِ الْهُدٰى مِنْ طَرِيْقِ الضَّلَالِ ليتمثل اَمْرَنَا بِسُلُوْكِ الْاَوَّلِ وَنَهْيِنَا عَنْ اِرْتِكَابِ الثَّانِيْ **وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى﴿۱۳﴾** اَيِ الدُّنْيَا فَمَنْ طَلَبَهَا مِنْ غَيْرِنَا فَقَدْ اَخْطَأَ **فَاَنْذَرْتُكُمْ** خَوَّفْتُكُمْ يَااَهْلَ مَكَّةَ **نَارًا تَلَظّٰى﴿۱۴﴾** بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ وَقُرِئَ بِثُبُوْتِهَا اَيْ تَتَوَقَّدُ **لَا يَصْلٰهَاۤ** يَدْخُلُهَا **اِلَّا الْاَشْقَى﴿۱۵﴾** بِمَعْنَى الشَّقِيِّ **الَّذِيْ كَذَّبَ** النَّبِيَّ **وَتَوَلّٰى﴿۱۶﴾** عَنِ الْاِيْمَانِ وَهٰذَا الْحَصْرُ مُؤَوَّلٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ فَيَكُوْنُ الْمُرَادُ الصَّلِيُّ الْمُؤَبَّدُ **وَسَيُجَنَّبُهَا** يُبْعَدُ عَنْهَا **الْاَتْقَى﴿۱۷﴾** بِمَعْنَى التَّقِيِّ **الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴿۱۸﴾** مُتَزَكِّيًا بِهٖ عِنْدَ اللّٰهِ بِاَنْ يُّخْرِجَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى لَارِيَاءً وَّلَاسُمْعَةً فَيَكُوْنُ زَكِيًّا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذَا نَزَلَ فِي الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَمَّا اشْتَرٰى بِلَالًا الْمُعَذَّبَ عَلٰى اِيْمَانِهٖ وَاَعْتَقَهٗ فَقَالَ الْكُفَّارُ اِنَّمَافَعَلَ ذٰلِكَ لِيَدٍ كَانَتْ لَهٗ عِنْدَهٗ فَنَزَلَ **وَمَا لِاَحَدٍ** بِلَالٍ وَغَيْرِهٖ **عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى﴿۱۹﴾ اِلَّا** لٰكِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ **ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى﴿۲۰﴾**

اَیْ طَلَبَ ثَوَابَ اللّٰہِ **وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿۲۱﴾** بِمَا یُعْطَاہُ مِنَ الثَّوَابِ فِی الْجَنَّۃِ وَالْاٰیَۃُ تَشْتَمِلُ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ فِعْلِہٖ فَیَبْعُدُ عَنِ النَّارِ وَیُثَابُ

رکوع ۲۱ / ۱۷

سورۂ والیل مکیہ ہے، اس میں ۲۱ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:............قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (آسمان وزمین کے درمیان فضا کو اندھیرے سے چھپالے) اور دن کی جب کہ وہ روشن (نمایاں ہو اور چمکے دونوں جگہ اذا محض ظرف کے لئے اور فعل قسم عامل ہے) اور اس ذات کی (مـا بمعنی مـن ہے یا مصدریہ ہے) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا (آدم اور حواء اور ہر مرد وعورت مراد ہے اور واقعی ہیجڑہ ہمارے اعتبار سے مشکل سمجھا جائے گا۔ لیکن عند اللہ وہ مرد یا عورت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حلف کرے کہ میں کسی مرد اور عورت سے کلام نہیں کروں گا اور وہ ہیجڑہ سے بات کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی) فی الحقیقت تم لوگوں کی کوششیں (اعمال) مختلف قسم کی ہیں (کوئی جنت کے کام کرتا ہے اطاعت کر کے اور کوئی نافرمانی کر کے دوزخ کماتا ہے) سو جس نے مال دیا (اللہ کا حق) اور (اللہ سے) ڈرا اور اچھی بات (دونوں جگہ کلمہ **لا الـہ الا اللہ** مراد ہے) کو سچا سمجھا۔ سو ہم راحت کی چیز (جنت) کے لئے سہولت دیں اور جس نے (اللہ کے حق میں) بخل کیا اور (ثواب سے) بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا۔ اس کو ہم تکلیف دہ چیز (جہنم) کے لئے سامان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا (مـا نافیہ ہے) جب کہ وہ ڈال دیا جائے گا (دوزخ میں) بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے (ہدایت اور گمراہی کا الگ الگ کر دینا۔ تاکہ پہلے راستہ پر چل کر وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرے۔ اور دوسرے کے اختیار سے باز رہے) اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (لہٰذا جو ہمارے علاوہ دوسرے سے چاہے گا وہ غلطی کرے گا) پس میں نے (مکہ والوں) تمہیں خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے (تـلـظـی کی اصل میں دو تائیں تھیں جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور ایک قرأت میں دونوں کو پڑھا گیا ہے یعنی دہکتی ہوئی آگ) اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا (اشقی بمعنی شقی ہے) جس نے (پیغمبر کو) جھٹلایا اور روگردانی کی (ایمان سے آیت **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** کی وجہ سے اس حصر کی تاویل کی جائے گی۔ لہٰذا دوزخ میں داخل ہونے سے ہمیشہ کا داخلہ مراد ہوگا) اور اس سے دور (الگ) رکھا جائے گا۔ وہ پرہیزگار (اتقی بمعنی تقی ہے) جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے (مال کے ذریعہ اللہ کے نزدیک ہونے کے لئے صرف اللہ کے لئے پیسہ خرچ کرے، ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے نہ ہو، جس سے اللہ کے نزدیک پاکیزہ ہو جائے گا۔ یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب کہ انہوں نے بلالؓ کو خرید کر اس وقت آزاد کیا جب انہیں ایمان لانے کی وجہ سے ستایا جارہا تھا۔ مگر کافر کہنے لگے کہ ابوبکرؓ نے تو اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے جو بلالؓ نے ان پر کیا تھا۔ اس پر اگلا جملہ نازل ہوا) اس پر کسی (بلالؓ وغیرہ) کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ البتہ (لیکن اس نے یہ کیا ہے) صرف اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے لئے (ثواب حاصل کرنے کے لئے) اور وہ ضرور خوش ہوگا (جنت میں جو اسے ثواب عطا ہوگا اور آیت ہر اس شخص کے لئے بھی ہے جو ابوبکرؓ جیسے اعمال کرے گا۔ لہٰذا اسے بھی دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اسے اجر ملے گا)۔

تحقیق وترکیب:............**والـیـل اذا یغشی** رات میں چونکہ سکون واطمینان ہوتا ہے اس لئے اس عظیم نعمت کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور یغشی کی ضمیر الشمس کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ والیل اذا یغشی میں گزر چکا ہے۔ یا النہار کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ یغشی الیل النہار میں گزر رہا ہے یا ہر چھپانے والی چیز کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ اذا وقب میں آرہا ہے۔

وما خلق اگر ما بمعنی من ہو تو اللہ کی ذات مراد ہوگی۔ دوسری صورت ما مصدریہ کی ہے۔ خنثی کا مرد یا عورت ہونا بقول

کشافؒ ہمارے لئے تو اس کا امتیاز مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں قسم کی علامات پائی جاتی ہیں۔ اس لئے کیسے تصفیہ کیا جائے۔ مگر اللہ کو صحیح حقیقت حال معلوم ہے کہ فی الواقع وہ مرد ہے یا عورت؟ چنانچہ قسم کھانے سے ہیجڑہ بھی اس میں داخل ہوجائے گا یعنی اس سے کلام کرنے پر بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ واقع میں وہ مرد عورت میں سے کسی ایک قسم میں داخل ہے۔ کوئی تیسری قسم نہیں کہ قسم میں داخل کرنے میں اشکال ہو۔ برخلاف ابوالفضل ہمدائی کے کہ وہ خنثیٰ کو تیسری قسم مانتے ہیں۔ لیکن آیت یھب لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشاء الذکورا اس خیال کی نفی کر رہی ہے۔ کیونکہ مخلوق کا انحصار دو ہی قسم پر ہوتا ہے۔ اور ایک صورت ہیجڑا پن کی ہوتی ہے۔ کہ بول چال، حرکات وسکنات میں زنانہ پن ہو۔ وہ مرد ہی سمجھا جائے گا۔

ان سعیکم لشتی یہ جواب قسم ہے۔ شتی شتیت کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرضٰ آتی ہے۔ شتات کے معنی اختلاف کے ہیں۔

فاما من اعطی یہ شتی کی تفصیل ہے۔

بالحسنی پورا کلمہ طیبہ مراد ہے۔

فسنیسرہ۔ یسر الفرس کے معنی گھوڑے کا سامان فراہم کرنے کے ہیں۔ اسی طرح یہاں اسباب جنت مراد ہیں۔ اس میں سین استقبالیہ نہیں۔ بلکہ تحسین کلام کے لئے کیونکہ اسباب کی سہولت فی الحال میسر ہے۔

یسریٰ آسان خصلت اور عسریٰ دشوار خصلت کو کہتے ہیں ما یعنی ما نافیہ ہے۔ یا استفہام انکاری کے لئے ہے۔

اذا تردیٰ ردی کے معنی بقول مجاہدؒ ہلاک کے ہیں یا تردی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی قبر یا جہنم میں گرنے کا ہے ان دونوں آیات میں صفت تقابل پائی جاتی ہے۔ پہلی آیت میں جتنے الفاظ آئے ہیں دوسری آیت میں اس کا مقابل ذکر کئے گئے جس سے کلام میں بلاغت ولطافت آگئی۔

ان علینا للھدیٰ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اس میں اختصار ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہونی چاہیئے تھی۔ ان علینا للھدیٰ والضلالۃ مفسرؒ اسی کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ہدایت سے یہاں تبیین مراد ہے۔ اور اس کا معمول محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ان علینا التبیین طریق الحسن من الباطل جیسے دوسری آیت وعلی اللہ قصد السبیل ہے۔

للاٰخرۃ والاولیٰ بقول مفسرؒ اولیٰ سے مفسر مراد ہے یعنی اللہ جسے اور جس قدر چاہے ثواب دارین عطا کرے۔ یا مہتدین کو ہدایت کا ثواب اور گمراہوں کو گمراہی کی سزا دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دین ودنیا کا مالک چونکہ اللہ ہے لہٰذا ہدایت پر نہ چلنے کا نقصان اللہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

لایصلٰھا الا الاشقی۔ اشقی اور اتقی اسم تفضیل بھی ہوسکتے ہیں۔ بظاہر اس حصہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مؤمن فاسق دوزخ میں نہیں جائے گا صرف کفار جائیں گے۔ لیکن آیت ویغفر مادون ذلک کی وجہ سے اس حصہ کو ظاہر پر نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اس کی تاویل کی جائے گی کہ یہاں دخول ابدی مراد ہے۔ اور وہ کافر کے لئے مخصوص ہے کیونکہ اگر مؤمن کو بالکلیہ معاف کر دیا تب تو وہ جہنم میں جائے گا ہی نہیں۔ اور بغیر سزا معافی نہ ہوئی تو محدود وقت کے لئے داخلہ ہوگا۔ سزا کے بعد پھر نکال لیا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اشقی کا مصداق کافر منافق ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مرجئیہ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ گنہ گار مسلمان بالکل دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ ظاہر حصہ سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن جب مطلق داخلہ مراد نہیں۔ بلکہ دوامی داخلہ مراد ہے تو پھر یہ استدلال غلط ہوجاتا ہے۔ مفسرؒ نے اس آیت کی بنیاد آیت ویغفر الخ پر جو رکھی ہے وہ بلحاظ مفہوم کے ہی صراحۃً نہیں ہے۔ کیونکہ لمن یشاء سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مؤمن کی مغفرت نہ چاہے تو وہ اس کو دوزخ میں بھیج سکتا ہے۔

یتزکی .یؤتی سے بدل ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔ پہلی آیت میں صلہ ہونے کی وجہ سے محل اعراب میں نہیں ہے۔ کیونکہ صلہ کا اعراب نہیں ہوتا۔ اور ثانی صورت میں محل نصب میں ہے۔ مفسرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے ای متز کیا به عند الله .

الا ابتغاء استثناء منقطع ہے یا محذوف کے ساتھ متصل ہے ای لا یؤتی ماله الاابتغاء وجه ربه لالمکافاة نعمته لیکن زمخشریؒ بلحاظ معنی مفعول لہ مانتے ہیں اور فراءؒ نصب کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں ما اعطیتک ابتغاء جزائک بل ابتغاء وجه الله عام قرأت نصب کی ہے اور یحییٰ محل نعمة سے بدل قرار دیتے ہوئے مرفوع پڑھتے ہیں کیونکہ من نعمة فاعل ہے یا مبتداء ہے اور بدل بنانا لغت تمیم پر ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں غیر موجب کلام میں متصل کی جگہ منقطع لاتے ہیں۔

ربط آیات:............سورۂ والشمس اور سورۂ واللیل کا مضمون بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ ایک ہی بات کو دونوں میں ایک ایک انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں سورتیں قریب قریب زمانہ کی ہیں۔ دونوں میں اعمال اور ان کی مجازات کا بیان ہے وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

شانِ نزول:............قال ابن الجوزی اجمعوا علی انها نزلت فی ابی بکرؓ لما اشتری بلالا المعذب علی ایمانه کا ن یعذبه مولاه امیة بن خلف علی ایمانه فقال ابو بکرؓ الاتتقی فی هذا المسکین قال انت افسدته فانقذه مما تری فقال ابو بکرؓ افعل عندی غلام اسود اجلا منه واقوی علی دینك اعطیك قال فقد فعلت فاعطاه ابو بکر غلامه فاعتقه فقال الکفار انما فعل ذلك لید ای النعمة کانت له عنده وکان الصدیق رضی الله عنه یبتاع الضعفة فیعتقهم فقال له ابوه ای بنی لو کنت تبتاع من یمنع ظهرك فقال منع ظهری ارید وقال ابن الجوزی ایضا ففیها التصریح بانه اتقی من سائر الامة والاتقی هو الاکرم عندالله لقوله ان اکرمکم عندالله اتقکم والاکرم عندالله هو الافضل ینتج انه افضل من بقیة الامة وفی معالم التنزیل یتزکی یطلب ان یکون عندالله زاکیا لا ریاء ولاسمعة یعنی ابابکر الصدیق فی قول الجمیع ۔عن علیؓ قال کنا فی جنازة فی بقیع الغرقد فاتانا رسول الله صلی الله علیه وسلم فعقد فعقد ناحوله ومعه مخصر ة فنکس فجعل ینکث بمخصرته ثم قال ما منکم من احد مامن نفس منفوسة الاوقد کتب الله مکانها من الجنة والنار والاوقد کتبت شقیة اوسعیدة قال فقال رجل یارسول الله افلا نمکث علی کتابنا وندع العمل فقال من کان من اهل السعادة فسیصیر الی عمل اهل السعادة ومن کان من اهل الشقاوة فسیصیر الی عمل اهل الشقاوة فقال اعملوا فکل میسر اما اهل السعاده فییسرون لعمل اهل السعاده واما اهل الشقاوة فییسرون ثم قرء فاما من اعطیٰ واتقی وصدق بالحسنیٰ فسنیسره للیسریٰ واما من بخل واستغنیٰ وکذب بالحسنیٰ فسنیسره للعسریٰ ۔

﴿تشریح﴾:............**والیل** دنیا میں جس طرح رات دن، نر مادہ، مختلف اور متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں اور ان سے ہر دو کے آثار و نتائج باہم متضاد ہیں۔ اسی طرح تمہارے اعمال اور کوششیں بھی متضاد ہیں اور ان کے مقاصد بھی مختلف ہیں۔

تین جامع بنیادیں:............**فاما من اعطی** یہ سعی کی ایک قسم ہے۔ جس کے ذیل میں تین جامع بنیادوں کو بتلایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ جو شخص کھلے دل سے اپنے مال میں سے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور نیک راستہ میں خرچ کرے۔ دوسرے اس کے دل میں خوف خدا ہو اور زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ کی ناراضگی سے بچتا رہے۔ تیسرے یہ کہ اسلام کی تمام

بھلی باتوں کو دل سے سچا مانتا ہے۔ خواہ عقائد واخلاق ہوں یا اعمال ومعاملات سب کو صحیح مانتا ہو یعنی دہریت شرک وکفر کو چھوڑ کر توحید اپنائے۔ رسالت وآخرت پر ایمان رکھے۔ اسی طرح اچھے اعمال یا اخلاق بے شعوری کے ساتھ محض عادت کے طور پر نہ کرے۔ بلکہ خدائی احکام ہونے کے ناطہ ان پر عمل پیرا ہو تو ایسے شخص کے لئے وعدہ ہے کہ ہم اس کے لئے نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے اور مقام راحت یعنی جنت میں پہنچا دیں گے۔

راستہ آسان ہونے کا مطلب:......... راستہ کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ جس میں انسان کو اپنے جسم، جان، عقل، ذہن پر زبردستی کر کے اور ضمیر سے لڑ کر چلنا نہیں پڑتا اور نہ اسے ہر طرف کی مزاحمت اور کش مکش سے سابقہ پیش آتا ہے۔ بلکہ اسے صلح وآشتی اور قدر ومنزلت میسر آتی چلی جاتی ہے۔ تجربہ یہی بتاتا ہے۔ کہ جو شخص مال سے خدمت خلق کرتا ہو اور لوگوں سے نیک سلوک سے پیش آتا ہے اور اچھے اخلاق برتے۔ کسی سے بے وفائی بدعہدی، ظلم وزیادتی، خیانت نہ کرے تو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دل اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں۔ اس کا اپنا دل بھی مطمئن رہتا ہے اور دوسروں کی نگاہ میں بھی عزت قائم رہتی ہے اور اس آسان راستہ پر چلنے کے لئے سہولت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس راستہ کو اپنانے کا فیصلہ کرلے گا۔ اور برائی کی راہ ترک کرنے کا عزم کرلے گا۔ اور اس کا عمل بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کردے گا۔ تو اللہ اسے اس پر جمنے کی توفیق دیتا رہے گا۔ اسے نیکی کرنا آسان ہو جائے گا۔ راہ کی دشواریاں ایک ایک کر کے دور ہوتی چلی جائیں گی اور گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بدکاری کے مواقع پر ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہیں لپکے گا۔ بدکاری سے دور بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ نماز پڑھنے میں اسے سکون ملے گا۔ زکوٰۃ وصدقات ادا کرنے سے قلبی سکون میسر آئے گا۔ غرض ہر قدم پر اسے غیبی تائید وتوفیق ملے گی اور حالات اس کے لئے سازگار بنا دیئے جائیں گے۔ اس راہ کو اختیار کرنے سے پہلے تو یہ انسان کو دشوار گزار گھاٹی معلوم ہوگی اور شیطان ہر طرف ایک ہوا کھڑا کر کے دکھلائے گا۔ لیکن جب انسان اس پر چلنے کے لئے کمر ہمت باندھ لیتا ہے تو پھر خدا کی طرف سے اس گھاٹی پر چڑھنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

بخل کا انجام .... واما من بخل برخلاف اس کے انسان جدوجہد کی دوسری راہ اگر اپناتا ہے تو اس کے اثرات ونتائج بھی دوسرے ہوتے ہیں۔ بخیلی کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ اگرچہ اپنی ذات، اپنے عیش وآرام، دلچسپیوں، تفریحوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہے۔ مگر نیک کام کے لئے اس کی جیب سے دمڑی نہیں نکلتی۔ اور کچھ پیسہ نکالتا بھی ہے تو پہلے یہ اطمینان کر لیتا ہے کہ اس کے بدلے اسے شہرت نام ونمود حاصل ہوگا اور استغناء اور بے نیازی کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی اور خوشیوں کی قطعاً پروانہیں کرتا۔ ساری تگ ودو اپنے مادی فائدوں کے لئے کرتا ہے۔ اس کا کعبۂ مقصود اپنے نفس کی غلامی ہوتی ہے۔ اسی طرح اچھائی کے جھٹلانے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام ودین کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانتا ہے۔ پس ایسے شخص کے لئے سختی کی طرف رخ موڑ دیا جاتا ہے۔ جس سے روز بروز اس کا دل تنگ اور سخت ہوتا جاتا ہے۔ نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار دھیرے دھیرے عذاب الٰہی کی انتہائی سختی کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔ اس پر چلنے والا اگرچہ دنیاوی لذتوں مادی کامیابیوں میں منہمک رہتا ہے۔ لیکن ہر وقت اپنی فطرت سے صداقت، دیانت، شرافت، عفت وعصمت سے نبرد آزما رہتا ہے اور اخلاقی حدود توڑ کر خواہشات پورا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی نظروں میں بھی آہستہ آہستہ حقیر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسروں کی نگاہوں سے بھی گر جاتا ہے۔ تا آنکہ اس سے نفرت عام ہو جاتی ہے اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ کسی کے دل میں بھی اس کے لئے خیرخواہی عزت کی جگہ

نہیں رہتی۔ بلکہ اس کے ساتھی بھی اس کو بدترین سمجھتے ہیں۔

دشواری کی راہ آسان کردینے کا مطلب:............اور اس سختی کی راہ آسان کردینے کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ بھلائی کے راستہ پر چلنے کی توفیق اس سے سلب کرلی جاتی ہے۔ اور برائی کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔ بدی کرنا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔ اور اس کے اسباب فراہم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نیکی تو اسے ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اس کی جان پر بن رہی ہے۔ نماز روزہ کے نام سے بخار چڑھتا ہے لیکن شیطانی دھندوں میں ہشاش بشاش رہنے لگتا ہے۔ غرض کہ عادت اللہ یہی ہے کہ انسان نیکی اور بدی میں اپنے لئے جس راہ کو پسند اور اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لئے اس کو آسان فرمادیتا ہے۔ **کلا نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وماكان عطاء ربك محظورا** حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے **کل میسر لما خلق له** **وما یغنی عنه** یعنی جس مال ودولت پر گھمنڈ کرکے یہ آخرت کی طرف سے لاپرواہ ہورہا تھا۔ وہ کچھ کام بھی نہ آئے گا۔ انسان کو ایک روز بہرحال مرجانا ہے۔ اور سارے عیش وعشرت کے سامان کو یہیں چھوڑ جانا ہے۔ قبر میں اسکے ساتھ نہ جائے گا۔ آخرت میں تو آخرت ہی کی چیزیں نیک اعمال جائیں گے۔

اللہ کا نام اور انعام:............**ان علینا للھدیٰ** یعنی جب اللہ نے انسان کو بتایا ہے تو اس نے اسے بے خبر نہیں رکھا۔ بلکہ اس نے صاف صاف بتلادیا ہے کہ فلاں راہ اچھی ہے اور فلاں راستہ خراب۔ اللہ نے تو اپنی حکمت کے پیش نظر کسی کو نیک وبد بننے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ البتہ اپنے ذمہ یہ لیا ہے کہ سب چیزیں کھول کھول کر بیان کردیں کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ کونسا راستہ اختیار کرکے وہ اطاعت گزار ہوگا اور کون سا طریقہ اپنانے سے وہ نافرمان بن جائے گا؟ اب یہ تو بندہ کا کام ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس راستہ کو چاہے اختیار کرے آخرت میں اسی کے موافق اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔ **وان لنا للاٰخرۃ والاولیٰ** یعنی چونکہ دنیا وآخرت کے ہم ہی مالک ہیں۔ اس لئے کسی حالت میں بھی انسان ہمارے قبضہ وقدرت سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح تم نیکی کی راہ اپناؤ یا برائی کا راستہ اختیار کرو، تمہارا اپنا نفع ونقصان تو ہوگا۔ مگر اس سے ہماری ملکیت اور حاکمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ گمراہی اختیار کروگے تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔ ہمارا کیا بگڑ سکتا ہے۔ اور راہ راست پر چلوگے تو اس سے ہمارا کوئی نفع نہیں ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی ہے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم دنیا کی بھلائی چاہوگے تو وہ بھی ہمارے پاس ہے اور آخرت کی بہتری کے خواہاں ہوگے تو ہمارے خزانوں میں اس کی بھی کمی نہیں ہے۔

لایصلٰھا نہایت بدبخت سے مراد کافر ہے۔ اور نہایت متقی سے مراد پکا مؤمن ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ کافر کے سوا کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ اور کامل مؤمن کے سوا کوئی اس سے نہ بچے گا۔ بلکہ دونوں کے دو انتہائی اعمال کے انتہائی نتائج بیان کرنے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو ہر طرح اللہ ورسول کا باغی ہو۔ اور ایک شخص وہ ہے جو مکمل طور پر اللہ ورسول کا وفادار وفرمانبردار ہو۔ پس دوسرے کردار والا نہیں بلکہ پہلے کردار والا آگ میں جھلسے گا۔ اور سدا اس سزا کو جھیلتا رہے گا۔ لیکن جس کی حالت درمیانی ہو کہ بغاوت کا مرتکب تو نہیں البتہ بدعملی کا مجرم ہے۔ اس کے ثمرات بھی اسی طرح ملے جلے ہوں گے۔ برائی کا بھگتان کرکے ہی فلاحیاب ہوگا۔ یہ تو قانونی عدل کا تجزیہ رہا۔ آئین فضل سو وہ جو چاہے کرے۔ کون لب کشائی کرسکتا ہے۔

یؤتی مالہ یتزکی. یعنی مال خرچ کرنا کسی طرح کی ریاء ونمود ونمائش کے لئے نہیں۔ بلکہ بخل وطمع جیسے رذائل نفس سے پاک ہونے کے لئے ہوتا ہے... کسی کے احسان کا بدلہ چکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف رحمت الٰہی اور دیدار خداوندی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا ہے۔ تو ایسا شخص یقین رکھے کہ اسے ضرور خوش کردیا جائے گا اور اس کی یہ خواہش وتمنا ضرور پوری ہوکر رہے گی۔ گویا کہ یہ اس پرہیزگار

آدمی کے خلوص کی اور زیادہ وضاحت کرتی ہے۔ کہ اس کی یہ مالی قربانی کسی کے احسان کا بدلہ چکانے کے لئے یا آئندہ کسی نفع کی توقع پر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اللہ کی رضا جوئی پیش نظر ہے۔ جس کی بہترین مثال حضرت ابوبکرؓ کا کردار ہے۔ جس کو دیکھ کر ایک مرتبہ ان کے والد نے یہ کہہ کر ان کو ٹوکا تھا کہ تم کمزور لوگوں پر روپیہ خرچ کر رہے ہو۔ اگر مضبوط جوانوں کی آزادی پر روپیہ خرچ کرتے تو وہ تمہارے لئے قوت بازو بنتے؟ جس کا جواب ابوبکرؓ نے یہ دیا کہ انما ارید ما عند اللہ ولسوف یرضی رضا کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے گا اور دوسرے یہ کہ اللہ اس کو اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔ گویا یہ "**ولسوف یعطیك ربك فترضی**" کی بشارت کا انعکاس ہے جو آگے آ رہی ہے۔

خلاصۂ کلام:............ زندگی کے دو مختلف راستوں اور ان کے نتائج و انجام کا فرق اس سورت میں ظاہر کرنا مقصود ہے۔ شروع سورت سے "اذا تردی" تک یہ بتلایا جا رہا ہے کہ انسان دنیا میں جو کچھ بھی اچھی بری جدوجہد اور عمل کر رہا ہے۔ وہ اخلاقی نوعیت سے ایسے ہی مختلف ہیں جیسے رات دن، نر مادہ مختلف ہوا کرتے ہیں۔ نیکی اپنی تین خصوصیات کے ساتھ اور بدی اپنی تین خصوصیات کے ساتھ الگ الگ نتائج لئے ہوئے زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پہلی خصوصیات ایک خاص طرز زندگی کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور دوسری خصوصیات پہلی سے مختلف طرز زندگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ جو شخص اللہ کی رضا جوئی کے لئے مال خرچ کرے، خدا ترسی اور پرہیزگاری کو اختیار کرے اور بھلائی کو بھلائی مانے اللہ تعالیٰ اس کے لئے زندگی کے صاف اور سیدھے راستہ کو سہل کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے لئے نیکی آسان اور بدی مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن جو شخص دوسرے طرز زندگی کو اپنائے گا۔ یعنی خدا کی راہ میں بخل کرے گا اور اللہ کی رضا جوئی اور ناراضگی سے بے پرواہ ہو جائے اور بھلی بات جھٹلانے لگے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے زندگی کے سخت راستہ کو آسان کر دے گا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے بدی آسان اور نیکی مشکل ہو جائے گا۔ اور یہ کہہ کر بات کو ختم کر دیا گیا کہ یہ مال جس کے پیچھے آدمی جان دے دیتا ہے۔ قبر میں اس کے ساتھ نہیں جائے گا کہ مرنے کے بعد بھی اس کے کام آئے۔ بلکہ یہیں رہ جائے گا اور دوسرے لے اڑیں گے۔ آیت **انا علینا للھدیٰ** سے لے کر آخری سورت تک مختصر طریقہ پر تین حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ (۱) اللہ نے انسان کو دنیا میں بے خبر نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ اپنے ذمہ یہ لے لیا ہے کہ وہ اسے جتلا دے کہ زندگی میں کون سا راستہ سیدھا ہے۔ (۲) دنیا و آخرت دونوں کا مالک اللہ ہے۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تمہیں دنیا چاہیئے یا آخرت لیکن جو کچھ چاہو گے وہ سب کچھ اس کے پاس موجود ہے۔ (۳) جو بدبخت الٰہی تعلیمات کو جھٹلائے گا اور اللہ کی ہدایت سے منہ موڑے گا۔ اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے۔ لیکن جو خدا ترس انسان پوری بے غرضی کے ساتھ صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنا مال راہ مولیٰ میں صرف کرے گا۔ اس کا رب اس سے راضی ہوگا اور اسے اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

فضائل سورت:............من قرء سورة والليل اعطاه الله تعالى حتى يرضى وعافاه من العسر ويسره اليسرى جو شخص سورۂ واللیل پڑھے گا اس کو اللہ اتنا دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا اور اسے تنگی سے محفوظ اور سہولت سے نوازے گا۔ (حدیث موضوع)

لطائف سلوک:............**فسنیسرہ للیسریٰ** معلوم ہوا کہ اصل دارومدار اللہ کی توفیق اور خذلان پر ہے۔ حدیث **کل میسر لما خلق لہ** بھی اس کی مؤید ہے۔

سُوْرَةُ وَالضُّحٰی مَكِّيَّةٌ اِحْدٰی عَشْرَةَ اٰيَةً وَّلَمَّا نَزَلَتْ كَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ فَسُنَّ التَّكْبِيْرُ اٰخِرَهَا وَرُوِيَ الْاَمْرُ بِهٖ خَاتِمَتَهَا وَخَاتِمَةَ كُلِّ سُوْرَةٍ بَعْدَهَا وَهُوَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَوْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالضُّحٰی ﴿۱﴾ اَوَّلَ النَّهَارِ اَوْ كُلَّهٗ **وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی ﴿۲﴾** غَطّٰی بِظَلَامِهٖ اَوْ سَكَنَ **مَا وَدَّعَكَ** يَا مُحَمَّدُ **رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ﴿۳﴾** اَبْغَضَكَ نَزَلَ هٰذَا لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ عِنْدَ تَاَخُّرِ الْوَحْيِ عَنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا اِنَّ رَبَّهٗ وَدَّعَهٗ وَقَلَاهُ **وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ** لِمَا فِيْهَا مِنَ الْكَرَامَاتِ **مِنَ الْاُوْلٰی ﴿۴﴾** الدُّنْيَا **وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ** فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَيْرَاتِ عَطَاءً جَزِيْلًا **فَتَرْضٰی ﴿۵﴾** بِهٖ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا لَّا اَرْضٰی وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ اِلٰی هُنَا تَمَّ جَوَابُ الْقَسَمِ بِمُثْبَتَيْنِ بَعْدَ مَنْفِيَّيْنِ **اَلَمْ يَجِدْكَ** اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَيْ وَجَدَكَ **يَتِيْمًا** بِفَقْدِ اَبِيْكَ قَبْلَ وِلَادَتِكَ اَوْ بَعْدَهَا **فَاٰوٰی ﴿۶﴾** بِاَنْ ضَمَّكَ اِلٰی عَمِّكَ اَبِيْ طَالِبٍ **وَوَجَدَكَ ضَآلًّا** عَمَّا اَنْتَ عَلَيْهِ الْاٰنَ مِنَ الشَّرِيْعَةِ **فَهَدٰی ﴿۷﴾** اَيْ هَدَاكَ اِلَيْهَا **وَوَجَدَكَ عَآئِلًا** فَقِيْرًا **فَاَغْنٰی ﴿۸﴾** اَغْنَاكَ بِمَا قَنَّعَكَ بِهٖ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْحَدِيْثِ لَيْسَ الْغِنٰی عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ **فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾** بِاَخْذِ مَالِهٖ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ **وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾** تَزْجُرْهُ لِفَقْرِهٖ **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ** عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا **فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾** اَخْبِرْ وَاحُذِفَ ضَمِيْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ الْاَفْعَالِ رِعَايَةً لِّلْفَوَاصِلِ

ع ۱۸

ترجمہ:.........سورۂ والضحیٰ مکیہ ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں یہ سورت جب نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی۔ اس لئے اس سورت کے ختم پر تکبیر پڑھنا مسنون ہے۔ اور اس سورت کے اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کے خاتمہ پر تکبیر کے پڑھنے کا حکم منقول ہے۔ اللہ اکبر یا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم**

قسم ہے روز روشن کی (اول حصہ یا پورا دن مراد ہے) اور رات کی جب کہ وہ طاری ہو جائے (چھا جائے اندھیرے کے ساتھ یا قرار پکڑ لے) کہ (اے محمد!) نہ آپؐ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (خفا) ہوا (پندرہ روز تک وحی موقوف رہنے پر جب کفار کہنے لگے کہ محمدؐ کے رب نے اس کو چھوڑ دیا، اس سے ناراض ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور یقیناً آخرت آپ کے لئے بدر جہا بہتر ہے (کرامتوں کے لحاظ سے) بہ نسبت دنیا کے اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا (یعنی آخرت میں تمہیں بڑی بھلائی نصیب ہوگی) کہ تم خوش ہو جاؤ گے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا میں اس وقت خوش نہیں رہوں گا جب تک میرا ایک بھی امتی دوزخ میں رہ جائے گا۔ دو منفیوں کے بعد دو مثبت چیزوں کو بیان کرنے کے بعد یہاں آکر جواب قسم پورا ہوا) کیا اس نے نہیں پایا (استفہام تقریری ہے یعنی پایا ہے) آپ کو یتیم (آپ کی ولادت سے پہلے یا بعد میں آپ کے والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے) پھر ٹھکانا فراہم کیا (آپ کو آپ کے چچا ابو طالب کے پاس پہنچا کر) اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا (اس شریعت سے جس پر اب آپ ہیں) پھر ہدایت بخشی (آپ کو اس کی رہنمائی کی) اور اللہ نے آپ کو نادار (غریب) پایا اور پھر آپ کو بے نیاز بنایا (غنیمت وغیرہ کے ذریعہ آپ کو قناعت دے کر بے پرواہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ مالداری سامان کی زیادتی کا نام نہیں۔ اصل مالداری نفس کا غنا ہے) لہٰذا یتیم پر سختی نہ کیجئے (مال وغیرہ لے کر) اور سائل کو (اس کی غریبی کی وجہ سے) نہ جھڑکئے اور اپنے رب کی نعمتوں کا (نبوت وغیرہ کے سلسلہ میں اظہار کرتے رہا کیجئے (بیان کرتے رہیئے اور بعض افعال سے فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے وہ ضمیریں حذف کر دی گئی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں)۔

تحقیق وترکیب: .... کبر تکبیر کے یہ الفاظ ہیں لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد شکر نعمت کے طور پر آپ نے یہ پڑھی۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ ان ترکت التکبیر فقد ترکت سنۃ من سنن نبیك اس میں اختلاف ہے کہ والضحی کے شروع میں تکبیر کی جائے یا آخر میں۔ اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ سورۂ والناس کے شروع میں اس کو ختم کیا جائے یا اس کے ختم پر کیا جائے۔ اسی طرح اس میں بھی دو رائیں ہیں کہ حضورؐ کے قول سے یہ سنت لی گئی ہے یا عمل سے۔

والضحی دن چڑھے کا وقت اور اس وقت کی تخصیص یا اس لئے ہے کہ اس وقت دن میں مضبوطی آجاتی ہے۔ اور یا اس لئے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہمکلامی سے مشرف ہوئے اور جادوگران کے مقابلہ میں ہار کر سجدہ میں گر گئے تھے۔ لیکن پورا دن بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس سورت میں پہلے دن کو اور اس سے پہلی سورت میں پہلے رات کو ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں فی الجملہ دن کی فضیلت ہے اور اس میں فی الجملہ رات کو اس لئے دونوں سورتوں میں دونوں سورتوں کی رعایت کر لی گئی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ پچھلی سورت میں حضرت ابو بکرؓ سے متعلق آیات ہیں۔ اور ایمان لانے سے پہلے ان کی حالت کفر تھی۔ اس لئے رات کا ذکر پہلے کیا اور اس سورت میں حضور پرنورؐ کا ذکر خیر ہے اور آپ کی ساری زندگی نور ایمان سے معمور ہے۔ اس لئے دن کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اور اگر ضحیٰ سے مراد معین وقت لیا جائے تو اس سورت میں دن کے ایک حصہ کے اور پچھلی سورت میں پوری رات کا ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہوگا کہ ساری رات مل کر دن کے ایک حصہ کے برابر ہے۔ جیسا کہ تنہا حضورؐ سارے عالم کے برابر ہیں۔ نیز چاشت کا وقت سرور ونشاط کا ہوتا ہے اور رات کا وقت وحشت کا۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کا سرور اس کے شرور سے کم ہوتا ہے۔

اذا سجی۔ سجی البحر سجوا کے معنی سمندر کی موجیں ہٹ جانے کے ہیں۔ لیل ساج کے معنی بھی سکون پذیر ہو جانے کے ہیں۔ یہاں رات کا سناٹا مراد ہے۔ سجی کی اسناد لیل کی طرف مجازی ہیں۔ وما قلی مفسرؒ نے ابغضك سے حذف مفعول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ فواصل کی رعایت منظور تھی۔

یعطیك اس میں عموم مراد لینا بہتر ہے۔ دنیاوی اور اخروی نعمتیں مراد ہیں۔ جس میں کمال نفس اور کمال دین بھی داخل ہیں
سوف میں لام ابتداء تاکید کے لئے ہے۔ مبتداء محذوف ہے۔ ای لانت سوف یعطیك لام قسم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نون تاکید کے
راور جملہ خبریہ کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ حرف تاکید اور حرف تاخیر دونوں کیوں جمع کئے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ تاثر دینا ہے کہ
رۂ الٰہی ضرور پورا ہوگا۔ گو اس میں کسی مصلحت سے تاخیر ناگزیر ہو جائے۔

الم یجدك وجود بمعنی علم ہے۔ یتیم مفعول ثانی ہے۔ لیکن اگر وجود بمعنی مصادفت ہو تو یتیما مفعول سے حال ہو جائے گا۔
نحضرتؐ کے والد ماجد کی وفات بقول ابن سعدؒ آپ کی ولادت سے پہلے ہوگئی تھی۔ ابن اسحاق، ذہبی، ابن کثیرؒ کی رائے بھی یہی ہے۔
بعض کی رائے ہے کہ ولادت کے دو تین یا نو ماہ بعد یا دو تین سال کے بعد ہوئی ہے۔

ضالا بعض نے کہا ہے کہ بچپن میں آپ مکہ میں کہیں گم ہو گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شام کے سفر میں اندھیری رات کے
ت آپ راستہ سے بچل گئے تھے۔ پھر جبریل نے رہنمائی کی۔ ضالا کے معنی عربی میں کئی آتے ہیں۔ گمراہی کے معنی میں بھی مستعمل
ہے۔ حیران ہونے کے معنی بھی ہیں اور کھو جانے کے معنی بھی آتے ہیں۔ ضل الماء فی اللبن دودھ میں پانی گم ہو گیا۔ ضالۃ اکیلے
خت کو بھی کہتے ہیں ضلال کا لفظ ضائع ہونے کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور غفلت کے معنی میں بھی آتا ہے لا یضل ربی و لا ینسی۔

فاما الیتیم فلا تقهر یتیم منصوب ہے لا تقهر کی وجہ سے۔ فا سے یہ اس میں مانع نہیں ہے۔ چنانچہ رضیؒ کہتے ہیں کہ مفعول
مل پر مقدم ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے اما کے جواب میں فا آئے۔ کیونکہ اما شرطیہ کے بعد قائم مقام شرط محذوف ہوتا ہے۔
پ کی تین حالتیں بیان کر کے اب تین احکام ان حالات پر مرتب کئے جا رہے ہیں۔ عرب میں یتیموں کے مال پر قبضہ کر کے ان کو
نٹ ڈپٹ کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے آپ کو ہدایت دی جا رہی ہے۔ کہ آپ چونکہ یتیمی کا تکلیف دہ دور دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے
پ یتیموں کے ملجا و ماویٰ بنئے۔ ایک قرأت فلا تلھر بھی ہے یعنی ترش روئی نہ کیجئے۔

فلا تنهر ابراہیم بن ادہمؒ کا ارشاد ہے نعم القول السوال یحلون زادنا الی الاٰخرۃ اور حسنؒ فرماتے ہیں کہ السائل
الب العلم۔

فحدث تحدیث نعمت اس شخص کے لئے مناسب ہے جو رذائل سے محفوظ ہو ورنہ رذیلہ میں نفس مبتلا ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو
ز بہتر ہے احادیث رسول کو بھی اس تحدیث نعمت پر محمول کیا جائے گا۔ گویا آپ کی زندگی کی مثل و حرکت اللہ کی نعمتوں کا اظہار ہے۔
کہ امت سیرت پاک کی پیروکار ہو سکے۔

ربط آیات:......... سورۃ الیل کی آیت فامامن اعطی الی العسریٰ تک مہمات اصول وفروع کا کلی عنوان کے ساتھ
ن ہوا تھا اور ان کی تصدیق یا تکذیب پر وعدہ وعید مذکور تھیں۔ اس طرح وہ آیت گویا پچھلے تمام مضامین قرآن کا جہاں ایک جامع
لاصہ ہے وہیں سورۂ والضحیٰ سے سورۃ الناس تک کے مضامین کی ایک مختصر تفصیل بھی ہے۔ چنانچہ انہی مہمات میں ایک رسالت کا مسئلہ
ی ہے۔ جس کا بیان اس سورۂ والضحیٰ میں ہے۔ اس میں حضورؐ پر بعض انعامات کا اور ان کے مناسب بعض احکام کا ذکر ہے۔ اسی طرح
مدکی تمام سورتوں میں بعض ان مہمات کی خاص جزئیات کا بیان آ رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورت اگلی اور پچھلی سورتوں کے درمیان ایک
برزخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے آئندہ سورتوں کا یہ ایک مجموعی مختصر ارتباط بھی ہو گیا۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اس کے
ضمون سے واضح ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے بالکل ابتدائی دور کی ہے۔ جب وقفہ وقفہ کے ساتھ رک رک کر وحی آتی تھی۔ وقفہ جب زیادہ ہوا
رشوق و بے قراری بڑھی تو آپ کو یہ خطرہ گزرا کہ کہیں مجھ سے کوئی قصور تو نہیں ہو گیا۔ کہ حق تعالیٰ نے ناراض ہو کر مجھے چھوڑ دیا۔ ''محبت

ست وبیزار بدگمانی'' اس پر تسلی آمیز کلمات نازل ہوئے اور آپ کو مطمئن کیا گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ وحی کی شدت اور نظام بدن کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے تدریج ملحوظ رکھی گئی ہے۔ لیکن بعد میں جب طبع گرامی عادی ہوگئی اور بار وحی کو برداشت کرنے کا تحمل ہوگیا۔ تو پھر موسلا دھار بارش کی طرح وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

روایات:.........قال عکرمة بن ابی سلیمان قال قرأت علی اسماعیل بن عبد اللّٰہ المکی فلما بلغت والضحٰی قال لی کبر حتی تختم فانی قرأت علی عبد اللّٰہ بن کثیر فامرنی بذلک واخبر مجاھد انہ قرأ علی ابن عباس فامرہ بذلک واخبر عن ابن عباس انہ اخبر عن ابی ابن کعب فامر بذلک۔

ما ودعک ربک بارہ یا پندرہ یا چالیس روز تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا۔ تو کفار کہنے لگے۔ ان ربہ ودعہ وقلاہ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی **فترضی** ابن عباسؓ سے دو روایات منقول ہیں (۱) من رضی محمد ان لا یدخل من اھل بیت النار (۲) لا یرضی محمد وواحد من امتی فی النار لیکن مواہب میں ہے کہ اس سے جاہل شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر مغرور نہ ہوجائیں۔

﴿**تشریح**﴾:.........ضحیٰ کے معنی روشن کے ہیں۔ چاشت کے وقت اور رات کے مقابل ہونے کی وجہ سے دن کے معنی ہیں **سجی** کے معنی تاریکی اور سکوت وسکون کے ہیں۔ رات میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ **ما ودعک** وحی کا سلسلہ کچھ روز منقطع رہا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انقباضی کیفیت طاری رہی۔ سورۂ اقرأ نازل ہونے کے بعد فترۃ وحی کا زمانہ ممتد ہوگیا۔ جس میں حکمت الٰہی یہ مضمر ہوگی کہ ثقل وحی کا تحمل آپ کرسکیں۔ اور طبعی جذبہ اور شوق کے لئے بھی مہمیز کا کام دے سکے۔ اس لئے آپ سخت مضطرب اور بے چین اور مغموم رہے۔ تا آنکہ **یا ایھا المدثر** آیات نازل ہوئیں۔ لیکن مخالفین نے اس کو دوسرا رنگ دے دیا۔ ممکن ہے اسی دوران وہ واقعہ بھی ہوا ہو جو صحیح روایات میں ہے کہ آپ بیماری کی وجہ سے دو تین رات اٹھ نہ سکے۔ تو ایک نابکار عورت ام جمیل ابولہب کی بیوی اور آپ کی چچی بولی کہ اے محمد! العیاذ باللہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یا بعض روایات میں ہے کہ آپ سے کسی نے کوئی بات دریافت کی۔ تو آپؐ نے وعدہ فرمالیا کہ کل وحی کے بعد اس کا جواب دوں گا۔ مگر وعدہ کرتے وقت آپؐ نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ جس پر وحی وعدہ کے مطابق نہ آئی۔ آپ وعدہ خلافی کے خیال سے منتظر اور بے چین رہے اس پر سورۂ کہف کی آیت **ولا تقولن لشایٔ انی فاعل ذٰلک غدا الا ان یشاء اللہ** نازل ہوئی۔ یا بعض روایات میں ہے کہ آپ کی بے خبری میں آپ کی سرین کے نیچے کتے کا پلہ پڑا رہا۔ جس سے جبریل کی آمد میں دیر ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کے آگاہ کرنے پر آپ نے اس کو نکلوا کر جگہ کو دھلوایا۔ پھر وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت:.........غرض کہ اس جملہ میں غلط فہمیوں اور افواہوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ کہ آپ ان مخالفانہ چہ میگوئیوں سے متاثر نہ ہوجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان وکفر کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد جو اس جانگسل کشمکس کے منجدھار میں آپ کے لئے واحد سہارا تھا۔ بظاہر اس محبوب کی بے التفاتی ظاہر ہے کہ کس درجہ جانگداز ہوسکتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ جس طرح دن ورات کی دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت ومصلحت کے تحت آتی جاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح آپ پر وحی کی آمد اور انقطاع بھی بڑی مصالح پر مشتمل ہیں اس کا تعلق اس سے ہرگز نہیں کہ وحی کا آنا تو خوشی کی علامت ہے اور نہ آنا ناراضگی کی وجہ سے ہوا ہے۔ بلکہ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح مسلسل دن کی روشنی اگر رہے تو

انسان کو تھکا دے۔ اس لئے دن کے بعد رات کا آنا ناگزیر ہوا کہ انسان سکون وراحت حاصل کر کے تازہ دم ہو جائے۔ اسی طرح وحی جیسی ثقیل چیز کا اگر تسلسل رہے تو اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں۔ اس سے فترت وحی بمنزلہ سکون شب ہے۔ پس جس طرح دن کا آنا اللہ کی رضا مندی اور رات کی آمد اللہ کی ناراضگی کی دلیل نہیں ہے۔ نہ اس کا ثبوت ہے کہ رات کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ اسی طرح چندے وحی کے موقوف ہونے سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے کہ آج کل خدا پیغمبر سے ناراض ہے اور ہمیشہ کے لئے اب وحی کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ نے جس کو نبی بنایا ہے اس کو پتہ نہیں تھا کہ وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ یہ تو درپردہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوا۔

حالات کے مدوجزر کی مصالح:......... وللاخرة خير لك من الاولىٰ یعنی فترت وحی میں اللہ کا ناراض ہونا تو کیا معنی؟ بلکہ آپ کی بعد کی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔ یعنی یہ وقفہ تنزل وانحطاط کا باعث نہیں بلکہ آپ کے لئے عروج وارتقاء کا عظیم ذریعہ ہے۔ چنانچہ قبض میں انحطاط نہیں بلکہ عروج ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ گو ابتداء میں آپ کی بے سروسامانی رہی ہے۔ ساری قوم مخالف اور حالات ناسازگار۔ بظاہر کامیابی کے آثار دور دور نہیں معلوم ہوتے۔ مکہ میں اسلام کی شمع ٹمٹمار ہی ہے اور اس کو بجھا دینے کے لئے ہر طرف ہواؤں کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں کہ آپ کا مستقبل نہایت روشن وتابناک ہے۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ثابت ہوگا۔ اسلام کا نور پھیلتا چلا جائے گا اور آپ کا نام بلند ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش ہوئیں۔ جو میرے بعد میں میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بھی بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رفعت دنیا ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کا سلسلہ آخرت تک چلتا رہے گا۔ جب کہ ساری اولاد آدم آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔

حضورؐ پر انعامات الٰہی کی بارش:......... ولسوف يعطيك یعنی خفا ہو کر آپ کو چھوڑ دینا تو کیا معنی؟ ابھی تو آپ کا پروردگار آپ کو دنیا وآخرت کی اس قدر نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔ گو کچھ مصالح کی وجہ سے چندے اس میں دیر لگے۔ وہ وقت دور نہیں کہ آپ عطاء ہی سے مسرور ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضورؐ کی زندگی ہی میں سارا ملک عرب آپ کے زیرنگیں ہو گیا۔ تاریخ میں پہلی بار یہ سرزمین ایک باضابطہ اور قانون کے تابع ہوگئی۔ اور جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہوگئی۔ تو لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھکے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہو گئے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ جاہلیت ووحشیت میں ایک ڈوبی ہوئی بڑی قوم صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اتنی بدل گئی ہو کہ نہ صرف خود اس رنگ میں رنگی گئی بلکہ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بڑے حصہ کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کے اثرات پھیلتے چلے گئے اور آپ کا نام دنیا میں روشن ہو گیا۔ یہ کچھ تو دنیا میں اللہ نے آپ کو مرحمت فرمایا اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ محمدؐ راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے گا۔

یتیموں پر تو مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر:......... الم يجدك يتيما یعنی ہم تو اس وقت سے مہربان ہیں جب تم یتیم پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کو چھوڑ دینے یا آپ سے ناراض ہونے کا سوال ہی کیا؟ حضورؐ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ اس لئے آپ دنیا میں یتیم بن کر تشریف لائے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی رحلت کر گئیں۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں رہے۔ آٹھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ وہ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ انہیں آپ سے خاص لگاؤ اور تعلق خاطر تھا حتیٰ کہ فخریہ لوگوں سے

کہا کرتے تھے۔ کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں نام پیدا کرے گا۔ اس کے بعد قرعۂ فال آپ کے شفیق چچا ابوطالب کے حق میں نکلا۔ انہوں نے اس دریتیم کی جسمانی تربیت و پرورش کا بار اٹھایا اور انہوں نے ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کرسکتا۔ زندگی بھر آپ کی حمایت ونصرت میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا۔ حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپ کی دشمن ہوگئی تو دس سال تک برابر آپ کی حفاظت وحمایت میں سینہ سپر رہے مگر ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ آخر یہ امانت الٰہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی اور اس طرح آپ کی بدولت ''اوس خزرج'' کا ستارہ چمک اٹھا۔ انہوں نے اس امانت کی حفاظت اس طرح دل وجان سے کی کہ چشم فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ غرض بقول حافظ ابن کثیرؒ قدرت نے آپ کے ٹھکانہ دینے کی یہ سب صورتیں پیدا کردیں اور غیبی ہاتھ نے آپ کو بے سہارا نہیں ہونے دیا۔

نازک مقام: .... ووجدک ضالا . ضالا یہ معنی تو یہاں نہیں ہوسکتے کہ گمراہ تھے۔ کیونکہ بچپن سے لے کر قبل نبوت تک آپ کے جو حالات دنیا کے سامنے ہیں۔ ان میں کہیں بھی دہریت، شرک، بت پرستی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ یا قوم کی جاہلانہ رسوم میں آپ شریک ہوئے ہوں۔ بلکہ نبوت سے پہلے آپ اللہ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کے آپ قائل تھے۔ اور آپ کی زندگی گناہوں سے پاک اور آپ فضائل اخلاق سے آراستہ تھے۔ البتہ جب آپ نے عقل وہوش کی آنکھ کھولی اور قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم ورواج دیکھے تو سخت بےزار ہوئے اور قلب مبارک میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور شور کے ساتھ موجزن تھا اور سینۂ بے کینہ میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک رہی تھی اور خدمت خلق اور وصولی الی اللہ کا چشمہ اندر ہی اندر ابل رہا تھا۔ لیکن کوئی کھلی ہوئی راہ اور صاف واضح راستہ اور مفصل دستور العمل سامنے نہ تھا۔ جس سے تسکین خاطر اور اطمینان قلب ہوتا۔ بس ایک مجمل جذبہ اور مبہم ولولہ اصلاح کا تھا۔ جس میں آپ سرگرداں اور بےقرار تھے۔ تفصیلی احکام اور اصول کا علم نہ تھا کہ پروگرام کو آگے بڑھاتے۔ ایک معاشرے میں گم سے ہوکر رہ گئے تھے۔ حیران تھے کہ کیا کریں۔ ایک ہونے والے رہبر کی حیثیت سے آپ کی شخصیت نمایاں نہیں ہورہی تھی۔ گویا جاہلیت کے صحرا میں ایک اکیلے درخت کی طرح کھڑے تھے جس میں پورا پھل لانے کی حیثیت بلکہ پورا باغ اگانے کی استعداد تھی۔ یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے آپ کو غیر معمولی قوتیں عطا کی تھیں۔ وہ جاہلیت کے ماحول میں ضائع سی ہوتی نظر آرہی تھیں اور سخت وحشت محسوس کررہے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ ابھی آپ ان تفصیلات اور علوم وحقائق سے بےخبر تھے۔ جس سے نبوت کے بعد اللہ نے آپ کو آگاہ فرمایا تھا۔ اسی بےقرار اور اضطراری کیفیت میں پہاڑوں اور غاروں میں جاکر آپ مستغرق ہوجاتے اور مالک حقیقی کو پکارتے اور محبوب حقیقی کو یاد کرتے۔ تا آنکہ مربی حقیقی نے دستگیری کی اور جبریل کی صورت میں بذریعہ وحی اصلاح خلق اور وصول الی اللہ کی تفصیلی راہیں کھلنی شروع ہوگئیں۔

ناداری کے بعد غنا: .... ووجدک عائلا اپنے والد کے ترکہ میں آپ کو صرف ایک اونٹنی اور ایک باندی ملی تھی۔ اس طرح نہایت عسرت سے آپ کی زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر پھر وہ وقت بھی آیا کہ قریش کی سب سے مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ نے پہلے آپ کو اپنی وسیع تجارت میں شریک کیا اور پھر وہ خود آپ کے حبالۂ نکاح میں آگئیں۔ اس طرح آپ نے تجارتی کاروبار سنبھال لیا اور ظاہری غنا بھی آپ کو حاصل ہوگئی۔ اس تمول میں صرف بیوی کا سرمایہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ آپ کی محنت، قابلیت، دیانت وامانت کو بھی بڑا دخل تھا۔ اسی کے ساتھ آپ غناء قلبی کا حال غنی العالمین ہی جان سکتا ہے۔ کوئی بشر اس کا کیا اندازہ لگاسکتا ہے۔ بس جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت فرمائی کیا وہ آپ کو یونہی خفا چھوڑ سکتا ہے؟

یتیموں کا ٹھکانا:............ **فاما الیتیم** یعنی آپ چونکہ خود یتیمی کا داغ اٹھا چکے ہیں۔اس لئے آپ کو یتیموں کے دکھ درد کو محسوس کرنا چاہیئے اور یتیمی کی حالت میں بھی چونکہ آپ پر اللہ کا فضل رہا کہ تمہیں بھٹکانہ دیا۔اس لئے تم بھی اس کے شکریہ میں یتیموں کا ٹھکانا دو۔ انہیں تنگ نہ کرو۔ بلکہ ان کی خبر گیری اور غم خواری کرو،اس طرح اگر کوئی حاجت مند سائل تمہارے پاس آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرو اور اگر کسی وجہ سے معذوری ہو تو نرمی سے اس کو سمجھا دو۔وہ اگر لیچڑ ہو کر بھی لپٹے تو آپ کسی حالت میں بھی اسے جھڑ کئے نہیں۔ کیونکہ اپنی ابتدائی ناداری پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو صاف سمجھ میں آجائے گا۔کہ نادار کا شیشۂ دل کتنا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی جھڑکی سے چکنا چور ہوتا ہے۔غرض آپ جیسے شکر گزار بندہ کا حوصلہ بھی ہونا چاہیئے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہوں اور ضرور تمندوں کے سوال سے گھبرا کر نہ جھڑ کئے اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کیجئے۔ بلکہ فراخدلی اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔چنانچہ آپ کی سیرت طیبہ بتلاتی ہے کہ آپ یتیموں کا ملجا اور غریبوں کا ماویٰ بنے۔ارشاد ہے انا و کافل الیتیم کھاتین واشار الی السبابة و الوسطی غریبوں کی اعانت وامداد کے جو واقعات سیرت پاک میں درج ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالفین کو آپ کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔حسب تصریح روح المعانی۔ سائل اگر نرمی سے مان جائے تو جھڑ کنے کی اجازت نہیں لیکن اگر کسی طرح نہ مانے اور اڑ لگا کر کھڑا ہو جائے تو مناسب انداز سے جھڑ کنے کی اجازت۔تاہم یہ کہاوت پیش نہ آنے پائے۔سائل اللئیم یرجع دوسر سائل۔

سوال کا جواب تشفی بخش ہونا چاہیئے:............اور اگر سائل سے مراد مسائل دریافت کرنے والا ہو تب بھی یہ حکم ہے کہ اس کو خوش اسلوبی سے جواب دیا جائے۔ایسا شخص کیسا ہی جاہل، اجڈ، گنوار ہو اور بظاہر کتنے ہی نامعقول انداز میں سوال کرے یا بھونڈی ذہنیت کا مظاہرہ کرے۔تب بھی حلم و بردباری کا دامن نہ چھوڑے۔خوش اخلاقی اور شفقت سے اس کے سوال کا جواب دیجئے۔پندار علم میں مبتلا لوگوں کی طرح جھڑک کر مغرورانہ جواب نہ دیجئے۔حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت حسن بصریؒ، سفیانؒ وغیرہ اکابر نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔پہلے معنی کا ربط اگر عائلا کے ساتھ ہے تو اس معنی کا ارتباط ضالا فھدیٰ سے بھی مناسب ہے۔

نعمتوں کی شکر گزاری:............ **بنعمة ربک فحدث** نعمت سے مراد عام ہے۔خواہ ظاہری نعمتیں یا باطنی پہلی ہوں یا بعد کی اسی طرح ان کے اظہار کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔تاہم مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور دل سے بھی اعتراف کرے کہ میرے کسی ذاتی کمال کو اس میں دخل نہیں۔جو کچھ ہے سب اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔فخر و مباحات کی ادنیٰ جھلک بھی حرکت میں نہ آنے پائے۔مثلاً نعمت ہدایت کا اظہار اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو سیدھا رستہ بتلایا جائے۔اور نعمت قرآن کا اظہار اس طرح ہو کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کی جائے اور اس کی تعلیمات پھیلائی جائیں۔نعمت نبوت کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ حق دعوت و تبلیغ پورے طور پر ادا کیا جائے اور رسول اللہ کی کتاب زندگی کے ساتھ کھلی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کو جو حدیث کہا گیا ہے ممکن ہے وہ اسی لفظ فحدث کی تعمیل ہو، یعنی آپ اپنے حال، قال سے تحدیث نعمت کرتے جایئے وہی حدیث رسول ہوتی جائے گی۔

خلاصۂ کلام:............ وحی کا سلسلہ کچھ دنوں تک رک جانے سے حضورؐ کو جو بے چینی اور اضطراب لاحق ہوا تھا۔اس سورت میں اس کا ازالہ کرنا اور آپ کو تسلی و تشفی دینا مقصود ہے پہلے تو روز روشن اور شب دیجور کی قسم کھا کر یقین و اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔پھر اس کے بعد آپ کو بشارت سنائی گئی ہے کہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں تھوڑے دنوں کی مشکلات ہیں۔عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ فتوحات اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوں گے۔اس وقت ہر آنے والا دور پہلے دور سے بہتر ثابت ہوگا۔تا آنکہ اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار نعمتوں اور عطاؤں کی اتنی بارش کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔یہ قرآن کی اعجاز بیانی ہے کہ اس کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔حالانکہ اس کے نزول کے وقت کہیں دور دور بھی اس کے آثار نہیں نظر نہیں آتے تھے۔کہ مکہ میں جو بے یارومددگار انسان پوری قوم کی جاہلیت کو للکار رہا ہے۔اسے اتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوگی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرما رہا ہے کہ جب ہم تمہاری پیدائش سے لے کر اب تک مسلسل مہربانیاں کرتے چلے آرہے ہیں۔آپ یتیم پیدا ہوئے تو ہم نے آپ کی پرورش اور دیکھ بھال کا مناسب انتظام کردیا۔آپ ناشناس راہ تھے۔ہم نے شناسا بنادیا۔آپ نادار تھے،ہم نے آپ کو مالدار کردیا۔غرض ان ساری باتوں سے صاف واضح ہے کہ آپ شروع سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ہماری رحمت ہمیشہ آپ کے شامل حال رہی ہے۔پھر یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے کہ ہم نے آپ کو چھوڑ دیا ہے یا آپ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

فضائل سورت:............ من قرأ سورة والضحى جعله الله فيمن يرضى الحمد ان يشفع له وعشر حسنات يكتبها الله له بعدد كل يتيم وسائل جوشخص سورہ والضحیٰ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں داخل کرے گا کہ حضور کی خوشنودی کے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی اور تمام یتیموں اور ناداروں کی تعداد سے دس گونہ زیادہ ثواب دے گا۔

لطائف سلوک:............ وللآخرة خير لك من الاولى میں الف لام استغراقیہ ہے یعنی ہر پچھلی حالت پہلی سے بہتر ہے۔ پہلے وحی کا سلسلہ جاری تھا۔پھر موقوف ہوا،پھر جاری ہوگیا۔اس طرح جاری ہونا اصطلاح صوفیاء کے مطابق بسط اور موقوف ہونا قبض کہلائے گا۔پس مطلب یہ ہوا کہ پچھلا قبض پہلے بسط سے بہتر ہے اور پھر بعد کا بسط پہلے قبض سے بہتر ہے۔سالک کو یہی یقین کر کے مجاہدات میں مشغول رہنا چاہیے اور قبض سے مغموم اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔واما بنعمة ربك فحدث اہل اللہ جو اپنے کمالات کا اظہار بغیر فخر و ریا کریں جن سے صرف شکر نعمت مقصود ہوتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَیْ شَرَحْنَا **لَكَ** يَا مُحَمَّدُ **صَدْرَكَ ﴿۱﴾** بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا **وَوَضَعْنَا** حَطَطْنَا **عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ** اَثْقَلَ **ظَهْرَكَ ﴿۳﴾** وَهٰذَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَاَخَّرَ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾** بِاَنْ تُذْكَرَ مَعَ ذِكْرِیْ فِی الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَالتَّشَهُّدِ وَالْخُطْبَةِ وَغَيْرِهَا **فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ** الشِّدَّةِ **يُسْرًا ﴿۵﴾** سُهُوْلَةً **اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾** وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاسٰى مِنَ الْكُفَّارِ شِدَّةً ثُمَّ حَصَلَ لَهُ الْيُسْرُ بِنَصْرِهٖ عَلَيْهِمْ **فَاِذَا فَرَغْتَ** من الصَّلٰوةِ **فَانْصَبْ ﴿۷﴾** اِتْعَبْ فِی الدُّعَاءِ **وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾** تَضَرَّعْ

ع ۸
۱۹

ترجمہ: .... آیا ہم نے (اے محمد!) آپ کی خاطر (نبوت وغیرہ کے لئے) آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (یعنی کھول نہیں دیا ہے استفہام تقریری ہے) اور آپ پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا (ہلکا کر دیا) جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت **لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر** میں فرمایا گیا ہے) اور ہم نے آپ کا آوازہ بلند کر دیا (اس طرح کہ اذان، اقامت، تشہد، خطبہ وغیرہ میں آپ کا نام لیا جاتا ہے) پس حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مشکلات (شدت) کے ساتھ آسانی (سہولت) بھی ہے۔ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے اول مشکلات جھیلنی پڑیں۔ پھر اللہ نے آپ کی مدد فرما کر آپ کے لئے سہولت پیدا فرما دی) لہٰذا جب آپ (نماز سے) فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیجئے (خوب دعا کیجئے) اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جایئے (گڑگڑایئے)۔

تحقیق وترکیب: .... **الم نشرح** استفہام تقریر کا مطلب یہ ہے کہ نفی پر ہمزۂ انکاری واقع ہو رہا ہے اور نفی کی نفی اثبات ہے جس کو دوسرے لفظوں میں کہنا چاہئے کہ منفی یعنی اثبات کی تقریر ہو رہی ہے۔ جس کو مفسرؒ **شرحنا** سے تعبیر کر رہے ہیں۔ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ مناجات حق اور خدمت خلق کے لئے قلب وسیع اور سینہ کشادہ کر دیا۔ جس سے وہ حضور وغیاب کی کیفیات کا متحمل ہو گیا ۔ ناواقفیت اور بے خبری کی تنگدلی سے نکال کر علوم وحکمت سے سینہ کو لبریز کر دیا۔ اور گنجینۂ اسرار بنا دیا۔ یا یہ کہ ابتداء میں وحی کے ثقل سے

آپ پر جوگرانی ہوتی تو اعصاب متاثر ہو جاتے تھے۔اب اس کی کیفیت کی بجائے طبیعت میں نشاط اور رسوخ پیدا کر دیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے شق صدر کے وہ واقعات مراد لئے ہیں جو چار مرتبہ جبریل امین کے ذریعہ آپ کے ساتھ پیش آ چکے ہیں۔پہلی مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے یہاں رہتے ہوئے تین چار سال کی عمر میں ہوا۔پھر سن شعور میں داخل ہونے کے وقت تیسری مرتبہ واقعہ معراج سے پہلے اور چوتھی بار واقعۂ ہجرت سے پہلے قلب مبارک سینہ بے کینہ سے نکال کر کوثر سے دھویا گیا۔اور علم وایمان کا خزینہ اس میں بھر دیا گیا۔اور لک میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرح صدر کے منافع آپ کے لئے ہیں۔حق تعالیٰ منافع اور اغراض سے پاک ہیں۔چونکہ الم نشرح بقول مفسر علامؒ جملہ مثبتہ ہے۔اسی لئے وضعنا کا اس پر عطف ہے۔

وزرا گرانی اور بوجھ۔

انقض ظھرك: انقاض کہتے ہیں پالان اور بوجھ رکھنے کے وقت جو چڑ چڑاہٹ ہوتی ہے اس سے وہ گھٹن اور غم مراد ہے۔جو ایک طرف قوم کی بدحالی اور دوسری طرف اپنے پاس تفصیلی پروگرام اور لائحہ عمل نہ ہونے اور تیسرے قوم کی طرف سے ایذاء رسانی کی ملی جلی کیفیات کا بوجھ کمر توڑے دے رہا تھا۔اس آیت میں استعارہ کی زبان استعمال کی گئی ہے جس طرح آیت **لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر** میں **من ذنبک** کے حقیقی معنی مراد ہیں۔بلکہ تقدیر عبارت اس طرح ہے ما تقم من ذنبك لو کان یا ذنب سے مراد سہو وغفلت، بھول چوک ہو یا ذنب امت مراد ہو۔یا ذنب کے معنی بشری تقاضہ ہے۔خلاف اولیٰ باتیں ہوں۔یہاں بھی وزر میں یہی توجیہات ہوں گی۔لیکن روح البیان میں **وضعنا** کے معنی **رفعنا** لئے ہیں یعنی وزر اور گناہ سے ہم نے آپ کو پاک رکھا ہے۔پس اس سے عصمت ثابت ہوئی۔

ورفعنالك ذكرك نبوت کا مرتبہ بلند مراد ہے۔یا اطاعت رسول مراد ہے۔یا اللہ اور فرشتوں اور مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ وسلام کا پیش ہونا یا حضور کو القاب وخطابات سے نوازنا یا اذان واقامت، خطبات، نمازوں میں اللہ کے نام کے ساتھ آپ کا نام لیا جانا مراد ہے۔ابوسعیدؓ کی روایت ہے کہ جبریل نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے ذکر کا بلند ہونا کیا آپ کو معلوم ہے؟ فرمایا نہیں۔عرض کیا جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے آپ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔یا پچھلی آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر خیر مراد ہے یا ختم نبوت کا منصب جلیل بہر حال ازل سے ابد تک اور فرش سے عرش تک اللہ نے آپ کا نام روشن فرما دیا۔اور لک کے ابہام میں مبالغہ ہے۔

فان مع العسر یسرا: **عسر** سے وہ جاں گسل حالات مراد ہیں جو مخالفین کی طرف سے آپ کے خلاف پیدا کئے جا رہے ہیں۔جن کی گھٹن سے سانس لینا بھی مشکل ہو رہا ہے۔مگر اللہ نے اپنے فضل سے ان حالات کو آہستہ آہستہ آسانیوں میں تبدیل فر[illegible] دوسرا جملہ تاکیدی ہے یا تاسیس پر محمول کیا جائے۔گویا عسر ایک ہے مگر یسر دو ہیں۔ارشاد نبویؐ ہے لن یغلب عسر یسرین۔ **العسر** معرفہ ہونے کی وجہ سے تکرار کے باوجود ایک ہی ہوگا۔اور یسر نکرہ ہونے کی بناء پر الگ الگ لیا جائے گا۔لیکن تاکید پر محمول [illegible] زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ اول تو مذکورہ بالا ضابطہ کلیہ نہیں۔بلکہ اکثریہ ہے۔دوسرے مصحف ابن مسعودؓ میں یہ جملہ ایک بار ہے۔نیز یسر [illegible] سے مراد یسر دارین بھی ہوسکتا ہے۔جیسے حدیث للصائم فرحتان فرحة عند الافطار وفرحة عند لقاء الرب اور مع کے لانے میں تسلی میں مبالغہ ہے۔گویا عسر ویسر میں بالکل اتصال رہتا ہے تاخیر نہیں ہوتی اور یسر کا نکرہ ہونا تعظیم کو ظاہر کرتا ہے۔

فاذا فرغت اگر غزوہ اور جہاد سے فراغت مراد ہے تب تو **فانصب** میں نماز کا حکم ہے اور نماز سے فراغت مراد ہے تو پھر دعا میں مشغول ہونے کا حکم ہے۔لیکن بقول حسنؒ بہتر یہ ہے کہ تبلیغی کاموں سے فراغت کے بعد عبادات کا حکم ہے جس سے تبلیغ کی اہمیت واضح ہے کہ اس کا نفع متعدی ہے اور عبادات کا نفع ذاتی اور لازمی ہے۔مفسرؒ کی تائید ابن عباسؓ، قتادہؒ، ضحاکؒ، مقاتلؒ کی روایات سے ہو رہی ہے۔اب وہ دعا نماز کا سلام پھیرنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ **والی ربک** یعنی توجہ الی اللہ بکمال رکھئے۔غیر کی طرف دھیان نہ کیجئے۔ایک قرأت **فرغب** ہے۔یعنی لوگوں کو ترغیب دیجئے۔

ربط آیات:............روی ان جبریل علیہ السلام اتاہ وھو عند مرضعتہ حلیمۃ وھو ابن ثلث سنین او اربع فشق صدرہ واخرج قلبہ وغسلہ ونقاہ وملأہ علما وایمانا ثم رد فی صدرہ۔ ورفعنا لك ذکرك عن ابی سعید انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبریل فقال ان ربك یقول اتدری کیف رفعت ذکرك قلت اللہ اعلم قال اذاذکرت ذکرت معی ۔

﴿ تشریح ﴾:............آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا تو ہر طرف سے مشکلات میں گھر گئے اور ایک سخت قسم کی گھٹن محسوس کرنے لگے۔اس لئے ان آیات میں آپ کو تسلی تشفی دی گئی کہ جب ہماری عنایات آپ پر گوناگوں ہیں پھر آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔

شرح صدر کا مطلب کیا ہے؟:............شرح صدر کا وہی مفہوم ہوگا۔جو آپ آیت **فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام** اور آیت **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک مرتبہ اپنی تنگ دلی کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔رب انی اخاف ان یکذبون ویضیق صدری اور درخواست کی تھی رب **اشرح لی صدری ویسر لی امری** سینہ یادل کی تنگی یہ ہے کہ نبوت کا بار عظیم جب کندھوں پر ہو اور تن تنہا کفر وطغیان کی جابرانہ طاقتوں کی طرف سے قدم قدم پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جائیں تو کام کرنے والے کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ادھر شریعت کا تفصیلی نظام سامنے نہیں ہوتا۔تو عجب گھٹن پیش آتی ہے۔ اس صورت میں شرح صدر یہ ہوگا کہ ہر قسم کے ذہنی خلجان سے نجات مل جائے اور یہ اطمینان ہو جائے کہ یہ راستہ برحق ہے۔عقائد واعمال واخلاق سب درست اور صحیح ہیں۔اور یہ کہ حالات کی ناسازگاری وقتی ہے۔محنت کرنے سے ماحول بدل جائے تو اس سے حوصلہ بلند ہو جاتا ہے اور انسان ہر بڑی سے بڑی مشکل مہم سر کرنے کے لئے اور سخت سے سخت کام انجام دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کچھ حالت تھی اس کو دیکھ دیکھ کر آپ کڑھتے تھے۔لیکن خود آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی اصلاح کا صحیح راستہ کیا ہے؟ اس لئے سخت خلجان سے دوچار تھے۔اللہ نے نبوت عطا کر کے یہ خلجان دور کر دیا اور علوم ومعارف کے سمندر آپ کے قلب مبارک میں اتار دیئے اور فرائض رسالت اور لوازم نبوت برداشت کرنے کا آپ کو بڑا حوصلہ عنایت فرمادیا اور اس وسعت قلبی سے نواز دیئے گئے جو اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے درکار تھی اس جہان علم سے ناواقف ہو گئے جو آپ کے سوا کسی اور انسان کا ذہن اس کی وسعت نہ رکھتا تھا۔ اور اس حکمت ربانی کے حامل بن گئے جو بڑے سے بڑے بگڑے ہوئے ماحول کو درست کرنے کی اہلیت رکھتی تھی۔اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ جب اللہ نے شرح صدر کی یہ بیش بہا دولت عطا فرمادی تو آپ ان مشکلات پر دلگیر اور قلب گرفتہ کیوں ہوتے ہیں۔بعض مفسرینؒ نے شرح صدر کے معنی لئے ہیں۔لیکن اول تو عربیت کے لحاظ سے بقول علامہ آلوسی شرح صدر کو شق صدر کے معنی میں لینا محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔دوسرے اس معجزہ کا تعلق روایات وتعبیر سے ہے۔لیکن بظاہر وہ آیت کا مدلول معلوم نہیں ہوتا۔

بوجھ اتارنے کا کیا مطلب ہے؟:............**ووضعنا عنك وزرك** وزر کے جہاں گناہ کے معنی آتے ہیں۔وہیں اصل معنی بھاری بوجھ کے بھی آتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور عفت مآب زندگی جس پر دشمن بھی کبھی انگشت نمائی نہیں کرسکے۔اس کے پیش نظر اس کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔کہ عیاذ باللہ آپ گناہوں کی وجہ سے پریشان تھے۔بلکہ وہی بھاری بوجھ مراد ہے۔جو قوم کی بدحالی کی وجہ سے آپ کے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا۔اور کام کی اہمیت کے پیش نظر آپ کی کمر بوجھ محسوس کر رہی تھی۔ منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے خاطر اشرف پر گرانی ہو رہی تھی۔یا بعض جائز کاموں کی نسبت آپ اپنے اجتہاد سے ایک رخ اختیار فرمالیتے تھے۔مگر جب بعد میں اس کا خلاف مصلحت وحکمت ہونا آپ پر واضح ہوتا تھا۔تو پہلی رائے پر آپ کو تکدر پیش آتا اور آپ مغموم ہو جاتے اور انتہائی عالی مرتبہ اور صاحب عزیمت ہونے کی وجہ سے اس پر رنجیدہ ہو جاتے کہ مجھ سے یہ خلاف اولیٰ بات کیوں سرزد ہوئی۔جس طرح کوئی گناہ کر کے پچھتاتا ہے اسی طرح آپ خلاف اولیٰ کر کے پچھتاتے حسنات الابرار سیات المقربین

یا بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنی عالی حوصلگی اور اولوالعزمی کی وجہ سے جن کمالات اور مقامات پر پہنچنے کی آپ میں امنگ ہوتی تھی۔ مگر جسمانی عوائق اور نفس کی تشویشات بعض دفعہ اس میں حائل ہوجاتیں تو اس سے آپ دل مسوس کر رہ جاتے اور ملول اور رنجیدہ رہتے۔ مگر جب اللہ نے سینہ کھول دیا، قلب کشادہ کردیا۔ تو پھر طبیعت میں انشراح حاصل ہوگیا۔ اور سب بوجھ ہلکا ہوگیا۔ اور اگر وضعنا کے معنی رفعت لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ہر قسم کی کوتاہی قصور گناہ سے آپ کو بچالیا۔ جس سے آپ کی عصمت ثابت ہوئی۔

ذکر خدا اور ذکر رسول:......... ورفعنا لک ذکرک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عالمی شہرت کا یہ اعزاز بخشا گیا اللہ نے بہت سے عوامل کے ذریعہ یہ کام لیا۔ سب سے پہلے اللہ نے آپ کے دشمنوں سے یہ خدمت لی، عام مجامع، میلوں ٹھیلوں اور حج کے موقعوں پر جہاں ہر طرف سے لوگ کھنچ کھنچ کر جمع ہوتے مخالفین آپ کے خلاف پروپیگنڈے کرتے اور طرح طرح کی خبریں پھیلاتے۔ جادوگر، کاہن، شاعر کہہ کر بدنام کرتے۔ مگر الانسان حریص فیما منع مشہور مقالہ کی صداقت مسلمہ ہے۔ چنانچہ اس سے لوگوں میں آپ کو دیکھنے اور سننے کا شوق پیدا ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشہ گوشہ میں آپ کا نام پہنچ گیا اور گوشۂ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپ کو عرب کے تمام قبائل سے متعارف کرادیا۔

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما درآید:......... کفار مکہ جتنا زور لگاتے رہے لوگوں میں یہ جستجو بھی اتنی ہی بڑھتی گئی کہ وہ شخص کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اس کے جادو کا کیا اور کن لوگوں پر اثر پڑا؟ اس جستجو کے نتیجہ میں لوگوں کو جب آپ کے اخلاق، اعمال دیکھنے اور کلام سننے کا موقعہ ملا تو انہیں پتہ چلا کہ آپ کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور ان کا لوگوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے؟ اور آپ کے پیروکاروں کی زندگیاں دوسروں سے کتنی مختلف ہوگئیں۔ اس طرح یہ پھیلائی ہوئی بدنامی نیک نامی میں تبدیل ہوگئی اور عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا جس میں کوئی نہ کوئی اسلام کا قبول کرنے والا نہ رہا ہو۔ یہ تو شہرت کا ایک رخ ہوا جو مکی زندگی سے وابستہ تھا۔ دوسرا رخ ہجرت کے بعد شروع ہوا۔ جہاں پرانے مشرک دشمنوں میں یہودی منافقین کا اضافہ ہوگیا۔ ان دونوں نے مل کر آپ کا نام اچھالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

حضور کی شہرت و مقبولیت:......... دوسری طرف آنحضرتؐ اور آپ کے جاں نثاروں کی پاکیزہ نفسی، خدا ترسی، حسن اخلاق، عدل وانصاف، انسانی مساوات وہ عملی نمونہ پیش کر رہی تھی۔ جس سے لوگوں کے دل مسخر ہوتے چلے گئے تھے۔ ہرچند کہ مخالفین نے جنگیں برپا کر کے اس فضا کو مکدر کرنا چاہا اور حضورؐ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانا چاہا۔ مگر آپ کے بے مثال تحمل اور بے نظیر سوجھ بوجھ نے اپنی برتری ثابت کر دکھائی۔ اور آپ کی بنائی ہوئی مقدس جماعت کے نظم وضبط، شجاعت وایثار نے لوگوں کے دلوں پر سکہ جمادیا اور وہی ملک جس نے آپ کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا تھا۔ صرف ایک دہائی میں اس کا گوشہ گوشہ اشھد ان محمد رسول اللہ کی صدا سے گونج اٹھا اور زمین سے اٹھ کر فضاؤں میں آپ کے نام کی مہک پہنچی۔

حضور کی غیر معمولی شہرت:......... اس کے بعد پھر تیسرا مرحلہ وہ آیا جب سارے عالم میں آپ کے نام کا غلغلہ ہوا۔ ان میں پانچ بار اذانوں، اقامتوں، نمازوں اور خطبوں کے ذریعہ نام مبارک بلند ہوا اور انشاء اللہ قیامت تک بلند ہوتا ہی رہے گا۔ چوبیس گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہوگا جب کہ روئے زمین پر کہیں نہ کہیں حضورؐ کا نام مبارک زبانوں پر نہ آتا ہو۔ اس سے قرآن کی صداقت اور اعجاز نمایاں ہے۔ کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت کوئی اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتا تھا کہ آپ کا مبارک نام اتنی بلندیوں کو چھو لے گا۔ مگر تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس کا حرف بحرف پورا ہوا۔

مشکلیں اتنی پڑیں کہ آساں ہوگئیں:......... فان مع العسر یسرا فرمایا کہ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی خاطر جتنی تکلیفیں آپ نے گوارا کیں، صعوبتیں برداشت کیں، سختیاں جھیلیں، یقیناً وہ بڑا عالی شان کارنامہ ہے۔ مگر یہ دور زیادہ نہیں چلے گا۔ اچھے

حالات ابھی آنے والے ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔ تسلی رکھیں جس طرح ہم نے روحانی کلفت دور کر کے راحت روحانی عطا کی ہے۔ اسی طرح مادی مشکلات میں بھی عنقریب فتوحات اور کامرانیاں آپ کے قدم چومنے والی ہیں اور بار بار چوں کہ انسان مشکلات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔اس لئے ہم بھی مکرر تاکید سے کہتے ہیں کہ سختی محض وقتی ہوگی۔ آسانی اس سے ہمکنار ضرور ہو کر رہے گی۔ بلکہ ایک سختی بہت سی آسانیوں کو جنم دیتی ہے۔ عادت اللہ یہی ہے کہ مصیبت میں صبر کرنے اور سچے دل سے اللہ پر بھروسہ کرنے اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ سے لو لگانے سے آسانیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔اور صبر تلخ ست و لے بر شیریں دارد۔حدیث میں ہے لو کان العسر فی حجر لطلبه حتی یدخل علیه انه لن یغب عسر یسرین۔

فاذا فرغت ہر چند کے دعوت وتبلیغ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔لیکن فی الجملہ مخلوق کی طرف دھیان کرنا پڑتا ہے۔اس لئے مطلوب یہ ہے کہ نصیحت وفہمائش کے فریضہ سے آپ فارغ ہوا کریں تو براہ راست بھی اللہ کی طرف متوجہ ہو جئے اور اسی میں کھو جایئے۔اور عام مشغولیت بھی مراد لی جاسکتی ہے۔منشاء یہ ہے کہ مشاغل سے جب بھی آپ کو فرصت ملے تو آپ ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف لو لگا لیا کیجئے۔یوں تو سارے قرآن میں سیرت پاک پھیلی ہوئی ہے۔لیکن ان دونوں سورتوں میں اجمالاً زندگی کے سب اہم موڑ آ گئے ہیں۔

خلاصۂ کلام:.........سورۂ والضحیٰ اور الم نشرح دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی وقت میں نازل ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ **الم نشرح والضحی** کے بعد نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی لئے اس میں حضورؐ کی تسلی تشفی کا پہلو نمایاں ہے۔نبوت سے پہلے آپ اپنی قوم کی آنکھ کا تارہ تھے۔بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے لوگ آپ کو دیکھتے تھے۔مگر نبوت کا اظہار کیا تھا کہ قیامت کا صور ثابت ہوا۔سارے معاشرہ میں کھلبلی مچ گئی۔خاندانوں میں اتھل پتھل ہونے لگی۔ وہی قوم اب آپ کی جانی دشمن بن گئی جو لوگ آپ کے قدموں کے تلے آنکھیں بچھاتے تھے۔اب وہ آپ کے سر پر پاؤں رکھنے کے لئے تیار ہو گئے۔اور فضا اتنی زہریلی ہوگئی کہ سانس لینا مشکل ہو گیا۔قدم قدم پر الجھنیں کھڑی کر دی گئیں۔آپ کو اس صورت حال کا پہلے سے اندازہ نہیں تھا۔اس لئے شروع شروع میں بڑی دشواری رہی اور حوصلہ شکنی ہوتی رہی۔اس لئے سورت والضحیٰ کی طرح اس سورت میں بھی تسلی پر زور دیا گیا ہے۔ایسے مواقع پر انعامات کا استحضار ایک فطری کارگر نسخہ ہے۔چنانچہ تین نعمتوں کا تذکرہ فرمایا گیا۔ایک شرح صدر کی دولت کہ سب کی طرف سے دل ٹھنڈا رہے،اس میں کسی کی خلش نہ رہے دوسرے نبوت اور اس کے رہنما یانہ اصول دے کر طبیعت کے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔تیسرے آپ کے نام کی اتنی سربلندی کہ دنیا میں نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔اس لئے شکستہ دل بالکل نہ ہو جئے۔ان آفتوں کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھئے کہ یہ مشکلات کا دور بہت جلد ختم ہو جانے والا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فراخی اور کشادگی کا دور چلا آ رہا ہے۔پھر آخری بات یہ ہے کہ اس مشغولیت اور غم سے جب بھی موقعہ ملے دل اللہ کی طرف لگایئے کہ دلوں کی چین اسی سے دل لگانے میں ہے۔

فضائل سورت:.........من قرء سورة الم نشرح فكانما جاء نی وانا غتم ففرج عنی ترجمہ: جو شخص سورۂ الم نشرح پڑھے گا۔گویا وہ میری غم کی حالت میں میرے پاس آ گیا۔اور مجھے اس سے نجات دے دی۔

لطائف سلوک:.........**الم نشرح** وصول سے پہلے سالک کو جو ضیق اور تنگی گھٹن پیش آتی ہے کہ جس سے گویا اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔وہ بھی وزر میں داخل ہے اور جو نشاط، دلجمعی اور طمانیت ووسعت وصول کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ شرح صدر میں داخل ہے۔ جس میں حق اور خلق دونوں کی طرف توجہ یکجا ہو جاتی ہے۔پھر کبھی ارشاد واصلاح کی مصلحت سے اگر اس کو شہرت عطا فرما دی جائے تو اس کو رفع ذکر سمجھنا چاہیئے اور ان **مع العسر یسر** میں اس طرف اشارہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والے کے لئے عادت اللہ یہی ہے کہ وہ ان دولتوں سے سرفراز کیا جاتا ہے۔**فاذا فرغت** معلوم ہوا کہ افاضہ وافادہ اور ارشاد سے فراغت کے بعد شیخ کو بھی خلوت میں ذکر وفکر ومناجات میں مشغول رہنا چاہیئے۔اور خود کو مجاہدہ سے مستغنی نہیں سمجھنا چاہیئے۔

سُوْرَةُ التِّيْنِ

سُوْرَةُ وَالتِّيْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْمَدَنِيَّةٌ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴿۱﴾ اَيِ الْمَاكُوْلَيْنِ وَجَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُنْبِتَانِ الْمَاكُوْلَيْنِ **وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴿۲﴾** اَلْجَبَلِ الَّذِىْ كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامَ عَلَيْهِ وَمَعْنٰى سِيْنِيْنَ الْمُبَارَكُ اَوِ الْحَسَنُ بِالْاَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ **وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴿۳﴾** مَكَّةَ لِاَمْنِ النَّاسِ فِيْهَا جَاهِلِيَّةً وَّاِسْلَامًا **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴿۴﴾** تَعْدِيْلٍ لِصُوْرَتِهٖ **ثُمَّ رَدَدْنٰهُ** فِىْ بَعْضِ اَفْرَادِهٖ **اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ﴿۵﴾** كِنَايَةً عَنِ الْهَرَمِ وَالضُّعْفِ فَيَنْقُصُ عَمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنْ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُوْنُ لَهٗ اَجْرُهٗ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى **اِلَّا** اَىْ لٰكِنِ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴿۶﴾** مَقْطُوْعٍ وَفِى الْحَدِيْثِ اِذَا بَلَغَ الْمُؤْمِنُ مِنَ الْكِبَرِ مَا يُعْجِزُهٗ عَنِ الْعَمَلِ كُتِبَ لَهٗ مَا كَانَ يَعْمَلُ **فَمَا يُكَذِّبُكَ** اَيُّهَا الْكَافِرُ **بَعْدُ** اَىْ بَعْدَ مَا ذُكِرَ مِنْ خَلْقِ الْاِنْسَانِ فِىْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ ثُمَّ رَدَّهٗ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ الدَّالِّ عَلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبَعْثِ **بِالدِّيْنِ﴿۷﴾** بِالْجَزَاءِ الْمَسْبُوْقِ بِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ اَىْ مَا يَجْعَلُكَ مُكَذِّبًا بِذٰلِكَ وَلَا جَاعِلَ لَهٗ **اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴿۸﴾** اَىْ هُوَ اَقْضَى الْقَاضِيْنَ وَحُكْمُهٗ بِالْجَزَاءِ مِنْ ذٰلِكَ وَفِى الْحَدِيْثِ مَنْ قَرَاَ بِالتِّيْنِ اِلٰى اٰخِرِهَا فَلْيَقُلْ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ

ترجمہ.........قسم ہے انجیر اور زیتون کی (جو دونوں کھانے کی چیزیں ہیں یا شام کے دونوں پہاڑ ہیں جن پر یہ کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں) اور طور سینا کی (جس پہاڑ پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور سینین کے معنی مبارک کے ہیں یا پھلدار درختوں سے جو جگہ خوبصورت ہو) اور اس پر امن شہر کی (مکہ مراد ہے جو اسلام سے پہلے اور بعد ہمیشہ امن کی جگہ رہا ہے) ہم نے انسان (کی جنس) کو بہت خوبصورت سانچہ (بہترین ساخت) میں ڈھالا ہے۔ پھر ہم اس کے بعض افراد کو پست حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں (بڑھاپے اور کمزوری سے کنایہ ہے چنانچہ مومن کامل جوانی کے مقابلہ میں کم ہو جاتا ہے۔ اگر چہ اس کا

ثواب بدستور رہتا ہے۔ اگلی آیت کی وجہ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے (ممنون یعنی مقطوع، حدیث میں ارشاد ہے کہ مؤمن بڑھاپے کی وجہ سے جب عمل سے عاجز ہو جاتا ہے تب بھی اس کا عمل لکھا جاتا ہے) پھر تجھے (اے کافر!) کون جھٹلانے والا بتا رہا ہے اس کے بعد (یعنی انسان کا اچھی شکل پر پیدا ہونا پھر انتہائی گھٹیا عمر کی طرف پلٹ جانا جس سے قیامت پر اللہ کی قدرت کا ہونا معلوم ہوا) جزا کے بارے میں (جو بعث وحساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھ کو بدلہ کے جھٹلانے پر آمادہ کیا ہے۔ جب کہ کوئی اس کا باعث ہی نہیں ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ (وہ سب سے بڑھ کر حاکم ہے اور اس کا فیصلہ قیامت کے متعلق ہو چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص سورۂ والتین پڑھے تو اسے ختم پر بلی وانا علی ذلک من الشاهدين کہنا چاہیئے۔

تحقیق وترکیب: ....مكية ابن عباسؓ کی رائے مفسرؒ نے نقل کی ہے۔ لیکن قتادہؒ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے اور جمہور اس کو مکی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ هذا البلد الامين سے بھی اشارہ ہو رہا ہے۔

والتين بہترین میوہ ہے جس میں فضلہ کا نام ونشان نہیں ہے۔ سریع الہضم غذائے لطیف ہے اور مفید ترین دوا ہے۔ طبیعت میں فرحت پیدا کرتی ہے۔ بلغم کو تحلیل کرتا ہے۔ گردوں کو پاک صاف رکھتا ہے۔ مثانہ کے سنگریزہ کے لئے کاسر ہے۔ جگر اور تلی کے سدوں کو صاف کرتا ہے۔ بدن میں فربہی لاتا ہے۔ حدیث میں اس کو قاطع بواسیر اور درد نقرس کے لئے مفید بتایا گیا ہے۔

اسی طرح زیتون بھی پھل ہی ہے اور سالن اور دوا کے کام بھی آتا ہے۔ اس کا تیل نہایت لطیف اور مفید ہے۔ اور پہاڑوں میں اگرچہ دہنیت نہیں ہوتی۔ پھر بھی وہاں یہ درخت پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ دونوں پہاڑوں کے نام ہیں۔ ایک وہ پہاڑ جو مصر وایلہ کے درمیان ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ کو شرف ہمکلامی حاصل ہوئی۔ دوسرا پہاڑ جس پر بیت المقدس ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت گاہ اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے مواقع ہونے کی وجہ سے ان کی قسم کھائی گئی ہے۔ جیسا کہ آگے طور پہاڑ کا ذکر ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے کی جگہ ہے۔ پہلا قول حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ کا ہے اور دوسرا قول عکرمہؒ کا ہے۔ سریانی زبان میں ان پہاڑوں کو طور زینا کہا جاتا ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تین حلوان وہمدان کے درمیان کے پہاڑ کا نام ہے۔ اور زیتون شام کا پہاڑ ہے اور بعض نے ان سے مسجد دمشق اور بیت المقدس مراد لئے ہیں یا دو شہروں کے نام ہیں۔

وطور سينين سینا اور سینین کے دونوں لغت ہیں وہ جگہ جہاں حضرت کلیم اللہ، اللہ سے ہمکلام ہوئے اور مجاہد برکۃ کے معنی اور قتادہؒ حسن کے معنی اور مقاتل پھلدار درختوں کا پہاڑ مراد لیتے ہیں۔

البلد الامين امین بمعنی امن کہا جاتا ہے۔ امن الرجل امانة فهو امين یا بمعنی مامون ہے۔ مراد مکہ مکرمہ ہے۔

اسفل سافلين جہنم یا جہنم کا نچلا طبقہ مراد ہے۔ اور بقول مفسرؒ بعض نے ارذل العمر کے معنی لئے ہیں۔ **غير ممنون** غیر منقطع اور مسلسل کے معنی ہیں۔ اسی صورت میں استثناء متصل ہوگا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان پر اس اجر کا احسان نہیں جتلایا جائے گا۔

فما يكذب آنحضرتؐ کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔ یعنی آپ کو قیامت کے بارہ میں جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ما بمعنی من ہے اور بطور التفات انسان کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔ لا عاجل کہہ کر مفسرؒ نے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اليس الله یعنی اتنی بڑی قدرت والا کیا قیامت برپا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

﴿تشریح﴾:............ تین یا زیتون کے پھل یا وہ علاقے جہاں بکثرت ان پھلوں کے درخت پائے جاتے ہیں۔ شام و فلسطین اللہ نے ان کی اور طور سینا اور مکہ مکرمہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ جہاں کے مقدس مقامات سے اولوالعزم پیغمبر اٹھے ہیں کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں ڈھالا ہے اور ظاہر و باطن میں کمال تناسب دیا۔ اگر انسان صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں پر بھی سبقت لے جائے۔ بلکہ مسجود ملائکہ بنے۔ اس کو اعلیٰ درجہ کا جسم عطا کیا گیا ہے۔ جو کسی اور جاندار مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اور ایسی اندرونی خوبیاں اور قابلیتیں عنایت کی گئیں جو کسی مخلوق کو نہیں ملیں۔ پھر منصب نبوت سے انسان کو زینت بخشی گئی۔ جس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس پر انہی مقدس مقامات کی قسمیں کھائی گئیں ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے انسان کو ایسی بہترین تقویم پر بنایا۔ کہ اس میں نبوت جیسے عالی مرتبہ منصب سے سرفراز ہونے والے افراد پائے جاتے ہیں۔

انسان اگر فرشتوں سے بڑھ سکتا ہے تو شیطان سے بھی بازی لے جاسکتا ہے:............ **ثم رددناہ** مفسر علامؒ تو **اسفل سافلین** سے ارذل العمر یعنی بڑھاپے کا وہ مرحلہ مراد لیتے ہیں۔ جس میں انسان سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں رہتا۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس نے جوانی اور تندرستی کے وقت ایمان لا کر نیک عمل کئے اور بڑھاپے میں معذور ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ خدمت سے معذوری کے باوجود پنشن کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور رحم دل آقا بدستور اس کی کارکردگی شمار کرتے ہوئے پنشن جاری رکھتا ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین اس سے جہنم یا جہنم کا بالکل نچلا درجہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی ایماندار نیکوکار اسفل السافلین سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن مقصد سورت یعنی جزا وسزا کی حقیقت کا جہاں تعلق ہے اس کے لحاظ سے بالتخصیص یہ دونوں مفہوم کچھ زیادہ چسپاں نہیں معلوم ہوتے۔ بہتر یہ ہے کہ عام مفہوم مراد لیا جائے اور وہ یہ کہ ایک طرف تو انسان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان کہ اس نے سب سے بہتر سانچہ میں اس کو ڈھالا۔ مگر دوسری طرف انسان اگر خود سے اس کو ناقدری کی نذر کر کے برائی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔ تو بالآخر گراتے گراتے اس انتہا تک پہنچا دیتا ہے کہ شیطان بھی اس سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ حرص و طمع، خود غرضی، نشہ بازی، شہوت پرستی، کمینہ پن، غیظ و غضب جیسی گھناؤنی بیماریوں میں جو لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ درندوں اور چوپاؤں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ شکل وصورت سے انسانی لباس آراستہ و پیراستہ، مگر اندر دیکھو تو سینکڑوں شیطان بھرے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ اشرف المخلوق، ارذل الخلوق بن جاتا ہے۔

قیامت کا انکار باعث حیرت ہے:............ **فما یکذبک** یعنی ان روشن دلائل کے ہوتے ہوئے پھر یہ کافر جزا وسزا کا کیسے انکار کر رہے ہیں۔ اے پیغمبر! آخر کس بنیاد پر یہ آپ کو قیامت کے سلسلہ میں جھٹلا رہے ہیں۔ یعنی انسان جب دو گروہوں میں بٹ گیا۔ ایک پست ترین گروہ، دوسرا اعلیٰ ترین طبقہ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان دونوں کو ان کے کئے کا کچھ بھی پھل نہ ملے یا دونوں کے کاموں پر ایک ہی طرح کا ثمرہ مرتب ہو۔ عقل وانصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں کو ان کے کاموں کے مطابق صلہ ملے **افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون** ورنہ پھر نیکی بدی کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ خیال تو کرو کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور ایسی عجیب وغریب تقویم پر پیدا کیا کہ نیکی اور بدی کرنے کی دونوں صلاحیتیں اس میں رکھ دیں اور آخری حد تک رکھ دیں۔ وہ چاہے تو ترقی کر کے اعلیٰ علیین تک پہنچ سکتا ہے کہ فرشتے بھی اس کی گرد کو نہ پہنچ سکیں۔ جن کے کامل نمونے شام، بیت المقدس، طور سینا، مکہ مکرمہ میں دنیا دیکھ چکی۔ جن مقامات مقدسہ کی قسمیں ہم نے کھائی ہیں۔ ان کے نمونوں کے مطابق انسان چلے تو فلاح دارین کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوسکتا ہے۔ لیکن خود بے ایمانی اور بدعملی کر کے ذلت وہلاکت کے گڑھوں میں گرنا چاہے تو اسفل السافلین اس کے پاؤں تلے ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے جزا وسزا کے سلسلہ میں ایسے معقول ضابطوں کو جھٹلا سکے۔ ہاں دنیا کو لا قانونیت

کا ایک جنگل فرض کرلیا جائے۔ جس میں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ قانون؟ تو پھر ایسے بے ہنگم اور بے تکی باتوں کی گنجائش ہے۔

شہنشاہ کائنات:.........الیس اللہ باحکم الحاکمین دنیا کی معمولی سے معمولی حکومتوں اور حاکموں سے بھی جب یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ انصاف کریں۔ یعنی مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچائیں اور بہترین کارگزاری کرنے والوں کو انعام واکرام سے نوازیں۔ پھر بھلا خدا کی نسبت کیا خیال ہے جو کائنات میں سب سے بڑا حاکم اور منصف ہے۔ کیا وہ انصاف نہیں کرے گا۔ اور بھلائی اور برائی کو ایک ہی پلہ میں رکھ دے گا۔ یا ساری محنتوں کو اکارت کردے گا۔

خلاصۂ کلام:.........ھذا البلد الامین کہنے سے نیز اس کے اس انداز بیان سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ یہ بھی مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جنہیں نہایت اختصار کے ساتھ مجازات پر کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں بھی ان چار مقامات مقدسہ کی پہلے قسمیں کھائی گئی ہیں۔ جہاں اللہ نے اعلیٰ ترین انسان بھیجے تھے۔ اور بڑی تاکید کے ساتھ زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو اعلیٰ ترین سانچہ میں ڈھال کر بھیجا ہے اور اس کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ اس میں نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیتیں علی وجہ الکمال رکھ دی ہیں۔ برے کرتوت کر کے کوئی اس فطری خوبی ہی کو ختم کردے اور قعر مذلت میں گرتا چلا جائے تو اس کا ٹھکانہ اسفل السافلین ہوگا اور کوئی اپنی فطرت خوبی کو ایمان وعمل کی جلا سے روشن کرے گا تو اس کا مقام اعلیٰ علیین ہوگا۔ آخر میں ارشاد ہے کہ انسان جب خوبی اور خرابی کے دو حصوں میں بٹ گیا۔ تو کیا یہ قرین انصاف نہیں کہ اس کے کاموں کا حقیقی صلہ اس کے سامنے آجائے۔ اور اس طرح دونوں اپنے آخری انجام تک پہنچ جائیں۔ دنیا کی عدالتوں میں جب عالمگیر قانون رائج ہے۔ تو اللہ کی کچہری سے بڑھ کر کس کی کچہری ہوسکتی ہے بلاشبہ نہیں ہوسکتی۔

فضائل سورت:.........من قرء سورة والتين اعطاه الله العافية واليقين مادام حيا فاذا مات اعطاه من الاجر بعدد من قرء هذه السورة ترجمہ: جو شخص سورۂ والتین پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے زندگی بھر عافیت ویقین عطا فرمائے گا اور مرنے کے بعد اس سورت کے پڑھنے والوں کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

لطائف سلوک:.........لقد خلقنا الانسان یعنی انسان ظاہراً باطناً معتدل الخلقۃ ہے۔ راست قامت خوبصورت نقشہ صفات الٰہیہ کا مظہر ہے اور خلق الله ادم على صورته کا مصداق ہے۔ اپنی جامعیت کے پیش نظر غیب وشہادت کے لحاظ سے مجمع البحرین ہے اور افادہ واستفادہ کا سنگم ہے۔ ثم رددناہ اگر ضعف پیری مراد ہے تو قویٰ کے انحطاط سے عمل میں اضمحلال آتا ہے۔ اور وہ اجر وثواب کی کمی کا سبب ہونا چاہیئے۔ مگر معذوروں کو مستثنیٰ فرمادیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر واقعی عذر کی وجہ سے اوراد ووظائف میں حرج ہوجائے۔ تو انشاء اللہ اجر میں کمی نہیں ہوگی۔ اس لئے محقق مشائخ ایسے مواقع پر مسترشدین کو تسلی دیا کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ اِقْرَأْ مِكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشَرَ اٰيَةً صَدْرُهَا اِلٰى مَالَمْ يَعْلَمْ اَوَّلُ مَانَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَذٰلِكَ بِغَارِ حِرَاءٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اِقْرَأْ اَوْجِدِ الْقِرَاءَةَ مُبْتَدِئًا **بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴿۱﴾** اَلْخَلَائِقَ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **مِنْ عَلَقٍ﴿۲﴾** جَمْعُ عَلَقَةٍ وَهِيَ الْقِطْعَةُ الْيَسِيْرَةُ مِنَ الدَّمِ الْغَلِيْظِ **اِقْرَأْ** تَاكِيْدٌ لِلْاَوَّلِ **وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴿۳﴾** الَّذِيْ لَا يُوَازِيْهِ كَرِيْمٌ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ اِقْرَأْ **الَّذِيْ عَلَّمَ** الْخَطَّ **بِالْقَلَمِ﴿۴﴾** وَاَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِهِ اِدْرِيْسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ **عَلَّمَ الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **مَالَمْ يَعْلَمْ﴿۵﴾** قَبْلَ تَعْلِيْمِهِ مِنَ الْهُدٰى وَالْكِتَابَةِ وَالصِّنَاعَةِ وَغَيْرِهَا **كَلَّا** حَقًّا **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ** اَيْ نَفْسَهٗ **اسْتَغْنٰى﴿۷﴾** بِالْمَالِ نَزَلَ فِيْ اَبِيْ جَهْلٍ وَرَاٰى عِلْمِيَّةٌ وَاسْتَغْنٰى مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَاَنْ رَاٰهُ مَفْعُوْلٌ لَهٗ **اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ** يَااِنْسَانُ **الرُّجْعٰى﴿۸﴾** الرُّجُوْعُ تَخْوِيْفٌ لَهٗ فَيُجَازِي الطَّاغِيَ بِمَا يَسْتَحِقُّهٗ **اَرَاَيْتَ** فِيْ مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّعَجُّبِ **الَّذِيْ يَنْهٰى﴿۹﴾** هُوَ اَبُوْجَهْلٍ **عَبْدًا** هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِذَا صَلّٰى﴿۱۰﴾ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ** اَيِ الْمَنْهِيُّ **عَلَى الْهُدٰى﴿۱۱﴾ اَوْ** لِلتَّقْسِيْمِ **اَمَرَ بِالتَّقْوٰى﴿۱۲﴾ اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ** اَيِ النَّاهِيُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَتَوَلّٰى﴿۱۳﴾** عَنِ الْاِيْمَانِ **اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴿۱۴﴾** مَاصَدَرَ مِنْهُ اَيْ يَعْلَمُهٗ فَيُجَازِيْهِ عَلَيْهِ اَيْ اَعْجَبُ مِنْهُ يَامُخَاطَبُ مِنْ حَيْثُ نَهْيُهٗ عَنِ الصَّلٰوةِ وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ الْمَنْهِيَّ عَلَى الْهُدٰى اٰمِرٌ بِالتَّقْوٰى وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ النَّاهِيَ مُكَذِّبٌ مُتَوَلٍّ عَنِ الْاِيْمَانِ **كَلَّا** رَدْعٌ لَهٗ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **لَّمْ يَنْتَهِ** عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ **لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴿۱۵﴾** لَنَجُرَّنَّ بِنَاصِيَتِهٖ اِلَى النَّارِ **نَاصِيَةٍ** بَدَلُ نَكِرَةٍ مِنْ مَعْرِفَةٍ **كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴿۱۶﴾** وَوَصْفُهَا بِذٰلِكَ مَجَازٌ وَالْمُرَادُ صَاحِبُهَا **فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ﴿۱۷﴾** اَيْ اَهْلَ نَادِيْهِ وَهُوَ الْمَجْلِسُ يَنْتَدِيْ يَتَحَدَّثُ فِيْهِ الْقَوْمُ كَانَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّاانْتَهَرَهُ حَيْثُ نَهَاهُ عَنِ الصَّلٰوةِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَابِهَا رَجُلٌ اَكْثَرَ نَادِيًا مِنِّيْ لَاَمْلَأَنَّ عَلَيْكَ هٰذَا الْوَادِيَ اِنْ شِئْتُ خَيْلًا جُرْدًا اَوْ رِجَالًا مُرْدًا **سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ** ﴿۱۸﴾ اَلْمَلَائِكَةَ الْغِلَاظَ الشِّدَادَ لِاِهْلَاكِهٖ فِي الْحَدِيْثِ لَوْدَعَا نَادِيَهٗ لَاَخَذَتْهُ الزَّبَانِيَةُ عِيَانًا **كَلَّا** رَدْعٌ لَهٗ **لَا تُطِعْهُ** يَامُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَرْكِ الصَّلٰوةِ **وَاسْجُدْ** صَلِّ لِلّٰهِ **وَاقْتَرِبْ** ﴿۱۹﴾ مِنْهُ بِطَاعَتِهٖ

السجدۃ ۱۴ — ع ۱۹ / ۲۱

سورۂ اقرأ مکیہ ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں، شروع سے مالم یعلم تک سب سے پہلی آیات ہیں جو غار حراء میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.......... پڑھیے (پڑھنا شروع کیجئے) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا (جنس) انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا (علق، علقہ کی جمع ہے۔ خون بستہ کی ایک پھٹک) پڑھیے (پہلے کی تاکید ہے) اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جس کے برابر کوئی کریم نہیں ہوسکتا۔ اقرا کی ضمیر سے حال ہے) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھلایا (سب سے پہلے ادریس نے لکھنا شروع کیا) انسان (کی جنس) کو اس نے وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا (یعنی ہدایت اور کتابت اور صنعت وغیرہ) سچ مچ (یقیناً) انسان (مطلقا) بلاشبہ حد سے گزر جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ (خود) کو (مال کی وجہ سے) مستغنی سمجھتا ہے (ابو جہل کے متعلق ہے اور راى میں رویت قلبیہ ہے اور استغنی اس کا مفعول ثانی ہے اور ان راہ مفعول لہ ہے) یقیناً (اے انسان) تیرے رب کی طرف پلٹنا ہوگا (یہ اس کو ڈراتا ہے۔ لہٰذا سرکش کو سزا ملے گی جس کا وہ مستحق ہوگا) تم نے دیکھا (تینوں جگہ ارأیت تعجب کے لئے) جو منع کرتا ہے (مراد ابوجہل ہے) ایک بندے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر وہ بندہ (جس کو روکا جارہا ہے) راہ ہدایت پر ہو یا (او تقسیم کے لئے ہے) پرہیز گاری کی تلقین کرتا ہو۔ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ شخص جھٹلاتا ہو (یعنی روکنے والا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور منہ موڑتا ہو؟ (ایمان لانے سے) کیا اس شخص کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے (جو کچھ اس سے سرزد ہو رہا ہے یعنی وہ باخبر ہے لہٰذا وہ اس کو اس پر سزا دے گا۔ یعنی اے مخاطب حیرت کی بات ہے کہ وہ نماز سے روکتا ہے جب کہ منع کیا ہوا بندہ راہ راست پر ہے اور پرہیز گاری کی تلقین کرتا ہے۔ نیز منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا شخص ہے) ہرگز نہیں (اس کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) اگر یہ شخص (لام قسمیہ ہے) باز نہ آیا (اپنے کفریہ طور طریق سے) تو ہم اس کے پٹھے پکڑ کر کھینچیں گے (پیشانی کے بال سے گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے) وہ پیشانی (یہ نکرہ بدل ہے معرفہ سے) جو جھوٹی اور خطا کار ہے (پیشانی کی یہ صفت مجازا ہے۔ لیکن مراد پیشانی والا ہے) وہ بلالے اپنے حمائتیوں کی ٹولی کو (نادی سے اہل نادی مراد ہیں۔ اس کے معنی مجلس کے ہیں۔ کیونکہ اس میں قوم کی بات چیت کے وقت آواز دی جاتی ہے۔ ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارا جمعہ میرے جمعہ سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔ میں چاہوں تو بہترین گھڑ سواروں اور پیدل فوج سے اس میدان کو بھر سکتا ہوں) ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے (اس کو تباہ کرنے کے لئے اکھڑ مضبوط فرشتے، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنی فوج کو بلالیتا، تو دوزخ کے دربان اسے پکڑ لیتے) ہرگز نہیں (ڈانٹ ڈپٹ ہے) آپ (اے محمد! نماز چھوڑنے میں) اس کی بات نہ مانئے اور سجدہ کیجئے (اللہ کے لئے نماز پڑھیے) اور قرب حاصل کرتے رہیے (اس کی فرمانبرداری کرکے)۔

تحقیق وترکیب:............اقرأ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اقرأ بمنزلہ لازم ہے۔اس لئے مفعول کی ضرورت نہیں ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ مفعول مقدر مانا جائے۔اور بعض کی رائے ہے کہ اس کا مفعول اسم ربک ہے اور با زائدہ ہے۔لیکن تفسیری عبارت مبتدأ میں اشارہ ہے کہ با ملابستہ کے لئے ہے اور ظرف مستقر موضع حال ہے۔ای قل بسم اللہ ثم اقرء.

خلق مفسرؒ نے الخلائق سے اشارہ کیا ہے کہ خلق کا مفعول حذف کرنے میں عموم کی طرف اشارہ ہے۔اور بقول خطیب مفعول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ خلق اللہ ہی سے سرزد ہے اور اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

خلق الانسان انسان کے شرف کی وجہ سے بالتخصیص انسان کو یہاں بیان کیا ہے۔

من علق انسان جنس ہونے کی وجہ سے معنی جمع ہیں۔اس لئے علق بھی جمع لایا گیا ہے۔اور علق کو جمع کہنا مجازاً ہے ورنہ یہ اسم جنس ہے جیسے تمر تمرة میں ہے۔یا اس کو حقیقۃً جمع کیا جائے۔چونکہ اللہ کی معرفت اول واجبات میں سے ہے۔اس لئے اس کے وجود اور انتہائی قدرت کمال حکمت بیان کرنے کے لئے اس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا۔اقرأ مبالغہ کے لئے تکرار ہے یا اولیٰ مطلق قرأت کے لئے اور یہ تبلیغ کے لئے ہے یا نماز کی قرأت کے لئے یا یہ کہا جائے کہ پہلے اقرأ کے جواب میں۔آنحضرتؐ نے فرمایا ما انا بقاری اس پر فرمایا گیا۔اقرأ۔ان راہ دونوں ضمیروں کا مرجع انسان ہے۔تفسیر کبیر میں ہے کہ رای نفسہ قتل نفسہ کی طرح کہنا چاہیئے تھا۔مگر یہ بتلانے کے لئے کہ "رای "ظن وحسبان کی طرح ان افعال میں سے ہے۔جو کہ اسم وخبر کو چاہتے ہیں۔اہل عرب لفظ نفس کو حذف کردیا کرتے ہیں۔چنانچہ راہ کی طرح راتنی وظنتنی وحسبتنی کہا جاتا ہے۔گویا رؤیت علمیہ ہے، رؤیت بصریہ نہیں ہے۔اس لئے فاعل ومفعول دونوں ضمیریں ہوسکتی ہیں۔جن کا مرجع ایک ہے اور بعض کہتے ہیں کہ رؤیت بصریہ کو رؤیت علمیہ کا حکم دے دیا گیا ہے۔جیسے حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے۔لقد رأیتنا مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وما کنا من طعام الا الاسودان۔

وان الی ربک اس میں انسان کو سرکشی پر دھمکی ہے۔

رجعیٰ بشریٰ کی طرح مصدر ہے۔

استغنیٰ سورت کی ابتداء میں علم کی تعریف اور آخر سورت میں مال کی مذمت کی گئی ہے۔

نزل فی ابی جھل سے کشافؒ کی اس بات کا رد ہوگیا کہ حضرت حسنؒ سے منقول ہے کہ امیہ بن خلف حضرت سلمان فارسیؓ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت سلمانؓ مدینہ میں مسلمان ہوئے ارأیت بمعنی اخبرنی اور ان کان جملہ شرطیہ دوسرے ارأیت کا مفعول ثانی ہے۔اور ان کان کا جواب محذوف ہے جس پر ان کذب کا جواب دلالت کررہا ہے کیونکہ ارأیـــت کا مفعول ثانی جملہ استفہامیہ یا قسمیہ ہوا کرتا ہے۔شرط ثانی کے جواب پر اکتفا کرتے ہوئے اس شرط کا جواب حذف کردیا گیا ہے۔ای اخبرنی عمن ینھی بعض عباد اللّٰہ عن صلوٰتہ ان کان ذلک الناھی علی الھدیٰ فیما ینھی عنہ او امر ایتقی فیما یا مر بہ من عبادۃ الارکان کما یعتقدہ یاان کان علی التکذیب للحق والتولی عن الصواب تقدیر عبارت ہے، جیسے کہا جائے الم یعلم بان اللہ یریٰ ویطلع علی احوالہ من ھدایۃ وضلالۃ اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں ارأیت الذی یصلی والنھی علی الھدیٰ امر بالتقویٰ والناھی مکذب متول فما اعجبہ من ذا اور بعض کی رائے ہے کہ دوسرے ارأیت میں کافر کو اور تیسرے ارأیت میں آنحضرتؐ کو خطاب ہے۔جیسے حاکم کے سامنے عدالت میں فریقین موجود ہوں۔حاکم کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو خطاب کرتا ہے۔اور تعجب کے موقعہ پر تقویٰ اور توبیخ کو ذکر کردیا گیا ہے۔لیکن نہی میں اس سے تعرض کردیا گیا ہے۔کیونکہ ارأیت الذی ینھی میں نہی کا تعلق نماز اور تقویٰ کے حکم کے ساتھ تھا۔لہٰذا نماز پر اکتفا کرلیا گیا ہے۔کیونکہ نماز دعوت فعلی

ہے اور امر دعوت قولی ہوتا ہے اور دعوت فعلی قوی ہوتی ہے یا کہا جائے کہ نماز کی حالت میں بندہ کو روکنے سے مراد عام ہے نماز سے روکنا ہو یا دوسری نیکیوں سے۔ درآنحالیکہ عام احوال کی صرف دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اپنے نفس کی تکمیل تو عبادت کے ذریعہ اور دوسروں کی تکمیل دعوت کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔

لنسفعا. سفع کے معنی کسی چیز پر قبضہ کرنے اور گھسیٹنے کے آتے ہیں۔ ایک قرأت **لنسفعن** اور **لاسفعن** بھی ہے۔ لیکن مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ وقف کے حکم میں کرتے ہوئے اور **بالناصیة** لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے مضاف الیہ کے عوض میں۔ ای **ناصیة الناهی**. **ناصیة کاذبة** نکرہ موصوف ہونے کی وجہ سے **الناصیة** معرفہ سے بدل ہے اور ایک قرأت میں **ناصیة** رفع کے ساتھ ہے۔ ای **هی ناصیة** اور ایک قرأت نصب کے ساتھ ہے بطور مذمت کے اور ناصیہ کو مناصیہ کہنا مجازاً ہے بطور مبالغہ کے۔

الزبانية. **زبن** سے ماخوذ ہے بمعنی دفع یا زبنی سے ہے جو دراصل زبانی تھا یا کے عوض میں تا آ گئی۔ زبانیہ کا مفرد زبنیۃ سے ہے۔ جیسا کہ عفریۃ مرغ کی گردن کے معنی میں ہے۔ **لا تطعه و اسجد و اقترب** یہ تینوں امر کے صیغے دوام اور استمرار کے لئے ہیں۔

ربط آیات:......... سورۂ والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں سے عطائے نبوت اور تعلیم وحی بھی ہے۔ جو توحید کے بعد تمام دین کی اساس ہے۔ اس سورت میں اس کا بیان ہے اور وحی اور صاحب وحی کے مخالفین پر سخت ردوقدح کرنا ہے۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ **مالم یعلم** تک امت کی بڑی اکثریت کے مطابق سب سے پہلی وحی ہے اور آخری حصہ بھی مکی ہے اور اس زمانہ سے متعلق ہے جب حضورؐ نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابوجہل نے دھمکیاں دے کر آپ کو روکنا چاہا اس سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات:......... حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی سچے اور اچھے خوابوں کی شکل میں ہوئی ہے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ارشاد ہے کہ آپ کے خواب صبح کی طرح ہوتے تھے آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ ایسا ہوتا جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہوں۔ احادیث میں **حبب الیه الخلاء**. **تحنث** کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کئی روز غار حراء میں رہ کر مراقب اور معتکف رہتے۔ بعض مرتبہ آپ کے دادا عبدالمطلب بھی ساتھ ہوتے جو دین حنیف کی رو سے حقیقۃً حیات کی طرف مائل تھے۔ بلکہ آپ کے ان حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ پیشین گوئی بھی کی تھی۔ کہ میرا بیٹا آگے چل کر دنیا میں نام آور ہوگا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ کئی کئی روز کے لئے خورد ونوش کا سامان آپ کے لئے مہیا کر دیتیں اور جب وہ ختم ہو جاتا۔ پھر کبھی آپ خود آ کر لے جاتے اور کبھی کسی کے ذریعہ پہنچ جاتا۔ اس میں یکا یک ایک روز حضرت جبریلؑ نے متمثل ہو کر آپ سے کہا **اقرأ**۔ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا۔ **ما انا بقارئ**۔ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا۔ حتی کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا **اقرأ** میں نے دوسری اور تیسری بار وہی جواب دیا۔ مگر جب تیسری بار چھوڑنے پر فرشتہ نے **اقرأ باسم ربک الذی خلق علم الانسان مالم یعلم** تک پڑھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کانپتے، لرزتے واپس ہوئے اور گھر پہنچ کر فرمایا **زملونی زملونی** آپ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ فرشتہ کی عظیم ہیکل دیکھنے اور وحی کے ثقل کی وجہ سے جو آپ پر یہ طبعی خوف ودہشت کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب زائل ہوگئی۔ تب آپ نے فرمایا۔ اے خدیجہؓ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے پھر سارا قصہ آپ نے ان کو سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ مگر غمگسار اور جاں نثاری بیوی نے یہ کہہ کر تسلی دی۔ کہ ہرگز نہیں آپ خوش ہو جائیے۔ خدا کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آخر آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں، امانت دار ہیں، بے سہارا لوگوں کا سہارا اور ناداروں کا مداوا ہیں، مہمان نواز، نیکیوں میں مددگار ہیں۔ پھر نفسیات شناس بیوی آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن

نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو عیسائی ہوگئے تھے اور عربی و عبرانی میں انجیل کہتے تھے۔ وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ بولیں بھائی جان! ذرا اپنے بھتیجے کا حال سنئے۔ ورقہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ بھتیجے تمہیں کیا نظر آیا؟ چنانچہ جب آپ نے ساری روئیداد سنائی، تو ورقہ بولے کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے۔ جو پہلے اللہ نے موسیٰ پر اتارا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب آپ کی قوم کے لوگ آپ کو نکالیں گے۔ آپ نے پوچھا کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے۔ ورقہ کہنے لگے ہاں! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ بات لے کر آیا۔ جو آپ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں زندہ رہا تو میں ضرور آپ کی مدد کروں گا مگر کچھ دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا۔ **اقرأ باسم ربک** سے **بسم الله الرحمٰن الرحیم** کہہ کر شروع کرنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے آیت **اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله** میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ دونوں حکم اپنے مقصد اصلی یعنی توکل واستقامت کے لحاظ سے تو واجب ہیں۔ البتہ زبان سے کہنا مسنون ہے۔ **بسم الله** کے متعلق اگر چہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اول ما نزل جبریل علیہ السلام علی النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال یا محمد استعذ ثم قل بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ تاہم **بسم الله** کا اس آیت کے نازل ہونے کے وقت آپ کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ **کلا ان الانسان** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ان ابا جھل قال فی ملأ من طغاۃ قریش لئن رأیت محمدا لاطأن عنقه وفی بعض الروایات انه ینھی محمدا عن الصلوٰۃ وھم ان یلقی علی رأسه حجرا فراٰہ فی الصلوٰۃ وھی صلوٰۃ الظھر فجاء ہ ثم نکس علی عقبه فقالوا مالك فقال ان بینی و بینه خندقا من نار وھؤلاء واجنحة۔ **ارأیت** تین دفعہ تعجب کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ وجوہ تعجب مختلف ہیں۔ مثلاً (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کے لئے دعا کی تھی۔ اللھم اعز الاسلام بابی جھل واما لعمر بن الخطاب مگر یہ بدبخت حضورؐ کو نماز سے روکتا ہے۔

(۲) ابوجہل معزز ہونے کی وجہ سے ابوالحکم لقب رکھتا ہے۔ مگر حضورؐ کو نماز سے منع کرتا ہے تو نام یہ اور کام وہ۔ (۳) دوسروں کو احکام دے کر پابند کرتا ہے اور خود اللہ کے حکم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ فلیدع نادیه عن ابن عباس کان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم یصلی فجاء ابو جھل فقال الم انھك عن ھذا الم انھك عن ھذا فانصرف النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم فزجرہ فقال ابو جھل انك لتعلم ما بھا نادا اکثر منی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:.........سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات کے شان نزول سے واضح طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے سے نبوت کا طلبگار یا امیدوار ہونا تو درکنار، آپ کو وہم گمان بھی نہیں تھا۔ کہ آپ اس منصب جلیل سے سرفراز کئے جائیں گے۔ بلکہ آپ خالی الذہن تھے۔ چنانچہ جب اچانک اس ناگہانی صورت حال سے آپ کو دوچار ہونا پڑا۔ تو پہلا تاثر آپ پر وہی ہوا، جو ایک بے خبر انسان پر دفعۃً اتنے بڑے حادثہ کے پیش نظر آجانے سے فطری طور پر ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تو اعتراضات ڈھونڈنے والوں میں سے کسی نے یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ پہلے سے یہ منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ پھر جبریل علیہ السلام کے ایک دم مہیب اصلی شکل میں رونما ہونے سے خوف ودہشت کی وہی اضطراری کیفیت آپ پر طاری ہوئی۔ جو حضرت موسیٰ پر لکڑی کے اژدھا بننے سے ہوگئی تھی۔ جس کے بعد حق تعالیٰ نے لاتخف تسکین آمیز جملہ فرمایا۔ اس لئے اس سے شان نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور نہ کمال ایمانی میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ اگر اچانک کسی کے سامنے شیر آجائے اور وہ دیکھتے ہی گھبرا جائے تو کیا نبی کے لئے ایسی گھبراہٹ قابل اعتراض ہوسکتی ہے؟ نیز حضرت خدیجہؓ جیسی معمر خاتون اور ان کے سن رسیدہ چچا۔

ورقہ بن نوفل........ ورقہ بن نوفل کے توصیفی کلمات اس بات کی بڑی شہادت ہیں کہ آپ کی زندگی پہلے ہی سے نہایت پاکیزہ تھی۔ بیوی سے شوہر کی کوئی کمزوری چھپی نہیں رہ سکتی۔ مگر انہوں نے پندرہ سالہ آپ کی رفاقت سے یہ اثر لیا کہ بے ساختہ ان کی زبان پر آپ کی زندگی کے تابناک پہلوؤں کا ذکر آ گیا۔ اور انہوں نے پورے وثوق سے کہہ دیا کہ اللہ ایسے قیمتی شخص کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اسی طرح ورقہ نے بھی اسی قرابت قریبہ کی وجہ سے آپ کے حالات کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے کیفیت سنتے ہی کہہ دیا۔ کہ یہ وہی ناموس اکبر (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ پر بھی نازل ہوا تھا۔ گویا انہوں نے بھی آپ کی نبوت کی تصدیق کر دی۔ اس سے آپ کو مزید اطمینان ہو گیا۔ یہ نہیں کہ پہلے تردد تھا پھر اطمینان ہوا۔

خود اقرأ بھی اقرأ کے حکم میں داخل ہے:........ اقرأ باسم ربك میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس رب نے پیدائش سے لے کر اب تک ایک عجیب والی شان سے آپ کی تربیت فرمائی۔ جو پتہ دے رہی ہے کہ آپ سے کوئی بہت بڑا کام لیا جانے والا ہے۔ کیا وہ رب آپ کو اُدھر میں چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ جس نے تربیت فرمائی، وہی تعلیم بھی فرمائے گا اور باسم ربک کا مطلب جب بسم اللہ الخ سے شروع کرتا ہے تو یہ آیات بھی اس حکم میں داخل ہو جائیں گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے۔ اسمع ما اقولک تو خود اس جملہ کا سننا بھی مطلوب ہوگا۔ اسی طرح اس آیت کا سننا بھی یہی ہوگا۔ کہ ان آیات کو اور آئندہ نازل ہونے والی آیات کو بسم اللہ سے پڑھنا چاہیئے اور اس علم کا وحی اور قرآن ہونا علم بدیہی کے طور پر معلوم ہو گیا ہے اور جبریلؑ کے بار بار پڑھنے کو فرمانے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ جو پہلے سے آپ کو یاد ہو وہ پڑھئے۔ بلکہ آئندہ پڑھنے کی آمادگی مقصود تھا۔ جیسے معلم متعلم سے کہا کرتا ہے۔ کہ پڑھو یہاں پڑھو، اس لئے یہاں تکلیف مالا یطاق کا سوال کھڑا نہیں ہوگا۔ اور آپ کا بار بار عذر فرمانا یا تو اس لئے تھا کہ آپ کو اس جملہ کے معنی متعین نہ ہوئے ہوں گے۔ اور یہ بات کسی طرح بھی شان کے خلاف نہیں ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اکثر لکھی ہوئی چیز پڑھنے کو چونکہ قرأت کہتے ہیں۔ صرف زبانی سن کر پڑھنے کو نہیں کہتے۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس جملہ کی مراد متعین ہونے کے باوجود آپ نے اس لئے عذر فرما دیا کہ آپ حرف شناس نہیں تھے اور رسمی طور پر لکھنا یا لکھے ہوئے کو پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے آپ کا لقب امی ہوا۔ اور حضرت جبریلؑ کا آپ کو زور سے دبانا ظن غالب یہ ہے کہ وحی کی استعداد قوی کرنے کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ صوفیاء تصرف باطنی کے لئے ایسا کیا کرتے ہیں۔

تخلیق کا انعام پہلے اور تعلیم کا انعام اس کے بعد ہے:........ الذی خلق جس نے سب کچھ پیدا کیا، کیا وہ امی میں علم وقرأت پیدا نہیں کر سکتا؟ اور سب نعمتوں کی جڑ بنیاد وجود ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کیا۔ نیز خلق ہی سارے دین کی اولین اساس ہے اور چونکہ انسان افضل الخلائق ہے۔ اس لئے بطور خاص پھر اس کا ذکر کیا۔ علق۔ علقۃ کی جمع ہے جس کے معنی جمے ہوئے خون کے ہیں۔ یہ وہ ابتدائی حالت ہے جو استقرار حمل کے بعد شروع کے حلیہ میں رونما ہوتی ہے۔ پھر علقہ مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد بتدریج مرحلہ وار انسانی شکل بننے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ گویا علقہ ایک برزخی حالت ہے۔ اس سے پہلے نطفہ اور غذا اور عنصری حالات ہیں۔ اور بعد میں مضغہ اور ہڈیوں کا ڈھانچہ، پھر اس پر گوشت پوست کے مراحل، پس اللہ ان کا آخر تک نگران رہتا ہے۔ آگے پھر اقرأ فرما کر اشارہ فرما دیا کہ قرأت محض اس قید کے ساتھ مطلوب نہیں۔ بلکہ فی نفسہا خود قرأت بھی مقصود ہے۔ کیونکہ وہ تبلیغ کا ذریعہ ہے۔ اور تبلیغ ہی آپ کا اصل کام ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر سے تخلیق کی ابتداء کر کے انسان کو مکمل بنا دیا۔ اور یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ اس نے بے حس اور بے شعور اور بے علم وادراک حقیر چیز کو عالم بنا دیا۔ جس شان سے آپ کی

تربیت فرمائی گئی اس سے آپ کی کامل استعداد نمایاں ہوگئی۔ پس جب استعداد بھی کامل ہے اور ادھر مبتداء فیاض بھی بخیل نہیں۔ بلکہ سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہے۔ پھر فیض علیہ میں کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے۔ اور عالم ہی نہیں بلکہ صاحب قلم بنا دیا۔ قلم ہی وسیع پیمانے پر علم کی اشاعت وترقی اور نسلاً بعد نسل علم کی حفاظت فرمانے کا اہم ذریعہ اللہ نے بنا دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر الہامی طور پر انسان کو قلم کا اور فن کتابت کا یہ علم نہ دیا ہوتا تو انسان علمی صلاحیتیں اور قابلیتیں ٹھٹھر کر رہ جاتیں اور اسے نشو ونما پانے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم کے خزانے منتقل ہونے اور مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقعہ ہی نہ ملتا۔ جس طرح مفیض اور مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ اور محمد کے مابین جبریل واسطہ ہے۔ اور جس طرح قلم کا واسطہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو۔ اسی طرح یہاں حقیقت جبریلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

اسباب علم:.........**علم الانسان مالم یعلم** اس میں قلم کے علاوہ دوسرے اسباب علم کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ یہ اسباب بالذات مؤثر نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقی اور مؤثر سبب دراصل وہ ذات ہے کہ جس کا علم ذاتی اور محیط ہے۔ اسے جو کچھ علم ملا ہے اللہ کے دیئے سے ملا ہے۔ ایک۔ بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے۔ پس وہی علیم وخبیر ایک امی کو عارف کامل، بلکہ عارفوں کا امام بنا سکتا ہے۔ یہاں تک یہ آیات سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ یہ پہلا تجربہ اتنا سخت تھا کہ حضورؐ اس سے زیادہ کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اس کے بعد سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں آپؐ کو نبوت کا فرض منصبی بتلایا گیا ہے۔ **کلا ان الانسان** یعنی انسان اپنی اصل حقیقت کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک جمے ہوئے خون سے بنایا گیا ہے اور جاہل محض تھا، خدا نے اسے علم دیا۔ مگر اپنے مال کی مستی میں اتنا مغرور ہو جاتا ہے۔ کہ سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ ابوجہل نے حضورؐ کو حرم میں نماز پڑھتے دیکھا، تو بولا کہ میں تمہیں بار بار اس سے منع کر چکا ہوں۔ آپؐ نے اسے جھڑک دیا۔ تو کہنے لگا کہ تمہیں معلوم نہیں میرے ساتھ کتنے لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اب کی بار اگر نماز پڑھتے دیکھا تو العیاذ باللہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ اس ارادہ سے بڑھا بھی مگر پھر رک گیا، بلکہ پیچھے ہٹ گیا، لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا، آگ کی خندق ہے، جس میں کچھ پردار چیزیں بھی نظر آرہی ہیں، آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے۔ اگر آگے بڑھتا تو اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالتے۔ اس پر یہ آیات اتریں۔ ان آیات میں **کلا** تین جگہ آیا ہے۔ پہلا مذمت کے لئے، دوسرا ڈانٹ ڈپٹ کے لئے اور تیسرا اس کی تاکید کے لئے۔ **ان راٰہ استغنی** یعنی دنیا کی مال و دولت، عزت ووجاہت سب اللہ کی دی ہوئی ہے۔ مگر انسان اس پر شکر گزار ہونے کے بجائے سرکشی کرتا ہے۔ **ان الی ربک الرجعی** اول بھی خدا نے پیدا کیا۔ اور آخر بھی اسی کے پاس جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلے گی۔ اور اس کا انجام معلوم ہوگا۔

مقام عبدیت سب سے ارفع ہے:.........**ارایت الذی** اس انسان کی سرکشی دیکھو کہ خود تو اپنے رب کریم کے آگے جھکنے کی کیا توفیق ہوتی۔ دوسرا بندہ بھی اگر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے تو اسے بھی روکتا ہے، ڈراتا دھمکاتا ہے۔ بندے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یہ ایک خاص انداز محبت ہے۔ جس سے حضورؐ کو نوازا گیا ہے۔ اس سے مقام عبدیت کی رفعت بھی معلوم ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ منصب نبوت پر سرفراز فرمانے کے ساتھ آپ کو نماز پڑھنے کا طریقہ بھی سکھلا دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس طریقہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی جس کو حدیث رسول کہا جاتا ہے۔ **ارأیت ان کان** بظاہر یہ خطاب عام ہے ہر منصف مزاج آدمی سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے ان دو آدمیوں کی متضاد حالتوں کو دیکھا؟ ایک وہ ہے جو خدا کی عبادت سے ایک بندہ کو روکتا ہے۔ حالانکہ وہ بندہ راہ راست پر ہے اور لوگوں کو خدا سے ڈراتا ہے اور برے کاموں

سے روکتا ہے اور پہلا شخص حق کو جھٹلاتا ہے اور اس سے روگردانی کرتا ہے بھلا بتلاؤ اگر اسے یہ احساس ہوتا کہ خدا اس بندہ کو بھی دیکھ رہا ہے۔ جو نیکی کرتا ہے اور حق کو جھٹلانے والے اور روگردانی کرنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے۔ تو کیا پھر بھی یہ روش اختیار کر سکتا تھا؟ کیونکہ ظالم کے ظلم کو اور مظلوم کی مظلومی کو دیکھنا بتلا رہا ہے کہ اللہ ظالم کو سزا دے گا اور مظلوم کی دادرسی کرے گا۔

ابوجہل کان کھول کر سن لے:............ **کلا لئن لم ینتہ** یعنی رہنے دو، یہ سب کچھ جانتا ہے پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو نہایت ذلت کے ساتھ سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جس سر پر بالوں کی یہ چوٹی اور لٹ ہے اور جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ گویا بال بال میں سرائیت کئے ہوئے ہیں۔

فلیدع نادیہ ابوجہل اپنی مجلس بُلا لے ہم بھی اس کی سرکوبی اور گوشمالی کے لئے اپنے سپاہی بلائے لیتے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے؟ چند روز نہیں گزرے کہ بدر کے معرکے میں اسلام کے سپاہیوں نے ابوجہل کی نعش کو گھسیٹ کر بدر کے گڑھے میں پھینک دیا اور اصل گھسیٹنا تو دوزخ میں ہوگا یہاں دنیا میں بھی اس کا نمونہ دکھلا دیا۔

نماز سب سے زیادہ قُربِ الٰہی کا ذریعہ ہے:............ **واسجد واقترب** یہ آخری آیت سجدۂ تلاوت ہے اور سجدہ سے مراد نماز ہے۔ یعنی آپ ہرگز کسی کی پرواہ نہ کیجئے۔ اور نہ کسی کی بات پر دھیان دیجئے۔ بے خوف وخطر اسی طرح نماز پڑھتے رہئے۔ جیسے اب تک پڑھتے آرہے ہو۔ جہاں چاہو شوق سے عبادت کرو۔ اور بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز رہو۔ تاکہ بیش از بیش قرابت خداوندی حاصل ہو۔ ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ کو بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اس وقت زیادہ قریب ہوتا ہے، جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ نیز مسلم کی روایت ابوہریرہؓ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تھے تو سجدۂ تلاوت فرماتے تھے۔ امام مالکؒ پر یہ روایات حجت ہیں۔ جو مفصلات میں سجدہ نہیں مانتے۔

خلاصۂ کلام:............ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات صحیح روایات اور اکثریت کے اتفاق سے سب سے پہلی وحی ہے جو حضورؐ پر غار حرا میں نازل ہوئی۔ آپؐ غار حرا کو اپنی خلوت نشینی اور عبادت کے لئے اس لئے منتخب کیا کہ کعبۃ اللہ جو مرکز تجلیات ربانی ہے ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ جو ایک مستقل قربت ہے۔ دوسرا حصہ **کلا** سے آخر سورت تک اس وقت نازل ہوا۔ جب آپؐ نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔ اور ابوجہل کی رگ جہالت پھڑ کی تھی۔ سورت کے پہلے حصہ میں جہاں علم کی فضیلت وبرتری معلوم ہو رہی ہے وہیں دوسرے حصہ سے مال ودولت کی رذالت وحقارت معلوم ہوتی ہے۔ نیز ایک طرف سورت کے شروع میں علم کی اہمیت پر اگر زور ہے تو آخر میں عمل وعبادت پر زور ہے۔ حضورؐ نے پہلی وحی نازل ہونے کے بعد اولین اظہار عبادت نماز ہی سے کیا تھا اور کفار کی مڈبھیڑ کا آغاز بھی اسی واقعۂ نماز سے ہوا تھا۔

فضائل سورت:............ **من قرأ سورة العلق اعطى من الاجر كانما قرء المفصل كله** جو شخص سورۂ علق پڑھے گا اس کو سورۂ حجر سے لے کر آخر تک پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔

لطائفِ سلوک:............ **واسجد واقترب** اس میں اشارہ ہے کہ سجدہ اصل روح خشوع متضرع اور مدار قرب ہے۔ اور کمال خشوع فنائیت ہے۔ پس فنائیت کا اصل مدار قریب ہونا معلوم ہوا۔

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ ايَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اَيِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا **فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾** اَيِ الشَّرَفِ وَالْعِظَمِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ يَامُحَمَّدُ **مَالَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾** تَعْظِيْمٌ لِّشَانِهَا وَتَعْجِيْبٌ مِّنْهُ **لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾** لَيْسَ فِيْهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ فَالْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنْهُ فِيْ اَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَتْ فِيْهَا **تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ** بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ **وَالرُّوْحُ** اَيْ جِبْرِيْلُ **فِيْهَا** فِي اللَّيْلَةِ **بِاِذْنِ رَبِّهِمْ** بِاَمْرِهٖ **مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾** قَضَاهُ اللّٰهُ فِيْهَا لِتِلْكَ السَّنَةِ اِلَى قَابِلٍ وَمِنْ سَبَبِيَّةٌ بِمَعْنَى الْبَاءِ **سَلٰمٌ هِيَ** خَبَرٌ مُقَدَّمٌ وَّمُبْتَدأٌ **حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾** بِفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِهَا اِلَى وَقْتِ طُلُوْعِهٖ جُعِلَتْ سَلَامًا لِكَثْرَةِ السَّلَامِ فِيْهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَاتَمُرُّ بِمُؤْمِنٍ وَّلَامُؤْمِنَةٍ اِلَّا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ

ترجمہ: .... ہم نے اس کو (قرآن کو ایک دم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) نازل کیا ہے شب قدر میں (جو عزت و بزرگی والی ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے (اے محمد آپ کو پتہ ہے) کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ (اس کی تعظیم شان اور تعجب کے لئے ہے) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (جن میں شب قدر نہ ہو لہٰذا شب قدر میں نیکی کرنا۔ ان ہزار مہینوں میں نیکی کرنے سے بہتر ہوگا۔ جن میں شب قدر نہ ہو؟ فرشتے اترتے ہیں (تنزل کی اصل میں دو تا تھیں۔ جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے) اور روح القدس (جبریل) اس (رات) میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (جو سال بھر کے لئے اللہ تعالیٰ نے طے کئے ہوتے ہیں۔ اور من سببیہ بمعنی با ہے) سراپا سلام ہے وہ (خبر مقدم ہے اور مبتداء آگے ہے) شب قدر طلوع فجر تک رہتی ہے (**مطلع لام** کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ وقت طلوع فجر رات کو سلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اس میں بکثرت سلام کرتے ہیں کسی مؤمن مرد وعورت پر ان کا گزر نہیں ہوتا مگر اس کو سلام کرتے ہیں)۔

تحقیق وترکیب: .... **مکیة او مدنیة** ابوحیانؒ اکثریت کی رائے مدنی ہونے کی کہتے ہیں اور ماوردیؒ کی رائے اس کے

برعکس ہے۔واحدیؒ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی سب سے پہلی سورت ہے۔اتقان میں اس کے متعلق دونوں قول ہیں۔لیکن اکثریت کا قول مکی ہونے کا ہے۔مدنی ہونے کی دلیل میں وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو امام ترمذیؒ نے حسن بن علیؓ سے نقل کی ہے۔

انزلناہ قرآن کے دو وصف ہیں۔ایک انزال دوسرے تنزیل، انزال ایک دم اترنے کو کہتے ہیں اور تنزیل تھوڑا تھوڑا اترنے کو۔مفسرؒ نے تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔غرض دفعی نزول شب قدر میں ہوا۔لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اور تدریجی نزول بیس، تیئس سال کی مدت میں ہوا۔نزول سے آپ کی مسرت ودلجمعی مقصود تھی اور تدریجی نزول سے امت کو سہولت دینی اور احکام کا واقعات پر مکمل طور پر منطبق کرنا تھا۔

لیلۃ القدر قدر کے معنی قابل قدر ہونے کے ہیں۔خواہ یہ زمانہ قابل قدر ہو یا اس میں نیک کام کرنے والے یا قرآن پاک نازل کرنے والی پاک ذات ہو۔اسی طرح قدر کے معنی تقدیر بھی ہو سکتے ہیں۔کہ اس شب میں سالانہ تقدیرات لکھی جاتی ہوں۔جو ازلی طے شدہ تقدیرات کے مطابق ہوتی ہیں۔لیلۃ القدر کا مصداق رمضان کے عشرۂ اخیر کی طاق راتیں ہیں۔یا ساتویں شب، اس بارہ میں چالیس سے زائد اقوال ہیں۔تقدیر کی طرح شب قدر کو بھی حکمت الٰہی کے پیش نظر مبہم رکھا گیا ہے۔کیونکہ تعیین کی صورت میں بے فکری پیدا ہو جاتی جو بے عملی کا سبب بنتی۔اس لئے اسرار الٰہی کو پردہ میں رکھا گیا ہے۔تاہم روایات اور امت کے تعامل کے پیش نظر ترجیح ستائیسویں شب کو ہے۔بعض نے بطور لطیفۂ علمی یہ کہا ہے کہ لفظ لیلۃ القدر میں نو حروف ہیں اور یہ لفظ تین بار آیا ہے۔اس طرح ستائیس کا اشارہ سورت سے نکل آتا ہے۔یہ عجیب بات ہے کہ تراویح اگر ایک ایک رکوع کے التزام کے ساتھ بیس رکعات پڑھی جائیں تو ستائیسویں شب کو قرآن پورا ہو جاتا ہے۔ہزار مہینوں سے مراد یا تو تکثیر ہے۔کیونکہ عرب میں الف سے زیادہ عدد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے اور یا اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کسی اسرائیلی مجاہد کا ذکر فرما رہے تھے۔کہ ایک ہزار مہینے تک وہ فی سبیل اللہ ہتھیار بند رہا۔اور بعض روایات میں اسی سال۔صحابہؓ کو بڑی حیرت ہوئی۔اور وہ اپنے مجاہدات کو اس عظیم مجاہدہ کے ساتھ حقیر سمجھنے لگے۔اس پر تسلی کے لئے شب قدر عطا کی گئی۔

الف شھر سے قمری حساب کی طرف اشارہ ہے جو عرب میں رائج تھا اور احکام شرع بھی اس سے وابستہ ہیں۔مفسرؒ نے ہزار مہینوں کو شب قدر سے اس لئے خالی فرض کیا ہے تاکہ تفصیل الٰہی علی نفسہ لازم نہ آئے۔

تنزل الملائکۃ فرشتوں کا عام طور سے اور روح القدس کا خاص طور سے اترنا زمین پر ہوتا ہے یا آسمان دنیا پر، اور یا مؤمنین سے قریب ہونا مراد ہے اور روح سے جبریل مراد ہیں یا فرشتوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق ہوگی۔من کل امر ایک قرأت کل امرئ ہے ای من کل انسان اور من کی دو صورتیں ہیں۔ایک تو وہی جو مفسرؒ نے بیان فرمائی ہے۔یعنی بقول ابو حاتمؒ من بمعنی با ہے جو تعدیہ کے لئے ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ من بمعنی لام ہے اور تنزل سے متعلق ہو۔ای تنزل من کل امر نفی انی العام القابل اور بعض کی رائے ہے کہ من کل امر کا تعلق تنزل سے نہیں۔بلکہ سلام ہی سے ہے۔لیکن اس میں یہ اشکال ہوگا سلام مصدر ہے اس کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ محذوف سے متعلق ہے۔جس پر یہ مصدر دلالت کر رہا ہے۔

شعبان کی پندرہویں شب کے متعلق بھی آیت لیلۃ مبارکۃ فیھا یفرق کل امر حکیم فرمایا گیا ہے۔وان الا جال تقطع من شعبان حتی ان الرجل ینکح ویولد وقد خرج اسمہ فی الموتیٰ دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ شعبان کی شب برات میں احکام کی تجویز ہوتی ہوگی اور شب قدر میں تنقید۔

سلام یعنی اس رات میں تمام تر سلامتی آتی ہے۔اور دوسری راتوں میں سلامتی اور بلا دونوں اترتی ہیں یا بقول مفسرؒ ملائکہ بکثرت

سلام بھیجتے ہیں۔ سلام کی دوترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام تسلیم ہو اور ھی کا مرجع ملائکہ ہو۔ ای الملائکۃ ذات تسلیم علی المؤمنین والمؤمنات اور دوسرے یہ کہ ضمیر لیلۃ القدر کی طرف راجع ہے اور سلام بمعنی سلامۃ ہو۔ ای لیلۃ القدر ذات سلامۃ من کل حزن پھر ان دونوں سورتوں میں سلام خبر مقدم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوا اور ھـــی مبتداء مؤخر مشہور بھی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بقول اخفشؒ سلام مبتداء ہو اور ھی اس کا فاعل اور بعض نے باذن ربھم پر کلام تام مانا ہے۔ اور من کل امر کا متعلق بعد کی عبارت سے ہے۔

مطلع الفجر مفسرؒ نے الیٰ وقت طلوعہ سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ غایت مغیا کی جنس سے ہو جائے فتحہ لام کی صورت میں مصدر میمی ہے اور کسرہ کی صورت میں اسم زماں ہے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر میں حق تعالیٰ سلامتی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر شیطانی عمل سے سالم رہتی ہے۔

ربط آیات:.........سورۃ والضحیٰ میں جن مہمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے قرآن کی حقانیت وعظمت بھی ہے۔ اس سورۂ قدر میں اسی کا بیان ہے۔ اس سورت کے مضمون سے مکی ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:.........عن مجاھد انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذکر رجلا کان یقوم اللیل حتی یصبح ثم یجاھد العدو بالنھار حتی فعل ذلک الف شھر فعجب المسلمون من ذلک فانزل اللّٰہ لیلۃ القدر خیر من الف شھر وفی المؤطا انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اریٰ اعمال الناس قبلہ فکانہ تقاصر امتہ عن ان لا یبلغوا من العمل مثل الذی بلغ غیرھم فی طول العمر فاعطاہ اللّٰہ لیلۃ القدر خیر من الف شھر، قال مالک انہ بلغہ ان سعید بن المسیب کان یقول من شھد العشاء بالجماعۃ من لیلۃ القدر فقد اخذ بحظہ منھا وروی من الطبرانی عن ابی امامۃ مرفوعا من صلی العشاء فی جماعۃ فقد اخذ بحظ من لیلۃ القدر ۔حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جبرئیل فرشتوں کے ساتھ شب قدر میں آتے ہیں اور جن کو نماز وذکر میں مشغول پاتے ہیں ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ خیر سے مراد بھی یہی ہے۔ نیز روایات میں توبہ کا قبول ہونا اور آسمان کے دروازوں کا کھلنا بھی آیا ہے۔

﴿تشریح﴾:.........سورۂ علق کی ابتدائی آیات میں جس وحی اور قرآن کے نازل ہونے کا ذکر تھا۔ اس سورت میں اس قرآن کریم کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ جانتے ہو یہ کیسی تقدیر ساز رات تھی۔ جس میں یہ جلیل القدر عظیم الشان کتاب نازل ہوئی اور کس نے نازل کی؟ ہم نے اتاری ہے۔ محمد رسول اللہ کی تصنیف یا ان کا طبع زاد کلام نہیں ہے۔ اس سے قرآن کی عظمت وشان وشوکت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ شب قدر کب ہوتی ہے اور قرآن کب نازل ہوا؟

قرآن کب اور کتنی مدت میں نازل ہوا؟:.........اس سلسلہ میں نزول قرآن سے متعلق ایک آیت تو یہی ہے۔ دوسری آیت سورۂ دخان کی ہے۔ انـزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ اور تیسری آیت سورۂ بقرہ کی شھـر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن ہے۔ اسی کے ساتھ یہ واقعہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ قرآن بیس یا تیئس سال کی مدت میں نازل ہوا۔ اور حضور کی وفات کے قریب تک وحی کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں باہمی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں آیات کا مصداق ایک ہی ہے۔ اور چونکہ شب قدر کا تعلق رمضان سے ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ اب رہ گئی تیئس سال والی مدت کی بات سو اس کی تطبیق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بقول ابن عباسؓ یہ کہ اس رات میں سارا قرآن ملائکہ وحی کے حوالہ کر دیا گیا۔ جس کو انزال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور

پھر حالات وواقعات کے مطابق وقتاً فوقتاً حضرت جبریلؑ کے ذریعہ آیات اور سورتیں آتی رہیں۔ اس طرح تیئس سال کی مدت میں قرآن پورا ہو گیا۔ جس کو تنزیل کہا جاتا ہے۔ امام شعبیؒ بھی ایک مطلب تو یہی لیتے ہیں اور دوسری تطبیق کی صورت آیات وسورتوں کی تالیف نہیں فرمانا تھا۔ جب کہ انہیں حضورؐ پر نازل کرنا ہوتا۔ بلکہ کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی ازل میں اللہ کا کلام مکمل تھا۔ شب قدر میں صرف یہ ہوا کہ پورا قرآن حاملین وحی کے حوالہ کر دیا گیا۔

شب قدر پر دو اشکال اور ان کا جواب:..........قدر کے معنی تعظیم کے ہیں اور بعض مفسرینؒ نے تقدیر کے معنی لئے ہیں یعنی اس رات میں تقدیر کے فیصلے متعلقہ فرشتوں کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ سورۂ دخان کی آیت **فیھا یفرق کل امر حکیم** میں اس کا ذکر ہے۔ اور ایک رات کا ہزار مہینہ سے بہتر ہونا اس کا درایتی نکتہ اور روایتی پہلو گزر چکا ہے۔ یہاں دو اشکال باقی رہ گئے ایک یہ کہ ان ہزار مہینوں یا بعض روایات کے مطابق بحذف کسر اسی سال میں بھی تو شب قدر ہوگی اور آیت کے مطابق وہ بھی ہزار مہینہ سے افضل ہونی چاہیئے۔ پس اس سے تو لا متناہی مقدار لازم آتی ہے۔ اس کا بے تکلف جواب وہی ہے جو مفسرؒ نے بیان فرمایا ہے کہ ان ہزار مہینوں میں شب قدر فرض نہ کی جائے۔ اس لئے تسلسل لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ ان ہزار مہینوں میں مضاعف نہ ہوگی۔ یہ جواب دوسرے مواقع پر بھی کار آمد ہو جائے گا۔ مثلاً: احادیث میں سورۂ یٰسین کا پڑھنا اس قرآن کے برابر یا سورۂ اخلاص کا ایک تہائی قرآن کے برابر ثواب ملنا آیا ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ دنیا کے مطالع ومغارب مختلف ہیں۔ اس لئے شب قدر بھی ہر جگہ مختلف ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا عذر نہیں کہ اس کی برکات کسی کو کسی وقت ملیں اور کسی کو کسی وقت۔ اور فرشتے بھی مختلف جگہ مختلف اوقات میں آئیں۔ آخر نماز روزوں میں اوقات اور تاریخ کا اختلاف کوئی بات نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام:..........سورۂ علق کی ابتدائی آیات کی طرح سورۂ قدر میں بھی قرآن کی عظمت واہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ عظیم المرتبہ کتاب ایک عظیم الشان شب میں نازل کی گئی ہے اور اس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ یہ محمدؐ کا کلام اور تصنیف نہیں ہے۔ شب قدر نام اس کے قابل ہونے کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ اس میں تقدیروں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ قسمتوں کا بگاڑ اور سنوار اس رات میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ قوموں اور ملکوں کی قسمت کا فیصلہ ہو یا افراد واشخاص کی۔ چنانچہ قرآن کا نزول ساری دنیا کی قسمت پلٹ کر رکھ دے گا۔ اور جہاں تک اس کے قابل قدر ہونے کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ رات ہزار مہینوں اور بعض روایات کے مطابق اسی سال سے زیادہ بہتر ہے۔ اس میں عبادات واعمال کا قیمتی ہونا تو ہے ہی۔ اہم بات یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں قرآن کے نزول کا فیصلہ وہ نادر فیصلہ ہے کہ ہزار مہینوں میں انسان کی بھلائی کے لئے وہ کام نہیں ہوا تھا جو اس رات میں کیا گیا۔ اس رات میں روح القدس اپنے رب کے حکم سے خیر اور بھلائی کی باتیں لے کر آتے ہیں۔ شام سے صبح تک سلامتی ہی کا سلسلہ رہتا ہے۔ اس میں شر کا دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ کے فیصلوں میں خیر ہی مقصود ہوتی ہے شر مقصد نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ کسی قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ بھی اگر ہوتا تو خیر کے لئے ہوتا ہے شر کے لئے نہیں۔

فضائل سورت:..........**من قرء سورة القدر اعطی من الاجر کمن صام رمضان واحی لیلة القدر** ترجمہ: جو شخص سورۂ قدر پڑھے گا۔ اسے رمضان کے روزوں اور شب قدر کا حق ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

لطائف سلوک:..........**لیلة القدر خیر من الف شھر** اس سے بہترین اوقات میں عبادت کا خاص اہتمام معلوم ہو رہا ہے۔ اہل طریق اس کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔ الا یہ کہ کوئی عارض پیش آ جائے۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ اَىْ عَبَدَةِ الْاَصْنَامِ عَطْفٌ عَلٰى اَهْلِ **مُنْفَكِّيْنَ** خَبَرُ يَكُنْ اَىْ زَائِلِيْنَ عَمَّاهُمْ عَلَيْهِ **حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ** اَىْ اَتَتْهُمُ **الْبَيِّنَةُ**﴿۱﴾ اَىِ الْحُجَّةُ الْوَاضِحَةُ **رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ** بَدَلٌ مِنَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً**﴿۲﴾ مِنَ الْبَاطِلِ **فِيْهَا كُتُبٌ** اَحْكَامٌ مَّكْتُوْبَةٌ **قَيِّمَةٌ**﴿۳﴾ مُسْتَقِيْمَةٌ اَىْ يَتْلُوْ مَضْمُوْنَ ذٰلِكَ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ **وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** فِى الْاِيْمَانِ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ**﴿۴﴾ اَىْ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ الْقُرْاٰنُ الْجَائِىْ بِهٖ مُعْجِزَةً لَّهٗ وَقَبْلَ مَجِيْئِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا مُجْتَمِعِيْنَ عَلَى الْاِيْمَانِ بِهٖ اِذَا جَاءَ فَحَسَدَهٗ مَنْ كَفَرَ بِهٖ مِنْهُمْ **وَمَآ اُمِرُوْٓا** فِىْ كِتَابِيْهِمِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ **اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ** اَىْ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ فَحُذِفَتْ اَنْ وَزِيْدَتِ اللَّامُ **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** مِنَ الشِّرْكِ **حُنَفَآءَ** مُسْتَقِيْمِيْنَ عَلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ وَدِيْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ فَكَيْفَ كَفَرُوْا بِهٖ **وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ** الْمِلَّةِ **الْقَيِّمَةِ**﴿۵﴾ الْمُسْتَقِيْمَةِ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَىْ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى **اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ**﴿۶﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ**﴿۷﴾ الْخَلِيْقَةُ **جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** اِقَامَةٌ **تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** بِطَاعَتِهٖ **وَرَضُوْا عَنْهُ** بِثَوَابِهٖ **ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهٗ**﴿۸﴾ خَافَ عِقَابَهٗ فَانْتَهٰى عَنْ مَعْصِيَتِهٖ تَعَالٰى

سورۂ بینہ مکیہ اور مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب میں سے (من بیانیہ) اور مشرکین (یعنی بت پرست۔ اس کا اھل پر عطف ہو رہا ہے) وہ باز آنے والے نہیں تھے (یہ خبر ہے یکن کی یعنی اپنی حالت چھوڑنے والے نہیں تھے) جب تک ان کے پاس واضح (روشن) دلیل نہ آ جائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول (یہ بینہ کا بدل ہے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) جو (باطل سے) پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں تحریریں (لکھے ہوئے احکام) ہیں راست (درست یعنی قرآن کا مضمون پڑھ کر سناتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور بعض کفر کرتے ہیں) اور نہیں فرقہ بندی کی اہل کتاب نے (آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے سلسلہ میں) مگر کھلی دلیل آنے بعد (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد یا قرآن پاک پیش کرنے کے بعد جو آپ کا ایک کھلا معجزہ ہے حالانکہ آپ کی آمد سے پہلے سب آپ پر ایمان لانے کو تیار رہتے۔ مگر کچھ لوگ حسد کے مارے آپ سے مکر گئے) اور ان کو (ان کی کتابوں تورات وانجیل میں) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں (یعبدوا ان یعبدوہ تھا۔ ان حذف کر کے لام زیادہ کر دیا گیا ہے) اپنے دین کو اس کے لئے (شرک سے) پاک کر کے بالکل۔ یکسو ہو کر (دین ابراہیم پر جمے رہیں اور حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کے دین پر، پھر کیسے اس سے پھر گئے) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں۔ اور یہی صحیح (درست) دین (طریقہ) ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً دوزخ کی آگ میں جائیں گے۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے (حال مقدرہ ہے اللہ کی طرف سے۔ اس میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے کی تجویز ہوگی) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے، وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے یہاں دائمی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا (اس کی فرمانبرداری اختیار کرنے کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اس کے بدلہ پر) یہ کچھ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے (اس کی سزا سے خائف رہے۔ اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **مکیۃ** ابن عباسؓ اس کو مکی اور جمہور مدنی مانتے ہیں۔

من اھل الکتاب من بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں ہے۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ اس سے بعض مشرکین کا کافر نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اہل کتاب سے مراد بقول ابن عباسؓ یہود مدینہ ہیں اور ان کا کافر ہونا آپ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہے۔ اپنی کتابوں اور نبیوں پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے نہیں۔ یا یہود ونصاریٰ دونوں کو صفات الٰہیہ میں الحاد کی وجہ سے کافر کہا گیا ہے۔

والمشرکین یہ عام ہے کیونکہ سب مشرک بت پرست تھے۔

منفکین اس کے خبر ہونے سے معلوم ہوا کہ **لم یکن** میں کان ناقصہ ہے **الذین کفروا** اس کا اسم ہے۔ اور **من اھل الکتاب** فاعل **کفروا** سے حال ہے۔ اور **کفروا** کو ماضی لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل کتاب پہلے سے کافر نہیں تھے۔ بعد میں ہوئے۔ برخلاف مشرکین کے وہ روز اول سے بت پرست کافر رہے ہیں۔

البینۃ مفسرؒ نے حجۃ نکال کر اشارہ کر دیا موصوف مقدر کی طرف۔

کتب قیمۃ مفسرؒ نے **یتلوا** کے مضامین سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے یا اسناد مجازی مانی جائے اور **یتلوا** کی نسبت حضور کی طرف ہے یا جبریل کی طرف ہے اور **صحف مطھرہ** کہنا اس لئے ہے کہ اس میں کہیں باطل کا گزر نہیں ہے یا اس لئے کہ اس کو ہاتھ لگانے کے لئے پاکی شرط ہے۔

وما تفرق مشرکین واہل کتاب میں کفر مشترک ہونے کے باوجود یہاں اہل کتاب کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ باوجود اہل

علم ہونے کے بگڑ گئے۔ اس لئے زیادہ ملامت کے مستحق ہیں یا اس کے برعکس یوں کہا جائے کہ جب اہل علم مستحق ملامت ہوئے تو مشرک جاہلین بدرجۂ اولیٰ مستوجب ملامت ہیں۔

لیعبدوا مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ لام بمعنی ان ہے۔ جیسے **یرید اللہ لیبین لکم** میں ہے۔ اب یہ اشکال نہیں رہا کہ لام غرض کے لئے ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے افعال غرض سے پاک ہیں اور یہ استثناء مفرغ ہے۔ ای ما امروا بشیٔ الا لعبادۃ اللّٰہ یا تقدیر عبارت اس طرح مانی جائے۔ ما امروا الشیٔ من الاشیاء الا لاجل عبادۃ اللّٰہ و طاعتہ یعنی احکام میں تبدیلی کردی اور نافرمانی اختیار کرلی۔

دین القیمۃ مفسرؒ نے ملۃ سے قیمہ کے موصوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاکہ **اضافت الشئی الیٰ صفتہ** لازم نہ آئے۔

فی نار جھنم جہنم کے مشترک عذاب کے باوجود ممکن ہے کہ ہر ایک کی نوعیت عذاب مشترک نہ ہو۔ بلکہ مختلف ہو۔

ھم شر البریۃ نافعؒ اور ابن ذکوانؒ نے **بریئہ** ہمزہ کے ساتھ بطور اصل پڑھا ہے۔ **جزاء ھم** یہ مبتداء ہے۔ **عند ربھم** حال اور" **جنات عدن** " خبر ہے۔ یہاں جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ **انقسام احاد علی الاحاد** کے لئے ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے جنت ہوگی۔ لیکن جمع کو حقیقۃً بھی لیا جاسکتا ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے متعدد جنتیں ہوں گی۔ جیسے آیات **ولمن خاف مقام ربہ جنتان. ومن دونھما جنتان** میں فرمایا گیا ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے چار چار جنتیں ہوں گی۔ جیسے **الحسنۃ بعشر امثالھا** فرمایا گیا ہے۔

خالدین فیھا اس کا عامل محذوف ہے ای ادخلوھا جزاء ھم کی ضمیر سے حال بنانا صحیح نہیں ہے ورنہ مصدر اور اس کے معمول میں فصل بالاجنبی لازم آجائے گا اس آیت کے کئی مبالغے جمع ہیں۔

(۱) **ھم خیر البریۃ** کے ذریعہ مدح کو مقدم کیا گیا۔

(۲) **جزاء** سے اعمال صالحہ کے بدلہ کو کہا گیا۔

(۳) **عند ربھم** کے ساتھ جزاء کو مقید کیا گیا۔

(۴) **جنات** کو جمع لایا گیا ہے۔

(۵) **عدن** کی طرف اضافت کی گئی۔

(۶) **تجری** کے ذریعہ جنت کی خوبی بیان کی گئی ہے۔

(۷) **خلود** اور تابید کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

(۸) اس کے بعد رضی اللہ فرما کر انتہائی انعام فرمایا گیا۔

لمن خشی ربہ خشیت ہی دراصل دین کی جڑ اور خیر پر ابھارنے والی صفت ہے۔

ربط آیات:............سورۂ والضحیٰ کی مہمات کی طرح سورۂ بینہ میں رسالت اور اس کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی مجازات کا بیان ہے۔ بعض مفسرینؒ کے نزدیک اس کا مکی ہونا جمہور کا قول ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مدنی ہونا جمہور کا قول ہے۔ حضرت عائشہؓ اس کو مکی اور ابن زبیر اور عطاء بن یسارؒ اس کو مدنی کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کے دونوں قول ہیں۔ اور ابوحیانؒ وغیرہ نے اس کے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے۔ سورۂ علق میں پہلی وحی کا بیان تھا اور سورۂ قدر میں اس کا نزول شب قدر میں بتلایا گیا اور اس سورت میں ارشاد ہوا کہ اس کتاب کے ساتھ صاحب کتاب کا بھیجنا کیوں ضروری ہوا۔ یا اس لحاظ سے سورتوں کی یہ ترتیب نہایت موزوں رہی۔

روایات:............عن انس بن مالک ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لابی بن کعب ان اللّٰہ امرنی اقرأ علیک لم یکن الذین کفروا فقال ابی سمانی لک قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نعم فبکی ابی فقراھا صلی اللّٰہ علیہ وسلم اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) اکابر کا اصاغر کو سنانا جیسا کہ اس کا برعکس سورۂ نساء کا عبداللہ بن مسعودؓ سے حضور کا سننا

معلوم ہوا تھا۔یعنی اصاغر کا اکابر کو سنانا (۲) اکابر کا اصاغر کو سنانے سے استنکاف نہ کرنا (۳) اہل حفظ وعلم کو خصوصی امتیاز بخشنا (۴) اس سے ابی بن کعبؓ کا شرف بھی معلوم ہوا کہ وہ مستحق عنایات والتفات ٹھہرے۔

﴿تشریح﴾:.......... یہود ونصاریٰ اور عرب کے بت پرست کفر میں مشترک ہونے کے باوجود یہاں الگ الگ ناموں سے ذکر کئے گئے ہیں۔اہل کتاب کے متعلق قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کے شرکیہ عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔تاہم ان کو مشرک کا نام نہیں دیا گیا۔جیسے کہ بت پرستوں کو مشرک کہا گیا ہے۔کیونکہ وہ اصل دین توحید ہی کو گردانتے تھے۔اور پھر برخلاف مشرک بت پرستوں کے کہ ان کو بطور اصطلاح مشرک کہا گیا۔کیونکہ وہ اصل دین شرک ہی کو قرار دیتے تھے اور توحید کے قطعی منکر تھے۔

بت پرست اور اہل کتاب میں نام اور احکام کا فرق:.......... اور ان دونوں گروہوں میں یہ فرق محض اصطلاح ہی کا نہیں بلکہ احکام شرع میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔چنانچہ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی مسلمانوں کے لئے حلال کہا گیا ہے۔جب کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں۔اسی طرح کتابیہ عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت ہے۔بشرطیکہ وہ واقعی اہل کتاب ہوں دہریہ نہ ہوں۔لیکن بت پرستوں کے ساتھ یہ امتیاز نہیں برتا گیا کیونکہ اصل دین کی بہت سی بنیادوں میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔توحید ورسالت، قیامت، مجازات، جنت وجہنم کو کسی نہ کسی درجہ میں مانتے تھے۔صرف دین اسلام کی مجموعی شکل اور پیغمبر اسلام کو نہیں مانتے تھے۔جس کی وجہ سے ان کو بھی کافر کہا گیا۔خواہ بت پرستوں کے مقابلہ میں نمبر دو کے ہی سہی۔

مراتب کفر بھی مراتب ایمان کی طرح مختلف ہیں:.......... گویا کفر وسیع معنی میں مستعمل ہے۔جس کے تحت مختلف صورتیں آجاتی ہیں۔ایک وہ شخص ہے جو سرے سے اللہ ہی کو نہیں مانتا۔دہریہ ہے۔ایک وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے مگر اسے اکیلا نہیں مانتا، اس کی ذات یا صفات میں اور ہستیوں اور قوتوں کو شریک کر کے کسی نہ کسی طرح ان کو بھی معبود گردانتا ہے۔کوئی اللہ کو ایک بھی مانتا ہے۔مگر کوئی چھوٹی شرکیہ صورت بھی اس کے ساتھ لگا دیتا ہے۔ایک وہ ہے جو خدا کو ہر طرح مانتا ہے مگر بتوں کا قائل نہیں ہے اور نہ ان کی ہدایتوں کو قبول کرتا ہے۔کوئی نبوت کو تو مانتا ہے مگر کسی نبی کا قائل، کسی کا منکر،ایک وہ ہے جو قیامت اور مجازات کو تسلیم نہیں کرتا،غرض یہ مختلف قسم کے کافر ہوئے۔بعض اکابر نے ہنود کو درجۂ احتمال میں اگر اہل کتاب کہا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مشرک اور کافر نہیں یا وہ متعارف اہل کتاب ہیں۔لہٰذا ان کی عورتوں سے شادی کی بھی اجازت ہونی چاہیئے۔کیونکہ بت پرستی کی صورت میں متعارف اہل کتاب بلکہ ملحدانہ عقائد کے رکھنے والے نام کے مسلمانوں کا بھی یہ حکم نہیں رہے گا۔پھر اکابر کے کلام کا اصل منشاء یہ ہے کہ اس احتمال کے ہوتے ہوئے کہ کسی زمانہ میں ان کو کتاب ملی ہوگی۔یا ان کے پاس نبی آئے ہوں گے۔ان کے مذہبی پیشواؤں کو برا نہ کہا جائے۔اور من اھل الکتاب میں من تبعیضیہ نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ بعض اہل کتاب کافر اور بعض غیر کافر ہیں۔بلکہ من بیانیہ ہے یعنی سب کافر تھے۔ہاں اگر کہا جائے کہ جن اہل کتاب نے حضورؐ کو نہیں مانا تھا۔صرف وہ اہل کتاب تھے تب من تبعیضیہ ہوسکتا ہے۔حتی تاتیھم البینۃ میں حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے سب ہی گمراہی کے گڑھوں میں گرے پڑے تھے۔ہر ایک اپنی غلطی پر نازاں تھا۔کسی حکیم دانشور،حکیم بادشاہ کے بس میں نہیں تھا کہ ان کو سدھار سکے ان کے اس کفریہ حالت سے نکلنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ عظیم الشان رسول ایک روشن دلیل اور اللہ کی پاکیزہ کتاب لے کر آئے اور راہ راست کو ان کے سامنے واضح اور مدلل طریقہ سے پیش کردے اور اپنی زبردست تعلیم اور

ہمت وعزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ دے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ رسول کریم اور کتاب مبین آجانے کے بعد وہ سب کفر سے باز آجائیں گے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اس کے بغیر کسی صورت سے اس حالت کو چھوڑ دینا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ اور آپ کے آجانے کے بعد بھی ان میں سے جو لوگ اپنے کفر پر قائم رہیں گے۔ اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہوگی۔ پھر شکایت نہیں کر سکیں گے۔ کہ اے اللہ! آپ نے ہماری ہدایت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سرور کائنات کو روشن دلیل کہنا اس معنی کو ہے کہ آپ کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ امی ہونے کے باوجود ایسی عجیب وغریب کتاب لائے۔ آپ کی تعلیم وتربیت سے آپ پر ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں عظیم انقلاب آیا۔ آپ کا بہترین اسوہ ہے۔ جس میں علم وعمل کی مکمل مطابقت ہے اور ہر قسم کی مخالفتوں کے باوجود انتہائی اولوالعزمی کے ساتھ اپنی دعوت پر ثابت قدم رہنا۔ یہ ساری باتیں آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی علامات تھیں۔ کتب قیمة اس سے علوم ومضامین عالیہ مراد ہیں۔ یعنی جو کتابیں پہلے آچکی ہیں۔ ان سب کے جزوی خلاصے قرآن پاک میں موجود ہیں اور صحیح ودرست ہیں یا قرآن کی ہر سورت کو ایک مستقل کتاب اور مضمون سمجھنا چاہئے۔ اور پاک صحیفوں کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی گمراہی اور اخلاقی گندگی کی آمیزش موجود نہیں ہے۔ چنانچہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان میں صحیح باتوں کے علاوہ ایسی باتیں بھی لکھی ہوئی ملیں گی۔ جو حق وصداقت پر پوری نہیں اترتیں، عقل سلیم اور فہم مستقیم سے ہٹی ہوتی ہیں۔ اور اخلاقی معیار سے بھی گری ہوئی ہیں۔ ان کا قرآن پاک کے ساتھ موازنہ کرنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کتنی پاکیزہ تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

اہل کتاب پر اتمام حجت ہو چکا ہے:......... وما تفرق الذین یعنی آنحضرت کی آمد سے پہلے یہ اہل کتاب مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اگر چہ اللہ نے اس وقت بھی ان کی رہنمائی کے لئے اپنی طرف سے روشن دلیل بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ مگر اپنی نفسانی خواہشات میں پڑ کر یہ گروہ بندی کا شکار ہو گئے۔ اس گمراہی کے وہ خود ذمہ دار تھے۔ خدا کی حجت ان پر تمام ہو چکی تھی۔ لیکن اب جب کہ ان کی کتابیں ان کی تحریفات کا شکار ہو چکی ہیں اور پاک صحیفے ان کے پاس محفوظ نہیں رہے اس لئے اللہ نے ایک روشن دلیل کی حیثیت سے اپنا رسول بھیج کر اور پاک صحیفوں کا صحیح مجموعہ پیش کر کے ان پر اپنی حجت تمام کر دی۔ اب بھی اس گروہ بندی میں اگر یہ پھنسے رہے تو اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہوگی۔ چنانچہ اہل کتاب کی مخالفت کسی شبہ کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ ضد نفسانیت اور حسد کی وجہ سے ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جس آخری پیغمبر کا انتظار کیا جا رہا تھا ان کہ آنے کے بعد اپنے سب اختلافات ختم کر کے سب ایک راستہ پر ہو لیتے مگر ہوا یہ کہ جو لوگ سادہ لوح اور حق کے طالب تھے وہ تو آپ پر ایمان لے آئے۔ مگر جن پر بدبختی کی مہر لگ چکی تھی وہ برابر ہٹ دھرمی سے مخالفت پر جمے رہے اور جب پڑھے لکھے اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکین کا کیا پوچھنا؟ حضرت شاہ عبد العزیز البینة سے حضرت مسیح مراد لے رہے ہیں کہ وہ کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ مگر یہود ان کے دشمن ہو گئے اور عیسائی بھی، دنیاوی اغراض میں پھنس کر الگ الگ فرقے ہو گئے۔ آخری پیغمبر اور آخری کتاب کے بعد بھی جن لوگوں کو توفیق نہ ہو کتنے ہی سامان ہدایت جمع ہو جائیں لوگ اسی طرح خسارہ میں پڑے رہتے ہیں بلکہ ایک قدم اور آگے۔ وما امروا یعنی ابراہیم حنیف کی طرح سب سے ہٹ کر ایک مالک حقیقی کے بندے بن جائیں اور ہر قسم کے باطل سے الگ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور کسی لحاظ سے بھی دوسرے کو خود مختار اور کارساز نہ سمجھیں نماز وزکوۃ میں لگ کر بدنی اور مالی عبادات سر انجام دیں۔ مگر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔ یہ تو اسی تعلیم کا خلاصہ ہے جو پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں نے پیش کی تھیں۔ مشرکین اگر چہ پہلی کتابوں کو نہیں مانتے

تھے۔ مگر ملت ابراہیمیہ کے دعویدار تھے۔ اس لئے ان پر بھی حجت قائم کی گئی ہے۔ ان الذین کفروا یعنی حضورؐ اور ان کی تعلیمات کا انکار خواہ علم کا پندار رکھنے والے اہل کتاب کریں یا جاہل مشرک سب کا انجام ایک دوزخ ہے جس سے کبھی چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ شر البریۃ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں وہ عقل نہیں رکھتے۔ پھر بھی مالک کے وفادار ہیں اور یہ عقل رکھتے ہوئے بھی مالک حقیقی سے منہ موڑے ہوئے ہیں اولئک کالانعام بل ھم اضل۔

اہل ایمان کے بہترین مخلوق ہونے کی وجہ:............ان الذین امنوا جولوگ تمام پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے اور بھلے کاموں میں لگے رہے وہ بہترین خلائق ہیں۔ حتی کہ فرشتوں سے بھی بازی لے جاتے ہیں۔ کیونکہ فرشتے نافرمانی کا اختیار نہیں رکھتے اور یہ اختیار رکھنے کے باوجود فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں اس لئے ان کو سدابہار جنتوں کے علاوہ اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی حاصل ہوگی جو ساری نعمتوں کی جان ہے وہ ہے تو سب کچھ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ ذلک لمن خشی ربہ یعنی یہ بلند مرتبہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف ان بندوں کا حصہ ہے جو دنیا میں قدم قدم پر اس بات سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارتے رہتے کہ کہیں کوئی ایسا کام ہم سے سرزد نہ ہوجائے جو خدا کے ہاں پکڑ کا موجب بنے اس لئے اس کی نافرمانی کے پاس تک نہیں جاتے۔

خلاصۂ کلام:............اس سورت میں پہلے پیغمبر اعظم کے بھیجنے کا بیان ہے۔ یعنی عرب اور ساری دنیا میں لوگ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک سب مبتلائے کفر وضلالت تھے۔ ان کا بری حالت سے نکلنا اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ ایک ایسا پیغمبر آئے جو بذات خود ایک روشن دلیل ہو اور لوگوں کے آگے خدا کی کتاب کو اصلی اور صحیح صورت میں پیش کرے۔ جو پاکیزہ تعلیمات پر مشتمل ہونے کی صورت میں باطل کی آمیزش سے پاک ہو۔ پھر آگے چل کر اہل کتاب کی برائیوں کو واشگاف کیا گیا۔ وہ مختلف راستوں میں اس لئے نہیں بھٹک رہے کہ ان کے پاس ہدایت نہیں آئی تھی۔ اللہ نے تو ان پر حجت پوری کردی تھی۔ مگر وہ خود ہی نفس کے پھندوں میں پھنس گئے۔ اب پھر اللہ نے سب پر کرم کیا اور آخری پیغمبر اور آخری کتاب بھیج کر حجت مکمل کردی۔ اب یہ بہکیں گے تو ان پر اور بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوگی۔ پہلے تمام پیغمبروں کی تعلیمات کا خلاصہ بھی وہی تھا۔ جس کی دعوت آپ دے رہے تھے کہ خالص اللہ کی بندگی کی جائے۔ نماز اور زکوۃ کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیا جائے۔ یہی صحیح طریقہ ہے۔ اور اس سے ہٹنے والے بھٹکنے والے ہیں۔ اس کے بعد آخری بات یہ ہے کہ جو اہل کتاب اور مشرک لوگ اب بھی نہیں مانیں گے۔ وہ بدترین خلائق ہیں۔ جن کی سزا ابدی جہنم ہے اور جولوگ ایمان وعمل صالح کو اپنائیں گے وہ بہترین خلائق ہیں۔ وہ ہمیشہ جنت بداماں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش اور ایسے خوش نصیب اللہ سے ڈرنے والے ہی ہوسکتے ہیں۔

فضائل سورت:............من قرء سورۃ لم یکن کان یوم القیامۃ مع خیر البریۃ مساء ومقیلا جوشخص سورۂ لم یکن پڑھے گا اسے قیامت کے دن بہترین مخلوق کے ساتھ رکھا جائے گا دوپہر اور شام یعنی ہر وقت۔

لطائف سلوک:............وما امروا اخلاص اور اس کے مراتب کی تکمیل میں یہ آیت نص ہے جس کو حقیقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رضی اللہ عنہم روح المعانی میں ہے کہ اس سے یہ اشارہ نکلا کہ آخرت کے انتہائی مرتبہ یعنی رضائے حق کے لئے خشیت ضروری ہے اور وہ موقوف ہے معرفت حق پر اس لئے وہ بھی ضروری ہوئی۔

سُوْرَةُ زُلْزِلَتْ مَكِّيَّةٌ اَوْمَدَنِيَّةٌ تِسْعُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ حُرِّكَتْ لِقِيَامِ السَّاعَةِ **زِلْزَالَهَا﴿۱﴾** تَحْرِيْكَهَا الشَّدِيْدَ الْمُنَاسِبَ لِعَظْمِهَا **وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴿۲﴾** كُنُوْزَهَا وَمَوْتَاهَا فَالْقَتْهَا عَلٰى ظَهْرِهَا **وَقَالَ الْاِنْسَانُ** الْكَافِرُ بِالْبَعْثِ **مَالَهَا﴿۳﴾** اِنْكَارًا لِتِلْكَ الْحَالَةِ **يَوْمَئِذٍ** بَدَلٌ مِنْ اِذَاوَجَوَابُهَا **تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴿۴﴾** تُخْبِرُ بِمَا عُمِلَ عَلَيْهَا مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اَنَّ **رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا﴿۵﴾** اَىْ اَمَرَهَا بِذٰلِكَ وَفِى الْحَدِيْثِ تَشْهَدُ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ بِكُلِّ مَاعَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا **يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ** يَنْصَرِفُوْنَ مِنْ مَّوْقِفِ الْحِسَابِ **اَشْتَاتًا** مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَخَذَ ذَاتُ الْيَمِيْنِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاَخَذَ ذَاتُ الشِّمَالِ اِلَى النَّارِ **لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ﴿۶﴾** اَىْ جَزَاءَ هَا مِنَ الْجَنَّةِ اَوِالنَّارِ **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ** زِنَةَ نَمْلَةٍ صَغِيْرَةٍ **خَيْرًا يَّرَهٗ﴿۷﴾** يَرَثَوَابَهٗ **وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴿۸﴾** جَزَاءَ هٗ

سورۂ زلزلت مکیہ یا مدنیہ ہے اس میں نوآیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:......... جب زمین ہلادی جائے گی (قیامت کی وجہ سے بھونچال آجائے گی) اپنی پوری شدت کے ساتھ (اپنی وسعت کے لحاظ سے سخت جنبش کرے گی) اور زمین کے اندر کے سارے بوجھ وہ نکال کر باہر ڈال دے گی (خزانوں اور مردوں کو اوپر اگل دے گی) اور انسان (قیامت کا منکر) بولے گا اسے کیا ہوا؟ اس روز (اذا کا بدل ہے اور اس کا جواب آگے ہے) وہ اپنے حالات بیان کرے گی (جو اچھے برے کام اس پر کئے گئے ان کی اطلاع دے گی) کیونکہ (اس وجہ سے کہ) آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (یعنی اس کو خبر دینے کو کہا جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ زمین شہادت دے گی ان اعمال کی جو کسی مرد وعورت نے اس پر کئے ہوں گے) اس روز لوگ پلٹیں گے (حساب کے مقام سے لوٹیں گے) مختلف جماعتیں ہوکر (مختلف سمتوں کی طرف دائیں اعمالنامے والے جنت کی طرف اور بائیں اعمالنامے والے دوزخ کی جانب) تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھلائے جائیں (یعنی ان کا بدلہ جنت یا جہنم) سو جس نے ذرہ (چھوٹی چیونٹی) برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے ثواب کو) دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر

بدی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے بدلہ کو) دیکھ لے گا۔

تحقیق وترکیب:............ **مکیۃ** عبداللہ بن مسعودؓ، عطاؒ اور جابرؓ کا قول ہے۔ لیکن عباسؓ اور قتادہؒ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔

زلزالھا اس سے حاصل مصدر یا مصدر مبنی للمفعول مراد ہے۔ تاکہ فعل مجہول کا یہ مفعول مطلق بن سکے۔ اس میں اضافت کی توجیہ بھی ہے۔ یعنی یہ زلزلہ زمین کی جسامت کے لحاظ سے نہایت سخت ہوگا۔ نفخۂ اولیٰ کے وقت یہ زلزلہ ہوگا یا نفخۂ ثانیہ کے وقت، یا یوں کہا جائے کہ جو بھی زلزلہ کی ممکنہ صورت ہوسکتی ہے یا جس کا تقاضہ حکمت الٰہی کرے گی۔ وہ ہو جائے گا۔ ایک قرأت زلزالھا فتحہ زاء کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ مصدر نہیں ہوگا۔ بلکہ حرکت کا نام ہوگا۔ نیز فعلال کا وزن مضاعف کے سوا نہیں آتا۔

اخرجت الارض جس طرح زمین کو درخت، گھاس اگانے کی طاقت دی گئی ہے۔ اسی طرح تمام اندرونی چیزوں کو اپنی سطح پر اگل دینے کی صلاحیت اس میں پیدا کر دی جائے گی۔

وقال الانسان اس سے کافر مراد ہے۔ کیونکہ مؤمن کی زبان پر تو ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون ہوگا اور کافر کی زبان پر ہوگا من بعثنا من مرقدنا تاہم مطلق انسان بھی مراد ہوسکتا ہے۔

تحدث اخبارھا تحدث کا مفعول اول الناس محذوف ہے اور اخبارھا مفعول ثانی ہے۔ حقیقۃً زمین بولے گی یا زبان حال سے مجازاً بولنا مراد ہے۔

یومئذ بدل ہے اور تحدث ناصب ہے اور اگر یومئذ بدل کے بجائے اصل ہو تو اذا کا ناصب مضمر ہوگا۔

بان ربك یہ اخبارھا سے بدل بھی ہوسکتا ہے اور لھا میں لام بمعنی الیٰ ہے یا اپنی اصل پر نفع کے لئے ہے گویا گنہگاروں کے گناہوں کی شہادت زمین دے گی۔

لیروا یہ معروف بھی پڑھا گیا ہے۔

یرہ یہ آیت یروا کی تفصیل ہے۔ اسی لئے ایک قرأت میں یرہ بھی ہے اور ہشامؒ سکون ھا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ کافر کی سزا میں اس کے نیک کاموں کی وجہ سے تخفیف ہو جائے۔ اسی طرح بڑے گناہوں سے بچنے والے مؤمن کے چھوٹے گناہوں کی وجہ سے ثواب میں کمی ہو جائے اور بعض کی رائے ہے کہ پہلا حصہ سعداء کے ساتھ اور دوسرا حصہ اشقیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور ذرۃ چھوٹی چیونٹی کے معنی ہیں اور ہوا کے ذرات کو بھی کہتے ہیں۔

ربط آیات:............ سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر تھا۔ ان میں مجازات وقیامت بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:............ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر پوچھا، جانتے ہو کہ زمین کے وہ حالات کیا ہیں۔ عرض کیا گیا اللہ ورسولہ اعلم فرمایا ہر بندے کے اعمال کی گواہی زمین دے گی۔ جو اس کی پیٹھ پر کئے گئے ہوں گے، وہ کہے گی اس نے فلاں فلاں دن کام کیا تھا۔ یہ زمین حالات بیان کرے گی۔ حضرت ربیعہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ذرا زمین سے بچ کر رہنا۔ کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے، اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے، اچھا ہو یا برا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قیامت کے دن زمین ہر عمل کو لے کر آئے گی جو اس کی پشت پر کیا گیا ہو۔ حضرت علیؓ جب بیت المال کا

سب روپیہ اہل حقوق میں بانٹ دیتے تو آخر میں دو نفل ادا کرتے اور زمین کو خطاب کر کے فرماتے تھے، گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کر دیا۔ (۱) حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ جب آیت **فمن یعمل مثقال الخ** نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اپنا عمل دیکھوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا یہ بڑے بڑے گناہ؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا اور یہ چھوٹے گناہ بھی؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا پھر تو میں مارا گیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اے ابوسعید! کیونکہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ ابوسعید خدریؓ چونکہ مدنی ہیں غزوۂ احد کے بعد یہ سن بلوغ کو پہنچے۔ اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سورت مدنی ہے، مگر صحابہ کرام اور حضرات تابعین کا جو طرز شان نزول کے سلسلہ میں رہا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے کسی صحابی کا یہ کہنا کہ یہ آیت فلاں موقعہ پر نازل ہوئی۔ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ اس کا نزول اسی وقت ہوا تھا۔ جس پر اس سورت کا مضمون اور انداز بیان بھی مکی سورتوں سے ملتا جلتا ہے۔

(۲) مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ آیت **فمن یعمل الخ** دو آدمیوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ ایک شخص ایسا تھا کہ اس کے پاس اگر کوئی سائل آتا تو وہ معمولی چیز دینے سے ہچکچاتا اور دوسرا آدمی معمولی گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔ اور کہا کرتا کہ دوزخ تو بڑے گناہوں کی وجہ سے ہوگی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں چھوٹی نیکی کی ترغیب اور چھوٹی برائی کی ممانعت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اتقوا النار ولو بشق تمرة فمن لم یجد فبکلمة طیبة اور صغائر سے بچنے کے لئے حضرت عائشہؓ کو فرمایا ایاك و محقرات الذنوب فان لها من الله طالبا۔

﴿تشریح﴾: .... زلزلہ کہتے ہیں بھونچال کو پے در پے زور سے حرکت کو، یعنی نفخۂ ثانیہ کے وقت حق تعالیٰ ساری زمین کو ہولناک اور سخت زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس سے کوئی عمارت، پہاڑ، درخت زمین پر نہیں رہ سکیں گے۔ سب نشیب و فراز برابر ہو کر میدان حشر ہموار اور صاف ہو جائے گا۔ اور قیامت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا کہ سارے انسان دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اور بعض مفسرینؒ اس کو نفخۂ اولیٰ یعنی قیامت کے پہلے مرحلے پر محمول کرتے ہیں۔ جب ساری مخلوق ہلاک ہو کر نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

زمین اپنے خزانے اور سب چیزیں قیامت کے دن اگل دے گی: .... **واخرجت الارض** سورۂ انشقاق میں فرمایا گیا ہے **والقت ما فیها وتخلت** زمین میں جو بھی ہوگا۔ انسان ان کے اعضاء و اجزاء اچھے، برے اعمال اور دفائن خزائن سب کچھ اگل کر رکھ دے گی۔ اور جس مال و دولت پر دنیا میں لڑائیاں کٹائیاں ہوا کرتی ہیں وہ یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔ کسی کو دھیان نہیں ہوگا اور معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر بے کار چیز ہے۔

وقال الانسان زندہ ہوتے ہی ہوش میں آنے کے بعد ہر شخص ہکا بکا ہو کر پکار اٹھے گا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ بعد میں اس پر یہ حقیقت کھلے گی کہ یہ تو میدان حشر بپا ہے اور انسان سے مراد منکر آخرت کافر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان سب باتوں کو ناممکن سمجھ کر مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اب یہ منظر دیکھ کر حیران و پریشان ہوگا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ ہو کیا رہا ہے؟ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں یا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں البتہ اہل ایمان پر دوسری کیفیت طاری ہوگی۔ ان کے سامنے جو کچھ نقشہ پیش ہو رہا ہوگا۔ وہ چونکہ ان کے عقیدہ اور یقین کے مطابق ہوگا، اس لئے انہیں طمانیت ہوگی۔

قیامت کے روز زمین عالمی خبریں نشر کرے گی:......... یومئذ تحدث یعنی انسان نے کچھ پہلے برے کام زمین پر رہ کر کئے ہوں گے وہ سب اترے پترے اگل دے گی۔ جتنے اعمال دنیا میں کئے گئے ان سب کا ریکارڈ زمین کی پلیٹ پر ریکارڈ ہو گیا ہوگا۔ وہ سب وقت پر کھول دیا جائے گا۔ کسی زمانہ میں تو زمین کا بولنا اور انسان کی کہانی بیان کرنا عجوبہ بنا ہوا تھا۔ لیکن آج سائنسی ایجادات اور علوم طبیعی کے انکشافات نے یہ مراحل آسان اور قابل فہم بنا دیئے ہیں۔ آخر انسان جو کچھ منہ سے نکالتا اور بولتا ہے وہ ہواؤں، دریائی لہروں، گھروں کے درودیوار، فرش اور فروش کے ذرے ذرے میں جذب ہوا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا۔ ان ساری آوازوں کو ٹھیک اسی طرح ان چیزوں سے دھروا سکتا ہے جس طرح وہ کبھی انسان کے منہ سے نکلی تھیں۔ اس وقت انسان اپنے کانوں سے سن کر صاف پہچان لے گا کہ یہ اسی کی اپنی آواز ہے۔ دنیا میں کوئی اپنی آواز نہ پہچان سکتا ہے اور نہ اپنی صورت ذہن نشین رکھ سکتا ہے مگر اس عالم کو اس عالم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں یہ سب کچھ ممکن ہوگا۔ اس کے سب جان پہچان والے بھی سمجھ جائیں کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں وہ اسی شخص کی آواز اور اسی کا لب ولہجہ ہے۔

زندگی کی ریل تیار ہو رہی ہے:......... آج انسان جہاں کہیں بھی جو کچھ کر رہا ہے اس کی تمام نقل وحرکت کا عکس اس کے گردو پیش کی تمام چیزوں پر پڑ رہا ہے اور اس کی تصویر ان پر نقش ہو رہی ہے۔ بالکل گھپ اندھیرے میں بھی جو کچھ کرتا ہے۔ خدا کی خدائی میں ایسی شعاعیں موجود ہیں جن کے لئے اندھیرا اجالا سب برابر ہے۔ ایکسرے مشین اور ریکارڈ مشین ہر جگہ لگی ہوئی ہے۔ وہ ہر حالت میں اس کی تصویر لے سکتی ہے۔ یہ ساری تصویریں قیامت کے دن متحرک صورت میں انسان کے سامنے آجائیں گی اور مکمل ریل پیش کر دی جائے گی۔ انسان دیکھ لے گا کہ وہ زندگی بھر کہاں، کیا کرتا رہا ہے؟ یوں سب کچھ اللہ جانتا ہے اس کے علم سے کائنات کے ذرہ بھی باہر نہیں ہے مگر آخرت کی سب سے بڑی عدالت جب قائم ہوگی تو انصاف کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں گے یہی وجہ ہوگی کہ ناقابل انکار اور قطعی صریح ثبوت سامنے آجانے کے بعد انسان دم بخود ہو کر رہ جائے گا۔

بلحاظ اعمال لوگوں کی ٹولیاں بنادی جائیں گی:......... یصدر الناس یعنی اس روز لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر ٹولیاں بن بن کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔ مثلاً یہ گروہ شرابیوں کا ہے۔ یہ گروہ زانیوں کا ہے۔ یہ گروہ چوروں اور ڈاکوؤں کا ہے اور یا یہ مطلب ہے کہ حساب کتاب سے فارغ ہو کر جب لوٹیں گے تو درجہ وار کچھ جماعتیں جنتیوں کی ہوں گی۔ جو جنت کی طرف رواں دواں ہوں گی اور اسی مرحلہ وار کچھ گروہ دوزخیوں کے ہوں گے جو دوزخ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص نفسانفسی میں مبتلا ہوگا۔ کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔ خاندان اور برادری کے لوگ سب تتر بتر ہو جائیں گے۔ ہر فرد اپنے غم میں پیا ہوا ہوگا۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

زندگی بھر کا کچا چٹھا سامنے آجائے گا:......... لیروا اعمالھم اعمال دکھلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے اعمال اپنے سامنے دکھلائی پڑیں گے اعمال، ایمان کی صورت میں متشکل ہوں گے تاکہ نیکوں کو سرخروئی اور بدوں کو رسوائی کا سامنا ہو یا عمال کا دکھلانا ان کا مکمل استحضار کرانا ہے کہ ہر شخص پورے یقین اور وثوق سے سمجھ جائے گا کہ یہ میرے ہی کئے ہوئے کام ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ثمرات ونتائج سامنے نظر آجائیں گے۔ فمن یعمل یہ لیروا اعمالھم کی تفصیل ہے یعنی کسی آدمی کی کوئی ذرہ بھر نیکی یا بدی ایسی نہیں ہوگی۔ جو نامۂ اعمال میں درج ہونے سے رہ گئی ہو۔ لیکن اعمال دیکھنے کا مطلب اگر اعمال کی جزاء اور سزاء کا دیکھنا ہو تو پھر بقول قاضی بیضاویؒ اس تفصیل کا یہ مطلب لینا صحیح نہ ہوگا۔ کہ آخرت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی جزا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بدی کی سزا ہر شخص کو دی جائے گی۔ اس طرح وہاں کوئی شخص بھی اپنی کسی نیکی کی جزاء سے اور کسی بدی کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ پھر تو اس کے معنی

یہ ہوں گے کہ ایک ایک اچھے عمل کی جزا اور ایک ایک برے کام کی سزا الگ الگ مل کر رہے گی۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا صالح مؤمن بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کی سزا پانے سے نہ بچ سکے گا۔ اور کوئی بدترین ظالم و کافر اور بدکار انسان بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے اچھے فعل کا اجر پائے بغیر نہیں رہے گا۔

علامہ زمخشریؒ پر قاضی بیضاویؒ کا رد:............ حالانکہ یہ دونوں باتیں قرآن وحدیث کی تصریحات کے تو خلاف ہیں ہی عقل کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ کون سی عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ کا ایک نہایت وفادار خدمت گزار خادم ہو۔ مگر آپ اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کو بھی معاف نہ کریں۔ بلکہ اس کی ایک ایک خدمت پر انعام واکرام کے ساتھ اس کے ایک ایک قصور کو گن گن کر ہر ایک کی سزا بھی دیں۔ اسی طرح یہ بھی بات قابل فہم نہیں کہ آپ کا پروردہ شخص جس پر آپ کے بے شمار احسانات ہوں وہ آپ سے غداری اور بے وفائی کرے اور آپ کے احسانات کا جواب نمک حرامی ہی سے دیتا رہے مگر آپ اس کے مجموعی رویہ کو نظر انداز کر کے اس کی ایک ایک غداری کی سزا الگ، اور اس کی ایک ایک معمولی ہی سہی، خدمت کا صلہ الگ دیں، علامہ زمخشریؒ اور ان کے رفقاء معتزلہ اپنی عقلمندی کے زعم میں ان حقائق تک رسائی نہیں پا سکے۔ بیضاویؒ نے اس کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر نیکی اور بدی کے ثمرات دیکھ لے گا۔ بشرطیکہ اس وقت تک وہ نیکی اور بدی باقی رہی ہو۔ ورنہ اگر کفر کی وجہ سے وہ خیر فنا ہو چکی ہو۔ یا تو بہ اور ایمان سے وہ شر زائل ہو چکا ہو وہ اس کلمہ میں داخل ہی نہیں۔ کیونکہ وہ خیر خیر نہ رہی اور وہ شر شر نہ رہا۔ اور جب حکم کا مدار ہی نہ رہا تو حکم ہی ثابت نہ ہوگا۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت کا ماحصل مرنے کے بعد دوسری زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ جب انسان کا کچا چھٹا اس کے سامنے آجائے گا۔ اور وہ اعمال کے ہو بہو سامنے آنے سے ہکا بکا رہ جائے گا۔ اور کسی ایک بات کا بھی انکار نہیں کر سکے گا۔ اور یہ زمین جس پر انسان نہایت بےفکری اور آزادی سے دندناتا پھرتا ہے۔ اس کے وہم وگمان میں کبھی بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ بے جان چیز اور بے عقل چیز کسی وقت اس کی ہر نقل وحرکت کی گواہی دے گی۔ اور ہر انسان کی پوری سرگذشت کی بولتی فلم پیش کرے گی۔ آگے چل کر ارشاد ہے کہ زمین کے چپہ چپہ سے لوگ گروہ در گروہ اپنے مرقدوں سے نکل نکل کر آئیں گے۔ اور ان کی ٹولیاں بن کر پیش ہوں گے۔ یا ہر شخص انفرادی طور پر بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگا۔ عزیز واقرباء سب منتشر ہوں گے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اور لوگوں کے اعمال اور نتائج دکھلا دیئے جائیں گے۔ اور عدالت عالیہ میں ایسی مکمل ومفصل روئیداد پیش ہوگی، کہ ذرہ برابر نیکی یا بدی پیش ہونے سے نہیں رہ جائے گی۔ اور ہر ایک کے ثمرات بھی دیکھ لے گا، بشرطیکہ اس وقت تک وہ خیر وشر باقی رہی ہو۔

فضائل سورت:............ من قرء سورة اذا زلزلت اربع مرات كان كمن قرأ القران كله جو شخص سورۂ اذا زلزلت چار مرتبہ پڑھے گا۔ اس کو پورے قرآن کے برابر سمجھا جائے گا۔

لطائف سلوک:............ یومئذ تحدث اس سے صاف معلوم ہوا کہ جمادات بھی بولتے ہیں۔ اور بولنا عادۃً حیات وادراک پر موقوف ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں باتیں بھی جمادات میں ثابت ہوئیں اور دوسری نصوص کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں بولنے اور حیات وادراک کا صرف اظہار ہوگا۔ ورنہ اب بھی ان میں یہ چیزیں موجود ہیں۔

سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ

سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ اَوْمَدَنِیَّۃٌ اِحْدٰی عَشَرَۃَ اٰیَۃً

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعٰدِیٰتِ الْخَیْلِ تَعْدُوْا فِی الْغَزْوِ وَتَضْبَحُ **ضَبْحًا﴿۱﴾** ھُوَ صَوْتُ اَجْوَافِھَا اِذَا عَدَتْ **فَالْمُوْرِیٰتِ** الْخَیْلِ تُوْرِی النَّارَ **قَدْحًا﴿۲﴾** بِحَوَافِرِھَا اِذَا سَارَتْ فِی الْاَرْضِ ذَاتِ الْحِجَارَۃِ بِاللَّیْلِ **فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا﴿۳﴾** اَلْخَیْلُ تُغِیْرُعَلَی الْعَدُوِّ وَقْتَ الصُّبْحِ بِاِغَارَۃِ اَصْحَابِھَا **فَاَثَرْنَ** ھَیَّجْنَ **بِہٖ** ھَیَّجْنَ بِمَکَانِ عَدْوِھِنَّ اَوْبِذٰلِکَ الْوَقْتِ **نَقْعًا﴿۴﴾** غُبَارًا بِشِدَّۃِ حَرَکَتِھِنَّ **فَوَسَطْنَ بِہٖ** بِالنَّقْعِ **جَمْعًا﴿۵﴾** مِنَ الْعَدُوِّ اَیْ صِرْنَ وَسْطَہٗ وَعَطَفَ الْفِعْلُ عَلَی الْاِسْمِ لِاَنَّہٗ فِیْ تَاوِیْلِ الْفِعْلِ اَیْ وَاللَّاتِیْ عَدَوْنَ فَاَوْرَیْنَ فَاَغَرْنَ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** اَیِ الْکَافِرِ **لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ﴿۶﴾** لَکَفُوْرٌ یَجْحَدُ نِعْمَۃَ تَعَالٰی **وَاِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ** اَیْ کُنُوْدِہٖ **لَشَھِیْدٌ﴿۷﴾** یَشْھَدُ عَلٰی نَفْسِہٖ بِصَنِیْعِہٖ **وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ** اَیِ الْمَالِ **لَشَدِیْدٌ﴿۸﴾** اَیْ لَشَدِیْدُ الْحُبِّ لَہٗ فَیَبْخَلُ بِہٖ **اَفَلَایَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ** اُثِیْرَ وَاُخْرِجَ **مَافِی الْقُبُوْرِ﴿۹﴾** مِنَ الْمَوْتٰی اَیْ بُعِثُوْا **وَحُصِّلَ** بُیِّنَ وَاُفْرِزَ **مَافِی الصُّدُوْرِ﴿۱۰﴾** اَلْقُلُوْبِ مِنَ الْکُفْرِ وَالْاِیْمَانِ **اِنَّ رَبَّھُمْ بِھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ﴿۱۱﴾** لَعَالِمٌ فَیُجَازِیْھِمْ عَلٰی کُفْرِھِمْ اُعِیْدَ الضَّمِیْرُ جَمْعًا نَظَرًا لِمَعْنَی الْاِنْسَانِ وَھٰذِہِ الْجُمْلَۃُ دَلَّتْ عَلٰی مَفْعُوْلِ یَعْلَمُ اَیْ اِنَّا نُجَازِیْہِ وَقْتَ مَاذُکِرَ وَتَعَلَّقَ خَبِیْرٌ بِیَوْمَئِذٍ وَھُوَتَعَالٰی خَبِیْرٌ دَائِمًالِاَنَّہٗ یَوْمُ الْمُجَازَاۃِ

ع ۱۱ / ۲۵

ترجمہ: ……… قسم ہے ان گھوڑوں کی جو (جہاد میں دوڑتے اور پھنکارے مارتے ہیں) ہانپتے ہیں (گھوڑا دوڑنے کے وقت جو آواز اس کے اندر سے نکلتی ہے) پھر ٹاپوں سے (وہ گھوڑے آگ کی) چنگاریاں جھاڑتے ہیں (اپنے کھروں سے رات کے وقت پتھریلی زمین پر چلتے ہوئے) پھر صبح کے وقت تاخت وتاراج کرتے ہیں (گھوڑے اپنے سواروں کے ساتھ شب خون مارتے ہوئے) پھر اڑاتے ہیں۔ وہاں (اس جگہ یا اس وقت) گردوغبار (گھوڑ دوڑ سے دھول) پھر اسی (گردوغبار کی) حالت میں کسی مجمع کے اندر جا گھستے ہیں (دشمن کے یعنی ان کے بیچ میں گھستے چلے جاتے ہیں اور فعل کا اسم پر عطف ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ اسم فعل کی تاویل

نہیں ہے۔عبارت اس طرح ہوجائے گی۔ والـلاتـی عـدون فاورین فاغرن) حقیقت یہ ہے کہ انسان (کافر) اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے(اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے) اوراس کو خود اس (ناشکری) کی خبر ہے (اپنے کرتوت سے اپنے اوپر گواہ ہے) اور وہ مال ودولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے (مال سے انتہائی محبت رکھتا ہے اس لئے بخل کرتا ہے) کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا۔ جب نکال لیا جائے گا (اکھاڑ، برآمد کرلیا جائے گا) قبروں میں جو کچھ ہے (یعنی مردے ان کو زندہ کر کے اٹھا دیا جائے گا) اور آشکارا (ظاہر اور واضح) ہوجائے گا۔ جو کچھ دلوں میں ہے (کفر وایمان) یقیناً ان کا رب اس روز ان سے باخبر ہوگا (لہٰذا ان کے کفر کی سزا دے گا۔جمع کی ضمیریں انسان کی طرف بلحاظ معنی کے ہیں۔ یہ جملہ یعلم کے مفعول پر دلالت کررہا ہے۔ای انـا نجازیہ وقت ما ذکر اور خبیر کا تعلق یو مئذ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ وہ بدلہ کا دن ہے۔ اگرچہ اللہ کا باخبر ہونا دائمی ہے)۔

تحقیق وترکیب: ....مـکـیة ابن مسعودؓ وغیرہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔اور ابن عباسؓ وغیرہ کے نزدیک مدنی ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ آنحضرتؐ نے کہیں گھوڑے روانہ کئے۔ لیکن ایک مہینہ گزر گیا کہ ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔تب یہ سورت نازل ہوئی۔ جس میں ان کے حال کی طرف اشارہ ہے۔

والعدیت عادیہ کی جمع ہے۔تیز گام۔ جہاں اللہ نے تین قسمیں کھا کر مقسم بہ کی تعظیم اور مقسم علیہ کی تشنیع ظاہر کی ہے۔

ضـبـحـا مفسرؒ نے فعل محذوف ناصب کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور **عـادیـات** کے ذریعہ بھی یہ منصوب ہوسکتا ہے کیونکہ دلالت التزامی کے ساتھ اس کے معنی ضابحات ہی کے ہیں یا اس کو حال کی وجہ سے منصوب مانا جائے ضابحۃ ۔

فـالموریٰت ایراء کے معنی چنگاری جھاڑنے کے ہیں اور قدح کے معنی مارنے کے ہیں۔کہا جاتا ہے قـدح الزند فاوری گھوڑوں کی ٹاپ سے شرارے اٹھنا مراد ہیں۔اس کے اعراب میں بھی پہلی صورت جاری ہوگی ای یـقـدح قدحا اگرچہ بظاہر **قدحا موریٰت** سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ایراء قدح پر دلالت کرتا ہے۔اور تمیز کی وجہ سے بھی نصب ہوسکتا ہے۔

فالمغیرات اغارہ کے معنی غارت گری، لوٹ مار کرنا۔

فـاثرن بمعنی برانگیختہ کرنا **بہ** کی ضمیر ضـبـحـا کی طرف راجع ہے باظرفیہ ہے لیکن اگر اغارۃ کی طرف ضمیر راجع کی جائے تو باسببیت یا ملابست کے لئے ہوگی۔اور چونکہ **عـادیـات ،مـوریٰت ،مغیرات** باوجود اسماء ہونے کے فعل کی تاویلات میں ہیں۔جیسا کہ مفسرؒ علام نے اشارہ فرمادیا ہے۔اس لئے **وسـطـن** اور **اثـرن** افعال کا عطف باعث اشکال نہیں رہا۔ان اسماء پر الف، لام موصولہ ہے۔ان قسموں کے متعلق یہ بھی ممکن ہے کہ نفس کی تین حالتوں کی قسمیں کھائی گئی ہوں۔قاضیؒ بیضاوی کی عبارت یہ ہے۔ویحتمل ان یـکـون الـقسم بالنفوس العادیة اثر کمالهن الموریات بافکارهن انوار المعارف والمغیرات علی الهوٰی والعادات اذا لـظهرلهن مبتدأ انوار القدس فاثرن به نقعا فوسطن به جمعا من جموع الغلمین لکنود بمعنی کفور کندالنعمة کنودا سے ماخوذ ہے اور لغت کندہ میں اس کے معنی نافرمان کے اور بنی مالک کے لغت میں بخیل کے معنی ہیں۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔حدیث میں آتا ہے۔الکنود الذی یاکل وحدہ ویمنع رفدہ ویضرب عبدہ ۔ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں الهلوع والکنود هو الذی اذا مسه الشر جزوعا واذا مسه الخیر منوعا ۔

وانہ ضمیر کا مرجع انسان ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے، اس صورت میں وعید ہوگی۔

لحب الخیر مال اگرچہ خبیث ہوتا ہے۔مگر طاعت وعبادت میں معین ہونے کی وجہ سے اس کو خیر کہا گیا۔

اذا بعثر ایک قرأت بحثر اور بحث بھی ہے۔

حصل بقول امام راغب تحصیل کے معنی چھلکے سے مغز کو اور بھوسہ سے دانے کو اور سونے کو کان سے نکالنے کے لیتے ہیں۔
فی الصدور قلبیہ کی تخصیص اصل ہونے کی وجہ سے ہے۔
یومئذ لخبیر حق تعالیٰ ہمہ وقت ہر چیز سے اگرچہ واقف ہیں۔لیکن قیامت کی تخصیص اعمال کے بدلہ کی وجہ سے ہے۔

ربط آیات: .... منجملہ سورۂ والضحیٰ کی مہمات کے برے کاموں سے بچنا بھی ہے۔سورۂ والعٰدیٰت میں برائیوں کی برائی اور ان کی سزا کا ذکر ہے۔اس کا مکی مدنی ہونا مختلف فیہ ہے۔ابن مسعودؓ، جابرؓ، حسن بصریؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ تو مکی کہتے ہیں۔انسؓ، مالکؒ اور قتادہؒ مدنی مانتے ہیں۔حضرت ابن عباسؓ سے دونوں قول ہیں۔مگر مضمون سورت سے مکی ہونا راجح معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ ابتدائی دور سے متعلق ہوگی، وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: .... والعٰدیٰت دوڑنے والوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں۔اور بعض حضرات دوڑنے والے اونٹ مراد لیتے ہیں۔لیکن اگلے الفاظ سے یہی نکلتا ہے کہ دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں اور یوں بھی عرب جنگ پسند ہونے کی وجہ سے تیز رو گھوڑوں کو عزیز رکھتے تھے۔

فالموریٰت رات کے وقت گھوڑوں کی ٹاپوں سے شب خوں مارنے کے وقت شرارے اور چنگاریاں جھڑتی تھیں۔ شب خوں صبح کے جھرمٹ کے اندھیرے میں ہوتا تھا۔فوسطن بہ جمعا وہ گھوڑے اتنے جری اور دلیر ہیں کہ بےخوف وخطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ان آیات میں جہاں گھوڑوں کی قسموں کا احتمال ہے وہیں یہ ممکن ہے کہ مجاہدین اور فوجی رسالوں کی قسمیں کھائی گئی ہوں۔

شریف گھوڑے کو ایک چابک اور شریف انسان کو ایک بات کافی ہے: .... لکنود۔ یہ ہے وہ بات جس پر گھوڑوں یا مجاہدین کی قسمیں کھائی گئی ہیں یعنی جہاد میں مجاہدین کی سرفروشی اور جان بازی بتلائی گئی ہے کہ شکر گزار و فادار ایسے ہوا کرتے ہیں۔لیکن جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور مال ودولت کو خرچ نہیں کرتا۔وہ پرلے درجے کا ناشکرا اور نالائق ہے۔بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور ان کی بےشمار نعمتوں سے دن رات فائدے اٹھاتے ہیں۔پھر اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل وحقیر ہیں۔ایک شریف گھوڑے کو مالک گھاس اور کچھ دانہ دنکا کھلا دیتا ہے۔تو وہ اتنی سی بات پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر ہی دوڑ جاتا ہے۔اور ہانپتا ہوا۔ٹاپیں بھرتا ہوا، غبار اڑاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بےتکلف گھس جاتا ہے۔گولیوں کی بارش میں اور سنگینوں اور تلواروں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا۔بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔کیا انسان نے ان گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا پالنے والا بھی مالک ہے۔جس کی وفاداری میں اسے جان ومال سے تیار رہنا چاہیئے۔یہ انسان کی کتنی ناشکری ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے سے بھی وفاداری میں گیا گزرا ہے۔

انسان خود اپنی حالت پر گواہ ہے: .... وانہ علی ذلک لشہید انسان کا ضمیر خود اس کی اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ذرا بھی کسی کے ضمیر میں احساس اور دل زندہ ہو تو اسے اندرونی آواز سے اپنا ناسپاس ہونا واضح ہو جائے گا۔اور وانہ کی ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ انسان کے احسان ناشناسی اور کفران نعمت کو دیکھتا ہے اور بعض نے یہ مفہوم لیا ہے

کہ گھوڑوں کی جاں نثاری اور وفاداری سب انسان کے سامنے ہے۔ لحب الخیر لشدید مال میں خیر وشر کے دو پہلوؤں میں سے یہاں خیر کے پہلو کو ترجیح دی ہے۔ یعنی لالچ اور مال کی محبت نے انسان کو اتنا اندھا کر دیا ہے اور مال وزر کی محبت میں اتنا گرفتار ہے کہ سچے اور حقیقی مالک کو بھی بھلا بیٹھا ہے اور نہیں سمجھتا کہ آگے اس کا انجام کیا ہوگا۔

انسان پر تب حقیقت کھلے گی جب عالم حقائق سامنے آئے گا:............ افلا یعلم وہ وقت بھی آنے والا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کیے جائیں اور دلوں میں جو باتیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ مال کتنا کام آتا ہے؟ اور ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر جائیں گے۔ اگر یہ بے حیا اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہو کر اس طرح کی حرکتیں نہ کرتے۔ ہر چند کے اللہ تعالیٰ کا علم بندے کے ظاہر و باطن کو ہر وقت اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ لیکن قیامت کے دن ہر شخص پر کھل جائے گا اور کسی کو مجال انکار نہ رہے گی۔ اور اس وقت یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ فیصلہ صرف ظاہر کو دیکھ کر نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ دلوں کے چھپے ہوئے رازوں کو بھی نکال کر دیکھا جائے گا۔ دنیا کی کسی عدالت میں ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ جن کی مدد سے نیت کی صحیح تحقیق ہو سکے۔ صرف خدا ہی کی عدالت عالیہ ہوگی۔ جہاں انسان کے ہر ظاہری عمل کے پیچھے جو باقی محرکات رہے ہیں۔ ان کی بھی پوری جانچ ہوگی۔ اور جچا تلا فیصلہ کیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت کا ماحصل انسان کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ آخرت کا انکار کر کے اور اس سے غافل ہو کر کیسی اخلاقی پستی میں گھر جاتا ہے۔ اور مال کی محبت میں متوالا بن کر اپنے سچے مالک کی وفاداری اور شکر گزاری سے منہ موڑ لیتا ہے۔ گھوڑا مالک کی احسان شناسی میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔ اور سوار کی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر انسان اس سے بھی گیا گزرا ہے اور اس پر بھی انسان کو خبردار کیا گیا ہے کہ آخرت میں صرف ظاہر ہی پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اندر کے اترے پترے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔ آخر انسان ہے کس ہوا میں؟ اللہ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

فضائل سورت:............ من قرء سورة والعاديات اعطي من الاجر عشر حسنات بعدد من بات بالمزدلفة وشهد جمعا. جو شخص سورۂ والعادیات پڑھے گا اسے ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ جو مزدلفہ اور جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

لطائف سلوک:............ ان الانسان لربه لكنود اس میں انسان کی طبعی خاصیت کا ذکر ہے۔ اگرچہ جس پر اللہ کا فضل ہو وہ اس کے مقتضی پر عمل نہیں کرتا۔ اور بقول عصامؒ مجاہدین کے ذیل میں اس کا لانا مجاہدین کی اس میں تعریف کا پہلو ہے کہ خلاف طبع سعی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان میں طبعی موانع رکھے ہوئے ہیں۔ جن سے اس کو زیادہ اجر ملتا ہے۔

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ﴿۱﴾ اَيِ الْقِيَامَةُ الَّتِىْ تَقْرَعُ الْقُلُوْبَ بِاَهْوَالِهَا **مَا الْقَارِعَةُ﴿۲﴾** تَهْوِيْلٌ لِّشَانِهَا وَهُمَا مُبْتَدَاً وَّخَبَرٌ خَبَرُ الْقَارِعَةِ **وَمَآ اَدْرٰكَ** اَعْلَمَكَ **مَا الْقَارِعَةُ﴿۳﴾** زِيَادَةُ تَهْوِيْلٍ لَهَا وَمَا الْاُوْلٰى مُبْتَدأٌ وَمَا بَعْدَهَا خَبَرُهٗ وَمَا الثَّانِيَةِ وَخَبَرُهَا فِىْ مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِىْ لِاَدْرٰى **يَوْمَ** نَاصِبُهٗ دَلَّ عَلَيْهِ الْقَارِعَةُ اَىْ تَقْرَعُ **يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ﴿۴﴾** كَغَوْغَاءِ الْجَرَادِ الْمُنْتَشِرِ يَمُوْجُ بَعْضُهُمْ فِىْ بَعْضٍ لِلْحَيْرَةِ اِلٰى اَنْ يُّدْعَوْا لِلْحِسَابِ **وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴿۵﴾** كَالصُّوْفِ الْمَنْدُوْفِ فِىْ خِفَّةِ سَيْرِهَا حَتّٰى تَسْتَوِىَ مَعَ الْاَرْضِ **فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴿۶﴾** بِاَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهٗ عَلٰى سَيِّاٰتِهٖ **فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴿۷﴾** فِى الْجَنَّةِ اَىْ ذَاتِ رِضًا بِاَنْ يَرْضَاهَا اَىْ مَرْضِيَّةٍ لَهٗ **وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴿۸﴾** بِاَنْ رَجَحَتْ سَيِّاٰتُهٗ عَلٰى حَسَنَاتِهٖ **فَاُمُّهٗ** مَسْكَنُهٗ **هَاوِيَةٌ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ﴿۱۰﴾** اَىْ مَا هَاوِيَةٌ هِىَ **نَارٌ حَامِيَةٌ﴿۱۱﴾** شَدِيْدُ الْحَرَارَةِ وَهَا هِيَهْ لِلسَّكْتِ تَثْبُتُ وَصْلًا وَّوَقْفًا وَّفِىْ قِرَاءَةٍ تُحْذَفُ وَصْلًا　ع ۱۱ ۲۶

سورۃ القارعہ مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت جو اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو جھڑجھڑا دیتی ہے) کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت کی دہشت بتلائی ہے۔ ما القارعۃ مبتداء خبر سے مل کر جملہ القارعہ اول کی خبر ہے) آپ کو کچھ معلوم (پتہ) ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ دہشت ناکی ہے۔ ما ادرٰک میں ما مبتداء ہے ادرٰک اس کی خبر ہے اور ما القارعۃ میں ما اور اس کی خبر ادری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے) جس روز (اس کا ناصب محذوف ہے جس پر لفظ القارعۃ دلالت کر رہا ہے یعنی تقرع) لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے (منتشر پروانوں کی طرح پھیلے ہوئے حیرت کے مارے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے یہ حالت حساب کی پیشی تک رہے گی) اور پہاڑ (دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑے ہوئے پھریں گے۔ حتی کہ زمین میں مل جائیں گے) پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا (نیکیاں، بدیوں پر غالب ہوں گی) وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (جنت کے اندر، یعنی پسندیدہ جس میں وہ مگن ہوگا یعنی آرام سے بھاتا ہوگا) اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا (اس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی) اس کا ٹھکانہ (جائے قیام) گہری کھائی ہوگی اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے (یعنی وہ گہری کھائی کیسی ہوگی) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے (بھڑکتی ہوئی اور ھیہ کی ھا سکتہ کی ہے جو وقف

ووصل دونوں حالت میں برقرار رہتی ہے اور ایک قراءت کے اعتبار سے بحالت فصل حذف ہوجاتی ہے)۔

تحقیق وترکیب:............**القارعة** قرع کے معنی کھڑکھڑانے اور ٹھوکنے کے، سخت حادثہ پر بولا جاتا ہے **قرعتهم القارعة** کے معنی یہ ہیں کہ فلاں قبیلہ پر سخت آفت آگئی۔ قرآن میں بھی سخت مصیبت کے معنی میں آیا ہے۔ **ولا یزال الذین کفروا تصیبهم بما صنعوا قارعة** قیامت سے بڑھ کر اور کیا آفت اور مصیبت ہوگی۔

ما القارعة تفسیر ابوالسعود میں یہ ہے کہ **ما** استفہامیہ خبر مقدم ہے۔ اور **القارعة** مبتداء ہے۔ کیونکہ اصل محط فائدہ خبر ہوا کرتی ہے نہ کہ مبتداء۔ چنانچہ یہاں **ما** کی فخامت مقصود ہے نہ کہ **قارعه** کی تحویل۔ **یوم** اس کا ناصب۔ مفسرؒ نے اول **القارعة** کو نہیں مانا۔ فصل کی وجہ سے اور دوسرا اور تیسرا **القارعة** بھی عامل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بلحاظ معنی ظرف ان سے جوڑ نہیں بیٹھتا۔ اس لئے مفسرؒ نے **تقرع** عامل محذوف مانا ہے اور **یکون** ناقصہ کی خبر **کالفراش** ہے۔ ای یکون الناس مشبهین بالفراش اور **یکون** اگر تامہ ہو تو پھر اس کے فاعل سے حال ہوجائے گا ای یوجدون ویحشرون حال کونهم مشبهین بالفراش پروانوں کے ساتھ تشبیہ دینے میں مختلف مبالغے ہیں۔ ان کی کثرت اور منتشر ہوکر ایک دوسرے میں گھسنا اور ضعف وتذلل اور بےقراری سے اڑنا حتی کہ آگ کی نذر ہوجانا۔ قاموس میں ہے کہ غوغا کہتے ہیں پروانوں کے جب پر نکل آئیں۔

وتکون الجبال یعنی قیامت کے اثر سے پہاڑ جیسی مضبوط چٹانیں بھی دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑتی پھریں گی۔ پس انسانوں کا کیا حال ہوگا۔ جو مکلف بھی ہیں اور کمزور بھی۔ **موازینه** یہ موزوں کی اگر جمع ہے تب تو اعمال مراد ہوں گے۔ جس سے ان کا وزنی ہونا اور اللہ کے نزدیک قابل قدر ہونا ہوا۔ اور اگر **موازین** میزان کی جمع ہے تو اس کا ثقیل ہونا اس کا جھکاؤ ہے اور **موازین** تعظیم کے لئے جمع ہے یا ہر مکلف کی میزان الگ ہونے کی وجہ سے یا موزونات کے اختلاف یا کثرت کی وجہ سے ہے۔

فی عیشة راضیة اسناد مجازی ہے سبب کی طرف کیونکہ خوشنودی کا سبب عیش ہے یا یہ حکم نسبت کے لئے ہے یا بمعنی مفعول ہے۔

خفت موازینه نیکیوں کے کم ہونے کی وجہ سے جب پلہ ہلکا ہوگا۔ تو حسنات بالکل نہ ہونے کی صورت میں بدرجۂ موزوں ہلکا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس پر یہ شبہ ہو کہ مؤمن کے گناہ اگر غالب ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس سے خلود ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ گناہوں کی سزا کے بعد پھر انہیں جہنم سے نکال کر ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل کردیا جائے گا اور بعض حضرات نے موازین کے ہلکا ہونے سے ان کا بالکل خالی ہونا مراد لیا ہے یعنی کافر مراد ہیں جن کے پاس نہ ایمان ہوگا اور نہ اعمال صالحہ۔ اسی طرح پہلی آیت میں کامل مؤمنین کا اور اس آیت میں کافر کا بیان ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں۔ ان کے لئے آسان حساب ہوگا۔ البتہ جس مؤمن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ اللہ کی مرضی پر ہوں گے۔ چاہے وہ معاف فرمادے اور چاہے تو بقدر جرم سزا دیدے اور پھر جنت میں داخل کردے اور جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ بےحساب جنت میں جائیں گے۔

فامه هاویه جہنم کے ناموں سے **هاویه** بھی ہے جیسا کہ **نار حامیه** سے مفہوم ہورہا ہے۔ مفسرؒ نے **ام** کا ترجمہ مسکن کے ساتھ کیا ہے، ماں کی گود بچہ کے لئے مسکن بھی ہوتی ہے۔

ربط آیات:............سورۃ القارعۃ میں بھی مجازات ہی کا بیان ہے۔ چنانچہ اس کا زمانہ نزول بھی مکہ معظمہ میں اسلام کا ابتدائی دور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:............فمن ثقلت موازینه عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهم انه میزان له لسان و کفتان لا یوزن فیه الا الاعمال۔ چنانچہ علاءؒ فرماتے ہیں کہ میزان میں صحائف اعمال رکھ کر تولے جائیں گے پھر ان صحائف سے اعمال کے زیادہ کم ہونے کا

اندازہ کیا جائے گا۔ یا اعمال یہاں جو اعراض ہوتے ہیں۔ آخرت میں اعیان و جواہرات کی صورت اختیار کر لیں گے۔ پھر ان جواہر کا وزن ہو جائے گا۔ جن کے اچھے اعمال کا وزن زیادہ ہو گا وہ اصحاب العیش ہوں گے، یعنی مؤمن اور جن کے اعمال کے غلبہ کی وجہ سے اچھے اعمال کا وزن بالکل نہیں ہوگا۔ یا ہوگا مگر کم وہ دوزخی ہوں گے یعنی کافر۔

﴿تشریح﴾: ....القارعة قیامت مراد ہے جو دلوں کو سخت گھبراہٹ سے اور کانوں کو اپنے کڑاکے سے کھڑکھڑا دے گی حاصل یہ ہے کہ اس حادثہ عظیمہ کا ہولناک منظر نا قابل بیان ہے۔ تاہم اس کے کچھ آثار بیان کئے جا رہے ہیں۔ جن سے اس کی شدت کا قدرے اندازہ ہو سکے گا۔ کالفراش المبثوث یعنی پروانوں کی طرح ہر آدمی پریشان اور سرگرداں پھرتا ہوگا۔ جسے کسی سمت ہی کا پتہ نہیں ہوگا۔ ضعف و کثرت، حیرانی و سرگردانی میں پروانوں کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے۔ یہ قیامت کے پہلے مرحلہ کا بیان ہے جب سارا نظام عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اور لوگ پروانوں کی طرح تتر بتر ہو کر پھریں گے اور رنگ برنگ کی دھنی ہوئی روئی کی طرح پہاڑ ہر طرف اڑتے پھریں گے۔ جن کے رنگ مختلف ہوں گے۔ **ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانها وغرابیب سود**.

وزن اعمال: ....**فامامن ثقلت موازینه** میزان اور موزون دونوں کی جمع آئی ہے۔ اگر میزان کی جمع ہے تب تو مطلوب یہ ہوگا کہ جس کے ایمان و عمل کا پلہ بھاری ہوگا وہ عیش میں ہوگا اور جس کے ایمان و عمل کا پلہ ہلکا ہوگا وہ دوزخی ہوگا۔ لیکن اگر موازین موزون کی جمع ہے جس سے مراد ایمان و عمل ہوں گے۔ تب بھی مدعا وہی رہتا ہے۔ بہر حال اعمال کا وزن ایمان و اخلاص کی نسبت سے ہوگا۔ دیکھنے میں کوئی کتنا ہی بڑا عمل ہو۔ مگر اس میں اخلاص کی روح نہ ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کچھ وزن نہیں ہے۔ اللہ کی عدالت میں فیصلہ اسی بنیاد پر ہوگا۔ کہ آدمی اعمال کی جو پونجی لے کر آیا ہے، وہ وزنی ہے یا بے وزن یا اس کی بھلائیوں کا وزن اس کی برائیوں کے وزن سے زیادہ ہے یا کم کفر اور حق سے انکار بجائے خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ برائیوں کے پلڑے کو لازماً جھکا دے گی۔ اور کافر کی کوئی نیکی ایسی نہ ہوگی کہ بھلائیوں کے پلڑے میں اس کا کوئی وزن ہو۔ جس سے اس کی نیکی کا پلڑا جھک سکے۔ البتہ مؤمن کے پلڑے میں ایمان کا وزن بھی ہوگا اور اس کے ساتھ ان نیکیوں کا وزن بھی ہوگا جو دنیا میں اس نے کیں۔ دوسری طرف اس کی جو بدی بھی ہوگی۔ وہ بدی کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی۔ پھر دیکھا جائے گا کہ آیا نیکی کا پلہ جھکا ہوا ہے یا بدی کا۔

امه هاوية .ام کے معنی اصل جڑ اور ماں کے آتے ہیں اور **هاویه** کے معنی گڑھے کے ہیں۔ پس جس طرح ماں کی گود بچہ کا ٹھکانہ ہوتی ہے۔ اسی طرح آگ کا یہ گڑھا دوزخیوں کا ٹھکانہ ہوگا۔ جس میں انتہائی تیز تپش ہوگی۔ وزن اعمال کی بحث پہلے ہی گزر چکی ہے اور سائنسی ایجادات نے موزوں اعمال کا سمجھنا بہت سہل کر دیا ہے۔

فضائل سورت: ....**من قرء سورة القارعة ثقل الله له میزانه یوم القیامة** ۔ جو شخص سورۃ القارعہ پڑھے گا۔ اللہ س کے پلہ کو قیامت میں بھاری رکھے گا۔

لطائف سلوک: ....**فامامن ثقلت** ظاہر نصوص سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے اور چونکہ عادۃً وزن، جواہر و اعیان کا ہونا ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ بظاہر اعراض کو آخرت میں ایمان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ جس استحالہ کو فلاسفہ محال کہتے ہیں۔ وہ وجوب وامکان وامتناع تینوں کے حقائق میں محال ہے۔ لیکن آگ، ہوا، پانی، مٹی ان عناصر میں باہمی استحالہ محال نہیں ہے بلکہ فلاسفہ اس کو مشاہد مانتے ہیں۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ شَغَلَكُمْ عَنْ طَاعَةِ اللهِ **التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾** التَّفَاخُرُ بِالْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَالرِّجَالِ **حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾** بِاَنْ مُتُّمْ فَدُفِنْتُمْ فِيْهَا اَوْعَدَدْتُّمُ الْمَوْتٰى تَكَاثُرًا **كَلَّا** رَدْعٌ **سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾** سُوْءَ عَاقِبَةِ تَفَاخُرِكُمْ عِنْدَ النَّزْعِ ثُمَّ فِي الْقَبْرِ **كَلَّا** حَقًّا **لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾** اَيْ عِلْمًا يَقِيْنًا عَاقِبَةَ التَّفَاخُرِ مَااشْتَغَلْتُمْ بِهٖ **لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾** النَّارَ جَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ وَحُذِفَ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَيْنُهٗ وَاُلْقِيَ حَرْكَتُهَا عَلَى الرَّاءِ **ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا** تَاكِيْدٌ **عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾** مَصْدَرٌ لِاَنَّ رَاٰى وَعَايَنَ بِمَعْنًى وَاحِدٍ **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ الْجَمْعِ لِاِلْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ رُؤْيَتِهَا **عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾** مَايَلْتَذُّ بِهٖ فِي الدُّنْيَامِنَ الصِّحَةِ وَالْفَرَاغِ وَالْاَمْنِ وَالْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

ع ۸ ۲۷

سورۃ التکاثر مکیہ ہے جس میں آٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: ...... تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے (اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹا رکھا ہے) ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے (مال واولاد اور جتھہ کے گھمنڈ نے) یہاں تک کہ تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو (مر کر زمین میں دفن ہو جاتے ہو یا فخر کرنے کی وجہ سے تم مردوں میں شمار ہونے لگو) ہرگز نہیں (ڈانٹ ہے) عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے گھمنڈ کا انجام جان کنی کے وقت پھر قبر میں جا کر) ہرگز نہیں (بالیقین) اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی گھمنڈ کے انجام کو یقین سے جان لیتے تو ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم ضرور دوزخ دیکھ کر رہو گے (یہ جواب ہے قسم محذوف کا۔ لترون میں لام اور عین حذف کر کے اس کی حرکت واؤ کو دے دی گئی ہے) پھر واللہ تم ضرور اس کو ضرور دیکھو گے (یہ تاکید ہے) بالکل یقین کے ساتھ (یہ مصدر ہے کیونکہ رای اور عاین دونوں لفظ ہم معنی ہیں) پھر تم لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی (اس میں تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کر دیا گیا ہے اور دو ساکن اکٹھا ہو جانے کی وجہ سے ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) اس روز (دوزخ نظر آنے پر) نعمتوں کے متعلق (دنیا میں جن چیزوں سے تم لذت اندوز رہے یعنی تندرستی فارغ البالی، امن وامان، کھانا پینا وغیرہ)۔

تحقیق وترکیب: ...... مکیۃ قاضی بیضاویؒ اس کو مختلف فیہ کہتے ہیں۔ یعنی ایک قول مدنی ہونے کا بھی ہے۔

الھکم الھی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی غافل ہونے کے ہیں۔ الھی کے معنی کھیل کود کی طرف مائل ہونے کے بھی ہیں۔

التکاثر کثرت پر گھمنڈ کرنا۔

حتی زرتم المقابر مقابر جمع ہے مقبرہ کی۔ مفسرؒ علام نے زیارت قبور کے دو معنی لئے ہیں۔ ایک یہ کہ زیارت قبر کنایہ ہے موت سے بولتے ہیں زار قبرہ ای مات و دفن حاصل یہ ہے کہ تم دنیا میں منہمک رہتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آ جاتی ہے۔ اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ زیارت تو ایک ساعت میں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن قبروں میں رہنا صدیوں اور قرنہا قرن ہوتا ہے۔ کیونکہ جواب دیا جائے گا کہ قبر میں رہنا دوامی نہیں ہے۔ بلکہ وہاں سے حساب کتاب کی طرف منتقل ہونا ہوگا۔ اور وہ اتنی طویل مدت ہوگی۔ کہ قبر میں رہنا اس کے آگے زیارت ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ اس جملہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم تفاخر میں مبتلا رہتے ہو۔ تا آنکہ قبروں میں جا کر تفاخر کرتے ہو۔ یعنی تمہارے تفاخر و تکاثر کا سلسلہ قبرستان میں بھی جاری رہتا ہے۔ قبرستان میں زیارت قبور کا منشاء تو عبرت و موعظت ہونا چاہیئے۔ مگر تم وہاں بھی اظہار فخر کے لئے جاتے ہو۔ آرائش و زینت کرتے ہو۔ گویا مقصود کے برعکس کرتے ہو اس صورت میں۔ حتی غایت کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ سبب کے لئے ہوگا، جیسے اسلمت حتی ادخل الجنۃ حاصل یہ ہے کہ زیارت قبور بجائے نصیحت کے استغراق دنیا کا ذریعہ بناتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور مستحسن چیز ہے۔ مگر تمہارے رویہ پر تعجب ہے۔ مانا کے قبرستان میں تمہارے مردے زیادہ ہیں۔ جس سے تمہاری کثرت معلوم ہوتی ہے۔ مگر تمہیں اس سے کیا حاصل؟ دنیا میں انہماک کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ رہے ہو؟ یعنی دین کی طرف توجہ مگر اس کو تعظیم شان کے لئے عبارت سے حذف کر دیا ہے۔ اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم مال واولاد کی کثرت کے پیچھے اپنی عمریں ضائع کر دیتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آ جاتی ہے۔

کلا اس پر تنبیہ کرنی ہے کہ دنیائے فانی پر تمام تر اپنی توجہ صرف کر دینا عاقل کی شان سے بعید ہے۔ کیونکہ سوائے حسرت وندامت کے اس کا کچھ انجام نہیں ہے۔

ثم کلا اس سے پہلے کلا کی تاکید مقصود ہے۔ اور ثم سے اشارہ ہے کہ دوسرا کلا پہلے کلا سے ابلغ ہے۔ یا پہلی تنبیہ موت کے وقت یا قبر میں اور دوسری تنبیہ حشر ونشر کے وقت ہوگی۔

لو تعلمون اس کا مفعول محذوف ہے ای عاقبۃ التفاخر ما اشغلتم لو کا جواب محذوف ہے۔ **لترون الجحیم** لو کا جواب نہیں ہے کیونکہ یہ محقق الوقوع ہے۔ بلکہ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ جس سے وعید کی تاکید اور ڈرانے کی وضاحت کرنی ہے۔ ابن عامرؒ اور کسائیؒ ضمہ تا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ثم لترونھا یہ پہلے جملے کی تاکید ہے یا پہلے کا تعلق اس وقت سے ہے۔ جب جہنم دور سے دکھائی دے گی اور دوسرے دیکھنے کا تعلق دوزخ میں داخل ہونے سے ہے یا پہلے سے دوزخ کا علم ومعرفت اور دوسرے سے اس کا نظر آ جانا مراد ہے۔

عین الیقین یعنی ایسا دیکھنا جو عین یقین ہو علم الیقین سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور پھر اس سے اوپر حق الیقین کا درجہ ہوتا ہے۔ اس طرح یقین کے تین مراتب ہوئے۔ اول علم الیقین، پھر عین الیقین یعنی ایسا دیکھنا جو عین یقین ہو جو علم الیقین سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور پھر حق الیقین عن النعیم یعنی ان نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ جنہوں نے انسان کو لہو ولعب میں ڈال رکھا تھا اور اس جملہ میں ان لوگوں کو خطاب خاص ہے جو دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہیں۔ اول تو قرائن اس خصوصیت کی دلیل ہیں۔ نیز دوسری آیات بھی اس کی دلیل ہیں۔ چنانچہ کہیں ارشاد ہے من حرم زینۃ اللہ اور کہیں کلوا من الطیبات فرمایا گیا ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عام نعمتیں ممنوع نہیں ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ تمام نعمتوں کے بارے میں ہے اور سب سے پوچھا جائے گا۔ کہ تم نے نعمتوں کا شکریہ ادا کیا یا نہیں؟ اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ آیت کفار کے ساتھ خاص ہے، یعنی ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔

ربط آیات: ....سورۂ والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہے ان میں سے دنیا کے انہماک اور آخرت کی غفلت کو چھوڑنا بھی ہے۔سورۃ التکاثر میں اسی کا بیان ہے اور وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: ....ابوحیان، شوکانی، علامہ سیوطیؒ اس سورت کو مکی کہتے ہیں اور بعض روایات کی وجہ سے اس کو مدنی کہا گیا ہے۔
چنانچہ ابوہریرہؓ کی روایت ہے ان بنی عبد مناف وبنی سهم تفاخروا بالكثرة فكثرهم بنو عبد مناف فقال بنی سهم ان البغی اهلكنا فی الجاهلية فعادونا بالاحياء والاموات فكثرهم بنو سهم ۔ دونوں قبیلوں نے پہلے اپنے زندہ آدمیوں کے مفاخر بیان کئے۔ پھر قبرستان جا کر اپنے مرے ہوئے لوگوں کے مفاخر پیش کئے۔اس پر آیات نازل ہوئیں۔مگر صحابہؓ اور تابعینؒ کا طریقہ شان نزول کے سلسلہ میں توسع کا تھا۔اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ کے ساتھ تحدید مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آیات اس واقعہ پر چسپاں ہیں۔اسی طرح حدیث لو ان لابن ادم وادیین من مال لتمنی وادیا ثالثا ولا يملاء جوف ابن ادم الا التراب کے متعلق حضرت ابی ابن کعبؓ کے اس زمانہ سے کہ ہم اس حدیث کو قرآن سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی۔ سورۃ التکاثر کے مدنی ہونے کی دلیل سمجھنا محض اس بنیاد پر کہ وہ مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں مضبوط بنیاد نہیں ہے۔کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جو حضرات اسلام میں داخل ہوئے تھے۔جب انہوں نے پہلی مرتبہ حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ سورت سنی تو یہ سمجھے ہوں گے کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے اور حضورؐ کے ارشاد کے متعلق ان کو یہ خیال ہوا کہ وہ اس سورت سے ماخوذ ہے۔اسی طرح حضرت علیؓ کے ارشاد کہ ”ہم عذاب قبر کے متعلق برابر شک میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی“ سے یہ نکالنا کہ سورۃ مدنی ہے۔ کیونکہ عذاب قبر کا ذکر مدینہ میں ہوا ہے مکہ میں نہیں ہوا۔درست نہیں ہے آخر مکی سورتوں میں کتنی جگہ عذاب قبر کا تذکرہ آیا ہے۔جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔اس صورت میں حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان سورتوں سے پہلے تکاثر نازل ہو چکی تھی۔اس سے عذاب قبر کے متعلق صحابہؓ کا شک دور ہو گیا تھا۔غالباً یہی وجہ ہے کہ ان روایات کے باوجود مفسرین کی بڑی اکثریت اس کے مکی ہونے کی قائل ہے۔چنانچہ مضمون کلام اور انداز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....الھکم کسی غیر ضروری شغل میں اس درجہ مصروف ہو جانا کہ ضروری چیزیں فوت ہو جائیں لہو کہلاتا ہے اور الھکم کے یہ معنی ہیں کہ تم فضول کام کی دھن میں ایسے گھر گئے ہو کہ تمہیں ضروریات کا ہوش ہی نہیں رہا۔

فخر ومباہات کا انجام: ....اور تکاثر کی مختلف صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ مطلق کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔دوسرے یہ کہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر کرنا اور یہ کہ میں دوسروں سے بڑھ جاؤں۔تیسرے یہ کہ ایک دوسرے سے فخر جتلانے میں مقابلہ آرائی کرنا۔یہ سب صورتیں تکاثر میں داخل ہیں۔بس اس جملہ کا مطلب عام ہے کہ مال واولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز وسامان کی طمع آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے۔نہ اللہ کی طرف دھیان جاتا ہے اور نہ آخرت کی فکر ہوتی ہے۔دن رات یہی دھن رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال ودولت کی بہتات ہو۔اور میرا کنبہ اور جتھہ سارے کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے۔غفلت کا یہ پردہ پڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے۔نہ اخلاقی حدود کا خیال آتا ہے۔نہ ذمہ داریوں کا احساس رہتا ہے، نہ حقداروں کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے، نہ اس کا دکھ ہوتا ہے کہ ہماری ان حرکتوں سے انسانیت کا معیار گر رہا ہے۔نہ آخرت کا غم، نہ خدا کی محبت وخشیت۔بس ہر وقت یہی نشہ سوار ہے کہ میں کسی سے پیچھے نہ رہ جاؤں اشخاص وافراد ہوں یا جماعت اور قوم سب پر یہی دھن سوار

ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ دولت ملے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ جسمانی لذتیں اور سامان عیش وعشرت مہیا ہوں۔ اس ہوشربا جذبہ میں ڈوب کر وہ قطعاً اس سے غافل ہیں کہ اس روش کا انجام کیا ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ طاقت اور شوکت چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ فوجیں اور ہتھیار چاہئیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ برابر جاری ہے۔ انہیں اس کی فکر نہیں کہ یہ سب خدا کی زمین کو ظلم سے بھر دینے اور انسانیت کو تباہ و برباد کر دینے کا سامان ہے۔ حدیث میں ہے عن مطرف عن ابیه قال اتیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وھو یقرأ الھکم التکاثر قال یقول ابن ادم مالی مالی قال وھل لك یا ابن ادم الا ما اکلت فافنیت اولبست فابلیت او تصدقت فامضیت وعن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال یقول العبد مالی وان ماله من ماله ثلث ما اکل فافنی او لبس فابلی او اعطی فاقتنی وما سوی ذلك فھو ذاھب وتارکه للناس عن انس بن مالکؓ یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یتبع المیت ثلثة فیرجع اثنان ویبقی معه واحد یتبعه اھله وماله وعمله فیرجع اھله وماله ویبقی عمله۔ حاصل یہ ہے کہ تکاثر کی بے شمار صورتیں ہیں۔ جنہوں نے اشخاص اور قوموں کو اپنے اندر ایسا مشغول کر رکھا ہے کہ انہیں دنیا اور اس کے فائدوں اور لذتوں سے بالآخر کسی چیز کا ہوش نہیں رہا۔ حدیث میں بالکل سچ فرمایا گیا ہے کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ مگر دو خصلتیں اس میں جوان ہو جاتی ہیں۔ ایک حرص اور دوسری لمبی امیدیں دونوں کا سلسلہ لامتناہی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ دنیا میں ہم بڑی بھول اور غفلت میں پڑے رہے۔ وہ چند روزہ چہل پہل تھی۔ اب مرنے کے بعد نظر آرہا ہے۔ کہ یہ سب سامان وبال جان تھے۔ اور دو قبیلوں کی روایت کو پیش نظر رکھا جائے۔ تب تو متکاثر کی حماقت و جہالت سے لبریز ایک اور بھی گھناؤنی صورت نکل آتی ہے۔ انسان گڑے مردوں کی کثرت پر بھی گھمنڈ کرنے لگے اور یہ کہہ کر قبریں گننے لگے کہ دیکھو ہمارا جتھہ کتنا زیادہ ہے اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزرے ہیں کوئی حد ہے اس جہالت و بلادت کی۔

کلا سوف تعلمون یعنی مرتے ہی تمہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا۔ کہ مال واولاد کی بہتات اور سامان عیش کی فراوانی کچھ کام آنے والی نہیں ہے۔ تمہیں بار بار متنبہ کیا جارہا ہے کہ فانی اور زائل چیزیں ہرگز لائق فخر ومباہات نہیں۔ تمہیں کس قدر غلط فہمی ہے کہ دنیا کی یہ کثرت اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا ہی ترقی اور کامیابی ہے۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری یہ کتنی بڑی بھول تھی جس میں تم ساری عمر مبتلا رہے۔ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس کا انکار کیا جائے یا اس سے غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر بہت جلد کھل جائے گا کہ اصلی عیش و آرام آخرت کا ہے اور چین کی زندگی وہیں کی ہے اور دنیا کی زندگی اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگرچہ بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت یہ حقیقت کھل جاتی ہے۔ لیکن قبر میں پہنچ کر سب کو پوری حقیقت کھل جائے گی۔ اور قریب سے مراد آخرت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اگرچہ ہمارے لحاظ سے بہت دور ہے۔ مگر جس ہستی کی نگاہ ازل سے ابد تک تمام زمانوں تک حاوی ہو اس کے لئے کروڑوں سال بھی پورے زمانہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔

انسان دلائل سے آنکھیں بند کئے رہتا ہے:...... **کلا لو تعلمون** یعنی تمہارا خیال یہ بھی صحیح نہیں کہ اگر تمہیں قطعی دلائل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں۔ تم ہرگز غفلت میں نہ پڑتے۔ کیونکہ دلائل قطعیہ تو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر جب تم دیکھنے کا ارادہ ہی نہ کرو۔ تو تمہیں کہاں نظر آئیں گے۔

ثم لترونھا اس غفلت اور انکار کا نتیجہ دوزخ ہے۔ وہ تمہیں ضرور دیکھنا پڑے گا۔ جس کا اثر برزخ میں سامنے آجائے گا۔ پھر آخرت میں تو کھلی آنکھوں دیکھ کر پورا یقین حاصل ہو جائے گا۔ یعنی آخرت میں یقین استدلالی نہیں ہوگا کہ وہ کبھی دیر میں بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ مشاہدہ کا یقین ہوتا ہے۔ اسی لئے بذات خود دیکھنے کو یقین فرمایا۔ حالانکہ دیکھنا یقین کا سبب ہوتا ہے۔

ثم لتسئلن یعنی اس وقت کہا جائے گا۔ کہ اب بتلاؤ دنیا کے عیش وآرام کی کیا حقیقت ہے یا اس وقت اس پر جواب بھی ہوگا۔ کہ دنیا میں تمہیں جو ہر قسم کی ظاہری وباطنی، آفاقی وانفسی، جسمانی، روحانی نعمتیں عطا کی گئی تھیں تم نے ان کا کیا حق ادا کیا۔ اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی کوشش کی؟ ثم کا یہ مطلب نہیں کہ دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد یہ پوچھ گچھ ہوگی۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ پھر ہم تمہیں یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ عدالت الٰہی میں یہ سوال حساب کتاب کے وقت ہوگا۔

نعمتوں کی پرسش سب سے ہوگی:......... اور احادیث کی رو سے یہ سوال مؤمن وکافر سب سے ہی ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مؤمن جواب دہی میں کامیاب اور کافر ناکام رہیں گے۔ پس اس صورت میں ثم ترقی کے لئے ہے کہ جب اچھے لوگوں سے سوال ہوگا جنہیں ان کا ضرر بھی نہیں تو مجرمین سے کیوں نہیں پوچھا جائے گا۔ جب کہ اس پر ان کا ضرر بھی مرتب ہونے والا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کی خدمت میں تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ آپ نے نوش فرما کر لتسئلن یومئذ عن النعیم آیت پڑھی۔ اسی طرح ابوھریرہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے ابوبکرؓ وعمرؓ سے فرمایا۔ کہ ابوالہیثم انصاری کے یہاں چلیں۔ چنانچہ تینوں حضرات ان کے باغ میں پہنچے تو انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ لاکر سامنے کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کھجوریں کیوں نہ توڑ لائے؟ عرض کیا کہ آپ حسب منشاء خود چھانٹ کر نوش فرمالیں۔ کھجوریں کھا کر اور ٹھنڈا پانی نوش فرما کر ارشاد ہوا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ ٹھنڈا سایہ، یہ ٹھنڈی کھجوریں، یہ ٹھنڈا پانی ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن جواب دہی کرنی ہوگی۔ ان روایات سے واضح ہوا کہ مؤمنین سے بھی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں انسان پر براہ راست ہیں وہ تو ان گنت ہیں ہی۔ بہت سی نعمتیں تو وہ بھی ہے جو بالواسطہ اور مخفی ہیں۔ انسان کو اس کی خبر ہی نہیں۔ وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها پھر بہت سی وہ نعمتیں ہیں جن میں انسان کے کسب کو بھی دخل ہے۔ ان کے بارے میں یہ جواب دہی بھی کرنی ہوگی۔ کہ یہ کن طریقوں سے اس نے حاصل کی ہیں۔ پھر کہاں کہاں ان کو صرف کیا اور کتنا خرچ کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

خلاصۂ کلام:......... دنیا کے مال ودولت، اولاد اور خویش واقارب اور جاہ واقتدار کے پیچھے انسان جواندھا دھند بھاگ رہا ہے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لئے سرپٹ دوڑ رہا ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھتا نہیں۔ بلکہ الٹا اس ترقی پر فخر کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ میرا کوئی مالک بھی ہے۔ مجھے حساب وکتاب کے لئے اسکے پاس پیش ہونا بھی ہے؟ اس سورت میں اس غفلت و بے ہوشی کے انجام بد سے لوگوں کو متنبہ اور آگاہ کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب انسان اس غفلت کا نتیجہ کھلی آنکھوں دیکھ لے گا۔ اور جن نعمتوں میں یہاں کھوئے ہوئے ہو۔ ان میں سے ایک ایک کے بارے میں مکمل باز پرس ہوگی۔ کہ تم نے اس کا کچھ حق ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ اس بات کا خیال کرو کہ اگر تمہیں جواب نہ آیا تو کیا ہوگا؟۔

فضائل سورت:......... من قرء الهكم لم يحاسبه الله بالنعيم الذى انعم به عليه فى دار الدنيا واعطى من الاجر كانما قرء الف اية ۔ جو شخص سورۂ الہکم پڑھے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا حساب نہیں لے گا۔ جو اس نے اس پر دنیا میں کی ہیں اور ایک ہزار آیات پڑھنے کا اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

لطائف سلوک:......... الهكم التكاثر تفاخر ومباہات کی برائی اس میں منصوص ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ الدَّهْرِ أَوْ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ إِلَى الْغُرُوْبِ أَوْ صَلَاةُ الْعَصْرِ **إِنَّ الْإِنْسَانَ** الْجِنْسَ **لَفِي خُسْرٍ** ﴿۲﴾ فِي تِجَارَتِهِ **إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** فَلَيْسُوْا فِي خُسْرَانٍ **وَتَوَاصَوْا** أَوْصٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا **بِالْحَقِّ** أَيِ الْإِيْمَانِ **وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ** ﴿۳﴾ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ

ع ۱ ۲۸

سورۃ والعصر مکیہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں تین آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:......... زمانہ کی قسم (مطلق زمانہ مراد ہے یا زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت اور یا نماز عصر) کہ انسان (مطلقا) بڑے خسارہ میں ہے (اپنے کاروبار کے لحاظ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (وہ ٹوٹے میں نہیں ہیں) اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے (آپس میں نصیحت جاری رکھیں) حق (ایمان) کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (کہ طاعت پر جمے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں)۔

تحقیق وترکیب:......... **والعصر** ابن عباسؓ مطلق زمانہ مراد لیتے ہیں۔ عجائبات قدرت اور کمالات حکمت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور زوال کے بعد دن ڈھلنے یا عصر کے وقت کی قسم میں یہ نکتہ ہے کہ اس وقت حضرت آدمؑ، اول انسان کی پیدائش ہوئی تھی۔ اور زمانہ نبوت بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اپنی عظمت کی وجہ سے لائق قسم ہے اس میں خسران کی نفی بھی تعریضا ہو جائے گی۔

ان الانسان الف لام جنس کے لئے اور **خسر** نکرہ تعظیم کے لئے ہے اور جنس واستغراق کا قرینہ **الا الذین** استثناء بھی ہے۔ لیکن بقول ابن عباسؓ لام عہد کے لئے بھی ہوسکتا ہے کہ خاص افراد مراد ہوں۔ اور خسارہ تجارت میں ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی انسان کی عمر رأس المال کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا زیاں سب سے بڑھ کر خسارہ ہے۔ وقت کی مثال برف کی سلی جیسی ہے جو پگھلتی رہتی ہے۔ ارحموا علی من رأس مالہ یذاب۔

الا الذین امنوا مؤمن خسارہ میں نہیں کیونکہ اس نے فانی کے بدلہ باقی چیز حاصل کرلی ہے۔

حق سے مراد ایمان ہے یا قرآن یا ہر خیر ہے۔ اور صبر کی تین صورتیں ہیں۔ ایک طاعت پر۔ دوسرے گناہوں سے صبر۔ تیسرے مصائب پر صبر کرنا۔ چونکہ بے صبری جزع فزع معصیت ہے۔ اس لئے مفسرؒ نے اس کو الگ شمار نہیں کیا۔ بلکہ دوسری قسم میں داخل کر رکھا ہے اور صبر اگرچہ حق میں داخل ہے۔ لیکن اہمیت کی وجہ سے اس کو الگ ذکر کیا۔ عطف خاص علی العام کے طور پر۔ یا کہا جائے کہ حق میں تو مرتبہ

عبادت ہے یعنی ایسے کام جن سے اللہ راضی ہو اور صبر میں مرتبہ عبودیت ہے۔ جس میں اللہ کے افعال سے بندہ راضی اور مطمئن رہتا ہے۔ کیونکہ صبر کا حاصل صرف اتنا ہی نہیں کہ خواہشات نفس کو روک دیا جائے۔ بلکہ افعال الٰہی کو دل سے قبول کر لینا بھی ہے۔ پس یہ آیت حق اللہ اور حق العبد کی جامع ہوگئی۔

ربط آیات: ....سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں عمر کو بربادی سے بچانا اور اعمال وطاعات میں صرف کرنا بھی ہے۔ اس سورۂ عصر میں اسی کا بیان ہے اور بعض مفسرین مجاہدؒ، قتادہؒ، مقاتلؒ اگر چہ اس سورت کو مدنی کہتے ہیں لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اسے مکی مانتی ہے۔ اس کا مضمون بھی یہی بتلا رہا ہے کہ مکہ کے ابتدائی دور سے اس کا تعلق ہے۔ جب کہ مختصر بول اور دلنشین فقروں میں اسلامی افکار پیش کئے جاتے تھے۔ جو حافظوں میں مرتسم ہو کر زبان زد ہو جائیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: ....ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان سے مخصوص افراد مراد ہیں۔ جیسے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب اور بقول مقاتلؒ ابولہب مراد ہے اور مرفوع روایات میں ابوجہل کا نام آیا ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا۔ ان محمدا لفی خسر اس کی تردید میں یہ آیات آئیں۔

﴿ تشریح ﴾: ....**والعصر** زمانہ کی قسم کھائی جس میں خود انسان کی عمر بھی داخل ہے۔ جو کمالات اور سعادات حاصل کرنے کے لئے ایک متاع گراں مایہ ہے۔ زمانہ اور وقت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں'' اسی کے لحاظ سے نعمتوں کی قدر ومنزلت اور ان میں باہمی فرق مراتب رہتا ہے۔ کسی حکیم نے کیسی حکیمانہ بات کہی ہے۔ لذة الطعام ساعة ولذة اللباس يوما ولذة المرأة شهرا ولذة الدار دهرا اگر چہ دہر بھی دنیا کی طرح ناپائیدار ہے۔ اصل دار القرار اور دار الخلد تو آخرت ہے۔

زمانہ کا ہے؟ ....زمانہ کی حقیقت کیا ہے؟ عقلاء اور فلاسفہ میں اک معرکۃ الآراء نزاعی بحث اس میں شروع ہوگئی ہے عام طور پر فلک الافلاک کی مقدار حرکت کو زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے بعض اکابر محققینؒ کی رائے ہے کہ افعال الٰہی کی مقدار کا نام زمانہ ہے۔ کچھ بھی ہو اس کا جو حصہ سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ اسے ماضی اور جو ابھی سامنے نہیں آیا ہو تا اس کو استقبال کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جو نامعلوم حصہ سامنے آتا ہے اس وقت کو حال کہتے ہیں۔ گویا ماضی و مستقبل تو موجود رہتے ہی نہیں۔ لیکن حال بھی برائے نام ہی موجود ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ مطلق زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس لئے دونوں طرح کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ گزرتے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کے معنی یہ ہیں کہ انسانی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جو لوگ بھی ان خوبیوں سے خالی تھے جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ ٹوٹے میں رہے۔ ہم جو کچھ اچھا یا برا کام کرتے ہیں سب کچھ اسی محدود وقت میں ہوتا ہے جو دنیا میں ہمیں دیا گیا ہے۔ اگر غور کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارا اصل سرمایہ یعنی وقت بڑی تیزی سے گذر رہا ہے۔

زندگی کی مثال برف جیسی ہے: ....چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں سورۂ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا۔ جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ تب میری سمجھ میں **والعصر ان الانسان لفی خسر** کا مطلب آ گیا۔ واقعی عصر کی جو مدت انسان کو دی گئی وہ برف کی طرح تیزی سے پگھلتی جا رہی ہے۔ اس کو بے کار و برباد کرنا اور فضول کاموں میں لگا دینا یہی انسان کا خسارہ ہے۔ غرض ماضی کی قسم کھانے کا ماحصل یہ

ہوا کہ تیز رفتار زمانہ بشارت دے رہا ہے کہ جو انسان ان خوبیوں سے محروم ہو کر وقت بتا رہا ہے وہ خسارہ میں ہے۔ہاں! جو لوگ ان چاروں خوبیوں سے متصف ہیں ان کا وقت نفع بخش گزر رہا ہے۔ والعصر میں خاص زمانہ یعنی نماز عصر کا بھی وقت ہو سکتا ہے۔ جو کاروبار کی انتہائی مشغولیت کا ہوتا ہے۔ اور شرعی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت بھی حدیث میں ہے۔ کہ جس کی نماز عصر چھوٹ گئی۔ گویا اس کا گھر بار لٹ گیا۔ یا پیغمبر اعظم کی رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا زمانہ مراد ہو۔ جس میں نور نبوت بڑی آب وتاب سے چمکا۔ ان خاص اوقات کی قسم کھائی گئی ہے۔ انسان کا لفظ یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس کا اطلاق، افراد، گروہ، قوم پوری نوع انسانی پر یکساں ہوگا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کہ زہر انسان کے لئے مہلک ہے۔ یعنی خواہ اس کو ایک فرد کھائے یا پوری قوم یا ساری دنیا کے انسان مل کر زہر کھائیں۔ زہر بہر حال مہلک ہے۔ اس کی یہ خاصیت اپنی جگہ اٹل ہے۔ اسی طرح کہا جائے گا کہ جس انسان میں یہ چار باتیں نہ ہوں وہ فی الواقع خسارہ میں ہے۔ اس کلی ضابطہ میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کوئی ان صفات سے خالی ہو۔ یا کسی قوم کے افراد یا دنیا بھر کے انسانوں نے کفر، بدعملی اور ایک دوسرے کو باطل پر آمادہ کرنے اور بے صبری کی تلقین کرنے پر اتفاق کر لیا ہے

زندگی کا نفع نقصان:.......... بلحاظ لغت اگرچہ خسران نفع کے مقابلہ میں آتا ہے جو کاروباری اصطلاح ہے۔ لیکن قرآن کی اصطلاح میں خسران فلاح کی ضد ہے۔ پس جیسے فلاح میں صرف دنیاوی کامیابی ملحوظ نہیں بلکہ فلاح کا تصور عام ہے۔ دنیاوی اور دینی کامیابی۔ اسی طرح خسران کا مفہوم بھی عام ہی ہوگا۔ یعنی دونوں جہاں کی ناکامی لہٰذا جو انسان ان چاروں صفات سے خالی ہوگا وہی حقیقی خسران میں ہے۔ اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے کی طرح اس کی تجارت کا رأس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں۔ دم بدم کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس رواروی میں اگر کوئی ایسا کام نہ کر لیا۔ جس سے عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے۔ بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کارآمد بن جائے۔ تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں۔ تاریخ کے جھروکہ میں دیکھئے کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہیں لیا اور وقت کے تقاضا سے بے پرواہ ہو کر محض خیالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کس طرح ناکام و نامراد ہوئے۔ اس لئے انسان کو وقت کی قدر و قیمت پہچاننی چاہیئے اور عمر عزیز کو فضولیات میں برباد نہیں کرنا چاہیئے۔ خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہے جو اس عمر فانی اور ناکارہ زندگی کو باقی اور کارآمد بنانے کے لئے سعی میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

زندگی کو خسران سے بچانے کے لئے چار باتیں ضروری ہیں:.......... الا الذین امنوا انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔

(۱) اللہ و رسول پر ایمان لانا اور ان وعدوں پر یقین رکھنا اور ہدایت و احکام کو ماننا جو دین و دنیا سے متعلق ہوں۔

(۲) اس یقین کا اثر قلب و دماغ تک محدود نہ رہے۔ بلکہ اعضاء میں بھی ظاہر ہونا چاہیئے۔ اس طرح کہ اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو جائے۔

(۳) محض اپنی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے۔ بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ دو مسلمان جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔

(۴) ہر ایک دوسرے کو یہ نصیحت و وصیت کرتا رہے۔ کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی اور قومی اصطلاح کے سلسلہ میں جس قدر سختیاں، دشواریاں پیش آئیں۔ پورے صبر و استقامت سے برداشت کریں۔ ہرگز نیکی کے راستہ سے قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ جو انسان ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور اپنے ساتھ دوسروں کی بھی تکمیل کریں گے۔ ان کا نام صفحات عالم پر زندہ و جاوید رہے گا۔ اور جو آثار دنیا سے جائیں گے وہ باقیات صالحات بن کر ہمیشہ ان کے اجر و ثواب کو بڑھاتے رہیں گے۔

ایمانیات:............ ایمان کا تعلق تین چیزوں سے ہے: (۱) اللہ پر ایمان لانا (۲) پیغمبر پر ایمان لانا (۳) آخرت پر ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ذات وصفات وافعال میں نہ صرف یہ کہ اس کو ایک تسلیم کرنا۔ اس کی مکمل طور پر فرمانبرداری کا عہد کرنا۔ اور پیغمبر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو تعلیمات الٰہی سمجھنا اور اس کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھنا اس میں سب پیغمبر اور تعلیمات آگئیں۔ وہ سب اپنے اپنے وقت میں برحق تھے۔ اب آخری طور پر ہدایت آپ کی پیروی میں مضمر ہے۔ اسی طرح آخرت ماننے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اور جس طرح زندگی گزاری ہے اس کا پورا حساب وکتاب اللہ کو دینا ہے اور ان کے مطابق ہمیشہ کی زندگی گزارنا یہ ایمان، اخلاق وکردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہوسکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے یہ ایمان ہی موجود نہ ہو وہاں انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو۔ اس کا حال ایک بے لنگر جہاز کا سا ہوتا ہے جو موجوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا۔

اعمالِ صالحہ:............ ایمان کے بعد دوسرے درجہ کی چیز صالح اعمال ہیں۔ جن کا وزن ایمان کے بغیر کچھ نہیں۔ عمل صالح اگر ایک ڈھانچہ ہے تو ایمان اس کی جان اور روح ہے۔ لیکن سچا ایمان وہی ہے جس کے ساتھ صالح اعمال ہوں۔ شجر ایمان اسی وقت بارآور ہوسکتا ہے جب اس پر اعمال کے پھول، پتے، ڈالیاں اور شاخیں ہوں، ایمان وعمل صالح کی ان دوامی خوبیوں کے علاوہ خسارہ سے بچنے کے لئے دو وصف اور بھی ناگزیر ہیں۔ ایک یہ کہ ہر ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتا رہے۔ دوسرے یہ کہ آپس میں صبر کی تلقین کی جائے۔ یعنی انسان خود بھی ایمان ونیکی سے آراستہ ہو اور اپنے ماحول اور معاشرہ کو بھی نیک اور ایک بنانے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے کو الگ تھلگ فرد نہ سمجھے۔ بلکہ معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہر فرد کو اپنے جیسا بنانے کی ذمہ داری قبول کرلے۔ حق کی پیروی اور حمایت میں جو مشکلات پیش آئیں اور جن نقصانات اور محرومیوں سے سابقہ پڑے ان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرے۔ ایک دوسرے کی ہمت اور ڈھارس بندھائے۔ یہ چھوٹی سی سورت فی الحقیقت سارے دین وحکمت کا نچوڑ ہے۔ امام شافعیؒ نے صحیح فرمایا کہ اگر قرآن میں صرف یہی ایک سورت نازل کردی جاتی تب بھی کافی تھی۔ بقول عبداللہ بن حصن دارمی بزرگان سلف میں یعنی صحابہؓ میں جب دو آپس میں ملتے تھے۔ تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

خلاصۂ کلام:............ یہ سورت مختصر اور جامع کلام کا ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ گویا سمندر کو کوزہ میں بند کردیا گیا ہے۔ چند نپے تلے جملوں میں دوٹوک طریقہ سے بتلا دیا گیا ہے۔ کہ انسان کی فلاح وبہبود کا راستہ کون سا ہے؟ اور اس کی تباہی وبربادی کی راہ کون سی ہے؟ جو شخص ان چار بنیادوں کو استوار کرلے وہ کامیاب اور فلاح یاب ہے۔ لیکن اس کے سوا دوسرا راستہ خسارہ اور ٹوٹے کا ہے۔

فضائل سورت:............ من قرأ سورة العصر غفر الله له و كان ممن تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر جو شخص سورۂ عصر پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور وہ حق کی نصیحت کرنے والوں اور صبر کی تلقین کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

لطائف سلوک:............ **والعصر** اس میں وقت کو نعمت اور غنیمت سمجھنے پر تنبیہ ہے۔ چنانچہ اہل اللہ اس راز کو سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں کمالات حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جس کا ذکر **الا الذين الخ** میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس تکمیل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔ جس کا ذکر **تواصوا الخ** میں کیا گیا ہے۔

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ اَوْ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ **لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ**﴿۱﴾ اَىْ كَثِيْرُ الْهَمْزِ وَاللَّمْزِ اَىِ الْغِيْبَةِ نَزَلَتْ فِيْ مَنْ كَانَ يَغْتَابُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ كَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَّالْوَلِيْدُ بْنُ مُغِيْرَةَ وَغَيْرِهِمَا **نِالَّذِىْ جَمَعَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **مَالًا وَّعَدَّدَهُ**﴿۲﴾ اَحْصَاهُ وَجَعَلَهُ عُدَّةً لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ **يَحْسَبُ** لِجَهْلِهٖ **اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ**﴿۳﴾ جَعَلَهُ خَالِدًا لَّايَمُوْتُ **كَلَّا** رَدْعٌ **لَيُنْبَذَنَّ** جَوَابُ قَسَمٍ مَّحْذُوْفٍ اَىْ لَيُطْرَحَنَّ **فِى الْحُطَمَةِ**﴿۴﴾ الَّتِىْ تَحْطِمُ كُلَّ مَا اُلْقِىَ فِيْهَا **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ **مَا الْحُطَمَةُ**﴿۵﴾ **نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ**﴿۶﴾ اَلْمُسَعَّرَ **الَّتِىْ تَطَّلِعُ** تَشْرِفُ **عَلَى الْاَفْئِدَةِ**﴿۷﴾ اَلْقُلُوْبُ فَتُحْرِقُهَا وَاَلَمُهَا اَشَدُّ مِنْ اَلَمِ غَيْرِهَا لِلُطْفِهَا **اِنَّهَا عَلَيْهِمْ** جَمْعُ الضَّمِيْرِ رِعَايَةً لِمَعْنٰى كُلِّ **مُّؤْصَدَةٌ**﴿۸﴾ بِالْهَمْزَةِ وَبِالْوَاوِ وَبَدَلَهٗ مُطْبَقَةٌ **فِىْ عَمَدٍ** بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَبِفَتْحِهِمَا **مُّمَدَّدَةٍ**﴿۹﴾ صِفَةٌ لِّمَا قَبْلَهٗ فَتَكُوْنُ النَّارُ دَاخِلَةَ الْعَمَدِ

ع ۹ ۲۹

سورۂ ہمزہ مکیہ ہے یا مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... بڑی تباہی ہے (کلمہ عذاب ہے یا دوزخ کے کسی میدان کا نام ہے) ہر اس شخص کے لئے جو پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے والا اور منہ در منہ لوگوں پر طعن کرنے والا ہو (یعنی بہت زیادہ عیب جوئی اور نکتہ چینی یعنی غیبت کرنے والا ہو یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ جیسے امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہ) جس نے جمع کیا (اس کی قرأت تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے) مال اور اسے گن گن کر رکھا (شمار کیا اور ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا) وہ (اپنی حماقت سے) سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا (مال اسے سدا رہنے والا بنادے گا۔ اور وہ مرے گا نہیں) ہرگز (ڈانٹ ہے) وہ پھینک دیا جائے گا (قسم محذوف کا جواب ہے۔ ای لیطرحن) چکنا چور کردینے والی جگہ میں (ایسی جگہ جہاں جو چیز گرے۔ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے) اور آپ کو کچھ پتہ (علم) ہے کہ توڑ پھوڑ کردینے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو خوب بھڑکائی گئی (دہکتی ہوئی) ہے جو دلوں تک جا پہنچے (سلگ جائے) گی (دلوں کو بھسم کر ڈالے گی۔ دل چونکہ نرم ونازک چیز ہے اس لئے اس میں تکلیف کا احساس سب اعضاء سے زیادہ ہوا کرتا ہے) وہ ان پر (ضمیر جمع لفظ کل کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہے)......... ڈھانک کر بند کردی جائے گی (ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ واؤ کے ساتھ بمعنی مطبقۃ) ستونوں میں (دونوں حرفوں کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے) جو اونچے اونچے ہیں (یہ پہلے کی صفت ہے چنانچہ وہ آگ ستونوں کے اندر ہوگی)۔

تحقیق وترکیب: .... **مکیۃ** مفسرؒ اس کو مختلف فیہ کہتے ہیں۔لیکن قاضیؒ صرف مکی مانتے ہیں۔**ویل** کلمہ عذاب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نا گواری اور غصہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔**ھمزۃ لمزۃ** قاموس میں ہے کہ ہامز وہمزہ بمعنی غماز اور لمزہ عیب جو کو کہتے ہیں یا وہ شخص جو روبرو طعنہ زن ہو۔اور ہمزہ غیبت کرنے والا۔ہمز اور ہزم کے معنی توڑنے کے لمز اور لہز کے معنی طعن کے ہیں اور فعلیۃ کا وزن عادت پر دلالت کرتا ہے۔چنانچہ ضحکہ اور لعبہ اس شخص کو کہیں گے۔جس کی عادت ہنسی مذاق کھیل تفریح کی ہو اور ایک قرأت **ھمزۃ لمزۃ** سکون کے ساتھ ہے مفعول کا صیغہ، مسخرہ کے معنی ہوں گے۔بقول مقاتلؒ، امیہ، ولید، اخنس بن شریق کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

جمع مالا: **جمع** اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ اور ابن عامرؒ، حمزہؒ، کسائیؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔یہ ترکیب میں لفظ **کل** سے بدل ہے یا مذمت کے طور پر منصوب یا مرفوع ہے۔

عددہ مفسرؒ نے دو تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ایک بار بار گننا۔دوسرے۔بحفاظت رکھنا۔

یحسب جملہ مستانفہ ہے، سوال کا جواب ہے ای مابالہ یجمع المال ویھتم بہ ؟ اور **جمع** کے فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

اخلد ماضی ہے مگر وہ مضارع کے معنی میں ہے۔ای یظن لجھلہ ان مالہ یخلدہ اس جملہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مال کی محبت میں موت ہی سے غافل ہو گیا یا مال کی وجہ سے لمبی امید کرنا مراد ہے۔کہ گویا ہمیشہ دنیا ہی میں بیٹھا رہے گا۔اس میں اس طرف تعریض ہیں کہ حیات ابدی کا حقیقی سبب آخرت کی فکر میں لگ جانا ہے۔نہ کہ دنیا کہ بکھیڑوں میں پڑنا۔

الحطمۃ توڑ پھوڑ کر دینے والی چیز۔

نار اللہ ظاہر ہے کہ اللہ کی آگ اللہ کے سوا کون بجھا سکتا ہے۔

علی الافئدۃ دل جس طرح نظام بدن کا مرکزی مقام ہے۔اس کی تکلیف سے تمام بدن متأثر ہوتا ہے۔اس طرح عقائد واعمال کی جڑ بنیاد بھی ہے۔اسی لئے آگ کا براہ راست دل کو نشانہ بنایا جائے گا۔**مؤصدۃ**۔ اوصدت الباب دروازہ بند کر دیا۔ابو عمرؒ، حمزہؒ، حفصؒ کے ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے قراء کے نزدیک واو کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔**ممدۃ** ای موثقین فی اعمدۃ ممدودۃ جیسے چوروں کو ستونوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔حفصؒ کے علاوہ قراء کوفہ نے عین اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

ربط آیات: .... سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ان میں سے عذاب میں مبتلا ہونے کی خصلتوں سے بچانا بھی ہے۔اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔اور مضمون یہ بتلا رہا ہے کہ یہ سورت مکی ہی ہوگی اور بالکل ابتدائی دور کی۔اور وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **ھمزۃ لمزۃ** یہ دونوں لفظ اتنے قریب المعنی ہیں کہ کبھی یہ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی فرق کے ساتھ اور فرق بھی ایسا کہ بعض حضرات جو مفہوم **ھمزۃ** کا بیان کرتے ہیں۔دوسرے حضرات وہی مفہوم **لمزۃ** کا بیان کرتے ہیں اور بعض حضرات اس کا برعکس بتلاتے ہیں۔اور چونکہ دونوں لفظ ایک ساتھ آئے ہیں۔

بدخصلت انسان کے لئے تباہی ہے: .... اس لئے دونوں کا مفہوم مل کر یہ ہوگا کہ اس شخص کی عادت ہی یہ ہو گئی ہے کہ دوسروں پر طعن وتشنیع کرتا ہے۔کسی کی ذات میں کیڑے نکالتا ہے۔کسی پر انگلیاں اٹھاتا ہے۔کسی پر منہ در منہ چوٹیں کرتا ہے۔آنکھیں مٹکاتا ہے۔کسی کے پیٹھ پیچھے برائیاں کرتا ہے۔چغلیاں کر کے لگائی بجھائی کرتا ہے۔کہیں بھائیوں میں نفرت کے بیج بو کر لڑاتا اور پھوٹ ڈالتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ اپنی خبر نہیں لیتا۔اور دوسروں کے واقعی غیر واقعی عیوب بیان کر کے تحقیر وتذلیل کرتا رہتا ہے۔**الذی جمع مالا** یعنی اس میں طعنہ زنی، عیب جوئی کی بری خصلتیں تکبر کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور کبر کا سبب مال و دولت کی فراوانی ہے۔جس کے لالچ میں ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور روپیہ پیسہ کی پرستش کا یہ حال ہے کہ اسے گن گن کر اور سنبھال کر

رکھتا ہے۔ چمڑی چلی جائے پر دمڑی پر آنچ نہ آئے۔ گویا کنجوسی اور لالچ کی تصویر بنا رہتا ہے۔ بخل کے مارے پیسہ پیسہ کو گن گن کر رکھتا ہے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ زر پرست آدمی کو پیسہ جوڑنے کے ساتھ اس کے گننے میں بھی مزہ آتا ہے۔

مال سدا ساتھ نہیں رہتا:............ واخلده یعنی اس کے طرز عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا نہ مال اس سے کبھی جدا نہ ہوگا۔ اسی کے صدا کام آتا رہے گا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مال کو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے حیات جاودانی بخشے گا۔ غرضیکہ اسے کبھی بھولے سے بھی یہ دھیان نہیں آتا کہ ایک وقت یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کو خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جانا پڑے گا اور چوروں ڈاکوؤں کو اللہ ہدایت دے۔ وہ تو ذرا سی دیر میں مال کا سارا نشہ ہرن کر دیتے ہیں۔ کلا لینبذن یعنی اس کا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ مال کسی کے ساتھ قبر تک نہیں جاتا۔ چہ جائیکہ اگلے مراحل میں کام آئے۔ سب دولت یونہی پڑی رہ جائے گی اور اس بدبخت کو اٹھا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ حطم کے معنی توڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں۔ یعنی دوزخ اس کا ڈھانچہ توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی۔

خدائی آگ:............ نار اللہ دوزخ بندوں کی آگ نہیں بلکہ اللہ کی سلگائی ہوئی ہے۔ پھر اس کی حدت وشدت کا کیا پوچھنا۔ براہ راست دلوں پر اس کی زد ہوگی۔ جو کفر وفسق کا محل ہے اور دل جل کر کباب ہو جائیں گے پر موت پھر بھی نہیں آئے گی۔ بدلناھم جلودا غیرھا اسی لئے دوزخی بے تاب ہو کر آرزو کریں گے۔ کہ کاش موت آ کر ہی اس مصیبت کا خاتمہ کر دے۔ افئدۃ فؤاد کی جمع ہے جس کے معنی دل کے ہیں۔ تاہم یہ لفظ اس عضو کے لئے استعمال نہیں ہوتا جو سینہ کے اندر دھڑکتا ہے۔ بلکہ انسان کے شعور وادراک اور جذبات وخواہشات عقائد وافکار نیتیں اور ارادے جہاں پیدا ہوتے ہیں وہ مقام مراد ہے پس یہ آگ اس مرکز تک پہنچے گی جہاں برے خیالات، فاسد عقائد، ناپاک خواہشات وجذبات خبیث نیتیں، برے ارادے تھے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ایک مجرم کے دل تک پہنچ کے اس کے جرم کی نوعیت معلوم کر کے ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق عذاب دے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح اندھی نہیں ہوگی کہ مستحق غیر مستحق سب کو جلا دے۔ مؤصدۃ کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ نکلنے کا راستہ تو کیا کوئی جھری تک نہ رہے گی۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے۔ فی عمد ممددۃ بقول ابن عباسؓ آگ کے لمبے لمبے ستون ہوں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دوزخیوں کو لمبے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائے گا۔ تاکہ بے بس ہو کر رہ جائیں اور ذرا حرکت نہ کر سکیں کہ اس سے عذاب میں تخفیف ہو سکے یا یہ مطلب ہے کہ لمبے ستون ڈال کر دوزخ کے منہ کو بند کر دیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت میں اخلاقی برائیوں پر گرفت کی گئی ہے جن سے عرب جاہلیت کا معاشرہ بگڑا ہوا تھا اور وہ گھن کی طرح ساری قوم کو چاٹ رہی تھیں۔ ان کے اس گھناؤنے کردار کو پیش کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ آخرت میں ایسے بدکرداروں کا کیا انجام ہوگا؟ اور اس کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ سننے والا خود سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا انجام بھی بھیانک ہونا چاہیئے۔ اور دنیا میں چونکہ بسا اوقات اس قماش کے لوگوں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ بلکہ وہ پھلتے پھولتے ہی نظر آتے ہیں۔ اس لئے آخرت کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہاں نہ یہ مال ومنال کام آئے گا۔ اور نہ دوسرے کی عیب جوئی اور الزام تراشی بلکہ دوزخ کی بے پناہ آگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو اسے توڑ پھوڑ کر بھسم کر ڈالے گی۔

فضائل سورت:............ من قرء سورۃ الھمزۃ اعطاہ اللّٰہ عشر حسنات بعدد من استھزء بمحمد واصحابہ جو شخص سورۂ ہمزہ پڑھے گا اللہ اسے اتنا ثواب عطا فرمائے گا۔ جو حضورؐ وصحابہؓ کا مذاق اڑانے والوں کے دس گنا زیادہ ہوگا۔

لطائف سلوک:............ الذی جمع مالا وعددہ اس میں مال کی محبت وشغف کی ندامت ہے۔ جس کے آثار میں سے بار بار گن گن کر رکھنا ہے۔

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيْبٍ اَیْ اِعْجَبْ **كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾** هُوَ مَحْمُوْدٌ اَصْحَابُهٗ اَبْرَهَةُ مَلِكُ الْيَمَنِ وَجَيْشُهٗ بَنٰى بِصَنْعَاءَ كَنِيْسَةً لِيُصْرِفَ اِلَيْهَا الْحَاجَّ مِنْ مَّكَّةَ فَاَحْدَثَ رَجُلٌ مِّنْ كِنَانَةَ فِيْهَا وَلَطَخَ قِبْلَتَهَا بِالْعَذِرَةِ اِحْتِقَارًا بِهَا فَحَلَفَ اَبْرَهَةُ لَيَهْدِمَنَّ الْكَعْبَةَ فَجَاءَ مَكَّةَ بِجَيْشِهٖ عَلٰى اَفْيَالٍ مُقَدَّمُهَا مَحْمُوْدٌ فَحِيْنَ تَوَجَّهُوْا لِهَدْمِ الْكَعْبَةِ اَرْسَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَاقَصَّهٗ فِيْ قَوْلِهٖ **اَلَمْ يَجْعَلْ** اَیْ جَعَلَ **كَيْدَهُمْ** فِيْ هَدْمِ الْكَعْبَةِ **فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾** خَسَارٍ وَّهِلَاكٍ **وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۳﴾** جَمَاعَاتٍ قِيْلَ لَاوَاحِدَ لَهٗ وَقِيْلَ وَاحِدُهٗ اِبُّوْلٌ اَوْاِبَّالٌ اَوْ اِبِّيْلٌ كَعِجَّوْلٍ وَّمِفْتَاحٍ وَّسِكِّيْنٍ **تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾** طِيْنٍ مَطْبُوْخٍ **فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾** كَوَرَقِ زَرْعٍ اَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْهُ وَاَفْنَتْهُ اَیْ اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ وَاحِدٍ بِحَجَرِهِ الْمَكْتُوْبِ عَلَيْهِ اِسْمُهٗ وَهُوَ اَكْبَرُ مِنَ الْعَدَسَةِ وَاَصْغَرُ مِنَ الْحِمَصَةِ يَخْرُقُ الْبَيْضَةَ وَالرَّجُلَ وَالْفِيْلَ وَيَصِلُ اِلَى الْاَرْضِ وَكَانَ هٰذَا عَامَ مُوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سورۂ فیل مکیہ ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... کیا آپ کو معلوم نہیں (استفہام تعجب کے لئے ہے یعنی آپ کو تعجب ہوگا) کہ آپؐ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟ (ہاتھی کا نام محمود اور ہاتھی والا ابرہہ نامی یمن کا راجہ تھا۔ اس کے فوجیوں نے صنعاء شہر میں ایک گرجا بنایا تھا۔ تاکہ مکہ کے لوگ بھی آکر اس کا حج کریں۔ بنو کنانہ کے ایک شخص نے آکر اس میں پاخانہ کردیا۔ پھر اس نے کعبہ کی توہین کے لئے اس پر پاخانہ لگا بھی دیا۔ اس پر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ چنانچہ اپنے لشکر سمیت ہاتھیوں کو لے کر مکہ پر چڑھائی کردی۔ آگے آگے محمود ہاتھی تھا۔ کعبۃ اللہ پر حملہ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے ان پر اپنی فوج بھیجدی۔ جس کا واقعہ آگے ہے) کیا (کعبہ ڈھانے کی) ان کی تدبیر کو ہم نے اکارت نہیں کردیا (تباہ و برباد کردیا ہے) اور ان پر غول کے غول پرندے بھیج دیئے (جھنڈ کے جھنڈ اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ ابابیل کا کوئی مفرد نہیں ہے۔ اور بعض اس کو ابول، ابال، ابیل کی جمع مانتے ہیں۔ جیسے عجول کی عجاجیل اور مفتاح کی جمع مفاتیح اور سکین کی جمع مساکین آتی ہے) جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینک رہے تھے (جو مٹی کی مگر آگ پر پکی ہوئی اینٹیں) سو اللہ نے ان کا حال کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کرکے رکھ دیا (جیسے کھیت کا چارہ جس کو جانور کھا کر چھوڑ دیں، روندڈالیں، چورا چورا

کردیں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ان پتھریوں کے ذریعہ جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔جو مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں۔وہ سر پر رکھی ٹوپیں، خود اور سوار ہاتھی کو چیرتی ہوئی نکل کر زمین پر گرتی تھی۔یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال ہوا ہے۔

تحقیق وترکیب:..........الم تر ایک قرأت سکون را کے ساتھ بھی ہے۔جزم کی زیادہ اظہار کے لئے اگر رؤیت قلبیہ مراد ہے اور مخاطب خاص حضورؐ ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔اسی طرح اگر مخاطب عام ہو اور رؤیت خواہ قلبیہ ہو یا رؤیت بصریہ تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔لیکن اگر رؤیت بصریہ مراد لی جائے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو تو پھر یہ اشکال ہوگا کہ واقعہ فیل حضورؐ کی ولادت سے پچاس دن پہلے پیش آچکا ہے۔پھر آپ کے دیکھنے کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ قریبی زمانہ کی وجہ سے ابھی تک اس کے اثرات چونکہ موجود تھے۔نیز تواتر کی حد تک اس کے دیکھنے اور نقل کرنے والے موجود تھے۔اس لئے وہ بھی گویا آپ کا دیکھنا ہی ہوا۔

کیف .فعل کا معمول ہے الم تر کا معمول نہیں ہے، معنی استفہام ہونے کی وجہ سے۔

بـاصحاب الفيل دراصل یہودی فرمانروا ذونواس نے ایک زمانہ میں عیسائیوں پر سخت مظالم کئے تھے۔جن کا بدلہ چکانے کے لئے حبشی بادشاہ عیسائی نے یمن پر حملہ کر کے حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔اس کارروائی میں قسطنطنیہ کی رومی سلطنت بھی حبشہ کے ساتھ تھی۔حبشہ نے اگرچہ اپنی ستر ہزار فوج لا اتاری۔مگر پھر بھی رومی بحری بیڑا کی مدد سے ایسا کیا جا سکا۔یہ سب کچھ محض کسی مذہبی جذبہ کے تحت نہیں ہوا۔بلکہ اس میں سیاسی اور معاشرتی اغراض بھی کارفرما تھیں۔چنانچہ روما کی سلطنت جب مصر و شام پر قابض ہوئیں تو انہوں نے عربوں کی صدیوں پرانی تجارتی منڈیوں پر بھی قبضہ کرنا چاہا جو مشرقی افریقہ، ہندوستانی، انڈونیشیا اور محض رومی مقبوضات میں پھیلی ہوئی تھیں لیکن عرب کے جغرافیائی شکلی حالات نے اس بیل کو منڈھے چڑھنے نہیں دیا۔تا آنکہ رومی اپنا جنگی بیڑا بحر احمر میں لے آئے اس سے عربوں کی تجارت ختم ہو کر رہ گئی جو وہ بحری راستے سے کیا کرتے تھے البتہ خشکی کا راستہ اب بھی تھا اس سے عربوں کی کچھ تجارت رہ گئی تھی۔مگر رومی سلطنت نے ان کی بری تجارت کو مفلوج کرنے کے لئے حبشی عیسائی سلطنت سے ساز باز کر لی اور انہیں یمن پر قابض کرا دیا۔یمن پر حبشی فوج کشی ہوئی اس کی کمان دو کرنیل جرنیل کر رہے تھے۔ایک ابرہہ اور دوسرا اریاط۔مگر کسی بات پر ان دونوں میں باہم مڈبھیڑ ہوگئی۔جس میں اریاط مارا گیا اور ابرہہ فوج پر قابض ہوگیا اور اس نے شاہ حبشہ کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ اسی کو یمن پر اپنا نائب مقرر کر دے۔اس طرح رفتہ رفتہ اس کا اثر ورسوخ بڑھتا چلا گیا اور وہ خود کو یمن کا خود مختار بادشاہ کہنے لگا۔برائے نام باشاہ کی بالادستی ہوگئی۔یمن میں اقتدار مضبوط کرنے کے بعد اس نے اسی منصوبہ کو روبعمل لانا شروع کر دیا۔جو رومی سلطنت اور حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا۔چنانچہ جہاں ایک طرف وہ عیسائیت کو پھیلا رہا تھا وہیں دوسری طرف عربوں کی تجارت پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔اسی سلسلہ میں اس نے دارالسلطنت صنعاء میں ابقلیس یا القلیس نام کعبہ کی بنیاد ڈالی۔یہ یونانی لفظ معرب کر لیا گیا ہے۔اردو میں کلیسا اسی سے ماخوذ ہے یمن پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں کی مسلسل یہ کوشش رہی ہے کہ کعبہ کے مقابلہ میں ایک دوسرا کعبہ بنا کر عرب میں اس کی مرکزیت قائم کر دیں۔نجران میں بھی انہوں نے ایک کعبہ کی بناء ڈالی تھی۔اب ابرہہ نے اصحمہ شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔

چنانچہ یمن میں بھی اس کی منادی کرادی جس سے اس کا مقصد عربوں کو غضب ناک بنا کر مکہ پر حملہ کرنے کا موقعہ فراہم کرانا تھا۔اور یہ کہ کعبہ کو منہدم کرنے کا اسے بہانہ ہاتھ آجائے۔چنانچہ بقول محمد بن اسحاق اس اعلان پر قبیلہ کنانہ کے ایک آدمی نے اس کلیسا میں جا کر پاخانہ کر دیا۔

ابن کثیرؒ اس کو ایک قریشی کی حرکت بتلاتے ہیں۔ اور مقاتل بن سلیمان کے مطابق کسی قریشی نے کلیسا میں آگ لگادی اور واقعہ یہ ہے کہ اس اشتعال انگیز اعلان کے بعد عربوں کا غضب ناک ہو جانا قابل تعجب نہیں اور عجب نہیں کہ خود ابرہہ نے اپنے کسی آدمی سے خفیہ طور پر یہ حرکت کرادی ہو۔ تا کہ مکہ پر اسے چڑھائی کا بہانہ ہاتھ آجائے۔ اور وہ اس طرح عربوں کا کس بل نکال دے۔ جب اسے پتہ لگا کہ اس کے کلیسا کی یہ درگت ہوئی تو اس نے کعبۃ اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی قسم کھائی چنانچہ ۵۷۰ھ میں ساٹھ ہزار فوج اور نو یا تیرہ ہاتھی لے کر وہ اس مہم پر روانہ ہوا۔ راستہ میں کچھ عرب سرداروں سے اس کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ مگر بالآخر انہیں شکست دے کر آگے بڑھا۔ طائف کے نزدیک پہنچا تو بنی ثقیف کو خطرہ ہوا کہ کہیں وہ ان کے لات کے مندر مسمار نہ کردے۔ اس لئے مسعود نامی سردار ایک وفد کے ساتھ ابرہہ سے ملا اور اس سے کہا جس کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ ہے وہ یہ ہمارا بت کدہ نہیں ہے۔ وہ تو مکہ میں ہے۔ اس لئے آپ ہمارے مندر کو چھوڑ دیں۔ ہم آپ کے لئے کچھ زادراہ پیش کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ ابرہہ نے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔

بنی ثقیف نے ابورغال نامی ایک شخص کو بھی رہنمائی کے لئے ہمراہ کردیا۔ لیکن مکہ جب تین کوس رہ گیا تو ابورغال اس مقام پر پہنچ کر مر گیا۔ مدتوں عرب بنی ثقیف کو طعنے دیتے رہے اور ابورغال کی قبر پر پتھر مارتے رہے کہ انہوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ میں مدد دی تھی۔

محمد بن اسحاقؒ کی روایت کے مطابق پھر ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لئے۔ جن میں عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ تھے۔ اور اپنے ایلچی کے ذریعہ اہل مکہ کو پیغام بھجوایا کہ میرا ارادہ تم سے لڑنے کا نہیں۔ صرف کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم مزاحم نہ ہوئے تو میں بھی کسی جان و مال سے تعرض نہیں کروں گا۔ اور ایلچی کو ہدایت کردی کہ اگر وہ لوگ بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ اس وقت عبدالمطلب سب سے بڑے سردار تھے ایلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا اور کہا آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ چنانچہ وہ ایلچی کے ساتھ ہوئے۔ عبدالمطلب اس درجہ وجیہ اور شاندار شخص تھے کہ ابرہہ دیکھتے ہی اپنے تخت سے اتر گیا اور متاثر ہو کر ان کے پاس آبیٹھا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا میرے جو اونٹ پکڑ لئے گئے ہیں۔ وہ مجھے واپس کردیئے جائیں۔ ابرہہ حیرت سے بولا کہ میں تو آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا۔ مگر آپ کی اس بات نے تو آپ کو نظروں سے گرادیا۔ آپ اپنے معمولی اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ مگر اس گھر کی نسبت کچھ نہیں کہتے جو تمہارے اور تمہارے آباء واجداد کا مرجع ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔ رہا یہ گھر سو وہ گھر والا جانے۔ یہ گھر اللہ کا ہے وہ خود اس کی حفاظت کرلے گا۔ ابرہہ بولا کہ وہ اس کو مجھ سے بچا نہ سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اٹھ گئے۔ اس نے ان کے اونٹ واپس کردیئے۔

ابن عباسؓ سے جو مختلف حضرات نے روایات نقل کیں وہ اس سے مختلف ہیں۔ ان میں ہے کہ ابرہہ جب عرفات وطائف کے درمیان حدود حرم کے قریب مقام الصفاح پر پہنچا۔ تو عبدالمطلب خود اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ آپ کو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت؟ آپ کو اگر کوئی چیز درکار تھی تو ہمیں کہلا بھیجتے وہ ہم خود لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتے۔ ابرہہ بولا میں نے سنا ہے کہ یہ امن کا گھر ہے۔ میں اس کا امن ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ اس نے آج تک کسی کو اس پر مسلط ہونے نہیں دیا۔

ابرہہ کہنے لگا کہ ہم اس کو منہدم کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ چاہیں ہم سے لے لیں اور واپس چلے جائیں مگر اس نے انکار کردیا اور لشکر کو آگے بڑھادیا۔

اس میں شک نہیں کہ ابرہہ کے ۶۰ ہزار کے لشکر جرار کو اچانک مقابلہ کر کے قریش یا مکہ والے کعبہ کو نہیں بچا سکتے تھے۔ محمد بن اسحاقؒ کے بیان کے مطابق ابرہہ کے لشکر سے واپس آ کر عبدالمطلب نے قریشیوں کو ہدایت کی کہ تم اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو اور خود چند سرداروں کے ساتھ حرم میں حاضر ہوئے اور کعبہ کی چوکھٹ اور کنڈا پکڑ کر اللہ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں کو اس نازک گھڑی میں سب بھول گئے اور صرف اللہ کے آگے دست سوال پھیلائے رہے۔ سیرت ابن ہشام میں عبدالمطلب کے یہ دعائیہ اشعار منقول ہیں۔

لاھم ان العبد یمنع رحلہ فامنع حلالک　　لا یغلبن صلیبھم ومحالھم غدوا محالک

ان کنت تارکھم وقبلتنا فامر ما بدالک　　وانصرنا علی آل الصلیب وعابدیہ الیوم آلک

اور روض الانف میں یہ آخری شعر منقول ہے اور ابن جریرؒ نے یہ آخری شعر بھی نقل کئے ہیں

یا رب لا ارجوا لھم سواکا　　یا رب فامنع منھم حماکا

ان عدو البیت من عاداکا　　امنعھم یخربوا قراکا

عبدالمطلب اور ان کے ساتھی یہ دعائیں مانگ کر خود بھی پہاڑوں میں چلے گئے۔ اگلے روز ابرہہ اپنے خاص ہاتھی محمود نامی پر چڑھ کر مکہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر یکا یک اس کا ہاتھی رک گیا۔ ہر چند آن کس مارے گئے، جھالے لگائے گئے۔ حتیٰ کہ ہاتھی زخمی ہو گیا۔ مگر وہ نہ ہلا۔ اسے دوسری طرف ہلانے کی کوشش کی جاتی تو چل پڑتا اور دوڑنے لگتا مگر مکہ کی طرف رخ موڑتے ہی بیٹھ جاتا۔ اور کسی طرح بڑھنے کا نام نہ لیتا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لئے اڑتے ہوئے آئے اور لشکر پر ان پتھریوں سے بارش کر دی۔ اس طرح ان سنگریزوں نے گولیوں کا کام کیا کہ جس کے لگ جاتی وہ ختم ہو جاتا۔ اس افراتفری میں لشکریوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ نفیل بن حبیب خثعمی کو انہوں نے تلاش کر کے واپسی کا راستہ معلوم کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ

این المفروا لا لہ الطالب　　والاشرم المغلوب لیس الغالب

یعنی اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب خدا تعاقب میں ہے اور نکٹا (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے۔ یہ وہی نفیل ہے جسے بدرقہ طریقہ پر ابرہہ کے لشکری اپنے ساتھ رات میں قبیلہ خثعم سے پکڑ لائے تھے۔ بقول محمد بن اسحاقؒ وہ اپنی آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرتا ہے

ردینہ لو رأیت ولا تریہ　　لدی جنب المحصب مارأینا

حمدت اللہ اذا بصرت طیرا　　وخفت حجارۃ تلقی علینا

وکل القوم یسئل عن نفیل　　کان علی للحبشان دینا

محمد بن اسحاقؒ اور عکرمہؒ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا۔ جو اسی سال سب سے پہلے بلاد عرب میں محسوس ہوا۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکر گرتی اسے سخت کھجلی شروع ہو جاتی جس سے کھال پھٹتی اور گوشت نکلنا شروع ہو جاتا۔ اور ان کی دوسری روایت ہے کہ خون اور گوشت پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتیں تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور عطاء بن یسارؒ کی روایت ہے کہ سب اسی وقت ہلاک نہیں ہوئے۔ بلکہ کچھ بھاگ کھڑے ہوئے اور راستے میں گرتے چلے گئے۔ چنانچہ ابرہہ بھی بلاد خثعم میں جا کر ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ محرم میں مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محصب کے قریب مقام محسر میں پیش آیا۔ اسی لئے حجاج کو وہاں

سے جلد گزر جانے کی ہدایت ہے اور ٹھہرنے کی ممانعت ہے۔ اس کے پچاس دن بعد ربیع الاول میں حضورؐ کی ولادت ہوئی۔ گویا آپؐ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو صرف اتنی ہی سزا دینے پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ تین چار سال میں یمن سے حبشی اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ جگہ جگہ یمنی سرداروں نے بغاوت برپا کر دی۔ اور ایک یمنی سردار سیف بن ذی یزن نے شاہ ایران سے فوجی مدد حاصل کر لی۔ چنانچہ ایرانی چھ ہزار فوج نے چھ جہازوں کے ساتھ حملہ کر کے حبشی حکومت کا ۵۷۵ء میں خاتمہ کر دیا اور اس طرح واقعۂ فیل کا انجام نہ صرف حملہ آوروں کی تباہی کی سورت میں نکلا۔ بلکہ ان کی حکومت کا تختہ ہی الٹ کر رکھ دیا گیا۔ ابرہہ کے مخصوص ہاتھی محمود نامی کی کنیت ابوالعباس تھی۔ دشمن کے اتنے طاقت ور ڈیل ڈول کے جانوروں کو اللہ نے معمولی پرندوں کے ذریعہ تباہ وبرباد کر دیا۔ وہ ایک چیونٹی سے ہاتھی کو ہلاک کر سکتا ہے۔ ابرہہ حبشی لفظ ہے جس کے معنی گورے چٹے کے ہیں۔ اور اشرم کے معنی نکٹے کے ہیں۔

طیرا ابابیل ،اساطیر، **شماطیط** اور عیادید کی طرح ابابیل ہے۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آسمانی پرندے تھے۔ دنیاوی پرندے نہیں تھے۔

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابابیل خطاطیف کے مشابہ تھیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وطاویط جیسے: سیاہ سرخ مخصوص جانور ہیں اور بعض ان کو مشہور عنقا مغرب کہتے ہیں اور ابالۃ کی جمع اگر مانی جائے جس کے معنی لکڑیوں کے بڑے گٹھ کے ہیں تو چونکہ پرندوں کی ٹکڑیاں بکثرت تھیں اس لئے جمع استعمال کی گئی۔

من سجیل یہ سنگ گل کا معرب ہے اور بعض سجیل کے معنی بڑے ڈول کے لیتے ہیں۔ یا اسجال بمعنی ارسال ہے یا سجل بمعنی دفتر ومہر سے ماخوذ ہے۔ یعنی ان پر ہر ایک کا نام لکھا ہوا تھا۔

کعصف ماکول گھاس چارہ مراد ہے جو کھایا جاتا ہے۔ یا اناج کا بھوسہ مراد ہے جو پہلے جانور روند کر دانوں سے الگ کرتے ہیں پھر کھاتے ہیں۔

ربط آیات:............ سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے۔ ان میں عذاب الٰہی سے ڈرانا بھی ہے۔ اس سورت میں بیت اللہ کی بے حرمتی کا جو وبال حبشیوں پر آیا ہے اس سے استدلال ہے۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس کے تاریخی پس منظر پر اگر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بالکل ابتدائی دور کی ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر و باہر ہے۔

روایات:............ حافظ ابن کثیرؒ اور محمد ابن اسحاقؒ وغیرہ نے جو تفصیلات درج کی ہیں۔ ان کا ذکر ابھی گزرا۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ ۶۰ ہزار کا لشکر جرار لے کر ہاتھیوں کے ساتھ ابرہہ آندھی کی طرح مکہ پر چڑھ آیا۔ اور عبدالمطلب سردار قریش کے سمجھانے بجھانے پر بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ تو عرب مکہ جنہوں نے دیوشکل ہاتھیوں کی یلغار کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اتنے بڑے لاؤ لشکر کے دفاع کا انتظام جن کے پاس نہیں تھا۔ عبدالمطلب کے مشورہ کے مطابق تباہی سے بچنے کے لئے پہاڑوں پر چلے گئے۔ دشمن ابھی مزدلفہ کے قریب وادی محسر میں تھا کہ سمندر کی طرف سے کچھ سبز اور زرد پرندے کبوتر سے کچھ چھوٹے غول کے غول امنڈ آئے۔ جن کی چونچوں اور پنجوں میں مسور اور چنا کے برابر کنکریاں تھیں۔ انہوں نے لشکر پر ان کنکریوں کو چھوڑا۔ قدرت الٰہی کہ انہوں نے گولیوں کا کام کیا۔ کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور جو کچھ نکل بھاگے۔ وہ بھی بلک بلک کر مر گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے محمود ہاتھی کے قائد اور سائیس کو اندھا بھیک مانگتے دیکھا۔ اور نوفل بن معاویہ کا بیان ہے کہ انہوں نے وہ کنکریاں دیکھیں ہیں۔ ان کنکریوں کے اثر سے خارش کا ہونا اور چیچک کا ہونا

اور اسی میں ہلاک ہو جانا بھی ممکن ہے۔ اسی طرح کنیسہ کو نجاست آلود کرنے کے ساتھ آگ لگانے کا واقعہ بھی ممکن ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....الم تر چونکہ تازہ تھا۔ حضورؐ کی ولادت باسعادت سے پونے دو ماہ پہلے کا ہے۔ پھر بچہ بچہ کی زبان پر مشہور تھا۔ اسی لئے اس کے علم کو دیکھنے سے تعبیر فرمادیا اور اسی لئے قرآن ان سب تفصیلات میں نہیں گیا کہ یہ ہاتھی والے کون تھے اور کیوں آئے تھے؟ اور کتنے تھے اور کتنی مدت رہے؟ کیونکہ اس وقت یہ باتیں سب کو معلوم تھیں۔

الم یجعل ہر چند کے وہ اللہ کے گھر کو اجاڑ کر اپنے مصنوعی کعبہ کو اس کی جگہ دینا چاہتے تھے۔ مگر اللہ نے ان کی ساری تدبیریں توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور سب داؤ پیچ بکھیر دیئے۔ نیا کعبہ تو کیا آباد ہوتا خود ہی برباد ہو گئے۔

کید کے معنی خفیہ تدبیر کے ہیں۔ ایک تدبیر ابرہہ نے کی اور ایک اللہ کا ہاتھ مخفی انتظامات کررہا تھا۔ ابرہہ کی فوج ظاہر تو اپنے کنیسہ کی بے حرمتی کا بدلہ لینے کے لئے تھی۔ مگر اصل ناپاک منصوبہ چھپائے ہوئے تھا۔ یعنی کعبۃ اللہ کو مٹا کر اپنا کعبہ آباد کرنا اور قریش کا زور توڑ کر اور تمام عرب کو مرعوب کر کے ان سے مصر و شام کی تجارت چھین لینا۔ مگر اللہ کی مخفی تدبیر کے آگے وہ اور اس کی پوری اسکیم خاک میں مل گئی۔ طیرا ابابیل عکرمہؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ واقعی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بحر احمر کی طرف سے آئے تھے۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ اس طرح کے پرندے نہ کبھی پہلے دیکھے گئے اور نہ بعد میں دیکھے گئے۔ یہ نہ نجد کے تھے نہ حجاز اور تہامہ کے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کی چونچیں پرندوں جیسی اور پنجے کتے جیسے تھے اور بقول عکرمہ ان کے سر شکاری پرندوں کے سر جیسے۔ غرض ان عجیب و غریب پرندوں کی چھوڑی ہوئی کنکریاں ان کے لگتی تھیں۔ اور کوئی سی مادہ ایسا چھوڑتی تھیں جس سے کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور کچھ ان کے اثر سے چیچک اور کھجلی میں مبتلا ہو کر ختم ہو گئے اور کچھ افراد کا بچ کر نکل بھاگنا بھی اگر ثابت ہو جائے۔ تب بھی اکثریت کے لحاظ سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور ہر چند کہ واقعہ عجیب و غریب اور بظاہر مستبعد ہے۔ لیکن بیت اللہ کی حرمت کے علاوہ اگر آنحضرتؐ کی آمد کا لحاظ بھی کیا جائے تو اس خارق عادت واقعہ کو ارہاص کہا جائے گا۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضورؐ کی ولادت شریفہ کے دن ہی یہ واقعہ پیش آیا ہے اور پچاس دن کے کا فصل بھی کچھ فصل نہیں۔ کیونکہ آثار نبوت اور برکات رسالت تو آخر شروع ہو ہی چکے تھے۔ کعبہ اور خدام کعبہ کی حفاظت منجانب اللہ ہو گی۔ اس لئے ان آیات میں دور از کار تاویلات قطعاً غیر موزوں ہیں۔

خلاصۂ کلام: ....حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اصحاب فیل کی تباہی و بربادی کا تذکرہ فرما کر اس پر زور دینا چاہا ہے کہ خاص طور پر قریش اور عام طور سے سارا عرب جہان غور کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ یہی تو ہے کہ سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ اور یہ بھی سوچ لیا جائے کہ اس وحدت کو دبانے کے لئے اگر انہوں نے زبردستی سے کام لیا تو جس طرح خدا نے اصحاب الفیل کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اس کے غضب میں تم بھی گرفتار ہو سکتے ہو۔ چنانچہ چند سال تک قریش اس واقعہ سے اتنے متاثر رہے کہ انہوں نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔ حضرت ام ہانیؓ اور حضرت زبیرؓ کی روایت ہے کہ قریش نے سات یا دس سال اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی۔ پھر جوں جوں یہ احساس کم ہوتا چلا گیا لوگ اپنے پرانے ڈگر پر آتے چلے گئے اور واقعہ چونکہ تازہ تھا بچہ بچہ کی زبان پر۔ اس لئے نہ اس کی تفصیل ضروری سمجھی گئی اور نہ اس کو بار بار دہرانا چنداں ناگزیر سمجھا گیا۔

فضائل سورت: ....من قرء سورۃ الفیل عافاہ اللہ ایام حیاتہ من الخسف والمسخ جو شخص سورۂ فیل پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں خسف و مسخ سے بچا لے گا۔

لطائف سلوک: ....وارسل علیھم اس میں اشارہ ہے کہ اسباب حقیقۃً موثر نہیں۔ بلکہ موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ تَاكِيْدٌ وَهُوَ مَصْدَرُ اٰلَفَ بِالْمَدِّ **رِحْلَةَ الشِّتَآءِ** اِلَى الْيَمَنِ **وَ رِحْلَةَ الصَّيْفِ ﴿۲﴾** اِلَى الشَّامِ فِىْ كُلِّ عَامٍ يَسْتَعِيْنُوْنَ بِالرِّحْلَتَيْنِ لِلتِّجَارَةِ عَلَى الْاِقَامَةِ بِمَكَّةَ لِخِدْمَةِ الْبَيْتِ الَّذِىْ هُوَ فَخْرُهُمْ وَهُمْ وَلَدُ النَّضْرِبْنِ كِنَانَةَ **فَلْيَعْبُدُوْا** تَعَلَّقَ بِهِ لِاِيْلَافِ وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ **رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۳﴾ الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ** اَىْ مِنْ اَجْلِهٖ **وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾** اَىْ مِنْ اَجْلِهٖ وَكَانَ يُصِيْبُهُمُ الْجُوْعُ لِعَدَمِ الزَّرْعِ بِمَكَّةَ وَخَافُوْا جَيْشَ الْفِيْلِ

سورۂ قریش مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔ اس میں چار آیات ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:......... چونکہ قریش خوگر ہوگئے ہیں یعنی ان کا خوگر ہونا (یہ تاکید ہے ایلاف آلف کا مصدر ہے) جاڑے میں (یمن کے) اور گرمی میں سفر کے لئے (شام کی طرف سال بھر میں دو تجارتی سفر کر کے پھر مکہ میں باطمینان قیام پذیر رہتے۔ تاکہ بیت اللہ کی خدمت کر سکیں جوان کے لئے باعث فخر تھیں۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں) لہٰذا ان کو چاہیئے کہ عبادت کریں (لایلاف کا تعلق فلیعبدوا سے ہے اس میں فا زائد ہے) اس گھر کے مالک کی جس نے انہیں بھوک میں (بھوک کی وجہ سے) کھانے کو دیا۔ اور خوف سے ان کو امن دیا (مکہ میں کاشت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے تھے اور اصحاب الفیل سے ڈرے ہوئے تھے)۔

تحقیق وترکیب:......... **سورة قریش** ای السورة التی ذکر فیها الامتنان علی قریش **قریش** تصغیر ہے قرش کی جس کے معنی بقول ابن عباسؓ سمندری جانور کے ہیں۔ جو نہایت طاقت ور ہوتا ہے اور جہازوں اور کشتیوں تک کو خاطر میں نہیں لاتا۔ البتہ شیر کی طرح آگ سے ڈرتا اور گھبراتا ہے۔ وہ دوسرے دریائی جانوروں کو کھاجاتا ہے۔ لیکن دوسرے جانوروں کے قبضہ میں نہیں آسکتا۔ اس کی تصغیر تعظیم کے لئے کر لی گئی ہے۔ پھر نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جانے لگا۔ کیونکہ عرب میں ان کی حیثیت، وہی تھی جو شیر اور اس دریائی جانور کی ہے۔

اور بعض فہر بن مالک کو قریش کہتے ہیں۔ قرش تقرش کے معنی کسب اور جمع کے ہیں۔ فلان یقرش بعیاله کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے قرشه یقرشه بمعنی قطعه وجمعه من ههنا وهنا وضم بعضه الی بعض قریش کو مختلف جگہوں سے جمع ہونے کی وجہ

سے قریش کہتے ہیں یا مختلف سامان خرید کر جمع کرتے تھے اور تجارت کرتے تھے یا نضر بن کنانہ ایک دن کپڑے میں مجمع ہو کر بیٹھا تو کہنے لگے تقرش۔ یا ایک دن قوم کے پاس آیا تو لوگ کہنے لگے۔ کانه جمل قرش ای شدید۔

مکیة مفسر علامؒ تو اس کو مختلف فیہ کہہ رہے ہیں اور قاضیؒ صرف اس کو مکی مانتے ہیں۔

لایلاف: ایلاف الف سے ہے جس کے معنی مانوس اور خوگر ہونے۔ پھیلنے کے بعد مل جانے اور کسی چیز کو اختیار کرنے کے ہیں اس کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ایک پچھلی سورت کے آخری جملہ **فجعلهم کعصف ماکول** سے اس کا تعلق ہے۔ ای جعلهم کعصف ماکول لایلاف اور بقول زمخشریؒ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شعر کی تضمین کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصحف ابی میں ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے نماز مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ والتین اور دوسری رکعت میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا۔ اخفشؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن بقول کوفی علماء کی ایک جماعت نے یہ کہہ کر اس بات کو رد کر دیا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا بلا فصل ایک سورت ہونا خلاف اجماع ہے۔

(۲) اس کا متعلق محذوف مانا جائے مثلاً اعجبوا لایلاف قریش یا فعلنا اهلاك اصحاب الفیل

(۳) اس کا متعلق **فلیعبدوا** کو مانا جائے اس صورت میں فا شرطیہ ہو جائے گی۔ ای فان لم یعبدوا لسائر نعمه فلیعبدوا لایلافهم۔ لایلاف میں لام تعجب ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ مثلاً: عرب کہتے ہیں لزید و ما صنعنابه یعنی ذرا اس زید کو دیکھو کہ ہم نے اس کے ساتھ نیک سلوک کیا اور اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ پس یہاں **لایلاف قریش** کے یہ معنی ہوں گے کہ قریش کا یہ رویہ بڑا ہی تعجب خیز ہے کہ اللہ ہی کے فضل کی بدولت وہ منتشر ہونے کے بعد جمع ہوئے اور وہ اللہ کے فضل کے بدولت ہی وہ تجارت کے خوگر ہوئے جو ان کی خوشنمائی کا سبب ہے۔ مگر پھر اللہ کی بندگی ہی سے وہ روگردانی کر رہے ہیں۔ ابن جریرؒ، اخفشؒ، کسائیؒ، فرا کی اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب جب اس لام کے بعد کسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ تو وہی بات یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ہوتے جو شخص کوئی رویہ اختیار کر رہا ہے وہ قابل تعجب ہے۔ لیکن خلیل اور زمخشریؒ لام کو تعلیل کے لئے مانتے ہوئے اس کا تعلق **فلیعبدوا** سے مان رہے ہیں۔ یعنی قریش پر یوں تو اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ لیکن اگر کسی اور نعمت کی بناء پر نہیں تو کم از کم اس نعمت کی وجہ سے ہی وہ اللہ کی عبادت کریں کہ وہ اس کے فضل سے تجارت کے خوگر ہوئے۔ جو ان کی خوشحالی کا باعث بنی۔

الفهم دوسرے مفسرین اس کو بدل قرار دے رہے ہیں کہ پہلے **ایلاف** مطلقاً ذکر کیا۔ پھر مفعول عنہ کی قید تعظیم کے لئے لا کر بطور بدل ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ اس کو تائید کہتے ہیں۔ ابن عامر کی قرأت **لا لاف** ہے بغیر یا کے۔ **رحلة الشتاء** مفعول بہ ہے **ایلافهم** کا۔ اور **ایلاف** منصوب بنزع الخافض بھی ہو سکتا ہے۔ ای للرحلة او علی الرحلة۔ قبیلہ ہاشم ملک شام میں اور قبیلہ مطلب یمن میں اور قبیلہ نوفل وعبد شمس مصر وحبشہ میں تجارتی سفر کیا کرتے تھے یا یوں کہا جائے کہ موسم سرما میں گرم علاقوں کا اور موسم گرما میں سرد علاقوں کا سفر کرتے تھے۔ اس لئے رحلتی الشتاء والصیف عبارت ہونی چاہئے تھی۔ لیکن التباس کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے مفرد لایا گیا۔ قریش کے تجارتی سفروں پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس سے سورۂ ایلاف اور سورۂ فیل کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ قصی بن کلاب سے پہلے تو قریش حجاز میں منتشر تھے۔ لیکن قصی نے سب کو مکہ میں یکجا کر دیا۔ اس طرح کعبۃ اللہ کی تولیت ان کے ہاتھ آ گئی۔ اس لئے قصی کو مجمع کا لقب دیا گیا۔ انہوں نے نہایت دور اندیشی سے ایک نظام ترتیب دیا اور حجاج کی خدمت کے لئے ایک عمدہ نظم قائم کیا۔ جس کے اثرات پورے ملک میں اور اطراف واکناف میں پھیل گئے۔ پھر ان کی اولاد عبد مناف اور عبد الدار میں کچھ

مناصب تقسیم ہو گئے۔لیکن ان میں عبد مناف شروع ہی سے نمایاں ہوئے۔جس کی وجہ سے اہل عرب ان کا لوہا ماننے لگے۔پھران کے چار بیٹوں۔ہاشم،عبد شمس،مطلب اورنوفل میں اول الذکر حضورؐ کے پردادا کو خیال آیا۔کہ عرب کی بین الاقوامی تجارت میں حصہ لیا جائے۔یہ وقت تھا کہ جب ایران کی ساسانی حکومت بین الاقوامی تجارت پر قابض تھی۔اس سلسلہ میں پہلے تو قریش کو راہداری کی وہ سہولتیں حاصل تھیں جو دوسروں کو حاصل نہیں تھیں۔دوسرے خدام بیت اللہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی۔اسی لئے یہ چاروں بھائی متجرین یعنی تجارت پیشہ سمجھے جانے لگے۔اور مختلف قبائل سے روابط کی وجہ سے ''اصحاب الایلاف'' بھی کہا جانے لگا۔جس کے معنی تعلقات پیدا کرنے والے کے ہیں۔

اس کاروبار کی وجہ سے شام،مصر،عراق،ایران،یمن،حبش تمام ممالک سے قریش کے تعلقات وسیع ہو گئے۔

من جوع تنکیر تعظیم کے لئے ہےاور بعض نے کہا قحط سالی کی شدت مراد ہے جس میں لوگوں نے مردار جانور اور ہڈیاں کھائی تھیں۔من خوف خوف عام ہے خواہ لوٹ مار کا ہو یا اصحاب فیل کا یا جذام مرض کا۔

ربط آیات:.......... منجملہ مہمات والضحیٰ کے انعامات الٰہیہ پر شکر کرنا بھی ہے۔اس سورت میں اسی کا بیان ہے کہ شکر نعمت کے لئے اللہ کی عبادت کرنا ہے۔وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ضحاکؒ اور کلبیؒ اگرچہ اس کو مدنی سورت کہتے ہیں۔لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اس کو مکی مانتی ہے۔چنانچہ رب ھٰذاالبیت بھی اس کا قرینہ ہے۔اسی طرح سورۂ فیل کے مضمون سے اس کا اتنا گہرا ربط ہے کہ غالباً اس کا نزول متصلاً ہوا ہوگا۔حتیٰ کہ بعض سلف دونوں کو ایک ہی مانتے رہے۔لیکن یہ رائے تو اس لئے قابل قبول نہیں کہ حضرات صحابہؓ کی بڑی تعداد کی مدد سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر قرآن کریم کے نسخے اسلامی مراکز میں بھجوائے۔ان میں دونوں سورتوں کو بسم اللہ کا فصل دے کر الگ الگ لکھا ہوا ہے۔اور اس کے مطابق امت کا تعامل رہا ہے۔نیز دونوں کا انداز بیان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے جس سے واضح ہے۔کہ دونوں سورتیں جمہور کے مطابق مستقل ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:.......... مکہ مکرمہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا۔اس لئے قریش یہ کرتے کہ سال میں دو بڑے تجارتی سفر کرتے تھے۔سردیوں میں یمن کی طرف کہ وہ گرم علاقہ ہےاور گرمیوں میں شام کے ٹھنڈے علاقہ کی طرف جو شاداب حصہ ہے۔نیز لوگ ان کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے اور دل وجان سے ان کی خدمت کرتے۔نہ ان سے ٹیکس وصول کیا جاتا اور نہ ان کی جان ومال سے تعرض کیا جاتا۔تیسرے حج کے زمانہ میں قریش حاجیوں کی جو خدمت نہایت فیاضی کے ساتھ کرتے تھے۔اس کی وجہ سے سب ان کے احسان مند اور شکرگذار تھے۔بادشاہوں اور امراء سے ان کے اچھے خاصے روابط قائم ہو گئے۔شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے حبش کے بادشاہ سے عبد شمس نے یمنی امراء سے مطلب نے اور عراق وفارس کی حکومت سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں۔

قریش کی تجارت اور اس کا پس منظر:.......... اس طرح ان لوگوں کی تجارت اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ گئی اور مختلف ملکوں سے براہ راست ثقافتی اور تہذیبی رشتوں کے استوار ہونے کی وجہ سے ان کی سوجھ بوجھ کا معیار بھی اتنا بلند ہوتا چلا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کی ٹکر کا نہ رہا۔اور مال ودولت کے اعتبار سے بھی وہ عرب میں سب پر فائق ہو گئے اور مکہ عرب کا سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا۔اس طرح قریش نہایت امن وچین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔حرم سے باہر لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا۔مگر کعبہ کے پاس ادب سے کوئی قریش پر ہاتھ صاف نہ کرسکتا۔اس انعام کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ اس گھر کے طفیل ہم نے تمہیں

روزی دی، امن چین، دیا۔ ہاتھیوں کے لشکر جرار کی زد سے محفوظ رکھا۔ تمہیں خود بھی اعتراف ہے کہ اس گھر کا مالک صرف اللہ ہے۔ وہ تین سو ساٹھ بت نہیں جن کی تم پوجا کر رہے ہو۔

جس گھر کی بدولت عزت وروزی اس کا حق ادا کرو:............ فلیعبدوا اس خانۂ خدا کی پناہ میں آجانے کے بعد تمہیں پناہ ملی، ورنہ پہلے تتر بتر اور بکھرے ہوئے تھے اور تمہاری کوئی حیثیت نہ تھی۔ مگر بیت اللہ کی خدمت نے تمہیں محترم بنا دیا۔ تمہارے سر اونچے کر دیئے اس لئے اور کچھ نہیں تو اسی نعمت کا لحاظ کرتے ہوئے گھر کے مالک کی بندگی کرو۔ جس کا واحد طریقہ اللہ کے رسول کی پیروی ہے۔ ھذاالبیت الذی اطعمھم یعنی تم پہلے بھوکوں مر رہے تھے۔ یہاں آنے کے بعد تمہارے لئے رزق کے دروازے کھل گئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی وہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی جو انہوں نے رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتك المحرم کے الفاظ میں کی تھی۔ وامنھم من خوف عرب کی مشہور بدامنی ہر جگہ عام تھی۔ کوئی بستی کوئی راستہ مامون نہیں تھا۔ ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا۔ نہ معلوم کب کوئی گروہ حملہ کر دے۔ کوئی شخص اپنے قبیلہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اکا دکا آدمی اول تو محفوظ نہیں تھا اور محفوظ بھی رہتا تو غلام بنالیا جاتا۔ تجارتی قافلے ڈاکوؤں کے حملوں کا شکار ہو جاتے تھے۔ البتہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ یہ قافلہ حرم کے خادموں کا ہے۔ انہیں چھیڑنے کی کوئی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اکیلا قریشی بھی اگر کہیں سے گزر جاتا تو کوئی اس سے تعرض نہ کرتا اور اس کے لئے صرف لفظ "رحمی" یا "انا من حرم اللہ" کہہ دینا ہی کافی ہو جاتا تھا یہ سنتے ہی اٹھے ہوئے ہاتھ فوراً رک جاتے تھے۔

خلاصۂ کلام:............ قریش اور عرب کے پچھلے حالات، اور بیت اللہ کی وجہ سے جو ان کی شاندار زندگی بن گئی تھی۔ وہ چونکہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سب پر عیاں اور روشن تھی۔ اس لئے سورت میں بھی ان کی تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے صرف چار فقروں میں ان کی اتنی سی بات کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ جب تم خود اس گھر کو اللہ کا اور صرف اللہ کا گھر مانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں اسی گھر کے طفیل یہ امن وچین عطا کیا۔ تجارت کے ذریعہ تمہیں یہ فروغ بخشا۔ اور فاقہ کی زندگی سے نکال کر یہ خوش حالی نصیب فرمائی۔ تو پھر تمہیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اور اس کا حق ادا کرنا چاہیئے۔

فضائل:............ من قرء سورة لایلاف قریش اعطاه الله تعالیٰ عشر حسنات بعدد من طاف الكعبة واعتكف بها جو شخص سورۂ لایلاف پڑھے گا اس کو اللہ تعالیٰ طواف کعبہ اور اعتکاف کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

لطائف سلوک:............ لایلاف الخ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو دین کی وجہ سے دولت واقتدار حاصل ہو جائے جیسا کہ قریش کو بیت اللہ کے تعلق سے حاصل ہوا تو اس کا حق یہ ہے کہ تفاخر اور دعویٰ استحقاق کے بجائے اللہ کے شکر اور اس کی اطاعت کا زیادہ اہتمام کرے۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْمَدَنِيَّةٌ اَوْنِصْفُهَا وَنِصْفُهَا سِتٌّ اَوْسَبْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ﴿۱﴾ بِالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ اَىْ هَلْ عَرَفْتَهُ اَوْلَمْ تَعْرِفْهُ **فَذٰلِكَ** بِتَقْدِيْرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ **الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ﴿۲﴾** اَىْ يَدْفَعُهُ بِعُنْفٍ عَنْ حَقِّهٖ **وَلَا يَحُضُّ** نَفْسَهُ وَلَا غَيْرَهُ **عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴿۳﴾** اَىْ اِطْعَامِهٖ نَزَلَتْ فِى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ اَوِالْوَلِيْدِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ **فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴿۵﴾** غَافِلُوْنَ يُؤَخِّرُوْنَهَا عَنْ وَقْتِهَا **الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ﴿۶﴾** فِى الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا **وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴿۷﴾** كَالْاِبْرَةِ وَالْفَاسِ وَالْقِدْرِ وَالْقَصْعَةِ ع ۳۲

یہ سورت الماعون مکیہ یامدنیہ ہے یانصف نصف اوراس میں ۶ یا۷ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: .... آپ نے کیا اس شخص کو دیکھا ہے جوآخرت کی جزاء وسزا کو جھٹلاتا ہے (حساب اور بدلہ کو یعنی آپ اس کو جانتے ہیں یانہیں جانتے ؟) وہی تو ہے (فاء کے بعدھو مقدر ہے) جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی اس کا حق دینے کے بجائے جھڑک دیتا ہے) اورنہیں اکساتا (نہ خود کو اور نہ دوسروں) مسکین کو کھانا دینے پر (یعنی اس کو کھلانے کے لئے یہ آیت عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سوتباہی ان نماز پڑھنے والوں پر جواپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (غفلت برتتے ہیں نماز بےوقت پڑھ کر) جوریاکاری کرتے ہیں (نماز وغیرہ میں) اورمعمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں (جیسے سوئی، کلہاڑی، ہانڈی، پیالہ)۔

تحقیق وترکیب: .... مکیۃ ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ عطاؒ اور جابرؓ کی رائے بھی یہی ہے۔ مگرابوحیانؒ نے ابن عباسؓ اورقتادہؒ اورضحاکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اورتیسرا قول مفسرؒ نے نصف نصف کا نقل کیا ہے۔ یعنی اول نصف مکہ میں ابن وائل کے متعلق اورآخری نصف عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔

ارأیت مفسرؒ نے رؤیت عملیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اوررؤیت بصریہ بھی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح مخاطب عام بھی ہوسکتا ہے۔ رؤیت علمیہ کی صورت میں سمجھنے اورغور کرنے کے معنی ہیں اردو میں بھی یہ استعمال ہے۔ کہتے ہیں "دیکھ رہا ہوں یا ذرا یہ بھی تو دیکھو" یعنی سمجھ رہا ہوں یا سمجھو یہاں استفہام بمعنی تعجب ہے ایک قرأت ارأیت مضارع کی طرح بغیر ہمزہ کے ہے اورایک قرأت ارأیتک۔

الذی ،یکذب الذی جنس اورعہد دونوں کے لئے ہوسکتا ہے۔ البتہ فذلک دوسرے احتمال کی تائید کرتا ہے ،دین کے معنی جزاء کے اوراسلام کے ہوسکتے ہیں۔

فذلک الذی مفسرؒ نے فا کے بعدھو جومقدر مانا ہے۔ وہ ضروری نہیں ہے یہ مبتداء بھی ہوسکتا ہے اورالذی یدع اس کی خبر ہے۔

بہر صورت یہ جملہ اسمیہ ہوگا۔ جس پر فا شرط مقدر کے جواب میں ہے۔ ابوجہل یا ولید یا ابن ابی مراد ہے ایک قرأت یدع بمعنی یترک بھی ہے۔

الذین ھم عن صلاتھم یہ مرفوع المحل اور منصوب المحل اور مجرور المحل تینوں طرح ہو سکتا ہے۔ نعت یا بدل یا بیان کی صورت میں۔ اسی طرح آئندہ الذین میں بھی تینوں احتمال ہیں اور یہ مصلین کے تابع ہو سکتا ہے۔ اور موصول کے تابع بھی ہو سکتا ہے۔

یراؤن اس کی اصل یرائیون ہے صرفی تعلیل ہوگئی ہے۔ باب مفاعلت سے اس کا لانا واضح ہے۔ کیونکہ ریا کار لوگوں کی تعریف کے لئے عبادت کو دکھلاتا ہے۔ اور لوگ دیکھ کر تعریف کرتے ہیں۔

الماعون معنی سے ماخوذ ہے فاعول کے وزن پر معتبر چیز "مالہ معن" کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ قطرب کہتے ہیں کہ اعانۃ سے مفعول ہے قلب کر کے تصرف کر لیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ، حسن بصریؒ، محمد بن حنفیہؒ ضحاکؒ، ابن زبیرؓ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، عطاء رحمہم اللہ کے نزدیک زکوۃ مراد ہے اور ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابراہیم نخعیؒ، ابو مالک وغیرہ معمولی ضرورت کی چیزیں مراد لیتے ہیں جو عام طور پر لی دی جاتی ہیں۔

ربط آیات:......... منجملہ مہمات والضحیٰ کے کفر و نفاق سے بچنا ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ پوری سورت کو اگر مکی مانا جائے تو کفار مکہ مخاطب ہوں گے اور ان کو مصلین کہنا اس معنی کو ہے کہ ایمان کے ساتھ نماز وغیرہ بھی ان پر فرض ہے۔ اور مدنی کہنے کی صورت میں منافقین مخاطب ہوں گے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ منافقین اور ریاکاری کے ساتھ نماز پڑھنے والے مدینہ ہی میں تھے۔ مدینہ میں چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو اتنی طاقت حاصل ہوگئی تھی کہ بعض لوگ محض مصلحۃً مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ان کو مجبوراً مسجد کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ اس کے برعکس مکہ میں ایسے حالات سرے سے موجود ہی نہیں تھے کہ وہاں کسی کو دکھاوے کی نماز پڑھنی پڑے۔ وہاں تو نماز وہی پڑھتا جس کی جان ہتھیلی پر ہوتی اور وہ بھی چھپ چھپ کر پڑھتا تھا۔ اس میں دکھاوے کا کیا سوال، کھلم کھلا نماز پڑھنا دکھلاوے کے لئے نہیں۔ بلکہ جان جوکھوں میں ڈالنے کے لئے ہوتا تھا۔ وہاں اگر منافقین کی کوئی قسم پائی جاتی تھی۔ تو وہ ریاکارانہ نماز پڑھنے والوں کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی تھی۔ جو دل میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر حق سمجھتے تھے۔ مگر اپنی وجاہت و شخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور اپنا بھرم باقی رکھنے کے لئے کفر سے چمٹے ہوئے تھے۔ اور کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ رہا آدھی سورت کا مکی اور آدھی کا مدنی ہونا سو اس کی توجیہ ظاہر ہے۔ یعنی سابقہ دونوں توجیہات کا مجموعہ۔ وجہ تسمیہ بھی ظاہر ہے۔

روایات:......... یدع الیتیم کان ابو جھل وصیا لیتیم فجاء عریانا یسألہ من مال ابیہ فدفعہ وابو سفیان نحر جزورا فسألہ یتیم لحما فقرعہ بعصاہ او الولید او منافق تحیل۔ قاضی نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوجہل جس یتیم بچہ کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اس بدحالی میں اس کے پاس آیا کہ تن بدن پر کپڑا تک نہ تھا اور التجا کی میرے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دے دے۔ مگر ظالم نے اس طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہ شرارت اس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر۔ وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تیرا مال تجھے دلوا دیں گے۔ بچہ صورت حال سے ناواقف تھا۔ وہ سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا دکھڑا کہہ سنایا۔ آپؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہو گیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچہ کو اس کا حق دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر دے دیا۔ سرداران قریش کو جب پتہ چلا تو انہیں حیرت ہوئی ابوجہل کے پاس آ کر ملامت کرنے لگے کہ تو بھی دین سے پھر گیا۔ ابوجہل بولا کہ بخدا میں نے دین نہیں چھوڑا مگر میں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں بائیں ایک حربہ ہے اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی تو وہ ہتھیار میرے اندر گھس جائے گا۔ **ساھون** سعد بن وقاصؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ھم المنافقون یترکون الصلوٰۃ فی السر یصلونھا فی العلانیۃ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ عن صلوٰتھم فرمایا اور فی صلوٰتھم نہیں فرمایا۔ ورنہ کون

مسلمان ہے جس کو نماز میں سہو نہ ہوتا ہو۔اس لئے مفسرؒ نے غفلت کے ساتھ تفسیر فرمائی ہے۔الماعون عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کنا نعد الماعون علی عهد صلعم عارية الدلو والقدر وزاد البزار الفاس ولابن ابی حاتم بلفظ الماعون منع الدلو واشباه ذلك ولابن ابی حاتم وعن عکرمه راس الماعون زکوٰة المال وادناه المنخلو الدلو والا برة وقيل الماعون ما لايحل المنع عنه مثل الملح والنار۔

﴿تشریح﴾:.........الدین. اکثر مفسرینؒ نے دین کے معنی آخرت اور بدلہ کے لیے ہیں یعنی یہ لوگ آخرت اور اللہ کے حساب کتاب کو نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نیکی اور بدی کا بدلہ نہیں ملے گا اور انصاف نہیں ہوگا آخرت کا انکار ہی انسان کو بے لگام اور بدکردار بنا دیتا ہے لیکن ابن عباسؓ دین سے اسلام مراد لیتے ہیں یعنی یہ لوگ اسلام اور مذہب ہی کو جھٹلاتے ہیں گویا ان کے نزدیک دین کوئی چیز نہیں ہے اس صورت میں پوری سورت کا مدعا اسلام کی اہمیت کو واضح کرنا ہے یعنی اسلام منکرین کے برخلاف سیرت وکردار پیدا کرنا چاہتا ہے پس انداز کلام بتلا رہا ہے کہ یہاں یہ پوچھا نہیں ہے کہ تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ تاثر دینا ہے کہ آخرت کی جزا سزا کا انکار آدمی میں کسی قسم کا کردار پیدا کر دیتا ہے جس سے آخرت کے عقیدہ کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔

اخلاقی پستی کی انتہا:.........فذلك الذی یعنی یتیم کی ہمدردی اور غمخواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بد اخلاقی سے پیش آتا ہے اور آپ ایسے شخص کو نہیں جانتے تو دیکھ لو یہی تو ہے وہ شخص جو یتیم کا حق مارتا ہے اور اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے بھی بے دخل کر کے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اسی طرح اگر کوئی یتیم خود اس سے کچھ مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کی بجائے اسے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور پھر بھی کوئی آفت کا مارا اگر امید لیے کھڑا ہی رہے تو سال اللئيم يرجع ودسه سائل کا منظر سامنے آجاتا ہے اور بالفرض اپنا ہی کوئی یتیم رشتہ دار اپنے گلے پڑ جائے تو اس بدنصیب کے حصہ میں گھر بھر کی خدمت گزاری اور بات بات پر جھڑکیاں اور ٹھوکریں کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہر قسم کے مظالم کے لئے وہ تختۂ مشق بنا رہتا ہے اور ستم یہ کہ اس ظالم کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ خود بھی زمانہ کی ستم ظریفی کا شکار ہو سکتا ہے۔ بلکہ یتیم کو ایک بے بس اور بے جان مخلوق سمجھتا ہے۔اس لئے اس کا حق مارنے یا اس کو دھتکارنے یا ظلم وجور کے لئے تختۂ مشق بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بخل کی حد بندی نہیں بلکہ بطور تمثیل دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے:.........ولا يحض یعنی غریب محتاج کو خود دینا تو کیا معنی؟ وہ کسی اور دینے والے کو بھی نہیں اکساتا۔ حالانکہ غریبوں پر ترس کھانا ہر مذہب وملت میں پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ لیکن جو شخص انسانی جذبۂ ہمدردی سے بھی بے بہرہ ہو۔ سمجھو کہ وہ آدمی نہیں جانور ہے۔ بھلا ایسے شخص کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا سروکار؟ مفسرؒ نے طعام المسکین کے معنی اطعام المسکین کے لئے ہیں۔ یعنی مسکین کو کھانا کھلانے کی کسی کو ترغیب نہیں دیتا۔ لیکن طعام المسکین کو اپنے ہی ظاہر پر رکھا جائے تو زیادہ ابلغ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کسی کو اپنا کھانا دینے کی ترغیب دینا تو بجائے خود مسکین کو اپنا کھانا اور اس کا حق.........جو دوسرے پر آتا ہے اس کو دلانے کی توفیق بھی سلب کر لی جاتی ہے اور وہ مسکین کو اس کا اپنا کھانا بھی دلانے کی کسی کو ترغیب نہیں دیتا۔ اس کے لئے نہ خود کو آمادہ کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اکساتا ہے۔ یہاں دو چیزوں کے ذکر سے مقصود صرف انہی دو چیزوں کی برائیاں بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دو خرابیاں بطور تمثیل ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ان نمونوں سے ہر شریف طینت انسان سمجھ لے گا کہ نہایت قبیح رذائل ہیں اور اسی کے ساتھ اس پر بھی زور دینا ہے کہ جسے اللہ کے دربار میں حاضری کا خوف وڈر ہوگا تو اس سے یہ کمینی حرکتیں سرزد نہ ہوں گی۔

نمازیوں پر نماز کا ادبار:.........فويل للمصلين اس میں فا لانے کا مطلب یہ ہے کہ کھلے ہوئے منافقین کا حال تو تم نے ابھی سن لیا ہے۔ اب ان کا حال سنو جو خود کو نماز پڑھنے والے مسلمانوں میں سمجھتے ہیں۔ مگر آخرت کو جھوٹ سمجھتے ہیں اس لئے دیکھو تو وہ

اپنے لئے کس تباہی کا سامان کررہے ہیں اور مصلین کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خود کو نمازیوں میں شمار کرتے ہیں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ یہ نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے؟ اور اس سے کیا مقصود ہے؟ اور اس کا کتنا اہتمام ہونا چاہیئے۔ بھلا یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ گنڈے دار دو چار ٹکریں مارلیں وقت بے وقت کھڑے ہو گئے۔ دنیا کے بکھیڑوں میں اس قدر کھوئے ہوئے ہیں کہ نماز کا ہوش ہی نہیں جب جی میں آگیا۔ آ گئے اور آئے تو یہ خبر نہیں کہ کہاں آئے ہیں، کیوں آئے ہیں؟ کس کے آگے کھڑے ہیں؟ **احکم الحاکمین** کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے، بیٹھنے، سیدھے ہونے، جھک جانے کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی نظر دلوں پر نہیں ہے کہ ان میں کتنا خلوص اور خشوع ہے؟ یہ سب باتیں **ساھون** میں آجاتی ہیں۔ اور **فی صلوتھم** کے بجائے **عن صلوتھم** میں نکتہ یہ ہے کہ لائق عتاب اور قابل ملامت نماز سے اعراض وغفلت ہے کہ نماز کو بالکل ہی بھول بھلیاں بنادے۔ نماز میں سہو ونسیان پیش آنا نفاق یا گناہ نہیں ہے۔ بلکہ ارشاد نبویؐ رفعت عن امتی الخطاء والنسیان کی رو سے وہ کوئی عیب اور لائق سرزنش بات بھی نہیں ہے۔ انبیاء واولیاء میں کوئی اس سے بچا نہیں۔ نماز میں سجدہ سہو کا ایک مستقل باب ہے۔ بلکہ وہی گنڈے دار نماز پڑھنا یا ٹال مٹول کرتے رہنا اور وقت جب بالکل ختم ہونے لگے تو اٹھ کر دو چار ٹھونگیں مارلینا یا اس طرح نماز پڑھ لینا کہ کوئی مصیبت نازل ہو رہی ہے۔ بے دلی کے ساتھ کپڑوں سے کھیلنا۔ جمائیاں لیتے جانا۔ بادل نخواستہ کچھ ٹکریں مارلینا۔ یا ایسی ہیئت سے نماز پڑھنا کہ معلوم ہوتا ہے پہلوانی کی جارہی ہے۔ ورزش ہو رہی ہے۔ خدا کی یاد کا کوئی شائبہ دل کے اندر نہیں ہوتا۔ پوری نماز میں نماز کا احساس ہوتا ہے اور نہ یہ خیال کہ کیا پڑھا ہے۔ جسم نقل وحرکت کررہا ہے۔ مگر دل ہے کہ کہیں اور پڑا ہوا ہے۔

نماز بے حضوری:......... گویا ایک مشین ہے جس کو چابی دے دی گئی ہے اور وہ اس سے چل رہی ہے چابی ختم ہو جائے گی نقل حرکت بھی رک جائے گی۔ مارا مار اس طرح نماز پڑھی جارہی ہے کہ نہ قیام ٹھیک نہ رکوع وسجود قرینہ کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ یک صاحب نماز میں ڈاڑھی کے بالوں کو چھیڑ رہے تھے آپؐ نے فرمایا: اگر اس کے دل میں خشیت اور خوف ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا بس کسی نہ کسی طرح الٹے سیدھے نماز کا بوجھ اتارنے کی کوشش ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس کی نماز اللہ سے قریب نہیں کرتی اسے اور دور پھینک دیتی ہے۔ جہاں تک نماز میں وساوس اور دوسرے خیالات کے خود بخود آ جانے کا تعلق ہے وہ اور ات ہے اور نماز جی لگا کر نہ پڑھنا اور اس میں دوسری ہی باتیں سوچتے رہنا بالکل دوسری چیز ہے۔ پہلی حالت تو بشریت کا تقاضا ہے نبیاءؑ واولیاؒ بھی اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں نہ اس پر کوئی عتاب اور مواخذہ ہے بلا ارادہ دوسرے خیالات آ ہی جاتے ہیں۔ لیکن مؤمن کو جب بھی احساس اور تنبہ ہو جاتا ہے۔ کہ نماز سے اس کا دھیان ہٹ گیا ہے۔ تو وہ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے یہ حالت قابل ملامت نہیں لائق افسوس جو بات ہے وہ غفلت ہے کہ نماز شروع کرنے سے سلام پھیرنے تک ایک لمحہ کے لئے دل خدا کی طرف متوجہ ہیں ہوتا جن خیالات کو لئے ہوئے نماز میں آیا تھا انہی میں مستغرق رہتا ہے اور انہی افکار میں نماز سے باہر آ جاتا ہے۔

ریاکاری ایک طرح کا شرک ہے:......... **الذین ھم یراؤن** یعنی ایک نماز ہی کیا ان کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری ور نمائش ونمود سے خالی نہیں ہوتے گویا ان کا مقصود خالق سے قطع نظر مخلوق کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ کوئی بھی نیک کام خلوص نیت سے خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کرتے ہیں دکھلاوے کے لئے کرتے ہیں۔ کہ لوگ ان کو نیک سمجھیں اور ان کی تعریفیں ہوں، ان کی ینداری کا دنیا میں ڈھنڈورا پیٹے اور پھر اس کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں دنیا ہی میں ان کو مل جائے۔ لیکن ابن عباسؓ اور بالعموم دسرے مفسرین نے اس جملہ کا تعلق پہلے سے مانا ہے۔ اور بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ مراد وہ منافقین ہیں جو محض دکھاوے کی ماز پڑھتے ہیں اگر لوگ دیکھ رہے ہوں۔ تو نماز پڑھ لیتے ہیں اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو نہیں پڑھتے تھے۔ بہر حال غور سے دیکھا جائے تو یاکاری ایک طرح سے شرک وکفر ہے کہ ریاکار کے پیش نظر غیر خدا ہوتا ہے قیامت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ انہی سے صلہ اور بدلہ لو

جن کو دکھلانے کے لئے عبادت واطاعت کی تھی۔ یوں اعمال کی صورت بھی بے کار نہ ہو اور وہ اس پر بھی فضل وانعام فرمادیں۔ وہ الگ بات ہے مگر خالص توحید ریاکاری کو گوارا نہیں کرتی۔

کنجوس کے لئے مال، جان وآن سے زیادہ عزیز ہے:............ ویمنع الماعون یعنی زکوٰۃ وصدقات تو کیا ادا کرتے معمولی برتنے کی چیزیں سوئی دھاگہ نمک، پانی، ہنڈیا، دیگچی، کلہاڑی، ڈول، رسی تک اور وہ بھی عاریۃ دینے میں جان نکلتی ہے خست وبخل کا جب یہ حال ہو تو ریاکاری کی نماز ہی سے کیا فائدہ ہوگا ایک آدمی خود کو مسلمان کہتا ہے اور نمازی کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا تو اس کا مسلمان ہونا لفظی ہے اور نمازی ہونا بے حقیقت ہے یہ ریاکاری اور بدخلقی ایک سچے مسلمان کا شیوہ نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جو اللہ اور دین پر اعتقاد نہیں رکھتے چھوٹی موٹی چیزیں جو عادۃً۔ ہمسائے ایک دوسرے سے مانگتے رہتے ہیں اور ان کا مانگنا عرف میں کوئی ذلت کی بات نہیں سمجھتا امیر غریب سب ہی کو کبھی نہ کبھی ایسا اتفاق پیش آتا رہتا ہے البتہ ایسی چیزوں کو نہ دینا اور بخل کرنا اخلاقاً ذلیل حرکت سمجھا جاتا ہے حضرت علیؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ماعون سے مراد زکوٰۃ بھی اور معمولی ضروریات کی چیزیں بھی ہیں۔ کہ عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ کسی کو چھلنی، ڈول، سوئی عاریۃً دی جائے۔

دو نکتے:............ بہر حال دین کی تکذیب اگر کفر کے طریقہ پر ہو جیسا کہ سورت کے نصف اول میں ہے یا بطور نفاق کے تکذیب ہو جیسا کہ سورت کے نصف آخر میں ہے تب یہ تو مذمت اوّل درجہ کی ہے اور اگر بلا تکذیب کے ان افعال کا ارتکاب ہو تو یہ مذمت دوسرے درجہ کی ہے آیت فویل للمصلین کی تقریر سے یہ شبہ کیا جائے کہ اس سے حقوق اللہ کا حقوق العباد پر مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ فقہا نے حقوق العباد کو مقدم مانا ہے جواب یہ ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ حیثیت سے درست ہیں حقوق العباد بلحاظ احتیاج والزام کے مقدم ہیں اور حقوق اللہ اعظم ہونے کی وجہ سے مقدم ہیں اور غور سے دیکھا جائے تو حقوق العباد میں بھی حقوق اللہ ہیں۔ کیونکہ اللہ ہی کے حکم سے ان کے حقوق مقرر ہوئے پس اصل حقوق اللہ ہی ہوئے۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت کا ماحصل یہی ہے کہ انسان آخرت کا انکار کر کے کیا کھوتا ہے اور کیا پاتا ہے چنانچہ دوسری تیسری آیت میں ان کافروں کی حالت کا بیان ہے جو آخرت کو جھلاتے ہیں اور آخری چار آیات میں ان منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے جو ظاہراً نماز پڑھتے ہیں مگر دل میں نہ آخرت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ اس کی سزا جزا کا کوئی دھیان انہیں آتا ہے اور ان دونوں قسم کے لوگوں کی حالت بیان کرنے سے اسی حقیقت کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ آخرت کے انکار سے انسان کا اخلاق وکردار تباہ ہو جاتا ہے لہٰذا اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے لئے آخرت کا اعتقاد ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو منافقین میں نفاق اعتقادی اور عملی دونوں تھے ان کا حکم تو کافروں ہی جیسا ہے مگر بعد میں کسی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ اعتقادی نفاق کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے اللھم احفظنا منھا اور نفاق عملی کی کثرت کی کوئی حد نہیں ہے۔

فضائل سورت:............ من قراء سورة أرايت غفرله ان كان للزكوة مودیًا. جوشخص سورۃ اَرایت پڑھے گا حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہو (مرفوع)۔

لطائف سلوک:............ فذلك الذى يدع اليتيم اس میں قساوت، غفلت، ریا، بخل کی مذمت واضح ہے۔

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ يَامُحَمَّدُ **الْكَوْثَرَ﴿۱﴾** هُوَ نَهْرٌ فِى الْجَنَّةِ اَوْهُوَ حَوْضُهٗ تَرِدُ عَلَيْهِ اُمَّتُهٗ اَوِالْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيْرُ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْقُرْاٰنِ وَالشَّفَاعَةِ وَنَحْوِهَا **فَصَلِّ لِرَبِّكَ** صَلَاةَ عِيْدِ النَّحْرِ **وَانْحَرْ﴿۲﴾** نُسُكَكَ **اِنَّ شَانِئَكَ** اَىْ مُبْغِضَكَ **هُوَالْاَبْتَرُ﴿۳﴾** اَلْمُنْقَطِعُ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ اَوِالْمُنْقَطِعُ الْعَقِبُ نَزَلَتْ فِى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ سَمَّى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْتَرَ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ الْقَاسِمِ

سورۃ کوثر مکیہ ہے یا مدنیہ اس میں تین آیات ہیں۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:........ بلاشبہ ہم نے آپ کو (اے محمد!) کوثر عطا فرمائی ہے (یہ جنت کی نہر یا حوض ہے جہاں امت محمدیہ لے جائی جائے گی۔ یا کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شفاعت وغیرہ خیر کثیر ہے) سو آپ اپنے پروردگار کے لئے (بقرعید کی) نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے یقیناً آپ کا دشمن (مخالف ہی) بے نام ونشان ہے (ہر طرح کی خیر سے محروم، یا منقطع النسل ہے یہ آیت عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی جب اس نے آپ ﷺ کے صاحبزادہ قاسمؓ کی رحلت پر آپ کو ابتر کہا تھا)۔

تحقیق وترکیب:........ **اعطینا** ایک قرأت انطینا ہے بنوتمیم اور اہل یمن کا یہ لغت ہے۔

الکوثر حوض کوثر مراد ہے یا فوعل کا وزن کثرت اور مبالغہ کے لئے ہے جیسے نفل سے نوفل کوثر کا موصوف خیر محذوف ہے اس میں علم وعمل اور دونوں جہان کی ہر قسم کی بھلائی داخل ہے بعض نے آپ کی اولاد اور پیرو کار اور علماء امت اور قرآن کریم کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

صحاح میں کوثر کی دونوں تفسیریں آئی ہیں حوض کوثر اور خیر کے معنی ہیں اور ایک تفسیر کا دوسری تفسیر میں داخل ہونا بھی آیا ہے اور بعض احادیث سے اس نہر کا جنت میں ہونا اور بعض سے میدان حشر میں ہونا معلوم ہوتا ہے تطبیق کی صورت یہ ہے اصل نہر جنت میں اور اس کی شاخ محشر میں ہوگی۔

وانحر اونٹ عرب کے نزدیک بہترین مال سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے ذبح کے لئے لفظ نحر خاص استعمال کیا گیا

مراد مطلقاً قربانی ہے خواہ اونٹ کی قربانی ہو یا گائے بکری کا ذبیحہ، نماز اور قربانی دونوں کو جمع کرنے میں بدنی، مالی، عبادات کی طرف اشارہ ہے اور نماز کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسی نماز نہیں ہونی چاہیے جو غفلت وریاکاری پر مشتمل ہوتی ہے اور قربانی کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسا بخل نہیں ہونا چاہیے کہ زکوٰۃ ومیراث سے سب سے محروم رہتے ہیں بلکہ آپ غریبوں کے لئے خوراک بہم پہنچایئے اس طرح اس سورت کا مضمون پہلی سورت کے مقابل ہو جاتا ہے لیکن مفسرؒ نے نماز سے نماز عید قربانی اور نحر سے عید کی قربانی مراد لیتے ہیں۔

ان شانئک. شانی سے ماخوذ ہے جس کے معنی بغض وعداوت کے ہیں جس کے نتیجہ میں بدسلوکی کی جائے۔ **ولا یجرمنکم شنأن قوم**.

ھو الابتر . ابتر کے معنی دم بریدہ کے ہیں مراد ایسا شخص ہے جس کی نسل نہ چلے اور گمنام ہو جائے یہ استعارہ کیا گیا ہے بتر قطع کرنے اور کاٹنے کے معنی ہیں یعنی الگ تھلگ آدمی۔

حدیث میں آتا ہے۔ **نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتیراء**. یعنی اکیلی ایک رکعت پڑھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس طرح دوسری حدیث. **کل امر ذی بال لم یبدء فیہ بحمداللہ فھو ابتر** . یعنی بغیر اللہ کی حمد کے جو کام شروع کیا جائے وہ بے برکت اور بے نتیجہ رہتا ہے دشمن کے ابتر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نسل رہے نہ رہے پر دنیا میں اس کا ذکر خیر باقی نہ رہے گا بر خلاف حضور ﷺ کے آپ کی پسری نسل نہ سہی اس سے جو مقصود ہے وہ بدرجہ اتم حاصل ہے۔

ربط آیات:........سورۃ والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعقیدت اور آپ کے مخالف کے ساتھ بغض وعداوت ہے اس سورت کے شروع اور آخر میں اس کے موجبات کا ذکر ہے اور درمیانی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطائی نعمت پر شکر کا حکم ہے وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات:........حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، کلبیؒ، مقاتلؒ اور جمہور مفسرینؒ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے لیکن حسن بصریؒ، عکرمہؒ، مجاہدؒ اور قتادہؒ اس کو مدنی کہتے ہیں علامہ سیوطیؒ اور علامہ نوویؒ نے اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ پر کچھ غنودگی کے آثار طاری ہوئے پھر آپؐ نے مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے اور آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر سورۃ کوثر پڑھی پھر پوچھا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ عرض کیا اللہ ورسول کو زیادہ معلوم ہے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے جنت میں عطا کی ہے چونکہ حضرت انسؓ اپنا اس مجلس میں شریک ہونا بیان کرتے ہیں اور وہ مکہ میں نہیں تھے بلکہ مدینہ میں تھے پس یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اول تو اس سورت کا مضمون بجائے خود اس کا شاہد ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی جب مکہ میں ہر قسم کے دلخراش تیر چلائے جا رہے تھے دوسرے حضرت انسؓ کی روایت میں یہ تفصیل موجود نہیں ہے کہ حضورؐ نے کسی سلسلہ کلام میں یہ ارشاد فرمایا پہلے سے کیا گفتگو چل رہی تھی؟ ممکن ہے کسی مسئلہ میں آپ کچھ ارشاد فرما رہے ہوں اور اسی ذیل میں تائیداً آپؐ نے سورت کوثر پڑھی اس قسم کے واقعات اور مواقع نیز پیش آئے ہیں جن کی نسبت مفسرین نے بعض آیات کے متعلق کہا کہ وہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سورت اگرچہ پہلے نازل ہو چکی ہے مگر پھر کسی موقعہ پر حضور کو وحی کے ذریعہ توجہ دلائی گئی ہے اور آپ نے بطور استشہاد ان آیات کو تلاوت فرما دیا۔ تیسرے خود حضرت انسؓ ہی سے متعدد روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہر کوثر معراج میں دکھلائی گئی اور

ظاہر ہے کہ معراج مکہ معظمہ میں ہوئی تھی پھر مدینہ طیبہ میں کوثر کی خوشخبری دینے کا کیا مطلب؟ نیز اتنے صحابہؓ اور جمہور کے مقابلہ میں تنہا حضرت انسؓ کی بات کیسے وزنی ہوگی آخر یہ حضرات بھی مجالس نبویؐ کے حاضر باش تھے جو اس کے مکی ہونے کے قائل ہیں کفار قریش کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری قوم سے کٹ گئے ہیں اور ان کی حیثیت ایک بے کس و بے بس انسان کی سی ہوگئی ہے عکرمہؒ کی روایت ہے کہ حضور کی دعوت اسلام کے جواب میں قریش کے لوگ کہنے لگے **بتر محمد منا** یعنی محمدؐ اپنی قوم سے کٹ کر ایسے ہو گئے جیسے درخت اپنی جڑ سے کٹ گیا ہو ظاہر ہے کچھ مدت بعد وہ درخت سوکھ کر پیوند خاک ہو جائے گا محمد بن اسحٰقؒ کی روایت ہے کہ عاص بن وائل سہمی کے سامنے جب حضور ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا اجی چھوڑو انہیں وہ تو ابتر ہیں ان کے نرینہ اولا نہیں کہ گھر کا چراغ روشن ہو، مر جائیں گے تو کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں رہے گا ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط بھی اس قسم کی باتیں کہا کرتا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کعب بن اشرف مکہ میں آیا سرداران قریش نے اس سے کہا **الاتری الاھذا الصبی المتبتر من قومه یزعم انه خیر منا ونحن اھل الحجیج واھل السدانة واھل السقایة**۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صاحبزادے قاسمؓ تھے ان سے چھوٹی حضرت زینبؓ تھیں ان سے چھوٹے حضرت عبداللہؓ تھے ان سے چھوٹی ام کلثومؓ، پھر فاطمہؓ پھر رقیہؓ تھیں پہلے حضرت قاسمؓ کا پھر حضرت عبداللہؓ کا انتقال ہوا اس پر عاص بولا **ان محمدا ابتر لاابن له یقوم مقامه بعده فاذا مات انقطع ذکره واستر حتم منه**۔ یہ موقعہ دشمن کے خوش ہونے کا نہیں تھا مگر خوش ہو رہے ہیں کون؟ آپؐ کے چچا ابوجہل وابولہب اور برادری کے عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کچھ ٹھکانہ ہے اس کمینہ پن اور دنائت کا ان حوصلہ شکن اور دلگداز حالات میں سورۃ کوثر نازل ہوئی جس میں آپ کو بڑی تسلی دی گئی اور آپ کے طبعی ملال وتکدر کو دور فرمایا گیا۔

﴿تشریح﴾: .... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ توحید خالص کی دعوت دیتے اور صرف اللہ کی عبادت و طاعت کی تلقین فرماتے تھے اور لوگوں کے شرکیہ اعمال کا کھلے بندوں رد فرماتے تھے جس سے قریش اور عرب کے لوگ آپ سے بگڑ گئے تھے اور نبوت سے پہلے قوم کی نظروں میں جو آپؐ کا مقام تھا وہ آپ سے چھین لیا گیا اور لوگوں نے آپ کا سوشل بائیکاٹ کر دیا آپ کے مٹھی بھر ساتھی بھی الگ تھلگ کر دیئے گئے۔

سرور کائناتؐ کے حالات کا دلگداز رخ: .... اس پر مزید دو صاحبزادوں کی وفات نے غموں کا پہاڑ توڑ دیا ایسے وقت جب کہ دشمن کا جگر بھی شق ہو جائے عزیزوں، رشتہ داروں، قبیلہ اور برادری کے لوگوں اور ہمسایوں کی طرف سے ہمدردی اور دل سوزی کے بجائے الٹی خوشیاں منائی جا رہی ہوں اور وہ حرکتیں کی جا رہی ہوں جو ایک غیرت مند شریف انسان کے لئے دل توڑنے والی تھیں جس نے اپنے غیروں تک سے ہمیشہ نیک سلوک کیا تھا بہر حال حسب عادت حق تعالیٰ نے اس مختصر ترین سورت میں آپ کی دلداری فرمائی اور وہ خوشخبری دی جو دنیا کے کسی انسان کو بھی کبھی نہیں دی گئی اور یہ کہ آپ گھبرائیں نہیں آپ کی مخالفت کرنے والوں ہی کی جڑیں کٹ جائیں گی۔

کوثر کیا ہے؟: .... الکوثر کسی دوسری زبان میں ایک لفظ سے اس کے پورے مفہوم کو ادا نہیں کیا جا سکتا چنانچہ البحر الحیط میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کیے گئے ہیں اور آخر میں اس کو ترجیح دی گئی ہے کہ اس لفظ میں اتنی وسعت ہے کہ ہر قسم کی دینی و دنیاوی راحتیں، حسی اور معنوی نعمتیں اس میں داخل ہیں جو حضورؐ کو اور آپؐ کے طفیل آپ کی امت کو ملنے والی تھیں ان میں ایک بہت بڑی نعمت

وہ حوض کوثر بھی ہے جس سے آپ امتیوں کو سیراب فرمائیں گے۔ اللھم اعطنا منھا ۔ کوثر کثیر سے ماخوذ ہے مبالغہ کا صیغہ ہے مگر موقعہ استعمال کے لحاظ سے محض کثیر ہی کے معنی نہیں ہیں بلکہ خیر کثیر کے معنی ہیں یعنی بے شمار بھلائیوں اور نعمتوں کی کثرت مراد ہے۔

گردوپیش کے حالات:........... چنانچہ آپؐ کے چاروں طرف کے حالات پر نظر ڈال کر دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ہر حیثیت سے تباہ ہو چکے ہیں قوم سے کٹ کرتن تنہا رہ گئے تجارت برباد ہوگئی نرینہ اولاد سے بھی ہاتھ دھو چکے ہیں بات بھی ایسی لے کر اٹھے کہ مکہ تو درکنار پورے عرب میں بھی چند گنے چنے آدمیوں کو چھوڑ کر کوئی اس کو سننا تک گوارا نہیں کرتا تھا اس لیئے آپ کے مقدر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ جیتے جی ناکامی و نامرادی سے دوچار ہیں اور جب وفات پا جائیں تو دنیا میں آپ کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہو ایسی حالت میں جب آپ سے یہ فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو بہت بڑی خیر عطا کی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے مخالف جن خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ جو نعمتیں ہم نے آپ کے لئے مقدر کی ہیں ان پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کو بہت کچھ عطا ہوا ہے نبوت ورسالت، علوم وحکمت، قرآن واخلاق کی دولت سے سرفراز فرمایا گیا دین وشریعت کا مکمل اور جامع نظام عنایت کیا گیا جس سے ایسی نسل اور امت تیار ہوگی جو رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن کرے گی اور آپ کے پیغام کو عالمگیر بنالے گی اور ہمیشہ کے لئے دین حق کی علمبردار بن جائے گی جس سے زیادہ نیک وپاکیزہ اور بلند پایہ انسان دنیا میں کسی امت کو نہیں ملا اور بگاڑ کی حالت کو پہنچ کر بھی دنیا کی سب قوموں کی سب سے بڑھ کر خیر اپنے اندر رکھے گی۔

پیشین گوئی پوری ہوگئی:........... حضورؐ نے اپنی آنکھوں سے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اپنی دعوت کو انتہائی کامیاب دیکھ لیا اور آپ کے ہاتھ ایسی جماعت تیار ہوگئی جو دنیا پر چھا جانے کی طاقت رکھتی ہے آپ کی نرینہ اولاد نہ رہنے سے دشمن یہ سمجھتے تھے کہ آپ کا نام ونشان دنیا سے مٹ جائے گا مگر اللہ نے صرف یہی نہیں کہ روحانی اولاد کے ذریعہ آپ کا نام اور کام زندہ جاوید بنا دیا بلکہ آپ کی صرف ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ خاتون جنت سے جسمانی اولاد دنیا میں پھیلا دی جس کے لئے آپ کا انتساب بڑا سرمایہ افتخار ہے یہ تو دنیا کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے حبیب پاکؐ فداہ ابی وامی کو یہاں عطا فرمائی ہیں جن کو مخالفین نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا لیکن کوثر کے سلسلے میں جو آخرت کی نعمتیں اور مراتب عالیہ آپ کو ارزانی ہوں گے ان کا کوئی شمار نہیں۔ منجملہ ان کے حوض کوثر ہے جس کا ذکر اتنی روایات میں آیا ہے کہ ان کی صحت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے حوض کوثر ہو یا نہر کوثر شفاعت کبریٰ ہو یا مقام محمود مقصود آپ کی مرتبت شان کا اظہار ہے جس کا ظہور نبوت کبریٰ کی صورت میں دنیا میں ہو چکا ہے اور عرب کی سنگلاخ زمین جہاں پانی کی ایک ایک بوند کو لوگ قیمتی نعمت سمجھتے ہیں حوض کوثر کی بخشائش لطف دے رہی ہے۔

بطور شکر گزاری جان مال اللہ کے لیے وقف کیجئے:........... فصل لربک ۔ یعنی اتنے عظیم الشان انعامات اور احسانات کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہئے اس لیے جسم وروح کے ساتھ نہایت فروتنی اور عاجزی سے اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیئے بدنی عبادات میں نماز ایک اہم حیثیت رکھتی ہے اسی طرح مالی عبادات میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور روحانیت کا پہلو دونوں میں قدر مشترک ہے نماز سے بعض حضرات نے پنج وقتہ نمازیں مراد لی ہیں اور بعض بقر عید کی نماز مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ بجائے خود مطلق نماز مراد ہے اسی طرح وانحر سے مراد جانوروں کی قربانی کرنا ہے اور بعض نے نماز میں بحالت قیام سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر نیت باندھنا مراد لیا ہے اور بعض نے تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تکبیرات انتقالیہ کے

وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا مطلوب ہے مگر تحریمہ کے وقت رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے لیکن موقعہ محل کے لحاظ سے غور کر کے دیکھا جائے تو صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے دنیا بھر کے مشرکین تو اپنے خود ساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور استھانوں اور مندروں پر قربانیاں چڑھاتے ہیں مگر آپ ان کے برعکس اپنے موحدانہ رویہ پر بدستور مضبوطی سے جمے رہیئے کہ آپ کی نماز بھی اللہ ہی کے لئے ہو اور قربانی بھی اللہ ہی کے لئے ہونی چاہئے۔ البتہ یہ بات بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے جب مدینہ طیبہ میں بحکم الٰہی بقرعید کی نماز اور قربانی کا طریقہ جاری کیا تو چونکہ آیت **ان صلوتی ونسکی** اور آیت **فصل لربك وانحر** میں نماز کو پہلے اور قربانی کو بعد میں ذکر فرمایا گیا اس لئے آپ نے خود ہی اسی کے مطابق عمل فرمایا اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ پہلے نماز پڑھیں پھر قربانی کریں گو یہ حدیث اس آیت کا شان نزول یا تفسیر نہیں ہے۔ تاہم حضورؐ کا ان آیات سے استنباط ہے اور آپ کا استنباط بھی وحی کی ایک قسم ہے اور گو انسان کو اپنی جان و مال کی قربانی پیش کرنی تھی تاہم حضرت ذبیح اللہ کے صدقہ میں جانوروں کو فدیہ بنادیا گیا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی اپنی یا اولاد کی قربانی کی نذر بھی مانے تب بھی جان دینے کی اجازت نہیں بلکہ جانور کی قربانی کرنی ہوگی۔

ذلت وگمنامی حضورؐ کے مخالفین کے حصہ میں آئی:............ **ان شانئك هو الابتر**۔ ابتر دم کٹے لنڈے جانور کو کہا جاتا ہے عرب کے محاورہ میں جن کے بیٹا نہ ہو اس کو ابتر کہتے ہیں حضورؐ کے صاحبزادہ کی رحلت پر دشمن بغلیں بجاتے اور خوش ہوتے تھے کہ اسلام کا جھگڑا بس محمدؐ کے دم تک ہے اس کے بعد تو گھر میں چراغ بھی روشن نہیں ہوگا نام تو کیا روشن ہوتا اس کا جواب دیا گیا کہ ابتر تو وہ شخص ہے جو آپ کی عداوت اور دشمنی میں اندھا ہو گیا ہو آپ پر عیب لگاتا ہو آپ کے خلاف بدگوئی کرتا ہو آپ کی اہانت کرتا پھرتا ہو آپ پر طرح طرح کی باتیں چھانٹ کر اپنے دل کا بخار نکالتا ہو آپ کی انگنت روحانی اولاد اور بے شمار جسمانی دختری اولاد جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور آپ کا دین اور اس کے آثار وانوار جو عالم میں چمک رہے ہیں اور آپ کی وہ یاد جو نیک نامی اور محبت وعقیدت کے ساتھ اربہا ارب انسانوں کے دلوں کو گرما رہی ہے دوست دشمن سب آپ کا لوہا مان رہے ہیں پھر آخرت کی ان گنت نعمتوں میں حوض کوثر اور شفاعت کبریٰ مقام محمود جیسے بیش بہا اعزازات اور مقبولیت عامہ جو علیٰ روس الاشہاد حاصل ہوگی جب ان پر نظر کی جائے تو بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ ابتر حقیقت بس وہ ہے جو آپ کو ابتر کہے اور یہ محض جوابی حملہ نہ سمجھا جائے بلکہ قرآن کریم کی یہ اہم پیشگوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی جس وقت یہ پیش گوئی کی گئی تھی اس وقت تو لوگ حضورؐ کو ہی ابتر سمجھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اور کسی کو مان گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ قریش کے بڑے بڑے سردار ابتر ہو جائیں گے جو صرف مکہ میں نہیں بلکہ سارے عرب پر چھائے ہوئے تھے اولاد اور کنبہ جتھہ کے ساتھ مال و دولت بھی رکھتے تھے حج کے انتظام اور حجاج کی خدمات کی وجہ سے بڑے نامور تھے اور قبائل عرب سے وسیع تعلقات رکھتے تھے۔

چند سال میں عرب کی کایا پلٹ:.......... لیکن چند سال ہی میں ایسی کایا پلٹ ہوگئی کہ ایک وقت وہ تھا کہ ۵ھ میں غزوہ احزاب کے موقعہ پر قریش بہت سے قبائل عرب و یہود کو لے کر جب مدینہ پر چڑھے ہیں تو حضورؐ کو محصور ہو کر اور شہر کے گرد خندق کھود کر مدافعت کرنی پڑی تھی یا تین سال بعد ۸ھ میں پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب آپؐ نے مکہ پر چڑھائی کر دی تو قریش کا کوئی حامی، مددگار نہ تھا اور انہیں نہایت بے بسی کے ساتھ ہتھیار ڈال دینے پڑے یہاں تک کہ بہت سے فقہاء اور محدثین کو یہ کہنا پڑا کہ مکہ بغیر لڑائی

کے فتح ہو گیا کوئی ادنیٰ مزاحمت نہیں ہوئی پھر اس کے ایک سال کے اندر پورا ملک عرب حضور کی مٹھی میں تھا ملک کے گوشہ گوشہ سے قبائل کے وفود آ کر رہے تھے اور آپ کے دشمن مخالفین بالکل بے بس اور بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے اور ایسے بے نام ونشان ہوئے کہ ان کی اولاد اگر دنیا میں رہی بھی تو ان میں سے آج کوئی یہ نہیں جانتا کہ وہ ابوجہل یا ابولہب یا عاص بن وائل یا عقبہ بن ابی معیط وغیرہ دشمنان اسلام کی اولاد میں سے ہیں اور جانتا بھی ہو کوئی یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ اس کے اسلاف یہ لوگ تھے۔ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد پر دنیا بھر میں برابر درود بھیجا جا رہا ہے اربوں انسانوں کو آپ ہی سے نسبت پر فخر نہیں بلکہ آپ کے خاندان اور آپ کے ساتھیوں کے خاندانوں تک انتساب سے عزت وشرف ہے کوئی سید ہے کوئی عباسی ہے کوئی صدیقی ہے کوئی فاروقی، کوئی عثمانی، کوئی زبیری، کوئی انصاری مگر نام کو بھی کوئی ابوجہلی یا ابولہبی پایا جاتا۔ بلکہ آپ کی نسبت سے شہرت ان دشمنوں کو بھی مل گئی لیکن نسبت چونکہ مقابلہ کی تھی اس لیے شہرت بھی نفرت وحقارت کے ساتھ نصیب ہوئی حتی کہ ابوجہل وابولہب اور نفرت وحقارت دونوں لازم وملزوم ہو گئے قرآن کریم کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ ابتر حضور نہیں بلکہ آپ کے دشمن ہی تھے اور ہیں۔

خلاصۂ کلام:..........سورہ کوثر کا مرکزی نقطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری اور دلدہی کرنا ہے اور یہ کہ دشمنوں کی یلغار اور شورش سے ہراساں ہو کر سراسیمہ نہ ہو جائیے ان کی طعنہ زنی سے ملول نہ ہو جائیے آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہو کر رہے گا درمیان میں بطور شکریہ کے نماز اور قربانی کی صورت میں بدنی اور مالی عبادت کا حکم ہے خواہ عام طور پر یا عید اضحیٰ کے موقعہ پر۔

فضائل سورت:..........من قرا سورة الكوثر سقاه الله من كل نهر في الجنة ويكتب له عشر حسنات بعدد كل قربان قربه العباد في يوم النحر . جو شخص سورۃ کوثر پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی ہر نہر سے سیراب فرمائے گا اور بقرعید میں جس قدر لوگوں نے قربانی کی اس سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

لطائف سلوک:..........ان شانئك هو الابتر . اس کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مخالف ہر قسم کی خیر سے محروم رہے گا نہ اس کی زندگی میں برکت ہو گی کہ زاد آخرت جمع کر لے نہ اس کے قلب میں خیر ہو گی کہ اس میں حق تعالیٰ کی معرفت و محبت پیدا ہو یا حق بات کو سمجھے۔ نہ اس کے اعمال میں برکت ہو گی کہ توفیق واخلاص نصیب ہو اور یہی حالت ہوتی ہے آپ کے ورثاء کی مخالفت کرنے والے کی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ من عادى لي وليا فقد اذنته بالحرب .

سُوْرَةُ الْكَافِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ اٰيَاتٍ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَ رَهْطٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اٰلِهَتَنَا سَنَةً وَّنَعْبُدُ اِلٰهَكَ سَنَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴿١﴾ لَآ اَعْبُدُ فِي الْحَالِ **مَا تَعْبُدُوْنَ﴿٢﴾** مِنَ الْاَصْنَامِ **وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ** فِي الْحَالِ **مَآ اَعْبُدُ﴿٣﴾** وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَحْدَهٗ **وَلَآ اَنَا عَابِدٌ** فِي الْاِسْتِقْبَالِ **مَّا عَبَدْتُّمْ﴿٤﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ** فِي الْاِسْتِقْبَالِ **مَآ اَعْبُدُ﴿٥﴾** عَلِمَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَاِطْلَاقُ مَا عَلٰى جِهَةِ الْمُقَابَلَةِ **لَكُمْ دِيْنُكُمْ** اَلشِّرْكُ **وَلِيَ دِيْنِ﴿٦﴾** اَلْاِسْلَامُ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْحَرْبِ وَحَذَفَ يَاءَ الْاِضَافَةِ السَّبْعَةُ وَقْفًا وَّوَصْلًا وَّاَثْبَتَهَا يَعْقُوْبُ فِي الْحَالَيْنِ ع۲

سورۃ کافرون مکیہ ہے یا مدنیہ ہے چھ آیات ہیں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں (فی الحال) تمہارے معبودوں (بتوں) کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم (فی الحال) میرے معبود (اللہ یگانہ) کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی پرستش کرو گے (اللہ کو معلوم تھا کہ یہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ کے لئے لفظ ما کا استعمال تقابل کی وجہ سے ہوا ہے) تمہارے لیے تمہارا دین (شرک) ہے اور میرے لئے میرا دین (یعنی اسلام یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے قرات سبعہ میں دینی کی یا وقف ووصل کی حالت میں محذوف ہے اور یعقوب دونوں حالتوں میں باقی رکھتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... مکیۃ. مفسرؒ علام نے اس سورت کو مختلف فیہ کہا ہے چنانچہ ابن مسعودؓ، حسن بصریؒ، عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ مدنی ہے ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے دونوں قول منقول ہیں لیکن جمہور مفسرینؒ اس کو مکی مانتے ہیں اور خود سورت کا مضمون بھی اس کی شہادت دے رہا ہے

قل یا ایھا الکفرون. چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہی مسجد حرام میں تشریف لے جا کر تعمیل ارشاد کرتے ہوئے کفار کے سامنے یہ اعلان فرمایا۔ **لا اعبد.** مفسرؒ اس کو حال پر محمول کر رہے ہیں لیکن قاضی بیضاویؒ اس کو استقبال پر محمول کرتے ہیں کیونکہ **لا** مضارع کی نفی کے لئے آیا کرتا ہے جب کہ استقبال کے معنی میں ہو جیسا کہ ما اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو اور لن اس نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے جو لا کے ذریعہ سے کی جائے اور خلیلؒ یہ کہتے ہیں کہ لن کی اصل لا ہے یعنی مستقبل کی نفی مقصود ہے البتہ تفسیر کبیر میں یہ ہے کہ سورۃ کافرون میں پہلے جملے سے حال کی نفی اور دوسرے بعد کے جملہ سے استقبال کی نفی مقصود ہے کیونکہ "انا

قاتل زید" کے معنی آئندہ قتل کرنے کے ہیں اسی طرح انا عابد کے معنی آئندہ عبادت کے ہیں پس لا انا عابد کے معنی بھی آئندہ عبادت کی نفی کے ہوں گے تیسری صورت بعض حضرات نے یہ اختیار کی ہے کہ یہ دونوں جملے نفی حال واستقبال دونوں کے لیے آتے ہیں لیکن تکرار سے بچنے کے لیے کسی ایک جملہ کو حال کی نفی کے لیے اور دوسرے کو استقبال کی نفی کے لیے خاص کرلیا جائے گا اور کلام میں تکرار پر کلام سورۃ رحمٰن میں گزر چکا ہے تاہم تاکید پر بھی اس تکرار کو محمول کیا جاسکتا ہے۔

ولا انا عابد ما عبدتم. اس میں زمانہ ماضی بھی مراد ہوسکتا ہے یعنی زمانہ ماضی میں میں نے تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کی لیکن اس صورت میں عبارت ولا انا عابدت ما عبدتم ہونی چاہیے تھی لیکن بعث سے پہلے چونکہ حضورؐ کے متعلق اللہ کی عبادت کی شہرت نہیں تھی جس طرح کفار کا بت پرست ہونا معروف تھا اس لیے عبادت کی روش تبدیل کردی گئی ہے تاکہ یہ فرق ظاہر ہوسکے۔

اور ما اعبد میں دونوں جگہ من کی جگہ ما استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ذات کے بجائے یہاں صفت مراد ہے گویا عبارت اس طرح ہے لا اعبد الباطل ولا تعبدون الحق دوسری توجیہ یہ ہے کہ ما تعبدون اور ما عبدتم کی مطابقت کی رعایت کرتے ہوئے دونوں جگہ ما اعبد میں بھی ما استعمال کیا گیا ہے تیسری توجیہ یہ ہے کہ چاروں جگہ ما مصدریہ ہے اور چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ما بمعنی الذی ہیں اور آخر کے دونوں ما مصدریہ ہیں بہرحال یہ قطعی مایوسی ان کفار کے بارے میں ظاہر کی گئی ہے جن کے متعلق علم الٰہی میں ایمان نہ لانا طے ہے ورنہ جو کفار بعد میں ایمان لے آئے وہ اس کے مخاطب نہیں ہیں ولی دین نافع ابن کثیر حفصؒ کے نزدیک لی فتحہ یا کے ساتھ اور باقی قرا کے نزدیک سکون یا کے ساتھ ہے اور دین قراء سبعہ کے نزدیک وقف ووصل دونوں حالتوں میں یا محذوف ہے اور یعقوبؒ کے نزدیک محذوف نہیں مفسرؒ نے اس حکم کو آیات جہاد سے منسوخ مانا ہے لیکن قاضی بیضاویؒ اس متارکت پر محمول کرتے ہوئے یہ معنیٰ لیتے ہیں کہ تم اپنی حالت پر رہو گے اور میں اپنے حال پر یعنی جب تم میری حق بات کو قبول نہیں کررہے ہو تو تمہارے باطل کو میرے قبول کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے اس میں نہ کفر کی اجازت نکل رہی ہے اور نہ جہاد کی ممانعت کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور نسخ خبر میں نہیں ہوا کرتا یہ مضمون تو ایسا ہی ہے جیسے لا اکراہ فی الدین فرمایا گیا ہے پس ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے تبلیغ وجہاد بھی جاری رہے اور لوگوں کو تبدیل مذہب پر مجبور نہ کیا جائے کیونکہ تبلیغ وجہاد تو ایک طرح کی سعی اور کوشش ہے اس کے لیے کامیابی ضروری نہیں۔

ربط آیات: .... سورۃ والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں توحید ہے اور شرک سے پرہیز سورۃ کافرون میں اسی کا بیان ہے اس سورت کا مضمون صاف بتلا رہا ہے کہ یہ سورت مکہ کے بالکل ابتدائی اسلامی دور کی ہے جب کفار یہ آس لگائے ہوئے تھے کہ کسی مرحلہ پر ہم میں توافق ہوسکتا ہے وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات: .... مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز ہوچکا تھا اور مخالفتیں بھی شروع ہوچکی تھیں اور کسی حد تک ان میں گرمی بھی آچکی تھی لیکن ابھی قریش کے سردار یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی صورت سے آپ کو مصالحت پر آمادہ کیا جائے گا اس لیے وقتاً فوقتاً مختلف تجویزوں کے ساتھ سلسلہ جنبانی کرتے رہتے تھے مثلاً: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قریشیوں نے حضورؐ سے عرضداشت کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ مکہ میں سب سے زیادہ آپ مالدار ہوجائیں گے اور سب سے حسین عورت سے شادی کیے دیتے ہیں ہم آپ کے پیچھے چلنے کو تیار ہیں پس ہماری اتنی سی بات مان لیں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور یہ منظور نہیں تو پھر ایک تجویز اور پیش کرتے ہیں جس میں ہم دونوں کی بھلائی ہے آپؐ نے پوچھا وہ کیا؟ ایک سال آپ ہمارے معبودوں لات، وعزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں کہ میرے رب کا کیا حکم آتا ہے تب یہ سورت نازل ہوئی حضورؐ کے جواب کا منشا کسی قسم کا تردد نہ تھا بلکہ یہ تاثر دینا تھا کہ جو کچھ بھی میں کرتا ہوں خود رائی سے نہیں بلکہ امر الٰہی کی

تعمیل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ حاکم اعلیٰ کے آگے تمہیں بھی گردن جھکا دینی چاہیئے اس کا حکم قطعی اور اٹل ہوتا ہے اس میں چون وچرا یا رائے زنی کا کوئی سوال بھی نہیں رہتا گویا حتمی طور پر مایوسی سے رخ پھیرنا تھا۔ دوسری روایت سعید بن جبیرؒ کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب، امیہ بن خلف نے آپ سے مل کر گفتگو کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آؤ ہم تمہارے معبود کی عبادت کرتے ہیں اور تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو تو ہم تمہیں اپنے سارے کاروبار میں شریک کئے لیتے ہیں اگر تمہاری لائی ہوئی بات ہماری چیز سے بہتر ہوئی تو ہم تمہارے ساتھ اس میں شریک ہو جائیں گے اور اپنا حصہ پالیں گے اور اگر ہماری چیز بہتر ہوئی تو تم شریک ہو جانا تم اپنا حصہ پالو گے اس پر آیت قل یٰایھا الکفرون. نازل ہوئیں تیسری روایت وہب بن منبہ کی ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ پسند کریں تو ہم آپ کے دین کے پیروکار رہیں اور ایک سال آپ ہمارے طریقہ پر رہیں غرضیکہ مختلف اوقات میں لوگوں نے اسی طرح کی پیش کش کی جس میں کچھ دو کچھ لو کے اصول کو پیش نظر رکھا تھا مگر اس سورت میں ہمیشہ کے لیے دوٹوک فیصلہ سنا دیا گیا کہ حق و باطل میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی یہ تلبیس کا راستہ ہے اور پیغمبر کا راستہ مداہنت کا راستہ نہیں ہوتا۔

﴿تشریح﴾:.........بظاہر اس سورت میں قل سے اگرچہ خطاب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تاہم آپ کے توسط سے ہر مومن بھی اگر اس کا مخاطب اور مکلف ہو کہ وہ کفر و شرک سے بےزاری کا اعلان کر دے تو غلط نہیں ہوگا اسی طرح بہت سے مفسرین اگرچہ اس سورت میں کفر کا مصداق مخصوص وہی لوگ لیتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی پیش کش کی تھی لیکن بہتر یہی ہے کہ ذوات کے بجائے وصف کفر کا لحاظ کیا جائے جب تک یہ وصف کسی میں موجود ہوگا وہ اس کا مخاطب رہے گا اور جب وہ وصف ایمان سے بدل جائے گا تو خطاب بھی متوجہ نہیں رہے گا۔

خطاب عام ہے یا خاص. اسی طرح آیات کا مصداق خاص کفار ہیں یا عام:.........اس لیے جو لوگ بعد میں ہدایت پر آ گئے ان کی وجہ سے اس قسم کی آیات پر کوئی اشکال نہیں رہتا نیز وہ کافر اور نافرمان خواہ قریشی ہوں یا ملی حاصل یہ کہ کفار و مشرکین کے طور و طریق سے کلیۃً اظہار بےزاری کیا گیا ہے خدا کا پیغمبر جن کا پہلا کام شرک و کفر کی جڑیں کاٹنا ہے وہ ایسی ناپاک تجویزوں پر کب راضی ہو سکتے ہیں جہاں تک اللہ کے معبود ہونے کا تعلق ہے اس میں تو مشرکین کو بھی اشکال نہیں تھا وہ بتوں کی اگر پرستش کرتے تھے تو اپنے خیال میں اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہی کرتے تھے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ اختلاف اور گفتگو جو کچھ ہے وہ غیر اللہ کی پرستش میں ہے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں نیز واقعی اسی سے اللہ کا تقرب ہوتا ہے یا نہیں؟ گفتگو سے صلح کا حاصل یہی ہے کہ وہ بدستور اپنی روش پر قائم رہیں، اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کرتے رہیں، وقتی اور غیر وقتی کا فرق تو ایک بہانہ تھا ورنہ اصل منشاء آپ کو اپنی جگہ سے ہٹانا تھا مگر اس سورت میں مداہنت اور تلبیس کا پردہ چاک کر دیا گیا اور پہلے ہی مرحلہ پر بات صاف کر دی گئی کہ جس کو آنا ہو وہ صاف اور کھلے دل پر آئے۔

اللہ کے سوا سب معبود باطل ہیں:.........ما تعبدون اس میں دنیا بھر کے تمام معبود آ گئے جن کی کسی نہ کسی طریقہ پر لوگ پرستش کرتے ہوں خواہ وہ خیالی دیویاں اور دیوتا ہوں، یا بت، دریا، درخت، جانور ہوں چاند، سورج، ستارے ہوں یا فرشتے، زندہ، مردہ انسان ہوں یا اولیاءؒ اور انبیاءؑ اور سب مذہب رکھنے والے خواہ آسمانی مذہب کے دعوےدار ہوں یا خود ساختہ مذہب کے حامل اگرچہ ان میں خدا کو بھی شامل مانتے ہوں لیکن وہ ماننا چونکہ صحیح اور اصلی حالت میں نہیں اس لیے ان کے اقرار کو بھی انکار پر محمول کر کے ان کو منکر و کافر کہا جائے گا مومن کا مطلب ہے بلاشرکت غیرے تنہا اس کو ایک ماننا۔ ان آیات میں چار جگہ لفظ ما بجامن کے لایا گیا ہے جن کی مختلف توجیہات گزر چکی ہیں تاہم سہل اور بےتکلف توجیہ یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ لفظ من سے ذات کا اظہار ہوتا ہے لیکن اگر وصف مراد ہو تو اس کے لیے ما ہی مناسب ہوتا ہے جیسے ہم کسی کی ذات کا تعارف چاہیں گے تو کہا جائے گا کہ آپ کون ہیں؟ یعنی آپ کا ذاتی تعارف مطلوب ہے مگر جب

وصفی تعارف مقصود ہوگا تو بولا جائے گا کہ آپ کیا ہیں؟ یعنی آپ کے اوصاف کیا ہیں؟ اسی طرح یہاں بھی **لا اعبد ما تعبدون** کے بجائے اگر **من تعبدون** کہا جاتا تو بات غلط ہو جاتی کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم اس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں بس اس کے جواب میں کفار و مشرکین یہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ کی ہستی تو مسلم اور متفق علیہ ہے اس کو تو ہم بھی مانتے ہیں اور اس کی عبادت بھی کرتے ہیں پھر تم کیسے انکار کر کے ہم پر الزام لگا رہے ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا مذہبی احمق ہو جو اللہ کی ذات میں شرک کا قائل ہو یعنی دو یا زائد ذاتوں کو پرستش کے لائق مانتا ہو سب کی تان ایک ہی پر ٹوٹتی ہے جہاں بھی کہیں بھی شرک ہے وہ صفات کا شرک ہے پس جب یہ کہا گیا. **لا انتم عابدون ما اعبد** تو مطلب یہ ہوا کہ جن صفات کے معبود کی میں عبادت کرتا ہوں ان صفات کے معبود کی تم عبادت نہیں کرتے اور یہی وہ اصل گرفت ہے، جس کی وجہ سے آپ کا دین دہریوں کو چھوڑ کر تمام کفار کے دین سے قطعاً الگ ہو جاتا ہے اس طرح اس اعلان کے بعد شرک کا بالکلیہ استیصال ہو جاتا ہے اور ایک حقیقی معبود کی پرستش کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

کلام میں تاکید اگر چہ بلاغت ہے لیکن تاسیس ابلغ ہے: .... **ولا انتم عابدون ما اعبد** . کچھ مفسرین بعد کی ان دونوں آیتوں کو پہلی دونوں آیتوں کی تاکید مانتے ہیں اور کسی بات پر زور دینے کے لیے تکرار اور تاکید سے کلام کیا جاتا ہے لیکن بہت مفسرین نے ان آیات کو تاکید کے بجائے تاسیس پر محمول کیا ہے **والتاسیس اولیٰ من التاکید** اس صورت میں دونوں جملوں میں فرق کرنے کے لیے کہنا پڑے گا کہ ایک جملہ کا حاصل تو فی الحال دونوں کے عمل میں فرق بتلانا ہے کہ دونوں کی راہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے اور دوسرے جملہ میں آئندہ کے لیے بھی دونوں راہوں کا اور ان پر چلنے والوں کا ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں چلنا بتلایا ہے خلاصہ یہ ہے میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد قرار نہیں دیئے جا سکتے نہ اب نہ آئندہ اب دونوں جملوں کا مفاد الگ الگ ہو گیا اور تکرار نہیں رہا۔

زمخشریؒ کی تصریح کے مطابق بعض علماء نے پہلے دونوں جملوں سے حال و استقبال کی نفی اور اخیر کے دونوں فقروں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے اسی طرح بعض محققینؒ نے پہلے دونوں جملوں میں ما کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں **ما** کو مصدریہ لے کر یہ تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے اور نہ طریق عبادت ایک ہے کیونکہ تم بتوں کو پوجتے ہو جو میرے معبود نہیں اور میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان اور صنعت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور ایسے خدا کو تم نہیں مانتے. اسی طرح تمہارا طواف کعبہ کے گرد ننگا ناچ اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں اور میرا یہ طریقہ عبادت نہیں ہے اور میں جس کیفیت سے اللہ کی عبادت کرتا ہوں اس کی تمہیں توفیق نہیں لہٰذا دونوں کی راہیں بھی مختلف اور دونوں کی منزلیں بھی الگ الگ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی رائے: .... اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ پہلے جملہ کو حال و استقبال کی نفی کے لیے اور **ولا انا عابد ما عبدتم** کا مطلب یہ لیا جائے کہ خلقت نبوت کے بعد اب آئندہ مجھ سے شرک کی کیا توقع ہوتی. نزول وحی سے پہلے بھی تم سب جب پتھروں اور درختوں کی پوجا کرتے تھے اس وقت بھی میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی اب نور نبوت کے بعد تو خیر اس کا کیا سوال کہ میں تمہارا ہمنوا بن جاؤں۔ ممکن ہے اس لیے **ولا انا عابد** جملہ اسمیہ اور **ما عبدتم** میں ماضی کا عنوان اختیار فرمایا ہو برخلاف کفار کے کہ ان کا حال دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے بیان فرمایا یعنی **ولا انتم عابدون ما اعبد** جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تم اپنی بد اعتقادی اور بدبختی کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور حال میں خدائے واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو حتی کی عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا لگائے رکھتے ہو۔

علمی نکتہ: .... اور کفار کے حال میں ایک جگہ **ما تعبدون** اور دوسری جگہ **ما عبدتم** لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ ان کے معبود تو آئے دن بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی دکھائی دی یا کوئی خوب صورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کہ معبود بنا لیا اور پہلے کو چلتا کر دیا. پھر

سفر کا معبود الگ ہے حضر کا الگ، کوئی روٹی دینے والا اور کوئی اولاد دینے والا کوئی عزت و دولت دینے والا غرض بھانت بھانت کے خدا بنا رکھے ہیں افرایت من اتخذ الٰھه ھواہ. علامہ ابن قیمؒ کی بدائع الفوائد نیز اس سورت کے لطائف پر کلام کیا گیا ہے (فوائد عثمانی)

لکم دینکم یعنی جب تم نے ضد باندھ رکھی ہے تو اب سمجھانے سے کیا فائدہ تم نے اپنی بدبختی سے اپنے لیے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک، اللہ نے جو دین قیم ہمیں از راہ عنایت مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم خوش، آخر فیصلہ اللہ ہی کرے گا اس میں کفار کو رواداری کا پیغام نہیں بلکہ اظہار بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان ہے جیسے انتہائی مایوسی میں کسی سے کہا جائے کہ تم جانو تمہارا کام جانے بس ہمارا تو سلام لو۔

ائمہ کرام کی رائے:............حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاصؓ وغیرہ کی روایت لا یتوارث اھل ملتین شتیٰ کی رو سے امام مالک، امام اوزاعی۔ امام احمد اگرچہ اس کے قائل ہیں کہ ملتوں اور مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے مگر امام اعظم، امام شافعیؒ دونوں آیت لکم دینکم ولی دین کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ کافروں کے مذاہب باہم کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں لیکن بحیثیت مجموعی چونکہ الکفر ملة واحدة ہے اس لیے اگر کافروں کے درمیان نسب یا نکاح وغیرہ اسباب کی بناء پر وراثت کا تعلق ہو تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں چنانچہ مشہور حنفی علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ ان اسباب کی بنیاد پر کفار بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بعض ایسی صورتوں میں بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں بس دو ہی دین ہیں ایک دین حق، دوسرے دین باطل لکم دینکم ولی دین. حدیث لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم. سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اس سورت کا مقصد ہرگز کفار سے رواداری کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے "موسیٰ بدین خویش، عیسیٰ بدین خویش" بلکہ بنیادی نقطہ جس پر پورا زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ دوٹوک طریقہ پر اعلان کر دیا جائے کہ جس طرح دن رات، روشنی، اندھیرا الگ الگ ہیں اسی طرح حق و باطل، اسلام و کفر دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں ان میں باہم مل جانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا مداہنت یا تلبیس کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے۔ پس یہ آیت تبلیغ دین اور جہاد وغیرہ مساعی کے منافی نہیں ہیں کہ ان کو منسوخ کہنے کی نوبت پیش آئے اور نہ پیشگوئی پر محمول کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہر قسم کی مساعی بدستور جاری رہیں گی اور ساتھ ہی ضدی لوگوں سے تو یہ کہا جائے گا کہ اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ضد کا فیصلہ تو اللہ ہی کرے گا آگے تم جانو تمہارا کام جانے "مراد ما نصیحت بود کردیم و رفتیم"۔

فضائل سورت:............من قرء سورة الکفرون فکانما قرء ربع القراٰن وتباعدت غسردة الشیاطین وبرئ من الشرک. جو شخص سورۃ کافرون پڑھے گا گویا اس نے چوتھائی قرآن پڑھ لیا اس سے سرکش شیطان دور رہیں گے اور وہ شرک سے بری رہے گا۔ اس سورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا حضورؐ کو نماز فجر سے پہلے اور نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے ہوئے دیکھا حضرت خبابؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو قل یا ایھا الکافرون پڑھ لیا کرو اور خود حضورؐ کا بھی یہی معمول تھا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھی یہی ارشاد ہوا نوفل بن معاویہ اور جبلہ بن حارثہ سے بھی یہی ارشاد فرمایا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تمہیں وہ کلمہ بتلاؤں جو تمہیں شرک سے محفوظ رکھنے والا ہے سوتے وقت قل یا ایھا الکافرون پڑھ لیا کرو۔

لطائف سلوک:............لا اعبد ما تعبدون. اس میں گمراہوں سے لاتعلقی اور مشارکت کی تصریح ہے اور یہی بغض فی اللہ ہے۔

سُوْرَةُ النَّصْرِ

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۰﴾ **اِذَاجَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ** نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْدَائِهٖ **وَالْفَتْحُ**﴿۱﴾ فَتْحُ مَكَّةَ **وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ** اَيِ الْاِسْلَامِ **اَفْوَاجًا**﴿۲﴾ جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَاكَانَ يَدْخُلُ فِيْهِ وَاحِدٌ وَاحِدٌ وَذٰلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ طَائِعِيْنَ **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ** اَيْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ **وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا**﴿۳﴾ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ وَعُلِمَ بِهَا اَنَّهٗ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهٗ وَكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ سَنَةَ ثَمَانٍ وَتُوُفِّيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ سَنَةَ عَشَرَ

ع ۳ / ۳۵

سورۃ نصر مدنیہ ہے اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:......... جب اللہ کی طرف سے مدد (دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی) اور فتح (مکہ) آپہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں (فوج در فوج درآنحالیکہ پہلے ایک ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا تھا فتح مکہ کے بعد عرب کے اطراف سے لوگ برغبت مسلمان ہوگئے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے (جو حمد پر مشتمل ہو) اور اس سے مغفرت کی دعا مانگئے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد بکثرت **سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ** پڑھتے تھے اور اس سے یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب آپہنچا ہے چنانچہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا اور آپ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی)

تحقیق وترکیب:.......... **اذا جاء۔ مجئی** ایسی چیز کو کہتے ہیں جو موجود مگر غائب ہو کر سامنے آجائے مراد حصول وتحقق ہے اس میں استعارہ تبعیہ ہے کیونکہ وقت آنے پر مدد حاصل ہونے کو **مجئی** سے تشبیہ دی گئی ہے پھر اس سے **جاء** بمعنی **حصل** مشتق کیا گیا ہے اور اس کو **مجئی** سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ امور ازل سے بروقت ظاہر ہونے کے لیے متوجہ ہے اور گویا مقدرات الٰہی موجودات ہیں جو پہلے غائب تھے پھر سامنے آگئے اور اذا ظرف زماں مستقبل کے لیے ہے جو منصوب ہے **سبح** کے ذریعہ جو اذا کا جواب ہے اور شرط سے پہلے فاعل میں رکاوٹ نہیں ہوگا اگر یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ ظاہر ہے تب تو اذا اپنی اصل پر ہے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ خیبر سے لوٹتے ہوئے اس کا نزول ہوا ہے اور خیبر فتح مکہ سے پہلے ہے اور قتادہ کا قول ہے کہ حضورؐ اس سورت کے بعد دو سال زندہ رہے پس اگر ان دو سالوں کو تخمین پر محمول نہ کیا جائے تو اس کا فتح مکہ سے قبل نازل ہونا ثابت ہوتا ہے پس اس کے دو سال بعد زندہ رہے۔ یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہو اور جن روایات میں اس کا نزول فتح

مکہ کے بعد ہوا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے نازل شدہ حکم کو مکرر یاد دلایا گیا لیکن اگر فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو اذا بمعنی اذ ہے یا یوں کہا جائے کہ کلمہ اذا محض نصر وفتح کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مجموعہ کے لحاظ سے ہے جس کا ایک جزو یدخلون بھی ہے اور اس سے پہلے جس کا نزول ہو چکا ہے اگر اس کا نزول اس جز یدخلون کے بعد بھی ہوا ہو جیسا کہ ایک روایت کے مطابق اس کا نزول حجۃ الوداع میں آیا ہے تو اذا کو بمعنی ما لے لیا جائے گا یعنی چونکہ یہ امور ہو چکے ہیں اس لیے آپ کو یہ حکم کیا جاتا ہے۔

بہر صورت اذا کا متعلق محذوف ہے ای اکمل اللہ الامر واتم النعمۃ علی العباد.

والفتح. فتح مکہ مراد ہے لیکن نصرت سے وہ ملکوتی امداد اور قدسی تائید بھی ہو سکتی ہے جو اسماء وصفات کی تجلیات کے ذریعہ سے ہو اور فتح سے مطلق فتح مراد ہو یعنی حضرت الوہیت واحدیت کے باب کا فتح ہونا اور کشف ذاتی کا حاصل ہونا اور افعال نفس کا افعال حق میں فنا ہو جانا پس مقام قلب میں جب نفسانی حجاب اٹھ جاتے ہیں تو اس سے یقیناً ملکوتی افعال فتح ہو جائے ہیں اور یہ فتح اول کہلاتی ہے۔

دوسری فتح جبروت صفات کہلاتی ہے جو صفات نفس کو صفات حق میں فنا کر دینے سے حجاب خیال اٹھ کر مقام روح میں حاصل ہوتی ہے۔

اور تیسری فتح لاہوت ذاتی کی مقام سر میں حاصل ہوتی ہے جو ذات نفس کو ذات حق میں فنا کر کے اور وہم کا پردہ چاک کر کے مقام سر نصیب ہوتا ہے اور جس کو یہ فتح ونصرت باطنی حاصل ہو جاتی ہے اسے فتح ونصرت ظاہری بھی میسر ہو جاتی ہے کیونکہ نصر وفتح دونوں باب رحمت سے ہیں پس نہایت النہایات پر پہنچنے کے بعد ناراضی کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔

ورایت الناس اگر رویت بصریہ ہے تب تو یدخلون حال ہے اور رایت بمعنی علمت لینے کی صورت میں یدخلون مفعول ثانی ہے اور افواجا کا مصداق اہل مکہ، اہل طائف اور قبیلہ یمن وہوازن اور قبائل عرب مصداق ہیں۔

فسبح بحمد ربک. یعنی تعجب کیجئے کہ اللہ نے ایسا کام جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا اس کو بسہولت حاصل کرا دیا اور بحمد ربک ای حامداله تعالیٰ علیه اوفصل له حامدا علی نعمه او فنزهه عما کانت الظلمة یقولون حامدا له علی ان صدق وعده اوفائن علی الله بصفات الجلال حامدا علیٰ صفات الاکرام.

واستغفرہ یعنی کسر نفسی کرتے ہوئے اور اپنے عمل کو حقیر سمجھتے ہوئے اور غیر اللہ کی طرف التفات ہو جانے کی وجہ سے قلب پر جو تکدر رہا ہے اس کے ازالہ اور تلافی کے لیے استغفار کیجئے چنانچہ حضور ﷺ روزانہ ایک تسبیح استغفار کی بھی پڑھتے تھے یا امت کے لیے استغفار کا بھی حکم ہے اور تسبیح وتحمید اور استغفار کی ترتیب میں خالق سے مخلوق کی طرف نزول کی طرف اشارہ ہے جس کو سیر من اللہ کہا جاتا ہے جو صوفیا کے سیر الی اللہ سے عالی مرتبہ ہے سیر الی اللہ کو عروج سے تعبیر کرتے ہیں جب سالک مقام الوہیت کی سیر کرتا ہے اور سیر من اللہ نزول کہلاتا ہے جس میں سالک مقام عبدیت میں آ جاتا ہے جو سب سے اونچا مقام ہے صوفیا کا مقولہ ما رایت شیئا الاو رایت اللہ قبله اسی مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

انه کان توابا یعنی ازل ہی میں استغفار کرنے والوں کی بخشش فرما چکا ہے۔

ربط آیات: .... سورۃ والضحیٰ کی تمہیدی مہمات میں سے اللہ کی نعمتوں پر بالخصوص تکمیل فیوض کے انعام پر شکر گزاری بھی ہے اس سورت میں اسی کا بیان ہے اور اسی کے ضمن میں نبوت کی تقریر بھی ہو گئی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: .... حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی آخری سورت ہے یعنی اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ یہ سورت حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایام تشریق کے درمیان منیٰ میں نازل ہوئی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض آیات نازل ہوئیں

لیکن سب سے آخر آیت کون سی نازل ہوئی اس میں اختلاف ہے براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ سورۃ نساء کی آخری آیت **یستفتونک** آخر میں نازل ہوئی ہے ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آیت ربوا آخری آیت ہے امام زہریؒ اور سعید بن المسیبؒ کا قول ہے کہ آیت ربوا اور آیت دین آخری آیات میں سے ہیں اور ایک قول ابن عباسؓ کا یہ بھی ہے کہ آخری آیت **واتقوا یوما** الخ ہے اور یہ کہ حضور کی وفات سے ۸۱ روز پہلے نازل ہوئی ہے اور سعید بن جبیر کا قول ۹ روز پہلے کا ہے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ نصر حضورؐ کی وفات سے تین ماہ کچھ دن پہلے نازل ہوئی. ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے اور ابن عباسؓ کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے سے حضورؐ نے سمجھ لیا تھا کہ آپ کو دنیا سے رخصت کی اطلاع دی گئی ہے حضرت ام حبیبہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اس سال میرا انتقال ہونے والا ہے یہ سن کر حضرت فاطمہؓ رودیں مگر جب آپؐ نے فرمایا کہ خاندان میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملوگی. یہ سن کر حضرت فاطمہؓ ہنسیں. نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھ کو بدر میں شریک ہونے والے بڑے بڑے شیوخ کے ساتھ اپنی مجلس میں شامل رکھتے تھے بعض بزرگوں کو یہ بات ناگوار گزری. وہ کہنے لگے ہمارے لڑکے بھی اسی لڑکے جیسے ہیں پھر ان کی کیا خصوصیت ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ علم کے لحاظ سے اس کے مقام سے آپ لوگ واقف ہیں؟ پھر ایک روز مجھے شیوخ بدر کے ساتھ بلایا میں سمجھ گیا کہ مجھے کیوں بلایا ہے؟ دوران گفتگو حضرت عمرؓ نے شیوخ بدر سے پوچھا کہ آپ حضرات **اذا جاء** کے متعلق کیا کہتے ہیں بعض بولے کہ اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی نصرت وفتح آنے پر حمد واستغفار کریں. بعض نے کہا کہ شہروں اور قلعوں کی فتح کی خبر دی گئی ہے اور بعض خاموش رہے پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں! فرمایا پھر کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت ہے اور حضور کو بتلا دیا گیا ہے کہ جب اللہ کی نصرت وفتح نصیب ہوجائے تو یہ اس کی علامت ہے کہ آپ کا وقت پورا ہوچکا ہے اب آپ اللہ کی حمد واستغفار میں لگے رہیں. اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اس کے سوا کچھ نہیں جانتا جیسا کہ تم نے کہا ہے پھر حضرت عمرؓ شیوخ بدر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مجھے کیسے ملامت کرسکتے ہو جب کہ اس لڑکے کو اس مجلس میں شریک ہونے کی وجہ آپ نے دیکھ لی. بلکہ قاضی بیضاویؒ نے نقل کیا ہے. **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قراھا بکی العباس فقال علیہ السلام ما یبکیک قال نعیت الیک قال انما لکما تقول** اور چونکہ اس سورت میں اتمام دعوت اور اکمال دین کی اطلاع آیت **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** کے مطابق دی گئی ہے اس لیے اس کو وفات کی پیشین گوئی پر محمول کیا گیا ہے یا استغفار کے حکم سے وفات کے قریب ہونے پر تنبیہ سمجھی گئی اس لیے اس سورت کا نام سورۃ التودیع بھی ہے. حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے **سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک** بکثرت پڑھا کرتے تھے میں نے عرض کیا. یہ کیسے کلمات ہیں جو آپؐ نے اب پڑھنے شروع کردیئے ہیں؟ فرمایا میرے لیے ایک علامت مقرر کردی گئی ہے کہ جب میں اس کو دیکھوں تو یہ الفاظ کہا کروں اور وہ ہے **اذا جاء نصر اللہ والفتح** اور حضرت عائشہؓ سے بعض روایات میں یہ ہے کہ آپؐ رکوع وسجود میں بکثرت **سبحانک اللھم وبحمدک اللھم اغفرلی** پڑھتے تھے اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں ہے کہ آخری زمانۂ حیات میں اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے بکثرت آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری رہتے **سبحان اللہ وبحمدہ** میں نے ایک وجہ پوچھی فرمایا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے یہ صورت پڑھی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد بکثرت آپؐ یہ ذکر کرتے تھے **سبحانک اللھم وبحمدک اللھم اغفرلی، سبحانک ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی انک انت التواب الغفور** حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ

آخرت کے لیے محنت وریاضت کرنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ پہلے کبھی نہ تھے۔

﴿تشریح﴾:.......... والفتح ۔فتح سے مراد اگر فتح مکہ ہے تو وہ اس لحاظ سے فیصلہ کن تھی ۔کہ اس نے مشرکین عرب کی ہمتیں پست کردی تھیں ۔تاہم اس کے بعد بھی ان میں کافی دم خم باقی تھا۔طائف وحنین کے معرکے اسی کے بعد ہی پیش آئے اور عرب پر اسلام کا مکمل غلبہ ہونے میں دوسال کے قریب لگے۔اس لیے اس کو عام رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔یعنی ایسی فیصلہ کن فتح حاصل ہو جائے جس کے بعد ملک میں کوئی طاقت اسلام سے ٹکر لینے کی ہمت نہ کر سکے۔اور یہ بات کھل کے سامنے آجائے کہ اب عرب میں اسی دین کو غالب ہو کر رہنا ہے۔

فتح سے عام مراد لینا زیادہ عُمدہ ہے.......... جہاں تک فتح کی داغ بیل کا تعلق ہے وہ تو حدیبیہ میں پڑ چکی تھی ۔اور خیبر سے فتوحات کا آغاز ہو گیا تھا۔لیکن مکہ معظمہ جو زمین پر گویا اللہ کا دارالسلطنت ہے۔وہ ایسا اہم مقام تھا کہ قبائل عرب کی نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں ۔چنانچہ جونہی مکہ معظمہ فتح ہوا پھر تو سارا عرب اُمنڈ پڑا اور جوق در جوق لوگ حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہونے لگے۔حتی کہ سارا عرب اسلام کا کلمہ پڑنے لگا اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا۔اس سے پہلے ایک ایک دو دو کر کے لوگ اسلام لاتے تھے ۔فتح مکہ کے بعد تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا اور ۹ ھ میں جس کو عام الوفود کہا جاتا ہے یہ کیفیت ہوئی کہ گوشے گوشے سے وفود حاضر خدمت ہونے لگے۔یہاں تک کہ ۱۰ ھ میں جب حضور ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے ۔اس وقت پورا عرب اسلام کے زیر نگین ہو چکا تھا اور ملک میں کوئی مشرک باقی نہ رہا تھا۔

فسبح بحمد ربک ۔یعنی حضور اقدس ﷺ تکمیل دین اور خلافت کبریٰ کی تمہید کے مقصد عظیم کی خاطر دنیا میں تشریف لائے۔جب وہ پورا ہو لیا سمجھ لیجئے کہ سفر آخرت قریب ہے لہذا اب ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیں اور پہلے سے زیادہ تسبیح وتحمید کے لیے وقف ہو جائیں۔

اسلام کی فتح کا ایک اور پہلو:.......... ایک پہلو اس میں یہ بھی نکل سکتا ہے کہ اس عظیم کامیابی کو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ آپ کا اپنا کارنامہ ہے بلکہ اس کو سراسر اللہ کا فضل وکرم سمجھئے اور زبان ودل سے اس کا اعتراف کیجئے کہ اس تمام تر کامیابی پر ساری تعریف اللہ ہی کو پہنچتی ہے اور یہ نہ سمجھو کہ اعلاء کلمۃ اللہ کچھ تمہاری کوششوں کا مرہون منت ہے۔بلکہ اس کے برعکس تمہارا دل اس یقین سے لبریز رہے کہ خود تمہاری تمام تر جدوجہد اللہ ہی کی تائید ونصرت پر موقوف ہے۔وہ اپنے بندہ سے جو چاہے کام لے سکتا ہے اور یہ اس کا فضل وکرم ہے کہ اس نے یہ خدمت تم سے لے لی اور اپنے دین کا بول بالا تمہارے ہاتھوں کر دیا۔اور ایک پہلو اس میں یہ بھی نکل سکتا ہے کہ انسان کسی محیر العقول کارنامہ پر بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کا مطلب اظہار تعجب ہوتا ہے۔اور یہ ظاہر کرتا کہ اللہ کی قدرت سے ایسا حیرت انگیز واقعہ رُونما ہوا ہے۔ورنہ دنیا کی کسی طاقت کے بس میں نہ تھا۔کہ اس سے ایسا کرشمہ سرزد ہوتا۔

حضورؐ کے استغفار کرنے کا مطلب:.......... واستغفرہ یعنی اس عظیم کام کے سرانجام دینے میں ممکن ہے کوئی بھول چوک ہوئی ہو یا اس کام میں لگنے کی وجہ سے اور خلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے مشغولیت حق کے انہماک سے جو فرق پڑا ہے گو وہ بھی تعمیل ارشاد کی حیثیت سے مشغولیت حق بھی ہے۔تاہم کچھ نہ کچھ اس سے طبیعت میں تکدر رہا۔جس کو لسان نبوت نے وانہ لیغان علی قلبی سے ظاہر فرمایا اس لیے استغفار کیجئے اور اللہ سے دعا مانگیئے کہ اس بھول چوک سے درگزر فرمائیے اور اس تکدر کو دور فرمادے۔ یہ ہے اسلام کا وہ بہترین ادب جو اس نے اپنے بہترین ماننے والے انسان کو سکھلایا ہے کسی انسان نے اللہ کے دین کی خواہ کتنی بڑی

خدمت انجام دی ہو اور اس کی راہ میں خواہ کتنی ہی قربانیاں اس نے دی ہوں اور اس کی عبادت و بندگی بجالانے میں خواہ کتنی ہی جانفشانیاں اس نے کیں اس کے دل میں کبھی خیال نہیں آنا چاہیئے کہ میں نے آپ کے دین کا حق ادا کر دیا بلکہ ہمیشہ اسے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہیئے تھا وہ میں نہیں کر سکا اور اسے اللہ سے یہی دعا مانگنی چاہیئے کہ اس کے حق ادا کرنے میں جو کوتاہی مجھ سے ہوئی ہو اس سے درگزر فرما کر یہ حقیر سی خدمت قبول فرمالے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا: .... یہ ادب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلایا گیا جن سے بڑھ کر خدا کی راہ میں جدوجہد اور سعی کرنے والے کسی انسان کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا تو دوسرے کسی کی یہ مجال کہاں کہ وہ اپنے عمل کو کوئی بڑا عمل سمجھے اور اس غزہ میں مبتلا ہو کہ اس نے اللہ کا حق ادا کر دیا ہے اللہ کا حق اس سے بہت بالا ہے کہ کوئی مخلوق اسے ادا کر سکے. اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے یہ سبق دیتا ہے کہ اپنی کسی عبادت وریاضت اور کسی خدمت دین کو بڑی چیز نہ سمجھیں بلکہ اپنی جان راہ خدا میں کھپا دینے کے بعد بھی یہی سمجھتے رہیں کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' اسی طرح جب بھی انہیں کوئی فتح نصیب ہو اسے اپنے کسی کمال کا نہیں بلکہ اللہ ہی کے فضل کا نتیجہ سمجھیں اور اس پر فخر وغرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے رب کے سامنے عاجزی کے ساتھ سر جھکا کر حمد وتسبیح اور توبہ واستغفار کریں۔

خلاصۂ کلام: .... اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شایان شان ادب عالیہ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جب یہ دیکھ لیں کہ جس مقصد عظیم کے لیے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اس کے اثرات اتنے نمایاں ہو گئے ہیں کہ لوگ جوق در جوق رجوع و رغبت سے قبول کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی مساعی کے نتیجہ میں اللہ کی نصرت وفتح آن پہنچی ہے لہٰذا آپ ہمہ تن اللہ کی تسبیح وحمد میں وقف ہو جائیے اور شکر کیجئے کہ اللہ کے فضل سے آپ اتنا بڑا کام سرانجام دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور باطنی فتح کے ساتھ ظاہری فتح بھی آپ کو نصیب ہو گئی ہے اور اپنے اور اپنی امت کے حق میں دعا کیجئے کہ اس خدمت کی انجام دہی میں کوئی بھول چوک یا لغزش ہوئی تو اس سے درگزر فرمائیے دنیا کے انقلابی ایسے موقعوں پر جشن فتح مناتے ہیں اور خوشی میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے ہیں لیکن اللہ کے محبوب اور دین کے رہنمائے اعظم کو اس انقلاب عظیم اور بے مثال کارنامہ سرانجام دینے پر جشن منانے کا نہیں بلکہ اللہ کے آگے سرافگندہ ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے اور کوتاہیوں پر تسامح کی عاجزانہ درخواست کرنے کی تلقین کی جارہی ہے اور یہ کہ اب رخت سفر باندھنے اور آخرت کی تیاری میں لگئے چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ کامرانیوں میں کھوئے نہیں گئے. بلکہ پورے طور پر یاد حق میں لگ گئے طاب حیاً و میتاً۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة اذا جاء اعطى من الاجر كمن شهد مع محمد يوم فتح مكة. سورۃ اذا جاء جو شخص پڑھے گا اس کو اللہ اتنا ثواب عطا فرمائے گا کہ گویا وہ حضورؐ کے ساتھ فتح مکہ کے موقعہ پر شریک رہا (مرفوع)۔

لطائف سلوک: .... اذا جاء نصر الله اسی طرح اہل طریق کو بھی چاہیئے کہ جب وہ وظائف ارشاد سے فارغ ہو جائیں تو قرب الٰہی میں منہمک ہو جائیں اور تسبیح وتحمید واستغفار میں وقف ہو جائیں۔

سُوْرَةُ اَبِیْ لَهَبٍ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ اٰیٰتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمَّا دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهٗ وَقَالَ اِنِّیْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَیْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ فَقَالَ عَمُّهٗ اَبُوْلَهَبٍ تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا نَزَلَتْ **تَبَّتْ** خَسِرَتْ **يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ** اَیْ جُمْلَتُهٗ وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازٌ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهِمَا وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ دُعَاءٌ **وَّ تَبَّ ﴿۱﴾** خَسِرَ هُوَ وَهٰذِهٖ خَبَرٌ كَقَوْلِهِمْ اَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَقَدْ هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَذَابِ فَقَالَ اِنْ كَانَ مَا يَقُوْلُ ابْنُ اَخِیْ حَقًّا فَاِنِّیْ اَفْتَدِیْ مِنْهُ بِمَالِیْ وَوَلَدِیْ نَزَلَ **مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿۲﴾** وَكَسْبُهٗ اَیْ وَلَدُهٗ وَاَغْنٰى بِمَعْنٰى يُغْنِیْ **سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾** اَیْ تَلَهُّبٍ وَتَوَقُّدٍ فَهِیَ مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ لِتَلَهُّبِ وَجْهِهٖ اِشْرَاقًا وَّحُمْرَةً **وَّامْرَاَتُهٗ** عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيْرِ يَصْلٰى سَوَّغَهُ الْفَصْلُ بِالْمَفْعُوْلِ وَصِفَتُهٗ وَهِیَ اُمُّ جَمِيْلٍ **حَمَّالَةَ** بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ **الْحَطَبِ ﴿۴﴾** اَلشَّوْكِ وَالسَّعْدَانِ تُلْقِيْهِ فِیْ طَرِيْقِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فِیْ جِيْدِهَا** عُنُقِهَا **حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾** اَیْ لِيْفٍ وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ الَّذِیْ هُوَ نَعْتٌ لِاِمْرَاَتِهٖ اَوْ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُّقَدَّرٍ

ع ۵ / ۳۶

سورة ابی لہب مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ.........(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کو دعوت دینی شروع کی اور فرمایا کہ **انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید** آپ کا چچا ابولہب بولا **تبا لک الھذا دعوتنا**۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) ٹوٹ گئے (برباد ہو جائیں) دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی وہ پورا تباہ ہو جائے۔ مجازاً اس کو ہاتھوں سے تعبیر کر دیا ہے۔ کیونکہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کیے جاتے ہیں۔ یہ جملہ دعائیہ ہے) اور وہ برباد ہو جائے (یہ اس کی بربادی کی اطلاع ہے جیسے کہا جائے **اھلکہ اللہ وقد ھلک** اور چونکہ حضورؐ نے عذاب کی دھمکی دی تھی اس لیے ابولہب کہنے لگا کہ میرے بھتیجہ کی بات اگر ٹھیک نکلی تو میں اپنے مال واولاد کو فدیہ کر دوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی) اس کو مال اور جو کچھ اس نے کمایا۔ وہ اس کے کسی کام نہ آئے گا (کسب سے مراد اس کی اولاد ہے اور اغنٰی بمعنی یغنی ہے) عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا (یعنی دہکتی ہوئی لپٹیں اٹھتی ہوئی سرخ وسفید رونق دار چہرہ کی وجہ

سے ابولہب اس کی کنیت تھی یہ اس کا انجام ہے) اور اس کی جورو بھی (یصلی کی خبر پر حلف ہے مفعول اور اس کی صفت کے بیچ میں حائل ہو جانے کی وجہ سے اس عطف کی گنجائش ہے بیوی کا نام ام جمیل تھا) جو اٹھا کر لانے والی ہے (رفع اور نصب کے ساتھ) لکڑیاں (کانٹے اور سعدان کی لکڑیاں لا کر حضور کے راستہ میں بکھیر دیتی تھی) اس کی گردن (گلے) میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی (یعنی بل دی ہوئی۔ یہ جملہ حمالة الحطب کا حال ہے جو امراته کی صفت ہے یا مبتدا مقدر کی خبر ہے)۔

تحقیق وترکیب:............تبت. تباب ایسے نقصان وخسارہ کو کہتے ہیں جو تباہ کن ہو.

یدا ابی لهب. ہاتھوں کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے لا تلقوا بایدیکم الی التهلکة میں ہے دوسرے ابولہب کی بات کا جواب ہے اس نے پہلے تبا لک کہا اور ہاتھ سے پتھر اٹھا کر آپ کے پھینک مارا پس اول تب کا لفظ اس نے استعمال کیا اور ایک ہاتھ سے پتھر مارا اس لیے جواب میں دونوں ہاتھوں کو بربادی میں شریک کر لیا. اور بعض نے یدین سے دنیا وآخرت بطور کنایہ کے لی ہیں یعنی یہ دونوں برباد ہو گئیں. اس کا نام عبد العزیٰ تھا اور بظاہر کنیت تعظیم کے لیے ہوا کرتی ہے مگر یہاں اس کا نام لینے میں کراہت سمجھی گئی. کیونکہ وہ فی الحقیقت عبد اللہ تھا نہ کہ عبد العزیٰ اور مشہور ہونے کی وجہ سے کنیت پر اکتفا کر لیا گیا دوسرے لہب کے لفظ سے التہاب نار کی طرف کنایہ کیا گیا ہے جس سے اس کا دوزخی ہونا معلوم ہو جائے ایک قرات ابولہب ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے ''علی بن ابو طالب'' کہا جائے اور ابن کثیر لہب سکون ھا کے ساتھ پڑھتے ہیں.

و تب. یہ دونوں لفظ خبر ہیں اور ماضی کے صیغے محقق الوقوع ہونے کی وجہ سے لائے گئے ہیں جیسے یہ شعر ہے

جزانی جزاه الله شر جزائه جزاء الكلاب العاديات و قد فعل

چنانچہ دوسری قراءت ''وقد تب'' ہے یا یوں کہا جائے کہ پہلا لفظ ہاتھوں کے کرتوت کی اطلاع ہے اور دوسرا لفظ خود اس کے کرتوت کی خبر دیتا ہے. وما كسب. ما مصدریہ یعنی اس کا کسب ضائع ہو گیا یا کسب بمعنی مکسوب ہے یعنی مالداری کے منافع وجاہت نوکر چاکر وغیرہ یا عمل مراد ہے جس کو وہ اپنے لیے نفع بخش سمجھتا تھا یا اس کا بیٹا عقبہ مراد ہے جس کو شیر نے پھاڑ ڈالا تھا گویا یہ باتیں بطور پیشگوئی کے فرمائی گئی ہیں.

سیصلی. اس سے یہ استدلال کرنا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا پھر اس کو ایمان کا مکلف قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے پس اجتماع نقیضین کی وجہ سے یہ بھی محال ہے اور محال کا مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے جو عقلا گو جائز ہے مگر اہل سنت کے نزدیک شرعا جائز نہیں آیت لا يكلف الله الخ کی وجہ سے پس اس شبہ کا جواب قاضی بیضاوی نے تو یہ دیا ہے کہ لفظ سیصلی سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے گا اس لیے ضرور جہنم میں جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے. اسی لحاظ سے وہ ایمان لانے کا مکلف ہے لیکن پھر دوزخ میں جانا وہ فسق وفجور کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایک وقتی دخول ہوگا ابدی داخلہ نہیں جو معترض نے سمجھا تھا.

لیکن قاضی کا یہ جواب ان لوگوں نے ناپسند کیا ہے جو آیت لا انا عابد ما عبدتم اور لكم دينكم ولي دين کے معنی یہ لیے ہیں کہ ان کافروں کا دوزخی ہونا طے شدہ ہے. وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے. جس سے پھر اشکال بدستور متوجہ ہو جائے گا جس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ سیصلی تو زمانہ استقبال کے لیے بھی نص نہیں ہے چہ جائیکہ زمانہ استقبال کا استغراق ودوام لیا جائے. پس ممکن ہے اس سے دنیوی سزا مراد ہو. گویا عذاب دوزخ کا یہاں ذکر نہیں کہ اشکال ہو لیکن اچھی توجیہ یہ ہے کہ انسان ایمان اجمالی کا مکلف ہے اور مرتبہ اجمالی میں اجتماع نقیضین جائز ہے اور ایک قراءت میں سیصلی تخفیف وتشدید کی صورت میں بھی ہے.

وامراتہ. اس کا عطف سیصلیٰ کی ضمیر متصل پر ہے اور مفعول مع صنعت کے فاعل ہونے کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے یا اس کو مبتدا کہا جائے۔ یہ عورت اروئی ہے جس کی کنیت ام جمیل ہے ابوسفیان کی بہن اور حرب کی بیٹی تھی۔

حمالة الحطب. اس سے مراد بقول ابن حجر ورزخ کا گٹھ ہے جوایذائے رسول کے کام کر کے وہ گناہوں کا بوجھ لا دری تھی۔ یا بقول مجاہدؒ وقتادہؒ چغلخوری مراد ہے جس سے دشمنی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے چنانچہ فارسی میں ہیزم کش چغلخور کو کہتے ہیں یا بقول ابن عباسؓ وضحاکؒ لکڑیوں کا بوجھ مراد ہے جو جنگل سے چن چن کر وہ لاتی تھی اور حضورؐ کی راہ میں رات کو کانٹے بچھا دیتی تھی عاصمؒ نے اس کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔

حبل من مسد ای من ما مسد اور مسد کے معنی بٹنے کے آتے ہیں رجل **ممسود الخلق** یعنی مضبوط ہے اس میں استعارہ ترشیحیہ ہے یا ام جمیل کو ایسی فرضی عورت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس کا یہ حال ہوا یا دوزخ میں اس کی حالت کا ذکر ہے کہ بقول ابن عباسؓ آگ کی زنجیر میں زقوم اور ضریع کی لکڑیاں باندھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا یعنی جیسا کر رہی ہے ویسا ہی بھگتے گی۔

فی جیدھا . موضع حال میں ہے یا خبر ہے اور حبل ظرف کی وجہ سے مرفوع ہے۔

ربط آیات:.......... والضحیٰ کی تمہید میں بیان کردہ مہمات میں سے مخالفت اور ایذا رسول سے بچنا بھی ہے اس صورت میں اسی کا بیان ہے یہ سورت مکی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس وقت سے ہے کہ خاندان بھر میں آپ کے حقیقی چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب کا بغض وعناد اور غصہ وعداوت کھل کر لوگوں کے سامنے آچکی تھی اور کھلم کھلا اس نے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب سگے چچا کی زیادتیاں علانیہ سب کے سامنے آگئیں تو قرآن نے بھی کھل کر پوری مذمت کی۔ ورنہ ایک بھتیجے کے منہ سے چچا کی کھلم کھلا برائی اخلاقی حیثیت سے لوگوں کی نظروں میں معیوب سمجھی جاتی۔ مگر پانی جب سر سے گزر گیا تو مجبوراً زبان کھولنی پڑی اسی لیے قرآن میں نام کی صراحت کے ساتھ اسی ایک جگہ مذمت کی گئی ہے حالانکہ مکہ مدینہ میں کتنے ہی دشمنان اسلام ایسے تھے جو آپ کے قرابت دار بھی تھے مگر انہوں نے ابولہب سے کم کردار ادا نہیں کیا۔ پھر بھی نام بھی لے کر رسوا نہیں کیا گیا۔ سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے۔

روایات:.......... اسلام سے پہلے پورے عرب میں طوائف الملوکی، غارت گری، بدامنی پھیلی ہوئی تھی اس لیے سینکڑوں سال سے یہ معمول بن گیا تھا کہ کوئی شخص اپنے خاندان اور قرابت داروں کے بغیر امن وچین کی زندگی بسر نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے عربی معاشرہ میں صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو اخلاقی قدروں میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور رشتہ دار سے بدسلوکی اور قطع رحمی کو بہت برا پاپ سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تو قریش کے مختلف خاندانوں نے گو آپ کی شدید مخالفت کی حتیٰ کہ نبوت کے ساتویں سال کلی مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں آپ کو محصور کر دیا۔ یہ مقاطعہ متواتر تین سال رہا۔ اور فاقوں تک نوبت پہنچ گئی۔ مگر بنی ہاشم اور بنی المطلب دونوں خاندانوں نے اس وقت بھی کھلم کھلا اور بھرپور طریقہ پر آپ کی حمایت کی اگرچہ ان میں سے بہت سوں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر قرابت داری اور خاندانی تقاضوں کو ملحوظ رکھا۔ اسی لیے دوسرے قریشیوں نے کبھی بنو ہاشم وبنو مطلب کو یہ طعنہ نہیں دیا۔ کہ آبائی دین سے پھرنے والے شخص کی تم کیوں حمایت کر رہے ہو۔ لیکن اس اخلاقی برتاؤ کو جسے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگوں نے ملحوظ رکھا۔ مگر پوری برادری میں جس شخص نے اس اصول کو توڑ کر علانیہ دشمنوں کا ساتھ دیا ہو عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب جس کی کنیت ابولہب تھی۔ اس کا یہ حال تھا کہ مکہ میں اگر باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آجاتا اور ان محصورین میں

سے کوئی خوراک کا سامان خرید نے پہنچ جاتا ابولہب تاجروں سے پکار کر کہہ دیتا کہ ان سے اتنی قیمت مانگو کہ خرید نہ سکیں تمہیں جو خسارہ ہوگا اس کو میں پورا کروں گا چنانچہ وہ بڑھا چڑھا کر مول کر دیتے جس سے بے چارہ خریدار اپنے تڑپتے ہوئے بال بچوں کے پاس خالی ہاتھ پلٹ جاتا پھر ابولہب وہ چیزیں بازار کے بھاؤ خود خرید لیتا۔

غرض لوگ جب چچا کا یہ طرز عمل اپنے بھتیجے کے ساتھ دیکھتے تو وہ اپنی معروف روایات کے پیش نظر یہ بات خلاف توقع سمجھتے تھے۔ کہ کوئی چچا بلاوجہ بھی دوسروں کے سامنے خود اپنے بھتیجے کو برا بھلا کہے اور اسے پتھر مارے اس لیے وہ ابولہب کی بات سے متاثر ہو کر رسول اللہ کے بارے میں شک میں پڑ جاتے۔

عرب معاشرہ میں چچا باپ کی جگہ سمجھا جاتا تھا خاص طور پر جب بھتیجے کا باپ مر چکا ہوتا تو چچا ہی کے ذمہ ہر قسم کی دیکھ بھال پرورش، حمایت ونصرت آجاتی تھی لیکن ابولہب نے اسلام دشمنی میں تمام روایات کو پامال کر دیا اب وہ عرب معاشرہ کی نظروں میں اس درجہ میں آگیا کہ بھتیجے کے دکھی دل سے اس کے خلاف آہ نکلے تو لوگ سمجھ لیں کہ بھتیجہ اس کہنے میں حق بجانب ہے اور لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہوگیا۔ کہ رسول اللہ کی مخالفت میں جو ابولہب اول فول بکتا ہے وہ اپنے بھتیجے کی دشمنی میں دیوانہ ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آیت **وانذر عشیرتک الاقربین** نازل ہونے پر آپ صبح سویرے کوہ صفا پر چڑھے اور عربی رواج کے مطابق "یاصفا" کی صدا لگائی تو اس پر قریش کے خاندانوں کے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے جو خود آسکتا تھا وہ آگیا اور جو نہ آسکتا تھا اس نے اپنی طرف کسی کو بھیج دیا جب سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے ایک ایک خاندان کو نام بنام پکارا کہ اے بنی ہاشم! اے بنی مطلب! اے فلاں، اے فلاں اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک حملہ آور لشکر ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے؟ لوگوں نے اقرار کیا اور کہا کہ کبھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا پھر آپ نے فرمایا **انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید** اس پر ابولہب نے سب سے پہلے بگڑ کہا **تبا لک الھذا دعوتنا**۔

اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کو مارنے کے لیے اس نے پتھر بھی اٹھایا دوسرے مواقع پر بھی جب آپؐ پیغام حق سناتے تو یہ بدبخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے۔ اور زبان سے کہتا کہ لوگو! محمد کی بات نہ سنو! کہ یہ جھوٹا بددین ہے پھر کبھی اپنے دونوں طرف اشارہ کر کے کہتا۔ **تبالکما ما اری فیکما شینا ممایقول محمد**، اور عذاب کی دھمکی کے جواب میں کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہوئی تو میں اپنے مال واولاد کے بل بوتہ پر بچ نکلوں گا غرضیکہ کفر وعداوت اور غرور وشقاوت میں یہ شخص انتہا کو پہنچ گیا تھا حسب بیان ابن زید ایک روز ابولہب نے حضورؐ سے پوچھا کہ اگر تمہارے دین کو مان لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو اور ایمان لانے والوں کو ملے گا کہنے لگا میرے لیے کوئی فضیلت نہیں ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا اور کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا **تبا لھذا الدین تبا ان اکون وھولاء سواء**۔ حضورؐ کے اور ابولہب کے مکان کے بیچ میں صرف ایک دیوار تھی اسی طرح عقبہ بن ابی معیط، حکم بن عاص، عدی بن حمرا سب آپ کے قریبی ہمسائے تھے مگر ایسے کہ گھر میں بھی حضورؐ کو چین لینے نہیں دیتے تھے کبھی نماز کی حالت میں آپ پر اوجھ پھینک دیتے کبھی صحن میں ہنڈیا پکتی ہوئی ہوتی تو اس پر غلاظت پھینک دیتے۔ آپ باہر نکل کر حسرت سے فرماتے اے بنی عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟ اس کی بیوی ام جمیل تو ایسی آفت کی پرکالہ تھی کہ دشمنی کی جو آگ ابولہب بھڑکاتا۔ یہ عورت گویا اس کے لیے ایندھن فراہم کر کے اور تیز کر دیتی تھی اور اس نے مستقل یہ وطیرہ اختیار کر رکھا تھا۔ کہ رات کو آپ کے دروازے پر کانٹے دار جھاڑیاں لا کر ڈال دیتی تا کہ اندھیرے میں جب آپ نکلیں تو وہ کانٹے چبھ جائیں اور کنجوس اتنی کہ جنگل سے خود ہی لکڑیوں کا گٹھہ سر پر لاد کر لاتی تھی۔

ادھر حضورؐ کی دو صاحبزادیوں کا نکاح نبوت سے پہلے ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا تھا مگر آپ کی دعوت

شروع ہونے کے بعد اس نے اپنے بیٹوں سے کہہ دیا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میرے لیے تم سے ملنا حرام ہے جس پر دونوں نے طلاق دے دی. بلکہ عتیبہ نے تو یہاں تک کیا کہ ایک روز حضور کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ میں **النجم اذا هوىٰ اور دنى فتدلىٰ** کا انکار کرتا ہوں یہ کہہ کر حضور کی طرف تھوک دیا بے ساختہ آپ کی زبان سے بددعائیہ جملہ نکلا. **اللهم سلط عليه كلب من كلابك**. اس کے بعد اپنے باپ کے ساتھ سفر شام کے لیے روانہ ہو گیا راستہ میں کہیں پڑاؤ ہوا تو لوگوں نے بتلایا کہ یہاں رات کو درندے آتے ہیں ابولہب نے قافلہ کے قریشیوں سے کہا کہ میرے بیٹے کی حفاظت کرو. کیونکہ مجھے محمد کی بددعا کا اندیشہ ہے. اس پر اس کی حفاظت کا معقول بندوبست کر دیا گیا اس کے چوطرف سامان لگا کر پھر اس کے گرد اونٹوں کو بٹھا دیا پھر سو گئے. رات کو ایک شیر آیا اور حلقہ کو چیرتا ہوا بیچ میں پہنچ گیا اور عتیبہ کو پھاڑ ڈالا لیکن اس کا بڑا بھائی عتبہ فتح مکہ کے بعد اسلام لے آیا تھا خود ابولہب کا حال یہ ہوا کہ بدر کے ساتویں روز گلٹی جس کو عربی عدسہ کہتے ہیں نکل آئی. اور بیماری لگنے کے خیال سے گھر والوں نے اس کو الگ ڈال دیا. یہاں تک یہ اسی حال میں مر گیا اور تین روز تک یونہی لاش پڑی سڑتی رہی جس پر لوگوں نے طعنے دیئے تب کچھ لوگوں کو بلا کر اٹھوایا. انہوں نے ایک گڑھے میں لکڑی سے دھکیل کر اوپر سے پتھر بھر دیئے۔

﴿ تشریح ﴾: ....**تبت يدا ابى لهب** . یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جیسا کہ مفسر کی رائے ہے. بلکہ فی الحقیقت ایک پیش گوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کی حقیقتوں سے بیان کیا گیا ہے گویا اس کا ہونا ایسا یقینی ہے کہ گویا وہ ہو چکی ہے یعنی یہ ابولہب کیا ہاتھ نچا رہا ہے اور ہاتھ جھٹک جھٹک کر باتیں بنا تا ہے اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس اور معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے ہیں حق دبانے کے سلسلہ میں اس کی سب کوششیں برباد ہو چکی ہیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اس کے اعمال اکارت ہوئے. اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا ہے۔

حق سے جو بھی ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا:........**ما اغنى عنه ماله وما كسب**. اس میں ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل اور بیٹے عتیبہ تینوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا گیا ہے کہ ہر مرد یا عورت، اپنا ہو یا بے گانہ بڑا ہو یا چھوٹا، جو بھی حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہو کر رہے گا پیغمبر کی قریبی قرابت بھی اسے بچا نہ سکے گی. یہ قرابت ایمان و عمل کے ساتھ تو مفید ہو سکتی ہے مگر اس کے بغیر کوئی قیمت نہیں رکھتی. اس کی شکست اور ناکامی پر آخری مہم اس طرح لگی. کہ جس دین کی بیخ کنی کے لیے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کیا سب سے پہلے اس کی بیٹی درہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں اور اسلام قبول کیا. پھر فتح مکہ کے موقعہ پر اس کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتب حضرت عباسؓ کی وساطت سے حضور کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لا کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی. یہ اولاد کا حصہ ہوا جہاں تک اس کی مالداری کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ وہ مکہ کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا. قاضی رشید بن زبیر کا بیان ہے کہ وہ قریش کے ان چار امیروں میں سے تھا جو ایک قنطار سونے کے مالک تھے مگر اس کے ساتھ وہ انتہائی کنجوس اور زر پرست تھا چنانچہ جنگ بدر کے موقعہ پر جب اس کے دین کی موت و زیست کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا قریش کے تمام سردار خود لڑنے کے لیے نکلے مگر اس نے اپنی طرف سے عاص بن ہشام کو لڑنے کے لیے بھیجا اور کہا کہ یہ اس چار ہزار درہم قرض کا بدل ہے جو میرا تم پر آتا ہے اس طرح اس نے اپنے اس قرض کے وصول کرنے کی یہی ترکیب نکالی کہ جس کی عاص کے دیوالیہ ہونے کی وجہ سے وصول یابی کی کوئی امید نہیں رہ گئی تھی. اسی طرح اس پر ایک مرتبہ یہ الزام بھی لگا تھا کہ اس نے کعبہ کے خزانہ سے سونے کے دو ہرن چرا لیے ہیں اگرچہ بعد میں وہ ہرن دوسرے شخص کے پاس سے برآمد ہوئے تاہم یہ الزام

لگنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ مکہ کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔

برے وقت پر نہ مال کام آتا ہے اور نہ اولاد:..........غرضیکہ **وما کسب**. سے مراد مالی منافع ہو یا اولاد. چند سال ہی کے اندر لوگوں نے اس پیشن گوئی کو اس طرح پورے ہوتے دیکھ لیا کہ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد. **وامراته**. اس عورت کا نام اروٰی اور ام جمیل اس کی کنیت تھی. حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور ام جمیل نے اس کو سنا تو وہ بھری ہوئی حضورؐ کی تلاش میں نکلی. اس کے ہاتھ میں پتھر تھے. حضورؐ کی ہجو میں کچھ اشعار پڑھتی جاتی تھی. حرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکرؓ کیساتھ حضور تشریف فرما تھے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا. یارسول اللہ! یہ آرہی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آپ کو دیکھ کر کوئی بے ہودگی کرے گی. حضورؐ نے ایسی خاص کیفیت سے فرمایا کہ یہ مجھ کو نہیں دیکھ سکے گی. چنانچہ ایسا ہوا کہ حضورؐ کے موجود ہوتے ہوئے بھی آپ کو نہ دیکھ سکی اور حضرت ابوبکرؓ سے بولی کہ میں نے سنا ہے تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس گھر کے رب کی قسم! انہوں نے تمہاری کوئی ہجو نہیں کی. یہ سن کر وہ واپس چلی گئی. منشاء یہ تھا کہ آپ نے ہجو نہیں کی ایک وقتی فتنہ سے بچنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے توریہ سے کام لیا۔

بی جمالو کا کردار:..........**حمالة الحطب**. کے معنی قتادہؓ، عکرمہؓ، حسنؒ، مجاہدؒ، سفیان ثوریؒ نے چغل خوری کے لیے ہیں یعنی وہ بی جمالو تھی. اور سعید بن جبیرؒ گناہوں کے بوجھ کے معنی لیتے ہیں. **فلان یحطب علی ظھرہ** کہا جاتا ہے کہ وہ گناہ پیٹھ پر لاد رہا ہے. **فی جیدھا**. جید ایسی گردن جس میں زیور پہنا گیا ہو. حسن بصریؒ اور قتادہؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک قیمتی ہار پہنا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ لات وعزیٰ کی قسم! میں اس کو بیچ کر محمدؐ کی عداوت میں خرچ کردوں گی اس لیے یہاں طنزیہ فرمایا گیا ہے کہ دوزخ میں اس کی جگہ گلے میں مونجھ کی بٹی ہوئی مضبوط رسی پڑی ہوگی. یا لوہے یا اونٹ کی کھال یا درختوں کی چھال کی بنی ہوئی رسی ڈالی جائے گی۔

خلاصۂ کلام:..........اس سورت کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبر سے عداوت رکھنے کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس سلسلہ میں قرابت داری کا لحاظ بھی نہیں ہوگا. **من عاد لی ولیا فقد اذنته بالحرب**. انتساب اسی وقت کارگر ہوسکتا ہے جب ایمان وعمل کی دولت پاس ہو ورنہ سب ہیچ ہے. نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دین کے معاملہ میں مداہنت یا جانب داری نہیں برتی جب علانیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی بھی رعایت نہیں کی تو لوگ سمجھ گئے کہ یہاں کسی لاگ لپیٹ کی گنجائش نہیں ہے ایمان لے آئے تو غیر اپنا ہوسکتا ہے اور اس سے محروم ہو تو اپنا بھی غیر ہے ''دریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست''۔

فضائل سورت:..........**من قراء سورہ تبت رجوت لایجمع اللہ بینه وبین ابی لھب فی دار واحدة**. ترجمہ: جو شخص سورۃ تبت پڑھے گا. مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ابولہب کے ساتھ ایک جگہ نہیں رکھے گا۔

لطائف سلوک:..........**تبت یدا ابی لھب**. جس طرح انبیاء مقبولین کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتے ہیں اسی طرح اولیائے مقبولین کے مخالفین سے بھی انتقام لیتے ہیں (مرفوع) نیز اس سورت سے یہ بھی واضح ہوا کہ ایمان کے بغیر اپنے بھی پرائے ہیں۔

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ اَوْمَدَنِيَّةٌ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَبِّهٖ فَنَزَلَ **قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ** ﴿۱﴾ فَاللّٰهُ خَبَرُ هُوَ وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنْهُ اَوْخَبَرٌثَانٍ **اَللهُ الصَّمَدُ** ﴿۲﴾ مُبْتَدأٌ وَّخَبَرٌ اَيِ الْمَقْصُوْدُ فِي الْحَوَائِجِ عَلَى الدَّوَامِ **لَمْ يَلِدْ** لِاِنْتِفَاءِ مُجَانَسَةٍ **وَلَمْ يُوْلَدْ** ﴿۳﴾ لِانْتِفَاءِ الْحُدُوْثِ عَنْهُ **وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ** ﴿۴﴾ اَيْ مُكَافِيًا وَّمُمَاثِلًا فَلَهٗ مُتَعَلِّقٌ بِكُفُوًا وَقُدِّمَ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ مَحَطُّ الْقَصْدِ بِالنَّفْيِ وَاُخِّرَ اَحَدٌ وَهُوَ اِسْمُ يَكُنْ عَنْ خَبَرِهَا رِعَايَةً لِّلْفَاصِلَةِ

ع ۳۷

سورۂ اخلاص مکیہ یا مدنیہ ہے اس میں چار یا پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ:......... (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے رب کے متعلق پوچھا گیا تو یہ سورت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے (اس میں اللہ خبر ہے ھو کی اور احد اللہ کا بدل ہے یا ھو کی خبر ثانی ہے) اللہ بے نیاز ہے (یہ مبتدا خبر ہے یعنی تمام حوائج میں سدا وہی مقصود ہے) نہ اس کے اولاد ہے (اس کا کوئی ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے (اللہ کے حادث نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے (یعنی مکافی اور مماثل لہٗ کفوًا کے متعلق ہے اور) اس کو مقدم کر دیا گیا ہے اور یکن کے اسم احد کو اس کی خبر کے بعد لایا گیا ہے فاصلہ آیات کی رعایت کرتے ہوئے)۔

تحقیق وترکیب:......... ھو اللہ احد . دو ترکیبیں مفسرؒ نے بیان فرمائی ہیں لیکن قاضی بیضاویؒ ھو کو ضمیر شان کہتے ہیں ھو زید منطلق . کی طرح ابتدا کی وجہ سے یہ مرفوع ہے اور اللہ احد جملہ اس کی خبر ہے اور ھو کے ہوتے ہوئے عائد کی ضرورت نہیں ہے لفظ اللہ ایسی ذات ہے جو صفات اکرام کی جامع ہے اور احد کے معنی یہ ہیں کہ وہ صفات جلال کا جامع ہے کیونکہ واحد حقیقی وہی ہوتا ہے جو ترکیب وتعدد اور ان کے لوازم جسمیت وتحیز اور مشارکت سے منزہ ہو اور وجوب اور قدرت ذاتیہ اور حکمت تامہ سے متصف ہو جو صفات مقتضی الوہیت ہیں ایک قراءت میں بغیر قل کے صرف ھو اللہ احد ہے البتہ قل یا ایھا الکافرون میں بالاتفاق قل موجود ہے لیکن تبت کے شروع میں لفظ قل کہنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ سورۃ کافرون میں آپ کے دشمنوں سے اظہار بیزاری کیا گیا ہے اور تبت میں آپ کے چچا کو للکارا گیا ہے اس لیئے آپ کی طرف سے چچا کو عتاب آمیز خطاب مناسب نہیں لیکن سورت اخلاص میں توحید ہے جس کا قائل خود بھی حضورؐ کو ہونا چاہیئے اور دوسروں کو بھی دعوت دینی چاہیئے۔

اللہ الصمد . صمد بمعنی قصد یہاں صمد بمعنی مصمود الیہ ہے فعل بمعنی مفعول جیسے قصص بمعنی مقصوص اور خلق بمعنی مخلوق، صمد بلند مقام سطح مرتفع اور وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو اور وہ سردار جس کی طرف حاجتوں میں رجوع کیا جائے وہ شخص جس

سے بالاتر وہی نہ ہو ٹھوس چیز جس میں نہ خول ہو نہ جھول جس سے کوئی چیز نکلتی ہو اور نہ اس میں داخل ہو سکتی ہو۔

الصمد. ٹھوس مقصود مرجع، بیت مصمد، حاجتوں کا مرجع، بنا مصمد، بلند عمارت صمدہ صمد الیه صمدا. اس کی طرف جانے کا قصد کیا. الصمد الیه الامر. اس کے آگے معاملہ پیش کر دیا اللہ مقصود مطلق ہے مستغنی مطلق ہے دوسرے سب ہر طرح اس کے محتاج ہیں صمد دراصل ٹھوس پہاڑ کو کہتے ہیں اللہ سے بڑھ کر کون مضبوط ہوگا اور چونکہ مشرکین عرب اللہ کی صمدیت کے قائل تھے اس لیے الصمد معرف باللام لایا گیا برخلاف احدیت کے وہ اس کے قائل نہ تھے اسکو نکرہ لایا گیا ہے اور لفظ اللہ تکرار میں یہ نکتہ ہے کہ جو ان صفات سے متصف نہیں وہ اللہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اللہ فی الحقیقت ایسا جامع لفظ ہے کہ اس کا کوئی صحیح بدل کسی زبان میں نہیں ہے اور ان دونوں جملوں کے درمیان عاطفت نہیں لایا گیا۔ کیونکہ دوسرا جملہ پہلے کا گویا نتیجہ یا دلیل ہے۔

لم یلد. اللہ کے اولاد نہیں ہے کیونکہ اولاد اول تو ہم جنس ہونی چاہئے اور واجب الوجود کا ممکن ہم جنس نہیں ہے اور غیر جنس اولاد باعث عیب ہے اور اللہ عیب سے بری ہے دوسرے اولاد اعانت کے لیے ہوتی ہے اللہ اس سے بھی بری ہے تیسرے اولاد باپ کا خلف ہوتی ہے اور اللہ فنا سے پاک ہے کہ اسے خلیفہ کی ضرورت ہو اور لم یلد ماضی لانے میں یہ نکتہ ہے کہ اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اسی طرح یہود پر رد ہے جو حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے اور نصاریٰ پر رد ہے جو حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ مانتے تھے یا اگلے جملہ لم یو لد کے مطابق کرنے کی وجہ سے لم یلد ماضی لایا گیا ہے۔

ولم یو لد. اللہ کسی کی اولاد نہیں کیونکہ اول تو اولاد حادث ہوتی ہے دوسرے وہ محدث کی محتاج ہوتی ہے اور اللہ ان باتوں سے پاک ہے کیونکہ وہ واجب بالذات ہے۔

ولم یکن له کفوا احد. یعنی بیوی ہو یا اور ہستی کوئی اس کے برابر نہیں ہے له ظرف کو اہمیت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور کفوا کی ضمیر مستتر سے یہ حال بھی ہوسکتا ہے تیسری ترکیب یہ ہے کہ اس کو خبر بھی بنایا جاسکتا ہے اور کفوا احد. سے حال ہو جائے گا ان تینوں جملوں میں عطف کے ذریعے ربط کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی وحدت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ چھوٹے بڑے برابر تینوں کی نفی ایک ہی درجہ میں ہے حمزہؒ، یعقوبؒ، نافعؒ نے کفوا تخفیف کے ساتھ اور حفصؒ نے کفوا حرکت اور واو کے ساتھ پڑھا ہے یہ مختصر ترین سورت ہے مگر تمام معارف النبیہ کو حاوی ہے اور ملحدین پر رد ہے حدیث میں اس کو ثلث قرآن میں رکھا گیا ہے کیونکہ مقاصد قرآن میں اول عقائد کا درجہ ہے دوسرے احکام کا حصہ ہے تیسرے قصص ہیں پس اس سورت میں عقائد کی بنیاد آگئی اور صاحب کشاف تو اس سورت کو قرآن کے برابر کہہ رہے ہیں پس مقاصد اصلیہ یعنی عقائد اصلیہ کے لحاظ سے یہ بھی صحیح ہے۔

ربط آیات: .... والضحیٰ کی تمہیدی مہمات میں توحید بھی ہے اس سورت میں توحید خالص کا بیان ہے اسی لیے اس کا نام سورت اخلاص ہے اگر چہ اس میں کہیں اخلاص کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا ہے پس جو شخص اس کی تعلیم پر ایمان لائے گا وہ شرک سے خلاصی پالے گا.

روایات: .... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بتلایئے اس پر سورت نازل ہوئی نسب بتانے کا مطلب تعارف ہے اجنبی سے تعارف کے لیے عرب انسبه لنا بولتے ہیں یعنی کون ہے، کیسا ہے، کس قبیلہ خاندان سے ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے اسی کے قریب قریب روایات ہیں جن سے اس سورت کا مکی ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہود کا ایک گروہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں کعب بن اشرف اور حی بن اخطب وغیرہ بھی تھے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ کا رب جس نے آپ کو بھیجا ہے کیسا ہے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی. حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ کچھ یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے اے ابوقاسم! اللہ نے فرشتوں کو نور حجاب سے آدم کو مٹی کے سنے ہوئے گارے سے ابلیس کو آگ کے شعلے سے آسمان کو دھوئیں سے زمین کو پانی کے جھاگ سے بنایا اب ہمیں اپنے رب کے متعلق بتایئے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا جبریل آئے انہوں نے کہا اے محمد! ان سے کہیے ھو اللہ احد ای

طرح عامر الطفیل نے حضورؐ سے کہا کہ اے محمد! آپ کس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف عامر بولا کہ اچھا تو بتلایئے کہ وہ سونے سے بنا ہے یا چاندی سے یا لوہے سے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی علیٰ ہذا ضحاکؒ، قتادہؒ، مقاتلؒ کہتے ہیں کہ یہود کے کچھ علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمدؐ اپنے رب کی کیفیت ہمیں بتلایئے شاید ہم آپ پر ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت تورات میں نازل کی ہے آپ بتلایئے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اس کی جنس کیا ہے سونے کا ہے، تانبے کا ہے پیتل کا ہے لوہے کا ہے چاندی کا ہے؟ اور کیا وہ کھاتا پیتا بھی ہے؟ اور اس نے دنیا کس سے وراثت میں پائی ہے اور اس کے بعد کون اس کا وارث ہوگا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کی روایت یہ بھی ہے کہ نجران کے ساتھ عیسائیوں کا وفد حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ آپ کا رب کیسا ہے؟ کس چیز سے بنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میرا رب کسی چیز سے نہیں بنا ہے وہ ہر چیز سے الگ ہے تب یہ سورت اتری ان روایات سے اس کا مدنی ہونا معلوم ہوتا ہے بہر حال سوال ایک ہی ہے جو مختلف موقعوں پر مختلف لوگوں نے آپؐ سے کیا اور سب کا جواب ایک ہی آیا ان میں کوئی تضاد یا ٹکراؤ نہیں ہے ہر مرتبہ آپؐ نے اس سورت کو پڑھ دیا مگر راوی اس کو اسی واقعہ کے ساتھ خاص کر کے نقل کر دیتے ہیں دراصل یہ سورت مکی ہے اور اس کی مضمون سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بالکل شروع میں جب اللہ کی ذات وصفات سے متعلق تفصیلی آیات نازل ہوئی تھیں لوگوں نے آپ کی دعوت سن کر پوچھ تاچھ شروع کر دی دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت بلالؓ کو ان کے آقا امیہ بن خلف نے دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر جب ستایا تو ان کی زبان پر احد احد جاری تھا جو اس سورت سے ہی ماخوذ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... سورۃ کافرون کی طرح یہاں بھی لفظ قُل کا براہ راست خطاب حضورؐ کو ہے لیکن آپ کی وساطت سے پھر یہ خطاب عام ہے ھو اللہ احد. ھو سے مراد وہی رب ہے جس کے متعلق استفسار کیا جا رہا تھا یعنی میرا رب وہی اللہ ہے جو تمہارے نزدیک بھی معروف ہے کوئی نیا رب لے کر نہیں آیا ہوں جس کی عبادت کی دعوت دے رہا ہوں بلکہ اللہ کی وہی جانی پہچانی مسلمہ ہستی ہے جس کا نام تمہاری زبانوں پر بھی ہے یہ ان کے سوال کے پہلے دو کا جواب ہوا اس سے خود بخود اس کا جواب نکل آیا کہ وہ سونے، چاندی کا ہے یا کس چیز سے بنا ہے؟۔

خدا سونے چاندی وغیرہ سے نہیں بنا وہ ان چیزوں کو بنانے والا ہے: .... ظاہر ہے کہ جب وہ اللہ ہے تو ان میں سے کسی چیز سے بھی نہیں بنا ہے بلکہ وہی ہے جسے تم بھی ساری کائنات کا خالق رازق مدبر، منتظم مانتے ہو اور سخت وقت پڑنے پر سب کو چھوڑ چھاڑ کر اسی کو مدد کے لئے پکارتے ہو اس جواب میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمالیہ آپ سے آپ آجاتی ہیں کیونکہ یہ بات سرے سے ناقابل تصور ہے کہ جس ذات میں سارے گن ہوں وہ نہ زندہ ہو، نہ سنتا ہو، نہ دیکھتا ہو، نہ قادر مطلق ہو، نہ علیم وحکیم، رحیم و کریم ہو، اور نہ سب پر غالب ہو۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے احد کا لفظ جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں غیر معمولی ہے یوں تو اس کا استعمال بہت سے طریقوں سے ہوتا ہے لیکن قرآن کے علاوہ عربی زبان میں محض وصف کے طور پر اس کے استعمال کی کوئی نظیر نہیں ملتی قرآن نے صرف اللہ کی ذات کے لیے اس کا استعمال کیا ہے اس غیر معمولی استعمال طرز بیان سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ اور یکتا ہونا اللہ کی خاص صفت ہے یعنی وہ اکیلا رب ہے وہی اکیلا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے پس مشرکین اور اہل کتاب کے سوالات کا مختصر حل اس طرح ہوا کہ وہی اکیلا رب ہے وہی اکیلا الٰہ ہے وہی اکیلا خالق، مالک الملک، مدبر، منتظم، رازق وغیرہ ہے خدائی کے ان کاموں میں جن کو تم مانتے ہو کہ یہ اللہ ہی کے کام ہیں اس کا کوئی شریک سہیم نہیں ہے انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اس کا نسب کیا ہے اس کی جنس کیا ہے؟ وہ کس کا وارث ہے؟ اس کا وارث کون ہوگا؟۔

اللہ کی احدیت اور واحدیت: .... ان سارے سوالات کا جواب بھی لفظ احد میں آگیا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہی ایک خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا نہ اس کے بعد کوئی خدا ہوگا خدا کی کوئی جنس نہیں کہ یہ اس کا فرد

ہو بلکہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ہم جنس نہیں ہے اسکی ذات محض واحد نہیں بلکہ واحد ہے جس میں کوئی کسی حیثیت سے بھی کثرت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور چونکہ وہ اجزا سے مرکب وجود نہیں ہے اس لیے نہ اس کی تقسیم ہوسکتی ہے نہ اس کے اجزا ہوسکتے ہیں نہ وہ کوئی شکل و صورت رکھتا ہے نہ رنگ وجہت، نہ زمان ومکان کا پابند ہے نہ تغیر وتبدل کو قبول کرتا ہے غرض تمام کثرتوں سے پاک صاف ایک ذات ہے جو ہر اعتبار سے احد ہے۔ واحد کے معنی تو ایک کے ہیں خواہ ایک فرد ہو یا مجموعی حیثیت سے ایک ملک ایک قوم ایک دنیا ایک عالم ایک جہاں اور کسی مجموعہ کے ہر جز کو بھی واحد اور ایک کہا جا سکتا ہے لیکن احد کا استعمال صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے کسی اور کے لیے یہ مخصوص نہیں ہوتا چنانچہ قرآن میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد لفظ استعمال ہوا ہے وہاں الٰہ واحد اللہ الواحد القھار کہا گیا ہے محض واحد کہیں نہیں کہا گیا کیونکہ یہ لفظ ان چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں طرح طرح کی کثرتیں رکھتی ہیں بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کے لیے اور صرف اللہ ہی کے لیے احد کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے کیونکہ وجود میں صرف وہی ایک ہستی ایسی ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے جس کی وحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے۔

فرق باطلہ پر رد:.......... پس لفظ اللہ سے تو دہریوں اور منکرین خدا پر رد ہوگیا۔ جو بالکل خدائی کے قائل ہی نہیں ہیں اور وہ اس کائنات کو محض لخت واتفاق کا ایک نتیجہ قرار دیتے ہیں یا مادہ اور ایتھر کو قدیم مانتے ہیں جو تمام کمالات سے عاری ہے اسی طرح لفظ احد سے ان لوگوں پر رد ہوگیا ہے جو ایک سے زائد معبود مانتے ہیں خواہ وہ مجوس ہوں جو خالق خیر وشر، یزدان واہرمن الگ الگ مانتے ہیں یا ہنود جو تثلیس کو ورد ہونا مانتے ہیں الصمد صمد کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت علیؓ، عکرمہؒ، کعبؒ، کے نزدیک صمد وہ ہے جس سے بالاتر کوئی نہ ہو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابووائل، شقیق بن سلمہ کے نزدیک سردار کامل کے معنی ہیں اور ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا سردار جو اپنی سیادت شرف وعظمت، علم وبردباری حکمت میں کامل ہو وہ صمد کہلائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سردار جس کی طرف لوگ مصیبت میں رجوع کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اس کے محتاج ہوں عکرمہؒ کے اور بھی اقوال ہیں مثلاً وہ چیز کہ جس میں سے نہ کبھی کوئی چیز نکلی ہو نہ نکلتی ہو اور جو نہ کھاتا نہ پیتا ہو سدی کہتے ہیں کہ جو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو یا مصائب دور ہونے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جائے سعید بن جبیرؒ کے نزدیک جو صفات واعمال میں کامل ہو ربیع بن انسؒ کے نزدیک کوئی آفت نہ آتی ہو اور مقاتل بن حیانؒ کے نزدیک بے عیب کے معنی ہیں۔ ابن کیسانؒ کے نزدیک وہ کہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا متصف نہ ہو سکے حسن بصریؒ قتادہؒ کے نزدیک جو باقی رہنے والا لازوال ہو مرۃ الہمدانیؒ کے نزدیک وہ جو اپنی مرضی اور کام میں خود مختار، آزاد ہو۔ اس کے حکم اور فیصلہ کے آگے دم مارنے کی مجال نہ ہو۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ جس کی طرف حاجات میں رجوع کریں۔ ابوبکر انباریؒ کا کہنا یہ ہے کہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر کوئی سردار نہ ہو اور جس کی طرف لوگ اپنے معاملات وضروریات میں رجوع کریں۔ زجاجؒ کہتے ہیں کہ جس پر سرداری ختم ہوگئی ہو اور لوگ اپنی حاجتوں میں اس کی طرف رجوع کریں۔

صمد کی جامع تفسیر:.......... طبرانی ان سب اقوال کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ وکل ھذہ صحیحۃ وھی صفات ربنا عزوجل ھو الذی یصمد الیہ فی حوائج وھو الذی قد انتھٰی سودوہ وھو الصمد الذی لاجوف ویاکل ولا یشرب وھو الباقی بعد خلقہٗ۔ اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ لفظ احد چونکہ اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے اس لئے نکرہ لانا کافی سمجھا گیا۔ لیکن صمد کا لفظ چونکہ مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے الصمد معرفہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی صمد اللہ ہے۔ اور مخلوق کو اگر کسی حیثیت سے صمد کہا بھی جائے تو جزوی لحاظ سے ہوگا۔ کیونکہ مخلوق اللہ کی طرح لازوال نہیں بلکہ فانی ہے۔ مرکب ہوتی ہے۔ جس میں تقسیم وتجزیہ ہو کر کسی وقت اس کے اجزاء بکھر سکتے ہیں مخلوقات میں احتیاج بھی ہے اور ان کی سیادت

بھی اضافی ہے اور اس کی برتری بھی مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے۔اسی طرح مخلوق کی حاجت برآری اور حاجت روائی بھی اضافی ہوگی۔ بر خلاف اللہ تعالیٰ کے اس کی صمدیت ہر حیثیت سے کامل ومکمل ہے۔اس لیے وہی الصمد کا مصداق ہے۔اس سے ان جاہلوں پر رد ہو گیا۔ جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں اختیار رکھنے والا سمجھتے ہیں۔اسی طرح فرقہ آریہ کا بھی رد ہو گیا۔ جو مادہ اور روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان دونوں کی طرف اللہ کو محتاج مانتے ہیں۔ان دونوں کو اللہ کا محتاج نہیں مانتے۔

خدا کے بارے میں قدیم تصورات:.........لم یلد ولم یولد۔زمانہ قدیم سے راجہ مہاراجہ، بادشاہوں کی پوجا اور پرستش کی جاتی رہی ہے اور زمانہ جاہلیت کے بارے میں بھی لوگوں کا یہی تصور بندھ گیا کہ جس طرح انسان کی جنس ونوع ہوتی ہے جن میں بہت سے افراد ہوتے ہیں۔اور ان میں مرد وعورت پائے جاتے ہیں۔جن میں شادی، بیاہ، اولاد ونسل ہوتی ہے۔اسی طرح خداؤں کی بھی جنس ہوتی ہے۔ان کے بیوی اولاد ہوتی ہے۔اسی جاہلانہ نظریہ سے اللہ رب العالمین کو بھی دیکھا، اس کے اولاد تجویز کی۔عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور جنات کو خدا کی بیویاں مانتے تھے۔اہل کتاب بھی اس جہالت سے محروم نہیں رہے انہوں نے کسی بزرگ کو خدا کا بیٹا مان لیا۔پھر ان میں سے کسی نے تو حقیقی نسبی بیٹا قرار دیا اور کسی نے بڑا تیر مارا تو متبنیٰ کہہ لیا۔اگرچہ ان میں سے کسی نہ کسی کو اللہ کا باپ قرار دینے کی جرات نہیں کی۔مگر ظاہر ہے کہ جب کسی ذات کے بارے میں یہ تصور کر لیا جائے کہ وہ توالد وتناسل سے پاک نہیں یا انسان کی طرح وہ بھی ایسی کوئی ہستی ہے جس کے اولاد ہوتی ہے یا وہ کسی کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں متبنیٰ بنا لیتا ہے۔تو پھر انسانی ذہن کس طرح اس تصور سے محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کو کسی کی اولاد نہ سمجھے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے۔سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اللہ کا نسب کیا ہے؟ اور یہ کہ وہ کس کا وارث ہے یا اس کا وارث کون ہوگا۔

خدا جاہلانہ خیالات سے پاک ہے:.........ان جاہلانہ تصورات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پھر ان چیزوں کو مان لینے سے کچھ اور چیزوں کو ماننا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔اول یہ کہ خدا ایک نہ ہو بلکہ خداؤں کی جنس ہو۔جس کے افراد خدائی، اوصاف، افعال و اختیارات میں شریک ہوں۔یہ بات جس طرح خدا کے نسبی اولاد فرض کرنے سے لازم آتی ہے۔اسی طرح اس کے متبنیٰ فرض کرنے سے بھی لازم آتی ہے۔کیونکہ متبنیٰ بھی لامحالہ ہم جنس ہی ہوتا ہے۔اور جب خدا کا ہم جنس ہوا تو وہ خدائی کے اوصاف کا حامل بھی ہونا چاہیے۔دوسرے توالد وتناسل فرض کر لینے سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ نر و مادہ ہوں۔ان کا اتصال ہو اور خود مادہ سے خارج ہونے والا مادہ بھی ہو جو اولاد کی شکل اختیار کر لے۔پس اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ وہ ایک مادی اور جسمانی وجود ہو۔پھر اس کی ہم جنس کوئی بیوی بھی ہو اس کے جسم سے کوئی مادہ بھی خارج ہو۔تیسرے توالد وتناسل اس لیے ہوتا ہے کہ افراد فانی ہوتے ہیں۔اس لیے ان کی جنس باقی رکھنے کے لیے اولاد پیدا ہونا ناگزیر ہوتا ہے کہ نسل آگے چلے۔اسی طرح اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ بذات خود معاذ اللہ فانی ہو اور باقی رہنے والی چیز خداؤں کی نسل ہو نہ کہ اللہ کی ذات۔نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیاذاً باللہ اللہ کی بھی ابتداء انتہا ہو۔چوتھے یہ کہ متبنیٰ بنانے کی غرض یہ ہے کہ لاولد شخص اپنی زندگی میں کسی مددگار اور اپنی وفات کے بعد کسی وارث کا محتاج ہوا کرتا ہے۔پس کیا خدا کے متبنیٰ فرض کر لینے سے یہ سب خرابیاں لازم نہیں آئیں گی۔ان تمام مفروضات کی جڑ اگرچہ اللہ کو احد وصمد کہنے ہی سے کٹ جاتی ہے لیکن لم یلد ولم یولد کہنے کے بعد اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ولم یکن لہ کفواً احد. کفواً کے معنی جوڑ ا برابری، مماثل، مشابہ نظیر کے ہیں۔نکاح میں بھی کفو کے یہی معنی ہیں کہ مرد اور عورت کی حیثیت اور جوڑ ا برابر ہو۔بس جب اللہ کا کوئی جوڑ نہیں تو بیوی یا اولاد کا سوال کہاں سے ہو۔غرض ثانی کی تین ہی صورتیں عقلاً ہو سکتی ہیں، چھوٹا، بڑا، برابر ان تین آیتوں میں تینوں احتمالات کی نفی فرمادی گئی ہے۔لم یلد میں چھوٹے کی لم یولد میں بڑے کی لم یکن لہ کفواً میں برابر کی اس طرح اللہ کی احدیت کی اچھی طرح تقریر و توضیح ہو گئی۔

خلاصہ کلام: .... حضورؐ کی بعثت کس پس منظر اور ماحول میں ہوئی؟ اس وقت خدا کے بارے میں دنیا کے مذہبی معتقدات و تصورات کیا تھے؟ بُت پرست تو لکڑی پتھر، چاندی سونے کی مورتیوں کی شکل میں خدا کو پوج رہے تھے۔ ان کے نزدیک دیوتاؤں اور دیویوں کو با قاعدہ نسل تھی۔ کوئی دیوتا بغیر بیوی کے، کوئی دیوی بغیر شوہر کے نہ تھی۔ ان خداؤں کی خوراک، کھانے پینے کا بندوبست ان کے پرستار کرتے تھے کچھ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا انسانی شکل میں ظہور کرتا ہے اور کچھ انسان اس کے اوتار ہوتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی اگرچہ ایک خدا ماننے کے دعویٰ دار تھے۔ مگر خدا کو باپ اور اس کے لیے ایک بیٹا ضرور مانتے تھے۔ اور عیسائیوں نے روح اللہ کو خدائی میں شریک کرلیا تھا۔ حتیٰ کہ خدا کی ماں اور ساس بھی تھی۔ اسی طرح یہودیوں کا خدا ٹہلتا بھی تھا اور انسانی شکل میں بھی نمودار ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی بندے سے کشتی بھی لڑلیتا تھا۔ اہل کتاب کے علاوہ آتش پرست مجوسی اور ستارہ پرست صابی بھی تھے۔ اس پس منظر میں جب توحید کامل کی دعوت پیش کی گئی تو اس قسم کے سوالات کا ذہنوں میں ابھرنا لازمی تھا۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے ایک مختصر ترین سورت کے چند بولوں میں اللہ کی ہستی کا ایک واضح مرقع پیش کردیا۔ جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کردیتا ہے اور اس کی یگانہ ذات کو صفات میں بھی یگانہ پیش کرتا ہے۔ منکرین توحید کئی طرح کے ہیں۔ ایک منکرین وجود باری۔ دوسرے منکرین وجوب باری۔ تیسرے منکرین صفات کمال چوتھے مشرکین فی العبادت، لفظ احد میں ان سب پر رد ہوگیا۔ رہ گئے مشرکین فی الاستعانت ان کا رد الصمد میں ہوگیا۔ اسی طرح ایاک نعبد کا مضمون لفظ احد میں اور ایاک نستعین کا مضمون الصمد میں آگیا۔ اسی طرح لم یلد میں اللہ کے اولاد ماننے والوں پر اور لم یولد میں ان لوگوں پر رد ہوگیا جو کچھ انسان اور جنت کو الوہیت میں شریک گردانتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب مولود ہیں اور اللہ مولود ہونے سے پاک ہے۔ ورنہ اس کو حادث ماننا پڑے گا۔ اور لم یکن لہ کفوا سے آتش پرست مجوسیوں کا رد ہوگیا۔ جو اللہ کے لیے مماثلت کے قائل ہیں۔

فضائل سورت: .... ا۔ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یقراھا فقال وجبت قیل یا رسول اللہ وما وجبت قال وجبت لہ الجنۃ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو یہ سورت پڑھتے سُنا۔ فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پوچھا کہ کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت واجب ہوگئی۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو ایک مہم پر افسر بنا کر روانہ فرمایا۔ وہ پورے سفر میں ہر نماز میں قرات قل ھو اللہ احد پر ختم کرتے تھے۔ واپسی میں ان کے رفقاء نے حضورؐ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ خود ان سے پوچھ کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں چونکہ رحمٰن کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اس لیے مجھے اس کا بڑھنا بہت محبوب ہے۔ حضورؐ نے یہ بات سنی تو ان شکایت کرنے والوں سے فرمایا۔ اخبروہ ان اللہ تعالیٰ یحبہ.

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مسجد قبا میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہ ہر رکعت میں پہلے قل ھو اللہ احد پڑھتے۔ پھر کوئی اور سورت پڑھتے۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کسی ایک جگہ سے پڑھو۔ دونوں کو کیوں پڑھتے ہو؟ مگر انصاری نے جواب دیا کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تم چاہو تو میں نماز پڑھاؤں۔ ورنہ امامت چھوڑ دوں؟ لیکن لوگ ان کی جگہ کسی اور کو امام بنانا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر کار معاملہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ نے امام صاحب سے پوچھا کہ نمازی جو کچھ چاہتے ہیں اس کو قبول کرنے میں تمہیں کیا مانع ہے؟ تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کے پڑھنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ فرمایا حبک ایاھا ادخلک الجنۃ. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت ومحبت صحابہؓ کے دلوں میں جاگزیں کردی تھی۔ کیونکہ اس میں اسلام کے اولین بنیادی عقیدہ توحید کو مختصر چار فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔ جو فوراً ذہن نشین ہوجاتے ہیں اور آسانی سے زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

لطائف سلوک: .... قل ھو اللہ احد. یہ سورت نہایت مختصر ہونے کے باوجود عقائد ومعارف توحید کی انواع پر مشتمل ہے۔

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ اَوْمَدَنِيَّةٌ خَمْسُ اٰيَاتٍ

نَزَلَتْ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ بَعْدَهَا لَمَّا سَحَرَ لَبِيْدُ الْيَهُوْدِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وِتْرٍبِهٖ اِحْدٰى عَشْرَةَ عُقْدَةً فَاَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ وَبِمَحَلِّهٖ فَاُحْضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمِرَ بِالتَّعَوُّذِ بِالسُّوْرَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَأَ اٰيَةً مِّنْهُمَا اِنْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِفَّةً حَتّٰى اِنْحَلَّتِ الْعُقَدُ كُلُّهَا وَقَامَ كَاَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عُقَالٍ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾** الصُّبْحِ **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾** مِنْ حَيَوَانٍ مُكَلَّفٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَجَمَادٍ كَالسَّمِّ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾** اَيِ اللَّيْلُ اِذَا اَظْلَمَ اَوِ الْقَمَرُ اِذَا غَابَ **وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ** السَّوَاحِرِ تَنْفُثُ **فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾** الَّتِيْ تَعْقِدُهَا فِي الْخَيْطِ تَنْفَخُ فِيْهَا بِشَيْءٍ تَقُوْلُهٗ مِنْ غَيْرِ رِيْقٍ وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مَعَهٗ كَبَنَاتِ لَبِيْدِ الْمَذْكُوْرِ **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾** اَظْهَرَ حَسَدَهٗ وَعَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ كَلَبِيْدِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْيَهُوْدِ الْحَاسِدِيْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذِكْرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلُ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهٗ لِشِدَّةِ شَرِّهَا

ع ۵ / ۳۸

ترجمہ:.........سورۂ فلق مکیہ یا مدینہ ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی اُس وقت نازل ہوئیں۔ جب کہ لبید نامی یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا۔ ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سحر اور اس کے مقام سے باخبر فرما دیا۔ تب وہ چیزیں آپ کے سامنے لا حاضر کی گئیں اور حضور کو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ حاصل کرنے کو فرمایا گیا۔ چنانچہ جب آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تو گرہ کھل جاتی اور آپ کی طبیعت ہلکی ہو جاتی۔ حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں تو آپ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے بندھن کھل گئے ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آپ کہیے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی تمام مخلوق کے شر سے (خواہ حیوان مکلف ہو یا غیر مکلف یا جمادات زہر وغیرہ ہوں) اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے (یعنی رات جب اندھیری ہو جائے یا چاند جب غائب ہو جائے) اور گرہوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں (جادوگرنیوں کی جھاڑ پھونک) کے شر سے (جو ڈوروں میں گرہیں باندھ کر کچھ پڑھ کر بغیر تھوک کے پھونکتی ہیں۔ زمخشریؒ نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے جیسے: لبید مذکور کی لڑکیاں) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اپنے حسد کو ظاہر کر دے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے لگے۔ جیسے: حاسد یہودیوں میں سے لبید مذکور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اور یہ تینوں چیزیں اگرچہ ماخلق میں داخل تھیں۔ مگر اس کی شدتِ شر کی وجہ سے ان کو بعد میں الگ ذکر کیا ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... قل اعوذ. تعوذ کے معنی پناہ جوئی کے ہیں۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس دونوں سورتوں کومعوذتین اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں تعوذ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تعویذ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

الفلق. فلق بمعنی خرق پھٹنا فعل مفعول اس کا اطلاق [illegible] کائنات پر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ عدم کو پھاڑ کر وجود میں آتی ہے۔ گویا عدم تاریکی ہے اور وجود ایک نور ہے تو ظلمت کو پھاڑ دیتا ہے۔ بالخصوص ان چیزوں پر فلق کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی اصل سے نکلتی ہیں۔ جیسے: چشمے بارش، نباتات، اولاد۔ لیکن عرف میں صبح کے ساتھ مزید تخصیص ہوگئی ہے۔ کیونکہ صبح کو حالات میں تغیر ہوجاتا ہے اور رات کی تاریکی کی وحشت نور صبح سے مسرت میں تبدیل ہوجاتی ہے اور جس طرح قبروں سے قیامت کے لیے اٹھنا ہوگا۔ اس کا منظر سو کر صبح اٹھنے والے پیش کرتے ہیں۔ گویا صبح قیامت کا ایک نمونہ ہوتی ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ عالم پر چھایا ہوا رات کا اندھیرا جو ہستی دُور کرسکتی ہے۔ وہ پناہ چاہنے والے کے خوف وخطر کو بھی دور کرسکتی ہے اور لفظ رب دوسرے اسماء کے مقابلے میں زیادہ لطافت رکھتا ہے کیونکہ مضرت سے بچانا بھی تربیت ہے۔

من شر ماخلق. عالم کی دو قسمیں ہیں عالمِ امر عالم خلق ''الا له الخلق والامر'' عالم امر تو خیر ہی خیر ہے۔ اس میں شر کا نام ونشان نہیں۔ البتہ عالم خلق میں خیر بھی پایا جاتا ہے اور شر بھی جہاں تک شر اختیاری کا تعلق ہے وہ بھی لازمی ہوتا ہے جیسے کفر اور کبھی متعدی جیسے ظلم۔ اور کبھی شر طبعی ہوتا ہے جیسے آگ کا محرق اور زہر کا مہلک ہونا۔ پس ماخلق کی تخصیص اسی لیے ہے کہ شر اسی میں منحصر ہے۔ عالمِ امر شر سے خارج ہے۔

من شر غاسق. غسق کے معنی امتلاء اور بھرنے کے ہیں۔ غسقت العین آنسوؤں سے آنکھ ڈبڈبا گئی اور بعض نے غسق کے معنی سیلان کے لیے ہیں۔ غسق العین کے معنی آنکھ بہنے کے ہیں۔ بہرصورت یہاں رات کا سخت تاریک ہونا مراد ہے۔

اذا وقب. وقب کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کے اندر اندھیری گھس جائے جیسے گھٹاٹوپ اندھیرا کہتے ہیں۔

ماخلق کے بعد رات اندھیری کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس میں نقصان زیادہ ہوتا ہے اور اس کا دفعیہ بھی دشوار ہوجاتا ہے۔ مشہور ہے۔ اللیل اخفیٰ الاویل اور بعض نے غاسق سے چاند مراد لیا ہے کہ کسوف کے بعد تاریک ہوجاتا ہے اور غاسقٍ سے وہ چیزیں بھی مراد ہوسکتی ہیں۔ جو نُور سے خالی ہوں۔ جیسے: قوائے نفسانیہ جو باعثِ انکشاف ہونے کی وجہ سے نُور کے مشابہ ہیں اور نور سے خالی ہونے کی مثال جیسے: معدنیات۔

ومن شر النفّٰثٰت. نفاثات سے نفوس مراد ہیں۔ نفاثہ علامہ کی طرح ہے اور اگر مؤنث کے لیے مانا جائے تو جادوگرنیاں مراد ہیں۔ جو گنڈوں میں جھاڑ پھونک کر گرہیں لگاتی ہیں۔ نفث وہ پھونک جس میں کچھ تھوک بھی شامل ہو اور نفاثات سے نباتات بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ گویا ان کے طول وعرض وعمق میں پڑھنے کو نفث سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عقد. جمع ہے عقدة کی جس کے معنی گرہ کے ہیں۔

اور عام شر کے بعد اس شر کی تخصیص شان نزول کی وجہ سے ہے۔ یعنی جو واقعہ حضورؐ پر جادو کرنے کا پیش آیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہوجانا کمال کے منافی نہیں ہے۔ جیسے اور حوادث وامراض ونقصانات کا پیش آجانا منافی کمال نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر جو حضورؐ پر مسحور ہونے کا الزام لگاتے تھے وہ اس میں سچے نکلے۔ کیونکہ ان کا مقصد جنون کی صورت میں آپؐ کا مسحور ہونا تھا اور وہ الزام غلط ہے۔ اور بعض نے ''نفثٰت فی العقد'' کے یہ معنی لیے ہیں کہ مکار عورتیں جو مردوں کے عزائم فیل کر دیتی ہیں اور اپنی حیلہ سازی سے اپنے ارادے میں ناکام بنادیتی ہیں۔ نفث عقدہ سے ماخوذ ہے تھوک لگا کر گرہ کو نرما دینا جس سے اس کا کھلنا سہل ہوجائے اور نفاثات کو علیحدہ معرفہ کے ساتھ لانا اس لیے ہے کہ ہر نفاثہ شریر چالاک ہوتی ہے بخلاف ہر غاسق وحاسد کے۔

ومن شر حاسدٍ اذا حسد. شر ماخلق کے بعد اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ حسد کا نقصان سب سے زیادہ ہے

انسان ہی نہیں بلکہ جانوروں وغیرہ کو بھی حسد کا نقصان پہنچ جاتا ہے اور اذا حسد کی قید اس لیے لگائی کہ محسود کو اسی وقت حسد کا ضرر ہوتا ہے۔ جب کہ حاسد اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ ورنہ حاسد کا اپنا نقصان تو بہر صورت ہے کہ وہ حسد کی آگ میں بھنتا رہتا ہے اور تنور کی طرح سلگتا رہتا ہے اور حاسد سے جانور بھی مراد ہو سکتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ستاتے رہتے ہیں۔

ربط آیات: ....سورۂ والضحیٰ میں تمہیدی طور پر جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں اللہ پر توکل اور اس سے پناہ جوئی ہے۔ اور دلائل نبوت۔ بیہقی میں ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان دونوں سورتوں کا نام معوذتین رکھا گیا ہے۔ ان کے مضامین بھی ایک دوسرے سے قریبی مناسبت رکھتے ہیں۔ تاہم یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحفِ عثمانی میں الگ الگ ناموں سے لکھی ہوئی ہیں۔ پہلی سورت جس میں پانچ آیات ہیں۔ دنیاوی مضرات سے استعاذہ کیا گیا ہے اور دوسری سورت جس میں چھ آیات ہیں۔ دینی مضرتوں سے استعاذہ کا بیان ہے۔ اس طرح تمام شرور سے استعاذ اور اللہ پر توکل کی تعلیم ہے۔

شانِ نزول: ....حضرت حسن بصریؒ، عکرمہؒ، عطاؒ جابر بن زیادؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت بھی یہی ہے مگر ان کی دوسری روایت اور ابن زبیرؓ، قتادہؒ کا قول ان کے مدنی ہونے کا ہے۔ چنانچہ عقبہ بن عامرؓ کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ الم تر ایات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن اعوذ برب الفلق اعوذ برب الناس اور وجہ تائید یہ ہے کہ حضرت عقبہؓ ہجرت کے بعد مدینہ میں ایمان لائے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد ونسائی کی بیان کردہ روایات میں خود ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح درمنثور اور روح المعانی میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ لبید یہودی اور اس کی لڑکیوں نے آنحضرت ﷺ پر جادو کیا تھا۔ جس کے اثر سے آپ پر مرض کی سی کیفیت عارض ہوگئی تھی۔ تب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ بلکہ آپ کو بذریعہ وحی جادو کی جگہ بھی بتلادی گئی تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت علیؓ وغیرہ صحابہؓ کو ہدایات دے کر بھیجا تو تیلہ تانت وغیرہ چیزیں برآمد ہوئیں۔ حضرت جبرئیلؑ ان سورتوں کو تلاوت فرماتے جاتے اور تانت کی ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ حتیٰ جادو کا اثر بالکلیہ زائل ہوگیا۔ ابن سعدؒ نے واقدیؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ اسی لیے سفیان بن عیینہؒ نے بھی ان سورتوں کو مدنی کہا ہے۔ لیکن ان دونوں قولوں کو جمع کرنے کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے ابتداء مکہ میں معوذتین اس وقت نازل ہوئی ہوں۔ جب حضورؐ کی مخالفت زوروں چل رہی تھی اور پھر بعد میں مدینہ میں بھی منافقین ومشرکین اور یہود کی مخالفت کے طوفان جب اٹھے تو حضورؐ پر جادو کیا گیا تو پھر بحکمِ الٰہی جبرئیل امین نے آکر پھر ان سورتوں کے پڑھنے کی ہدایت کی۔ غرضیکہ اول اور اصل نزول مکہ ہوا۔ اور شان نزول میں توسیع کرتے ہوئے مدینہ میں نازل ہونا بھی کہا جائے گا۔

لیکن ایک بڑا اشکال معوذتین کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو ایک جلیل القدر صحابیؓ ہیں۔ مگر وہ ان سورتوں کو قرآنی سورتیں نہیں مانتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے مصحف سے ان سورتوں کو خارج کر دیا تھا۔ بلکہ یہ بھی فرماتے تھے کہ قرآن کے ساتھ وہ چیزیں نہ ملاؤ جو قرآن کا جز نہیں ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ حضورؐ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان الفاظ سے خدا کی پناہ مانگیں اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز میں ان سورتوں کو نہیں پڑھتے تھے۔

اسلام اور قرآن کی مخالفت کرنے والوں کو ہرزہ سرائیوں کا خوب موقعہ ملا۔ اور انہوں نے یہ کہہ کر شبہات کو خوب اچھالا کہ جب ایسے جلیل القدر صحابی کے متعلق معوذتین جب الحاقی ہوئیں تو نہ معلوم قرآن میں کیا کیا حذف واضافے کیے ہوں گے؟ پس معلوم ہوا کہ نعوذ باللہ قرآن تحریف سے محفوظ نہیں ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ اور قاضی عیاضؒ وغیرہ تو اس کے جواب میں اس واقعہ کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ معوذتین کی قراءت کے منکر نہ تھے۔ البتہ اپنے مصحف میں ان کو درج نہیں کیا تھا۔ کیونکہ انہی چیزوں کو قرآن میں درج کرتے تھے جن کے درج کرنے کی اجازت حضورؐ نے دی ہے۔ مگر یہ توجیہ بظاہر اس لیے نہیں چل سکتی کہ ابن مسعودؓ

معوذتین کو قرآنی سورتیں بھی نہیں مانتے تھے۔ لیکن علامہ نوویؒ، علامہ ابن حزم ظاہریؒ، امام رازیؒ تو اسی لیے سرے سے اس کا انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کوئی اس قسم کی بات کہی ہو۔ اس لیے ان حضرات کے نقطہ نظر سے تو ابن مسعودؓ جمہور ہی کے ہم خیال ہیں۔ ان پر کوئی اشکال ہی نہیں کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔ لیکن مستند روایات کے ہوتے ہوئے محض رائے سے کسی چیز کا انکار تو درست نہیں ہے۔ اس اشکال کے جواب کے سلسلہ میں قابل قبول توجیہ یہ ہے کہ حافظ بزار یہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی اس کے اس قول کی تائید نہیں کی۔ چنانچہ تمام صحابہؓ کا اجماع مصحف عثمانی پر ہے۔ جن کی نقول سرکاری طور پر تمام اسلامی مراکز میں بھجوادی گئیں۔ ان میں یہ دونوں سورتیں درج نہیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضور کے عہد مبارک سے لے کر آج تک تمام دنیائے اسلام میں جس قرآن پر اجماع ہے اس میں یہ دونوں سورتیں درج ہیں۔ اس لیے ابن مسعودؓ کی جلالت قدر اپنی جگہ پر مگر اس اجماع عظیم کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ یہ رائے کیا وزن رکھ سکتی ہے؟ پھر نہایت صحیح اور مستند روایات سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعوذ ہی کو نماز میں پڑھا ہے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور نہائی سورتوں کی حیثیت ہی سے آپ نے دوسروں کو تعلیم فرمائی۔

لیکن رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابن مسعودؓ کو آخر یہ غلط فہمی ہوئی کیوں؟ سو جہاں ابن مسعودؓ کا یہ قول کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس طرح تعوذ کریں۔ انہی معتبر سندوں کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے۔ جو علوم قرآنیہ کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ زر بن حبیشؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابیؓ سے سوال کیا کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن مسعودؓ ایسا ایسا کہتے ہیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ مجھے کہا گیا قل تو میں نے بھی کہا قل اس لیے ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضور کہتے تھے۔ امام احمدؒ نے حضرت ابیؓ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے **قل اعوذ برب الفلق** کہا تھا۔ اس لیے آپؐ نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ اور انہوں نے **قل اعوذ برب الناس** کہا تھا اس لیے آپ نے بھی کہا۔ لہٰذا ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔ اس صریح روایتؓ کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن مسعودؓ کو دونوں سورتوں میں لفظ **قل** دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی ہو کہ یہ حکم خاص حضورؐ ہی کو دیا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے حضور سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔ البتہ حضرت ابیؓ کے ذہن میں بھی یہی سوال اُبھرا مگر انہوں نے یہ حضورؐ سے دریافت کر لیا۔ حضورؐ نے بتلا دیا کہ چونکہ حضرت جبرئیل نے قل کہا تھا اس لیے میں بھی قل کہتا ہوں۔ پس ان دونوں سورتوں کے شروع میں قل ہونے سے تو صراحتہً یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کلام وحی ہے۔ جسے حضورؐ بعینہٖ انہی الفاظ میں پہنچانے کے پابند تھے جن الفاظ میں آپ کو یہ حکم ملا تھا۔ اس کی حیثیت محض حکم کی نہیں تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہو۔ اور بلکہ حضورؐ کو اس پیغام وحی کے پہنچانے کا پابند اور ذمہ دار بھی قرار دیا گیا۔ اور دوسرے بھی اسی کی تعمیل کے مکلف قرار دیئے گئے ورنہ اگر قل محض ایک حکم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ قل کو ساقط کر کے صرف وہ بات کر دیتے۔ جس کے کہنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور اسے قرآن میں درج نہ کیا جاتا۔ غرض جمہور صحابہؓ نے ٹھیک وہی سمجھا جو حضورؐ کا منشاء تھا۔ مگر ابن مسعودؓ اس کو دعا اور استعاذہ پر محمول کرتے رہے اور یہ سمجھے کہ معوذتین کی حقیقت وظیفہ کی ہے۔ روح البیان میں ہے کہ انه كان لايعد المعوذتين من القرآن وكان لا يكتبهما فی مصحفه يقول انهما منزلتان من السماء هما من كلام رب العلمين ولكن النبی عليه الصلوٰة والسلام كان يرقی و يعوذ بهما فاشبه عليه انهما من القرآن اويسا منه فلم يكتبهما فی المصحف۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ لکھتے ہیں۔ لم ينكر ابن مسعود كونهما من القرآن و انما انكر اثباتهما فی المصحف فانه كان يری ان لايكتب فی المصحف شيئا الا ان كان النبی صلی الله عليه وسلم اذن فی كتابته فيه و كانه لم يبلغه الاذن۔ حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ لم يكن

اختلاف ابن مسعود مع غیرہ فی قرانیتھا وانما کان فی صفتہ من صفاتھما۔ بہر حال یہ رائے بھی ابن مسعودؓ کی انفرادی اور شخصی تھی۔ شرح مواقف میں ہے۔ان اختلاف الصحابة فی بعض سور القرآن مروی بالاحاد المفیدة للظن ومجموع القرآن منقول بالتواتر المفید للیقین الذی یضمحل الظن فی مقابلتہ فتلك الا حاد مما یلتفت الیہ ثم ان سلمنا اختلافھم فیما ذکر فقلنا انھم لم یختلفوا فی نزولہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولافی بلوغہ فی البلاغة حد الا عجاز بل فی مجرد کونہ من القرآن وذلك لا یضر فیما نحن بصددہ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔واجیب باحتمال انہ کان متواترا فی عصرا بن مسعودؓ لکن لم یتواتر عند ابن مسعودؓ فانحلت العقدة بعون اللہ تعالیٰ الخ صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔وفعل ابن مسعود رجع عن ذلك۔

﴿تشریح﴾:.........قل اعوذ برب الفلق. لفظ قل بھی پیغام کا ایک حصہ ہے۔جس کی تبلیغ کا بذریعہ وحی حضورؐ کو حکم ہوا ہے۔ سورۂ کافرون کی طرح معوذتین میں بھی اگرچہ اولین مخاطب حضورؐ ہیں۔مگر آپ کے توسط سے تمام مومن بھی مخاطب ہیں۔ جہاں تک پناہ چاہنے کا تعلق ہے۔اس کے تین اجزاء ہیں۔ایک بجائے خود پناہ چاہنا۔دوسرے مانگنے والا۔تیسرے جس کی پناہ مانگی جائے۔فی نفسہ خوف ناک چیز سے بچنے کے لئے کسی کا سہارا لیا جائے۔رہا پناہ چاہنے والا سو وہی شخص ہوتا ہے جو مضرت سے خود بچا نہیں سکتا۔ تاوقتیکہ کسی کے دامن میں پناہ نہ لے۔پھر پناہ دینے والا۔ظاہر ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جس کے بارے میں یقین ہو کہ یہی بچا سکتا ہے۔

پناہ میں آنے کے دو طریقے:.........پھر پناہ کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو عالم اسباب میں طبعی قانون کے تحت کسی محسوس مادی چیز یا کسی شخص یا کسی طاقت سے حاصل کی جاتی ہے۔جیسا کہ دنیا میں ہر کمزور کسی طاقتور سے مدد لیتا ہے۔اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ہر طرح کے خطرات اور ہر طرح کی مادی، اخلاقی، روحانی مضرتوں اور نقصان رساں چیزوں سے کسی فوق الفطرت ہستی کی پناہ اس اعتقاد کے ساتھ مانگی جائے کہ وہی ہستی کائنات پر حکمران ہے اور ادراک وحس سے بالا طریقوں سے وہ پناہ جو کی حفاظت کر سکتی ہے۔قرآن وحدیث میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہنے کا ذکر آیا ہے۔اس سے مراد یہی پناہ کی دوسری قسم ہے اور توحید کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے پناہ نہ مانگی جائے۔مادہ پرست لوگ کسی فوق الفطرت ہستی کے چونکہ قائل ہی نہیں۔اس لیے وہ مادی اسباب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اسی طرح بدعقیدہ لوگ جنات دیوی دیوتاؤں کو حاجت روا سمجھتے ہیں۔اس لیے وہ انہی چیزوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔مگر مومن ایسی تمام آفات وبلیات میں جن کو رجوع کرنے پر وہ خود کو قادر نہیں سمجھتے صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے پناہ چاہتا ہے۔

مخلوق کا شر:.........مفسرین کی اکثریت فلق سے مراد رات کی تاریکی پھاڑ کر سپیدۂ صبح نکالنا لے رہی ہے۔کیوں کہ فلق الصبح کا استعمال عربی میں طلوع صبح کے لیے بکثرت آتا ہے۔قرآن کریم میں دوسری جگہ فالق الاصباح جملہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔فلق کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔دنیا میں جتنی چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ کسی نہ کسی چیز کو پھاڑ کر ہی نکلتی ہیں۔چنانچہ تمام نباتات اپنے بیج اور زمین کو پھاڑ کر اپنی کونپلیں نکالتی ہیں۔تمام حیوانات یا انڈوں کو پھاڑ کر نکلتے ہیں۔یا رحم مادر سے برآمد ہوتے ہیں یا کسی اور رکاوٹ کو چیر کر باہر آتے ہیں۔تمام چشمے پہاڑوں یا زمین کو شق کر کے بہتے ہیں۔اسی طرح دن کو دیکھئے کہ رات کا پردہ چاک کر کے نمودار ہوتا ہے حتی کہ زمین وآسمان بھی پہلے ایک ڈھیر تھے جس کو پھاڑ کر الگ الگ کیا گیا۔ کانتار تقا ففتقنا ھما پس فلق کے معنی اگر خاص صبح کے لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں اور فلق کے معنی اگر عمومیت کے ساتھ لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام مخلوق کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ یہاں اسم ذات اللہ کے بجائے صفت ربوبیت کا لانا پناہ جوئی کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ کے تمام افعال خیر ہیں:............ من شر ما خلق. یعنی ہر مخلوق کی بدی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس فقرہ میں چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ مخلوق کو پیدا کرنے کی نسبت تو اپنی طرف کی گئی۔ مگر شر کو پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں کی گئی۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ان شرور سے پناہ چاہتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی مخلوق کو شر کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کا ہر کام خیر و مصلحت ہی کے لیے ہوتا ہے۔ البتہ مخلوقات کے اندر جو اوصاف اس نے اس لیے پیدا کیے ہیں کہ ان کی تخلیق کی مصلحت پوری ہو۔ ان سے بعض اوقات اور بعض اقسام کی مخلوقات سے اکثر شر رونما ہوتا ہے۔ پس اس اعتبار سے فی نفسہٖ شر کا پیدا کرنا بھی شر نہ ہوا۔ جبکہ بے شمار مصالح اس میں مضمر ہوتے ہیں۔ اس فقرہ میں دنیا ہی کے نہیں۔ آخرت کے ہر شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ فقرہ اگرچہ عام ہے جس میں تمام مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے لیکن بعد کے فقروں میں چند ایسے شرور سے خاص طور پر پناہ چاہی گئی ہے جس کا ذکر سورۂ فلق کے باقی جملوں اور سورۂ ناس کی آیات میں کیا گیا ہے وہ ایسے فتنے ہیں جن سے خدا کی پناہ چاہنے کا بندہ بہت زیادہ محتاج ہے۔ تیسرے یہ کہ مخلوقات کے شر سے پناہ حاصل کرنے کے لیے موزوں اور موثر ترین استعاذہ یہی ہے کہ ان کے خالق کی پناہ مانگی جائے کیونکہ بہت سے شرور ایسے ہیں جنہیں ہم بالکل نہیں جانتے۔ لیکن خالقِ کائنات سب سے واقف ہے۔ لہٰذا اس کی پناہ کے بعد کسی مخلوق میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے چوتھے یہ کہ شر کا لفظ جہاں ہر قسم کے نقصان و ضرر اور تکلیف والم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہیں ان اسباب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو تکلیف و ضرر کا باعث بنتے ہیں۔ جیسے کفر و شرک اور گناہ کہ اگرچہ فی الوقت ان سے کوئی تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ بلکہ بعض گناہوں سے لذت ملتی یا نفع حاصل ہوتا ہو۔ لیکن انجام ان کا تباہی اور بربادی ہے اس لیے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ دونوں مفہوم آجائیں گے۔ پانچویں یہ کہ شر سے پناہ مانگنے میں وہ شر بھی داخل ہے جو واقع ہو چکے ہیں۔ ان سے پناہ مانگنے کا مطلب ان کے دفعیہ کی دعا کرنا ہے۔ اور وہ شر بھی اس میں شامل ہیں کہ جو ابھی واقع نہیں ہوئے۔ پس ان سے بچاؤ کی استدعا ہے۔

تین خاص شرور سے پناہ:............ ومن شرّ غاسق اذا وقب. تمام مخلوقات کے ہر قسم کے شرور سے پناہ جوئی کے بعد اب خاص طور سے بعض مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

غاسق کے لغوی معنی تاریک ہیں۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق الیل اور وقب کے معنی داخل ہونے یا چھپائے جانے کے ہیں۔ چونکہ اکثر جرائم و مظالم رات ہی کو ہوتے ہیں۔ موذی جانور بھی رات ہی کو نکلتے ہیں۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے والے بھی رات ہی کو حرکت میں آتے ہیں۔ چھاپہ ماری اور شب خون کی کارروائیاں بھی رات کی تاریکی میں ہوتی ہیں۔ حضورؐ کے قتل کی سازشیں بھی رات ہی کے اندھیرے میں ہوتی تھیں۔ غرض رات کی تاریکی میں ہونے والے ان تمام شرور سے خاص طور سے پناہ مانگی گئی ہے اور اندھیری رات کے شر سے طلوعِ فجر کے رب کی پناہ مانگنے میں جو لطیف مناسبت ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ سحر وغیرہ رات ہی کو کیے جاتے ہیں۔ چاند کا گرہن یا غروبِ آفتاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور ظاہر و باطن کی تاریکیاں، تنگدستی، پریشانی اور گمراہی سب اس میں داخل ہیں۔ ومن شر النفثٰت فی العقد. نفثات تمام مفسرینؒ کے نزدیک یہ لفظ بطور استعارہ جادو کرنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ عموماً جادوگر کسی ڈورے میں گرہ دیتے اور اس پر پھونکتے جاتے ہیں۔ پس اس جملہ میں جادوگروں یا جادوگرنیوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ معوذتین میں یہی ایک فقرہ ہے۔ جس کا براہِ راست جادو کے واقعہ سے تعلق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا۔

بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبدالرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مردویہ، ابن ابی شیبہ، حاکم، عبد بن حمید وغیرہ محدثین نے اپنی مختلف اور کثیر سندوں سے حضورؐ پر جادو کی روایات کو ذکر کیا ہے۔ اگرچہ وہ ایک ایک روایت بجائے خود خبر

واحد ہیں۔ لیکن ان کا مضمون تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے۔ اور اس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انہیں مجموعی طور پر مرتب کر کے ایک مربوط واقعہ کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

حضورؐ کے جادو کے واقعہ کے سلسلہ میں اعتراضات کا جواب:.......... لیکن اس پر قدیم وجدید زمانہ کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کہلوایا ہوگا؟ اور اس کی تعلیمات میں کتنی باتیں خدا کی طرف سے ہونگی اور کتنی جادو کے اثر سے؟ بلکہ مخالفین جہاں تک کہتے ہیں کہ اس بات کو سچ مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ جادو ہی کے ذریعہ نبی کو نبوت کے دعوے پر اُکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے پاس فرشتہ آیا ہے اور ان کا استدلال یہ بھی ہے کہ یہ روایات قرآن مجید سے متصادم ہیں۔ قرآن کریم میں تو کفارہ کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہیں۔ لہٰذا اس کی پیروی نہ کرو۔ **یقول الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً.** پس یہ احادیث کفار کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر جادو کا کیا اثر ہوا ہے؟

اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ آیا جادو کا واقعہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا یا نہیں؟ اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد دیکھا جائے کہ جو کچھ روایات سے ثابت ہے اس پر کیے گئے اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں؟

محدثین اور علماء امت کی یہ راست گوئی تھی کہ انہوں نے اپنے خیالات اور مزعومات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جو کچھ واقعات کی صورت میں پیش آیا تھا۔ اسے جُوں کا تُوں آنے والوں تک پہنچا دیا اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ ان حقائق سے اگر کوئی ان سے نتائج نکالنے پر اُتر آئے تو ان کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اس کے کام آ سکتا ہے۔ اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحب علم کے لیے نہ تو یہ درست ہے کہ وہ اس بناء پر تاریخ کا انکار کر دے کہ اس کو مان لینے سے اس کے نزدیک فلاں فلاں قباحتیں رونما ہوتی ہیں اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہو اس کو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر اس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کے بجائے اس کا کام یہ ہونا چاہئے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔

حضور پر جادو کا اثر نبوّت کے خلاف نہیں ہے:.......... جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی کریم ﷺ پر جادو کا اثر ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔ اگر علمی تنقید کے ذریعہ اس کو غلط ثابت کیا جا سکتا ہے تو دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ روایات اور واقعات کی کڑیاں ملانے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ پر سحر کیا گیا۔ اور آپ پر اس کا اثر بھی ہوا۔ مگر وہ اتنی ہی حد تک ہوا جیسے: کسی بیماری سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ کچھ مزاج میں تبدیلی آ گئی۔ گویا یوں محسوس ہوا کہ آپ گھلتے جا رہے ہیں یا کسی کام کے متعلق خیال کیا کہ وہ کر لیا ہے گو نہیں کیا ہوتا تھا یا ازدواج مطہرات کے بارے میں خیال کرتے کہ آپ ان کے پاس گئے ہیں۔ مگر نہیں گئے ہوتے تھے۔ یا کسی وقت آپ کی نظر پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔ یہ تمام آپ کی ذات تک محدود ہے۔ دوسروں کو یہ محسوس نہیں ہو سکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔

اس سے آپ کے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا نہ آپ کے فرائض میں کوئی خلل آیا تھا کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپ کسی آیت کو بھول گئے ہوں یا کوئی آیت غلط پڑھ دی ہو اپنی مجلسوں، خطبوں، وعظوں میں آپ کی تعلیمات میں کسی طرح کا فرق واقع ہو گیا ہو یا کوئی ایسا کام آپ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو یا آپ کی نماز چھوٹ گئی ہو اور اس

کے متعلق بھی کبھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔ معاذ اللہ ایسی کوئی بات پیش آجاتی تو دھوم مچ جاتی اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کرسکتی تھی اسے ایک جادوگر نے چت کردیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی حیثیت نبوت قطعاً اس سے محفوظ اور غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں اپنی جگہ محسوس کرکے آپ اس سے پریشان ہوتے رہے۔

جادوگر کے مقابلہ میں وحی کے اثرات:........... آخر کار ایک روز آپ حضرت عائشہؓ کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اس حالت میں آپ کو غنودگی ہوگئی یا نیند آگئی۔ پھر جب بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ جو بات میں نے اپنے رب سے پوچھی وہ اس نے مجھے بتلا دی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی (مراد فرشتے) میرے پاس آئے۔ ایک سرہانے کی طرف اور دوسرا پائنتی کی طرف، ایک نے پوچھا کہ انہیں کیا ہوگیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن عاصم نے۔ پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کنگھی اور بالوں میں، ایک نر کھجور کے خوشہ کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ بنی زریق کے کنویں میں ذی اروان کی تہ کے پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا کہ کنویں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر کے نیچے سے اس کو نکالا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ جبیر بن ایاس الزرقی اور قیس بن محصن الزرقی بھی شامل ہوگئے۔ بعد میں خود حضور بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ پانی نکالا گیا اور خوشہ کا غلاف برآمد کرلیا گیا اس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ آپ معوذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور ایک ایک گرہ کھلتی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی۔ معوذتین ختم ہوتے ہی ساری گرہیں کھل گئیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہوگئے جیسے کوئی بندھا ہوا تھا پھر کھل گیا۔

پیغمبر نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا:........... اس کے بعد آپؐ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی۔ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ اس لیے آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ اپنی ذات کے لیے کبھی آپؐ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ایک یہودی کی طرف سے زہر خورانی کے واقعہ میں بھی آپؐ نے بعض صحابہؓ کے شہید ہوجانے کی وجہ سے اس سے قصاص لیا۔ اپنے معاملہ کو نظر انداز فرمادیا۔ یہی نہیں بلکہ سحر کے معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر آپؐ نے روک دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی ہے۔ اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔ یہ ہے جادو کے واقعہ کی تفصیل۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپؐ کے منصب نبوت کے خلاف یا آپ کے کمال کے منافی ہو۔ اگر آپ کو غزوہ احد میں زخمی کیا جاسکتا ہے، اگر خیبر کی واپسی پر آپ گھوڑے سے گر سکتے ہیں، اگر آپؐ کے بچھو کاٹ سکتا ہے، اگر آپ کو نماز میں سہو ونسیان ہوسکتا ہے۔ انما انا بشر انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی اور ان میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی نہیں ہے۔ جس کا نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ نے آپ سے وعدہ کیا تھا تو آپؐ اپنی ذاتی حیثیت سے جادو کے اثر سے بیمار بھی ہوسکتے ہیں۔

کافر حضور کو سحر زدہ کہتے تھے:........... رہا یہ اعتراض کہ اس سے تو کفار کے الزام کی تصدیق ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کو سحر زدہ آدمی کہتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپ کو اس معنیٰ کہ سحر زدہ نہیں کہتے تھے۔ کہ آپ کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہوگئے ہیں۔ بلکہ اس معنیٰ میں کہتے تھے کہ آپ مجنون ہوگئے ہیں۔ اور معاذ اللہ کسی جادوگر نے آپ کو پاگل کردیا ہے اور اسی پاگل پن میں آپ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور جنت ودوزخ کے افسانے سنا رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا۔ جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف محمد کی ذات پر ہوا۔ آپ کی نبوت اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی اور دعویٰ

نبوت کو سحر کا اثر قرار دینا اس لیے غلط ہے کہ نبوت کے پندرہ سال گزرنے پر سحر کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا اثر زائل ہونے کے بعد بھی بدستور منصب پر فائز رہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض اوہام کی چیز قرار دیتے ہیں۔ اس کی بنیاد محض یہ ہے کہ اس کے اثرات کی کوئی عقلی اور سائنسی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ لیکن دنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہیں مگر سائنسی طریقہ سے نہیں بیان کیا جاسکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں۔ اسی طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا ہی انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے۔

جادو محض شعبدہ بازی نہیں بلکہ اس کی تاثیر واقعی ہوتی ہے:............ جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے گزر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کرسکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر خوف ایک نفسیاتی چیز ہے۔ مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور بدن میں تھرتھری چھوٹ جاتی ہے۔ جادو کی ایک قسم سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان کا نفس اور اس کے حواس اس سے متاثر ہوکر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگروں نے جو لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تھیں وہ واقعہ میں سانپ نہیں بن گئیں تھیں۔ مگر ہزاروں کے مجمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انہیں سانپ ہی محسوس کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواس تک اس سے متاثر ہوگئے۔ **سحروا اعین الناس، فاذا حبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى فاوجس في نفسه خيفة موسىٰ قلنا لاتخف انك انت الاعلىٰ والق مافي يمينك تلقف ماصنعوا.** اس طرح بابل میں لوگ ہاروت و ماروت سے ایسا جادو سیکھتے تھے جو خاوند بیوی میں جدائی ڈال دے۔ یہ بھی ایک نفسیاتی اثر تھا اور ظاہر یہ ہے کہ اگر تجربہ سے لوگوں کو اس عمل کی کامیابی معلوم نہ ہوتی تو وہ اس کے خریدار نہیں بن سکتے تھے۔ بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ بندوق کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا موثر ہونا بھی اللہ کے اذن کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مگر جو چیز ہزار ہا سال سے انسان کے تجربہ اور مشاہدہ میں آرہی ہو۔ اس کے وجود کو جھٹلا دینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔ جادو کی بعض قسمیں نظر بندی اور خیال بندی سے بڑھ کر انقلاب حقائق پر مشتمل ہوتی ہیں۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ طٰہٰ میں سحر کی کچھ بحث گزر چکی ہے۔

بعض جادو کفر ہے اور بعض معصیت:............ جادو کے متعلق یہ جان لینا چاہئے کہ اس میں چونکہ دوسرے شخص پر برا اثر ڈالنے کے لیے شیاطین یا ارواحِ خبیثہ یا ستاروں کی مدد مانگی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن میں اسے کفر کہا گیا ہے۔ **وما كفر سليمان ولكن الشيطين كفروا يعلمون الناس السحر.** لیکن اگر کلمہ کفر نہ بھی کہا جائے یا کوئی فعل شرک نہ بھی کیا جائے، تب بھی بالاتفاق حرام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہے۔ جو انسان کی آخرت برباد کردینے والے ہیں۔ اسی ذیل میں جھاڑ پھونک کی بحث آتی ہے کہ آیا اسلام میں جھاڑ پھونک کی گنجائش ہے؟ اور یہ کہ جھاڑ پھونک بجائے خود موثر بھی ہے یا نہیں؟ بکثرت احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سوتے وقت اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں معوذتین یا معوذات (قل ہو اللہ اور معوذتین) تین مرتبہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم پر جہاں جہاں بھی آپؐ کے ہاتھ پہنچ سکتے انہیں پھیرتے تھے۔ آخری بیماری میں جب آپ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عائشہؓ نے یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے دستِ مبارک کی برکت کے خیال سے آپ ہی کے ہاتھ لے کر آپ کے جسم پر پھیرے۔ اس مضمون کی روایات صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی بھی حضور کی خانگی زندگی سے واقف نہ ہوسکتا تھا۔

شروع میں جھاڑ پھونک کی ممانعت تھی:..........بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ابتداء میں جھاڑ پھونک سے بالکل منع فرمایا تھا۔لیکن بعد میں اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ اس میں شرک نہ ہو۔اللہ کے پاک ناموں یا اس کے کلام سے جھاڑا جائے اور کلام ایسا ہو جو سمجھ میں آجائے اور یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس میں کوئی گناہ کی چیز نہیں اور بھروسہ جھاڑ پھونک پر نہ کیا جائے کہ وہ بجائے خود شفا دینے والی ہے۔بلکہ اللہ پر اعتماد کیا جائے کہ وہ چاہے گا تو اسے نافع بنا دے گا اس بارے میں مندرجہ ذیل روایات سے روشنی پڑتی ہے۔

جھاڑ پھونک کی اجازت کے واقعات:..........۱۔عون بن مالک اشجعیؓ کی روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ہم نے حضورؐ سے پوچھا کہ اس بارے میں حضور کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ جن چیزوں سے تم لوگ جھاڑتے تھے وہ میرے سامنے پیش کرو۔جھاڑنے میں مضائقہ نہیں جب تک اس میں شرک نہ ہو۔

۲۔حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے جھاڑ پھونک سے روک دیا تھا۔پھر حضرت عمرو بن حزمؓ کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا۔جس سے ہم بچھو کاٹے کو جھاڑتے تھے۔مگر آپ نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔پھر انہوں نے وہ چیز آپ کو سنائی جو وہ پڑھتے تھے۔آپؐ نے فرمایا کہ میں اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں پاتا۔تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

۳۔حضرت میر مولیٰ ابی اللحم سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں میرے پاس ایک عمل تھا۔جس سے میں جھاڑا کرتا تھا۔میں نے حضورؐ کے سامنے اسے پیش کیا۔آپؐ نے فرمایا کہ اس میں سے فلاں فلاں چیزیں نکال دو اور باقی سے تم جھاڑ سکتے ہو۔

۴۔جابرؓ کی دوسری روایت ہے کہ آل حزم کے پاس سانپ کے کاٹے کا عمل تھا۔حضورؐ نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۵۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے اشعاد کے ایک خاندان کو ہر زہریلے سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔حضرت انسؓ سے بھی روایات منقول ہیں کہ حضورؐ نے زہریلے جانوروں کے کاٹے اور ذباب کے عرض اور نظرِ بد سے جھاڑنے کی اجازت دی۔

۶۔حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز حضورؐ میرے یہاں تشریف لائے اور میرے پاس شفا نامی ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں جو نملہ (ایک بیماری) کو جھاڑا کرتی تھیں۔حضورؐ نے فرمایا کہ حفصہؓ کو بھی وہ عمل سکھلا دو۔اور ایک روایت میں ہے شفا کہتی ہیں کہ حضورؐ نے مجھے فرمایا کہ جس طرح تم نے حفصہؓ کو لکھنا پڑھنا سکھلایا ہے نملہ کی جھاڑ بھی سکھلا دو۔

۷۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو ایک دفعہ نماز کی حالت میں بچھو نے کاٹ لیا۔نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے فرمایا کہ بچھو پر خدا کی لعنت، نہ کسی نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ کسی اور کو۔پھر پانی نمک منگوایا اور جہاں بچھو نے کاٹا تھا، وہاں آپ نمک ملتے جاتے تھے اور معوذات پڑھتے جاتے تھے۔

۸۔ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ حضراتِ حسنینؓ پر یہ دعا پڑھتے تھے۔**اعیذ کما بکلمات اللہ التامۃ من شر کل شیطان وھامۃ و من کل عین لامۃ.**

۹۔عثمان بن ابی العاصؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے ایک درد محسوس ہوتا ہے جو مجھ کو مارے ڈالتا ہے۔آپؐ نے فرمایا۔اپنا سیدھا ہاتھ اس جگہ پر رکھو جہاں درد ہوتا ہے۔پھر تین دفعہ بسم اللہ کہہ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے ہاتھ پھیر دے۔**اعوذ باللہ وقدرتہ من شر ما اجدو احاذر.** عثمان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرا وہ درد جاتا رہا اور اس کی تعلیم میں گھر والوں کو دیتا ہوں

۱۰۔ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ بیمار ہوئے تو جبرئیل نے آکر پوچھا کہ اے محمد! کیا آپؐ بیمار ہو گئے۔آپؐ نے فرمایا، ہاں۔انہوں نے کہا۔**باسم اللہ ارقیک من کل شیء یوذیک من شر کل نفس او عین حاسد اللہ یشفیک باسم اللہ ارقیک.**

۱۱۔حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ بیمار تھے۔میں مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا۔تو آپ کو سخت تکلیف میں پایا۔شام کو گیا تو

آپؐ بالکل تندرست تھے۔ میں نے اس قدر جلد تندرست ہو جانے کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ آئے تھے اور انہوں نے مجھے چند کلمات سے جھاڑا۔

۱۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ ہم عرب کے ایک قبیلہ پر جا کر ٹھہرے۔ اور قبیلہ والوں سے کہا کہ ہماری میزبانی کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اتنے میں قبیلہ کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا۔ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے پاس کوئی دوا یا عمل ہے۔ جس سے تم ہمارے سردار کا علاج کر دو؟ حضرت ابوسعیدؓ بولے۔ ہے تو سہی مگر چونکہ تم نے ہماری میزبانی سے انکار کیا ہے اس لیے جب تک تم کچھ دینا منظور نہ کرو ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے ۳۰ بکریوں کا ریوڑ دینے کا وعدہ کیا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے جا کر اس پر سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور لعاب دہن اس پر ملتے گئے۔ آخر کار بچھو کا اثر زائل ہو گیا اور قبیلہ والوں نے جتنی بکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا وہ لا کر دے دیں۔ مگر ان حضرات نے آپس میں کہا کہ جب تک حضورؐ سے معلوم نہیں کر لیں گے اس وقت تک ہم ان بکریوں سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ نہ معلوم اس کام پر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں۔ چنانچہ جب حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضورؐ نے ہنس کر فرمایا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ سورت جھاڑنے کے کام بھی آ سکتی ہے بکریاں لے لو اور ان میں میرا حصہ بھی لگاؤ۔

جھاڑ پھونک پر اُجرت کی اجازت:............ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دوا علاج کی اجازت دی اور فرمایا کہ لکل داءٍ دواء بلکہ خود بھی علاج کیا اور دوسروں کو بھی دوائیں بتلائیں۔ جیسا کہ احادیث کی کتاب الطب سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے جھاڑ پھونک کی اجازت بھی دی۔ بلکہ عملاً خود اپنے لئے اور دوسروں کے لیے جھاڑ پھونک کی اور جس طرح دوا اور علاج پر اجرت کی اجازت ہے اسی طرح جھاڑ پھونک پر بھی اجرت کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن دوا جھاڑ پھونک دونوں ہی اللہ کے حکم سے نفع بخش ہوتی ہیں۔ ورنہ سب ہسپتالوں میں اور جھاڑ پھونک کے بعد کوئی نہ مرتا۔ نیز جس طرح ہر دوا کی اجازت نہیں ما جعل اللہ فی الحرام شفاء اسی طرح ہر جھاڑ پھونک کی اجازت نہیں ہے۔ اب اگر علاج دوا کے ساتھ اللہ کے کلام اور اس کے اسماء حسنیٰ سے بھی استفادہ کیا جائے یا ایسی جگہ جہاں طبی امداد میسر نہ ہو۔ اللہ ہی کی طرف رجوع کر کے اس کے کلام اور اسماء وصفات سے استعانت کی جائے تو مادہ پرستوں کے علاوہ کسی کی بھی عقل کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ دوا علاج کو جہاں وہ میسر ہو جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ اور صرف جھاڑ پھونک سے کام لینے ہی پر اکتفا کیا جائے۔ کتنی ہی جانیں اس جہالت کی نذر ہو گئیں اور کچھ لوگ عملیات اور تعویذ گنڈوں کے مطب کھول کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو کمائی کا ذریعہ بنالیں۔ اس کی کوئی نظیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ وتابعین اور ائمہ سلف کے یہاں نہیں ملتی اور یہ تعویذ گنڈوں کا اعتقاد نہیں۔ بلکہ اعتقاد کا غلو ہے۔ خیر الامور اوساطھا.

اعلیٰ درجہ کا توکل:............ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی طویل روایت ہے کہ جس کے آخر میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے وہ لوگ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ جو نہ داغنے کا علاج کرتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں۔ بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے داغنے سے علاج کرایا اور جھاڑ پھونک کرائی۔ وہ اللہ پر توکل سے بے نیاز بے تعلق ہو گیا۔

ومن شر حاسد اذا حسد. حضورؐ پر سحر کرنے کی بنیاد دراصل یہود کا حسد تھا۔ اس لیے اس جملہ میں حاسد کے حسد سے پناہ چاہی گئی ہے۔

سورۂ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت:............ آخری چیز جو معوذتین کے بارے میں قابل توجہ ہے وہ قرآن کریم کے اول وآخر میں تناسب ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کی ایک نزولی ترتیب ہے کہ ۲۳ سال کی مدت میں مختلف واقعات اور حالات اور

ضروریات کے لحاظ سے آیات اور سورتیں اُترتی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی رائے سے نہیں بلکہ قرآن نازل کرنے والے خدا کے حکم سے اس شکل میں مرتب فرمایا۔ جس میں ہم اب اس کو پاتے ہیں جسے ترتیب تدوینی کہا جاتا ہے۔ اس ترتیب کے لحاظ سے قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام سورۂ معوذتین پر ہے۔ اب ذرا دونوں پر نظر ڈالیے۔ ابتداء میں بندہ اللہ رب العلمین رحمن و رحیم مالک یوم الدین کی حمد ثنا کر کے عرض کرتا ہے کہ میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور سب سے بڑی مدد یہ مطلوب ہے کہ مجھے سیدھا رستہ بتا دیجئے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا رستہ دکھانے کے لیے اسے پورا قرآن دیا جاتا ہے۔ اب اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو رب العلمین رب الناس ملک الناس الہ الناس ہے عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر فتنہ اور شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ شیاطین جن وانس کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو سیدھے راستے کی پیروی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس آغاز کے ساتھ یہ اختتام جو مناسبت رکھتا ہے۔ وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

حسد کا نقصان:......... حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہے۔ اس پر کوئی دوسرا شخص جلے اور یہ چاہے کہ وہ اس سے سلب ہو کر حاسد کو مل جائے یا کم از کم یہ کہ اس سے ضرور چھن جائے۔ البتہ حسد کی تعریف میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص یہ چاہے کہ جو فضل دوسرے کو ملا ہے۔ وہ مجھے بھی مل جائے۔ یہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اس حالت میں مانگی گئی ہے جب کہ وہ حسد کرے۔ یعنی اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے کوئی اقدام کرے۔ کیونکہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کا جلنا بجائے خود چاہے بُرا ہی مگر محسود کے لیے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ اس کے ساتھ حاسد کے شر سے امان پانے کے لیے چند چیزیں اور بھی مددگار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اللہ پر بھروسہ کرے اور یقین رکھے کہ جب تک اللہ نہ چاہے گا کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ حاسدوں کی باتوں پر صبر کرے۔ بے صبرا ہو کر ایسی باتیں یا کارروائیاں نہ کرنے لگے۔ جن سے وہ خود بھی اخلاقی طور پر حاسد ہی کی سطح پر آ جائے۔ تیسرے یہ کہ حاسد اگرچہ خدا سے بے خوف اور خلق سے بے شرم ہو کر کیسی ہی بے ہودہ حرکتیں کرتا رہے۔ محسود بہر حال تقویٰ پر قائم رہے چوتھے یہ کہ اپنے دل کو اس فکر سے بالکل فارغ کر لے اور اس کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ گویا وہ ہے ہی نہیں کیونکہ اس فکر میں پڑنا حاسد سے مغلوب ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ حاسد کے ساتھ بدی سے پیش آنا تو درکنار جب کبھی ایسا موقعہ آئے کہ محسود اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کا برتاؤ کر سکتا ہو تو ضرور ایسا ہی کرے۔ قطع نظر اس سے کہ حاسد کے دل کی چبھن محسود کے اس رویہ سے مٹتی ہے یا نہیں؟ چھٹے یہ کہ محسود توحید کے عقیدہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس پر ثابت قدم رہے۔ کیونکہ جس دل میں توحید بسی ہوئی ہو اس کے دل میں خدا کے خوف کے ساتھ کسی اور کا خوف جگہ ہی نہیں پا سکتا۔ ساتویں یہ کہ محسود ہونے کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھ کر خوش ہو۔ حدیث میں ہے۔ اللھم اجعلنی محسودا ولا تجعلنی حاسدا۔ باقی یہ آرزو کرنا کہ ایسی نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یا اس سے زائد مل جائے۔ جیسے فلاں کو ملی ہے۔ حسد میں داخل نہیں بلکہ غبطہ ہے۔ حدیث الا فی اثنین میں لفظ حسد سے مجاز اغبطہ مراد ہے۔ غبطہ محمود اور مطلوب ہے اور حسد مذموم اور متروک ہے۔

خلاصۂ کلام:......... اسلام کی دعوت شروع ہوتے ہی ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ جوں جوں آپ کی دعوت پھیلتی گئی۔ مخالفین کی مخالفت بھی شدید ہوتی چلی گئی۔ جب تک انہیں یہ امید رہی کہ شاید کسی طرح کی سودے بازی کر کے یا بہلا پھسلا کر آپ کو اس کام سے باز رکھ سکیں گے۔ اس وقت تو کسی حد تک عناد کی شدت

میں کمی رہی۔لیکن جب حضورؐ نے ان کو اس طرف سے بالکل مایوس کر دیا کہ آپ ان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے۔اور سورۂ کافرون میں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ ہمارا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔دونوں متضاد راستے ایک نہیں ہو سکتے۔تو کفار کی دشمنی پورے عروج پر پہنچ گئی۔خصوصیت ہے جن خاندانوں کے مردوں، عورتوں، بچوں، بچیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ان کے دلوں میں تو حضورؐ کے خلاف ہر وقت بھٹیاں سلگتی رہتی تھیں۔گھر گھر آپ کو کوسا جا رہا تھا۔خفیہ مشورے کیے جا رہے تھے۔کہ کسی وقت رات کو چھپ کر آپ کو قتل کر دیا جائے۔تاکہ آپ کے خاندان والوں کو قاتل کا پتہ نہ چل سکے۔اور وہ بدلہ نہ لے سکیں۔آپ کے خلاف جادو ٹونے کیے جا رہے تھے۔تاکہ یا تو آپ وفات پا جائیں یا سخت بیمار پڑ جائیں یا دیوانے ہو جائیں۔شیاطین جنس وانس ہر طرف پھیل گئے تھے۔تاکہ عوام کے دلوں میں آپ کے خلاف اور آپ کے لائے ہوئے دین و قرآن کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیں۔جس سے لوگ شبہات ووساوس میں مبتلا ہو کر بدگمان ہو جائیں اور آپ سے دور بھاگنے لگیں۔بہت سوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھی جل رہی تھی کہ وہ اپنے یا اپنے قبیلہ کے کسی آدمی کے سوا دوسرے شخص کا چراغ نہ دیکھ سکتے تھے اور مکی زندگی سے گزر کر مدینہ طیبہ میں بھی آپ کو سکون وچین نصیب نہ ہوا۔آئے دن مخالفتیں، لڑائیاں جاری رہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو محرم ۷ھ میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن عاصم سے ملا۔جو انصار کے قبیلہ بنی رزین سے تعلق رکھتا تھا۔یہ لوگ لبید سے کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔ہم نے ان پر جادو کرنے کی بہت کوشش کی۔مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔کیونکہ تم ہی ہم سے بڑے جادوگر ہو، لو یہ تین اشرفیاں لو۔انہیں قبول کرو اور محمدؐ پر ایک زور کا جادو کر دو۔اس زمانہ میں حضورؐ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضورؐ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کیا۔جس میں آپؐ کے موئے مبارک تھے۔انہی بالوں اور کنگھی پر جادو کیا گیا۔بعض روایات میں لبید کی بہنوں کا جادو کرنا آیا ہے جو اس سے زیادہ جادوگرنیاں تھیں۔اس جادو کا اثر نبی کریم ﷺ پر ہوتے ہوتے پورا ایک سال لگا۔دوسری ششماہی میں مزاج کے اندر کچھ تغیر محسوس ہونا شروع ہوا۔آخر میں دن سخت اور آخری تین دن بہت سخت گزرے۔مگر یہ اثر صرف ذات کی حد تک رہا۔آپؐ کے نبوت کے کاموں میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ان حالات میں معوذتین کا نزول ہوا اور آپ کو پیش آمدہ حالات سے نبٹنے کے لیے اور اللہ اور اس کے اسماء وصفات کی پناہ طلبی کی تلقین فرمائی گئی ہے۔تمام تر بے سروسامانی کے باوجود انتہائی نامساعد حالات اور دشمنوں میں گھرے ہوئے بھی رب کائنات کی پناہ میں آجانے کو کافی سمجھ لینا۔ظاہر ہے کہ یہ اولوالعزمی اور ثابت قدمی وہی شخص دکھلا سکتا ہے جس کو یقین ہو کہ اس رب کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے۔اس کے مقابلہ میں ساری طاقتیں ہیچ ہیں اور اس کی پناہ جسے حاصل ہو جائے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔وہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ میں کلمہ حق کے اعلان سے ہرگز نہیں ہٹوں گا۔تم جو چاہو کر لو۔مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔کیونکہ میں رب کائنات کی پناہ لے چکا ہوں۔

فضائل سورت:............عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد انزلت علی سورتان ما انزل مثلھا وانک لن تقرء سورتین احب ولا ارضی عنداللہ منھما یعنی المعوذتین. حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر یہ دو سورتیں بے مثل اتریں ہیں اور تم ان سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ سورت اللہ کے نزدیک کوئی اور سورتیں نہیں پڑھ سکو گے۔

لطائف سلوک:............ومن شر النفثٰت. اس سے معلوم ہوا کہ اہل حق پر بھی اہل باطل کے اسباب طبعیہ کا اثر ہو سکتا ہے اور ایسی تاثیر حق وباطل کا معیار نہیں بن سکتی تھیں۔لوگ اس کو کمال سمجھ کر دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور مبتلائے وبال ہو جاتے ہیں۔

ومن شر حاسد. اس میں حسد کی قباحت نہایت واضح ہے۔

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** ﴿۱﴾ خَالِقِهِمْ وَمَا لِكِهِمْ خَصُّوْا بِالذِّكْرِ تَشْرِيْفًا لَّهُمْ وَمُنَاسِبَةً لِّلْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ شَرِّ الْمُوَسْوِسِ فِيْ صُدُوْرِهِمْ **مَلِكِ النَّاسِ** ﴿۲﴾ **اِلٰهِ النَّاسِ** ﴿۳﴾ بَدَلَانِ اَوْ صِفَتَانِ اَوْ عَطْفَا بَيَانٍ وَّاَظْهَرَ الْمُضَافَ اِلَيْهِ فِيْهِمَا زِيَادَةً لِّلْبَيَانِ **مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ** الشَّيْطَانِ سُمِّيَ بِالْحَدَثِ لِكَثْرَةِ مُلَابَسَتِهٖ لَهٗ **الْخَنَّاسِ** ﴿۴﴾ لِاَنَّهٗ يَخْنُسُ وَيَتَاَخَّرُ عَنِ الْقَلْبِ كُلَّمَا ذَكَرَ اللهَ **الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ** ﴿۵﴾ قُلُوْبِهِمْ اِذَا غَفَلُوْا عَنْ ذِكْرِ اللهِ **مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ** ﴿۶﴾ بَيَانٌ لِّلشَّيْطَانِ الْمُوَسْوِسِ اَنَّهٗ جِنِّيٌّ وَّاِنْسِيٌّ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَوْ مِنَ الْجِنَّةِ بَيَانٌ لَّهٗ وَالنَّاسُ عَطْفٌ عَلَى الْوَسْوَاسِ وَعَلٰى كُلٍّ يَشْمَلُ شَرَّ لَبِيْدٍ وَبَنَاتِهِ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَاعْتُرِضَ الْاَوَّلُ بِاَنَّ النَّاسَ لَا يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِهِمُ النَّاسُ اِنَّمَا يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِهِمُ الْجِنُّ وَاُجِيْبَ بِاَنَّ النَّاسَ يُوَسْوِسُوْنَ اَيْضًا بِمَعْنًى يَلِيْقُ بِهِمْ فِي الظَّاهِرِ ثُمَّ تَصِلُ وَسْوَسَتُهُمْ اِلَى الْقَلْبِ وَتَثْبُتُ فِيْهِ بِالطَّرِيْقِ الْمُؤَدِّيْ اِلٰى وَاللهُ اَعْلَمُ

رکوع ۲۹

سورۂ ناس مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔ اس میں چھ آیات ہیں۔ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**

ترجمہ:.......... آپ کہیے، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب (ان کے خالق و مالک سے انسانوں کی تخصیص ان کے شرف کی وجہ سے ہے اور دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی مناسبت سے) انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبودِ حقیقی کی (یہ دونوں الفاظ بدل یا صفت یا عطف بیان ہیں اور ان دونوں میں مضاف الیہ کا اظہار زیادہ وضاحت کے لیے ہے) اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (مراد شیطان ہے جس کا نام حدث ہے بکثرت وسوسہ اندازی کی وجہ سے) جو بار بار پلٹ کر آتا ہے (ذکر اللہ کے وقت دل سے ہٹ جاتا ہے اور پیچھے ہو جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (ذکر اللہ سے غافل ہونے پر) خواہ وہ جن ہو یا آدمی (وسوسہ انداز شیطان کا بیان ہے کہ وہ جن ہو یا انسان، جیسے دوسری آیت میں ہے۔ **شیاطین الانس و الجن** یا صرف **من الجنة** بیان ہو۔ اور **الناس** کا **الوسواس** پر عطف ہے۔ بہرصورت یہ لبید اور اس کی لڑکیوں کو بھی شامل ہے۔ پہلی ترکیب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ انسانوں کے دلوں میں انسان وسوسہ نہیں ڈالتے۔ بلکہ جن وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ انسان بھی وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں ایسے انداز سے جو ان کے مناسب ہو۔ پھر

وہ وسوسہ دلوں تک پہنچ کر جاگزیں ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم)

تحقیق وترکیب:......... **سورة الناس** ۔ یہ بھی سورۂ فلق کی طرح مختلف فیہ ہے۔ لیکن واقعہ سحر پر نظر کی جائے جو ۷ھ میں پیش آیا۔ تو ان کا مدنی ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی پہلے گزر چکی ہے۔ **قل اعوذ** دونوں سورتوں میں یہ لفظ حذف ہمزہ اور اس کی حرکت لام پر منتقل کر کے بھی پڑھا گیا ہے۔ سورۂ کافرون واخلاص ومعوذتین کے شروع میں لفظ **قل** آنے کی وجہ سے عوام ان کو چاروں قل کہتے ہیں۔ سورۂ **فلق** کی طرح یہاں بھی **اعوذ باللہ** کی بجائے اللہ کی تین صفات کے ذریعہ استعاذہ کیا گیا ہے۔ ایک **رب الناس**، دوسرے **ملک الناس**، تیسرے **الٰہ الناس**. **اللہ** کے معنی فرضی معبود کے بھی آتے ہیں اور حقیقی معبود کے بھی۔ یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔ سورۂ فلق میں بدنی مضرتوں سے استعاذہ کیا گیا ہے۔ انسان کی طرف سے ہوں یا دوسرے مخلوق کی طرف سے۔ لیکن سورۂ ناس میں صرف انسانی نفوس کو جو مضرتیں عارضی ہوتی ہیں ان سے استعاذہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا **رب الفلق** میں اضافت عام اور **رب الناس** میں اضافت خاص ہوگی۔ اور اللہ اگرچہ رب العالمین ہے۔ لیکن انسان کی تخصیص اس کے شرف کی وجہ سے ہے کہ جب اللہ انسانوں کا رب ہے تو دوسری مخلوق کا بدرجہ اولیٰ ہے۔ نیز جب وہ انسانی شرارت سے پناہ دے سکتا ہے۔ تو دوسری مخلوق کی شر سے بدرجہ اولیٰ پناہ دے گا۔ اور وسوسہ جن کے دلوں میں ہوتا ہے وہ بھی انسان ہیں۔ ان تینوں لفظوں کی ترتیب بڑی لطیف ہے۔ کہ اول اللہ کی ربوبیت، پھر اس کی بادشاہت پھر اس کی معبودیت کا ذکر کیا گیا۔

اور **ملک الناس الٰہ الناس** دونوں لفظ **رب الناس** سے عطف بیان بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ رب ممکن ہے بادشاہ نہ ہو اور بادشاہ ممکن ہے کہ معبود نہ ہو۔ اگرچہ اضافت ضمیر کی طرف ہو سکتی تھی۔ لیکن مزید بیان یا تعظیم کے لیے مضاف الیہ اسم ظاہر لایا گیا ہے اور بعض نے توجیہ کی ہے کہ **رب الناس** میں بچے اور **ملک الناس** بڑے آدمی مراد ہیں۔ کیونکہ بچے تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور بڑے وساوس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور **الٰہ الناس** میں بوڑھے مراد ہیں۔ کیونکہ وہ مصروف عبادت رہتے ہیں۔ اس صورت میں لفظ **الناس** مکرر نہیں رہتا۔

من شر الوسواس الخناس. اس کا تعلق **اعوذ** سے ہے۔ سورۂ فلق میں مستعاذ منہ تین چیزیں تھیں اور مستعاذ ایک تھا۔ لیکن سورۂ ناس میں اس کے برعکس مستعاذ منہ ایک یعنی وسوسہ ہے اور مستعاذ تین صفات الٰہیہ ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ پچھلی سورت میں بدنی مضرات کا بیان تھا اور وہ متعدد ہیں اور اس سورت میں نفسانی مضرت کا بیان ہے۔ اور وہ ایک ہے۔ اور چونکہ بدن کی سلامتی کا پیش خیمہ اور وسیلہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ وسواس اور وسوسہ، زلزال اور زلزلہ کی طرح دونوں مصادر ہیں۔ اگر فعلال کو اوزانِ مصدر میں مانا جائے۔ ورنہ اسم مصدر ہے۔ یا **وسواس** اور **خناس** کو مبالغہ کہا جائے۔ شیطان کو وسواس یا وسوسہ **زید عدل** کی طرح مبالغہ کے لیے کہا گیا ہے۔ یا مضاف محذوف مانا جائے۔ **ای ذوالوسواس' الخناس**، خنس کے معنیٰ مٹنے اور لوٹنے کے ہیں۔

فی صدور الناس. جس طرح قوتِ واہمہ قوتِ عاقلہ کی معاون ہوتی ہے۔ اسی طرح وسوسہ شیطان کا مددگار ہے۔ انسان جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان موقعہ سے فائدہ اٹھا کر وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ یہ محل جر میں ہے صفت کی وجہ سے یا محلِ نصب ورفع میں ہے مذمت کے طور پر۔

من الجنة والناس. یہ **وسواس** کا بیان ہے یا **الذی** کا بیان ہے یا **یوسوس** سے متعلق ہے اور بعض نے اس کو **الناس** کا بیان کہا ہے۔ جب کہ **الناس** سے مراد عام ہو۔ انسان اور جنت دونوں شامل ہے۔ لیکن اس صورت میں تکلف کر کے کہنا پڑے گا۔ ناس بمعنی ناسی ہے۔ جیسے **یوم یدع الداع** میں **داع** بمعنیٰ **داعی** ہے اور نسیان انسان اور جن دونوں کو ہوتا ہے۔ مفسر علام نے دوسری ترکیب یہ فرمائی۔ کہ **من الجنة** بیان قرار دیا جائے اور **الناس** کا عطف **الوسواس** پر کہا جائے۔ اس کے بعد پہلی ترکیب یعنی **من الجنة والناس** کو **وسواس** کا بیان قرار دینے پر یہ اعتراض کیا۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ حالانکہ وسوسہ اندازی

شیطان کا کام ہے۔ پھر اس کا جواب دیا کہ انسان بھی وسوسہ کر سکتا ہے۔ اس طرح وسوسہ کے اسباب اختیار کرتا ہے۔ مثلاً: چغلخوری کرتا ہے۔ دوسرا اس چغلخوری کو سنتا ہے۔ جس سے دل میں وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گویا انسان ہی نے وسوسہ ڈالا ہے۔

ربط آیات وروایات:...........اس کی مفصل تقریر سورۂ فلق میں گزر چکی ہے۔

﴿تشریح﴾:...........**قل اعوذ الخ** اللہ کی شانِ ربوبیت وحاکمیت وغیرہ اگرچہ تمام مخلوق کو شامل ہے لیکن ان صفات کا کامل ظہور انسانوں میں ہو رہا ہے۔ اس لیے ان تینوں صفات کی اضافت انسان کی طرف فرمائی گئی ہے۔ ان تین صفات کی ترتیب بھی نہایت دقیق ہے۔ عارف جب اپنے اردگرد ظاہری باطنی نعمتوں کو پائے گا تو سمجھ لے گا کہ اس کا کوئی رب ہے۔ جو اس کی ترتیب اعلیٰ درجہ کی کر رہا ہے۔ پھر جب نظر کو گہرا کرے گا تو اسے دکھائی دیگا کہ اللہ سارے عالم سے بے نیاز اور کلی اختیارات کا مالک ہے پھر اسی لیے اس کی رہنمائی ہوگی کہ معبودِ حقیقی بھی وہی ہے۔ یہاں اختلافات صفات کو بمنزلہ اختلاف ذات قرار دے لیا ہے۔ تا کہ ان صفات کی بڑائی کا اندازہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ چونکہ وہی رب اور بادشاہ اور الٰہ ہے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں جس سے میں پناہ مانگوں اور جو حقیقت میں پناہ دے بھی سکتا ہو۔

خناس کا انسان پر تسلط:...........**من شر الوسواس الخناس.** شیطان نظروں سے اوجھل رہ کر آدمی کو بہکاتا ہے چھپے ہوئے دشمن کی طرح گھات میں رہتا ہے۔ جب موقعہ لگتا ہے چوکتا نہیں ہے۔ جونہی ذکر اللہ سے غفلت ہوتی ہے۔ یہ اپنا تسلط قائم کر لیتا ہے۔ لیکن انسان جب غفلت سے بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرتا ہے فوراً شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ وسوسہ کہتے ہیں غیر محسوس طریقہ پر کسی بُری بات کو دل میں ڈال دینے کو وسوسہ کے لفظ میں، خود بار بار کا مفہوم شامل ہے۔ جیسے زلزلہ حرکت کی تکرار کو کہتے ہیں۔ انسان چونکہ ایک دم بہکائے میں نہیں آتا۔ اس لیے شیطان مسلسل کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے ایسی کوشش کرنے والے کو وسواس کہا جائے گا۔ خناس، خنوس سے ہے ظاہر ہونے کے بعد چھپنا یا آنے کے بعد ہٹ جانا۔ خناس مبالغہ کا لفظ ہے جس میں بار بار کے معنیٰ ملحوظ ہیں۔ دونوں لفظوں کے ملانے سے یہ مفہوم نکلا کہ ایک دفعہ ناکامی سے وہ تھکتا نہیں ہے۔ بلکہ وہ برابر تگ ودو میں لگا رہتا ہے۔ اس سے پناہ مانگنے کا مطلب تو یہ ہے کہ کہیں دل میں وسوسہ ڈال کر اس کے شر میں مبتلا نہ کر دے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے خلاف جو شخص بھی لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے اس کے شر سے داعی حق خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ کیونکہ داعیٔ حق کے بس کی یہ بات نہیں کہ وہ دعوتِ حق کا کام بھی کرے اور ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں جو اس کے خلاف وسوسے ڈالے گئے ہیں۔ ان کے پیچھے پھرے۔ اور ایک ایک غلط فہمی کو دُور کرتا پھرے۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ اصل دعوتِ حق کا کام چھوڑ کر لوگوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں اور الزام تراشیوں کے ازالہ کی فکر کرتا پھرے اور یہ بات تو اس کے مقام سے نہایت فروتر ہے کہ جس سطح پر مخالفین اُترے ہوئے ہیں اسی پر خود بھی اُتر آئے۔ اس لیے **رب الناس ملک الناس اله الناس** کی پناہ میں آنے کی شدید ضرورت ہے۔

وسوسہ بدعملی کا نقطۂ آغاز ہے:...........وسوسہ دراصل بُرے عمل کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ کسی غافل یا خالی الذہن آدمی کے اندر جب یہ اثر انداز ہوتا ہے تو شروع میں بُرائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پھر مزید وسوسہ اندازی اس بُری خواہش کو بُری نیت اور بڑے ارادے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ پھر اس سے آگے جب وسوسہ کی تاثیر بڑھتی ہے تو ارادہ عزم بن جاتا ہے اور آخری قدم پھر عمل شر ہے۔ اس لیے وسوسہ اندازی کے شر سے خدا کی پناہ مانگنے کا مطلب ہے کہ شر کا آغاز جس مقام سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقام پر اس کا قلع

فرمادے۔انسان کے دل میں وسوسہ اندازی صرف باہر ہی سے شیاطین جن وانس نہیں کرتے۔ بلکہ اندر سے خود انسان کا اپنا نفس بھی کرتا ہے۔اس کے اپنے غلط نظریات اس کی عقل کو گمراہ کرتے ہیں اور باہر کے شیاطین بھی انسان کے اندر اس کے اپنے نفس کا شیطان بھی اس کو بہکاتا ہے۔ پھر جس قماش کا آدمی ہوتا ہے اس کے وساوس بھی اسی قماش کے ہیں۔ بدقماش لوگوں کو شیطان کفر وشرک کے وساوس میں مبتلا کرتا ہے۔ لیکن نیک لوگوں کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ اس قسم کے وسوسوں کی دال یہاں نہیں گلے گی۔ انہیں نیکی کی راہ سے مارتا ہے۔ بدکردار لوگوں کو کھلے گناہ اور بدعات کی ترغیب دیتا ہے۔ بڑے گناہ نہیں تو چھوٹے گناہوں ہی میں انہیں پھانسنے کی کوشش کرتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ غفور الرحیم ہے۔ اور منشاء یہ ہوتا ہے کہ اگر کثرت سے چھوٹے ہی گناہ سرزد ہو جائیں تو اسی بار سے انسان لد جائے گا۔ اس سے بھی آدمی بچ نکلے اور نیکی اختیار کرلے۔ تو پھر بدرجہ آخر یہی کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیکی محدود رہے۔ دوسروں کو ترغیب نہ دے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان تمام چالوں کو ناکام کردے تو پھر شیاطین کی پوری پارٹی ایسے آدمی پر پل پڑتی ہے۔ لوگوں کو اس کے خلاف اُکساتی بھڑکاتی ہے۔ اسے رُسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وساوس کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کی بحث سورۂ بقر کے آخر میں اور سورۂ ق کے پہلے رکوع کے آخر پر گزر چکی ہے۔

وساوس صرف انسان کو پیش آتے ہیں مگر وسوسہ انداز جنات بھی ہوتے ہیں: .... من الجنة والناس. وساوس اگرچہ صرف انسان ہی کے دل میں آتے ہیں لیکن وسوسے ڈالنے والے جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ لیکن بعض اہل علم کہتے ہیں کہ انسان وجن دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا جاتا ہے۔ اس بات کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو لفظ ناس انسان وجن دونوں پر بولا جائے گا۔ جیسا کہ رجال اور نفر اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ لیکن اس رائے کے تسلیم کرنے میں اس لیے تامل ہے کہ انسان، انس، ناس تینوں الفاظ جن کے مقابل استعمال ہوتے ہیں۔ انسان، انس، ناس میں ظہور کے معنی ہیں کہ جن میں ستر وخفا کے معنی ہیں۔ چنانچہ جُنّہ، جنت، جنان، جان، جنون، جنایت سب میں یہی معنی ملحوظ ہیں اس لیے اس تضاد کے ہوتے ہوئے انسان کا اطلاق جن پر کس طرح ہوسکتا ہے۔ اس لیے صحیح معنی یہی ہوں گے کہ اس وسوسہ انداز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ دوسری آیت **وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورًا** سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرماتھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ابوذرؓ! نماز پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ اٹھو نماز پڑھو۔ میں نماز پڑھ کر پھر حاضر ہوگیا۔ فرمایا۔ یا اباذر! تعوذ باللّٰہ من شر شیاطین الانس والجن۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں فرمایا کہ ہاں!

معوذتین پر محققانہ کلام: .... معوذتین پر محقق علماء نے قیمتی موتی بکھیرے ہیں۔ لیکن شیخ کبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز نے اپنے ایک فارسی مکتوب پر جو بیش بہا مضمون سپرد قلم فرمایا ہے۔ فوائد عثمانی نے تبرکاً اس کی تخلیص پیش کی ہے۔ زمین کا جگر شق ہوکر دانہ سے جب کونپل پھوٹتی ہے تو فطرت کا مالی اس کی رکھوالی کرتا ہے اور حدِ کمال پر پہنچنے تک ہر طرح کی آفات سے اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور عموماً وہ آفات چار قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔ موذی جانوروں سے حفاظت۔ ۲۔ درخت کی زندگی کے اسباب پانی، ہوا، دھوپ کی فراہمی۔ ۳۔ برف، اولہ وغیرہ آفات سماوی سے بچاؤ۔ ۴۔ مالکِ باغ کے دشمن اور حاسد سے حفاظت۔ ان چاروں چیزوں کی خاطر خواہ بندوبست کے بعد پودہ اور باغ کے بارآور

ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔اسی طرح اس چمنستانِ عالم کے حقیقی مالک ومربی سے ایمان کے پودہ کی حفاظت کے لیے چار آفتوں سے بچاؤ کی درخواست کرنی چاہئے۔پہلی آفت شرِ مخلوق ہے یعنی مخلوق کے طبعی اور فطری شر سے جو اس کی طبیعت میں اسی طرح ودیعت ہے۔جیسے سانپ بچھو وغیرہ سباع و بہائم میں خلقی طور پر ہوتا ہے اور یہ نکتہ شر کی اضافت سے سمجھ میں آرہا ہے۔دوسری آفت شرِ غاسق ہے۔جب رات اندھیری ہوجائے یا آفتاب غروب ہوجائے۔یا چاند گرہن میں آجائے۔یعنی ان چیزوں کے فوائد سے ہم محروم ہوجائیں جو ان کے ظہور کے وقت ہمیں حاصل تھے اب وہ ہاتھ نہ آئیں۔گویا یہ چیزیں پانی،ہوا،دھوپ کی طرح اسبابِ زندگی کے درجہ میں تھیں۔ان کا فقدان ظاہر ہے کہ پیغام موت ہوگا۔تیسری آفت شرِ نفاثات ہے۔جس سے مراد ساحرانہ اعمال ہیں۔ظاہر ہے کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے عوارض پیش آجاتے ہیں۔جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر دب جائیں۔یہ آفت ایسی ہے جیسے درخت کے لیے اولہ اور برف باری کی آفت۔چنانچہ سحر کاری کی وجہ سے حضورؐ کے طبعی افعال متاثر ہوگئے تھے۔جب اس آفت کا ازالہ ہوگیا تو فقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نما انشط من عقال. چوتھی آفت شرِ حاسد ہے یعنی عداوت وحسد کی آگ ایمان کے پودا کو بھسم کر ڈالے۔آفات کی اس تفصیل میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی بیج کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔البتہ روئیدگی سے پہلے ہی کچھ چیونٹیاں اس بیج کے اندر سے وہ خاص جوہر چوس لیتی ہیں۔جس سے بیج کی روئیدگی ہوتی ہے یا اندر ہی اندر گھن لگ کر بیج کھوکھلا ہوجاتا ہے اور بالیدگی کے لائق نہیں رہتا۔شاید اسی سرسری کمی کے لیے سورۂ ناس میں الوسواس الخناس کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔کیونکہ وساوس انہی فاسد خطرات کا نام ہے۔جو ظاہر ہو کر بلکہ اندرونی طور پر ایمان میں رخنہ ڈالتے ہیں اور چونکہ وساوس کا مقابلہ ایمان سے ہے اس لیے وساوس کے دفعیہ کے لیے اللہ کی انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوگی جو مبادی ایمان گنے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان (تسلیم وانقیاد) کا نشوونما اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔پھر جب ہم اس کی ربوبیتِ مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اللہ مالک الملک اور احکم الحاکمین بھی ہے۔کیونکہ جسمانی روحانی تربیت وہی ذات کرسکتی ہے جو منبع الکمالات ہو اور دنیا کی کوئی چیز بھی اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہ ہو۔پھر ذرا آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں اس کے مالکِ مطلق ہونے سے اس کی الٰہیت و معبودیت کا سراغ ملتا ہے۔غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد اس کی مالکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔پس جو شخص شیطانی وساوس سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اللہ کے دامن میں پناہ چاہے گا۔اسے درجہ بدرجہ انہی منزلوں سے گزرنا ہوگا اور عجیب بات ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب یہاں تین صفات بغیر عطف اور بغیر اعادہ جار کے ذکر کی گئی ہیں۔اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔جو صفت در صفت کی صورت میں ہیں۔

فضائل سُورت: ....عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرء المعوذتین فکانما قرء الکتب التی انزل اللہ.
جو شخص معوذتین پڑھے گا گویا اس نے پچھلی سب کتابیں پڑھ لی ہیں۔

لطائف سُلوک: ....من شر الوسواس الخناس. حدیث میں ہے کہ شیطان ذکر اللہ سے غفلت کے وقت وسوسہ اندازی کرتا ہے۔لیکن ذکر کے وقت پیچھے ہٹ جاتا ہے۔پس معلوم ہوا کہ غفلت کا علاج ذکر ہے۔من الجنۃ والناس. اس سے معلوم ہوا کہ وساوس تو انسان کو پیش آتے ہیں۔مگر وسوسہ ڈالنے والے شیطان اور انسان دونوں ہوسکتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ سَبْعُ اٰيَاتٍ بِالْبَسْمَلَةِ اِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اِلٰى اٰخِرِهَا وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ مِّنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ اِلٰى اٰخِرِهَا وَيُقَدَّرُ فِيْ اَوَّلِهَا قُوْلُوْا لِيَكُوْنَ مَاقَبْلَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ مُنَاسِبًا لَهٗ بِكَوْنِهٖ مِنْ مَّقُوْلِ الْعِبَادِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ بِمَضْمُوْنِهَا مِنْ اَنَّهٗ تَعَالٰى مَالِكٌ لِجَمِيْعِ الْحَمْدِ مِنَ الْخَلْقِ اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَنْ يَّحْمَدُوْهُ وَاللّٰهُ عَلَمٌ عَلَى الْمَعْبُوْدِ بِحَقٍّ **رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾** اَيْ مَالِكِ جَمِيْعِ الْخَلْقِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالدَّوَابِّ وَغَيْرِهِمْ وَكُلٌّ مِّنْهُمْ يُطْلَقُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَالُ عَالَمُ الْاِنْسِ وَعَالَمُ الْجِنِّ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ وَغُلِّبَ فِيْ جَمْعِهٖ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اُولُوا الْعِلْمِ عَلٰى غَيْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِاَنَّهٗ عَلَامَةٌ عَلٰى مُوْجِدِهٖ **الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾** اَيْ ذِي الرَّحْمَةِ وَهِيَ اِرَادَةُ الْخَيْرِ لِاَهْلِهٖ **مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾** اَيِ الْجَزَاءِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَخُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ لَامُلْكَ ظَاهِرًا فِيْهِ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى بِدَلِيْلِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ وَمَنْ قَرَأَ مَالِكِ فَمَعْنَاهُ مَالِكُ الْاَمْرِ كُلِّهٖ فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَيْ هُوَ مَوْصُوْفٌ بِذٰلِكَ دَائِمًا كَغَافِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وُقُوْعُهٗ صِفَةً لِّلْمَعْرِفَةِ **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾** اَيْ نَخُصُّكَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْحِيْدٍ وَغَيْرِهٖ وَنَطْلُبُ مِنْكَ الْمَعُوْنَةَ عَلَى الْعِبَادَةِ وَغَيْرِهَا **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾** اَيْ اَرْشِدْنَا اِلَيْهِ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** بِالْهِدَايَةِ وَيُبْدَلُ مِنَ الَّذِيْنَ بِصِلَتِهٖ **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ** وَهُمُ الْيَهُوْدُ **وَلَا غَيْرِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾** وَهُمُ النَّصَارٰى وَنُكْتَةُ الْبَدَلِ اِفَادَةُ اَنَّ الْمُهْتَدِيْنَ لَيْسُوْا يَهُوْدًا وَّلَانَصَارٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا دَائِمَيْنِ مُتَلَازِمَيْنِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سورۂ فاتحہ مکیہ ہے۔ جس میں سات آیات ہیں بسم اللہ سمیت۔ اگر یہ فاتحہ کا جز مانی جائے تو ساتویں آیت صراط الذین سے آخر سورت تک ہوگی اور اس کو جز شمار نہ کیا جائے تو پھر ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہوگی۔ اور اس سورت کے شروع میں

قولوا مقدر ماناجائے گا۔ تاکہ ایاک نعبد سے پہلی عبارت بھی اس کے مناسب ہوکر پوری سورت بندوں کا مقولہ بن جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ:.......... تعریف بس اللہ کے لیے ہے (یہ جملہ خبریہ ہے۔ جس سے مقصود اس کے مضمون سے اللہ کی تعریف کرنا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ مخلوق کی ساری تعریف کا مالک ہے۔ یا یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کرو، لفظ اللہ معبود حقیقی کا نام ہے) جو تمام کائنات کا رب ہے (یعنی انسان، جن، فرشتے وغیرہ جانوروں ساری مخلوق کا مالک ہے ان مخلوقات میں سے ہر مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ چنانچہ عالم الانس، عالم الجن وغیرہ بولا جاتا ہے۔ اور عالمین کے یا نون کے ساتھ جمع لانے میں ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غالب کر لیا گیا ہے۔ عالم علاقہ کو کہتے ہیں۔ یہ جہاں بھی پیدا کرنے والے کی پہچان کا ذریعہ ہے) بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے (یعنی رحمت والا ہے۔ جس کے معنیٰ مستحق رحمت کے ساتھ ارادہ خیر کے معنیٰ ہیں) روزِ جزاء کا مالک ہے (یعنی بدلہ کا جو روز قیامت ہے۔ اس روز کی تخصیص اس لیے کی کہ وہاں بجز اللہ کے کسی کی ملک نہیں رہے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ لمن الملک الیوم للہ اور جن قراء نے مالک پڑھا ہے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قیامت کے دن وہ ہر چیز کا مالک ہوگا۔ یعنی اللہ ہمیشہ مالک ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے غافر الذنب فرمایا گیا ہے۔ اس لیے مالک کا معرفہ (اللہ) کی صفت بننا قطعاً درست ہے) ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یعنی توحید وغیرہ کے ذریعہ ہم صرف آپ کی پرستش کرتے ہیں اور عبادت وغیرہ پر صرف آپ کی اعانت چاہتے ہیں) ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے (اس کی طرف رہنمائی کیجئے۔ آگے بدل ہے) ان لوگوں کا رستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے (ہدایت دے کر۔ آگے بدل ہے الذین مع صلہ کا) جو مغضوب نہیں ہوئے (جیسا کہ یہود ہیں) اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں (جیسے عیسائی اور بدل میں یہ نکتہ ہے کہ یہود ونصاریٰ ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد والہ واصحابه الطیبین الطاهرین صلوٰة وسلاماً دائمین متلازمین الیٰ یوم الدین والحمد للہ رب العلمین۔

تحقیق وترکیب:.......... الفاتحة، عافیة کی طرح اگر یہ مصدر ہے تو بمعنیٰ مفعول ہوگا یا اس کو صفت مانا جائے یعنی ہر چیز کی شروعات تو اس میں تا وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لیے ہوگی۔ پہلی توجیہ کے مقابلہ میں دوسری توجیہ انسب ہے۔ کیونکہ اس وزن پر مصدر کا آنا بہت کم ہوتا ہے اور ''سورۃ الفاتحہ'' میں اضافت شجر الاراک اور ''علم النحو'' کی طرح عام کی اضافت خاص کی طرف ہو رہی ہے اور یہ اضافت اسی وقت جائز ہوتی ہے جب کہ مضاف الیہ کا فرد مضاف ہونا مشہور ہو جیسے انسان زید میں، اس سورت کو ام القرآن بھی کہا گیا ہے اور سورۃ الکنز اور سورۃ الوافیہ اور سورۃ الشافیہ اور سورۃ شفاء، سورۃ الحمد، سورۃ الشکر، سورۃ الدعاء، سورۃ تعلیم المسئلہ اور سبع مثانی وغیرہ نام بھی ہیں۔

مکیہ. اکثر کی رائے یہی ہے جس کی دلیل سورۃ حجر کی آیت ولقد اتیناک سبعاً من المثانی جو خود بھی مکی ہے اور جس کی تفسیر خود حضور ﷺ نے سورۃ الفاتحہ کے ساتھ فرمائی ہے۔ لیکن مجاہدؒ اس کو مدنی کہتے ہیں۔ بلکہ طبرانیؒ کی اوسط میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ انزلت الفاتحه بالمدینة اور بعض کی رائے ہے کہ مکہ اور مدینہ دونوں جگہ اس کا نزول ہوا ہے۔ تاہم تکرارِ نزول سے اس کی جزئیت میں تکرار لازم نہیں آتا۔ یعنی آیات فبای آلاء ربکما تکذبان وغیرہ کی طرح یہ نہیں کہا جائے گا کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم میں دو مرتبہ ہے۔ اور منشاء اظہار تعظیم ہے۔ اسی لیے اسی کا نماز میں پڑھنا ضروری ہوا۔

سبع ایات. تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق اس سورت میں سات آیات ہیں۔ البتہ ساتویں آیت کی تعیین میں احناف و شوافع کا اختلاف ہے اور اس کا تعلق بسم اللہ کے جزء فاتحہ ہونے سے ہے۔ اگر اس کو بھی مستقل آیت مانا جائے۔ تب تو بقول مفسرؒ

صراط الذین سے آخر تک ساتویں آیت ہوگی۔ ورنہ پھر ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہوگی۔

علامہ زمخشریؒ یہ کہتے ہیں آیات کا علم توفیقی ہے۔ بسم اللہ کے متعلق ضروری تفصیل یہ ہے کہ آیت سورۂ روم انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ اس سورت کا بھی جزو ہے اور قرآن کا جز بھی ہے۔ اس کے علاوہ بسم اللہ کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کے قرآن کریم کا جز ہونے پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ مابین الدفتین جو کچھ ہے اس کے کلام اللہ ہونے کا اجماع ہے۔ نیز قرآن کریم میں اس کا لکھا ہونا بھی اس کے جزو قرآن ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ غیر قرآن کو قرآن میں لکھا نہیں جاتا اور اس احتیاط میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا ہے کہ لفظ آمین بھی قرآن میں لکھا نہیں جاتا۔ حالانکہ اس کو سورۂ فاتحہ کے ختم پر پڑھنا مسنون ہے۔ البتہ اسی کے ساتھ مکہ وکوفہ کے قراء، وفقہاء، اور عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ اور تمام سورتوں کا جزو مانتے ہیں۔ حدیث ابوہریرہؓ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال فاتحۃ الکتاب سبع ایات اولھن بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پھر شوافع میں اختلاف ہے۔ بعض بسم اللہ کو مستقل آیت کہتے ہیں۔ حدیث ام سلمہؓ کی رو سے قرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحۃ وعد بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت اور بعض شوافع بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین کو ایک آیت کہتے ہیں۔ لیکن مدینہ طیبہ، بصرہ شام کے قراء اور فقہاء امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ بسم اللہ کو نہ تو سورۂ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں اور نہ کسی دوسری سورت کا بقول قاضی بیضاویؒ امام اعظمؒ سے کوئی تصریح نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی کسی سورت کا جز نہیں ہے۔

البتہ امام محمدؒ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔ مابین الدفتین کلام اللہ یہ مسئلہ دراصل تجوید وقرات کا ہے، فقہ کا نہیں ہے۔ احناف کی دلیل حدیث ابوہریرہؓ ہے۔ قال اللہ تعالی اقسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین، یقول العبد الحمد للہ رب العالمین۔ اس میں حضورؐ نے بسم اللہ کو شمار نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث انسؓ ہے۔ صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وخلف عمر فلم یجھر احد منھم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس سے جہاں بسم اللہ کی عدم جزئیت ثابت ہوئی۔ وہیں نماز میں عدم جہر بھی ثابت ہوا۔ بسم اللہ دراصل فصل بین السور کے لیے نازل کی گئی ہے وہ کسی سورت کا جز نہیں ہے۔ حدیث ابن عباسؓ ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورتین حتی ینزل بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اور شوافع کی حدیث ابوہریرہؓ سے سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہر سورت کا جزو ہونا ثابت نہیں ہوتا اور حدیث ام سلمہؓ سے بھی جزئیت ثابت نہیں ہوتی۔ ممکن ہے بسم اللہ تبرکاً حضورؐ نے پڑھا ہو۔ رہا شوافع کا مابین الدفتین کے کلام اللہ ہونے کو جزئیت کی دلیل میں پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے ہر سورت کا جزو ہونا ثابت نہیں ہوتا اسی طرح بسم اللہ کی کتابت کو جزئیت کی دلیل میں پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے تو قرآن کی سورتوں میں فصل کے لیے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مفسر علامؒ نے زمخشریؒ اور امام راغبؒ کے مطابق مشورہ دیا ہے کہ الحمد للہ سے پہلے قولوا مقدر ماننا چاہئے۔ تاکہ ایاک نعبد کے مضمون سے تناسب رہے۔ گویا الحمد للہ بھی بندہ ہی کا مقولہ ہے۔ ورنہ اگر اللہ کا مقولہ ہوتا تو الحمد لی کہنا چاہئے تھا۔ لیکن دوسرے حضرات تقدیر عبارت کی ضرورت نہیں سمجھتے اور الحمد للہ، اللہ کا مقولہ ہے بندوں کو تلقین وتعلیم ہے۔ یہ جملہ لفظاً خبریہ ہے اور معنیً انشائیہ ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حقیقتہً یہ جملہ خبریہ ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ حقیقتہً انشائیہ تھا۔ مجازاً خبریہ ہو گیا۔ لغتۃً حمد، مدح، شکر میں فرق ہے۔ حمد کہتے ہیں۔ اچھے اختیاری کاموں پر کسی کی تعریف کرنا۔ یہ تعریف خواہ اس کے انعام کے جواب میں یا بغیر انعام کے متاثر ہو۔ اور مدح کہتے ہیں مطلقاً کسی کی تعریف کرنا۔ خواہ اختیاری تعریف پر ہو یا غیر اختیاری پر۔ اسی طرح نعمت کے بدلہ میں یا بغیر نعمت کے۔ پہلے قاعدہ کی مثال حمدت زیدا علی علمہ وکرمہ اور دوسرے قاعدہ کی مثال مدحت زیدا علی حسنہ ہے۔ یہاں حمدت زیدا علی حسنہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک حمد ومدح دونوں مترادف ہیں اور شکر کہتے ہیں کسی کی نعمت پر تعریف کرنا خواہ

زبان سے ہو یا دل سے اور اعتقاد سے یا اعضاء کے ذریعہ عملی طور پر

افادتکم النعما منی ثلثه بدنی ولسانی والضمیر المحجبا

شکر کی نسبت حمد و مدح کے ساتھ عموم وخصوص من وجہ کی ہے۔اور چونکہ حمد، شکر کا اعلیٰ درجہ ہے۔اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا ہے۔الحمد راس الشکر ما شکر اللّٰه من لم یحمده اور لفظ ذم، حمد کی نقیض ہے اور کفران شکران کی نقیض ہے الحمد لله مبتداء خبر ہے۔دراصل الحمد پر نصب ہے ایک قرات نصب کی بھی ہے۔چونکہ حمد کا عموم اور ثبوت ودوام مقصود ہے۔اس لیے نصب سے رفع کی طرف عدول کرلیا اور حمد ان افعال میں سے جن کا ناصب محذوف ہوا کرتا ہے۔اس میں الف لام تعریف جنسی کا ہے اور بعض نے اس کو استغراقیہ مانا ہے یعنی بلاواسطہ اور بالواسطہ حمد کے تمام افراد اللہ کے لیے ہیں۔ایک قرات الحمد لله اور الحمدُ للّه کی بھی ہے۔دونوں لفظوں کو ایک کلمہ مان کر ایک کی حرکت دوسرے کے موافق کرلی گئی ہے۔لفظ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ عربی یا غیر عربی مشتق ہے یا غیر مشتق۔غرض بہت سے اقوال ہیں۔حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔دون صفاته تحیر الصفات وضل هنالك تصاریف اللغات۔

قاضی بیضاویؒ نے اس سلسلہ میں چار قول نقل کیے ہیں۔ایک یہ کہ اللہ اصل میں الا لـه تھا۔ہمزہ حذف کر کے الف لام اس کے عوض میں آگیا۔اس لیے یا اللہ ہمزہ قطعی کے ساتھ کہا جاتا ہے۔الہ تو ہر معبود کو کہتے ہیں۔لیکن غالب استعمال معبود حقیقی کے لیے ہے۔یہ قول اشتقاق کا ہے۔اس میں پھر کئی رائیں ہیں۔

۱۔اله الهة الوهية سے مشتق ہو بمعنی عبدتالهٗ اور استماله بھی اس سے ماخوذ ہے۔

۲۔اَلِهَ بمعنیٰ تحیر سے مشتق ہو۔

۳۔الهت الی فلان بمعنیٰ سکنت الیه سے مشتق ہو۔

۴۔اله بمعنی فزع سے مشتق ہو۔پناہ چاہنے والا گھبرا کر اس کی طرف آتا ہے اور وہ حقیقۃً یا اعتقاداً اس کو پناہ دیتا ہے۔

۵۔اله الفصیل بمعنیٰ اولع بامه سے مشتق ہو۔

۶۔ولـه بمعنیٰ تحیر سے مشتق ہو۔اللہ دراصل و لاہ تھا واو پر کسرہ دشوار ہونے کی وجہ سے اس کو ہمزہ سے تبدیل کرلیا گیا ہے۔پس اعاء اور اشاح کی طرح الاہ ہو گیا۔

لیکن اس قول کو اس لیے رد کر دیا گیا کہ اس کی جمع اولهة آنی چاہیے تھی۔حالانکہ اس کی جمع الهة آتی ہے اور بعض نے اللہ کی اصل لاہ مانی ہے جو لاہ یلیه کا مصدر ہے بمعنیٰ احتجب وارتفع۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ مشتق نہیں ہے۔بلکہ یہ اسم ذاتی ہے۔اسی لیے یہ موصوف بنتا ہے۔مگر صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوتا۔نیز اس لیے بھی کہ خدا کے لیے کوئی ایسا نام ضروری ہے جس پر صفات باری کا اجراء کیا جائے اور وہ بجز اللہ کے اور کوئی لفظ نہیں ہے۔نیز اگر لفظ اللہ کو رحمٰن رحیم وغیرہ الفاظ کی طرح صفت مانا جائے تو پھر لا الـه الا الـرحمن کی طرح لا اله الا الله بھی کلمہ توحید نہیں رہے گا۔حالانکہ بالاتفاق کلمہ توحید ہے۔پس ان تینوں وجوہ سے ثابت ہوا کہ اللہ علم ذات ہے۔

تیسرا قول سب سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ اللہ اصل میں وصف کے لیے تھا۔لیکن پھر خدا کے لیے خاص طور پر غلبہ استعمال ہو گیا اور الثریا اور الصعق کی طرح علم ہو گیا۔اب اس کو موصوف بنایا جائے گا۔مگر بطور صفت استعمال نہیں ہوگا اور نہ اس میں شرکت احتمال رہے گا۔ورنہ محض اللہ کی ذات کا ادراک بغیر کسی حیثیت کے ناممکن ہے اس لیے کوئی لفظ بھی اس کی تعبیر نہیں کر سکتا۔نیز لفظ اللہ محض ذات کے مقابلہ میں ہوگا۔تو آیت وهو الله فی السمٰوات کے کوئی صحیح معنی نہیں رہتے۔امام محمدؒ امام شافعیؒ اور سیبویہؒ وغیرہ

لفظ اللہ کو علم مانتے ہیں۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اللہ اصل میں لاھا تھا سریانی زبان میں۔لیکن اخیر کا الف حذف کر کے اس پر لام داخل کر دیا گیا ہے۔لفظ اللہ کے لام کو حذف کرنا لحن جلی ہے۔جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بغیر الف کے اللہ کہنے سے صریح قسم بھی منعقد نہیں ہوگی۔البتہ ضرورت شعری کی وجہ سے الف کا حذف جائز ہے۔جیسے الا لا بارک اللہ فی سھیل اذاما اللہ بارک فی الرجال:

رب العالمین. رب دراصل مصدر ہے بمعنی تربیت۔امام راغبؒ اس کے معنی لکھتے ہیں۔تبلیغ الشیء الی کمالہ شیئا فشیئا اس کے بعد صوم اور عدل کی طرح بطور مبالغہ اللہ کی صفت ہوگئی اور کہتے ہیں کہ نمّ نیم نمٌّ کی طرح یہ ربّ یربّ ربٌّ سے ماخوذ ہے۔بہر دو صورت اس کا اطلاق مالک کے معنی میں ہے۔کیونکہ وہ اپنی مملوک چیزوں کی حفاظت و تربیت کرتا ہے۔مطلقاً رب اللہ کے لئے خاص ہے۔دوسرے کے لیے استعمال جائز نہیں۔الاّ یہ کہ مقید کر کے استعمال کیا جائے۔جیسے ارجع الی ربک فرمایا گیا ہے اور عالَم، خاتَم اور قالَب کی طرح اسم آلہ ہے بمعنی ذریعہ علم ہے۔پوری کائنات اللہ کے وجود کی علامت ہے اور اسی لفظ کا جمع لانا مختلف قسم کے عالم کا ارادہ کرنے کے لیے ہے۔مثلاً: عالم انس، عالم جن، عالم ملائکہ وغیرہ اور ذوی العقول کی رعایت کرتے ہوئے یا نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔دوسری صفات باری میں بھی اس کی رعایت کی گئی ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ عالم کا اطلاق وصفی صرف انسانوں، فرشتوں، جنات کے لیے ہے۔دوسری مخلوقات تابع کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں عالمین سے مراد صرف انسان ہیں۔کیونکہ ہر فرد اس کا عالم صغیر ہے۔جو عالم کبیر کا حصہ ہیں۔انسان میں بھی عالم کبیر کی طرح صانع عالم کے کمالات معلوم ہوتے ہیں۔اسی طرح قرآن کریم میں عالمِ صغیر اور عالم کبیر دونوں پر نظر کرنے کو برابر کہا گیا ہے۔وفی انفسکم افلا تبصرون ایک قرات میں رب العلمین بطور مدح یا نداء کے منصوب پڑھا گیا ہے۔لفظ الحمد سے فعل مقدر مان کر بھی اس کا ناصب ہوسکتا ہے۔لفظ اللہ سے ممکنات کا حدوث کے وقت جس طرح محدث کی طرف محتاج ہونا معلوم ہوا۔اسی طرح رب العالمین سے معلوم ہوا کہ عالم اپنے بقاء میں بھی مُبقی کا محتاج ہے۔

الرحمٰن الرحیم. یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جو رحم سے ماخوذ ہیں۔جیسے غضبان، غضب سے اور علیم عالم سے مبالغہ کے آتے ہیں۔رحمۃ دراصل کہتے ہیں۔قلب کی رقت ومیلان کو فضل واحسان کی جانب،عورت کا رحم بھی بچہ پر منعطف ہوتا ہے۔صلہ رحمی اسی سے ماخوذ ہے۔اسماء الٰہیہ بلحاظ آیت بولے جاتے ہیں جو انفعال کا درجہ ہے بلحاظ مبادی استعمال نہیں ہوتے۔کیونکہ مبادی انفعالات ہوتے ہیں۔اور رحمٰن میں چونکہ ایک حرف رحیم سے زیادہ ہے۔اس لیے مبالغہ میں بھی زیادتی ہو جائے گی۔جیسے قطع قطّع اور کبار، کبّار میں وزن کی زیادتی سے معانی میں زیادتی ہو رہی ہے اور یہ زیادتی اگر بلحاظ کمیت ہے تو یا رحمن الدنیا ورحیم الاخرۃ کہا جائے گا۔کیونکہ دنیا میں تو اللہ کی رحمت مومن و کافر سب پر ہوتی ہے۔لیکن آخرت کی نعمت مومنین کے ساتھ ہے۔اور زیادتی بلحاظ کیفیت لی جائے تو کہا جائے گا۔یا رحمٰن الدنیا والاخرۃ ورحیم فی الدنیا. کیونکہ اُخروی نعمتیں سب بڑی ہیں۔لیکن دنیاوی نعمتیں بڑی بھی ہوتی ہیں اور چھوٹی بھی۔البتہ رحمٰن کے لفظ پہلے اور رحیم کا لفظ بعد میں لایا گیا۔اگرچہ ترقی من الادنی الی الاعلیٰ کا قیاس یہ چاہتا ہے کہ ترتیب اس کے برعکس ہونی چاہئے تھی۔یعنی الرحیم الرحمٰن. لیکن اول تو دنیا کی رحمت بہ نسبت آخرت کی رحمت کے پہلے ہوتی ہے۔اس لیے لفظ رحمٰن پہلے لایا گیا اور رحیم بعد میں۔دوسرے یہ کہ رحمٰن اللہ کیساتھ خاص ہونے کی وجہ سے گویا علمیت کے درجہ پر آ گیا۔یہ بات رحیم میں نہیں ہے۔کیونکہ رحمٰن اس منعم حقیقی کو کہتے ہیں۔جو رحمت کی انتہا پر پہنچا ہوا ہو۔دوسرا کوئی اگر رحم دلی کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔خواہ صلہ اور بدلہ کی توقع ہو یا تعریف وستائش کا لالچ اور بھی کچھ نہیں۔تو انسانی دلسوزی اول سے مال کی محبت دور کرنے کے لیے انسان رحم دلی کرتا ہے۔لیکن اللہ کا رحم ان سب غرضوں سے پاک ہے۔پس گویا ایک طرف لفظ اللہ علم خالص ہے۔دوسری طرف رحیم

خالص صفت ہے۔ درمیان میں رحمٰن ہے جو بمنزلہ علمیت کے اور وصفیت کے ہے۔ دوسری دلیل اللہ کے منعم حقیقی ہونے کی یہ ہے کہ تمام نعمتیں اوران کا وجود اوران پر قدرت اوران سے انتفاع کی قدرت اور وہ قوتیں جن سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں دوسرا کوئی ان پر قادر نہیں ہے۔ تیسرا نکتہ رحمٰن کے مقدم لانے کا یہ ہے کہ تمام بڑی نعمتیں اوران کے اصول لفظ رحمٰن میں آ گئے۔ اب جو کچھ نعمتیں چھوٹی موٹی رہ گئیں وہ بطور تمتہ لفظ رحیم میں آ گئیں۔ پس گویا لفظ رحیم تمتہ اور ردیف ہے۔

اور چوتھا نکتہ تقدیم کا یہ ہے کہ رؤسی آیات کی حفاظت کے لیے رحمٰن پہلے اور رحیم بعد میں لایا گیا ہے۔ لفظ رحمٰن میں غیر منصرف ہونا زیادہ واضح ہے۔ اگر چہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اس کا مونث فعلیٰ یا فعلانۃ کے وزن پر نہیں آتا۔ لیکن فعلان کے وزن پر اکثر الفاظ غیر منصرف آتے ہیں۔

مالک یوم الدین. عاصمؒ، کسائیؒ، یعقوبؒ نے مالک پڑھا ہے۔

۱۔ **یوم لاتملک** سے اس کی تائید ہوتی ہے اور باقی قراء نے **ملک** پڑھا ہے۔ حرمین کی قرات کی وجہ سے یہ اور آیت **لمن الملک** سے اس کی تائید ہے۔ نیز اس لفظ میں زیادہ تعظیم ہے۔

۲۔ **مالک مِلک** سے ماخوذ ہے جو اپنی مملوکات میں جو چاہے تصرف اور **ملک مُلک** سے ماخوذ ہے۔ جو حکومت کرنے میں پورے طور پر بااختیار ہو ان دو قراتوں کی طرح اس میں اور قراءتیں بھی ہیں۔

۳۔ **ملک** تخفیف کے ساتھ۔

۴۔ **ملک** ماضی کے ساتھ۔

۵۔ **مالکا** مدح یا حال کے طریقہ پر منصوب ہو۔

۶۔ **مالکٌ** رفع اور تنوین کے ساتھ۔

۷۔ **مالک یوم** اضافت کے ساتھ مبتداء محذوف کی خبر۔

۸۔ **ملک یوم** اضافت کے ساتھ رفع اور نصب کی صورت میں **یوم الدین** کے معنیٰ روزِ جزاء کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ **کما تدین تدان.** حماسہ کا یہ شعر بھی اسی معنیٰ پر ہے۔

ولم یبق سوی العدوان.   دناهی هم کما دانوا.

مالک یوم میں اسم فاعل کی اضافت ظرف توسعاً ہو رہی ہے۔ مفعول بہ کے درجہ میں قرار دیتے ہوئے جیسے **یاسارق اللیلة اهل الدار** اور معنیٰ یہ ہوں گے۔ **ملک الامور یوم الدین** اس صورت میں اضافت لفظیہ ہوگی۔ لیکن اگر معنیٰ یہ ہوں **له الملک فی هذا الیوم علی وجه الاستمرار** تو پھر اضافت حقیقیہ کہلائے گی اور اللہ معرفۃ کی صفت ہو جائے گی۔ دِین کے معنیٰ شریعت اور طاعت کے بھی ہیں۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے۔ **یوم جزاء الدین** اور **مالک** کی اضافت خاص **یوم** کی طرف اس کی تعظیم کی پیش نظر کی گئی ہے اور یا اس لیے کہ اس دن صرف اللہ ہی کی حاکمیت رہ جائے گی۔ ان آیات میں اللہ کی چار صفات کا ذکر ہے۔ پہلی صفت **رب العالمین** ہے۔ جس میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ کی تعریف کا سبب اس کی ایجاد و تربیت ہے اور دوسری تیسری صفت رحمٰن ورحیم میں یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ یہ ایجاد و تربیت محض اس کے فضل و اختیار کی وجہ سے ہے۔ اس سے انکا صدور نہ تو بقول فلاسفہ ایجاب بالذات کی وجہ سے ہے اور نہ بقول معتزلہ اللہ پر ایسا کرنا واجب تھا۔

اور چوتھی صفت **مالک یوم الدین** میں یہ واضح کرنا ہے کہ اس دن اللہ ہی کی سلطنت اور مالکیت کا ظہور ہوگا۔ کسی کی اس میں شرکت نہیں رہ جائے گی۔ اور اس صفت میں حاسدین کے لیے وعدہ اور تارکین کے لیے وعید بھی ہے۔ غرض جہاں ان صفات کے

لانے میں یہ تاثیر دینا ہے کہ جس ذات میں یہ چاروں خوبیاں ہوں وہ مستحق حمد ہے اور مفہوم مخالف یہ بھی نکلتا ہے کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ مستحق عبادت تو کیا مستحق حمد بھی نہیں ہے۔

ایاک نعبدو ایاک نستعین. اب تک اللہ کا ذکر بصیغہ غائب ہورہا تھا۔ لیکن جب ان چاروں صفات سے اللہ کا امتیاز تام اور کامل استحضار ہوگیا تو ایاک میں خطاب کی طرف التفات ہوگیا۔ جس سے زیادہ اختصاص ہوگیا اور برہان سے عیان کی طرف اور غیبت سے مشہود کی جانب ترقی ہوگئی۔ اب گویا معلوم محسوس اور معقول مشاہدہ ہوگیا اور غیبت حضور میں تبدیل ہوگئی۔ ان آیات میں پہلے تو عارف کے ابتدائی حالات ذکر، فکر و تامل اسماء اللہ کی نعمتوں میں نظر اور صانع کی عظمت شان اور قہر و غلبہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے بعد منتہی امر کا بیان ہے یعنی وصول الی اللہ حاصل ہوجانا اور عارف کا صاحب مشاہدہ ہوجانا۔ گویا کہ تجلیات ربانی اس کے سامنے ہیں۔ لفظ ایا ضمیر منفصل ہے جس میں یائے کاف، ہا حروف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ تکلم خطاب اور غیبت کے مواقع پر اور جیسے انت کی تا اور ارتیک کا کاف محل اعراب میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ حروف زوائد بھی محل اعراب میں نہیں ہوتے۔ لیکن خلیل نحوی کی رائے ہے کہ لفظ ایّا ان حروف زائد کی طرف مضاف ہے اور استدلال میں عرب کا یہ مقولہ پیش کرتے ہیں۔ **اذا بلغ الرجل ستین فایاه وایا الثواب.** لیکن جواب دیا جائے گا کہ یہ شاذ ہے لائق استدلال نہیں ہے۔

تیسرا قول کوفیوں کا ہے کہ اصل ضمائر ہوتی ہیں اور ایّا ان کے لیے سہارا ہوتا ہے۔ کیونکہ ضمائر کو عامل سے الگ کرنے کے بعد بولا نہیں جاسکتا۔ اس لیے لفظ ایّا بڑھا دیتے ہیں تاکہ ضمائر اس کی وجہ سے مستقل ہوجائیں۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ لفظ ایاک پورا ضمیر ہے اور ایاک، معیاک بھی پڑھا گیا ہے۔ عبادت کے معنی انتہائی پستی اور ذلت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے **طریق معبد** پامال راستہ **ثوب ذو عبدة** مستعمل اور خستہ کپڑا۔ اسی لیے عبادت کا لفظ اللہ کے لیے انتہائی خضوع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور استعانت کے معنی مددگار طلب کرنے کے ہیں۔ خواہ ضروری مدد ہو یا غیر ضروری۔ معونت ضروری کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بغیر فعل سرزد نہیں ہوتا۔ ان شرائط ضروری کے فراہم ہونے پر صاحب استطاعت کہا جائے گا۔ اور اس کے بعد انسان افعال کا مکلف ہوجاتا ہے اور مونت غیر ضروری اس کو کہتے ہیں جس سے فعل کا حصول سہل اور آسان ہوجائے۔ جیسے پیدل چلنے پر قدرت رکھنے والے کے لیے سواری کی فراہمی یا فاعل کو فعل سے قریب کردینے والی ہو اور باعث فعل ہو۔ جس کو قدرت میسرہ کہنا چاہئے۔ اس پر تکالیف شرعیہ موقوف نہیں ہوتیں۔ یہاں آیت میں ہر قسم کی معونت مطلوب ہورہی ہے یا ادائیگی عبادات میں اعانت مطلوب ہے۔ اور نعبد اور نستعین کی ضمیر جمع میں قاری اور اس کے رفقاء مراد ہیں۔ خواہ وہ محافظ فرشتے ہوں یا دوسرے نمازی۔ اس میں اجتماعی عبادت اور نماز باجماعت کی فضیلت ثابت ہورہی ہے اور آیت میں مفعول کا مقدم ہونا تعظیم واہتمام کے لیے ہے اور حصر کے لیے مفید ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ اس کے معنی **نعبد ولا نعبد غیرک** لیتے ہیں۔

اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ وجود میں مقدم ہے۔ اسی کو ذکر میں مقدم کہا گیا ہے۔ اور چوتھا نکتہ یہ ہے کہ عابد کی نظر پہلے معبود پر ہونی چاہئے۔ پھر عبادت کی طرف جانی چاہئے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ یہ عبادت مجھ سے سرزد ہورہی ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ عبادت کی نسبت اللہ کی طرف ہورہی ہے اور یہ بندہ اور اللہ کے درمیان ایک علاقہ اور واسطہ کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ بندہ جب ہمہ تن اللہ میں مستغرق ہوجاتا ہے اور اسے معبود کے سوا اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا ہے تب اسے وصول میسر آتا ہے۔

یہی فرق مراتب ہے جو حضرت موسیٰ کے مقولہ **ان معی ربی سیھدین** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **لا تحزن ان اللہ معنا** میں ہے۔ پہلے اول خود پر اور پھر اللہ پر نظر گئی ہے۔ لیکن دوسرے مقولہ میں اس کے برعکس اول اللہ پر پھر خود پر نظر گئی ہے۔ پہلی سیر الی اللہ اور دوسری سیر من اللہ کہلاتی ہے اور ایاک کا تکرار اس طرف مشیر ہے۔ کہ صرف اللہ ہی مستعان ہے اور **نعبد** کو **نستعین** سے پہلے لانا یا رؤس آیات کی حفاظت کے لئے ہے اور یا اس لئے کہ حاجت طلب کرنے سے پہلے عبادت کو وسیلہ بنانا اجابت دعا کے لئے زیادہ مفید

ہے یا یوں کہا جائے کہ بندہ نے جب عبادت کی نسبت اپنی طرف کی تو اس میں ایک طرح کا ادعا پایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ عبادت بھی بغیر آپ کی توفیق واعانت کے انجام پذیر نہیں ہو سکتی۔ اور بعض نے اس کو واو حالیہ کہا ہے۔ ای نعبد مستعبطین بك ایک قراءۃ میں دونوں الفاظ میں نون مکسور ہے۔ بنو تمیم کے لغت میں یا کے علاوہ مضارع کی علامات میں کسرہ آتا ہے۔ بشرطیکہ مابعد منضم نہ ہو۔

اهدنا الصراط المستقیم یہ معونت مطلوبہ کا بیان ہے۔ گویا نستعین کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کیف اعینکم؟ اس سلسلہ میں بندوں کی درخواست کا بیان ہے کہ سیدھے راستہ کی طرف ہماری رہنمائی فرما دیجئے۔ یا یوں کہا جائے کہ اهدنا میں مقصود اعظم کو الگ بیان کرنا ہے۔

ہدایت کہتے ہیں لطف کے ساتھ رہنمائی کرنے کو اسی لئے ہدایت کا استعمال خیر کے مواقع پر ہوتا ہے۔ لیکن آیت فاهدوهم الی صراط الجحیم میں ہدایت بطور تہکم کے ہے۔ ہدیہ بھی اس لئے لیا گیا۔ اس میں محبت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اور "هوادی الوحش" بھی اسی سے ہے۔ اس کا تعدیہ لام اور الیٰ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہاں اهدنا بغیر لام اور بغیر الیٰ کے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اختار موسی قومه میں اختار بغیر من کے استعمال ہوا ہے تو ہدایت کی انواع بے شمار ہیں۔ لیکن اس کی جنسیں چار ہیں علی الترتیب۔

(۱) ان قوائے ظاہرہ باطنہ کا عطا ہونا جن سے مصالح کی طرف رہنمائی مل سکے۔ جیسے قوت عقلیہ اور حواس باطنہ اور اعضاء ظاہرہ۔

(۲) حق وباطل، صلاح وفساد کے درمیان فرق کرنے والے دلائل کا قائم کرنا۔ چنانچہ آیات وهدیناه النجدین اور فهدیناهم فاستحبوا العمی علی الهدیٰ میں اسی جنس ہدایت کا بیان ہے۔

(۳) انبیاء ورسل کو بھیجنا، کتب الٰہیہ نازل ہونا آیت وجعلنا هم ائمة یهدون بامرنا اور ان هذا القران یهدی للتی هی اقوم میں اسی کا بیان ہے۔

(۴) قلوب کے لئے کشف سرائر ہو جائے اور وحی، الہام، سچے خوابوں کے ذریعہ اشیاء کا ادراک کما هی ہو جائے۔

ہدایت کی یہ قسم انبیاء، اولیاء کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ آیت اولئك الذین هدی الله فبهداهم اقتده اور الذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا میں اسی کا ذکر ہے۔ لہٰذا دعائے ہدایت کا منشاء یا تو موجودہ ہدایت میں ثبات وزیادتی ہوگی۔ یا ان مراتب عالیہ کا حصول ہوگا۔ چنانچہ عارف واصل جب یہ دعا کرے گا تو مقصد یہ ہوگا کہ سیر فی اللہ میں رہنمائی فرمائیے۔ تاکہ ظلمات احوال محو ہو جائیں اور حجابات بدن اٹھ جائیں تو انوار قدس سے منور ہو کر نور الٰہی جلوہ گر ہو جائے۔ امر اور دعاء لفظاً ومعنیً متشارک ہیں۔ مگر اس لحاظ سے متفاوت بھی ہیں کہ امر میں استعلاء ہوتا ہے۔ اور دعاء میں تسفل یا واقعی دونوں میں رتبہ کا فرق ہوتا ہے۔

الصراط یہ سرط الطعام سے ماخوذ ہے۔ یعنی کھانا نگل لیا۔ ایسے ہی راستہ کو سراط کہتے ہیں۔ گویا وہ راہگیر کو نگل جاتا ہے۔ اسی لئے لقمہ بھی راستہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ السراط کا سین صاد سے بھی تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ اور صاد کو زاء کی آواز میں اشمام کر کے بھی پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ بروایت قنبلؒ اور رویسؒ بروایت یعقوبؒ اصل کے ساتھ اور ہمزہ اشمام کے ساتھ اور باقی قراء صاد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ قریش کا لغت یہی ہے اور مصحف عثمانی میں بھی یہی لکھا ہے۔ سراط کی جمع سرط ہے جیسے کتاب کی جمع کتب ہے اور سراط اور طریق دونوں مذکر مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔

المستقیم بمعنی مستوی طریق حق مراد ہے اور بعض نے ملت اسلامیہ مراد لی ہے۔

صراط الذین انعمت علیهم یہ بدل الکل ہے۔ الصراط المستقیم سے جو تکرار عامل کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ مقصود دراصل بدل ہی ہوتا ہے اور بدل کا فائدہ تاکید ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کا راستہ ہی استقامت کی راہ ہے اور بعض نے کہا

ہے کہ الذین انعمت علیھم سے مراد انبیاء ہیں اور بعض نے اصحاب موسیٰ وعیسیٰ مراد لئے ہیں جب تک وہ صحیح راہ پر رہے۔ایک قراءت میں صراط من انعمت علیھم ہے۔انعام کے معنی نعمت پہچانے کے ہیں۔دراصل انعام اچھی حالت کو کہتے ہیں۔پھر لذیذ نعمت پر بھی بولنے لگے۔یوں تو انعامات الٰہی بے شمار ہیں۔وان تعدوا نعمة الله لا تحصوھا تاہم انعام کی دو جنسیں ہیں۔دنیوی،اخروی۔دنیوی کی دو قسمیں ہیں وہبی اور کسبی۔پھر وہبی کی دو قسمیں ہیں روحانی جیسے روح کا بدن میں سرایت کرنا۔عقل وفہم ،فکر ونطق سے اس کو روشن کردینا اور جسمانی جیسے بدن کا پیدا کرنا اور اس میں مختلف قوتیں ودیعت کردینا اور عارضی کیفیات تندرستی اور کمال اعضاء کا دیا جانا۔اسی طرح کسبی نعمت جیسے نفس کا تزکیہ رذائل سے اخلاق فاضلہ اور ملکات باطنہ سے آراستہ پیراستہ کردینا۔اور بدن کی آراستگی بہترین ہیئت اور نفیس لباس سے اور جاہ ومال کا حاصل ہونا۔اور اخروی نعمتیں کوتاہیوں کی بخشش اللہ کی خوشنودی ،ملائکہ مقربین کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہمیشہ کے لئے ہمنشینی میسر آنا۔آیت میں اخروی نعمتیں مراد ہیں۔کیونکہ دنیوی نعمتوں میں تو مؤمن وکافر سب شریک ہیں۔

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین یہ الذین سے بدل ہے۔مطلب یہ ہے کہ منعم علیھم وہ لوگ ہیں جو غضب الٰہی اور گمراہی سے محفوظ رہے ہوں۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو الــــذیــــن کی صفت مانا جائے۔خواہ صفت بیانیہ ہو یا مقیدہ۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ حضرات دو نعمتوں کے جامع ہیں۔ایک نعمت ایمان،دوسرے غضب وضلال سے سلامتی کی نعمت۔ممکن ہے غیر کو الـذین کی صفت بنانے پر کوئی یہ شبہ کرے کہ غیر میں انتہائی ابہام ہونے کی وجہ سے اضافت کے باوجود معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا؟اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ جس طرح غیـر مبہم ہے۔اسی طرح الـذین بھی جب کہ معین افراد مراد نہ ہوں مبہم ہے۔پس صفت موصوف دونوں میں یکسانیت ہوگئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ غیــر چونکہ ایسی چیز کی طرف مضاف ہو رہا ہے جس کی طرف ایک ضد ہے۔اس لئے غیر مبہم نہیں رہا بلکہ معرفہ ہوگیا۔حاصل یہ کہ صفت موصوف میں یکسانیت ہے اس لئے صفت بنانا صحیح ہوگیا۔

ابن کثیر غیر کو حال کی وجہ سے منصوب پڑھتے ہیں۔

علیھم کی ضمیر مجرور ذوالحال ہے اور انعمت عامل ہے یا اعنی مضمر مان کر منصوب مانا جائے یا استثناء کی وجہ سے منصوب مانا جائے۔بشرطیکہ نعمتوں سے عام نعمتیں مراد ہوں۔جو مسلم وکافر دونوں کو شامل ہوں۔

الـغـضـب غضب کہتے ہیں انتقام کے ارادہ سے نفس کا بھڑک جانا۔اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے منتہیٰ اور غایت مراد ہوگی۔پہلا علیھم تو محل نصب میں ہے۔لیکن دوسرا علیھم نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہو جائے گا۔

لا زائد ہے غیر کے معنی نفی کی تاکید کے لئے گویا عبارت اس طرح ہوگی۔لا المغضوب علیھم ولا الضالین یہی وجہ ہے کہ انا زید اغیر ضارب کہنا جائز ہے۔کیونکہ غیـر ضارب انا کی خبر ہے۔اور زیدا مفعول مقدم ہے ضارب کا۔اور غیر لا کے معنی میں ہے گویا اضافت نہیں ہے۔لیکن انا زیدا مثل ضارب کہنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ اس میں مثل مضاف ہے ضارب کی طرف۔پس مضاف الیہ ضارب کے معمول زیدا کا مقدم کرنا لازم آئے گا۔مضاف یعنی غیر پر جو صحیح نہیں ہے۔ایک قراءت غیر الـضـالـیـن بھی ہے۔الـضـلال. ضلال کہتے ہیں دانستہ نادانستہ صحیح راستہ چھوڑ دینے کو گمراہی کے بے شمار درجے ہیں اعلیٰ،ادنیٰ۔مغضوب علیھم کا بعض حضرات کے نزدیک یہود ہیں اور ضالین کا مصداق نصاریٰ ہیں۔حدیث میں بھی یہی تفسیر آئی ہے۔مگر بہتر یہ ہے کہ عام رکھا جائے۔مغضوب علیہ سے سرکش،نافرمان مراد ہوں۔خواہ یہود ہوں یا دوسرے۔اور ضالین سے مراد اللہ کے مرتبہ سے ناواقف،غلط کار،خواہ نصاریٰ ہوں یا دوسرے بہر حال پہلا درجہ بڑھا ہوا ہے بہ نسبت دوسرے درجہ کے۔کیونکہ منعم علیھم میں دو باتیں ملحوظ ہیں۔ایک اللہ کی معرفت،دوسرے عمل خیر۔

بدعمل شخص مغضوب علیہ ہوگا۔ اور علم سے کورا گمراہ کہلائے گا۔ ایک قراءت و لاالضالین ہمزہ کے ساتھ بھی ہے۔ ان لوگوں کی لغت پر جو التقاء ساکنین سے بچتے ہیں۔

امین اسم فعل ہے بمعنی استجب این کی طرح مبنی علی الفتح ہے۔ التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے الف ممدودہ کے ساتھ اور الف مقصورہ کے ساتھ دونوں طرح استعمال ہے۔ پہلے کی مثال ویرحم اللہ عبدا قال امینا اور دوسرے کی مثال جیسے امین فزاد اللہ ما بیننا بعدا ابن عباسؓ نے حضورؐ سے اس کے معنی دریافت کئے فرمایا۔ افعل۔ امین بالاتفاق قرآن میں داخل نہیں ہے۔ مگر سورت کے خاتمہ پر اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے علمنی جبریل امین عند فراغی من قراء ۃ الفاتحۃ اور فرمایا کہ انہ کالختم علی الکتاب حضرت علیؓ کا ارشاد ہے امین خاتم رب العالمین ختم بہ دعا عبدہ شوافع وائل بن حجرؓ کی روایت کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرء ولاالضالین قال امین ورفع بھا صوتہ کی رو سے آمین بالجہر کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ ابن مفضل اور انس کی روایتوں کی وجہ سے آمین بالسر کے قائل ہیں۔ آیت ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ بھی حنفیہ کی مؤید ہے اور حدیث اذاقال الامام ولاالضالین فقولوا امین فان الملائکۃ تقول امین فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ سے بھی آمین بالسر کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر جہری آمین ہوتی تو آپ یہ فرماتے اذا قال الامام امین قولوا امین۔

نیز روایات سے ثابت ہے کہ ثناء، تعوذ، تسمیہ، تامین سب میں اخفاء کیا جاتا تھا۔ اور حدیث وائل کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ حضورؐ نے تعلیم کے لئے زور سے آمین کہی ہوگی۔ یا ممکن ہے ابتداء میں جہری آمین ہی ہو لیکن بعد میں نماز کے سلسلہ میں جہاں بہت سی اصلاحات ہوئیں انہی میں جہری آمین بھی ہو۔ اور یہ اختلاف جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے۔ لہٰذا آمین بالجہر اور آمین بالسر کو بہانہ بنا کر معرکہ آرائی کرنا تفرقہ بازی کہلائے گا۔

ربط آیات وشان نزول:......... قرآن کریم کی صرف ترتیب تدوینی ہی کے لحاظ سے یہ سورت پہلے نہیں ہے۔ بلکہ نزول کے لحاظ سے بھی سب سے اول۔ اسی لئے اس کا نام فاتحۃ الکتاب ہے۔ گویا قرآن کا سرنامہ، دیباچہ اور عنوان ہے۔ معتبر روایات سے واضح ہے۔ سب سے پہلی مکمل سورت جو آنحضرتؐ پر نازل ہوئی وہ یہی سورت ہے۔ اس سے پہلے متفرق آیات نازل ہوئیں۔ سورۂ علق، سورۂ مزمل، سورۂ مدثر وغیرہ میں۔ لیکن بحیثیت سورت اولیت کا شرف اسی کو حاصل ہے۔ ممکن ہے بعد میں مدینہ میں بھی اس کی تجدید کردی گئی ہو۔ اس لئے اس کو مثانی کہا گیا۔ یا نماز میں ہر رکعت میں پڑھنے کی وجہ سے مثانی کہا گیا ہو۔ اب وہ پڑھنا چاہئے حقیقۃ ہو یا حکماً ہو۔

﴿ تشریح ﴾:......... الحمد للہ سورۂ فاتحہ دراصل ایک دعاء ہے۔ دعا کا ادب یہ ہے کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو پہلے اس کی تعریف، خوبی اور احسانات بیان کرکے اس کے مرتبہ کا اعتراف کرو اور پھر اس سے مانگو۔ یہ کوئی تہذیب کی بات نہیں کہ منہ کھولتے ہیں جھٹ اپنا مطالب پیش کردو۔ شائستگی یہی ہے کہ اول اس کی حمد وثنا کرو۔ جس کے آگے دست سوال دراز کررہے ہو کہ وہ مائل بہ کرم پوری طرح متوجہ ہو جائے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت:......... معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ سب سے پہلی وہ سورت ہے جو مکمل طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ جہاں تک صرف متفرق آیات کا تعلق ہے جیسے سورۂ علق، سورۂ مزمل، سورۂ مدثر وہ اگرچہ اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ لیکن بحیثیت مکمل سورت کے یہی پہلی سورت ہے۔ دراصل کسی کی تعریف مختلف وجوہ سے

کی جاتی ہے۔ کبھی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ہم پر اس کے فضائل کا کیا اثر ہے۔ بجائے خود محض اس کی حسن وخوبی وکمالات کی بناء پر تعریف کی جاتی ہے اور کبھی اس لئے تعریف کی جاتی ہے کہ وہ ہمارا محسن ہے۔ اس کے احسانات کا تقاضا ہے کہ ہم اعتراف نعمت کے طور پر اس کی خوبی بیان کریں۔ انسان کی قدر شناسی اور احسان مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان دونوں حیثیتوں سے اللہ کی تعریف میں رطب اللسان ہو اور صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کے لئے تعریف ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر نعمت کا عطا کرنے والا وہی ہے۔ خواہ براہ راست عطا فرمائے یا بواسطہ۔ اس لئے عمدہ اور اول سے آخر تک سب تعریفیں جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی۔ وہ اللہ ہی کے لئے ہیں۔

تعریف کا مستحق خالق کمال ہے نہ کہ صاحب کمال: .... یہ کہہ کر ایک بڑی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ یعنی دنیا میں جہاں جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی حسن، کوئی خوبی، کوئی کمال ہے تو اس کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ کسی مخلوق کا کمال ہی ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ پس اگر کوئی ذات اس کی مستحق ہے کہ ہم اس کے گرویدہ، پرستار، احسان مند اور شکر گزار اور خدمت گار بنیں تو وہ خالق کمال کی ہستی ہے نہ کہ صاحب کمال شخصیت۔ رب کے معنی مالک و آقا، مربی اور حاکم کے ہیں۔ اللہ تینوں معانی کے لحاظ سے رب ہے۔ اور عالم کے معنی مجموعہ مخلوقات کے ہیں۔ لیکن ہر جنس کو مستقلاً شامل کرنے کے لئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن اللہ کی رحمت ومہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لئے مزید رحیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یوم الدین اس دن کو خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس میں بڑے بڑے واقعات پیش آئیں گے۔ ایسا خوفناک دن نہ کبھی پہلے ہوا، نہ ہوگا۔ دوسرے اس روز اللہ کی حکومت کے سوا کسی اور کی ظاہری سلطنت بھی نہ ہوگی یعنی اللہ اس دن کا مالک ہوگا۔ جب کہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامۂ زندگی کا حساب کیا جائے گا۔ اور انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا۔ رحمٰن ورحیم کے بعد مالک یوم الدین کہنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ بڑا مہربان ہی نہیں بلکہ منصف بھی ہے۔ اور منصف بھی ایسا بااختیار کہ پورے اقتدار کا مالک ہوگا۔ نہ اس کی جزاء میں کوئی مانع ہوگا اور نہ سزا میں کوئی مزاحم ہو سکے گا۔ لہٰذا اللہ محض اپنی ربوبیت ورحمت کی بناء پر بھی لائق محبت نہیں۔ بلکہ اس کے انصاف سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ ''فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں''۔

عبادت واستعانت کا نقطۂ اتصال: .... ایاک نعبد عبادت کا لفظ تین معنی میں آتا ہے (۱) پرستش اور پوجا (۲) طاعت وفرمانبرداری (۳) غلامی۔ یہاں تینوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اے اللہ! ہم آپ کے پرستار بھی ہیں اور غلام وفرمانبردار بھی ہیں اور فی الحقیقت یہ خصوصی تعلق تیرے ہی ساتھ ہے۔ کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے۔ ایاک نستعین اور یہ خصوصی تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ استعانت کا بھی ہے۔ کیونکہ ساری کائنات کا رب تو وہی ہے اور ساری طاقتوں کا سرچشمہ تیرے ہی ہاتھ ہے اور ساری نعمتوں کا تو اکیلا ہی مالک ہے۔ اس لئے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیرا ہی رخ کرتے ہیں۔ تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلتا ہے۔ اور اس لئے ہم یہ درخواست لے کر حاضر بارگاہ ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی سمجھ کر ظاہری استعانت کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ اللہ ہی سے استعانت ہے۔ مقبول بندہ تو محض وسیلہ ہے۔ اهدنا الصراط المستقیم سیدھی راہ دکھلانے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں خیال، عمل، برتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتا جو بالکل صحیح ہو۔ جس میں نہ غلط بینی کا خطرہ ہے اور نہ غلط کاری اور بدانجامی راہ

پاسکے۔ بلکہ وہ راستہ نجات وفلاح کا ضامن ہو۔ اے اللہ! آپ ہماری راہنمائی فرمائیں کہ خیالات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ہم حقیقت کی شاہراہ پر آجائیں اور زندگی کی بے شمار پگڈنڈیوں کے درمیان ہمیں سیدھی اور صاف شاہراہ دکھلا۔

انعام حقیقی مطلوب ہے ظاہری انعام صورۃ مہر اور باطنا قہر ہوتا ہے:..........صراط الذین انعمت علیھم جس سیدھی راہ کی درخواست پیش کی جارہی ہے وہ ان لوگوں کا راستہ ہے جس پر آپ کے پسندیدہ اور برگزیدہ لوگ چل کر منزل مقصود تک پہنچ چکے ہیں۔ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک جو لوگ اس بے خطا راستہ پر چلے ہیں۔ وہی اس کے انعامات سے سرفراز کئے گئے ہیں۔ ان انعامات سے نوازے گئے لوگوں سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو بظاہر عارضی طور پر دنیوی نعمتوں سے ہمکنار ہوتے ہیں اور فی الحقیقت اللہ کے غیظ وغضب کے مستحق ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنی سعادت وفلاح کی راہ گم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بس سلبی پہلو سے یہ بات بخوبی کھل جاتی ہے کہ انعامات سے ہماری مراد حقیقی اور پائیدار انعامات ہیں جو راست روی اور خدا کی خوشنودی کے صلہ میں ملا کرتے ہیں۔ جن کا مصداق انبیاءؑ، صدیقینؒ، شہداءؒ، صالحینؒ کے چار گروہ ہیں۔ وہ عارضی اور نمائشی انعامات جو بطور استدراج پہلے بھی فرعونوں اور نمرودوں اور قارونوں کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں کو مل رہے ہیں۔ وہ مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا ظاہر آرام ہے اور باطن آلام۔

غوایت وضلالت کا فرق:..........آیات وروایات اس پر شاہد ہیں کہ سیدھی راہ سے محرومی دو طرح سے ہوا کرتی ہے۔ جان بوجھ کر غلط راہ اختیار کرنا یا بے خبری میں گمراہ ہو جانا۔ اگلا پچھلا کوئی گمراہ فرقہ ان دو قسموں سے باہر نہیں ہوسکتا۔ یہود پہلی قسم میں اور نصاریٰ دوسری قسم میں ممتاز رہے ہیں۔ اس سورت کے نصف اول میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے اور نصف آخر میں بندوں کی طرف سے دعا اور استدعا ہے۔ اس سورت کے آخر پر آمین کہنا مسنون ہے۔ اگرچہ یہ لفظ قرآن سے خارج ہے۔ اور نماز میں مقتدیوں کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے کی بحث مفسرینؒ نے اس سورت کے ذیل میں بیان نہیں کی۔ بلکہ آیات **واذا قریء القران فاستمعوا له وانصتوا** اور **فاقرء وا ما تیسر من القران** کے تحت میں بقدر ضرورت یہ بحث گذر چکی ہے۔

خلاصۂ کلام:..........سورۂ فاتحہ کو قرآن پاک کا عنوان سرنامہ اور دیباچہ سمجھنا چاہئے۔ سورۂ فاتحہ کا مضمون دعائیہ ہے بالکل شروع میں اس کے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے خداوند عالم سے رہنمائی کی درخواست کرو۔ تب ہی اس کتاب ہدایت کی راہیں تم پر کھلیں گی۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں جس بات کی طلب وخواہش ہوتی ہے۔ وہ اس کی آرزو اور دعا کرتا ہے۔ اور ایسی ذات سے کرتا ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ مدعا اسی کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہے۔ لہٰذا کتاب ہدایت کی ابتداء میں اس دعا کی تعلیم دے کر گویا انسان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اسی نیت اور ارادہ سے قرآن کریم کا مطالعہ اور تلاوت کرے۔ کیونکہ صاحب کلام ہی اس پر اپنی مرادات واضح کرسکتا ہے۔ پس گویا سورۂ فاتحہ بندہ کی طرف سے دعا ہے اور بقیہ قرآن اس دعا کا جواب ہے۔ بندہ پروردگار عالم سے دعا کرتا ہے کہ میری رہنمائی فرما۔ حق تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی صورت میں اس کی دعا کی قبولیت نمایاں ہوتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کی جامعیت اور ایجاز پر نظر ڈالی جائے تو نظر آئے گا کہ جس طرح پورے درخت کا وجود اجمالی بیج میں ہوتا ہے۔ اس کے پھل پھول، پتے، شاخیں، تنا، ڈالیں سب بیج میں مندرج ہوتی ہیں۔ اسی طرح پورے قرآن کریم کے مضامین کا نچوڑ سورۂ فاتحہ میں مضمر ہے **الحمد لله رب العالمين** میں ذات وصفات کی طرف اشارہ ہے۔ جو مبداء عالم ہونے کے ساتھ بنیاد ہے تمام عقائد اور علم کلام کی جس میں آلاء اللہ اور انعامات الٰہی آجاتے ہیں۔ اور **مالك يوم الدين** سے مابعد الطبیعات اور منتہی عالم، برزخ وقیامت کی طرف

اشارہ ہے اور ایاک نعبد میں عبادت و بندگی کے نظام کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں علم الاحکام اور فقہ آ جاتا ہے اور ایاک نستعین میں سلوک واحسان کی بنیاد فراہم ہو جاتی ہے۔ اس طرح عقائد وفقہ وسلوک کے مجموعہ سے شاہراہ ہدایت تیار ہوتی ہے۔ جس پر چل کر اور جس سے کٹ کر اربوں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پس صراط الذین میں ایام اللہ اور اچھی بری پچھلی تاریخ نکل آئی۔ جس کی تفصیل قرآن کے تہائی حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور قرآن کریم کا تمام تر بنیادی اور مرکزی نقطہ عابد ومعبود کا صحیح ربط تعلق ہے۔ یعنی بندہ کی طرف سے بندگی اور نیاز مندی اور معبود کی طرف سے اس کی پوری پوری اعانت وتائید ہے۔ اور یہ مرہون منت ہے اللہ کی شان ربوبیت کی۔ اور ربوبیت پر ابھارنے والی رحمت کی صفت میں۔ پس سارے مضامین قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں آ گیا۔ اور سورۂ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ میں آ گیا اور بسم اللہ کا اصل نچوڑ اس کی ب میں ہے۔ جو استعانت کے لئے آتی ہے اور حروف متشکلہ میں ب کا امتیاز اس کے نقطہ میں مرکوز ہے۔ اس طرح گویا سارا کلام الٰہی ایک نقطہ کی ڈبیہ میں بند ہے۔

فضائل سورۂ فاتحہ:............عن ابی ہریرۃؓ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی الاخبرك بسورۃ لم تنزل فی التوراۃ والانجیل والقران مثلها قلت بلیٰ یا رسول اللہ قال فاتحة الکتاب انها السبع المثانی والقران العظیم الذی اوتیته ۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ سے ارشاد فرمایا۔ کہ میں ایسی سورت نہ بتلا دوں جو نہ پہلے تورات وانجیل میں اتری اور نہ قرآن میں۔ عرض کیا ضرور فرمایئے۔ ارشاد ہوا کہ سورۂ فاتحہ جو سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے مجھے عطا ہوئی ہے۔ عن ابن عباسؓ قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاتاہ ملك فقال ابشر بنورین اوتیتهما لم یوتهما نبی قبلك فاتحة الکتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ لن تقرء بحرف منهما الا اعطیته ثوابا ۔ ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ کہ فرشتہ نے آ کر بشارت دی کہ آپ کو دو نور عطا فرمائے گئے ہیں۔ جو آپؐ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات جو حرف آپ ان میں سے پڑھیں گے اس کا ثواب ملے گا۔

عن حذیفة بن الیمان ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال القوم یبعث اللہ علیهم العذاب حتما مقضیا فیقرء صبی من صبیانهم فی الکتاب الحمد للہ رب العالمین فیسمع اللہ فیرفع عنهم بذلك العذاب اربعین سنة ۔ ترجمہ: حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے۔ مگر اس قوم کا کوئی بچہ الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہے۔ اللہ اس کو سن کر ان سے چالیس سال کے لئے عذاب موقوف فرما دیتا ہے۔

لطائف سلوک:............سالکین کا مقام ایاك نعبد پر تمام ہو جاتا ہے اس کے بعد ایاك نستعین سے وہ مقام تمکین کا طالب ہوتا ہے۔ جس کا بیان یہ ہے کہ سالک کا نفس وقلب جب پہلے اللہ کی حمد وثنا سے منور ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس میں انوار عنایت درخشاں ہو جاتے ہیں۔ جن سے مقام ولایت حاصل ہوتا ہے۔ پس اس سے نفس مزکی طلب گار مقصود ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کے آثار کو کامل اور اس کے الطاف کو لامتناہی دیکھتا ہے۔ اور وہ اس پر حمد الٰہی اور ذکر باری کرتا ہے۔ جس سے رب العالمین کے ذریعہ حجابات کبریائی مکشوف ہو جاتے ہیں اور وہ ماسویٰ اللہ کو فنا اور خود کو بقا میں مربی کا محتاج دیکھتا ہے۔ اس لئے وہ بے التفاتی کی وحشت اور اغیار کی طرف التفات کی ظلمت سے گلوخلاصی پانے کے لئے ترقی کرتا ہے تو اس پر رحمٰن کے الطاف کے جھونکے چلتے ہیں۔ جن سے وہ جمال الٰہی کی چھاؤں میں اور جلال خداوندی کی چمک دمک کی طرف آنا چاہتا ہے حتیٰ کہ ایاك نعبد کہہ کر وہ مقام عبودیت میں پہنچ جاتا ہے جس میں مقام فنا کی طرف اشارہ ہے اور پھر ایاك نستعین سے وہ مقام تمکین کا طلب گار رہتا ہے اور

اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم سے بھی گذشتہ سالکان تمکین کی طرف اشارہ ہے اور پھر **غير المغضوب عليهم ولا الضالين** عرض کر کے اہل تلوین کے طریقوں سے پناہ مانگی گئی ہے اور اس طرح سالک عروج ونزول کی منزلیں طے کر لیتا ہے اسی لئے نماز کو معراج المومنین کہا گیا ہے۔ نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صراط مستقیم اس وقت تک میسر نہیں آسکتی۔ جب تک کامیاب اہل طریق کی اتباع اور پیروی نہ کی جائے اور اسکے لئے صرف کتابیں اور اوراق کافی نہیں ہیں۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تشریعی صراط مستقیم مطلوب ہے جو منعم علیہم کے ساتھ خاص ہے۔ تکوینی مطلوب نہیں ہے کہ وہ صرف منعم علیہم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ساری مخلوق کو عام ہے (ماخوذ من مسائل السلوک محقق التھانویؒ)

الٰہی! تیرے کلام پاک کی ایک نہایت حقیری خدمت جو اس ذرۂ خاک نے تیرے نام پاک سے ۱۳۸۱ھ میں شروع کی تھی۔ وہ محض آج تیرے فضل وکرم سے پوری ہو رہی ہے۔ جو تیری بارگاہ بے نیاز میں بصد عجز ونیاز پیش ہے۔ الٰہی! تفسیر بالرائے کے خوف سے اس ظلوم وجہول نے کچھ بھی اپنی طرف سے لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ نقول واقوال کے انتخاب یا ان کے سمجھنے میں بلاشبہ رائے کا دخل رہا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کتنی خطائیں اس پر تقصیر سے شعوری، غیر شعوری، دانستہ، نادانستہ سرزد ہوئی ہوں گی۔ علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے۔ الٰہی! جب تو نے اس بے خود کو بلا استحقاق بود وجود کی دولت سے مالا مال کیا اور زندگی بھر کی بے شمار نعمتیں بخشیں تو الٰہی! اس بے بہبود کو بہبود عطا فرمانے میں بھی انتظار استحقاق نہ فرما۔ الٰہی تیری شان کریمی سے سیئات بھی حسنات میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اور ایک نیکی کم از کم دس نیکیوں تک ترقی کر سکتی ہے۔ تو الٰہی اس حقیری خدمت کو قبولیت ومقبولیت سے نوازنے میں بھی بس تیرے کرم کی ہی دیر ہے۔ الٰہی قرآن اور علم کے حق شفاعت کی بدولت اس روسیاہ اور اس کے والدین، مشائخ، اساتذہ، اقارب واحباب اور ان کی جنھوں نے اس کو منصۂ شہود پر لانے میں کسی درجہ میں بھی حصہ لیا ہے۔ بلکہ سب مسلمانوں کی نجات ومغفرت فرما کر فردوس بریں سے ہمکنار فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ـ سبحان ربك رب العزة عما يصفون

وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين

اللهم انس وحشتي في قبري اللهم ارحمني بالقرآن العظيم واجعله لي اماما ونورا وهدى ورحمة اللهم ذكرني منه مانسيت وعلمني منه ماجهلت وارزقني تلاوته اناء الليل واناء النهار واجعله لي حجة يارب العلمين العبد الاثيم المكنى بابي عبدالله المدعو بحمد نعيم الديوبندي خادم التدريس العربي بدارالعلوم الديوبنديه

۲۸ جمادی الثانیه ۱۳۹۸ھ ۵ جون ۱۹۷۸ء یوم الاثنین، دارالسلام ابوالبرکات دیوبند

﴿الحمد للہ کہ تیسویں پارے کی شرح وتفسیر مکمل ہوئی﴾